اُردو ترجمہ

اَلفِقهُ الاسلامی وَأدِلَّتُهُ

دور حاضر کے فقہی مسائل، ادلہ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہائی کی آرا۔
اور اہم فقہی نظریات پر مُشتمل دور جدید کے عین تقاضوں کے مُطابق مُرتب کردہ
ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق وتخریج بھی شامل ہے

جلد سوم

حصّہ پنجم و ششم

بابُ العقود

مؤلف

الاستاذ الدکتور وهبة الزحیلی رکن مجمع الفقہ الاسلامی

مُترجم

مولانا محمد یوسف تنولی

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

دار الاشاعت اردو بازار کراچی

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ستمبر ۲۰۱۲ء علمی گرافکس
ضخامت : تقریباً 4800 صفحات مکمل سیٹ

www.darulishaat.com.pk

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

.... ملنے کے پتے ....

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم اردو بازار کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم اردو بازار لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست مضامین ...... جلد پنجم

فہرست مضامین......جلد ششم

اصطلاحات

بیع.....باہمی رضامندی سے مال کالین دین۔بیع خریدنے کے معنی میں بھی آتا ہےلیکن اکثر فروخت کرنے میں مستعمل ہے۔

شراء.....مال کے بدلہ میں مال خریدنا۔

بائع.....فروخت کنندہ۔

مشتری.....خریدار۔

عاقدین.....بائع ومشتری۔

متبایعین.....بائع ومشتری۔

معقودعلیہ.....وہ مال جسے خریدایافروخت کیاجارہاہو۔

صفقہ.....سودا۔

فضولی.....دوسرے شخص کی اجازت کے بغیراس کی طرف سے عقد طے کرنے والا۔

صیغہ.....ایجاب وقبول۔

ثمن.....وہ قیمت جوخریداراورفروخت کنندہ آپس میں طے کرلیں۔

قیمت.....مارکیٹ ریٹ۔

مثمن.....جس چیز کے ثمن متعین کیے جارہے ہوں،خریدکردہ مال۔

مبیع.....فروخت کردہ چیز۔

مشترٰی.....خریدکردہ مال۔

دین.....ذمہ میں واجب الاداءقرضہ خواہ ازقسم نقد ہو یاازقسم جنس۔

قبضہ.....چیز پراس طرح کنٹرول حاصل کرلینا کہ اس میں آزادی سے تصرف کیاجاسکتاہو۔

حبس مبیع.....فروخت کنندہ کافروخت کردہ چیز کواپنے پاس روک لینا۔

تسلیم.....کسی چیز کودوسرے کے سپردکرنا۔

غرر.....دھوکا،جس کاپایاجانااورنہ پایاجانادونوں کاامکان ہو،مبیع یااس کی قیمت میں ابہام کوبھی غررکہاجاتاہے۔

مال متقوم.....ایسی چیز جس کی تاجروں کے عرف میں قیمت لگائی جاتی ہو۔

فاسد.....جومعاملہ اپنی اصل کے اعتبار سے درست ہواورکسی خارجی وصف کی وجہ سے نادرست ہو۔

باطل.....جوفعل اصل کے اعتبار سے ہی مشروع نہ ہواورکسی حکم کافائدہ نہ دے،صلب عقد میں خرابی کاآجانابطلان کاباعث

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] قیمت پر [illegible] کرنا۔

[illegible] نقصان پر [illegible] کرنا۔

[illegible] درخت پر لگے [illegible] پھلوں کے بدلے فروخت کرنا۔

[illegible] فروخت کرنا۔

[illegible] فروخت کرنا۔

[illegible] ثمن اور مبیع کو ایک دوسرے کی طرف پھینکنے پر اتفاق کر لینا۔

[illegible] قیمت [illegible] کی جائے گی۔

[illegible] اس کی صلاحیت ظاہر ہو جائے کہ اسے استعمال کیا جا سکتا ہو۔

خیار [illegible] اتفاق یا عدم اتفاق کا اختیار حاصل ہوتا۔

خیار شرط [illegible] کہ مجھے تین دن تک یہ چیز خریدنے یا فروخت کرنے کا آپشن حاصل رہے گا۔

خیارِ رؤیت.....بن دیکھے جو چیز خرید لی جائے اس پر حاصل شدہ اختیار کہ چاہے خریدے یا نہ خریدے۔
خیارِ عیب.....مبیع میں ایسا عیب پیدا ہونا جس کی وجہ سے مبیع کی قیمت میں نقص آجائے اس پر خریدار کو اختیار حاصل ہوتا ہے۔
مسلم الیہ.....فروخت کنندہ۔
رب السلم.....پیشگی قیمت دے کر اُدھار مال خریدنے والا
مسلم فیہ.....وہ چیز (جیسے گندم) جس میں بیع سلم کرنا مقصود ہو۔
رأس المال.....وہ قیمت جو بیع سلم کی صورت میں فروخت کنندہ کو ایڈوانس دی جاتی ہے۔
استصناع.....کاریگری کا ایسا معاملہ جس میں عمل فی الحال موجود نہ ہو بلکہ کاریگر کے ذمہ میں ہو۔ یعنی آرڈر پر مال تیار کروانا جیسے جوتے کی سائی دینا۔
استصحاب.....جو حکم ماضی میں موجود ہو اسے باقی رکھنا۔
بیع جزاف.....اندازے کے ساتھ خرید وفروخت کرنا۔
اقالہ.....خرید وفروخت کا معاملہ مکمل ہونے کے بعد باہمی رضامندی سے اُسے ختم کردینا۔
اجارہ.....کرایہ پر کسی چیز کو دینا۔
استجارہ.....کرایہ پر کوئی چیز لینا۔
موجر.....کرایہ پر کوئی چیز دینے والا۔
مستاجر.....کرایہ پر کوئی چیز لینے والا۔
شئے مستاجر.....کرایہ پر لی گئی چیز۔
مضاربت.....ایک شخص کا مال ہو اور دوسرے کا کام بایں طور کہ منافع دونوں میں طے شدہ تناسب سے تقسیم ہو۔
مضارب.....عمل کار۔
رب المال.....مضاربت میں لگائے گئے مال کا مالک۔
ربح.....حاصل ہونے والا نفع۔
ہبہ.....کسی شخص کو اپنے مال کا بلاعوض مالک بنادینا۔
واہب.....ہبہ کرنے والا۔
موہوب لہ.....جسے مال ہبہ کیا جارہا ہو۔
شئے موہوبہ.....ہبہ کی گئی چیز۔
ودیعت.....کسی کے پاس کوئی چیز امانت رکھنا۔
مستودع.....ودیعت رکھنے والا۔
مودع.....جس کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی جائے۔

اعارہ یا عاریت......دوسرے شخص کو کسی مادی چیز کے بلا معاوضہ منفعت کا مالک بنانا۔

مستعیر......چیز کو عاریۃً لینے والا۔

مستعار......عاریۃً لی گئی چیز۔

معیر......عاریۃً دینے والا۔

وکالت......متعین تصرف میں دوسرے کو اپنا قائم مقام بنا دینا۔

وکیل......تصرف کرنے والا قائم مقام۔

تیسری قسم......عقود

یاسول مالی تصرفات (معاملات)

عقود کی بحث اٹھارہ (۱۸) فصلوں میں آئے گی۔

۱.....بیع اوراس کی مختلف انواع (یعنی بیع سلم، استصناع، بیع صرف، بیع جزاف (تخمینہ سے بیع) سود، مرابحہ، تولیہ، وضیعہ اوراقالہ

۲.....قرض ۳.....اجارہ ۴.....جعالہ (گمشدہ آدمی کو پہنچانے کی اجرت)

۵.....شرکت ۶.....ہبہ ۷.....ودیعت ۸.....عاریت

۹.....وکالت ۱۰.....کفالت ۱۱.....حوالہ ۱۲.....رہن ۱۳.....صلح

ان تیرہ فصلوں کے ساتھ مزید پانچ فصلیں اور ملحق ہیں، جوکہ ابراء، استحقاق، مقاصہ، اکراہ اور حجر (پابندی) کے متعلق ہیں۔ بقیہ عقود (معاملات) کے متعلق گفتگو ملکیت اور احوال شخصی کی مباحث میں ہوگی، گویا شریعت اسلامیہ میں اکیس (۲۱) عقود مشروع ہیں۔

پہلی فصل......عقد بیع ❶

خاکہ موضوع......چونکہ بیع کی مختلف انواع واقسام ہیں اور فقہ میں یہ موضوع نہایت اہمیت کا حامل ہے، اس لئے فقہاء عقد بیع کو ''کتاب البیوع'' کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں۔ بیوع، بیع کی جمع ہے، جبکہ میں نے اس عنوان کو ''عقد بیع'' سے تعبیر کیا ہے چونکہ سول قانون کے شارحین کی یہی روش ہے اور میں نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ چونکہ کلمہ ''عقد'' مضاف ہے اور بیع مضاف الیہ ہے یوں یہ اضافت عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ چنانچہ نحویین کہتے ہیں کہ مفرد مضاف عموم کا فائدہ دیتا ہے، عقد بیع کے ذیل میں چھ مباحث شامل ہیں۔

پہلی بحث......عقد بیع کو وجود میں لانے کا بیان۔

دوسری بحث......بیع کی شرائط۔

تیسری بحث......بیع کا حکم، مبیع (خرید کردہ سامان) اور ثمن (قیمت، رقم) پر کلام۔

چوتھی بحث......بیع باطل اور بیع فاسد کے بیان میں۔

پانچویں بحث......جملہ خیارات کے بیان میں۔

چھٹی بحث......بیع کے مختلف انواع جو درج ذیل ہیں۔

۱.....بیع سلم جسے بیع سلف بھی کہتے ہیں۔ ۲.....استصناع ۳.....بیع صرف ۴.....بیع جزاف

۵.....ربا (سود) ۶.....بیوع امانت (مرابحہ، تولیہ، وضیعہ) ۷.....اقالہ

---

❶.....خرید وفروخت کو عربی میں عقد بیع کہا جاتا ہے، یعنی اس فصل میں خرید وفروخت کے مسائل زیر بحث آئیں گے۔

پہلی بحث: عقد بیع کو وجود میں لانے کا بیان.....اس بحث میں دو مقاصد ہیں۔

پہلا مقصد.....بیع کی تعریف، مشروعیت اور بیع کے آداب۔

دوسرا مقصد.....بیع کا رکن، بیع کے انعقاد کی کیفیت۔

پہلا مقصد.....بیع کی تعریف، مشروعیت اور آداب:

بیع کی تعریف.....بیع کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات درج ذیل ہیں۔

لغوی تعریف.....''مقابلة شيءٍ بشيءٍ'' ایک چیز کا دوسری چیز سے تبادلہ کرنا۔ لفظ بیع دو متضاد معنوں کا حامل ہے یعنی خریدنا اور بیچنا۔ ایسے الفاظ کو اصطلاح میں ''اسماء ذات الا ضداد'' کہا جاتا ہے، جن کا اطلاق ایک چیز پر بھی ہوتا ہے اور اس کی ضد پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے لفظ ''شراء'' بھی اضداد میں سے ہے۔ ❶

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ شَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ .....یوسف ۱۲/ ۲۰

یہاں ''شروا'' ''باعوا'' کے معنی میں ہے یعنی بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو محدود دراہم میں فروخت کیا۔ (یعنی یہاں شراء فروخت کی معنی میں ہے) ایک اور جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ .....البقرۃ ۲/ ۱۰۲

''وہ چیز بہت بری تھی جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا''

چنانچہ متعاقدین یعنی خریدنے والے اور فروخت کنندہ دونوں کو ''بائع، بیع، مشری اور شاری۔'' کہا جاتا ہے۔ ❷

اصطلاحی تعریف.....حنفیہ کے نزدیک، بیع کی تعریف یہ ہے:

مبادلة مال بمال علىٰ وجه مخصوص

مخصوص طریقہ سے مال کا مال کے ساتھ تبادلہ کرنا بیع ہے۔

بیع کی ایک تعریف یہ بھی ہے۔ ''مخصوص ومفید طریقہ سے مرغوب شئے کا اس کی ہم مثل شئے سے تبادلہ کرنا ہے یعنی ایجاب وقبول یا تعاطی سے چیز کا تبادلہ کرنا۔ اس تعریف میں ''مفید'' کی قید لگائی گئی ہے اس قید سے وہ بیع نکل گئی جس کا کوئی فائدہ نہ ہو، جیسے درہم کے بدلہ میں درہم (روپے کے بدلہ میں روپے) کی بیع۔ اور مرغوب کی قید سے غیر مرغوب یعنی مردار، خون اور مٹی نکل گئی۔ ❸

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے المجموع میں لکھا ہے ''بیع'' بطور تملیک مال کے مقابلہ میں مال کا ہونا ہے۔ ❹ جبکہ ابن قدامہ نے یوں تعریف کی ہے۔ ''بطور تملیک اور تملک مال کا مال سے تبادلہ کرنا۔ ❺

---

❶.....نیل الاوطار میں تعلیقاً لکھا گیا ہے کہ بیع کی لغوی اور شرعی تفسیر ہے لغت میں مطلق تبادلہ کو کہا جاتا ہے چنانچہ بیع اور شراء دونوں الفاظ اضداد میں سے ہیں، بیع کا اطلاق بیچنے پر بھی ہوتا ہے خریدنے پر بھی اسی طرح شراء بھی چنانچہ یہ دونوں الفاظ متضاد معانی میں مشترک ہیں۔ شریعت میں ''باہمی رضامندی سے مال کا مال سے تبادلہ کرنا بیع ہے۔ (نیل الاوطار ۵/ ۱۴۲) ❷ بیع کی جملہ مباحث میں ہم بائع فروخت کنندہ بیچنے والا ایک معنی میں استعمال کریں گے اور مشتری خریدار کا ہک ایک معنی میں استعمال کریں گے۔ لہٰذا جہاں بائع کا لفظ آئے گا اس سے مراد فروخت کنندہ اور جہاں مشتری کا لفظ آئے گا اس سے مراد خریدار ہوگا۔ ❸ دیکھئے البدائع ۵/ ۱۳۳، فتح القدیر ۵/ ۷۳ حاشیة ابن عابدین ۴/ ۳۔ ❹ مغنی المحتاج ۲/ ۲۔ ❺ المغنی ۳/ ۵۵۹۔

لفظ بیع 'الباع' سے مشتق ہے۔ باع بازو اور ہاتھ کو کہا جاتا ہے، چونکہ خرید وفروخت کے وقت معاملہ کاروں میں سے ہر ایک اپنا ہاتھ اور بازو آگے بڑھاتا ہے اس لئے خرید وفروخت کو "بیع" کہا جاتا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ متعاقدین میں سے ہر ایک معاملہ کے وقت دوسرے سے ہاتھ ملاتا ہے اور مصافحہ کرتا ہے اس لئے بیع کو "صفقہ" (سودا) بھی کہا جاتا ہے۔ ❶

مال...... حنفیہ کے نزدیک مال وہ ہوتا ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور بوقت ضرورت اس کا ذخیرہ کرنا ممکن ہو جبکہ مالیت کا ثبوت سبھی لوگوں یا بعض لوگوں کے مالدار ہونے سے ہوتا ہے، استاذ زرقاء نے اس تعریف پر نقد وارد کیا ہے اور مال کی دوسری تعریف کی ہے۔ "ہر وہ چیز جو مادی ہو اور لوگوں کے درمیان قیمتی متصور ہوتی ہو۔ ❷ اس تعریف کے مطابق حنفیہ کے نزدیک منافع جات اور حقوق محضہ کا مالی اعتبار نہیں ہوا۔ جبکہ جمہور فقہاء نے انہیں مال متقوم کا درجہ دیا ہے۔ چونکہ اعیان واشیاء سے مقصد نفع اٹھانا ہوتا ہے۔

یہاں بیع سے مراد وہ عقد ہے جو ایجاب وقبول سے مرکب ہو۔

بیع کی مشروعیت...... بیع جائز ہے اور اس کے جواز پر کتاب وسنت اور اجماع کے دلائل شاہد ہیں۔ ❸

قرآن کے دلائل...... چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ ...... البقرة ۲/۲۷۵

اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے۔

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ...... البقرة ۲/۲۸۲

جب تم آپس میں خرید وفروخت (اور لین دین) کرو تو گواہ بنالیا کرو۔

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ...... النساء ۴/۲۹

ہاں البتہ اگر تمہارے درمیان باہمی رضامندی کی تجارت ہو۔

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ...... البقرة ۲/۱۹۸

اس میں تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے فضل (مال) کی تلاش میں رہو۔

سنت سے دلائل...... بہت ساری احادیث سے بیع کا جواز ثابت ہوتا ہے منجملہ ایک یہ حدیث بھی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سی کمائی سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جسے آدمی اپنے ہاتھ سے کمائے۔ اور ہر وہ بیع جو مبرور ہو۔ ❹ بیع مبرور وہ ہوتی ہے جس میں دھوکا اور خیانت نہ ہو۔

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی بنا کر بھیجے گئے درآں حالیکہ لوگ آپس میں خرید وفروخت کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی اس پر تقریر فرمائی۔' نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔" سچا اور امانتدار تاجر نبیین، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ قال الترمذی ھذا حدیث حسن

---

❶...... بحواله سابق۔ ❷ المدخل الى نظرية الالتزام العامة فى الفقه الاسلامى للزرقاء ص ۱۱۴۔۱۱۸۔ ❸ المبسوط ۲/۱۰۸ المهذب ۱/۲۵۷۔ ❹ هذا حديث طويل رواه البيهقى وابن ماجه وصححه ابن حبان عن ابى سعيد الخدرى رضى الله عنه ورواه عبدالرزاق فى الجامع عن عبدالله بن ابى اوفى، وانظر كنز الدقائق ۲/۲۱۲ شرح المجموع للنووى ۹/۱۵۸، وروى الترمذى وابو داؤد عن ابى هريرة رضى الله عنه بمعناه۔

[illegible]

[illegible] .... چنانچہ [illegible] (قیمت) میں [illegible] کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور [illegible] بلکہ [illegible] قیمت دینی چاہیے۔ بخاری نے [illegible] ”اللہ تعالیٰ [illegible] والے شخص پر رحم فرمائے جو فروخت کرتے وقت اور خریدتے وقت [illegible]

[illegible] سے اجتناب [illegible] کیوں نہ ہو .... بیع میں اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کی قسم سے مطلقاً اجتناب [illegible] اللہ تعالیٰ کے نام کا امتحان ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ

[illegible] احسان کرو اور اللہ سے ڈرو اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرو۔“ بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی [illegible] قسم سے سامان کی چاہت ہو جاتی ہے لیکن برکت ختم ہو جاتی ہے۔

---

❶ ...... احکام القرآن لابن العربی ۲/۸۰۴۔

۵: کثرت سے صدقہ کرنا..... کثرت سے صدقہ کرنا تاجر کے لئے مستحب ہے تا کہ قسمیں اٹھانے، دھوکا دینے، عیب چھپانے، نرخوں میں گرانی کرنے اور بد خلقی وغیرہ سے جو گناہ ہوئے ہیں ان کا کفارہ ہو جائے۔ چنانچہ ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ نے قیس بن ابی غرزہ سے حدیث نقل کی ہے۔ "اے تاجروں کی جماعت! شیطان اور گناہگاری خرید وفروخت میں آ جاتے ہیں لہٰذا اپنی بیع کو صدقہ کے ساتھ ملاتے رہو۔

۶: قرضہ وغیرہ کو لکھنا اور اس پر گواہ بنانا..... جو معاملہ طے پائے اسے لکھنا مستحب ہے اور دَین مؤجل کی مقدار کا لکھنا بھی مستحب ہے ادھار بیع اور قرضہ کے لکھنے پر بھی گواہ بنانا مستحب ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ......وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ

اے ایمان والو! جب تم آپس میں لین دین کا معاملہ کرو جو کہ ایک مدت تک ہو تو اسے لکھ لو اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنالو۔ البقرۃ ۲/ ۲۸۲

دوسرا مقصد: بیع کا رکن یا انعقاد بیع کی کیفیت..... حنفیہ کے نزدیک بیع کا رکن ❶ ایجاب وقبول ہے جو تبادلہ یا اس کے قائم مقام تعاطی پر دلالت کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر رکن کو یوں تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ ایسا فعل جو رضامندی سے دونوں ملکوں کے تبادلہ پر دلالت کرے خواہ اس کا تعلق قول سے ہو یا فعل سے۔ ❷ جمہور کے نزدیک بیع کے چار ارکان ہیں۔ بائع، مشتری، صیغہ (ایجاب وقبول) اور معقود علیہ (خرید کردہ سامان) جمہور کی یہ رائے سبھی عقود کے بارے میں ہے

حنفیہ کے نزدیک ایجاب..... خاص فعل کا اثبات ہے جو کلام متعاقدین میں سے کسی ایک کی طرف سے پہلے واقع ہونے والی رضامندی پر دلالت کرتا ہے، برابر ہے یہ کلام بائع کی طرف سے واقع ہو جیسے یوں کہے میں نے یہ چیز بیچ دی یا فروخت کر دی یا مشتری کی طرف سے واقع ہو گویا مشتری کی طرف سے کلام کی ابتداء ہو اور یوں کہے: میں نے اتنے روپے میں یہ چیز خرید لی۔

قبول..... وہ کلام جو متعاقدین میں سے کسی ایک کی طرف سے بعد میں ذکر کیا جائے گویا ایجاب وقبول میں اعتبار اولیت اور ثانویت کا ہے خواہ بائع کی طرف سے ہو یا مشتری کی طرف سے۔

جمہور..... کے نزدیک ایجاب وہ ہوتا ہے جو ایسے شخص سے صادر ہو جس سے تملیک کا قیام ہو اگر چہ وہ اپنا کلام بعد میں لائے، اور قبول وہ ہوتا ہے جو ایسے شخص سے صادر ہو جس کے پاس ملک آتی ہو اگر چہ کلام اس سے پہلے صادر ہو۔ ❸

حنفیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کے نزدیک بیع کے ارکان تین یا چار ہیں۔ ❹ عاقد (فروخت کنندہ اور خریدار) معقود علیہ (ثمن اور سامان) اور صیغہ (ایجاب وقبول)

ایجاب وقبول کے متعلق دو پہلوؤں سے گفتگو ہوگی۔

۱..... ایجاب وقبول کے صیغہ میں۔

۲..... ایجاب وقبول کی صفت (طریقہ) میں۔

---

❶..... حنفیہ کے نزدیک رکن وہ ہوتا ہے جس پر چیز کا وجود موقوف ہو اور وہ اس چیز کا جزو ہو جمہور کے نزدیک رکن وہ ہوتا ہے جس پر چیز کا وجود موقوف ہو خواہ وہ اس چیز کا جزو ہو یا نہ ہو جبکہ شرط وہ ہوتی ہے جس پر چیز کا وجود موقوف ہو لیکن وہ اس کا جز نہ ہو۔ ❷ دیکھئے فتح القدیر ۵/ ۷۴، البدائع ۵/ ۱۳۳، حاشیۃ ابن عابدین ۴/ ۵۔ ❸ شرح المنہج للشیخ زکریا انصاری ۲/ ۱۸۰، کشاف القناع ۲/ ۳ ❹ الشرح الکبیر ۲ مغنی المحتاج ۲/ ۳، کشاف ۳/ ۱۳۵۔

ا:ایجاب وقبول کا صیغہ.....صیغہ عقد سے مراد ایجاب وقبول کی وہ صورت اور ہیئت ہے جس سے ایجاب وقبول کا قیام ہوتا ہے اگر عقد طرفین کے درمیان التزام کے طور پر ہو یا فقط ایجاب ہو اگر جانب واحد کی طرف سے التزام ہو۔

سبھی شرائع کا اس پر اتفاق ہے کہ عقد کے وجود اور تحقق کا دارو مدار ایسی چیز کے صادر ہونے پر ہے جو جانبین کی طرف سے التزام کی باہمی رضامندی پر دلالت کرتی ہو، علماء کے نزدیک یہ صیغہ عقد سے معروف ہے۔ جبکہ ماہرین قانون کے ہاں اسے ارادہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، صیغہ عقد (ایجاب وقبول) میں یہ شرط ہے کہ متعاقدین کی طرف سے ایسے طریقہ سے اس کا صدور ہو جس کا اعتبار شارع نے کیا ہو، حنفیہ کے نزدیک شارع کا اعتبار یہ ہے کہ بیع ہر ایسے لفظ سے منعقد ہو جاتی ہے جو اموال کے تبادلہ میں باہمی رضامندی پر دلالت کرتا ہو۔

چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں: بیع ماضی کے صیغہ کے ساتھ منعقد ہوتی ہے مثلاً یوں کہے (عربی میں) **بعت واشتريت**۔ (اردو میں) میں نے یہ چیز خرید لی، میں نے یہ چیز فروخت کر دی۔ حال کے صیغہ کے ساتھ بیع تب منعقد ہوگی جبکہ نیت ہو مثلاً یوں کہے: **أبيع واشتري**۔ میں بیچ رہا ہوں اور میں خرید رہا ہوں۔

اگر انعقاد بیع کے لئے مستقبل کا صیغہ استعمال کیا جائے تو حنفیہ کے نزدیک بیع منعقد نہیں ہوگی مثلاً کوئی یوں کہے۔ ''مجھے فروخت کر دو، یا مجھ سے خرید لو۔'' چنانچہ جب تک مشتری دوسری بار پہلی مثال کے جواب میں ''میں نے خرید لی'' اور دوسری مثال کے جواب میں بائع ''میں نے فروخت کر دی'' نہ کہے۔

چونکہ یہ محض وعدہ ہے جو دھوکا دہی اور ملاوٹ سے منسوب ہو سکتا ہے۔ بسا اوقات اس سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر بیع میں کوئی عیب نہ ہوتا تو وہ کسی دوسرے سے سوال نہ کرتا جبکہ دوسرا اس کا طالب ہو سکتا ہے جیسا کہ مارکیٹوں میں یہ معروف ومشہور ہے۔ پھر اگر قبول میں تاخیر ہوئی تو بیع صحیح نہیں ہوگی، چونکہ یہ عقد اس صورت میں قبول سے خالی ہوگا لہٰذا بیع منعقد نہیں ہوگی یہ ایسا ہی ہے جیسے خرید وفروخت کا مطالبہ ہی نہ کیا ہو۔

بیع اور عقد نکاح میں فرق.....بیع عقد نکاح کے برخلاف ہے چنانچہ نکاح استدعاء (مستقبل) کے لفظ کے ساتھ صحیح ہوتا ہے مثلاً یوں کہا جائے ''**زوجني**'' میرا نکاح کرادو۔ چنانچہ اس حالت میں یہ لفظ توکیل نکاح ہوگا، اگر قائل کی شادی کرادی تو گویا اس کا حکم پورا کر دیا گیا اور اس کی طلب حل ہو چکی یوں شادی (نکاح) کرانے والا ایک طرف سے ولی ہوگا اور دوسری طرف سے وکیل ہوگا جبکہ شخص واحد عقد نکاح میں طرفین کا متولی بن سکتا ہے جبکہ یہ نکتہ عقد بیع کے برخلاف ہے چنانچہ عقد بیع میں شخص واحد طرفین کا متولی نہیں
بن سکتا، الا یہ کہ باپ ہو جو بیٹے کا مال اپنے لئے خرید رہا ہو یا اپنا مال بیٹے کے ہاتھ فروخت کر رہا ہو، حنفیہ کے نزدیک یتیم کا وصی بھی طرفین سے متولی ہو سکتا ہے، مثلاً یتیم سے اپنے لئے خرید رہا ہو یا اپنا مال یتیم کے ہاتھ فروخت کر رہا ہو۔

دوسرا فرق.....عقد بیع اور عقد نکاح میں یہاں ایک اور فرق بھی ہے وہ یہ کہ امر کا لفظ حقیقت میں بھاؤ تاؤ کے لئے ہوتا ہے اور حقیقت میں ایجاب وقبول کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ صیغہ امر تو ایجاب وقبول کا مطالبہ ہوتا ہے، لہٰذا ایجاب وقبول کے لئے ایک دوسرا لفظ لانا ضروری ہے جو ایجاب وقبول پر دلالت کرتا ہو، جبکہ صیغہ امر کو عقد نکاح کی صورت میں بھاؤ تاؤ پر محمول کرنا ممکن نہیں۔ چونکہ عقد نکاح میں عادتاً بھاؤ تاؤ نہیں لگایا جاتا چونکہ عقد نکاح پیغام نکاح پر مبنی ہوتا ہے، اس لئے عقد نکاح میں صیغہ امر کو ایجاب وقبول پر محمول کیا جائے گا۔ رہی بات عقد بیع کی سو اس میں ایسی مثال نہیں ملتی، لہٰذا عقد بیع میں صیغہ امر بھاؤ تاؤ پر محمول ہوگا چونکہ صیغہ امر کی یہی حقیقت ہے اور حقیقت سے کسی دوسری چیز کی طرف بغیر دلیل کے عدول نہیں کیا جائے گا۔ جبکہ عقد بیع میں کوئی دلیل نہیں پائی جاتی بخلاف نکاح کے۔

خلاصہ.....حنفیہ کے نزدیک صیغہ بیع یا تو بغیر نیت کے دو لفظوں میں ہوگا اور یہ ماضی کے صیغہ سے ہوتا ہے۔ جیسے کوئی کہے ''**بعتُ واشتريتُ**'' (میں نے فروخت کی، میں نے خریدی) یہ صیغہ اگرچہ زمانہ ماضی کے لئے وضع کیا گیا ہے لیکن اہل لغت اور اہل شرع کے عرف

میں فی الحال ایجاب کے لئے مقرر کیا گیا ہے چنانچہ عرف لغت پر قاضی مانا گیا ہے۔

یا نیت کے ساتھ دو لفظوں میں ہوگا اور نیت حال کی ہوگی، یہ مضارع کے صیغہ سے ہوتا ہے چونکہ مضارع میں حال واستقبال دونوں کا احتمال ہوتا ہے، گویا نیت سے احتمال کا دفعیہ ہوگا، گویا مستقبل میں بیع کے وعدہ کا ارادہ ہوتا ہے، یوں زمانہ حال کی نیت کر لینا ارادہ مستقبل کے مانع ہوگی۔

یا صیغہ بیع تین الفاظ میں ہوگا اور یہ استفہام کے لفظ میں ہوتا ہے جیسے مثلاً مشتری کہے: کیا تم یہ چیز مجھے فروخت کرتے ہو؟ یا امر کے لفظ میں ہو جیسے مثلاً بائع کہے "مجھ سے یہ کپڑا خرید لو۔ یا مثلاً مشتری کہے: مجھے یہ کپڑا فروخت کردو۔" ان مثالوں میں بیع کا انعقاد اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک اس کے ساتھ تیسرا لفظ نہ ملایا جائے۔ چنانچہ پہلی مثال میں مشتری کہے گا: میں نے یہ چیز خرید لی۔" چونکہ استفہام حقیقت میں حال کے لئے مستعمل نہیں ہوتا۔ دوسری مثال میں بائع کہے گا: میں نے بیچ دی۔ اور تیسری مثال میں مشتری کہے گا: میں نے خرید لی۔

مذکورہ بالا تفصیل کی رو سے لفظ امر کے ساتھ سرے سے بیع صحیح نہیں ہوگی برابر ہے نیت کی ہو یا نہ کی ہو، ہاں البتہ جب حلال پر دلالت ہو جیسے۔ "خذہ بکذا" یعنی اتنے روپے میں یہ چیز لے لو۔" یہ ایسا ہی ہے جیسے سین یا سوف کے ساتھ ملا ہو مضارع کے صیغہ کے ساتھ بیع سرے سے صحیح نہیں ہوتی جیسے "سأبيعك" "یہ چیز میں تمہیں فروخت کروں گا۔" چونکہ جب **سین** اور **سوف** مضارع کے ساتھ ملا ہو تو حال کا ارادہ ختم ہو جاتا ہے۔ ❶

مالکیہ، شافعیہ ظاہری مذہب کے مطابق اور حنابلہ کہتے ہیں۔ عقد بیع اور عقد نکاح لفظ استدعاء یعنی صیغہ امر وغیرہ سے منعقد ہو جاتے ہیں مثلاً یوں کہا: "بعني" "مجھے فروخت کرو۔" "اشترمني" "مجھ سے خرید و دوسرا کہے گا۔" "بعتُ" "میں نے فروخت کردی، یا کہے گا۔" "اشتريت" "میں نے خرید لی۔ چونکہ عقد کی اساس باہمی رضامندی ہے۔ اور جب ایجاب وقبول متعاقدین کی طرف سے صادر ہوگا اس طور پر کہ اس سے ان کی باہمی رضامندی پر دلالت مل جاتی ہو تو عقد صحیح ہو جائے گا اور اس سے غرض حاصل ہو جائے گی، خواہ استدعاء کرنے والا بائع ہو یا مشتری۔ ❷

بیع بالتعاطی...... بیع تعاطی، معاطاۃ یا بیع مراوضہ ایک معنی میں ہے۔ بیع تعاطی یہ ہے کہ خریدار اور تاجر عملاً کسی چیز کی خرید وفروخت پر اتفاق کرلیں اور ایجاب وقبول کے لئے زبان کا استعمال نہ کریں، تاہم کبھی کبھار کسی ایک کی طرف سے لفظ بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً مشتری سامان اٹھالے اور بائع کو اس کی قیمت تھمادے، یا بائع سامان اٹھا کر دے دے اور دوسرا شخص اس کی قیمت دے دے اور اس لینے دینے میں گفتگو نہ ہو اور نہ ہی کسی قسم کا اشارہ ہو برابر ہے خرید کردہ سامان کوئی گھٹیا چیز ہو یا بڑھیا ہو۔ بیع تعاطی کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہوا ہے۔

حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ اصح قول کے مطابق کہتے ہیں کہ بیع تعاطی صحیح ہے بشرطیکہ جب یہ معتاد ہو یعنی اس کا رواج ہو اور رضامندی پر دلالت بھی ہوتا کہ متعاقدین کا ارادہ مکمل ہو جائے، بیع ہر ایسے طریقہ سے صحیح ہوتی ہے جس سے رضامندی پر دلالت ہو۔ دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ ہر زمانہ میں لوگ بازاروں میں تعاطی سے لین دین کرتے چلے آئے ہیں، اس کا انکار منقول نہیں، لہٰذا بیع تعاطی کے جواز پر اجماع ہے، لہٰذا یہاں قرینہ رضامندی کی دلالت پر کافی سمجھا جائے گا۔ ❸

شافعیہ کہتے ہیں: یہ شرط ہے کہ عقد کا وقوع صریح الفاظ یا کنایہ سے ہو جو ایجاب وقبول کو متضمن ہو، لہٰذا بیع تعاطی صحیح نہیں ہے۔ برابر ہے

---

❶......البدائع ۱۳۳/۵، فتح القدير مع العناية ۷۵/۵، حاشية ابن عابدين ۹/۴۔ ❷......بداية المجتهد ۱۶۸/۲ حاشية الدسوقی ۳/۳، الميزان ۶۳/۲، مغنی المحتاج ۴/۲ كشاف القناع ۱۳۶/۳۔ ❸البدائع ۱۳۴/۵، فتح القدير ۷۷/۵ بداية المجتهد ۱۶۱/۲، المغنی ۵۶۱/۳

خرید کردہ سامان حقیر چیز ہو یا نفیس، چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ''بیع (خرید وفروخت) تو باہمی رضا مندی سے ہوتی ہے۔'' ❶ جبکہ رضا مندی امر خفی ہوتا ہے، لہٰذا رضا مندی پر دلالت کرنے والے لفظ کا اعتبار کیا گیا ہے، خصوصاً تنازع کی حالت میں عقد کے اثبات کے وقت تلفظ کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ حاکم کے پاس گواہوں کی گواہی صرف لفظ کی صورت میں قابل سماعت ہوتی ہے۔

شافعیہ کی ایک جماعت جن میں امام نووی، امام بغوی اور متولی بھی شامل ہیں نے بیع تعاطی کے صحیح ہونے کو اختیار کیا ہے۔ چونکہ لفظ کا شرط ہونا ثابت نہیں۔ لہٰذا عرف عام کو ترجیح حاصل ہوگی۔

چنانچہ امام نووی کہتے ہیں فتویٰ کے لئے یہی قول مختار ہے۔ جبکہ بعض شافعیہ جیسے ابن سریج اور رویانی وغیرھما نے بیع تعاطی کے جواز کو اشیاء حقیرہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور وہ اشیاء جو عمدہ اور نفیس ہوں ان میں بیع تعاطی جائز نہیں۔ اشیائے حقیرہ جیسے: کلو بھر آٹا، سبزی کی گٹھڑی وغیرھا۔ ❷

ملاحظہ.....فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ عقد نکاح فعل کے ساتھ منعقد نہیں ہوتا بلکہ نکاح کے خواہش مند کے لئے تلفظ ضروری ہے بشرطیکہ وہ تکلم پر قدرت رکھتا ہو (یعنی گونگا نہ ہو) لہٰذا اس احتیاط کا ہونا لابدی ہے۔

۲: ایجاب وقبول کی کیفیت اور طریقہ، خیار مجلس کے متعلق کلام......ایجاب وقبول میں سے جو بھی پہلے ہو دوسرے کے وجود سے قبل وہ لازم نہیں ہوتا، چنانچہ جب ایجاب ہو تو قبول سے پہلے ہر ایک کو (یعنی تاجر اور خریدار کو) رد کا اختیار ہوتا ہے اور رجوع کر سکتا ہے، آیا کہ جب ایجاب وقبول مکمل ہو جائیں تو تاجر اور خریدار میں سے کسی ایک کو مجلس عقد میں رجوع کا خیار حاصل ہوگا؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

مجلس عقد میں رجوع کا خیار حاصل ہوگا؟......چنانچہ حنفیہ مالکیہ مدینہ کے فقہاء سبعہ ❸ کہتے ہیں: عقد ایجاب وقبول سے لازم ہو جاتا ہے چونکہ بیع عقد معاوضہ ہے، بیع وشراء کے لفظ سے عقد لازم ہو جاتا ہے خیار مجلس کی چنداں ضرورت نہیں رہتی، نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ بیع طے شدہ صفقہ (سودا اور معاوضہ) ہے یا خیار ہے۔

رہی حدیث ''فروخت کنندہ اور خریدار کو اختیار حاصل ہے جب تک وہ دونوں جدا نہ ہو جائیں۔'' سو یہ حضرات اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ متبایعان (خریدار اور تاجر) سے مراد یہ ہے کہ جب وہ بھاؤ تاؤ لگا رہے ہوں اور معاملہ طے کرنے میں مشغول ہوں۔ اور جدا ہونے سے مراد اقوال میں جدا ہونا ہے، یعنی دوسرا شخص ایجاب کے بعد کہہ سکتا ہے کہ میں نہیں خریدتا یا ایجاب کرنے والا قبول سے قبل رجوع کر سکتا ہے، چنانچہ قبول سے پہلے خیار کا ثبوت ہے۔ ان فقہاء میں سے بعض نے حدیث بالا کو اس آیت سے رد کیا ہے:

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ ......النساء ۴/۲۹

ہاں البتہ تمہاری طرف سے باہمی رضا مندی سے تجارت ہو۔

دوسری آیت ہے:

اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ......(المائدۃ ۵/۱)

عقود کو پورا کرو۔

---

❶......صحیحہ ابن حبان۔ ❷مغنی المحتاج ۲/۲، المهذب ۲۵۶/۷ الا شباه والنظائر للسيوطی ص ۸۹ ط التجارية۔ ❸مدینہ کے فقہائے سبعہ یہ ہیں: سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۹۴ھ، عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۹۴ھ، قاسم بن محمد المتوفی ۱۰۶ھ، ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام المتوفی ۹۴ھ، عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود المتوفی ۹۸ھ، سلیمان بن یسار المتوفی ۱۰۷ھ اور خارجہ زید بن ثابت المتوفی ۹۹ھ۔

بعض کہتے ہیں: یہ حدیث منسوخ ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خیار مجلس ان فقہاء کے نزدیک عقد تمام ہونے سے پہلے پہلے معتبر ہے چنانچہ جب متعاقدین میں سے کوئی ایک ایجاب کردے تو دوسرے کو اختیار ہے چاہے تو مجلس میں عقد قبول کرلے چاہے رد کردے۔ یہ وہی خیار ہے جسے خیار قبول ❶ اور خیار رجوع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شافعیہ، حنابلہ، سفیان ثوری اور اسحاق رحمہم اللہ کہتے ہیں: جب ایجاب وقبول کی باہمیت سے بیع منعقد ہوجائے تو عقد ہوجاتا ہے لیکن لازمی نہیں ہوتا۔ جب تک متعاقدین مجلس میں رہیں تو ان میں سے ہر ایک کو اختیار حاصل ہوتا ہے چاہے بیع فسخ کردے یا نافذ العمل قرار دے، مجلس سے جدا جدا ہونے میں عرف حکم ہوگا اور دونوں متعاقدین اس جگہ سے جدا جدا ہوجائیں جس جگہ دونوں نے معاملہ طے کیا ہے۔ ❷ ان فقہاء کے نزدیک تفرق (جدائی) سے مراد تفرق بالابدان ہے اور حقیقت میں تفرق یہی ہے۔ حدیث میں اسی تفرق کا فائدہ ذکر کیا گیا ہے۔ چونکہ متعاقدین میں سے ہر ایک کے لئے یہی معلوم ہے۔

یہی خیار درحقیقت خیار مجلس ہے جو مختلف انواع بیع میں ثابت ہے، چنانچہ شیخین رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

متعاقدین کو اختیار حاصل ہے جب تک وہ متفرق نہ ہوجائیں یا ان میں سے ایک کہہ دے کہ لزوم کو اختیار کرلو‘‘۔ ابن رشد کہتے ہیں: جمیع محدثین کے نزدیک اس حدیث کی سند معتبر ترین سند ہے، اور صحیح ترین سند ہے۔ ابن حزم نے محلی میں اس کا تواتر ثابت کیا ہے۔

ان فقہاء نے مالکیہ اور حنفیہ پر یوں رد کیا ہے کہ اس حدیث کے الفاظ ان کی بیان کردہ توجیہ کا احتمال نہیں رکھتے۔ یعنی ’’تفرق بالابدان‘‘ مراد نہیں لیا جاسکتا، چونکہ متعاقدین کے درمیان لفظ کا تفرق نہیں پایا جاتا اور نہ ہی اس کا اعتقاد ہوتا ہے۔ بلکہ ان کے درمیان تو ثمن اور مبیع پر اتفاق رائے ہوتا ہے، جبکہ وہ قبل ازیں ان چیزوں میں اختلاف کرچکے ہوتے ہیں۔ یوں، مالکیہ اور حنفیہ کی بیان کردہ تاویل سے حدیث کا فائدہ باطل ہوجاتا ہے۔ چونکہ یہ طے شدہ ہے کہ متعاقدین کو عقد سے پہلے عقد کو وجود دینے، مکمل کرنے یا عقد کو ترک کرنے میں اختیار حاصل ہوتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو قول اوپر پیش کیا گیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ بیع کی دو اقسام ہیں ایک وہ بیع جس میں خیار کی شرط ہو اور ایک وہ بیع جس میں خیار کی شرط نہ ہو، آپ رضی اللہ عنہ نے خیار کی مدت کوتاہ ہونے کی وجہ سے بیع کو صفقہ کا نام دیا ہے۔

البتہ اس رائے کے مطابق اس خدشہ کو ہوا ملتی ہے کہ عقد کی قوت ملزمہ ڈگمگا جاتی ہے جبکہ اہم قانونی اصولوں کی رو سے یہ پر خطر معما ہے، لیکن میں نے نظریہ فسخ کے تحت اس وہم پر بھرپور رد کیا ہے۔

دوسری بحث: بیع کی شرائط..... عقد بیع میں چار انواع کی شرائط کا مہیا ہونا واجب ہے اور وہ یہ ہیں: شرائط انعقاد، شرائط صحت، شرائط نفاذ، شرائط لزوم۔

عقد بیع میں ان شرائط کا اس لئے اعتبار کیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کے درمیان تمام تر منازعات کا قلع قمع ہوجائے، متعاقدین کے مصالح کی

---

❶ ......البدائع: ۵/ ۱۳۴، فتح القدیر ۵/ ۷۸، بدایة المجتهد ۲/ ۱۶۹، حاشیة الدسوقی ۳/ ۸۱، المنتقی علی المؤطا ۵/ ۵۵ القوانین الفقهیة ص: ۲۷۴ کشاف القناع ۲/ ۱۸۷ ❷ مغنی المحتاج ۲/ ۴۳، المغنی ۳/ ۵۶۳، المهذب ۱/ ۲۵۷ بعض حنابلہ کہتے ہیں جگہ کے بدلنے سے عرف بدل جاتا ہے چنانچہ کھلی فضاء میں متعاقدین کے تفرق کا اعتبار یوں ہوگا کہ ان میں سے ایک پیٹھ پھیر کر چلا جائے اور اتنے قدم آگے نکل جائے کہ دوسرے کو آواز نہ سنائی دے تو یہ تفرق سمجھا جائے گا۔ اسی طرح دوکان سے نکل جانا تفرق ہے، بڑے گھر میں چھت پر چڑھ جانا اور باہر نکل جانا تفرق ہوگا۔ (دیکھئے غایة المنتهی ۲/ ۳۰)

حمایت کی جائے، دھوکا دہی کے احتمال کو دور رکھا جائے اور جہالت کی وجہ سے جملہ خطرات سے چھٹکارہ حاصل کیا جائے، جب انعقاد کی کوئی شرط نہ پائی جائے تو عقد باطل ہو جائے گا، جب شرط صحت نہ پائی جائے یا اس میں خلل ہو تو حنفیہ کے نزدیک عقد فاسد ہوگا۔ اور جب شرط نفاذ نہ پائی جائے تو عقد اجازت پر موقوف ہوگا، پھر ملکیت بغیر اجازت کے منتقل نہیں ہوتی، جب شرط لزوم معدوم ہو تو عقد خیار پر مشتمل ہوگا کہ عقد کو نافذ العمل قرار دیا جائے یا باطل۔

پہلی قسم کی شرائط: شرائط انعقاد..... یہ وہ شرائط ہوتی ہیں جن کا اعتبار اس لئے کیا جاتا ہے تا کہ عقد شرعاً منعقد ہو جائے ورنہ عقد باطل ہوگا۔ حنفیہ نے انعقاد بیع کے لئے چار انواع کی شرائط لگائی ہیں:

۱..... عاقد میں شرط پائی جائے۔
۲..... نفس عقد میں شرط پائی جائے۔
۳..... مکان میں شرط پائی جائے۔
۴..... معقود علیہ میں شرط پائی جائے۔

عاقد میں پائی جانے والی شرط..... وہ دو شرائط ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

۱..... یہ کہ عاقد عاقل ہو یعنی تمیز کر سکتا ہو۔ چنانچہ مجنون اور غیر عاقل بچے کی بیع منعقد نہیں ہوتی۔

بلوغ حنفیہ کے نزدیک شرط نہیں بلکہ ممیز بچہ جو سات سال کی عمر کو پہنچا ہو اس کا تصرف صحیح ہے، فی الجملہ عاقل بچہ جو تمیز کر سکتا ہو حنفیہ کے نزدیک اس کے تصرفات کی تین اقسام ہیں۔

الف..... وہ تصرفات جو نفع محض ہوں۔ جیسے لکڑیاں اکٹھی کرنا، گھاس کاٹ کر لانا، شکار کرنا، ہبہ، صدقہ اور وصیت قبول کرنا یہ تصرفات ممیز بچے کی طرف سے بھی صحیح ہوتے ہیں، ولی کی اجازت ضروری نہیں چونکہ ان تصرفات میں بچے کے لئے نفع ہی نفع ہے۔

ب..... وہ تصرفات جو ضرر محض ہوں جیسے طلاق، ہبہ کرنا، صدقہ کرنا، دوسروں کو قرضہ دینا، دوسرے شخص کی کفالت بالدین کو قبول کرنا یا کفالت بالنفس کو قبول کرنا، یہ تصرفات عاقل بچے کے صحیح نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ نافذ ہوتے ہیں اگر چہ ولی ان کی اجازت بھی دے دے، چونکہ ان تصرفات میں ضرر ہونے کی وجہ سے ولی اجازت کا مالک نہیں ہوتا۔

ج..... ایسے تصرفات جو نفع اور ضرر میں دائر ہوں جیسے بیع وشراء (خرید وفروخت) اجارہ، اجرت پر لینا، عقد نکاح، مزارعت، مساقات، شرکت وغیرھا ممیز بچے کے یہ تصرفات صحیح ہیں لیکن ولی کی اجازت پر موقوف ہوں گے، یا مابعد البلوغ تک موقوف رہیں گے، چونکہ ممیز بچے کا ادراک قلیل نہیں ہوتا۔

۲..... یہ کہ عاقدین متعدد ہوں، چنانچہ ایک ہی شخص جانبین کا وکیل ہو تو عقد بیع منعقد نہیں ہوتا، ہاں البتہ اگر باپ، وصی، قاضی اور جانبین کا قاصد عقد کا انعقاد کر سکتا ہے، بخلاف عقد نکاح کے، چنانچہ جانبین کے وکیل کا انعقاد نکاح صحیح ہے۔

عقد بیع اور عقد نکاح میں فرق..... فرق یہ ہے کہ بیع کے متضاد حقوق ہوتے ہیں جیسے ثمن اور مبیع کی سپردگی اور سامان کی سپردگی کا مطالبہ، ثمن پر قبضہ کرنا، عیب اور خیار کی وجہ سے عقد بیع کا رد کرنا، چنانچہ ایسا ہونا محال ہے کہ آن واحد میں ایک شخص خرید کردہ سامان کی سپردگی بھی کر رہا ہو اور اس پر قبضہ بھی کر رہا ہو، نیز عقد کے حقوق عاقد پر اکتفا کردہ ہوتے ہیں چنانچہ ایک عاقد کا کلام دو شخصوں کا کلام نہیں ہو سکتا، رہی بات عقد نکاح میں وکیل کی سو عقد کے حقوق وکیل بالنکاح کی طرف راجع نہیں ہوتے بلکہ عقد نکاح کے حقوق تو مؤکل کی طرف راجع ہوتے ہیں، وکیل تو عقد نکاح میں محض سفیر کی حیثیت رکھتا ہے۔

استثنائی صورت..... اگر باپ اپنا مال اپنے ہی چھوٹے بیٹے کو فروخت کرے اور قیمت مثلی یا غبن یسیر جو عادۃً ہو جاتا ہے کے ساتھ فروخت کرے، یا باپ اپنے چھوٹے بیٹے کا مال اپنے لئے خرید ے تو ان صورتوں میں باپ دو طرفہ وکیل سمجھا جائے گا۔ چونکہ یہ صورت یتیم

کے مال کے مشابہ ہے جس میں حسن انتظام کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ بیٹے پر بھرپور شفقت کی جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وصی باپ کی مانند ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بچے کے مال کا جو شخص وصی ہو تو اس کا مثلِ قیمت کے ساتھ اس میں تصرف کرنا جائز نہیں، چونکہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ باپ اور وصی کی طرف سے سرے سے تصرف جائز ہی نہ ہو، رہی بات یہ کہ باپ کے معاملہ میں چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے چونکہ باپ میں شفقت کا پہلو بھرپور ہوتا ہے۔

اگر قاضی عقد طے کرے تو عقد کے حقوق اس کی طرف راجع نہیں ہوتے قاضی تو قاصد کی طرح ہے جبکہ قاصد کو حقوقِ عقد لازم نہیں ہوتے، چونکہ قاصد تو محض معبر اور سفیر ہوتا ہے، اس لئے قاضی اور قاصد جانبین کی طرف سے عقد کا متولی بن سکتا ہے۔

بخلاف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے جمہور حنفیہ شخص واحد کے لئے جائز قرار دیتے ہیں کہ وہ عقد نکاح میں جانبین کی طرف سے ایجاب وقبول کا متولی ہو، اس کی پانچ صورتیں ہیں، جو یہ ہیں۔

۱.....جب شخص واحد جانبین کا ولی ہو یا جانبین سے وکیل ہو مثلاً ایک شخص کہے: میں نے اپنے بیٹے کی شادی اپنی بھتیجی سے کرادی یا کہے میں نے اپنے فلاں مؤکل کی شادی فلانی مؤکلہ عورت سے کرادی۔

۲.....یا شخص واحد ایک طرف سے اصیل ہو اور دوسری طرف سے وکیل ہو جیسے کوئی عورت کسی شخص کو وکیل بنائے کہ اپنے ساتھ اس کی شادی کرلے۔

۳.....یا ایک طرف سے اصیل ہو اور دوسری طرف سے ولی ہو جیسے کوئی شخص اپنے چچا کی چھوٹی بیٹی کے ساتھ شادی کرلے۔

۴.....یا ایک طرف سے ولی ہو اور دوسری طرف سے وکیل ہو جیسے کوئی کہے میں نے اپنی بیٹی اپنے مؤکل کے نکاح میں دے دی۔ رہی یہ صورت کہ شخص واحد جانبین سے اصیل ہو تو یہ صورت عقلاً محال ہے۔ ❶

نفسِ عقد میں لگائی جانے والی شرط..... یہ صرف ایک ہی شرط ہے وہ یہ کہ قبول ایجاب کے موافق ہو۔ ❷ اس کی تفصیل ان شاء اللہ آیا چاہتی ہے۔

مکانِ عقد میں لگائی جانے والی شرط..... یہ بھی صرف ایک شرط ہے وہ یہ کہ ایجاب وقبول کی مجلس میں اتحاد ہو، اس کی تفصیل بھی آیا چاہتی ہے۔ مجلس بیع سے مراد انعقاد بیع کے لئے اجتماع واقعی ہے۔ (م ۱۸۱ مجلۃ)

معقود علیہ میں پائی جانے والی شرائط..... یعنی خرید کردہ سامان میں پائی جانے والی چار شرائط ہیں۔ ❸

۱: یہ کہ مبیع موجود ہو..... چنانچہ جو چیز معدوم ہو یا اسے وجود ملا ہی نہ ہو اس کی بیع منعقد نہیں ہوتی، اس کی مثالیں یہ ہیں۔" مثلاً اونٹنی کے بچے کے بچے کی بیع، درخت پر پھل آنے سے پہلے ہی پھل کی بیع، یہ دونوں مثالیں معدوم چیز کی ہیں۔ اور جس چیز کو وجود نہ ملا ہو اس کی مثالیں یہ ہیں حمل کی بیع، تھنوں میں پڑے ہوئے دودھ کی بیع، چنانچہ حمل اور دودھ ایسی چیزیں ہیں جن کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں اور عدم کے خطرہ سے دوچار ہیں۔

(دلیل).....فی الجملہ اس شرط کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھل تیار ہونے سے قبل ان کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ ❹ اسی کے ساتھ یہ صورت بھی ملحق ہے کہ جب یاقوت کی بیع کی جائے اور وہ بلور نکلے چونکہ اس صورت میں بھی مبیع معدوم

❶.....دیکھئے البدائع ۱۳۶/۵، مجمع الضمانات ص ۴۱۰، الفوائد البهية ص ۱۳۹۔ ❷البدائع ۱۳۶/۵۔ ❸البدائع حوالہ سابقہ۔ ❹رواه الشيخان عن ابن عمر رضي الله عنهما۔

ہے۔لیکن بعض حنفیہ کی رائے میں بیع سلم، استصناع اور درختوں پر پھلوں کی بیع جبکہ کچھ پھل تیار ہو چکا ہو اس شرط سے مستثنیٰ ہے۔

۲: یہ کہ مبیع (خرید کردہ سامان) مال متقوم ہو ❶......حنفیہ کے نزدیک مال وہ ہوتا ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہوتا ہو اور بوقت حاجت اس کو ذخیرہ رکھنا ممکن ہو، بالفاظ دیگر یوں کہیے کہ ہر وہ چیز جس کا انسان مالک بن سکتا ہو اور معتاد طریقہ سے اس سے نفع اٹھا سکتا ہو۔مال کی زیادہ صحیح تعریف یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو قیمتی ہو لوگوں کے درمیان مادی سمجھی جاتی ہو۔

متقوم......وہ ہے کہ جس کا ذخیرہ کرنا ممکن ہو اور شرعی طور پر مباح ہو، بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ جو چیز فعلی طور پر محفوظ ہو اور حالت اختیار میں اس سے نفع اٹھایا جاسکتا ہو۔❷

چنانچہ جو چیز مال نہ ہو اس کی بیع منعقد نہیں ہوتی جیسے آزاد انسان، مردار اور خون کی بیع، اور جو مال متقوم نہ ہو اس کی بیع بھی منعقد نہیں ہوتی جیسے مسلمان کے حق میں شراب اور خنزیر مال غیر متقوم ہے۔جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لہو ولعب کے آلات کی بیع منعقد ہو جاتی ہے چونکہ ان ادوات کے مختلف اجزاء سے نفع اٹھانا ممکن ہے، جبکہ صاحبین اور بقیہ آئمہ کے نزدیک ان اشیاء کی بیع منعقد نہیں ہوتی چونکہ یہ اشیاء فساد کے لئے بنائی جاتی ہیں۔

۳: یہ کہ مبیع فی نفسہ مملوک ہو......یعنی خرید کردہ سامان کسی کی ملک ہو اور کسی کی ملکیت میں داخل ہو لہٰذا وہ چیز جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو اس کی بیع منعقد نہیں ہوگی جیسے گھاس پھونس کی بیع اگرچہ کسی کی مملوکہ زمین میں ہی کیوں نہ ہو ❸ غیر محفوظ پانی، لکڑیاں، جھاڑ جھنکاڑ، جنگل کے شکاری جانور، صحراء کی مٹی، صحراء کی معدنیات، سورج کی شعاعیں اور ہوا، سمندری شکار اور خشکی کے شکار۔

رہی یہ بات کہ مبیع بائع کی مملوکہ ہو سو یہ شرط شرط انعقاد نہیں بلکہ یہ تو شرط نفاذ ہے جیسا کہ اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

۴: یہ کہ مبیع مقدور التسلیم ہو......یعنی عقد کے وقت مبیع کو مشتری کے ہاتھ سپرد کرنے پر قدرت ہو، اگر مبیع کو سپرد کرنے پر عجز ہو تو وہ بیع منعقد نہیں ہوگی، اگرچہ وہ چیز فروخت کنندہ کی ملکیت ہو، جیسے بھاگا ہوا جانور، ہوا میں اڑنے والا پرندہ، سمندر میں تیرتی ہوئی مچھلیوں کی بیع۔

ایجاب وقبول کی شرائط......شرائط انعقاد سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایجاب وقبول میں تین شرائط ہیں۔

ا۔ اہلیت......یہ شرط حنفیہ کے نزدیک معتبر ہے، یہ کہ ایجاب کرنے والا اور قبول کرنے والا دونوں عاقل ہوں ممیز ہوں، جو کہتے ہوں سمجھتے بھی ہوں، ❹ دراصل یہ شرط عاقد میں ہونی چاہیے نہ کہ صیغہ میں، ہاں البتہ اس شرط کا صدور عاقدین کی طرف سے ہوتا ہے، تمیز کو حنفیہ کے نزدیک سات سالوں سے مانا گیا ہے جبکہ دوسرے آئمہ کے نزدیک سات سالوں تک پہنچنے سے، چنانچہ مجنون اور غیر ممیز بچے کی بیع منعقد نہیں ہوتی، چونکہ عقد طرفین کے دونوں ارادوں کے درمیان ارتباط کا نام ہے۔

کلام، کتابت اور اشارہ ان دونوں ارادوں پر دلیل ہے لہٰذا ضروری ہے کہ یہ دلیل ممیز عاقل سے صادر ہو، بلوغ اور اختیار حنفیہ کے نزدیک شرائط انعقاد میں سے نہیں ہے۔

بچے اور مکرہ (مجبور) کی بیع میں فقہائے مذاہب کے نزدیک کلام ہے جو یہ ہے۔

---

❶......متقوم سے مراد ایسی چیز جو قیمتی ہو اور تاجروں کے ہاں قیمتاً فروخت ہوتی ہو۔❷حاشیة ابن عابدين ۳/۴، الاموال ونظرية العقد للدكتور محمد يوسف موسىٰ ص ۱۶۲۔ ❸ کشمیر وشمالی علاقہ جات میں گھاس کی خرید وفروخت عام ہے چونکہ گھاس کی دیکھ بھال کی جاتی ہے اسے سیراب کیا جاتا ہے اس لئے یہاں گھاس سے مراد عام مباح گھاس ہے۔❹البدائع ۱۳۵/۵، الاموال ونظرية العقد للدكتور محمد يوسف موسىٰ ص ۲۵۵

ممیز بچے کی بیع......حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: ممیز (سمجھدار، نفع ونقصان میں تمیز کر لینے والا) بچے کا خرید وفروخت کے متعلق جو تصرف ہو وہ منعقد ہو جاتا ہے بشرطیکہ ولی کی اجازت بھی شامل حال ہو۔ ورنہ ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ تصرف کا دارومدار ولی کی اجازت پر ہے، نہ کے بچے پر، لہٰذا بیع صحیح ہوگی، چونکہ بیع میں بچے کی حیثیت تو محض دلال کی سی ہوتی ہے۔ جبکہ عاقد کوئی اور ہوتا ہے۔ نیز بچے کے سمجھدار ہونے کے بعد بچے کو مال دے دینا بچے کی بیع وشراء کی جانچ پڑتال پر موقوف ہوتا ہے، آیا کہ اس نے دھوکا تو نہیں کھالیا، لہٰذا تصرفات وعقود کے صحیح ہونے کے لئے قول کا ہونا لابدی ہے، لیکن ولی کی اجازت کا ہونا ضروری ہے تا کہ مال کی مصلحت اور حفاظت کا مقصد حاصل ہو۔ ❶

شافعیہ کہتے ہیں کہ بچے کی بیع اہلیت معدوم ہونے کی وجہ سے منعقد نہیں ہوتی، ❷ جبکہ عاقد کی شرط بائع یا مشتری ہونے کی حیثیت سے یہ ہے کہ وہ سمجھدار ہو، یعنی اسے بائع سمجھا جاتا ہو، مال ودین کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو ان کی دلیل یہ آیت ہے:

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا ......النساء ۴/۵

اور ناسمجھ (یتیموں) کو اپنے وہ مال حوالے نہ کرو جن کو اللہ نے تمہارے لئے زندگی کا سرمایہ بنایا ہے۔

بیع وشراء (خرید وفروخت) کے تصرف میں سفہاء (ناسمجھوں) کو مال دینے کا معنی پایا جاتا ہے چونکہ خرید وفروخت مال دینے دلوانے سے ہوتی ہے۔ ان دونوں میں جامع وجہ یہ ہے کہ غیر شرعی طریقہ سے مال کا ضائع ہونا لازمی آتا ہے۔ ❸

مکرہ اور مجبور کی خرید وفروخت

مکرہ کی بیع......جمہور حنفیہ کہتے ہیں کہ خرید وفروخت اور اجارہ کے جملہ عقود جو مکرہ کی طرف سے صادر ہوں خواہ اکراہ ملجی ہو یا غیر ملجی عقود فاسد ہیں۔ چونکہ عقد میں رضا شرط ہوتی ہے جبکہ اکراہ سے رضا زائل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ ......النساء ۴/۲۹

اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے مت کھاؤ ہاں البتہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو تو وہ حلال ہے۔

ایسی صورت میں مستکرہ کو حق حاصل ہے کہ چاہے عقد فسخ کر دے یا عقد نافذ کرے اور بوقت قبضہ مشتری کے لئے ملک ثابت ہو جائے گی جیسے بقیہ فاسد عقود میں مشتری کے لئے ملک ثابت ہو جاتی ہے، چنانچہ مستکرہ کے قبضہ سے عقد ثمن کو لازم کر دیتا ہے، یا پھر خوشی اور رضامندی سے بیع کو سپرد کرنا ہے، ہاں البتہ چند صورتوں میں مکرہ کی بیع بیوع فاسدہ سے مختلف ہے۔

چنانچہ قولی یا فعلی اجازت سے مکرہ کی بیع جائز ہو جاتی ہے اور اس کا فساد ختم ہو سکتا ہے بخلاف دوسری بیوع فاسدہ۔ کے چنانچہ وہ جائز نہیں ہوتیں اگر چہ اجازت دی جائے، چونکہ بیوع فاسدہ میں فساد حق شرع کی وجہ سے ہوتا ہے، جبکہ مکرہ کی بیع کی صورت میں فساد حق شرع کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ خاص مصلحت کی وجہ سے ہوتا ہے، ہاں البتہ اس معنی میں مکرہ کی بیع، بیع موقوف کے مشابہ ہے، اسی لئے فقہاء کہتے ہیں کہ مکرہ کی بیع، بیع فاسد وموقوف ہے۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا موقف......اسی لئے امام زفر رحمہ اللہ کہتے ہیں اکراہ عقد کو غیر نافذ بنا دیتا ہے۔ اور یہ عقد فضولی کی مانند ہوتا ہے جو انعقاد کے اعتبار سے صحیح اور مستکرہ کے اعتبار سے موقوف ہوتا ہے، لہٰذا اکراہ زائل ہونے کے بعد مستکرہ (مجبور) کی اجازت پر موقوف

---

❶......دیکھئے البدائع ۵/۱۳۵ بدایۃ المجتہد ۲/۱۶۸، حاشیۃ الدسوقی ۳/۵، المغنی ۴/۲۴۶۔ ❷مغنی المحتاج ۲/۷۔ ❸شافعیہ کہتے ہیں کہ چار آدمیوں کی بیع منعقد نہیں ہوتی، بچہ خواہ ممیز ہو یا غیر ممیز ہو، مجنون، غلام اگر چہ مکلف ہو، اور نابینا شخص۔ ان کی بیع باطل ہوتی ہے۔

ہوگا چونکہ اکراہ مستکرہ کے حق اور اس کی مصلحت میں خلل ڈال دیتا ہے، یوں مستکرہ کی حمایت کی خاطر عقد کو موقوف قرار دینا کافی ہے، یعنی اکراہ کے زائل ہونے کے بعد مستکرہ کی رضامندی پر موقوف ہوگا، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے دلیل کے اعتبار سے قوی تر ہے۔ ❶

شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: عقد میں یہ شرط بھی ہے کہ عاقد مختار ہو اور سامان کی فروختگی میں دلی طور پر رضامند ہو چنانچہ مکرہ کے مال میں بغیر کسی حق کے بیع منعقد نہیں ہوگی۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ ......النساء ۴/۲۹

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت سے خطا، نسیان اور اکراہ کو اٹھالیا گیا ہے۔

اگر اکراہ کسی حق کی وجہ سے ہو تو انعقاد عقد کے مانع نہیں ہوگا، چونکہ اس صورت میں رضائے شریعت کو مستکرہ کی رضا کے قائم مقام بنا دیا ہے۔ جیسے مسجد کی توسیع، راستہ یا قبرستان کی توسیع کے لئے کسی کو گھر فروخت کرنے پر مجبور کرنا، یا ادائے قرض کے لئے یا بیوی کے نفقہ کے لئے یا اولاد اور والدین کے نفقہ کے لئے کسی کو سامان فروخت کرنے پر مجبور کرنا، یا کسی برحق ٹیکس کی ادائیگی کے لئے سامان فروخت کرنے پر مجبور کرنا۔

مالکیہ...... کہتے ہیں مکرہ کی بیع لازم نہیں ہوتی، چنانچہ مستکرہ کو خیار حاصل ہوگا کہ وہ چاہے تو بیع کو نافذ قرار دے یا فسخ کردے، میں نے مالکیہ کا یہی مذہب مختصر خلیل اور اس کی شروحات میں پایا ہے، لیکن ابن جزی کہتے ہیں: بائع اور مشتری کے لئے شرط ہے کہ وہ خوشی اور رضامندی سے عقد طے کریں جبکہ مکرہ کی خرید وفروخت باطل ہے۔ ❷

مضطر (بے چین) کی بیع...... یہ کہ کوئی شخص اپنے مال میں سے کسی چیز کو فروخت کرنے پر مجبور ہو جبکہ مشتری اس کی مثلی قیمت سے کم تر قیمت کے ساتھ خریدنے پر راضی ہو جو کہ غبن فاحش کے زمرے میں داخل ہو۔ اس کی مثال یہ ہے، جیسے قاضی کسی شخص کے لئے لازمی کر دے کہ وہ ادائے قرض کے لئے اپنا مال فروخت کرے یا قاضی ذمی کے پیچھے کسی شخص کو مصحف کی فروختگی کے لئے لگادے، چنانچہ اس بیع کے حکم کے بارے میں حنفیہ کہتے ہیں: مضطر یعنی بے چین کی خرید وفروخت فاسد ہے ❸ جبکہ دوسرے فقہاء نے ضرورت کے پیش نظر اسے جائز قرار دیا ہے۔

بیع تلجیہ (فرضی بیع)...... تلجیہ عقد وغیرہ پر کسی کو مجبور کرنے کو کہا جاتا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی ظالم کے ظلم سے خوفزدہ ہو اور وہ اپنی کسی ملکیت کے بارے میں ظاہر کررہا ہو کہ اس نے وہ چیز کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کردی ہے، چونکہ وہ اس طرح کے حیلے بہانے کے ذریعہ ظالم سے بھاگنا چاہتا ہے تاہم اس عقد کے ارکان اور شرائط پوری ہوتی ہیں، البتہ اس بیع کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں: یہ عقد باطل اور غیر صحیح ہے، چونکہ اس عقد میں عاقدین بیع کا قصد نہیں کرتے، لہٰذا یہ بیع صحیح نہیں ہوگی یہ ایسی ہی بیع ہے جیسے دو شخص ہنسی مزاح کررہے ہوں۔ ❹

---

❶...... دیکھئے حاشیہ ابن عابدین ۴ ص ۴، الاموال ونظریۃ العقد للدکتور یوسف موسیٰ ص ۳۹۸، مختصر الطحاوی ص ۴۰۸ المدخل الفقھی للأستاذ الزرقاء: ۱۸۵ فی الحاشیة الفوائد البھیة فی القواعد الفقھیة للشیخ محمود حمزہ ص ۳۲۴۔ ۲اخرجه الطبرانی عن ثوبان، قال النووی: حدیث حسن۔ "علامہ ہیثمی کہتے ہیں اس حدیث میں یزید ربیعہ رجبی ضعیف ورواہ ابن ماجة وابن حبان والدارقطنی والطبرانی والبیھقی والحاکم فی المستدرک من حدیث الاوزاعی۔ مجمع الزوائد ۶/۲۵۰۔ ❷ دیکھئے المیزان ۲/۶۲، حاشیة الدسوقی ۳/۶ مغنی المحتاج ۲/۱۰۷ القوانین الفقھیة ص ۲۴۶ غایة المنتھیٰ ۴/۵۔ ❸ حاشیہ ابن عابدین ۴/۱۱۱، المغنی ۴/۲۱۴۔ ❹ دیکھئے المغنی ۴/۲۱۴۔

حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں: یہ بیع صحیح ہے، چونکہ بیع ارکان اور شرائط سے مکمل ہو جاتی ہے اور قصد واختیار سے لفظ بھی ہو چکا، عقد کسی بھی قسم کے فساد سے پاک ہے لہٰذا عقد صحیح ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے عاقدین کسی شرط فاسد پر اتفاق کرلیں، پھر عقد بغیر شرط کے طے پا جائے، رہی یہ بات کہ وقوع عقد کے متعلق عاقد کی رضامندی معدوم ہوتی ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے عقد کے عدم وقوع کے متعلق عاقد کا گمان ہو چنانچہ گمان میں خطا بھی ہوسکتی ہے اس لئے موثر نہیں ہوسکتا۔ ❶

دلالی کی بیع..... عربی مین اس بیع کو ''بیع السمسر ۃ'' کہا جاتا ہے، دراصل دلال فروخت کنندہ اور خریدار کے درمیان ایک واسطہ ہوتا ہے، دلالی جائز ہے اور دلال کی لی ہوئی اجرت حلال ہے، چونکہ یہ عمل ومحنت اور کوشش کی معقول اجرت ہے، البتہ شافعیہ کہتے ہیں کہ کسی بیع کرنے والے کو اجرت پر لینا صحیح نہیں جو ایسا کلمہ بولے جس میں کوئی محنت نہ ہو، اگر چہ اس بات سے سامان کی پبلسٹی ہوتی ہو، چونکہ کلمہ کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ ❷

البتہ ایک شخص دوسرے کو کہہ سکتا ہے کہ یہ چیز اتنے روپے میں فروخت کردو، اور ان روپوں سے زیادہ تمہارے ہوں گے، یا کہے وہ میرے اور تمہارے درمیان نصف نصف ہوں گے، چنانچہ احمد، ابوداؤد اور حاکم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ''مسلمان اپنی شرائط پر کاربند رہتے ہیں۔''

دوسری شرط..... صیغہ بیع (ایجاب وقبول) کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ قبول ایجاب کے موافق ہو، یعنی بائع نے جس چیز کا ایجاب کیا ہو قبول بھی اسی پر وارد ہو، چنانچہ جب کوئی شخص کسی دوسرے سے کہے کہ میں نے تمہیں یہ کپڑا ایک ہزار روپے میں فروخت کردیا تو خریدار کہے میں نے یہ کپڑا قبول کرلیا، اگر ایک شخص نے کسی دوسرے سے کہا میں نے یہ گھر بمعہ قالینوں کے دو ہزار روپے میں تمہیں فروخت کردیا اور خریدار کہے میں نے قالینوں کے علاوہ یہ گھر ایک ہزار میں خرید لیا تو عقد منعقد نہیں ہوگا چونکہ قبول ایجاب کے موافق نہیں اور اس میں تفریق صفقہ ہے چونکہ تاجروں کے عرف میں عموماً ردی چیز کو عمدہ چیز کے ساتھ ملا لیا جاتا ہے تاکہ عمدہ چیز کی وساطت سے ردی چیز بھی نکل جائے۔

اور اگر خریدار نے طلب سے زیادہ چیز کو قبول کیا تو عقد منعقد ہو جائے گا چونکہ اکثر کو قبول کرنے والا قلیل کو طبعاً قبول کرتا ہے، البتہ اسے وہی ثمن لازم ہوں گے جن کا بائع نے مطالبہ کیا ہو۔ اور اگر بائع کے ذکر کردہ سے کم کو قبول کیا تو عقد طے نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر ثمن کے وصف میں خریدار نے مخالفت کردی مثلاً بائع نے نقدی ثمن لینے پر ایجاب کیا ہو اور مشتری ادھار پر قبول کرے یا ایک مہینہ کی مدت پر بائع نے ایجاب کیا ہو اور مشتری ایک مہینہ سے زائد مدت پر قبول کرے تو تب بھی بیع منعقد نہیں ہوگی چونکہ ایجاب وقبول میں موافق نہیں۔

۳۔ مجلس عقد کا متحد ہونا..... یعنی ایجاب وقبول ایک مجلس میں ہوں، یعنی فروخت کنندہ اور خریدار دونوں موجود ہوں۔ ❸ اس شرط کے نتائج مندرجہ ذیل ہیں۔ اگر عاقدین میں سے کسی نے بیع کا ایجاب کیا لیکن دوسرا شخص قبول سے پہلے مجلس سے اٹھ کر چل دیا یا کسی کام میں مشغول ہو گیا جس سے اختلاف مجلس ثابت ہو جاتا ہو اور پھر وہ عقد قبول کرے تو بیع منعقد نہیں ہوگی۔ لیکن فی الفور قبول شرط نہیں، چونکہ قبول کرنے والے کو سوچ و بچار کی ضرورت پڑتی ہے، اور اگر فی الفور قبول پر اقتصار کیا جائے تو سوچ و بچار ممکن نہیں رہے گی۔

---

❶..... دیکھئے المغنی ۲/۱۶ گویا، بیع تلجیہ منعقد تو ہو جائے گی لیکن لازم نہیں ہوگی، دیکھئے قاموس الفقہ ۲/۵۲۸۔ ❷ دیکھئے المغنی المحتاج ۲/۵-۳۲۴، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء میں لکھا ہے کہ طبیب علاج کے لئے جو بات کہے اس پر اس کا اجرت لینا جائز نہیں چونکہ تلفظ میں کوئی مشقت نہیں ہوئی۔
❸ البدائع ۵/۱۳۷، فتح القدیر ۵/۸۰، الاموال للدکتور یوسف موسیٰ ۲۵۷۔

مالکیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ایجاب وقبول میں فصل کرنے سے بیع میں کچھ نقصان نہیں پڑتا ہاں البتہ ایسا کرنے سے غیر کے اعتبار سے بیع سے عرفاً نکل جائے گا۔❶

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: یہ شرط ہے کہ ایجاب وقبول میں کوئی بڑا فصل نہ ہو، بڑا فصل یہ ہے کہ جس سے قبول سے اعراض کرنا لازم آتا ہو البتہ تھوڑا بہت فصل بیع کے لئے نقصان دہ نہیں چونکہ ایسے فصل کو بیع سے اعراض نہیں سمجھا جاتا، ہاں البتہ اگر ایجاب وقبول کے درمیان کوئی اجنبی کلام کردے اگر چہ کلام تھوڑا ہی ہو تو وہ بیع کے لئے باعث ضرر ہے۔

چلتے ہوئے اور سواری کی حالت میں عقد کرنا...... جب عاقدین چلتے جارہے ہوں یا سواری پر سوار ہوں اور ایجاب وقبول میں بلافصل اتصال ہو جائے تو عقد طے ہو جائے گا، حتیٰ کہ اگر ایک دوقدم چل بھی پڑے تب بھی عقد صحیح اور جائز ہے، اور اگر قبول اور ایجاب میں فصل ہو جائے یا سکوت ہو اگر چہ قلیل ہی ہو تو عقد طے نہیں ہوگا، چونکہ مجلس چلنے سے بدل جاتی ہے اسی پر فقہاء نے آیت سجدہ کی قرأت کو بھی قیاس کیا ہے، اگر آیت سجدہ تلاوت کی اس حال میں کہ وہ چل رہا ہو یا جانور پر سوار ہو جس پر وہ نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو ہر قرأت پر سجدہ لازم ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا اختیار دیا اس حال میں کہ وہ زمین پر چل رہی ہو یا ایسے جانور پر سوار ہو جس پر نماز نہیں پڑھی جاسکتی، وہ عورت چل پڑی اور آگے بڑھ گئی تو طلاق دینے کا اختیار ختم ہو جائے گا چونکہ مجلس بدل چکی اس کی وجہ یہ ہے کہ تفویض کا دارومدار مجلس پر ہے، بخلاف وکالت کے چونکہ وکالت مجلس پر موقوف نہیں ہوتی، خیار اگر خاوند نے اپنی بیوی کو خود اپنے ہی کو طلاق دینے کے لئے وکیل بنایا تو یہ توکیل مجلس کی حد تک ہوگی۔

اگر دو شخص چلتے جارہے تھے پھر انہوں نے کھڑے ہو کر عقد کیا تو عقد طے ہو جائے گا چونکہ مجلس متحد ہے۔

اگر عاقدین چلتے چلتے رک گئے اوران میں۔ سے ایک نے ایجاب کیا جبکہ دوسرا قبول سے پہلے چل دیا یا دونوں چل دیئے یا بائع قبول سے پہلے چل دیا پھر اس کے بعد مشتری کے عقد قبول کیا تو عقد طے نہیں ہوگا، چونکہ جب ایک یا دونوں چل دیئے تو قبول سے پہلے مجلس تبدیل ہوگئی، یوں چلنا دلیل اعراض ہے۔

اگر شوہر نے کھڑے ہو کر اپنی بیوی کو اختیار دیا پھر چل دیا جبکہ عورت رکی ہوئی تھی تو عورت کو خیار حاصل ہوگا اور اگر عورت چل پڑی جبکہ خاوندر کا ہوا تھا تو خیار باطل ہو جائے گا، چونکہ اعتبار اس صورت میں عورت کی مجلس کا ہے نہ کہ خاوند کی مجلس کا۔ چنانچہ جب تک عورت اپنی مجلس میں برقرار رہے گی اور اس کی طرف سے اعراض کی کوئی دلیل سامنے نہیں آئے گی تو اس کے لئے اختیار باقی رہے گا۔ رہی بات خاوند کی سو اس کا کلام اعراض سے باطل نہیں ہوتا، چونکہ اختیار دہندگی کا پہلو اس کی طرف سے لازم ہو چکا ہے، رہی بات بیع کی سو اس میں دونوں عاقدین کی مجلس کا اعتبار ہوتا ہے۔❷

کشتی یا جہاز میں عقد طے کرنا...... اگر عاقدین کشتی میں یا جہاز میں یا ریل گاڑی میں بیٹھے بیٹھے عقد طے کریں تو عقد طے ہو جائے گا برابر ہے یہ ذرائع کسی اسٹیشن پر رکے ہوں یا رواں دواں ہوں بخلاف زمین پر چلنے اور جانور پر سوار ہونے کے چونکہ ان ذرائع کو روکنے کی طاقت مسافر نہیں رکھتا لہٰذا ان میں مجلس واحد کا اعتبار ہے، اگر چہ مجلس طویل ہو جائے، رہی بات چوپائے کی، سو اُسے روکا جاسکتا ہے۔

کسی غائب شخص کے ساتھ عقد کرنا...... جب متعاقدین میں سے کوئی شخص خرید وفروخت کے متعلق ایجاب کرے جبکہ دوسرا شخص مجلس سے غائب ہو پھر اسے ایجاب کی خبر پہنچے اس نے عقد قبول کرلیا تو اس طرح بیع منعقد نہیں ہوگی، مثلاً کوئی شخص کہے میں نے یہ

---

❶......حاشية الصاوى على الشرح الصغير ۳/ ۱۷۔ ❷مغنى المحتاج ۲/ ۵، كشاف القناع ۲/ ۱۶۳۔

سامان فلاں غائب کوفروخت کردیا، پھراس غائب کوخبر پہنچی اوراس نے قبول کیاتو یہ بیع صحیح نہیں ہوگی چونکہ اس میں اصلی قاعدہ یہ ہے کہ جب عقد کاایک حصہ کسی عاقد کی طرف سے بیع میں صادر ہوتو عقد کادوسرا حصہ مجلس میں موقوف رہتا ہے،عقد کسی دوسرے شخص کی طرف سے صادر ہونے والے دوسرے حصہ پر ماورائے مجلس موقوف نہیں ہوتا،اور یہ بالا تفاق ہے، ہاں البتہ اگرکوئی اورعقد کوقبول کرنے والا ہومثلاً وکیل یاخط وغیرہ کے ذریعہ اطلاع ہوتواس صورت میں عقد موقوف رہے گا۔❶

بواسطہ قاصد عقد طے کرنا......یعنی قاصد کے ذریعہ عقد طے کرنا،اس کی صورت یہ ہے: مثلاً ایک عاقد قاصد کوکسی شخص کے پاس بھیجے دوسرا عاقد کہے کہ میں نے یہ کپڑافلاں غائب کواتنے روپے میں فروخت کیااوراسے جاکراطلاع کروکہ فلاں شخص نے یہ کپڑاتمہیں اتنے روپے میں فروخت کیاہے، چنانچہ قاصد آکراسے اطلاع دےاورخریداراطلاع ملنے کی مجلس میں کہے''میں نے یہ کپڑاخریدلیا۔''یاکہے۔''میں نے قبول کیا'' یوں بیع طے ہوجائے گی، چونکہ قاصد محض سفیراورمعبر ہوتا ہے گویامرسل نے خود حاضر ہوکرایجاب کیاجوقبول ہوایوں عقد طے ہوجائے گا۔

مراسلت کے ذریعہ عقد طے کرنا......خط لکھ کربیع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کوخط لکھے اور کہے: امابعد! ''میں نے اپنا گھوڑاتمہیں اتنے روپے میں فروخت کردیا۔'' دوسرے شخص کوخط پہنچے اورخط پڑھنے کی مجلس ہی میں کہے: میں نے خریدلیا، یاکہے: میں نے قبول کیا: عقد طے ہوجائے گاچونکہ غائب کوخط میں مخاطب بنایاجاتا ہے گویا لکھنے والاخود حاضر ہو،مکتوب الیہ کوگویاایجاب سے مخاطب کیاجاتا ہےاوروہ مجلس میں قبول کرتا ہے،اگرقبول کسی دوسری مجلس تک مؤخرکردیاگیاتو بیع منعقد نہیں ہوگی۔

خط بھیجنے والے کواختیار ہے کہ اپنے ایجاب سے رجوع بھی کرسکتا ہے لیکن گواہوں کے سامنے رجوع کرے گااوراس میں شرط یہ ہے کہ خط پہنچنے سے پہلے اورمرسل الیہ کے قبول کرنے سے پہلے پہلے گواہوں کے سامنے رجوع کرے۔

جمہور مالکیہ کی رائے ہے کہ ایجاب کرنے والاقبول کرنے والے کواتنی فرصت دے گاجوعرف عام میں معتبر ہوپھراس کے بعدرجوع کرسکتا ہے۔

اجارہ اورہبہ میں بھی اتحاد مجلس شرط ہے،اورگزشتہ ساری تفصیل کی رعایت ضروری ہوگی۔رہی بات خلع کی سواس میں عقد کاایک حصہ شوہر کی طرف سے صادر ہوتا ہے جوکہ دوسرے فریق پر ماورائے مجلس بالاتفاق موقوف ہوتا ہے، مثلاً خاوند کہے: میں نے اپنی بیوی جوکہ غائب ہے اتنے روپوں پرخلع کرلیا، بیوی کوخبر پہنچےاوروہ کہے میں نے قبول کرلیا،یوں خلع جائز ہے۔

جبکہ نکاح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اورامام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع کی مانند ہے۔نکاح میں عقد کاجز موقوف نہیں ہوتاہاں البتہ اگر کسی غائب کی جانب سے کوئی قبول کرنے والا ہوتو جزءعقد موقوف ہوگا۔ہاں البتہ عاقد غائب کی جانب سے کوئی قبول کرنے والا ہو، چنانچہ جب کوئی شخص گواہوں سے کہے: تم گواہ رہومیں نے فلانی عورت سے نکاح کرلیا، پھراس عورت کوخبر پہنچی عورت نے نکاح کی اجازت دےدی یاعورت نے کہا: تم لوگ گواہ رہومیں نے فلاں شخص کے ساتھ اتنے مہرمیں نکاح کرلیا، مردکو یہ خبرملی اس نے اجازت دی توان دونوں صورتوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اورامام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد منعقد نہیں ہوگا، ہاں البتہ اگرعاقد غائب کی طرف سے کوئی اور شخص قبول کرنے والا ہوتو عقد منعقد ہوجائے گا۔یعنی نکاح ہوجائے گا۔

جبکہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: نکاح میں جزوعقد ماورائے مجلس دوسرے شخص کےقبول پرموقوف ہوگاچنانچہ مذکورہ بالادونوں مثالوں میں غائب کےقبول کرنے سے عقد منعقد ہوجائے گااگرچہ مجلس عقد میں کوئی شخص عقد کوقبول نہ بھی کرے۔

وحدت صفقہ اورتفریق صفقہ کااصول......خریدوفروخت اورامام کے ہاتھ پربیعت کرنے میں ہاتھ پرہاتھ رکھناصفقہ ہے، پھر

---

❶......البدائع ۵/ ۲۳۱، فتح القدير ۵/ ۷۹

صفقہ کا استعمال نفس عقد کے لئے ہونے لگا۔ ❶ امام نووی کہتے ہیں: عقد بیع کو صفقہ کہا جاتا ہے چونکہ تاجروں کی عادت ہے کہ عقد طے کرتے وقت متعاقدین ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں۔ ❷

عقد وجود میں آنے اور طے ہونے میں مبیع، ثمن (قیمت) فروخت کنندہ، خریدار اور خرید وفروخت کا محتاج ہوتا ہے۔ یہ چیزیں جب ایک دوسرے سے مل کر متحد ہو جائیں تو اتحاد صفقہ حاصل ہو جاتا ہے اور اگر ایک دوسرے سے متفرق ہوں تو تفریق صفقہ حاصل ہوتا ہے۔

چنانچہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اصولاً اتحاد صفقہ ضروری ہے۔ چونکہ انعقاد بیع کی شرائط میں سے ایک شرط وہ بھی ہے جو اوپر قریب ہی مذکور ہوئی ہے وہ یہ کہ قبول ایجاب کے موافق ہو۔ ہاں البتہ اس اصول یعنی تحقیق صفقہ اور تفریق صفقہ میں کچھ جزوی اختلافات ہیں۔

حنفیہ...... کہتے ہیں: ان امور کا جاننا لابدی (ضروری) ہے جو اتحاد صفقہ اور تفریق صفقہ کو واجب کرتے ہیں، اور یہ عاقدین کے سبب یا مبیع کے سبب ہوتا ہے۔

الف: باعتبار عاقدین کے...... یعنی باعتبار عاقدین کے اتحاد صفقہ یا تفریق صفقہ ہو، چنانچہ اگر ایجاب کرنے والے شخص کی طرف سے اتحاد ہو وہ شخص خواہ فروخت کنندہ ہو یا خریدار ہو۔ اور قبول کرنے والے کی طرف سے تعدد ہو یعنی قبول کرنے والے متعدد ہوں تو ان کے لیے تفریق صفقہ جائز نہیں ہے۔ یعنی کہ قبول کرنے والے دو اشخاص ہوں ان میں سے ایک بیع کو قبول کرلے اور دوسرا قبول نہ کرے۔ اگر صورت اس کے برعکس ہو تو ایجاب کرنے والے متعدد ہوں گے اور قبول کرنے والے متحد ہوں گے، قبول کرنے والوں کے لئے جائز نہیں کہ ان میں سے کوئی ایجاب کرنے والوں میں سے کسی ایک کے حصہ میں عقد کو قبول کرے اور دوسرے کے حصہ کو قبول نہ کرے۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے: مثلاً فروخت کنندہ ایک ہو اور خریدار دو ہوں، فروخت کنندہ خریداروں سے کہے: میں نے یہ سامان تم دونوں کو ایک ہزار روپے میں فروخت کیا خریداروں میں سے ایک کہے: میں نے یہ سامان خرید لیا جبکہ دوسرا خریدار قبول نہ کرے، صفقہ متعدد ہوگا اور عقد منعقد نہیں ہوگا ہاں البتہ از سرنو اتفاق ہو جائے تو عقد ہو جائے گا۔ دوسری صورت کی مثال یہ ہے: مثلاً ایک شخص کسی سامان کے دو مالکوں سے کہے: میں نے یہ سامان تم دونوں سے ایک ہزار روپے چنانچہ ان دونوں میں سے ایک تو سامان کو فروخت کر دے اور دوسرا فروخت نہ کرے، اس صورت میں بھی صفقہ متعدد ہوگا لہٰذا عقد نہیں ہوگا۔

ب: باعتبار مبیع کے...... چنانچہ اگر دو عاقدوں میں اتحاد ہو، ان میں سے ایک کچھ مبیع کو قبول کرلے اور کچھ مبیع کو قبول نہ کرے عقد صحیح نہیں ہوگا چونکہ صفقہ متفرق ہے۔ اگر عاقدین میں اتحاد ہو اور مبیع متعدد ہو چنانچہ مبیع کی دونوں چیزیں مثلی ہوں یا ایک مثلی ہو اور ایک قیمتی ہو۔ ❸ تو ان دونوں صورتوں میں مشتری کے لئے جائز نہیں کہ وہ دونوں سامانوں میں سے کسی ایک کو قبول کرے اور دوسرے کو چھوڑ دے، اگر ایسا کیا تو صفقہ متعدد ہوگا، اس وقت بیع مکمل نہیں ہوگی ہاں البتہ اگر بائع کی طرف سے از سرنو رضامندی ظاہر ہو اور یوں قبول ایجاب ہو جائے گا اور پہلا ایجاب باطل ہوگا۔

یہاں مذکور بالا دونوں حالتوں میں ایک فرق بھی ہے۔ اس فرق کا دارومدار اجزائے مبیع پر تقسیم ثمن پر اور وحدت صفقہ اور تعدد صفقہ پر ہے۔ چنانچہ جب خرید کردہ سامان (مبیع) دو مثلی اشیاء کی صورت میں ہو مثلاً چاول کے دو قفیز ہوں یا گندم کے دو مد ہوں، خریدار ان میں سے ایک میں عقد کو قبول کرے تو اجزائے مبیع کے اعتبار سے ثمن تقسیم ہوں گے۔ چنانچہ اس جزو کے ثمن جس میں مبیع مکمل ہوئی ہو (مذکور بالا مثال میں) مبیع کے ثمن اصلی کے نصف ہوں گے چونکہ مثلی اشیاء کی صورت میں ثمن مبیع پر اجزاء کے اعتبار سے تقسیم ہوتے ہیں، گویا ثمن کے ہر جزو کا

---

❶ العناية بهامش فتح القدير ۵/۸۰۔ ❷ المجموع للنووي ۹/۲۵۴۔ ❸ ...... جس چیز کا مماثل دستیاب ہو وہ مثلی ہوتی ہے اور جس کا مماثل دستیاب نہ ہو یا دشوار ہو تو وہ قیمتی ہے۔

حصہ معلوم اور مقرر ہوگا۔ اس وقت صفقہ واحد (متحد) ہوگا۔

اور اگر مبیع غیر مثلی یعنی قیمتی ہو۔ جیسے دو کپڑے یا دو جانور ہوں تو ثمن مبیع پر باعتبار اجزاء کے تقسیم نہیں ہوں گے، جب اس حالت میں ثمن تقسیم نہیں ہوں گے تو مبیع کے دونوں اجزاء کے ثمن کا حصہ مجہول ہوگا جبکہ ثمن کی جہالت صحت بیع سے مانع ہے۔

اگر صفقہ کو صحیح کرنا ہو تو دو امور میں سے ایک کو بجالانا ضروری ہوگا۔ غرض

یا تو بائع فروختگی کا لفظ پھر سے دہرائے اور یوں کہے: میں نے یہ دو کپڑے تمہیں فروخت کر دیئے اور تمہیں ایک ہزار روپے میں یہ کپڑا فروخت کیا اور ایک ہزار میں یہ یا یوں کہے: میں نے تم سے یہ دونوں کپڑے خرید لئے ایک ہزار میں یہ خرید لیا اور ایک ہزار میں یہ، یوں عقد صحیح ہو جائے گا اور یہاں دو صفقے ہوں گے۔

یا اجزائے مبیع پر ثمن کو تقسیم کر دے مثلاً بائع یوں کہے: میں نے تمہیں یہ دو کتابیں فروخت کر دیں، یہ کتاب سو روپے میں اور یہ پچاس روپے میں اور مشتری ان میں سے ایک میں بیع کو قبول کر لے، یوں تفریق صفقہ معلوم ہو جائے گا اور بیع جائز ہوگی۔ چونکہ بائع نے دونوں چیزوں کے ثمن الگ الگ بیان کر دیئے ہیں۔ یوں اس حالت میں معنیً مختلف صفقات ہوں گے، اور اگر بائع کی غرض یہ ہو کہ وہ دونوں چیزوں کو اکٹھی ملا کر یکبارگی بیچنا چاہتا ہو تو پھر تعیین ثمن کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

جب ایجاب وقبول میں مطابقت ہو تو بیع لازم ہو جاتی ہے اور عاقدین میں سے کسی کے لئے بیع ختم کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ہاں البتہ عیب اور عدم رؤیت کی وجہ سے اختیار حاصل ہوگا۔ چنانچہ مجلّہ کے آرٹیکل ۳۵۱ میں ہے۔'' جب صفقہ واحدہ کے کچھ حصہ میں عیب ظاہر ہو جائے تو اگر عیب قبضہ سے پہلے ظاہر ہو تو مشتری کو اختیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو پورے مجموعہ کو رد کر دے چاہے تو پوری قیمت کے بدلہ میں اسے قبول کر لے، وہ یوں نہیں کر سکتا کہ محض عیب دار حصہ کو واپس کر دے اور بے عیب حصہ کو رکھ لے، اور اگر عیب قبضہ کے بعد ظاہر ہو تو جب تفریق صفقہ سے ضرر لاحق نہ ہوتا ہو عیب دار حصہ واپس کر دے اور اسی کے حصہ کے ثمن بھی منہا کر لے، مشتری پوری مبیع واپس نہیں کر سکتا جب تک کہ بائع رضامند نہ ہو اور اگر تفریق صفقہ میں ضرر ہو تو پوری مبیع واپس کی جائے گی یا پوری مبیع کل ثمن کے بدلہ میں قبول کی جائے گی، مثلاً: دو ٹوپیاں چالیس روپے میں خریدیں ان میں سے ایک میں عیب ظاہر ہو قبضہ سے پہلے، تو ان دونوں کو معاً واپس کرے گا، اور اگر قبضہ کے بعد عیب ظاہر ہو تو صرف عیب دار کو واپس کرے گا اور اس کے حصہ کے ثمن پورے ادا کرے گا اور دوسری ٹوپی بقیہ ثمن کے بدلہ میں رکھ لے گا، اور اگر موزے خریدے پھر ان میں سے ایک میں عیب ظاہر ہوا قبضہ کے بعد تو بائع کو دونوں واپس کرے گا اور اس سے دونوں موزوں کے ثمن (قیمت) واپس لے گا۔

امام ابوحنیفہؒ اور مالکیہؒ...... کہتے ہیں: جب صفقہ حلال اور حرام پر مشتمل ہو جیسے متقوم سامان اور شراب یا خنزیر کا عقد تو یہ پورا صفقہ باطل ہوگا۔ ❶

صاحبینؒ...... کہتے ہیں: صحیح سامان میں عقد صحیح ہوگا اور فاسد سامان میں عقد فاسد ہوگا۔

منشاء اختلاف یہ ہے کہ جب صفقہ سامان صحیح اور سامان فاسد پر مشتمل ہو یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فساد کل صفقہ میں سرایت کر جائے گا جبکہ صاحبین کے نزدیک فساد سامان صحیح کی طرف سرایت نہیں کرے گا، بلکہ فساد صرف فاسد پر مقصور رہے گا۔

اگر ایک شخص نے ایک ہی صفقہ (سودا) کے تحت اپنی ملک اور کسی دوسرے کی ملک کو فروخت کیا، بیع دونوں ملکیتوں میں صحیح ہوگی اور اپنی ملکیت میں بیع لازم ہو جائے گی جبکہ غیر کی ملک میں بیع موقوف ہوگی۔

---

❶......القوانين الفقهية ص ٢٦٠ البدائع ٥/٢١٧۔

شافعیہ اور حنابلہ...... کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ❶ تفریق صفقہ کا معنی ہے کہ وہ چیز فروخت کی جائے جس کی فروخت جائز ہو، اور وہ چیزیں جن کو ایک صفقہ کے تحت ثمن واحد کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں وہ تین اقسام پر ہیں۔

پہلی قسم...... یہ کہ معدوم و مجہول چیزوں کو ثمن واحد (ایک قیمت) کے ساتھ فروخت کرے مثلاً یوں کہے میں نے تمہیں یہ کتاب اور ایک دوسری کتاب سو روپے میں فروخت کی، ان دونوں کتابوں میں بیع صحیح نہیں ہوگی چونکہ مجہول کتاب میں جہالت کی وجہ سے بیع صحیح نہیں ہے، جبکہ جو کتاب معین اور معلوم ہے اس کے ثمن (قیمت) مجہول یعنی غیر معلوم ہے۔

نیز اس کی قیمت معلوم کرنے کی کوئی تدبیر بھی نہیں، چونکہ مجہول کو معلوم کرنے کے لئے دونوں کتابوں کی الگ الگ قیمت معلوم کرنی ہوگی جبکہ مجہول کی قیمت مقرر کرنا ممکن نہیں لہٰذا الگ الگ قیمت کو طے کرنا دشوار ہے۔

دوسری قسم...... یہ کہ دونوں سامان ان چیزوں میں سے ہوں جن پر اجزاء تقسیم ہوتے ہوں جیسے دو آدمیوں کے درمیان مشترک چیز، چنانچہ اس مشترک سامان کو ایک شخص دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر فروخت کردے، جیسے دو مثلی چیزیں ہو مثلاً غلے کے ایک ہی ڈھیر کے دو قفیز، انہیں وہ شخص فروخت کردے جو ان کا مالک نہ ہو ہاں البتہ ان کے کچھ حصے کا مالک ہو، زیادہ صحیح یہ ہے کہ جتنے حصہ کا بائع مالک ہوگا اس حصہ کے بقدر ثمن کے ساتھ بیع ہوجائے گی اور جتنے حصہ کا وہ مالک نہیں اس میں بیع فاسد ہوجائے گی۔ چونکہ ان میں سے ہر ایک کو انفرادی طور پر مستقلاً حق حاصل ہے۔ چنانچہ جب اپنی ملکیت غیر کی ملکیت کے ساتھ جمع ہوجاتی ہے تو دونوں اشخاص کے لئے حکم خاص ثابت ہوجاتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص زمین کا ٹکڑا اور تلوار فروخت کرے تو بلا خلاف زمین کے ٹکڑے میں حق شفعہ ثابت ہوگا۔ جیسے مالک تنہا زمین کو فروخت کرے تو حق شفعہ ثابت ہوگا۔

تیسری قسم...... یہ کہ دو قسم کے فروخت کردہ سامان معین ہوں اور ان چیزوں میں سے ہوں جن پر اجزاء کے اعتبار سے ثمن تقسیم نہ ہوتے ہوں، یعنی صفقہ (سودا) حلال اور حرام چیزوں پر مشتمل ہو جیسے ایک چیز سرکہ ہو اور دوسری شراب یا ایک چیز بکری ہو اور دوسری خنزیر یا ایک مردار بکری ہو اور دوسری ذبح شدہ حلال بکری ہو، تو اس صورت میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اصح قول اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت یہ ہے کہ حلال چیز میں بیع صحیح ہوگی اور حرام میں باطل ہوگی، اور باعتبار اجزاء کے دونوں طرح کی فروخت کردہ چیزوں پر ثمن تقسیم کرنے کی صورت میں شراب کو سرکہ اور خنزیر کو بکری اور مردار بکری کو مذبوح سمجھا جائے گا جو کہ صحیح نہیں ہے۔

ابن قدامہ حنبلی نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی دوسری روایت کو راجح قرار دیا ہے وہ یہ کہ عقد بیع دونوں چیزوں میں معاً فاسد ہوگا۔

اگر صفقہ بائع کے مال اور غیر کے مال پر مشتمل ہو تو اجزاء کے اعتبار سے ثمن ان اموال پر منقسم نہیں ہوں گے، شافعیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ ملکیت میں بیع صحیح ہوگی اور جو ملکیت نہیں اس میں باطل ہوجائے گی اور حساب کے مطابق ثمن کی تقسیم ہوگی جبکہ حنابلہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ دونوں مبیعوں میں بیع باطل ہوگی۔

حنابلہ اور شافعیہ تفریق صفقہ کے خیار کے متعلق کہتے ہیں کہ بعض صفقہ میں بیع کب صحیح ہوتی ہے؟ چنانچہ اگر مشتری صورت حال سے واقف ہو مثلاً وہ جانتا ہو کہ مبیع ان چیزوں میں سے ہے جس پر اجزاء کے اعتبار سے ثمن منقسم ہوئے ہیں۔ تو اس صورت میں مشتری کو خیار نہیں حاصل ہوگا چونکہ اس نے بصیرت کے ساتھ خریداری کی ہے، اور اگر صورت حال سے واقف نہ ہو مثلاً ایک شخص نے کچھ سامان خریدا اور وہ سمجھا یہ سارا بائع کا ہے لیکن بعد میں حقیقت کھلی کہ کہ بائع تو صرف نصف کا مالک ہے یا دو دو چیزیں خریدیں اور بعد میں معلوم ہوا کہ بائع تو صرف

---

❶......المجموع ۹/۴۲۵، المهذب ۱/۲۶۹، المغنی ۴/۲۳۶، القواعد لابن رجب ص ۴۲۱ الاشباه والنظائر للسیوطی ص ۹۸ غاية المنتهى ۲/۱۶

ایک چیز کا مالک ہے لہٰذا مشتری کو فسخ اور نفاذ عقد میں اختیار حاصل ہوگا چونکہ صفقہ میں بعضیت پیدا ہوگئی ہے، رہی بات بائع کی سو جب مشتری جزو مبیع کو رکھ لے تو اصح قول کے مطابق اس کے لئے اختیار نہیں ہوتا چونکہ وہ اپنے حصہ کی ملک کو ختم کرنے سے راضی ہے۔

اگر ایک صفقہ (سودا) میں خریدی گئی دو چیزوں میں سے ایک چیز تلف ہو جائے تو بلا اختلاف تلف شدہ حصہ میں عقد فسخ ہو جائے گا۔ رہی بات بقیہ حصہ کی سو اس میں مشتری کو اختیار حاصل ہوگا چاہے تو اس حصہ کے ثمن کے بدلہ میں اسے رکھ لے چاہے فسخ کردے، چونکہ صفقہ میں بعضیت پیدا ہو چکی ہے۔

ظاہریہ...... کہتے ہیں ❶ ہر وہ صفقہ جس میں حرام اور حلال جمع ہو تو وہ باطل ہوتا ہے اس میں سے کچھ بھی صحیح نہیں ہوتا، اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً خرید کردہ سامان کا کچھ حصہ مغصوب ہو یا بائع کی ملکیت نہ ہو یا اس تک عقد فاسد کے ذریعے پہنچا ہو۔

خلاصہ...... جمہور فقہاء ایسے صفقہ (سودے) کو باطل قرار دیتے ہیں جو حلال وحرام یا ملکیت وغیر ملکیت پر مشتمل ہو۔ امام نووی کی ترجیح کے مطابق شافعیہ کہتے ہیں کہ جائز چیز میں عقد صحیح ہے اور ناجائز میں باطل ہے۔

دوسری چیز: نفاذ کی شرائط...... نفاذ عقد کی دو شرطیں ہیں۔

ا۔ ملک یا ولایت...... یعنی جو چیز فروخت کی جارہی ہے وہ اپنی دسترس میں ہوتا کہ جب کوئی شرعی مانع نہ ہو تو مالک اس چیز میں تصرف کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ چنانچہ مجنون اور بے وقوف کا سرپرست اور عاجز کا وصی ملک میں تصرف کرنے کی وجہ سے مالک نہیں سمجھے جائیں گے بلکہ مجنون، بے وقوف اور عاجز مالک ہوں گے، چونکہ شرعی مانع نہ ہونے کی صورت میں مستقلاً ان لوگوں کو تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے جبکہ یہ کسی اور کی ولایت میں ہوتے ہیں۔ ❷

ولایت...... سے مراد وہ شرعی اختیار اور اتھارٹی ہے جس کے ذریعہ عقد طے ہوتا ہے اور عقد نافذ ہوتا ہے، ولایت کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ ولایت اصلیہ...... وہ یہ ہے کہ انسان اپنے امور کا خود متولی ہو۔

۲۔ نیابیہ...... یہ کہ انسان کسی دوسرے شخص کے امور کا متولی ہو اور وہ دوسرا شخص ناقص الاہلیت ہو، یا مالک نے کسی کو نائب بنادیا ہو جیسے وکیل یا شارع نے نائب بنایا ہو جیسے عام اولیاء مثلاً باپ، دادا، قاضی، باپ دادا کا وصی، ان میں ترتیب یہ ہوگی پہلے باپ ولی ہوگا پھر اس کا وصی پھر دادا پھر اس کا وصی پھر قاضی پھر اس کا وصی۔ ❸

اس شرط کا مدلول اور مقصود یہ ہے کہ مبیع بائع کی ملک ہو، لہٰذا اس شرط کے ضمن میں یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ فضولی کی بیع نافذ نہیں ہوتی، چونکہ فضولی کو نہ ہی ملک حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی ولایت، البتہ حنفیہ کے نزدیک مالک کی اجازت پر بیع موقوفاً منعقد ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ملک یا ولایت کو شرائط انعقاد میں سے اعتبار کیا ہے گویا ان کے نزدیک فضولی کے تصرفات باطل ہوں گے، عنقریب اس موضوع پر تفصیلاً گفتگو آیا چاہتی ہے۔ ❹

۲۔ یہ کہ مبیع غیر بائع کا حق نہ ہو...... اگر فروخت کردہ سامان میں غیر بائع کا حق ہو تو عقد موقوف اور غیر نافذ ہوگا۔ اسی شرط کے مطابق اگر راہن مرہونہ شئے کو فروخت کردے تو یہ بیع نافذ نہیں ہوگی، مؤاجر اگر اجرت پر دی ہوئی چیز کو فروخت کردے تو یہ بیع بھی نافذ نہیں ہوگی، اور وہ زمین جو مزارعت (بٹائی) پر دی ہو اس کی بیع بھی نافذ نہیں ہوگی، البتہ ان سبھی احوال میں بیع مرتہن یا مستاجر یا کاشتکار کی اجازت پر

---

❶ المحلی ۹/۲۰۔ ❷ الاموال ونظریۃ العقد ص ۱۶۵۔ ❸ المرجع السابق ص ۳۴۸، حاشیۃ ابن عابدین ۴/۶، البدائع ۵/۱۳۶۔ ❹ البدائع ۵/۱۴۸۔

موقوف ہوگی فاسد نہیں ہوگی، حنفیہ کے نزدیک یہی صحیح اور معتبر ہے، چونکہ رکن بیع اہل سے صادر ہوا ہے جس کی نسبت مال متقوم کی طرف سے اور اس کی سپردگی پر قدرت بھی ہے (یعنی مقدوا لتسلیم ہے) اس میں کوئی ضد بھی نہیں، ہاں اس وقت مشتری کو خیار حاصل ہوگا چاہے بیع نافذ کردے چاہے فسخ کردے، رہی بات مستاجر کی یا مرتہن کی یا مزارع کی سو وہ اگر عقد کی اجازت دے دے، اگر مستاجر نے اجازت نہ دی یہاں تک کہ اجارہ فسخ ہوگیا تو سابق بیع نافذ ہوجائے گی، اسی طرح جب مرتہن قرضہ ادا کرے تو تجدید عقد کی ضرورت نہیں، یہی قول صحیح ہے جیسا کہ ابن عابدین نے لکھا ہے۔فضولی کی بیع کا حکم بھی اسی پر متفرع ہوگا کہ مالک کی جانب سے اجازت کا قبول کرنا ہوگا اور مشتری کی طرف سے فسخ ہوگا اجازت نہیں ہوگی، جیسے فضولی کو فسخ بیع کا اختیار حاصل ہے فسخ نکاح کا نہیں۔

استاذ مصطفیٰ زرقاء نے ذکر کیا ہے کہ فقہی اعتبار سے یہ رائے راجح ہے کہ بیع مرتہن یا مستاجر کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگی، اگرچہ خرید کردہ سامان میں وہ صاحب حق ہوں، چونکہ شرعی طور پر اجازت کا حق یا تو مالک کو حاصل ہوتا ہے یا متولی کو حاصل ہوتا ہے، بلکہ بیع نافذ ہوگی لیکن مرتہن یا مستاجر کی رضامندی کے بغیر مبیع مشتری کے حوالے نہیں کی جائے گی تاکہ مستاجر یا مرتہن کا حق محفوظ رہے، بلکہ مشتری کو خیار ملے گا کہ چاہے تو بیع فسخ کردے یا رہن کے چھوٹنے تک انتظار کرے یا مدت اجازت پوری ہونے تک انتظار کرے تاکہ مبیع سپرد کی جاسکے۔❶

نفاذ اور موقوف ہونے کے اعتبار سے بیع کی تقسیم.....حنفیہ کے نزدیک شرائط نفاذ کی دو قسمیں ہیں:

(١).....نافذ (٢).....موقوف۔

بیع نافذ.....وہ ہوتی ہے کہ جس میں عقد کا رکن بمعہ شرائط انعقاد اور شرائط نفاذ پایا جائے۔

بیع موقوف.....وہ ہوتی ہے کہ جس میں عقد کا رکن بمعہ شرائط انعقاد پایا جائے لیکن اس میں شرط نفاذ یعنی ملک یا ولایت نہ پائی جائے۔

شرط نفاذ میں خلل پڑنا.....خلل یا تو مبیع (فروخت کردہ سامان) میں ہوگا جیسا کہ فضولی کی بیع میں ہوتا ہے کہ فروخت کردہ سامان کسی اور کی ملک ہوتا ہے، یا خلل تصرف میں ہوگا جیسے ممیز بچے کی بیع یا معتوہ (بے وقوف) کی بیع یا ممیز بچے اور معتوہ کی خریداری میں خلل ہوگا۔

فضولی کے تصرف کی بارے میں علماء کی آراء.....درحقیقت فضولی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو لا یعنی میں مشغول ہو یا ایسا کام کرے جو اس کے شایان شان نہ ہو، عقد بیع کے حوالے سے فضولی سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو کسی چیز میں تصرف کرے یا عقد کرے جبکہ اس پر اسے ولایت حاصل نہ ہو جیسے کسی شخص کو نہ وکالت حاصل ہو نہ ہی اس کو کسی نے وصی مقرر کیا ہو اور نہ ہی اسے ولایت تصرف حاصل ہو اور وہ کوئی چیز فروخت کردے یا کسی کے لئے خرید لے یا کوئی چیز اجرت پر دے دے یا کسی دوسرے کے لئے کوئی چیز اجرت پر لے، جبکہ دوسرے شخص کی طرف سے مطلق اجازت نہ ہو۔چنانچہ دوسرے شخص کی ملک کو اس کی اجازت کے بغیر فروخت کرنا روزمرہ کا معمول ہے اور شائع وذائع ہے، اس کی مثالیں بے شمار ہیں مثلاً خاوند اپنی بیوی کی ملک کو فروخت کردیتا ہے، عام لوگ سرکاری املاک کو فروخت کردیتے ہیں یا ایک شخص عرصہ سے غائب ہوتا ہے اس کی ملک کو فروخت کردیا جاتا ہے۔

ملاحظہ.....فضولی دوسرے کی ملکیت کو اپنی ظاہر کرتا ہے، ورنہ اس کا تصرف ایسی چیز میں ہوتا ہے جس کا وہ مالک نہیں ہوتا، اور یہ ممنوع ہے۔

محل بحث.....یہ کہ کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کا مال اس شرط کے ساتھ فروخت کرے کہ صاحب مال اگر راضی رہا تو بیع کو نافذ کردے گا، اور اگر راضی نہ رہا تو بیع کو فسخ کردے گا، یا کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے لئے کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر خریدے اس طور پر

❶.....عقد البیع ص ٣١، ردالمحتار لابن عابدین ٥/ ٣٦١.

کہ مشتری راضی رہے گا، خریداری صحیح ہوگی اگر مشتری کی رضامندی نہ ہو تو خریداری درست نہیں۔ ❶ چنانچہ فضولی غیر کے لئے تصرف کرتا ہے اس کی اجازت کے بغیر، فضولی کے تصرف کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ..... نے بیع اور شراء میں فرق کیا ہے، بیع کی صورت میں فضولی کا تصرف منعقد ہو جاتا ہے، اور عقد صحیح مگر موقوف ہوتا ہے، برابر ہے کہ فضولی عقد کی نسبت اپنی طرف کرے یا مالک کی طرف، چونکہ عاقد کی طرف سے عقد کا نفاذ ممکن نہیں۔

حالت شراء میں فضولی نے اگر شراء کی نسبت اپنی طرف کی مع ہذا وہ نیت میں کسی اور کی خریداری کرنا چاہتا ہو، تو یہ خریداری اس کے اپنے لئے ہوگی اگر خریداری کا نفاذ اس پر صحیح ہو چونکہ اصل یہ ہے کہ انسان کا تصرف اس کے اپنے لئے ہو نہ کہ غیر کے لئے۔

اگر فضولی نے خریداری کی نسبت کسی دوسرے کی طرف کی یا خریداری کا عقد فضولی پر نافذ نہ ہو سکتا ہو مثلاً وہ بچا ہو یا تصرف کرنے کی اس پر پابندی لگی ہو، خریداری صحیح ہوگی مگر غیر کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر غیر نے اجازت دے دی تو عقد نافذ ہو جائے گا، اور فضولی کو وکیل سمجھا جائے گا اور عقد کے حقوق اسی طرف راجع ہوں گے۔

فی الجملہ حنفیہ کے نزدیک فضولی کے تصرفات جائز ہوتے ہیں لیکن صاحب حق کی اجازت پر موقوف ہوتے ہیں، ❷ فضولی کے تصرفات جیسے مسلم فیہ کی بیع، مغصوب شئے کی بیع اور وکیل کی بیع یہ وہ حالات ہیں جو ایسی چیز کی بیع سے مستثنیٰ ہیں جن کا انسان مالک نہیں ہوتا۔

مالکیہ..... کہتے ہیں: فضولی کے تصرفات اور اس کے جملہ عقود بیع وشراء کی حالت میں صفت عامہ کے ساتھ معتبر ہوں گے اور یہ عقود منعقد ہوں گے لیکن صاحب حق کی اجازت پر موقوف ہوں گے، اگر صاحب حق نے اجازت دے دی تو عقد نافذ ہوگا اور جائز ہوگا، اگر صاحب حق نے اجازت نہ دی تو عقد باطل ہو جائے گا، چونکہ لاحق ہونے والی اجازت اذن اور سابقہ وکالت کی مانند ہوتی ہے۔ ❸

حنفیہ اور مالکیہ کا استدلال..... حنفیہ اور مالکیہ ان عام آیات سے استدلال پکڑتے ہیں جو بیع کے متعلق وارد ہوئی ہیں اور ان سے فضولی مستثنیٰ نہیں ہے۔ وہ آیات یہ ہیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ ......البقرۃ ۲/ ۲۷۵

اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال قرار دیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ......النساء ۴/ ۲۹

اے ایمان والو ایک دوسرے کے اموال باطل طریقہ سے مت کھاؤ ہاں البتہ تمہارے درمیان اگر باہمی رضامندی سے تجارت ہو تو وہ تمہارے لئے حلال وطیب ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ......الجمعۃ ۶۲/ ۱۰

جب (جمعہ کی) نماز ادا کر چکو تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے فضل (رزق) کو تلاش کرو۔

عقلی دلیل..... فضولی کی اہلیت کامل ہوتی ہے چنانچہ فضولی کے عقد کو عمل دینا مہمل قرار دینے سے بہتر ہے۔ بسا اوقات مالک کے لئے عقد میں مصلحت بھی ہوتی ہے اور اس میں کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا، نیز مالک کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ عقد کی اجازت نہ دے، خصوصاً

---

❶ ......بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۷۱۔ ❷ ایسی چیز میں بیع سلم صحیح ہوتی ہے جو بائع کی ملک نہ ہو۔ ❸ دیکھئے، بدایۃ المجتہد المرجع السابق، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۲، القوانین الفقہیۃ ص ۲۴۵۔

جب وہ عقد میں چنداں فائدہ نہ دیکھے تو عقد کو فسخ بھی کر سکتا ہے۔

سنت سے دلیل...... بخاری کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عروہ بارقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دینار دیا تاکہ آپ کے لئے ایک بکری خرید لائیں، چنانچہ عروہ رضی اللہ عنہ نے ایک دینار سے دو بکریاں خرید لیں پھر ان میں سے ایک بکری ایک دینار میں فروخت کر دی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بکری اور ایک دینار نقدی لیتے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ کے کیے ہوئے سودے میں برکت عطا فرمائے۔

اسی طرح ترمذی اور ابوداؤد حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک دینار دیا تاکہ قربانی کے لئے ایک بکری خرید لائیں، چنانچہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے ایک دینار کے بدلہ میں دو بکریاں خرید لائیں اور ان میں سے ایک بکری ایک دینار میں فروخت کر دی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دینار اور ایک بکری لے کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی تعریف کی اور انہیں دعائے برکت دیتے ہوئے یوں فرمایا:

اللہ تعالیٰ تمہارے سودے میں برکت عطا فرمائے۔ ❶ چنانچہ دونوں حدیثوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بکری کے بارے میں نہ خریدنے کا حکم دیا نہ فروخت کرنے کا۔

حنابلہ...... کہتے ہیں: فضولی کا تصرف مطلقاً صحیح نہیں خواہ یہ تصرف بیع کے متعلق ہو یا خریداری کے متعلق، اور اگر وقوع تصرف کے بعد تصرف کی اجازت دی گئی تب بھی تصرف صحیح نہیں، ہاں البتہ اگر فضولی اپنی ذمہ داری میں کوئی چیز خریدے اور خریداری کی نیت کسی اور شخص کے لئے کر دے اور اس شخص کا نام نہ لے، تو یہ عقد صحیح ہوگا، پھر جس شخص کے لئے چیز خریدی گئی اس نے اجازت دے دی تو وہ خریداری کے وقت سے اس چیز کا مالک سمجھا جائے گا، اور اگر اس شخص نے خریداری کی اجازت نہ دی تو خریداری مشتری کے لئے ہوگی اور اسی کو اس کا حکم لازم ہوگا۔

ابن رجب حنبلی کہتے ہیں: فضولی کا تصرف جائز ہے۔ اور جب کسی دوسرے کے مال اور حق میں تصرف کی ضرورت ہو اور اس سے اجازت لینا دشوار ہو یا وہ کہیں غائب ہو اور اس کا انتظار دشوار ہو تو فضولی کا تصرف موقوف ہوگا۔

آرٹیکل ۱۳ میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق وضاحت کی گئی ہے کہ فضولی کا تصرف باطل ہے اگرچہ بعد میں اس کی اجازت دی جائے، الا یہ کہ فضولی جب اپنی ذمہ داری میں کوئی چیز خریدے اور کسی دوسرے شخص کے لئے نیت کرے تو بیع صحیح ہوگی۔

شافعیہ اور ظاہریہ...... کہتے ہیں: بیع میں یہ شرط ہوتی ہے کہ جس شخص کی طرف عقد کی نسبت ہو رہی ہو وہ اس کا مالک ہو، چنانچہ فضولی کی بیع سرے سے باطل ہے منعقد ہی نہیں ہوتی، اسے صاحب حق کی اجازت لاحق ہی نہیں ہوتی۔

ان کی دلیل...... ابوداؤد اور ترمذی کی روایت ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے وہ یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”خرید و فروخت صرف اسی چیز میں ہو سکتی ہے جس کا انسان مالک ہو۔“ گویا انسان جس چیز کا مالک نہیں اس کی بیع سے منع کیا گیا ہے۔ یعنی جس چیز کا بائع مالک نہ ہو۔ ❷

عقلی دلیل یہ ہے کہ بوقت عقد فروخت کردہ سامان کو سپرد کرنے پر فضولی کو قدرت حاصل نہیں ہوتی، اور یہ عقد مفضی الی النزاع بھی

---

❶...... دیکھئے سبل السلام ۳/ ۳۱۔ ❷ روی الحدیث احمد واصحاب السنن الاربعة عن حکیم بن حزام (دیکھئے نصب الرایة ۴/ ۴۵، نیل الاوطار ۵/ ۱۵۵)

ہوسکتا ہے۔

شافعیہ اور ظاہر یہ عروہ بارقی رضی اللہ عنہ اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی حدیثوں کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ دونوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلق وکیل تھے، اس پر یہ بھی دلیل ہے کہ وکیل نے بکری فروخت کی اور پھر اسے سپرد بھی کیا ہے، ❶ یہ ایسی وکالت تھی کہ اس میں وکیل نے موکل کی مخالفت کی لیکن بہتری کا ارتکاب کیا جس کا تصرف نافذ ہوا، ان فقہاء کی رائے میں فضولی کی خریداری کا اعتبار اسی کے لئے ہوگا یعنی عقد اسی کو لازم ہوگا، اس کی ملکیت غیر کو منتقل نہیں ہوگی، ہاں البتہ عقد جدید کے ذریعے ملک منتقل ہوجاتی ہے جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے۔

فضولی کے تصرف کی شرائط اجازت......حنفیہ کے نزدیک فضولی کے عقد کی درج ذیل شرائط ہیں۔ ❷

۱......یہ کہ عقد کا کوئی جاری کرنے والا ہو یعنی وہ شخص جو بنفس نفیس عقد کو جاری کرنے کی قدرت رکھتا ہو، چونکہ جس کا کوئی اجازت دینے والا ہوگا تو اس کی طرف سے اجازت متصور ہوگی، اور جس عقد کا کوئی اجازت دینے والا نہ ہو تو اس کی فی الحال اجازت متصور نہیں ہوتی، جبکہ مستقبل میں کبھی اجازت ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی، اسی شرط پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ جب فضولی کسی بالغ شخص کی بیوی کو طلاق دے دے یا اپنا مال ہبہ کردے یا صدقہ کردے تو یہ تصرف منعقد ہوگا لیکن اجازت پر موقوف رہے گا، چونکہ صاحب حق ان عقود کو جاری کرنے کی قدرت رکھتا ہے وقوع کے بعد بھی جاری رکھنے کی قدرت رکھتا ہے۔ گویا عقد کے تصرف کا فی الحال اجازت دینے والا موجود ہے۔ اگر فضولی کے تصرف کی نسبت کسی کمسن نابالغ بچے کی طرف ہو تو عقد منعقد نہیں ہوگا۔ چونکہ بچہ ان تصرفات کا بنفس نفیس اہل نہیں ہوتا، لہٰذا بوقت عقد اس کا کوئی اجازت دینے والا نہیں ہوگا۔ اسی طرح بچے کے ولی کی اجازت کی بھی کوئی قیمت نہیں چونکہ وہ اپنے تئیں ان تصرفات کا مالک نہیں ہوتا۔

۲......یہ کہ اجازت فروخت کنندہ، خریدار، اصل مالک اور فروخت کردہ سامان کی موجودگی میں ہو، اگر ان میں سے کسی ایک کے مرنے کے بعد اجازت ملی تو عقد باطل ہوجائے گا اور اجازت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ چونکہ اجازت دراصل عقد میں تصرف ہوتا ہے۔ لہٰذا عقد کو وجود اسی وقت مل سکتا ہے جب عاقدین اور معقود علیہ موجود ہوں۔

۳......یہ کہ صاحب حق کو چھوڑ کر فضولی پر عقد کا نفاذ ممکن نہ ہو جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

فضولی کے عقد کو فسخ کرنا اور اس کی اجازت دینا......فضولی کی طرف سے طے ہونے والے عقد کو فسخ کرنا بیع کی طرح ہے، چنانچہ عقد کا فسخ کبھی مالک کی طرف سے ہوتا ہے اور کبھی مالک کی اجازت سے پہلے فضولی کی طرف سے فسخ ہوتا ہے، حتیٰ کہ اگر مالک اگر اجازت دے دے تو فضولی لازم ہونے والے حقوق کا دفاع کرتا ہے اور کبھی فسخ مشتری کی طرف سے ہوتا ہے تاکہ خریداری کے نقصان سے محفوظ رہ سکے جو کہ صاحب حق کی طرف سے متوقع ہوسکتا ہے۔

رہی بات فضولی کے طے کردہ عقد نکاح کی سو فضولی کو فسخ کا حق نہیں ہوتا، چونکہ عقد نکاح کے حقوق اصیل کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ ❸

رہی بات عقد فضولی کی اجازت کی سو وہ مال کے مالک پر منحصر ہے، اجازت کا اعتبار تب ہوگا جب بائع، مشتری اور مبیع موجود ہوں، چونکہ مالک کی اجازت حکماً بیع ہوتی ہے، اور جب ثمن معین سامان کی شکل میں ہو تو ان کا موجود ہونا بھی شرط ہے۔ چونکہ معین سامان بھی ایک طرح سے مبیع ہے، لہٰذا فضولی کی ملک متصور ہوگا، جب ثمن ہلاک ہوگا تو اس کا تاوان فضولی پر پڑے گا۔ ❹

کیا صرف ایک فضولی طرفین سے عقد طے کرسکتا ہے؟......مثلاً جب مشتری کسی شخص کا گھر فروخت کردے جبکہ مشتری اور اصل مالک دونوں موجود نہ ہوں، فضولی ہی خریدار کی طرف سے قبول کرلے یا فضولی کسی عورت سے کسی شخص کا نکاح کرے اور دونوں کی طرف

---

❶......مغنی المحتاج ۲/ ۱۵، المجموع للنووی ۸/ ۲۸۱۔ ❷البدائع ۵/ ۱۴۹، فتح القدیر ۵/ ۳۱۱، الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۴۲۔ ❸البدائع ۵/ ۱۵۱، فتح القدیر ۵/ ۳۰۹۔ ۳۱۲۔ ❹الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۴۲

سے وہی قبول کرلے تو عقد منعقد نہیں ہوگا۔

چونکہ انعقاد عقد میں عاقد کا متعدد ہونا شرط ہے، جیسا کہ سابق میں گزر چکا ہے، چنانچہ ان سبھی عقود یعنی نکاح اور خرید وفروخت وغیرہما میں ایجاب مجلس سے غائب شخص کے قبول پر موقوف نہیں ہوگا۔ بلکہ ایجاب باطل ہوجائے گا، اور بالاتفاق اسے اجازت لاحق نہیں ہوگی۔

اسی تفصیل پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص عقد نکاح میں جانبین سے فضولی ہو یا جانب واحد سے فضولی ہو اور دوسری جانب سے اصیل ہو یا وکیل ہو یا ولی ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایجاب موقوف نہیں ہوگا بلکہ باطل ہوجائے گا۔ برابر ہے کہ عقد میں ایک ہی کلام ہو یا دو کلام ہوں یعنی ایجاب وقبول دونوں ہوں، جیسے کہے میں نے فلاں کی شادی کردی اور اس کی طرف سے نکاح قبول کرلیا، جبکہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فضولی کا ایجاب غائب کے قبول پر موقوف ہوگا جیسا کہ بالاتفاق ایجاب موقوف رہتا ہے جب کوئی دوسرا فضولی عقد قبول کرلے۔ اگر دو فضولیوں نے ایک شخص کا کسی عورت کے ساتھ نکاح کردیا جبکہ انہیں اس کا علم ہی نہ ہو تو یہ نکاح ہوجائے گا لیکن ان دونوں کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا اگر دونوں نے قبول کرلیا تو عقد نکاح نافذ ہوجائے گا اور اگر چھوڑ دیا تو عقد نافذ نہیں ہوگا۔

طرفین کی دلیل...... یہ ہے کہ شرعاً فضولی کا قبول کرنا غیر معتبر ہے، چونکہ جب فضولی کی طرف سے ایجاب صادر ہوا اور مجلس میں کوئی قبول کرنے والا نہ ہو اگرچہ کوئی دوسرا فضولی ہی کیوں نہ ہو تو ایجاب بطور باطل صادر ہو وہ غائب کے قبول پر موقوف نہیں ہوگا لہٰذا اس کے بعد عاقد کا قبول کرنا فائدہ مند نہیں ہوگا۔ بالفاظ دیگر یوں کہہ لیجئے کہ اس وقت عقد کا صرف ایک حصہ موجود ہوگا اور دوسرے حصے کو متحقق قرار دینا ممکن نہیں الا یہ کہ وکالت یا ولایت کی صورت موجود ہو۔

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل...... یہ ہے کہ فضولی کی عبارت عقد کے دونوں طرفوں کو شامل ہوتی ہے، لہٰذا یہ عقد صحیح ہوگا جیسے ولی اور وکیل کی صورت میں صحیح ہوتا ہے۔❶

ممیز بچے کے تصرف کا موقوف ہونا...... جب کوئی بچہ عاقل اور ممیز (نفع نقصان میں تمیز کرنے والا) ہو تو حنفیہ اور حنابلہ کی رائے میں اس کے تصرفات صحیح ہیں لیکن سرپرست کی اجازت پر موقوف ہوں گے، یا یہ کہ بالغ ہونے کے بعد از سر نو اجازت دے، اگر بچپن میں سرپرست کی طرف سے اجازت نہ ہوئی ہو، اگر بچہ سرپرست کی اجازت سے پہلے بالغ ہوگیا اور خود بچے نے اجازت دے دی تو عقد جائز ہوگا،❷ اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، یہاں بیع موقوف کے صلہ کے طور پر اسے دوبارہ یہاں چھیڑا گیا ہے۔

تیسری چیز: صحت بیع کی شرائط

خرید وفروخت صحیح ہونے کی شرائط......شرائط صحت کی دو قسمیں ہیں:

۱......شرائط عامہ ۲......شرائط خاصہ۔❸

شرائط عامہ...... یہ وہ شرائط ہیں جن کا خرید وفروخت کی جملہ انواع میں متحقق ہونا واجب ہے، تاکہ بیوع کی جملہ انواع صحیح ہوجائیں، ان شرائط کے بارے میں اجمالاً یوں کہا جاسکتا ہے کہ عقد بیع کا چھ عیبوں سے پاک ہونا ضروری ہے، وہ یہ ہیں: جہالت، اکراہ، توقیت، غرر، ضرر اور شرائط مفسدہ۔

---

❶...... حاشیہ ابن عابدین ۲/۴۴۸، الاحوال الشخصیۃ للاستاذ المرحوم الدکتور مصطفیٰ السباعی ۱/۹۵۔❷البدائع ۵/۱۴۹، المغنی ۴/۲۴۶۔❸دیکھئے حاشیہ ابن عابدین ۴/۶، عقد البیع للاستاذ الزرقاء ص ۲۵، الاموال ونظریۃ العقد للدکتور محمد یوسف موسیٰ ص ۳۹۴۔

اول: جہالت...... اس سے مراد جہالت فاحشہ ہوتی ہے یا ایسی جہالت جو مفضی الی نزاع (جھگڑے کی طرف لے جانے والی) ہوتی ہے، اس جہالت کی گتھی کو سلجھانا دشوار ہوتا ہے، اس نزاع میں طرفین کی حجت مساوی ہوتی ہے، جیسے کوئی شخص ریوڑ سے ایک بکری فروخت کردے، اس جہالت کی چار قسمیں ہیں۔

۱...... جنس یا نوع یا مقدار کے اعتبار سے مبیع میں جہالت ہونا، اس جہالت کی نسبت مشتری کی طرف ہوتی ہے۔

۲...... اسی طرح ثمن میں جہالت کا ہونا، چنانچہ مجہول ثمن کے ساتھ بیع صحیح نہیں ہوتی۔

۳...... مقررہ مدت کا مجہول ہونا، جیسا کہ ثمن مؤجل یا خیار شرط میں ہوتا ہے، لہٰذا مدت کا مقررہ ہونا واجب ہے ورنہ عقد فاسد ہوجائے گا، ملاحظہ رہے کہ عقد بیع میں جس چیز کا مقرر اور معلوم ہونا ضروری ہے وہ ثمن ہے یا مبیع (خرید کردہ سامان) ہے جبکہ یہ دونوں چیزیں ذمہ میں بطور قرض ہوں، اگر ثمن یا مبیع کوئی معین چیز ہو تو باتفاق علماء اس کی مدت مقرر کرنا جائز نہیں، چنانچہ اگر کسی شخص نے کوئی معین سامان فروخت کیا اس طور پر کہ وہ مشتری کو ایک ماہ بعد سپرد کرے گا یا کسی شخص نے ثمن عین (یعنی کسی چیز کو ثمن بنا کر) کے ساتھ کوئی چیز خریدی کہ وہ ایک ماہ بعد اسے ثمن دے گا تو بیع فاسد ہوجائے گی، چونکہ عقد میں کسی مدت کا مقرر کرنا اس لئے مشروع ہے تاکہ عاقد کے لئے آسانی پیدا ہو اور مدت کے دوران عوض کو بآسانی حاصل کر سکے، یہ چیز قرضہ جات کے لائق ہے چونکہ یہ بیع میں معین نہیں ہوتی، اور اعیان معینہ کے لئے روا نہیں چونکہ عین معین اور حاضر ہوتی ہے، چنانچہ عین کی سپردگی میں تاخیر کرنا باعث ضرر ہے اس میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا یا اس میں تحصیل حاصل ہے۔ ❶

۴۔ وسائلِ توثیق میں جہالت...... جیسے مثلاً بائع کفیل پیش کرنے کی شرط لگا دے یا اُدھار ثمن کے بدلہ میں رہن رکھنے کی شرط لگا دے، لہٰذا ان دونوں چیزوں کا معین ہونا واجب ہے ورنہ عقد فاسد ہوجائے گا۔

دوم: اکراہ...... کسی شخص کو کسی کام کے کرنے پر مجبور کرنا اکراہ ہے، اکراہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ اکراہ ملجی یا اکراہِ تام...... وہ اکراہ ہے جس سے انسان کسی کام پر آخری درجہ مجبور ہوجائے مثلاً جان کی ہلاکت یا کسی عضو کی ہلاکت کا اندیشہ ہو۔

۲۔ اکراہ غیر ملجی یا اکراہ ناقص...... ایسا اکراہ جس میں جان یا کسی عضو کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ ہو، جیسے قید و بند یا مار پٹائی کی دھمکی کا اندیشہ یا تنخواہ میں ترقیوں کو روک دینے کی دھمکی یا سکیل میں سنیارٹی پر نہ لانے کی دھمکی، سب اکراہ ناقص کی مثالیں ہیں۔

اکراہ کی یہ دونوں قسمیں عقد بیع پر اثر انداز ہوتی ہیں چنانچہ اکراہ جمہور حنفیہ کے نزدیک بیع کو فاسد کر دیتا ہے، جبکہ امام زفر کے نزدیک بیع موقوف ہوتی ہے۔ چنانچہ جب بیع کو فاسد تصور کیا جائے گا تو مشتری قبضہ کر کے مالک بن جائے گا، اور اگر بیع کو موقوف تصور کیا جائے تو قبضہ سے مشتری مطلقاً مالک نہیں ہوگا، البتہ راجح یہ ہے کہ مکرہ کا عقد موقوف ہے، چونکہ حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق اکراہ زائل ہونے کے بعد جب مستکرہ عقد کی اجازت دے دے تو عقد جائز ہوگا۔ یہی عقد موقوف کا حکم ہے اور عقد فاسد کا یہ حکم نہیں۔ ❷

سوم: توقیت...... یہ کہ عقد بیع کو کسی وقت کے ساتھ معلق کرنا جیسے یوں کہے: میں نے یہ کپڑا تمہیں ایک ماہ یا ایک سال کے لئے فروخت کردیا، بیع فاسد ہوگی چونکہ کسی چیز کا مالک ہونا توقیت کے مرہون منت نہیں ہوتا۔

---

❶...... راجع فتح القدیر ۲۱۹/۵، المجموع ۳۷۳/۹، بدایة المجتہد ۱۵۵/۲۔ ❷...... البدائع ۱۸۸/۷، المدخل الفقهی للاستاذ الزرقاء ۳۶۴/۱۔

چہارم: غرر.......اس سے مراد وصف کا غرر ہے جیسے کسی نے گائے فروخت کی کہ وہ اتنے لیٹر دودھ دیتی ہے، چنانچہ یہ غیر یقینی امر ہے یہ کم بھی ہوسکتا ہے۔ البتہ اگر گائے فروخت کی کہ وہ دودھ دیتی ہے اور بائع نے دودھ کی مقدار نہیں بیان کی، تو یہ صحیح شرط ہے، اگر غرر وجود عقد میں ہو تو بیع باطل ہوگی چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے۔ ❶ یہ وہ بیع ہوتی ہے کہ مبیع کے وجود اور عدم کا احتمال ہو جیسے حمل کے حمل کی بیع یا جانور کے پیٹ میں پڑے حمل کی بیع۔

پنجم: ضرر.......یعنی بیع میں فریقین میں سے کسی ایک کو ضرر (نقصان) لاحق ہوتا ہو اور مبیع کی سپردگی بائع کے نقصان کے بغیر ناممکن ہو، جیسے بنی ہوئی چھت کے شہتیر کی بیع یا کپڑے میں سے ایک گز کی بیع اس طرح کی جائے کہ بقیہ کپڑے میں ضرر لاحق ہو جائے چنانچہ اگر شہتیر خریدار کو دے دیا گیا تو عمارت منہدم ہو جائے گی اور سوٹ میں سے ایک گز کپڑا دے دیا تو بقیہ کپڑا بے فائدہ ہو جائے گا۔

یہاں حق شخصی کو محفوظ بنانے کے اعتبار سے فساد ہے حق شرع کی وجہ سے نہیں، چنانچہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر فروخت کنندہ نے شہتیر اکھاڑ کر دے ہی دیا یا ایک گز کپڑا کاٹ کر سپرد کر دیا تو بیع صحیح ہوگی چونکہ بائع اپنے نقصان پر خود راضی ہے۔

ششم: شرط مفسد.......ہر وہ شرط جس میں فریقین (بائع، مشتری) میں سے کسی ایک کا نفع ہو، بشرطیکہ وہ ایسی شرط نہ ہو جس کے متعلق شریعت وارد ہوئی ہو، یا عرف میں وہ شرط معمولی نہ ہو، یا عقد اس کا تقاضا نہ کرتا ہو یا عقد کے ملائم نہ ہو، مثلاً کوئی شخص گاڑی کو فروخت کرے اور ساتھ یہ شرط لگادی کہ بیع کے بعد گاڑی ایک ماہ تک اس کے استعمال میں رہے گی، یا کسی نے گھر فروخت کیا اور ساتھ شرط لگادی کہ مقررہ مدت تک وہ اس میں رہے گا، یا مشتری صلب عقد میں بائع پر یہ شرط لگادے کہ وہ اسے اتنی رقم بطور قرض دے۔

چنانچہ جب معاوضات مالیہ کے عقود میں شرط فاسد پائی جائے جیسے بیع، اجارہ، تقسیم وغیرہ تو یہ شرط عقد کو فاسد کر دے گی، لیکن دوسرے عقود میں یہ شرط محض لغو ہوگی، جیسے تبرعات، توثیقات (رہن، کفیل) عقد نکاح، یہ عقود صحیح ہوں گے شرط لغو ہوگی۔ ❷

استاذ مصطفیٰ زرقاء نے اس شرط پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فقہاء کی نظر میں عرف عام سے شرائط صحیح ہو جاتی ہیں، چنانچہ ہر وہ شرط جو دراصل فاسد ہو وہ صحیح ہو جاتی ہے اور جب وہ شرط لوگوں میں متعارف ہو تو لازم ہو جاتی ہے بشرطیکہ لوگوں میں اس شرط کا معمول ہو، چنانچہ یوں کہنا ممکن ہے کہ شرط فاسد جو معاملات میں معمول ہو تو اس کا فساد جاتا رہتا ہے، اس زمانے میں سبھی شرائط اجتہادی قواعد حنفیہ کی رو سے صحیح ہو جاتی ہیں۔ ❸

۴۔ شرائط خاصہ.......یہ وہ شرائط ہیں جو بیع کی بعض انواع کے ساتھ مخصوص ہوں اور بعض انواع سے لاتعلق ہوں۔ یہ شرائط درج ذیل ہیں۔

ا: منقولات میں قبضہ کا ہونا.......یعنی جب کوئی شخص کسی چیز کو فروخت کر رہا ہو اور وہ چیز از قسم منقولی ہو جبکہ اس شخص نے بھی کسی اور سے خریدی ہو تو آگے فروخت کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس نے اس چیز پر قبضہ کیا ہو، چونکہ منقولی اشیاء ہلاکت کا شکار ہو جاتی ہیں، گویا قبضہ سے قبل بیع کرنے میں غرر کا پہلو نمایاں ہوتا ہے، رہی بات زمین کی سو اس پر قبضہ کرنے سے پہلے بھی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فروخت کیا جاسکتا ہے۔ اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

۲: بیوع امانت میں ثمن اول کی پہچان.......یعنی جب بیع مرابحہ یا تولیہ یا وضیعہ یا شرکت ہو۔ اس کی بھی مکمل تفصیل آیا چاہتی ہے۔

---

❶ .....رواه مسلم واحمد واصحاب السنن الاربعة عن ابی هريرة رضی الله تعالی عنه (جامع الاصول ۱/ ۴۴۱، مجمع الزوائد ۴/ ۸۰) ❷ الاموال ونظرية العقد للأستاذ المصنف محمد يوسف موسىٰ: ص ۴۲۳۔ ❸ عقد البيع ص ۲۸۔

۳.....بیع صرف کی صورت میں فریقین کے جدا ہونے سے قبل بدلین (سونا چاندی، کاغذی نوٹ) پر قبضہ کرنا۔

۴.....بیع سلم میں شرائط بیع سلم کا پایا جانا، اس کی تفصیل بھی آیا چاہتی ہے۔

۵.....اگر معاملہ ربوی اموال کا ہو تو بدلین میں مماثلت کا ہونا اور شبہ ربا سے خالی ہونا۔

۶.....وہ دیون (قرضہ جات) جو ذمہ میں ثابت ہوں ان پر قبضہ کرنا جیسے مسلم فیہ و بیع سلم میں رأس المال۔

کسی چیز کو غیر بائع کے قرضہ میں فروخت کرنا چنانچہ اس چیز کا ایسے شخص پر فروخت کرنا جس پر قرضہ ہو تو وہ قبضہ کے بعد جائز ہوگی، اس کی مثال یہ ہے کہ رب سلم (مشتری) کے لئے صحیح نہیں کہ وہ مسلم فیہ پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی اسے فروخت کردے، اسی طرح قرضہ دہندہ کے لئے صحیح نہیں کہ وہ قرضہ وصول کرنے سے پہلے اس قرضہ کے بدلہ میں کوئی چیز خریدے۔

پانچویں چیز: لزوم بیع کی شرائط.....شرائط انعقاد اور شرائط نفاذ کے بعد شرائط لزوم آتی ہیں، چنانچہ لزوم بیع کے لئے شرط ہے کہ عقد خیارات سے خالی ہو جیسے خیار شرط، خیار وصف، خیار نقد، خیار تعیین، خیار رویت، خیار عیب اور خیار غبن بمعہ تغریر۔ چنانچہ بیع میں جب ان خیارات میں سے کوئی خیار پایا گیا تو وہ فریق جس کے لئے خیار ثابت ہو تو اس کے حق میں بیع کا لزوم نہیں ہوگا اسے اختیار ہوگا کہ بیع فسخ کرے یا قبول کرے، ہاں البتہ اگر کوئی مانع پیدا ہو جائے تو اس کا یہ اختیار جاتا رہے گا، خیارات کی بحث میں یہ تفصیل آرہی ہے۔ [1]

ملاحظہ.....انعقاد کے مقابلہ میں بطلان ہوتا ہے، صحت کے مقابلہ میں فساد ہوتا ہے، نفاذ کے مقابلہ میں توقف (موقوف ہونا) ہوتا ہے اور لزوم کے مقابلہ میں عدم لزوم یعنی تخییر ہوتا ہے۔

مذاہب میں بیع کی مختلف الانواع شرائط کا خلاصہ اور شرائط میں اتفاق اور اختلاف کا بیان.....بیع کی مختلف الانواع شرائط کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک یہ تئیس (۲۳) شرائط ہیں، مالکیہ کے نزدیک گیارہ شرائط ہیں، شافعیہ کے نزدیک بائیس شرائط ہیں اور حنابلہ کے نزدیک گیارہ شرائط ہیں۔

حنفیہ کے مذہب میں شرائط.....حنفیہ کے ہاں بیع کی شرائط چار اقسام پر ہیں، شرائط انعقاد، شرائط صحت، شرائط نفاذ، اور شرائط لزوم، کل ملا کر تیس شرطیں ہیں۔ [2]

شرائط انعقاد.....یہ چار انواع کی شرائط ہیں۔

پہلی نوع: (شرائط عاقد).....عاقد کے متعلق دو شرطیں ہیں عاقد خواہ بائع ہو یا مشتری۔

۱.....یہ کہ عاقد عاقل (ممیز) ہو۔ مجنون کی خرید و فروخت (بیع و شراء) منعقد نہیں ہوتی، نابالغ غیر ممیز بچہ بھی اسی حکم میں ہے۔

۲.....یہ کہ عاقد متعدد ہوں، چنانچہ شخص واحد کی بیع منعقد نہیں ہوتی، بلکہ لازمی ہے کہ ایجاب ایک شخص کی طرف سے ہو اور قبول دوسرے شخص کی طرف سے۔ البتہ باپ، وصی، قاضی اور قاصد فریقین کی طرف سے ایجاب و قبول کر سکتا ہے۔ اس صورت میں ایک شخص اپنے تئیں بائع بھی ہوگا اور مشتری بھی۔

دوسری نوع: (شرائط صیغہ).....صیغہ عقد یعنی ایجاب و قبول میں تین شرطیں ہیں۔

۱۔ **سماع صیغہ**.....یعنی عقد بیع کا انعقاد تبھی ہوگا جب عاقدین میں سے ہر ایک دوسرے کا کلام سن لے۔ گویا ایجاب و قبول اس طرح ہو کہ فریقین سن لیں۔

---

[1].....حاشیۃ ابن عابدین ۶/۴، عقد البیع للأستاذ الزرقاء ص ۳۲۔ [2] البدائع ۱۳۵/۵، ۱۵۵۔

۲۔ایجاب وقبول میں موافقت...... چنانچہ بائع جس چیز کی بھی پیش کش (ایجاب) کرے مشتری اس کو قبول کرے۔
چنانچہ جب قبول ایجاب سے مختلف ہو تو بیع منعقد نہیں ہوگی، الا یہ کہ ایجاب وقبول کے مختلف ہونے میں کوئی بہتری ہو مثلاً یوں ہو کہ مشتری ایجاب کردہ ثمن سے زیادہ کو قبول کرے تو بیع منعقد ہوجائے گی۔

۳۔مجلس عقد کا متحد ہونا...... یعنی ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں ہو، ایجاب وقبول میں کوئی فصل نہ ہو اگر ایجاب وقبول کی مجلس مختلف ہوگئی تو بیع منعقد نہیں ہوگی، اگر ایجاب وقبول کے درمیان اجنبی انقطاع حائل ہوگیا مثلاً فریقین میں سے کوئی ایک قبول سے پہلے مجلس سے اٹھ گیا یا کسی کام میں مشغول ہوگیا تو عقد منعقد نہیں ہوگا۔

قبول میں فی الفور کی شرط نہیں یعنی یہ شرط نہیں کہ ایجاب کے فوراً بعد قبول ہو۔ چونکہ قبول کرنے والے کو بسا اوقات سوچ وبچار اور فکر وتامل کی ضرورت ہوتی ہے۔

جب دو غائبین میں عقد طے ہو رہا ہو اور خط وکتابت سے عقد ہو تو پہلے عاقد کا خط جب دوسرے عاقد کو پہنچے گا تو خط پہنچنے کی مجلس کا اعتبار ہوگا۔

تیسری نوع: معقود علیہ کی شرائط...... معقود علیہ (سامان) میں پانچ شرطیں ہیں۔

ا: یہ کہ مبیع مال ہو...... مال وہ ہوتا ہے جس سے عادۃً نفع اٹھانا ممکن ہو چنانچہ مردار کی بیع نہیں ہوگی، گندم کی ایک دانے کی بیع نہیں ہوگی چونکہ یہ عادۃً مال نہیں ہوتا۔

۲: یہ کہ معقود علیہ (مبیع، خرید کردہ سامان) مال متقوم ہو...... مال متقوم سے مراد وہ چیز ہے جس سے شرعاً نفع اٹھانا مباح ہو چنانچہ شراب اور خنزیر کی بیع منعقد نہیں ہوگی، چونکہ شرعاً ان دونوں چیزوں سے نفع اٹھانا مباح نہیں۔ یہ دونوں شرطیں قبل ازیں ایک ہی شرط میں جمع ہوگئی ہیں۔

۳: یہ کہ معقود علیہ ملک ہو...... اس سے مراد یہ ہے کہ معقود علیہ (سامان) طبعاً کسی کی ملکیت میں داخل ہو، لہٰذا جو چیز کسی کی بھی ملکیت نہ ہو اس کی بیع منعقد نہیں ہوگی، جیسے مباح گھاس اگرچہ کسی کی مملوکہ زمین میں ہی کیوں نہ ہو۔

۴: بوقت عقد معقود علیہ موجود ہو...... چنانچہ معدوم شئے کی بیع نہیں ہوتی جیسے گائے کے بچے کے بچے کی بیع، معقود علیہ ایسا مال بھی نہ ہو جو عدم ووجود کا احتمال رکھتا ہو جیسے پیٹ میں پڑے ہوئے حمل کی بیع اور تھنوں میں دودھ کی بیع۔ چنانچہ ممکن ہے دودھ ہو، ممکن ہے نہ ہو۔

۵: بوقت عقد معقود علیہ مقدور التسلیم ہو...... چنانچہ پانی میں تیرتی ہوئی مچھلی اور ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کی بیع منعقد نہیں ہوگی۔

چوتھی نوع: بدل کی شرط...... یہ ایک ہی شرط ہے وہ یہ کہ بدل مال متقوم جو رائج بھی ہو، لہٰذا ایسے ثمن کے ساتھ بیع منعقد نہیں ہوگی جسے مال متقوم نہ کہا جاتا ہو جیسے شراب اور خنزیر۔

شرائط صحت...... شرائط صحت کی دو قسمیں ہیں (۱) شرائط عامہ (۲) اور شرائط خاصہ۔

شرائط عامہ...... یہ شرائط بیع کی سبھی انواع سے متعلق ہوتی ہیں، یہ شرائط انعقاد ہی نہیں جو اوپر مذکور ہوچکیں چونکہ ہر وہ عقد جو منعقد نہ

ہو وہ صحیح بھی نہیں ہوتا، ان کے علاوہ چار شرائط مزید بھی ہیں۔

۱۔ یہ کہ مبیع اور ثمن معلوم ہوں۔۔۔۔۔ یعنی مبیع اور ثمن معلوم اور معین ہو چنانچہ مجہول کی بیع صحیح نہیں ہوتی، اسی طرح مجہول اور غیر معین ثمن کے ساتھ کسی چیز کو فروخت کرنا بھی صحیح نہیں۔ جیسے کوئی شخص کسی چیز کو فروخت کرے اور ثمن اس کا وہ چیز ہو جو کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہو یا اس کی جیب میں ہو۔

۲۔ بیع مؤقت نہ ہو۔۔۔۔۔ یعنی بیع کو کسی وقت کے ساتھ معلق نہ کیا ہو، اگر موقت کردی تو بیع صحیح نہیں ہوگی چونکہ بیع کا تقاضا ہے کہ بدلین میں ملکیت منتقل ہو جائے۔

۳۔ یہ کہ بیع کا کوئی فائدہ بھی ہو۔۔۔۔۔ چنانچہ درہم کے بدلہ میں درہم (روپے کے بدلہ میں روپے) کی بیع میں کوئی فائدہ نہیں۔

۴۔ یہ کہ بیع شرط مفسد سے پاک ہو۔۔۔۔۔ شرط مفسد سے مراد ایسی شرط ہے جس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کا کوئی زیادہ فائدہ ہو جبکہ شریعت اس کے متعلق وارد نہ ہوئی ہو اور عرف بھی اسے جائز قرار نہ دیتا ہو، متقتضائے عقد کے ملائم بھی نہ ہو جیسے جانور میں حاملہ ہونے کی شرط لگادی یا بیع کے بعد ایک وقت تک مبیع سے نفع اٹھانے کی شرط لگادی، یا یہ کہ مشتری بائع کو کچھ رقم بطور قرض دے۔

شرائط خاصہ۔۔۔۔۔ جو کہ بیوع کی بعض انواع کے لئے ہیں وہ پانچ ہیں۔

۱۔ منقولی شئے پر قبضہ کرنا۔۔۔۔۔ منقولی شئے اور وہ زمین جس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو اس پر قبضہ کرنا، اگر ایک شخص نے کوئی چیز خریدی تو اس پر قبضہ سے پہلے اسے فروخت کرنا صحیح نہیں۔ البتہ وہ زمین جس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو شیخین (ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ) کی رائے میں اس کا فروخت کرنا جائز ہے۔

۲۔ متحد الجنس بدلین میں تقابض اور تساوی۔۔۔۔۔ اموال ربویہ مثلاً سونا چاندی کرنسی نوٹ وغیرہ کی بیع میں شرط ہے کہ وہ برابر ہوں مثلاً ایک تولہ سونے کے بدلہ میں ایک تولہ سونا ہو اور اسی مجلس میں ان پر قبضہ بھی کرلیا جائے۔

۳۔ بیع امانت میں ثمن اول معلوم ہو۔۔۔۔۔ بیع امانت سے مراد مرابحہ تولیہ اور وضیعہ ہے۔ ان کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

۴۔ بیع سلم کی شرائط کا پایا جانا۔۔۔۔۔ یعنی وہ شرائط جو بیع سلم کے ساتھ خاص ہیں بیع سلم میں ان کا پایا جانا، جیسے مجلس عقد میں کل راس المال پر قبضہ کرنا۔

۵۔ بدلین میں سے کوئی ایک دین نہ ہو۔۔۔۔۔ یعنی دین کی بیع جو غیر مدیون سے طے ہو اس میں بدلین میں سے کوئی دین نہ ہو۔

شرائط نفاذ۔۔۔۔۔ شرائط نفاذ دو ہیں۔

۱۔ یہ کہ مبیع بائع کی ملکیت ہو یا اس پر اس کو دسترس حاصل ہو۔۔۔۔۔ چنانچہ غیر مملوک چیز کی بیع نافذ نہیں ہوگی جیسے ملک غیر کی بیع یا فضولی کی بیع۔ ہاں البتہ بیع سلم میں ایسی چیز کو فروخت کرنا صحیح ہے جس کا عقد کے بعد بائع مالک بن جائے۔

۲۔ مبیع میں غیر بائع کا حق نہ ہو۔۔۔۔۔ چنانچہ رہن رکھی ہوئی چیز اور اجرت پر دی ہوئی چیز کی بیع نافذ نہیں ہوتی، اگرچہ بائع کی ملکیت بھی ہے لیکن اس میں دوسرے کا حق پایا جاتا ہے۔

لزوم عقد کی شرط۔۔۔۔۔ لزوم عقد کی صرف ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ بیع کسی بھی قسم کے خیار سے خالی ہو چنانچہ وہ بیع جو کسی خیار پر مشتمل ہو

وہ لازم نہیں ہوتی بلکہ اسے فسخ کرنا جائز ہوتا ہے۔

مالکیہ کے مذہب میں بیع کی شرائط...... مالکیہ نے عاقد، صیغہ (ایجاب وقبول) اور معقود علیہ میں گیارہ شرطیں عائد کی ہیں۔ ❶

عاقد خواہ بائع ہو یا مشتری اسی کی تین شرائط ہیں اور ان پر ایک چوتھی شرط کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔

ا: **یہ کہ عاقد ممیّز ہو**...... چنانچہ غیر ممیّز بچے کی بیع نافذ نہیں ہوتی، اسی طرح مجنون، بے ہوش اور نشہ میں دھت انسان کی بیع نافذ نہیں ہوتی، رہی بات ممیّز بچے کی بیع کی سو اگرچہ صحیح ہو لیکن؟

۲: **دونوں عاقدین مالک ہوں یا وکیل ہوں یا ان کے نگران ہوں**...... چنانچہ فضولی کی بیع منعقد ہو جاتی ہے لیکن اصل مالک کی اجازت پر موقوف رہے گی۔

۳: **عاقدین راضی بھی ہوں**...... چنانچہ مکرہ کی خرید وفروخت باطل ہے، مالکیہ کے نزدیک بھی قابل اعتماد قول یہی ہے کہ مکرہ کی بیع لازم نہیں ہوتی۔

۴: **یہ کہ بائع سمجھ بوجھ کا مالک ہو**...... چنانچہ بے وقوف اور جس شخص پر پابندی عائد ہو اس کی بیع نافذ نہیں ہوتی، نیز ایسے شخص کی خریداری سرپرست کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے۔

عاقد میں اسلام کی شرط نہیں ہے ہاں البتہ مسلمان غلام اور قرآن مجید کا نسخہ خریدنے میں اسلام شرط ہے۔

البتہ اگر کافر نے مسلمان غلام کو خرید لیا یا قرآن مجید کا نسخہ خریدا تو کافر کو مجبور کیا جائے گا کہ غلام کو اور مصحف کو اپنی ملکیت سے نکال دے، چونکہ مسلمان غلام اور قرآنی نسخہ کی ملکیت میں ان کی اہانت ہے۔ نابینا شخص کی خرید وفروخت صحیح ہے۔

شرائط صیغہ...... صیغہ یعنی ایجاب وقبول کی دو شرطیں ہیں۔

ا: **اتحاد مجلس**...... یعنی ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں ہو، چنانچہ اگر بائع نے مشتری سے کہا: میں نے یہ کتاب تمہیں اتنے روپے میں فروخت کر دی، مشتری نے کوئی جواب نہ دیا پھر مجلس سے الگ الگ ہو گئے تو عقد منعقد نہیں ہوگا۔

۲: **ایجاب وقبول میں فصل نہ ہو**...... یعنی ایجاب وقبول کے درمیان اتنا فصل نہ ہو جو عرفاً بیع سے اعراض کرنے پر دلالت کرتا ہو، اگر ایسا فصل ہوا تو بیع منعقد نہیں ہوگی۔

ثمن اور معقود علیہ کی شرائط...... یہ پانچ شرطیں ہیں۔

ا۔ **معقود علیہ شرعاً ممنوع نہ ہو**...... چنانچہ مردار، خون اور ایسی چیز جس پر قبضہ نہ کیا ہو کی بیع منعقد نہیں ہوگی۔

۲۔ **یہ کہ معقود علیہ پاک وطاہر ہو**...... نجس چیز جیسے شراب اور خنزیر کی بیع نافذ نہیں ہوتی، مالکیہ کے ہاں مشہور یہی ہے کہ ہاتھی دانت، گوبر اور نجس تیل کی بیع ممنوع ہے جبکہ ابن وہب نے اس بیع کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ جو شخص ہاتھی دانت کو فی الواقع دانت ہی قرار دیتا ہے تو اسے مردار کا حکم دیتا ہے اور جو ہاتھی دانت کو معکوس سینگ قرار دیتا ہے تو اسے سینگ کا حکم قرار دیتا ہے۔

۳۔ **شرعاً معقود علیہ سے نفع اٹھایا جاتا ہو**...... چنانچہ ایسی چیز کی خرید وفروخت جائز نہیں جس میں کوئی نفع نہ ہو جیسے کتے، حشرات الارض اور لہو ولعب کے آلات، مالکیہ کے ہاں شکاری کتے اور بکریوں کے چوکیدار کتے کی خرید وفروخت میں اختلاف ہے اور دونوں طرح کی

---

❶...... دیکھئے القوانین الفقهية ص ۲۴۵ بداية المجتهد ۲/ ۱۲۵۔

آراء ہیں۔

۴۔ معقود علیہ معلوم ہو..... یعنی دونوں عاقدین کو معقود علیہ معلوم ہو چنانچہ مجہول چیز کی بیع جائز نہیں۔

۵۔ معقود علیہ مقدور التسلیم ہو..... چنانچہ انسان جس چیز کو مشتری کے حوالے کرنے سے عاجز ہو تو اس کی بیع منعقد نہیں ہوگی، جیسے پانی میں تیرتی ہوئی مچھلی اور فضا میں اڑتے ہوئے پرندے کی بیع۔

مذاہب شافعیہ میں بیع کی شرائط..... شافعیہ کے ہاں بائیس (۲۲) شرائط ہیں جو عاقد، صیغہ اور معقود علیہ میں پائی جانی ضروری ہیں۔ ❶

عاقد کی چار شرائط ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

۱: رشد (سمجھ بوجھ)..... یعنی عاقد وبالغ ہو اور اپنے دین ومال کی بہتری سے واقف ہو، چنانچہ بچے کی بیع منعقد نہیں ہوتی اگر چہ بچے کا امتحان ہی لینا کیوں نہ ہو۔ مجنون کی بیع بھی منعقد نہیں ہوتی، جس پر پابندی لگائی گئی ہو اس کی بیع بھی نہیں ہوتی، البتہ اگر بچے نے عقد کیا اور پھر اس نے معقود علیہ (سامان) تلف کر دیا یا سمجھ بوجھ رکھنے والے شخص سے قرض لیا تو بچہ ضامن نہیں ہوگا چونکہ قبضہ کرنے والا اور سپرد کرنے والا مال کو ضائع کرتا ہے، یہ تو شافعیہ کا ظاہری مذہب ہے، جبکہ باطن میں بعد از بلوغ اسے تاوان دینا پڑے گا۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے "الام" میں باب الاقرار کے ذیل میں اس کی تصریح کی ہے۔

بائع پر لازمی ہے کہ وہ بچے کے ولی کو ثمن واپس کرے اور اگر بچے کو واپس کئے اگر چہ ولی کی اجازت ہی سے واپس کئے ہوں اور ثمن بچے کی ملک ہوں بائع ثمن سے بری الذمہ نہیں ہوگا اور اگر ولی کو واپس کئے تو بائع ثمن سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ بائع کا بری الذمہ نہ ہونا اس صورت میں ہے کہ جب مبیع میں کوئی ایسی مصلحت نہ ہو جو بچے کے بدن سے تعلق رکھتی ہو اور اشیائے خورونوش میں سے ہو ورنہ بائع بری الذمہ ہو جائے گا۔

۲: بغیر کسی حق کے اکراہ کا نہ ہونا..... ناحق اکراہ کی صورت میں عقد صحیح نہیں ہوتا چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ..... النساء ۴/۲۹

ناحق مجبور کئے ہوئے شخص کا قول مؤثر نہیں ہوتا البتہ نماز میں اس کا قول مؤثر ہے، چنانچہ نماز کو باطل کر دیتا ہے، مکرہ کا فعل بھی مؤثر نہیں ہوتا البتہ رضاع، حدث، قبلہ سے روگردانی، فرض قیام کے ترک اور قتل میں مؤثر ہے۔

اکراہ بحق..... اکراہ بحق صحیح ہے، چونکہ شریعت کی رضامندی کو مکرہ کی رضامندی کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے، جیسے کسی شخص پر قرضہ ہو اور وہ ادائیگی سے انکار کرتا ہو اور مال فروخت کر کے بھی ادائیگی نہ کرتا ہو تو قاضی اگر چاہے تو اس کی اجازت کے بغیر بھی اس کا مال فروخت کر سکتا ہے، تاکہ اس کا قرضہ ادا کر سکے، اگر قاضی چاہے تو اسے سزا بھی دے سکتا ہے اور قید بھی کر سکتا ہے۔

۳: جس شخص کے ذریعے نسخہ قرآن خریدا جا رہا ہو اس کا مسلمان ہونا..... اسی طرح کتب حدیث، اسلاف کے تبرکات اور کتب فقہ کا بھی یہی حکم ہے چونکہ غیر مسلم کے لئے ان چیزوں کو خریدنے میں ان چیزوں کی اہانت ہے، چنانچہ کافر کا قرآن مجید کا نسخہ خریدنا اور مذکورہ اشیاء کو خریدنا صحیح نہیں، ظاہر مذہب میں کافر کا مسلم غلام کو خریدنا بھی صحیح نہیں، چونکہ اس میں مسلمان کی ذلت ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

❶..... مغني المحتاج ۲/۵-۱۰۶، تحفة الطلاب ص ۱۴۱۔

وَ لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا۝ النساء۴/۱۴۱

اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز کوئی اختیار نہیں دیا۔

۴: آلات جنگ کی بیع میں خریدار حربی جنگجو نہ ہو..... مثلاً تلوار، نیزہ وغیرہ کو خرید کر مسلمانوں کے خلاف دشمن کو تقویت نہ پہنچا رہا ہو اور ہمارے خلاف جنگ میں دشمن کی مدد نہ کر رہا ہو، البتہ جنگی ہتھیاروں کے علاوہ دیگر اشیاء مثلاً لوہا وغیرہ تو ان کو حربی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے چونکہ ضروری نہیں کہ لوہے کو ہتھیار بنانے میں استعمال کرے گا، ذمی دار حرب میں حربی کے حکم میں ہے۔

صیغہ کی شرائط..... صیغہ (ایجاب وقبول) کی تیرہ (۱۳) شرطیں ہیں۔

۱۔ خطاب..... یعنی عاقدین میں سے ہر ایک دوسرے کو مخاطب کرے، مثلاً یوں کہے: میں نے فلاں چیز تمہیں فروخت کردی اور اگر یوں کہا میں نے زید کو فروخت کی تو بیع صحیح نہیں ہوتی۔

۲۔ یہ کہ خطاب جملہ مخاطب پر واقع ہو..... مثلاً یوں کہے، میں نے تمہیں یہ چیز فروخت کی، اگر یوں کہا کہ میں نے یہ چیز فلاں کو فروخت کی تو بیع صحیح نہیں ہوگی۔

۳ ..... جس شخص کو مخاطب بنایا گیا ہو اسی کی طرف سے قبول ہو چنانچہ اگر ایجاب ہوا اور قبول کوئی تیسرا شخص کرے جو مخاطب کا وکیل نہ ہو تو بیع صحیح نہیں ہوگی، اگر عقد قبول کرنے سے پہلے ہی مخاطب مرجائے اور اس کے بعد اس کا کوئی وارث عقد کو قبول کرے تو بیع منعقد نہیں ہوگی، اسی طرح اگر میت کا وکیل قبول کرے بیع نہیں ہوگی۔

۴ ..... جو شخص عقد بیع میں کلام کی ابتداء کرے تو وہ ثمن اور معقود علیہ کا ذکر کرے، مثلاً کہے کہ میں نے یہ چیز تمہیں اتنے روپے میں فروخت کردی یا اتنے روپے میں تم سے خرید لی۔

۵ ..... دونوں عاقدین بولے ہوئے لفظ کے معنی کا قصد کریں، چنانچہ جب زبان پر ایجاب وقبول کا لفظ ویسے ہی جاری ہو جائے یا کوئی مزاح کر رہا ہو جبکہ تملیک وتملک کا ارادہ نہ ہو تو بیع صحیح نہیں ہوگی۔

۶ ..... ایجاب کرنے والا قبول کے درپے ہو اور قبول تمام ہونے تک عاقدین کی اہلیت بدستور ہے، اگر عاقد نے کہا: یہ چیز میں نے تمہیں فروخت کردی پھر اس پر جنون یا بیہوشی طاری ہوگئی اور ابھی دوسرے نے قبول نہیں کیا تھا تو عقد باطل ہو جائے گا، اگر ادھار کا ایجاب کیا یا عقد میں خیار کی شرط لگادی پھر ادھار کی مدت کو ساقط کردیا یا خیار شرط ختم کردیا تو عقد صحیح نہیں ہوگا چونکہ تنہا ایجاب ضعیف ہوتا ہے۔

۷ ..... یہ کہ ایجاب وقبول کے درمیان فصل طویل نہ ہو، یہ فصل کتابت کی شکل میں ہوسکتا ہے یا گونگا شخص دیر تک اشارہ نہ کرے تو فصل ہوگا، فصل طویل وہ ہوتا ہے جو قبول سے روگردانی کے طور پر سمجھا جاتا ہو۔ ہاں البتہ تھوڑا سا سکوت کے ساتھ فصل کرلینا عقد کے لئے باعث ضرر نہیں، چونکہ اس صورت میں قبول سے روگردانی نہیں سمجھی جاتی۔

۸ ..... ایجاب وقبول کے درمیان اجنبی کلام حائل نہ ہو اگرچہ اجنبی کلام تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، چونکہ اجنبی کلام سے تھوڑا سا فصل بھی باعث ضرر ہے، اگرچہ مجلس سے عاقدین جدا نہ بھی ہوں چونکہ اس میں قبول سے روگردانی ہے، بخلاف تھوڑے سے سکوت کے اور خلع میں تھوڑے سے اجنبی کلام کے بخلاف، چونکہ خلع میں خاوند کی طرف سے تعلیق کا شائبہ ہوتا ہے، اور بیوی کی طرف سے ایک قسم کے انعام کا شائبہ ہوتا ہے، چنانچہ ان دونوں چیزوں میں جہالت کو وسعت حاصل ہوتی ہے بخلاف بیع کے چنانچہ بیع میں جہالت کا احتمال

نہیں ہونا چاہیے۔

۹.....یہ کہ ایجاب کرنے والا دوسرے شخص کے قبول سے پہلے اپنے کلام کو تبدیل نہ کرے، چنانچہ جب ایک شخص کہے کہ میں نے تمہیں پانچ روپے میں یہ چیز فروخت کی پھر کہے دس روپے میں فروخت کی جبکہ دوسرے شخص نے عقد کو ابھی قبول نہیں کیا تھا تو یہ عقد صحیح نہیں ہوگا۔

۱۰.....صیغہ (ایجاب وقبول) کا سماع ہو یعنی عاقد اور اس کے پاس موجود لوگ دوسرے عاقد کا کلام سن رہے ہوں چنانچہ اگر قریب والا آدمی کلام نہ سن سکے تو عقد منعقد نہیں ہوگا۔

۱۱.....ایجاب وقبول کے تمام ہونے میں موافقت ہو اگر ایجاب قبول میں اختلاف ہوا تو عقد صحیح نہیں ہوگا۔

۱۲.....ایجاب وقبول کو کسی ایسی چیز کے ساتھ معلق نہ کیا جائے عقد جس کا تقاضا نہ کرتا ہو، مثلاً عاقد کہے: اگر فلاں شخص آ گیا تو میں تمہیں فلاں چیز فروخت کردوں گا یا کہے اگر فلاں شخص نے چاہا تو میں یہ گھر تمہیں فروخت کردوں گا۔

چونکہ بیع فی الحال نفاذ کی مقتضی ہوتی ہے۔ البتہ اگر بیع کو ایسی چیز پر معلق کیا جس کا عقد تقاضا کرتا ہو مثلاً عاقدیوں کہے: اگر تم چاہو تو میں نے تمہیں یہ گھر اتنے روپے میں فروخت کردیا، دوسرا کہے میں نے خرید لیا تو عقد صحیح ہو جائے گا، چونکہ یہ تعلیق عقد کے منافی نہیں ہوتی، بلکہ یہ تو مقتضائے عقد کی وضاحت ہوتی ہے۔

۱.....یہ کہ عقد موقت نہ ہو، مثلاً عاقد یوں کہے کہ میں نے یہ گھر اتنے روپے میں ایک ماہ کے لئے تمہیں فروخت کردیا تو یہ عقد صحیح نہیں ہوگا چونکہ بیع علی التابید کی مقتضی ہوتی ہے۔

معقود علیہ کی پانچ شرائط ہیں: ۱.....یہ کہ معقود علیہ پاک وطاہر چیز ہو، چنانچہ کتا، شراب اور نجس چیز جس کا پاک ہونا ممکن نہ ہو جیسے سرکہ، دودھ، شہد اور تیل کہ اس میں پیشاب یا شراب وغیرہ مل جائے تو ان چیزوں کی بیع صحیح نہیں۔

۲.....یہ کہ شرعاً اس چیز سے نفع اٹھایا جاتا ہو، چنانچہ حشرات ارض جن میں کوئی نفع نہیں ہوتا ان کی بیع صحیح نہیں، اسی طرح ہر ایسا درندہ اور پرندہ جس سے نفع نہ اٹھایا جاتا ہو جیسے شیر، بھیڑیا، چیل، گدھ، کوا جو کھایا نہیں جاتا ان کی بیع بھی صحیح نہیں، آلات لہو ولعب جیسے: ڈھول، طبلہ، بین باجے، بانسری، بت اور تصویریں اگرچہ نقدی مال سے یہ چیزیں تیار کی جائیں ان کی بیع صحیح نہیں چونکہ یہ حرام ہیں، نیز ان چیزوں میں شرعاً کوئی نفع نہیں۔ گندم وغیرہ کے دو، تین دانوں کی بیع بھی صحیح نہیں چونکہ عرف میں انہیں مال نہیں کہا جاتا۔

ان دو شرائط کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ معقود علیہ شرعاً ممنوع نہ ہو، اپنے پاس محفوظ کیے ہوئے پانی کی بیع جائز ہے پہاڑوں میں پتھروں کی بیع اور صحراء میں مٹی کی بیع جائز ہے چونکہ ان چیزوں سے نفع اٹھایا جاتا ہے۔

۳.....معقود علیہ مقدور التسلیم ہو۔ چنانچہ ہوا میں اڑتے ہوئے پرندوں کی بیع صحیح نہیں، پانی میں تیرتی ہوئی مچھلیوں کی بیع بھی صحیح نہیں، گمشدہ جانور یا چیز، بھاگے ہوئے غلام اور مغصوب مال کی بیع بھی صحیح نہیں، البتہ اگر مغصوب مال ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کیا جو غاصب سے واپس لینے کی قدرت رکھتا ہو یا بھاگے ہوئے غلام کو ایسے شخص کے ہاتھوں تو فروخت کیا جو اسے واپس لانے پر قدرت رکھتا ہو تو یہ بیع صحیح ہوگی، چونکہ بظاہر ان تک ایسے شخص کی رسائی ممکن ہوتی ہے، ہاں البتہ اگر ان تک پہنچنے میں اخراجات ہوتے ہوں تو ظاہر مذہب میں یہ بیع باطل ہوگی۔

۴.....یہ کہ معقود علیہ کی مقدار اور صفت عاقدین کو معلوم ہو چنانچہ دو کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع غرر اور جہالت کی وجہ سے باطل ہے، جبکہ غلے کے ڈھیر میں سے ایک صاع کی بیع صحیح ہے چونکہ، ڈھیر میں پڑا ہوا سارا غلہ برابر ہوتا ہے، یہاں مبیع کی جہالت قابل برداشت ہے، نیز ڈھیر میں کم از کم ایک صاع غلہ تو ضرور ہوگا ہی۔ البتہ اگر متفاوت الاجزاء اشیاء میں سے ایک شئے کی بیع جیسے بکریوں کے ریوڑ میں

سے ایک بکری کی بیع صحیح نہیں چونکہ اس کے اجزاء میں تفاوت ہوتا ہے۔

حنابلہ کے مذہب میں بیع کی شرائط......حنابلہ کے ہاں بیع کی گیارہ (۱۱) شرائط ہیں جن کا عاقد، صیغہ اور معقود علیہ میں اعتبار کیا گیا ہے۔ ❶

عاقد کی شرائط......عاقد کی دو شرطیں ہیں۔

۱......رشد یعنی سمجھ بوجھ کا ہونا، چنانچہ بچے، مجنون، نشے میں دھت اور بے وقوف کی بیع صحیح نہیں ہاں البتہ اگر معمولی چیز کی بیع کی تو وہ صحیح ہے (جیسے آج کل بچے ٹافی، چیونگم، پاپڑ وغیرہ، کھانے کے لئے خرید لیتے ہیں) البتہ اگر ولی نے ممیز بچے یا بے وقوف (سفیہ) کو کسی مصلحت کے پیش نظر بیع کی اجازت دی تو عقد صحیح ہوگا، بغیر کسی مصلحت کے انہیں اجازت دینا حرام ہے۔ چونکہ اس میں مال کا ضیاع ہے۔

ممیز بچے اور سفیہ (بے وقوف) کا ہبہ، وصیت اور بیع وغیرہ ولی کی اجازت کے بغیر قبول کرنا صحیح نہیں۔

معمولی چیز میں بچے کا تصرف کرنا صحیح ہے اگرچہ سن تمییز تک نہ ہی پہنچا ہو، چنانچہ روایت ہے کہ حضرت ابوداؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک چھوٹے بچے سے چڑیا خرید کر چھوڑ دی۔ ❷ اسی طرح چھوٹی موٹی چیز میں سفیہ کا تصرف بھی صحیح ہے جیسے سبزی کی گڈی اور ماچس کی ڈبیہ وغیرھا۔ چونکہ ان لوگوں پر اس لئے پابندی لگائی جاتی ہے تاکہ مال ضائع نہ کریں لیکن چھوٹی موٹی چیز میں ضیاع مال کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

ممیز بچے کو ہدیہ بھیجنے اور گھر میں داخل ہونے کے لئے وکیل بنانا صحیح ہے چونکہ عرف میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

۲......عاقدین بیع پر رضامند ہوں، اپنے اختیار سے بیع کر رہے ہوں اور اکراہ کا پہلو نہ ہو، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَـٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۚ ......النساء ۴/ ۲۹

ہاں البتہ اگر تمہارے درمیان باہمی رضامندی کی تجارت ہو۔

حدیث میں ہے۔ ”خرید و فروخت تو بس باہمی رضامندی سے ہوتی ہے۔ ❸ چنانچہ مجبوری اور امانت کی بیع کرنا جس میں فی الواقع عاقدین بیع نہیں چاہ رہے ہوتے بلکہ مارے خوف کے ظاہری طور پر بیع کر رہے ہوتے ہیں تو یہ بیع باطل ہے اسی طرح مزاح کرنیوالے کی بیع بھی باطل ہے۔ چونکہ مزاح کی صورت میں بیع کی حقیقت مقصود نہیں ہوتی۔

اگر کسی حق کے پیش نظر بائع پر اکراہ کیا گیا کہ وہ اپنی چیز فروخت کر کے قرضہ وغیرہ ادا کرے اور اکراہ حاکم کی طرف سے ہو تو اس صورت میں بیع صحیح ہوگی، راہن، ذخیرہ اندوز، مدیون اسی میں داخل ہیں۔

بے چین مجبور شخص سے چیز خریدنا مکروہ ہے، بے چین سے مراد وہ شخص ہے جو اپنا مال ثمن مثل سے کم پر فروخت کر دے۔

شرائط صیغہ......شرائط صیغہ تین ہیں۔

۱۔ **اتحاد مجلس**......یعنی ایجاب کی مجلس میں قبول ہو چنانچہ جب بائع نے ایجاب کیا پھر دونوں عاقدین جدا ہوئے جبکہ مشتری نے عقد قبول نہیں کیا تھا تو بیع منعقد نہیں ہوگی۔

۲......ایجاب و قبول میں کوئی طویل وقفہ (فصل) نہ ہو جسے عرف میں بیع سے روگردانی سمجھا جاتا ہو۔

۳......یہ کہ عقد مؤقت نہ ہو اور مشیت ایزدی کے علاوہ کسی اور امر پر معلق نہ کیا گیا ہو مثلاً اگر کوئی کہے میں نے یہ چیز تمہیں ایک سال تک کے لئے فروخت کر دی یا کہا اگر فلاں شخص راضی ہو گیا تو میں نے یہ چیز خرید لی۔ یوں بیع موقت اور معلق منعقد نہیں ہوتی۔

❶......دیکھئے غاية المنتهى ۲/ ۵-۱۴، كشاف القناع ۳/ ۱۳۹۔ ❷ ذكره ابن ابى موسى۔ ❸ رواه ابن حبان۔ قدسبق تخريجه مفصلاً

معقود علیہ کی شرائط..... معقود علیہ خواہ مبیع (سامان) ہو یا ثمن ہو اس کی چھ شرائط ہیں۔

۱۔ معقود علیہ مال ہو..... مال ایسی چیز ہوتی ہے جس سے بلاضرورت شرعی نفع اٹھانا مباح ہو چونکہ بیع مال کا مال سے تبادلہ ہے لہٰذا ایسی چیز کی بیع شرعاً صحیح نہیں جس سے سرے سے نفع ہی نہ اٹھایا جاتا ہو جیسے حشرات الارض اور وہ چیز جس سے نفع اٹھانا حرام ہو جیسے شراب، اور وہ چیز جس سے بوقت حاجت نفع اٹھانا مباح ہو جیسے کتا اور وہ چیز جس سے نفع اٹھانا بوجہ ضرورت مباح ہو جیسے حالت اضطرار میں مردار سے نفع اٹھانا۔

مردار کی کھال جسے دباغت دی گئی ہو اس کی بیع جائز ہے، خچر، گدھا، ریشم کے کیڑے اور شہد کی مکھیوں کی بیع جائز ہے بشرطیکہ مقدور التسلیم ہوں اسی طرح چھتے سمیت شہد کی مکھیوں کی بیع بھی جائز ہے، شکار کرنے والے پرندوں اور درندوں کی بیع بھی صحیح ہے، خون چوسنے کے لئے جونک کی بیع بھی صحیح ہے۔

خوبصورت آواز سننے کے قصد سے پرندوں کی بیع جائز ہے جیسے بلبل وغیرہ، طوطے اور قمری کی بیع بھی صحیح ہے مباح کتے کو ہدیہ میں دینا جائز ہے جبکہ اس کی خرید وفروخت جائز نہیں۔

زہر قاتل کی بیع جائز نہیں جیسے سانپ، مارنے کا زہر (اور سنکھیا وغیرہ) چونکہ زہر سے نفع اٹھانا مباح نہیں ہوتا، حشرات اور جڑی بوٹیوں کے زہر کی بیع بھی جائز نہیں ہاں البتہ وہ زہر جس سے نفع اٹھایا جاتا ہو یا علاج وغیرہ کے لئے اسے استعمال کرنا ممکن ہو جیسے سقمونیا کے لئے تو جائز ہوگی۔

نسخۂ قرآنی کی بیع جائز نہیں خواہ خریدار مسلمان ہو یا کافر، چونکہ قرآنی نسخہ کی تعظیم واجب ہے جبکہ خرید وفروخت میں ہتک حرمت ہے۔ نیز کافر قرآن مجید کا نسخہ اپنے پاس نہیں رکھ سکتا لہٰذا ابتداءً اسے پیش کرنا بھی جائز نہیں۔ ❶

آلات لہو ولعب جیسے بین باجے، طبلہ، سارنگی، شطرنج، حشرت الارض جیسے گبریلے وغیرہ چوہا، سانپ، بچھو، جھینگر، مردار، خون، خنزیر اور بت کی بیع جائز نہیں۔

گوبر کی بیع صحیح نہیں ہوتی، ایسا تیل جو نجس العین ہو جیسے مردار کی چربی سے بنائے ہوئے تیل کی بیع بھی صحیح نہیں۔ چنانچہ بخاری ومسلم کی حدیث ہے'' کہ اللہ تعالیٰ نے جب کسی چیز کو حرام کیا ہے تو اس کے ثمن کو بھی حرام کیا ہے۔'' نجس تیلوں سے کسی قسم کا بھی نفع اٹھانا جائز نہیں۔ ان سے چراغ جلانا بھی جائز نہیں، چونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام قرار دیا ہے، وہ تیل جو نجس ہو جائے جیسے تیل میں پیشاب یا شراب کا قطرہ گر گیا تو اس کی بیع بھی صحیح نہیں حتیٰ کہ کافر کے ہاتھ بھی فروخت کرنا صحیح نہیں چونکہ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ'' اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حرام کیا ہے اس کے ثمن کو بھی حرام کیا ہے۔ البتہ نجس ہو جانے والے تیل سے مسجد کے علاوہ چراغ جلانا جائز ہے۔ چونکہ اس سے بغیر ضرر کے نفع اٹھانا ممکن ہے۔

آزاد انسان کو فروخت کرنا صحیح نہیں چونکہ بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ'' قیامت کے دن میں تین آدمیوں کے ساتھ خصومت (جھگڑا) کروں گا۔ ان میں سے ایک شخص وہ بھی ہے جو کسی آزاد انسان کو فروخت کردے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم ہڑپ کر جائے۔'' عام مباحات میں سے جس چیز کا ابھی مالک نہ ہوا سے فروخت کرنا صحیح نہیں جیسے گھاس، پانی اور معدن، ان چیزوں کو اپنے پاس محفوظ کرنے سے پہلے فروخت کرنا صحیح نہیں۔ چونکہ مندرجہ ذیل شرط مفقود ہے۔

۲..... یہ کہ مبیع میں بائع کی ملک تام ہو چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جو چیز تمہارے پاس نہیں اسے فروخت مت کرو۔ ❷ چنانچہ فضولی کا تصرف مطلق صحیح نہیں اگرچہ بعد میں عقد کی اجازت ہی کیوں نہ دے

❶..... حنابلہ کے نزدیک بھی اب فتویٰ نسخۂ قرآن کی خرید وفروخت کے جواز پر ہے۔ ❷ رواہ ابن ماجہ والترمذی وصححہ۔

دی جائے۔

انسان جس چیز کا مالک نہ ہو اس کی بیع بھی صحیح نہیں جیسے آزاد انسان اور مباح چیز، وہ زمین جو موقوف ہو اور اسے غلبہ پا کر فتح کر لیا گیا ہو (عُـنْـوۃً فتح کی گئی ہو) اور تقسیم نہ کی گئی ہو جیسے مصرو شام۔ البتہ امام ایسی زمین کو فروخت کر سکتا ہے بشرط یہ کہ بیع میں کوئی مصلحت ہو جیسے وقف کر دی یا جاگیر میں دے دی۔

مکہ اور حرم کے پلاٹوں کی بیع اور اجارہ صحیح نہیں، اسی طرح مقامات مناسک جیسے سعی کرنے کی جگہ، رمی کی جگہ اور میدان عرفات کی جگہ کو بھی فروخت کرنا صحیح نہیں، چونکہ یہ جگہیں مسجد کے حکم میں ہیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مکہ عنوۃً فتح ہوا ہے، ایسی چیز کی بیع بھی صحیح نہیں جو ملک تام نہ ہو جیسے خیار کے وقت کی مبیع۔

۳..... عقد کے وقت مبیع مقدور التسلیم ہو چنانچہ جو چیز مقدور التسلیم نہ ہو وہ معدوم کے مشابہ ہے جبکہ معدوم کی بیع صحیح نہیں ہے اور جو معدوم کے مشابہ ہو اس کی بھی بیع صحیح نہیں۔

ایسی بیع بھی صحیح نہیں جس کا نصف معین ہو اور نصف غیر معین جیسے برتن اور حیوان کی بیع اور غیر مدیون کے لئے دین کی بیع، بھاگے ہوئے غلام اور آوارہ جانور کی بیع بھی صحیح نہیں اگر چہ اسے پکڑنے پر قدرت ہو۔ چونکہ حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھاگے ہوئے غلام کو خریدنے سے منع فرمایا ہے۔ ❶ پانی میں تیرتی مچھلی کی بیع صحیح نہیں البتہ مچھلی دکھائی دیتی ہو اور اس کا پکڑنا آسان ہو اس کو فروخت کرنا جائز ہے، جس پرندے کو پکڑنا دشوار ہو اس کی بیع بھی صحیح نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ مبیع مقدور التسلیم نہیں۔

مغصوب چیز کی بیع صحیح نہیں البتہ غاصب ہی کو فروخت کی جاسکتی ہے یا ایسے شخص کو فروخت کی جاسکتی ہے جو اسے لینے پر قدرت رکھتا ہو، اگر قادر شخص عاجز آجائے تو بیع کو فسخ بھی کر سکتا ہے۔

۴..... مبیع مشتری اور بائع کو معلوم ہو یعنی دیکھ کر مبیع کی پہچان ہو جائے، پہچان عقد کے وقت ہو یا عقد سے اتنا وقت پہلے جس میں مبیع متغیر نہ ہوتی ہو۔ نابینا شخص کی خرید و فروخت اس طریقہ سے صحیح ہے کہ جس سے مبیع کی اسے معرفت حاصل ہو جائے خواہ معرفت سونگھ کر ہو یا چھو کر یا چکھ کر تا کہ مبیع کی حقیقت کا علم حاصل ہو جائے، غلے کے ڈھیر میں سے ایک قفیز کی بیع صحیح ہے۔

نمونہ کی بیع..... جو چیز نمونہ یا ماڈل کے طور پر رکھی ہو اس کی بیع صحیح نہیں۔ چونکہ جو چیز نمونہ کے طور پر رکھی گئی ہو وہ صفت دکھانے کے لئے رکھی جاتی ہے، جیسے غلے کے ڈھیر میں سے ایک صاع دکھا دینا کہ بقیہ غلہ بھی اسی جنس کا ہے۔

مضامین کی بیع صحیح نہیں، مضامین کی بیع بطن میں پڑے حمل کی بیع کو کہا جاتا ہے، تھنوں میں پڑے دودھ کی بیع بھی صحیح نہیں، کھجوروں کے بدلے میں گٹھلیوں کی بیع اور بھیڑ کی پشت پر اون کی بیع بھی صحیح نہیں، اور البتہ ان چیزوں کو تابع بنا کر فروخت کرنا صحیح ہے مثلاً بائع یوں کہے میں نے یہ جانور اور اس کا حمل تمہیں فروخت کر دیا یا کہے میں نے یہ زمین اور اس میں بوئے ہوئے بیج تمہیں فروخت کر دیئے۔

سانڈ کو کدوانے کی بیع، حمال کے حمل کی بیع، درخت پر آئندہ آنے والے پھل کی بیع یا جانور کے حمل کی بیع، ہرن کی ناف میں پڑی ہوئی مشک کی بیع، زمین میں گاڑے ہوئے تھوم اور پیاز کی بیع بھی صحیح نہیں، لپٹے ہوئے کپڑے کی بیع بھی صحیح نہیں، کھڈی پر چڑھے ہوئے کپڑے کی بیع بھی صحیح نہیں جو آدھا بُن دیا گیا ہو اور آدھا تانا ہو۔

بیع ملامسہ..... بیع ملامسہ ❷ صحیح نہیں، بیع ملامسہ یہ ہوتی ہے کہ مثلاً بائع کہے کہ جب تم اس کپڑے کو چھو لو گے تو میں تمہیں فروخت

---

❶..... رواہ احمد عن ابی سعید۔ ❷ ملامسہ لمس سے ہے جس کے معنی چھونے کے ہیں۔

کردوں گا یا کہے تم جو کپڑا بھی چھوؤ گے میں تمہیں اتنے روپے میں فروخت کردوں گا۔

بیع منابذہ...... بیع منابذہ ❶ بھی صحیح نہیں۔منابذہ کی صورت یہ ہے کہ مثلاً بائع کہے تم جس کپڑے کو بھی پھینکو گے وہ میں تمہیں اتنے روپوں میں فروخت کردوں گا۔

بیع حصاۃ...... بیع حصاۃ ❷ بھی صحیح نہیں۔اس کی صورت یہ ہے کہ بائع کہے کنکری مارو جس کپڑے پر بھی پڑے گی وہ میں تمہیں فروخت کردوں گا۔

مجہول شئے کی بیع بھی صحیح نہیں جیسے ریوڑ میں سے ایک بکری کی بیع، باغ میں سے ایک درخت کی بیع اگرچہ بکریوں اور درختوں کی قیمت یکساں ہی کیوں نہ ہو۔

۵...... یہ کہ بوقت عقد ثمن دونوں عاقدین کو معلوم ہوں یا عقد سے قبل معلوم ہوں، مجہول رقم کے ساتھ بیع جائز نہیں، بیع میں یوں کہنا بھی صحیح نہیں کہ میں یہ چیز اس مال کے بدلہ میں فروخت کرتا ہوں جس سے زید نے مبیع فروخت کی تھی، ایسی چیز کو بھی ثمن نہ ٹھہرایا جائے جس کا ریٹ گر گیا ہو، البتہ متاخرین حنابلہ کا اس میں اختلاف ہے۔

۶...... ثمن مبیع اور متعاقدین کا موانع صحت سے خالی ہونا جیسے سود اور غیر ملائم شرط سے ان کا پاک ہونا۔

واجب قربانی اور ہدی کی بیع صحیح نہیں ہوتی، موقوف چیز کی بیع بھی صحیح نہیں، مرتہن کی اجازت کے بغیر مرہون شئے کی بیع بھی صحیح نہیں، جس نمازی کے پاس پانی نہ ہو اسے پانی فروخت کرنا صحیح نہیں (بلکہ بغیر قیمت کے دے دینا چاہیے)۔

قرآنی نسخہ کی بیع بھی صحیح نہیں اور اذان جمعہ کے بعد بھی خرید وفروخت کرنا صحیح نہیں۔

بیع کی شرائط میں اتفاق واختلاف کی وجوہات...... گزشتہ تفصیلات سے درج ذیل نکات ظاہر ہوتے ہیں۔

۱۔عاقد کی شرائط میں...... تمییز کی شرط متفق علیہ ہے، جبکہ بلوغ مختلف فیہ شرط ہے، چنانچہ بلوغ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک شرط نفاذ ہے جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط انعقاد ہے۔

اختیار اور دلی رضامندی، جمہور کے نزدیک شرط انعقاد ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک شرط نفاذ ہے، چنانچہ مکرہ کی بیع جمہور کے نزدیک باطل ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک فاسد یا موقوف اور غیر نافذ ہے اور مالکیہ کے معتمد قول کے مطابق غیر لازم ہے۔

۲۔صیغہ کی شرائط میں...... ایجاب وقبول میں فصل کے بغیر اتحاد مجلس، ایجاب وقبول میں مطابقت کا ہونا، ایجاب وقبول کا سننا، عقد کا فی الحال نفاذ (تنجیز) یا عدم تعلیق، عدم توقیت یہ سب شرائط متفق علیہا ہیں، اگرچہ فقہاء نے ان میں سے بعض کو ذکر کیا ہے اور بعض کو ذکر نہیں کیا۔

۳۔معقود علیہ کی شرائط میں...... معقود علیہ کا مال متقوم ہونا جس سے شرعاً نفع اٹھانا مباح ہو، معقود علیہ طاہر ہو نجس نہ ہو، موجود ہو، مقدور التسلیم ہو، معلوم ہو مجہول نہ ہو یہ سب شرائط متفق علیہا ہیں، ہاں البتہ جہالت معقود علیہ بیع کو حنفیہ کے نزدیک فاسد کر دیتی ہے، جبکہ جمہور کے نزدیک باطل کر دیتی ہے، رہی یہ شرط کہ مبیع بائع کی ملک ہو یہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک شرط نفاذ ہے، جبکہ شافعیہ، اور حنابلہ کے نزدیک شرط انعقاد ہے، چنانچہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک فضولی کی بیع وشراء موقوف ہے جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک باطل ہے۔

---

❶...... منابذہ نبذ سے ماخوذ ہے جس کے معنی پھینکنے کے ہیں۔ ❷ حصاۃ کے معنی کنکری کے ہیں یہ تینوں اقسام کی بیعات جاہلیت میں معروف تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمادیا۔

رہی یہ شرط جو کہ مبیع سے تعلق نہیں رکھتی چونکہ وہ غیر بائع کا حق ہوتا ہے جیسے رہن رکھی ہوئی چیز کی بیع یا اجرت پر دی ہوئی چیز کی بیع یہ شرط حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک شرط نفاذ ہے جبکہ حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک شرط انعقاد ہے۔ چنانچہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مرہون چیز اور اجرت پر دی ہوئی چیز کی بیع موقوف ہے جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک باطل ہے۔

تیسری بحث: بیع کا حکم اور مبیع وثمن کے متعلق کلام......اس بحث میں دو مقاصد ہیں۔

پہلا مقصد: عقد کا حکم...... عقد کے حکم سے مراد عقد کی غرض وغایت ہے، چنانچہ عقد بیع کا حکم یہ ہے کہ مبیع مشتری کی ملکیت میں آجاتی ہے اور ثمن بائع کی ملکیت میں آجاتا ہے۔ عقد اجارہ کا حکم یہ ہے کہ مستاجر (اجرت پر لینے والا) اجرت پر لی ہوئی چیز کی منفعت کا مالک بن جاتا ہے اور مؤاجر (اجرت پر دینے والا) اجرت کا مالک بن جاتا ہے۔ ❶

حکم عقد کے حوالے سے تین معنے موضوع طلب ہیں۔

ا...... یا تو حکم سے مراد حکم تکلیفی ہے، چنانچہ حکم یا تو وجوب ہے یا ندب (استحباب) ہے یا اباحت ہے یا تحریم ہے یا کراہیت ہے، چنانچہ بولا جاتا ہے کہ روزے کا حکم وجوب ہے اور چوری کا حکم حرمت ہے۔

۲...... یا تو حکم سے مراد وصف شرعی ہے جو صحت، لزوم اور عدم لزوم کی حیثیت سے فعل کے متعلق ہوتا ہے، چنانچہ یوں کہا جاتا ہے کہ عقد کا حکم عقد کے جمیع ارکان اور شرائط کو مکمل طور پر شامل ہے کہ عقد صحیح اور لازم ہے۔

۳...... یا حکم سے مراد تصرف شرعی پر مرتب ہونے والا اثر ہے۔ جیسے وصیت کے ارکان اور شرائط جب پوری ہوں تو موصیٰ لہ سے تعلق رکھنے والے اثرات اس پر مرتب ہوتے ہیں، اور موصیٰ بہ (وہ چیز جس کی وصیت کی گئی ہو) پر بھی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ❷

تبصرہ...... اس مقام پر تیسرا معنی مقصود ہے یعنی حکم شرعی جو بیع کے لئے ثابت ہو جاتا ہے اور بیع پر مرتب ہونے والا اثر مراد ہے۔ چنانچہ بیع کا اثر یہ ہے کہ مبیع میں مشتری کے لئے ملک ثابت ہو جاتی ہے اور ثمن میں بائع کے لئے ملک ثابت ہو جاتی ہے، یہ اثر اس وقت مرتب ہوتا ہے جب لازم ہو اور اس میں کوئی خیار نہ رکھا گیا ہو۔ ❸

حقوق عقد سے مقصود وہ اعمال ہیں جو حصول حکم کے لئے لابدی ہیں۔ مثلاً مبیع کو سپرد کرنا، ثمن پر قبضہ کرنا، عیب کی وجہ سے مبیع کو رد کر دینا، خیار رؤیت یا خیار شرط کی وجہ سے بیع کو رد کرنا، اور جب مبیع میں استحقاق ثابت ہو جائے تو اس وقت ثمن کو رد کرنا۔ ❹

بیع کے حقوق جو حکم کے تابع ہوتے ہیں...... ہر وہ حق جو مبیع کے تابع ہو جس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہوتا اور اس تابع کا مقصد مبیع سے متعلق ہوتا ہے جیسے راستہ اور زمین کے لئے پانی کی باری، ان حقوق کو مرافق (فوائد متصلہ) سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان میں قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو گھر کے ساتھ متصل ہو وہ بغیر ذکر کے تبعاً گھر کی بیع میں داخل ہو گی اور جو چیز گھر کے ساتھ متصل نہ ہو وہ گھر کی بیع میں بغیر ذکر کے داخل نہیں ہو گی ہاں البتہ وہ چیز داخل ہو گی جو عرف میں سمجھی جاتی ہو کہ بائع مشتری کو اس سے منع نہیں کرے گا۔

چنانچہ عرف کی وجہ سے چابی استحساناً بیع میں داخل ہو گی، بخلاف تالے کے اور اس سیڑھی کے جو عمارت کے ساتھ متصل نہ ہو۔ البتہ وہ سیڑھی جو عمارتوں کے اندر بنائی جاتی ہے وہ عرفاً گھر کی بیع میں داخل ہو گی۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ ❺

''الف''...... جس شخص نے کوئی ایسا گھر خریدا جس پر دوسری منزل بنی ہو تو بالائی منزل تحتانی منزل کی بیع میں داخل نہیں ہو گی۔ اور بالائی منزل کو تحتانی منزل کے تابع بھی نہیں بنایا جائے گا۔

---

❶الـامـوال ونظرية العقد للاستاذ محمد يوسف موسى ص ۲۷۲. ❷التلويح شرح التوضيح للتفتازانی ۲/۱۲۲ الـا حوال الشخصية للاستاذ مصطفىٰ السباعی ص ۱۱۴. ❸البدائع ۵/۲۳۳. ❹الا موال ونظرية العقد المرجع السابق. ❺الدر المختار ورد المحتار ۴/۱۹۷.

''ب''.....مبیع میں ضروریات خانہ داخل ہوں گی جیسے راستہ، باورچی خانہ، وضوخانہ وغیرہ چونکہ یہ چیزیں گھر کے تابع ہوتی ہیں، چنانچہ گھر کی بیع میں داخلی راستہ داخل ہوگا، گلی کی طرف کھلنے والی کھڑکی، عام راستہ اور بیت الخلاء کنواں، صحن میں لگے ہوئے درخت یہ سب گھر کی بیع میں داخل ہوں گے رہی بات چمن اور باغ کی جو گھر سے خارج ہوں اوران کا رقبہ گھر کے رقبے کے برابر ہو یا زیادہ ہو تو وہ گھر کی بیع میں داخل نہیں ہوں گے، اصلی دروازہ گھر کی بیع میں داخل ہوگا، باہر کا دروازہ جو سڑک کی طرف کھلتا ہو جیسے بڑے دروازے (مین گیٹ) کا نام دیا جاتا ہے وہ بھی بیع میں داخل ہوگا چونکہ یہ بھی ضروریات خانہ میں سے ہیں۔

راستہ پر بنا ہوا سائبان گھر کی بیع میں داخل نہیں ہوگا، وہ راستہ اور پانی کی نالی جو گھر کے ساتھ خاص نہ ہوں وہ تصریح کے بغیر گھر کی بیع میں داخل نہیں ہوں گے چونکہ یہ چیزیں گھر کی حدود سے خارج ہوتی ہیں، البتہ اگر مشتری پر قید لگادے گھر کے متعلق ہر قسم کا حق یا ضروریات خانہ یا سب قلیل وکثیر کے ساتھ گھر کو خریدے گا۔ بخلاف اجارہ، رہن اور وقف کے چنانچہ یہ چیزیں بغیر ذکر کے ان میں داخل ہوں گی، چونکہ یہ چیزیں نفع اٹھانے کے لئے ہوتی ہیں، یہ حنفیہ کی قدیم رائے ہے اور ہر زمانے اور ہر جگہ میں اسی پر عمل ہو رہا ہے۔

گھر کا اقرار، گھر پر صلح کرنا، گھر کی وصیت ہبہ، نکاح اور خلع جو مال پر ہو یہ سب، راستہ وغیرہ کے داخل ہونے میں بیع کے حکم میں ہیں۔

دوسرا مقصد: ثمن اور مبیع.....ثمن اور مبیع کے حوالے سے دو پہلوؤں میں کلام ہوگا۔

اول.....مبیع اور ثمن کی تعریف میں۔

دوم.....ان دونوں کے متعلقہ احکام کے بارے میں۔

مبیع اور ثمن کی تعریف.....جمہور حنفیہ کے نزدیک مبیع اور ثمن متباین اسماء میں سے ہیں، اوران کے مختلف معانی ہیں، چنانچہ مبیع کی غالب احوال میں یہ تعریف کی جاتی ہے کہ مبیع وہ ہے جو متعین کرنے سے متعین ہو جائے۔ جبکہ ثمن کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ جو متعین کرنے سے متعین نہ ہو۔

یہ اصول غالب احوال کی رعایت سے وضع کیا گیا ہے عوارض کے پیش نظر اس کی تبدیلی کا احتمال بھی ہے، چنانچہ جو چیز تعیین کا احتمال نہیں رکھتی وہ مبیع ہو جاتی ہے جیسے مسلم فیہ، اور جو چیز تعیین کا احتمال رکھتی ہے وہ ثمن بن جاتی ہے جیسے بیع سلم میں رأس المال۔ اس تفصیل کی رو سے ثمن کا اعتبار ذمہ میں دین (قرضہ) کے طور پر ہوتا ہے اور یہ اغلب ہے، یہ اس وقت ہے جب ثمن نقدی ہوں، یا کوئی دوسرے مثلی اموال ہوں جیسے گیہوں، تیل وغیرہ، خواہ وہ مکیلی ہوں یا موزونی، ذراع وغیرہ سے ناپی جاتی ہوں یا عددی ہوں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ثمن اشیائے قیمیہ میں سے ہوں جیسے جانور اور کپڑے وغیرہ۔ جیسے شکر کی خاص مقدار قیمتی اشیاء کے بدلہ میں ایک مدت کے عرصہ تک فروخت کی جائے، تو شکر مبیع ہے قیمتی شئے ثمن ہے اور یہ بیع سلم ہوگی چونکہ یہ مؤجل (ادھار سامان) کی بیع معجّل (نقد قیمت) کے بدلہ میں ہوتی ہے۔

ابن ہمام وغیرہ کہتے ہیں جس طرح کپڑے بیع سلم کے طور پر ذمہ میں بطور مبیع ہو سکتے ہیں ذمہ میں بطور دین مؤجل (ادھار) بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس وقت مدت کی شرط ہوگی اس لئے نہیں کہ یہ ثمن ہیں بلکہ اس لئے کہ یہ سلم کے ساتھ ملحق ہیں اور ذمہ میں دین ہوتے ہیں، چنانچہ جب ہم کہیں کہ ایک کتاب کپڑے کے بدلہ میں فروخت کی اور وہ کپڑا ذمہ میں مدت مقررہ تک ہوتا ہے، تو یہ کتاب کی بنسبت بیع ہوگی، حتیٰ کہ مجلس میں اس کا قبضہ شرط نہیں ہوگا، بخلاف اس کے کہ جب کپڑے کی بیع سلم میں دراہم دے، یہاں تو مسلم فیہ کے احکام کپڑے میں ثابت ہوتے ہیں حتیٰ کہ اس میں مدت مقررہ شرط ہے اور بیع قبضہ سے پہلے ممنوع ہے چونکہ یہ مسلم فیہ کے ساتھ ملحق ہے۔ [1]

---

[1].....ردالمحتار لابن عابدین ۴/ ۲۶.

امام شافعی اور امام زفر کہتے ہیں کہ مبیع اور ثمن مترادف الفاظ ہیں جو ایک ہی مسمیٰ پر واقع ہوتے ہیں اور احکام میں یہ ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں۔

فریقین کے پاس اپنے اپنے مؤقف کے دلائل ہیں ❶ جبکہ یہ قضیۂ اصطلاحیہ ہے۔

مبیع کی تعیین...... تعیین خارجی وجود میں کسی چیز کو اس کے ماسوا سے ممتاز کرنا تعیین ہے، مبیع جب عقد میں معین ہو تو وہ متعین ہو جاتی ہے برابر ہے کہ مبیع مجلس عقد میں حاضر ہو یا غائب ہو، اور جب مبیع عقد میں غیر معین ہو تو وہ صرف سپرد کرنے سے ہی متعین ہوگی۔ ❷

ثمن، قیمت اور دین میں فرق:

ثمن...... ثمن کا تحقق صرف عقد میں ہوتا ہے، ثمن سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جس پر دونوں عاقدین راضی ہوں، خواہ وہ چیز قیمت سے زیادہ ہو یا کم۔ (ثمن روپے بھی ہو سکتے ہیں، سونا چاندی بھی ہو سکتے ہیں غلہ بھی ہو سکتا ہے مثلاً ایک شخص کہے میں تمہیں ایک من گندم دوں گا تم مجھے کپڑے دے دو گویا اس عقد میں گندم ثمن ہے اور کپڑا مبیع خریدی گئی چیز کے مقابلہ میں جو چیز ہو وہ ثمن ہیں۔)

قیمت...... وہ چیز ہوتی ہے جو تاجروں کے ہاں خریدی گئی چیز کے مساوی ہو۔

ثمن...... وہ چیز ہوتی ہے جس پر متعاقدین باہمی طور پر رضامند ہو جائیں اور ثمن مبیع کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔

دین...... ہر وہ مال جو ذمہ میں ثابت ہو اور ثبوت کے قابل ہو اور اس کے التزام کا کوئی بھی سبب ہو جیسے اتلاف، غصب، کفالت، قرض، بیع وغیرہ۔ ❸

ثمن اور مبیع میں تمیز کرنا...... اصول میں ایک قاعدہ مقرر ہے کہ ہر وہ چیز جو مبیع بن سکتی ہو وہ ثمن بھی بن سکتی ہے اس کا عکس نہیں نیز تعریف میں پیچھے گزر چکا ہے کہ ثمن ذمہ میں متعلق نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی متعین ہو جاتا ہے، چنانچہ ثمن اشیائے قیمیہ میں سے بھی ہو سکتے ہیں جیسے جانور کپڑے وغیرہ، جیسے کہ مبیع متعین ہو جاتی ہے۔

اس لئے واجب ہے کہ ہم ثمن اور مبیع کے درمیان فرق کریں تا کہ مختلف احکام کا اس پر ترتب ہو، تمیز مال معاوضہ جات میں ہوتی ہے اور وہ نقود، اشیائے قیمیہ اور مثلیات ہیں۔ ❹

ا۔ نقود...... نقود عام ہیں خواہ وہ سونا ہوں، چاندی ہوں یا کاغذی کرنسی کی شکل میں ہوں، جب یہ چیزیں مبیع کے عوض کے طور پر ہوں تو یہ ثمن ہوں گی، ان نقود کے مقابلہ میں جو سامان ہو گا وہ مبیع ہے برابر ہے اس پر صرف باء داخل ہو یا داخل نہ ہو، جیسے کوئی عربی میں کہے: بعتک هذا بدینار بعتک دیناراً بهذا۔

جمہور حنفیہ...... جمہور حنفیہ کے ہاں یہ طے ہے کہ سونا چاندی کے ڈھالے ہوئے سکے معدنی سکے عقود معاوضہ میں متعین کرنے سے معین نہیں ہوتے، چنانچہ جب کوئی شخص کہتا ہے کہ میں نے یہ کپڑا تمہیں ان دراہم کے بدلہ میں فروخت کیا تو مشتری کو اختیار حاصل ہے کہ ان مشار الیہ دراہم کے بدلہ میں دوسرے دراہم دے دے، اور بائع کو یہ حق نہیں کہ انہی دراہم کا مطالبہ کرے جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ چونکہ نقدی ثمن کا محل ذمہ میں ثابت ہوتا ہے اور جو چیز ذمہ میں ثابت ہو وہ اپنے بعض خارجی افراد پر منحصر نہیں ہوتی چنانچہ معاوضہ جات کے اعتبار سے

---

❶...... البدائع ۲۳۳/۵. ❷عقد البیع للاستاذ الزرقاء ص ۳۴. ❸عقد البیع المرجع السابق ص ۵۲، رد المحتار ۵/۴. ❹البدائع ۲۳۳/۵، حاشیة ابن عابدین ۲۳/۴ عقد بیع للاستاذ الزرقاء ص ۵۹.

کسی چیز کے استحقاق میں کوئی فائدہ نہیں۔ چونکہ ہر عوض میں اس کی مثل قائم مقام ہوتی ہے، عوض تو جنس، نوع، صفت اور مقدار کی نسبت سے متعین ہوتا ہے، حتیٰ کہ مشتری پر واجب ہے کہ اوصاف مذکورہ کی صورت میں مشارالیہ کی مثل واپس کرے، چنانچہ اگر مشتری پر ایک ہزار کھرے دراہم واجب ہوں تو اس پر اسی صفت کے دراہم واپس کرنا واجب ہے۔ چونکہ جنس نوع اور صفت کی تعیین میں فائدہ ہے، اسی اصول پر یہ قاعدہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ اگر مشارالیہ ثمن ہلاک ہوگیا تو عقد باطل نہیں ہوگا۔

شافعیہ اور زفر...... کہتے ہیں کہ نقود متعین کرنے سے متعین ہوجاتے ہیں اور بائع کا استحقاق ہے کہ وہ مشتری سے وہی دراہم لے جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ جیسے کہ تمام اعیان میں ہوتا ہے۔ چونکہ بسا اوقات ایک آدمی کو اس میں کوئی غرض بھی ہوتی ہے، ثمن معین مبیع کی مانند ہوتے ہیں۔

چنانچہ اگر مشارالیہ ثمن قبضہ سے پہلے ضائع ہوگیا تو عقد باطل ہوجائے گا۔ جیسا کہ سب اعیان میں ہوتا ہے اور اگر ثمن ڈھلے ہوئے سکوں کی شکل میں نہ ہوں تو وہ بالاتفاق سامان کے حکم میں ہوں گے اور متعین کرنے سے متعین ہوجائیں گے۔

۲۔ اعیان قیمیہ...... یعنی وہ اشیاء جو مثلی نہ ہوں، چنانچہ اعیان قیمیہ جب معین مثلی اشیاء کے مقابلہ میں ہوں تو وہ مبیع ہوں گی، جبکہ مثلی چیز مطلقاً ثمن ہوگی قطع نظر اس بات کے کہ آیا باء داخل ہوا ہے یا نہیں۔ چونکہ مثلی چیز ثمنیت (قیمت بننے) کے زیادہ لائق ہے، چونکہ نقود کی طرح یہ ذمہ میں ثابت ہوسکتی ہے۔

اعیان قیمیہ کی مثالیں...... جیسے کپڑے، گھر، پلاٹس، وہ عددی چیزیں جن میں تفاوت ہو، جیسے بکریاں، چوپائے، خربوزے بشرطیکہ گن کر فروخت کئے جائیں نہ کہ وزن کر کے۔

البتہ جب اعیان قیمیہ اموال غیر معینہ کے مقابلہ میں ہوں تو اس وقت اعتبار دخول باء کا ہوگا چنانچہ جس پر صرف باء داخل ہوگا وہ ثمن ہوگا اور دوسری چیز مبیع مثلاً کوئی عربی میں کہے "بعتك هذا المتاع بقنطار من السكر" میں نے یہ سامان شکر کے توڑے کے بدلہ میں فروخت کیا۔ اس مثال میں شکری توڑا ثمن ہے اگر یوں کہا: "بعتك قنطاراً من السكر بهذا المتاع۔" تو شکر مبیع ہوگی اور دوسرا سامان ثمن ہوگا۔ اور یہ بیع سلم ہوگی۔

۳۔ مثلی اشیاء...... جب مثلی اشیاء کے مقابلہ میں نقود ہوں (سونا چاندی کاغذی نوٹ) تو یہ مبیع ہوں گی جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کر دیا ہے۔ اگر مثلی اشیاء کے مقابلہ میں انہی کی بمثل اشیاء ہوں جیسے گندم، تیل وغیرہ تو ان میں سے جو چیز معین ہوگی وہ مبیع ہوگی، اور جو چیز ذمہ میں ہوگی وہ ثمن ہوگی۔

اگر دونوں مقابل کی چیزیں ایسی ہوں کہ ان میں سے ہر ایک ذمہ میں ثابت ہوسکتی ہو تو جس کے ساتھ صرف باء ہوگا وہ چیز ثمن ہوگی اور دوسری مبیع۔

مثلی اشیاء...... یا تو مکیلی ہوں گی اور مکیلی وہ ہوتی ہیں جو ناپی تولی جاتی ہوں جیسے گیہوں اور جو وغیرہ، آج کل کی مائع اشیاء بھی مثلی ہیں جو کہ لیٹر وغیرہ کے ساتھ ناپی جاتی ہیں جیسے پیٹرول، ڈیزل وغیرہ۔

موزونات...... مثلی اشیاء یا موزونی ہوں گی جو کہ وزن کر کے فروخت کی جاتی ہوں، جیسے گھی، تیل شکر وغیرہ۔

ذرعیات...... مثلی اشیاء یا ذرعی ہوں گی اور ذرعی اشیاء وہ ہوتی ہیں جو ذراع، گز یا میٹر کے ساتھ ناپی جاتی ہوں جیسے کپڑے، قالین اور پلاٹس وغیرہ۔

عددی...... مثلی اشیاء یا تو عددی متقارب ہوں گی اور عددی متقارب سے مراد وہ اشیاء ہوتی ہیں جن کی اکائیوں میں کوئی زیادہ تفاوت نہ ہو جیسے انڈے اور اخروٹ وغیرہ۔ اسی طرح ملوں اور فیکٹریوں کی بنی ہوئی مصنوعات جیسے شیشے کے برتن گلاس اور دوسری مصنوعات۔ ❶

۴...... جب قیمتی اشیاء ایک دوسرے کے مقابلہ میں فروخت کی جائیں تو ہر عوض من وجہ مبیع بھی ہوگا اور من وجہ ثمن بھی۔ مثلاً کپڑوں کے بدلہ میں گائے خریدی تو کپڑے ایک اعتبار سے ثمن ہوں گے اور دوسرے اعتبار سے مبیع، اسی طرح ایک اعتبار سے گائے ثمن ہوگی اور دوسرے اعتبار سے مبیع۔

مبیع اور ثمن کے احکام یا ان دونوں کے درمیان تمیز کے نتائج...... مبیع اور ثمن کے درمیان پائی جانے والی تمیز پر مختلف احکام مرتب ہوتے ہیں میں ان میں سے چھ (۶) کو مختصراً ذکر کروں گا اور تین کو قدرے تفصیلاً بیان کروں گا۔

۱...... انعقاد بیع کے لئے شرط ہے کہ مبیع مال متقوم ہو جبکہ ثمن میں یہ شرط نہیں لگائی جاتی۔

۲...... نفاذ بیع کے لئے بائع کی ملک میں مبیع کا موجود ہونا شرط ہے جبکہ ثمن میں یہ شرط ملحوظ نہیں۔

۳...... بیع سلم میں ثمن کو ادھار رکھنا جائز نہیں جبکہ مبیع کو ادھار رکھنا واجب ہے۔

۴...... ثمن کو سپرد کرنے کا خرچہ مشتری برداشت کرے گا اور مبیع کو حوالے کرنے کا خرچہ بائع برداشت کرے گا۔

۵...... اگر بیع میں ثمن مقرر اور معلوم نہ ہو تو بیع فاسد ہے اور اگر مبیع مقرر معلوم نہ ہو تو بیع باطل ہے، مثلاً اگر کوئی یوں کہے: میں نے دس روپے میں تمہیں فروخت کر دی۔ چنانچہ یہ بیع باطل ہے غیر منعقد ہے۔

۶...... قبضہ کے بعد مبیع کا ہلاک ہو جانا اقالہ بیع سے مانع ہے۔ جبکہ ثمن کا ہلاک ہو جانا اقالہ کے مانع نہیں۔

۷...... قبضہ کے بعد مبیع کا ہلاک ہو جانا بیع کو باطل کر دیتا ہے، جبکہ ثمن کے ہلاک ہو جانے سے بیع باطل نہیں ہوتی۔

۸...... اگر مبیع منقولی ہو تو قبضہ سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں جبکہ قبضہ سے پہلے ثمن میں بائع کا تصرف صحیح ہے۔

۹...... مشتری کے ذمہ ثمن کا سپرد کرنا ہے یعنی پہلے ثمن دے تاکہ مبیع کو لینے کا مستحق ہو جائے۔

آخری تین نکات زیادہ تفصیل طلب ہیں۔

مبیع اور ثمن ہلاک ہونے کا حکم اور ثمن کے کھوٹا ہونے کا حکم:

مبیع کا ہلاک ہونا...... مبیع (فروخت کردہ سامان) یا تو ساری کی ساری ضائع ہو جائے گی یا اس کا کچھ حصہ ضائع ہوگا، پھر قبضہ سے پہلے ضائع ہوگی یا قبضہ کے بعد یہ چار صورتیں بنتی ہیں۔

''الف''...... قبضہ سے پہلے خالی مبیع ضائع ہو جائے...... اس صورت کی درج ذیل تفصیل ہے۔

۱...... مبیع آفت سماویہ سے ضائع ہوگی یا اپنے ذاتی فعل سے ضائع ہوگی یا فروخت کنندہ کے فعل سے ضائع ہوگی تو ان ساری حالتوں میں عقد بیع فسخ ہو جائے گا۔

۲...... جب مبیع خریدار کے فعل سے ضائع ہو تو عقد بیع فسخ نہیں ہوگا بلکہ خریدار کے ذمہ ثمن واجب ہے۔

۳...... جب مبیع کسی تیسرے اجنبی شخص کے فعل سے ضائع ہو تو بیع فسخ نہیں ہوگی البتہ مشتری کو اختیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو بیع فسخ کر دے چاہے بیع نافذ کر دے اور ثمن حوالے کرے، پھر اجنبی سے مال کا مطالبہ کرے۔

---

❶...... عقد البیع للاستاذ الزرقاء ص ۵۰ رد المحتار ۱۰۳/۴، مغنی المحتاج ۱۸۱/۲۔

"ب" مبیع قبضہ کے بعد ساری کی ساری ضائع ہوجائے: ا......اگر مبیع آفت سماویہ سے ضائع ہو یا مشتری کے فعل سے ہلاک ہو یا مبیع اپنے ذاتی فعل سے ضائع ہو یا کسی تیسرے اجنبی شخص کے فعل سے ضائع ہو تو ان سب حالتوں میں بیع فسخ نہیں ہوگی، اور اس کا ضمان مشتری پر ہوگا، چونکہ مبیع مشتری کے قبضہ کی وجہ سے بائع کے ضمان سے نکل چکی لہٰذا مشتری کے ذمہ ثمن کا ثبوت ہو چکا، اور اگر اجنبی کی زیادتی کی وجہ سے مبیع ہلاک ہوئی ہو تو مشتری اجنبی سے ضمان لے۔

۲......جب مبیع بائع کے فعل سے ضائع ہو تو اس حالت میں دو پہلو غور طلب ہیں۔

اول......چنانچہ جب مشتری نے بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کیا ہو یا اس کی اجازت کے بغیر قبضہ کیا ہو لیکن ثمن نقدی دے دیئے ہوں یا ثمن ادھار ہوں تو ان حالتوں میں مبیع بائع کی طرف سے ہلاک ہوگی، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی اجنبی کی طرف سے مبیع ہلاک ہو تو ضمان اسی پر ہوگا۔

دوم......اگر مشتری نے بائع کی اجازت کے بغیر مبیع پر قبضہ کیا ہو جبکہ ثمن نقدی دینی ہوں لیکن ابھی دی نہ ہوں تو بیع کو فسخ کرنا واجب ہے اور بائع زیادتی کرنے کی وجہ سے مبیع کو واپس لے گا اور اسی پر ضمان ہوگا۔

مالکیہ......کہتے ہیں محض عقد کر لینے سے ضمان مشتری کی جانب منتقل ہو جاتا ہے۔ [۱] یہ اصول ہر طرح کی بیع میں کار فرما ہوتا ہے البتہ پانچ صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اول......غائب شخص کی بیع جو صفت پر ہو اور مبیع زمین نہ ہو، اگر مبیع زمین ہوئی تو اس کا ضمان مشتری پر ہے۔

دوم......وہ بیع جس میں خیار رکھا گیا ہو۔

سوم......پکنے اور تیار ہونے سے قبل پھلوں کی بیع کر دی گئی ہو۔

چہارم......وہ بیع جس میں کیل یا وزن یا گنتی کا حق ایفاء ہو۔

پنجم......بیع فاسد۔ ان پانچ حالتوں میں ضمان بائع پر ہوگا، یہاں تک کہ مشتری مبیع پر قبضہ کر لے۔

شافعیہ......کہتے ہیں ہر مبیع کا ضمان بائع پر ہوگا حتیٰ کہ مشتری قبضہ کر لے۔ [۲]

حنابلہ......کہتے ہیں اگر مبیع مکیلی ہو یا موزونی ہو یا عددی ہو اور قبضہ سے پہلے تلف ہو جائے تو وہ بائع کے مال سے تلف ہوگی، اگر اس کے علاوہ مبیع کی کوئی قسم ہو تو اس پر قبضہ کرنا ضروری نہیں ہوگا اگر تلف ہو جائے تو مشتری کے مال سے تلف ہوگی۔

ج......اگر بعض مبیع قبضہ سے پہلے ضائع ہو جائے......حنفیہ کے نزدیک یہ پہلو بھی غور طلب ہے۔

ا......اگر مبیع کا کچھ حصہ آفت سماویہ سے ضائع ہو تو اس میں تفصیل ہے۔ چنانچہ اگر نقصان مقدار میں ہوا ہو، بایں طور کے مبیع مکیلی ہو یا موزونی ہو یا عددی ہو اور اس کا کچھ حصہ ضائع ہو جائے تو جتنی مقدار میں مبیع ضائع ہوئی ہو تو اس مقدار کے بقدر عقد فسخ ہو جائے گا اور اس حصہ کے بقدر ثمن بھی ساقط ہو جائیں گے، پھر بقیہ سامان میں مشتری کو اختیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو بقیہ سامان کے حصہ کے بقدر ثمن دے کر سامان لے لے اگر چاہے تو بیع فسخ کر دے، مشتری کو اختیار اس لئے حاصل ہوگا کچھ مبیع ضائع ہونے کی وجہ سے تفریق صفقہ لازم آتا ہے۔

اگر نقصان وصف میں ہو مثلاً زمین میں درخت تھے جو جل گئے یا عمارت تھی جو گر گئی یا مکیلی اور موزونی چیز تھی اور اسکی جودت اور عمدگی میں نقصان ہو گیا، تو بیع فسخ نہیں ہوگی اور مشتری کے ذمہ سے ثمن میں کمی بھی نہیں ہوگی۔ چونکہ اوصاف کے بدلہ میں ثمن نہیں ہوتے بلکہ جنس کے بدلہ میں ثمن ہوتے ہیں البتہ مشتری کو اختیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو پورے ثمن کے بدلہ میں مبیع کو لے لے اور چاہے تو بیع کو ترک کر دے

---

[۱]......القوانین الفقہیة ص ۲۴۷، الشرح الصغیر ۴۵/۳۔ [۲]مغنی المحتاج ۶۵/۲۔

چونکہ مبیع میں عیب پیدا ہو گیا ہے۔

۲.....اگر مبیع اپنے ذاتی فعل سے ہلاک ہو جیسے جانور نے اپنے آپ کو زخمی کر دیا تو بیع فسخ نہیں ہوگی اور ثمن بھی ساقط یا کم نہیں ہوگا، البتہ مشتری کو اختیار ہے کہ مبیع کو کل ثمن کے بدلہ میں لے لے اگر چاہے تو بیع فسخ کر دے۔

۳.....اگر مبیع بائع کے فعل کی وجہ سے ہلاک ہو تو ہلاک شدہ مبیع کے بقدر بیع باطل ہو جائے گی اور مشتری سے ہلاک شدہ حصہ کے بقدر ثمن بھی کم ہو جائے گا، برابر ہے کہ مبیع کی مقدار میں کمی ہو یا وصف میں کمی ہو، چونکہ جب مبیع پر زیادتی ہوتی ہے تو اس وقت اوصاف کا ثمن سے حصہ ہوتا ہے، بقیہ سامان میں مشتری کو اختیار ہوگا کہ اس حصہ کے ثمن دے کر سامان لے لے۔

۴.....اگر مبیع مشتری کے فعل سے ہلاک ہو تو بیع باطل نہیں ہوگی، اور مشتری کے ذمہ سے ثمن کم نہیں ہوگا چونکہ بعض مبیع کو ضائع کر کے کل مبیع پر اس نے گویا قبضہ کر لیا۔

د۔ قبضہ کے بعد بعض مبیع ہلاک ہو:ا.....اگر قبضہ کے بعد مبیع کا کچھ حصہ آفت سماویہ سے ضائع ہو یا خریدار کے فعل سے ضائع ہو یا مبیع کے ذاتی فعل سے ضائع ہو یا کسی اجنبی کے فعل سے ضائع ہو تو ضائع ہونے کا وبال مشتری کو برداشت کرنا پڑے گا۔

۲.....اگر بائع کے فعل سے مبیع کا کچھ حصہ ضائع ہو تو یہ پہلو چنداں غور طلب ہے۔

چنانچہ اگر بائع کی اجازت سے قبضہ ہوا ہو یا نقدی ثمن ادا کر دیئے ہوں یا ادھار ہوں، تو اس کا حکم اجنبی کی طرح کا حکم ہے، اگر قبضہ بائع کی اجازت کے بغیر ہوا ہو جبکہ ثمن مالی ہوا اور نقد نہ ہوں تو ضائع ہونے والے حصہ کے بقدر بیع فسخ ہو جائے گی، اور مشتری کے حصہ سے ثمن ساقط ہو جائے گا۔

حنفیہ کے نزدیک ثمن کا ضائع ہونا...... جب ثمن مجلس عقد میں قبضہ سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس میں درج ذیل تفصیل ہے۔

ا.....اگر ثمن کسی مثلی شے کی صورت میں ہوں تو عقد فسخ نہیں ہوگا چونکہ جب ثمن ضائع ہو گئے تو ان کی مثل حوالے کرنا ممکن ہے، بخلاف مبیع کے چونکہ مبیع معین ہوتی ہے اور معین اشیاء سے لوگوں کی طرح طرح کی اعراض متعلق ہوتی ہیں۔

۲.....اگر مبیع ضائع ہو جائے جبکہ فی الحال اس کی مثل موجود نہ ہو یعنی کوئی ایسی چیز ہو جس کی رسد ختم ہو جائے جبکہ بوقت عقد موجود ہو پھر قبضہ سے پہلے ختم ہو گئی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد فسخ ہو جائے گا جبکہ صاحبینؒ کہتے ہیں کہ بیع فسخ نہیں ہوگی، ❶ اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے جو درج ذیل ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ثمن کا کھوٹا ہو جانا...... جب کوئی شخص رائج سکوں کے ساتھ کوئی چیز خریدے پھر قبضہ سے پہلے سکے کھوٹے ہو جائیں اور ان کی جگہ نئے سکے متعارف ہو جائیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد فسخ ہو جائے گا، اگر مبیع مشتری کے پاس موجود ہو تو مشتری مبیع کو واپس کرنے کا مجاز ہوگا۔ اور اگر مبیع ضائع ہو گئی ہو تو اس کی قیمت یا اس کی مثل واپس کرے گا، چونکہ سکے جب کھوٹے ہو جاتے ہیں تو ان کی ثمنیت ختم ہو جاتی ہے، جبکہ بیع بغیر ثمن کے نہیں ہوتی، لہٰذا ضرورت کی وجہ سے بیع فسخ ہو جائے گی۔ تو یا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سکوں کے کھوٹے ہونے کو ضائع ہونے کے معنی میں لیتے ہیں۔

صاحبین کہتے ہیں: بیع فسخ نہیں ہوگی البتہ بائع کو اختیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو بیع فسخ کر دے چاہے تو سکوں کی قیمت لے، چونکہ سکے ذمہ میں ثابت ہو چکے ہیں اور جو چیز ذمہ میں ثابت ہو چکے وہ ضائع ہونے کا احتمال نہیں رکھتی، لہٰذا سکوں کا کھوٹا ہونا ضائع ہونے کے معنی میں نہیں۔ بلکہ سکوں میں عیب ہے۔ لہٰذا بائع کو اختیار حاصل ہوتا ہے ایسا ہی ہے جیسے تر کھجوروں کو ثمن بنا دیا جائے اور پھر قبضہ سے پہلے ثمن ضائع

---

❶.....تحفة الفقهاء الطبعة القديمة (۲/۵۴)

ہو جائے۔ چنانچہ صاحبین نے کھوٹا ہونے کو عیب کے معنی میں لیا ہے۔

فقہاء کو اس پر اتفاق ہے کہ اگر سکے کھوٹے نہ ہوں البتہ ان کی قیمت میں رخصت دی گئی ہو یا گرانی ہوگئی ہو تو بیع فسخ نہیں ہوگی چونکہ رخصت اور گرانی سے ثمنیت باطل نہیں ہوتی۔

پھر امام ابو یوسف اور امام محمد میں سکوں کی قیمت کے اعتبار کے وقت میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بوقت عقد قیمت کا اعتبار ہوگا چونکہ عقد کے وقت ثمن واجب ہوتے ہیں لہٰذا قیمت کا بھی اسی وقت اعتبار کیا جائے گا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سکے جس وقت کھوٹے ہوئے اس وقت قیمت کا اعتبار کیا جائے گا چونکہ یہ آخری دن تھا جس دن لوگوں نے سکوں سے معاملہ کرنا ترک کیا چونکہ یہ سپردگی سے عاجز ہونے کا وقت ہے۔

مبیع اور ثمن میں قبل از قبضہ تصرف:

قبل از قبضہ مبیع میں تصرف...... حنفیہ کہتے ہیں کہ منقولی مبیع میں قبل از قبضہ تصرف جائز نہیں، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیز کو آگے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے جس پر قبضہ نہ کیا ہو،❶ چنانچہ نہی منہی عنہ کے فساد کی موجب ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ ایسی بیع ہے جس میں غرر ہے اور معقود علیہ کے ضائع ہونے کی وجہ سے عقد کے فسخ کی نوبت آجاتی ہے، یوں پہلی بیع باطل ہو جاتی ہے اور دوسری بیع فسخ ہو جاتی ہے جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیع سے منع فرمایا ہے جس میں غرر ہو۔

اگر مبیع زمین ہو تو استحساناً امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قبل از قبضہ بھی تصرف جائز ہے، ان کا استدلال آیات بیع کے عموم سے ہے جن میں کوئی تخصیص نہیں، نیز خبر واحد سے تخصیص جائز نہیں۔ نیز زمین کی بیع میں کوئی غرر نہیں ہوتا چونکہ زمین کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہیں ہوتا، زمین کا ہلاک (ضائع) ہونا غالب احوال میں نادر ہے لہٰذا زمین کی بیع میں غدر نہیں ہوتا۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: قبضہ سے پہلے زمین کو فروخت کرنا جائز نہیں چونکہ بیع قبل از قبضہ کے متعلق عموم نہی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ تسلیم (سپردگی) پر قدرت نہیں ہوتی، نیز اس میں غدر بھی متحقق ہوتا ہے، بیع فاسد کے ذیل میں فقہاء کی آراء کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

قبل از قبضہ ثمن میں تصرف کرنا...... قبل از قبضہ ثمن میں تصرف کرنا جائز ہے چونکہ ثمن دین کے حکم میں ہے، اسی طرح ہر طرح کے دین (قرضہ) میں تصرف کرنا جائز ہے جیسے مہر، اجرت اور تلف شدہ اشیاء کا قبل از قبضہ ضمان۔ اس کی دلیل سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! ہم مقام بقیع میں اونٹ فروخت کرتے ہیں اور ہم دراہم کی جگہ دینار لے لیتے ہیں اور دیناروں کی جگہ دراہم لے لیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ خرید وفروخت اس دن کے نرخ کے مطابق ہو اور تم دونوں اس طرح الگ الگ ہو جاؤ کہ تمہارے درمیان کسی کا کوئی حق باقی نہ ہو۔❷ یہ حدیث مبیع کے ثمن کو تبدیل کرنے پر دلیل ہے، رہی وہ حدیث جس میں غیر مقبوض شئے کی بیع سے منع کیا گیا ہے سو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ معین چیز کے متعلق وارد ہوئی ہے۔ دین کی نسبت نہیں، چونکہ مبیع قبضے کا احتمال رکھتی ہے جبکہ دین حقیقیۃً قبضے کا احتمال نہیں رکھتا، چونکہ دین ذمہ میں مال حکمی ہے اور یوں دین پر قبضہ اس کے بدل پر قبضہ ہوتا ہے۔

فقہاء نے قبل از قبضہ ثمن میں تصرف کرنے کے جواز سے عقد صرف اور عقد سلم کو مستثنیٰ کیا ہے، بیع صرف کو اس لئے چونکہ بیع صرف میں

❶ رواہ احمد فی مسندہ، وابن حبان فی صحیحہ (انظر نصب الرایۃ ۳۲/۴، جامع الاصول ۳۸۰/۱، تخریج احادیث الاحیاء ۲۱/۲)

❷ اخرجہ احمد واصحاب السنن الاربعۃ عن ابن عمر (انظر جامع الاصول ۱ ص ۴۶۹، نصب الرایۃ ۴ ص ۳۳)

بدلین من وجہ مبیع بھی ہوتے ہیں اور من وجہ ثمن بھی، چنانچہ مبیع ہونے کی حیثیت سے ان میں تصرف جائز نہیں ہوتا اور احتیاطاً جانب حرمت کو ترجیح حاصل ہے۔

رہی بات بیع سلم کی سو مسلم فیہ میں تصرف جائز نہیں چونکہ یہ مبیع ہوتی ہے اور رأس المال کو معین مبیع کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے کہ شرعاً اس کا تبدیل کرنا حرام ہے۔ ❶

ملاحظہ.....ثمن اور دین میں تصرف کرنا جائز ہے یعنی انہیں آگے فروخت کیا جاسکتا ہے ہبہ کیا جاسکتا ہے اجارہ اور وصیت بھی کی جاسکتی ہے یعنی عوض کے ساتھ بھی جائز ہے اور بلاعوض بھی، برابر ہے کہ ثمن ایسی اشیاء میں سے ہو جو متعین نہ ہوتی ہوں جیسے نقود یا ان چیزوں میں سے ہو جو متعین ہو جاتی ہیں جیسے مکیلی اشیاء اور موزونی اشیاء اس کی صورت یہ ہے جیسے بائع مشتری سے اس ثمن کے بدلہ میں کوئی چیز خریدے جو بائع کے ہوں اور مشتری کے ذمہ واجب ہوں یا ثمن کے بدلہ میں مشتری کے لئے کوئی گھر خریدے یا اسے ثمن ہبہ کردے۔

ایسے شخص کو دین کی تملیک جائز نہیں جس پر دین نہیں ہوتا جیسے مثلاً ایک شخص کے سو روپے عمرو کے ذمہ دین (قرضہ) ہوں، اور وہ شخص زید سے اپنے دین کے بدلہ میں گھوڑا خریدے۔ تملیک ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مشتری صرف تین صورتوں میں ثمن حوالے کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ ❷

اول..... یہ کہ مشتری بائع کو قبضہ پر مسلط کردے یوں بائع پہلے وکیل بن کر مؤکل کے لئے قبضہ کرے گا پھر اپنے لئے۔

دوم..... یہ کہ دین کا حوالہ کرے۔ سوم..... یہ کہ وصیت کردے۔

مبیع اور ثمن کی سپردگی.....مبیع کو مشتری کے حوالے کرنا بائع کی ذمہ داریوں میں سے ہے اور یہ ذمہ داری عقد سے ناشی ہوتی ہے، جیسا کہ ثمن بائع کے حوالے کرنا مشتری کی ذمہ داریوں میں سے ہے اور یہ ذمہ داری بھی عقد بیع سے ناشی ہوتی ہے۔ چونکہ بدلین کا حوالے کرنا عاقدین پر واجب ہے، تاکہ بدلین میں دونوں کی ملکیت متحقق ہو جائے۔ اس حوالے سے تین پہلو غور طلب ہیں۔

۱..... بدلین کی سپردگی کے حوالے سے پہل کون کرے؟

۲..... کیا بائع کو مبیع روک لینے کا حق ہے یہاں تک کہ ثمن پورا کا پورا وصول کرلے؟

۳..... سپردگی اور قبض کیسے تمام ہوتا ہے؟

سپردگی میں پہل کرنا کس پر واجب ہے؟..... بدلین کی نوعیت کے اعتبار سے اس پہلو میں اختلاف ہے۔

چنانچہ اگر عین کے بدلہ میں عین ہو (مثلاً گندم کے بدلہ میں کپڑا ہو) تو عاقدین پر واجب ہے کہ معاً ایک دوسرے کو بدلین سپرد کریں، تاکہ وہ معاوضہ جو مساوات کا مقتضی ہے اس میں یکسانیت پیدا ہو جائے چونکہ یہاں اولیت میں کسی ایک چیز کو دوسری پر ترجیح نہیں ہوتی، بیع صرف میں بھی دست بدست معاً بدلین کو سپرد کرنا واجب ہوتا ہے۔

البتہ اگر عین کی بیع دین کے بدلہ میں ہو (یعنی کوئی چیز نقود سے خریدی گئی) تو اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک ترتیب کا لحاظ رکھنا واجب ہے۔ ❸ چنانچہ جب بائع ثمن کا مطالبہ کررہا ہو تو مشتری پر واجب ہے کہ پہلے ثمن حوالے کرے تاکہ ثمن متعین ہو جائیں۔ چونکہ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے: قرضہ واجب الاداء ہوتا ہے ❹ اگر ثمن کی سپردگی میں تاخیر ہوئی تو یہ قرضہ ادا نہیں ہوگا۔ جب مشتری ثمن دے چکے پھر بائع پر

❶.....البدائع ۲۳۴/۵، فتح القدیر ۲۶۹/۵، رد المحتار ۱۷۳/۴. ❷رد المحتار ۴ ص ۱۷۳، المغنی المحتاج ۷۱/۲. ❸ردالمحتار لابن عابدین ۲۶/۴. ❹اخرجه ابن عدی فی الکامل الا فی سنده اسماعیل بن زیاد السکونی فانه منکر الحدیث (انظر نصب الرایة ۵۸/۴) واخرجه احمد واصحاب السنن الا النسائی وفیه اسماعیل بن عیاش

واجب ہے کہ وہ مشتری کو مبیع سپرد کردے، یہ تب واجب ہے جب مشتری مبیع کا مطالبہ کرتا ہو، یہاں تک کہ ان دونوں کے درمیان یکسانیت متحقق ہوجائے، حنفیہ نے اس اصول سے دو چیزوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے:

۱.....مسلم فیہ کو چونکہ مسلم فیہ مدت مقررہ کا دین ہوتا ہے۔

۲.....ثمن کی مدت مقرر کردی ہو چنانچہ اگر ثمن (قیمت) ادھار ہو تو مبیع کو فی الحال سپرد کرنا واجب ہے۔ چونکہ بائع نے مدت مقرر کر کے خود اپنا حق ساقط کر دیا ہے۔ (1)

مالکیہ کا موقف بھی حنفیہ جیسا ہے کہ مشتری پر اول ثمن سپرد کرنا واجب ہے اور بائع پر مبیع سپرد کرنا واجب ہے۔ اگر عاقدین میں سے کوئی کہے کہ میں اپنے ذمہ کی چیز اس وقت تک سپرد نہیں کروں گا جب تک دوسری طرف کی چیز پر میں قبضہ نہ کرلوں تو اس صورت میں مشتری کو ثمن حوالے کرنے پر مجبور کیا جائے گا پھر مشتری بائع سے مبیع لے لے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بائع کو اختیار حاصل ہے کہ مبیع کو روک لے یہاں تک کہ ثمن پر قبضہ کرلے، مالکیہ اور حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ بائع کو اختیار حاصل ہے کہ وہ ثمن کی سپردگی تک مبیع کو روک لے سو جس شخص کو یہ حق حاصل ہو تو اپنا حق وصول کرنے سے پہلے اس کے ذمہ سپردگی واجب نہیں ہوتی، جیسے مرتہن میں ہوتا ہے۔ (2)

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: (3) اگر بدلین کی سپردگی میں اختلاف ہو اور ثمن ذمہ میں واجب ہوں، جبکہ بائع کہتا ہو: میں مبیع کو سپرد نہیں کروں گا یہاں تک کہ ثمن پر قبضہ کرلوں، جبکہ مشتری بھی ثمن کے متعلق یہی موقف رکھتا ہو، تو بائع کو مبیع حوالے کرنے پر مجبور کیا جائے گا، پھر مشتری کو ثمن حوالے کرنے پر مجبور کیا جائے گا، چونکہ مشتری کا حق دین مبیع میں ہوتا ہے، جبکہ بائع کا حق ذمہ میں ہوتا ہے، لہٰذا وہ حق جو دین کے ساتھ متعلق ہو وہ مقدم ہوگا۔ چنانچہ جس نے پہلے سپردگی کردی تو دوسرے عاقد کو بھی سپردگی پر مجبور کیا جائیگا، چونکہ ہر عاقد کے حق میں سپردگی اور وصولی کا حق ثابت ہوتا ہے۔ البتہ شافعیہ نے یہ قید لگائی ہے کہ یہ اس وقت ہے جب بائع کو ثمن کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو اور بائع مشتری کا تنازع صرف پہل کرنے میں ہو، البتہ اگر بائع کو خوف ہو کہ ثمن فوت ہوجائے گا تو اسے مبیع روک لینے کا حق حاصل ہے حتیٰ کہ ثمن پر قبضہ کرلے۔ اسی طرح جب مشتری کو مبیع کے فوت ہونے کا خوف ہو تو بھی ثمن کو روک سکتا ہے۔

مبیع کو روک لینے کا حق..... ماقبل کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ مشتری کو لازم ہے کہ وہ پہلے ثمن سپرد کرے یہیں سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ بائع کو حق حاصل ہے کہ وہ مبیع روک لے یہاں تک کہ اس نے جتنا ثمن نقدی لینا ہے وہ لے لے برابر ہے پورا ثمن نقدی لینا ہوں یا بعض ثمن۔ (4)

مبیع کو روکنے کی شرط میں دو چیزیں ہیں۔

۱.....یہ کہ بدلین میں سے ایک عین ہو اور دوسری چیز دین ہو، مثلاً سامان کو روپے سے فروخت کیا جا رہا ہو اور اگر بدلین عینین ہوں یا دینین ہوں (یعنی بدلین چیزیں ہو جیسے کپڑا گندم، یا نقود ہوں جیسے سونا چاندی) تو اس صورت میں حق حبس ثابت نہیں ہوگا بلکہ معا بدلین کو سپرد کرنا واجب ہے۔

۲.....یہ کہ ثمن فی الحال نقدی دینی ہو اور اگر ثمن (قیمت) ادھار ہو تو حق حبس ثابت نہیں ہوگا چونکہ ادھار سے حق حبس ساقط ہوجاتا ہے۔

---

(1).....مبسوط للسرخسی ۱۹۲/۱۳ البدائع ۲۴۴/۵ فتح القدیر ۱۰۹/۵ رد المحتار ۴۳/۴. (2)القوانین الفقهیة ص ۲۴۷. (3)مغنی المحتاج ۷۴/۲، المغنی ۱۹۸/۴. (4)المبسوط المرجع السابق البدائع ۲۴۹/۵، ردالمحتار ۴۴/۴، عقد البیع للاستاذ الزرقاء ص ۷۷.

اسی اصول سے یہ صورت بھی مستفاد ہوتی ہے کہ اگر ایک درہم کے سوا بقیہ درہم ادھار کردیئے تو اس ایک درہم کے بدلہ میں بھی بائع مبیع کو روک سکتا ہے۔ چونکہ حق حبس کا تعلق ایسی چیز سے ہے جس میں تجزی نہیں ہوسکتی، اسی طرح اگر فروخت کنندہ نے سب ثمن وصول کرلیا اور صرف ایک درہم باقی رہا یا مشتری کو صرف ایک درہم کے سوا بقیہ سب ثمن سے بری الذمہ کردیا تب بھی بائع کو حق حبس حاصل ہوگا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، بائع کو اختیار حاصل ہے کہ وہ سامان کو روک لے حتیٰ کہ ثمن پر قبضہ کرلے۔ ❶ حنابلہ کہتے ہیں: ثمن پر قبضہ کرنے کے واسطے بائع مبیع کو نہیں روک سکتا۔ چونکہ بدلین کو سپرد کرنا مقتضائے عقد ہے۔ اگر عاقدین کا سپردگی میں اختلاف ہوجائے اور بائع کہے میں مبیع کو سپرد نہیں کروں گا یہاں تک کہ ثمن پر قبضہ کرلوں اور مشتری کہے میں ثمن سپرد نہیں کروں گا یہاں تک کہ مبیع پر قبضہ کرلوں، جبکہ ثمن ذمہ میں واجب ہوں تو بائع کو سامان سپرد کرنے پر مجبور کیا جائے گا پھر مشتری کو ثمن سپرد کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں...... بائع کو حبس مبیع کا حق حاصل ہے یہاں تک کہ وہ ثمن پر قبضہ کرلے بشرط یہ کہ اگر ثمن کے فوت ہونے کا خوف ہو اسی طرح مشتری کو بھی حبس ثمن کا حق حاصل ہے اگر اسے مبیع کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔

وہ امور جو حق حبس کو ساقط کردیتے ہیں اور جو ساقط نہیں کرتے...... اگر مشتری نے رہن یا کفیل پیش کردیا تو حق حبس ساقط نہیں ہوگا چونکہ رہن اور کفالت سے مشتری کے ذمہ سے ثمن ساقط نہیں ہوتے، اور نہ ہی حق مطالبہ ساقط ہوتا ہے، لہٰذا وصولی ثمن کے لئے حق حبس باقی رہے گا۔

رہی بات حوالۂ ثمن کی سو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حوالے سے حق حبس ساقط ہوجاتا ہے برابر ہے بائع نے مطالبہ کے لئے مشتری پر کسی تیسرے شخص کے ذمہ حوالہ کیا ہو یا مشتری نے بائع کو کسی تیسرے شخص پر حوالہ کیا ہو۔ چونکہ اس صورت میں بائع اپنا حق وصول کرنے والا متصور ہوگا چونکہ حق حبس مشتری کے ذمہ میں بقائے دین کے ساتھ مربوط ہوتا ہے اور مشتری حوالہ کی وجہ سے بری الذمہ ہوجاتا ہے لہٰذا حق حبس باطل ہوجاتا ہے، اسی لیے تو مشتری سے ثمن کے مطالبہ کا حق جو بائع کو حاصل ہوتا ہے منقطع ہوجاتا ہے اور مطالبہ کا حق صرف محال علیہ پر منحصر رہ جاتا ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں...... اگر حوالہ مشتری کی طرف سے ہو تو حق حبس باطل نہیں ہوگا، بائع کو اختیار حاصل ہے کہ وہ مبیع کو روک لے حتیٰ کہ جو محتال علیہ ہے حق وصول کرلے، اگر حوالہ مطلق ہو تو بھی حق حبس باطل نہیں ہوگا، اور اگر حوالہ مقیدہ ہو بایں طور کے بائع نے قرض خواہ کو مشتری کے پیچھے لگا دیا تا کہ اس سے دین قبضہ کرلے تو اس صورت میں حوالہ حق حبس کو باطل کردیتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ بائع کا حق جو مشتری کے اول ثمن کے مطالبہ سے متعلق ہوتا ہے وہ مشتری کے حوالہ سے باطل نہیں ہوتا یا حوالہ مطلقہ سے باطل نہیں ہوتا لہٰذا حق حبس باطل نہیں ہوگا، رہی بات حوالہ مقیدہ کی سو وہ مشتری سے اس حوالہ کے متعلق بائع کے حق مطالبہ کو باطل کردیتا ہے لہٰذا حق حبس بھی ساقط ہوجاتا ہے۔ ❷

علامہ کاسانیؒ کہتے ہیں:...... صحیح یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول معتبر ہے، چونکہ حق حبس شریعت میں مطالبۂ ثمن کے ساتھ گھومتا ہے، نہ کہ فی ذاتہ ثمن کے قائم ہونے کے ساتھ۔ ❸

خلاصہ...... بالاتفاق مشتری پر بائع کے حوالۂ ثمن سے حق حبس ساقط ہوجاتا ہے، اسی طرح امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں مشتری کے حوالہ سے بھی ساقط ہوجاتا ہے۔

---

❶...... القوانین الفقهية ص ٢٤٧۔ ❷ المبسوط ١٣/١٩٥، البدائع ٥/٢٥٠، رد المحتار ٤/٤٤۔ ❸ البدائع ٥/٢٥١۔

اگر بائع نے مشتری سے مبیع عاریۃً لے لی، یا مشتری کے پاس بطور ودیعت رکھی تو حق حبس ساقط ہوجائے گا حتیٰ کہ ظاہر الروایہ میں واپس لینے کا اسے حق نہیں ہوگا، چونکہ عاریت اور ودیعت مشتری کے پاس بطور امانت ہوتی ہے، اور وہ بائع کا نائب نہیں بن سکتا چونکہ وہ ایک چیز کا مالک بننے میں اصل ہوتا ہے، جب مبیع پر مشتری کا ہاتھ ثابت ہو چکا تو وہ ملک کا ہاتھ ہوگا جبکہ ملک کا قبضہ (ہاتھ) لازمی ہوتا ہے لہٰذا واپس لے کر اسے کوئی بھی باطل نہیں کرسکتا۔ ❶

اگر مشتری نے بائع کے پاس مبیع بطور ودیعت رکھی یا عاریۃً دی یا اسے اجرت پر دی تو حق حبس ساقط نہیں ہوگا چونکہ یہ تصرفات مشتری کی طرف سے صحیح نہیں ہوتے، چونکہ حق حبس اصالۃً بائع کے لئے ثابت ہوتا ہے لہٰذا غیر کی طرف سے اس کا نائب ہونا صحیح نہیں۔ ❷

اگر کسی اجنبی شخص نے مبیع پر زیادتی کر دی تو مشتری کو اختیار حاصل ہے کہ وہ زیادتی کرنے والے سے ضمان وصول کرے البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حق حبس ساقط ہوجائے گا۔ ❸ اس کی تفصیل عنقریب آنے والی قبضہ کی بحث میں آیا چاہتی ہے۔

اگر مشتری نے بائع کی اجازت کے بغیر مبیع پر قبضہ کیا، تو حق حبس ساقط ہوجائے گا، اسے واپس لینے کا حق نہیں ہوگا۔ چونکہ بوجہ اجازت دہی کے اس کا حق باطل ہو چکا۔

اگر مشتری نے ثمن ادا کرنے کے بعد مبیع پر بائع کی اجازت کے بغیر قبضہ کیا تو حق حبس ساقط ہوجائے گا اور بائع مبیع واپس نہیں لے سکتا، چونکہ وہ ثمن لے چکا گویا مبیع پر قبضہ حق کے بدلہ میں ہوا۔

اگر مشتری نے بائع کی اجازت کے بغیر اور ادائے ثمن سے پہلے قبضہ کیا تو حق حبس ساقط نہیں ہوگا، بائع مبیع کو واپس لے سکتا ہے۔ چونکہ بائع کو حق حبس ہے اور ثمن پورے لے لینے تک مبیع کو روک سکتا ہے۔ جبکہ انسان کی اجازت کے بغیر اس کے حق کو باطل کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اگر اس آخری صورت میں مشتری نے مبیع میں تصرف کر دیا تو اس میں قدرے تفصیل ہے۔ ❹ چنانچہ اگر تصرف ایسا ہو جو فسخ کا احتمال رکھتا ہو جیسے بیع، ہبہ، اجارہ اور رہن وغیرہ تو بائع اس تصرف کو فسخ کرسکتا ہے اور مبیع واپس لے سکتا ہے، چونکہ مبیع کے ساتھ بائع کا حق متعلق ہوتا ہے۔ اگر تصرف ایسا ہو جو فسخ کا احتمال نہ رکھتا ہو جیسے غلام کو آزاد کر دینا یا غلام کو مدبر بنا دینا یا لونڈی کو ام ولد بنا دینا تو اس صورت میں بائع مبیع کو واپس نہیں لے سکتا چونکہ اب حق حبس میں کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں رہتا، چونکہ آزاد ہوجانے والے کو حبس میں رکھنا یا جو شخص آزادی کی چوکھٹ پر پہنچ چکا ہو اس کو حبس کرنا جائز نہیں۔

سپردگی یا قبضہ کا معنی اور اس کے متحقق ہونے کی کیفیت......حنفیہ کے نزدیک سپردگی اور قبضہ کا معنی تخلیہ ہے یعنی بائع، مشتری اور مبیع کو کھلا چھوڑ دے اور ان کے درمیان حائل نہ ہو بایں طور کہ مشتری مبیع میں تصرف کرنے پر پوری طرح قادر ہو، گویا بائع مبیع کو حوالے کر دے اور مشتری اس پر قبضہ کر دے۔ ❺ اسی طرح مشتری کا ثمن کو سپرد کرنا بھی ہے۔

قبضہ مکمل ہونے کے بہت سارے طریقے ہیں۔

ا۔ تخلیہ......تخلیہ یہ ہوتا ہے کہ بغیر کسی رکاوٹ کے مشتری کو مبیع پر دسترس حاصل ہوجائے، اور کوئی چیز حائل نہ ہو، بایں ہمہ قبضہ کی اجازت بھی ہو، چنانچہ اگر کسی شخص نے گندم خریدی جو کسی گھر میں رکھی ہو بائع خریدار کو چابی دے دے اور کہے میں نے تمہیں گندم لینے کی اجازت دے دی اور میں تمہارے اور گندم کے درمیان حائل نہیں ہوتا ہوں، تو یہ قبضہ ہے۔ اگر فروخت کنندہ چابی تو دے دے لیکن کچھ نہ کہے تو یہ قبضہ نہیں ہوگا، گھر اور زمین پر قبضہ یوں متصور ہوگا کہ مشتری گھر یا زمین کے اندر کھڑا ہوجائے یا ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں سے زمین کو دیکھ سکتا ہو یا گھر کے دروازوں پر تالے لگانے کی قدرت رکھتا ہو، اگر ایسی حالت سے دور ہو تو یہ قبضہ نہیں ہوگا، ❻ اس تفصیل کی رو سے حنفیہ کے نزدیک

---

❶......البدائع ۵/۲۵۰ حاشیۃ ابن عابدین ۴/۴۴۔ ❷البدائع ۵/۲۴۶۔ ❸البدائع ۵/۲۴۱۔ ❹البدائع ۵/۲۵۱۔ ❺البدائع ۵/۲۴۴۔ ❻البدائع ۵/۲۴۴ رد المحتار ۴/۴۴، عقد البیع للاستاذ الزرقاء ص ۸۶۔

قبضہ تخلیہ سے مکمل ہوجاتا ہے، برابر ہے کہ مبیع زمین ہو یا منقولی چیز ہو، مکیلی ہو یا موزونی، مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں زمین اور گھر پر قبضہ بائع اور مشتری کے درمیان تخلیہ سے ہوجاتا ہے بایں طور کہ گھر کی چابیاں وغیرہ سپرد کر کے گھر میں تصرف کرنے پر مشتری کو دسترس حاصل ہوجائے، جبکہ منقولی اشیاء جیسے ساز وسامان، چوپائے وغیرہ پر قبضہ عرف عام سے ہوجاتا ہے، (۱) عرف یہ ہے کہ وہ چیز یا تو دست بدست لے لی جائے جیسے کتاب اور کپڑا وغیرہ یا چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا جیسے گاڑی اور جانور وغیرہ۔

حنابلہ کہتے ہیں ہر چیز کا قبضہ اس چیز کے اعتبار سے ہوگا، چنانچہ مبیع اگر مکیلی ہو یا موزونی ہو تو اس کا قبضہ ماپنے اور وزن کرنے سے ہوگا یعنی قبضہ کرنے کے لئے عرف کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ (۲)

۲۔تلف کرنے سے..... اگر مبیع بائع کے پاس ہو اور مشتری مبیع کو ضائع کردے تو مشتری مبیع پر قابض متصور ہوگا اور مشتری پر ثمن لازم ہوجائے گا، چونکہ تخلیہ مبیع میں تصرف کرنے پر دسترس حاصل ہوجانے کو کہا جاتا ہے۔ جبکہ اتلاف (ضائع کرنا) درحقیقت مبیع میں تصرف کرنا ہے۔

مبیع میں عیب پیدا کردینا ضائع کرنے کے حکم میں ہے، مثلاً مشتری مبیع کی ٹانگ کاٹ دے یا سامان ہو اور اس میں کمی کردے۔

اسی طرح اگر مشتری نے بائع کو مبیع تلف کرنے کا حکم دیا اور بائع نے ایسا کردیا یا بائع کو گندم پیسنے کا حکم دیا اور بائع نے گندم پیس دی۔ (۳) یہ بھی مشتری کی طرف سے تلف کرنا ہے، چونکہ مشتری کے حکم کے بائع کا فعل مشتری کے ذاتی فعل کے مترادف ہے۔

۳۔مبیع کو مشتری کے پاس بطور ودیعت یا عاریت چھوڑنا..... اگر بائع نے مشتری کے پاس بطور ودیعت مبیع چھوڑی یا عاریت کے طور پر چھوڑی تو اس سے مشتری قابض متصور ہوگا۔ چونکہ مالک کے پاس ودیعت اور عاریت صحیح نہیں جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

اسی طرح اگر مشتری نے کسی اجنبی کے پاس مبیع ودیعت کے طور پر یا عاریت کے طور پر چھوڑی اور بائع سے سپردگی کا مطالبہ کیا تو مشتری قابض ہوجائے گا چونکہ کسی تیسرے شخص کے پاس عاریت اور ودیعت چھوڑنا صحیح ہے، جبکہ ان صورتوں میں دوسرے کی قیادت ثابت ہوچکی جبکہ امین کا ہاتھ مالک کا ہاتھ ہوتا ہے اور یوں مشتری قابض ہوگا۔

البتہ اگر مشتری نے مبیع بائع کو عاریۃً دی یا اس کے پاس بطور ودیعت رکھی یا اسے اجرت کے طور پر دی تو یہ قبضہ نہیں ہوگا، چونکہ یہ تصرفات مشتری کی طرف سے صحیح نہیں ہوتے، چونکہ حق حبس بائع کے لئے اصالۃً ثابت ہوتا ہے جبکہ اس میں حق نیابت ثابت نہیں ہوتا۔ (۴)

۴۔مشتری کا مبیع پر زیادتی کرنے والے کا پیچھا کرنا..... اگر کسی اجنبی نے مبیع پر زیادتی کردی تو مشتری کو زیادتی کرنے والے سے ضمان لینے کا اختیار حاصل ہوگا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشتری کا اختیار قبضہ کرنے کے حکم میں ہوگا، حتیٰ کہ اگر مبیع ہلاک ہوگی تو اس کا وبال مشتری پر ہوگا اور اسے ثمن دینا پڑے گا اور بیع باطل نہیں ہوگی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مشتری کا قبضہ نہیں ہوگا بلکہ بیع بائع کے ضمان میں ہوگی اور بائع کو سپردگی کا حکم دیا جائے گا مبیع ضائع ہونے کا تاوان بائع پر ہوگا، یوں بیع باطل ہوجائے گی اور مشتری ادائے ثمن سے دستبردار ہوجائے گا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اجنبی کی زیادتی مشتری کی اجازت سے ہوئی ہے گویا ضمناً اس کا حکم شامل ہے، لہٰذا مشتری قابض تصور ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے خود مشتری مبیع پر زیادتی کردے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ مشتری کو زیادتی کرنے والے کے پیچھے پڑنے کا

(۱).....الشرح الکبیر للدردیر ۱۴۵/۳ المجموع ۳۰۱/۹ المھذب ۲۶۳/۱۔ (۲) المغنی ۱۱۱/۴۔ (۳) البدائع المرجع السابق رد المحتار المرجع السابق۔ (۴) البدائع ۲۴۶/۵۔

اختیار حقیقت میں ضمان شدہ چیز جس پر زیادتی ہوئی ہے کی تملیک ہے، چونکہ جن چیزوں کا ضمان دیا جاتا ہے وہ ضمان کے اختیار سے ملک بن جاتی ہیں گویا معاملہ یہ ہو جاتا ہے کہ زیادتی مشتری کے حکم سے ہوئی ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ضمان کا تعلق چیز سے ہوتا ہے اور قیمت چیز کے قائم مقام ہوتی ہے اور اگر چیز قائم ودائم ہو اور قبضہ سے پہلے ہلاک ہو جائے تو ہلاک ہونے کا تاوان بائع پر ہوگا اور قیمت میں بھی یہی صورت ہے۔ [11]

۵۔ سابق قبضہ...... اگر ایک چیز پہلے سے مشتری کے پاس ہو پھر اس چیز کا مالک اسے مشتری کے ہاتھ فروخت کر دے اب آیا سابق قبضہ کافی ہوگا یا از سر نو قبضہ کرنے کی ضرورت ہے، اس میں تفصیل ہے۔

چنانچہ فقہاء نے قوت مؤثرہ کے اعتبار سے قبضہ کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱) قبضۂ ضمان (۲) اور قبضۂ امانت۔

قبضۂ ضمان...... یہ وہ قبضہ ہے کہ جس میں قابض مقبوض چیز کے بارے میں غیر کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔ اور اسے اس کا ضمان دینا پڑتا ہے، یعنی جب چیز ضائع ہو جائے اگرچہ آفت سماویہ سے ہی کیوں نہ ضائع ہوئی ہو تب بھی ضمان دینا پڑتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے مغصوب چیز غاصب کے قبضہ میں ضائع ہو جائے، اور مبیع مشتری کے پاس ضائع ہو جائے۔

قبضۂ امانت...... یہ وہ قبضہ ہوتا ہے جس میں قابض مقبوض چیز کے متعلق جوابدہ نہیں ہوتا، ہاں البتہ ظلم وتعدی ہو یا حفاظت میں کوتاہی ہو تو قابض جوابدہ ہوتا ہے۔ جیسے ودیعت، عاریت، اجرت پر دی ہوئی چیز اور شرکت کا مال امین کے پاس یا مستعیر یا مستاجر یا شریک کے پاس۔

فقہاء نے قبضۂ ضمان کو قبضۂ امانت سے قوی قرار دیا ہے چونکہ قبضۂ ضمان کی صورت میں ضمان ہوتا ہے۔

عام اصول...... اس تناظر میں عام اصول یہ ہے کہ سابقہ قبضہ بیع کی صورت میں لازم ہونے والے قبضہ کے قائم مقام ہوگا بشرط یہ کہ جب دونوں قبضے ضمان وعدم ضمان میں ایک جیسے ہوں، یا سابقہ قبضہ قوی تر ہو، بخلاف اس کے کہ جب قبضہ ضعیف ہو چنانچہ قبضۂ ضمان امانت اور قبضۂ ضمان کے قائم مقام ہوگا جبکہ قبضۂ امانت صرف قبضۂ امانت کے قائم مقام ہوتا ہے اور قبضۂ ضمان کے قائم مقام نہیں ہوتا۔ چونکہ ادنیٰ قسم کا قبضہ اعلیٰ قسم کے قبضہ سے بے نیاز نہیں کرتا۔ [12]

اس اصول کے تحت یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جب مبیع کوئی ایسی چیز ہو جو مبیع سے پہلے مشتری کے پاس موجود ہو تو اس کا قبضہ یا تو قبضۂ ضمان ہوگا یا قبضۂ امانت۔

الف۔ اگر مشتری کا قبضہ، قبضۂ ضمان ہو:...... یا تو قبضۂ ضمان بنفسہ ہوگا۔ جیسے غاصب کا قبضہ یا بھاؤ تاؤ کی صورت میں قابض کا قبضہ تو ان صورتوں میں مشتری مبیع پر قابض ہو جائے گا یعنی نفس عقد سے مشتری قابض تصور ہوگا۔ اور از سر نو قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں اور بائع سپردگی کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ برابر ہے مبیع مجلس عقد میں موجود ہو یا غائب ہو، چونکہ مغصوب چیز بذاتہ قابل ضمان ہوتی ہے جبکہ مبیع قبضہ کے بعد مضمون ہوتی ہے، گویا دونوں قبضے ایک جیسے ہوئے اور ایک قبضہ دوسرے کے قائم مقام ہوگا۔

یا قبضۂ ضمان کسی دوسرے شخص کی وجہ سے ہوگا جیسے رہن کا قبضہ مثلاً راہن مرہون چیز کو مرتہن کے ہاتھ فروخت کر دے تو اس صورت میں مرتہن قابض نہیں ہوگا الا یہ کہ رہن مجلس عقد میں موجود ہو، یا جہاں رہن ہو وہاں چلے جائیں اور قبضہ پر پوری دسترس ہو، چونکہ مرہون چیز بذاتہ

---

[11] البدائع ۵/۲۴۶۔ [12] البدائع ۵/۲۴۸، فتح القدیر ۵/۲۰۰، حاشیۃ ابن عابدین ۴/۵۳۵، مجمع الضمانات للبغدادی ص ۲۱۷ عقد البیع للاستاذ الزرقاء ص ۸۷۔

مضمون نہیں ہوتی جبکہ مضمون بغیرہ ہوتی ہے۔اور وہ غیر دین (قرضہ) ہوتا ہے۔جبکہ مبیع بذاتہ مضمون (ضمان والی) ہوتی ہے۔لہٰذا یہ دونوں قبضے ایک جیسے نہ ہوئے اور نہ ہی ایک دوسرے کے مشابہ ہوئے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ درحقیقت رہن امانت ہوتا ہے، اور اس پر قبضہ فی الواقع امانت پر قبضہ ہوا جو کہ فی ذاتہ ضمان زدہ نہیں ہوتا اور ضائع ہونے سے دین (قرضہ) ساقط ہو جاتا ہے، نہ کہ اس لئے کہ مضمون ہے، بلکہ اس کی ایک اور وجہ ہے وہ یہ کہ قرضہ کی وثیقہ بندی درکار ہوتی ہے، چنانچہ رہن مرتہن کے مال سے ضائع ہوگا، اور دین رہن کے بقدر ساقط ہو جائے گا، چونکہ رہن دین کا وثیقہ ہوتا ہے۔

اور جب رہن کا قبضہ قبضۂ امانت ہو تو قبضۂ ضمان کے قائم مقام نہیں ہوتا جیسے عاریت کا قبضہ اور ودیعت کا قبضہ، قبضۂ ضمان نہیں ہوتا۔

ب: اگر مشتری کا قبضہ، قبضۂ امانت ہو...... جیسے مستعیر کا قبضہ امین کا قبضہ تو اس صورت میں خریدار قابض تصور نہیں ہوگا ہاں البتہ اگر مبیع اس کے پاس موجود ہو یا اس پر قبضہ کرنا اس کی دسترس میں ہو چونکہ قبضۂ امانت قبضۂ ضمان کی جنس میں سے نہیں ہوتا، لہٰذا یہ دونوں قبضے ایک دوسرے کے قائم مقام نہیں ہو سکتے، چونکہ قبضۂ امانت قبضۂ ضمان سے کمزور ہوتا ہے۔ ❶

چوتھی بحث: بیع باطل اور بیع فاسد:

تمہید...... عقد اپنے حکم اور شارع کی عطا کردہ وصف کے اعتبار سے کہ آیا عقد کے ارکان اور شرائط پوری ہیں، جمہور فقہاء کے نزدیک صحیح اور غیر صحیح میں منقسم ہوتا ہے۔

عقد صحیح...... وہ ہوتا ہے جس کے ارکان اور شرائط پوری ہوں۔

عقد غیر صحیح...... وہ ہوتا ہے جس کے کسی رکن یا شرط میں کوئی خلل ہو۔عقد غیر صحیح کا اثر مرتب نہیں ہوتا عقد غیر صحیح، عقد باطل اور عقد فاسد پر مشتمل ہوتا ہے۔ان کا معنی واحد ہے۔

حنفیہ...... کے نزدیک عقد کی تین اقسام ہیں۔(۱) صحیح (۲) فاسد (۳) اور باطل۔چنانچہ حنفیہ کے نزدیک عقد غیر صحیح یا تو فاسد ہوگا یا باطل۔

منشاء اختلاف...... کسی بھی عقد کے متعلق شریعت کی ممانعت کا مفہوم ہے کہ آیا نہی فساد کی مقتضی ہے یعنی عدم اعتبار اور گناہ میں وقوع دونوں ہوں گے یا صرف گناہ کے ایجاب پر منحصر ہے اور کبھی کبھی وقوع کا بھی اعتبار ہو جاتا ہے۔پھر کیا عقد کے کسی بھی رکن کی نہی عقد کو عارض ہونے والے وصف کی نہی کے ساتھ ہے؟

جمہور فقہاء...... کہتے ہیں: کسی بھی عقد کے متعلق شارع کی طرف سے وارد ہونے والی نہی یعنی اس عقد کا سرے سے اعتبار ہی نہ ہونا ہے اور جو شخص اس کی طرف پیش رفت کرے اس کا گناہ میں پڑنا ہے چنانچہ ارکان عقد کے متعلق وارد ہونے والی نہی اور عقد کو عارض ہونے والے وصف کے متعلق وارد ہونے والی نہی میں کوئی فرق نہیں ہے، چنانچہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔"جس شخص نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے دین پر نہ ہو وہ مردود ہے اور جس شخص نے ہمارے میں کوئی ایسی بات داخل کی جو اس میں نہ ہو وہ بھی مردود ہے۔ ❷

جب عمل شارع کے حکم (امر) اور طلب کے خلاف ہوگا تو وہ عمل فساد اور بطلان کے ساتھ متصف ہوگا۔برابر ہے کہ مخالفت حقیقت عمل

---

❶......البدائع ۲۴۸/۵ فتح القدیر ۲۰۰/۵۔ ❷رواہ مسلم عن عائشةؓ۔ (جامع الاصول ۱/۱۹۷)۔

کی طرف راجع ہو یا وصف کی طرف، اس میں عبادات اور معاملات برابر ہیں۔

حنفیہ..... کہتے ہیں عقد کے متعلق وارد ہونے والی نہی شارع کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ مرتکب فقط گناہ گار ہوگا، یہ معنی نہیں کہ عقد ہی باطل ہوجائے گا۔ لہٰذا اصل عقد کے متعلق وارد ہونیوالی نہی اور ارکان کے متعلق وارد ہونے والی نہی میں فرق کیا جائے گا، لہٰذا عقد باطل ہوگا اور کسی دوسری وجہ کے متعلق وارد ہونے والی نہی جیسے کسی وصف عقد کے متعلق وارد ہونے والی نہی اس میں بھی فرق کیا جائے گا، اس صورت میں فقط عقد فاسد ہوگا۔ چونکہ معاملات میں انسانوں کی مصلحت کوشی زیر غور ہوتی ہے اور جب عمل کی مخالفت عقد کی حقیقت کی طرف راجع ہو جیسے معدوم شئے کی بیع تو اس صورت میں سرے سے مصلحت کا تحقق ہوگا ہی نہیں بلکہ عقد باطل ہوگا۔

بہر حال کسی بھی طرح عمل میں کوئی مصلحت متحقق ہوجائے تو اس پر عمل کا اثر مرتب ہوگا اور نقص کا تدارک ازالۂ سبب سے ہوجاتا ہے یہ امر اس وقت متحقق ہوتا ہے جب عمل کی مخالفت وصف کی طرف راجع ہو اور حقیقت سلامت رہے۔ معہذا رکن، طرفین اور محل بھی سلامت ہوں تو اس کو فاسد کا نام دیا جاتا ہے۔

رہی بات عبادات کی سو عبادات میں بطلان اور فساد دونوں مترادف ہوتے ہیں، چنانچہ عبادات میں شارع کے امر کی مخالفت عبادات کو فساد اور بطلان کے ساتھ متصف کردیتی ہے، برابر ہے خلل حقیقت کے پہلو میں ہو یا وصفی (فروعی) پہلو میں ہو۔ چونکہ عبادات میں امتثال امر اور طاعت تامہ مطمح نظر ہوتی ہے، یہ مقصد تبھی پورا ہوجاتا ہے جب عبادات میں مکمل طور پر زوال مخالفت کا سامان کیا جائے۔

اسی اساس کے مطابق ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ شارع کے وصف کے اعتبار سے حنفیہ کے نزدیک بیع کی تین اقسام ہیں (۱) صحیح، (۲) باطل (۳) فاسد۔

بیع صحیح..... وہ ہوتی ہے جو اپنی اصل اور وصف کے اعتبار سے مشروع ہو اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کا حق متعلق نہ ہو اور نہ ہی اس میں کوئی خیار ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا اثر فی الحال ثابت ہوجاتا ہے، بیع صحیح کا اثر یہ ہے کہ عوضین میں ملکیت کا تبادلہ ہوجاتا ہے یعنی مبیع مشتری کی ملکیت میں چلی جاتی ہے اور ثمن بائع کی ملک میں۔

بیع باطل..... وہ ہوتی ہے جس کے رکن (ایجاب وقبول) اور محل (مال متقوم) میں خلل ہو یا بیع سرے سے مشروع ہی نہ ہو یعنی عاقد عقد کا اہل ہی نہ ہو یا عقد کا محل بیع کے قابل نہ ہو۔ بیع باطل کا حکم یہ ہے کہ یہ بیع فعلاً منعقد نہیں ہوتی، اگرچہ خارج میں عقد کی صورت پائی جائے لیکن ملک کا فائدہ نہیں ہوگا جیسے بچے کا عقد، مجنون کا عقد یا ایسی چیز کی بیع جو مال نہ ہو جیسے مردار، یا مال متقوم نہ ہو جیسے شراب اور خنزیر۔ جب بیع باطل ملک کا فائدہ نہیں دیتی تو اگر ایسا ہو کہ مبیع خریدار کے پاس ضائع ہوجائے تو خریدار پر امانت کے ضائع ہونے کا حکم لاگو ہوگا چونکہ عقد غیر معتبر ہے صرف قبضہ باقی رہ گیا جو مالک کی اجازت سے وجود میں آیا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول قرار دیا جاتا ہے، جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک ہلاک شدہ مبیع کا ضمان دیا جائے گا چونکہ یہ قبضہ بھاؤ تاؤ کے قبضہ سے بھی تو کمتر نہیں۔ یہ صاحبین کا قول قرار دیا گیا ہے، رہی بات قبضہ کیے ہوئے ثمن کی جو بیع باطل کے ضمن میں مقبوض ہو تو صحیح قول یہ ہے کہ ان کا ضمان ہوگا یہ ایسا ہی ہے جیسے بیع فاسد میں قبضہ کیا ہوا ثمن ہوتا ہے۔

بیع فاسد..... وہ ہوتی ہے جو اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے مشروع ہو لیکن وصف کے اعتبار سے مشروع نہ ہو، یعنی بیع ایسے شخص سے صادر ہوئی ہو جو بیع کی اہلیت رکھتا ہو اور محل بھی قابل ہو لیکن بیع کو کوئی ایسا امر یا وصف پیش آجائے جو مشروع نہ ہو جیسے کسی مجہول چیز کی بیع جس کی جہالت نزاع تک پہنچادے جیسے بہت سارے گھروں میں سے ایک گھر کی بیع، یا گاڑیوں میں سے ایک گاڑی کی بیع اور مبیع کی تعیین نہ

ہو،اس کی مثالیں آیا چاہتی ہیں۔اس کا حکم یہ ہے کہ مالک کی اجازت سے اگر قبضہ کیا ہو تو مبیع میں ملک ثابت ہو جاتی ہے مثلاً خریدار مجلس عقد میں بائع کے سامنے مبیع پر قبضہ کر دے اور بائع قبضہ میں رکاوٹ نہ بنے۔اس میں جمہور فقہاء کا اختلاف ہے ان کے نزدیک بیع فاسد بیع باطل کی طرح سرے سے ملک کا فائدہ ہی نہیں دیتی۔ ❶

ایسا ضابطہ جو بیع فاسد کو بیع باطل سے ممتاز کرتا ہو......جب فساد مبیع کی طرف راجع ہوتا ہو تو سرے سے ملک کا فائدہ ہی نہیں دیتی اگرچہ خریدار مبیع پر قبضہ کر لے، چونکہ خلل مبیع میں واقع ہوا ہے، وہ خلل یہ ہے کہ شراب اور خنزیر وغیر میں بیع کے ذریعے مسلمان کی ملک ثابت نہیں ہوتی، جبکہ بیع مبیع کے بغیر منعقد نہیں ہوتی، نیز مردار اور خون مال متقوم نہیں ہوتے، نیز شارع نے حرم اور محرم کے شکار کو باطل قرار دیا ہے۔اور اگر فساد ثمن کی طرف راجع ہو پھر اگر ثمن فی الجملہ بعض ادیان میں مال ہو یا بعض لوگوں کے ہاں مرغوب ہو جیسے شراب، خنزیر، حرم کا شکار تو بیع فاسد ہوگی، یعنی بیع مبیع کی قیمت سے منعقد ہو جائے گی اور قبضہ کرنے سے مبیع میں ملک کا فائدہ حاصل ہوگا۔

اگر ثمن مردار چیز ہو یا خون ہو تو اس صورت میں حنفیہ کا اختلاف ہے عام حنفیہ کا موقف ہے کہ بیع باطل ہوگی جبکہ بعض حنفیہ کا موقف ہے کہ بیع فاسد ہوگی جبکہ صحیح یہ ہے کہ بیع باطل ہوگی، چونکہ ثمن میں طے ہونے والی چیز سرے سے مال ہی نہیں۔ ❷

مابعد از تمہید......اس تمہید کے بعد میں بیع باطل کی مختلف اقسام کی مثالیں ذکر کروں گا اگرچہ وہ اقسام بعض فقہاء کی آراء میں باطل ہوں، اس کے بعد میں بیع فاسد کی مختلف اقسام کی مثالیں لاؤں گا پھر اس کے بعد تفصیلاً بیع فاسد کا حکم اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات کو ذکر کروں گا۔میں نے بیع کی دونوں اقسام میں فرق کیا ہے تاکہ کوئی ابہام اور اشکال باقی نہ رہے، چنانچہ حنفیہ کی اکثر کتب فقہ میں ''باب البیع الفاسد'' کا عنوان قائم کیا جاتا ہے اور یہ باب بیع فاسد اور باطل دونوں کو شامل ہوتا ہے بلکہ فقہائے احناف بسا اوقات مطلق فاسد کا لفظ بول کر اس سے باطل مراد لیتے ہیں جبکہ مقصود مختلف قرائن سے معلوم ہو جاتا ہے مثلاً بیع باطل کے بارے میں فقہائے احناف کہہ دیتے ہیں کہ عقد صحیح نہیں ہوگا اور بیع فاسد کے بارے میں اس کے برعکس کہتے ہیں کہ عقد صحیح ہوگا۔

پہلا مطلب: بیع باطل کی مختلف انواع......بیع باطل کی اہم اقسام درج ذیل ہیں۔

۱۔معدوم چیز کی بیع......مذاہب اربعہ کے آئمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ معدوم چیز کی بیع منعقد نہیں ہوتی، اسی طرح جو چیز معرض خطر (یعنی معدوم ہونے کے خطرات سے دوچار ہو) اس کی بیع بھی منعقد نہیں ہوتی، جیسے حمل کے حمل کی بیع، مثلاً کوئی یوں کہے میں نے اس اونٹنی کے بچے کے بچے کو فروخت کر دیا۔اسی طرح موجودہ حمل کی بیع بھی معدوم کے حکم میں ہے چونکہ حمل بھی معرض خطر میں ہوتا ہے۔پھل اور کھیتی کے ظہور سے قبل اس کی بیع بھی معدوم کی بیع ہے، ''چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل کے حمل کی بیع سے منع فرمایا ہے۔'' اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مضامین اور ملاقیح کی بیع سے بھی منع فرمایا ہے، مضامین سے مراد نر کی صلب میں پڑے ہوئے نطفے سے پیدا ہونے والے بچے کی بیع اور ملاقیح سے مراد مادہ کے بطن میں پڑے حمل کی بیع۔اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھل ظاہر ہونے سے قبل اس کی بیع سے بھی منع فرمایا ہے، اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

ملحق بالمعدوم......معدوم کی بیع کے ساتھ یہ صورتیں بھی ملحق ہیں۔سیپی میں پڑے ہوئے موتی کی بیع، تھنوں میں پڑے دودھ کی بیع، بھیڑوں کی پیٹھ پر اون کی بیع۔اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ طباعت سے پہلے کتاب کی بیع، یہ بیع شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک باطل ہے چونکہ محل عقد موجود ہی نہیں ہوتا، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھل کو فروخت کرنے سے منع کیا ہے

---

❶......فتح القدير مع العناية ۱۸۵/۵، البدائع ۲۹۹/۵، رد المحتار لابن عابدين ۱۰۴/۴، مجمع الضمانات ص ۲۱۵، الاموال ونظرية العقد للدكتور يوسف موسى ص ۴۴۰۔ ❷المبسوط ۲۲/۱۳، فتح القدير والعناية ۱۸۶/۵، البدائع ۲۹۹/۵۔

یہاں تک کہ پھل کھانے کے قابل ہو جائے، اون کو بھیڑ کی پیٹھ پر نہ فروخت کیا جائے، تھنوں میں پڑے ہوئے دودھ کو بھی نہ فروخت کیا جائے، ❶ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ تھنوں میں پڑے ہوئے دودھ کی صفت اور مقدار مجہول ہوتی ہے چنانچہ بسا اوقات فربہی کی وجہ سے تھن یوں ہی بھرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ بسا اوقات تھنوں میں صاف شفاف دودھ ہوتا ہے اور بسا اوقات گندا دودھ ہوتا ہے لہٰذا تھنوں میں دودھ کی بیع حمل کی بیع کی مانند ہوئی، چونکہ یہ ایسی چیز کی بیع ہے جسے ابھی وجود نہیں ملا، اس میں عادت بھی مختلف ہے، اس میں ایک اور علت بھی ہے وہ یہ کہ اس کی سپردگی میں بائع عاجز ہوتا ہے، چونکہ دودھ تھنوں میں یکبارگی جمع ہو کر نہیں نکل پڑتا، بلکہ تھوڑا تھوڑا ہو کر نکلتا ہے۔ لہٰذا مبیع غیر مبیع اس طرح خلط ہو جاتی ہیں کہ ان میں امتیاز دشوار ہو جاتا ہے۔

رہی بات دائی کے دودھ کی سو پرورش کے لئے اس کی بیع جائز ہے۔

امام ابو یوسف کے علاوہ بقیہ فقہائے حنفیہ کہتے ہیں۔ تھنوں میں دودھ کی بیع، سیپی میں موتی کی بیع اور بھیڑ کی پیٹھ پر اون کی بیع فاسد ہے چونکہ اس میں جہالت ہے اور اس کے متعلق نہی بھی وارد ہوئی ہے، اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اون نیچے سے اگتی ہے لہٰذا مبیع غیر مبیع کے ساتھ خلط ہو جاتی ہے اور ان میں امتیاز کرنا دشوار ہو جاتا ہے اس لئے بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ ❷

امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں:...... بھیڑ کی پیٹھ پر اون کی خرید و فروخت جائز ہے چونکہ ذبح کرنے سے پہلے اون کا کاٹنا جائز ہے لہٰذا اس کی بیع بھی جائز ہے جیسے سبز چارہ جو زمین میں کھڑا ہو اس کی بیع جائز ہوتی ہے، اسی طرح اون کی بیع بھی بھیڑ کی پیٹھ پر جائز ہے۔

جو فقہاء اس بیع کو باطل کہتے ہیں ان کے نزدیک بطلان کی دلیل ہے۔ کہ حیوان پر اون کاٹنے کی جگہ میں اختلاف واقع ہو سکتا ہے جو ضرر تک مفضی ہوگا اور ضرر غرر پر مشتمل ہے اس میں ایک اور علت بھی ہے کہ فی الحال مبیع سپرد کرنے سے بائع عاجز ہوتا ہے، چونکہ اون وقتاً فوقتاً بڑھتی رہتی ہے یوں بیع کے وقت موجود اون غیر موجود اون کے ساتھ خلط ہو جائے گی اور ان دونوں میں تمیز کرنا مشکل ہے۔

ان دونوں حالتوں میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: چرنے والی بکریوں کے تھنوں میں پڑے دودھ کی بیع جائز ہے البتہ صرف ایک بکری میں جائز نہیں ہوگی، بشرط یہ کہ جب دودھ دوہنے کے برتن کی مقدار معلوم ہو، جیسے دایہ کے دودھ کی بیع جائز ہوتی ہے، چونکہ غالب احوال میں لوگ دن مقرر کر کے اس بارے میں چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔ بلکہ ہم سمجھتے ہیں کہ گائے کے دودھ میں مقرر ایک ماہ کی چشم پوشی جائز ہوگی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بھیڑوں کی پیٹھ پر اون کی بیع صحیح ہے چونکہ اون سامنے نظر آرہی ہوتی ہے اور اس کا سپرد کرنا ممکن ہے۔

اس موقع پر حنابلہ کی بھی ایک روایت ہے کہ بھیڑ کی پیٹھ پر اون کی بیع جائز ہے بشرط یہ کہ فی الحال کاٹ کر حوالے کر دی جائے، چونکہ اون سامنے دکھائی دے رہی ہوتی ہے اور معلوم ہوتی ہے لہٰذا سپردگی ممکن ہے، ظاہر یہ بھی بھیڑ کی پیٹھ پر اون کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ❸

معدوم شئے کی بیع کے متعلق بعض حنابلہ کی رائے...... ابن قیم اور ان کے استاذ ابن تیمیہ نے عقد کے وقت معدوم شئے کی بیع کو جائز قرار دیا ہے بشرط یہ کہ جب وہ چیز مستقبل میں بحسب عادت موجود ہو چونکہ کتاب وسنت میں معدوم چیز کی بیع کے متعلق ممانعت ثابت نہیں اور کلام صحابہؓ سے بھی ثابت نہیں، البتہ سنت میں بیع الغرر کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے، یہ وہ چیز ہوتی ہے جس کی سپردگی پر قدرت نہ ہو،

---

❶ ...... حدیث مرفوع مسند رواه "طبراني في معجمه عن ابن عباسؓ واخرجه الدار قطني والبيهقي" دیکھئے نصب الرایۃ ۴/۱۱ نيل الاوطار ۱۴۹/۵۔ ❷ الدر المختار وردالمحتار ۱۱۳/۴ البدائع علامہ کاسانی نے یوں کہا ہے کہ ظاہر الروایہ میں بیع منعقد نہیں ہوگی اس سے یہی مراد لی جاسکتی ہے کہ بیع فاسد ہے۔ ❸ دیکھئے تفصیل المبسوط ۱۹۴/۱۲، البدائع ۱۳۹/۵ فتح القدير ۱۹۲/۵ رد المحتار ۱۰۶/۴ بداية المجتهد ۱۴۷/۲ المسير ۹۷/۵ مغني المحتاج ۳۰/۲ المهذب ۲۶۲/۱ المغني ۲۰۸/۴ سبل السلام ۳۲/۳ القوانين الفقهية ص ۲۵۶ المحلى ۴۵۸/۸

برابر ہے کہ وہ چیز موجود ہو یا معدوم ہو جیسے بدکے ہوئے گھوڑے کی بیع، بھاگے ہوئے اونٹ کی بیع، اس میں ممانعت کی کوئی وجہ نہیں نہ ہی عدم ہے اور نہ ہی وجود۔

بلکہ شریعت نے تو بعض مواقع میں معدوم شئے کی بیع کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت نے بدو صلاح (پھل ظاہر ہونے) کی بعد پھلوں کی بیع کو جائز قرار دیا ہے۔ دانوں کے سخت ہونے کے بعد دانوں کی بیع کو جائز قرار دیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ عقد موجود اور معدوم دونوں صورتوں پر وارد ہوا ہے۔ اسی تفصیل کے مطابق معدوم چیز کا جب مستقبل میں وجود مجہول ہو تو غرر کی وجہ سے بیع باطل ہوگی نہ کہ عدم کی وجہ سے چنانچہ یہاں ممانعت کی اصل غرر ہے۔ ❶

۲۔ معجوز التسلیم کی بیع..... یعنی وہ چیز جسے سپرد کرنے پر بائع عاجز ہو اس کی بیع بھی باطل ہے۔ جمہور حنفیہ کی رائے ہے جیسا کہ ظاہر الروایہ میں ہے کہ عقد کے وقت جس چیز کو سپرد کرنے سے بائع عاجز ہو تو وہ بیع منعقد نہیں ہوتی اگرچہ وہ چیز بائع کی مملوک ہو جیسے پرندہ جو مالک کے ہاتھ سے اڑ گیا ہو یا بھاگا ہوا غلام، لقطہ (گمشدہ چیز) یہ بیع باطل ہوگی حتیٰ کہ اگر بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ لیا تو از سرنو ایجاب وقبول کیا جائے گا ہاں البتہ بائع اور مشتری دونوں اگر سابق ایجاب وقبول پر راضی ہو جائیں تو یہ بیع تعاطی ہوگی اور جائز ہوگی۔

اگر مجلس میں سپردگی پہ بائع قادر ہو گیا تو بیع باطل ہونے کے بعد جائز نہیں ہوگی چونکہ بیع کا وقوع بطلان پر ہوا ہے، البتہ امام کرخی اور امام طحاوی کی ایک روایت ہے کہ بیع جائز ہوگی۔ اگر پرندہ ایسا ہو جو اڑ جاتا ہو اور پھر واپس لوٹ آتا ہو جیسے پالتو کبوتر تو ظاہر الروایہ میں ہے کہ اس کی بیع بھی جائز نہیں ہوگی چونکہ فی الحال اس کی سپردگی جائز نہیں ہوتی، بعض حنفیہ کہتے ہیں: اگر پالتو پرندہ ہو جو گھر واپس لوٹ آتا ہو اور بے تکلف پکڑ لیا جاتا ہو تو اس کی بیع جائز ہوگی ورنہ بیع جائز نہیں ہوگی۔ اگر ثمن ایسی چیز ہو جس کی سپردگی میں مشتری عاجز ہو تو بھی بیع باطل ہوگی، چونکہ جب ثمن کوئی چیز ہو تو وہ مالک ثمن کے حق میں مبیع ہوگی۔

مالکیہ کہتے ہیں: بدکے ہوئے اونٹ، بھاگی ہوئی گائے اور مغصوب چیز کی بیع منعقد نہیں ہوتی، الایہ کہ مغصوب چیز کی بیع غاصب کے ساتھ قرار پائے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: جس چیز کی سپردگی پر قدرت نہ ہو اس کی بیع جائز نہیں ہوتی جیسے ہوا میں اڑتا ہوا پرندہ، پانی میں تیرتی ہوئی مچھلی، بدکا ہوا اونٹ، بھاگا ہوا گھوڑا، غاصب کے ہاتھ میں غصب کیا ہوا مال، بھاگا ہو غلام، برابر ہے مال کی جگہ کا علم ہو یا نہ ہو اس کی ایک مثال یہ بھی ہے جیسے کہ زمین یا گھر دشمن کے قبضہ میں ہو اس کی بیع بھی جائز نہیں، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الحصاۃ۔ ❷ اور بیع الغرر سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ان اشیاء کی ان احوال میں بیع غرر سے خالی نہیں ہوتی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھاگے ہوئے غلام کو خریدنے سے منع فرمایا ہے، جانوروں کے پیٹوں میں پڑے ہوئے بچوں کو خریدنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ وہ پیدا نہ ہو جائیں۔ اموال غنیمت کے خریدنے سے بھی منع فرمایا ہے حتیٰ کہ تقسیم ہو جائیں۔ ❸

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی میں تیرتی ہوئی مچھلی کو مت خریدو چونکہ اس میں غدر (دھوکا) ہے۔ ❹ پانی میں مچھلی کی خرید وفروخت سے ممانعت کی علت غرر کو قرار دیا گیا ہے، اور پانی سے مراد وہ پانی ہے جو محصور نہ ہو جیسے دریاؤں اور سمندروں کا پانی، اگر پانی محصور ہو جیسے چھوٹے حوض کا پانی تو حنفیہ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ فی الجملہ مچھلی کی بیع جائز ہے بشرطیہ

---

❶ ..... دیکھئے اعلام الموقعین ۲/۸، مصادر الحق ۳/۴۰ الغرر واثرہ فی العقود ص ۳۵۶۔ ❷ بیع الحصاۃ سے مراد یہ ہے کہ بائع کہے جس چیز پر یہ کنکری پڑی وہ میں نے تمہیں فروخت کردی۔ ❸ رواہ احمد وابن ماجۃ عن شہر بن حوشب عن ابی سعید الخدری (نیل الاوطار ۵/۱۴۹)۔ ❹ رواہ احمد موقوفاً ومرفوعاً وکذا الطبرانی فی الکبیر ورجال الموقوف رجال الصحیح۔

کہ مچھلی کا پکڑنا ممکن ہو۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک خریدار کو خیار رؤیت حاصل ہوگا، جبکہ مالکیہ نے حوض اور کنویں کے پانی میں بھی مچھلی کی خرید وفروخت کو ممنوع قرار دیا ہے۔ ❶

خلاصہ...... مذاہب اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو چیز مقدور التسلیم نہ ہو (جو بائع کی دسترس میں نہ ہو) اس کی بیع باطل ہے اگرچہ بعض قیود میں اختلاف ہے اور مذہب میں کچھ اقوال ضعیف بھی ہیں۔

ظاہر یہ کا مذہب یہ ہے کہ بیع کے صحیح ہونے میں یہ شرط نہیں کہ معقود علیہ مقدور التسلیم ہو جبکہ واجب یہ ہے کہ بائع، مشتری اور خرید کردہ سامان کے درمیان حائل نہ ہو۔

دین کی بیع...... جیسے مبیع کے ثمن، بدل قرض، رخصتی کے بعد یا رخصتی سے پہلے مہر، منفعت کے مقابلہ کی اجرت، کسی قسم کی زیادتی کا تاوان، کسی چیز کو تلف کرنے پر لاگو ہونے والا تاوان، عوض خلع اور مسلم فیہ، دین کی بیع یا تو اس شخص کے لئے ہوگی جس کے ذمہ دین ہو یا مدیون کے علاوہ کسی اور کے لئے ہوگی دونوں حالتوں میں دین کی بیع یا تو فی الحال نقدی ہوگی یا مدت مقرر کر کے ادھار ہوگی۔

دین کی بیع جو ادھار ہو...... اسے فقہی اصطلاح میں بیع الکالی بالکالی یا بیع الدین بالدین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ بیع شرعاً ممنوع ہے، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الکالی بالکالی (ادھار کی بیع ادھار) سے منع فرمایا ہے۔ ❷ حتیٰ کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دین کی بیع دین سے (ادھار کی بیع ادھار سے) کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے، برابر ہے کہ بیع مدیون کے لئے ہو یا غیر مدیون کے لئے۔

پہلی صورت کی مثال یہ ہے یعنی جب دین کی بیع مدیون کے لئے ہو۔ جیسے ایک شخص کسی دوسرے شخص سے کہے میں نے تم سے ایک دینار کے بدلہ میں ایک من گندم خریدی اس طور پر کہ ایک ماہ کے بعد دونوں عوض تمام ہوں گے۔ (یعنی ایک مہینہ کے بعد میں تمہیں ایک دینار دوں گا تم مجھے ایک من گندم دینا) یا کوئی شخص ایک مدت تک کے لئے کوئی چیز خریدے جب مدت پوری ہو جائے تو بائع قرضہ ادا کرنے کے لئے کوئی چیز نہ پائے اور مشتری کہے مجھے ایک دوسری مدت تک کے لئے یہ چیز فروخت کر دو اور ساتھ کسی اور چیز کا اضافہ بھی کرو۔ چنانچہ وہ اسے فروخت کر دے لیکن ان دونوں میں باہمی قبضہ نہ ہو۔ چنانچہ یہ سود ہے جو حرام ہے چونکہ یہاں یہ قرینہ پایا گیا کہ مشتری نے بائع سے کہا ہے کہ مقررہ مدت میں اضافہ کر دو میں تمہیں مقداریں اضافہ کر کے دیتا ہوں۔ البتہ اگر دین کو کسی اور چیز کے بدلہ میں فروخت کیا جیسے ایک ہزار روپے جو اس کے ذمہ ہوں ان کے بدلہ میں کوئی سامان فروخت کرے یا مال کی ایک مقدار کے بدلہ میں دین فروخت کیا جو وہ شخص دے جس کے ذمہ قرضہ ہو۔ تو اس صورت میں بیع صحیح ہوگی چونکہ یہ بیع صلح کے معنی میں ہے۔

غیر مدیوں کے لئے دین کی بیع کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی دوسرے سے کہے میں نے تمہیں ایک من گندم فروخت کی جو کہ فلاں شخص کے پاس ہے اور وہ میری ہے اور تم ایک ماہ بعد اس کے بدلہ میں ایک ہزار روپے دینا۔ ❸ یا موجود سامان کے بدلہ میں دین کی بیع کی تو یہ بیع بھی صحیح نہیں چونکہ مبیع مقدور التسلیم نہیں۔

دین کی بیع فی الحال نقدی ہو...... فقہاء کا اس بیع میں اختلاف ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اول: مدیون کے لئے دین کی بیع ہو...... مذاہب اربعہ کے جمہور فقہاء نے مدیون کے ہاتھ دین کی بیع یا دین کا ہبہ جائز قرار دیا

---

❶......البدائع ۲۹۵/۵ بدایة المجتهد ۱۵۶/۲ المهذب ۲۶۳/۱۔ ❷رواه الدارقطني عن ابن عمرؓ صححه الحاكم على شرط مسلم ورواه الطبراني عن رافع بن خديجؓ ولكن تفرد به موسى بن عبيده الربذي وفيه كلام (نيل الاوطار ۱۵۶/۵)
❸سبل السلام ۴۵/۴، نيل الاوطار ۱۵۶/۵، الشرح الكبير للدسوقي ۶۱/۳، المهذب ۲۶۲/۱۔

ہے، چونکہ دین کی بیع دین سے اس لئے ممنوع ہوتی ہے کہ مبیع مقدور التسلیم نہیں ہوتی یہاں تو تسلیم (سپردگی) کی چنداں حاجت ہی پیش نہیں آتی، چنانچہ مدیون کے ذمہ میں جو کچھ ہوگا وہ اسے سپرد ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دائن مدیون سے دین کی بیع کرے جو کہ مدیون کے ذمہ ہو اور ثمن میں دوسرا دین ہو جو اس کی جنس سے نہ ہو، یوں مبیع کا دین ساقط ہو جائے اور اس کا عوض واجب ہو، چونکہ یہ صلح کے معنی میں ہے اور یہ جائز ہے، اس کی دلیل امام احمد اور اصحاب سنن اربعہ کی روایت ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کی: میں مقام بقیع میں اونٹ فروخت کرتا ہوں، اور دینار فروخت کر کے دراہم لے لیتا ہوں، دراہم فروخت کر کے دینار لے لیتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم اسی دن کے نرخ پر لو، بشرطیکہ تم دونوں اس طرح الگ الگ ہو جاؤ کہ تمہارے درمیان کوئی چیز باقی نہ رہے۔'' یہ بیع جو کہ دیناروں اور درہموں کے بیچ ہوتی تھی یہ دین کی بیع عین کے بدلہ میں ہوتی تھی اور اس شخص سے ہوتی تھی جس پر دین ہوتا، چونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں دینار فروخت کرتا ہوں، یعنی بطور دین فروخت کرتا ہوں چونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے ان دیناروں پر قبضہ نہیں کیا پھر ان دیناروں کو دراہم سے تبدیل کر لیتے تھے اور دراہم پر قبضہ کر لیتے۔

ظاہریہ کہتے ہیں مدیون کے ہاتھ دین کی بیع جائز نہیں، ابن حزم کہتے ہیں: چونکہ یہ مجہول چیز کی بیع ہے، جس کی عین معلوم نہیں ہوتی یہی تو باطل طریقہ سے مال کھانا ہے۔ ❶

دوم: غیر مدیون کے ہاتھ دین کی بیع..... حنفیہ اور ظاہریہ کہتے ہیں معجوز التسلیم چیز کی بیع جس طرح ناجائز ہے اسی طرح غیر مدیون کے ہاتھ دین کی بیع منعقد نہیں ہوتی چونکہ دین مقدور التسلیم نہیں ہوتا، الا یہ کہ مدیون ہی کے ساتھ دین کی بیع کی جائے تو یہ جائز ہے، چونکہ دین ایسے حکمی مال سے عبارت ہے جو ذمہ میں واجب ہوتا ہے یا مال کی تملیک اور سپردگی سے عبارت ہے، ان سب صورتوں میں دین بائع کے حق میں مقدور التسلیم نہیں ہوتا۔ اگر مدیون پر سپردگی کی شرط بھی لگائی جائے تب بھی بیع صحیح نہیں ہوگی۔ چونکہ اس صورت میں بائع سپردگی کی شرط غیر پر تھونپ رہا ہے یہ شرط فاسد ہے لہٰذا بیع بھی فاسد ہے ❷ چونکہ مبیع کی سپردگی پر قدرت معدوم ہے۔

بعض شافعیہ..... کہتے ہیں: دین مستقر ❸ کی بیع مدیون اور غیر مدیون کے ہاتھ قبل از قبضہ جائز ہے۔ چونکہ بظاہر سپردگی پر قدرت ممکن ہے اور کوئی مانع بھی نہیں، دین مستقر کی مثال جیسے ضائع کی ہوئی چیزوں کی قیمت اور مقروض کے پاس موجود مال۔ ❹

البتہ اگر دین غیر مستقر ہو اور بیع سلم میں مسلم فیہ کی حیثیت سے ہو تو اس میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہے، چونکہ بسا اوقات مسلم فیہ ناپید ہو جاتی ہے اور اس کی سپردگی دشوار ہو جاتی ہے۔ نیز مسلم فیہ میں ملکیت غیر مستقر ہوتی ہے، لہٰذا بیع فسخ ہو جائے گی۔

اگر دین بیع میں ثمن کی حیثیت سے ہو تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق قبضہ سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز ہے، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی حرج نہیں جب تم دونوں اس طرح جدا ہو جاؤ کہ تمہارے درمیان کوئی چیز باقی نہ رہے۔'' دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ یہاں ضائع ہونے سے عقد کے فسخ ہونے کا خدشہ نہیں ہے، لہٰذا یہ قبضہ کے بعد تصرف کرنے کے مترادف ہے۔ بالاتفاق بیع الدین بالدین صحیح نہیں ہے خواہ یہ بیع نقود میں ہو یا اشیائے خورد و نوش میں، اس قول پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ امام نووی نے ''المنہاج'' میں لکھا ہے کہ غیر مدیون کے ہاتھ دین کی بیع ظاہر مذہب میں باطل ہے۔

---

❶..... المحلی ۹/۷ اصول البیع ص ۱۱۱۔ ❷ البدائع المرجع السابق۔ ❸ دین مستقر وہ ہوتا ہے جس کی ادائیگی ثابت ہو چکی ہو اور جس پر ملکیت لازم ہو گئی ہو اور سقوط کا کوئی احتمال نہ ہو۔ ❹ المهذب ۱/۲۶۲

حنابلہ..... کہتے ہیں: صحیح مذہب کے مطابق دین مستقر کی بیع مدیون کے ساتھ جائز ہے جیسے بدلِ قرض اور رخصتی کے بعد مہر، دین کی بیع غیر مدیون کے ہاتھ صحیح نہیں، جیسے دین کا ہبہ ایسے شخص کو کرنا صحیح نہیں جس کے ذمہ اس کا قرض نہ ہو۔ چونکہ ہبہ معین چیز کے وجود کا مقتضی ہوتا ہے اور وہ یہاں منتفی ہے، جیسے غیر مستقر دین کی بیع صحیح نہیں ہوتی، جیسے زمین کی اجرت مدت اجارہ گزرنے کے بعد اور رخصتی کے بعد عورت کا مہر، قبضہ کے بعد مسلم فیہ، البتہ ابن قیم نے دین کی بیع مدیون اور غیر مدیون کے ہاتھ کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ ❶

مالکیہ..... کہتے ہیں غیر مدیون سے دین کی بیع جائز ہے لیکن اس میں آٹھ شرائط کی رعایت رکھنا ضروری ہے تا کہ غرر اور ربا (سود) سے دور رہے جیسے قبضہ سے پہلے غلے کی بیع، یہ آٹھ شرطیں مختصراً دو شرطوں میں سما جاتی ہیں۔

۱..... یہ بیع شرعی ممنوع تک نہ پہنچتی ہو جیسے سود، غرر وغیرہ سے پاک ہو، لہٰذا دین کا ایسا ہونا ضروری ہے جس کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہوتی ہو، مثلاً مبیع اشیائے خورونوش میں سے نہ ہو اور وہ ثمن معجّل (نقداً) فروخت ہوتا کہ دین کی بیع دین سے نہ ہو جائے، اور یہ کہ ثمن دین مبیع کی جنس میں سے نہ ہو یا اگر اسی جنس سے ہو تو برابر سرابر ہو تا کہ سود کا شائبہ بھی ختم ہو جائے، جب دین چاندی ہو تو ثمن سونا نہیں ہونا چاہئے تا کہ نقد کی بیع نقد ادھار کے زمرے میں نہ آئے، یہ ایک شرط میں چار شرائط ہیں۔

۲..... یہ کہ ظن غالب ہو کہ دین حاصل ہو جائے گا مثلاً مدیون سے جس شہر میں عقد ہو رہا ہو اس میں موجود ہو، تا کہ اس کے تنگدست یا مالدار ہونے کی حالت معلوم رہے، مدیون دین کا اقرار بھی کرتا ہو حتیٰ کہ اس کے بعد انکار نہ کر سکے، چنانچہ متنازع فیہ چیز کی بیع جائز نہیں ہے، یہ کہ مدیون دین کی ذمہ داری کی اہلیت رکھتا ہو یعنی نابالغ نہ ہو یا اس پر پابندی نہ ہو مثلاً دین مقدور التسلیم ہو اور مشتری اور مدیون کے درمیان کسی قسم کی عداوت نہ ہو تا کہ مشتری کا نقصان نہ ہو۔ ❷

یہ دوسری شرط ہے جس میں چار شرطیں آ گئی ہیں۔ مالکیہ کا مذہب راجح ہے، فی الواقع دین کی بیع دین سے جائز نہیں ہے، مثلاً ایک شخص کا دوسرے پر دین ہو اور وہ اس دین کو ادھار فروخت کر دے، اسی طرح دین میں دین کا فسخ جائز نہیں۔ مثلاً قرض خواہ مدیون کو چلنے کے لئے پھل دے یا رہائش کے لئے گھر دے تا کہ قبضہ میں تاخیر رہے۔ ❸

ہنڈی کا حکم..... حنفیہ کہتے ہیں: ہمارے زمانے میں متعارف ہنڈی سسٹم کے ذریعے غیر مدیون تک روپے پہنچانا یا ایسے شخص تک پہنچانا جس پر سرکاری رقم ہو اور وہ روپے حق سے کم ملتے ہوں تو یہ ناجائز ہے۔ ❹

۳: بیع الغرر: غرر کا لغوی معنی..... کسی چیز کا معرض خطر میں ہونا، دھوکا دہی، کسی چیز کو ہلاکت پر پیش کرنا، لغت میں غرر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کا ظاہر محبوب ہو اور باطن ناپسند، اسی لئے تو دنیا کو متاع الغرور کہا گیا ہے، غرر، آدمی کا اپنے آپ کو یا اپنے مال کو ہلاکت کے لئے پیش کرنا، بیع الغرر، بمعنی مغرور (اسم مفعول) ہے، گویا مصدر کی اضافت اسم مفعول کی طرف ہوتی ہے، جبکہ بعض نے موصوف کی اضافت ❺ صفت کی طرف کے قول کو راجح قرار دیا ہے یا مصدر کی اضافت اپنی نوع کی طرف ہے، جبکہ مصدر کی اضافت مفعول کی طرف قرار دینا صحیح نہیں جیسا کہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے چونکہ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ غرر محل عقد کے ساتھ خاص ہے، جبکہ حقیقت ایسی نہیں ہے، چونکہ فقہاء کے نزدیک بالاتفاق ممنوع غرر کا مرجع وہ صفت ہوتی ہے جس پر عقد واقع ہو، جیسے بیع الحصاۃ، اگر ہم موصوف کی

---

❶..... المغنی ۱۲۰/۴، غایۃ المنتہیٰ ۸۰/۲ اعلام الموقعین ۳۸۸/۱ کشاف القناع ۳۳۷/۴۔ ❷الشرح الکبیر للدر دیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۶۳/۳ بدایۃ المجتہد ۱۴۶/۲ القوانین الفقہیۃ ۲۱۰ اصول البیوع الممنوعۃ ۱۰۹، الغرر وأثرہ فی العقود ص ۳۱۵۔ ❸القوانین الفقہیۃ ص ۲۷۹۔ ❹اصول البیوع الممنوعۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ ص ۱۲۰۔ ❺انظر رسالۃ الزمیل الدکتور الصدیق الامین الغرور اثرہ فی العقود ص ۶۲۔

اضافت صفت کی طرف یا مصدر کی نوع کی طرف قرار دیں تو اس صورت میں نہی غرر کی جملہ انواع بیع کو شامل ہوگی، برابر ہے غرر محل عقد میں ہو جیسے ہوا میں اڑتے پرندے کی بیع اور ریوڑ میں سے ایک بکری کی بیع یا غرر صیغۂ بیع میں ہو جیسے ایک بیع میں دو بیوع کا ہونا، بیع میں دو شرطیں، بیع الحصاۃ وغیرہ۔

لغت میں غرر دھوکہ کو بھی کہتے ہیں کہ تحقق کے وقت اس سے راضی کوئی نہیں ہوتا، گویا باطل طریقہ سے مال کھانے کا ایک ڈھنگ ہے، ❶ فقہی اعتبار سے غرر، غش، ملاوٹ، دھوکا دہی، جہالت معقود علیہ کو شامل ہے، غیر مقدور التسلیم ہونا بھی غرر کی قسم ہے، صغانی کہتے ہیں بیع غرر چند صورتوں میں متحقق ہوتی ہے، یا تو مقدور التسلیم نہ ہونے کی صورت میں جیسے بدکا ہوا گھوڑا اور بھاگا ہوا اونٹ فروخت کرنا، یا مبیع معدوم ہو یا مجہول ہو یا بائع کی ملک تمام نہ ہوتی ہو جیسے زیادہ پانی میں مچھلی کا ہونا وغیر ذالک۔ ❷

غرر فقہاء کی اصطلاح میں..... فقہاء نے غرر کی مختلف تعریفیں کی ہیں جو ایک دوسرے کے قریب المعنی ہیں۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

حنفیہ میں سے امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: غرر وہ ہے جو انجام کے اعتبار سے مستور الحال ہو۔ ❸

مالکیہ میں سے قرافی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اصول میں غرر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ آیا وہ حاصل ہوگی یا نہیں جیسے ہوا میں اڑتا ہوا پرندہ، پانی میں تیرتی ہوئی مچھلی۔ ❹

علامہ شیرازی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: غرر یہ ہے کہ جس کا معاملہ پردۂ خفاء میں لپٹا ہوا اور اس کا انجام مخفی اور پوشیدہ ہو۔ ❺

علامہ اسنوی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: غرر یہ ہیکہ جو دو پہلوؤں میں متردد ہو اور اس میں غالب امکان اندیشے کا ہو۔ ❻

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: غرر یہ ہے کہ جس کا انجام پردۂ جہالت میں ہو، ابن قیم کہتے ہیں: جو چیز مقدور التسلیم نہ ہو وہ غرر ہے، برابر ہے وہ موجود ہو یا معدوم ہو جیسے بھاگے ہوئے غلام کی بیع، بدکے ہوئے اونٹ کی بیع۔ ❼

ابن حزم کہتے ہیں: غرر یہ ہے کہ مشتری کو معلوم نہ ہو کہ اس نے کیا خریدا ہے یا بائع کو معلوم نہ ہو کہ اس نے کیا فروخت کیا ہے۔ ❽

خلاصہ..... بیع الغرر وہ ہوتی ہے جو معرض خطر میں ہو اور وہ خطرہ متعاقدین میں سے کسی ایک کو لاحق ہو، جو مال کے ضائع ہونے تک پہنچا تا ہو۔ ❾ استاذ زرقاء نے غرر کی یوں تعریف کی ہے: یہ ایسی احتمالی اشیاء کی بیع ہوتی ہے جن کا وجود متحقق نہ ہو چونکہ اس میں خطرہ مول لینا ہوتا ہے یا دھوکا دہی کا پہلو اس میں نمایاں ہوتا ہے جو کہ جوئے کے زیادہ مشابہ ہے، وہ غرر جو بیع کو باطل کر دیتا ہے وہ غرر الوجود ہے جس میں مبیع کے عدم اور وجود دونوں کا احتمال ہوتا ہے، رہی بات غرر الوصف کی سو وہ بیع کے لئے مفسد ہوتا ہے۔ ❿

جیسا کہ شرائط صحت میں ہمیں معلوم ہو چکا ہے۔

مذکور بالا تفصیل کے بعد یوں کہا جائے گا کہ غرر وہ خطرہ ہے جس کا وجود غیر متحقق ہوتا ہے۔ بسا اوقات پایا بھی جاتا ہے اور کبھی نہیں بھی پایا جاتا۔ اور بیع الغرر وہ ہوتی ہے جس کا وجود اور عدم معلوم نہ ہو یا جس کی قلت و کثرت کا علم نہ ہو، یا جس کی تسلیم پر قدرت نہ ہو۔

مختلف تعریفات پر ملاحظات..... ظاہریہ نے غرر کو مجہول شئے پر مقصور کر دیا ہے، بعض حنفیہ نے غرر کو ایسی چیز پر مقصور کر دیا ہے جس کا حصول غیر معلوم ہو، گویا بعض حنفیہ نے مجہول کو غرر سے نکال دیا ہے جبکہ اکثر فقہاء کے نزدیک غرر نا معلوم الحصول اور مجہول دونوں کو شامل ہے۔ ⓫ گویا امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف راجح ہے، وہ یہ ہے کہ جس کا انجام مستور ہو وہ غرر ہے۔

---

❶..... سبل السلام ۱۵/۳۔ ❷ المراجع السابق. القوانين الفقهية ص ۲۵۶۔ ❸ المبسوط ۱۲/ ۱۹۴: ❹ الفروق ۳/ ۲۶۵۔
❺ المهذب ۱/ ۲۶۲۔ ❻ نهاية السول شرح منهاج الاصول ۲/ ۸۹۔ ❼ اعلام الموقعين ۲/ ۹۔ ❽ المحلى ۸/ ۳۹۶۔ ❾ اصول البيوع الممنوعة ص ۱۳۰۔ ❿ المدخل الفقهى العام ۱ ص ۹۷۔ عقد البيع وحاشية ص ۲۰۔ ⓫ رسالة الغرر واثره فى العقود ص ۳۳۔

بیع الغرر کا حکم.......امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: بیع غرر کے متعلق نہی اصل الاصول ہے اس کے ذیل میں بے شمار مسائل آتے ہیں اور بیع الغرر سے دو چیزیں مستثنیٰ ہیں۔

۱......وہ چیز جو تبعاً بیع میں داخل ہو اس طور پر کہ اگر اسے جدا کر لیا جائے تو بیع صحیح نہ ہو جیسے عمارت کی بنیادیں اور جانور کی بیع میں تھنوں میں پڑے ہوئے دودھ کا تبعاً داخل ہونا۔

۲......جس چیز سے عادۃً چشم پوشی برت لی جاتی ہو یا تو اس کی حقارت کی وجہ سے یا اسے ممتاز کرنے میں مشقت ہوتی ہو جیسے اجرت کے ساتھ حمام میں داخل ہونا بمعہ زمانے میں لوگوں کے اختلاف کے، مستعمل پانی کی مقدار، محفوظ پانی کی باری، روئی کا بنا ہوا جبہ ❶ غرر کی وجہ سے غیر صحیح بیوع میں سے کچھ یہ ہیں۔ بیع المضامین وملاقیح، ❷ بیع ملامسہ، بیع منابذہ، بیع الحصاۃ، ایک بار جال پھینکنے کی بیع، ایک بار غوطہ زنی کی بیع۔ ❸ آخری پانچ اقسام میں مبیع کی ذات ہی مجہول ہوتی ہے یا مقدار مجہول ہوتی ہے، حالانکہ ان کی مخالفت ثابت ہے اور یہ زمانہ جاہلیت کی مشہور بیوع تھیں۔

غیر صحیح بیوع میں سے ایک بیع مزابنہ بھی ہے مزابنہ......درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کے بدلے اسے پھلوں کے ٹوٹے ہوئے دانوں کے فروخت کرنے کو کہا جاتا ہے یا بیلوں پر لگے ہوئے انگوروں کے بدلے میں کشمش کو فروخت کرنا بیع مزابنہ ہے۔

بیع محاقلہ......خوشوں میں پڑی ہوئی گندم کو اندازے کے ساتھ خوشوں سے نکلی ہوئی گندم کے بدلے میں فروخت کرنا محاقلہ ہے، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مزابنہ اور بیع محاقلہ سے منع فرمایا ہے۔ ❹ چونکہ ان بیوع کی صورت میں مبیع کی مقدار مجہول ہوتی ہے اور اس میں سود ہے۔ جبکہ سودی اموال میں برابری شرط ہے۔ البتہ شافعیہ حنابلہ، ظاہریہ اور مالکیہ نے راجح قول کے مطابق بیع عرایا کی رخصت دی ہے، ❺ عریہ شافعیہ کے نزدیک درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کو توڑی ہوئی کھجوروں کے بدلہ میں اندازہ سے فروخت کرنا یا کشمش کو تول کر درختوں کے ساتھ لگے ہوئے انگوروں کے بدلہ میں اندازے سے فروخت کرنا، ان فقہاء نے پانچ وسق سے کم کم میں بیع عریہ جائز ہے، ❻ مالکیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک شرط یہ ہے کہ جب مجلس عقد میں قبضہ کر لیا گیا ہو۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کے بدلہ میں پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے، شوکانی نے ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیع عریہ کی سبھی صورتوں کو ممنوع قرار دیا ہے، اور عریہ کو ہبہ سے تعبیر کیا ہے وہ یوں کہ باغ کا مالک کسی شخص کو باغ کے چند درخت ہبہ کر دے پھر اس شخص کے بار بار باغ میں آنے سے مالک کو تکلیف ہوتی ہو اور وہ اندازے سے اسے کھجوریں دے دے، اور پھر ان کھجوروں کے بقدر اندازے سے تر و تازہ کھجوروں سے انہیں خریدے، یعنی تر کھجوروں کا اندازہ کر لے اور اتری ہوئی کھجوریں تول کر دے۔ ❼

---

❶......المجموع ۹ ص ۲۸۰ نیل الاوطار ص ۱۴۸ قواعد الاحکام للعزبن عبدالسلام ۷۶/۲۔ ❷ ایام جاہلیت میں چند عجب دلچسپ قسم کی بیع تھیں جن میں سے بیع المضامین والملاقح بھی ہے۔ ملاقیح "ملقوح کی جمع ہے تولید کے اس مرحلہ کو کہا جاتا ہے جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اور مضمون" اس سے بھی پہلے مرحل کو کہا جاتا ہے جب حیوانی وجود مادہ منویہ کی صورت میں نر کی صلب میں رہتا ہے۔ یہ دونوں ہی بیع باطل ہیں۔ (قاموس الفقہ ج ۲/ ۳۶۰) ❸ ملامسہ لمس سے ہے بمعنی چھونا کہ جس کپڑے کو تم چھو لو وہ میں نے تمہیں فروخت کر دیا۔ منابذہ یعنی جس کپڑے کو تم پھینک دو یا جس کپڑے پر پتھر پھینک دو وہ میں نے تمہیں فروخت کر دیا۔ منابذہ نبذ سے ہے بمعنی پھینکنا۔ بیع الحصاۃ یعنی جس چیز پر تم کنڈی رکھو وہ میں نے تمہیں فروخت کر دی، ایک بار کا جال پھینکنا کہ ایک بار جال پھینکوں گا جو پھنسی وہ میں نے تمہیں فروخت کر دی۔ ❹ اخرجہ البخاری ومسلم عن حدیث جابر بن عبداللہ ابی سعید، الخدری واخرجہ البخاری من حدیث ابن عباس۔ ❺ شافعیہ کے نزدیک بیع عربیہ یہ ہے کہ توڑی ہوئی کھجوروں کو تول کر درختوں پر تازہ لگی ہوئی کھجوروں کے اندازہ کے ساتھ فروخت کرنا، اور حنفیہ کے نزدیک یہ فقراء کو دیا ہوا عطیہ ہے۔ ❻ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور یہ کل ملا کر ۶۵۳ کلو گرام بنتے ہیں۔ ❼ دیکھئے نیل الاوطار ۲۰۱/۵ مختصر الطحاوی ص ۷۸۔

ملاحظہ رہے کہ یہ غیر صحیح بیوع کا سبب غرر ہے ان میں سے کچھ باطل ہیں اور کچھ فاسد، اور کچھ فقط فاسد ہیں جیسے ایک بار کے مال پھینکنے کی بیع، ایک بار غوطہ لگانے کی کمائی، بیع مزابنہ، بیع محاقلہ، بیع ملامسہ، منابذہ، بیع الحصاۃ مختلف کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع اور وہ بیع جس میں جہالت ہو، اس کے علاوہ جو بھی بیع ہے وہ باطل ہے۔ ❶

ملاقیح ومضامین کی بیع، حمل کے حمل کی بیع باطل ہیں چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بیوع سے منع فرمایا ہے، اور ان بیوع میں غرر بھی ہے جیسا کہ بیع المعدوم میں گزر چکا ہے۔

فی الجملہ بیع الغرر کے غیر صحیح ہونے پر دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الحصاۃ اور بیع الغرر سے منع فرمایا ہے، چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی میں مچھلی کی خرید وفروخت مت کرو چونکہ اس میں غرر ہے۔ ❷ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ یہ غیر مقدور التسلیم ہوتی ہے اور اس میں فحش قسم کی جہالت ہے جو کہ محل عقد میں پائی جاتی ہے یا مبیع کی مقدار میں، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ محل عقد بائع کا مملوک نہیں ہوتا۔

غرر یسیر (تھوڑا یا بہت غرر)......غرر اور جہالت کی تین اقسام ہیں: ❸ جس میں غرر اور جہالت کثیر ہو اور بالاجماع ممتنع ہو جیسے ہوا میں اڑتے پرندوں کی بیع، جہالت قلیل ہو اور بیع جائز ہو جیسے گھر کی بنیادوں اور جبہ میں روئی کی مقدار کی جہالت۔ جہالت متوسط قسم کی ہو یہ قسم مختلف فیہ ہے کیا اسے قسم اول کے ساتھ ملحق کیا جائے یا قسم ثانی کے ساتھ، چنانچہ جہالت قلیل سے زیادہ ہوتی ہے اس لئے اسے کثیر کے ساتھ ملا دیا گیا ہے اور جہالت کثیر سے کمتر ہوتی ہے اس لئے اسے قلیل کے ساتھ ملا دیا گیا ہے، حنفیہ نے ایسی بیع کو جائز قرار دیا ہے جس میں غرر یسیر ہو، جیسے چھلکے میں پوشیدہ اشیاء مثلاً اخروٹ، بادام، ہرا لوبیا، چاول، تل، خوشوں میں پڑی گندم، خربوزہ، انار وغیرہ۔ البتہ مشتری کو خیار رؤیت حاصل ہوگا، اس کی تفصیل خیار کی بحث میں آیا چاہتی ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ نے مطلقاً ایسی چیز کی بیع کو جائز قرار دیا ہے جس میں غرر یسیر ہو یا غرر یسیر کی ضرورت پڑ گئی ہو جیسے مذکورہ اشیاء۔

شافعیہ نے مذکور بالا اشیاء کی بیع اندر کے چھلکے میں جائز قرار دی ہے جبکہ اوپر کے چھلکے کے ہوتے ہوئے بیع کے متعلق ان کی دو رائیں ہیں، امام نووی، امام بغوی اور شیرازی نے عدم صحت کو راجح قرار دیا ہے جبکہ امام الحرمین اور امام غزالی نے صحت کو راجح قرار دیا ہے، چونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ہرے لوبیے کو خریدنے کا حکم دیا تھا، نیز بھی شہروں میں یہ بیع عام متعارف ہے اور اس میں کسی کا انکار بھی نہیں۔ ❹

بیمہ کا حکم اور اسلام میں بیمہ کمپنیوں کا حکم (انشورنس)......بیمہ کا نظام جدید ہے، بیمہ حقیقی معنی میں چودھویں صدی میلادی میں اٹلی میں متعارف ہوا ہے، اس وقت بحری بیمہ کی صورت میں ظاہر ہوا تھا، بیمہ کی دو قسمیں ہیں:

۱......بیمہ تعاونی ۲......اور بیمہ بالقسط۔ ❺

بیمہ تعاونی......یہ ہے کہ چند آدمی مل کر اپنی بچت میں سے مشترک طور پر رقم جمع کرتے رہیں تا کہ ان میں سے اگر کسی کا کوئی نقصان ہو تو بطور عوض اسے دے دیں۔ عملی زندگی میں بیمہ کی اس قسم کا نفاذ بہت کم ہے۔

---

❶......بعض مؤلفین کو التباس ہو گیا ہے کہ انہوں نے حنفیہ کے نزدیک ہوا میں اڑتے پرندے کی بیع اور پانی میں تیرتی ہوئی مچھلی کی بیع کو فاسد قرار دیا ہے جبکہ وہ باطل ہیں چونکہ غیر مملوک شئے کی بیع ہے دیکھئے رد المحتار ۴/۱۱۱۔ ❷ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ ❸ دیکھئے الفروق ۳/۲۶۵۔ ❹ دیکھئے المبسوط ۱۲/۱۹۴ تبیین الحقائق ۴/۴۵، فتح القدیر ۵/۱۰۶ البدائع ۵/۱۴۷ بدایۃ المجتہد ۲/۱۵۱ القوانین الفقہیۃ ۲۵۶ الفروق للقرافی ۱/۱۵۰ المغنی ۴/۵۶ المہذب ۱/۲۶۳ وغیرہا۔ ❺ التامین فی القانون المصر المقابن للدکتور عبدالمنعم البدروی ص ۳۶۔

قسط وار بیمہ (کمرشل انشورنس)...... یہ ہے کہ کھاتہ دار مقررہ قسط بیمہ کمپنی میں جمع کراتا ہے۔ بیمہ کمپنی حصہ دار افراد کی بنائی ہوئی کمپنی ہوتی ہے۔ پھر جب مقررہ پالیسی کی ادائیگی مکمل ہوجاتی ہے تو کمپنی رقم واپس کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ بیمہ کی یہ قسم آج کل رائج ہے، کمپنی رقم یا تو کھاتہ دار کو دیتی ہے یا اس کے ورثہ کو دیتی ہے یہ عقد معاوضہ ہے جو طرفین کو لازم ہوتا ہے۔

انشورنس کی دونوں قسموں میں فرق......تعاون پر مبنی انشورنس کھاتہ داروں کی طرف سے کوئی مستقل حالت کی حامل نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے ارکان حصول نفع کی تگ ودو میں ہوتے ہیں۔ بلکہ ارکان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ خسارہ کم سے کم ہو، رہی بات قسط وار کمرشل انشورنس کی سو اس میں جمع شدہ رقم پر کمپنی کو دسترس حاصل ہوتی ہے اور کمپنی نے منافع کا ایک ہدف مقرر کیا ہوتا ہے جو کھاتے دار شرکاء کو ایک حساب سے ملتا ہے، اور بعض دفعہ کھاتا دار ایسی چیز نہیں لے سکتا جو عقود معاوضہ سے متعلق انشورنس سے خارج نہ ہو، چونکہ عقد احتمال کی طبع میں سے ہے کہ عاقدین میں سے کسی ایک کو بسا اوقات کوئی عوض حاصل نہ ہو۔

باہمی تعاون پر مبنی انشورنس کا حکم......اسلام میں تعاون پر مبنی انشورنس کے جواز میں کوئی شک نہیں یہ یہ عقد تبرع ہے اور نیکی واحسان کے قبیل میں سے ہے، چونکہ ہر شریک خوش دلی اور رضامندی سے پیش آنے والے خطرات کو کم سے کم کرنے کے لئے اپنا حصہ دیتا ہے، برابر ہے کہ انشورنس کی یہ صورت بیمۂ زندگی [1] کے متعلق ہو یا حوادث جسمانیہ کے متعلق ہو یا اشیاء کے متعلق ہو جو آگ، چوری یا موت سے معرض نقصان میں چلی جائیں یا سفر کے حوادث کی ذمہ داری کے متعلق ہو یا کاروبار کے حوادث کے متعلق ہو۔ [2] باہمی تعاون پر مبنی انشورنس گاڑیوں میں بھی ہوسکتی ہے اور اجتماعی طور پر بھی ایسی انشورنس جائز ہے جیسے بڑھاپے میں، حالت مرض میں اور بے روزگاری کی حالت میں دی ہوئی رقم جو اس انشورنس نظام سے منہا ہوتی ہو۔

کمرشل انشورنس: ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ......ابن عابدین نے بحری انشورنس کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے، [3] چنانچہ سمندری نقل وحمل جو کشتیوں کے ذریعہ ہوتی ہے میں ضائع ہوجانے والے سامان کا ضمان لینا جائز نہیں، اور ضائع ہونے والے مال کا بدل تاجر کے لئے لینا حلال نہیں اس کے تین اسباب ہیں۔

۱......چونکہ اس عقد میں ایسی چیز کا التزام کیا جاتا ہے جو فی الواقع لازم نہیں ہوتی چونکہ یہاں ضمان کے اسباب اربعہ جو شریعت نے مقرر کر رکھے ہیں میں سے کوئی سبب نہیں پایا جاتا، وہ چار اسباب یہ ہیں: قتل کی صورت میں، ظلم وزیادتی، دیوار وغیرہ کا گرنا یا آگ لگا دینا وغیرہ۔ سبب اتلاف جیسے شارع عام میں کنواں کھود دینا، غیر معتمد ہاتھ کا ہونا جیسے نقب، چوری وغیرہ، اور کفالت، انشورنس میں کمپنی کی طرف سے ظلم وزیادتی ہوتی ہے (ہمارے زمانہ میں زیادتی تیسرے شخص کی طرف سے ہوتی ہے اور کمپنی نقصان برداشت کرتی ہے) نہ ہی کمپنی تلف کا سبب بنتی ہے، چوری اور غصب وغیرہ میں کمپنی کا ہاتھ نہیں ہوتا، اور انشورنس میں کوئی معین مکفول نہیں ہوتا۔

۲......انشورنس ودیعت (امانت) کے ضمان میں سے بھی نہیں جبکہ ودیعت کے ضائع ہونے پر جرمانہ لیا جائے، چونکہ مال صاحب بیمہ کے پاس نہیں ہوتا، بلکہ مال تو کشتی بان کے پاس ہوتا ہے، اگر کشتی بان ہی صاحب بیمہ ہو تو پھر وہ اجیر مشترک ہے، امین نہیں، اجیر مشترک اور امین پر ایسی صورت میں ضمان نہیں ہوتا جس سے احتراز ناممکن ہو جیسے موت، غرق، آگ کا لگ جانا وغیرہ۔

۳......انشورنس کو ضمان غرر میں سے بھی نہیں قرار دیا جاسکتا چونکہ دھوکا دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ معرض خطر کو جانتا ہو اور دھوکا کھانے والا (مغرور) معرض خطر سے ناواقف ہو جبکہ بیمہ کمپنی تاجروں کو دھوکا دینے کا قصد نہیں کرتی اور نہ ہی اسے معرض خطر کا علم ہوتا ہے مثلاً

---

[1]......یعنی جو شریک مرگیا اس کے ورثاء کو جمع شدہ رقم میں سے سب شرکاء مل کر اتنے فیصد رقم دیں گے مثلاً۔ [2] دیکھئے الغرر واثرہ فی العقود للدکتور الصدیق محمد امین الضریر ص ۵۲۱۔ [3] ردالمحتار ۲۷۳/۳۔

کمپنی کو کیا پتہ کہ کمپنی ڈوب جائے گی یا نہیں؟

البتہ اگر کمپنی یا تاجر کو خطرات کا علم ہو مثلاً چور یا قزاق کا علم ہو تو اس صورت میں ضمان جائز ہوگا، لیکن اس صورت پر انشورنس کا انطباق نہیں ہوتا چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص سے کہا اس راستے پر جاؤ اگر کوئی خوف لاحق ہو اور تمہارا مال چھین لیا گیا تو میں ضامن ہوں گا، اگر مال لوٹا گیا تو وہ ضامن ہوگا۔

ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ اگر انشورنس کا عقد فاسد دار حرب (دشمن کے شہر) میں کھاتہ دار اور غیر مسلم حربی شریک کے ساتھ ہو، دار حرب میں موجو کھاتہ دار تاجر اور کمپنی کے درمیان ہو اور پہلی صورت میں ضائع ہونے والے مال کا بدل لے لیا اور مسلمان تاجر کو بھیج دیا یا دوسری صورت میں تاجر نے ہمارے ملک میں بدل لیا تو بظاہر تاجر کا لیا ہوا مال حلال ہے چونکہ دار حرب میں عقد فاسد ہوا ہے اور اہل دار حرب کی رضامندی سے مال تاجر تک پہنچا ہے۔ اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ اگر عقد ہمارے ملک میں ہو اور مال پر قبضہ دار حرب میں ہو تو بدل کا لینا حلال نہیں، اگر چہ اس میں حربی راضی ہی کیوں نہ ہو۔ چونکہ اس کی بنیاد عقد فاسد پر ہے جو دار الاسلام میں صادر ہوا ہے۔

انشورنس مضاربت نہیں...... انشورنس کو شرکت مضاربت کے قبیل میں سے بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مضاربت میں مال ایک طرف سے ہوتا ہے اور کام دوسری طرف سے۔ دو وجوہ کی بنیاد پر ہم انشورنس کو مضاربت قرار نہیں دے سکتے۔

اول...... سالانہ قسطیں جو کھاتہ دار کمپنی میں جمع کراتا ہے تو انشورنس کمپنی کی ملک میں داخل ہو جاتی ہیں، ان قسطوں سے جمع شدہ رقم کے متعلق کمپنی کو مکمل دسترس حاصل ہوتی ہے کہ وہ ان میں جیسے چاہیں تصرف کریں اگر کوئی حادثہ نہ پیش آئے تو کھاتہ دار کا خسارہ ہوتا ہے۔

دوم...... مضاربت صحیح ہونے کی یہ بھی ایک شرط ہے کہ منافع پیسہ لگانے والے مالک اور کاروبار کرنے والے کے درمیان طے شدہ تناسب سے تقسیم ہونا چاہئے مثلاً نصف نصف ہو یا ایک تہائی ہو یا چوتھائی ہو۔ لیکن انشورنس میں کھاتہ دار کے لئے منافع کی مخصوص شرح مقرر ہوتی ہے جو ۳ فیصد یا ۴ فیصد یا اس سے زیادہ ہوتی ہے یہ بہر صورت کھاتہ دار کو ملتی رہتی ہے۔ گویا یہ مضاربت بھی صحیح نہیں۔ اگر عاقد اس سبب کو تجاوز کر جائے اور سبب اول ہو جیسے کھاتہ دار کی موت کی صورت میں انشورڈ رقم مطلق ورثہ کو نہیں ملتی وہ تو استفادہ کرنے والے کو ملتی ہے جبکہ مضاربت میں اگر رب المال (مالک) مر جائے تو رأس المال اور منافع رب المال کو ملتا ہے۔

انشورنس ضمان یا کفالت بھی نہیں...... چونکہ ضمان کے چار اسباب ہیں انشورنس ان میں سے کوئی سبب نہیں، انشورنس کی بہت ساری ایسی صورتیں ہیں جن میں مکفول کا اعتبار ممکن نہیں ہوتا، اگر مکفول پایا بھی جائے جیسے گاڑیوں وغیرہ کے حوادث کی صورت میں تو بھی مکفول مجہول ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انشورنس عقد غرر ہے، اور یہ ایسا احتمالی عقد ہے جس میں معقود علیہ عدم وجود کے مترادف ہوتا ہے، جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے، اس پر مالی معاوضات کو قیاس کیا گیا ہے۔ لہٰذا غرر جس طرح عقد بیع میں اثر کرتا ہے اسی طرح مالی معاوضات میں بھی اثر کرتا ہے۔

انشورنس کمپنیوں کے ساتھ عقد بیمہ معاوضات مالیہ میں سے ہے، لہٰذا اس میں غرر کو تاثیر ہوگی جس طرح بقیہ مالی معاوضات کے عقود میں غرر کو تاثیر ہوتی ہے۔ چنانچہ ماہرین شریعت نے انشورنس کو ''عقود الغرر'' کے ذیل میں ذکر کیا ہے، چونکہ انشورنس کا انعقاد مستقبل میں پیش آنے والے حادثہ پر ہوتا ہے جو کہ محقق الوقوع نہیں ہوتا یا اس کا وقوع غیر معروف ہوتا ہے، لہٰذا غرر عقد انشورنس کو لازم ہونے والا عنصر ہے۔

انشورنس میں غرر کا وجود بکثرت واقع ہوتا ہے، غرر یسیر نہیں بلکہ کثیر ہے اور نہ ہی غرر متوسط ہے چونکہ انشورنس کا رکن ''پیش آمدہ

خطرات ہیں، جبکہ خطرات کا احتمال ہی ہوتا ہے اور یہ عاقدین کے ارادہ پر موقوف نہیں ہوتے۔ ❶

البتہ وہ حاجت جس کی وجہ سے غرر پر مشتمل عقد جائز ہو جاتا ہے اگر چہ غرر کثیر ہی کیوں نہ ہو اس پر شرط ہے کہ حاجت یا تو عامہ ہو یا کسی گروہ کے ساتھ خاصہ ہو یا متعین ہو۔ حاجت سے مراد ایسی حالت ہے کہ جس میں انسان اگر ممنوع کا ارتکاب نہ کرے تو نہایت مشقت اور تنگی میں پڑ جائے البتہ ہلاک نہ ہو۔ ❷

حاجت عامہ......اس سے مراد وہ حاجت ہے جس میں احتیاج (محتاجی) سبھی لوگوں کو ہو۔

حاجت خاصہ......اس سے مراد وہ حاجت ہے جس کی محتاجی لوگوں کے کسی گروہ کے ساتھ خاص ہو جیسے کسی ایک شہر کے رہنے والے لوگ یا ایک پیشہ سے تعلق رکھنے والے لوگ۔

حاجت متعینہ......سے مراد یہ ہے کہ غرض تک رسائی حاصل کرنے کے سبھی مشروع راستے مسدود ہو جائیں البتہ صرف یہی ایک راستہ عقد ہو جس میں غرر ہو۔

اگر ہم یہ مان لیں کہ عصر حاضر میں انشورنس کے لیے حاجت عامہ کی راہ اختیار کی گئی ہے تو پھر اس کی حاجت غیر متعین ہے، چونکہ اس کے ذریعے حاصل ہونے والے ہدف کو تعاون پر مبنی انشورنس سے بھی تو حاصل کیا جا سکتا ہے اور اس سے نفع حاصل کرنے کا وہ واسطہ بھی لغو ہو جاتا ہے جسے شرکت ضمان سے تعبیر کیا جاتا ہے، گویا تعاون پر مبنی انشورنس کو چھوڑ کر کمرشل انشورنس کو اختیار کرنا ایسا عقد معاوضہ ہے جو غرر کثیر پر مشتمل ہے اور اس کی کوئی حاجت بھی نہیں ہوئی لہٰذا اسلام میں یہ انشورنس ممنوع ہوگی۔

مذکور بالا تفصیل سے یہ حکم بھی پوری شفافیت کے ساتھ آشکارہ ہو جاتا ہے کہ تاجر اور انشورنس میں حصہ لینے والوں کے لئے ضائع ہونے والے مال کے بدلہ میں ضمان لینا حلال نہیں۔ چونکہ یہ ایسا مال ہوتا ہے جو فی الواقع لازم نہیں ہوتا دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ امین (امانت رکھنے والے) پر ضمان کی شرط لگانا امر باطل ہے۔

انشورنس اور انشورنس کا واپس کرنا:

عقد انشورنس کی تعریف......مصری قانون م ۷۴۷ اور سعودیہ کے قانون م ۱۳ وغیرہ میں یہ تعریف کی گئی ہے کہ انشورنس ایسا عقد ہے جس میں بیمہ کمپنی اپنے مقتضا (من مانی) کا التزام کرتی ہے کہ کمپنی حصہ دار یا پالیسی ہولڈر جس کے لئے انشورنس کی شرط لگائی گئی ہو کہ ایک مقدار تک مال ادا کرے گی یا طے شدہ انکم (آمدنی) دے گی یا کسی بھی قسم کا مالی معاوضہ دے گی، جو حادثہ پیش آنے کی صورت میں کمپنی دے یا عقد میں بیان کردہ خطرات کے پیش آنے پر دے، یہ مالی معاوضہ قسط وار ادائیگی کے مقابلہ میں ہوتا ہے یا یہ معاوضہ کسی بھی صورت میں کمپنی کھاتہ دار کو دے گی۔

(انشورنس عصر حاضر کی ایسی اصطلاح ہے جس سے ہر کس و ناکس واقف ہے یہ ایسا عقد ہے جس میں کھاتہ دار طے شدہ سالانہ قسط جمع کرتا ہے تاکہ پیش آمدہ حادثات وخطرات میں کمپنی اسے معاوضہ دے۔)

اس تعریف سے کمرشل انشورنس کی بھی ایک گونا وضاحت ہو جاتی ہے، کمرشل انشورنس، بیمہ کمپنی اور پالیسی ہولڈر (کھاتہ دار) کے درمیان طے پاتی ہے، کھاتہ دار کو ایک اسکیم پر معاہدہ کرنا ہوتا ہے اور پھر قسطیں جمع کرانی ہوتی ہیں پھر خطرات وحوادث پیش آنے کی صورت میں کمپنی نقصان کی تلافی کرتی ہے۔ انشورنس کی یہ قسم عقود احتمالیہ اور عقود معاوضہ مالیہ میں سے ہے، کمپنی کی طرف سے دیا گیا معاوضہ تبرع نہیں ہوتا۔

---

❶......انظر الغرر واثرہ فی العقود للدکتور الصدیق محمد امین الضریر ص ۶۵۲۔ ❷الاشباہ والنظائر للسیوطی ص ۷۷۔

اس تعریف سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ انشورنس عقود غرر میں سے ہے چونکہ بوقت عقد عاقدین (کھاتہ دار یا بیمہ دار اور کمپنی) میں سے کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کتنا مال دے گا یا کتنا مال لے گا چنانچہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیمہ دار صرف ایک ہی قسط جمع کر پاتا ہے کہ حادثہ پیش آ جاتا ہے یا پوری قسطیں جمع کروا دیتا ہے اور حادثہ پیش نہیں آتا۔

اسی طرح انشورنس باہمی رضامندی سے طے ہونے والے عقود میں سے ہے یہ عقد طرفین کو لازم ہوتا ہے، یہ عقود مدت میں سے ہے، لہٰذا اتنے عرصے کا ہونا ضروری ہے تاکہ طرفین کے معاہدے نافذ ہو جائیں یہ عقود اذعان میں سے ہے چونکہ بیمہ دار کو شرائط اور قیودات کی پابندی کرنی ہوتی ہے جو کہ کمپنی کی طرف سے عائد کردہ ہوتی ہیں۔

تامین (انشورنس) کی اقسام......انشورنس کی دو قسمیں ہیں۔

تامین تعاونی (Mutual insurance)......اس کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں کی ایک جماعت آپس میں شریک ہو لیتی ہے جو طے شدہ فنڈ جمع کر لیتی ہے اور پھر جس شخص کا کوئی نقصان ہو تلافی کے لئے جمع شدہ رقوم میں سے اسے فنڈ دے دیا جاتا ہے۔

(۲) التامین التجاری، کمرشل انشورنس (Commercial insurance)......اس کا حاصل یہ ہے کہ جب تأمین یا انشورنس کا لفظ بولا جاتا ہے تو یہی قسم مراد لی جاتی ہے، چنانچہ بیمہ دار کو اس صورت میں کمپنی کو مقررہ قسط ادا کرنی پڑتی ہے اور یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ نقصان کی صورت میں کمپنی بیمہ دار کے نقصان کی تلافی کرے گی، چنانچہ اگر کوئی حادثہ نہ پیش آئے تو بیمہ دار کی ادا کردہ اقساط ناقابل واپسی ہوتی ہیں بلکہ کمپنی ان اقساط پر اپنا حق جتلا کر براجمان ہو جاتی ہے۔ کمرشل انشورنس کی درج ذیل اقسام ہیں۔

ا: **تأمین الأضرار**......اس کا حاصل یہ ہے کہ انشورنس کی یہ صورت خطرات کو شامل ہے جو بیمہ دار کی ذمہ داری میں مؤثر ہوتے ہیں تاکہ اس کے ہونے والے نقصان کی تلافی ہو سکے، اس کی دو قسمیں ہیں۔

تامین المسؤلیۃ (تھرڈ پارٹی انشورنس Third party insurance)......جس کا حاصل یہ ہے کہ بیمہ دار پر مستقبل میں کوئی بھی ذمہ داری عائد ہو سکتی ہے اس ذمہ داری سے نمٹنے کے لئے انشورنس کرائی جاتی ہے جیسے سڑک کے حادثات اور کاروبار کے حادثات میں ہونے والے نقصان کی تلافی کمپنی کرتی ہے۔

تامین الاشیاء (سازوسامان کا بیمہ Goods insurance)......تلافی نقصان کے لئے بیمہ دار کو دیا جانے والا معاوضہ ہوتا ہے جو کہ نقصان کی وجہ سے دیا جاتا ہے مثلاً سامان چوری ہو جائے یا جل جائے یا سیلاب میں بہہ جائے یا آفات سے کھیتی تباہ ہو جائے۔

۲: **تأمین الحیاۃ یا بیمہ زندگی (Life insurance)**......اس کا مطلب یہ ہے کہ کمپنی بیمہ دار کے ساتھ معاہدہ کرتی ہے کہ اگر مقررہ مدت کے اندر اندر بیمہ دار کا انتقال ہو گیا تو انشورنس کمپنی طے شدہ رقم اس کے ورثاء کو ادا کرے گی یا بڑھاپے میں اسے دے گی یا کوئی بیماری لاحق ہوئی تو رقم بیمہ دار کو دے گی۔

جسمانی حوادث پیش آنے کی صورت میں بھی بیمہ کروالیا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کمپنی بیمہ دار کیساتھ معاہدہ کر لیتی ہے کہ اگر اسے کوئی جسمانی حادثہ پیش آ گیا تو کمپنی اسے طے شدہ رقم ادا کرے گی۔ یا بیمہ دار مر جائے تو اس کے ورثاء کو دے گی۔

عموم وخصوص کے اعتبار سے انشورنس کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ **بیمہ شخصی: تامین خاص یا تامین فردی**......بیمہ کی یہ قسم معین خطرات میں صرف بیمہ دار کی شخصیت کے ساتھ خاص ہوتی ہے۔

۲۔ اجتماعی انشورنس یا تامین عام (Grope insurance)...... یہ قسم چند افراد کے مجموعہ پر مشتمل ہوتی ہے یہ افراد کسی کاروبار میں شریک ہوتے ہیں اور انہیں نقصان کی صورت میں تلافی کی سہولت میسر ہو جاتی ہے جیسے بیماری، بڑھاپا، بے روزگاری وغیرہ، انشورنس کی یہ صورت غالب احوال میں جبری ہوتی ہے، سرکاری سطح میں ہونے والی انشورنس اسی قبیل میں سے ہے۔

تأمین (انشورنس) کے متعلق فقہ اسلامی کا موقف...... تعاون پر مبنی انشورنس کے جواز میں فقہائے مسلمین کے ہاں کوئی شک نہیں چونکہ یہ ایک قسم کا تبرع ہے، اور شرعی طور پر نیکی اور بھلائی میں ایک دوسرے سے تعاون کرنے کی قبیل میں سے ہے، چونکہ ہر حصہ دار دلی رضامندی سے فنڈ جمع کرتا ہے، تا کہ پیش آمدہ خطرات اور حوادث سے نبرد آزما ہو سکے، تأمین کی یہ صورت خواہ زندگی کے متعلق ہو یا جسمانی حوادث کے متعلق ہو یا ساز وسامان کے متعلق ہو، یا سفر میں پیش آمدہ ذمہ داریوں کے متعلق ہو یا کاروبار کے حادثات کے متعلق ہو جائز ہے چونکہ انشورنس کی اس قسم میں نفع کمانا مقصود نہیں ہوتا۔ تعاون پر مبنی انشورنس کی بنیاد پر سوڈان میں تعارفی انشورنس کی بہت ساری کمپنیاں وجود میں آئی ہیں جو اپنے مقاصد میں بڑی سرعت سے کامیاب ہو رہی ہے۔ اسی طرح جبری انشورنس جو سرکاری ملازمین پر حکومت لازم کر دیتی ہے وہ بھی جائز ہے چونکہ یہ حکومت کو ٹیکس دینے کے معنی میں ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے گاڑیوں پر لاگو کی گئی انشورنس ہوتی ہے۔

اجتماعی انشورنس (گروپ انشورنس) کے جواز میں کوئی مانع نہیں چونکہ یہ انشورنس پیش آنے والے کڑے حالات بے روزگاری بڑھاپا، بیماری، ریٹائرمنٹ وغیرہ میں ایک تعاون ہے، چونکہ حکومت ایسے حالات کے پیش آنے میں اپنی رعایا کی جواب دہ ہوتی ہے، نیز انشورنس کی اس قسم میں سود، غرر اور جوئے کا شائبہ نہیں ہوتا۔

چنانچہ قاہرہ میں منعقد ہونے والی دوسری کانفرنس منعقدہ ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں علمائے مسلمین نے اور علمائے مسلمین کی ساتویں کانفرنس منعقدہ ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء نے تامین اجتماعی (گروپ انشورنس) اور تعاون پر مبنی انشورنس کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء میں مکہ مکرمہ میں مجمع الفقہ الاسلامی نے اسی جواز کی قرارداد کو پاس کیا ہے۔

رہی بات تأمین تجاری (کمرشل انشورنس) کی تو یہ شرعاً جائز نہیں ہے، عصر حاضر کے اکثر فقہاء کی یہی رائے ہے، چنانچہ مکہ مکرمہ میں ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء میں منعقد ہونے والی ”المؤتمر العالمی الاولٰی للاقتصاد الاسلامی“ نے یہی قرارداد منظور کی تھی، اس کے ناجائز ہونے کا سبب دو امور میں منحصر ہے۔

۱.....سود۔ ۲.....غرر

۱۔ سود...... کمرشل انشورنس میں سود کے ہونے سے کسی کو انکار نہیں چونکہ انشورنس معاوضہ ایسے سر چشمہ کی پیداوار ہے جو قطعی طور پر مشکوک ہے چونکہ انشورنس کمپنیاں اپنے اموال کو سود میں لگا دیتی ہیں اور پھر پالیسی ہولڈر کو حاصل شدہ منافع کا حصہ دیتی ہیں جبکہ اسلام میں سود قطعی طور پر حرام ہے۔

اور جو لوگ کمرشل انشورنس کے جواز کے قائل ہیں وہ انشورنس کمپنیوں کے سودی معاملات سے کمائے ہوئے نفع کی طرف چنداں نظر نہیں کرتے۔ جبکہ دونوں عاقدین کھاتہ دار اور کمپنی کے درمیان سود کا ہونا واضح ہے چونکہ قسطوں سے جمع کی ہوئی رقم اور عوض میں ملنے والی رقم یکساں نہیں ہوتی، چنانچہ کمپنی کی دی ہوئی رقم جمع کردہ اقساط سے کم ہو یا زیادہ یا ان کے برابر ہو ایسا ہونا نادر الوقوع ہے۔

یہ طے شدہ ہے کہ کمپنی کی طرف سے ادائیگی اقساط جمع کرنے کے بعد ہوتی ہے چنانچہ معاوضہ میں دی ہوئی رقم اگر جمع کردہ اقساط سے زیادہ ہو تو لامحالہ زائد رقم سود ہے اور ربا نسیئہ ہے، اگر ادا کی ہوئی رقم اقساط کے مساوی ہو تو اس میں ربا نسیئہ ہے اور یہ دونوں حرام ہیں۔

شبہ...... اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کمرشل انشورنس تو جبر نقصان کے باہمی تعاون، حوادثات اور مصائب سے نبرد آزما ہونے کی بنیاد پر

قائم ہے، اور اس اساس میں ربا یا شبہۃ الربا نہیں ہوتا۔

جواب.....کھاتہ دار بسا اوقات تو صرف سودی کمائی کا ارادہ کرتا ہے اور انشورنس کے معاوضہ میں ربا باقی رہتا ہے چونکہ معاملات ربویہ (سودی معاملات) میں فوائد کا حاصل کرنا ہی سود ہے۔ (بلکہ لوگوں کو تو یہی جھانسہ دیا جاتا ہے کہ قسط وار ایک لاکھ جمع کرو تمہیں تین لاکھ ملیں گے۔)

۲۔غرر.....غرر کا ایک معنی دھوکا ہے البتہ انشورنس کا معاملہ عاقدین میں طے شدہ شرائط کے تحت منعقد ہوتا ہے لہٰذا دھوکہ کا معنی مراد نہیں ہوسکتا۔ دوسرا معنی ''خطر'' ہے خطر سے مراد ہے کہ فریقین میں سے کسی کے لئے نفع ایسی شرط پر موقوف کردیا جائے جس کا ہونا اور نہ ہونا غیر یقینی ہو، یہی معنی یہاں مراد ہے۔ چنانچہ انشورنس میں غرر کا معنی واضح ہے چونکہ عقد انشورنس میں معقود علیہ احتمالی ہوتا ہے جو کہ عدم اور وجود میں متردد ہوتا ہے، چنانچہ صحیح حدیث جس کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے کہ ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے۔ ❶ معاوضات مالیہ کو بیع پر قیاس کیا گیا ہے، لہٰذا معاوضات مالیہ میں غرر اثر کرے گا جیسے عقد بیع میں اثر کرتا ہے۔''

چنانچہ کمپنیوں کے ساتھ انشورنس کا معاملہ معاوضات مالیہ میں سے ہے، عقود تبرع میں سے نہیں ہے، ماہرین قانون نے انشورنس کو عقود غرر کے عنوان کے ذیل میں رکھا ہے۔ چونکہ معاوضہ انشورنس کا تحقق مستقبل میں پیش آنے والے غیر متحقق حادثہ پر موقوف ہوتا ہے یا ایسے حادثہ پر موقوف ہوتا ہے جس کا وقوع معروف نہیں ہوتا، گویا غرر ایسا عنصر ہے جو عقد تأمین (انشورنس) کو لازم ہے۔

فی الواقع انشورنس میں غرر کثیر الوقوع ہے، غرر یسیر نہیں اور نہ ہی متوسط ہے۔ چونکہ انشورنس کا اہم رکن خطرات کا پیش آنا ہے، کھاتہ دار کو بوقت عقد معلوم نہیں ہوتا کہ اسے کتنی مقدار میں مال دیا جائے گا چنانچہ بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ کھاتہ دار صرف ایک ہی قسط جمع کرپاتا ہے کہ اسے کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے اور وہ کمپنی کے طے شدہ معاہدہ کے مطابق رقم کا مستحق ہوجاتا ہے بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ساری اقساط جمع کردیتا ہے لیکن حادثہ پیش نہیں آتا اور یوں کھاتہ دار کچھ بھی حاصل نہیں کرپاتا۔

یہی حال کمپنی کا ہے عقد کے وقت یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کمپنی کتنی مقدار میں قسط وار رقم لے گی یا وہ معاوضہ میں کتنی رقم دے گی اگرچہ ایک بڑی حد جو کھاتے داروں کو ملنی متوقع ہو معلوم کرلی جائے اور تعداد وشمار کے باریک قواعد ہی سے مدد لی جائے اور اس کام کے لئے کیلکولیٹر اور کمپیوٹر ہی کیوں نہ استعمال کیا جائے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ بیمہ کمپنی حساب کتاب میں نہایت باریک بینی اور عرق ریزی سے کام لیتی ہے جس سے احتمال غرر اور غبن وغیرہ کا انتفاء ہوجاتا ہے، چنانچہ اس سے انشورنس مباح نہیں ہوجاتی چونکہ صرف کمپنی کے اعتبار سے غرر کے منتفی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ عقد انشورنس سے ہی غرر منتفی ہوجاتا ہے، جبکہ ضروری ہے کہ کھاتہ دار (پالیسی ہولڈر) کے اعتبار سے بھی غرر منتفی ہو۔ چنانچہ فقہ اسلامی کی نظر بیمہ کمپنیوں کے طے شدہ جملہ عقود کی طرف نہیں ہوتی بلکہ فقہ اسلامی کی نظر عقد کے حکم پر ہوتی ہے کہ آیا عقد صحیح ہے یا فاسد؟

اور یہ کہنا کہ کھاتہ دار کے اعتبار سے غرر اور احتمال نہیں ہوتا چونکہ انشورنس کا محل عقدِ امان ہوتا ہے جو کہ خطر پر موقوف نہیں ہوتا حالانکہ امان پہلی ہی قسط جمع کرانے سے حاصل ہوجاتا ہے۔ یہ کہنا صراحۃ باطل ہے۔

چونکہ امان عقد انشورنس کا باعث ہے امان محل عقد نہیں، بلکہ محل عقد تو وہ چیز ہے جو عاقدین میں سے ہر کوئی دوسرے کو دیتا ہے یا ان میں سے کوئی ایک دیتا ہے، اگر ہم کہیں کہ امان محل عقد ہے تو انشورنس کا عقد سرے سے ہی باطل ٹھہرے گا، چونکہ محل کے لئے لازمی ہے کہ وہ ممکن ہو محال نہ ہو، جبکہ امان ایسی چیز ہے جس کا التزام اور معاہدہ محال ہے۔

---

❶.....رواه مسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجه عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه.

عقد معاوضہ کے محل پر جیسا کہ وہ احادیث دلالت کرتی ہیں جن میں پھلوں کی بیع سے منع کیا گیا ہے یہاں تک کہ پھلوں میں کھانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور کسی بھی قسم کی آفت سے امن حاصل ہو جائے، چنانچہ عقد کے طے کرتے وقت پھلوں کا موجود ہونا واجب ہے اور ایسی حالت میں پھلوں کا ہونا واجب ہے کہ ان سے نفع اٹھانا ممکن ہو اگر پھل اس حالت میں نہ ہوئے یا معدوم ہوئے اگرچہ پھلوں کا وجود مستقبل میں ممکن ہو تو بھی شرعاً ان کا عقد جائز نہیں ہوگا جبکہ انشورنس کا محل وجود کے اعتبار سے احتمالی ہے چونکہ انشورنس میں محل عقد وہ چیز ہوتی ہے جو عاقدین کو دینی پڑتی ہے یا وہ عوض ہوتا ہے جو صرف ایک عاقد دیتا ہے جیسے حادثہ پیش آنے کی صورت میں یا موت واقع ہونے کی صورت میں صرف کمپنی ہی کو عوض دینا پڑتا ہے۔

غرر پر مشتمل عقد جو کہ بوقت حاجت جائز ہو جاتا ہے اگرچہ غرر کثیر ہو اس میں یہ شرط ہوتی ہے کہ حاجت عامہ ہو یا کسی معین گروپ کے ساتھ خاص ہو یا حاجت متعین ہو۔ حاجت عامہ وہ ہوتی ہے جس کا احتیاج سبھی لوگوں کو ہو، حاجت خاصہ وہ ہے جس کا احتیاج کسی گروپ کے ساتھ خاص ہو جیسے کسی ایک شہر یا قصبہ کے رہنے والے یا ایک پیشہ کے لوگ، حاجت متعینہ کا حاصل یہ ہے کہ غرض اور مقصود کو حاصل کرنے کے تمام مشروع ذرائع مسدود ہوں اور صرف اسی عقد کا راستہ جو پٹ کھلا ہو جس میں غرر ہو۔

اگر عصر حاضر میں انشورنس کی حاجت کو تسلیم بھی کیا جائے تو اس کی حاجت غیر متعین ہے چونکہ جو مقصد انشورنس کا عام طور پر پیش کیا جاتا ہے وہ تعاون پر مبنی انشورنس سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا انشورنس ایسا عقد ہے جو غرر کثیر پر مشتمل ہے اور اسلام میں اس کی حاجت متعین بھی نہیں لہٰذا انشورنس ممنوع ہے۔

بالغرض اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ حاجت متعین ہے تو انشورنس اتنی ہی مقدار میں جائز ہوگی جس سے حاجت پوری ہو جائے چونکہ شرعی قاعدہ ہے کہ حاجت کو بقدر ضرورت ہی اختیار کیا جاتا ہے۔ ❶

انشورنس کے فاسد ہونے پر جو اور دلائل بھی ہیں من جملہ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ غرر جو عقد کو فاسد کر دیتا ہے اس میں یہ شرط ہے کہ معقود علیہ اصالۃً ہو اور یہ چیز کمرشل انشورنس میں متحقق ہوتی ہے۔

جہالت...... عقد انشورنس کے متعلق یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ غرر پر مشتمل ہوتا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عقد انشورنس جہالت پر بھی مشتمل ہوتا ہے، انشورنس میں بدلین میں جہالت واضح ہے چنانچہ کمپنی اور کھاتہ دار کی دی ہوئی رقم میں جہالت ہوتی ہے چونکہ یہ کثرت اور قلت کے قابل ہوتی ہے بلکہ کمپنی کا دیا ہوا معاوضہ جو نقصان یا ضیاع کے بدلے میں دیا جاتا ہے اس کا وجود معرض خطر میں ہوتا ہے اور جو عقد معرض خطر میں ہو کبھی اس کا وقوع ہوتا ہے اور کبھی وقوع نہیں ہوتا، یہ امر جہالت کو فاحشہ بنا دیتا ہے جو عقد کو باطل کر دیتی ہے۔

جب عقد انشورنس غرر اور جہالت پر مشتمل ہے تو شرعاً ممنوع ہوا، اس بات کا اعتبار نہیں ہوگا کہ مدت پوری ہونے پر ہر قسط معلوم ہوتی ہے لہٰذا یہ صحیح ہو، لیکن اقساط کی کمیت میں جہالت ہوتی ہے، اسی طرح کھاتہ دار کی وفات یا کسی حادثہ کے پیش آنے پر کمپنی معاوضہ دینے پر راضی ہوتی ہے تو کمپنی کی رضامندی سے یہ لازمی نہیں کہ حرام چیز حلال ہو جائے جیسے رضامندی سے جوا یا زنا حلال نہیں ہوتا، اسی طرح کمپنی کی رضامندی سے انشورنس حلال نہیں ہو جاتی، پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ اقساط برابر ہوں بلکہ کبھی اقساط میں کمی ہو جاتی ہے اور کبھی بیشی۔

جہالت فاحشہ سے عقد باطل ہو جاتا ہے اگرچہ یہ جہالت مفضی الی النزاع نہ بھی ہو، رہی بات جہالت یسیرہ کی جو مفضی الی النزاع ہو وہ معاف ہوتی ہے، جبکہ فقہاء نے جہالت کی جو صورتیں بیان کی ہیں انشورنس میں ان میں سے نہایت فاحش قسم کی جہالت پائی جاتی ہے جو مفضی

---

❶..... جیسے بھوکا جو بے چینی کے حد کو پہنچ جائے وہ مردار کو صرف اتنی مقدار میں کھا سکتا ہے جس سے اس کی زندگی بچ جائے۔

الی النزاع ہے اور عقد بیع کے فاسد ہونے کی باعث ہے جیسے زمین میں لگی ہوئی مولیوں اور گاجروں کی بیع حالانکہ یہ دونوں سبزیاں زمین میں موجود ہوتی ہیں لیکن ان میں جہالت ہوتی ہے۔رہی بات انشورنس کی سو ہلاک کا بدل یا معاوضہ انشورنس اگر چہ موجود ہوتا ہے لیکن کبھی اس کا حدوث ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا یہ احتمال عقد کی مشروعیت کو کمزور کر دیتا ہے۔

ان تمام موانع کی وجہ سے تاجر اور غیر تاجر کے لئے بدل ہلاک کے طور پر انشورنس کا معاوضہ لینا حلال نہیں چونکہ یہ مال التزام کرنے والے کو لازم نہیں ہوتا جیسا کہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ امین پر ضمان کی شرط لگانا امر باطل ہے جیسا کہ یہ اصول حنفیہ کے نزدیک مقرر ہے۔

خلاصہ.....کمرشل انشورنس پانچ اسباب پر مشتمل ہے جن کی وجہ سے انشورنس کا عقد حرام ہو جاتا ہے۔❶

۱۔سود.....بیمہ کمپنی کی طرف سے معاوضہ میں دی ہوئی رقم جمع شدہ اقسام کی رقم سے زائد ہوتی ہے اور یہ زیادتی بلا عوض ہوتی ہے لہٰذا یہ سود ہے، نیز انشورنس کمپنیاں جمع شدہ سرمائے کو سودی معاملات میں لگا دیتی ہیں اور حساب سے کھاتہ دار کو فائدہ دیتی ہیں۔

۲۔غرر.....انشورنس کے مقابلہ میں امر احتمالی ہوتا ہے جو غیر ثابت اور غیر متحقق الوجود ہوتا ہے، یہی غرر ہے، جبکہ کمپنیاں ایک بڑا سرمایہ غرر سے ہتھیاتی ہیں ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔

۳۔غبن.....انشورنس میں محل عقد واضح نہیں ہوتا لہٰذا انشورنس میں غبن بھی ہے جبکہ محل عقد کا معلوم ہونا صحت عقد کے لئے شرط ہے۔

۴۔قمار (جوا).....انشورنس میں یہ رسک لیا جاتا ہے کہ کھاتہ دار مر گیا یا اس کا مال ضائع ہو گیا تو اسے معاوضہ ملے گا جبکہ اس کا دارو مدار جہالت پر ہے اور یہ بعینہ سود ہے نیز کھاتہ دار بڑی رقم کے لئے تھوڑی رقم داؤ پر لگاتا ہے اور یہ کھاتہ دار کے اعتبار سے بھی سود ہے۔

۵۔جہالت.....کھاتہ دار جو رقم دیتا رہتا ہے اس کی مقدار مجہول ہوتی ہے جیسا کہ بیمہ زندگی میں یہ بالکل واضح ہے اور انشورنس میں دونوں عاقد ایسا معاملہ کرتے ہیں جس میں منافع یا نقصان کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔

چنانچہ اگر قسطیں پوری ادا ہو جائیں تو کھاتہ دار کا نقصان ہے اگر کھاتہ دار قسطیں جمع کرنے سے پہلے مر گیا تو کمپنی کا نقصان ہے۔

تامین المرکب.....انشورنس کی صورت میں تعاون کا اصول حادثات کے الگ الگ پیش آنے اور اس کے نتائج کے متفرق ہونے پر ہے چنانچہ جتنے زیادہ کھاتہ دار ہوں گے اسی قدر حادثات بھی زیادہ پیش آئیں گے، یہ ایک متفرق عملی کارروائی ہے جو کھاتہ دار کے نقصان پر منتج ہوتی ہے، اس تفرق کے کثیر وسائل ہیں۔ان میں سے ایک تامین مرکب بھی ہے، چنانچہ بیمہ کمپنی خود اپنے نقصانات کے لئے عالمی کمپنیوں کے پاس انشورنس کرانے پر مجبور ہوتی ہے، گویا عالمی کمپنیوں کے ہاں ذیلی کمپنی کے عقد انشورنس کو تامین مرکب کہا جاتا ہے، تامین مرکب کا حکم بھی اصل انشورنس کا حکم ہے۔چنانچہ تعاون پر مبنی انشورنس کمپنی کا دوسری اسی طرح کی کمپنیوں کے ہاں تعاونی انشورنس کرانا جائز ہے، جبکہ کمرشل انشورنس پر کمرشل انشورنس کا حکم لاگو ہوگا، گویا کمرشل انشورنس کی صورت میں افراد کی بجائے کمپنیاں ہوتی ہیں۔

چنانچہ غرر اور فساد کے ضوابط تامین مرکب کے ممنوع ہونے کا سبب ہیں، ہاں البتہ جب حاجت متعینہ پیش آ جائے جیسا کہ بینک فیصل الاسلامی آف سوڈان کے شرعی نگران بورڈ نے فتویٰ ۶ اور ۷ میں یہی ذکر کیا ہے، یعنی آیا کہ انشورنس کمپنیاں جب مرکب انشورنس کمپنیوں کے ساتھ معاملہ نہ کریں تو کیا دقت، مشقت اور حرج میں پڑ سکتی ہیں۔اس بورڈ کی نظر میں تامین مرکب حاجت متعینہ کے پیش نظر درج ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

---

❶..... المعاملات المالية المعاصرة للدكتور علي السالوس ص ۳۸۰۔

۱.....تأمین مرکب کی کمپنی کو دی ہوئی رقم قلیل مقدار میں ہو جس سے حاجت پوری ہو جائے، تاکہ اس قاعدہ پر عمل ہو جائے کہ حاجت کو بقدر ضرورت پورا کیا جاتا ہے۔ وہ مقدار جس سے حاجت پوری ہوتی ہو اس کا تعین ماہرین بینک کو سونپا گیا ہے۔

۲.....یہ کہ تعاون پر مبنی انشورنس کمپنی کے پیش نظر منافع کمانا نہ ہو اور نہ ہی تامین مرکب کی کمپنی سے کسی قسم کے کمیشن کی وصولی کا تقاضا ہو۔

۳.....یہ کہ تعاون پر مبنی انشورنس کمپنی کسی قسم کی آفت سماویہ کے بدلے میں مالی تحفظ کا مطالبہ نہ کرے چونکہ تحفظ کی صورت میں تعاون کمپنی کو جو کچھ بھی ملے گا وہ تأمین مرکب کی کمپنی کی طرف سے سود ہوگا۔

۴.....یہ کہ تعاون پر مبنی انشورنس کمپنی دی ہوئی اقساط پر تامین مرکب کی کمپنی سے آمدنی کے راستے پر داخل نہ ہو اور آمدنی کے حصے کا مطالبہ بھی نہ کرے اور کمپنی کو پیش آنے والے خسارے کے متعلق بھی سوال نہ کرے۔

۵.....تأمین مرکب کی کمپنی کے ساتھ ساتھ کم از کم مدت کا معاملہ ہونا چاہئے۔

۶.....تعاون پر مبنی انشورنس کی ذیلی کمپنی کو مرکب تعاون پر مبنی کمپنیوں کے ساتھ معاملہ کرنا چاہئے تاکہ ایک کمرشل انشورنس کمپنیوں سے بے نیاز رہے۔

پس یہی اللہ کا دین ہے۔ میں ہمیشہ سے کمرشل انشورنس کے جواز کے قائلین پر تعجب کرتا رہا ہوں اور ان کی تاویلات کو خارج از بحث اور فضول سمجھتا ہوں، ان کے دلائل سے بحث کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ چنانچہ مختلف مجلات، رسائل، تالیفات، مقالات اور کانفرنسوں میں ان پر بہت رد ہو چکا ہے، چنانچہ اپریل ۱۹۶۱ء میں دمشق میں الفقہ الاسلامی کے ابتدائی چھ اجلاسات میں اور مجمع الفقہ الاسلامی کے پہلے اجلاس منعقدہ شعبان ۱۳۹۸ھ مکہ مکرمہ میں اس پر بھرپور رد ہوا ہے جبکہ رابطۃ العالم الاسلامی نے بھی اس قرارداد کو منظور کیا ہے۔ جو شخص انشورنس کے حرام ہونے کے متعلق اپنے دل کو تسلی دینا چاہتا ہو اور قائلین جواز کے دلائل کے ابطال پر غور وفکر کرنا چاہتا ہو وہ دمشق کے اجلاسات کی کارروائی کا مطالعہ کرے، اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھی راہ دکھائے۔

گروپ انشورنس.....گروپ انشورنس کی مد میں ملازمین کو حکومت کی طرف سے دی ہوئی رقم جائز ہے، چونکہ حکومت رعایا کے احوال کی بہتری کرنے کی ذمہ دار ہے اور بڑھاپا، بیماری، ریٹائرمنٹ اور بے روزگاری میں رعایا کو سہولیات فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، چنانچہ ماہانہ تنخواہ سے حکومت کے لئے گئے ٹیکسز کی طرف نظر نہیں کی جائے گی، اس طرح کی دی ہوئی رقم میں سود نہیں ہوتا اگرچہ جمع کروائی ہوئی رقم (کٹوتیوں) سے لی ہوئی رقم سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو چونکہ حقیقت میں یہ دی ہوئی رقم حکومت کی طرف سے تبرع یا شرکاء کی طرف سے ابتداء ہبہ ہے جو جائز ہے۔

۴۔ **نجاست اور نجس چیز کی بیع**.....حنفیہ کہتے ہیں: شراب، خنزیر، مردار اور خون کی بیع منعقد نہیں ہوتی چونکہ یہ چیزیں سرے سے مال ہی نہیں ہیں۔ پاخانہ کی بیع مکروہ ہے، گوبر اور لید کی خرید وفروخت میں کوئی حرج نہیں، مینگنیوں کی بیع میں بھی کوئی حرج نہیں۔ چونکہ گوبر وغیرہ سے نفع اٹھایا جاتا ہے چنانچہ زرخیزی کے لئے گوبر کو زمین میں ڈالا جاتا ہے لہٰذا گوبر مال ہے، اور جو چیز مال ہو وہ بیع کا محل ہے بخلاف پاخانہ کے چونکہ اس سے نفع نہیں اٹھایا جاتا، ہاں البتہ پائخانہ کسی دوسری چیز کے ساتھ مخلوط ہو تو پھر بیع جائز ہوگی۔

حنفیہ کے نزدیک کچلیوں والے درندوں جیسے کتا، چیتا، شیر، بھیڑیا، بلی وغیرہ کی بیع جائز ہے چونکہ کتا اور اس جیسے دوسرے جانور مال ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ ان سے درحقیقت نفع اٹھایا جاتا ہے اور شرعاً ان سے نفع اٹھانا جیسے چوکیداری، شکار وغیرہ علی الاطلاق مباح ہے لہٰذا یہ جانور مال ہیں، حشرات الارض جیسے سانپ بچھو وغیرہ سے جب نفع اٹھایا جائے تو ان کی بھی بیع جائز ہے۔

اسی طرح وہ چیز جو نجس ہو جائے اس کی بیع صحیح ہے اور اس سے نفع اٹھانا بھی صحیح ہے بشرطیکہ وہ چیز اشیائے خورونوش میں سے نہ ہو جیسے موم، تیل جو نجس ہو جائے کو روشنی کے لئے جلایا جاسکتا ہے بشرطیکہ مسجد میں روشنی نہ کی ہو، مردار کی چربی سے حاصل ہونے والے تیل سے نفع اٹھانا حلال نہیں ہے۔

ضابطہ.....حنفیہ کے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس سے نفع اٹھانا شرعاً حلال ہو اس کی بیع بھی جائز ہے۔ (۱) چونکہ سبھی اعیان (اشیاء) انسان کے نفع کے لئے پیدا کی گئی ہیں، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا.....البقرۃ ۲/۲۹

جو کہ زمین میں ہے سب کا سب تمہارے نفع کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

مالکیہ.....کہتے ہیں: شراب، خنزیر اور مردار کی بیع منعقد نہیں ہوتی چونکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے۔

کسی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مردار کی چربی کے بارے میں بتلائیں چونکہ اس سے کشتیوں کو لیپا جاتا ہے، کھالیں تر کی جاتی ہیں اور لوگ اس سے چراغ جلاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جائز نہیں، مردار کی چربی حرام ہے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہودیوں کو تباہ کرے جب اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام کی تو انہوں نے پگھلا کر فروخت کرنی شروع کردی اور اس کی قیمت کھانے لگے۔ (۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں فرمایا: جس چیز کا پینا حرام ہے اس کی خرید وفروخت بھی حرام ہے۔ (۳)

کتا باوجود یہ کہ طاہر ہے لیکن اس کی بیع منعقد نہیں ہوگی برابر ہے کتا شکاری ہو یا چوکیداری کا ہو چونکہ کتے کی خرید وفروخت سے منع کیا گیا ہے، حدیث میں ہے۔ ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، زانیہ کی کمائی اور کاہن کی کمائی سے منع فرمایا ہے۔“ (۴) سحنون مالکی کہتے ہیں کتے کی خرید وفروخت کرتا ہوں اور اس کی قیمت سے اخراجات حج چلاتا ہوں۔

ایسی نجس چیز جس کو پاک کرنا ممکن نہ ہو جیسے تیل، شہد، گھی جس میں نجاست پڑ گئی ہو تو اس کی بیع منعقد نہیں ہوگی، البتہ ایسی چیز جو نجس ہو جائے اور اسے پاک کرنا ممکن ہے جیسے کپڑا وغیرہ تو اس کی بیع جائز ہے۔

ایسی چیز جو نجس الاصل ہو جیسے ان جانوروں کی لید جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا اور پائخانہ، مردار کی ہڈی، مردار کی کھال وغیرہ تو ان کی بیع بھی منعقد نہیں ہوگی، البتہ گائے کا گوبر، اونٹ اور بکری کی مینگنیوں کی بیع صحیح ہے چونکہ زمین کی زرخیزی کے لئے ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ (۵)

شافعیہ اور حنابلہ.....کہتے ہیں: خنزیر، مردار، خون اور شراب کی بیع جائز نہیں ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ”اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید وفروخت کو حرام قرار دیا ہے۔“ دوسری وجہ یہ ہے کہ نجاست سے اجتناب اور دوری واجب ہے جبکہ نجاست کی خرید وفروخت نجاست کی قربت ہے۔ (۶)

کتے کی بیع جائز نہیں اگرچہ کتا سدھایا ہوا کیوں نہ ہو چونکہ حدیث میں اس کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱).....البدائع ۱۴۲/۵، فتح القدیر ۱۸۸/۵، الفقہ علی المذاهب الاربعة ۲/۲۳۱۔ (۲) رواہ اصحاب الکتب الستة واحمد ومالک فی الموطا عن جابر بن عبداللہ (جامع الاصول ۱/۳۷۵، سبل السلام ۳/۵)۔ (۳) رواہ مسلم والموطا والنسائی عن ابن عباس (جامع الاصول ۱/۳۷۷)۔ (۴) رواہ اصحاب الکتب الستة واحمد عن ابی مسعود الانصاری (نیل الاوطار ۱۴۳/۵) (۵) حاشیة الدسوقی ۳/۱۰، الخطاب علی متن خلیل ۲۵۸/۴ بدایة المجتهد ۲/۱۲۵ والقوانین الفقهیة ۲۴۶۔ (۶) صحیحین کی روایت اسی طرح ہے۔

نے کتے کی خرید وفروخت سے حاصل ہونے والی قیمت سے منع فرمایا ہے۔

ایسی چیزیں جن میں کوئی نفع نہ ہو جیسے حشرات الارض اور وہ درندے جو شکار کی صلاحیت نہیں رکھتے، جیسے شیر، بھیڑیا اور وہ پرندے جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا جیسے گدھ، چیل اور کوا ان کی بیع بھی صحیح نہیں چونکہ جن چیزوں میں کوئی نفع نہ ہو ان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی لہٰذا ان کے تبادلہ میں عوض لینا باطل طریقہ سے مال کھانے کے مترادف ہے اور ان چیزوں میں مال خرچ کرنا بے وقوفی ہے۔

نجاست زدہ اشیاء جن کا پاک کرنا ممکن نہ ہو جیسے سرکہ، شہد وغیرہ ان کی بیع بھی جائز نہیں البتہ جن اشیاء کو پاک کرنا ممکن ہو ان کی بیع صحیح ہے جیسے نجس کپڑا وغیرہ۔

گوبر وغیرہ جیسی نجس چیزوں کی بیع جائز نہیں، ہاں البتہ وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے گوبر کی بیع کو حنابلہ نے جائز قرار دیا ہے۔ ❶

خلاصہ: فقہائے حنفیہ اور ظاہریہ نفع اٹھانے کے لئے نجاست زدہ اشیاء کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں...... البتہ ان اشیاء کی بیع اس حکم سے مستثنیٰ ہے جن کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے چونکہ بیع کا دارومدار نفع اٹھانے پر ہے لہٰذا جس چیز سے بھی نفع اٹھایا جاتا ہو اس کی بیع حنفیہ اور ظاہریہ کے نزدیک جائز ہے۔ جبکہ فقہائے مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں مشہور قول یہ ہے کہ نجاست زدہ اشیاء کی بیع جائز نہیں چونکہ بیع پاکی کی مقتضی ہے لہٰذا جو چیز طاہر ہو یعنی مال ہو اور شرعاً اس سے نفع اٹھانا مباح ہو تو ان فقہاء کے نزدیک اس کی بیع جائز ہے۔

۵۔ بیع العربون (بیعانہ)...... عربون میں چھ لغات ہیں، زیادہ فصیح دو ہیں۔ عین اور راء کی فتح کے ساتھ عَرَبون۔ عین کے ضمہ (پیش) اور راء کے سکون کے ساتھ "عُربون" اس میں ایک لغت عُربان عین کے ضمہ اور راء کے ساتھ بھی ہے، یہ عجمی لفظ ہے جسے عربی میں استعمال کیا جاتا ہے، اس کا لغوی معنی ہے پیشگی۔

بیع العربون یا بیعانہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص چیز خریدے اور بائع کو مثلاً ایک سو روپیہ دے دے اور کہے اگر ہمارے درمیان بیع طے ہوگئی تو یہ سو روپے قیمت میں سے شمار ہوں گے اگر بیع طے نہ ہو سکی تو یہ سو روپے مشتری کی طرف سے بائع کو ہبہ ہوں گے، اس بیع میں مشتری کو اختیار ہوتا ہے کہ اگر بیع نافذ العمل ہوئی تو دی ہوئی رقم ثمن کا حصہ تصور ہوتی ہے، اگر بیع رد ہوگئی تو بیعانہ سے مشتری کو ہاتھ دھونے پڑیں گے، اس خیار کی مدت مقررہ وقت کے ساتھ محدود کی جاتی ہے۔ البتہ بائع کی طرف سے بیع لازم ہو جاتی ہے۔

بعض حنابلہ کہتے ہیں: ❷ زمانہ انتظار کا کوئی محدود مقرر وقت ہونا چاہئے ورنہ بائع کب تک انتظار کرتا رہے گا۔

بیعانہ کے حکم کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے جمہور کہتے ہیں یہ بیع ممنوع غیر صحیح ہے اور حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے، جبکہ دوسرے فقہاء کے نزدیک باطل ہے، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عربان سے منع فرمایا ہے۔ ❸

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس بیع میں غرر اور خطر ہے اور بلا معاوضہ دوسرے کے مال کو کھانا ہے، اس میں دو فاسد شرطیں بھی ہیں (۱) ہبہ کی شرط اور (۲) عدم رضامندی کی صورت میں واپسی کی شرط، نیز بغیر کسی عوض کے بائع کے لئے اس کی شرط لگائی جاتی ہے لہٰذا صحیح نہیں، نیز یہ خیار مجہول کے بمنزلہ ہے چونکہ بغیر مدت کے ذکر کے مبیع رد کرنے کی شرط لگائی جاتی ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے: جب میں چاہوں گا مجھے خیار

---

❶......المهذب ۱/۲٦۱، مغنی المحتاج ۲/۱۱، المغنی ۴/۲۵۱، غاية المنتهیٰ ۲/٦ اصول البيوع الممنوعة ص ۴۱۔ ❷غاية المنتهیٰ ۲/۲٦۔ ❸هذا حديث منقطع رواه احمد والنسائی وابو داؤد وهو المالک فی الموطا وفيه راولم يسمى، وسمی فی روية وهو ضعيف۔(سبل السلام ۳/۱۷ نيل الاوطار ۵/۱۵۳ المؤطا ۲/۱۵۱۔

حاصل ہوگا اور میں سامان واپس کردوں گا ساتھ ایک درہم بھی دوں گا۔ قیاس کا یہی مقتضا ہے۔ ❶

امام احمد بن حنبلؒ...... کہتے ہیں: بیع عربون میں کوئی حرج نہیں ان کی دلیل مصنف عبدالرزاق میں ایک حدیث ہے کہ زید بن اسلم کہتے ہیں۔ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عربان کے بارے میں سوال کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربان کو حلال قرار دیا۔" ❷ اور ایک اور روایت بھی ہے جو نافع بن عبدالحارث سے مروی ہے۔ کہ "انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے صفوان بن امیہ سے چار ہزار دراہم میں ایک گھر خریدا جس کو جیل خانہ بنانا تھا، انہوں نے یہ شرط لگادی تھی کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے راضی ہوئے تو بیع نافذ العمل ہوگی اگر راضی نہ ہوئے تو چار سو دراہم صفوان کے ہوں گے۔" امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیع عربون میں مروی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ عصر حاضر میں تجارتی کاروبار کے باہمی ربط کے لئے بیع عربون (بیعانہ) کا طریقہ کار بنیادی حیثیت کا حامل ہے تاکہ تعطل اور انتظار سے دوسرے فریق کا نقصان نہ ہو۔ ❸

میرے نزدیک بیع عربون صحیح اور حلال ہے چونکہ عرف عام میں اس کا رواج عام ہے، نیز بیع عربون کے متعلق وارد ہونے والی احادیث فریقین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں، مجمع الفقہ الاسلامی نے اپنے آٹھویں اجلاس منعقدہ محرم ۱۴۱۴ھ برونائی میں یہی قرارداد پاس کی ہے۔

۶۔ بیع الماء...... ہمیں سابقہ تفصیل سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ معقود علیہ میں یہ شرط ہے کہ وہ مال محرز ہو یعنی لوگوں میں سے کسی کی ملک ہو لہٰذا غیر محرز چیز کی بیع نافذ نہیں ہوگی، جیسے پانی، ہوا، مٹی، چنانچہ پانی سے مقصود کیا ہے اور اس کی ملکیت اور خرید و فروخت میں علماء کے مذاہب کیا ہیں؟ یہ ساری تفصیل درج ذیل ہے۔

حنفیہ...... کہتے ہیں: پانی کی چار قسمیں ہیں۔ ❹

اول...... سمندروں کا پانی، اس پر سبھی لوگوں کا حق برابر ہے، کوئی شخص جس طرح چاہے سمندر کے پانی سے نفع اٹھا سکتا ہے جیسے سورج چاند اور ہوا سے نفع اٹھانا عام ہے، آدمی سمندر کے پانی کو اپنے ذاتی حوائج کے لئے استعمال کرسکتا ہے اپنی کھیتی کو سیراب کرسکتا ہے، یعنی آدمی کو پینے کا حق، حق شراب، یا کھیتی اور درختوں کی سیرابی کا حق حاصل ہے۔

دوم...... دریاؤں کا پانی جیسے دریائے دجلہ، فرات نیل، (سندھ، جہلم) کا پانی، لوگوں کو دریا سے پانی لینے کا مطلق حق حاصل ہے، اراضی کو سیراب کرنے کا بھی مطلق حق حاصل ہے بشرطیکہ سیرابی سے عام مسلمانوں کا نقصان نہ ہو، اگر مسلمانوں کا نقصان ہو تو پھر انفرادی سیرابی جائز نہیں، چونکہ عام نقصان سے بچاؤ واجب ہے، اسی طرح ان دریاؤں پر پن چکی نصب کرنا جائز ہے بشرطیکہ عام مسلمانوں کا اس سے نقصان نہ ہوتا ہو۔

سوم...... وہ پانی جو کسی خاص جماعت کی ملک میں ہو جیسے ایک بستی کے لوگوں کے ساتھ کوئی چھوٹی نہر (کوہل) مخصوص ہو یا چشمہ کا پانی یا کنواں، دریاؤں سے نہریں نکال کر جو پانی منقسم کردیا جاتا ہے وہ بھی اسی قسم میں شامل ہے۔

---

❶...... بدایة المجتهد ۲/۱۶۱ الشرح الكبير للدردير ۶۳/۳، القوانين الفقهية ۲۵۸، مغني المحتاج ۲/۳۹، نيل الاوطار ۵/۱۵۳، شرح المجموع للامام النووى ۳۶۸/۹۔ ❷ حديث مرسل وفى اسناده ابراهيم بن ابى يحيى وهو ضعيف (نيل الاوطار ۱۵۳/۵)۔ ❸ المغنى ۲۳۲/۴، مصادر الحق للسنهورى ۹۶/۲، المدخل الفقهى ص ۲۳۴۔ ❹ الهداية تكمله فتح القدير ۱۴۴/۵ رد المحتار ۵/۳۱۱

اس قسم کے پانی میں عام لوگوں کے پینے کا حق ثابت ہوگا چونکہ عام لوگوں کو اس کا احتیاج ہوتا ہے نیز ہر جگہ اپنے ساتھ پانی لے کر جانا عقلاً محال ہے۔

چہارم...... برتنوں میں محفوظ کیا ہوا پانی، یہ پانی اسی شخص کی ملک ہوگا جس نے اسے برتن میں محفوظ کر رکھا ہو، مالک کے سوا کسی دوسرے شخص کا اس میں حق نہیں ہوگا اور اس پانی سے مالک کی اجازت کے بغیر نفع اٹھانا جائز نہیں۔

پانی...... یہ ملکیت حاصل ہونے کے اعتبار سے پانی یا تو مباح ہے یا غیر مباح ہے، مباح پانی میں سبھی کا حق ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ تین چیزوں میں برابر کے شریک ہیں پانی میں، گھاس میں اور آگ میں ❶ مباح پانی سے مقصود اول اور دوم قسم کے پانی ہیں۔ اور وہ پانی جو لوگوں میں سے کسی کے ساتھ خاص ہو وہ مملوک یا غیر مباح پانی ہے یہ وہ پانی ہے جو ملکیت میں داخل ہو برابر ہے کہ افراد واحد کی ملکیت ہو یا جماعت کی ملکیت ہو یہ قسم دوسری دو اقسام کو شامل ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہی معنی مقصود ہے، ان دونوں اقسام کو ماء خاص اور ماء عام کا نام دیا جاتا ہے۔

ماء خاص...... اس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ پانی جو مملوکہ زمین میں ہو جیسے کنواں، چشمہ۔

ماء عام...... وہ پانی جو غیر مملوک زمین میں ہو اور کسی کی ملکیت نہ ہو۔ جیسے نالوں اور دریاؤں کا پانی۔

پانی کی خرید وفروخت کا حکم...... علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قیمت لئے بغیر پانی دے دینا مستحب ہے اگرچہ پانی مملوک ہی کیوں نہ ہو، البتہ مالک کو پانی دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ الا یہ کہ حالت ضرورت میں مالک کو مجبور بھی کیا جاسکتا ہے جیسے کوئی شخص پیاسا مر رہا ہو تو پانی کے مالک کو مجبور کیا جائے، اگر مالک انکار کرے تو اس کے ساتھ قتال کرنا جائز ہے۔ یعنی پانی کے مالک سے لڑ کر لینا جائز ہے۔

البتہ وہ پانی جس پر لڑنا مباح ہے اس میں حنفیہ کے نزدیک قدرے تفصیل ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں: مضطر (بے چین) کے لئے جائز ہے کہ وہ کنویں یا حوض یا ملکیتی نہر کے مالک سے اسلحہ سے لڑے چونکہ پانی کے مالک نے مضطر کو پینے کے حق سے منع کیا ہے، کنویں کا پانی مباح ہوتا ہے مملوک نہیں ہوتا، اگر پانی برتنوں میں محفوظ کیا ہو تو مضطر (بے چین آدمی) بغیر اسلحہ کے مالک سے لڑے، اور جو پانی لے اس کا ضمان دے، جیسا کہ مخمصہ کی حالت میں کھانا لینا جائز ہے، چنانچہ حالت اضطرار میں ضرورت کی چیز لینا ضمان کے منافی نہیں ہوتا، یہ تب ہے جب پانی مالک کی ضرورت سے زائد ہو مثلاً پانی اتنا ہو کہ مالک اور مضطر دونوں زندہ رہ سکتے ہوں، اگر ایسی حالت نہ ہو تو مالک کے پاس ہی پانی رہنے دینا واجب ہے۔ ❷

رہی بات پانی کی خرید وفروخت کی تو اس میں علماء کی دو مشہور آراء ہیں ایک جمہور کی رائے ہے اور دوسری ظاہریہ کی۔

اول...... جمہور علماء کہتے ہیں: ❸ وہ پانی جو عام لوگوں کی لئے مباح نہ ہو جیسے کنویں اور چشمے کا پانی اور برتنوں میں محفوظ کیا ہوا پانی تو اس کی خرید وفروخت جائز ہے، اس قسم کے پانی سے مالک خود بھی نفع اٹھا سکتا ہے اور دوسرے کو نفع اٹھانے سے منع بھی کر سکتا ہے، اسے یہ حق حاصل ہے کہ جب اس کے قرب وجوار میں پانی مل سکتا ہو تو پینے سے منع کر سکتا ہے۔ اگر قرب وجوار میں اور پانی نہ ہو تو مالک سے کہا جائے گا کہ یا تو وہ خود پانی نکال کر ضرورت مند کو دے یا اسے چھوڑ دے تا کہ وہ خود پانی نکال کر اپنی ضرورت پوری کر سکے۔

❶......اخرجه ابو داؤد فی سننه واحمد فی مسنده وابن ابی شیبه فی مصنفه عن حديث رجل عن الصحابة واخرجه ابن ماجه عن ابن عباس ورواه الطبرانی عن ابن عمر (نصب الراية ۴/۲۹۴). ❷ردالمحتار والدر المختار ۵/۳۱۳، تکملة فتح القدير ۸/۱۴۵. ❸البدائع ۵/۱۴۶، ردالمحتار ۵/۳۱۱ القوانين الفقهية ص ۳۳۹، المهذب المرجع السابق، المجموع ۹/۲۷۸ غاية المنتهى ۲/۹.

جمہور نے پانی کی خرید وفروخت پر دو دلیلوں سے جواز ثابت کیا ہے۔

۱.....صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ میں رومہ کا کنواں ایک یہودی سے خریدا اور اسے بطور سبیل عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا'' حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمان سن لیا تھا کہ جو شخص رومہ کا کنواں خرید کر مسلمانوں کو بہم وسعت پہنچائے گا اس کے لئے جنت ہے۔'' کنویں کا یہودی مالک لوگوں کو اس کنویں کا پانی فروخت کرتا تھا، اس حدیث سے جس طرح کنویں کی خرید وفروخت پر استدلال ہوتا ہے اسی طرح پانی کی خرید وفروخت پر بھی استدلال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہودی کے پانی فروخت کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر فرمائی۔

اس استدلال پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ صدر اسلام کا ہے اور اس وقت مدینہ میں یہودیوں کی شوکت قوی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں یہودیوں کے ساتھ مصلحت کر لی تھی پھر اس کے بعد احکام شریعت کو استقرار واستحکام ملا اور انہی احکام میں امت کے لئے یہ بھی حکم ہے کہ پانی کی خرید وفروخت حرام ہے، پھر کنویں کی خریداری میں پانی تبعاً داخل ہے۔ بہر حال اس اعتراض میں کسی کا اختلاف نہیں۔ ❶

۲.....مباح پانی کی بیع کو محفوظ کی ہوئی لکڑیوں کی بیع پر قیاس کیا گیا ہے، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکڑیوں کی بیع کو یوں جائز فرمایا ہے۔'' یہ کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی رسی لے پھر پہاڑ پر جائے اور لکڑیاں لاکر فروخت کرے خود بھی کھائے اور صدقہ بھی کرے یہ کام اس کے لئے لوگوں کے آگے دست سوال پھیلانے سے بدرجہا افضل ہے۔'' ❷

اول.....اس استدلال پر بھی ایک اعتراض کیا گیا ہے کہ علمائے اصول کے ہاں قیاس کے ساتھ نص کی تخصیص مختلف فیہ ہے، بالخصوص اس قیاس کا صرف یہی تقاضا ہو کہ محفوظ پانی کی بیع جائز ہے، کنویں وغیرہ کے پانی پر یہ قیاس نہ چلے۔

دوم.....ظاہریہ کہتے ہیں۔ ❸ مطلقاً پانی کی بیع حلال نہیں، نہ نالی میں نہ نہر میں نہ چشمے میں نہ کنویں میں اور مشکیزہ اور برتن وغیرہ میں محفوظ کئے ہوئے پانی کی بیع جائز ہے۔ الاّ یہ کہ کنواں ہی فروخت کیا جائے یا اس کا کوئی معلوم حصہ فروخت کیا جائے تو اس بیع میں پانی تبعاً داخل ہوں گے گویا کنواں مبیع اصلی ہے اور پانی اس کے تابع ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: مجھے پانی کی خرید وفروخت اچھی نہیں لگتی۔

ظاہریہ نے پانی کی خرید وفروخت کی ممانعت پر درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے۔

۱.....یہ ثابت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ'' فاضل پانی (جو ضرورت سے زائد ہو) ❹ فروخت نہ کیا جائے۔'' تاکہ اس کی وجہ سے گھاس فروخت کیا جا سکے۔

چنانچہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حاجت سے زائد پانی فروخت کرنا ممنوع ہے، اس استدلال پر بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ نہی ایک خاص حالت کے متعلق وارد ہوئی ہے وہ یہ کہ پانی اس قصد سے فروخت کیا جائے کہ اس کے آس پاس کی چراگاہ میں مویشی چرنے کے محتاج ہوں۔

۲.....یہ حدیث صحیح ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجت سے زائد پانی فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے، ❺ اس حدیث

---

❶.....نیل الاوطار ۱۴۶/۵۔ ❷ رواہ البخاری ومسلم واحمد وابن ماجہ والنسائی عن ابی ہریرۃ (نیل الاوطار ۱۶۲۴، الجامع الصغیر ۱۲۲/۲)۔ ❸ المحلی ۸/۹۔ ❹ اخرجہ مسلم عن ابی ہریرۃ واخرجہ البخاری واحمد (نیل الاوطار ۳۰۳/۵)۔ ❺ رواہ احمد واصحاب السنن الا ابن ماجۃ عن ایاس بن عبد۔ (نیل الاوطار ۱۴۵/۵)

میں صراحت ہے کہ کفایت سے زائد فروخت کرنا حرام ہے برابر ہے کہ پانی مباح زمین میں ہو یا مملوکہ زمین میں، برابر ہے کہ سیرابی کے لئے ہو یا کسی اور کام کے لئے، اس استدلال پر بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ حدیث بئر رومہ کی حدیث کے معارض ہے یا یہ حدیث بھی ایک خاص حالت پر محمول ہے۔

میرے خیال میں زائد پانی کی بیع کے متعلق ممانعت اس صورت میں ہے، جب پانی کثیر ہو جیسے کنویں اور چشمے کا پانی بارش کا پانی جو مملوکہ زمین میں جمع ہو جاتا ہے، ایسے پانی سے منع کرنا عبث کام ہے۔

دوسرا مطلب: بیع فاسد کی مختلف انواع......حنفیہ کی اصطلاح میں بیع فاسد وہ ہوتی ہے جو اپنی اصل اور ذات کے اعتبار سے تو مشروع ہو لیکن وصف کے اعتبار سے مشروع نہ ہو۔ مبیع پر قبضہ کر لینے سے ملک کا فائدہ حاصل ہو جاتا ہے۔ جبکہ حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک بیع یا تو صحیح ہے یا باطل۔ جبکہ غیر صحیح بیع ملک کا فائدہ نہیں دیتی۔

اب میں یہاں حنفیہ کے نزدیک بیوع فاسدہ کی مختلف انواع ذکر کر رہا ہوں، ساتھ ساتھ دوسرے فقہاء کے نزدیک اس نوع کا حکم بھی ذکر کروں گا۔

۱۔ بیع مجہول......حنفیہ کہتے ہیں جب مبیع (خرید کردہ سامان) میں یا ثمن (قیمت) میں فاحش قسم کی جہالت ہو تو بیع فاسد ہو جائے گی۔ جہالت فاحشہ سے مراد ایسی جہالت ہے جو نزاع تک پہنچا دے۔ چونکہ اس قسم کی جہالت مبیع وثمن کی سپردگی کے مانع ہوتی ہے اور اس سے بیع کا مقصد حاصل نہیں ہو پاتا۔

اگر خرید وفروخت میں معمولی جہالت (یسیرہ) ہو تو بیع فاسد نہیں ہوگی، جہالت یسیرہ سے مراد وہ جہالت ہے جو نزاع تک پہنچانے والی نہ ہو۔ چونکہ جہالت یسیرہ مبیع وثمن کی سپردگی سے مانع نہیں ہوتی، لہٰذا بیع کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔

جہالت فاحشہ اور جہالت یسیرہ کے بیان کرنے میں عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔ مثلاً جب حیوان (جانور) کی جنس نہ بیان کی جائے یا ریڈیو کا مارکہ نہ بیان کیا جائے تو مبیع میں فاحش قسم کی جہالت متصور ہوگی جو کہ صحت بیع سے مانع ہوگی۔ بسا اوقات یہ جہالت متعاقدین کے درمیان شدید نزاع کا باعث بن جاتی ہے۔ ❶

معمولی قسم کی جہالت کی وضاحت......مثلاً کوئی شخص غلے کے ڈھیر میں سے ایک قفیز دراہم کے بدلہ میں فروخت کرے، یا ڈھیر کی طرف اشارہ کر کے کہے کہ یہ ڈھیر اتنے روپے میں فروخت کیا اب یہ معلوم نہ ہو کہ اس ڈھیر میں کتنے من غلہ ہے۔ تو بیع جائز ہوگی۔ چونکہ غرر زائل ہو سکتا ہے، اس میں پائی جانے والی جہالت، درجہ عفو میں ہے جو کہ نزاع تک نہیں پہنچاتی، اس کی ایک مثال یہ بھی ہے جیسے دو یا تین اشیاء میں سے ایک شئے کو فروخت کرے اور اس سے زائد نہیں، ساتھ مشتری کو یہ اختیار بھی حاصل ہو کہ وہ ایک چیز لے اور باقی واپس کر دے، اس قسم کے خیار کو خیار تعیین کہا جاتا ہے، یہ بیع استحساناً صحیح ہے ورنہ قیاس سے تو بیع فاسد ہے یہی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وجہ قیاس......یہ ہے کہ مبیع مجہول ہے چونکہ دو اشیاء میں سے غیر معلوم چیز کو فروخت کیا ہے لہٰذا مبیع مجہول ہوئی لہٰذا بیع کے صحیح ہونے میں یہ جہالت مانع ہوگی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے چار کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع اور ساتھ خیار کا بھی تذکرہ کر دیا جائے، اسی تفصیل کے مطابق امام زفر رحمۃ اللہ علیہ خیار تعیین کو جائز قرار نہیں دیتے۔

وجہ استحسان: اول......قیاس خیار شرط کو مشروع قرار دیتا ہے، ان دونوں میں وجہ جامع یہ ہے کہ دفع غبن کی ضرورت پیش آتی ہے، جبکہ

❶......الاموال ونظریۃ العقد ص ۳۱۲۔

خیار شرط اور خیار تعیین دفع غبن کا ایک راستہ ہوتے ہیں، چنانچہ خیار شرط میں شریعت کا وارد ہونا گویا خیار تعیین میں شریعت کا وارد ہونا ہے۔ تین اشیاء میں سوچ بچار کی ضرورت پیش آتی ہے، چونکہ عادۃً اشیاء کی کوالٹی تین قسم پر ہوتی ہے (۱) اعلیٰ (۲) متوسط (۳) ادنیٰ۔ چنانچہ زیادہ میں حکم اصل قیاس کا ہوگا وہ یہ ہے کہ مبیع معلوم ہو۔ چنانچہ اس اصول پر چار اشیاء میں سے ایک چیز کی بیع معہذا اختیار بھی ہو تو یہ بیع فاسد ہوگی۔ چونکہ لوگوں کی ضرورت اس کی تشریح کی جانب نہیں ہوتی چونکہ اجمالاً اشیاء کی کوالٹی، اعلیٰ متوسط اور ادنیٰ ہوتی ہے۔

دوم:.....لوگوں میں اس قسم کی بیع کا عام معمول ہے، چونکہ ہر شخص بازار میں نہیں جاتا تاکہ وہ خود اپنی ضرورت کی چیز خریدے بالخصوص بڑی عمر کے لوگ اور عورتیں تو خریداری میں دوسروں کی محتاج ہوتی ہیں، چنانچہ کسی ایک جنس سے ایک ہی چیز کو خرید لینے سے حاجت پوری نہیں ہوتی، چونکہ بسا اوقات حاجت اور رغبت میں توافق نہیں ہوتا، لہٰذا ضرورت پڑتی ہے کہ ایک جنس کی دو چیزیں خریدی جائیں۔ تاکہ وہ ان میں سے ایک کو اپنے لئے پسند کرلیں اور باقی کو واپس کردیں، لہٰذا تعامل ناس کی وجہ سے خریداری صحیح ہوگی۔ البتہ تین اشیاء سے زائد تعامل نہیں ہے، چنانچہ تین سے زائد اشیاء میں حکم اصل قیاس کے مطابق رہے گا۔ ❶

ملاحظہ.....حنفیہ کے نزدیک اس حالت میں راجح یہ ہے کہ خیار تعیین کی مدت کی شرط نہ لگائی جائے جیسے خیار شرط میں مدت کی تعیین ہوتی ہے جو کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین دن یا اس سے کم مدت ہے اور صاحبین کے نزدیک تین دن اور اس سے زیادہ مدت ہے۔

بعض حنفیہ کا قول.....ہے کہ خیار شرط کی مدت کے بیان کرنے کے بغیر یہ بیع جائز نہیں ہے۔ چونکہ اگر مبیع شئے واحد ہوئی جو کہ معین ہو اور اس میں خیار شرط ہو چنانچہ شرط کی مدت کا بیان صحت بیع کے لئے ہے، اسی طرح جب شئے واحد ہو اور غیر معین ہو، ان دونوں میں وجہ جامع یہ ہے کہ مدت کی تعیین نہ کرنا خیار کی مدت کو مجہول رکھنا ہوتا ہے اور یہ چیز بیع کے لئے مفسد ہے۔

اولین کا استدلال.....یہاں خیار شرط اور خیار تعیین میں فرق ہے، وہ یہ ہے کہ خیار شرط بیع کے حکم کے ثبوت کے مانع ہوتا ہے، اور بیع کا حکم خیار کے اندر ملکیت کا منتقل ہونا ہوتا ہے، گویا مدت کا وقت مقرر کرنا ضروری ہے۔

تاکہ غور وفکر سے غبن کا دفعیہ ہوجائے، رہی بات خیار تعیین کی سو وہ بیع کے حکم سے مانع نہیں ہوتا بلکہ غیر معین چیز میں بیع کا حکم ثابت ہوجاتا ہے۔ خیار تعیین تو فقط تعیین مبیع سے مانع ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے بیان مدت کی شرط نہیں ہوتی۔

جہالتِ فاحشہ کی مثالیں.....اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص چار اشیاء میں سے ایک شئے فروخت کرے، یا ریوڑ میں سے ایک بکری فروخت کرے اس شرط پر کہ اسے خیار حاصل ہوگا کہ وہ ایک لے لے اور بقیہ کو واپس کردے، اسی طرح جب خیار کے تذکرہ کے بغیر ہی تین اشیاء یا دو اشیاء میں سے ایک شئے خریدی جائے یا تین کپڑوں میں سے ایک کپڑا خریدا جائے، جہالت مبیع کی وجہ سے بیع فاسد ہوگی، اور یہ جہالت مفضی الی النزاع ہے، چونکہ بائع ردی قسم کی چیز دینا چاہے گا جبکہ مشتری اعلیٰ قسم کی چیز لینا چاہے گا چونکہ عقد میں تعیین نہیں ہوئی۔ ❷

فی الجملہ.....جہالت فاحشہ غالب احوال میں چار جہالت کی طرف راجع ہوتی ہے ❸ جنہیں میں پہلے ذکر کرچکا ہوں۔

اول: جہالت مبیع.....یعنی مشتری کے اعتبار سے مبیع کی جنس یا نوع یا مقدار میں جہالت ہو، میں نے بعض مثالیں بیان کردی ہیں۔

---

❶.....البدائع ۱۵۷/۵، فتح القدیر ۱۳۰/۵۔ ❷ الدر المختار بھامش رد المحتار لابن عابدین ۱۱۵/۴۔ ❸ عقد البیع للاستاذ الزرقاء ص ۲۶۔

دوم: جہالت ثمن...... جیسے ریوڑ میں سے سو بکریوں کے بدلہ میں گھوڑا فروخت کرے تو عقد فاسد ہوگا چونکہ ثمن میں جہالت ہے۔
اسی طرح جب کوئی کہے کہ یہ کپڑا اس کی قیمت کے ساتھ فروخت کیا تو بھی بیع فاسد ہوگی چونکہ اس نے ثمن کو قیمت بنادیا ہے جبکہ قیمت تاجروں کے ہاں مختلف ہوتی ہے لہٰذا ثمن مجہول ہوں گے۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے بائع یا مشتری کے حکم سے یا فلاں شخص کے حکم سے کوئی چیز خریدی تو بیع فاسد ہوگی چونکہ اسے معلوم نہیں کہ فلاں کس چیز کا حکم لگائے گا لہٰذا ثمن مجہول ہوں گے۔

جب کوئی کہے میں نے یہ چیز گندم کے ایک قفیز یا جو کے دو قفیز کے بدلہ میں تمہیں فروخت کردی تو بیع فاسد ہوگی چونکہ ثمن مجہول ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک بیع میں دو بیع ہیں۔ جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بیوع میں ایک بیع سے منع فرمایا ہے۔ ❶ جب کوئی کہے: اگر تم نقدی لوگے تو پانچ روپے میں اور اگر ادھار لوگے تو سات روپے میں تو بیع فاسد ہوگی، چونکہ ثمن کو متعین نہیں کیا، کیا ثمن نقدی ہوں گے یا ادھار؟ اگر ابہام کو ختم کردیا اور ایک صورت اختیار کرلی تو بیع صحیح ہوگی۔

اسی طرح مجہول رأس المال یا لکھی ہوئی قیمت پر بیع کرنا جبکہ مشتری کو لکھی ہوئی قیمت اور رأس المال کی خبر نہ ہو تو بھی بیع فاسد ہوگی، اگر مجلس عقد میں مشتری کو رأس المال یا لکھی ہوئی قیمت کا علم ہوجائے تو استحساناً بیع صحیح ہوجائے گی، چونکہ جواز سے مانع جہالت ہے جو عقد کے وقت پائی جاتی ہے، جبکہ جہالت مجلس میں ختم ہوچکی۔

جب مجلس کے لئے حالت عقد کا حکم ہوتا ہے تو گویا یہ عقد کے وقت معلوم رہا جب معلوم نہ ہوحتیٰ کہ فریقین جدا ہوگئے تو فساد پختہ ہوچکا رفع نہیں ہوگا۔ ❷

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب عقد اپنے وجود کے وقت (طے ہوتے وقت) ہی فاسد ہو تو کسی حال میں بھی جواز کا احتمال نہیں رکھتا، چونکہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فاسد کا جائز میں تبدیل ہونا محال ہوتا ہے۔ ❸

یہ مسئلہ بھی مذاہب میں جہالت ثمن کی وجہ سے متفق علیہ ہے، اگر ثمن معلوم ہوں تو بالاتفاق کوئی حرج نہیں کہ لکھی ہوئی قیمت سے فروخت کرے، مثلاً یوں کہے: میں نے یہ کپڑا تمہیں اس پر لکھی ہوئی قیمت کے ساتھ فروخت کیا، بشرطیکہ جب قیمت دونوں کو معلوم ہو عقد کرتے وقت، چونکہ یہ بیع ثمن معلوم کے ساتھ طے ہوئی ہے۔ ❹

فقہاء کے نزدیک اس قیمت کے ساتھ خرید وفروخت کرنا جس پر نرخ بازار میں منقطع ہوا جائز نہیں ہے، یا ایسے نرخ کے ساتھ جس سے لوگ بیع کرتے ہیں یا جو ثمن فلاں کہے، چونکہ ان صورتوں میں ثمن کی جہالت ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ قیمت جس پر بازار میں نرخ منقطع ہوا اس سے بیع کرنا جائز ہے بشرطیکہ تاریخ مقرر ہو یا عقد کے وقت اس کی تحدید ہو، چونکہ لوگوں میں یہ بیع متعارف ہے اور ہر زمان ومکان میں اس پر لوگوں کا تعامل رہا ہے، ابن تیمیہ اور ابن قیم نے جواز کے رجحان کو ترجیح دی ہے، نرخ سے مراد بازاری نرخ ہے نہ کہ مستقبل میں کسی بھی وقت کا نرخ۔ ❺

سوم: مدت کا مجہول ہونا...... جیسے کوئی کہے فلاں اور فلاں مدت تک کے لئے فروخت کیا، اس سے بیع فاسد ہوجائے گی چونکہ مدت مجہول ہے، اسی طرح خیار شرط میں مدت کا مجہول ہونا بھی مفسد بیع ہے، فساد کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل کے حمل کی

---

❶......رواه الموطا والترمذی والنسائی وابو داؤد عن ابی هريرة۔ ❷البدائع ۵/۱۵۸، رد المحتار ۴/۳۰ فتح القدير مع العناية ۵/۱۱۳، المبسوط ۱۳/۴۹۔ ❸البدائع ۲/۱۲۴۔ ❹مغنی المحتاج ۲/۱۷، المغنی ۴/۱۸۷۔ ❺مغنی المحتاج ۲/۱۷، المهذب ۱/۲۶۶، القوانين الفقهية ص ۲۵۷، غاية المنتهى ۲/۱۴، اعلام الموقعين ۴/۵، المحلى ۹/۱۹

بیع سے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث کی ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تفسیر کی ہے کہ ادھار قیمت کے ساتھ بیع کر دینا یہاں تک کہ اونٹنی پیٹ میں پڑے ہوئے بچے کو جنم دے اور پھر جنم دیا ہوا بچہ، بچہ جنم دے، چنانچہ مجہول مدت تک کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

اگر حاجیوں کے آنے تک، فصلوں کی کٹائی تک، فصل گاہنے تک، انگور توڑنے تک، اون کاٹنے تک، بیع کی تو بیع فاسد ہوگی چونکہ یہ جہالت مفضی الی النزاع ہے، چونکہ ان اوقات میں تقدیم وتاخیر ہو سکتی ہے۔

اگر ان مدتوں کے ساتھ معلق کر کے بیع ہوئی ہو پھر فریقین نے حاجیوں کے آنے سے پہلے اور گاہنے سے پہلے مدت کو ساقط کر دیا تو بیع جائز ہوگی، چونکہ نزاع کی وجہ سے بیع فاسد تھی اور نزاع جاتا رہا۔ یہ جہالت صلب عقد میں نہیں پائی جاتی بلکہ یہ جہالت تو خارجی امر میں ہوتی ہے اور وہ مدت ہے۔ ❶

چہارم: وسائل توثیق میں جہالت کا پایا جانا..... جیسے مثلاً بائع ادھار ثمن کے بدلہ میں مشتری سے کفیل یا رہن کا مطالبہ کرے تو ضروری ہے کہ کفیل اور رہن معین ہوں ورنہ بیع فاسد ہوگی۔

مجہول چیز کی بیع کے بارے میں حنفیہ کے ہاں یہ تفصیل ہے۔

مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور ظاہریہ..... کہتے ہیں: مجہول چیز کی بیع جائز نہیں ہے جیسے بہت ساری موٹر کاروں میں سے ایک موٹر کار کی بیع یا دو یا زیادہ کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع، ثمن مجہول اور ادھار ثمن کے ساتھ بھی ان حضرات کے نزدیک بیع جائز نہیں، بلکہ ان کے نزدیک بیع باطل ہوگی، چونکہ جہالت مبیع کی وجہ سے غرر پایا جاتا ہے، جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے، اسی لئے ان حضرات فقہاء نے بیع کے صحیح ہونے کی شرائط میں یہ مقرر کر رکھا ہے کہ مبیع متعاقدین کے لئے معلوم ہونی چاہئے، ایسا نہیں کہ من کل وجہ معلوم ہو بلکہ وہ معین ہو، اس کی مقدار اور صفت معین ہو، اور یہ کہ ثمن کی صفت، مقدار اور مدت بھی مقرر ہو، ایسی شرط پر بیع کو معلق کرنا جائز نہیں جو مستقبل میں پائی جائے جیسے مہینہ کا آنا اور حاجی کا آنا، چونکہ اس بیع میں غرر ہے، ❷ البتہ مالکیہ نے فصلوں کی کٹائی، پھلوں کی توڑائی، شیرہ بنانے، حاجیوں کے نکلنے، نیروز، مہرجان اور میلاد تک کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، چونکہ ان اوقات کی مدت مقرر ہوتی ہے، مالکیہ نے خیار تعیین کے ساتھ بیع کو جائز قرار دیا ہے، اور اسے بیع الاختیار کا نام دیا ہے، لیکن مالکیہ نے اتحاد جنس کی شرط لگائی ہے نیز ثمن اور صنف میں بھی اتحاد ہو ورنہ بیع صحیح نہیں ہوگی۔ ❸

غرر اور جہالت میں فرق..... غرر جہالت سے عام ہے چنانچہ ہر مجہول میں غرر ہے اور ہر غرر مجہول نہیں بسا اوقات غرر ہوتا ہے اور جہالت نہیں ہوتی جیسے بھاگا ہوا جانور جس کی صفت معلوم ہو، کی بیع۔ لیکن جہالت غرر کے بغیر بھی پائی جاتی ہے۔ ❹

۲: کسی شرط پر معلق بیع اور بیع مضاف..... عموماً بیع معلق یا عقد معلق اسے کہا جاتا ہے جس کا وجود کسی دوسری چیز کے وجود پر معلق ہو، اور وہ چیز ممکن الحصول ہو، عربی میں یہ تعلیق کلمہ إِنْ إِذَا اور مَتٰی وغیرہ کے ساتھ ہو (اردو میں اگر، جب، بشرطیکہ وغیرہ کے ساتھ ہو) اس کی مثال یہ ہے جیسے کوئی شخص کسی دوسرے آدمی سے کہے: میں نے تمہیں اپنا یہ گھر اتنے روپے میں فروخت کر دیا بشرطیکہ فلاں شخص مجھے گھر فروخت کرے، یا اگر میرے والد سفر سے واپس آگئے۔ بیع مضاف اور عقد مضاف عموماً وہ ہوتا ہے جس میں ایجاب کو زمانہ مستقبل کی طرف منسوب کیا جائے، جیسے کوئی شخص کہے: میں یہ گاڑی تمہیں آنے والے مہینہ کے شروع میں فروخت کر دوں گا۔

---

❶..... فتح القدیر ۲۲۲/۵، المبسوط ۲۶/۱۳، رد المحتار ۱۲۵/۴۔ ❷حاشیۃ الدسوقی ۱۵/۳، المہذب ۲۶۳/۱، مغنی المحتاج ۱۶/۲، المغنی، ۲۰۹/۴ غایۃ المنتہیٰ ۱۱/۲ المحلی ۳۹۷/۸۔ ❸الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱۰۶/۳ القوانین الفقہیۃ ص ۲۶۹، المنتقیٰ علی الموطا ۲۹۸/۴۔ ❹الغرر واثرہ فی العقود ص ۳۹ الفروق للقرافی المالکی ۲۶۵/۳، تہذیب الفروق بہامشہ ۲۷۰/۳۔

فرق...... حنفیہ کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ عقد معلق کو موجود نہیں کہا جاتا، اور فی الحال بطور سبب منعقد نہیں ہوتا، بلکہ عقد وجود شرط پر معلق ہوتا ہے، جبکہ شرط کبھی پائی جاتی ہے اور کبھی نہیں پائی جاتی۔

رہی بات عقد مضاف کی سووہ عقد تام ہوتا ہے اس پر اس کا حکم اور اثر مرتب ہوتا ہے الا یہ کہ آثار کا ترتب تاخیر سے ہوتا ہے۔

عقد مضاف (منسوب) اور عقد معلق کا حکم...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بیع معلق اور بیع مضاف صحیح نہیں ہوتی، لیکن حنفیہ کی اصطلاح میں اسے فاسد کا نام دیا جاتا ہے اور دوسرے فقہاء کے نزدیک باطل کا نام دیا جاتا ہے۔

اسی اختلاف کی بناء پر بیع کی تعلیق اور اضافت (نسبت) سوئے زمانہ مستقبل صحیح نہیں، چونکہ بیع ان عقود میں سے ہوتی ہے جو فی الحال تملیک کا تقاضا کرتے ہیں۔ اور یہ عقود مستقبل کی طرف نسبت اور اضافت کو قبول نہیں کرتے، جیسے عقود ایسی شرط کے ساتھ معلق نہیں ہوتے جن میں جوا ہو۔ یعنی تعلیق معرض خطر میں ہو۔

مذکور بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے بیوع کی ان دو انواع کے فساد کی علت ایسی چیز ہے جو غرر پر مشتمل ہے، چنانچہ بیع معلق میں عاقدین کو معلوم نہیں ہوتا کہ آیا امر معلق حاصل ہوگا یا نہیں، جیسے انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ امر معلق کب حاصل ہوگا؟ بیع مضاف میں عاقدین کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مبیع کو مستقبل میں وجود کیسے ملے گا اور عاقدین عقد سے کیسے راضی ہوں گے۔ (۱)

۴: غیر مرئی چیز (جو آنکھوں سے اوجھل ہو) کی بیع...... یعنی وہ چیز جو بائع کی ملکیت میں ہو اور فی الواقع موجود ہو لیکن آنکھوں کے سامنے نہ ہو بلکہ غائب ہو۔

حنفیہ...... کہتے ہیں جو چیز غائب ہو یعنی آنکھوں کے سامنے نہ ہو، دیکھے بغیر اس کی خرید وفروخت جائز ہے، چنانچہ جب خریدار اسے دیکھے تو اسے اختیار حاصل ہوگا۔ چاہے تو بیع کو نافذ قرار دے چاہے رد کردے، اسی طرح مبیع کی صفت کے متعلق بھی خیار حاصل ہوگا اگر چہ مبیع فروخت کنندہ کے بیان کے مطابق ہو جیسے کور میں بند سامان یا گندم کی مقررہ مقدار۔

حنفیہ کی دلیل...... یہ ہے کہ جب خریدار کو دونوں حالتوں میں خیار رؤیت حاصل ہوگا تو بیع میں غرر کا احتمال نہیں رہے گا لہٰذا جہالت مفضی الی النزاع نہیں ہوگی، (۲) حنفیہ کی دوسری دلیل یہ حدیث ہے۔ ''جس شخص نے کوئی چیز خریدی جو اس نے دیکھی نہ ہو تو وہ جب اسے دیکھے گا اسے خیار حاصل ہوگا۔'' (۳)

مالکیہ...... کہتے ہیں کہ غائب چیز کی بیع جائز ہے بشرطیکہ وہ چیز ایسی صفت پر ہو جو اس کے غائب رہنے سے بدلے نہیں، جب وہ چیز صفت مذکور پر ہو تو بیع لازمی ہو جائے گی، چونکہ اس میں ہوا بھی تو غرر یسیر ہوگا۔ جبکہ بیان کی ہوئی صفت معاینہ کے قائم مقام ہوگی، اگر صفت مذکور کے مبیع خلاف ہو تو مشتری کو خیار حاصل ہوگا۔

مالکیہ نے (ان کے ایک مشہور قول کے مطابق) غائب چیز کی بیع بغیر صفت، نوع اور جنس کے بیان کرنے کے بھی جائز قرار دی ہے جبکہ وہ چیز معین حالت پر ہو۔ (۴) مالکیہ کے ہاں اس بیع کو ''بیع البرنامج'' برنامج سے مراد ایسی پرچی ہے جس پر بیع کی صفت درج ہوتی ہے اور وہ مبیع کی خرید وفروخت کی فائل میں رکھی ہوتی ہے جبکہ فروخت کنندہ کو مبیع کی جنس اور نوع کی خبر نہیں ہوتی، ضرورت کی وجہ سے یہ جائز ہے، یعنی گھڑی

---

(۱)...... دیکھئے رد المحتار والدر المختار ۱۴۴/۴، الفروق للقرافی ۲۲۹/۱، المجموع للنووی ۳۷۴/۹، المہذب ۲۶۶/۱، المغنی ۵۹۹/۵۔ (۲) البدائع ۱۶۳/۵، فتح القدیر ۱۳۷/۵۔ (۳) روی مسنداً ومرسلاً فالمسند اخرجه الدار قطنی فی سننه عن ابی هريرة والمرسل رواه ابن ابی شيبة والدارقطنی فی سننيهما عن مكحول۔ (۴) مواهب الجليل ۲۹۴/۴، الشرح الكبير ۲۵/۳، الشرح الصغير ۴۱/۳ القوانين الفقهية ص ۲۵۷۔

کھولنے میں بائع کو مشقت درپیش آتی ہے۔گویا بیان صفت کو رؤیت کے قائم مقام بنادیا گیا ہے۔

شافعیہ.....کا اظہر قول اور اباضیہ کے نزدیک بھی ایک قول ہے کہ نظروں سے اوجھل (غائب) چیز کی بیع مطلقاً صحیح نہیں۔غائب سے مراد وہ چیز ہے جسے متعاقدین دونوں یا کوئی ایک دیکھتا نہ ہو، اگرچہ مبیع قریب میں موجود ہی کیوں نہ ہو، چونکہ اس میں غرر ہے، جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے، جبکہ جس چیز کی جنس اور نوع معروف نہ ہو اس میں غرر کبیر ہوتا ہے، اسی طرح جس چیز کی جنس اور نوع معلوم ہو اور نظروں سے اوجھل (غائب) ہو اس میں بھی غرر ہے جیسے کوئی کہے: میں نے تمہیں اپنا عربی گھوڑا فروخت کردیا۔مذہب جدید میں غرر کے پائے جانے کی وجہ سے اس کی بیع صحیح نہیں ہوتی، اس کا سبب یہ ہے کہ مبیع کی صفت میں جہالت ہوتی ہے۔جیسی بیع سلم مسلم فیہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہوتی، جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے۔

رہی بات خیار رؤیت والی حدیث کی کہ ”جس شخص نے ایسی چیز خریدی جو اس نے دیکھی نہ ہو تو اسے خیار حاصل ہوگا جب وہ اسے دیکھ لے۔“ سو یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ بیہقی نے کہا ہے، دارقطنی نے کہا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے، صحیح نہیں، اسے بیہقی کے علاوہ کوئی اور روایت نہیں کرتا۔❶

حنابلہ.....ظاہری روایت کے مطابق کہتے ہیں: وہ غائب چیز جس کا وصف نہ بیان کیا گیا ہو اور نہ ہی رؤیت کے لئے پیش کی گئی ہو اس کی بیع صحیح نہیں ہے، اگر حنابلہ کی دوسری روایت کے مطابق اس بیع کو صحیح قرار دیا جائے تو بائع اور مشتری کو دیکھتے وقت خیار حاصل ہوگا، پہلی روایت کی دلیل یہ ہے۔کہ ”حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے۔“

البتہ جب مشتری کے سامنے مبیع کا وصف بیان کردیا جائے اور مبیع کی صفات بقدر کفایت واضح کردی جائیں تو ظاہر مذہب میں اس چیز کی بیع صحیح ہوگی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ غائب چیز کی بیع صحیح نہیں یہاں تک کہ مشتری اسے دیکھ نہ لے، چونکہ صفت بیان کردینے سے مبیع کی معرفت حاصل نہیں ہوئی، لہٰذا بیع صحیح نہیں جیسے مسلم فیہ کی بیع سلم صحیح نہیں۔

ظاہر مذہب پر حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ بیع صفت کی بیع ہے لہٰذا بیع سلم کی طرح صحیح ہے، یہ نہ کہا جائے کہ اس سے مبیع کی معرفت حاصل نہیں ہوتی چونکہ صفات ظاہرہ سے یہ معرفت حاصل ہوجاتی ہے جس سے بظاہر ثمن مختلف ہوتے ہیں۔❷

خلاصہ.....حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ ظاہر قول کے مطابق، ظاہریہ، زیدیہ، امامیہ اور اباضیہ ایک قول کے مطابق غائب چیز کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں بشرطیکہ اس کی صفت بیان کی گئی ہو،❸ بغیر رؤیت اور بیان وصف کے بغیر خرید وفروخت کو حنفیہ نے جائز قرار دیا ہے۔

زمین میں پوشیدہ چیز کی بیع.....یعنی ایسی چیز کی بیع جس کا دیکھنا مشقت طلب امر ہو، بسا اوقات مبیع کی رؤیت میں مشقت ہوتی ہے یا نقصان ہوتا ہے جیسے ڈبوں میں پیک کی ہوئی اشیاء خورد ونوش، ادویات، مائع اشیاء، مختلف اقسام وانواع کے غاز جنہیں صرف استعمال کرتے وقت ہی کھولا جاتا ہے، حنفیہ نے ایسی اشیاء کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، گاجر، مولی، آلو وغیرھا کی بیع بھی اسی قسم میں داخل ہے۔حنفیہ کے نزدیک ان اشیاء کی بیع ایسی ہی ہے جیسے غائب چیز کی بیع، جیسا کہ مالکیہ نے اس کی بیع کی اجازت دی ہے۔

چونکہ مبیع عادۃً معلوم ہوتی ہے، اس میں غرر معمولی درجہ کا ہوتا ہے، جبکہ شافعیہ، حنابلہ اور ظاہریہ نے اس قسم کی بیع کو بیع باطل قرار دیا ہے۔❹ چونکہ ان اشیاء کا وصف بیان کرنا ممکن نہیں لہٰذا اس میں غرر اور جہالت متحقق ہوگی۔

---

❶.....دیکھئے المہذب ۱/۲۶۳ المجموع ۹/۳۱۵ مغنی المحتاج ۳/۱۸ شرح النیل ۴/۱۴۳۔❷المغنی ۳/۵۸۰، غایۃ المنتہیٰ ۱۰۲۔❸المحلی ۸/۳۸۹، الروض النضیر ۳/۲۵۹، المختصر النافع ص ۱۴۵، شرح النیل ۴/۱۳۷۔❹الدر المختار ۴/۱۰۶، بدایۃ المجتہد ۲/۱۵۶، المجموع ۹/۳۳۸ المغنی۔ ۴/۹۱، المحلی ۸/۴۵۶۔

۴: نابینا شخص کی خرید وفروخت...... دراصل نابینا شخص کی خرید وفروخت کا مسئلہ رؤیت مبیع کی شرط پر متفرع ہوتا ہے اس میں بھی سابقہ اختلاف چلے گا۔

حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: نابینا کی خرید وفروخت صحیح ہے، اس کا اجارہ، ہبہ وغیرہ بھی صحیح ہے، نابینا کو ایسے ذریعے کا خیار حاصل ہوگا جس سے اسے مبیع کی معرفت حاصل ہوجاتی ہو جیسے چھونے سے، سونگھنے سے یا چکھنے سے، مبیع کے اوصاف پر اعتماد کرنے سے معرفت حاصل ہوجائے تو بیع میں کافی سمجھی جائے گی۔ جیسے درختوں پر لگے ہوئے پھلوں، گھروں اور پلاٹس کے اوصاف کافی ہوتے ہیں، ان فقہاء کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ''بیع باہمی رضامندی سے طے ہوتی ہے۔ ❶ جبکہ نابینا خرید وفروخت پر راضی ہوتا ہے، اور مختلف وسائل سے اسے معرفت حاصل ہوجاتی ہے، لہٰذا بینا شخص کی خرید وفروخت کے مترادف ہوا۔ نیز گونگے شخص کے اشارات بات کرنے کے قائم مقام ہوتے ہیں اسی طرح نابینا شخص کا سونگھنا اور چکھنا بھی اس کے دیکھنے کے مترادف ہے۔ ❷

البتہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بائع کے لئے خیار رؤیت ثابت نہیں ہوتا برابر ہے کہ وہ بینا ہو یا نابینا۔

شافعیہ...... کہتے ہیں کہ نابینا شخص کی خرید وفروخت صحیح نہیں ہوتی، ہاں البتہ اس نے بینائی جانے سے قبل جو چیز دیکھی ہو اور اس میں تغیر نہ ہوتا ہو جیسے لوہا وغیرہ، شافعیہ کی دلیل یہ ہے کہ اعلیٰ اور ادنیٰ شئے کے متعلق نابینا شخص کا ادراک ناقص ہوتا ہے، گویا نابینا کے اعتبار سے محلِ عقد مجہول ہوتا ہے۔ ❸

۵: حرام ثمن کے بدلہ میں بیع...... جب خرید وفروخت میں ثمن کوئی حرام چیز ٹھہری ہو جیسے شراب، خنزیر وغیرہ۔ تو بیع حنفیہ کے نزدیک فاسد ہوگی، چونکہ حقیقۃً بیع کا وجود ہے اور وہ مال کے بدلہ میں مال کا ہونا ہے، چنانچہ شراب اور خنزیر کفار کے نزدیک مال متقوم ہیں، یہ دونوں چیزیں اگرچہ حنفیہ کے نزدیک مال متقوم ہیں لیکن از روئے شریعت مال متقوم نہیں ہیں، اس بارے میں یہ قاعدہ مقرر ہے۔ کہ'' جب عوضین میں سے کوئی چیز (ثمن یا مبیع) کسی بھی آسمانی دین میں مال نہ ہوں تو بیع باطل ہوتی ہے برابر ہے کہ وہ چیز مبیع ہو یا ثمن ہو، چنانچہ مردار، خون اور آزاد انسان کی بیع باطل ہے۔

اگر عوض ایسا ہو کہ کسی ایک دین میں مال ہو اور دوسرے دین میں مال نہ ہو پھر اگر وہ چیز ثمن ٹھہرے تو بیع فاسد ہوگی جیسے شراب کے ساتھ کپڑے کی بیع، اگر وہ عوض مبیع ٹھہرے تو بیع باطل ہوگی جیسے دراہم سے شراب کی بیع۔

اسی اختلاف پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ جب ثمن حرام چیز ہو تو قیمت کے ساتھ بیع منعقد ہوجاتی ہے، ❹ واضح رہے کہ حنفیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کے نزدیک یہ بیع باطل ہے۔

۶: ادھار کی خرید وفروخت...... ادھار کہا جاتا ہے کہ سامان لے لیا جائے اور اس کے ثمن تاخیر سے مقررہ مدت تک دیئے جائیں۔ اسے عربی میں ''بیع نسیئہ'' کہا جاتا ہے، نقدی بیع یہ ہے کہ فی الحال ثمن دے دیئے جائیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عقد کو شرعاً غیر مباح غرض کے حصول کے لئے وسیلہ بنایا جائے تو کیا ارکان عقد یعنی ایجاب وقبول کے پائے جانے پر عقد منعقد ہوجائے گا یا اسے غیر مشروع سبب کا حامل ہونے کی وجہ سے غیر صحیح سمجھا جائے؟

اس کی مثال یہ ہے ❺ جیسے ایک شخص کسی گاہک کو مال ادھار ثمن کے ساتھ فروخت کرے پھر وہی مال گاہک سے نقدی ثمن کے ساتھ

---

❶......رواه ابن ماجه والبيهقي وصححه ابن حبان عن ابی سعيد الخدری. قدسبق تخريجه۔ ❷مختصر الطحاوی ص ۸۲، البدائع ۱۶۴/۵، حاشية الدسوقی ۲۴/۳، المغنی ۲۱۰/۴، غاية المنتهى ۱۰/۲۔ ❸المهذب ۲۶۴/۱۔ ❹فتح القدير مع العناية ۱۸۶/۵، البدائع ۱۴۱/۵، ردالمحتار ۱۰۵/۴۔ ❺مواهب الجليل للخطاب ۳۹۰/۴، الشرح الكبير للدردير ۷۶/۳، الشرح الصغير ۱۱۶/۲۔

خرید لے، جیسے مثلاً ایک شخص پانچ ہزار روپے ادھار پر کسی کو روئی فرخت کرے پھر یہی روئے نقدی چار ہزار روپے سے اس سے واپس خرید لے، گویا یہاں بیع کے دو عقد ہوتے ہیں بظاہر یہ دونوں عقد ارکان وشرائط پر مشتمل ہوتے ہیں، مالکیہ کے نزیک اس قسم کی بیع کو بیع عینہ کہا جاتا ہے، دراصل یہ بیوع الاجل کی ایک نوع ہے جس سے سود کمانے کے لئے ایک حیلہ کیا جاتا ہے، اور ایسی چیز کو حاصل کیا جاتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔ اسے عرف عام میں بیع الاجل سے تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ مالکیہ بیع الاجل اور بیع عینہ میں فرق روا رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں بیع الاجل یہ ہے کہ مشتری اپنے بائع یا وکیل کے لئے کوئی چیز خریدے اور مدت تک کے لئے خریدے اور بیع عینہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے سے کہے: دس روپے میں سامان نقدی خرید واور میں تم سے بارہ روپے میں ادھار خریدوں گا۔

شافعیہ اور ظاہریہ...... کہتے ہیں: چونکہ اس عقد میں ایجاب وقبول پایا جاتا ہے اس لیے صحیح ہے، اور نیت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سپرد ہے وہی اس پر سزا دینے والا ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: جب غلط ارادے پر دلیل قائم ہوجائے تو عقد سد اللباب عقد باطل ہوگا اس اختلاف کی تطبیق ان صورتوں میں ظاہر ہوگی: حلالہ کے لئے شادی کرنا، بیع عینہ اور شراب ساز کے ہاتھ انگور فروخت کرنا۔ ❶

امام ابوحنیفہؒ...... ظاہر مذہب میں محلل کی شادی کے صحیح ہونے کا حکم لگاتے ہیں اور شراب ساز کے ہاتھ انگور فروخت کرنے کو صحیح قرار دیتے ہیں، بشرطیکہ عقد میں کوئی ایسی شرط لگائی جائے جو عقد کے لئے مخل ہو، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بیع عینہ کو فاسد قرار دیتے ہیں بشرطیکہ درمیان میں کوئی تیسرا آدمی حائل نہ ہو۔

بیع عینہ...... بیع عینہ سے قرض کے ذریعے سود کمانے کا ایک حیلہ مراد لیا جاتا ہے جیسے کوئی شخص کسی چیز کو ادھار ثمن کے ساتھ فروخت کرے پھر وہ چیز فی الحال (اسی وقت) خریدار سے واپس خرید لے۔ بیع عینہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مبیع کو بعینہ بائع واپس خرید لیتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے جیسے کوئی شخص مقررہ مدت تک کے ادھار ثمن کے ساتھ کوئی سامان فروخت کرے پھر اور مدت مقرر کرکے بائع واپس خرید لے یا کم ثمن نقدی دے کر خرید لے اور پھر جب پہلے عقد کی مدت پوری ہو تو پہلے طے ہونے والے پورے کے پورے ثمن بائع کو دے دیئے جائیں یوں دونوں ثمنوں میں فائدہ ہوتا ہے یا سامان کے مالک کو سود مل جاتا ہے اور سود حاصل کرنے کے لئے خرید وفروخت کی صورت اختیار کی جاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی دوسرے کو ۱۲ روپے میں کپڑا ادھار پر فروخت کرے اور مدت مثلاً ایک مہینہ قرار پائے، پھر خریدار یہی کپڑا اپنے تئیں فروخت کنندہ کو ۱۰ روپے نقدی کے ساتھ فروخت کردے اور جب پہلے عقد کی مقررہ مدت یعنی ایک مہینہ پورا ہوجائے تو خریدار بائع کو پورے ۱۲ روپے واپس کرے، یوں صاحب مال کو فائدہ یا سود حاصل ہوگا جیسے حاصل کرنے کے لئے اس نے خرید وفروخت کی صورت اختیار کی۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ متعاقدین درمیان میں تیسرے آدمی کو بھی لے آتے ہیں اور یوں ہوتا ہے کہ وہ تیسرا آدمی قرض کے خواہش مند (مستقرض) سے سامان نقدی خرید لیتا ہے پھر وہ تیسرا شخص اسی رقم کے ساتھ سامان کو مالک کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے۔ یوں سود کا فرق مالک ہی کو ملتا ہے۔

بیع عینہ کی صورت میں گویا دو مرتبہ عقد ہوتا ہے اور یہ واضح امر ہے کہ بائع مشتری کے درمیان سودی معاملہ ہوتا ہے، اس عقد کے حکم کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ...... کہتے ہیں: اگر تیسرا شخص نہ ہو جو مالک مقرض اور مشتری مستقرض کے درمیان حائل نہ ہو تو عقد

❶ ......الاموال ونظرية العقد ص ۲۹۷، اصول البيوع الممنوعة للشيخ عبدالسميع ص ۱۰۲۔

فاسد ہوگا، البتہ یہ ملحوظ رہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مذکور بالا اصل کے خلاف ہیں جبکہ اس اصول کے مطابق اس عقد کو صحیح ہونا چاہیے تھا، ❶ البتہ یہ حضرت زید بن ارقم کے قصہ میں وارد ہونے والی حدیث پر استحسانا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ جب بیع تمام نہیں ہوگی تو پہلی بیع تمام نہیں ہوگی، لہٰذا دوسری بیع اسی پر مبنی ہوگی، چنانچہ بائع اول کو حق حاصل نہیں کہ وہ ایسی چیز کو خریدے جس کا وہ بعد میں مالک نہ ہو، یوں دوسری بیع فاسد ہوگی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ...... کہتے ہیں: یہ بیع بلا کراہت صحیح ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ...... کہتے ہیں: یہ بیع صحیح ہے لیکن مکروہ ہے، حتیٰ کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ بیع میرے دل میں پہاڑوں کی مانند نہایت قبیح ہے یہ سود خوروں کی ایجاد ہے۔ ❷

شافعیہ اور ظاہریہ...... کہتے ہیں: یہ عقد صحیح ہے چونکہ اس کا رکن ایجاب وقبول پایا جاتا ہے، لیکن مکروہ ہے، نیت کو بنیاد بنا کر عقد کو باطل قرار دینے کا اعتبار نہیں چونکہ نیت کے عدم و وجود کو ہم نہیں پہچان سکتے، ❸ یعنی قصد کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور حکم ظاہر عقد پر ہوگا۔

مالکیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: یہ عقد باطل واقع ہوتا ہے، ❹ تاکہ سد ذرائع ہو، ان کی دلیل حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عالیہ بنت ایفع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں اور زید بن ارقم کی ام ولد (وہ باندی جس سے آقا کی اولاد ہو جائے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی ام ولد نے کہا: میں نے آٹھ سو دراہم میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو ایک غلام فروخت کیا ہے جو ادھار پر ہے اور پھر میں نے یہی غلام ان سے نقد چھ سو دراہم میں خرید لیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تمہاری خرید وفروخت بہت بری رہی، زید رضی اللہ عنہ کو میرا پیغام پہنچا دو کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جہاد کیا تھا وہ باطل کر دیا ہے۔ بشرط یہ کہ اگر اس نے توبہ نہ کی۔ ❺ نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "جب لوگ دینار و درہم کا ضمان دینے لگیں، ایک دوسرے سے بیع عینہ کریں اور گائیوں کی دموں کو پکڑ کر ان کے پیچھے لگ جائیں اور جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ ان پر بلاء وآزمائش نازل کر دے گا پھر اس آزمائش کو نہیں اٹھائے گا یہاں تک کہ لوگ اپنے دین پر واپس نہ آجائیں۔ ❻

مالکیہ اور حنابلہ نے قیاس سے بھی اس کی عقلی دلیل پیش کی ہے کہ ایسے ذرائع جن کی ممانعت پر اجماع ہے اور وجہ جامع یہ ہے کہ اغراض فاسدہ اس عقد کا باعث بنتی ہیں۔ لہٰذا یہ عقد بھی انہی ذرائع میں سے ہے۔

خلاصہ...... شافعیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ یہ بیع فاسد ہے اور صحیح نہیں ہے، چونکہ یہ سود کا ذریعہ ہے۔

---

❶ ...... وہ یہ ہے کہ عقود میں اعتبار الفاظ کا ہوتا ہے نیت کا نہیں ہوتا چونکہ غیر مباح کی نیت مستور ہوتی ہے لہٰذا نیت کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ ❷ فتح القدير ۲۰۷/۵، رد المحتار لا بن عابدين ۲۵۵/۴، الا موال ونظرية العقد ص ۳۰۱۔ ❸ الميزان ۷۰/۲، ارشاد الفحول للشوكانى ص ۲۱۷ القوانين الفقهية ص ۲۷۱۔ ❹ بداية المجتهد ۱۴۰/۲ حاشية الدسوقى ۹۱/۳، الخطاب ۴۰۴/۴، القوانين الفقهية ص ۲۵۸، الشرح الصغير ۱۳۰/۳ ا، المغنى ۱۷۵/۴، نيل الاوطار ۲۰۶/۵۔ ❺ هذا الحديث رواه الدارقطنى عن يونس بن اسحاق عن امه العالية عن ام محبة عن عائشة وروى عن الشافعى انه لا يصح واخرجه الا مام احمد فى مسنده (جامع الا صول ۴۷۸/۱) ❻ رواه احمد وابو داؤد عن ابن عمر واخرجه ايضاً الطبرانى وابن القطان وصححه وقال الذهبى هذا الحديث من مناكير عطا الخراسانى (نيل الا وطار ۲۰۶/۵)۔

البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پہلی حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی جبکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس کی مخالفت کی ہے، جب نقلی دلائل میں تعارض ہے تو قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

ملاحظہ......شافعیہ اور ظاہریہ متعاقدین کے ظاہری عقد پر اعتماد کرتے ہیں، اور مقتضائے آیت کے مطابق صحت عقد کا حکم لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔"وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ"اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے۔(البقرۃ ۲/ ۲۷۵) لیکن یہ استدلال مردود ہے، چونکہ ظاہر پر اس وقت عمل کیا جائے گا جب کوئی ایسا قرینہ قائم نہ ہو جو اس کے غیر کا فائدہ نہ دے، یہاں تو عرف عام قرینہ ہے بلکہ یہ قوی تر قرینہ ہے اس پر عمل واجب ہے، چونکہ ظاہر تو حرام کا ذریعہ بن رہا ہے۔

بیع تورُّق......اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص مدت مقررتک کو سامان خریدتا ہے پھر وہی سامان بائع کے علاوہ کسی اور کو نقد فروخت کر دیتا ہے اور اس کا ثمن (قیمت) لے لیتا ہے، اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ دراہم حاصل ہو جائیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزیک یہ بیع مکروہ ہے امام احمد کی ایک روایت بھی یہی ہے کہ یہ بیع مکروہ ہے، جبکہ دوسری روایت کے مطابق یہ بیع مکروہ نہیں۔ ❶

۷: شراب ساز کے ہاتھ انگور فروخت کرنا......سابقہ قاعدہ پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے، اب اگر ایک شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ شراب ساز ہے اس کے ہاتھ انگور فروخت کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، میں اس اختلاف کو یہاں ذکر کروں گا۔

امام ابوحنیفہ اور شافعی رحمہما اللہ......کہتے ہیں شراب ساز کے ہاتھ انگور فروخت کرنا صحیح ہے مگر مکروہ ہے اسی طرح مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے والوں کے ساتھ اسلحہ فروخت کرنا بھی صحیح مگر مکروہ ہے، چونکہ میں اس کی تحقیق نہیں ہوتی کہ آیا وہ واقعی شراب بنائے گا یا واقعی مسلمانوں کے ساتھ اس اسلحہ سے جنگ کرے گا۔ اس کا مؤاخذہ اس کے مقاصد پر ہوتا ہے، رہی بات وسائل کی سوان کے اور انسان کے درمیان خلل بھی پڑسکتا ہے، بیع میں اعتقادِ فاسد حرام ہے، نہ کہ نفس عقد، لہٰذا صحت عقد کے مانع نہیں ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے بائع کسی عیب کو چھپادے، یعنی حکم ظاہر عقد پر ہوتا ہے۔ ❷

مالکیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: شراب ساز کے ہاتھ انگوروں کا شیرہ فروخت کرنا باطل ہے اسی طرح اہل حرب، اہل فتنہ یا راہزنوں کو اسلحہ فروخت کرنا بھی باطل ہے، یہ ممانعت سدذرائع کے واسطے ہے۔ چونکہ حرام کا سبب بھی حرام ہوتا ہے، اگرچہ قصداً اسے اختیار کیا گیا ہو، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ......المائدۃ ۵/ ۲

گناہ اور ظلم پر ایک دوسرے سے تعاون مت کرو۔

یہ نہی تحریم کی مقتضی ہے، لہٰذا جب تحریم ثابت ہو چکی تو بیع باطل ہوگی۔ ❸

۸: ایک بیع میں دو بیع یا ایک بیع میں دو شرطیں......"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک بیع میں دو بیع اور دو شرطوں سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

---

❶......آج کل زیادہ تر کاروبار اور تجارت اسی طرح ہوتی ہے کہ مال ادھار پر خریدا جاتا ہے اور نقدی فروخت کر کے بائع کو ثمن دیئے جاتے ہیں، تعامل کامل کے پیش نظر جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ❷المهذب ۱/ ۲۶۷ تكملة فتح القدير ۸/ ۱۲۷، مختصر الطحاوى ص ۲۸۰۔ ❸المغنى ۴/ ۲۲۲، الموافقات للشاطبى ۳/ ۳۶۱۔

ایک اور حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرضہ اور بیع ایک ساتھ کرنا حلال نہیں، ایک بیع میں دو شرطیں نہیں لگائی جاسکتیں اور جو چیز انسان کے ضمان میں نہیں، اس پر نفع لینا جائز نہیں اور جو چیز تمہارے پاس موجود نہیں اس کی بیع بھی صحیح نہیں۔ ❶

بیع میں دو بیع......ایک بیع میں دو بیع کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ......کہتے ہیں: اس کے دو معنی ہیں:

۱......کوئی کہے کہ میں یہ چیز آپ کو ادھار دو ہزار پر فروخت کر دوں گا اور اگر نقد خرید و تو ڈیڑھ ہزار میں فروخت کروں گا، جونسی صورت چاہو اختیار کرلو۔ گویا ایک صورت میں بیع لازم ہو، یہ بیع فاسد ہے (یعنی باطل ہے) چونکہ اس بیع میں ابہام اور تعلیق ہے۔

۲......بائع یوں کہے: میں تمہیں اپنا گھر فروخت کرتا ہوں اس شرط پر کہ تم مجھے اپنا گھوڑا فروخت کرو گے۔

پہلے معنی میں ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ عقد غرر پر مشتمل ہے چونکہ ثمن کی مقدار مجہول ہے، چونکہ عقد تمام ہوتے وقت مشتری کو پتہ نہ ہوتا کہ آیا ثمن ۲ ہزار روپے ہیں یا ڈیڑھ ہزار روپے۔

دوسرے معنی میں ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کی ضروریات کو گراں تر بنا دینا ہے (بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ دوسرے کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا جارہا ہے جو کہ ممنوع ہے) جبکہ خریدار اس چیز کو خریدنے میں مجبور ہوتا ہے، گویا بائع کی طرف سے شرط لگا دینا گرانی کے قبیل میں سے ہے جو عقد میں مطلوب رضا مندی کو ختم کر دیتا ہے، پھر اس میں غرر بھی ہے چونکہ بائع کو معلوم نہیں ہوتا کہ آیا دوسری بیع مکمل ہوئی یا نہیں۔

بیع میں دو شرطیں......ایک بیع میں دو شرطیں لگانے کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

پہلا قول......مثلاً کوئی شخص کہے: میں یہ چیز نقدی اتنے روپے میں (مثلاً دو سو میں) فروخت کروں گا اور ادھار اتنے روپے (۲۵۰ روپے میں) فروخت کروں گا۔

دوسرا قول......یہ اس کا حاصل یہ ہے کہ بائع خریدار پر شرط لگا دے کہ وہ خرید کردہ سامان نہ ہی آگے کسی کو فروخت کرے گا اور نہ ہی کسی کو ہبہ کرے گا۔

تیسرا قول......اس کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً بائع کہے میں نے یہ سامان تمہیں اس شرط پر فروخت کیا کہ تم فلاں چیز مجھے فروخت کرو گے۔ ❷

چوتھا قول......یہ کہ ایک قفیز گندم کے معاملہ میں مشتری بائع کو ایک مہینہ تک سو روپے قرض دے، جب مہینہ گزر جائے اور مشتری گندم کا مطالبہ کرے تو بائع کہے میرے ذمہ جو تمہاری ایک قفیز گندم ہے وہ مجھے دو مہینے تک دو قفیزوں کے بدلے میں فروخت کر دو، یوں یہ ایک بیع میں دو بیع ہیں۔ چونکہ دوسری بیع پہلی میں داخل ہوگئی ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایک بیع میں دو بیع اور ایک بیع میں دو شرطیں لگانے کا معنی ایک ہی ہے، اس بیع کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ......کہتے ہیں: یہ بیع فاسد ہے، چونکہ اس میں ثمن مجہول ہوتا ہے، چونکہ اس میں تعلیق اور ابہام ہوتا ہے اور ثمن کا استقرار کسی ایک

❶......اخرجه اصحاب السنن ورواه احمد ايضاً عن عمرو بن شعيب عن أبيبه عن جده۔ (جد سے مراد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص) قال الترمذی حدیث حسن صحیح۔ (نصب الرایۃ ۴/۱۸، نیل الاوطار ۵/۱۷۹)۔ ❷المنتقیٰ علی المؤطا ۵/۳۶، نیل الاوطار ۵/۱۵۱ سبل السلام ۳/۱۶

نقطہ پر نہیں ہو پاتا، کہ آیا بیع نقد ہوگی یا ادھار ہوگی۔ اگر ابہام رفع کر دیا گیا اور کوئی ایک صورت قبول کر لی گئی تو عقد صحیح ہو جائے گا ❶ ایک بیع میں دو بیع حرام ہونے کی علت یہ ہے کہ شئے واحد کی بیع کی صورت میں ثمن کو استقرار نہیں ملتا نیز بیع کو مستقبل کی کسی شرط پر معلق کیا جاتا ہے اور گندم کے قفیز کی صورت میں سود لازم آتا ہے چونکہ ایک قفیز گندم کے بدلے میں دو قفیز کی بیع ہوتی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: یہ عقد باطل ہے چونکہ یہ بیوع غرر میں سے ہے چونکہ اس میں جہالت ہوتی ہے، لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے: میں نے تمہیں یہ چیز یا یہ چیز فروخت کر دی، دوسری وجہ یہ ہے کہ ثمن مجہول ہوتا ہے لہٰذا یہ صحیح نہیں جیسے لکھی ہوئی مجہول رقم کے ساتھ ہو، نیز عوضین میں سے ایک ایسا بھی ہوتا ہے جو غیر معین اور نامعلوم ہوتا ہے، لہٰذا عقد صحیح نہیں، جیسے کوئی یوں کہے: میں نے تمہیں اپنے گھروں میں سے کوئی ایک گھر فروخت کر دیا۔ ❷

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ...... کہتے ہیں: یہ بیع صحیح ہے اور یہ باب خیار میں سے ہوگی، اور عقد کسی ایک حالت پر طے ہو جائے گا، یہ عقد اس کے بعد پیش آنے والے امور پر جاری ہوگا، گویا عقد کافی ہوگا۔ ❸ جبکہ مالکیہ اس قسم کی بیع کے متعلق وارد حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں چونکہ اس میں ایک راوی ہے جس میں کلام کیا گیا ہے اور وہ محمد بن عمرو بن علقمہ ہے چنانچہ بہت سارے اصحاب الجرح والتعدیل نے اس میں کلام کیا ہے نیز یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے کہ بائع کہے: نقد اتنے روپے میں اور ادھار اتنے روپے میں۔ البتہ اگر سرے سے ہی یوں کہا جائے کہ ادھار اتنے روپے میں ہوگا اور بتائے ہوئے نرخ اس دن کے نرخ سے زیادہ ہوں تو بیع صحیح ہوگی۔ ❹

۹: قسطوں کی بیع یا ادھار کی بیع...... شافعیہ، حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ، زید بن علی، موید باللہ اور جمہور کہتے ہیں کہ فی الحال کی ہوئی بیع جو ادھار ہو یا قسطوں میں کی گئی ہو جبکہ طے ہونے والے ثمن نقد ثمن سے زائد ہوں بشرط یہ کہ جب عقد مستقل ہو اس میں سودے کی جہالت یا ایک بیع میں دو بیع نہ ہوں، تو یہ بیع جائز ہے۔ چنانچہ ابن قدامہ ''المغنی'' میں رقم طراز ہیں۔ ''ادھار پر خرید و فروخت کرنا بالاتفاق حرام نہیں اور نہ ہی مکروہ ہے، چنانچہ جب کسی چیز یا سامان کی فی الحال خریداری پر اتفاق ہو جائے اور ثمن ایک ہزار ایک سو مقررہ مدت میں دینا یا قسط وار ادائیگی کرنی ہو جبکہ اسی سامان کے نقد نرخ ایک ہزار روپے ہوں تو یہ بیع جائز ہے اگر بھاؤ تاؤ کے دوران دو نرخ بتائے گئے جس میں سے ایک ریٹ نقد بیع کا ہو اور ایک قسط وار ادائیگی کا ہو پھر آخر میں قسط وار ادائیگی پر بیع طے ہو جائے۔ البتہ اگر عقد واحد کی صورت میں بائع نے کہا میں نے تمہیں سامان نقدی ایک ہزار میں فروخت کیا اور قسط وار گیارہ سو میں فروخت کیا، مشتری نے کہا میں نے بیع قبول کر لی لیکن صورت متعین نہ کی بلکہ صورت ابہام میں رکھی یعنی وہ کون سا سودا کرنا چاہتا ہے اس کی تعیین نہیں کی، جمہور کے نزدیک یہ عقد باطل ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے۔

چونکہ عقد میں جہالت ہے، بعض زیدیہ کہتے ہیں: اس دن کے نرخ سے زیادہ نرخوں کے ساتھ کسی چیز کی بیع حرام ہے، چونکہ اس میں نساءً (ادھار) ہے۔

فی الواقع قسطوں پر خرید و فروخت سود سے جدا ہے، اگرچہ ان دونوں میں مشابہت پائی جاتی ہے وہ یوں کہ قسط وار ادائیگی مدت کے مقابل میں ہے، وجہ فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ضرورت کے لئے بیع (خرید و فروخت) کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے چونکہ سود میں ملنے والی زیادتی مدت کے ساتھ مشروط ہوتی ہے، نیز سود متعاقدین میں سے کسی ایک کے دیئے ہوئے مال کی جنس میں سے ہوتا ہے جو مدت کے مقابلہ میں ہوتا ہے، جیسے ایک صاع گندم فی الحال دے دی جائے اور اس کے بدلے میں دو صاع مقررہ مدت پر لئے جائیں، یا قرض میں ایک

---

❶......البدائع ۱۸۵/۵ رد المحتار ۳۰/۴۔ ❷المہذب ۲۶۷/۱، مغنی المحتاج ۳۱/۳، المغنی ۲۳۴/۴۔ ❸بدایۃ المجتہد ۱۵۳/۲، المنتقیٰ علی المؤطا ۳۷/۵۔ ❹نیل الاوطار ۲۵۲/۵۔

ہزار روپے دیئے جائیں اور مقررہ مدت پر ایک ہزار ایک سو روپے لئے جائیں۔ رہی بات ادھار بیع یا قسطوں پر خرید وفروخت کی تو اس میں مبیع کی فی الحال قیمت ایک ہزار ہوتی ہے اور گیارہ سو روپے ایک مہینہ کے بعد ہوتی ہے یہ سود نہیں ہے۔ بلکہ خرید وفروخت میں یہ ایک قسم کا تسامح اور چشم پوشی ہے، چنانچہ مشتری تو سامان لیتا ہے روپے نہیں لیتا اور جو زائد رقم دیتا ہے وہ لی ہوئی چیز کی جنس میں سے نہیں ہوتی، جبکہ یہ طے شدہ ہے کہ فی الحال دی ہوئی چیز ادھار سے بہتر اور قیمتی ہوتی ہے۔

شریعت اشیاء کے طبائع کو بگاڑتی نہیں جب مبیع اور ثمن ایک جنس کے نہ ہوں۔ چنانچہ قسطوں پر اشیاء فروخت کرنے والا اپنے مال کی نکاسی چاہتا ہوتا ہے چونکہ نرخ اور قیمت میں قدرے گرانی کی وجہ سے مندی ہوتی ہے۔

۱۰: اصل کے تابع اشیاء کی خرید وفروخت...... جب کوئی چیز کسی دوسری چیز کے تابع ہو تو تابع کی مستقلاً بیع جائز نہیں جیسے زندہ دنبے کی چکی کی بیع، بکری کی دستی کی بیع یا سری کی بیع وغیرہ۔ اسی طرح کپڑے میں سے ایک ذراع (ایک میٹر) کی بیع۔ حنفیہ کہتے ہیں: زندہ بکری کے گوشت کی بیع یا اس میں موجود چربی کی بیع یا چکی کی بیع یا سری پایوں کی بیع، یہ سب بیع باطل ہے، یہ اس طرح کی بیع منعقد ہی نہیں ہوتی، چونکہ یہ معدوم چیز کی بیع ہوتی ہے چونکہ بکری تب گوشت بنتی ہے جب ذبح کردی جائے اور کھال اتار دی جائے۔

اس کی ایک مثال یہ بھی ہے جیسے یاقوت کی بیع کی لیکن وہ بلور نکلا، یا اون فروخت کی لیکن وہ روئی نکلی یہ بیع منعقد نہیں ہوگی چونکہ معدوم چیز کی بیع کی گئی ہے۔

رہی بات کپڑے میں سے ایک گز کپڑے کی بیع کی سو اگر ایک گز کپڑا کاٹ کر دینے میں بائع کا نقصان ہو جیسے آج کل کپڑا سوٹ کے حساب سے فروخت کیا جاتا ہے تو یہ عقد فاسد ہوگا چونکہ مبیع غیر کے تابع ہے اس کی سپردگی بغیر ضرر اور نقصان کے نہیں ہوسکتی۔

اسی طرح چھت میں نصب شہتیر اور دیوار میں لگی ہوئی اینٹ کی بیع بھی فاسد ہے۔ البتہ اگر بائع نے مشتری کے عقد فسخ کرنے سے پہلے چھت سے شہتیر اکھاڑ دیا یا ایک گز کپڑا کاٹ کر مشتری کے سپرد کردیا تو بیع صحیح ہوگی، چونکہ فساد جاتا رہا، اگر فسخ عقد کے بعد بائع نے ایسا کیا تو بیع جائز نہیں ہوگی۔

اگر مبیع کو الگ کرکے دینے میں بائع کا کوئی نقصان نہ ہو جیسے: غلّے کے ڈھیر میں سے ایک قفیز کی بیع یا چاندی کی ڈلی میں سے دس دراہم کی بیع تو یہ جائز ہوگی، چونکہ مبیع کو الگ الگ کرنے میں کوئی نقصان نہیں اور نہ ہی مبیع کسی دوسری چیز کے تابع ہے۔ (۱)

۱۱: قبضہ سے پہلے مملوک چیز کی خرید وفروخت:

حنفیہ...... کہتے ہیں: اگر خرید کردہ سامان منقولی چیز ہو تو قبضہ سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیز کو آگے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے جس پر ابھی قبضہ نہ کیا ہو، (۲) نہی منہی عنہ کے فساد کا تقاضا کرتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں غرر ہے چونکہ خرید کردہ سامان ضائع بھی ہوسکتا ہے، یعنی مشتری کو معلوم نہیں ہوتا کہ آیا قبضہ تک مبیع باقی رہے گی یا ضائع ہو جائے گی، لہٰذا پہلی بیع باطل ہے اور دوسری فسخ ہو جائے گی، حالانکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیع سے منع فرمایا ہے جس میں غرر ہو۔ (۳)

رہی بات غیر منقولی اشیاء کی جیسے پلاٹس، زمین اور گھر وغیرہ تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ان اشیاء کی بیع قبضہ

---

(۱)...... فتح القدیر ۴/۱۹۳، البدائع ۵/۱۳۹، ردالمحتار ۴/۱۱۴۔ (۲) فیہا احادیث منہا ما اخرجہ ابو داؤد عن ابن عمر قد سبق تخریجہ وذکرہ۔ (۳) رواہ مسلم واحمد واصحاب السنن الاربعة قد سبق تخریجہ۔

سے پہلے استحساناً جائز ہے، ان کا استدلال بیع کے عموم دلائل سے ہے اور ان میں کوئی تخصیص نہیں اور عموم کتاب کی خبر الواحد سے تخصیص جائز نہیں۔ زمین کی خرید وفروخت میں کوئی غرر نہیں چونکہ زمین کے ضائع ہونے کا خدشہ نہیں ہوتا اور نہ ہی بیع واقع ہونے کے بعد اس کے تغیر کا احتمال ہوتا ہے۔ ❶

خلاصہ..... حنفیہ کے نزدیک قبضہ سے پہلے بیع کے عدم جواز کی علت غرر ہے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: غلے پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں خواہ غلہ سودی اشیاء میں سے ہو یا غیر سودی اشیاء میں سے، اس کی دلیل ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص غلہ فروخت کرنا چاہے تو وہ اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے فروخت نہ کرے۔ ❷ غلے کے علاوہ کوئی اور چیز ہو تو قبضہ سے پہلے اس کی بیع جائز ہے چونکہ غلے میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے (مثلاً غلے میں گھن پیدا ہو جاتا ہے)، اس کی دلیل حدیث سابق کا مفہوم ہے۔ ❸

مالکیہ کے نزدیک قبضہ سے پہلے غلے کی بیع کے ممنوع ہونے کی علت یہ ہے کہ بسا اوقات بیع کو ربا نسیئہ کے حصول کا ذریعہ بنایا جاتا ہے، یہ غلہ کے بدلہ میں غلہ کی بیع جو نسیئہ ہو کے مشابہ ہے لہٰذا سدِ ذرائع کی وجہ سے حرام ہے۔

حنابلہ..... کہتے ہیں: غلے کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں، جبکہ غلہ مکیلی ہو یا موزونی ہو یا عددی ہو، چونکہ مکیلی، موزونی اور عددی چیز پر قبضہ سہولت سے ہو جاتا ہے اور اس پر قبضہ کرنا دشوار نہیں ہوتا، ان کی دلیل حدیث سابق ہے، حنابلہ کے نزدیک یہ ممانعت غلے کے ساتھ خاص ہے اس سے معلوم ہوا کہ غلے کے علاوہ بقیہ اشیاء کی بیع ان کے نزدیک جائز ہے۔ مکیلی، موزونی یا عددی ہونے کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ اس وصف کی اشیاء بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں کیل، وزن (ناپ تول) اور گنتی کے ساتھ جاتی ہیں، جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیز کی بیع سے منع فرمایا ہے جس کا ضمان انسان کے قبضہ میں نہ ہو، گویا اس بیع کی ممانعت کی علت حنابلہ کے نزدیک غرر ہے جیسے حنفیہ کے نزدیک اس کی علت غرر ہے۔

رہی بات مکیلی موزونی اور عددی اشیاء کے علاوہ دوسری اشیاء کی تو ان کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے۔ ❹

امام شافعی، امام محمد بن حسن اور امام زفر...... کہتے ہیں: جس چیز پر قبضہ سے پہلے ملکیت کو استقرار حاصل نہ ہو اس کی بیع مطلقاً جائز نہیں، برابر ہے کہ وہ چیز منقولی ہو یا غیر منقولی، چونکہ جس چیز پر قبضہ نہیں ہوا اس کی ممانعت میں عموم ہے۔

چنانچہ امام احمد نے حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل کی ہے ان کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں مختلف اشیاء کی خرید وفروخت کرتا ہوں ان میں سے کون سی چیز میرے لئے حلال ہے اور کون سی حرام ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی چیز کو خریدو تو جب تک اس پر قبضہ نہ کر لو اسے آگے مت فروخت کرو۔'' نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایک ساتھ قرضہ اور بیع حلال نہیں، اور جو چیز انسان کے ضمان میں نہیں اس کا نفع لینا بھی حلال نہیں اور جو چیز تمہارے پاس نہیں اس کی خرید وفروخت بھی حلال نہیں۔ یہ بیع مالم یضمن کے قبیل میں سے ہے یعنی اس چیز کی بیع کر دینا جو انسان کے ضمان میں نہ ہو۔

ان فقہاء کی عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ بیع باطل ہے چونکہ مبیع مقدور التسلیم نہیں۔ اور اس کی ملکیت کو استقرار حاصل نہیں ہوتا، چونکہ بسا اوقات یہ چیز ضائع بھی ہو جاتی ہے اور عقد فسخ ہو جاتا ہے، اس میں بلا ضرورت غرر ہے، لہٰذا جائز نہیں، گویا شافعیہ کے نزدیک بھی حنفیہ کی طرح

---

❶..... دیکھئے المبسوط ۱۳/۸، البدائع ۲۳۴/۵، فتح القدیر ۲۶۴/۵ مختصر الطحاوی ص ۸۴ ❷حدیث ابن عباس رواہ البخاری ومسلم وابو داؤد الترمذی والنسائی وحدیث ابن عمر رواہ احمد واصحاب الکتب الستۃ الا الترمذی۔ ❸بدایۃ المجتہد ۱۴۲/۲، المنتقی علی المؤطا ۲۷۹/۴ القوانین الفقہیۃ ص ۲۵۸۔ ❹المغنی ۱۱۰/۴۔

اس بیع کے ممنوع ہونے کی علت غرر ہے۔ ❶

جس چیز پر قبضہ نہیں کیا اس کی بیع ممنوع ہونے کی میرے نزدیک راجح حکمت یہ ہے کہ یہ بیع سود کے مشابہ ہے چونکہ جب خریدار بائع کو سامان کے روپے دیتا ہے پھر اس سامان پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے فروخت کر دیتا ہے گویا یہ ایسا ہی ہے کہ اس نے روپے دیئے اور محض روپے دینے پر بائع سے نفع کمایا اور کوئی دوسرا کام نہیں کیا، یہ شبہ ربا ہے۔ ❷

۱۲: معین مبیع اور ثمن معین میں مدت کی شرط لگانا...... جب معین مبیع یا ثمن معین کی سپردگی کے لئے مدت کی شرط لگائی جائے تو حنفیہ کے نزدیک بیع فاسد ہوگی، چونکہ دراصل عقد کے وقت ہی مبیع یا ثمن کو سپرد کرنا واجب ہوتا ہے چونکہ بیع عقدِ معاوضہ ہے جو کہ تملیک بمقابلہ تملیک اور تسلیم بمقابلہ تسلیم ہے۔

ادھار یعنی مدت کا مقرر کر لینا فی الحال وجوب تسلیم کی نفی کرتا ہے، گویا ادھار عقد کے مقتضا کو بدل دیتا ہے۔ لہٰذا عقد کا فساد واجب ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر مبیع مؤجل (ادھار) ہو تو پھر مدت کا مقرر کرنا صحیح ہے جیسے بیع سلم، بلکہ حنفیہ کے نزدیک تو مدت کے مقرر کرنے کے بغیر بیع سلم صحیح ہی نہیں۔ چونکہ مدت مقرر کرنا (تأجیل) قرضہ جات کے ملائم ہے۔

جبکہ اعیان کے ملائم نہیں چونکہ قرضہ جات میں مدت مقرر کرنے کی لوگوں کو ضرورت پیش آتی ہے۔ اعیان میں ضرورت پیش نہیں آتی۔ قرضہ جات میں اس لئے کہ مدت مقرر کرنے والا اس مدت کے اندر اندر کمائی کر کے قرضہ ادا کرنے کا انتظام کر لیتا ہے۔ جبکہ اعیان میں اس کی ضرورت نہیں۔ ❸

۱۳: شرط فاسد کے ساتھ بیع...... اس نکتہ کی وضاحت کیلئے میں بیوع میں لگائی جانے والی مختلف شرائط کی وضاحت کرتا ہوں۔

حنفیہ کے نزدیک شرائط...... حنفیہ کے نزدیک تین قسم کی شرائط ہیں:

۱...... شرط صحیح ۲...... شرط فاسد ۳...... شرط لغو باطل ❹

اول: شرط صحیح...... شرط صحیح سے مراد وہ شرط ہے جو شرعاً مقبول ہو، اور متعاقدین کو لازمی ہوتی ہے، اس قسم کی شرط کی چار انواع ہیں۔

۱: وہ شرط جس کا تقاضا عقد کرتا ہو...... جیسے کسی شخص نے کوئی چیز خریدی اور یہ شرط لگادی کہ فروخت کنندہ خرید کردہ سامان کو سپرد کردے گا۔ یا یہ شرط بائع نے لگائی کہ مشتری ثمن سپرد کرے گا، یا یہ شرط لگادی کہ مشتری مبیع کا مالک بن جائے گا یا شرط لگادی کہ بائع ثمن کا مالک بن جائے گا یا یہ شرط لگادی کہ بائع مبیع کو روکے رکھے گا تاوقتیکہ مشتری پوری قیمت ادا کردے، عقد ان شرائط کا تقاضا کرتا ہے چونکہ ثبوت ملک، سپردگی، اور مبیع کو روک لینا معاوضہ جات کے مقتضیات ہیں۔ ❺

۲: وہ شرط جو شریعت کی رو سے جائز ہو...... جیسے کسی ایک متعاقد کے لئے مدت یا خیار کی شرط لگا دینا چنانچہ مختلف واقعات جو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں میں تأجیل (مدت مقرر کرنے) کا جواز ثابت ہے چونکہ لوگوں کو اس کی حاجت پیش آتی ہے اور اس میں مصلحت بھی ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے شریعت میں خیار شرط کا جواز ثابت ہے کہ اس خیار کے ذریعے خواہ بیع نافذ کی جائے یا رد کی جائے، چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”جب تم خرید و فروخت کرو تو کہہ دیا کرو کہ یہ بیع

❶...... المهذب ۱/۲٦٤، الميزان ٦٢/٢، مغني المحتاج ٦٨/٢. ❷اصول البيوع الممنوعة ص ٦٤. ❸البدائع ١٧٤/٥، ردالمحتار ٢٣/٥. ❹البدائع ١٦٨/٥، المبسوط ١٣/١٣، فتح القدير ٢١٤/٥، رد المحتار ١٢٦/٤، عقد البيع للاستاد مصطفى الزرقاء ص٢٧. ❺البدائع ص ١٧١/٥.

لازم نہیں مجھے تین دن کا خیار حاصل ہے۔'' ❶ استحسان کا بھی یہی تقاضا ہے، ورنہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ شرط فاسد ہے، چونکہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور عقد کا مقتضی یہ ہے کہ عوضین میں فی الحال ملکیت ثابت ہو۔

۳: وہ شرط جو مقتضائے عقد کے ملائم ہو...... جیسے ادھار ثمن پر کی ہوئی خرید وفروخت اس شرط کے ساتھ کی کہ مشتری کفیل یا رہن پیش کرے گا۔ چونکہ کفالت اور رہن وثیقۂ ثمن ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ بیع کے ملائم ہوں گے اور سپردگی کے مؤید ہوں گے۔

یہ شرط قدرے تفصیل کی محتاج ہے چونکہ کفیل اور رہن یا تو معلوم (مقرر ومعین) ہوں گے یا مجہول ہوں گے، پھر آیا کہ حوالہ بھی کفالت اور رہن کی مانند ہے؟

رہن اور کفیل مجہول ہوں...... چنانچہ جب رہن اور کفیل مجہول ہوں (یعنی یہ معلوم نہ ہو کہ کفیل کون ہے اور رہن میں کیا چیز رکھی جا رہی ہے؟) تو بیع فاسد ہوگی، مثلاً جیسے بائع کہے: میں تمہیں اس شرط پر یہ چیز فروخت کرتا ہوں کہ تم مجھے ثمن کے بدلہ میں رہن دو گے، جبکہ رہن میں کیا چیز ہوگی؟ نہ ہی کسی چیز کا نام لے اور نہ ہی اس کی طرف اشارہ کرے، یا کہے: اس شرط کے ساتھ یہ چیز فروخت کرتا ہوں کہ تم مجھے ثمن کا کفیل دو گے، اور کفیل کون ہو؟ نہ ہی کسی شخص کا نام لے اور نہ ہی کسی کی طرف اشارہ کرے۔ چونکہ یہ جہالت نزاع تک پہنچا دیتی ہے جو کہ مبیع کے لینے اور دینے سے مانع ہے، جبکہ رہن یا کفالت سے ثمن کے حصول کا وثوق اور تاکید سپردگی سے حاصل ہوتی ہے اور یہ امر مجہول چیز میں متحقق نہیں ہو سکتا۔

اگر مجلس عقد میں متعاقدین کسی چیز کو بطور رہن رکھنے پر اتفاق کر لیں تو بیع جائز ہوگی، چونکہ جہالت رہن عقد سے مانع تھی اب جبکہ وہ جاتی رہی، گویا ابتدائے عقد ہی میں رہن مقرر اور معین تھا، چونکہ مجلس کا حکم حالت واحدہ پر ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر متعاقدین کا کسی چیز کو رہن رکھنے پر اتفاق نہ ہو لیکن مشتری ثمن نقدی دے دے تو بھی بیع جائز ہوگی، چونکہ رہن رکھنے کا مقصد ہی یہی تھا تاکہ ثمن کی وصولی کی راہ ہموار ہو، اب یہ مقصد حاصل ہو چکا لہٰذا وثیقے کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔

اگر متعاقدین مجلس عقد میں اٹھ کر چلے گئے تو فساد راسخ ہو جائے گا چونکہ قبول عقد میں شرط لگائے ہوئے رہن پر موقوف تھا لہٰذا جب رہن نہیں پایا گیا تو قبول بھی نہیں پایا گیا۔

جب رہن اور کفیل معلوم ومتعین ہوں...... خواہ ان کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہو یا ان کا نام لے لیا گیا ہو، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ بیع جائز نہ ہو، امام زفرؒ نے قیاس ہی کو اختیار کیا ہے چونکہ جو شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو وہ فی الاصل مفسد عقد ہوتی ہے، جبکہ رہن اور کفالت کی شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے لہٰذا یہ شرط عقد کو فاسد کر دے گی۔

جبکہ جمہور حنفیہ کے نزدیک استحسان جواز کا مقتضی چونکہ یہ شرط اگر صورۃً مقتضائے عقد کے خلاف ہے لیکن معنوی طور پر عقد کے موافق ہے، چونکہ رہن اور کفالت شرعاً وثیقۂ ثمن ہوتے ہیں، چنانچہ رہن رکھنے سے اور کفیل لینے سے بائع کا حق پختہ ہو جاتا ہے گویا رہن اور کفالت معنوی طور پر مقتضائے عقد کے موافق ہیں۔

لہٰذا یہ شرط ثمن کے کھرے ہونے کی شرط کے مشابہ ہے۔

ملاحظہ...... کفالت کی شرط لگانے کی صورت میں بیع کا استحساناً جائز ہونا تب ہے جب کفیل مجلس عقد میں حاضر ہو، یا کفیل مجلس سے عقد کے وقت غائب ہو لیکن پھر جب حاضر ہو اور وہ کفالت کو قبول بھی کرے، یہ ایسا ہی ہے جیسے بوقت عقد کفالت کو قبول کیا ہو چونکہ مجلسِ عقد عقد کا

❶ ......رواہ الحاکم فی المستدرک عن ابن عمرؓ۔

حکم رکھتی ہے۔البتہ اگر کفیل مجلس سے غائب ہو یا مجلس میں حاضر ہو لیکن کفالت کو قبول نہ کرے یا کفالت کو قبول کرے لیکن مجلس سے غائب ہو تو کفالت صحیح نہیں ہوگی، چونکہ اس سے توثیق کا معنی حاصل نہیں ہوتا، لہٰذا حکم اصل قیاس کا باقی رہے گا، چونکہ کفیل کے ذمہ میں ثمن کا واجب ہونا بیع کی وجہ سے ہوتا ہے، لہٰذا کفیل بمنزلہ مشتری کے ہوتا ہے یہ تب ہے جب بیع میں کفالت کی شرط لگائی گئی ہو۔ مجلس بیع میں مشتری کا موجود ہونا ایجاب کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے اسی طرح کفیل کا موجود ہونا بھی شرط ہے۔

یہ تفصیل رہن کے بخلاف ہے، چنانچہ مرہون چیز کا مجلس بیع میں موجود ہونا شرط نہیں، چونکہ رہن کا پیش کرنا مشتری کی طرف سے ہوتا ہے جبکہ مشتری حاضر ہوتا ہے اور رہن کا معاہدہ کر رہا ہوتا ہے لہٰذا رہن صحیح ہوتا ہے۔ البتہ جب مشتری بائع کو رہن نہ دے تو رہن کا حکم ثابت نہیں ہوتا چونکہ رہن کے حکم کا ثبوت قبضہ پر موقوف ہے جیسا کہ ''باب الرھن'' میں یہ امر معروف ہے، اگر رہن حوالے کر دیا تو عقد مکمل ہو جائے گا۔

اگر مشتری رہن حوالے کرنے سے انکار کرے تو امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے مجبور کیا جائے گا چونکہ جب بیع میں رہن کی شرط لگائی جاتی ہے تو یہ ثابت شدہ حق ہوتا ہے اور سپردگی پر مجبور کرنا عقد بیع کے حقوق میں سے ہے۔

جمہور حنفیہ کے نزدیک مشتری کو رہن سپرد کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا چونکہ دراصل رہن عقد تبرع ہوتا ہے، اور عقد بیع میں رہن کی شرط لگا لینے سے رہن تبرع ہونے سے خارج نہیں ہوتا، جبکہ تبرع پر زبردستی کرنا مشروع نہیں۔ لہٰذا مشتری کو رہن پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ مشتری سے کہا جائے گا یا تو رہن لاؤ یا قیمت دو یا بیع ہی فسخ کردو، چونکہ بائع اس پر راضی نہیں کہ ثمن مشتری کے ذمہ میں واجب رہیں۔ الا یہ کہ ثمن کے بدلہ میں کوئی وثیقہ ہو، اگر مشتری مذکور بالا امور میں سے کچھ بھی نہ کرے تو بائع کو بیع فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوگا چونکہ اس کی غرض فوت ہو چکی۔

حوالہ......حوالہ کی شرط یا تو بائع کی طرف سے ہوگی یا مشتری کی طرف سے، چنانچہ اگر بیع میں بائع نے شرط لگائی کہ مشتری ثمن کا کسی قرض خواہ پر حوالہ کرے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

الف......اگر پورے کے پورے ثمن کا حوالہ کر دیا تو بیع فاسد ہوگی، چونکہ اس صورت میں بیع میں یہ شرط ملحوظ ہو جاتی ہے کہ ثمن کسی غیر مشتری پر شرط لگا دی جاتی ہے اور یہ باطل ہے چونکہ یہ مقتضائے عقد کے مخالف ہے۔

ب......اگر یہ شرط لگائی کہ نصف ثمن فلاں شخص پر حوالہ کر دے تو بیع جائز ہوگی بشرط یہ کہ جب محال علیہ حاضر ہو اور حوالہ قبول بھی کرے جیسے مثلاً کوئی شخص ایک چیز کو ہزار روپے میں فروخت کرے اور شرط یہ لگا دے کہ پانچ سو روپے۔ فلاں شخص کے ذمہ ہوں گے اور وہ فلاں شخص مجلس عقد میں موجود ہو اور حوالہ قبول بھی کرلے، یا محال علیہ مجلس عقد سے غائب ہو پھر حاضر ہو اور مجلس میں قبول کرے چونکہ مجلس عقد عقد کا حکم رکھتی ہے۔

اگر مشتری نے بیع میں یہ شرط لگائی ہو کہ بائع اپنے کسی قرض خواہ پر ثمن کا حوالہ کرے تاکہ وہ اسے دے یا یہ شرط لگائے کہ مشتری بائع کے کسی قرض خواہ کو ثمن کا ضامن بنائے تو بیع فاسد ہوگی۔ ❶ چونکہ حوالہ کی شرط اور ضمان کی شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے، بلکہ یہ ایسی شرط ہے کہ جس میں عاقد کی منفعت ہے، چنانچہ جب ایسی شرط ہو جس کا تقاضا عقد نہ کرتا ہو وہ فی الاصل مفسد ہوتی ہے الا یہ کہ جب کسی شرط سے عقد کی پختگی اور تاکید مقصود ہو، حوالہ تو ثمن سے بری الذمہ ہونے کا نام ہے، لہٰذا عقد کے ملائم (مناسب) نہیں ہوتا، بخلاف کفالت اور رہن کے، نیز ضمان ثمن کی صفت پر نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک شرط ہے جس میں کسی عاقد کی منفعت ہوتی ہے۔

---

❶......البدائع ۵/۱۷۲۔

۴: شرط صحیح...... وہ ہے جو عرف عام کے موافق ہو جیسے اس شرط پر لاک خریدنا کہ بائع اسے دروازے میں فٹ کرے گا یا جوتا خریدا کہ بائع اس کی سلائی کر کے دے گا، اسی طرح گھڑی، واشنگ مشین، فریزر اور ریڈیو وغیرہ اس شرط کے ساتھ خریدا کہ بائع ایک سال تک ان کی درستی کرے گا اگر ان اشیاء میں کوئی خرابی آ گئی، تو یہ بیع استحساناً جائز ہے، قیاس تو عدم جواز کا مقتضی ہے اور یہی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وجہ قیاس...... یہ ہے کہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور اس میں کسی ایک عاقد کی منفعت ہے اور یہ شرط مفسد عقد ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اس شرط پر کپڑا خریدے کہ بائع اس کی قمیص شلوار بھی بنائے گا۔

وجہ استحسان...... خرید و فروخت کے معاملہ میں اس شرط پر لوگوں کا تعامل رہا ہے جیسے استصناع میں لوگوں کا تعامل ہے یوں لوگوں کے تعامل کی وجہ سے قیاس ساقط ہو جاتا ہے جیسے استصناع میں قیاس ساقط ہو جاتا ہے۔

دوم: شرط فاسد...... یعنی شرط مفسد (جو عقد کو فاسد کر دے) یہ وہ شرط ہے جو مذکورہ بالا چار شرائط کے علاوہ ہو یعنی وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور عقد کے ملائم اور مناسب نہ ہو اور اس کے متعلق شریعت بھی وارد نہ ہوئی ہو، لوگوں کے ہاں بھی متعارف نہ ہو۔ البتہ اس میں کسی ایک متعاقد کی منفعت ہو، جیسے کوئی شخص گندم خریدے اور شرط یہ لگا دے کہ بائع اسے پیس کر دے گا یا اس شرط پر کپڑا خریدے کہ بائع اس کی قمیص بنا کر دے گا یا گندم اس شرط پر خریدے کہ وہ ایک ماہ تک بائع کے گھر میں رہے گی، یا کوئی شخص گھر فروخت کرے اور ساتھ یہ شرط لگا دے کہ وہ ایک سال تک اس میں رہے گا پھر مشتری کے حوالے کرے گا۔ یا کوئی زمین فروخت کرے اور ساتھ یہ شرط لگائے کہ وہ ایک سال تک زمین میں کاشتکاری کرے گا۔ یا گھوڑا (یا گاڑی) فروخت کرے کہ وہ ایک سال تک یا ایک ماہ تک اس پر سواری کرے گا۔ یا یہ شرط لگائے کہ مشتری اسے قرضہ دے گا یا یہ شرط لگائے کہ مشتری اسے کوئی چیز ہبہ کرے گا۔

ان سب صورتوں میں بیع فاسد ہے چونکہ ہر وہ زیادتی جو منفعت کے زمرہ میں آتی ہو اور عقد میں مشروط ہو وہ سود ہے چونکہ یہ ایسی زیادتی ہوتی ہے جس کے مقابلہ میں عقد بیع میں کوئی عوض نہیں ہوتا یہی تو سود ہے اور وہ بیع جس میں سود ہو وہ فاسد ہوتی ہے یا کم از کم اس میں شبہ ربا ہوتا ہے اور شبہ ربا بھی بیع کو فاسد کر دیتا ہے، جیسے حقیقت ربا عقد کو فاسد کر دیتی ہے۔ ❶

سوم: شرط لغو یا شرط باطل...... یہ وہ شرط ہوتی ہے جس میں کسی ایک عاقد کا نقصان ہو یہ ایسا ہی ہے جیسے اس شرط پر کسی چیز کو فروخت کرنا کہ مشتری اس چیز کو آگے کسی کو فروخت نہیں کرے گا، یا کسی کو ہبہ نہیں کرے گا۔

حنفیہ کے نزدیک...... بیع تو جائز ہوگی لیکن صحیح مذہب کے مطابق شرط باطل ہے، چونکہ یہ ایسی شرط ہے کہ اس میں کسی کا نفع نہیں لہٰذا فساد واجب نہیں ہوگا۔ چونکہ اس جیسی شرائط میں فسادِ بیع کے ضمن میں سود ہوتا ہے جو کہ مشروط منفعت ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی عوض بھی نہیں ہوتا، جبکہ زیر بحث شرط میں منفعت نہیں پائی گئی چونکہ کسی عاقد کو نفع نہیں حاصل ہوتا الا یہ کہ یہ فی نفسہ شرط فاسد ہے، لیکن یہ عقد میں مؤثر نہیں ہوگی، لہٰذا عقد جائز ہوگا اور شرط باطل ہوگی۔ ❷

ملاحظہ رہے کہ حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر متعاقدین عقد صحیح کے ساتھ کسی صحیح شرط کو ملحق کر دیں جیسے خیار صحیح تو یہ شرط عقد کے ساتھ ملحق ہو جائے گی۔

رہی بات شرط فاسد کی سو وہ اگر عقد کے ساتھ ملحق کر دی جائے حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے بیع صحیح کی پھر عقد کے ساتھ کوئی شرط فاسد لگا دی تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ یہ تفصیل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

❶ ...... البدائع ۱۶۹/۵، المبسوط ۱۳/ ۱۵، رد المحتار ۱۲۶/۴، فتح القدير ۲۱۴/۵ ـ ❷ المبسوط ۱۳/ ۱۵، البدائع ۱۷۰/۵ فتح القدير ۱۱۱/۵۔

صاحبین کہتے ہیں: یہ شرط عقد کے ساتھ ملحق نہیں ہوگی اور عقد بھی فاسد نہیں ہوگا البتہ شرط لغو ہوگی، چونکہ شرط فاسد جب عقد کے ساتھ ملحق کردی جائے تو وہ عقد کی صحت کو فساد میں بدل دیتی ہے لہٰذا وہ شرط صحیح نہیں ہوتی اور عقد باقی صحیح رہتا ہے، چونکہ عقد کلام ہوتا ہے جس کی بقاء نہیں، جبکہ معدوم کا الحاق جائز نہیں، لہٰذا مناسب ہے کہ الحاق سرے سے صحیح ہی نہ ہو، ہاں البتہ عقد کے ساتھ شرط صحیح کا الحاق بوجہ ضرورت شرعاً ثابت ہے۔ ❶

صاحبین کا قول زیادہ صحیح ہے جیسا کہ ابن عابدین نے جامع الفصولین سے نقل کیا ہے۔ ❷

غیر حنفیہ کے نزدیک بیع اور شرط کا حکم...... یہ بات طے شدہ ہے غیر حنفیہ کے نزدیک غیر صحیح بیع کے فاسد اور باطل ہونے میں کوئی فرق نہیں، چنانچہ جب کسی شرط کا بیع کے ساتھ مقترن کرنا صحیح نہ ہو تو شرط بیع کو فاسد یا باطل کردیتی ہے۔ ان دونوں میں نتیجہ برابر ہوتا ہے، بیع بشرط (یعنی ایک شرط کے ساتھ بیع) وہ ہوتی ہے جسے فقہاء ''ثنیا'' کا نام دیتے ہیں، فقہاء کا اس کے حکم میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک اس کا حکم مذکور بالا تفصیل کے عین مطابق ہے، شافعیہ کا حدیث پر عمل ہے کہ بیع فاسد ہے، حنابلہ کہتے ہیں بیع صحیح ہے اور شرط بھی صحیح ہے، حنابلہ نے حدیث سے استدلال نہیں کیا، جبکہ مالکیہ کے مذہب میں تفصیل ہے۔

شافعیہ کے مذہب کی تفصیل...... درج ذیل ہے۔ ❸ جب بیع میں کوئی شرط لگائی جائے تو دیکھا جائے گا کہ آیا عقد اس شرط کا تقاضا کرتا ہے یا نہیں؟ اگر عقد تقاضا کرتا ہو جیسے مبیع کی سپردگی کی شرط، عیب کی وجہ سے مبیع واپس کرنے کی شرط وغیرہ تو عقد صحیح ہوگا۔ چونکہ شرط مذکور مقتضائے عقد کو بیان کردیتی ہے، اسی طرح اگر شرط ایسی ہو جس کا تقاضا عقد نہ کرتا ہو تو بھی عقد صحیح ہوگا لیکن اس میں کسی ایک عاقد کے لئے مصلحت ہوتی ہے جیسے خیار کا حاصل ہونا، ادھار، رہن، ضمان یا کفالت، چونکہ شریعت نے اس طرح کی شرط کو جائز قرار دیا ہے نیز اس کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔

اگر اس کے علاوہ کوئی ایسی شرط لگائی گئی جو مقتضائے عقد کے منافی ہو جیسے بائع نے یہ شرط لگادی کہ مشتری مبیع کو آگے فروخت نہیں کرے گا، یا مبیع کسی کو ہبہ نہیں کرے گا یا یہ شرط لگائی کہ مشتری فلاں چیز اسے فروخت کرے گا یا اتنی مقدار میں رقم اسے قرض دے گا یا شرط لگادی کہ گھر میں ایک مہینے تک رہے گا یا مشتری نے بائع پر شرط لگادی کہ وہ کپڑے سی کردے گا، یا خریدی ہوئی فصل میں شرط لگادی کہ بائع کاٹ کر بھی دے گا یا چمڑا خریدا اور شرط لگائی کہ بائع اس کا جوتا بھی بنا کردے گا، ان تمام صورتوں میں بیع باطل ہے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔ ❹

حنابلہ...... کہتے ہیں: جب بیع میں دو شرطیں لگائی گئیں ہوں تو بیع باطل ہوگی ❺ اور اگر بیع میں ایک شرط لگائی گئی ہو تو بیع باطل نہیں ہوگی چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرضہ اور بیع ایک ساتھ حلال نہیں، ایک بیع میں دو شرطیں نہیں لگائی جاسکتیں اور اس چیز کی بیع بھی حلال نہیں جو تمہارے پاس موجود نہ ہو۔ ❻

دو شرطوں سے مراد ایسی شرطیں ہیں جنہیں عقد کی کوئی مصلحت نہ ہو، جیسے کسی شخص نے کپڑا خریدا اور بائع پر یہ شرط لگادی کہ وہ کپڑا سیئے گا بھی اور اس کو رنگ بھی کرے گا، یا غلہ خریدا اور یہ شرط لگادی کہ بائع اسے پیسے گا بھی اور اٹھا کر لائے گا بھی۔ چنانچہ اگر کسی نے یہ شرط لگائی تو بیع جائز ہوگی۔

---

❶......البدائع ۱۷۶/۵، فتح القدیر ۲۲۷/۵۔ ❷ردالمحتار علی الدر المختار ۱۲۷/۴۔ ❸مغنی المحتاج ۳۱/۲، المهذب ۲۶۵/۱۔ ❹رواه عبدالحق فی احكامه عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ورواه ابوحنيفة ايضاً۔ ❺المغنی ۲۲۴/۴، غاية المنتهی ۲۳/۲۔ ❻رواه ابوداؤد والترمذی من حديث عبدالله بن عمرو وقال الترمذی حديث حسن صحيح۔

حنابلہ کے نزدیک چار اقسام کی شرائط:

اول...... وہ شرط جو مقتضائے عقد ہو جیسے مبیع کو سپرد کرنے کی شرط، خیار مجلس کی شرط، فی الحال قبضہ کی شرط، اس شرط کا وجود اور عدم برابر ہے کسی معین حکم کا فائدہ نہیں دیتی اور نہ ہی عقد میں کوئی اثر کرتی ہے۔

دوم...... ایسی شرط جس کے ساتھ کسی ایک عاقد کی مصلحت متعلق ہو یا دونوں عاقدوں کی مصلحت متعلق ہو، جیسے ادھار کی شرط، خیار، رہن اور کفیل کی شرط، یا کسی صفت مقصودہ کی بیع میں شرط لگانا، یہ شرط جائز ہے اور اس کا پورا کرنا لازمی ہے۔ ابن قدامہ کہتے ہیں: ہمیں معلوم نہیں کہ شرط کی ان دونوں قسموں میں کسی کا اختلاف ہو۔

سوم...... ایسی شرط جو مقتضائے عقد نہ ہو اور نہ ہی اس میں عقد کی مصلحت ہو اور نہ ہی مقتضائے عقد کے منافی ہو اس شرط کی دو قسمیں ہیں۔

۱...... ایسی شرط لگانا کہ مبیع کے اعتبار سے بائع کا کوئی نفع ہو، اگر شرط واحد ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسے مشتری بائع پر شرط لگادے کہ خریدا ہوا کپڑا بائع سیئے گا۔ یا خریدی ہوئی لکڑیوں کے گٹھے میں یہ شرط لگانا کہ بائع معلوم جگہ تک اٹھا کر لائے گا، یا خرید کردہ گھر میں یہ شرط لگائی کہ بائع مثلاً ایک ماہ تک گھر میں رہے گا، اس شرط کے جائز ہونے پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خریدا اور یہ شرط لگائی تھی کہ جابر رضی اللہ عنہ مدینہ میں اپنے گھر والوں تک سوار ہو کر جائیں گے۔ ❶

۲...... یہ کہ عقد میں عقد کی شرط لگائی جائے جیسے کوئی شخص اس شرط سے چیز فروخت کرے کہ مشتری بھی اسے کوئی چیز فروخت کرے گا، یا اسے اجارہ پر کوئی چیز دے گا، یا اس کی شادی کرائے گا یا اسے قرضہ دے گا یہ شرط فاسد ہے، اس سے بیع فاسد ہو جاتی ہے چونکہ ایک بیع میں دو بیع سے منع فرمایا گیا ہے۔

چہارم...... ایسی شرط لگادینا جو مقتضائے بیع کے منافی ہو جیسے شرط لگادی کہ مشتری بیع کو آگے فروخت نہیں کرے گا یا اسے ہبہ نہیں کرے گا یا شرط لگادے کہ وہ بیع کو فروخت کرے گا یا وقف کرے گا، اس شرط کے بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں، اصح روایت یہ ہے کہ بیع صحیح ہے اور شرط باطل ہے۔

مالکیہ...... کے مذہب میں قدرے تفصیل ہے۔ ❷ چنانچہ اگر شرط ایسی ہو کہ اس کا تقاضا مشتری کو خاص یا عام تصرف سے منع کرنے کا ہو تو شرط اور بیع باطل ہے، جیسے شرط لگائی کہ مشتری مبیع کو فروخت نہیں کرے گا۔ یا ہبہ نہیں کرے گا، تو یہ شرط جائز نہیں چونکہ یہ "ثنیا" ہے ❸ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثنیا سے منع فرمایا ہے یا الا یہ کہ ثنیا معلوم و متعین ہو۔ ❹ اگر مشتری سے اس شرط کو ساقط کر دیا جائے تو بیع جائز ہوگی۔

اگر بائع نے اپنے ذاتی نفع کے لئے شرط لگائی جیسے جانور پر سوار ہونے کی شرط، یا گھر میں سکونت پذیر ہونے کی شرط جو تھوڑی مدت تک کے لئے ہو جیسے مہینے تک کے لئے تو بیع جائز ہوگی اور شرط بھی جائز ہوگی اس کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ابھی اوپر گذری ہے۔

اگر بائع نے ایسی شرط لگائی جس کا خلل ثمن میں پڑتا ہو تو بیع صحیح ہوگی اور شرط باطل ہوگی، جیسے بائع شرط لگادے کہ اگر تین دن تک

---

❶...... حدیث بالمعنی ہے واخرجه احمد و الشیخان عن جابر۔ ❷بداية المجتهد ۲/۱۵۹، القوانين الفقهية ص ۲۵۹، الشرح الكبير للدردير ۳/۶۵۔ ❸ ثنیا، استثناء سے ماخوذ ہے اور بیع میں استثناء کی صورت یہ ہے جیسے کوئی چیز فروخت کرے اور بائع اس میں سے کچھ اپنے لئے مستثنیٰ کر لے اگر مستثنیٰ متعین ہو تو بیع صحیح ہے اگر غیر معین ہو تو بیع صحیح نہیں۔ ❹رواه النسائی والترمذی وصححه عن جابر۔

مشتری نے ثمن (قیمت) نہ لائے تو ان کے درمیان بیع قائم نہیں رہے گی۔ اگر بائع نے مشتری سے کہا جب میں تمہارے پاس ثمن لے کر آ ؤں تمہیں مبیع مجھے واپس کرنی ہوگی۔ حنفیہ کی نزدیک یہ بیع ''بیع الوفا'' کے نام سے معروف ہے اور یہ جائز نہیں۔

پھلوں اور غلہ کی خرید وفروخت..... پھلوں اور غلہ کی خرید وفروخت روزمرہ تجارتی زندگی میں وسیع پیمانے پر کی جاتی ہے اس لئے بیع کی یہ قسم تفصیل طلب ہے۔ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ پیدا ہونے سے پہلے ہی پھلوں کی بیع منعقد نہیں ہوتی، چونکہ یہ ایسی چیز کی بیع ہے جو بائع کے پاس نہیں اور ابھی اسے وجود ہی نہیں ملا، اور یہ سالہا سال کی بیع کے قبیل سے ہے جس کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے بیع السنین اور معاومہ سے منع فرمایا ہے۔ معاومہ کا معنی ہے کہ باغ کے پھلوں کی ایک سال تک یا ایک سال سے زیادہ تک بیع کر دینا۔ مثلاً بائع کہے کہ ۳ یا ۴ سالوں تک جو پھل بھی آئیں گے وہ سب میں آج ہی خرید رہا ہوں۔ نیز یہ بیع المعدوم ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے غرر کے متعلق گذشتہ صفحات میں ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ غرر کا معاملہ گول مول ہوتا ہے اور اس کا انجام پردۂ خفا میں پڑا ہوتا ہے، غرر کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ مبیع کا وجود کبھی پایا جاتا ہے اور کبھی نہیں پایا جاتا، اگر وجود پایا بھی جائے تو مقدار مجہول ہوتی ہے۔

پھلوں کو توڑنے کے بعد ان کی خرید وفروخت میں کسی کا اختلاف نہیں۔

رہی بات درختوں کے ساتھ لگے ہوئے پھلوں کی خرید وفروخت کی یا زمین میں کھڑی فصل کی تو اس میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں پھلوں اور کھیتی کی خرید وفروخت یا تو بدوصلاح سے پہلے ہوگی یا بدوصلاح کے بعد ہوگی، پھر خرید وفروخت بشرط قطع ہوگی یا مطلق ہوگی یا بشرط ترک ہوگی۔

اول...... فصل یا پھلوں کے بدوصلاح سے قبل خرید وفروخت ہو تو اس کی کئی صورتیں ہیں:

۱...... اگر بشرط قطع ہو (یعنی بائع یہ شرط لگادے کہ مشتری فوراً پھل توڑ لے) تو بیع جائز ہے اور فی الحال پھلوں کو توڑنا واجب ہوگا الا یہ کہ بائع اجازت دے دے۔

۲...... اگر بیع مطلق ہو یعنی قطع یا ترک کی شرط نہ لگائی گئی ہو تو حنفیہ کے نزدیک یہ بیع بھی جائز ہے لیکن اس میں شافعیہ، مالک رحمۃ اللہ علیہ واحمد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ چونکہ ترک کی شرط واضح طور پر نہیں لگائی گئی جبکہ عقد سرے سے مطلق عن الشرط ہے، لہٰذا بغیر کسی دلیل کے شرطِ ترک کے ساتھ اسے مقید کرنا جائز نہیں، بالخصوص جب عقد کرنے میں عقد فاسد ہوتا ہو۔ حنفیہ کے نزدیک بیع صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ مال ہے اور قابل انتفاع ہے کم از کم اس سے جانوروں کے چارے کا کام تو لیا جا سکتا ہے اگرچہ انسانوں کے اعتبار سے اس میں نفع نہ ہو۔

۳...... اگر پھلوں کی خرید وفروخت بدوصلاح سے قبل ہو اور بشرط ترک ہو تو علمائے حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق بیع فاسد ہوگی، چونکہ یہ ایسی شرط ہے کہ عقد اس کا تقاضا نہیں کرتا، بلکہ اس میں تو کسی ایک عاقد کی منفعت ہے، اور وہ عاقد مشتری ہے لہٰذا یہ شرط عقد کے ملائم اور مناسب نہیں، اور نہ ہی لوگوں کے ہاں اس پر تعامل ہے۔ [1]

یہ شرط مفسد ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص نے گندم خریدی اور ساتھ شرط لگادی کہ گندم بائع کے گھر میں رہے گی پھلوں کی وجہ یہ ہے کہ ترک کی شرط کو وجود تبھی ملے گا جب درختوں اور زمین کو عاریۃً لے گا جبکہ درخت اور زمین بائع کی ملکیت ہیں، گویا ترک کی شرط میں عاریت کی شرط بھی وجود میں آجاتی ہے اور یہ شرط صفقہ میں صفقہ (ایک سودے میں دوسرا سودا) ہے اور یہ ممنوع ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے۔ پھر یہ عقد غرر پر بھی مشتمل ہے چونکہ مشتری کو معلوم نہیں ہوتا کہ پھل باقی رہیں گے یا کسی آفت سے ضائع ہوں گے، گویا اس بیع کے فاسد ہونے کی

[1]...... لیکن ہند و پاک میں لوگوں کا اسی پر تعامل ہے حتیٰ کہ ہر باغ کی خرید وفروخت ہو جاتی ہے اور پھل درختوں پر لگے رہتے ہیں۔

تین چیزیں علت بنتی ہیں۔اس میں غرر ہے، شرط فاسد ہے اور صفقہ میں صفقہ ہے۔

دوم...... یہ کہ بیع بدو صلاح کے بعد ہو۔ ❶

۱...... اگر بیع بشرط قطع ہو تو بیع جائز ہے۔

۲...... اگر بیع مطلق ہو اور کوئی شرط نہ لگائی گئی ہو تو یہ بھی جائز ہے۔

۳...... اگر بیع بشرط ترک ہو اور پھل اپنی انتہاء کو نہ پہنچا ہو تو بلا اختلاف بیع فاسد ہے، جیسے اور تیسری حالت میں گزر چکا ہے۔

اگر پھل اپنی انتہاء کو پہنچ گیا ہو (یعنی پھل نے جتنا بڑھنا تھا بڑھ گیا) تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع فاسد ہے چونکہ ترک کی شرط میں خریدار کا نفع ہے جبکہ عقد اس شرط کا تقاضا نہیں کرتا، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص گندم خریدے اور ایک ماہ تک بائع کے گھر میں چھوڑنے کی شرط لگا دے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں! یہ بیع لوگوں کے ہاں متعارف ہے اور اس پر تاجروں کا تعامل ہے لہٰذا استحسانا جائز ہے۔ ❷ واضح رہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جواز مبیع میں شرط ترک لگانے پر تعامل ناس کی وجہ سے نہیں بلکہ لوگوں کا تعامل تو عقد بیع میں ترک کی شرط لگائے بغیر محض چشم پوشی پر مبنی ہے۔ درمختار میں ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

بدو صلاح کے بعد مطلق خریداری کی صورت میں ترک کا حکم...... اگر کسی شخص نے پھل خریدے اور کوئی شرط نہ لگائی پھر پھل درختوں پر چھوڑ دیئے یہاں تک کہ پھل پک جائیں تو اس میں قدرے تفصیل ہے۔

الف...... اگر پھل انتہاء کو پہنچ گیا اور صرف پکنا باقی رہ گیا ہو تو خریدار کچھ بھی صدقہ نہ کرے خواہ پھل بائع کی اجازت سے درختوں پر چھوڑے ہوں یا بائع کی اجازت کے بغیر چھوڑے ہوں۔ چونکہ پھل جب اپنی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے تو پھر اس میں اضافہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کی ظاہری حالت تبدیل ہوتی ہے یعنی صرف پکنا ہوتا ہے، رہی بات فصل (کھیتی) کی سو اگر فصل میں نماء بڑھوتری ہو تو بھی مشتری کے لئے حلال وطیب ہے، حتیٰ کہ بائع کی اجازت کے بغیر ہی کیوں نہ ہو چونکہ بڑھوتری خریدار کی ملکیت میں ہوتی ہے چونکہ فصل کی ٹہنی اور تنا خریدار کی ملک ہے یہاں تک کہ بھوسہ بھی اس کی ملکیت ہے۔ بخلاف درختوں کے چنانچہ پھل تو خریدار کی ملک ہوتے ہیں لیکن درخت اس کی ملک نہیں ہوتے۔

ب...... اگر پھل اپنی انتہاء کو نہ پہنچا ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر ترک بائع کی اجازت سے ہو تو بیع جائز ہے اور جو اضافہ ہوگا وہ حلال وطیب ہے۔ اگر ترک بائع کی اجازت سے نہ ہو تو عقد کے بعد جو اضافہ ہوا سے صدقہ کرے چونکہ اضافہ ممنوع سبب سے حاصل ہوا ہے، لہٰذا اس میں خبث آ جائے گا لہٰذا اس کی راہ صرف صدقہ ہے۔ ❸

مدت ترک میں نئے پیدا ہونے والے پھل کا حکم...... جب مدت ترک میں درخت نے مزید پھل پیدا کر دیا تو وہ بائع کا ہوگا خواہ ترک بائع کی اجازت سے ہو یا اس کی اجازت کے بغیر، چونکہ یہ بائع کی ملک میں بڑھوتری ہے لہٰذا بائع کی ملک ہوگی اگر خریدار کے لئے بائع حلال کر دے تو جائز ہے۔

اگر عقد کے وقت موجود پھل اور بعد میں پیدا ہونے والا پھل مخلوط ہو جائے اور ان میں تمیز ناممکن ہو تو اس میں دیکھا جائے گا چنانچہ اگر اختلاط خریدار اور پھلوں اور بائع کے درمیان تخلیہ سے پہلے ہو تو بیع باطل ہو جائے گی۔

---

❶...... بدو صلاح سے مراد ہے کہ پھل انسانی استعمال کے لائق ہو جائے۔ ❷ المبسوط ۱۲/۱۹۵، البدائع ۵/۱۷۳، فتح القدیر ۵/۱۰۲ رد المحتار ۴/۴۰، الاموال ونظریۃ العقد ص ۳۰۷۔ ❸ البدائع ۵/۱۷۳۔

جیسا کہ علامہ کاسانیؒ نے بدائع میں ذکر کیا ہے، چونکہ اختلاط کی وجہ سے مبیع کا سپرد کرنا پردۂ عجز میں چلا گیا، چونکہ اس میں جہالت ہے اور تمییز دشوار ہے۔

اگر اختلاط تخلیہ کے بعد ہو تو بیع باطل نہیں ہوگی چونکہ تخلیہ قبضہ ہے اور بیع تمام ہو چکی لیکن پھل بائع اور مشتری دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا چونکہ ایک کی ملک دوسرے کے ساتھ خلط ہو چکی ہے اور امتیاز ناممکن ہے۔

لہٰذا پھل دونوں میں مشترک ہوں گے، زیادہ مقدار کے دعویٰ میں خریدار کا قول معتبر ہوگا چونکہ تخلیہ کی وجہ سے خریدار کا قبضہ ثابت ہے، ❶ پھلوں اور کھیتی کی خرید وفروخت میں یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: اگر پھلوں میں بدوصلاح (کھانے کی صلاحیت) ہو چکی ہو تو بیع جائز ہے خواہ مطلق ہو خواہ بشرط قطع ہو یا بشرط ترک ہو۔

اگر پھلوں کی خرید وفروخت بدوصلاح سے قبل ہو اور بشرط ترک ہو تو بالا جماع بیع صحیح نہیں چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ بدوصلاح ہو جائے (یعنی انسانی استعمال کے لائق ہو جائے) آپ نے بائع اور مشتری دونوں کو منع کیا ہے۔ ❷ نہی فسادِ منہی عنہ کا تقاضا کرتی ہے، ابن منذر کہتے ہیں کہ اہل علم نے اس حدیث کے جملہ پر اجماع کیا ہے، دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ بیع علی خطر المعدوم کے درجہ میں ہے۔ ❸

اگر بیع بشرط قطع ہو تو بالا جماع صحیح ہے، چونکہ ممانعت کی وجہ پھلوں کے تلف ہونے کا خوف ہے اور پھلوں میں کسی آفت کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اس کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع سے منع کیا ہے یہاں تک کہ پھل تیار ہو جائے، ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا پھلوں کے تیار ہونے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا پھلوں کا سرخ اور زرد ہونا، فرمایا: بتاؤ جب اللہ تعالیٰ پھلوں سے منع فرمائے تو تم اپنے بھائی کے مال کو کیسے حاصل کرو گے؟ ❹ اگر فی الحال پھلوں کو توڑنا ہو تو بیع صحیح ہوگی، ابن رشد کہتے ہیں: چونکہ بیع ممنوع ہونے کی علت یہ ہے پھل تیار ہونے سے پہلے کسی آفت کا شکار بھی ہو سکتے ہیں علماء نے نہی کو مطلق نہیں رکھا، بلکہ علماء کی رائے میں ممانعت اس صورت میں ہے کہ جب پھل تیار ہونے سے قبل درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگا دی جائے، چنانچہ فقہاء نے پھلوں کے تیار ہونے سے قبل بیع کو جائز قرار دیا ہے۔ زمین میں کھڑی ہری کھیتی کی خرید وفروخت کے عدم جواز پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ کھجوروں میں زردی پیدا ہو جائے اور آپ نے کھڑی (ہری) فصل کی خرید وفروخت سے بھی منع فرمایا یہاں تک کہ خوشوں میں سفیدی آ جائے اور فصل آفت سے محفوظ ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائع اور مشتری کو منع فرمایا ہے۔ ❺ ابن منذر کہتے ہیں: میں کسی کو نہیں جانتا جو اس قول سے عدول کرتا ہو۔

جب پھلوں کی خرید وفروخت بدوصلاح سے قبل ہو اور بیع مطلق ہو یعنی ترک یا قطع کی شرط نہ لگائی گئی ہو تو بیع باطل ہے، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدوصلاح سے قبل مطلقاً پھلوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے۔ یہ صورت محل نزاع بھی ہے چونکہ عقد کا اطلاق ترک (یعنی پھلوں کو درختوں پر باقی رہنے) کا مقتضی ہے چونکہ مطلق متعارف کی طرف راجع ہوتا ہے اور متعارف ترک ہے، سیاقِ حدیث اس کی دلیل ہے۔ لہٰذا مطلق عقد ایسا ہی ہے جیسے کہ اس میں ترک کی شرط لگا دی گئی ہو، لہٰذا دونوں صورتیں نہی میں داخل ہوں گی لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ علت کی بنا پر ان صورتوں میں بھی علت صحیح ہوگی جو پھل کو ضائع ہونے سے روکنا ہے۔ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی

---

❶......البدائع المرجع السابق۔ ❷رواه الشيخان وابو داؤد والنسائی والترمذی والمؤطا عن ابن عمر۔ ❸یہ اجماع محل نظر ہے چونکہ یزید بن ابی حبیب مالکی اور لخمی مالکی نے بیع بشرط ترک کو جائز قرار دیا ہے۔ بداية المجتهد ۲/۱۴۸، المنتقى على الموطا ۴/۲۱۸۔ ❹اخرجه البخاری ومسلم والمؤطا والنسائی۔ ❺اخرجه الجماعة الا بخاری وابن ماجهٗ عن ابن عمر (نصب الراية ۴/۵)

ہے کہ غایت کا مابعد غایت کے ماقبل کے خلاف ہے۔ (۱) اور یہ نہی بیع مطلق کو بھی شامل ہے۔ (۲)

خلاصہ.....صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں: پھلوں کے ظہور سے پہلے خرید وفروخت کے عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں، اسی طرح ظہور کے بعد بدوصلاح سے قبل بشرط ترک کے عدم جواز میں بھی اختلاف نہیں۔ بدوصلاح سے قبل بشرط قطع کے جائز ہونے میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ بدوصلاح کے بعد خرید وفروخت کے جواز میں بھی اختلاف نہیں، البتہ بدوصلاح سے قبل پھلوں کی خرید وفروخت میں اختلاف ہے۔ (۳)

ابن عابدین نے اپنے رسالہ ''نشر العرف'' میں بدوصلاح سے قبل اور بعد مطلقاً پھلوں کی بیع کو جائز قرار دیا ہے جبکہ ترک کی شرط پر عرف عام چل پڑا ہو چونکہ جب شرط فاسد پر عرف چل پڑتا ہے تو وہ شرط صحیح ہو جاتی ہے اور عقد استحساناً صحیح ہوتا ہے۔ (۴)

جمہور کے نزدیک بدوصلاح یا ازھاء کا مطلب......بدوصلاح سے مراد کھجوروں میں سرخی اور زردی کا ظاہر ہونا ہے۔ جبکہ انگوروں میں میٹھے پانی، نرمی اور زردی کا ظاہر ہونا ہے۔ جبکہ ان کے علاوہ دوسرے پھلوں میں پکنے کے آثار کا ظاہر ہونا بدوصلاح ہے یعنی اعتبار رنگ تبدیل ہونے کا ہے جو کہ سرخی، سیاہی یا زردی کا ظاہر ہونا ہے، جیسے پکی کھجور، کچے انگور، خوبانی اور آلو بخاری میں یہ رنگ ظاہر ہوں، اور وہ پھل جو رنگ نہیں بدلتے ان میں پکنے کے آثار کے ظاہر ہونے کا اور مٹھاس پیدا ہونے کا اعتبار ہے، جبکہ فصلوں میں ٹانٹوں کے سخت ہونے کا اعتبار ہے۔ (۵) اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا یہاں تک کہ پھلوں میں خوشنمائی پیدا ہو جائے، (۶) ایک دلیل پیچھے بھی گزر چکی ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوروں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا یہاں تک کہ انگوروں میں سیاہی پیدا ہو جائے۔ (۷)

حنفیہ.....کہتے ہیں: بدوصلاح سے مراد پھلوں کا آفت اور فساد سے محفوظ ہو جانا ہے (۸) یعنی حنفیہ نے محض پھلوں کے ظاہر ہونے کا اعتبار کیا ہے جبکہ جمہور نے پھلوں کے پکنے اور حلاوت کے ظاہر ہونے کا اعتبار کیا ہے، اور اناج کے سخت ہونے کا اعتبار کیا ہے۔

بدوصلاح کے معاملہ میں پھلوں کی ہر نوع اور صنف کو حنفیہ کے نزدیک علیحدہ علیحدہ دیکھا جائے گا، شافعیہ اور حنابلہ کی مشہور روایت یہ ہے کہ پھلوں کی ہر صنف کو الگ الگ دیکھا جائے گا اور باغ کا (بھی) الگ سے اعتبار ہے، چنانچہ اگر انگوروں میں بدوصلاح ہو جائے تو ان کو بنیاد بنا کر انار کی خرید وفروخت صحیح نہیں ہوگی، اسی طرح ایک باغ کے پھلوں میں اگر بدوصلاح ہو جائے تو اس کا اعتبار دوسرے باغ میں نہیں ہوگا۔ چونکہ ایک جنس دوسری جنس کے تابع نہیں ہوتی، چنانچہ جغرافیائی اعتبار سے باغات کے پھلوں کا پکنا مختلف اوقات میں ہوتا ہے۔

مالکیہ.....کہتے ہیں: اگر پھلوں کی کسی بھی صنف میں بدوصلاح ہو جائے تو اس باغ کے آس پاس کے سبھی باغات کے پھلوں کی بیع جائز ہے البتہ ایک صنف کے پھلوں میں بدوصلاح کی وجہ سے دوسری صنف کے پھلوں کی بیع جن میں بدوصلاح نہ ہوا ہو جائز نہیں۔

ظاہریہ.....کہتے ہیں: جب کسی باغ میں پھلوں کی کسی بھی صنف میں بدوصلاح ہو جائے تو پھلوں کی دوسری جمیع اصناف کی بیع جائز

---

(۱).....غایت سے مراد حتیٰ (یہاں تک کہ) ہے۔ (۲) المنتقیٰ علی المؤطا ۲۱۸/۴، بدایۃ المجتھد ۱۴۸/۲، القوانین الفقھیۃ ص ۲۱۶، المغنی ۸۰/۴ غایۃ المنتھیٰ ۶۹/۲۔ (۳) فتح القدیر ۱۰۲/۵۔ (۴) نشر العرف ص ۳۸ رسالۃ العرف والعادۃ للاستاذ الشیخ فھمی بی سنہ ص ۱۴۰۔ (۵) المنتقیٰ علی المؤطا ۲۱۷/۴، بدایۃ المجتھد ۱۵۰/۲ القوانین الفقھیۃ ص ۲۶۱ تکملۃ الجموع ۳۵۱/۱۱، المغنی ۸۷/۴۔ (۶) رواہ البخاری ومسلم والمؤطاء والنسائی عن انسؓ۔ (۷) رواہ اصحاب السنن ماعدا النسائی عن انس۔ (۸) رد المحتار ۴۰/۴۔

ہے لیکن شرط یہ ہے کھجوروں اور انگوروں کے علاوہ بقیہ پھلوں کی بیع ہو اور صفقہ واحدہ ہو جبکہ کھجوروں اور انگوروں کی بیع پکنے کے آثار ظاہر ہونے کے بعد ہوگی چونکہ خصوصیت سے نص ان دونوں میں وارد ہوئی ہے۔ (۱)

ایسے پھلوں کی خرید وفروخت جن کا ظہور پے در پے ہوتا ہو..... جب بدو صلاح کے بعد پھل یا کھیتی فروخت کی جائے تو غالب یہی ہوتا ہے کہ سارے پھلوں میں پے در پے بدو صلاح ہو جائے گا اور نو پید پھل پہلے سے موجود کے ساتھ خلط ہو جائے گا۔ جیسے انجیر، کھیرا، کیلا، گلاب، خربوز، بینگن، ککڑی اور کدو وغیرہا، چنانچہ حنفیہ (ظاہر الروایۃ میں) شافعیہ، حنابلہ، ظاہریہ، زیدیہ اور اباضیہ کہتے ہیں: ان میں سے جو چیز بھی پہلے مرحلے (پہلی بار کا پھل) میں ظاہر ہو جائیں اور قابل استعمال ہوں تو ان کی بیع جائز ہے اور اگر ان میں سے کچھ پھل ظاہر ہو چکا ہو اور کچھ نہ ہوا ہو (مثلاً کھیرے آدھے تیار ہوں آدھے پیدا ہی نہ ہوئے ہوں یا ظاہر ہی نہ ہوئے ہوں) تو ان کی بیع جائز نہیں۔ چونکہ اس صورت میں عقد معلوم ومجہول پر مشتمل ہوگا، بسا اوقات اللہ تعالیٰ درخت سے پھل کو پیدا ہی نہیں کرتا، لہٰذا بیع صحیح نہیں چونکہ مبیع کو سپرد کرنے پر قدرت نہیں حاصل ہوتی، البتہ پودوں سمیت پھل کی بیع سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ جس پھل میں بدو صلاح نہ ہوا ہو تو انفرادی طور پر اس کی بیع جائز ہے بخلاف اس پھل کے جو پیدا ہی نہ ہوا ہو۔

البتہ حنفیہ عدم جواز کی صورت میں کہتے ہیں کہ بیع فاسد ہے (۲) جبکہ دوسرے فقہاء کہتے ہیں: یہ بیع باطل ہے، یہاں حنفیہ کا ایک دوسرا قول بھی ہے کہ یہ بیع جائز ہے چونکہ اس طرح پھلوں کی خرید وفروخت کے متعلق لوگوں کی عادت ہے اور لوگوں کو ان کی عادت سے دور کر دینے میں حرج اور تنگی ہے، ابن عابدین نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے اور مجلہ میں بھی میں نے یہی قول اختیار کیا ہے۔

مالکیہ، ابن تیمیہ، ابن قیم شیعہ امامیہ (یہی قول متاخرین حنفیہ کے نزدیک راجح ہے)..... کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے متعلق حسن ظن رکھتے ہوئے اور ایک انسان کا اپنے مسلمان بھائی کو ثمن کا کچھ حصہ چشم پوشی کر کے دینے کے اعتبار سے یہ بیع صحیح ہے اور ثمن کا یہ حصہ اس پھل کے مقابل میں ہو جسے اللہ تعالیٰ نے نکالنا ہے۔ عرف بھی اسی پر جاری ہے اور لوگوں کی عادت بھی یہی ہے۔ نیز ظاہر اور غیر ظاہر میں تمیز کرنا مشکل ہے لہٰذا غیر ظاہر کو ظاہر کا تابع بنا دیا گیا ہے جیسے وہ پھل جن میں بدو صلاح نہ ہوا ہو وہ اس پھل کے تابع ہوتا ہے جس میں بدو صلاح ہو چکا ہو۔ (۳) میں اس رائے کو ترجیح دیتا ہوں چونکہ روز مرہ کے معاملات میں یہی صورت جاری ہے اور لوگوں کے ہاں یہی متعارف ہے اگر اس کو ممنوع قرار دیا جائے تو نہ ختم ہونے والے تنازعات کھڑے ہو جائیں گے۔

خوشوں میں گندم کی خرید وفروخت:

حنفیہ..... کہتے ہیں: خوشوں کے اندر گندم کی بیع، چھلکے کے اندر لوبیے، چاول اور تلوں کی بیع جائز ہے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کی بیع سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ ان میں زردی پیدا ہو جائے، خوشوں کی بیع سے بھی منع فرمایا یہاں تک کہ ان میں سفیدی آجائے اور آفت سے محفوظ ہو جائیں، آپ نے بائع اور مشتری کو منع کیا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ دانے ہیں جو قابل انتفاع ہیں لہٰذا ان کی بیع خوشوں میں جائز ہے جیسے جو کی بیع جائز ہے۔ (۴)

---

(۱)..... المراجع السابقہ، المحلی ۵۳۰/۸۔ (۲) البدائع ۱۷۳/۵ تکملۃ المجموع ۳۵۹/۱۱ مغنی المحتاج ۹۲/۲ المغنی ۹۰/۴ غایۃ المنتہیٰ ۶۸/۲ البحر الزخار ۳۱۷/۳ ردالمحتار ۴۰/۴، رسائل ابن عابدین ۱۳۹/۲ ابن عابدین کہتے ہیں دمشق میں اس قسم کی بیع کا عام رواج ہے اور صرف اسی طریقے سے بیع ہوتی ہے اگر جواز کا قول نہ کیا جائے تو پھلوں کا کھانا حرام ہو جائے گا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کی بنا پر بیع سلم کی اجازت دی ہے جبکہ وہاں تو بیع المعدوم ہے لہٰذا استحساناً اسے جائز قرار دیا جائے گا۔ (۳) بدایۃ المجتہد ۱۵۶/۲ بلغۃ السالک ۷۹/۲ المختصر النافع ص ۱۵۴ اعلام الموقعین ۱۲/۲۔ (۴) فتح القدیر ۱۰۶/۵۔

مالکیہ، حنابلہ اور ظاہریہ...... بھی یہی کہتے ہیں کہ خوشوں کے اندر دانوں کی بیع جائز ہے، لیکن خوشوں کو چھوڑ کر ان میں پڑے ہوئے دانوں کی انفرادی، بیع جائز نہیں، چونکہ اس صورت میں خوشوں میں پڑے ہوئے دانوں کی قلت وکثرت اور وجود وعدم کا کوئی پتہ نہیں ہوگا۔ ان کی دلیل حدیث سابق ہے، عقلی دلیل یہ ہے کہ جب دانوں میں سختی پیدا ہوجاتی ہے تو ان کا بدوصلاح ہوجاتا ہے لہٰذا دانے پھلوں کی مانند ہوئے جب ان میں بدوصلاح ہوجائے اور جب دانوں میں سختی پیدا ہوجائے تو اس نوع کی فصل جو دوسرے کھیتوں میں ہو اس کی بیع بھی جائز ہے جیسے پھلوں میں سے کچھ میں بدوصلاح ہو تو ساروں کی بیع جائز ہوتی ہے۔ ❶

شافعیہ...... کہتے ہیں: (یہ قول شافعیہ کے نزدیک زیادہ صحیح ہے) وہ فصل جس کے دانے خوشے میں نظر نہیں آتے، جیسے گندم، مسور اور تل وغیر تو ان کی بیع خوشوں میں جائز نہیں، اگرچہ دانوں میں سختی پیدا ہوگئی ہو اور خوشوں کے علاوہ ان میں پڑے ہوئے دانوں کی بیع ہی کی ہو چونکہ دانے خوشوں میں پوشیدہ ہوتے ہیں، خوشوں کے ساتھ بھی بیع صحیح نہیں۔ چونکہ مقصود تو وہ چیز ہے جو چھپی ہوئی ہے۔ اسی طرح گاہنے کے بعد بھوسے میں پڑی ہوئی گندم کی بیع پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں چونکہ یہ بیع قطعاً صحیح نہیں۔ نیز یہ غرر کے باب سے ہے، رہی بات اس حدیث کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشوں کی بیع سے منع فرمایا یہاں تک کہ دانوں میں سختی پیدا ہوجائے۔ کہ یہ حدیث جو کہ بیع پر محمول ہے تاکہ دونوں دلیلیں جمع ہوجائیں۔ چاول جو کے حکم میں ہیں، چھلی ہوئی مکئی بھی جو کے حکم میں ہے اور چھلکے میں پڑی ہوئی مکئی گندم کے حکم میں ہے۔ ❷

بیع فاسد میں خریدی ہوئی چیز میں تصرف کرنا

بیع فاسد میں خریدی ہوئی چیز میں تصرف کرنا...... بیع فاسد کے احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد مشتری تصرفات کا مالک بن جاتا ہے، چونکہ خریدار کو ایک گونا ملکیت حاصل ہوجاتی ہے، نیز یہ تصرفات نافذ سمجھے جائیں گے جیسے بیع، ہبہ، صدقہ، رہن اور اجارہ میں تصرفات نافذ ہوتے ہیں، چونکہ یہ تصرفات حرام طریقہ سے نفع اٹھانے کے حق کو زائل کردیتے ہیں، لیکن حنفیہ کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ یہ تصرفات مکروہ ہیں، چونکہ حق شرع کی وجہ سے عقد فاسد کو فسخ کرنا واجب ہے، جبکہ ان تصرفات کی وجہ سے یہ حق یا تو باطل ہوجاتا ہے یا اس میں تاخیر ہوجاتی ہے لہٰذا یہ تصرفات مکروہ ہوں گے۔

البتہ وہ تصرفات جو بعینہ مبیع کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں جیسے غلہ کو کھالینا، کپڑا پہن لینا، سواری پر سوار ہوجانا اور گھر میں سکونت اختیار کرلینا تو یہ تصرفات بیع فاسد میں خریدار کے لئے مباح نہیں ہوں گے چونکہ بیع فاسد سے ملک خبیث حاصل ہوتی ہے اور ملک خبیث مطلق نفع کا فائدہ نہیں دیتی چونکہ بیع فاسد کو ختم کرنا واجب ہوتا ہے، حنفیہ کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ ❸

وہ امور جن سے حق فسخ باطل ہوجاتا ہے:

۱: بیع فاسد میں خریدی ہوئی چیز پر واقع ہونے والا تصرف...... یہ طے ہے کہ بیع فاسد سے حاصل ہونے والی ملک غیر لازمی ہوتی ہے، بلکہ وہ فسخ کے قابل ہوتی ہے عاقدین میں سے ہر ایک کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ دوسرے کی رضامندی کے بغیر قبضے سے پہلے ہی عقد کو فسخ کردے، فساد خواہ جیسا کیسا بھی ہو، جیسے قبضہ کے بعد فسخ عقد کرنا ہوتا ہے، جب فساد کسی عوض کی طرف راجع ہوتا ہو، جیسے ثمن شراب یا خنزیر ہو۔

اگر فساد قبضہ کے بعد کسی عوض کی طرف راجع نہ ہوتا ہو جیسے بیع میں کوئی ایسی شرط لگادی جو زائد ہو اور کسی ایک عاقد کا اس میں نفع ہو تو امام

❶.....المنتقیٰ علی المؤطا ۲۲۰/۴، بدایۃ المجتهد ۱۵۱/۲، حاشیۃ الدسوقی ۱۶/۳، المغنی ۳/۴ المحلی ۳۹۵/۸۔ ❷ مغنی المحتاج ۹۰/۲، المجموع للنووی ۳۳۸/۹۔ ❸ فتح القدیر ۲۳۲/۵، البدائع ۳۰۴/۵۔

ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر عاقد کو فسخ کا حق حاصل ہوتا ہے، چونکہ عقد فی نفسہ لازم نہیں ہوتا، جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حق فسخ اس شخص کو حاصل ہوگا جس کے لئے منفعت کی شرط لگائی گئی ہو۔ چونکہ جس شخص کے لئے منفعت کی شرط لگائی گئی ہوتی ہے وہ عقد کو صحیح کرنے پر قادر ہوتا ہے بایں طور کہ وہ شرط مفسد کو ختم کردے۔❶

یہ تفصیل اصل تصرف جو کہ فاسد ہو اس کی نسبت سے ہے، اب آیا کہ شرائے فاسد کے تحت خریدی ہوئی چیز پر قبضہ کرنے کے بعد تصرف واقع کی وجہ سے حق فسخ باطل ہوگا؟ سو اس میں تفصیل ہے۔❷

۱.....اگر تصرف ہر اعتبار سے ملک کو زائل کرتا ہو جیسے بیع، ہبہ اور اعتاق، تو تصرف فسخ نہیں ہوگا یعنی بیع فاسد میں حق فسخ باطل ہو جائے گا خریدار کے ذمہ قیمت یا مثل واجب ہوگی چونکہ یہ محل مملوک میں تصرف ہے گویا خریدار کا تصرف نافذ ہوگا۔

۲.....اگر کسی ایک وجہ سے تصرف ملک کو زائل کرتا ہو یا ملک کو زائل نہ کرتا ہو۔

الف.....پھر اگر تصرف ایسا ہو کہ فسخ کا احتمال نہ رکھتا ہو جیسے فقہاء نے اس کی مثال تدبیر، ام ولد بنانا، کتابت بیان کی ہے تو یہ تصرف فسخ کو باطل کردے گا۔

ب.....اگر تصرف فسخ کا احتمال رکھتا ہو جیسے اجارہ تو تصرف فسخ ہو جائے گا چنانچہ اگر کسی شخص نے کوئی چیز اجرت پر دی تو مالک اول کو فسخ اجارہ کا حق حاصل ہے پھر فساد کی وجہ سے بیع فسخ ہوگی، چونکہ اجارہ اگرچہ عقد لازم ہے لیکن عذر کی وجہ سے فسخ ہو جاتا ہے۔ جبکہ فسخ کو ختم کرنے سے بڑا عذر کوئی نہیں۔

اگر کسی شخص نے بیع فاسد سے حاصل ہونے والی چیز کے متعلق وصیت کی تو وصیت صحیح ہوگی اور جب تک موصی (وصیت کرنے والا) زندہ رہے اس وصیت کو فسخ کرنا جائز ہے چونکہ وصیت تصرف غیر لازم ہوتا ہے جب تک موصی زندہ رہے۔ اگر فسخ سے پہلے موصی مر گیا تو حق فسخ ساقط ہو جائے گا چونکہ ملک موصی لہ کو منتقل ہو جاتی ہے جیسے بیع سے منتقل ہوتی ہے۔

ملحوظ رہے کہ حق فسخ وراثت میں منتقل ہوتا ہے اگر شرائے فاسد میں خریدار مر جائے تو حق ورثاء میں منتقل ہوگا۔ اس کے بعد بھی بائع فسخ کا حق رکھتا ہے اسی طرح ورثاء بھی فسخ کا حق رکھتے ہیں، چونکہ وارث حق فسخ میں میت کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر بائع مر جائے تو اس کے ورثاء کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ مبیع واپس لینے کا مطالبہ کریں۔

۲۔ بیع فاسد کی مبیع (سامان) میں اضافہ کردینا.....جب بیع فاسد کی مبیع میں کوئی اضافہ ہو جائے تو اس اضافہ کی دو صورتیں ہوں گی یا تو اضافہ منفصل ہوگا یا متصل ہوگا۔

۱۔ اضافہ متصل ہو.....اس کی بھی دو صورتیں ہیں اضافہ یا تو اصل سے پیدا شدہ ہوگا یا اصل سے پیدا شدہ نہیں ہوگا۔

الف.....اگر اصل سے پیدا ہوا ہو جیسے فربہی اور خوبصورتی تو یہ اضافہ فسخ سے مانع نہیں ہوگا چونکہ یہ اضافہ حقیقتاً اصل کے تابع ہے، جبکہ اصل کا واپس کرنا واجب ہے اسی طرح تابع کا بھی واپس کرنا ضروری ہے، جیسے غصب میں اصل اور تابع کو واپس کرنا ضروری ہوتا ہے۔

ب.....اگر اضافہ اصل سے پیدا شدہ نہ ہو جیسے آٹے کو گھی کے ساتھ خلط کرلیا یا شہد کے ساتھ ملا لیا تو یہ اضافہ فسخ سے مانع ہے، چونکہ فسخ یا تو صرف اصل کا ہوگا یا اصل اور اضافہ دونوں کا ہوگا، پہلی صورت تو دشوار ہے چونکہ گھی آٹے سے الگ نہیں ہو سکتا، دوسری صورت بھی ناممکن ہے چونکہ اضافہ بیع میں داخل نہیں نہ ہی اصل ہو کر نہ ہی تابع ہو کر، لہٰذا تصرف فسخ میں داخل نہیں ہوگا۔

۲۔ اضافہ منفصل ہو.....اس اضافہ کی بھی دو صورتیں ہیں یا تو اصل سے پیدا شدہ ہوگا یا اصل سے پیدا شدہ نہیں ہوگا۔

---

❶.....البدائع ۵/ ۳۰۰، فتح القدیر ص ۲۳۱۔ ❷البدائع ۵/ ۳۰۱۔

الف......اگر اضافہ اصل سے پیدا شدہ ہو جیسے بچہ، دودھ اور پھل تو حق فسخ سے مانع نہیں ہوگا، بائع تابع کے ساتھ اصل کو واپس لے سکتا ہے چونکہ اضافہ اصل سے پیدا شدہ ہی، اصل کا واپس کرنا واجب ہے، اسی طرح اضافہ کو بھی واپس کرنا واجب ہے، جیسا کہ حالت غصب میں یہی حکم مقرر ہے۔ ملحوظ رہے کہ تاوان کو اسی قسم سے شمار کیا گیا ہے چونکہ تاوان جزو کا بدل ہوتا ہے جو کہ اصل سے فوت ہوتا ہے جیسے اصل سے پیدا شدہ اضافہ ہوتا ہے۔

ب......اگر اضافہ منفصل ہو اور اصل سے پیدا نہ ہوا ہو جیسے ہبہ، صدقہ وغیرہ تو یہ اضافہ واپس کرنے کے مانع نہیں ہوگا، بائع کو حق حاصل ہے کہ وہ اصل کے ساتھ اصافہ کو بھی واپس لے، چونکہ اضافہ ملک سے حاصل ہوا ہے البتہ یہ اضافہ حلال وطیب نہیں ہوگا۔ چونکہ اضافہ بائع کے ضمان میں نہیں آتا بلکہ مشتری کے ضمان میں آتا ہے۔

خلاصہ......وہ اضافہ جو متصل ہو اور اصل سے پیدا شدہ نہ ہو صرف یہی حق فسخ کو باطل کر دیتا ہے، اضافہ اگر خود ضائع ہو گیا تو اس کا ضمان نہیں ہوگا البتہ اگر ضائع کر دیا تو ضمان ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی عمل سے اضافہ ہوا تو وہ حق فسخ کو باطل کر دے گا۔ اس کی صورت یہ ہے جیسے خریدار بیع فاسد سے حاصل ہونے والے سامان میں کوئی کام کر دے اگر غاصب نے مغصوب میں کوئی عمل کر دیا تو مغصوب اس کی ملک بن جائے گا۔ جیسے مثلاً روئی خریدی اور خریدار نے اس سے دھاگے بنا لیئے، یا دھاگے خرید کر ان سے کپڑا بن لیا، یا بیع فاسد میں گندم خریدی اور اس کا آٹا پیس لیا یا انگور خریدے اور انہیں نچوڑ کر شیرہ بنا لیا یا پلاٹ خرید کر اس میں عمارت بنالی یا بکری خرید کر اسے ذبح کر دیا، جبکہ بیع فاسد میں مبیع پر قبضہ غصب کے قبضہ کی طرح ہوتا ہے۔

چونکہ جب تک یہ باقی ہوں واپس کرنا ضروری ہے۔ اور ضائع ہونے کی صورت میں قیمت یا مثل کا ضمان دینا ہوتا ہے۔

چنانچہ ہر وہ امر جو غصب کی صورت میں مالک کا حق ہو وہ بیع کی صورت میں مالک کے حق کو باطل کر دیتا ہے، اس وقت خریدار پر لازمی ہوتا ہے کہ وہ خرید کردہ چیز کی قیمت دے جیسے غصب میں ہوتا ہے۔ ❶

اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اگر بیع فاسد میں خرید کردہ پلاٹ میں خریدار عمارت کھڑی کر دے تو بائع عمارت تڑوانے کا مطالبہ نہیں کر سکتا، بلکہ مشتری کے ذمہ پلاٹ کی قیمت واجب ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

صاحبین کہتے ہیں: اس صورت میں حق فسخ باطل نہیں ہوگا بائع کو حق حاصل ہے کہ وہ عمارت توڑ ڈالے اور لگے ہوئے پودے اکھاڑ دے جیسا کہ غصب میں ہوتا ہے کہ اگر غاصب مغصوبہ زمین میں عمارت بنا ڈالے تو مالک کا حق باطل نہیں ہوتا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عمارت اور باغ لگانے کا مقصد ملک کو دوام دینا ہوتا ہے جبکہ عمارت اور باغ لگانے کا اختیار بائع کے مسلط کرنے سے حاصل ہو چکا چونکہ مبیع مشتری کی ملک ہو چکی جبکہ توڑ پھوڑ میں زیادہ نقصان ہوتا ہے۔

لہٰذا عمارت نہیں توڑی جائے گی اور باغ بھی نہیں اکھاڑا جائے گا۔ جیسے بیع اور ہبہ کے تصرف میں ہوتا ہے بخلاف غاصب کے چونکہ غصب کی صورت میں عمارت پر مسلط کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ ❷

اگر بیع فاسد کی مبیع میں نقصان بائع کے واپس لینے کے مانع نہیں ہوتا برابر ہے کہ نقصان آفت سماویہ سے ہو یا مبیع کے ذاتی فعل سے ہو یا مشتری کے فعل سے ہو، اگر نقصان کسی اجنبی کے فعل سے سرزد ہو تو بائع کو خیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو زیادتی کرنے والے سے مطالبہ کرے اور وہ خریدار پر رجوع نہیں کر سکتا۔ ❸

---

❶......البدائع ۵/ ۳۰۲، ردالمحتار ۴/ ۱۳۷، مجمع الضمانات ص ۲۱۶۔ ❷فتح القدیر ۵/ ۳۰۲، ردالمحتار ۴/ ۱۳۷، البدائع ۵/ ۳۰۴۔ ❸البدائع ۵/ ۳۰۳۔

اسلام میں ممنوع بیوع کا خلاصہ......اسلام میں ممنوع یامنہی عنہ بیوع کی تعداد کثیر ہے، جمہور کے نزدیک ان بیوع میں باطل اور فاسد کے ہونے میں کوئی فرق نہیں، جبکہ حنفیہ نے فاسد و باطل میں فرق کیا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، ان میں سے چند کو ہم نے ذکر کر دیا ہے، یہاں ان میں سے اہم کو میں ذکر کروں گا، تاہم ان کی چار اقسام ہیں:

۱......عاقد کی اہلیت کے بسبب۔

۲......صیغہ کے بسبب۔

۳......معقود علیہ یا محل عقد کے بسبب۔

۴......عقد کے کسی وصف یا شرط یا نہی شرعی سے مقترن ہونے کے بسبب۔

اول: عاقد کی اہلیت کے بسبب بیوع ممنوعہ......فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر عاقل بالغ مختار جس پر پابندی نہ ہو اس کی طرف سے صادر ہونے والی بیع صحیح ہے، اور وہ لوگ جن کی بیع صحیح نہیں ہوتی وہ درج ذیل ہیں۔

۱: مجنون کی بیع......بالاتفاق مجنون کی بیع صحیح نہیں ہوتی چونکہ اس کی اہلیت معدوم ہوتی ہے، بے ہوش، نشہ میں دھت بھی مجنون کے حکم میں ہے لہٰذا ان کی بیع بھی صحیح نہیں ہوتی۔

۲: بچے کی خرید وفروخت......غیر ممیز بچے کی بیع بالاتفاق صحیح نہیں، البتہ نہایت معمولی چیز کی خرید وفروخت جائز ہے (جیسے مثلاً بچے نے ٹافی خریدی) رہی بات ممیز بچے کی سو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کی بیع بھی صحیح نہیں، چونکہ اس میں اہلیت نہیں ہوتی، جبکہ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک ممیز بچے کی خرید وفروخت ولی (سرپرست) کی اجازت پر موقوف ہوگی، جب اسے اجازت دے دی گئی تو بیع نافذ ہوگی، چونکہ بچے کا امتحان اسی وقت لینا ممکن ہوسکتا ہے جب خرید وفروخت کا تصرف اسے سپرد کیا جائے۔ چنانچہ آیت کریمہ ہے:

وابتلو الیتامٰی...... یتیموں کو آزماؤ۔ (النساء۴/۶)

حنابلہ کے نزدیک ممیز اور سفیہ (بےوقوف) کا تصرف صحیح ہے۔

۳: نابینا کی خرید وفروخت......جب نابینا کے آگے مبیع کے اوصاف بیان کر دیئے جائیں تو جمہور کے نزدیک اس کی بیع صحیح ہے چونکہ رضامندی پائی گئی ہے جبکہ شافعیہ کے نزدیک نابینا کی بیع باطل غیر صحیح ہے چونکہ نابینا عمدہ مال اور گھٹیا مال میں امتیاز نہیں کرسکتا، گویا نابینا کے حق میں معقود علیہ مجہول ہوگا۔

۴: مکرہ کی بیع......حنفیہ کے نزدیک مکرہ (مجبور کئے ہوئے) کی خرید وفروخت موقوف ہے نافذ نہیں جیسے فضولی کی بیع غیر نافذ ہوتی ہے۔ اکراہ ختم ہونے کے بعد جب مکرہ بیع کی اجازت دے دے تو بیع نافذ العمل ہوگی، جبکہ مالکیہ کی رائے میں مکرہ کی بیع لازم نہیں ہوتی، گویا مکرہ کو فسخ اور نفاذ کا اختیار حاصل ہوگا جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے دونوں مذاہب میں مکرہ کی بیع غیر صحیح ہے، چونکہ عقد طے ہوتے وقت رضامندی مفقود ہوتی ہے۔

۵: فضولی کی بیع......حنفیہ اور مالکیہ کی رائے میں فضولی کی بیع صحیح ہے اور مالک کی اجازت پر موقوف ہے، چونکہ بعد میں ملنے والی اجازت پہلے سے ملی ہوئی اجازت کے مترادف ہے، جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک فضولی کی بیع سرے سے صحیح ہی نہیں چونکہ انسان جس چیز کا مالک نہ ہو اس کی بیع سے منع کیا گیا ہے جبکہ نہی منہی عنہ کے فساد کا تقاضا کرتی ہے۔

۶: محجور کی بیع......یعنی وہ شخص جس پر بےوقوفی یا افلاس یا بیماری کی وجہ سے پابندی لگا دی گئی ہو اس کی خرید وفروخت حنفیہ اور مالکیہ

کے نزدیک موقوف ہے اور حنابلہ کے نزدیک راجح قول کے مطابق بھی موقوف ہے جبکہ شافعیہ کے نزدیک اہلیت معدوم ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں۔ مفلس کی بیع اس لئے صحیح نہیں چونکہ اس کے مال کے ساتھ قرض خواہوں کا حق متعلق ہو چکا ہوتا ہے لہٰذا حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مفلس (دیوالیہ) کی بیع موقوف ہے جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیع غیر صحیح ہے۔

رہی بات مریض کی جو مرض الموت میں مبتلا ہو تو مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک اس کے تبرعات تہائی ترکہ سے نافذ ہوں گے، جبکہ تہائی سے زائد تبرعات ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوں گے، مالکیہ کے نزدیک منقولی اشیاء میں ایک ایک تہائی کے بعد تبرع نافذ نہیں ہوگا جبکہ زمین، گھر اور درختوں میں نافذ ہوگا۔

۷: ملجی (بے چین) کی بیع...... جو شخص مضطر ہو اور اپنی کسی چیز کو فروخت کرنے میں بے چین ہو تو اس کی بیع حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے جبکہ حنابلہ کے نزدیک باطل ہے۔

دوم: بسبب صیغہ کے ممنوعہ بیوع...... بیع عاقدین کی باہمی رضامندی اور ایجاب وقبول کے موافق ہونے سے صحیح ہو جاتی ہے، بشرطیکہ ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں ہوں اور ان کے درمیان وقفہ نہ ہو چند حالات میں بیع جائز نہیں ہوتی جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ بیع تعاطی......اس کا حاصل یہ ہے کہ عاقدین ثمن اور مبیع پر اتفاق کرلیں اور عوضین بغیر ایجاب اور قبول کے ایک دوسرے کو دے دیں، بسا اوقات کسی ایک کی طرف سے کوئی لفظ پایا بھی جاتا ہے۔ ❶

جمہور کے نزدیک بیع تعاطی صحیح ہے چونکہ بیع ایسے طریقہ سے منعقد ہو جاتی ہے جو اموال میں ملک کے تبادلہ پر دلالت کرے برابر ہے کہ ایجاب وقبول صراحۃً ہو یا دلالۃً، اس میں لوگوں کے عرف اور ان کی متعارف عادات کا اعتبار بھی ہے بشرطیکہ عرف اور عادت کسی نص سے متصادم نہ ہو۔ لہٰذا بیع لفظ یا اشارہ کے ساتھ صحیح ہے، جبکہ شافعیہ کے نزدیک بیع تعاطی منعقد نہیں ہوتی ❷ بلکہ شافعیہ کے نزدیک ہر عقد میں ایجاب وقبول کا ہونا ضروری ہے خواہ بیع ہو یا اجارہ ہو یا امین ہو یا ہبہ ہو۔ چونکہ تعاطی پر بیع کا نام منطبق نہیں ہوتا۔

اس لئے کہ وہ دلیل جو شرعاً مطلوب ہے اور جو رضامندی پر دلالت کرتی ہے وہ معلوم ہوتی ہے، چونکہ بیع رضامندی کے ساتھ معلق ہوتی ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ

اے ایمان والو ایک دوسرے کے اموال باطل طریقہ سے مت کھاؤ ہاں البتہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خرید وفروخت باہمی رضامندی سے ہوتی ہے۔ ❸ جبکہ رضامندی مخفی امر ہے اس پر اطلاع ناممکن ہے، حکم سبب ظاہر کے ساتھ منوط ہوتا ہے اور وہ ایجاب وقبول ہے، لہٰذا بیع تعاطی منعقد نہیں ہوگی۔ چونکہ فعل ایجاب وقبول کے قائم مقام نہیں ہوسکتا گویا بیع تعاطی میں قبضہ کی ہوئی چیز ایسی ہی ہوتی ہے جیسے بیع فاسد میں قبضہ کی ہوئی مبیع۔ لہٰذا اگر عوضین باقی ہوں تو ہر عاقد سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ واپس کریں اگر ضائع ہو جائیں تو ان کا بدل دیں۔

بعض شافعیہ جیسے ابن سریج اور رویانی وغیرہما نے چھوٹی موٹی اشیاء میں بیع تعاطی کو جائز قرار دیا ہے یعنی ایسی اشیاء جن میں لوگوں کی عادت جاری ہے جیسے رطل بھر کھانا، سبزی کی گٹھڑی، بعض شافعیہ کہتے ہیں ہر وہ شخص جس پر خرید وفروخت اور تجارت کا لیبل لگا ہو جیسے تاجر سیلر وغیرہ، اور ہر وہ شخص جو کاروباری لیبل کا حامل نہ ہو اس کی طرف سے بغیر لفظ کے بیع صحیح نہیں، امام نووی نے مجموع میں لکھا ہے: جب دوکاندار

---

❶...... بیع تعاطی کی صورت یہ ہے جیسے ایک کلو گرام چینی ہو اور گاہک پچاس روپے رکھے اور چینی اٹھا کر لے جائے ایجاب قبول کئے بغیر ہی چلا جائے۔

❷ فتح القدیر ۳۰۲/۵، ردالمحتار ۱۳۷/۴، البدائع ۳۰۴/۵۔ ❸ صححہ ابن حبان۔

سے مال لیا جائے اور کچھ عرصہ کے بعد حساب کر کے قیمت دی جائے جیسا کہ بہت سارے لوگ کرتے ہیں تو یہ باطل ہے چونکہ یہ تو نہ بیع لفظی ہے اور نہ ہی بیع تعاطی ہے۔ امام نووی نے بیع تعاطی کو صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ دلیل کے اعتبار سے صحت راجح اور مختار ہے، چونکہ شریعت میں لفظ کا اعتبار نہیں، لہٰذا عرف کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔

۲: **مراسلت یا قاصد کے واسطہ سے بیع**..... قاصد کے ذریعہ بیع کرنا بالاتفاق صحیح ہے، جہاں خط پہنچے گا اور دوسرے عاقد کو ملے گا وہی جگہ مجلس عقد سمجھی جائے گی، اگر اس مجلس کے بعد قبول تمام ہوا تو عقد منعقد نہیں ہوگا۔

۳: **سمجھ میں آنے والے اشارہ یا تحریر سے گونگے شخص کی بیع**..... بھی بالاتفاق صحیح ہے یہ ایسی ہی ہے جیسے بولنے والے کے تکلم سے طے ہونے والی بیع چونکہ اس کی ضرورت پیش آتی ہے، چنانچہ اشارہ یا تحریر گونگے کے دل کی بات پر دلالت ہے، جیسے بولنے والے کا کلام دال ہوتا ہے، اگر گونگے کے اشارے یا تحریر سمجھ میں نہ آتی ہو تو عقد صحیح نہیں ہوگا۔

۴: **مجلس عقد سے غائب کے ساتھ بیع**..... بالاتفاق صحیح نہیں، چونکہ انعقاد عقد کے لئے مجلس کا متحد ہونا شرط ہے۔

۵: **ایجاب وقبول میں عدم مطابقت کے ساتھ ہونے والی بیع**..... اتفاقاً صحیح نہیں، الا یہ کہ جب ایجاب وقبول کی مخالفت میں کوئی بھلائی ہو تو یہ بیع صحیح ہوگی، جیسے متفق علیہ ثمن پر مشتری کا ثمن میں اضافہ کرنا، اس اضافہ کے ساتھ حنفیہ کے نزدیک عقد صحیح ہے جبکہ شافعیہ کے نزدیک صحیح نہیں۔

۶: **بیع معلق یا غیر منجز**..... یہ وہ بیع ہوتی ہے جو کسی شرط پر معلق ہو یا مستقبل میں کسی وقت کی طرف منسوب ہو، یہ بیع حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے اور جمہور کے نزدیک باطل ہے۔

سوم: **معقود علیہ کے بسبب ممنوع بیوع**..... معقود علیہ عام معنٰی کے اعتبار سے وہ چیز ہوتی ہے جسے دونوں عاقدین خرچ کرتے ہیں یعنی ایک دوسرے کو دیتے ہیں، ان میں سے ایک کو مبیع کہا جاتا ہے، اور دوسرے کو ثمن، فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب معقود علیہ (خرید کردہ سامان) مال متقوم، شراکت داری سے علیحدہ کیا ہوا ہو، موجود ہو اور مقدور التسلیم ہو، عاقدین کو معلوم ہو، اس کے ساتھ کسی دوسرے کا حق متعلق نہ ہو اور شریعت نے اس سے منع نہ کیا ہو تو بیع صحیح ہے، بعض ممنوع بیوع کی صفت کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱..... معدوم کی بیع یا ایسی چیز کی بیع جو عدم کے معرض خطر میں ہو جیسے بیع مضامین (نر کی صلب میں پڑے ہوئے نطفے سے پیدا ہونے والے بچے کی بیع)، بیع ملاقیح (جو مادہ کی صلب میں پڑا بچہ ہو)، حمل کے حمل کی بیع، چنانچہ مذاہب اربعہ کے آئمہ کے نزدیک یہ بیع باطل ہے منعقد ہی نہیں ہوتی، چونکہ احادیث صحیحہ میں ان کی ممانعت آئی ہے۔

۲..... ایسی چیز کی بیع جس کی سپردگی سے عاقد عاجز ہو جیسے ہوا میں اڑتے پرندے کی بیع، پانی میں تیرتی ہوئی مچھلی کی بیع، یہ بیع باطل ہے بالاتفاق تمام مذاہب میں منعقد نہیں ہوتی چونکہ سنت میں اس کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے۔

۳..... نسیئۃ دین کی بیع یعنی ''بیع الکالی بالکالی'' یعنی اس طرح سے معاملہ طے پائے کہ دونوں طرف سے عوضین ادھار ہوں۔ یہ بیع باطل ہے چونکہ شریعت میں اس سے منع کیا گیا ہے، البتہ دین کی بیع مدیون کے ہاتھ جو فی الحال ہو بالاتفاق جائز ہے، جبکہ دین کی بیع جو غیر مدیون کے ہاتھ ہو اور فی الحال ہو وہ حنفیہ، حنابلہ اور ظاہریہ کے نزدیک باطل ہے۔ جبکہ دوسرے مذاہب میں جائز ہے۔

۴..... وہ بیع جس میں فحش قسم کا غرر (دھوکہ) ہو یہ وہ عقد ہوتا ہے جو غیر متحقق ہو، بالاتفاق یہ بیع صحیح نہیں ہوتی چونکہ اس سے منع کیا گیا

ہے، لیکن اس قسم میں سے ایک وہ بیع بھی ہے جو بالاتفاق باطل ہے جیسے ملاقیح اور مضامین اور حمل کی بیع۔ ایک وہ بیع بھی ہے جو حنفیہ کی اصطلاح میں فاسد اور دوسرے فقہاء کی اصطلاح میں باطل ہے جیسے یکبار جال پھینکنے کی بیع، یکبار غوطہ لگانے کی بیع، بیع مزابنہ (درختوں پر تازہ کھجوروں کو توڑی ہوئی کھجوروں کے بدلہ میں اندازے سے فروخت کرنا اور اسی طریقہ سے انگوروں کو فروخت کرنا)، بیع محاقلہ (خوشوں میں پڑی ہوئی گندم کو اندازے سے نکلے ہوئے دانوں کے بدلہ میں فروخت کرنا) بیع ملامسہ، بیع منابذہ، بیع الحصاۃ اور بیع المجہول۔ ابن جزی مالکی کہتے ہیں کہ وہ غرر جو ممنوع ہے اس کی دس اقسام ہیں۔

اول...... یہ کہ معقود علیہ کا سپرد کرنا دشوار ہو جیسے بدکا ہوا اونٹ، ماں کے پیٹ میں پڑے جنین کی بیع جو ماں کے بغیر ہو، اسی طرح ماں کی بیع بایں طور کہ جنین کو مستثنیٰ کر لیا جائے، ایسی چیز کی بیع جو ابھی پیدا ہی نہ ہوئی ہو جیسے حمل کے حمل کی بیع، اور بیع المضامین۔

دوم...... ثمن یا معقود علیہ کی جنس سے جاہل ہونا جیسے کوئی کہے: جو کچھ میری آستین میں ہے وہ تمہیں فروخت کر دیا۔

سوم...... معقود علیہ یا ثمن کی صفت کا مجہول ہونا جیسے کوئی کہے: میں نے تمہیں اپنے گھر کا کپڑا فروخت کر دیا۔

چہارم...... مبیع یا ثمن کی مقدار کا مجہول ہونا۔ دوسری کی مثال یہ ہے جیسے کوئی کہے: میں نے آج کے دن کے نرخ سے یہ چیز تم سے خرید لی، یا اس نرخ سے فروخت کی جس سے لوگ فروخت کرتے ہیں، البتہ اس حوالے سے اٹکل کی بیع جو اندازے سے کی جائے وہ جائز ہے۔ پہلی صورت کی مثال'' جیسے خوشوں میں پڑی ہوئی گندم کی بیع ناجائز ہے جبکہ خوشوں سمیت گندم کی بیع جائز ہے، اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے، اسی طرح بھوسے میں پڑی ہوئی گندم کی بیع بھی جائز نہیں، البتہ بھوسے سمیت گندم کی بیع جائز ہے، ہرے لوبیے کی بیع (پھلی) جائز ہے۔ اخروٹ اور بادام کی بیع بمعہ اوپر کے چھلکے کے جائز ہے۔ اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔

پنجم...... مدت میں جہالت کا ہونا، جیسے کوئی شخص کہے میں نے یہ چیز تمہیں زید کے آنے تک فروخت کر دی یا عمرو کی موت تک فروخت کر دی، جبکہ یوں کہنا جائز ہے کہ فصلیں کاٹنے تک، یا فلاں مہینے تک فروخت کر دی، چنانچہ مدت کا اطلاق فصل کی کٹائی اور مہینے کے وسط پر ہوگا۔

ششم...... ایک بیع میں دو بیع کا ہونا، اس کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص ایک مبیع فروخت کرے اور اس کے دو مختلف ثمن مقرر کرے، یا دو مبیع ہوں اور ثمن واحد ہو، پہلی صورت میں مثلاً یوں کہے میں نے تمہیں یہ کپڑا نقدی دس یا بیس روپے میں فروخت کیا بایں طور کہ بیع ان میں سے ایک ثمن میں لازم ہو، دوسری صورت کی مثال یوں ہے میں نے تمہیں ان دو کپڑوں میں سے ایک اتنے روپے میں فروخت کیا بایں طور کہ بیع ان میں سے ایک کپڑے میں لازم ہو۔

ہفتم...... وہ بیع جس کی سلامتی کی کوئی امید نہ ہو جیسے دوڑ میں مریض کا حصہ لینا۔

ہشتم...... بیع الحصاۃ: اس کا حاصل یہ ہے کہ عاقد کے ہاتھ میں کنکری ہو جب کنکری ہاتھ سے گر جائے بیع واجب ہو جائے۔

نہم...... بیع منابذہ: اس کا حاصل یہ ہے کہ کوئی عاقد کپڑا دوسرے عاقد کی طرف پھینکے اور دوسرا اپنا کپڑا اس کی طرف پھینکے، اس سے بیع واجب ہو جائے۔

دہم...... بیع ملامسہ: وہ یہ کہ کپڑا وغیرہ کو مس کرے اور یوں مس سے، بیع لازم ہو جائے، اگرا سے بیان نہ بھی کرے، ان ساری انواع کا

حاصل یہ ہے کہ مبیع مقدور التسلیم نہیں ہوتی، یا مجہول چیز کی بیع ہوتی ہے یا محتمل اشیاء کی بیع ہوتی ہے، چنانچہ بیع الحصاۃ، بیع منابذہ اور بیع ملامسہ میں اشیاءِ محتملہ کی بیع ہوتی ہے۔

۵: نجس اور نجاست والی چیز کی بیع...... بالا تفاق نجس چیز کی بیع صحیح نہیں، جیسے شراب، خنزیر، مردار اور خون، جمہور کے نزدیک نجاست والی چیز جس کو پاک کرنا ناممکن ہو جیسے گھی، تیل، شہد وغیرہ جس میں نجاست پڑ گئی ہو کی بیع بھی صحیح نہیں، جبکہ مالکیہ نے نجاست والے تیل یا گھی وغیرہ سے چراغ جلانا اور صابن وغیرہ بنانا جائز قرار دیا ہے، حنفیہ نے کھانے کے علاوہ دوسرے کاموں کے لئے نجاست والی چیز کی خرید وفروخت کرنا جائز قرار دیا ہے جیسے چمڑے کو پکانے کے لئے، اور مسجد کے علاوہ کہیں اور چراغ روشن کرنے کے لئے، ماسوائے مردار کے تیل کے چنانچہ اس سے نفع اٹھانا حلال نہیں تا کہ یہودیوں کے عمل سے دور رہا جائے چنانچہ جب یہودیوں پر چربی حرام کی گئی تو انہوں نے چربی کو پگھلا کر فروخت کرنا شروع کر دیا اور حاصل ہونے والی قیمت کو کھانے بیٹھ گئے، اسی طرح آلات لہو ولعب کی خرید وفروخت بھی صحیح نہیں یہ جمہور کی رائے ہے چونکہ حدیث میں ان سے نفع اٹھانے سے منع کیا گیا ہے۔ جبکہ ظاہر یہ اور بعض مالکیہ نے ان کی بیع کو جائز قرار دیا ہے۔

۶: پانی کی بیع...... مذاہب اربعہ کے آئمہ کے نزدیک مملوک پانی کی بیع جائز ہے اور وہ پانی جو برتنوں میں محفوظ کیا ہو یا چشمہ یا کنویں کا پانی ہو اس کی بیع بھی جائز ہے، جبکہ ظاہر یہ کہتے ہیں: پانی کی بیع مطلقاً جائز نہیں، علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عام پانی جو مباح ہو اور لوگوں میں مشترک ہو اس کی بیع صحیح نہیں چونکہ، پانی، آگ، گھاس اور نمک میں سبھی لوگ برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

۷: مجہول چیز کی بیع...... یعنی وہ بیع جو فحش قسم کی جہالت پر مشتمل ہو اور جہالت مبیع میں ہو یا ثمن میں ہو یا مدت میں ہو مرہون چیز کی نوع میں ہو یا کفیل میں ہو یہ بیع حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے جبکہ جمہور کے نزدیک باطل ہے چونکہ یہ بیع نزاع کی طرف پہنچا دیتی ہے۔

۸: مجلس سے غائب چیز کی بیع...... یعنی جو چیز مجلس عقد سے غائب ہو دکھائی نہ دیتی ہو اور اس کا وصف بھی معلوم نہ ہو، مشتری کو دیکھتے وقت اختیار حاصل ہوگا، مالکیہ کے نزدیک صفت بیان کرنے پر صحیح ہے۔

اس میں خیار رؤیت حاصل ہوگا، شافعیہ کے نزدیک مطلقاً صحیح نہیں، حنابلہ کا ظاہری قول بھی یہی ہے۔

لیکن مالکیہ نے صفت بیان کرنے پر ہونے والی بیع میں پانچ شرائط لگائی ہیں۔

اول...... یہ کہ مبیع بہت زیادہ دور نہ ہو جیسے اندلس اور افریقہ۔

دوم...... یہ کہ بہت زیادہ قریب نہ ہو جیسے شہر میں موجود ہونا۔

سوم...... یہ کہ بائع کے علاوہ کوئی اور اس کا وصف بیان کرے۔

چہارم...... یہ کہ مختصراً اوصافِ مقصودہ کو بیان کرے۔

پنجم...... یہ کہ بائع کی شرط سے ثمن نقدی نہ ہو الا یہ کہ مبیع میں تبدیلی اور تغییر نہ ہوتی ہو جیسے زمین بغیر شرط کے نقدی جائز ہے۔

پھر اگر دیکھنے کے وقت مبیع حسب بیان اوصاف پر نکلے تو بیع لازمی ہو جائے گی اگر بیان کردہ اوصاف کے خلاف نکلی تو مشتری کو اختیار حاصل ہوگا۔

گٹھڑی کی بیع جائز ہے، بخلاف ان کپڑوں کے جو لپٹے ہوئے ہوں اور انہیں پھیلایا نہ ہو۔

۹: قبضہ سے پہلے کسی چیز کی خرید وفروخت...... حنفیہ کے نزدیک قبضہ سے پہلے منقولی چیز کی خرید وفروخت جائز نہیں۔ چونکہ

ایسی بیع سے منع فرمایا گیا ہے، جبکہ زمین کی خرید وفروخت قبضہ سے پہلے جائز ہے۔

چونکہ زمین تغیر سے محفوظ رہتی ہے، جبکہ شافعیہ کے نزدیک علی الاطلاق بیع جائز نہیں چونکہ نہی میں عموم ہے۔

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ سامان کوفروخت کرنے سے منع کیا ہے جہاں اسے خریدا گیا ہو یہاں تک کہ تجار اپنی تحویل میں سامان کو لے نہ لیں۔ ❶ مالکیہ نے ممانعت کو اناج کے ساتھ مخصوص کیا ہے، برابر ہے کہ اناج ربوی (سودی) ہو یا غیر ربوی۔ جبکہ حنابلہ نے ممانعت کو مکیلی، موزونی اور عددی اناج پر منحصر رکھا ہے۔

چونکہ حدیث ہے کہ جب تم اناج کی خرید وفروخت کروتو اسے آگے فروخت نہ کرو حتیٰ کہ تم اسے پورا پورا وصول نہ کرلو۔ ❷

۱۰: پھلوں اور فصلوں کی خرید وفروخت...... پھلوں اور اناج کے پیدا ہونے سے پہلے کی ہوئی بیع بالاتفاق باطل ہے۔

چونکہ یہ معدوم کی بیع ہے، پھلوں اور اناج کے پیدا ہونے کے بعد ان کی خرید وفروخت میں قدرے تفصیل ہے چنانچہ اگر بیع بدوصلاح سے قبل ہو اور بشرط ترک ہو تو بالاجماع بیع صحیح نہیں، حنفیہ کے نزدیک بیع فاسد ہے، اور جمہور کے نزدیک باطل ہے۔ اگر بیع بشرط القطع ہو (یعنی فی الحال پھل توڑنے ہوں) تو بالاجماع بیع صحیح ہے، اگر بیع مطلق ہو یعنی قطع یا ترک کی شرط نہ لگائی گئی ہو تو بیع حنفیہ کے نزدیک صحیح ہے جمہور کے نزدیک غیر صحیح ہے۔ اگر بیع بدوصلاح کے بعد ہو تو محمد بن حسن کی رائے اور مفتی بہ قول کے مطابق حنفیہ کے نزدیک بیع جائز ہے اگر چہ پھل تیاری کے مراحل سے گزر چکا ہو اور بیع بشرط ترک ہو، اگر پھل تیاری کے مراحل سے نہ گزرا ہو تو بیع فاسد ہوگی، جمہور کے نزدیک اگر بشرط ترک ہو تو بیع مطلقاً جائز ہے۔

چہارم: بسبب وصف یا شرط یا شرعی نہی کے ممنوع بیوع...... جب بیع کے ارکان اور شرائط مکمل ہوں تو بالاتفاق بیع صحیح ہے، بشرط یہ کہ وہ بیع کسی ایسی صفت پر مشتمل نہ ہو جو معاشرہ کے لئے باعث ضرر ہو یا جو شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو یا عقد سے خارج دوسرے اعتبارات نہ ہوں جیسے کہ مندرجہ ذیل صورتوں میں دوسرے اعتبارات ملحوظ ہوتے ہیں۔

۱: بیع عربون (بیعانہ)...... جمہور کے نزدیک بیع عربون ناجائز ہے چونکہ سنت میں اس کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے، اور حنفیہ کے نزدیک یہ بیع فاسد ہے، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک باطل ہے بشرط یہ کہ اگر بائع مشتری کو بیعانہ واپس نہ کرے اور دونوں میں بیع تمام نہ ہو اور اگر بیع تمام نہ ہوئی ہو اور بائع مشتری کو بیعانہ واپس کردے تو بیع جائز ہوگی۔ حنابلہ کے نزدیک بیعانہ جائز ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حلال قرار دیا ہے، لیکن فریقین میں سے کسی کے پاس حدیث ثابت نہیں ہے۔

۲: بیع عینہ...... کا حاصل یہ ہے کہ عاقدین ایسے فعل کو ظاہر کررہے ہوتے ہیں کہ اسے وسیلہ بنا کر ناجائز امر تک پہنچنا چاہتے ہیں، یہ بیع ممنوع ہے، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک باطل ہے، تاکہ سد ذرائع ہو، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر درمیان میں کوئی تیسرا شخص حائل نہ ہو تو فاسد ہے، شافعیہ اور ظاہریہ کے نزدیک بیع عینہ صحیح مگر مکروہ ہے۔

بیع عینہ کی تین اقسام ❸: اول...... یہ کہ کوئی شخص کسی دوسرے سے کہے: میری لئے اتنے روپے کا سامان خرید لاؤ اور میں تمہیں اتنے روپے اس میں سے نفع دوں گا۔ مثلاً کہے دس روپے میں یہ سامان خرید لاؤ اور میں تمہیں اس کے پندرہ روپے دوں گا جو ایک مدت تک ہوں گے امام مالک کے نزدیک یہ سود لینے کا ایک ذریعہ ہے، چونکہ امام مالک کی نظر اس پر ہے کہ ہاتھ سے کیا نکل رہا ہے اور ہاتھ میں کیا آرہا ہے اور واسطے لغو میں یہ ایسا ہی ہے کہ پہلا شخص دوسرے کو مثلاً دس روپے دیتا ہے اور اس سے ایک مدت تک پندرہ لیتا ہے، اس میں سامان ایک

❶...... رواہ ابوداؤد والدارقطنی عن زید بن ثابت۔ ❷ رواہ احمد ومسلم عن جابرؓ۔ ❸ القوانین الفقهية ص ۲۵۸۔

قسم کا لغو واسطہ ہے۔

دوم...... اگر کہے: یہ میرے لئے سامان خرید لاؤ میں اس میں تمہیں نفع دوں گا لیکن وہ ثمن کی تعیین نہ کرے یہ صورت مکروہ ہے، لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں حرام نہیں۔

سوم...... یہ کہ ایک شخص دوسرے کے پاس سامان طلب کرے لیکن اس کے پاس نہ پائے پھر دوسرا شخص اس سے کہے بغیر ہی وہ سامان خرید لے اور کہے: جو سامان تم مجھ سے طلب کرتے تھے وہ میں نے خرید لیا ہے لہٰذا اگر تم چاہو تو مجھ سے خرید لو، گاہک یہ سامان نقد یا ادھار خرید سکتا ہے خواہ کم قیمت سے خریدے یا زائد سے۔

۳: بیع ربا...... ربا نسیہ اور ربا فضل حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے اور جمہور کے نزدیک باطل ہے چونکہ کتاب وسنت میں اس کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے۔

۴: حرام ثمن سے بیع...... جیسے شراب اور خنزیر کو ثمن بنا کر بیع کی، یہ بیع حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے البتہ الگ سے قیمت طے کر لینے سے بیع منعقد ہو جاتی ہے۔ جبکہ یہ بیع جمہور کے نزدیک باطل ہے، چنانچہ بخاری ومسلم کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے۔

۵: دیہاتی کے لئے شہری کی بیع...... یعنی ایسے لوگوں کے ساتھ بیع کرنا جو نرخوں کو جانتے ہی نہ ہوں۔ ایک قول کے مطابق ہر وہ شخص جو کسی جگہ وارد ہو خواہ شہری ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ شرعی نہی کا اصل مقصد یہی ہے، یہ بیع حرام ہے اور ممانعت کی وجہ سے جائز نہیں۔ ممانعت کی علت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو اللہ تعالیٰ انہیں ایک دوسرے سے رزق عطا فرماتا ہے [1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل شہر پر نرمی کی وجہ سے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ شارع نے سبھی مسلمانوں کی مصلحت کو ملحوظ رکھا ہے اور فرد واحد کی مصلحت کو پس پشت ڈالا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے مثلاً کوئی اجنبی شخص شہر میں سامان لے کر آتا ہے اور فی الحال موجود نرخوں سے سامان فروخت کرنا چاہتا ہے اتنے میں اس کے پاس کوئی شہری آ جاتا ہے اور وہ اس سے کہتا ہے سامان میرے پاس چھوڑ دو میں گراں نرخوں میں تمہارے لئے فروخت کروں گا، اس بیع کے متعلق فقہاء کی کچھ تخصیصات ہیں، چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں: یہ ممانعت گرانی کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے اور ایسی چیز کے ساتھ خاص ہے جس کی لوگوں کو طلب ہو۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں...... اس بیع کی ممنوع صورت یہ ہے کہ کوئی شخص شہر میں سامان لے کر آئے اور اسے فروخت کرنا چاہتا ہو فی الحال موجودہ نرخوں کے ساتھ، پھر اس کے پاس کوئی شہری آ جائے اور کہے یہ سامان میرے پاس چھوڑ دو میں حالیہ نرخوں سے گراں نرخوں سے اسے فروخت کر دوں گا۔ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے۔ کہ "فقہاء نے اس بیع کا حکم دیہاتی اور وہ شخص جو اس کے معنی میں ہو کے ساتھ متعلق کیا ہے۔" حدیث میں دیہاتی کا ذکر اس لئے ہوا کہ غالب احوال میں یہ بیع دیہاتی کے ساتھ ہوتی ہے اور شہریوں میں سے جو شخص نرخوں سے واقف نہ ہو وہ بھی اس کے ساتھ ملحق کر دیا ہے۔

مالکیہ نے دیہاتی ہونے کو قید کے درجہ میں رکھا ہے چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ دیہاتی کے ساتھ اسی شخص کو ملحق کیا جائے گا جو اس کے مشابہ ہو گا رہی بات ان لوگوں کی جو بستیوں میں رہتے ہوں اور سامان وبازار کے نرخوں سے واقف ہوں وہ اس میں داخل نہیں ہیں یہ بیع فاسد ہے اور مالکیہ کے نزدیک بیع نجس کی طرح اسے فسخ کرنا جائز ہے، حنفیہ کے نزدیک صحیح ہے جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے

[1]......رواه الجماعة الا البخاري عن جابرؓ (نيل الاوطار ۵/۱۶۴)

نزدیک خیار حاصل ہوگا۔

۶: **تلقی الرکبان**...... رکبان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اشیائے خورد ونوش اور دیگر سامان فروخت کے لئے شہر میں لائے برابر ہے یہ قافلہ ہو یا ایک ہی شخص ہو سوار ہوں یا پیدل، انہیں شہر میں پہنچنے سے پہلے ہی مل لینا اور ان سے سامان کا بھاؤ تاؤ لگا کر خرید لینا تلقی ہے۔ تلقی حرام ہے، حنفیہ کہتے ہیں: تلقی رکبان مکروہ تحریمی ہے چونکہ اس کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ ”قافلوں سے آگے جا کر مت ملو اور شہری دیہاتی کے لئے سامان فروخت نہ کرے۔ ❶ حدیث میں غالب احوال کا اعتبار کیا گیا ہے کہ شہر میں سامان لانے والا عموماً قافلہ ہوتا ہے۔“

علماء کا اس نہی کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ نہی فساد کا تقاضا کرتی ہے یا نہیں؟ ایک قول ہے کہ فساد کا تقاضا کرتی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ فساد کا تقاضا نہیں کرتی اور یہ ظاہر قول ہے، چونکہ یہاں نہی امر خارج کی وجہ سے ہے اور یہ فساد کا تقاضا نہیں کرتی، جیسا کہ اصول فقہ میں آچکا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سامان کے مالک کو اختیار حاصل ہوگا جب وہ بازار میں آجائے۔ ❷

ابن تیمیہ ”منتقی الاخبار“ میں رقم طراز ہیں۔ اس میں بیع کے صحیح ہونے پر دلیل ہے، راجح یہی ہے کہ یہ بیع اور شہری و دیہاتی کے درمیان بیع صحیح ہے فاسد نہیں، یہی حنفیہ کی رائے ہے، جبکہ حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک اس میں خیار غبن ثابت ہوتا ہے، جبکہ مالکیہ کے نزدیک یہ بیع فاسد ہے۔

۷: **بیع نجش**...... امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں نجش یہ ہے کہ تم سامان لے کر فروختگی کے لئے حاضر ہو اور اس کے بدلہ میں کوئی چیز دی جائے حالانکہ خریدار فی الواقع خریدنا نہ چاہتا ہو وہ ایسا اس لئے کرتا ہے تاکہ دوسرے گاہک زیادہ قیمت سے اسی سامان کو خرید لیں۔

شریعت میں نجش یہ ہے کہ ایک شخص سامان کو خریدنا نہیں چاہتا محض بھاؤ بڑھانے کے لئے بھاؤ تاؤ لگاتا ہے اور دوسروں کو برانگیختہ کرتا ہے، بیع نجش کرنے والے کو ناجش کہا جاتا ہے چونکہ وہ رغبت کو بڑھاتا ہے اور ثمن زیادہ بتاتا ہے، علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ناجش گنہگار ہے۔

بیع نجش کا حکم مختلف فیہ ہے، ظاہریہ کہتے ہیں کہ بیع نجش فاسد ہے مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں بیع صحیح ہے اور اس میں مشتری کے لئے خیار ثابت ہوگا جب اس میں غیر معتاد قسم کا غبن ہو جائے۔

حنفیہ اور شافعیہ (اصح قول کے مطابق) کہتے ہیں: بیع صحیح ہے لیکن اس میں گناہ ہے، چنانچہ یہ بیع حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، شافعیہ کے نزدیک حرام ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک بیع نجش اس وقت مکروہ ہے، جب قیمت حقیقی قیمت سے زائد ہو، اگر حقیقی قیمت کو نہ پہنچے اور اضافہ کرتا رہے لیکن خریدنے کا خواہش مند نہ ہو تو یہ جائز ہے۔ اسمیں کوئی حرج نہیں، چونکہ یہ میانہ روی پر ایک طرح کا تعاون ہے، رہی بات بیع مزایدہ (نیلام، بولی) کی سو وہ جائز ہے ممنوع نہیں، جیسا کہ مندرجہ ذیل قسم میں آرہا ہے۔

بیع مزایدہ (نیلام)...... اس بیع کا طریقہ کار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے جیسا کہ امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا جو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ”کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالا اور ایک کمبل نیلامی میں فروخت کیا۔“ بخاری نے عطاء سے روایت نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں نے بہت سارے لوگوں کو پایا ہے جو مال غنیمت کو نیلام کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ ❸ ابن ابی شیبہ اور سعید بن منصور نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ، بیع من یزید (نیلامی) میں کوئی حرج نہیں، اور مال غنیمت اسی طرح فروخت کیا جاتا ہے، امام ترمذی نے انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ بعض اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔ ابن عربی کہتے ہیں: جواز کو غنیمت اور میراث کے ساتھ خاص کرنے کا کوئی معنی نہیں چونکہ اس کا باب واحد اور معنی مشترک ہے۔ بظاہر مطلقاً یہ بیع جائز

---

❶...... رواہ البخاری ومسلم عن ابن عباسؓ. ❷ رواہ الجماعۃ الا البخاری عن ابی ہریرۃؓ. ❸ وصلہ ابن ابی شیبۃ عن عطاء ومجاھد

ہے، چونکہ پیالا اور کمبل جن کا ذکر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے وہ میراث یا غنیمت میں سے نہیں تھے، گویا ان دونوں چیزوں کا ذکر عام عادت کی وجہ سے کیا گیا، چونکہ نیلامی کا رواج ان میں بکثرت تھا۔ ❶

بیع المز اد......اس کی صورت یہ ہے کہ بائع لوگوں پر سامان پیش کرتا ہے اور جو شخص چاہے اس کے نرخ میں اضافہ کرتا ہے، پھر آخر میں جو شخص ریٹ قائم کرتا ہے اس پر بیع طے ہو جاتی ہے۔

ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ وہ بیع مزایدہ کو مکروہ سمجھتے تھے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث سے استدلال کیا ہے جو کسی مدبر کے بارے میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مدبر کے متعلق فرمایا: اس کو مجھ سے کون خریدے گا؟

چنانچہ نعیم بن عبداللہ نے آٹھ سو درہم میں خرید لیا، اسماعیلی کہتے ہیں: مدبر کے اس قبضہ میں بیع مزایدہ کی کوئی دلیل نہیں، بیع مزایدہ یہ ہے کہ ایک شخص ثمن کا اعلان کرتا ہے اور پھر دوسرا اس سے زائد دیتا ہے۔

ابوداؤد اور احمد کے ہاں انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالے اور ایک کمبل کے متعلق بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو آواز دی، ایک صحابیؓ نے عرض کیا! یہ دونوں چیزیں میں ایک درہم میں خریدتا ہوں، دوسرے نے کہا: میں دو درہم میں خریدتا ہوں۔

۸: اذان جمعہ کے وقت بیع......یعنی جب امام منبر پر آ جائے یہاں تک کہ نماز ادا ہو جائے اس وقت میں بیع کرنا۔ جبکہ حنفیہ کے نزدیک پہلی اذان کے بعد بیع کرنا مکروہ ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک یہ بیع مکروہ تحریمی ہے، شافعیہ کے نزدیک صحیح مکروہ حرام ہے، مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق بیع فسخ ہو جائے گی۔ جبکہ حنابلہ کے نزدیک سرے سے یہ بیع صحیح ہی نہیں۔

۹: شراب ساز کے ہاتھ انگوروں کی بیع......ظاہر قول کے مطابق یہ بیع صحیح ہے حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، شافعیہ کے نزدیک حرام ہے، چونکہ بیع کے ارکان اور شرائط پوری ہیں، اور گناہ نیت فاسدہ کی وجہ سے ہوتا ہے، یا غیر مشروع باعث کی وجہ سے ہے، اس بیع کی ایک مثال یہ بھی ہے مثلاً ایسے شخص کو تلوار فروخت کرنا جو کسی دوسرے کو قتل کرنا چاہتا ہو، ایسے آدمی کے ہاتھ جال فروخت کرنا جو حرم میں شکار کرنا چاہتا ہو، اور ایسے شخص کے ہاتھ لکڑی فروخت کرنا جو آلات لہو و لعب بنانا چاہتا ہو۔

یہ بیع مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک باطل ہے تاکہ معاصی کے دروازے بند کئے جا سکیں، جیسے فتنہ کے زمانہ میں یا راہزنوں کو اسلحہ فروخت کرنا، اور بیع عینہ کو سود لینے کا وسیلہ بنانا چونکہ حرام تک پہنچنے کا وسیلہ بھی حرام ہوتا، اگر چہ قصد اور نیت سے ہی کیوں نہ ہو۔

۱۰: بغیر بچے کے ماں کی بیع یا اس کے برعکس......یعنی اگر کسی باندی کے ہاں بچہ ہو تو بچے کو چھوڑ کر صرف ماں کی بیع جائز نہیں اسی طرح ماں کو چھوڑ کر صرف باندی کی بیع بھی جائز نہیں۔ یہاں تک کہ بچہ ماں سے مستغنی ہو جائے چونکہ اس سے چھوٹے بچے اور ماں کے درمیان تفریق لازم آتی ہے جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریبی رشتہ داروں میں تفریق ڈالنے سے منع فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''جس شخص نے ماں اور اس کے بچے کے درمیان تفریق کی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے درمیان اور اس کے دوستوں کے درمیان تفریق ڈالے گا۔'' ❷ البتہ مالکیہ نے والد اور بیٹے میں تفریق کو روا رکھا ہے، لیکن اس بارے میں بھی ممانعت آئی ہے چنانچہ۔ ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت کی ہے جو والد اور بیٹے، اور دو بھائیوں کے درمیان تفریق ڈالے، ❸ اگر یہ حدیث پایہ ثبوت کو پہنچتی ہو تو عمل کے زیادہ لائق ہے۔

---

❶ ...... نیل الاوطار ۵/ ۱۶۹. ❷ رواہ احمد والترمذی عن ابی ایوب لکن فی اسنادہ مختلف فیہ (نیل الاوطار ۵/ ۱۶۱). ❸ رواہ ابن ماجة والدارقطنی عن ابی موسیٰ واسنادہ لابأس بہ (المرجع السابق)

پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک بیع فاسد ہے منعقد نہیں ہوگی، جبکہ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ بیع منعقد ہوگی۔

۱۱: مسلمان بھائی کی بیع پر بیع...... اس کی صورت یہ ہے کہ بیع میں خیار رکھا گیا ہو پھر مدت خیار میں ایک شخص آئے اور خریدار سے کہے: یہ بیع فسخ کردو میں تمہیں یہی مال ارزاں نرخوں میں فروخت کروں گا۔ یا اس سے بہتر چیز دوں گا۔ اسی طرح دوسرے کی خریداری پر خریداری کرنا بھی ممنوع ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص بائع سے کہے: بیع فسخ کرو میں تم سے یہ سامان گراں نرخوں سے خریدتا ہوں، سودے پر سودا یہ ہے کہ سامان کا مالک اور گاہک کسی چیز کی بیع پر اتفاق کرلیں لیکن عقد طے نہ ہوا اور پھر تیسرا شخص بائع سے کہے: یہ چیز میں تم سے زیادہ قیمت دے کر خریدتا ہوں۔

علماء کا اتفاق ہے کہ یہ سبھی صورتیں حرام ہیں، اور ان صورتوں کا مرتکب گناہگار ہے، ❶ چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔ ''تم میں سے کوئی شخص بھی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے۔'' ❷ یہی اکثر علماء کی رائے ہے، حدیث میں مسلمان بھائی کا اطلاق غالب احوال کے اعتبار سے ہوا ہے، مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں چنانچہ کافر کی بیع پر بھی بیع کرنا جائز نہیں، بیع پر بیع کرنے کا حکم مختلف فیہ ہے۔'' حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب اس کے صحیح ہونے کا ہے لیکن ساتھ گناہ بھی ہوگا۔ جبکہ حنابلہ، ابن حزم ظاہری اور مالکیہ کی ایک روایت کے مطابق یہ بیع فاسد ہے۔ چونکہ نیلامی بالاتفاق جائز ہے چنانچہ ابن حجر نے ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ سودے پر سودا کرنے کی وہ صورت حرام ہے جس میں حد اعتدال سے زیادہ گرانی واقع ہوئی ہو۔

۱۲: بیع اور شرط...... یہ وہی صورت ہے جسے فقہاء ثنیا سے تعبیر کرتے ہیں اس کے حکم میں فقہاء نے تفصیل کی ہے۔

حنفیہ...... کہتے ہیں کہ شرط فاسد سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، شرط فاسد وہ ہوتی ہے جس کا عقد تقاضا نہ کرتا ہو اور نہ عقد کے ملائم ہو اور نہ ہی اس کے متعلق شریعت وارد ہوئی ہو۔ اور لوگوں کے ہاں متعارف بھی نہ ہو، البتہ اس میں کسی ایک عاقد کی منفعت ہو، جیسے کسی شخص نے کپڑا خریدا اور یہ شرط لگادی کہ بائع اس کی قمیص بنا کردے عقد تو صحیح ہوگا لیکن شرط باطل ہوگی، شرط باطل وہ ہوتی ہے جس میں کسی عاقد کا نقصان ہو جیسے کسی شخص نے کوئی چیز فروخت کی اور شرط لگادی کہ بائع اسے نہ فروخت کرے گا اور نہ ہی اسے ہبہ کرے گا۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: بیع بھی باطل ہے اور شرط بھی، ایسی شرط لگادی جو مشتری کو تصرف عام یا خاص سے روک دے، شرط باطل میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔ اگر بائع نے اپنے ذاتی نفع کے لئے شرط لگائی تو بیع اور شرط دونوں جائز ہیں، شرط فاسد میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔ بیع جائز ہے لیکن شرط باطل ہے اگر شرط کی وجہ سے ثمن میں خلل پڑتا ہو، جیسے کہے۔ ''اگر تم تین دن تک ثمن نہ لائے تو ہمارے درمیان بیع نہیں رہے گی۔'' اگر بائع نے کہا: جب میں تمہارے پاس ثمن لے کر آجاؤں تو تم مبیع مجھے واپس کروگے، یہ جائز نہیں، یہ حنفیہ کے نزدیک بیع الوفاء کے نام سے معروف ہے۔

شافعیہ...... کہتے ہیں: عقد بھی صحیح ہے اور شرط بھی اگر اس میں کسی عاقد کی مصلحت ہو جیسے خیار شرط مدت، رہن یا کفالت کی شرط، اگر شرط مقتضائے عقد کے منافی ہو تو بیع باطل ہے مثلاً بائع شرط لگادے کہ مشتری مبیع کو نہ فروخت کرے گا اور نہ ہی ہبہ کرے گا۔ یہ مالکیہ کے مذہب کے موافق ہے۔

حنابلہ...... کہتے ہیں: شرط واحد جس میں کسی عاقد کا نفع ہو اس سے بیع باطل نہیں ہوتی، البتہ دو شرطوں سے بیع باطل ہوجاتی ہے، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''قرضہ اور بیع حلال نہیں، بیع میں دو شرطیں بھی حلال نہیں اور اس چیز کی بیع بھی حلال نہیں جو

---

❶...... سبل السلام ۲۳/۳۔ ❷ رواہ احمد عن ابن عمرؓ (نیل الاوطار ۲۱۷/۵۔)

تمہارے پاس موجود نہیں۔ ❶

اس حدیث کی بنیاد پر علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کسی بھی عاقد کی طرف سے قرضہ کی شرط لگانا جائز نہیں، اگر یہ شرط ساقط کردی تو مالکیہ کے نزدیک بیع جائز ہو جائے گی جبکہ جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہوگی۔

۱۳: **ایک ہی سودہ میں چھ عقود میں سے کسی عقد کو بیع کے ساتھ جمع کرنا**...... یہ چھ عقود یہ ہیں: گمشدہ چیز کے لوٹانے کی اجرت (جعالہ)، صرف، مساقات، شرکت، نکاح، مضاربت، بیع کے ساتھ ان عقود میں سے کسی عقد کو مشروط کر دینا مالکیہ کے مشہور مذہب کے مطابق ممنوع ہے۔

اشہب نے اس بیع کو جائز قرار دیا ہے اور ابن جزی نے نقل کیا ہے ❷ کہ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذاہب کے موافق ہے مالکیہ نے بیع اور اجارہ کو جمع کرنے کی اجازت دی ہے، ایک بیع میں دو بیع کی اجازت دی ہے اور یہ خیار کی بابت سے ہوگا، جبکہ جمہور نے اس بیع سے منع کیا ہے، حنفیہ نے بیع کو فاسد اعتبار کیا ہے جبکہ شافعیہ اور حنابلہ اسے باطل قرار دیتے ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک فاسد اور باطل بیوع ❸...... بیع میں بطلان یا فساد کا ہونا پانچ وجوہ سے ہو سکتا ہے۔ وہ بطلان یا فساد جو متعاقدین کی طرف راجع ہو، وہ جو ثمن یا معقود علیہ کی طرف راجع ہو، ان کی تفصیل ارکان کی بحث میں ہے۔ وہ جو غرر کی طرف راجع ہے اور وہ جو سود کی طرف راجع ہے، پانچویں سبھی ممنوع بیوع اور وہ دس ہیں:

۱...... قبضہ سے پہلے غلہ کی بیع۔

۲...... بیع عینہ۔

۳...... بیع عربون۔

۴...... شہری کی دیہاتی کے لئے بیع۔

۵...... ایک میل کی مسافت پر آگے جا کر قافلوں سے مال خرید لینا۔

۶...... مسلمان بھائی کی بیع پر بیع کرنا، جبکہ گاہک کو اطمینان ہو چکا ہو، یہ بیع جمہور کے نزدیک صحیح ہے مگر اس میں گناہ ہے، حنابلہ کے نزدیک فاسد ہے، چونکہ اس میں دوسرے کو اذیت پہنچتی ہے اور دو خریداروں کے درمیان بغض وعداوت پیدا ہوتی ہے۔

۷...... جمعہ کے دن بیع۔

۸...... بچے کے بغیر ماں کی بیع یا اس کے برعکس۔

۹...... بیع ثنیا۔

۱۰...... ایک ہی سودے میں بیع اور چھ عقود میں سے کسی عقد کو جمع کرنا۔ ان چھ عقود کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

شافعیہ کے نزدیک باطل بیوع...... یہ بہت زیادہ ہیں: البتہ ان میں سے اہم اکتیس (۳۱) ہیں۔

۱...... ایسی چیز کی بیع جس پر قبضہ نہ کیا ہو۔ البتہ میراث کا مال، وصیت کا مال، حکمران کا عطیہ، مال غنیمت، وقف، موہوب چیز، جال میں گرفتار شکار، مسلم فیہ، کرایہ پر لی ہوئی چیز، مضاربت کا مال اور چھوڑنے کے بعد رہن اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

۲...... ایسی چیز کی بیع جسے فی الحال سپرد کرنے سے بائع عاجز ہو، یعنی جو چیز مقدور التسلیم نہ ہو، جیسے ہوا میں اڑتے پرندے کی بیع، البتہ چھ صورتیں اس سے مستثناء ہیں، اجارہ، بیع سلم، ڈھیروں غلہ جس کے ناپنے تولنے کے لئے زیادہ وقت درکار ہو، مال مغصوب، بھاگا ہوا غلام

---

❶...... رواہ ابوداؤد والترمذی عن عبداللہ بن عمرو۔ ❷القوانین الفقھیۃ ص ۲۶۰۔ ❸القوانین الفقھیۃ ص ۲۵۷ بدایۃ المجتھد ۲/۱۲۵۔

جس پر قدرت پائی جاسکتی ہو۔منقولی چیز، یا دوسرے شہر میں زمین ہو اس سب میں بیع جائز ہے اگر چہ فی الحال سپردگی سے بائع عاجز ہو، چونکہ مشتری کو ان میں غرض حاصل ہو جاتی ہے۔

۳.....حمل کے حمل کی بیع، جیسے کوئی یوں کہے: جب اس اونٹنی کا بچہ پیدا ہوگا پھر اس بچے کا جو بچہ پیدا ہوگا وہ میں نے تمہیں فروخت کر دیا۔

۴.....بیع مضامین، یعنی نر کی صلب میں پڑے ہوئے نطفہ سے جو بچہ پیدا ہوا اس کی بیع۔

۵.....بیع ملاقیح: یعنی مادہ کے بطن میں پڑے نطفے سے پیدا ہونے والے بچے کی بیع۔

۶.....بیع بالشرط بھی باطل ہے البتہ اگر بیع میں رہن، کفیل، گواہ، خیار، مدت، اعتاق، عیب سے بری ہونے کی شرط لگائی گئی ہو تو بیع باطل نہیں ہوگی، اسی طرح بائع کے مکان سے مبیع کو منتقل کرنے کی شرط لگائی یا پھل توڑنے کی شرط لگائی یا بدو صلاح کے بعد درختوں پر ترک کی شرط لگائی یا کسی خاص وصف کی شرط لگائی جیسے کسی مشین میں یہ شرط لگادی کہ وہ مختلف معین زبانوں میں تحریر لکھتی ہو، یا یہ شرط لگائی کہ بائع مبیع کو سپرد نہیں کرے گا حتیٰ کہ فی الحال پورا ثمن وصول کر لے یا عیب کی وجہ سے واپسی کی شرط لگادی تو بیع باطل نہیں ہوگی۔

۷: بیع ملامسہ.....یعنی لپٹے ہوئے کپڑے کو چھو دیا تو بیع ہو جائے گی پھر خریدنے پر خریدار کو اختیار نہ ہو اور صرف دیکھنے کی بجائے مس پر اکتفا کر لیا جائے۔

۸: بیع منابذہ.....یہ کہ عاقد کپڑا پھینکے اور جب لمبائی چوڑائی سامنے آئے تو خریدار کو خیار نہ ہو۔

۹: بیع محاقلہ.....یعنی خوشوں میں پڑی ہوئی گندم کی بیع۔

۱۰.....ایسی چیز کی بیع جس کا آدمی مالک نہ ہو، البتہ بیع سلم جائز ہے اگر چہ بوقت عقد منفعت، مسلم فیہ اور مبیع مملوک نہ بھی ہو، لہٰذا مسلم فیہ کی بیع صحیح ہے، جیسے گندم کی مقدار اور صفت بیان کر دی، یا کپڑا اور اس کی صفت بیان کر دی، اگر مسلم الیہ کے پاس بوقت عقد گندم اور کپڑا موجود نہ ہو۔اسی طرح ذمہ میں اجارہ بھی صحیح ہے، جیسے اپنے ذمہ میں سواری اجرت پر دی کہ فلاں مہینہ کے شروع میں مکہ تک سوار ہو کر جائے گا حالانکہ مؤاجر کی ملکیت میں کوئی جانور نہ ہو لیکن بعد میں سواری حاصل ہو جائے۔اسی طرح ذمہ میں ربوی اموال کی خرید و فروخت بھی جائز ہے جبکہ بائع کے پاس ان میں سے کچھ بھی نہ ہو۔

غیر مملوک چیز کی بیع کے بطلان پر یہ حدیث دلیل ہے۔"طلاق صرف ملک میں ہوتی ہے، وہی غلام آزاد ہوگا جو ملک میں ہو، اور ایسی چیز کی خرید و فروخت بھی حلال نہیں جو ملکیت میں نہ ہو۔"❶ اسی حدیث کو بنیاد بنا کر فقہاء نے کہا ہے کہ فضولی کی بیع باطل ہے۔

۱۱.....گوشت کی بیع جانور کے بدلہ میں اگر چہ جانور غیر ماکول (جس کا گوشت نہ کھایا جاتا) ہو۔جیسے گائے کا گوشت زندہ گائے یا زندہ بکری کے بدلہ میں یا گدھے کے بدلہ میں چونکہ ترمذی کی ایک حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

۱۲.....دودھ دینے والی بکری کی بیع اسی جیسی بکری کے بدلہ میں، اسی طرح ماکول جانور یا انڈے دینے والے جانور کی بیع اسی جیسے جانور کے بدلہ میں، چونکہ دودھ وغیرہ کے مقابل ثمن میں جہالت ہوتی ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک درہم اور ایک کپڑے کے بدلہ میں ایک درہم اور ایک کپڑا فروخت کرنا۔

۱۳.....''بیع الحصاۃ''جیسے کوئی کہے کہ ان کپڑوں میں سے جس کپڑے پر کنکری پڑے گی وہ میں نے فروخت کر دیا۔

۱۴.....جاری پانی کی بیع اگر چہ مقررہ مدت کے لئے ہو چونکہ جاری پانی غیر مملوک ہوتا ہے اور اس کی مقدار میں بھی جہالت ہوتی ہے، چونکہ پانی رفتہ رفتہ بڑھتا رہتا ہے یوں جو پانی پیچھے سے آئے گا وہ غیر مبیع ہوگا اسی طرح مبیع غیر مبیع کے ساتھ خلط ہو جائے گی اور سپردگی متعذر

---

❶.....رواہ الترمذی وحسنہ۔

ہوگی، اگر پانی اس شرط کے ساتھ فروخت کیا کہ مشتری فی الحال لے لے گا تو بیع صحیح ہے، اگر پانی رکا ہوا ہو تو بیع جائز ہے بشرطیکہ ناپ تول سے اس کا تخمینہ ممکن ہو۔

۱۵......بشرط ترک بدو صلاح سے قبل پھلوں کی بیع، یا مطلق بیع ہو چونکہ بدو صلاح سے قبل پھلوں کی بیع سے منع کیا گیا ہے، البتہ بیع بشرط قطع جائز ہے، اگر کھجوروں کے درخت فروخت کیے اوران پر پھلوں کی پیوندکاری ہو تو وہ بائع کی ہوں گی اور پیوندکاری نہ ہو تو مشتری کی ہوں گی۔

۱۶،۱۷......تازہ کھجوروں کی بیع تازہ کھجوروں یا چھوہاروں کے بدلہ میں یا انگوروں کی بیع انگوروں یا کشمش کے بدلہ میں، چونکہ فی الحال خشک ہوتے وقت مماثلت میں جہالت ہوتی ہے، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ تازہ کھجوریں چھوہاروں کے بدلہ میں فروخت کی جاسکتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیا جب تازہ کھجوریں خشک ہو جائیں تو کم ہو جاتی ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تب نہیں۔ ❶ البتہ پانچ وسق سے کم میں ضرورت کی وجہ سے بیع جائز ہے۔

۱۸،۱۹......تازہ گندم کی بیع خشک گندم کے بدلہ میں بایں طور کہ ان میں تفاضل ہو چونکہ مماثلت میں جہالت ہوتی ہے اور اس میں سود بھی ہے۔

۲۰،۲۱،۲۲......تازہ گوشت کی بیع تازہ گوشت یا بوٹیاں کئے ہوئے کے بدلے میں کہ ان میں تفاضل ہو، اگر جنس متحد ہو۔

چونکہ اس میں سود ہے، جیسے گائے کا گوشت اسی جیسے گوشت کے بدلہ میں فروخت کرنا بایں طور کہ ان میں تفاضل ہو۔

ملاحظہ......مختلف انواع واقسام کے گوشت، دودھ، تیل، مچھلیاں، سرکہ جات، روٹیاں اپنے اصل کے حکم میں ہیں، چنانچہ ان میں ایک جنس کی بیع دوسری جنس کے بدلہ میں تفاضل کے ساتھ جائز ہے، گویا دو من گائے کے گوشت کو ایک من بکری کے گوشت کے بدلہ میں فروخت کرنا جائز ہے۔

۲۳......نجس چیز کی بیع جیسے کتے کی بیع چونکہ کتے کی قیمت سے منع کیا گیا ہے، خنزیر بھی اسی حکم میں ہے۔

۲۴،۲۵،۲۶......حشرات الارض کی بیع جیسے بچھوؤں اور کیڑوں کی بیع، چونکہ ان میں کوئی ایسا نفع نہیں جو مال کے مقابل ہو۔ ❷

۲۸......نر کدوانے کی بیع کو جفتی کروانے کی قیمت وصول کی جاتی ہے بخاری کی ایک حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

۲۹......مسلمان غلام کو کافر کے ہاتھ فروخت کرنا چونکہ اس میں مسلمان کی تحقیر ہے۔

۳۰......بیع الغرر، جیسے پانی میں تیرتی مچھلی کی بیع، بھیڑ کی پیٹھ پر اون کی بیع چونکہ مبیع کی مقدار مجہول ہوتی ہے۔

۳۱: بیع عریہ......یعنی تازہ کھجوریں جو درختوں پر لگی ہوں کی بیع چھوہاروں کے بدلہ میں، یا بیلوں پر لگے انگوروں کی بیع کشمش کے بدلہ میں جو کہ پانچ وسق یا اس سے زائد میں ہو، بدو صلاح کے بعد پانچ وسق سے کم میں بیع عینہ جائز ہے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تازہ کھجوروں میں اجازت دی ہے اور انگوروں کو اسی پر قیاس کیا گیا ہے، چنانچہ کھجوریں او انگور اموال ربویہ میں سے ہیں۔ ان کی تفصیل شروط بیع میں دیکھی جاسکتی ہے۔

شافعیہ کے نزدیک حرام غیر باطل بیوع......یہ آٹھ بیوع ہیں۔

۱: بیع مصراۃ......اس کا حاصل یہ ہے کہ جانور کو چند دنوں تک دوہے بغیر چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ اس کے تھنوں میں دودھ جمع ہو جائے

---

❶......رواہ الترمذی وصححہ۔ ❷ اس میں تامل ہے چوکہ اہل طب بچھوؤں سے تیل تیار کرتے ہیں جو جوڑوں کے درد کیلئے اکسیر ہوتا ہے۔

اور خریدتے وقت خریدار کو دودھ زائد ہونے کا وہم ہو اور جانور کو رغبت سے خرید لے گا، یہ بیع اگرچہ اصولی اعتبار سے صحیح ہے لیکن حرام ہے چونکہ بخاری ومسلم کے ہاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اونٹوں اور بکریوں کے تھنوں میں دودھ نہ روکے رکھو۔

۲: شہری کی بیع دیہاتی کے لئے...... اس کا حاصل یہ ہے کہ دیہاتی بازار میں سامان فروخت کرنے کے لئے لاتا ہے اور کوئی شہری اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے، یہ سامان تم نہ بیچو بلکہ میں تمہیں اچھے نرخوں میں فروخت کر کے دوں گا، جبکہ شہری جانتا ہے کہ شہری لوگ اس سامان کے حاجت مند ہیں۔ بخاری ومسلم کی حدیث کی رو سے ایسا کرنا حرام ہے۔

چنانچہ حدیث ہے کوئی شہری دیہاتی کے لئے بیع نہ کرے۔

۳: تلقی رکبان...... یعنی مارکیٹ سے باہر ہی تجارتی قافلوں سے کم نرخوں میں سامان خرید لینا، چنانچہ مسلم کی روایت کی رو سے جو کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایسا کرنا حرام ہے۔ ’’خرید وفروخت کے لئے قافلوں سے آگے جا کر مت ملو۔‘‘

۴: ذخیرہ اندوزی...... یعنی اشیائے خورد ونوش کو اس نیت سے چھپا کر ذخیرہ کر لینا کہ جب بھاؤ بڑھ جائے گا اس وقت مارکیٹ میں اشیاء کو فروخت کیا جائے گا تاکہ فروخت کنندہ زیادہ سے زیادہ نفع کما سکے، ایسا کرنا مسلم کی روایت کی رو سے جو کہ معمر بن عبداللہ عدوی سے مروی ہے حرام ہے۔ چنانچہ حدیث ہے۔ ’’ذخیرہ اندوزی صرف گناہگار شخص ہی کرتا ہے۔‘‘ نیز ذخیرہ اندوزی میں لوگوں کی اذیت ہے۔

۵: بیع نجش...... اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص صرف بھاؤ تاؤ لگاتا ہے اور سامان خریدنا نہیں چاہ رہا ہوتا کہ دوسروں کو ثمن کی زیادتی کا وہم دے، ایسا کرنا بخاری ومسلم کی حدیث جو کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کی رو سے حرام ہے۔ حدیث ہے کہ ’’حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا ہے۔

۶: دوسرے کے سودے پر سودا کرنا...... جب بیع میں ثمن طے ہو جائیں تو اس کے بعد سودے پر سودا کرنا حرام ہے، اسی طرح بیع کے لازم ہونے سے پہلے دوسرے کی بیع پر بیع کرنا بھی حرام ہے، ایسا خیار مجلس اور خیار شرط کی مدت میں ہوتا ہے، مثلاً خریدار فروخت کنندہ کی بیع فسخ کرنے کا کہتا ہے اور اسے برانگیختہ کرتا ہے کہ وہ زیادہ رقم دے گا، یا بائع کسی دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ اگر تم یہ چیز خریدو تو میں تمہیں ارزاں نرخوں میں دوں گا۔ اس پر بہت ساری حدیثیں دلائل ہیں۔ ایک حدیث بخاری ومسلم کی ہے۔ ’’مسلمان اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہیں کرتا۔‘‘ دوسری حدیث صحیحین کی ہے۔ ’’تم میں سے کوئی شخص کسی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے۔ نسائی نے یہ اضافہ ذکر کیا ہے۔‘‘ یہاں تک کہ وہ خرید لے یا چھوڑ دے۔‘‘ جو حکم خریداری کا ہے وہی فروخت کا ہے۔

تحریم کی حکمت یہ ہے کہ ایسا کرنے سے لوگوں میں بغض وعداوت پیدا ہوتی ہے۔

۷: ایسے شخص کے ساتھ بیع کرنا جس کا کل مال حرام کا ہو...... جیسے بائع کو معلوم ہو کہ مشتری کا سارا مال رشوت کا ہے، یا مشتری کی کمائی خنزیر یا مردار یا کتے کی کمائی سے ہے، یا اس کی کمائی غیر مشروع ہے جیسے رشوت، جوا یا حرام عمل سے کمائی ہے جیسے نوحہ، رقص اور زنا کی اجرت وغیرہ سے۔

اگر مشتری کا کل مال حرام نہ ہو بلکہ حرام وحلال دونوں طرح کا گڈمڈ ہو تو اس کے ساتھ معاملہ کرنا مکروہ ہے، چنانچہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ ’’حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں جنہیں بہت سارے لوگ نہیں جانتے، سو جو شخص ان مشتبہ امور سے محفوظ رہا اس نے اپنے دین اور آبرو کو محفوظ رکھا، اور جو شخص شبہات میں پڑا وہ صریح

حرام میں پڑا۔

۸: تازہ کھجوریں اور انگور شراب ساز کے ہاتھ فروخت کرنا...... چنانچہ شراب ساز کے ہاتھ تازہ کھجوریں اور انگور فروخت کرنا حرام ہے، اسی طرح جو شخص لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کرنے میں مشہور ہو اس کے ہاتھ بے ریش لڑکوں کو فروخت کرنا بھی حرام ہے، باغیوں اور راہزنوں کے ہاتھ بھی اسلحہ فروخت کرنا حرام ہے۔ اسی طرح ہر ایسا تصرف جو معصیت پر منتج ہوتا ہو وہ حرام ہے البتہ اگر معاملہ مشکوک ہو تو بیع مکروہ ہے۔

پانچویں بحث......خیارات

قبل ازیں ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ عقد جو کسی بھی قسم کے خیار سے خالی ہو وہ لازم ہوتا ہے اور خیار کے ہوتے ہوئے عاقد عقد کو فسخ کرسکتا ہے۔

خیار کا معنی...... یہ ہے کہ عاقد کو عقد کے نافذ کرنے اور فسخ کرنے میں اختیار حاصل ہوتا ہے اگر معاملہ خیار شرط، خیار رؤیت، خیار عیب کا ہو، چونکہ بیع میں اصل لزوم ہے اس لئے کہ بیع کا مقصد ملک کو منتقل کرنا ہوتا ہے، البتہ شارع نے متعاقدین کی سہولت کے لئے خیار کو ثابت کیا ہے۔

خیارات کی تعداد:

حنفیہ...... نے سترہ (۱۷) خیارات کا ذکر کیا ہے، اور وہ یہ ہیں: خیار شرط، خیار رؤیت، خیار عیب، خیار وصف، خیار نقد، خیار تعیین، خیار غبن معہ تغریر، ان سات خیارات کو میں نے مجلّہ میں م ۳۰۰۔ ۳۶۰ میں ذکر کیا ہے، خیار کمیت، خیار استحقاق، خیار تغریر فعلی، خیار کشف حال، خیار خیانت مرابحہ وتولیہ، بعض مبیع کے ہلاک ہونے سے تفریق صفقہ کا خیار، خیار برائے اجازت عقد فضولی، مبیع کے ساتھ مستاجر یا رہن کا حق متعلق ہونے کا خیار اور خیار مجلس۔❶

مالکیہ...... کہتے ہیں: ❶ خیار کی دو قسمیں ہیں: خیار شرط جیسے خیار تروی، یعنی غور وفکر کا خیار، حتیٰ کہ جب خیار کا لفظ مطلق بولا جائے تو یہی خیار مراد ہوتا ہے ❷ خیار حکمی۔ جسے خیار نقیصہ بھی کہا جاتا ہے جو مبیع میں کسی عیب یا استحقاق کی پاداش میں دیا جاتا ہے۔❷

رہی بات خیار شرط کی سو وہ مالکیہ کے نزدیک باطل ہے، چنانچہ مدینہ کے فقہائے سبعہ اور امام ابوحنیفہ کی بھی یہی رائے ہے، چنانچہ بیع تو ایجاب وقبول سے مکمل ہو جاتی ہے، اگرچہ متعاقدین مجلس عقد سے جدا نہ بھی ہوں۔ جبکہ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، سفیان ثوری اور اسحاق نے خیار مجلس کو روا رکھا ہے، جب عقد مکمل ہو جاتا ہے تو جب تک عاقدین مجلس سے جدا جدا نہ ہوں انہیں خیار مجلس حاصل ہوگا اس کی دلیل حدیث صحیح ہے جو "خیار مجلس" کی بحث میں رکن بیع کے تحت گزر چکی ہے۔

شافعیہ...... کہتے ہیں: خیار کی دو اقسام ہیں:

۱......خیار تشہی ۲......خیار نقیصہ۔❸

خیار تشہی...... یہ وہ خیار ہے جسے متعاقدین اپنے اختیار اور اپنی چاہت سے بلا توقف مبیع میں کسی امر کے فوت ہونے پر استعمال کرتے

---

❶......الدر المختار ۴/۴۷۔ ❷الشرح الكبير ۳/۹۱، القوانين الفقهية ص ۲۷۲، بداية المجتهد ۲/۱۶۹۔ ❸مغني المحتاج ۲/۴۳ تحفة الطلاب ص ۵۰، حاشية الشرقاوى ۲/۴۰۔

ہیں۔اس کا سبب مجلس یا شرط ہوتی ہے۔

خیار نقیصہ......اس کا سبب اختلاف لفظی یا تعزیر فعلی ہے اسی میں سے خیار عیب، خیار تصریہ، خیار خلف اور تلقی الرکبان وغیرہ بھی ہے۔

اسی اجمال کی روشنی میں شافعیہ کے نزدیک سولہ (۱۶) قسم کے خیارات ہیں۔جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱: خیار مجلس......اس کی مشروعیت صحیحین کی احادیث سے ثابت ہے۔

۲: خیار شرط......اس کی اکثر مدت تین دن ہیں، چونکہ بیہقی کی ایک روایت سے اس کا ثبوت ملتا ہے اگر تین دن سے زیادہ مدت ہوئی تو عقد صحیح نہیں ہوگا چونکہ تب یہ شرط فاسد کے حکم میں آجائے گا۔

۳: خیار عیب......یعنی جب مبیع میں کسی عیب پر اطلاع ہوئی تو مشتری کو خیار حاصل ہوتا ہے، خواہ عیب بیع سے پہلے کا ہو یا بیع کے بعد یا قبضہ سے پہلے، ترمذی کی ایک حدیث میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔

۴: خیار تلقی رکبان......جب تجارتی قافلے آگے جا کر ملنے والے کے بیان سے زیادہ ریٹ پالیں تو قافلوں کو خیار حاصل ہوا، صحیحین کی ایک حدیث میں اس کا بھی ثبوت ہے۔

۵: خیار تفریق صفقہ......یعنی عقد کے بعد یہ خیار حاصل ہوتا ہے۔جیسے ایک ہی عقد میں خریدی ہوئی دو چیزوں میں سے ایک چیز ضائع ہو جائے، یا عقد سے قبل مشتری ناواقفیت میں حلال وحرام کا عقد کر بیٹھے۔

۶: وصف مشروط کے مفقود ہونے پر خیار......یعنی ایسا وصف جس کا قصد ہو چنانچہ زنا اور چوری کے نہ ہونے پر خیار نہیں حاصل ہوگا۔

۷، ۸......غاصب سے سامان واپس لینے پر باوجود قدرت ہونے کے غصب سے ناواقفی کا خیار، یہ خیار دفع ضرر کے واسطے مشروع ہے، تاکہ غاصب سے مال واپس لینے سے عجز نہ رہے۔

۹......مبیع کے کرایہ پر لگے ہونے سے ناواقف ہونے کا خیار۔

۱۰......شرط صحیح پوری نہ کرنے کا خیار جیسے رہن یا کفیل کی شرط لگائی اور اسے پورا نہ کیا۔

۱۱: خیار تحالف......یعنی جب عاقدین عقد کی صحت پر متفق ہوں لیکن عقد کی کیفیت میں اختلاف ہو، چنانچہ عاقدین عقد کو فسخ کر سکتے ہیں یا ان میں سے کوئی ایک عقد کو فسخ کر سکتا ہے، اگر عاقدین راضی نہ ہوں تو حاکم فسخ کر دے۔فسخ عقد دونوں سے حلف لینے کے بعد ہوگا۔

۱۲......بیع مرابحہ کی صورت میں ثمن کے زائد ہونے پر بائع کا خیار چنانچہ اگر بائع نے کہا: میں نے یہ چیز سو روپے میں خریدی ہے اور اسے سو روپے میں فروخت کر دے اور ہر دس روپے پر ایک روپیہ منافع کمائے پھر وہ خیال ظاہر کرے کہ اس نے یہ چیز ایک سو دس روپے میں خریدی ہے جبکہ مشتری بھی اس کی تصدیق کر دے تو بائع کو خیار حاصل ہوگا چونکہ بائع کے حق میں دس روپے کا ثبوت نہیں مل سکا۔

۱۳......تخلیہ سے قبل خرید کردہ پھلوں کے ساتھ نو بید پھلوں کے مخلوط ہونے پر مشتری کو خیار حاصل ہوگا اگر بائع نے نو بید پھل مشتری کو ہبہ نہ کئے۔

۱۴......ثمن سے عاجز آنے پر خیار۔یعنی مشتری ثمن کی ادائیگی سے عاجز آجائے جبکہ مبیع اس کے پاس موجود ہو چنانچہ یہ خیار صحیحین میں

ثابت شدہ ہے۔

۱۵.....عقد سے قبل دیکھی ہوئی صفت کے متغیر ہونے کا خیار اگر چہ یہ تغیر عیب کے درجے کو نہ پہنچتا ہو۔

۱۶.....تخلیہ کے بعد بائع کے سیرابی چھوڑ دینے کی وجہ سے پھلوں میں عیب پیدا ہونے پر خیار۔

حنابلہ......کہتے ہیں: خیار کی آٹھ اقسام ہیں۔❶

خیار مجلس، خیار شرط، خیار غبن، خیار تدلیس، خیار عیب، خیار خیانت، ثمن میں عاقدین کے اختلاف پر خیار، اجرت کے معاملہ میں مؤاجر اور مستاجر کے اختلاف کا خیار، خیار تفریق صفقہ۔

میں اب اللہ کا نام لے کر تین مشہور خیارات کی تفصیل کروں گا وہ یہ ہیں، خیار شرط، خیار عیب اور خیار رویت، رہی بات بقیہ خیارات کی سو ان کے اجمالی بیان پر اکتفا کروں گا۔ جبکہ خیار مجلس کے متعلق قبل ازیں گفتگو ہو چکی ہے۔

۱۔خیار وصف......یعنی وہ خیار جو مرغوب فیہ وصف کے فوت ہونے پر مشتری کو حاصل ہوتا ہے۔

چنانچہ خریدار کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ مقررہ کل ثمن دے کر مبیع لے لے یا بیع فسخ کر دے، یہ خیار عموماً ایسی چیز کے متعلق حاصل ہوتا ہے جو مجلس عقد سے غائب ہو اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو خریدتا ہے اور اس میں غیر ظاہر صفت کی شرط لگا دیتا ہے، جبکہ یہ صفت تجربہ سے پہچانی جا سکتی ہے، پھر بعد میں معلوم ہو کہ وہ خاص صفت مبیع میں موجود نہیں۔ یا کسی شخص نے گائے خریدی کہ وہ دودھ دیتی ہے، بعد میں ظاہر ہوا کہ گائے دودھ نہیں دیتی، یا کوئی موتی خریدا کہ یہ اصلی ہے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مصنوعی ہے، تو ان صورتوں میں خریدار کو خیار حاصل ہوگا، چاہے تو بیع فسخ کر دے چاہے تو کل ثمن کے بدلے مبیع لے لے، چونکہ وصف مرغوب فیہ کی عقد میں شرط لگائی گئی جب وہ وصف فوت ہو گیا تو مشتری کو خیار حاصل ہوگا چونکہ اس وصف کے بغیر مشتری رضا مند نہیں ہوتا، لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسے سلامتی کا وصف فوت ہو۔

حنفیہ کے نزدیک کل ثمن سے مبیع لینے کا سبب یہ ہے کہ ثمن اوصاف کے مقابلہ میں نہیں ہوتے چونکہ اوصاف عقد میں تابع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

خیار وصف کی مشروعیت کی دلیل......خلاف قیاس استحسان کو مصلحت کے لئے اپنایا گیا ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ خیار وصف کو خیار عیب میں داخل سمجھتے ہیں۔

خیار وصف کی شرائط......خیار وصف کی تین شرائط ہیں۔

۱......یہ کہ وصف مشروط شرعاً مباح ہو۔ اگر وصف شرعاً حرام ہو تو یہ صحیح نہیں۔

۲......یہ کہ عادۃً وصف مرغوب فیہ ہو۔ چنانچہ جب عرف عام میں مرغوب فیہ نہ ہو تو شرط لغو ہوگی، البتہ بیع صحیح ہوگی اور خیار کالعدم ہوگا۔ مثلاً جانوروں کی خرید وفروخت میں اگر نر یا مادہ کی شرط لگا دی، چنانچہ جس شخص نے کوئی جانور خریدا کہ وہ نر ہے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مادہ ہے تو بیع صحیح ہوگی اور خیار ثابت نہیں ہوگا۔

۳......یہ کہ وصف مرغوب کی تحدید نہ ہو جو ایسی جہالت تک پہنچا دیتی ہو جو بالآخر باہمی جھگڑے پر منتج ہو، اگر ایسا کیا تو بیع اور شرط دونوں فاسد ہوں گی، مثلاً دودھ دینے والی گائے میں شرط لگا دی کہ وہ مثلاً ۵ لیٹر دودھ دیتی ہو، چنانچہ یہ شرط فاسد ہے چونکہ اسے ضبط میں لانا ناممکن ہے۔

---

❶......کشاف القناع ۳/۱۶۶-۲۲۴۔

خیار وصف کے احکام: الف.....خیار وصف وراثت میں منتقل ہوتا ہے چنانچہ اگر خریدار کو خیار وصف حاصل ہو اور اس دوران وہ مر جائے جبکہ مبیع وصف مشروط سے عاری ہو تو وارث کو حق فسخ حاصل ہوگا۔

ب.....جب خریدار خیار وصف کے دوران مبیع میں کوئی ایسا تصرف کر دے جیسا ملکیت میں کیا جاتا ہے تو اس کا خیار باطل ہوگا۔

ج.....فسخ بیع یا کل ثمن کے بدلہ میں مبیع کو باقی رکھنے کے معاملہ میں مشتری کو فسخ بیع کا حق حاصل ہوگا اگر مبیع ضائع ہوگئی یا اس کے قبضہ میں عیب دار ہوگئی تو خریدار کو نقص کے بقدر بائع پر رجوع کا حق حاصل ہوگا، چونکہ وصف مرغوب نہیں پایا گیا، نقص کا اندازہ وصف کے ہوتے ہوئے مبیع کی قیمت لگانے اور وصف کے نہ ہوتے ہوئے قیمت لگانے کے فرق سے کیا جا سکتا ہے۔

۲: خیار نقد ❶ .....خیار نقد خیار شرط کی فرع ہے، خیار نقد کا حاصل یہ ہے کہ دونوں عاقدین یہ شرط لگا لیتے ہیں کہ اگر مشتری نے مقررہ مدت جو کہ تین دن ہوتی ہے میں ثمن نہ دیئے تو ان دونوں کے درمیان بیع نہیں رہے گی۔ اگر مدت چار دن کی مقرر کی گئی تو خیار صحیح نہیں ہوگا، اس میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے، چونکہ یہ مدت خیار شرط میں مشروع ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ شرط کے معاملہ میں عاقدین کی رعایت کرتے ہیں کہ جتنی مدت بھی مقرر کر لیں۔

اگر تین دن کی مدت میں مشتری نے ثمن نقدی ادا کر دیئے تو حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق بیع جائز ہوگی چونکہ خیار نقد خیار شرط کے ساتھ ملحق ہے۔ حنابلہ کے نزدیک یہ خیار جائز ہے جیسے خیار شرط جائز ہے، لیکن حنابلہ کے نزدیک اگر مشتری نے نقدی ثمن ادا نہ کئے تو بیع فسخ ہو جائے گی یا مشتری پر بائع نے یہ شرط لگا دی کہ جب وہ مشتری کو تین دن کی مدت کے اندر ثمن واپس کر دے تو ان کے درمیان بیع نہیں رہے گی۔

خیار نقد اور خیار شرط میں فرق یہ ہے کہ خیار شرط میں اصل لزوم ہے چنانچہ جب مشروط مدت فسخ عقد کے بغیر ہی پوری ہو جائے تو بیع لازم ہو جائے گی، رہی بات خیار نقد کی سو اس میں اصل عدم لزوم ہے، چنانچہ جب تین دن میں ثمن نقدی ادا نہ کئے تو بیع فاسد ہو جائے گی بشرطیکہ مبیع اپنی حالت پر باقی ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ مشتری قبضہ کر لینے سے مبیع کا مالک بن جاتا ہے، حنابلہ کے نزدیک بیع فسخ ہو جائے گی، حنفیہ میں سے امام زفر کے علاوہ سبھی اسے جائز قرار دیتے ہیں، چونکہ خیار نقد خیار شرط میں داخل ہے جبکہ امام زفر اسے جائز قرار نہیں دیتے چونکہ یہ شرط مقتضائے عقد میں سے نہیں ہے اور اس میں اس شخص کا فائدہ ہے جس کے لئے یہ شرط لگائی گئی ہو۔

خیار نقد کے سقوط کا حکم: ا.....خیار نقد کی مدت کے دوران اگر مشتری مر جائے تو بیع باطل ہو جائے گی۔

۲.....اگر مدت خیار کے دوران مشتری نے مبیع کو فروخت کر دیا جبکہ ابھی اس نے ثمن ادا نہیں کئے تھے تو خیار ساقط ہو جائے گا، بیع صحیح ہوگی اور لازم ہو جائے گی اور مشتری کو ثمن نقد ادا کرنے ہوں گے۔

۳.....اگر مشتری یا کسی اجنبی نے مدت خیار کے دوران اور قبضہ کے بعد مبیع کو تلف کر دیا تو خیار ساقط ہو جائے گا چونکہ اس صورت میں مبیع کو واپس کرنے سے عاجز ہوگا۔

۴.....اگر مشتری نے مبیع میں کوئی عیب پیدا کر دیا جو بائع کو مبیع واپس کرنے کے مانع ہو جبکہ مشتری نے ثمن نقد نہ ادا کئے ہوں تو خیار ساقط ہو جائے گا اور بائع کو اختیار دیا جائے گا چاہے تو یہی نقص والی مبیع لے لے اور اسے ثمن میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا چاہے تو واپس نہ لے اور ثمن لے لے۔

۳۔ خیار تعیین ..... ❷ خیار تعیین یہ ہے کہ فروخت کنندہ کے پاس چند چیزیں ہوں وہ ایک متعینہ قیمت پر خریدار کے ہاتھ بلا تعیین ان

---

❶ .....دیکھئے المبسوط ۱۳/۵۰، فتح القدير مع العناية ۵/۱۱۴، رد المحتار والدر المختار ۴/۵۱، المجلة ۴/۳۱۳، کشاف القناع ۳/۱۸۴۔

❷ دیکھئے فتح القدير مع العناية ۵/۱۲۵، ردالمحتار ۴/۶۰ المجلة م ۳۱۶۔

میں سے کوئی ایک چیز فروخت کردے اور خریدار کو اختیار دے کہ وہ ان میں کسی ایک کو متعین کرلے۔ مثلاً خریدار دو یا تین غیر معین کپڑوں میں سے کسی ایک کو خرید لے بایں طور کہ مشتری کو تین دن تک خیار حاصل ہوگا۔

خیار نقد کی طرح خیار تعیین کی بھی دو وجہیں ہیں یا تو خریدار ان چند اشیاء میں سے کسی ایک کو لے لے اور بائع کو بتایا ہوا ثمن دے، یا بائع ان میں سے کسی ایک چیز کو خریدار کے حوالے کردے، یہ چیز خریدار کو لازم ہوجائے گی الا یہ کہ وہ چیز عیب دار ہو تو باہمی رضامندی سے لازم ہوگی، اگر ان دو چیزوں میں سے ایک ضائع ہوجائے تو باقی رہنے والی چیز مشتری کو لازم ہوجائے گی۔

حنفیہ نے لوگوں کی حاجت مندی کے پیش نظر خیار تعیین کو جائز قرار دیا ہے لیکن جہالت سے قطع نظر کیا ہے جبکہ جہالت کی وجہ سے شافعیہ اور حنابلہ نے خیار تعیین کو باطل قرار دیا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ خیار تعیین کا خیار شرط کے ساتھ مقترن ہونا شرط نہیں۔ البتہ یہ خیار عاقدین کے لئے جائز ہے۔

خیار تعیین کی شرائط..... حنفیہ نے خیار تعیین کے لئے مندرجہ ذیل شرائط لگائی ہیں۔

۱..... یہ کہ اختیار دو یا تین اشیاء میں دیا گیا ہو اگر اختیار چار اشیاء میں دیا گیا تو پھر خیار تعیین جائز نہیں چونکہ تین چیزوں میں اختیار کا حاصل ہونا کو الٹی کی بنیاد پر ہے چنانچہ اشیاء کی تین اقسام ہوتی ہیں اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ۔

۲..... یہ کہ بائع کی موافقت خیار تعیین کے متعلق صریح ہو، مثلاً مشتری سے یوں کہے: میں نے تمہیں دو یا تین میں سے ایک چیز فروخت کی بایں طور کہ تمہیں ان میں سے ایک چیز میں اختیار حاصل ہوگا اگر اس کی موافقت نہ ہو تو بیع فاسد ہوجائے گی۔

۳..... یہ کہ خرید وفروخت قیمتی اشیاء میں ہو جیسے پہننے اور اوڑھنے بچھونے کے کپڑے اور بستر وغیرہ، نہ کہ مثلی اشیاء میں بیع ہو جیسے جدید مطبوعہ کتابیں چونکہ مثلی اشیاء میں خیار کا کوئی فائدہ نہیں۔

۴..... خیار تعیین کی مدت خیار شرط کی مدت کی طرح ہو اور یہ مدت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین دن ہیں جبکہ صاحبین کے نزدیک سہولت کی بنیاد پر جو مدت بھی مقرر کرلی جائے صحیح ہے۔

خیار تعیین کے احکام: الف..... افراد مبیع میں سے غیر معین فرد میں بیع لازم ہوجاتی ہے اور صاحب حق (خریدار) پر لازمی ہوجاتا ہے کہ وہ مدت کے اندر اندر کسی ایک چیز کو معین کردے۔

ب..... حنفیہ کے نزدیک خیار تعیین وراثت میں منتقل ہوتا ہے۔ بخلاف خیار شرط کے چنانچہ اگر وہ شخص جسے خیار تعیین حاصل تھا دوران مدت مرگیا اور ابھی تک تعیین نہیں کی تھی تو وارث کو کسی ایک چیز کی تعیین پر مجبور کیا جائے گا۔

ج..... جب دو میں سے ایک چیز ضائع ہوجائے تو دوسری چیز مبیع بننے کے لئے متعین ہوجائے گی اور باقی مشتری کے پاس امانت کے طور پر ہوگی، اگر دونوں مبیع ضائع ہوگئیں تو ان میں سے ہر مبیع کی نصف ثمن کا مشتری ضامن ہوگا اگر آگے پیچھے دونوں مبیع ضائع ہوئیں تو پہلی مبیع متعین ہے۔ اگر ضائع ہونے والی چیز میں اختلاف ہوجائے تو قسم کے ساتھ مشتری کا قول معتبر ہوگا البتہ اگر بائع گواہ پیش کردے تو اس کا قول زیادہ معتبر ہوگا۔

مبیع میں عیب پیدا ہونا مذکورہ احوال میں ضائع ہونے کے مترادف ہے اگر مشتری نے دو چیزیں فروخت کیں پھر ان میں سے ایک کو اختیار کرلیا تو اس کی بیع صحیح ہوگی جبکہ مبیع کا ثمن سے ضمان دیا جائے گا، دوسری چیز اس کے پاس امانت ہوگی۔

۴۔ **خیار غبن** ❶..... یہ خیار حنفیہ کے ہاں مشروع ہے جبکہ عقد غبن پر مشتمل ہو اسے خیار غبن مع تغریر کہا جاتا ہے، اس میں یہ ہوتا ہے

---

❶..... ردالمحتار ۴/۴۷، المجلة م ۳۵۶۔

کہ بائع مشتری کے ساتھ غرر (دھوکا) کرتا ہے، یہ تغریر یا تو نرخوں میں ہوتی ہے یا فعلی ہوتی ہے، جو کہ وصف میں ہوتی ہے، اس صورت میں یہ غبن فاحش ہوگا اور فاحش وہ ہوتا ہے جو تاجروں کی لگائی ہوئی قیمت میں داخل نہ ہو، رہی بات غبن یسیر کی یہ وہ ہوتا ہے جو قیمت لگانے والوں کے اندازہ میں داخل ہو، غبن یسیر (تھوڑا سا غبن) مؤثر نہیں ہوتا، چونکہ غبن یسیر (معمولی غبن) میں غبن کا حد سے زائد ہونا متحقق نہیں ہوتا جبکہ غبن فاحش میں غبن کا حد سے زائد ہونا متحقق ہوتا ہے۔ اس صورت میں ابطالی عقد کا حق ثابت ہو جاتا ہے تاکہ غرر وضرر کو دور کیا جائے۔

ریٹ میں غرر قولی......اس کی صورت یہ ہے جیسے کہ بائع یا مؤاجر، مشتری کو یا مستاجر کو کہے: یہ چیز اس ریٹ سے زائد کی ہے تمہیں اس جیسی کہیں نہیں ملے گی یا کہے فلاں شخص مجھے اس سے زیادہ قیمت دے رہا تھا، یہ سب جھوٹ ہوتا ہے۔

وصف میں غرر فعلی......اس کا حاصل یہ ہے کہ بائع فروخت کردہ مال کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے جس سے خریدار کو بہتر کوالٹی کا وہم ہو جاتا ہے گویا متوسط درجہ کی چیز کو اعلیٰ اور ادنیٰ درجہ کی چیز کو متوسط کر کے دکھایا جاتا ہے، تغریر فعلی کی ایک مثال تصریہ (تھنوں میں دودھ کو جمع رکھنا) بھی ہے، یہ حرام ہے، اس کی پاداش میں دھوکہ کھانے والے کو خیار حاصل ہوگا جیسے صفت مشروط کے فوت ہونے پر خیار ملتا ہے۔

تدلیس عیب......یعنی فروخت کردہ سامان میں کوئی عیب ہو اور عاقد اسے جانتے بوجھتے چھپا دے، اس کی پاداش میں بھی دوسرے عاقد کو خیار حاصل ہوتا ہے، اسے خیار عیب کہا جاتا ہے۔

خیار غبن کا حکم......دھوکا کھانے والے کو فسخ عقد کا حق دیا جائے گا تاکہ اس سے غرر وضرر دور ہو جائے چونکہ غبن فاحش کی وجہ سے دھوکا کھانے والے کی رضا مندی غیر متحقق ہوتی ہے، اگر دھوکا کھانے والا مر جائے تو خیار غبن وارث کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔ اگر مشتری کو غبن فاحش پر اطلاع ہو چکے اور وہ اس کے بعد مبیع میں کوئی تصرف کر دے یا خرید کردہ زمین میں تعمیر کر دے یا مبیع ضائع ہو جائے یا ضائع کر دی جائے یا اس میں کوئی عیب پیدا ہو جائے تو خیار غبن کا حق ساقط ہو جائے گا۔

حنابلہ......کہتے ہیں۔ (۱) یہاں اس موقع پر تین خیارات ہیں خیار غبن، خیار تدلیس اور خیار عیب۔

خیار غبن......حنابلہ کے نزدیک خیار غبن تین صورتوں میں ثابت ہوتا ہے۔

اول: تلقی رکبان......اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو تجارتی قافلے کی شکل میں آئیں اور شہر میں ان کی آمد سے قبل ہی شہر کی تاجر برادری، ان کا سرمایہ تجارت خرید لیں اگرچہ باہر سے آنے والا قافلہ پیدل ہی کیوں نہ ہو، جمہور کے نزدیک تلقی رکبان حرام ہے، حنفیہ کہتے ہیں: یہ مکروہ ہے۔ چنانچہ جب متلقی نے سامان رسد خرید لیا اور پھر جب شرکائے قافلہ شہر میں آئیں تو انہیں خیار حاصل ہوگا جبکہ انہیں غبن اور دھوکا کھانے کا علم ہو جائے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''تلقی جلب سے گریز کرو جس شخص سے تلقی جلب کے طور پر کچھ خرید لیا گیا اور پھر وہ بازار میں آیا تو اسے خیار حاصل ہوگا۔ (۲)

دوم: نجش......اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص سامان خریدنا نہیں چاہتا محض دوسروں کو ترغیب دینے کے لئے بھاؤ بڑھا کر بولتا ہے، شرعاً ایسا کرنا حرام ہے چونکہ ایسا کرنے میں خریدار کو دھوکا دینا ہے، اور یہ غش یعنی دھوکہ ہے، نجش کی وجہ سے مشتری کے لئے خیار ثابت ہوگا بشرطیکہ جب غیر معتاد قسم کا دھوکہ کھا جائے۔ نجش کا ثبوت تب ہی ہو پاتا ہے جب بھاؤ بڑھا کر بولنے والا نہایت ہوشیار ہو۔ اور چالاک ہو نیز خریدار دھوکا دہی سے ناواقف بھی ہو، اگر خریدار نے جانتے بوجھتے دھوکا کھا لیا تو جلد بازی اور فکر وتامل نہ کرنے کی وجہ سے اسے خیار حاصل نہیں ہوگا۔

---

(۱)......المغنی ۴/ ۳۴، کشاف القناع ۳/ ۱۹۹۔ (۲) رواہ مسلم عن حدیث ابی ہریرۃؓ۔

اگر ناجش نے بھاؤ بڑھا کر بولا یا بائع نے خود بھاؤ بڑھا کر پیش کیا جبکہ خریدار کو نجش کا علم نہ ہو تو دھوکا دہی ہونے کی وجہ سے خریدار کو خیار حاصل ہوگا۔

سوم: **قیمت سے ناواقف کی خرید وفروخت اور اجارہ**.....خواہ مشتری ہو یا بائع البتہ اسے خرید وفروخت کا تجربہ نہ ہو، جب وہ غیر معتاد دھوکہ کھا جائے تو اسے خیار حاصل ہوگا، قیمت سے ناواقف ہونے کے متعلق قسم کے ساتھ اس کا قول قبول کیا جائے گا، بشرطیکہ اس کی ناواقفیت پر کوئی قرینہ نہ ہو اگر کوئی قرینہ موجود ہوا تو اس کا قول قبول نہیں ہوگا۔

خیار تدلیس.....اس کا سبب دھوکا دہی ہے، تدلیس کے ہوتے ہوئے عقد صحیح ہوتا ہے، جبکہ تدلیس حرام ہے، اس کی دو قسمیں ہیں۔

اول.....کتمان عیب، یعنی مبیع میں کوئی عیب ہو جسے بائع چھپا دے حنفیہ اسے خیار عیب کہتے ہیں۔

دوم.....ایسا فعل جس سے مبیع کی قیمت بڑھ جائے، اگرچہ عیب نہ ہی پیدا ہو، جیسے پن چکی کے پانی کو جمع رکھنا اور فروختگی کے وقت پانی کو چھوڑ دینا تاکہ چکی روکنے کے بعد چھوڑنے سے تیز تر ہو جائے اور خریدار سمجھے کہ چکی اسی طرح حسب عادت تیز چلتی ہے، ایسا اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ ثمن بڑھا کر پیش کئے جائیں۔ غلے کی ڈھیری کو اوپر سے خوبصورت بنا دینا بھی اس کی مثال ہے، موچی کا جوتے کو پالش سے چمکا دینا، تصریہ یعنی تھنوں میں دودھ جمع رکھنا، وغیرہ۔ ❶

حنفیہ اسے تغریر فعلی سے تعبیر کرتے ہیں۔

تدلیس کی دونوں صورتوں میں مشتری کو خیار رد حاصل ہوگا یعنی چاہے مبیع کو رد کر دے چاہے اپنے پاس رکھ لے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”اونٹنی اور بکری کے تھنوں میں دودھ جمع نہ رکھو سو جس شخص نے ایسی اونٹنی یا بکری خرید لی تو دوہنے کے بعد اسے خیار حاصل ہوگا چاہے تو اپنے پاس رکھ لے چاہے اسے واپس کر دے اور ساتھ کھجوروں کا ایک صاع بھی لوٹا دے۔ ❷ تصریہ کے علاوہ باقی صورتیں تدلیس کے ساتھ ملحق ہیں۔

جمہور اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کے مضمون کو اختیار کیا ہے کہ مصراۃ بکری یا گائے کو دوہنے کے بعد خریدار کو خیار حاصل ہوگا چاہے تو بیع روک لے چاہے واپس کر دے اور ساتھ ایک صاع کھجوروں کا بھی دے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مشتری اگر چاہے تو فقط نقصان سے رجوع کر سکتا ہے۔ یعنی ادائے ثمن میں اسے جو نقصان ہوا ہے وہ واپس لے لے۔

حنابلہ کے نزدیک خیار عیب.....خیار عیب مبیع میں نقص آنے کی وجہ سے ملتا ہے جیسے اونٹ یا بیل کا خصی ہونا، اگرچہ اس سے قیمت میں کمی نہ آتی ہو بلکہ بڑھ جاتی ہو، یا تاجروں کے ہاں اس کی قیمت کم ہو جاتی ہو اگرچہ عین مبیع میں کمی نہ آئے۔

۵: **خیار کشف حال**.....اس کا حاصل یہ ہے کہ خریدار غیر معلوم مقدار چیز کو خریدے، جیسے غلے کے ڈھیر کو خریدے کہ ہر صاع سو روپے میں خریدا تو بیع صحیح ہوگی البتہ خریدار کو خیار حاصل ہوگا چاہے تو بیع کو نافذ کرے چاہے فسخ کر دے۔

۶: **خیار خیانت**.....یہ خیار بیوع امانت یعنی بیع تولیہ، مرابحہ، شرکت، اور وضعیہ میں ثابت ہوتا ہے۔ جب مشتری بائع کو ثمن میں اضافہ کر دینے کی خبر دے پھر بائع کا جھوٹ یا اس کی خیانت اقرار سے یا گواہوں سے ثابت ہو جائے، یا حنفیہ کے نزدیک قسم سے انکار سے

---

❶.....عصر حاضر میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں جیسے بوری کے اوپر عمدہ قسم کے اخروٹ رکھ دینا، فروٹ کے کریٹ میں اوپر عمدہ فروٹ رکھ دینا، کھیرے یا ٹماٹر کو پانی سے تر کر دینا وغیرہ۔ ❷ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃ مرفوعاً۔

ثابت ہوجائے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک خریدار کو خیار حاصل ہوگا چاہے تو کل ثمن کے بدلہ میں مبیع حاصل کرے چاہے مبیع واپس کردے چونکہ خریدار کی رضامندی فوت ہوچکی، بیع تولیہ کی صورت میں خریدار ثمن میں کمی بھی کرسکتا ہے۔ ❶

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: خیانت کی وجہ سے خریدار کو خیار حاصل نہیں ہوگا البتہ وہ خیانت کے بقدر ثمن میں کمی کرسکتا۔

۷: خیار تفریق صفقہ...... ❷ مبیع میں تجزی ہوجانے کی وجہ سے یہ خیار مشتری کو حاصل ہوتا ہے، مشتری کو خیار حاصل ہوگا کہ وہ بیع فسخ کردے اور روپے واپس لے لے اگر دے دیئے ہوں، یا چاہے تو بقیہ مبیع لے لے اور عیب کے مقابل کے ثمن روک لے، اس کی متعدد صورتیں ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک خیار تفریق صفقہ بیع کے ہلاک ہونے سے یا بائع کے ہاتھوں بعض بیع میں عیب پیدا ہونے سے حاصل ہوگا، ہلاک کا مجمل حکم یہ ہے کہ ہلاکت اگر آسمانی آفت سے ہو یا بائع کے فعل سے ہو تو بیع باطل ہوجائے گی، اگر اجنبی کے فعل سے ہلاک ہو تو مشتری کو اختیار حاصل ہوگا چاہے بیع فسخ کردے چاہے نافذ کرے اور ہلاک کنندہ کو ضامن بنائے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: یہ خیار اس صورت میں ثابت ہوگا جب مبیع میں عیب پیدا ہوجائے یا مبیع کے اجزاء متعدد ہوں اور اس میں استحقاق ثابت ہوجائے اور وہ ایک ہی سودے میں بمعہ جمیع اجزاء خریدی گئی ہو۔

مالکیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب صفقہ (سودا) حلال وحرام پر مشتمل ہو جیسے حلال سامان اور شراب تو سارا سودا باطل ہوگا، اگر کسی شخص نے اپنا مال اور پرایا مال صفقۂ واحدہ میں فروخت کیا تو بیع صحیح ہوگی، البتہ ذاتی ملکیت میں لازم ہوجائے گی اور ملک غیر میں موقوف ہوگی۔

اول...... جب کسی شخص نے ایک ہی صفقہ (سودا) میں حلال وحرام کو فروخت کیا جیسے ذبح شدہ بکری اور مردار بکری، سرکہ اور شراب، بکری اور خنزیر، اپنی ملکیت اور دوسرے کی ملکیت، یا مشترک چیز شریک کی اجازت کے بغیر تو حلال اور مملوک چیز میں بیع صحیح ہوگی اور حرام اور غیر ملکیت میں باطل ہوگی۔ چونکہ ہر چیز کا اپنا حکم ہے۔

اگر خریدار حقیقت حال سے ناواقف ہو تو اسے خیار حاصل ہوگا کہ حلال کو اس کا حصہ کا ثمن دے کر لے لے یا بیع فسخ کردے، بائع کو خیار نہیں ہوگا چونکہ اس سے افراط سرزد ہوا۔

دوم...... جب کسی شخص نے دو چیزیں فروخت کیں ان میں سے ایک قبضہ سے پہلے تلف ہوگئی تو اس ضائع ہونے والی چیز میں بیع فسخ ہوجائے گی اور سلامت چیز میں فسخ نہیں ہوگی، بلکہ خریدار کو اختیار حاصل ہوگا کہ بیع نافذ کرے یا فسخ کردے۔ اگر بیع نافذ کی تو باقی دینے والی چیز کو اس کے حصہ کے ثمن دے کر لے لے چونکہ ابتدائے بیع کے وقت ہی ثمن دو حصوں میں تقسیم ہوچکا تھا۔ ضائع ہونے سے اس میں تغیر نہیں آئے گا۔

سوم...... اگر ایک صفقہ میں دو عقد جمع ہوں جن کا حکم مختلف ہو جیسے اجارہ اور بیع مثلاً یوں کہے میں نے اپنا گھر تمہیں ایک ماہ کے لئے کرایہ پر دے دیا اور میں نے اپنا یہ کپڑا تمہیں سو روپے میں فروخت کردیا، ظاہر مذہب میں دونوں عقد صحیح ہیں، بولا گیا ثمن دونوں طرح کے معقود علیہ پر تقسیم ہوگا۔

---

❶...... مزید تفصیل کے لئے دیکھئے حاشیہ ابن عابدین ۴/۴۷ الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳/۱۲۸ مغنی المحتاج ۲/۷۹ کشاف القناع ۲/۲۱۔ ❷ ابن عابدین ۴/۴۷ الشرح الکبیر ۳/۲۶۹، القوانین الفقھیۃ ص ۲۶۰ مغنی المحتاج ۲/۴۰، المھذب ۱/۲۶۹ کشاف القناع ۳/۱۶۶۔

خلاصہ.....تفریق صفقہ کے بارے میں شافعیہ کے دواقوال ہیں زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ ناجائز مبیع میں بیع باطل ہوگی اور جائز میں صحیح ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ صفقہ (سودا) متفرق نہیں ہوتا لہٰذا بیع جائز ونا جائز دونوں میں عقد باطل ہو جائے گا۔

حنابلہ.....کہتے ہیں کہ تفریق صفقہ کا معنی ہے کہ جو چیز عقد واحد میں خرید کردہ ہو اس کا تفرق ہونا اور یہ ایسی چیز کو جس کی بیع صحیح ہو جمع کرنا ہوتا ہے ایسی چیز کے ساتھ جس کی بیع صحیح نہیں ہوتی اور انہیں ایک ہی ثمن کے ساتھ ایک ہی سودے میں فروخت کیا جاتا ہے اس طرح کی دو چیزوں کو جمع کرنے کی تین صورتیں ہیں۔

اول.....اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی معلوم چیز اور مجہول قیمت والی چیز کو فروخت کرے جیسے کہے: میں نے تمہیں یہ گھوڑا اور فلاں گھوڑی کے پیٹ کا حمل تمہیں اتنے روپے میں فروخت کیا، ان دونوں کی بیع صحیح نہیں ہے چونکہ مجہول کی بیع جہالت کی وجہ سے صحیح نہیں جبکہ جو معلوم ہے اس کا ثمن (قیمت) مجہول ہے، اس کی معرفت کی بھی کوئی گنجائش نہیں، چونکہ معرفت تبھی ہو سکتی ہے جب دونوں مبیع کی قیمت قسطاً (یعنی جدا جدا) ہو۔ نیز گھوڑی کے حمل کی قیمت لگانا بھی دشوار ہے لہٰذا الگ الگ قیمت کی تعیین دشوار ہے۔

دوم.....اس کی تفصیل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی مشاع (مشترک) چیز کو شریک کی اجازت کے بغیر فروخت کردے، تاہم اس کے اپنے حصہ کی بیع اسی کی قیمت کے بقدر صحیح ہے، جیسا کہ شافعیہ نے قسم اول میں کہا ہے، جبکہ خریدار کو مبیع واپس کرنے اور روک لینے میں اختیار حاصل ہوگا۔ جبکہ خریدار کو علم نہ ہو کہ مبیع اس کے اور دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہے۔ چونکہ شراکت عیب ہے، اگر اسے شراکت کا علم ہو تو اسے خیار نہیں حاصل ہوگا اور بائع کو بھی خیار حاصل نہیں ہوگا۔ البتہ اگر مشتری کا تفریق کی وجہ سے نقصان ہو تو اسے تاوان دیا جائے گا۔ جیسے دوموزے جو مشترک ہوں فروخت کردیئے گئے تو لامحالہ واپسی کی صورت میں خریدار کا اس میں نقصان ہے۔

سوم.....یہ کہ کوئی شخص اپنا سامان اور کسی دوسرے شخص کا سامان اس کی اجازت کے بغیر ہی ایک ہی سودے میں فروخت کردے یا ایک ہی سودے میں سرکہ اور شراب فروخت کردے، یوں اس کی اپنی ملکیت میں اس کے ثمن کے بقدر بیع صحیح ہوگی اسی طرح سرکہ میں بھی بیع اس کے حصہ کے ثمن کے بقدر بیع صحیح ہوگی، یوں قیمت دونوں چیزوں پر الگ الگ تقسیم ہوگی جبکہ بائع کو خیار حاصل نہیں ہوگا۔ یہ صورتیں شافعیہ کے نزدیک نوع اول میں سے ہیں۔

حنابلہ نے یہ بھی کہا ہے کہ جب عقد مکیلی اور موزونی چیزوں میں واقع ہو اور پھر ان میں سے کچھ قبضہ سے پہلے ضائع ہو گئیں تو باقی چیزوں میں عقد فسخ نہیں ہوگا، حنابلہ کی ایک اور روایت بھی ہے کہ خریدار بقیہ چیزوں کو ان کے حصہ کے ثمن سے خرید لے، چونکہ عقد صحیح واقع ہوا ہے، اس میں سے بعض چیزوں کے ضائع ہونے سے عقد فسخ نہیں ہوتا۔

۸: عقد فضولی کی اجازت کا خیار..... (۱) چنانچہ جب کوئی شخص کسی دوسرے کے سامان کو اس کی اجازت کے بغیر فروخت کردے تو مالک کو خیار حاصل ہوگا۔ البتہ یہ بیع حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک موقوف ہوگی، مالک چاہے تو عقد کو نافذ کرے چاہے تو باطل کرے۔

۹: مبیع کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہونے کا خیار..... (۲) جس شخص کا مبیع کے ساتھ کوئی حق متعلق ہو تو اس کے لئے خیار ثابت ہوتا ہے جیسے وہ قرض خواہ جس نے اپنے پاس قرضہ کے بدلہ میں رہن رکھنا ہو یا مستاجر، چنانچہ جب کسی شخص نے گھر خریدا اور بعد میں معلوم ہوا کہ یہ گھر بطور رہن رکھا گیا تھا یا اجرت (کرایہ) پر دیا ہوا تھا تو اسے اختیار حاصل ہوگا کہ چاہے بیع نافذ رکھے یا فسخ کردے، تاکہ نقصان سے بچ سکے، ظاہر الروایۃ میں ہے یہاں تک کہ اگرچہ اسے اس کا علم ہی کیوں نہ ہو، یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

---

(۱).....ابن عابدین ۴/۴۷ القوانین الفقهية ص ۲۶۰۔ (۲) حاشية ابن عابدين ۴/۴۸۔

اگر مستاجر یا مرتہن نے بیع کی اجازت دے دی تو خریدار کو خیار حاصل نہیں ہوگا اگر اجازت نہ دی تو خریدار کو خیار حاصل ہوگا چاہے تو بیع فسخ کر دے یا مدت اجارہ کے پورے ہونے اور رہن کو چھوڑنے تک انتظار کرے۔

۱۰: بائع کا خیار کمیت ❶ ..... یہ کہ کوئی شخص کسی چیز کو گھڑے یا برتن یا ہاتھ میں پڑی چیز سے خریدے جبکہ بائع کو اس چیز کی کمیت اور نوع کا مطلق پتہ نہ ہو چنانچہ گھڑے، برتن یا ہاتھ کو کھولنے کے بعد بائع کو خیار حاصل ہوگا چاہے تو بیع کو نافذ رکھے یا فسخ کر دے، حنفیہ اس خیار کو خیار کمیت کہتے ہیں، یہ خیار رؤیت نہیں ہے چونکہ نقود میں خیار رؤیت ثابت نہیں ہوتا۔

۱۱: خیار استحقاق ❷ ..... مبیع میں استحقاق ❸ ثابت ہونے پر خریدار کو خیار حاصل ہوگا خواہ استحقاق کل مبیع میں ثابت ہو یا بعض مبیع میں، حنفیہؒ کے نزدیک اس کی تفصیل یہ ہے۔ اگر کل مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے استحقاق ثابت ہوا تو کل مبیع میں خیار حاصل ہوگا۔ اگر قبضہ کے بعد استحقاق ثابت ہوا تو قیمتی چیز میں مشتری کو خیار حاصل ہوگا جبکہ مثلی جیسے مکیلی اور موزونی چیز میں خیار نہیں ملے گا اگر استحقاق قبضہ سے پہلے مبیع کے کچھ حصہ میں ثابت ہو تو استحقاقی حصہ میں عقد باطل ہوگا اور خریدار کو خیار حاصل ہوگا کہ بقیہ حصہ کا ثمن دے کر اسے لے لے چاہے رد کر دے۔

اگر قبضہ کے بعد مبیع کے کچھ حصہ میں استحقاق ثابت ہو تو استحقاقی حصہ میں عقد باطل ہوگا اور خریدار کو خیار حاصل ہوگا کہ بقیہ حصہ کی خریداری میں مشتری کو خیار حاصل ہوگا چاہے اس کے حصہ کے ثمن سے اسے خرید لے چاہے رد کر دے اگر اس کا نقصان ہوتا ہو جیسے کپڑا یا گھر، اگر حصے الگ الگ کرنے سے خریدار کا نقصان نہ ہوتا ہو تو بقیہ حصہ اسے لازم ہوگا جیسے مکیلی اور موزونی اشیاء۔

یہ ساری تفصیل تب ہے جب مستحق بیع کی اجازت نہ دے اگر اجازت دے دے تو بیع لازم ہو جائے گی۔ جبکہ حصے جدا جدا کرنے سے کسی کا نقصان نہ ہوتا ہو۔

۱۲: خیار شرط: خاکہ موضوع ..... خیار شرط کے متعلق مندرجہ ذیل پہلوؤں پر گفتگو کی جائے گی۔

پہلا مقصد ..... خیار مفسد اور خیار مشروع۔

دوسرا مقصد ..... خیار مشروع کی مدت۔

تیسرا مقصد ..... خیار شرط کو ساقط کرنے کے مختلف طریقے۔

چوتھا مقصد ..... مدتِ خیار کے دوران عقد کا حکم۔

پانچواں مقصد ..... فسخ کی کیفیت اور اجازت کی کیفیت۔

پہلا مقصد: خیار مفسد اور خیار مشروع ..... (خیار مفسد) وہ ہوتا ہے جو علی التأبید یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہو، چنانچہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا اس پر اتفاق ہے کہ دوران عقد اگر عاقدین نے خیار مؤبد (ہمیشہ ہمیشہ کا خیار) کا تذکرہ کیا تو جہالت فاحشہ ہونے کی وجہ سے عقد غیر صحیح ہوگا۔ جیسے بائع یا مشتری کہے کہ میں نے یہ چیز فروخت کی یا خریدی اس شرط کے ساتھ کہ مجھے خیار مؤبد حاصل ہوگا یا عاقدین مطلق خیار کا تذکرہ کریں مثلاً عاقدین میں سے کوئی کہے: مجھے خیار حاصل ہوگا یا جب میں چاہوں بیع ختم کر سکتا ہوں، یا عاقدین مجہول مدت مقرر کریں جیسے زید کا آنا، ہوا کا چلنا، بارش کا برسنا وغیرہ۔ چنانچہ یہ سب خیار مفسد کی صورتیں ہیں، تاہم عقد غیر صحیح ہوگا۔

---

❶ ..... حاشیة ابن عابدین ۴/۴۷۔ ❷ المرجع والمکان السابق۔ ❸ استحقاق کا معنی ہے دوسرے کا حق۔

البتہ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ عقد باطل ہوگا۔❶ جبکہ حنفیہ کہتے ہیں کہ عقد فاسد ہوگا۔ اگر تین دن کی مدت گزرنے سے قبل شرط ساقط کردی گئی یا زائد مدت حذف کردی گئی یا خیار کی مدت مقرر کردی گئی تو عقد صحیح ہوگا چونکہ جو چیز مفسد بن رہی تھی وہ ختم کردی گئی۔❷

شافعیہ اور حنابلہ کا استدلال یہ ہے کہ جب خیار کی مدت عقد کے ساتھ ملحق ہو تو وہ جہالت کے ہوتے ہوئے جائز نہیں جیسے مدت کی جہالت جائز نہیں ہوتی، دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ خیار کی شرط لگانا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مبیع میں تصرف کرنے کے مانع ہے اور یہ مقتضائے عقد کے منافی ہے لہٰذا خیار مؤبد صحیح نہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے میں نے یہ چیز تمہیں اس شرط کے ساتھ فروخت کی کہ تم اس میں تصرف نہیں کروگے۔

حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ خیار شرط مقتضائے عقد کو متغیر کردیتا ہے، البتہ ہم نے خیار شرط کو حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے، منصوص علیہ کے علاوہ باقی مقتضائے اصل کے موافق رہے گا۔

امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت کے مطابق کہتے ہیں کہ خیار مطلق جائز ہے البتہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں کہتے ہیں: کہ عاقدین کو ہمیشہ خیار حاصل رہے گا، یا وہ دونوں خیار کو ختم کردیں یا اس کی مدت ختم ہوجائے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: حکمران خیار شرط کی مدت مقرر کرے گا چونکہ مبیع کا اختیار اس جیسی صورت میں عادت کے بل بوتے پر ہوتا ہے، لہٰذا جب خیار کو مطلق رکھا گیا تو اسے عادت پر محمول کیا جائے گا۔ مالکیہ کے نزدیک بیع فاسد ہوگی جبکہ خیار کی مدت زائد واقع ہو، یا مدتِ مجہول کی شرط لگائی جیسے بارش برسنے کی مدت، زید کے واپس لوٹنے کی مدت۔❸

خیار مشروع...... سے مراد یہ ہے کہ مقرر وقت ذکر کیا جائے، اس بارے میں فقہاء کا اختلاف آیا چاہتا ہے، خیار شرط کی مشروعیت حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ جو کہ خرید وفروخت میں دھوکا کھاجاتے تھے کی حدیث سے ثابت ہے، چنانچہ ان کے گھر والوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم خرید وفروخت کا معاملہ کرو تو کہہ دیا کرو کہ دھوکا نہیں ہونا چاہیے اور مجھے تین دن کا خیار حاصل ہوگا۔❹ دوسری دلیل یہ ہے: کہ خیار شرط کی ضرورت پیش آتی ہے تاکہ دھوکا ختم کیا جائے،❺ خیار شرط جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک مشروع ہے، برابر ہے کہ شرط عاقد کے حق میں ہو یا کسی اور کے حق میں، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: غیر عاقد کے لئے خیار شرط جائز نہیں ہے اور بیوع میں خیار اور اجل مقرر کرنا جس میں سود ہو جائز نہیں ایسے عقد کو عقد صرف کہا جاتا ہے، حنفیہ کے نزدیک مکیلی اور موزونی چیز کی بیع میں مدت مقرر کرنا جائز نہیں، شافعیہ کے نزدیک اناج کے بدلہ میں اناج کی بیع میں خیار اور مدت رکھنا بھی جائز نہیں۔ چونکہ اس طرح کی بیع میں عاقدین کے جدا ہونے سے پہلے قبضہ کرلینا شرط ہے جبکہ خیار اور مدت کا مقرر کرنا قبضہ کے منافی ہے۔❻

دوسرا مقصد: خیار مشروع کے بارے میں فقہاء کی مختلف آراء...... مدت خیار کے بارے میں فقہاء کی تین مختلف پہلوؤں پر مبنی آراء آتی ہیں، چنانچہ امام ابوحنیفہ، امام زفر اور امام شافعی رحمہم اللہ کہتے ہیں: مدت مقررہ کے ساتھ خیار شرط جائز ہے جو کہ تین دن کی مدت ہے، اصل تو خیار کا نہ ہونا ہے چونکہ خیار بیع کی طبع کے خلاف ہے، چونکہ خیار ملکیت اور لزوم کے مانع ہے۔

البتہ خیار شرط حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے جسے ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں اسی طرح حضرت انس رضی

---

❶......المهذب ۲۵۹/۱ المغنی ۵۸۹/۳۔❷البدائع ۱۷۴/۵، رد المحتار ۴۹/۴۔❸حاشية الدسوقی ۹۵/۳ بداية المجتهد ۲۰۸/۲۔❹رواه الحاكم والبيهقی والبخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی والموطا عن ابن عمرؓ۔❺سبل السلام ۳۵/۳، البدائع ۱۷۴/۵، المنتقی علی الموطا ۱۰۸/۵۔❻فتح القدير ۳۷۲/۵، المهذب ۲۵۸/۱۔

اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ثابت ہے کہ ایک شخص نے اونٹ خریدا اور اس نے چار دن کا خیار رکھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کو باطل کر دیا، اور فرمایا: خیار کی مدت تین دن ہے۔ ❶ عقلی دلیل یہ ہے کہ ضرورت تین دن سے پوری ہو جاتی ہے، اگر تین دن سے زائد مدت مقرر کی تو امام ابوحنیفہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع فاسد ہو جائے گی۔

البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر تین دن کے اندر اندر زائد مدت حذف کر دی تو عقد جائز ہو جائے گا، چونکہ مفسد کا خاتمہ ہو چکا جبکہ امام زفر کے نزدیک عقد باطل صحیح نہیں ہوتا یعنی جو عقد باطل ہو چکا وہ صحیح نہیں ہوتا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خیار کی مدت اگر تین سے زائد مقرر کی گئی ہو تو عقد باطل ہو جائے گا چونکہ اس سے زائد مدت کی صورت میں غرر ہے، جبکہ تین دن سے کم مدت مقرر کرنے میں رخصت ہے، لہٰذا تین دن سے زائد مدت جائز نہیں، فی الجملہ یوں کہا جائے گا کہ خیار شرط مقتضائے عقد کے منافی ہوتا اگر شریعت میں اس کا ثبوت نہ ہوتا۔ ❷

صاحبین اور حنابلہ...... کہتے ہیں: خریدار اور فروخت کنندہ آپس میں خیار کی جس مدت پر اتفاق کر لیں وہ صحیح ہے خواہ مدت قلیل ہو یا کثیر، ان کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے خیار کو دو ماہ تک جائز رکھا۔ ❸

دوسری دلیل یہ ہے کہ خیار حق ہے جس کا دار و مدار شرط پر ہے لہٰذا اس کے تخمینے کا اختیار شرط لگانے والے کو حاصل ہوگا بالفاظ دیگر یوں کہا جائے گا کہ مدتِ خیار عقد کے ساتھ ملحق ہے لہٰذا عاقدین مدت مقرر کریں گے۔ ❹

مالکیہ...... کہتے ہیں: بقدر حاجت خیار شرط کی مدت مقرر کرنا جائز ہے۔ مبیع کے اختلاف سے خیار بھی مختلف ہو سکتا ہے، چنانچہ پھل جو ایک دن سے زیادہ نہ رہ سکتا ہو اس میں خیار شرط کی مدت ایک دن سے زائد جائز نہیں، کپڑوں اور جانوروں میں تین دن، زمین جس تک تین دن میں پہنچنا ممکن نہ ہو اس میں تین دن سے زائد بھی مدت مقرر کی جا سکتی ہے، گھر وغیرہ میں ایک ماہ کی مدت مقرر کی جا سکتی ہے۔

مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ خیار کا مفہوم مبیع کی جانچ پڑتال ہے، جب معاملہ یونہی ہے تو پھر واجب ہوا کہ خیار ایسے وقت کے ساتھ مقرر ہو جس میں مبیع کی جانچ پڑتال کی جا سکے، گویا مالکیہ کے نزدیک نص اسی معنی کے بیان کے لئے وارد ہوئی ہے، وہ یہ کہ خیار عاقد کی حاجت کے لئے ہوتا ہے لہٰذا حاجت کے ساتھ اس کا تخمینہ لگایا جائے گا، گویا مالکیہ کے نزدیک نص خاص ہے اور اس سے حکم عام مراد ہے۔ ❺

شافعیہ، امام ابوحنیفہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نص خاص ہے اور اس سے مراد بھی خاص ہے، مدت خیار کی ابتداء عقد کی تاریخ سے ہوگی۔

مدت خیار میں غایت کا حکم...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جب رات تک یا صبح تک خیار کی شرط لگائی گئی ہو تو رات اور صبح مدت خیار میں داخل ہوگی چونکہ غایت کا مقصد اس کے مابعد کو ماقبل کے حکم سے نکالنا ہوتا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ میں ہے:

فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ

آیت میں مرافق (کہنیاں) دھونے کے حکم میں داخل ہیں۔ نیز اگر وقت کا ذکر نہ ہوتا تو کبھی اوقات میں ثبوت خیار کا مطالبہ ہوتا۔ ❻

---

❶...... رواه عبدالرزاق في مصنفه۔ ❷ المبسوط للسرخسي ۱۳/۴۰، البدائع ۵/۱۷۴ فتح القدير ۵/۱۱۰، مغني المحتاج ۲/۴۷۔ ❸ قال الزيلعي عن هذا الحديث غريب جداً (نصب الراية ۴/۸)۔ ❹ المغني ۳/۵۸۵ غاية المنتهى ۲/۳۰، المبسوط ۱۳/۴۲، فتح القدير ۵/۱۱۱، البدائع ۵/۷۴۔ ❺ بداية المجتهد ۲/۲۰۷، حاشية الدسوقي ۳/۹۱، القوانين الفقهية ۲۷۳۔
❻ البدائع ۵/۳۶۷۔

صاحبین، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: رات اور صبح مدت خیار میں داخل نہیں ہوگی چونکہ "الـــى" (تک) کا لفظ انتہائے غایت کے لئے موضوع ہے۔ لہٰذا الیٰ کا مابعد ماقبل کے حکم میں داخل نہیں ہوگا۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ "ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ" (البقرة ۲/ ۱۸۷) اصل یہ ہے کہ لفظ کو اس کے موضوع پر محمول کیا جائے، گویا لغت کے واضع نے کہا ہے کہ جب تم اس لفظ کو سنو تو اس سے انتہائے غایت کا معنی سمجھو۔ ❶

تیسرا مقصد: خیار کو ساقط کرنے کے مختلف طریقے...... وہ عقد جس میں خیار رکھا گیا ہو وہ لازم نہیں ہوتا ہاں البتہ اگر خیار کو ساقط کر دیا جائے تو عقد لازم ہو جاتا ہے، خیار کو ساقط کرنے کے تین طریقے ہیں۔

۱: صریح اسقاط...... اس کا حاصل یہ ہے کہ صاحب خیار واضح طور پر کہہ دے کہ میں نے خیار کو ساقط کر دیا ہے، یا خیار کو باطل کر دیا ہے، یا میں نے بیع کو نافذ کر دیا ہے یا میں بیع سے راضی ہوں، یوں خیار باطل ہو جائے گا، خواہ خریدار کو علم ہو یا نہ ہو، چونکہ خیار فسخ کے لئے مشروع ہوا ہے لہٰذا جب خیار ساقط ہو چکا تو خیار ہی باطل ہو گیا اور اس کی پاداش میں عقد لازم اور نافذ ہو جائے گا۔

اسی طرح خیار یوں بھی ساقط ہو جاتا ہے جب صاحب حق کہے۔ "میں نے عقد فسخ کر دیا، یا عقد توڑ دیا ہے، یا عقد باطل کر دیا۔ چونکہ خیار فسخ اور نفاذ کے اختیار کو کہا جاتا ہے، ان میں سے جو بھی صورت پائی گئی تو خیار ساقط ہو جائے گا۔ ❷

۲: دلالتِ اسقاط...... اس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کو خیار حاصل ہو وہ مبیع میں کوئی تصرف کردے جو بیع کی اجازت پر دلالت کرے گویا تصرف کا اقدام دلالتاً بیع کی اجازت ہوتی ہے۔ ❸ اس اصول پر درج ذیل تفصیل متفرع ہوتی ہے۔

جب خیار مشتری کو حاصل ہو اور مبیع اس کے قبضہ میں ہو اور وہ مبیع کو فروخت کے لئے پیش کرے تو اسکا خیار باطل ہو جائے گا۔ چونکہ فروخت کے لئے خریدار کا سامان کو پیش کرنا گویا ملکیت کو اختیار کرنا ہے، جبکہ ملکیت تبھی حاصل ہوگی جب خیار کو باطل کیا جائے۔

اگر خیار بائع کو حاصل ہو اور وہ فروخت کردہ سامان کو کسی اور کو فروخت کرنے لگے تو امام ابوحنیفہؒ سے مروی اصح روایت یہ ہے کہ اختیار ساقط ہو جائے گا چونکہ سامان کو فروختگی کے لئے پیش کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بائع مبیع کو اپنی ملکیت میں باقی رکھنا چاہتا ہے۔

اسی طرح خریدار کا خیار سامان کو فروخت کرنے سے، رہن رکھنے سے، ہبہ کرنے سے یا اجرت پر دینے سے ساقط ہو جائے گا چونکہ یہ تصرفات ملک کے قائم رہنے کے ساتھ مختص ہیں اور یہ چیز نفاذ بیع سے وجود میں آتی ہے۔ گویا ایسا کرنا ابقائے ملک پر دلیل ہے۔

یہی امور اگر بائع سے ثمن میں صادر ہوئے تو اگر بائع کو خیار حاصل ہو تو اس کا خیار ساقط ہو جائے گا چونکہ یہ تصرفات تبھی صحیح ہوں گے جب پہلے تصرف کو ختم کر دیا جائے۔

البتہ یہاں بائع اور مشتری میں ہبہ اور رہن کے اعتبار سے فرق ہے وہ یہ کہ جب خیار بائع کو حاصل ہو تو خیار ہبہ اور رہن کی صورت میں ساقط نہیں ہوا الا یہ کہ سامان جب سپرد کر دیا تب، بخلاف مشتری کے۔ ❹

رہی بات عقد کی اجازت کی سو اس ضمن میں بائع اور مشتری کے درمیان کوئی فرق نہیں چنانچہ قبض کی شرط کے بغیر ہی خیار ساقط ہو جائے گا چونکہ بیع عقد لازم ہے بخلاف رہن اور ہبہ کے چونکہ یہ دونوں عقد غیر لازم ہیں۔

دلالۃً خیار کو ساقط کرنے کی مثالیں یہ بھی ہیں: مشتری خریدے ہوئے گھر میں کسی کو کرائے پر ٹھہرا لے، یا گارے یا گچ وغیرہ سے

---

❶...... المغنی لابن قدامة ۳/ ۵۸۸، غاية المنتهى ۲/ ۳۱، الميزان للشعرانى ۲/ ۶۴، البدائع المرجع السابق. ❷ البدائع ۵/ ۲۶۷.
❸ ۵/ ۲۶۷. ❹ البدائع ۵/ ۲۶۷، تحفة الفقهاء ج ۲/ ۹۵.

مکان کو لیپے، یا اس میں کوئی نئی تعمیر کھڑی کردے یا کوئی دیوار وغیرہ گرادے چونکہ یہ تصرفات اس بات کی دلیل ہیں کہ مشتری نے ملک کو اختیار کرلیا ہے۔ اسی طرح مشتری کھیتی یا باغ کو سیراب کرے یا کھیتی کاٹ دے تو بھی خیار ساقط ہوجائے گا چونکہ یہ امور بیع کی اجازت پر دلالت ہیں اور ملکیت کو اختیار کرنا ہے۔ ❶

اگر گھوڑا خریدا ہوا اور خریداری میں مشتری کو خیار حاصل ہوا اور وہ اسی گھوڑے پر سوار ہو کر اسے پانی پلانے جائے یا اسی پر سوار ہو کر اسے بائع کو واپس کرنے جائے تو استحسانا اس سے خیار ساقط نہیں ہوتا، چونکہ بسا اوقات ایسا چوپایا بھی ہوتا ہے جو سوار ہوئے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھتا، جبکہ قیاس کی رو سے خیار ساقط ہوجاتا ہے۔ چونکہ گھوڑے پر سوار ہونا ملکیت کو اختیار کرنے کی دلیل ہے۔

اسی طرح چوپائے پر اگر اس لئے سوار ہوا تاکہ اس کی چال دیکھے یا اس کے لئے چارا وغیرہ لائے تو بھی اس سے خیار ساقط نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کپڑا پہنا تاکہ اس کے طول وعرض کو دیکھ سکے اس سے بھی خیار ساقط نہیں ہوتا چونکہ کپڑے کو دیکھنے بھالنے کی حاجت پیش آتی ہے۔

بعض حنفی مشائخ کی رائے ہے کہ اگر دوسری بار چوپائے پر پہلی غرض کے لئے سوار ہوا تو خیار ساقط نہیں ہوگا چونکہ ایک ہی مرتبہ سے بالفعل کسی چیز کو اچھی طرح آزمایا نہیں جاسکتا۔ لہٰذا دوسری بار آزمانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ❷

۳: بطریق ضرورت خیار کو ساقط کرنا...... بطور ضرورت چند امور سے خیار ساقط ہوجاتا ہے۔

اول: مدت کے گزر جانے سے...... اگر دوران مدت فسخ عقد کو اختیار نہ کیا حتیٰ کہ مدت گزر گئی تو خیار ساقط ہوجائے گا، چونکہ خیار مدت کے ساتھ معلق ہوتا ہے، گویا عقد خیار کے بغیر ہی رہ جاتا ہے لہٰذا لازم ہوجاتا ہے۔ ❸

شافعیہ اور حنابلہ...... بھی یہی کہتے ہیں کہ جب خیار کی مدت پوری ہوجائے تو خیار ساقط ہوجاتا ہے، جبکہ عاقدین میں سے کوئی عقد کو فسخ نہ کرے، عقد لازم ہوجاتا ہے، چونکہ مدتِ خیار عقد کے ساتھ ملحق ہوتی ہے جب مدت گزر جائے تو خیار باطل ہوجاتا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مدت کے باقی رہنے کا حکم غیر مشروط مدت تک خیار کو باقی رکھنے کا مقتضی ہے۔ جبکہ شرط خیار کا سبب ہے، نیز بیع لزوم کا تقاضا کرتی ہے جبکہ لزوم شرط کی وجہ سے مؤخر ہوا ہے اور جب شرط نہیں ہوگی تو لزوم کا اثبات ہوگا۔ چونکہ ایسی کوئی چیز نہیں پائی گئی جو مقتضائے عقد کے منافی ہو۔ ❹

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ...... کہتے ہیں: مدت گزرنے سے بیع لازم نہیں ہوتی بلکہ اختیار خیار یا اجازت کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ چونکہ مدت خیار کو صاحبِ خیار کا حق قرار دیا گیا ہے اس پر واجب نہیں ہوتا، لہٰذا وقت گزرنے سے حکم لازم نہیں ہوتا، یہ ایسا ہی ہے جیسے مولیٰ کے حق میں مکاتب کے اعتبار سے مدت کا گزرنا چنانچہ محض مدت گزرنے سے مولیٰ پر آزادی لازم نہیں ہوتی۔ ❺

دوم: جس میں عاقد کے لئے خیار شرط ہو اس کا مرجانا...... جس شخص کو خیار شرط حاصل ہو اس کے مرجانے سے خیار شرط ساقط ہوجاتا ہے، برابر ہے کہ خیار بائع کو حاصل ہو یا خریدار کو، یا دونوں کو حاصل ہو، عقد لازم ہوجائے گا، چونکہ فسخِ عقد سے عاجز ہونا ثابت ہوچکا، لہٰذا ضرورۃً عقد لازم ہوجائے گا۔ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ خیار عیب اور خیار تعیین وراثت میں منتقل ہوتا ہے، جبکہ فضولی کی بیع میں خیار اجازت اور خیار رؤیت وراثت میں منتقل نہیں ہوتے جیسے خیار اجل منتقل نہیں ہوتا، اسی طرح حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک خیار قبول بھی وراثت

❶......تحفة الفقهاء ۲/ ۱۰۰، البدائع ۵/ ۲۷۰۔ ❷تحفة الفقهاء ۲/ ۱۰۱، البدائع ۵/ ۲۷۰۔ ❸البدائع ۵/ ۲۶۷۔ ❹الميزان ۲/ ۶۴ المغنى ۳/ ۵۹۱۔ ❺حاشية الدسوقى ۳/ ۹۵۔

میں منتقل نہیں ہوتا، شافعیہ کے نزدیک خیار مجلس وراثت میں منتقل ہوتا ہے۔ (1) جس شخص کو خیار حاصل ہوا گر وہ مرجائے یا مجلس عقد میں وہ بیہوش ہوجائے تو اس کا خیار باطل نہیں ہوگا بلکہ وراثت کو منتقل ہوگا، حنابلہ کہتے ہیں: یہ خیار موت سے منقطع ہوجاتا ہے جبکہ پاگل پن اور بے ہوشی سے منقطع نہیں ہوتا۔ (2)

خیار شرط وراثت میں منتقل ہوتا ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ..... کہتے ہیں خیار شرط وراثت میں منتقل نہیں ہوتا، خیار شرط صاحب خیار کی موت سے ساقط ہوجاتا ہے۔ چونکہ عاقد کو فسخ اور نفاذ کا اختیار حاصل ہوتا ہے جبکہ یہ چیز موت کے بعد متصور نہیں ہوتی، بخلاف خیار عیب اور خیار تعیین کے چونکہ یہاں ایسی چیز ہے جو خیار میں منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے اور وہ مملوکہ چیز ہے جو عین ہے جبکہ خیار تو عرض ہے وہ باقی نہیں رہتا۔ (3)

خلاصہ..... فضولی کی بیع کی صورت میں خیار قبول اور خیار اجازت اور خیار شرط وراثت میں منتقل نہیں ہوتا، خیار عیب، خیار تعیین، قصاص، خیار رؤیت، خیار وصف اور خیار تعزیر وراثت میں منتقل ہوتے ہیں۔ (4)

حنابلہ..... کہتے ہیں: خیار شرط صاحب خیار کی موت کی وجہ سے باطل ہوجاتا ہے جبکہ دوسرا خیار اپنی حالت پر باقی رہتا ہے، الا یہ کہ میت خیار کی مدت کے دوران موت سے قبل فسخ کا مطالبہ کرسکتا ہے، اس صورت میں خیار وراثت کو منتقل ہوگا۔ (5)

مالکیہ اور شافعیہ..... کہتے ہیں: جب صاحب خیار مرجائے تو اس کا خیار ورثا کو منتقل ہوجائے گا۔ چونکہ خیار خرید کردہ مال کے ضمان کے لئے ثابت شدہ حق ہوتا ہے، لہٰذا موت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا جیسے رہن اور دوسرے حقوق مالیہ، لہٰذا وراثت کو منتقل ہوگا جیسے خیار رد اور خیار عیب، نیز خیار حق فسخ ہے وارث کو منتقل ہوگا جیسے عیب کی وجہ سے مبیع کو واپس کرنا اور حلف برداری سے فسخ۔ (6)

ملحوظ رہے کہ وراثت میں خیار کے منتقل ہونے کا مرجع یہ ہے کہ آیا کہ حقوق وراثت میں منتقل ہوتے ہیں یا نہیں؟ جمہور کہتے ہیں: اصل یہ ہے کہ حقوق اور اموال وراثت میں منتقل ہوتے ہیں الا یہ کہ کوئی ایسی دلیل قائم ہوجائے جو وراثت کی بنسبت حق اور مال میں اختلاف کا سبب ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں! اصول یہ ہے کہ مال تو وراثت میں منتقل ہوتا ہے جبکہ حقوق وراثت میں منتقل نہیں ہوتے، الا یہ کہ کوئی ایسی دلیل قائم ہوجائے جو حقوق کو اموال کے ساتھ ملحق کردے۔

سوم: وہ امور جو موت کے معنی میں ہیں..... جیسے پاگل پن، بے ہوشی، نیند، نشہ، مرتد ہونا، دار حرب میں چلے جانا (7) چنانچہ جب جنون یا بے ہوشی کی وجہ سے صاحب خیار کی عقل مدت خیار کے دوران ختم ہوجائے اور اسی حالت میں مدت گزر جائے تو عقد لازم ہوجائے گا چونکہ صاحب خیار، فسخ عقد سے عاجز آچکا، لہٰذا خیار کا فائدہ ختم ہوجائے گا، اگر مدت خیار کے دوران صاحب خیار کو افاقہ ہوجائے تو خیار بدستور باقی رہے گا چونکہ صاحب خیار فسخ واجازت کو خود بروئے کار لاسکتا ہے۔

اسی طرح اگر صاحب خیار مدت خیار کے دوران سوتا رہے یہاں تک کہ مدت گزر جائے تو خیار ختم ہوجائے گا، جیسا کہ صاحب خیار کو مدت خیار کے دوران نشہ چڑھا رہا یہاں تک کہ مدت گزر گئی تو خیار ساقط ہوجائے گا۔

اگر صاحب خیار کی مدت کے دوران مرتد ہوگیا اور پھر قتل کردیا گیا یا مرگیا تو بیع لازم ہوجائے گی، اسی طرح اگر دار حرب میں چلا گیا تو بھی بیع لازم ہوجائے گی بشرط یہ کہ قاضی نے اس کے الحاق کا حکم صادر کردیا۔ چونکہ مرتد ہونا موت کے حکم میں ہے۔ اگر مدت کے دوران مرتد پھر

---

(1).....المبسوط ۴۲/۱۳، فتح القدیر ۱۲۵/۵، البدائع ۲۶۸/۵ رد المحتار ۵۷/۴۔ (2) رد المحتار ۵۳۸/۵۔ (3) المغنی ۷۹/۳د غایة المنتهی ۳۳/۲۔ (4) بدایة المجتهد ۲۰۹/۲ القوانین الفقهیة ص ۲۷۳ المهذب ۲۵۹/۱ مغنی المحتاج ۴۵/۲۔ (5) المبسوط ۴۴/۱۳، فتح القدیر ۱۲۱/۵۔ (6) دیکھئے تفصیل کے لئے فتح القدیر ۳۹۵/۴۔ (7) مغنی المحتاج ۴۵/۲، غایة المنتهی ۳۳/۲۔

اسلام کی طرف لوٹ آیا تو وہ اپنے خیار پر قائم رہے گا۔

اگر مرتد خیار کے اعتبار سے فسخ واجازت کا تصرف نہ کرے تب یہ ساری تفصیل ہے، اگر مدت خیار کے دوران کوئی تصرف کرے تو پھر اس میں حسب ذیل تفصیل ہے۔

اگر بیع کی اجازت دی تو بالاتفاق جائز ہے، اگر بیع فسخ کی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد موقوف ہوگا چنانچہ اگر مسلمان ہوگیا تو بیع نافذ ہوگی اور اگر مرگیا یا مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تو فسخ باطل ہوگا۔

صاحبینؒ کہتے ہیں: حالت ارتداد کے تصرفات نافذ ہوں گے منشائے اختلاف یہ ہے کہ آیا مرتد کے تصرفات موقوف ہوں گے یا نافذ ہوں گے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: موقوف ہوں گے، صاحبین رحمۃ اللہ کہتے ہیں نافذ ہوں گے، خواہ اسلام قبول کرے یا مرجائے یا قتل کر دیا جائے۔ ❶

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: اگر صاحب خیار پاگل ہوگیا، یا بیہوش ہوا یا اس کی زبان بند ہوگئی حتیٰ کہ اس کے اشارے بھی سمجھ سے باہر ہوں تو خیار اس کے ولی کو حاصل ہوجائے گا۔ ❷

چہارم: رؤیت خیار میں مبیع کا ضائع ہوجانا...... اس میں قدرے تفصیل ہے۔ چونکہ مبیع یا تو قبضہ سے پہلے ضائع ہوگی یا قبضہ کے بعد، خیار یا تو بائع کو حاصل ہوگا یا مشتری کو۔ ❸

الف...... اگر قبضہ سے پہلے مبیع بائع کے پاس ضائع ہوگئی تو بیع باطل ہوجائے گی اور خیار ساقط ہوجائے گا۔ برابر ہے خیار بائع کو حاصل ہو یا مشتری کو یا دونوں کو حاصل ہو، چونکہ اگر عقد طے ہو چکا ہو تو تسلیم سے عاجز ہونے کی وجہ سے بیع باطل ہوجائے گی، جب خیار شرط ہو تو پھر بطریق اولیٰ بیع باطل ہوجائے گی۔

ب...... اگر قبضہ کے بعد مشتری کے پاس مبیع ضائع ہوجائے پھر دیکھا جائے گا کہ خیار اگر بائع کو حاصل ہو تو بیع باطل ہوگی اور خیار ساقط ہوجائے گا، لیکن اگر مبیع کی مثل موجود نہ ہو تو مشتری کو اس کی قیمت لازم ہوگی، اگر مثل موجود ہو تو مثل لازم ہوگی۔

ابن ابی لیلیٰ...... کہتے ہیں: مبیع امانتوں کے ضائع ہونے کی طرح ضائع ہوگی، چونکہ خیار انعقادِ عقد کے مانع ہوتا ہے، گویا مبیع مشتری کے پاس بطور امانت بائع کی ملکیت کے حکم میں ہوگی۔

لیکن عامہ علماء کا قول صحیح ہے، چونکہ بیع اگرچہ حکم عقد کے لحاظ سے منعقد نہیں ہوئی لیکن بیع خریدار کے قبضہ میں ہوتے ہوئے بیع کے حکم میں ہے۔ لہٰذا قبضہ کی ہوئی چیز سوم علی الشراء کے حکم میں نہیں، قیمت یا مثل سے اس کا ضمان دیا جائے گا۔ برابر ہے تعدی قبضہ میں ہو یا حفاظت میں کوتاہی کی گئی ہو، یا اس میں سے کچھ بھی نہ ہوا ہو، چونکہ عقد کا وجود پایا گیا ہے، بخلاف سوم علی الشراء کے چونکہ وہاں اصلاً عقد پایا ہی نہیں جاتا۔

اگر خیار مشتری کو حاصل ہو اور مشتری کے فعل سے مبیع ضائع ہوجائے یا بائع کے فعل سے یا کسی آسمانی آفت سے ضائع ہوجائے تو بیع باطل ہوجائے گی لیکن خیار ساقط ہوجائے گا اور بیع لازم ہوگی، اور ضائع ہونے پر مشتری پر ثمن کا ضمان ہوگا، چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشتری گو مبیع کا مالک نہیں ہوا لیکن مبیع پر ایسے حالات آ چکے جو مبیع کی واپسی کے مانع ہیں۔ اور وہ مبیع میں عیب کا پیدا ہوجانا جو بائع کے پاس نہیں تھا۔ چونکہ مشتری کے پاس مبیع کا ضائع ہونا عادۃً کسی سبب سے خالی نہیں اور یہ سبب عموماً عیب ہوتا ہے، مشتری کے پاس مبیع میں عیب

❶..... المبسوط ۱۳/۴۴، ❷البدائع ۵/۱۷۲، ❸فتح القدیر ۵/۱۱۷.

پیدا ہو جانا واپسی سے مانع ہے، جب خیار کے باقی رکھنے میں کوئی فائدہ نہ ہو تو بیع لازم ہو جائے گی اور ثمن پر اس کا ضیاع ہوگا جو عقد طے ہو چکا۔

شافعیہ کا مؤقف بھی حنفیہ جیسا ہے، جب مبیع قبضہ سے پہلے آسمانی آفت سے ہلاک ہو جائے، یعنی بیع فسخ ہو جائے گی اور خیار ساقط ہوگا جیسا کہ قبضہ کے بعد جب مبیع ضائع ہو جائے تو خیار ساقط ہو جاتا ہے اور عقد فسخ ہو جاتا ہے۔ اگر خیار بائع کو حاصل ہو تو مشتری قیمت کا ضامن ہوگا۔

اگر خیار مشتری کے ساتھ خاص ہو تو شافعیہ کے ہاں مقرر ہے کہ مشتری اس حالت میں مبیع کی قیمت کا ضامن ہوگا، چونکہ اگر بیع فسخ ہوگئی تو اس کی واپسی دشوار ہوگی لہٰذا قیمت کا رد واجب ہے، اگر عقد نافذ ہو چکا تو اس کی ملک سے مبیع ضائع ہوئی اور اس پر قیمت واجب ہوگی۔ ❶

مالکیہ...... کہتے ہیں: اگر مبیع بائع کے پاس ضائع ہوئی تو اس کا ضمان بھرنے میں کوئی اختلاف نہیں اور بیع فسخ ہوگی، اگر مبیع مشتری کے پاس ضائع ہوئی تو اس پر رہن اور عاریت کا حکم لگے گا۔

اگر مبیع ایسی چیزوں میں سے ہو جنہیں چھپایا جاسکتا ہو جیسے زیور، کپڑے وغیرہ تو مشتری بائع کے لئے اکثر ثمن کا ضامن ہوگا یا قیمت کا ضامن ہوگا۔ چونکہ بیع کو نافذ کرنا بائع کا حق ہے اگر ثمن اکثر ہوں۔ بیع کو رد کرنا ہوگا اگر قیمت اکثر ہو الا یہ کہ اگر گواہوں سے مبیع کا ضائع ہونا ثابت ہو جائے تو مشتری ضامن نہیں ہوگا۔

اگر مبیع ان چیزوں میں سے ہو جنہیں چھپایا نہ جاسکتا ہو جیسے گھر، زمین وغیرہ تو بائع ضامن ہوگا لیکن مشتری کے حلف کے بعد، بشرطیکہ خریدار کا جھوٹ ظاہر نہ ہو اور بائع تہمت لگاتا ہو کہ مبیع ضائع ہوگئی ہے اور تفریط نہیں کی۔

حنابلہ...... کہتے ہیں: اگر قبضہ سے پہلے مدتِ خیار کے دوران سامان ضائع ہو جائے جبکہ مبیع مکیلی یا موزونی چیز ہو تو بیع فسخ ہو جائے گی اور بائع ضامن ہوگا، مشتری کا خیار باطل ہوگا۔

اگر مبیع غیر مکیلی اور غیر موزونی چیز ہو اور بائع نے مشتری کو قبضہ سے نہ روکا ہو تو ظاہر مذہب کے مطابق یہ مشتری کے ضمان میں سے ہوگی، یہ تلف گویا قبضہ کے بعد تلف ہونے کی مانند ہے۔

اگر مبیع قبضہ کے بعد مدتِ خیار کے دوران تلف ہو تو وہ مشتری کے ضمان میں سے ہوگی اور اس کا خیار باطل ہو جائے گا، رہی بات بائع کے خیار کی سو اس میں دو روایتیں ہیں۔

اول...... خیار باطل ہوگا جیسے عیب کی وجہ سے خیار رد باطل ہوتا ہے جب مبیع تلف ہو جائے یہ روایت خرقی اور ابوبکر کی مختار روایت ہے۔

دوم...... خیار باطل نہیں ہوگا بائع کو فسخ بیع کا حق حاصل ہوگا اور مشتری سے قیمت کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ ❷

پنجم: مبیع میں عیب کا پیدا ہو جانا...... اس میں بھی تفصیل ہے، چونکہ خیار یا تو بائع کو حاصل ہوگا یا مشتری کو حاصل ہوگا۔

''الف''...... اگر خیار بائع کو حاصل ہو۔ چنانچہ مبیع میں اگر آفت سماویہ یا بائع کے فعل کی وجہ سے عیب پیدا ہو جائے برابر ہے کہ مبیع بائع کے قبضے میں ہو یا مشتری کے قبضے میں، چونکہ مبیع کا کچھ حصہ ضائع ہو چکا۔ جو کہ بدل سے خالی ہے، جبکہ بائع پر ضمان واجب نہیں ہوگا، چونکہ مبیع اس کی ملکیت ہے، چنانچہ اس بعض حصہ میں فسخ ہو جائے گی، بقیہ جزو میں عقد کا باقی رہنا ممکن نہیں، چونکہ عقد تمام ہونے سے قبل مشتری پر تفریق صفقہ ہونا لازم آتا ہے، اور یہ جائز نہیں۔

---

❶...... المهذب ١/ ٢٦٠۔ ❷ المغنى ٣/ ٥٦٩۔

اگر مبیع مشتری کے فعل سے عیب دار ہو یا اجنبی کے فعل سے عیب دار ہو تو بیع باطل نہیں ہوگی، بائع اپنے خیار پر باقی رہے گا چونکہ بقیہ مبیع میں بیع کا ہونا ممکن ہے، چونکہ نقصان کی مقدار بدل کی طرف منتقل ہوگی، اور وہ قیمت کا ضمان ہے جو مشتری پر عائد ہوگا یا اجنبی پر عائد ہوگا، چونکہ انہوں نے غیر کی ملکیت کو اس کی اجازت کے بغیر تلف کیا ہے۔ گویا نقصان ہونے والی مقدار معنوی طور پر قائم ہے۔

جب بائع اپنے خیار پر باقی ہو اور مبیع مشتری کے قبضہ میں ہو تو پھر یا تو ﷺ کے نفاذ کی اجازت ہوگی یا عقد کو فسخ کرنا ہوگا، اگر بائع نے عقد کی اجازت دی سو اگر بائع نے عقد کو نافذ کیا تو مشتری پر مبیع کا کل ثمن واجب ہوگا، چونکہ ہبہ کل بیع میں جائز ہے، جبکہ مشتری کو رد کا خیار حاصل نہیں ہوگا بوجہ مبیع میں تغیر پیدا ہونے کے، چونکہ تغیر مشتری کے پاس پیدا ہوا اور اس کے ضمان میں پیدا ہوا۔

علاوہ ازیں کہ جب مشتری کے فعل سے مبیع میں عیب پیدا ہوا تو اب مشتری کو کسی پر اختیار نہیں ہوگا چونکہ مشتری اپنے ذاتی فعل سے قیمت کا ضامن ہے، اگر اجنبی کے فعل سے عیب پیدا ہوا تو مشتری کو خیار حاصل ہوگا کہ وہ نقصان کرنے والے سے تاوان کا مطالبہ کرے، چونکہ مشتری بائع کی اجازت سے مبیع کا مالک بنا ہے، اور وہ بیع کے وقت مالک بنا ہے لہٰذا نقصان اس کی ملکیت سے ہوا ہے۔

اگر بائع عقد کو فسخ کر دے تو پھر دیکھا جائے گا۔ اگر عیب خریدار کے فعل سے آیا ہو تو بائع باقی کو لے سکتا ہے اور نقصان کرنے کا تاوان مشتری سے وصول کر سکتا ہے، چونکہ مبیع مشتری کے ذمہ قیمتاً ضمان ہوگی، اور جو چیز زیادتی کی وجہ سے تلف ہو جائے وہ واپس نہیں ہو سکتی، لہٰذا مشتری کے ذمہ قیمت واپس کرنا ہے۔

اگر عیب اجنبی کے فعل سے واقع ہوا ہو تو بائع کو خیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو نقصان کرنے والے سے تاوان وصول کرے چونکہ جنایت (زیادتی) اس کی ملکیت میں ہوئی ہے اگر چاہے تو مشتری کے پیچھے لگ جائے چونکہ زیادتی تو مشتری کے ضمان میں ہوئی ہے۔

سو اگر اجنبی کے پیچھے پڑنے کو اختیار کرے تو اجنبی کسی پر رجوع نہیں کر سکتا، چونکہ وہ اپنے ذاتی فعل کا بطور قیمت ضامن ہوگا اگر مشتری کے پیچھے لگنے کو اختیار کرے تو مشتری جنایت (زیادتی) کرنے والے پر رجوع کرے گا چونکہ مشتری ادائے ضمان میں بائع کے قائم مقام ہے۔

''ب''......اگر خیار مشتری کو حاصل ہو تو عیب پیدا کرنے کی وجہ سے اس کا خیار ساقط ہو جائے گا، البتہ بیع فسخ نہیں ہوگی برابر ہے عیب آسمانی آفت کی وجہ سے پیدا ہوا ہو یا بائع کے فعل سے، یا خریدار کے فعل سے یا اجنبی کے فعل سے چونکہ آسمانی آفت اور بائع کی زیادتی کی وجہ سے مبیع میں عیب خریدار کے قبضہ میں ہوتے ہوئے پیدا ہوا ہے اور مبیع اس کے ضمان میں ہے لہٰذا اس کی قیمت کا واپس کرنا لازمی ہوگا، رہی بات خریدار یا اجنبی کی زیادتی کی سو اس حالت میں مبیع کا واپس کرنا دشوار ہے چونکہ خریدار نے مبیع پر جیسے قبضہ کیا اسی حالت میں اسے واپس کرنا ممکن نہیں اور بعض مبیع کو واپس کرنا تفریق صفقہ ہے جبکہ عقد مکمل ہی نہیں ہوا۔ ❶

اسی تفصیل کے مطابق اگر خریدار کے قبضہ میں ہوتے ہوئے مبیع میں کوئی نقص پیدا ہو جائے جیسے بغیر کسی کے فعل کے گھر کی دیوار گر گئی اس نقصان کی وجہ سے خیار ساقط ہو جائے گا چونکہ مالک کو اسی طرح چیز واپس کرنا دشوار ہے جس طرح عیب سے پاک لی تھی، خریدار کے ذمہ کل ثمن مقرر ہوگا چونکہ نقصان اس کے ضمان میں ہوا ہے۔

چوتھا مقصد......مدت خیار میں عقد کا حکم

حنفیہ......کہتے ہیں: خیار کی شرط ہوتے ہوئے اس شخص کے اعتبار سے جسے خیار حاصل ہو اس کے حق میں بیع کا حکم یعنی انتقال ملکیت لاگو نہیں ہوگا بلکہ اس کے حق میں سقوط خیار کے وقت تک بیع موقوف ہوگی یا تو بیع کی اجازت سے خیار ساقط ہوتا ہے یا بیع فسخ کرنے سے خیار

❶......دیکھئے تحفة الفقهاء ۲/۱۰۲، فتح القدير ۵/۱۱۷، البدائع ۵/۲۶۹۔

ساقط ہوتا ہے اگر بیع نافذ کردی تو اس سے ظاہر ہوگا کہ عقد اسی وقت سے منعقد ہوا جب اس کا انعقاد ہو رہا تھا اگر خیار کو استعمال کرتے ہوئے صاحب خیار نے بیع فسخ کردی تو عدم انعقاد کا حکم استصحاب حال کے طور پر استوار رہے گا۔

اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ ❶

اگر خیار عاقدین کو حاصل ہو تو دونوں کے حق میں عقد منعقد نہیں ہوگا یعنی مبیع بائع کی ملکیت سے باہر نہیں نکلے گی اور خریدار کی ملک میں داخل بھی نہیں ہوگی جیسے ثمن خریدار کی ملکیت سے نہیں نکلتی اور بائع کی ملکیت میں داخل نہیں ہوتی چونکہ خیار حکم کے اعتبار سے بائع اور خریدار کی جانب وجود حکم کے مانع ہے۔

اگر خیار تنہا بائع کو حاصل ہو تو عقد اس کے حق میں منعقد نہیں ہوگا یعنی بائع کے حق میں عقد کا حکم ثابت نہیں ہوگا، اور مبیع فروخت کنندہ کی ملکیت سے باہر نہیں نکلے گی جبکہ ثمن خریدار کی ملکیت سے نکل جائے گا چونکہ مشتری کے حق میں عقد لازم ہو چکا، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثمن بائع کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگا تاکہ بدلین یعنی مبیع اور ثمن ایک ہی شخص کے قبضہ میں جمع نہ ہو جائیں۔ یہ تفصیل عقود مبادلہ جو بائع اور مشتری کے درمیان طے پاتے ہیں میں جائز نہیں ہے۔

صاحبین ...... کہتے ہیں: ثمن فروخت کنندہ کی ملکیت میں داخل ہو جائے گا چونکہ فروخت کنندہ نے خیار کی اپنے لئے شرط نہیں لگائی، صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ کسی چیز کا مالک کے بغیر ہونا صحیح نہیں ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ عقد حکم کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بدلین یعنی مبیع اور ثمن میں منعقد نہیں ہوگا، جبکہ صاحبین کے نزدیک صرف اس شخص کے بدل میں عقد منعقد نہیں ہوگا۔

اگر خیار صرف مشتری کو حاصل ہو تو بیع حکم کے اعتبار سے مشتری کے حق میں منعقد نہیں ہوگی گویا خریدار کی ملک سے ثمن نہیں نکلے گا، رہی بات مبیع کی سو وہ بائع کی ملک سے نکل جائے گی لہٰذا وہ مبیع میں تصرف نہیں کر سکتا، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مبیع مشتری کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی۔

جبکہ صاحبین کے نزدیک خریدار کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی۔

امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے مذکورہ بالا اختلاف سے درج ذیل مسائل منتج ہوتے ہیں۔

۱...... اگر کسی ذمی نے کسی دوسرے ذمی سے شراب یا خنزیر خریدا کہ اسے خیار حاصل ہوگا جبکہ خریدار نے مبیع پر قبضہ کر لیا پھر اس نے اسلام قبول کر لیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع باطل ہو جائے گی، چونکہ مدت خیار کے دوران مبیع خریدار کی ملکیت میں داخل نہیں ہوئی جبکہ مسلمان کے حق میں شراب اور خنزیر کی ملکیت ممنوع ہے۔

جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک بیع باطل نہیں ہوگی، بلکہ خیار ساقط ہو جائے گا اور عقد لازم ہوگا، چونکہ خریدار مدت خیار میں مبیع کا مالک بن چکا جبکہ وہ ذمی ہے وہ شراب اور خنزیر کا مالک بن سکتا ہے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد اسے بیع رد کرنے کا اختیار نہیں ہوگا چونکہ مذکورہ اشیاء کا مالک بننا مکروہ ہے۔

البتہ اگر بائع نے اسلام قبول کیا اور خیار خریدار کو حاصل تھا۔ تو بیع باطل نہیں ہوگی، اور امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے اتفاق سے خریدار اپنے خیار پر باقی رہے گا، چونکہ بائع کی طرف سے بیع طے شدہ ہے۔ رہی بات خریدار کی اس کا خیار باقی رہے گا اگر بیع کی اجازت دے دی تو بیع لازم ہوگی خریدار پر ثمن ہوں گے اور وہ مبیع کا مالک بن جائے گا چونکہ وہ ذمی ہے اور ذمی شراب اور خنزیر کا مالک بن سکتا ہے، اگر بیع رد کر دی تو عقد فسخ

❶......البدائع ۲۶۴/۵، فتح القدير ۱۱۵/۵، ردالمحتار ۵۱/۴۔

ہوجائے گا اور مبیع بائع کی ملک میں رہے گی، مسلمان شراب یا خنزیر کا حکماً مالک بن جاتا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے ذمی نے اسلام قبول کیا کہ اس کے پاس شراب یا خنزیر ہو۔

اگر خیار بائع کو حاصل ہو اور وہ مدت خیار میں اسلام قبول کرلے تو خیار اور عقد باطل ہوگا چونکہ بائع کا خیار بالا جماع اس کی ملک سے خروج بیع کے مانع ہوتا ہے، بائع کا اسلام قبول کرنا شراب کو اس کی ملک سے نکالنے سے مانع ہوتا ہے اگر مشتری نے اسلام قبول کیا تو عقد باطل نہیں ہوگا اور بائع اپنے خیار باقی رہے گا چونکہ عقد مشتری کی طرف سے لازمی ہے چونکہ اسے خیار تو نہیں حاصل، اس وقت اسے بیع کی اجازت کا حق حاصل ہوگا یوں خریدار مبیع کا مالک بن جائیگا، اور وہ مبیع یعنی شراب کا مالک بن سکتا ہے جیسے ہمیں معلوم ہو چکا ہے، اگر مبیع رد کردی تو عقد فسخ ہوجائے گا اور مبیع بدستور بائع کی ملک میں رہے گی۔

۲.....اگر مبیع گھر (غیر منقولی چیز) ہو: اگر خیار بائع کو حاصل ہو تو امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے نزدیک بالاتفاق شفیع کو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہوگا چونکہ بائع کا خیار اس کی ملک سے مبیع کے نکلنے سے مانع ہوتا ہے۔ اگر خیار خریدار کو حاصل ہو تو بالاتفاق پڑوسی کو شفعہ کا حق حاصل ہوگا، چونکہ خریدار کا خیار گو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق مشتری کی ملک میں سامان کے داخل ہونے سے مانع ہوتا ہے تاہم بائع کی ملک سے مبیع کی ملکیت کے نکلنے سے مانع نہیں ہوتا، جبکہ حق شفعہ بائع کی ملک کے زائل ہونے سے ثابت ہوجاتا ہے جبکہ مشتری کی ملک سے ثابت نہیں ہوتا۔

جبکہ صاحبین کے قول کے مطابق مشتری کا خیار سامان کے مالک بننے سے مانع نہیں ہوتا (یعنی مشتری مالک بن جاتا ہے) لہٰذا شفعہ ثابت ہوگا، ❶ مدت خیار کے دوران عقد بیع کے حکم کی حنفیہ کے نزدیک یہ تفصیل ہے۔

غیر حنفیہ کے مذاہب درج ذیل ہیں۔

مالکیہ......امام احمد کی بھی ایک روایت ہے کہ مدت خیار میں بائع کو مبیع کی ملک حاصل ہوگی یہاں تک کہ خیار کی مدت پوری ہوجائے، نفاذ بیع کا معنی ہے مبیع کو بائع کی ملکیت سے مشتری کی ملکیت کی طرف منتقل کرنا جبکہ تقریر ملک نہیں۔ مبیع کے بائع کی ملک میں ہونے پر مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ مشتری کی ملکیت غیر مکمل ہے چونکہ اس کے واپس کرنے کا احتمال ہے۔ اسی تفصیل پر مبیع سے حاصل ہونے والی آمدنی مدت خیار کے دوران بائع کی ہوگی۔ ❷

شافعیہ......کہتے ہیں: اگر خیار بائع کو حاصل ہو تو بائع مبیع اور اس کے توابع یعنی دودھ اور پھل وغیرہ کا مالک ہوگا، اگر خیار خریدار کو حاصل ہو تو ملکیت خریدار کو حاصل ہوگی چونکہ خیار ان میں سے کسی ایک کو حاصل ہو تو وہ تنہا مبیع میں تصرف کرے گا، تصرف کا نفاذ ہی ملک کی دلیل ہے۔

اگر خیار بائع اور مشتری دونوں کو حاصل ہو تو ملکیت موقوف ہوگی چونکہ یہاں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی، لہٰذا ملکیت موقوف ہوگی اگر بیع تمام ہوئی تو واضح ہوجائے گا کہ مبیع مشتری کی ملک ہے اور بوقت عقد اس کا مالک ہوا ہے ورنہ ملکیت بائع کو حاصل ہوگی گویا مبیع بائع کی ملک سے باہر نکلی ہی نہیں۔ ❸

حنابلہ......کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ ملکیت مشتری کو منتقل ہوجائے گی اس میں کوئی فرق نہیں کہ خیار دونوں کو حاصل ہو یا ان میں سے کسی ایک کو حنابلہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ''جس شخص نے کوئی غلام فروخت کیا اس حال میں کہ غلام کے پاس مال ہو تو وہ بائع کا ہوگا الا یہ کہ خریدار

---

❶ فتح القدیر ۱۳۳/۵، تحفۃ الفقہاء ۱۱۳/۲۔ ❷ حاشیۃ الدسوقی ۹۳/۳، القوانین الفقہیۃ ص ۲۷۴ (۳) مغنی المحتاج ۴۸/۲، المہذب ۱/ ۲۵۹

اس کی اپنے لئے شرط لگادے۔'' اسی طرح ایک اور حدیث ہے جس شخص نے تابیر (پیوندکاری) کے بعد باغ فروخت کیا تو اس کا پھل بائع کی ملک ہوگا الا یہ کہ خریدار اس کی شرط لگادے۔ ❶

حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط لگانے پر مبیع کو خریدار کی ملکیت قرار دیا ہے اور یہ حکم ہر بیع میں عام ہے۔

چونکہ یہ صحیح بیع ہے لہٰذا یہاں بیع کا منتقل ہونا ایسا ہی ہے جیسے خیار ہو ہی نہیں نیز بقیہ بیوع کی طرح یہاں بھی ملک ثابت ہوگی چونکہ بیع تملیک ہے۔ ❷

اس اختلاف کی بنیاد پر درج ذیل مسائل کا ترتب ہوتا ہے۔ ثمن کی سپردگی کے حکم میں اختلاف ہوگا، آیا کہ بائع ثمن کا مستحق ہوگا یا نہیں، جیسے حنفیہ کے ہاں مذکور ہے، چنانچہ حنابلہ کے نزدیک ثمن کا سپرد کرنا لازمی ہے جب خیار مشتری کو حاصل ہو اور جب خیار بائع کو حاصل ہو تو سپردگی لازم نہیں۔

پانچواں مقصد......فسخ واجازت کی کیفیت

عقد کا فسخ اور اجازت یا تو بطریق ضرورت ہوگی یا بطریق قصد واختیار ہوگی۔ ❸

فسخ واجازت بطریق ضرورت! چنانچہ مدمقابل عاقد کی موجودگی کے بغیر ہی عقد کا فسخ یا اجازت درست ہے اور اس کے علم کے بغیر بھی درست ہے، جیسے مدت خیار کا گزر جانا، مبیع کا ضائع ہو جانا جیسے اسقاط خیار کے مختلف طریقوں میں مذکور ہوا ہے۔

فسخ واجازت بطریق قصد! حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ صاحب خیار دوسرے عقد کو آگاہ کئے بغیر اجازت کا اختیار رکھتا ہے، چونکہ صاحب خیار بیع سے راضی تو تھا اور صاحب خیار کی رضامندی کی وجہ سے نفاذ بیع موقوف ہوا، جب رضامندی ہو جائے گی تو بیع نافذ ہو جائے گی، دوسرے فریق کو خواہ علم ہو یا نہ ہو۔

لیکن زبانی وکلامی رضامندی کا اظہار شرط ہے مثلاً یوں کہے: میں نے اس عقد کی اجازت دے دی یا کہے میں اس سے رضامند ہوں، اگر محض دل سے راضی ہوا تو اس سے خیار ساقط نہیں ہوگا چونکہ احکام شرعیہ ظاہری اقوال وافعال کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں جو دلوں پر دلالت کرتے ہیں۔

فسخ......عقد فسخ کرنے میں مناسب یہ ہے کہ زبانی کلامی فسخ کیا جائے اور محض دل ہی دل میں فسخ کرنے کا اعتبار نہیں اگر صاحب خیار نے دوسرے فریق کو آگاہ کرتے ہوئے عقد فسخ کیا تو علمائے حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق فسخ صحیح ہے، برابر ہے دوسرا فریق اس سے راضی ہو یا راضی نہ ہو اگر دوسرے فریق کو آگاہ کئے بغیر عقد فسخ کر دیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فسخ صحیح نہیں، برابر ہے خیار خریدار کو حاصل ہو یا فروخت کنندہ کو اس صورت میں فسخ موقوف ہوگا اگر دوسرے فریق کو علم ہو جائے مدت خیار کے اندر اندر تو فسخ نافذ ہے اگر علم نہ ہوا یہاں تک کہ مدت گزر گئی تو عقد لازم ہو جائے گا چونکہ فسخ دوسرے کے حق میں تصرف ہے اور عقد کے ساتھ عاقدین کا حق متعلق ہوتا ہے، یوں فریقین میں سے ایک فریق دوسرے کو بتائے بغیر فسخ کا مالک نہیں ہوگا چونکہ اس میں مضرت اور نقصان ہے، اگر خیار بائع کو حاصل ہوتو بسا اوقات خریدار خرید کردہ سامان میں تصرف کر دیتا ہے اور اسے بھروسہ ہوتا ہے کہ بیع نافذ ہو جائے گی تو اسے مبیع کے ضائع ہونے کی وجہ سے قیمت کا تاوان لاگو ہو جاتا ہے، بسا اوقات قیمت ثمن سے زائد ہوتی ہے اور اس میں نقصان ہے۔ اگر خیار خریدار کو حاصل ہو تو بسا اوقات ایسا

---

❶ هذا الحديث رواه مالك في الموطا واصحاب الكتب عن ابن عمر، نصب الراية ۴: ۵، جامع الاصول [illegible] ❷ المغني ۳: [illegible]، غاية المنتهى ۲: ۳۲، القواعد لابن رجب ص [illegible] ❸ فتح القدير ۵: [illegible]

بھی ہوتا ہے کہ بائع اپنے سامان کے لئے کسی دوسرے خریدار کو تلاش نہیں کرتا چونکہ اسے بیع مکمل ہونے کا بھروسہ ہوتا ہے یہ بھی ایک طرح کا نقصان ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر خیار بائع کو حاصل ہو تو خریدار کو فسخ عقد کی اطلاع کرنا شرط نہیں اور اگر خریدار کو خیار حاصل ہو تو عقد فسخ کرنے کی اطلاع بائع کو کرنا شرط ہے۔ امام ابو یوسف سے ایک اور روایت بھی منقول ہے کہ فسخ کی صورت میں دوسرے فریق کو آگاہ کرنا مطلقاً شرط نہیں، چونکہ فسخ کرنے والا جانبین کی طرف سے فسخ پر مسلط کیا گیا ہوتا ہے لہٰذا فسخ عقد دوسرے کے علم پر موقوف نہیں جیسے وکیل کی بیع مؤکل کو بتائے بغیر بھی جائز ہے۔ (۱)

یہ اختلاف خیار رؤیت میں بھی جاری ہوگا، رہی بات خیار عیب کی سو حنفیہ کا اتفاق ہے کہ فسخ کی صورت میں بائع کو آگاہ کرنا شرط ہے۔ (۲)

اگر خیار دو آدمیوں کو حاصل ہو، خیار شرط ہو یا خیار رؤیت ہو یا خیار عیب ہو تو ان میں سے ایک کو چھوڑ کر دوسرا اس اختیار کا مالک نہیں ہوگا کہ وہ تنہا عقد فسخ کر دے، یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے چونکہ مبیع بائع کی ملکیت سے نکل چکی ہے اور نکلتے وقت اس میں کوئی عیب نہیں ہوتا اب اس میں شراکت کا عیب آ گیا ہے۔ اب اگر ان میں سے کوئی بیع کو واپس کرے گا تو عیب دار مبیع کو رد کرے گا جبکہ اس کی واپسی میں نقصان ہے۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: وہ دو آدمی جن کے لئے خیار شرط ثابت ہو ان میں سے کسی ایک کو حق حاصل ہے کہ وہ عقد کو تنہا ہی فسخ کر دے، چونکہ ان دونوں کے لئے فی الواقع خیار ثابت ہے، دوسرے کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوگا چونکہ اس میں اس کے حق کا ابطال ہے۔ (۳)

اسی تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو آدمیوں کا اجازت یا فسخ پر اتفاق کر لینا جائز ہے، اگر ان میں سے ایک نے عقد کو رد کر دیا اور دوسرے نے اجازت دے دی تو یہ مذکورہ اختلاف کے مطابق ہوگا۔

جب دونوں بیع کے رد کو نصف میں اختیار کریں تو بھی یہ اختلاف جاری ہوگا، حنفیہ کے نزدیک فسخ و اجازت کی مذکورہ بالا تفصیل ہے جبکہ جمہور کا فسخ میں ان سے اختلاف ہے۔

چنانچہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: صاحب خیار بیع کو فسخ کر سکتا ہے خواہ دوسرا فریق حاضر ہو یا غائب ہو۔ چونکہ جب دوسرا فریق خیار سے رضا مند ہے تو گویا اس نے فسخ کی اجازت دے دی، لہٰذا دوسرے فریق کا فسخ کے وقت حاضر ہونا ضروری نہیں، نیز فسخ رفع عقد ہے لہٰذا دوسرے صاحب کی رضامندی کی چنداں ضرورت نہیں لہٰذا اس کا حاضر ہونا بھی ضروری نہیں جیسے طلاق کے مسئلہ میں بیوی کا سامنے موجود ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ (۴)

۱۴: خیار عیب......خیار عیب دلالۃ شرط سے ثابت ہوتا ہے، اسی لئے میں نے اس کو خیار شرط کے بعد ذکر کیا ہے، خیار عیب کے درج ذیل مقاصد پر کلام ہوگا۔

پہلا مقصد......خیار عیب کی مشروعیت اور اس کے حکم کے بیان ہیں۔

دوسرا مقصد......وہ عیوب جو اس خیار کے موجب ہیں۔

تیسرا مقصد......خیار عیب کے اثبات کے مختلف طریقے اور خیار کے ثبوت کی مختلف شرائط۔

---

(۱)......البدائع ۲۷۳/۵، فتح القدیر والعنایۃ ۱۲۲/۵، رد المحتار ۵۷/۴۔ (۲) البدائع ۲۷۳/۵۔ (۳) المبسوط ۵۰/۱۳، البدائع ۲۶۸/۵۔ (۴) المغنی ۵۹۱/۳، مغنی المحتاج ۴۹/۲، المیزان ۶۴/۲۔

چوتھا مقصد.....خیار کا مقتضا اور عیب کی وجہ سے بیع واپس کرنے کی کیفیت۔

پانچواں مقصد.....عیب کی وجہ سے مبیع واپس کرنے کے موانع اور سقوط خیار۔

چھٹا مقصد.....عیب سے برأت ظاہر کرنے کی شرط میں فقہاء کا اختلاف۔

پہلا مقصد.....خیار عیب کی مشروعیت اور عقد کا حکم

خیار عیب کی مشروعیت..... اس خیار کی مشروعیت دراصل احادیث سے ثابت ہے ان احادیث میں سے ایک یہ حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو عیب دار چیز فروخت کرے الا یہ کہ وہ عیب کو ضرور بیان کردے۔ ❶

ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ کوئی چیز فروخت کرے الا یہ کہ اس چیز میں جو عیب بھی ہو اسے ظاہر کردے، کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ مبیع میں عیب جانتا ہو الا یہ کہ وہ اسے ضرور بیان کردے۔ ❷

ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے وہ اناج فروخت کررہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اناج میں ہاتھ داخل کیا، آپ کو اناج میں نمی معلوم ہوئی آپ نے فرمایا جس نے دھوکا کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ ❸

علامہ کاسانی کہتے ہیں، خیار عیب کی مشروعیت دراصل اس حدیث سے ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایسی بکری خریدی جس کے تھنوں میں دودھ جمع کیا گیا ہو، چنانچہ خریدار نے بکری کو مصراۃ پایا اسے دو باتوں کا اختیار حاصل ہوگا، اگر چاہے بکری اپنے پاس رکھ لے چاہے واپس کردے اور ساتھ ایک صاع کھجوریں بھی لوٹادے۔ ❹ تین دن کا ذکر بطور امر نہیں بلکہ غالب احوال کے پیش نظر مذکور ہے، کھجوروں کا صاع اس دودھ کی قیمت کے طور پر دینا ہے جو خریدار دوہتا رہا ہے۔

ملاحظہ رہے کہ جمہور فقہاء اونٹنیوں اور بکریوں کے تھنوں میں دودھ جمع رکھ لے کو غرر سے تعبیر کرتے ہیں جو فعلی ہے اور وصف مبیع میں کار فرما ہوتا ہے، عقد میں دھوکا کھانے والے کو ابطال کا حق حاصل ہوگا اگر غبن شامل نہ ہو تو پھر یہ خیار وصف ہوگا۔ ❺

جمہور فقہاء خریدار کے لئے خیار ثابت کرتے ہیں کہ اسے مبیع اپنے پاس رکھنے کا خیار ہے اگر اسی حالت میں راضی ہو یا مبیع واپس کردے اور ساتھ ایک صاع کھجوریں بھی دے، اگر مبیع کو اپنے پاس رکھنے پر راضی نہ ہو، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب جمہور کے موافق ہے ان کی دلیل بھی حدیث سابق ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: خریدار صرف نقصان لے سکتا ہے۔

بیع کا حکم..... عیب دار چیز کی بیع کا حکم یہ ہے کہ مبیع میں مشتری کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے چونکہ بیع کا رکن مطلق ہے، البتہ دلالۃً خیار ثابت ہوا ہے چونکہ عیوب سے مبیع کا پاک ہونا ضروری ہوتا ہے، جب مبیع کی سلامتی برقرار نہ رہی تو عقد کے لزوم میں فرق پڑ جائے گا، لیکن اصل حکم میں فرق نہیں آئے گا، بخلاف خیار شرط کے، چونکہ شرط منصوص علیہ، اصل حکم پر وارد ہوتی ہے اس لئے حکم کے اعتبار سے مدت خیار میں بیع کا منعقد ہونا ممنوع ہوتا ہے۔ ❻

---

❶.....رواہ احمد وابن ماجه والدارقطنی والحاکم والطبرانی عن عقبة بن عامر (مجمع الزوائد ۴/۸۰، نیل الاوطار ۵/۲۱۱) ورواہ البخاری بلفظ آخر (جامع الاصول ۱/۴۲۰) ❷اخرجه احمد وابن ماجه والحاکم فی المستدرک نیل الاوطار ۵/۲۱۲)۔ ❸نیل الاوطار ۵/۲۱۱، رواہ مسلم وابوداؤد۔ ❹رواہ البخاری مسلم واحمد والموطا واصحاب السنن الاربعة عن ابی هریرة۔ ❺ابن عابدین ۴/۴۷، المدخل الفقهی العام للاستاذ مصطفی الزرقاء ۱/۲۷۴۔ ❻البدائع ۵/۲۷۳۔

عیب دار چیز کے حکم کی کیفیت یہ ہے کہ عیب دار چیز میں ملک کا فائدہ حاصل ہوتا ہے لیکن یہ ملک لازم نہیں ہوتی چونکہ عقد معاوضہ میں بدلین کا سلامت رہنا عادۃً مطلوب ہوتا ہے، گویا عقد میں سلامتی کی شرط ضمناً ملحوظ ہوتی ہے، لہٰذا سلامتی مشروط ہے، جب سلامتی کی صفت بدلین میں متحقق نہ ہوگی تو عاقد کو خیار حاصل ہوا اور عقد غیر لازمی ہوگا۔ ❶

دوسرا مقصد: وہ عیوب جو موجب خیار ہیں

عیب..... ایسا نقص ہے جس سے فطرت سلیمہ پاک ہو، تاجروں کے عرف میں ثمن کا نقصان یا فاحش ہوتا ہے یا یسیر (معمولی) جیسے بھینگا ہونا، اندھا ہونا، کانا ہونا۔

شافعیہ کے ہاں عیب کی تعریف یہ ہے: عیب وہ نقص ہے جس سے اصل چیز یا قیمت میں کمی آ جائے یا اس چیز کی غرض صحیح فوت ہو جائے، جب مبیع کی جنس میں اس کے عدم کا غلبہ ہو۔ آخری قید سے زائد انگلی وغیرہ کے کٹنے سے احتراز کیا ہے یا ران یا پنڈلی وغیرہ سے تھوڑا سا کٹنے سے احتراز کیا ہے جس سے کوئی عیب نہ آتا ہو۔ اور غرض بھی فوت نہ ہوتی ہو، لہٰذا اس کی وجہ سے مبیع رد نہیں ہوگی، ❷ قیمت کم ہونے کی مثال۔ جیسے سواری کے وقت چوپائے کا بدکنا اور مارنا، غرض صحیح فوت ہونے کی مثال: قربانی کے لئے خریدی ہوئی بکری کے کان کا کچھ کٹا ہوا ہونا۔ خریدار بکری کو واپس کر سکتا ہے۔

دونوں تعریفوں میں فرق یہ ہے کہ حنفیہ کی تعریف مادی معیار کی ہے جبکہ شافعیہ کی تعریف شخصی معیار کی ہے۔

عیوب کی دو قسمیں..... اول یہ کہ وہ عیب جو مبیع کے کسی حصہ میں نقصان کو پیدا کر دے یا ظاہری حالت کو متغیر کر دے۔ دوم یہ کہ جو معنوی طور پر نقصان کو واجب کر دے ظاہری طور پر نقصان نہ ہو۔

اول ۔ پہلی قسم کے عیب کی مثالیں بہت ہیں جیسے اندھا پن، کانا پن، بھینگا ہونا، کسی عضو کا شل ہونا، گنجا پن، اپاہجی امراض، ایک انگلی کٹی ہوئی ہونا، دانت سیاہ ہونا، دانت گرے ہوئے ہونا، بڑی عمر ہونا، سیاہ ناخن، گونگا اور بہرہ پن، خارشی بدن، سر میں زخم کا ہونا، دائمی بخار، اور دوسرے امراض جو بدن میں عموماً پائے جاتے ہیں۔ ❸

دوم ۔ جیسے چوپائے کا مارنا، گاڑی کی عادۃً رفتار میں کمی کا ہونا۔ ❹

تیسرا مقصد: اثبات عیب کے مختلف طریقے اور ثبوت خیار کی شرائط

ثبوت خیار کی شرائط..... خیار عیب کے ثبوت کے لئے درج ذیل شرطیں ہیں۔ ❺

۱ ..... عیب بیع کرتے وقت ثابت ہو یا بیع کے بعد اور سپردگی سے پہلے ظاہر ہو، اگر سپردگی کے بعد عیب ظاہر ہوا تو خریدار کو خیار نہیں حاصل ہوگا۔

۲ ۔ مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد خریدار کے پاس عیب ظاہر ہو، عام مشائخ کے نزدیک بائع کے ہاں عیب کے ثابت ہونے میں واپسی کی سبھی صورتوں میں اکتفا نہیں ہوگا۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ عیب کی وجہ سے مبیع تبھی واپس کی جائے گی جب عیب بائع کے پاس ظاہر ہوا ہو۔

۳ ۔ عقد اور قبضہ کے وقت عیب کے موجود ہونے سے خریدار ناواقف ہو اگر قبضہ یا عقد کے وقت خریدار کو عیب کا علم تھا تو پھر اسے خیار حاصل نہیں ہوگا۔ چونکہ دلالۃً عاقد (خریدار) عیب سے راضی ہے۔

---

❶ البدائع ۵/۲۷۴۔ ❷ مغنی المحتاج ۲/۵۱، غایۃ المنتہی ۲/۳۵۔ ❸ البدائع ۵/۲۷۴۔ ❹ البدائع ۵/۲۷۴، فتح القدیر ۵/۱۵۴، ردالمحتار ۴/۷۱۔ ❺ البدائع ۵/۲۷۵، فتح القدیر ۵/۱۵۳۔

۴..... بیع میں عیب سے بری الذمہ ہونے کی شرط نہ ہو، اگر عیب سے بری ہونے کی شرط لگادی گئی ہو تو خریدار کو خیار نہیں حاصل ہوگا۔ چونکہ جب برأت قبول کرلی تو گویا خریدار نے اپنا حق ساقط کردیا۔

۵..... عیب دار مبیع کی دیگر امثال میں عیب سے سلامتی غالب ہو۔

۶..... یہ کہ فسخ عقد سے قبل عیب زائل نہ ہوتا ہو۔

۷..... یہ کہ عیب عارضی نہ ہو جو مشقت کے بغیر ہی ختم ہوجاتا ہے جیسے کپڑے پر نجاست کا ہونا جس کے دھونے میں ضرر نہ ہو۔

۸..... بیع میں عیب سے بری الذمہ ہونے کی شرط نہ ہو اس کی تفصیل بحث کے آخر میں آیا چاہتی ہے۔

اثبات عیب کے مختلف طریقے..... عیب کے مختلف ہونے سے اثبات عیب کے طریقے بھی مختلف ہوتے ہیں، عیب کی چار اقسام ہیں۔ چنانچہ عیب یا تو ظاہری ہوگا جس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہو، جیسے زائد انگلی، یا ایک انگلی کا کٹا ہوا ہونا، دانت ٹوٹا ہوا ہونا، کانا پن، اندھا پن وغیرہ۔ یا عیب باطنی اور مخفی ہوگا جسے صرف اطباء ہی جانتے ہوں۔ یا عیب ایسا ہوگا جس پر آگاہی صرف عورتوں کو ہوتی ہو۔ یا عیب ایسا ہو جو مشاہدہ سے نہ پہچانا جاسکتا ہو بلکہ تجربہ اور آزمائش کی ضرورت پڑے۔

۱: اگر عیب ظاہری اور مشاہدہ کے قابل ہو..... قاضی کے پاس جاکر اس قسم کے عیب کے موجود ہونے پر گواہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں چونکہ یہ عیب آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے اور مشاہدہ میں آتا ہے، خریدار بائع کے ساتھ جھگڑا کرسکتا ہے (یعنی عدالت میں کیس کرسکتا ہے) ایسی صورت میں قاضی اصل معاملہ پر غور کرے گا۔

اگر عیب ایسا ہو جو عادۃً خریدار کے پاس عادۃً نہیں پیدا ہوتا جیسے زائد انگلی تو اس عیب کی پاداش میں خریدار مبیع بائع کو واپس کردے، خریدار کو اس بات پر گواہ قائم کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ یہ عیب بائع کے پاس کا ہے۔ الا یہ کہ بائع کا اس پر اصرار ہو تو خریدار گواہ پیش کردے۔

اگر خریدار نے گواہ پیش کردیئے تو گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ کردیا جائے گا، اگر گواہ پیش نہ ہوئے تو خریدار سے حلف لیا جائے گا اگر خریدار نے حلف اٹھانے سے انکار کردیا تو عیب دار مبیع واپس نہیں کرسکتا، اگر حلف اٹھالیا تو بائع کو مبیع واپس کردی جائے گی۔

اگر عیب ایسا ہو کہ خریدار کے پاس اس عیب کا پیدا ہونا ممکن ہو تو قاضی بائع سے کہے گا کیا یہ عیب تمہارے پاس پیدا ہوا ہے؟ اگر بائع نے اقرار کرلیا تو مبیع کو واپس کرنے کا فیصلہ کردیا جائے گا، الا یہ کہ بائع یہ دعویٰ کردے کہ خریدار اس عیب سے راضی تھا یا ہر طرح کے عیب سے برأت کردی تھی، اگر بائع نے انکار کردیا اور کہا: نہیں۔ تو قول بائع کا معتبر ہوگا ہاں البتہ خریدار گواہ قائم کردے کہ عیب اس کے پاس پیدا ہوا تھا، اگر گواہ قائم کردیئے تو مبیع کو واپس کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ الا یہ کہ بائع خریدار کی رضامندی یا برأت کا دعویٰ کردے، اگر خریدار کے پاس گواہ نہ ہوں جو بائع کے پاس عیب کے ہونے کو ثابت کرتے اور خریدار قسم کا مطالبہ کرتا ہو تو بائع قطعی قسم کھائے گا کہ میں نے یہ چیز فروخت کی یہ صحیح سالم تھی اور اس میں کوئی عیب نہیں تھا۔ چونکہ عیب ایسی چیز ہے کہ اگر بائع نے اقرار کرلیا اس کے سر پڑ جائے گا۔ اور اگر انکار کرے گا تو حلف اٹھائے گا، یوں حلف اس لئے اٹھائے گا تاکہ بیع اور سپردگی دونوں جمع ہوجائیں چونکہ بسا اوقات عیب بیع کے بعد اور سپردگی سے پہلے بھی پیدا ہوجاتا ہے۔ تو اس صورت میں خریدار کے لئے رد کا حق ثابت ہوجاتا ہے۔ گویا احتیاط اسی میں ہے کہ بیع اور سپردگی دونوں کو جمع کرکے حلف اٹھایا جائے۔ یہ تفصیل امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اصول میں ذکر کی ہے۔

بعض مشائخ کہتے ہیں: اس میں کوئی احتیاط نہیں۔ چونکہ اگر یوں حلف اٹھایا تو یہ بھی ممکن ہوسکتا ہے کہ بیع کے بعد اور سپردگی سے پہلے بھی عیب پیدا ہوسکتا ہے۔ یوں بائع اپنی قسم میں سچا بھی ہوسکتا ہے۔ چونکہ حانث ہونے کی شرط بیع اور سپردگی کے وقت عیب کا پایا جانا ہے، ان میں

سے ایک مقام میں عیب کے پائے جانے سے حانث نہیں ہوتا، یوں خریدار کا حق باطل ہوجائے گا۔ بعض مشائخ کہتے ہیں کہ بائع یوں قسم اٹھائے: اللہ کی قسم میں نے مبیع اسے سپرد کی اور مبیع میں وہ عیب نہیں تھا جس کا خریدار دعویدار ہے۔ علامہ کاسانی کہتے ہیں یہ طریق قسم صحیح ہے چونکہ اس میں بیع کے وقت موجود عیب اور سپردگی سے پہلے پیدا ہونے والا عیب شامل ہوگا۔

جب بائع حلف اٹھالے تو وہ بری ہوجائے گا اور مبیع واپس نہیں ہوگی۔ اگر بائع نے انکار کردیا تو مبیع اسے واپس کردی جائے گی اور عقد فسخ کردیا جائے گا، الا یہ کہ جب بائع خریدار پر دعویٰ کردے کہ خریدار اس عیب سے راضی تھا یا وہ ہر طرح کے عیب سے بری الذمہ تھا۔ بعض مشائخ نے قسم کے اس صیغہ کو صحیح قرار دیا ہے جسے امام محمد نے ذکر کیا ہے یعنی یوں کہے: میں نے یہ چیز اسے فروخت کی اور اسے سپردگی کی اس میں یہ عیب نہیں تھا اور نہ ہی فروخت کرتے وقت تھا اور نہ سپردگی کے وقت تھا۔ ❶

۲: عیب باطنی اور مخفی ہو جسے مخصوص لوگ ہی سمجھ پاتے ہوں..... یعنی ایسا عیب جسے اطباء اور ماہرین ہی سمجھ پائیں جیسے دل کی بیماری اور تلی کی بیماری وغیرہ یہ عیب خصومت کے وقت دو مسلمانوں یا ایک عادل مسلمان کی گواہی سے ثابت ہوگا، گواہی کے بعد قاضی بائع سے کہے: کیا یہ عیب جس کا دعویٰ کیا گیا ہے تمہارے پاس پیدا ہوا تھا؟ اگر بائع نے اقرار کرلیا تو اس کے خلاف مبیع واپس کرنے کا فیصلہ کردیا جائے گا اگر بائع نے انکار کردیا تو خریدار گواہ قائم کرے گا، اگر خریدار کے پاس گواہ نہ ہوں تو بائع سے حلف لیا جائے گا، حلف کا طریقہ اوپر گزر چکا ہے، اگر حلف اٹھالیا تو مبیع واپس نہیں کی جائے گی، اگر انکار کردیا تو واپس کردی جائے گی الا یہ کہ بائع دعویٰ کردے کہ خریدار اس عیب سے راضی تھا یا کہے کہ ہر طرح کے عیب سے برأت کردی تھی۔ ❷

۳: عیب ایسا ہو کہ جس پر صرف عورتیں ہی مطلع ہوسکتی ہوں..... تو ایسی صورت میں قاضی عورتوں کے قول کی طرف رجوع کرے گا، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ الانبیاء ۲۱/۷

اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہل ذکر سے سوال کرلو۔

عورتوں کی تعداد اس میں شرط نہیں بلکہ ایک عادل عورت کے قول پر بھی اکتفاء کیا جاسکتا ہے۔ دو عورتوں کا ہونا احوط ہے، چونکہ وہ امور جن پر مردوں کو اطلاع نہ ہوتی ہو ان میں ایک عورت کا قول بھی معتبر اور حجت ہے، جیسے دائی کا قول نسب میں حجت ہوتا ہے۔

چنانچہ جب عورت بیع کے متعلق گواہی دے تو اس کے متعلق صاحبینؒ سے دو روایتیں مروی ہیں۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی روایت ہے کہ مبیع بائع کے پاس ہے یا خریدار کے پاس ہے دونوں صورتوں میں فرق ہے۔

اگر مبیع بائع کے پاس ہو تو عورت کی گواہی سے عیب ثابت ہوجائے گا مبیع واپس کی جائے گی اور بیع فسخ ہوگی چونکہ وہ امور جن پر مردوں کو آگاہی نہ ہو تو ان میں ایک عورت کا قول گواہوں کے قائم مقام ہوتا ہے۔

اگر مبیع خریدار کے قبضہ میں ہو تو عورت کے قول سے حق خصومت ثابت ہوجائے گا جبکہ بائع کو بیع واپس کرنے کے اعتبار سے حق ثابت نہیں ہوگا چونکہ عیب دار مبیع مشتری کے ضمان میں پائی گئی ہے۔ لہٰذا عورتوں کے قول سے ضمان بائع کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔ پھر قاضی بائع سے سوال کرے کہ یہ عیب تمہارے پاس موجود تھا، جیسے باطنی عیب کی صورت میں اسے بیان کیا جاچکا ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت ہے کہ اگر عیب ایسا ہو کہ جس کی مثل عیب پیدا نہ ہوتا ہو تو عورتوں کے قول سے بیع فسخ کردی جائے گی؛ چونکہ عیب دو گواہوں سے ثابت ہوتا ہے جبکہ ہمیں بالیقین معلوم ہوچکا کہ عیب بائع کے پاس تھا۔

---

❶.....البدائع ۵/۲۷۹، تحفة الفقهاء ۲/۱۳۹، رد المحتار ۴/۹۲، مختصر الطحاوی ص ۸۰. ❷البدائع ۵/۲۷۸، ردالمحتار ۴/۹۲.

اگر عیب ایسا ہو کہ جس کی مثل پیدا ہو سکتی ہو تو عورتوں کے قول سے حق فسخ ثابت نہیں ہوگا، چونکہ یہ عیب ایسا ہے جو عورتوں کے علاوہ دیگر ذرائع سے بھی معلوم کیا جاسکتا ہے۔

امام محمدؒ سے مروی دو روایتیں حسب ذیل ہیں۔

ایک روایت میں فرماتے ہیں: کسی حال میں بھی عورتوں کے قول سے بیع فسخ نہیں ہوگی، دوسری روایت ہے کہ قبضہ سے پہلے اور قبضہ کے بعد عورتوں کے قول سے بیع فسخ ہو جائے گی چونکہ وہ امور جن پر مردوں کو اطلاع نہیں ہو پاتی ان میں عورتوں کا قول گواہوں کے قائم مقام ہے جیسے ثبوت نسب میں عورتوں کا قول معتبر ہوتا ہے۔

مذکورہ تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ وہ عیب جس پر مردوں کو اطلاع نہ ہو سکتی ہو وہ ایک عورت یا دو عورتوں کی گواہی سے خصومت (کیس) کے حقِ اقامت کے اعتبار سے ثابت ہوگا جبکہ حقِ رد کے اعتبار سے ثابت نہیں ہوگا برابر ہے قبضہ سے پہلے عیب کا وجود ہو یا قبضہ کے بعد، ظاہر الروایۃ میں علمائے حنفیہ سے یہی منقول ہے اور یہی قابل اعتماد مذہب ہے۔ ❶

۴: وہ عیب جو خصومت کے وقت مشاہد نہ ہو اور بجز تجربہ کے اس کی پہچان نہ ہو سکتی ہو...... جیسے بھاگ جانا، پاگل پن، چوری، بستر پر پیشاب کر دینا، چنانچہ یہ عیب دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوگا۔

جب خریدار اپنے پاس عیب کے ظاہر ہونے کو ثابت کر دے تو قاضی بائع سے سوال کرے کیا غلام تمہارے پاس بھاگا ہے؟ اگر بائع اقرار کر لے تو مبیع کی واپسی کا فیصلہ کر دے گا، الا یہ کہ بائع دعویٰ کر دے کہ خریدار اس عیب سے رضامند تھا یا میں ہر طرح کے عیب سے بری الذمہ تھا، اگر سرے ہی سے بھاگنے کا انکار کر دے اور صغر سنی اور بڑی عمر میں اس عیب کی حالت کے مختلف ہونے کا دعویٰ کرے جیسے پیچھے گزر چکا ہے تو قاضی خریدار سے کہے کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟ اگر کہے جی ہاں اور ساتھ اپنے دعویٰ پر گواہ بھی قائم کر دے تو اس کے خلاف مبیع واپس کرنے کا فیصلہ کر دیا جائے گا، اگر بائع انکار کر دے تو قاضی بائع سے حلف لے کہ اللہ کی قسم غلام میرے پاس کبھی نہیں بھاگا اگر بائع نے قسم اٹھالی تو خصومت (جھگڑا) ختم ہو جائے گی، اگر قسم اٹھانے سے انکار کر دیا تو بائع کے خلاف مبیع واپس کرنے کا فیصلہ کر دے۔

جب خریدار اپنے پاس عیب ظاہر ہونے کو ثابت نہ کر سکے تو کیا قاضی بائع سے حلف لے یا نہیں؟

چنانچہ صاحبینؒ کہتے ہیں کہ قاضی حلف لے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قاضی حلف نہ لے۔

صاحبین کی دلیل...... خریدار مبیع کو واپس کرنے کا دعویدار ہے جبکہ مبیع کو واپس کرنا اثبات عیب سے ممکن ہو پاتا ہے، اثبات عیب یا تو گواہوں سے ہوتا ہے بائع قسم اٹھانے سے انکار کر دے، جب گواہ قائم نہیں ہو سکے تو قاضی بائع کے انکار پر خریدار سے حلف لے، اسی لئے تو خریدار اثبات عیب کے واسطے کہ بائع کے پاس یہ عیب تھا حلف اٹھاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل...... یہ ہے کہ بائع پر دعویٰ کرنے کے بعد حلف لیا جاتا ہے جبکہ بائع پر خریدار کا دعویٰ تبھی ہو سکتا ہے جب اس کے پاس عیب کا ثبوت ہو جائے جبکہ یہ ثابت نہیں ہوا لہٰذا بائع پر اس کا دعویٰ ثابت نہیں ہوا، لہٰذا خریدار سے حلف نہیں لیا جائے گا جبکہ قسم سے انکار حلف لینے کے بعد ہوتا ہے۔ ❷

بائع سے حلف لینے کی کیفیت...... یہ کہ بائع علم (جاننے) پر حلف اٹھائے گا، یقین اور قطعیت پر قسم نہیں اٹھائے گا چنانچہ یوں کہے گا: اللہ کی قسم مجھے علم نہیں کہ یہ عیب اب بھی اس چیز میں موجود ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بائع اپنے فعل کے علاوہ پر قسم کھائے گا اور اس کی

---

❶...... البدائع ۲۷۹/۵، رد المحتار ۹۲/۴۔ ❷ البدائع ۲۷۹/۵ ردالمحتار ۹۲/۴۔

صورت یہی ہے کہ علم پر حلف اٹھائے کہ اسے علم نہیں، اگر جو شخص اپنے ذاتی فعل پر حلف اٹھائے وہ قطعیت اور جزم پر حلف اٹھائے گا، اگر بائع نے حلف اٹھانے سے انکار کر دیا تو عیب مشتری کے ہاں ثابت ہو جائے گا یوں خریدار کو حق خصومت حاصل ہو جائے گا، اگر بائع نے حلف اٹھالیا تو بری الذمہ ہو جائے گا۔ ❶

چوتھا مقصد: خیار کا مقتضا، فسخ کی کیفیت اور عیب کی وجہ سے مبیع کی واپسی

خیار کا مقتضا..... مبیع میں عیب ثابت ہونے پر خریدار کو دو باتوں میں اختیار حاصل ہوگا۔

یا تو عقد کو نافذ کر دے، اس صورت میں خریدار کو پورا ثمن (پیسے، قیمت) ادا کرنے ہوں گے، یا عقد کو فسخ کر دے اور ثمن واپس لے لے۔ اگر ثمن دے دیا ہو، اگر ثمن نہ ادا کیا ہو تو اب ادا نہ کرے (چونکہ عقد فسخ ہو چکا)، البتہ خریدار عیب دار چیز کو واپس کر دے۔ ❷

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: اگر مبیع میں عیب بائع کے پاس آیا ہو یا مبیع کا کچھ حصہ کسی آفت سماویہ سے ضائع ہو گیا ہو تو اس صورت میں خریدار کو دو باتوں میں اختیار حاصل ہوگا یا تو ناقص چیز ہی کو تمام ثمن کے بدلہ میں قبول کرے اور اس کے ساتھ اسے مزید کچھ اور نہیں ملے گا یا چاہے تو عقد فسخ کر دے اور ثمن واپس لے لے۔ ❸

فسخ اور رد کی کیفیت..... مبیع کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں۔

۱..... مبیع یا تو بائع کے پاس ہوگی اس صورت میں مشتری کے قول سے بیع فسخ ہو جائے گی اور مبیع وہ اپنے پاس رہنے دے۔ قاضی کے فیصلے کی چنداں ضرورت نہیں اور نہ ہی باہمی رضامندی کی ضرورت ہے یہ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک بالاتفاق ہے۔

۲..... مبیع یا تو خریدار کے قبضہ میں ہوگی تو اس صورت میں قاضی کے فیصلہ سے بیع فسخ ہوگی، حنفیہ کے نزدیک باہمی رضامندی سے بھی بیع فسخ ہو جاتی ہے چونکہ قبضہ کے بعد فسخ بیع حسب عقد ہوتا ہے۔

نیز عقد عاقدین میں سے کسی تنہا عاقد سے منعقد نہیں ہوتا اسی طرح دوسرے کی رضامندی کے بغیر عقد فسخ بھی نہیں ہوتا۔ اور قاضی کے فیصلہ کے بغیر بھی فسخ نہیں ہوتا بخلاف قبضہ سے پہلے عقد فسخ کرنے کے، چونکہ اس صورت میں صفقہ تام نہیں ہوتا بلکہ صفقہ قبضہ سے تمام ہوتا ہے، لہٰذا یہ قبضہ کے قائم مقام ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد خریدار کے یوں کہنے سے فسخ ہو جاتا ہے کہ میں نے بیع رد کر دی۔

قاضی کے فیصلہ کی چنداں ضرورت نہیں، اور بائع کی رضامندی کی بھی ضرورت نہیں چونکہ فسخ عقد کا صحیح ہونا قاضی کے فیصلہ کا محتاج نہیں۔ جیسے خیار شرط کی صورت میں بالاتفاق باہمی رضامندی کی ضرورت نہیں اسی طرح حنفیہ کے اصول کے مطابق خیار رویت میں بھی رضامندی کی ضرورت نہیں۔ ❹

عیب کا علم ہونے کے بعد عقد علی الفور فسخ کیا جائے یا علی التراخی؟:

حنفیہ اور حنابلہ..... کہتے ہیں: عیب کی وجہ سے مبیع کو رد کرنے کا خیار التراخی (تاخیر) پر مبنی ہے، یہ شرط نہیں کہ عیب کا علم ہوتے ہی فی الفور مبیع کو واپس کیا جائے، چنانچہ خریدار کو جب عیب کا علم ہوا اور اس نے مبیع کو واپس کرنے میں تاخیر کی تو خیار عیب باطل نہیں ہوگا، جب خریدار نے بائع کو عیب سے آگاہ کیا اور مبیع واپس کرنے میں اس کے ساتھ مخاصمت کی پھر مخاصمت ترک کر دی اور پھر مخاصمت کرنے کی طرف لوٹ آیا

❶..... البدائع ۵/ ۲۷۹۔ ❷فتح القدیر ۵/ ۱۵۱۔ ❸روضۃ للنووی ۳/ ۵۰۴، المغنی ۴/ ۱۰۹۔ ❹البدائع ۵/ ۲۸۱، مغنی المحتاج ۲/ ۵۷ المھذب ۱/ ۲۸۴۔

اور مبیع واپس کرنے کا مطالبہ کیا تو خریدار کو حق حاصل ہے کہ مبیع واپس کردے بشرطیکہ واپسی میں کوئی مانع نہ آڑے آئے، چونکہ خیار عیب متحقق ضرر اور نقصان کے دفعیہ کے لئے مشروع ہوا ہے، لہٰذا ردمبیع علی التراخی ہوگا جیسے قصاص علی التراخی ہوتا ہے، یہ بات قابل قبول نہیں کہ ردمبیع میں تاخیر کرنا مبیع کو اپنے پاس رکھنے پر رضامندی کی دلیل ہے۔ ❶

شافعیہ..... کہتے ہیں: عیب کا علم ہونے کے بعد ردمبیع (مبیع کو واپس کرنا) علی الفور شرط ہے، اگر خریدار کو عیب کا علم ہوا پھر مبیع واپس کرنے میں بلاعذر تاخیر کی تو حق رد باطل ہوجائے گا، علی الفور سے مراد اتنا وقت ہے جسے تراخی میں شمار نہ کیا جاتا ہو، چنانچہ عیب کا علم ہونے کے بعد خریدار اگر نماز میں مشغول ہوگیا یا کھانا کھانے میں مشغول ہوا تو اس کو تاخیر نہیں کہا جائے گا، اسی طرح اگر عیب کا علم ہونے کے بعد خریدار کسی مرض میں مبتلا ہوگیا، یا اسے کسی چور کو خوف ہوا یا کسی درندے کا خوف آڑے آ گیا تو حق رد ساقط نہیں ہوگا، خریدار کو عیب کا علم ہونے کے بعد حق رد حاصل رہے گا جب تک کہ اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جو رضامندی پر دلالت کرتا ہو، جیسے جانور کو استعمال میں لانا، کپڑا پہن لینا۔

شافعیہ کی دلیل یہ ہے کہ مبیع میں اصل لزوم ہے جبکہ عدم لزوم عارضی ہوتا ہے نیز خیار عیب شریعت سے ثابت ہوا ہے تا کہ مالی نقصان کا دفعیہ ہوسکے لہٰذا علی الفور ہوگا جیسے شفعہ علی الفور ہوتا ہے چنانچہ بلاعذر تاخیر سے حق رد باطل ہوجائے گا۔ ❷

پانچواں مقصد: عیب کی وجہ سے مبیع کو رد کرنے کے موانع اور سقوط خیار:

عیب کے ثابت ہونے کے بعد کچھ اسباب کی وجہ سے خیار ساقط ہوجاتا ہے اور بیع لازم ہوجاتی ہے، ان اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ بائع کے ضمان عیب کے التزام کے ثبوت کے بعد، ایک یہ ہے کہ بائع شروع سے ضمان عیب کو لازم نہ کرتا ہو۔

بائع کے ضمان عیب کے ثبوتِ التزام کے بعد جو سبب ہو اس کی درج ذیل صورتیں ہیں۔

ا..... عیب کا علم ہونے کے بعد عیب سے رضامند ہوجانا، یہ رضامندی یا تو صراحۃً ہوگی جیسے مثلاً خریدار کہے میں عیب سے رضامند ہوں، یا کہے: میں نے بیع نافذ کردی، یا رضامندی دلالۃً ہو جیسے خریدار نے مبیع میں ایسا تصرف کردیا جو واپس کرنے سے مانع ہو جیسے مثلاً کپڑے کو رنگ دیا یا کاٹ لیا یا زمین پر عمارت کھڑی کردی یا گندم پیس لی یا گوشت بھون لیا یا سامان آگے کسی اور کو فروخت کردیا یا ہبہ کردیا یا رہن میں رکھ لیا، یا کسی بھی طرح سے سامان کو اپنے استعمال میں لے آیا جیسے کپڑا پہن لیا یا جانور پر سواری کرلی یا مبیع کا علاج معالجہ کردیا۔ یا عیب کا عوض خریدار کو حقیقۃً مل گیا جیسے مبیع کو کسی اجنبی نے قتل کردیا اور اس کی پوری قیمت خریدار کو مل گئی۔

ان صورتوں میں مبیع کا واپس کرنا اس لئے ممنوع ہے چونکہ عقد میں مشروط سلامتی فوت ہوچکی ہے۔

نیز خریدار جب خود عیب سے راضی ہے تو گویا وہ اپنے نقصان سے راضی ہے، یہ نقصان حقِ عیب کو ساقط کرتا ہے اور عوض کی حالت میں جب عوض حاصل ہوجاتا ہے تو گویا عیب دار جزاء معنوی طور پر سلامتی سے واپس ہوگئی، چونکہ بدل کو قائم کرلیا گیا ہے، ظاہر الروایہ میں یہی ہے، چونکہ جب قیمت خریدار کو مل جاتی ہے تو قیمت اصل چیز کے قائم مقام ہوتی ہے لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسے خریدار نے چیز آگے فروخت کردی ہو۔

۲..... صراحۃً خیار کو ساقط کردینا مثلاً خریدار یوں کہے: میں نے خیار ساقط کردیا یا میں نے خیار عیب باطل کردیا یا میں نے بیع لازم کردی یا واجب کردی یا ایسی بات کہے جو ان فقروں کے معنی میں ہو۔ اور وہ سبب کہ بائع شروع سے ہی ضمان کا پابند ہو اس کے علاوہ ردممنوع ہو اس کی صورتیں یہ ہیں۔

ا۔ طبعی مانع..... اس کا حاصل یہ ہے کہ خرید کردہ سامان آسمانی آفت سے ضائع ہوجائے، یا مبیع اپنے فعل سے ضائع ہوجائے یا

❶..... ردالمحتار ۹۳/۴، المغنی ۱۴۴/۴، غایۃ المنتہی ۴۱/۲۔ ❷ مغنی المحتاج ۵۶/۲، المهذب ۲۸۴/۱۔

خریدار سامان کو استعمال میں لے آئے جیسے غلہ تھا وہ کھالیا، ان صورتوں میں واپسی ممنوع ہوگی چونکہ مبیع ضائع ہوچکی، خریدار کے لئے نقصان عیب سے رجوع کرنے کا حق ثابت ہوجائے گا۔ ❶

۲۔شرعی مانع.....اس کا حاصل یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے مبیع میں متصل اضافہ پیدا ہوجائے جو اصل مبیع سے پیدا شدہ ہو جیسے کپڑے کو رنگ دینا، زمین پر عمارت کھڑی کردینا، یا قبضہ کے بعد متصل اضافہ کردیا جائے جو اصل سے پیدا شدہ نہ ہو یا مبیع سے جدا اضافہ پیدا کردیا جائے جو اصل سے پیدا شدہ ہو جیسے بکری نے بچہ جنم دے دیا یا درختوں پر پھل آگئے تو ان اضافہ جات کی صورتوں میں مبیع کو عیب کی وجہ سے واپس کرنا ممنوع ہوگا جبکہ اضافہ جات کی بقیہ صورتیں ردمبیع سے مانع نہیں۔اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ ❷

مبیع میں اضافہ.....یہ اضافہ یا تو قبضہ سے پہلے ہوگا یا قبضہ کے بعد، پھر ان دونوں صورتوں کی مزید دو دو صورتیں ہیں یا تو اضافہ متصل ہوگا یا منفصل (جدا)۔

اضافہ قبضہ سے پہلے ہو:ا.....اضافہ متصل ہو، یا تو اضافہ اصل سے پیدا شدہ ہوگا جیسے مبیع میں عمدگی اور حسن و جمال اور فربہی تو اس صورت میں مبیع کو واپس کرنا ممنوع نہیں چونکہ یہ اضافہ اصل چیز کے تابع ہے۔

یا اضافہ اصل سے پیدا شدہ نہیں ہوگا جیسے کپڑے کو رنگ دینا یا سی لینا، زمین میں عمارت کھڑی کردینا یا باغ لگالینا، یہ اضافہ ردمبیع سے مانع ہے چونکہ یہاں اصل بذاتہ قائم ہے تابع نہیں لہٰذا اس کے بغیر مبیع کو واپس کرنا ممکن نہیں، لہٰذا واپسی دشوار ہے اور اس اضافہ کے ساتھ مبیع واپس ہو نہیں سکتی چونکہ یہ مبیع کے تابع نہیں لہٰذا فسخ میں تابع نہیں۔

۲.....اضافہ منفصل ہو۔اسی طرح یہ اضافہ بھی یا تو اصل سے پیدا شدہ ہوگا جیسے بچہ، پھل، دودھ اس صورت میں یہ اضافہ واپسی کے مانع نہیں، خریدار اگر چاہے تو اصل اور اضافہ دونوں کو واپس کردے اور اگر دونوں سے راضی ہو تو کل ثمن بائع کو دے۔

یا اضافہ اصل سے پیدا شدہ نہیں ہوگا جیسے کمائی، صدقہ، پیداوار تو اس صورت میں یہ اضافہ واپسی سے مانع نہیں چونکہ یہ اضافہ مبیع نہیں بلکہ یہ اصل ملک کے ساتھ ہے۔

وہ اضافہ جو قبضہ کے بعد مبیع میں پیدا ہو.....یعنی خریدار کے پاس یہ اضافہ ظاہر ہو۔

ا.....اگر اضافہ اصل سے پیدا ہوا ہو جیسے چوپائے میں فربہی تو آئمہ اربعہ کے نزدیک یہ اضافہ واپسی کے مانع نہیں ہوگا اور عیب کا حکم اپنے اصلی موجب پر باقی رہے گا یعنی خریدار اگر راضی ہو تو اصل کے ساتھ اضافہ کو بھی واپس کردے، اگر راضی نہ ہو اور عیب کا نقصان لینے کا خواہش مند ہو جبکہ بائع واپسی کا مطالبہ کرتا ہو اور خریدار سے پورے ثمن کا مطالبہ کرتا ہو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک بائع مکر نہیں سکتا بلکہ خریدار بائع سے عیب کا نقصان وصول کرسکتا ہے، چونکہ متصل اضافہ قبضہ کے بعد فسخ کے مانع ہوتا ہے جبکہ جس فریق کے پاس اضافہ ہوا ہے اس کی طرف سے رضامندی نہیں پائی گئی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بائع کو حق حاصل ہے کہ وہ مکر جائے، جبکہ خریدار بائع سے نقصان نہیں لے سکتا، چونکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متصل اضافہ فسخ عقد کے مانع نہیں ہوتا، اختلاف دراصل اس مسئلہ میں ہے کہ جب مہر میں متصل اضافہ کردیا گیا ہو اور اضافہ قبضہ کے بعد کیا گیا ہو اور عورت کو رخصتی (دخول) سے قبل طلاق دے دی گئی ہو۔

اگر اضافہ اصل سے پیدا شدہ نہ ہو تو یہ اضافہ بالاتفاق ردمبیع سے مانع ہوگا، چونکہ یہ اضافہ خریدار کی ملکیت ہے، بائع اضافہ کو لینے کا حق

---

❶.....البدائع ۵/ ۲۸۲ ردالمحتار ۴/ ۸۶ مجمع الضمانات ص ۲۱۹ عقد البیع للاستاذ الزرقاء ص ۱۱۰ مغنی المحتاج ۲/ ۵۴۔

❷البدائع ۵/ ۲۸۳، التقریرات علی ردالمحتار ۴/ ۸۵، عقد البیع ص ۱۱۱۔

نہیں رکھتا چونکہ یہ اضافہ بغیر کسی بدل کے ہوگا اس صورت میں نقصان عیب سے رجوع متعین ہے۔ ❶

۲.....اگر اضافہ منفصل ہو (یعنی اصل مبیع سے جدا ہو) پھر اگر یہ اضافہ اصل سے پیدا شدہ ہو جیسے بچہ، پھل دودھ وغیرہ تو یہ اضافہ حنفیہ کے نزدیک رد سے مانع ہوگا، چونکہ اگر صرف اصل واپس کی جائے تو اضافہ خریدار کے پاس بلا مقابل رہ جائے گا اور یہ شرعاً ممنوع ہے چونکہ یہ سود ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: یہ اضافہ واپسی سے مانع نہیں، یہ اضافہ قبضہ کے بعد خریدار کی ملکیت ہوگا۔

چونکہ یہ اضافہ خریدار کی ملک میں پیدا ہوا ہے، لہٰذا واپسی مانع نہیں یہ اضافہ ایسا ہی ہے جیسے اصل سے پیدا شدہ نہ ہو، اس کی دوسری دلیل یہ حدیث بھی ہے۔ "ایک شخص نے کسی دوسرے شخص سے غلام خریدا غلام خریدار کے پاس کچھ عرصہ تک رہا پھر خریدار نے غلام میں کوئی عیب پایا، خریدار نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں دعویٰ کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام بائع کو واپس کر دیا، بائع نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے غلام کی آمدنی کہاں جائے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حاصل ہونے والا منافع ضمان کے بدلہ میں ہے۔ ❷ یعنی مبیع سے حاصل ہونے والے فوائد اور آمدنی خریدار کی ملکیت ہے چونکہ اگر مبیع ضائع (ہلاک) ہو جاتی تو اس کے ضمان میں پڑتی، ثمن کو مبیع پر قیاس کر لیا گیا ہے۔

اگر اضافہ اصل سے پیدا شدہ نہ ہو جیسے کمائی، صدقہ، تو یہ اضافہ ردِ مبیع سے مانع نہیں ہوگا چنانچہ اصل مبیع بائع کو واپس کر دی جائے گی، جو اضافہ ہے وہ خریدار کے لئے طیب اور حلال ہے۔ چونکہ یہ اضافہ در اصل مبیع نہیں لہٰذا بغیر اضافہ کے فسخ عقد ممکن ہے۔

۳: بائع کے حق کے بسبب مانع...... اس کا حاصل یہ ہے کہ خریدار کے پاس کوئی اور نیا عیب پیدا ہو جائے جبکہ مبیع میں بائع کے پاس پرانا عیب بھی تھا، جیسے مثلاً خریدار کے پاس جانور کی کوئی ٹانگ ٹوٹ جائے، اور پھر جانور میں کوئی پرانی بیماری بھی ظاہر ہو جائے جو بائع کے پاس کی ہو، چونکہ مبیع بائع کے پاس سے جب نکلی تو اس میں صرف ایک عیب تھا، اگر اب خریدار مبیع کو واپس کرے گا تو دو عیبوں کے ساتھ واپس کرے گا یوں اس میں بائع کا نقصان ہے جبکہ واپسی کی شرط یہ ہے کہ مبیع کو اسی حالت پر واپس کرنا ہوتا ہے جس حالت پر مبیع خریدار نے لی ہو، لہٰذا خریدار بائع سے نقصان لے، اگر نیا عیب جاتا رہے مثلاً جانور صحت یاب ہو گیا تو موجب اصلی واپس لوٹ آئے گا یعنی واپسی کا حق اب پھر لوٹ آئے گا، گویا خریدار مبیع کو واپس کر سکتا ہے۔ ❸

۴: مانع بسبب حق غیر...... جیسے خریدار اپنی ملکیت سے بذریعہ عقد مبیع کو نکال دے مثلاً کسی دوسرے کو فروخت کر دے یا ہبہ کر دے یا صلح میں دے دے، پھر خریدار کو آگاہی ہو کہ مبیع میں پرانا عیب ہے تو اب پہلے خریدار کے لئے ممکن نہیں رہا کہ وہ اپنے بائع کے ساتھ بیع کو فسخ کر دے چونکہ مبیع کے ساتھ جدید حق وابستہ ہو چکا ہے۔ ❹

۵: خریدار کا مبیع کو ضائع کر دینا...... جیسے مثلاً مبیع کوئی جانور تھا جسے خریدار نے قتل کر دیا، یا کپڑا تھا جو خریدار نے پھاڑ لیا، پھر خریدار کو پتہ چلا کہ اس میں کوئی پرانا عیب ہے تو اس صورت میں خریدار پر طے شدہ ثمن کی ادائیگی متعین ہو جائے گی اور وہ نقصان بھی نہیں لے سکتا، اس عیب اور مانع بسبب حق غیر میں فرق یہ ہے کہ دوسری صورت میں مانع کا زائل ہونا محتمل ہے یوں حق رد لوٹ آئے گا جبکہ پہلی صورت میں مانع کے زائل ہونے کا کوئی احتمال نہیں۔ ❺

---

❶..... یعنی عیب دار مبیع کی قیمت لگائی جائے گی اور یہی مبیع اگر بے عیب ہو تو اس کی قیمت لگائی جائے گی دونوں قیمتوں میں جو فرق ہوگا خریدار وہ فرق واپس لے لے مثلاً بے عیب مبیع ۵۰۰۔ عیب دار ۴۰۰ سو (۱۰۰) روپے خریدار واپس لے لے۔ ❷رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ عن عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا وهذه الرواية لابی داؤد (اجامع الاصول ۲/۲۸) نيل الاوطار (۵/۲۱۳)۔ ❸البدائع ۵/۲۸۳، ردالمحتار ۴/۸۲ عقد البیع ص ۱۱۱۔ ❹عقد البیع المرجع السابق ❺عقد البیع ص ۱۱۲

جب خریدار کے پاس مبیع میں عیب ثابت ہو جائے پھر خریدار کو آگاہی ہو کہ یہ عیب بائع کے پاس بیع میں پیدا ہوا ہے تو خریدار بائع سے نقصان لے سکتا ہے اور مبیع کو واپس نہ کرے ہاں البتہ بائع مبیع کو بعینہ واپس لینے میں بہتری سمجھے تو لے سکتا ہے، قیمت نقصان کا اعتبار بیع کے دن کا ہوگا۔ ❶

خلاصہ..... بائع سے نقصان عیب کے فرق کا مطالبہ تین صورتوں میں جائز ہے، مبیع ہلاک ہو جائے مبیع میں نیا عیب پیدا ہو جائے، مبیع کی صورت ہی تبدیل ہو جائے یہاں تک کہ اس کا دوسرا نام بن جائے۔

ملاحظہ..... ملحوظ رہے کہ مذکورہ موانع میں کلام تب ہے جب خریدار بذات خود عاقد ہو اگر خریدار کسی دوسرے شخص کا عاقد ہو تو اس میں درج ذیل تفصیل ہے۔

اگر خریدار کسی دوسرے شخص کا عاقد ہو جو ان لوگوں میں سے ہو جن پر نقصان عیب لینے کا دعویٰ کیا جا سکتا ہو جیسے وکیل، شریک، مضارب اس پر دعویٰ کیا جائے گا اور عیب دار مبیع بائع کو واپس کی جائے گی۔

چونکہ عیب کی وجہ سے مبیع کو واپس کرنا حقوق عقد میں سے ہے جبکہ حقوق عقد عاقد کی طرف راجع ہوتے ہیں جب عاقد ان لوگوں میں سے ہو جن پر دعویٰ کیا جا سکتا ہو جیسے عاقد جو اپنے لئے عقد کر رہا ہو۔

اگر عاقد ایسا شخص ہے جسے خصومت (دعویٰ) لازم نہ ہوتی ہو جیسے قاضی، حکمران جب یہ اختیار ولایت استعمال کرتے ہوئے عقد کر دیں تو وہ کسی مدمقابل کو کھڑا کرے جو عیب میں کیس لڑے چنانچہ اس پر جو فیصلہ ہو وہ فیصلہ اس شخص پر لاگو ہوگا جس کے لئے تصرف کا وقوع ہوا ہو۔ اگر تصرف مسلمان کے لئے ہو تو مبیع بیت المال میں جمع کی جائے گی۔

اگر عاقد بچہ ہو جس پر پابندی لگادی گئی ہو اور اس نے کسی انسان کی اجازت سے خرید و فروخت کی ہو تو اسے خصومت لازم نہیں ہوگی اور نہ ہی اس پر ضمان آئے گا، بلکہ خصومت (کیس لڑنا) اس شخص کی ذمہ داری ہے جس نے اس کو تصرف میں وکیل بنایا ہے چونکہ عقد کا حکم مؤکل کی طرف لوٹتا ہے جبکہ عاقد پر حقوق عقد عائد نہیں ہوتے، لہٰذا خصومت کا دار و مدار تصرف کی سرزدگی پر ہے جیسے اصد اور وکیل نکاح۔

چھٹا مقصد: عیوب سے برأت کی شرط کے متعلق فقہاء کی مختلف آراء..... بائع جب ضمان عیب سے بری الذمہ ہونے کی شرط لگادے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، چنانچہ ظاہری حالت کی سلامتی سے خریدار رضا مند ہو جاتا ہے اور پھر بعد میں مبیع میں عیب ظاہر ہو جاتا ہے جو پرانا ہوتا ہے۔ ❷

حنفیہ..... کہتے ہیں: ہر طرح کے عیب سے برأت کی شرط کے ساتھ بیع صحیح ہوتی ہے اگر چہ عیوب کے نام لے کر تعیین نہ بھی کی ہو، برابر ہے کہ بائع مبیع میں عیب کے پائے جانے سے ناواقف ہو اور یہ شرط احتیاطاً لگادے یا اسے عیب کا علم ہو اور عیب کو خریدار سے چھپانا چاہتا ہو گویا بائع اس شرط کو اپنی بدنیتی کے آگے ڈھارس بنانا چاہتا ہے، لہٰذا بیع صحیح ہے، چونکہ بری الذمہ ہونا اسقاط ہے، تملیک نہیں، اور اسقاط ایسی جہالت نہیں جو نزاع تک پہنچائے، چونکہ یہاں سپردگی کی حاجت نہیں ہوتی، یہ شرط ہر اس عیب کو شامل ہوتی ہے جو بیع سے قبل موجود ہو یا بیع کے بعد اور قبضہ سے پہلے پیدا ہوا ہو، اس وقت مبیع عیب کی وجہ سے واپس نہیں کی جائے گی، ظاہر الروایہ میں یہ مذہب امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہر کیا گیا ہے۔

---

❶.....مجمع الضمانات ص ۲۲۰ فتح القدير ۵/ ۱۶۴۔ ❷المدخل الفقهي العام ص ۳۷۷ عقد البيع ص ۱۰۷۔

چونکہ برأت کی شرط کی غرض یہ ہوتی ہے کہ خریدار اپنے حق کو ساقط کر کے عقد کو لازم کرتا ہے، تاکہ بیع ہر حال میں لازم ہو جائے، یہ غرض تبھی متحقق ہوتی ہے جب مبیع سپرد کرنے سے قبل عیب پیدا ہوا ہو، گویا عیب بیع میں ضمناً داخل ہوتا ہے۔

امام محمد، امام زفر، حسن بن زیاد، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ علیہم..... کہتے ہیں اور یہی مذہب ہمارے سول قانون میں شامل کیا گیا ہے اور معمول اسی پر ہے، عیب سے برأت صرف عقد کے وقت موجود عیب کو شامل ہوگی، عقد کے بعد پیدا ہونے والے عیب کو شامل نہیں ہوگی چونکہ برأت موجودہ چیز کو شامل ہوتی ہے چونکہ معدوم چیز سے برأت متصور نہیں ہوتی، اور جو عیب عقد کے بعد پیدا ہوا اس کو برأت شامل نہیں ہوتی لہٰذا نو پید عیب برأت میں نہیں آئے گا۔ ❶

یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب بائع کہے کہ میں نے تمہیں مطلقاً ہر طرح کے عیب سے بری کر دیا، اگر بائع یوں کہے: میں نے تمہیں یہ چیز اس شرط پر فروخت کی کہ میں ہر طرح کے عیب سے بری ہوں، بالاتفاق اس میں نو پید عیب داخل نہیں ہوگا چونکہ عیب برأت کو عام نہیں ہوتا بلکہ یہ عقد کے وقت موجودہ عیب کے ساتھ خاص ہے۔

امام محمد، زفر اور حسن رحمہم اللہ کے قول کے مطابق جب برأت عام عیوب سے ہو اور پھر بائع اور خریدار کے درمیان عیب کے موجود ہونے میں اختلاف ہو جائے بائع کہے: عقد کے وقت یہ عیب موجود تھا لہٰذا برأت میں داخل ہوگا اور خریدار کہے: بلکہ یہ عیب نو پید ہے لہٰذا برأت میں داخل نہیں ہوگا، اسی تفصیل کی بنیاد پر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بائع کا قول معتبر ہوگا لیکن ساتھ اسے قسم اٹھانی ہوگی۔ چونکہ برأ عام ہے اور خریدار عموم برأت کے بعد حق رد کا مطالبہ کرتا ہے، بائع اس کا انکار کرتا ہے لہٰذا بائع کا قول معتبر ہے۔

جبکہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ اور امام حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: خریدار کا قول معتبر ہوگا چونکہ اصل ثبوت حق ہے جبکہ خریدار پر برأت پڑ رہی ہوتی ہے لہٰذا برأت کی مقدار میں خریدار کا قول معتبر ہوگا۔ ❷

اسی طرح یہ شرط ظاہری اور باطنی عیوب میں سے ہر عیب کو شامل ہوگی چونکہ عیب کا اطلاق ہر طرح کے عیب پر ہوتا ہے۔

ہر طرح کی بیماری سے برأت..... جب بائع نے کہا کہ میں نے تمہیں ہر طرح کی بیماری سے بری الذمہ کر دیا۔

اس کا اطلاق ہر ظاہری عیب پر ہوگا۔ باطنی عیب جیسے تلی کی بیماری وغیرہ پر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اطلاق نہیں ہوگا، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ اس کا اطلاق ہر باطنی عیب پر بھی ہوگا، جیسے تلی کی بیماری، حیض کا فاسد ہونا، رہی بات ظاہری عیب کی سو اسے مرض سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

بعض حنفیہ جن میں ایک صاحب درمختار بھی ہیں نے دوسری رائے کو راجح قرار دیا ہے چونکہ عادۃً یہی معروف ہے۔ البتہ مذہب میں پہلی رائے مشہور ہے، یعنی اس کا اطلاق ہر بیماری پر ہوگا۔ چونکہ بیماری عام ہے خواہ پیٹ میں ہو یا کہیں اور، جبکہ عرف یہاں لغت کے موافق ہے۔ ❸

اگر بائع نے ہر طرح کی بری عادت سے برأت ظاہر کی تو اس کا اطلاق چوری، بھاگنے اور زنا کاری پر ہوگا اور ہر وہ عیب جو تاجروں کے ہاں عیب سمجھا جاتا ہو اس پر بھی اطلاق ہوگا۔ ❹

جب برأت کو بعض عیوب سے مخصوص کر لیا جائے تو ان کے علاوہ دوسرے عیوب کو برأت شامل نہیں ہوگی، جیسے خارج وغیرہ سے برأت کر دی، چونکہ نوع خاص میں حق خود ساقط کر دیا ہے۔ ❺

---

❶..... البدائع ۵/۲۷۷، فتح القدیر ۵/۱۸۲ رد المحتار ۴/۱۰۰۔ ❷ البدائع ۵/۲۷۷۔ ❸ البدائع ۵/۲۷۸، ورد المحتار ۴/۱۰۰۔ ❹ البدائع ۵/۲۷۷۔ ❺ ۵/۲۷۸

جب برأت کسی ایک عیب کے ساتھ خاص ہو جو عقد طے ہوتے وقت موجود ہو اور مشتری نے اسے معین کیا ہو پھر متعاقدین کا اختلاف ہو، بائع کہے: یہ عیب پہلے سے تھا، خریدار کہے: قبضہ سے پہلے پیدا ہوا ہے تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: خریدار کا قول معتبر ہوگا، چونکہ یہ برأت عقد کے طے ہونے کے وقت کے ساتھ خاص ہے اور برأت اسی عقد کو شامل ہو جو عقد ہوتے وقت موجود ہوا ہو۔ خریدار جس عیب کا دعویٰ کر رہا ہے وہ دونوں وقتوں کے قریب تر ہوتا ہے جبکہ بائع دور کے عیب کا دعویٰ کر رہا ہے، گویا ظاہری حالت خریدار کے حق میں ہے۔ ❶ یہ عام عیوب سے برأت کی شرط کے متعلق حنفیہ کا مذہب ہے۔

دوسرے آئمہ کے مذاہب حسب ذیل ہیں۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: عیوب سے برأت کی شرط لگانا صحیح نہیں البتہ ایسا عیب جو غلام میں پایا جاتا ہو اور بائع کو اس کا علم نہ ہو اس سے برأت کرنا صحیح ہے، جبکہ غلام کو بائع کے پاس طویل مدت گزری ہو، البتہ وہ عیب جس کا بائع کو علم نہ ہو یا عیب غلام کے علاوہ کسی اور چیز میں ہو یا عیب غلام میں ہو لیکن غلام کو بائع کے پاس زیادہ مدت نہ ہوئی ہو تو ایسے عیب سے برأت کرنا صحیح نہیں۔ ❷

شافعیہ...... کہتے ہیں: اگر عیوب سے برأت کر کے بائع نے کوئی چیز فروخت کی تو ظاہر یہی ہے کہ وہ ہر طرح کے عیب سے برأت کرتا ہے جو جانور کے باطن میں ہو۔ جبکہ بائع کو اس کا علم نہیں ہوتا، جانور کے علاوہ عیب سے برأت نہیں کر سکتا جیسے کپڑے اور زمین، اسی طرح حیوان کے ظاہری عیب سے بھی برأت نہیں کر سکتا، خواہ بائع کو اس کا علم ہو یا نہ ہو، اسی طرح جانور کے باطنی عیب سے بھی برأت نہیں کر سکتا جو کہ بائع کو معلوم ہو، باطنی عیب سے مراد وہ عیب ہے جس پر غالب احوال میں اطلاع نہ ہوتی ہو۔

برأت اسی عیب سے ہوگی جو عقد کے انعقاد کے وقت مبیع میں موجود ہو، اس عیب سے برأت نہیں ہوگی جو قبضہ سے قبل ہو۔ اگر عیب کے پرانا ہونے میں عاقدین کا اختلاف ہو جائے تو بائع کی تصدیق کی جائے گی۔

اگر بائع نے ایسے عیب سے برأت کی شرط لگائی جو قبضہ سے پہلے پیدا ہوا ہو اگر موجود عیب سے بھی ہو تو اصح مذہب میں یہ شرط صحیح نہیں، چونکہ برأت کسی چیز کے ثبوت سے قبل اسقاط ہوتی ہے۔

حنابلہ...... کے نزدیک دو روایتیں ہیں جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں، ایک روایت کے مطابق یہ مقرر ہے کہ بائع بری الذمہ نہیں ہوگا مگر اسی عیب سے جو خریدار کو معلوم ہو، یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، دوسری روایت میں یہ مقرر ہے کہ بائع پر اس عیب سے برأت کر سکتا ہے جسے وہ جانتا نہ ہو اور جس عیب کا اسے علم ہو اس سے برأت نہیں کر سکتا۔

ابن قدامہ وغیرہ نے یہ صورت اختیار کی ہے کہ جو شخص جانور یا کوئی اور چیز خریدے اور خریداری میں ہر طرح کے عیب سے برأت کر دی گئی ہو یا کسی معین موجود عیب سے برأت کر دی گئی ہو تو برأت نہیں ہوگی برابر ہے عیب کا بائع کو علم ہو یا علم نہ ہو۔ ❸

۱۴: **خیار رؤیت**...... بعض مؤلفین نے خیار رؤیت کو خیار عیب سے پہلے ذکر کیا ہے، خیار رؤیت خیار عیب سے زیادہ قوی ہے، اس لئے کہ خیار رؤیت تمام بیع کے مانع ہوتا ہے، رہی بات خیار عیب کی سو یہ لزوم حکم سے مانع ہوتا ہے، جبکہ لزوم بیع تمام بیع کے بعد ہوتا ہے، میں نے ان مؤلفین کے خلاف کیا ہے اور خیار عیب کو خیار رؤیت سے پہلے ذکر کیا ہے، چونکہ خیار رؤیت، خیار شرط اور خیار عیب کے مشابہ ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں میں نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ نیز خیار شرط، خیار عیب اور خیار تعیین متعاقدین کے شرط لگانے سے ثابت ہوتے ہیں، رہی بات خیار رؤیت کی سو یہ شرعی پہلو سے ثابت ہے۔

---

❶......البدائع ۲۷۸/۵۔ ❷حاشیة الدسوقی ۱۱۹/۳ القوانین الفقهیة ص ۲۶۵، الشرح الصغیر ۱۶۴/۳۔ ❸المغنی ۱۷۸/۴، غایة المنتهی ۲۷/۲۔

خاکہ موضوع.....خیار رؤیت کے متعلق کلام درج ذیل مقاصد کے موافق ہوگا۔

پہلا مقصد.....خیار رؤیت کی مشروعیت۔

دوسرا مقصد.....ثبوت خیار کا وقت۔

تیسرا مقصد.....ثبوت خیار کی کیفیت۔

چوتھا مقصد.....خیار رؤیت والی بیع کی صفت اور حکم۔

پانچواں مقصد.....ثبوت خیار کی شرائط اور توابع۔

چھٹا مقصد.....وہ امور جن سے خیار ساقط ہو جاتا ہے۔

ساتواں مقصد: وہ امور جن سے عقد فسخ ہو جاتا ہے اور فسخ کی شرائط

پہلا مقصد: خیار رؤیت کی مشروعیت..... جو چیز خریدار نے دیکھی نہ ہو حنفیہ ایسی چیز کے خریدنے کو جائز قرار دیتے ہیں اور خریدار کو خیار رؤیت حاصل ہوگا۔ یعنی خرید کردہ سامان کو دیکھنے کے بعد خریدار کو اختیار حاصل ہوگا چاہے کل ثمن کے بدلہ میں سامان لے لے چاہے رد کر دے، اسی طرح اگر خریدار نے کہا کہ میں رضامند ہوں پھر خریدار نے سامان دیکھا اسے اختیار حاصل ہے کہ وہ اسے رد کر دے، چونکہ خیار رؤیت یعنی سامان کو دیکھ لینے پر معلق ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آرہا ہے، چونکہ کسی چیز سے راضی ہونا اس کے اوصاف کو جان لینے سے پہلے متحقق نہیں ہوتا لہٰذا خریدار کا کہنا کہ میں اس سے راضی ہوں، کا کوئی اعتبار نہیں، اس کا یہ کہنا رؤیت سے قبل ہے۔

فقہاء حنفیہ نے خیار رؤیت کا استدلال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کیا ہے۔ ”جس شخص نے بن دیکھے کوئی چیز خریدی تو جب وہ اسے دیکھے اسے خیار حاصل ہوگا۔ ❶

حنفیہ کا دوسرا استدلال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ انہوں نے حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زمین کا ایک ٹکڑا خریدا جبکہ دونوں نے یہ زمین نہیں دیکھی تھی، چنانچہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ تم نے دھوکا کھایا ہے۔

انہوں نے کہا: مجھے خیار حاصل ہے چونکہ میں نے ایسی چیز خریدی ہے جو میں نے دیکھی نہیں،“ چنانچہ دونوں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے پاس فیصلہ کرانے حاضر ہوئے چنانچہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے خیار کا فیصلہ دیا۔“ ❷ یعنی خیار خریدار کو دیا گیا اور بائع کو نہیں دیا گیا اگر بائع نے بن دیکھے زمین فروخت کر دی تھی۔

یہ واقعہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی موجودگی میں رونما ہوا تھا اس پر کسی نے انکار نہیں کیا تو گویا خیار رؤیت کی مشروعیت پر صحابہؓ کا اجماع ہے۔ فقہاء نے عقلی دلیل سے بھی استدلال کیا ہے کہ جہالت وصف رضامندی میں اثر کرتی ہے جس سے رضامندی میں خلل پڑ جاتا ہے، رضامندی میں خلل پڑنے سے خیار واجب ہو جاتا ہے۔

ان دلائل کی روشنی میں حنفیہ نے ایسی چیز جو مجلس عقد سے غائب ہو اس کی صفت بیان کئے بغیر اس کی بیع کو جائز قرار دیا ہے البتہ خریدار کو خیار رؤیت حاصل ہوگا یا صفت مرغوبہ نہ ہو تو خریدار کو خیار وصف حاصل ہوگا جیسا کہ اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے، چنانچہ خریدار جب مبیع کو دیکھے گا تو اسے خیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو بیع نافذ کر دے اگر چاہے رد کر دے، برابر ہے کہ مبیع صفت کے موافق ہو یا مخالف،

---

❶.....روى مسندًا ومرسلاً فالمسند عن ابى هريرة والمرسل عن مكحول قال النووى اتفق الحفاظ على تضعيفه. ❷اخرجه الطحاوى والبيهقى عن علقمه بن ابى وقاص.(نصب الراية ۴/۹)

ہر حال میں خیار ثابت ہوگا۔ جب بائع بن دیکھے کسی چیز کو فروخت کردے تو حنفیہ نے اس کے لئے خیار رؤیت کو جائز قرار نہیں دیا ہے، جیسے مثلاً کسی دوسرے شہر میں بائع ایک چیز کا وارث بنا جو اس نے دیکھی نہیں وہ دیکھنے سے پہلے اسے فروخت کردے تو بیع صحیح ہے، حنفیہ کے نزدیک بائع کو خیار حاصل نہیں ہوگا۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قبل ازیں کہتے تھے کہ بائع کو خیار حاصل ہوگا پھر امام صاحب رحمہ اللہ نے اس قول سے رجوع کرلیا۔ ❶

بائع کو خیار نہ ملنے اور خریدار کو خیار ملنے کی وجہ فرق معقولی (عقلی دلیل) ہے۔ چنانچہ فروخت کنندہ جس چیز کو فروخت کررہا ہوتا ہے اسے بخوبی جانتا ہوتا ہے جبکہ خریدار اس کی بنسبت کم جانتا ہوتا ہے۔ اس لئے بائع کے لئے ثبوت خیار کی چنداں ضرورت نہیں۔ البتہ بائع کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ بیع سے قبل اپنی چیز کو دیکھ لے تاکہ دھوکا کھانے کی وجہ سے فسخ عقد کا مطالبہ نہ کرے۔ ❷

مالکیہ...... نے خریدار کے لئے صرف خیار وصف کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ مالکیہ کہتے ہیں: غائب چیز کے اوصاف اگر بیان کردیئے جائیں تو اس کی بیع جائز ہے بشرطیکہ قبضہ سے پہلے اس چیز میں کوئی تبدیلی نہ آئی ہو، جب وہ چیز بیان کردہ اوصاف کے مطابق نکلی تو عقد لازم ہوجائے گا۔ ❸

حنابلہ...... نے بھی مالکیہ کی طرح صرف خیار وصف کو جائز قرار دیا ہے چنانچہ حنابلہ کہتے ہیں: غائب چیز کے اوصاف جب خریدار سے بیان کردیئے جائیں تو اس کی بیع جائز ہوتی ہے چونکہ یہ بیع باعتبار صفت کے ہے جیسے بیع سلم میں مبیع کی صفات بیان کردی جاتی ہیں۔ چنانچہ صفات بیان کردینے سے مبیع کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے۔ صفات کو بیان کردینا کافی ہوتا ہے جیسے بیع سلم میں صفات کو بیان کردینا کافی ہوتا ہے۔ البتہ رؤیت کے لئے ہلکی پھلکی صفات کا اعتبار نہیں ہوگا، جب خریدار مبیع کو بیان کردہ صفات کے مطابق پائے گا تو عقد لازم ہوجائے گا اور اسے فسخ عقد کا حق نہیں رہے گا۔

حنابلہ میں دو روایتوں میں سے ظاہر روایت میں ایسی غائب چیز کی بیع کو جائز قرار نہیں دیا جس کے اوصاف بیان نہ کئے گئے ہوں اور بیع سے قبل انسے دیکھا بھی نہ گیا ہو جیسا کہ بیوع فاسدہ کی بحث میں مالکیہ کے مذہب میں گذر چکا ہے

چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے۔ ❹ نیز بائع نے ایسی چیز کو فروخت کیا ہے جس کو اس نے دیکھا نہیں اور نہ ہی اس کے اوصاف بیان کئے ہیں، لہٰذا بیع صحیح نہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے کھجور میں گٹھلی کی بیع۔

رہی بات خیار رؤیت والی حدیث کی سو وہ عمر بن ابراہیم کردی سے مروی ہے اور وہ متروک الحدیث ہے، نیز حدیث میں یہ بھی احتمال ہے کہ عاقد کو عقد نافذ کرنے اور ترک کرنے میں اختیار ہو۔ ❺

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ...... نے جدید مذہب کے مطابق فرمایا ہے کہ غائب چیز کی بیع سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتی، برابر ہے اس کے اوصاف بیان کردیئے گئے ہوں یا نہ بیان کئے ہوں،" ان کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے۔" اس بیع میں غرر ہوتا ہے لہٰذا جہالت کے ہوتے ہوئے بیوع صحیح نہیں ہوتیں جیسے بیع سلم صحیح نہیں ہوتی، نیز یہ ایسی چیز کی بیع ہے جو انسان کے پاس موجود نہیں ہوتی یعنی یہ چیز مجلس عقد میں موجود نہیں ہوتی اور نہ ہی خریدار نے دیکھی ہوتی ہے۔ رہی یہ حدیث "جس شخص نے بن دیکھے کوئی چیز خریدی تو اسے دیکھنے کے بعد خیار حاصل ہوگا" سو یہ ضعیف حدیث ہے جیسا کہ امام بیہقی نے کہا ہے،

---

❶......المبسوط ۱۳/۶۹، فتح القدیر مع العنایۃ ۵/۱۳۷، البدائع ۵/۲۹۲، ردالمحتار ۴/۶۸۔ ❷......الاموال ونظریۃ العقد ص ۴۸۱۔ ❸بدایۃ المجتہد ۲/۱۵۴، حاشیۃ الدسوقی ۳/۲۵ (۴) رواہ احمد واصحاب السنن الاربعۃ عن ابی ہریرۃ ورواہ ایضاً الطبرانی فی الکبیر عن ابن عباسؓ (۵) المغنی ۳/۵۸۰، المحلی ۸/۳۹۴۔

اوردارقطنی نے اس حدیث کو باطل قراردیا ہے۔

ظاہری مذہب کے مطابق شافعیہ کہتے ہیں کہ عقد سے قبل مبیع کو دیکھ لینا کافی ہے بشرط یہ کہ عقد کے وقت تک اس چیز میں تغیر نہ آتا ہو جیسے زمین اور لوہا۔ جبکہ وہ چیزیں جو متغیر ہوجاتی ہیں جیسے مختلف کھانے سو عقد سے پہلے اس کا دیکھ لینا کافی نہیں، مبیع کے بعض حصہ کو دیکھ لینا کافی ہوتا ہے بشرط یہ کہ بقیہ حصے پر اس سے دلالت ہوجاتی ہو جیسے گندم کے ڈھیر کا اوپر والا حصہ، نیز اخروٹ، آٹا، مائع جات کا اوپر والا حصہ، تیل، اوپر اوپر کی کھجوریں، نمونہ جات جو بازاروں میں خریداروں کو دکھانے کے لئے رکھے جاتے ہیں تو ان کا دیکھ لینا بقیہ مبیع کے دیکھنے کے لئے کافی ہے۔ ❶

حنفیہ کے جوابات...... حنفیہ نے دوسرے آئمہ کے دلائل کے یہ جوابات دیئے ہیں کہ نہ دیکھی ہوئی مبیع کی جہالت ایسی نہیں ہوتی جو مفضی الی النزاع ہو جب تک کہ خریدار کو مبیع واپس کرنے کا حق حاصل ہو۔

''رہی یہ حدیث کہ جو چیز انسان کے پاس موجود نہ ہو اس کی بیع سے منع کیا گیا ہے'' سو اس کا معنی یہ ہے کہ ایسی چیز کی بیع سے منع کیا گیا ہے جس کا انسان مالک نہ ہو، اور بیع غرر کی ممانعت سے مراد ایسی چیز کی بیع ہے جو متعین اور مقرر نہ ہو۔ ❷

دوسرا مقصد: ثبوت خیار کا وقت...... خریدار جس وقت مبیع کو دیکھے گا اس وقت اسے خیار حاصل ہوگا، اس سے پہلے اسے خیار حاصل نہیں ہوگا، اگر رؤیت سے پہلے بیع کو نافذ کردیا تو بیع لازمی نہیں ہوگی اور خیار بھی ساقط نہیں ہوگا، خریدار کو حق حاصل ہے کہ وہ بیع کو رد کردے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیت کے بعد خریدار کے لئے خیار ثابت کیا ہے اگر خریدار کے لئے خیار اجازت رؤیت سے قبل ثابت ہو اور وہ عقد کی اجازت دے دے تو رؤیت کے بعد اسے خیار حاصل نہیں ہوگا یہ نص حدیث کے خلاف ہے۔

رہی بات رؤیت سے قبل فسخ کی سو اس میں مشائخ کا اختلاف ہوا ہے۔ بعض کہتے ہیں: خریدار کو فسخ عقد کا اختیار حاصل نہیں ہوگا چونکہ یہ خیار رؤیت سے قبل ہے اسی لئے نفاذ کا رؤیت سے قبل مالک نہیں تھا لہٰذا فسخ کا مالک بھی نہیں ہوگا۔

بعض مشائخ کہتے ہیں: رؤیت سے قبل خریدار کو فسخ عقد کا حق حاصل ہے اور یہی قول صحیح ہے۔ یہ سبب خیار کی وجہ سے نہیں، چونکہ یہ ثابت نہیں، نیز جو چیز خریدار نے دیکھی نہ ہو اسے خریدنا عقد غیر لازم ہوتا ہے لہٰذا یہ معرض فسخ میں ہوتا ہے، جیسے وہ عقد جس میں خیار عیب ہو، اور جیسے عقد عاریہ اور عقد ودیعت۔ ❸

تیسرا مقصد: ثبوت خیار کی کیفیت...... اس مقصد کے بارے میں فقہائے حنفیہ کا اختلاف ہے۔

بعض فقہاء کہتے ہیں: خیار رؤیت مطلقاً پوری عمر میں ثابت ہوتا ہے ہاں البتہ اگر ایسے احوال پائے جائیں جو خیار کو ساقط کردیں، جیسا کہ مسقطات کے بیان میں آیا چاہتا ہے، یہ مذہب امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مذہب ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک اصح بھی یہی ہے، چونکہ یہ خیار مبیع کے حال پر اطلاع کرنے سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا عیب کی وجہ سے رد کرنے کے مشابہ ہے، نیز اس خیار کے ثبوت کا سبب رضا کا مختل ہونا ہے جبکہ جب تک سبب باقی رہتا ہے حکم بھی اس وقت تک باقی رہتا ہے۔

بعض فقہاء کہتے ہیں: یہ خیار رؤیت کے بعد امکان فسخ تک باقی رہتا ہے، حتیٰ کہ اگر خریدار نے مبیع کو دیکھ لیا اور رؤیت کے بعد فسخ عقد ہوسکتا تھا لیکن عقد فسخ نہ کیا تو خیار رؤیت ساقط ہوجائے گا، اگرچہ خیار کو ساقط کردینے والے اسباب (جن کا بیان آیا چاہتا ہے) نہ بھی پائے جائیں۔ ❹

❶......مغنی المحتاج ۱۸/۲، المہذب ۲۶۳/۱۔ ❷المبسوط ۶۹/۱۳۔ ❸البدائع ۲۹۵/۵۔ ❹البدائع ۲۹۵/۵، فتح القدیر ۱۴۱/۵، رد المحتار ۶۷/۔

حنابلہ..... کہتے ہیں خیار رؤیت فوری طور پر (علی الفور) حاصل ہوگا۔ ❶

چوتھا مقصد: خیار رؤیت والی بیع کی صفت (طریقہ کار) اور اس کا حکم

بیع کا طریقہ کار..... خریدار نے جو چیز نہ دیکھی ہو اس کی خریداری لازم نہیں ہوتی، خریدار کو دیکھنے کے بعد فسخ اور نفاذ میں اختیار حاصل ہوگا۔ چونکہ عدم رؤیت سودہ کے تمام ہونے سے مانع ہوتا ہے نیز وصف کی جہالت خریدار کی رضامندی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ لہٰذا خریدار کے لئے خیار ثابت ہے، تاکہ خیار کے ذریعے ندامت کا ازالہ کر سکے، برابر ہے مبیع بیان کردہ وصف کے مطابق ہو یا مخالف، یہ حنفیہ کا مذہب ہے ❷ جبکہ مالکیہ، حنابلہ اور شیعہ امامیہ کہتے ہیں: بیع مشتری کو لازم ہو جائے گی جب مبیع بیان کردہ وصف کے مطابق ہو، اگر بیان کردہ وصف کے خلاف ہو تو خریدار کو خیار حاصل ہوگا۔ ❸

ظاہر یہ کہتے ہیں: اگر بیع صفقہ کے مطابق ہو تو لازم ہو جائے گی اگر صفقہ (سودے) کے مخالف ہو تو باطل ہو جائے گی۔ ❹

بیع کا حکم..... بیع کا حکم وہی ہوگا جو اس عقد کا حکم ہوتا ہے جس میں خیار نہیں ہوتا، لہٰذا بدلین میں ملکیت ثابت نہیں ہوگی جبکہ ایجاب و قبول سے عقد تمام ہونے کے فوراً بعد بائع کے لئے ثمن کی ملکیت ثابت ہوتی ہے لیکن عقد لازم نہیں ہوتا بخلاف خیار شرط کے۔

دونوں خیاروں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ خیار رؤیت میں بیع مطلقاً صادر ہوتی ہے اور کسی شرط کے ساتھ مقید نہیں ہوتی اور مفہوم یہ ہوتا ہے کہ لازم ہے البتہ خیار رؤیت کی وجہ سے رد شریعت سے ثابت ہے جبکہ خیار شرط متعاقدین کے شرط لگانے سے ثابت ہوتا ہے، لہٰذا عقد میں اس کا اثر ہوگا اور فی الحال استقرار حکم سے مانع ہوگا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ❺

پانچواں مقصد: ثبوت خیار کی شرائط..... ثبوت خیار کے لئے مختلف شرائط عائد کی گئی ہیں ورنہ عقد لازمی ہو جائے گا، ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

ا..... محل عقد (معقود علیہ/سامان) ان چیزوں میں سے ہو جو متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہوں، اگر وہ متعین ہونے والی چیز نہ ہو تو اس میں خیار ثابت نہیں ہوگا، یہاں تک کہ اگر بیع مقایضہ یعنی جنس کی بیع جنس کے بدلہ میں ہو (جیسے گندم کی بیع چاول کے بدلہ میں) تو خریدار اور فروخت کنندہ دونوں کو خیار حاصل ہوگا جبکہ دونوں نے مبیع کو عقد سے پہلے دیکھا نہ ہو۔ ❻

جبکہ عقد صرف (یعنی نقد کی بیع نقد کے بدلہ میں) میں فروخت کنندہ اور خریدار کو خیار حاصل نہیں ہوگا چونکہ بیع صرف میں خیار رؤیت کا کوئی فائدہ نہیں جس کا بیان آیا چاہتا ہے۔ جبکہ عین کی بیع نقدی کے بدلہ میں (جیسے گندم کی بیع روپے کے ساتھ) کی صورت میں خریدار کو خیار حاصل ہوگا اور بائع کو خیار حاصل نہیں ہوگا۔

اس میں دراصل سبب یہ ہے کہ عقد محل جب معین نہیں ہوگا تو موجب خیار کی وجہ سے فسخ کے لئے معین بھی نہیں ہوگا۔ لہٰذا رد میں کوئی فائدہ نہیں، نیز جو چیز معین کرنے سے متعین نہ ہو وہ عقد کر لینے سے ملکیت میں نہیں آتی، بلکہ قبضہ سے ملکیت میں آتی ہے، اور فسخ کا صدور اسی چیز پر ہوتا ہے جو عقد سے ملکیت میں آئے، ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب حق معین چیز ہو تو اس میں لوگوں کی مختلف اغراض ہوتی ہیں اور اس میں ثبوت خیار اس لئے ہوتا ہے تاکہ خریدار مبیع کو دیکھ سکے آیا کہ وہ اس کے لئے بہتر ہے یا نہیں۔

اس تفصیل کے پیش نظر خیار رؤیت ان معاملات میں ثابت ہوگا جو فسخ کا احتمال رکھتے ہوں جیسے بیع، اجارہ، دعوائے مال پر صلح، تقسیم

---

❶..... المغنی ۵۸۱/۳۔ ❷ البدائع ۲۹۲/۵، فتح القدیر ۱۳۷/۵۔ ❸ القوانین الفقهية ص ۲۵۶، المغنی ۵۸۲/۳، المختصر النافع ص ۱۴۶۔ ❹ المحلی ۳۸۹/۸۔ ❺ البدائع المکان السابق۔ ❻ البدائع ۲۹۲/۵۔

وغیرہ، چونکہ یہ معاملات ان اشیاء کے رد کرنے سے فسخ ہو جاتے ہیں، لہٰذا خیار رؤیت ان میں ثابت ہوگا۔ جبکہ ان معاملات میں خیار رؤیت ثابت نہیں ہوگا جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے، جیسے مہر، بدل خلع، قتل عمد پر صلح وغیرہ، چونکہ یہ معاملات مال کے رد کرنے سے فسخ کا احتمال نہیں رکھتے، گویا اصول یہ سامنے آتا ہے کہ ہر وہ عقد جو رد سے فسخ ہو جائے اس میں خیار رؤیت ثابت ہوگا اور جو عقد رد سے فسخ نہ ہو اس میں خیار رؤیت ثابت نہیں ہوگا۔

جیسا کہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ ❶

۲.....محل عقد (معقود علیہ/سامان) کو نہ دیکھنا۔ اگر خریدار نے قبل ازیں معقود علیہ کو دیکھا ہو تو اسے خیار رؤیت حاصل نہیں ہوگا۔ بشرطیکہ معقود علیہ کوئی ایسی چیز ہو جس میں اتنا جلدی تغیر نہ آتا ہو، ورنہ تغیر کی وجہ سے خریدار کو اختیار حاصل ہوگا۔ چونکہ تغیر پذیر چیز کو خرید لیا تو گویا بن دیکھے اسے خرید لیا۔ ❷

تحقیق رؤیت کی کیفیت......رؤیت کبھی پوری مبیع کی ہوتی ہے اور بسا اوقات بعض مبیع کی رؤیت ہوتی ہے، اس میں ضابطہ یہ ہے کہ مبیع کی اتنی مقدار کو دیکھ لینا کافی ہے جس سے مقصد حل ہو جاتا ہو اور معرفت حاصل ہو جاتی ہو۔ ❸

اس کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے کہ نہ دیکھی ہوئی مقدار اگر دیکھی ہوئی مقدار کے تابع ہو تو خریدار کو خیار حاصل نہیں ہوگا برابر ہے کہ دیکھی ہوئی مقدار کسی بھی حال میں علم کا فائدہ دے یا نہ دے، چونکہ تابع کا حکم اصل کا حکم ہوتا ہے۔

اگر نہ دیکھی ہوئی مقدار دیکھی ہوئی مقدار کے تابع نہ ہو پھر اگر مقصود بنفسہ دیکھی ہوئی چیز جیسا ہو تو پھر اس میں مزید تفصیل ہے۔ چنانچہ اگر دیکھی ہوئی مقدار سے ان دیکھی مقدار کی حالت کی پہچان حاصل ہو تو ان دیکھی مقدار میں خیار رؤیت حاصل نہیں ہوگا بشرطیکہ ان دیکھی مقدار دیکھی ہوئی مقدار کے ہم مثل ہو یا اس سے اعلیٰ ہو چونکہ مقصد بقیہ مقدار کی حالت کا علم ہوتا ہے۔

اگر دیکھی ہوئی مقدار سے ان دیکھی مقدار کی حالت کی پہچان نہ ہوتی ہو تو خریدار کو ان دیکھی مقدار میں خیار حاصل ہوگا۔ چونکہ دیکھی ہوئی مقدار سے مقصد حاصل نہیں ہوا گویا خریدار نے سرے سے مبیع کو دیکھا ہی نہیں۔

اسی ضابطہ کی بنیاد پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ ڈھیر کو اوپر اوپر سے دیکھ لینا کافی ہوتا ہے، جانور کے منہ اور دھڑ کو دیکھ لینا کافی ہے، یہی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منہ کو دیکھ لینا اور لپٹے ہوئے کپڑے کو اوپر سے دیکھ لینا کافی ہے، جبکہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پورے کپڑے کو پھیلا کر دیکھنا ضروری ہے۔ یہی مختار قول ہے۔ جیسا کہ حنفیہ کی اکثر معتبر کتب میں بھی ہے۔ جبکہ ابن عابدین نے اس کا تعاقب کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر تھان کے اندر کا کپڑا ظاہری کپڑے سے مختلف نہ ہوتا ہو تو خیار ساقط ہو جائے گا ہاں البتہ اگر اندر کا کپڑا ظاہری حصہ سے زیادہ ردی نکلے تو خیار حاصل ہوگا۔ ❹

جو بکری گوشت بنانے کے لئے خریدی جائے تو اس کو چھو کر دیکھنا لابدی ہے تاکہ اس کی فربہی کا پتہ چل جائے، یہاں تک کہ خریدار نے بکری دور سے دیکھ لی تو اسے خیار حاصل ہوگا چونکہ جو بکری ذبح کرنے کے لئے خریدی جاتی ہے اس کا مقصد گوشت ہوتا ہے، جبکہ دور سے دیکھنے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا، اگر بکری دودھ یا افزائش نسل کے لئے خریدی گئی ہو تو پورے بدن کو ٹٹول کر دیکھنا ضروری ہوگا۔ اسی طرح تھنوں کو دیکھنا بھی ضروری ہے، چونکہ دودھ والی بکری میں اس کے تھنوں سے سارا مقصد متعلق ہوتا ہے، جبکہ بکریوں کی جملہ اقسام تھنوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں، جبکہ دور سے دیکھنے سے مقصد پورا نہیں ہوتا۔ ❺

رہی بات دریوں اور قالینوں کی سوا گر قالینوں کا اوپر والا حصہ اور لپٹا ہوا بیچ والا حصہ مختلف ہوتا ہو اور خریدار نے صرف اوپر سے دیکھ لیا ہو تو

---

❶......البدائع المرجع السابق۔ ❷المبسوط ۷۲/۱۳، البدائع ۲۹۲/۵۔ ❸البدائع ۲۹۳/۵، رد المحتار ۶۸/۴۔ ❹المبسوط ۷۲/۱۳، البدائع ۲۹۳/۵، فتح القدیر ۱۴۲/۵، رد المحتار ۶۹/۴۔ ❺البدائع ۲۹۳/۵ رد المحتار ۷۰/۴، فتح القدیر ۱۴۳/۵۔

اسے خیار حاصل ہوگا۔

رہی بات گھروں، زمینوں اور باغات کی سواگر گھروں کو اندر باہر سے دیکھ لیا، باغات کو باہر باہر سے دیکھ لیا اور درختوں کی چوٹیاں دیکھ لیں تو خریدار کو خیار حاصل نہیں ہوگا، البتہ گھر کے صحن کو دیکھ لینا رویت کے لئے کافی نہیں ہوگا، چونکہ گھر مختلف ہوتے ہیں۔

امام زفر کے علاوہ حنفی آئمہ گھروں کے معاملہ میں باہر سے دیکھ لینے کو اور صحن کے دیکھ لینے کو کافی سمجھتے ہیں، البتہ آج کل اتنی سی رویت پر اکتفا نہیں کیا جائے گا گویا زمانہ بدلنے سے یہ حکم بھی بدل چکا ہے جبکہ حجت اور دلیل کا اختلاف نہیں۔ ❶

یہ تفصیل تب ہے جب معقود علیہ ایک ہی چیز ہو اگر مبیع مختلف اشیاء ہوں تو اس میں یہ تفصیل ہے: اگر مبیع از قسم عددی ہو جن میں تفاوت ہوتا ہو جیسے چوپائے، کپڑے جیسے کسی شخص نے ایک بورے میں بند کپڑے خریدے یا بکریوں کا ریوڑ خرید یا یا اونٹ یا گائیں خریدیں یا انار، ناشپاتیاں جو ٹوکرے میں رکھی ہوں خریدیں ان میں سے بعض کو دیکھ لیا تو بقیہ میں خریدار کو اختیار حاصل ہوگا چونکہ پوری کی پوری مبیع مقصود ہوتی ہے جبکہ دیکھی ہوئی اشیاء سے بقیہ اشیاء کی پہچان نہیں ہوسکتی چونکہ مبیع کے مختلف افراد میں تفاوت ہے۔

اگر مبیع از قسم مکیلی ہو یا موزونی ہو یا عددی متقارب ہو جیسے اخروٹ اور انڈے تو بعض مبیع کو دیکھ لینے سے خیار ساقط ہو جاتا ہے چونکہ بقیہ مبیع کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ تفصیل تب ہے جب مبیع کسی ایک تھیلے یا برتن میں رکھی ہو اگر دو تھیلوں میں رکھی ہو تو پھر یا تو دو جنسوں میں ہوگی یا ایک جنس کی تو اس صورت میں خریدار کو خیار حاصل ہوگا اس میں کسی کا اختلاف نہیں، چونکہ ایک جنس یا ایک وصف کی مبیع کو دیکھنے سے دوسری جنس یا وصف کی پہچان نہیں ہو پاتی۔ اگر پوری مبیع جنس واحد سے ہو یا صفت واحدہ سے ہو تو اس صورت میں مشائخ کا اختلاف ہوا ہے۔

مشائخ بلخ...... کہتے ہیں خریدار کو خیار حاصل ہوگا چونکہ دو تھیلوں میں مبیع کے ہونے سے ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسے دو جنسیں ہوں۔

مشائخ عراق...... کہتے ہیں: خریدار کو خیار حاصل نہیں ہوگا اور یہی صحیح بھی ہے، چونکہ اس جنس کی بعض مبیع کو دیکھ لینے سے بقیہ مبیع کا علم حاصل ہو جاتا ہے، برابر ہے کہ مبیع ایک ہی تھیلے یا برتن میں رکھی ہو یا دو تھیلوں میں۔ ❷

مبیع اگر زمین میں ہو...... اگر مبیع زمین میں دبی ہوئی ہو اور کسی برتن یا تھیلے میں نہ ہو جیسے گاجر، مولی، پیاز وغیرہ تو اس بارے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے درج ذیل تفصیل مروی ہے۔

الف..... اگر چیز ایسی ہو جسے اکھاڑنے کے بعد ماپا تولا جاتا ہو یا اس کا وزن کیا جاتا ہو جیسے تھوم، پیاز، گاجر اگر خریدار نے بائع کی اجازت سے کوئی چیز زمین سے اکھاڑی یا خریدار کی رضامندی سے بائع نے اکھاڑی تو بقیہ مبیع میں خیار ساقط ہو جائے گا، چونکہ مکیلی چیز کے بعض حصہ کو دیکھ لینا کل کو دیکھ لینے کے مترادف ہے۔

اگر خریدار نے بائع کی اجازت کے بغیر ہی مبیع زمین سے اکھاڑ دی تو خریدار کو خیار نہیں حاصل ہوگا، وہ خواہ اکھاڑی ہوئی چیز سے راضی ہو یا راضی نہ ہو بشرطیکہ جب اس چیز کی لوگوں کے ہاں کوئی قیمت ہو چونکہ اکھاڑنے سے اس میں عیب آجاتا ہے، اگر خریدار اکھاڑتا نہ تو اس کی بڑھوتری میں اضافہ ہوتا، جبکہ زمین سے جب کوئی چیز اکھاڑ لی جاتی ہے تو اس کی بڑھوتری میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ وہ آئے دن خراب ہوتی رہتی ہے جبکہ اصول یہ ہے کہ جب خریدار کے پاس مبیع میں عیب پیدا ہو جائے جو اس کے عمل سے نہ ہو تو رد سے مانع ہوتا ہے جبکہ خریدار کے فعل سے عیب پیدا ہو تو بطریق اولی رد سے مانع ہوگی۔

ب..... اگر زمین میں چھپی چیز ایسی ہو جو گنتی کر کے فروخت کی جاتی ہو جیسے مولی، گاجر وغیرہ تو ان میں سے بعض کو دیکھ لینا کل کو دیکھنے کے مترادف نہیں ہوگا چونکہ یہ چیزیں عددی متفاوت جیسی ہیں، لہٰذا بعض مبیع کو دیکھنا کافی نہیں ہوگا۔ جیسے کپڑوں میں ہوتا ہے۔

---

❶..... البدائع ۲۹۴/۵، ردالمحتار ۷۰/۴ فتح القدیر ۱۴۴/۵۔ ❷ البدائع ۲۹۴/۵، حاشیۃ الشلبی علی الزیلعی ۲۶/۴۔

اگر خریدار نے بائع کی اجازت کے بغیر کوئی چیز زمین سے اکھاڑ لی تو عیب کی وجہ سے خیار ساقط ہو جائے گا۔ بشرط یہ کہ اکھاڑی ہوئی چیز کی کوئی قیمت ہو۔ اگر اس کی قیمت نہ ہو تو خیار ساقط نہیں ہوگا چونکہ اس سے عیب متحقق نہیں ہوتا۔

امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے زمین میں چھپی مبیع کی تفصیل مذکورہ بالا تفصیل کے علاوہ کی ہے اور انہوں نے بعض مبیع کو دیکھنے پر خریدار کو خیار دیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب خریدار نے ساری مبیع کو زمین سے اکھاڑ لیا یا بعض مبیع کو اکھاڑا تو اسے خیار حاصل ہوگا۔ رہی بات امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی سوان کا قول امام ابو یوسف کے ہم مثل قول ہے، چنانچہ جب خریدار نے زمین سے کوئی چیز اکھاڑ لی جس سے بقیہ مبیع پر استدلال کیا جا سکے اور خریدار اس سے راضی بھی ہو تو بیع لازم ہو جائے گی۔ ❶

بوتل میں بند تیل وغیرہ:..... اگر مبیع تیل ہو جو بوتل میں بند ہو اور خریدار باہر سے بوتل کو دیکھ لے تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں مروی ہیں۔

اول..... باہر سے دیکھ لینا کافی ہے اور اتنا دیکھنے سے خیار ساقط ہو جائے گا چونکہ باہر سے دیکھ لینے سے اندر موجود تیل یا مائع چیز کا علم ہو جاتا ہے گویا یہ ایسا ہی ہے کہ تیل کو بوتل سے نکال کر دیکھا۔

دوم..... خریدار کو خیار حاصل ہوگا چونکہ بوتل کو کھول کر جو علم ہوتا ہے وہ بند بوتل کو دیکھنے سے نہیں ہوتا، نیز بوتل میں پڑی چیز کا رنگ وہی دکھائی دے رہا ہوتا ہے جو بوتل کا رنگ ہو۔ لہٰذا باہر سے دیکھنے سے مقصد پورا نہیں ہوتا۔ ❷

بعض حنفی علماء کے نزدیک خریدار نے اگر آئینے میں مبیع کو دیکھا یا کھڑے پانی میں مبیع کا عکس دیکھا تو اس دیکھنے سے خیار رؤیت ساقط نہیں ہوگا چونکہ خریدار نے بعینہ مبیع کو نہیں دیکھا ہوتا بلکہ مبیع کا عکس دیکھا ہے، جبکہ اصح یہ ہے کہ یوں اس طرح خریدار بعینہ مبیع کو دیکھتا ہے چونکہ بالمقابل ہونا (یعنی مبیع کا آمنے سامنے ہونا) رؤیت کی شرط نہیں، چنانچہ ہم اللہ تعالیٰ کو بالمقابل نہیں دیکھیں گے، لیکن اس انداز سے کہ جس سے خریدار کو مبیع کی شکل و ہیئت کا علم ہو جائے اور آئینہ کے چھوٹے بڑے ہونے کے تفاوت سے کوئی امر مانع نہ ہو تو اس سے اصل مبیع کا پتہ چل جاتا ہے لہٰذا خیار ساقط ہوگا۔ ❸ اس اصول کے پیش نظر اگر چھوٹی نہر میں کوئی مچھلی خریدی جس کا پکڑنا آسان اور ممکن ہو اور کسی حیلہ اور تدبیر کی ضرورت نہ ہو تو یہ بیع جائز ہے اگر خریدار نے مچھلی نہر میں دیکھ لی اور پھر مچھلی کو پکڑ لیا تو بعض فقہاء کے نزدیک خیار ساقط ہو جائے گا چونکہ خریدار نے بعینہ مبیع کو دیکھا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ خیار ساقط نہیں ہوگا یہی صحیح مذہب ہے۔ چونکہ پانی میں چیز کو اصلی اور طبعی حالت میں نہیں دیکھا جا سکتا بلکہ پانی میں چیز طبعی جسامت سے بڑی دکھائی دیتی ہے لہٰذا اس طرح پانی میں دیکھنے سے مقصد حاصل نہیں ہوگا، لہٰذا خریدار کو خیار حاصل ہوگا۔ ❹

غیر حنفیہ کے مذاہب:

مالکیہ..... کہتے ہیں وہ چیزیں جن کی جڑ زمین میں چھپی ہو جیسے گاجر، پیاز، شلغم، مونگ پھلی اور اروی ترکاری کی خرید و فروخت جائز ہے بشرطیکہ اس کا ظاہری حصہ دیکھ لیا جائے اور ایک دو کو زمین سے نکال کر دیکھا جائے۔ اگر مبیع مکیلی اور موزونی ہو جو مثلی بھی ہو تو بعض مبیع کو دیکھنے سے بیع جائز ہوتی ہے جیسے روئی وغیرہ بخلاف قیمتی اشیاء کے چنانچہ قیمتی اشیاء میں بعض کو دیکھنے سے خیار ساقط نہیں ہوگا جیسے مختلف کپڑوں میں سے ایک کپڑا دیکھ لیا۔ ❺

---

❶..... تحفة الفقهاء ۲/۱۲۴۔ ❷البدائع ۵/۲۹۴، الدر المختار ۴/۷۰۔ ❸البدائع ۵/۲۹۵۔ ❹البدائع ۵/۲۹۵۔ ❺..... المجموع ۹/۳۳۸، المغنی ۴/۹۱۔

شافعیہ اور حنابلہ..... کہتے ہیں: جو اشیاء زمین میں چھپی ہوں ان کی بیع جائز نہیں، جیسے مولی، گاجر، پیاز اور تھوم، چونکہ یہ مجہول چیز کی بیع ہے جو کہ غرر پر مشتمل ہے۔

نمونہ دیکھ کر بیع ❶ کرنا..... بسا اوقات خریدار مبیع کا صرف نمونہ دیکھتا ہے، یوں بیع صحیح ہو جاتی ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک بیع لازمی ہو جاتی ہے بشرطیکہ نمونہ بقیہ مبیع پر دلالت کرتا ہو، میں اب فقہاء کے نزدیک نمونہ دیکھ کر بیع کے حکم کو بیان کروں گا۔

مثال..... مثلاً ایک شخص بھاری مقدار میں گندم یا چاول خریدنا چاہتا ہے اور وہ اتنی بڑی مقدار میں گندم کو دیکھنے کی بجائے صرف مٹھی بھر اس کا نمونہ دیکھ لیتا ہے، یہ صرف مثلی اشیاء میں ہوتا ہے جیسے دانے، روئی، غلہ وغیرہ۔

اس کا حکم..... نمونہ پر بیع حنفیہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک جائز ہے جبکہ حنابلہ اور ظاہریہ کے نزدیک جائز نہیں۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حنفیہ ❷..... کہتے ہیں مکیلی اور موزونی اشیاء کا نمونہ دیکھ کر بیع کرنا جائز ہے، چونکہ جنس واحد میں اس کے بعض حصہ کو دیکھنے پر اکتفا کرنا جائز ہے چونکہ بقیہ مبیع کا اس سے پتہ چل جاتا ہے ہاں البتہ اگر بقیہ مبیع ردی مال ہو تو بیع صحیح نہیں ہوگی، گویا بقیہ مبیع میں خریدار کو خیار حاصل ہوگا۔ تاکہ بیع تمام ہونے سے قبل تفریق صفقہ لازم نہ آئے، اصح یہ ہے کہ کچھ حصہ کو دیکھ لینا کافی ہوتا ہے برابر ہے مبیع ایک ہی تھیلے میں ہو یا دو تھیلوں میں۔ ملحوظ رہے کہ ہمارے زمانہ میں کپڑے مثلی اشیاء میں سے ہیں۔

مالکیہ..... کہتے ہیں۔ ❸ مثلی اشیاء میں سے کچھ حصہ کو دیکھ لینے سے بیع جائز ہو جاتی ہے جیسے روئی وغیرہ، بخلاف قیمتی اشیاء کے جیسے تیار شدہ کپڑے کی گٹھ چنانچہ ظاہری مذہب میں کچھ حصہ کو دیکھنا کافی نہیں ہوگا۔

شافعیہ..... کہتے ہیں ❹ نمونہ پر ہونے والی بیع کی تین صورتیں ہیں:

۱..... بیع کا صحیح ہونا ۲..... بیع کا باطل ہونا ۳..... بیع کا اصح ہونا

چنانچہ نمونہ اگر بیع میں داخل ہو تو بیع صحیح ہے ورنہ نہیں۔

حنابلہ..... کہتے ہیں ❺ نمونہ کی بیع صحیح نہیں ہے، مثلاً بائع نے خریدار کو گندم کے ڈھیر میں سے ایک صاع دکھلایا پھر ڈھیر کو فروخت کیا کہ وہ اسی جنس سے ہے تو بیع صحیح نہیں ہوگی، چونکہ حنابلہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ متعاقدین کی رؤیت مبیع بیع کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور یہ صحیح مبیع کی رؤیت یا بعض مبیع کی رؤیت بقیہ مبیع پر دلالت کرتی ہے۔ جیسے غیر منقوش کپڑے کے دو رخ اور متساوی الاجزاء ڈھیر جو غلے کا ہو کے اوپر والا حصہ اور پیک کیا ہوا سامان جو ایک ہی جنس کا ہو۔

ظاہریہ..... کہتے ہیں نمونہ کی بیع کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ ❻

مبیع کو دیکھنے میں وکالت..... اگر خریدار نے خریدی ہوئی چیز کو دیکھنے کے لئے کسی شخص کو وکیل بنایا جبکہ خود مؤکل نے اس چیز کو نہ دیکھا ہو تو اگر راضی ہو تو عقد لازمی ہو جائے گا اگر چاہے تو عقد کو فسخ کر دے، چونکہ وکیل مؤکل کے قائم مقام ہوتا ہے جبکہ مؤکل رائے کو وکیل کے سپرد کر دیتا ہے۔

---

❶..... اسے عربی میں بیع بالنموذج اور انموذج کہا جاتا ہے۔ ❷تبیین الحقائق للزیلعی وحاشیة الشلبی ۲۶/۴۔ ❸الشرح الکبیر للدردیر ۲۴/۳۔ ❹المجموع للنووی ۳۲۷/۹۔ ❺غایة المنتھیٰ ۱۰/۲، کشاف القناع ۱۵۲/۳۔ ❻المحلی ۴۵۷/۸۔

اگر خریدار نے رؤیت سے قبل قبضہ کے لئے وکیل مقرر کیا تو وکیل کی رؤیت مؤکل کی رؤیت کے قائم مقام ہوگی۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خریدار کا خیار رؤیت ساقط ہو جائے گا، جبکہ صاحبین کے نزدیک وکیل کے قبضہ معہ رؤیت کے خیار ساقط نہیں ہوتا، چونکہ خریدار نے قبضہ کے لئے وکیل مقرر کیا ہے اس لئے نہیں کہ خیار ہی کو ساقط کر دے، لہٰذا وکیل خیار کو ساقط کرنے کا مالک نہیں ہوگا جیسے خیار شرط کے اسقاط کا مالک نہیں ہوتا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ وکیل قبضہ اور وکیل خریداری میں کوئی فرق نہیں ہے، وکیل کی رؤیت کافی ہے، اس کی رؤیت سے خیار بالاجماع ساقط ہو جاتا ہے چونکہ کسی چیز کے حصول کے لئے مقرر کیا گیا وکیل اس چیز کے اتمام کا وکیل ہوتا ہے اور قبضہ اسی وقت تمام ہو پاتا ہے جب خیار ساقط کر دیا جائے۔ ❶

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر خریدار نے مبیع پر قبضہ کرنے کے لئے قاصد روانہ کیا اور قاصد نے مبیع کو دیکھ لیا اور اس سے رضا مند رہا تو اصل خریدار کو خیار رؤیت حاصل رہے گا، وکیل اور قاصد میں فرق یہ ہے کہ قبضہ کرنے میں وکیل اصل ہوتا ہے اور موکل کے لئے فعل کا حکم واقع ہوتا ہے، گویا اتمامِ قبضہ وکیل کے سپرد ہوتا ہے۔ رہی بات قاصد کی وہ تو اصل کی طرف سے قبضہ کرنے میں نائب ہوتا ہے، گویا قاصد کا قبضہ اصل کا قبضہ ہوتا ہے اور اتمام قبضہ مرسل (اصل) کی طرف راجع ہے۔ ❷

خیار عیب کی صورت میں فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر خریدار نے کسی شخص کو مبیع پر قبضہ کرنے کے لئے وکیل مقرر کیا اور پھر وکیل نے قبضہ کے بعد چیز میں کوئی عیب پایا تو مؤکل کا خیار عیب ساقط نہیں ہوگا۔

خیار شرط کے بارے میں مشائخ حنفیہ کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں: یہ اختلاف پرانا ہے جو کہ امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان ہے، بعض کہتے ہیں: بالاتفاق خیار ساقط نہیں ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں مبیع کی رؤیت اور عدم رؤیت میں اعتبار عاقد کا ہے۔ ❸

رؤیت مبیع کے متعلق ایک تبصرہ اور تحقیق...... رؤیت مقصودہ آنکھوں سے دیکھنے کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر چیز کے حسب حال کا اعتبار ہے، اور ایسے حاسہ کا اعتبار ہے جس سے مقصد حاصل ہوتا ہو، چنانچہ وہ چیزیں جن کی تحقیق سونگھنے سے ہوتی ہو ان کی رؤیت سونگھنا ہے جیسے خوشبوئیں۔ وہ چیزیں جن کی تحقیق چکھنے سے ہوتی ہو ان کی رؤیت چکھنا ہے جیسے شہد وغیرہ۔ اور جو چیزیں چھو کر معلوم کی جاتی ہوں ان کی رؤیت چھونا ہے، جو بکری ذبح کرنی ہو اس کو ٹٹولنا اور ہاتھ لگا کر چھونا رؤیت ہے، اسی طرح دودھ دینے والی بکری میں تھنوں کو ہاتھ لگا کر دیکھنا رؤیت ہے۔ چنانچہ ان امور کو رؤیت کا فیہ سے تعبیر کیا جائے گا۔ اگر چہ آنکھ رؤیت میں شامل نہ ہو، صرف آنکھ سے دیکھنا کافی نہیں۔ جیسا کہ میں نے تفصیل کی ہے۔ ❹

مذکورہ بالا تفصیل بینا کے متعلق ہے اسی طرح نابینا شخص کو آنکھوں کے علاوہ دوسرے حواس سے اگر اطلاع ہو جائے تو رؤیت کے لئے کافی سمجھی جائے گی۔ چنانچہ چھو کر پتہ لگانے والی چیزوں میں چھونا کافی ہوگا چکھی جانے والی اشیاء میں چکھنا سونگھی جانے والی اشیاء میں سونگھنا کافی ہوگا، رہی وہ چیز جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہو (جیسے عصر حاضر میں موبائل اور دوسری الیکٹرانک اشیاء) تو ان کے اوصاف نابینا کے سامنے بیان کر دینا کافی ہوگا اور اوصاف کا بیان کرنا دیکھنے کے قائم مقام ہوگا۔

اگر نابینا شخص نے درختوں کی ٹہنیوں پر لگے ہوئے پھل خریدے تو اس میں صرف وصف کا اعتبار ہوگا اور کسی چیز کا اعتبار نہیں ہوگا، مشہور روایت یہی ہے۔ اگر نابینا شخص نے گھر یا زمین خریدی تو اصح روایت یہ ہے کہ وصف پر اکتفاء کر لیا جائے گا۔

---

❶......البدائع ۲۹۵/۵، فتح القدیر ۱۴۵/۵۔ ❷البدائع ۲۹۵/۵۔ ❸المجموع ۳۲۹/۹۔ ❹عقد البیع ص ۳۶۔

اگر اندھا پن ختم ہو جائے تو خیار رؤیت کا حق واپس نہیں لوٹے گا چونکہ اس کے حق میں بیان وصف رؤیت کے قائم مقام ہے، چنانچہ حصول اصل سے قائم مقام کا حکم باطل نہیں ہوتا یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور پھر پانی پر اسے قدرت حاصل ہو جائے تو اس سے پڑھی ہوئی نماز باطل نہیں ہوتی۔ ❶ رہی بات بینا شخص کی سو اگر اس کے سامنے مبیع کے اوصاف بیان کئے گئے جبکہ اس نے مبیع دیکھی نہ ہو اور وہ مبیع سے راضی ہو تو اس کا خیار ساقط نہیں ہوگا چونکہ اصل پر قدرت رکھتے ہوئے متبادل امر کا اعتبار نہیں ہوتا۔

رؤیت میں اختلاف......اگر بائع اور خریدار کا اختلاف ہو گیا، بائع نے کہا: میں نے یہ چیز تمہیں فروخت کر دی ہے جبکہ یہ چیز تم نے دیکھی ہے، خریدار نے کہا: میں نے یہ چیز نہیں دیکھی، چنانچہ قسم کے ساتھ خریدار کا قول معتبر ہوگا، چونکہ بائع الزام عقد کا دعویٰ کرتا ہے اور خریدار الزام کا منکر ہے لہٰذا قول منکر کا معتبر ہوتا ہے البتہ ساتھ قسم اٹھانی ہوگی، چونکہ بائع لزوم عقد اور فسخ کے سقوط کا دعویٰ کرتا ہے۔ ❷

کس وقت کی رؤیت کا اعتبار ہے......جس شخص نے کوئی چیز دیکھی پھر ایک مدت مثلاً ایک مہینہ کے بعد اسے خرید لیا، چنانچہ اگر وہ چیز اسی ہیئت اور کیفیت پر ہو جس پر خریدار نے اسے دیکھا ہو تو اسے خیار حاصل نہیں ہوگا چونکہ خریدار کو اوصاف کا علم حاصل ہو چکا، اگر کیفیت کو بدلا ہوا پایا تو اسے خیار حاصل ہوگا چونکہ اس رؤیت سے اوصاف کا علم نہیں ہوا گویا رؤیت اور عدم رؤیت دونوں برابر ہیں۔

اگر بائع اور خریدار میں تغیر پر اختلاف ہو اور بائع کہے: مبیع میں تغیر نہیں آیا، خریدار کہے: تغیر آیا ہے، یہاں قسم کے ساتھ بائع کا قول معتبر ہوگا چونکہ تغیر کا دعویٰ امر حادث ہے جبکہ اصل اس کا عدم ہے جو گواہوں کے بغیر قبول نہیں، بخلاف رؤیت میں اختلاف ہونے کے چنانچہ اس صورت میں قسم کے ساتھ خریدار کا قول معتبر ہوتا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے چونکہ بائع عارضی امر کا دعویٰ کرتا ہے اور وہ مبیع کی صفت کا پتہ چل جانا ہے۔ ❸

چھٹا مقصد: وہ امور جن سے خیار ساقط ہو جاتا ہے......صریح اسقاط سے خیار رؤیت ساقط نہیں ہوتا، مثلاً جیسے خریدار کہے "میں نے اپنا خیار ساقط کر دیا" رؤیت سے قبل اور نہ ہی رؤیت کے بعد، بخلاف خیار شرط اور خیار عیب کے۔

فرق یہ ہے کہ خیار رؤیت شرعی طور پر ثابت ہے جبکہ انسان کو خیار رؤیت ساقط کرنے کا اختیار حاصل نہیں، جیسے مطلقہ رجعیہ کو رجوع کرنے کا حق ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا، چونکہ انسان حق رجعت کو ساقط کرنے کا اختیار نہیں رکھتا چونکہ یہ شرعی طور پر ثابت ہے جب تک عورت عدت میں رہتی ہے، بخلاف خیار شرط کے، چنانچہ خیار شرط متعاقدین کی شرط سے ثابت ہوتا ہے لہٰذا متعاقدین کے ساقط کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے، یہی حال خیار عیب کا بھی ہے، چنانچہ خریدار کی طرف سے مبیع کا سلامت ہونا مشروط ہوتا ہے، گویا یہ صراحۃً کالمشروط ہے۔ ❹

خیار کا سقوط اور بیع کا لزوم دو صورتوں میں سے ایک ہوتا ہے۔ فعل اختیاری یا ضروری، اختیاری کی دو قسمیں ہیں۔ صریح رضا اور دلالت رضا۔

صریح......جیسے مثلاً یوں کہے: میں نے بیع کو نافذ کر دیا یا میں راضی ہوں یا میں نے بیع کو اختیار کر لیا ہے۔ یا کوئی ایسا لفظ بولا جو صریح کے قائم مقام ہو، برابر ہے کہ نفاذ کا بائع کو علم ہو یا علم نہ ہو۔

دلالت رضا......اس کا حاصل یہ ہے کہ مبیع میں کوئی تصرف پایا جائے جو رؤیت کے بعد ہو، پہلے نہ ہو، اور یہ تصرف نفاذ بیع پر دلالت کرتا ہو، جیسے مثلاً رؤیت کے بعد مبیع پر قبضہ کر لیا، چونکہ رؤیت کے بعد مبیع پر قبضہ کر لینا رضامندی کی دلیل ہے جو لزوم بیع ہے، نیز قبضہ کو عقد

---

❶......المبسوط ۷۷/۱۳، فتح القدیر ۱۴۶/۵، البدائع ۲۹۸/۵، ردالمحتار ۷۰/۴۔ ❷فتح القدیر ۱۵۰/۵ ردالمحتار ۷۲/۴۔
❸فتح القدیر ۱۴۹/۵، رد المحتار ۷۲/۴۔ ❹البدائع ۲۹۷/۵۔

کے ساتھ ایک گونا مشابہت بھی حاصل ہے۔ ❶

اسی تفصیل کی بناء پر اگر خریدار نے مبیع کسی دوسرے شخص کو ہبہ کر دی اور سپرد نہ کی یا بیع کے لئے پیش کر دی اور یہ معاملہ رؤیت سے پہلے کیا تو خیار ساقط نہیں ہوگا چونکہ خیار صریح رضامندی سے اس صورت میں ساقط نہیں ہوتا اسی طرح دلالۃً رضا سے بھی ساقط نہیں ہوگا۔

اگر خریدار نے مبیع کو رہن رکھا اور اسے سپرد بھی کر دیا یا کسی شخص کو اجرت پر دے دی یا کسی دوسرے شخص کو فروخت کر دی اس طور پر کہ خریدار کو خیار حاصل ہوگا تو اس کا خیار رؤیت ساقط ہو جائے گا، یہاں تک کہ خریدار نے قرضہ دے کر اگر رہن چھڑا بھی لیا یا اجارہ کی مدت گزر چکی یا خیار شرط کی مدت میں خریدار کو مبیع واپس کر دی گئی پھر خریدار نے مبیع دیکھی تو خیار رؤیت کی وجہ سے اسے رد مبیع کا حق حاصل نہیں ہوگا، چونکہ وہ ان تصرفات کے ذریعے غیر کے لئے حق لازم کو ثابت کر چکا گویا لزوم ملک اس کی ضرورت ہے۔ ❷

فعل ضروری جو خیار رؤیت کو ساقط کرتا ہو...... اس سے مراد ہر ایسا فعل ہے جس سے خیار ساقط ہو جاتا ہو، اور خریدار کے کسی قسم کے فعل کے بغیر ہی بیع ضروری ہو جائے، جیسے حنفیہ کے نزدیک خریدار کا مر جانا، اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے جیسا کہ خیار شرط میں گزر چکا ہے۔ مثلاً جیسے دو شریکوں نے کوئی چیز جو بن دیکھے خریدی ہو اور ان میں سے ایک شریک نے دوسرے کے علاوہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیع کی اجازت دے دی۔ اسی طرح مثلاً ساری کی ساری مبیع ہلاک ہو گئی یا کچھ ہلاک ہو گئی، یا مبیع میں منفصل اضافہ کر دیا یا متصل اضافہ کر دیا جو مبیع ہی سے پیدا شدہ ہو یا مبیع سے پیدا شدہ نہ ہو گذشتہ تفصیل کے مطابق۔ ❸

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اصول یہ ہے کہ ہر وہ امر جو خیار شرط اور خیار عیب کو باطل کر دے وہ خیار رؤیت کو بھی باطل کر دیتا ہے الا یہ کہ خیار شرط اور خیار عیب صراحۃً ساقط کرنے سے بھی ساقط ہو جاتا ہے جبکہ خیار رؤیت صراحۃً ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا نہ رؤیت سے قبل اور نہ ہی رؤیت کے بعد ❹ چونکہ خیار رؤیت خالص اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر ثابت ہے لہٰذا متعاقد کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوگا جبکہ خیار شرط اور خیار عیب دونوں متعاقدین کی شرط سے ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ جس عاقد کو خیار حاصل ہوگا تو جب وہ چاہے گا بالقصد اپنے ارادہ سے اسے ساقط کر سکتا ہے چونکہ یہ اس کا حق ہے جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

علامہ مرغینانیؒ کہتے ہیں: وہ امور جن سے خیار شرط باطل ہو جاتا ہے ان سے خیار رؤیت بھی باطل ہو جاتا ہے جیسے عیب کا پیدا ہو جانا اور تصرف کر لینا۔ پھر اگر تصرف ایسا ہو جس کا خاتمہ ناممکن ہو جیسے غلام کو آزاد کر دینا، غلام کو مدبر بنا دینا، یا ایسا تصرف کر دیا جو دوسرے کے حق کو واجب کرتا ہو جیسے مطلق بیع، اجارہ چنانچہ یہ تصرف بھی خیار کو باطل کر دیتا ہے برابر ہے تصرف رؤیت سے پہلے ہو یا بعد میں، چونکہ لزوم ہو چکا تو اس کا فسخ دشوار ہوگا، لہٰذا خیار باطل ہوگا۔ اگر تصرف ایسا ہو جو دوسرے کے حق کو واجب نہ کرتا ہو جیسے بیع بشرط خیار، ہبہ جو سپردگی کے بغیر ہو اور باہمی بھاؤ تاؤ، تو یہ تصرف خیار کو رؤیت سے قبل باطل نہیں کرے گا چونکہ یہ تصرف صریح رضامندی تک نہیں بڑھ پاتا، البتہ رؤیت کے بعد خیار کو باطل کر دیتا ہے چونکہ اس صورت میں دلالتاً رضامندی پائی جاتی ہے۔ ❺

ساتواں مقصد: وہ امور جن سے عقد فسخ ہو جاتا ہے اور فسخ کی شرائط

وہ امور جن سے عقد فسخ ہو جاتا ہے...... خیار رؤیت کے سبب فسخ کی تصریح کرنے کے ساتھ عقد فسخ ہو جاتا ہے مثلاً یوں کہے: میں نے عقد فسخ کر دیا یا میں نے عقد کو توڑ دیا یا میں نے عقد رد کر دیا، یا اس کے علاوہ کوئی ایسا لفظ بولا جو ان کے قائم مقام ہو، یا قبضہ سے پہلے مبیع ضائع ہو گی تو بھی عقد فسخ ہو جائے گا چونکہ بیع کا رکن ختم ہو گیا۔ ❻

---

❶......البدائع ۲۹۵/۵، فتح القدیر ۱۴۱/۵۔ ❷البدائع ۲۹۶/۵، تحفۃ الفقہاء ۱۳۰/۲، فتح القدیر ۱۴۱/۵۔ ❸البدائع ۲۹۶/۵، فتح القدیر ۱۴۱/۵۔ ❹البدائع ۲۹۷/۵۔ ❺الهدایة مع فتح القدیر ۱۴۱/۵۔ ❻البدائع ۲۹۸/۵۔

فسخ کی شرائط......فسخ کے صحیح ہونے کے لئے درج ذیل شرائط ہیں۔

۱......یہ کہ خیار موجود ہو، چونکہ خیار جب ساقط ہوتو عقد لازم ہوجاتا ہے لہٰذا فسخ کی وجہ سے عقد نہیں ٹوٹے گا۔

۲......یہ کہ فسخ عقد کی وجہ سے تفریق صفقہ لازم نہ ہوتا ہو یعنی عقد کے کچھ حصہ کو رد کر دیا اور کچھ حصہ کو نافذ کر دیا، چونکہ تفریق صفقہ کی صورت میں بائع کا نقصان ہے، نیز قبضہ سے قبل یا بعد خیار رؤیت تمام صفقہ سے مانع ہوتا ہے اور عقد تمام ہونے سے قبل عقد کی تجزی بلا ریب باطل ہے۔

۳......یہ کہ بائع کو فسخ عقد کا پتہ ہوتا کہ معاملہ صاف ہے اور اپنے سامان میں من چاہا تصرف کر سکے، یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے، رہی بات امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی سوان کے نزدیک بائع کو علم ہونا شرط نہیں، جیسا کہ خیار شرط کی بحث میں گزر چکا ہے۔ ❶

ملاحظہ...... بحث کے اخیر میں ملحوظ رہے کہ خیار رؤیت وراثت میں منتقل نہیں ہوتا جیسے خیار شرط وراثت میں منتقل نہیں ہوتا، مثلاً خیار حاصل ہونے کے بعد خریدار مر جائے تو خیار اس کے ورثہ کو منتقل نہیں ہوگا۔

چونکہ خیار نص کی وجہ سے عاقد کے لئے ثابت ہوا ہے جبکہ وارث عاقد نہیں ہوتا لہٰذا خیار بھی اس کے لئے ثابت نہیں ہوگا جیسا کہ علامہ زیلعی اور حنابلہ نے ذکر کیا ہے۔ ❷

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: خیار رؤیت وراثت میں منتقل ہوتا ہے جیسے خیار تعیین اور خیار عیب منتقل ہوتا ہے چونکہ جس طرح وراثت املاک میں ثابت ہوتی ہے اسی طرح بیع سے ثابت ہونے والے حقوق میں بھی ثابت ہوتا ہے۔ ❸

یہ منطق کے زیادہ قریب ہے چونکہ وارث مورث کا نائب ہوتا ہے اور اس کی نیابت ہر قسم کے ترکہ میں مسلم ہوتی ہے خواہ ترکہ از قسم اموال ہو یا از قسم حقوق، چنانچہ یہ بھی ایک حق ہے۔ ❹

چھٹی بحث: بیع کی مختلف انواع واقسام

تمہید......باعتبار بدل کے بیع کی چار اقسام ہیں۔ ❺

اول......بیع مقایضہ۔ بیع العین بالعین یعنی سامان کے بدلہ میں سامان کی بیع جیسے گندم کے بدلہ میں کپڑے کی بیع، وغیرہ۔

دوم......بیع مطلق، بیع العین بالدین۔ یعنی مطلق ثمن (پیسوں) کے بدلہ میں سامان کی بیع ثمن سے مراد دراہم، دینار اور رائج کرنسی نوٹ۔ جیسے دراہم کے بدلہ میں گندم کی بیع۔

سوم......بیع صرف۔ بیع الدین بالدین۔ یعنی ثمن کے بدلہ میں ثمن کی بیع یعنی دراہم کے بدلہ میں دراہم یا سونے کے بدلہ میں سونے کی بیع یا عصر حاضر میں کرنسی نوٹوں کے بدلہ میں کرنسی نوٹوں کی بیع۔

چہارم......بیع سلم، بیع الدین بالعین۔ چنانچہ بیع سلم میں مسلم فیہ مبیع کے قائم مقام ہوتی ہے اور مسلم فیہ ذمہ میں قرض ہوتا ہے، رأس المال ثمن کی جگہ ہوتا ہے، ثمن بسا اوقات کوئی چیز ہوتی ہے اور بسا اوقات دین ہوتا ہے لیکن عاقدین کے جدا ہونے سے قبل مجلس ہی میں قبضہ شرط ہے۔

---

❶......البدائع ۲۹۸/۵۔ ❷تبیین الحقائق ۳۰/۴ غایة المنتهیٰ ۳۳/۲۔ ❸البدائع ۲۶۸/۵ الافصاح عن معانی الصحاح لابن هبیرة ۲۱۱/۱، الشرح الصغیر ۱۴۵/۳۔ ❹الاموال ونظریة العقد ص۴۷۷۔ ❺المبسوط ۸۴/۵۔

بیع کی پہلی دوانواع میں قبضہ شرط نہیں یعنی بیع مقایضہ اور بیع مطلق میں، جبکہ دوسری دوانواع یعنی بیع صرف اور بیع سلم میں قبضہ شرط ہے چنانچہ بیع صرف کی صورت میں بدلین پر قبضہ کرنا شرط ہے اور بیع سلم کی صورت میں رأس المال پر قبضہ شرط ہے۔

ثمن کے اعتبار سے بھی بیع کی چار اقسام ہیں:

۱: بیع مرابحہ.....مبیع کے پہلے ثمن ملحوظ رکھ کر کچھ زائد معین منافع کے ساتھ فروخت کرنا بیع مرابحہ ہے۔

۲: بیع تولیہ.....ثمن میں کمی بیشی کے بغیر ہی پہلے ثمن کے ساتھ مبیع کو فروخت کرنا بیع تولیہ ہے۔

۳: بیع وضعیہ.....جس ثمن کے ساتھ مبیع حاصل کی ہو اس میں معمولی کمی کر کے مبیع کو فروخت کر دینا بیع وضعیہ ہے یعنی معین خسارہ کے ساتھ بیع کرنا۔

۴: بیع مساومہ.....کہ بیع کے وقت پہلی قیمت ملحوظ نہ ہو اور اس کے ذکر کے بغیر ہی خریدار اور فروخت کنندہ کسی قیمت پر راضی ہو جائیں، چونکہ بائع عادۃً اصل سرمایہ کو چھپانے میں رغبت کرتا ہوتا ہے، آج کل یہ بیع عام ہے۔

ان کے علاوہ بھی بیع کی اقسام ہیں جیسے استصناع (آرڈر کی بیع)، اب آئندہ صفحات میں بیع سلم، صرف، مرابحہ، تولیہ اور استصناع کو بیان کیا جائے گا، جبکہ بیع مطلق کا ذکر ہو چکا البتہ دو چیزیں باقی ہیں جو بیع کے ساتھ متعلق ہیں وہ سود (ربا) اور اقالۂ بیع ہے، میں ان دو چیزوں کو بھی آئندہ صفحات میں ذکر کروں گا۔

۱: عقدِ سلم

خاکۂ موضوع.....اس عقد کے متعلق درج ذیل مقاصد پر گفتگو ہوگی۔

پہلا مقصد.....بیع سلم کی مشروعیت۔

دوسرا مقصد.....بیع سلم کی تعریف اور اس کا رکن۔

تیسرا مقصد.....بیع سلم کی شرائط۔

چوتھا مقصد.....بیع سلم کا حکم۔

پانچواں مقصد.....بیع اور سلم میں وجوہ اختلاف۔

پہلا مقصد: بیع سلم کی مشروعیت.....کتاب، سنت اور اجماع امت سے بیع سلم کی مشروعیت ثابت ہے۔

کتاب اللہ سے.....چنانچہ آیت مداینہ کی تفسیر بیع سلم سے کی گئی ہے۔ آیت یہ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ......البقرۃ ۲/ ۲۸۲

اے ایمان والو! جب تم معین میعاد کے لئے ادھار کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کے "سلف مضمون"، یعنی مقررہ مدت تک مسلم فیہ جس کا ضمان دیا گیا ہو کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے اور اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے پھر آپ رضی اللہ عنہ نے یہی آیت تلاوت کی۔ [1]

---

[1] .....نصب الرایة ۴/ ۴۴، التلخیص الحبیر ص ۲۴۲، والحدیث رواہ الشافعی والطبرانی والحاکم والبیہقی۔

سنت......ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ ایک سال، دوسالوں اور تین سالوں تک کے لئے پھلوں میں بیع سلم کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی چیز میں بیع سلم کرنا چاہے تو وہ مقرر پیمانہ، مقرر وزن اور مقرر مدت کے ساتھ سلم کرے۔ ❶

اجماع......ابن منذرؒ کہتے ہیں: ہم نے جن جن علماء سے علم حاصل کیا ہے ان سب کا بیع سلم کے جواز پر اجماع ہے، نیز لوگوں کو بھی بیع سلم کی حاجت پیش آتی ہے چونکہ کسانوں، زمینداروں اور تجارت پیشہ لوگوں کو اخراجات کی ضرورت پڑتی ہے لہٰذا بیع سلم جائز ہے۔ اصول بیع کے پیش نظر بیع سلم معدوم چیز کی بیع ہوتی ہے قیاساً اسے جائز نہیں ہونا چاہئے تھا لیکن عقد سلم کو مستثنیٰ کرلیا گیا ہے چونکہ اس میں اقتصادی پہلو کی رعایت ہے اور لوگوں کو عقد سلم کی رخصت دی گئی ہے تاکہ لوگوں کو آسانی ہو۔ ❷

دوسرا مقصد: سلم کی تعریف اوراس کا رکن

تعریف......عقد سلم کو عقد سلف بھی کہا جاتا ہے۔ **بیع آجل بعاجل**۔ یعنی کسی معلوم چیز کی قیمت نقد دی جائے اور سامان ذمہ میں ادھار رہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جائے گا کہ ثمن پیشگی دے دیئے جائیں اور مبیع (سامان) مدت مقررہ تک ذمہ میں ادھار ہو۔ ❸

شافعیہ اور حنابلہ نے عقد سلم کی تعریف یوں کی ہے۔ ''**هو عقد على موصوف بذمة مؤجل بثمن مقبوض بمجلس عقد**۔'' ❹ یعنی یہ ایسا عقد ہے جو معلوم چیز پر ہوتا ہے جو ذمہ میں ادھار ہوتی ہے اور ثمن مجلس عقد میں قبضہ کرلیا جاتا ہے۔

مالکیہ نے عقد سلم کی تعریف یوں کی ہے:

انه بيع يتقدم فيه رأس المال ويتأخر المثمن لأجل

یعنی سلم ایسی بیع ہے کہ جس میں رأس المال پیشگی دے دیا جاتا ہے اور مثمن یعنی سامان (مبیع) ادھار ہوتی ہے۔ ❺

عقد سلم میں بھی وہی شرائط ملحوظ ہوتی ہیں جو بیع میں ہوتی ہیں اس میں کچھ زائد شرائط بھی ہیں جنہیں ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔

رکن سلم......عقد سلم کا رکن ایجاب وقبول ہے، حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایجاب لفظ ''سلم، سلف اور بیع ہے'' مثلاً رب سلم (خریدار) یوں کہے: میں نے فلاں چیز میں تمہارے ساتھ بیع سلم کی، مسلم الیہ (فروخت کنندہ) کہے: میں نے قبول کی۔ یا مسلم الیہ کہے میں نے تمہیں فلاں چیز فروخت کی اور ساتھ عقد سلم کی شرائط ذکر کردے۔ رب سلم کہے: میں نے قبول کی۔ ❻

امام زفرؒ اور شافعیہ......کہتے ہیں: عقد سلم صرف لفظ ''سلم یا سلف'' بولنے سے منعقد ہوتا ہے، چونکہ قیاس تو بیع سلم کا سرے سے مخالف ہے چونکہ یہ معدوم چیز کی بیع ہے البتہ شریعت نے ان دو لفظوں کے ساتھ عقد سلم کی اجازت دی ہے، جبکہ لفظ بیع کے ساتھ بیع سلم کرنے میں شافعیہ کے ہاں دو روایتیں ہیں، بعض کہتے ہیں: عقد سلم لفظ ''بیع'' سے منعقد نہیں ہوتا ورنہ یہ تو بیع ہے چونکہ سلم بیع سے الگ چیز ہے۔ بعض کہتے ہیں: سلم لفظ بیع سے منعقد ہوجاتی ہے۔ چونکہ یہ بھی بیع کی ایک قسم ہے، یہ مجلس میں قبضہ کا تقاضا کرتی ہے، لہٰذا لفظ بیع سے منعقد ہوگی جیسے عقد صرف ''بیع'' کے لفظ سے منعقد ہوجاتا ہے۔ ❼

---

❶......اخرجه الائمة الستة فى كتبهم عن ابن عباسؓ (جامع الاصول ٢/١٧ نصب الراية ٤/٤٦) ❷المبسوط ١٢/١٢٤ فتح القدير ٥/٣٢٣، البدائع ٥/٢٠١، رد المحتار ٤/٢١٢، بداية المجتهد ٢/١٩٩، مغنى المحتاج ٢/١٠٢ المغنى ٤/٢٧٥. ❸المراجع السابقه. ❹غاية المنتهى ٢/٧١، مغنى المحتاج ٢/١٠٢ كشاف القناع ٣/٢٧٦. ٥......الشرح الكبير ٣/١٩٥. ٦. البدائع ٥/٢٠١، غاية المنتهىٰ المكان السابق. ٧ مغنى المحتاج ٢/١٠٢، المهذب ١/٢٩٧.

سلم کے متعلق اصطلاحات.....خریدار کو ''رب سلم'' اور ''مسلم'' کہا جاتا ہے، فروخت کنندہ (بائع) کو مسلم الیہ کہا جاتا ہے، مبیع (سامان) کو ''مسلم فیہ'' کہا جاتا ہے اور ثمن (روپے جو بطور قیمت پیشگی دیئے جاتے ہیں) کو رأس المال کہا جاتا ہے۔

غیر حنفیہ کے نزدیک بیع سلم کے ارکان عام بیع کی طرح تین ہیں۔ عاقد (مسلم اور مسلم الیہ) معقود علیہ (رأس المال اور مسلم فیہ) اور صیغہ یعنی ایجاب وقبول۔

تیسرا مقصد: سلم کی شرائط.....سلم میں مختلف شرائط کی رعایت کی جاتی ہے ان میں سے بعض شرائط رأس المال میں پائی جانی ضروری ہیں بعض شرائط مسلم فیہ میں پائی جانی ضروری ہیں، آئمۂ مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ بیع سلم چھ شرائط کے ساتھ صحیح ہوتی ہے وہ یہ ہیں: جنس معلوم (مقرر) ہو، صفت متعین ہو، مقدار معین ہو، مدت مقرر ہو، رأس المال کی مقدار معلوم ہو، مسلم فیہ کے لادنے لدوانے میں اگر اخراجات ہوتے ہوں تو اس کی جگہ مقرر ہو جہاں مسلم فیہ کو سپرد کیا جاسکے۔ (تفصیل آرہی ہے)

فقہاء کا اتفاق ہے کہ کیلی اشیاء (یعنی وہ چیزیں جن کی مقدار پیمانوں سے ناپ کر متعین کی جاتی ہو جیسے تیل شہد وغیرہ) موزونی اشیاء (یعنی جو اشیاء تول کر خریدی اور فروخت کی جاتی ہوں)، زرعی اشیاء (جن اشیاء کی میٹر اور گز کے ساتھ پیمائش کی جاتی ہو جیسے لکڑی اور کپڑا) اور عددی متقارب اشیاء (وہ اشیاء جو گن کر فروخت کی جاتی ہیں لیکن ان کے افراد میں یا تو تفاوت نہیں ہوتا یا بہت معمولی تفاوت ہوتا ہے جیسے انڈے، مالٹے، اخروٹ وغیرہ) میں بیع سلم کرنا جائز ہے۔

رأس المال، مسلم فیہ اور مسلم کے کچھ حصہ میں اقالہ کرنے کی شرائط میں فقہاء کا اختلاف ہے میں ان شرائط کو ذکر کروں گا اور ان میں سے جن اہم شرائط میں اختلاف ہوا ہے اسے بھی بیان کروں گا۔

رأس المال کی شرائط:

حنفیہ.....نے رأس المال میں چھ شرائط کا لحاظ رکھا ہے۔

۱۔ **بیان جنس**.....یعنی رأس المال کی جنس واضح کرنا شرط ہے کہ آیا وہ دراہم ہیں، دینار ہیں (یا روپے ہیں) یا کوئی مکیلی چیز ہے جیسے گندم، جو وغیرہ یا موزونی ہے جیسی روئی، لوہا وغیرہ۔

۲۔ **نوعیت بیان ہو**.....اگر کسی شہر میں مختلف نقود کا رواج ہو جیسی نیشاپوری دینار، غطر ❶ یعنی دراہم یا گندم ثمن ہو تو اس کی نوع بیان کردی جائے کہ یہ گندم سقیہ ہے یا بعلیہ، اگر شہر میں نقد واحد کا رواج ہو تو اس کی جنس بیان کردینا کافی ہے اور عرف میں ثمن سے مراد وہی ہوگا۔

۳۔ **صفت بیان ہو**.....یعنی یہ ثمن جید، عمدہ اور کھرے ہیں یا متوسط یا ردی (گھٹیا)

یہ تین شرطیں عقد میں جہالت کو ختم کرنے کے لئے لگائی جاتی ہیں چونکہ جنس، نوع اور صفت کی جہالت جھگڑے تک پہنچا دیتی ہے اور اس قسم کی جہالت سے بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ ❷

۴۔ رأس المال کی مقدار کو واضح کر دینا کہ وہ کیلی ہے یا وزنی ہے یا عددی متقارب، رأس المال کی طرف اشارہ کردینا کافی نہیں ہوگا یہ شرط امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے نزدیک ہے، چنانچہ اگر رب سلم (خریدار) نے کہا: میں نے یہ دراہم یا دینار بیع سلم میں تمہیں دے دیئے،

---

❶.....غطر یعنی غطریف بن عطار کندی کی طرف منسوب ہے جو ہارون الرشید کے زمانہ میں خراسان کا امیر تھا۔ ❷البدائع ۵/۲۰۱، فتح القدیر ۵/۳۲۷، رد المحتار ۴/۲۱۵۔

ان کی طرف اشارہ کر دیا جبکہ ان کا وزن نامعلوم ہو یا کہا میں نے بیع سلم میں یہ گندم بطور ثمن تمہیں دی جبکہ گندم کی مقدار نامعلوم ہو تو بیع سلم صحیح نہیں ہوگی۔ چونکہ رأس المال کی جہالت مسلم فیہ کی مقدار کی جہالت تک پہنچا دیتی ہے اور مسلم فیہ کی مقدار کی جہالت عقد کو فاسد کر دیتی ہے۔ ① یہ تفصیل تب ہے اگر کیلی، وزنی یا عددی اشیاء میں بیع سلم کی ہو۔

اور اگر بیع سلم ایسی چیز میں کی جس کا مقدار سے تعلق نہیں جیسے زرعی (گز یا میٹر سے ناپی جانے والی) اشیاء جیسے کپڑے، قالین اور لکڑی وغیرہ یا عددی متفاوت ہو جیسے خربوزے اور انار تو ان اشیاء میں گز یا میٹر کا بیان شرط نہیں بلکہ اشارہ ہی کافی ہے، حنفی علماء کے نزدیک بالاتفاق تعیین کافی ہے۔ ②

حنفیہ کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ ثمن کی مقدار کو معتاد بیع العین میں واضح کرنا شرط نہیں جبکہ ثمن کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہو۔

صاحبین، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں، رأس المال کی مقدار کا معلوم ہونا شرط نہیں رأس المال کو دیکھ لینا اس کی مقدار کو معلوم کرنے کے لئے کافی ہے چونکہ یہ عوض مشاہد ہے جیسے ثمن اور معین مبیع۔ ③

جبکہ اس بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی روایت محفوظ نہیں البتہ اندازے کے ساتھ ان کے نزدیک بیع جائز ہے ہاں اگر غرر زیادہ ہو تو جائز ہے، مثلاً غرر کثیر ہو۔

۵۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دراہم اور دینار نقدی ہوں چونکہ جو جہالت مفضی الی نزاع ہو عقد کو فاسد کر دیتی ہے۔ صاحبینؒ اس شرط کے منکر ہیں۔

۶۔ رأس المال پیشگی دیا جائے اور عاقدین کے جدا ہونے سے قبل مجلس عقد میں رأس المال پر بالفعل قبضہ کر لیا جائے، برابر ہے کہ رأس المال عین ہو یا دین، اگر قبضہ سے پہلے عاقدین جدا ہو گئے تو عقد باطل ہوگا اور فسخ ہو جائے گا۔ چونکہ اس صورت میں بیع سلم کی غرض ہی ختم ہو جائے گی، بیع سلم کی غرض پیداوار حاصل کرنے پر دادخواہی ہے۔ اگر ثمن کوئی عین (چیز جیسے گندم) ہو اور عاقدین قبضہ کے بغیر ہی جدا ہو گئے تو بیع سلم کا معنی ہی مختل ہو جائے گا، چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "متعین کیل میں بیع سلف کرو۔" سلف کا معنی پیشگی دینا ہے اور بیع سلم کو سلم ہی اسی لئے کہتے ہیں کہ ثمن پیشگی تسلیم کئے جاتے ہیں۔ جب ثمن کی سپردگی میں تاخیر ہوئی تو بیع سلم نہیں رہے گی، لہٰذا صحیح نہیں، لہٰذا کسی ایک عوض پر قبضہ ضروری ہے تاکہ سلم کا معنی متحقق ہو جائے۔

اگر ثمن ذمہ میں قرضہ ہو مثلاً نقد مال تھا جو قرضہ ہے اس کی سپردگی بھی ضروری ہے تاکہ بیع سلم بیع الدین بالدین نہ ہو، چونکہ مسلم فیہ بھی تو ذمہ میں دین (قرضہ) ہوتی ہے چنانچہ اگر رأس المال مجلس عقد میں سپرد نہ کیا اور اس میں تاخیر کی تو یہ مبادلۃ الدین بالدین ہو جائے گا جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الکالی بالکالی سے منع فرمایا ہے، کالی سے مراد بیع الدین بالدین ہے۔ نیز بیع سلم میں غرر ہوتا ہے یعنی پیشگی مال دے کر داؤ پر لگاؤ کی بات ہوتی ہے چونکہ مسلم فیہ معرض خطر میں ہوتی ہے، اب رأس المال میں تاخیر کر کے غرر میں مزید اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ شرط حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے درمیان متفق ہے۔ ④

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: رأس المال پر قبضہ کرنے میں تین دن یا تین سے کم دن تک تاخیر کرنی جائز ہے، اگرچہ عقد میں اس کی شرط لگا دی گئی ہو برابر ہے کہ رأس المال عین ہو یا دین ہو چونکہ سلم معاوضہ ہوتا ہے جو رأس المال پر قبضہ کرنے کی تاخیر سے بیع سلم ہونے سے نہیں نکلتا، لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسے مجلس عقد کے آخر تک تاخیر کر دی گئی ہو، جو بھی کسی چیز کے قریب ہوا سے اسی چیز کا حکم ملتا ہے اس پر بیع الکالی کا

---

① ......المرجع السابق۔ ② فتح القدیر ۲/۱۰۴ المهذب ۱/۳۰۰، المغنی ۲۹۸/۴۔ ③ مغنی المحتاج ۲/۱۰۴ المهذب ۱/۳۰۰ حاشیۃ الدسوقی ۳/۱۹۷۔ ④ فتح القدیر ۲۴۲/۵، البدائع ۲۰۲/۵ رد المحتار ۲۱۸/۴ مغنی المحتاج ۲/۱۰۲ المهذب ۱/۳۰۰ المغنی ۲۹۵/۴۔

حکم نہیں لگ سکتا۔ اگر رأس المال میں تین دن سے زیادہ تاخیر ہوجائے پھر اگر تاخیر کسی شرط سے ہو تو بالاتفاق بیع سلم فاسد ہوجائے گی برابر ہے کہ تاخیر بہت زیادہ ہو یا کم ہو۔

اگر تاخیر بغیر شرط کے ہو تو اس بارے میں مدونہ کبری میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دو اقوال مروی ہیں:

۱.....بیع سلم فاسد ہوجائے گی۔

۲.....بیع سلم فاسد نہیں ہوگی، برابر ہے کہ تاخیر زیادہ ہو یا کم، معتمد قول یہی ہے کہ تین دن سے زائد میں بیع سلم فاسد ہوجاتی ہے۔ ❶

مسلم فیہ کی شرائط..... حنفیہ نے مسلم فیہ میں گیارہ شرائط لگائی ہیں۔

۱.....مسلم فیہ (بیع/سامان) کی جنس متعین ہو مثلاً یہ بتادیا جائے کہ یہ گندم ہے یا جو وغیرہ۔

۲.....یہ کہ نوعیت معلوم ہو مثلاً بتادیا جائے کہ گندم سقیہ ہے، سہلیہ ہے یا جبلیہ ہے۔

۳.....صفت متعین ہو۔ مثلاً بتادیا جائے کہ گندم جید ہے، یا ردیہ ہے یا متوسط ہے۔ ملاحظہ رہے کہ جنس نوع اور صفت کے بیان کرنے پر بھی اکتفا کرلیا جاتا ہے، واضح رہے عقد میں متوقع پیداوار کا ذکر صحیح نہیں چونکہ یہ معدوم چیز کی بیع ہے یہ جائز نہیں۔

۴.....کیل، وزن، گنتی اور ذراع سے مسلم فیہ کی مقدار متعین ہو، ان چار شرائط کی وجہ بھی وہی ہے جو رأس المال کی شرائط پر مذکور ہوچکی ہے کہ جہالت کو ختم کرنا ہوتا ہے چونکہ جنس، نوع، صفت اور مقدار کی جہالت جھگڑے تک پہنچادیتی ہے۔ نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ”تم میں سے جو شخص بیع سلم کرنا چاہے وہ متعین کیل اور متعین وزن میں بیع سلم کرے اور مدت بھی متعین ہو۔ ❷

۵.....یہ کہ بدلین میں رباء فضل کی دو علتوں میں سے کوئی علت نہ پائی جائے اور وہ قدر اور جنس ہیں، چونکہ اگر علت پائی گئی تو عقد سود کو متضمن ہوگا چونکہ ربا نسیئہ کی حرمت کسی ایک وصف کے پائے جانے سے متحقق ہوجاتی ہے۔

بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ بیع سلم میں یہ شرط ہے کہ ربا الفضل کی علت کے دو اوصاف میں سے کوئی نہ ہو وہ کیل یا وزن اور جنس ہے، چونکہ ربا الفضل کے دو اوصاف میں سے ایک ربا نسیئہ کی علت ہے، جب بیع سلم کے بدلین میں ان دو اوصاف میں سے ایک جمع ہوجائے تو ربا نسیئہ متحقق ہوجائے گا اور وہ عقد جس میں سود ہو وہ باطل ہوتا ہے۔ اگر قدر متفق متحقق نہ ہو مثلاً مسلم فیہ الگ چیز ہو اور رأس المال کوئی اور چیز ہو دونوں کی قدر مختلف ہو جیسے نقدی روپے کے بدلہ میں گندم کی بیع، یا دراہم کے بدلہ میں زعفران کی بیع تو بیع سلم صحیح ہوگی چونکہ ربا نسیئہ کی علت معدوم ہے، اور وہ قدر اور جنس ہے۔ جنس کا مختلف ہونا تو ظاہر ہے کہ ایک طرف گندم ہے اور دوسری طرف نقدی مال (روپے) ہے۔ رہی بات قدر کی سو ثمن کی قدر الگ ہے اور سامان (مبیع) کی قدر بھی جدا ہے چنانچہ نقود کا وزن مثقال سے کیا جاتا ہے جبکہ گندم کا وزن پیمانہ سے کیا جاتا ہے، اور گندم مکیلی چیز ہے اور نقود موزونی۔ ❸

مالکیہ نے اس شرط کو یوں بیان کیا ہے کہ رأس المال اور مسلم فیہ جنس کے اعتبار سے جدا جدا ہوں تو بیع سلم میں نسیئہ (ادھار) جائز ہے۔ لیکن سونے اور چاندی میں ایک دوسرے کے بدلہ میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔ چونکہ سونے چاندی میں بیع سلم سود ہے، اسی طرح غلہ کے بدلہ میں غلہ کی بیع سلم کرنا بھی جائز نہیں چونکہ اس میں بھی سود ہے۔ جانور میں سونے اور چاندی کی بیع سلم کرنا جائز ہے سامان اور غلہ میں بھی جائز ہے، سامان کے بدلہ میں سامان کی بیع سلم بھی جائز ہے۔ ❹

۶.....یہ کہ مسلم فیہ ایسی چیزوں میں سے ہو جو متعین ہونے سے متعین ہوجاتی ہیں، اگر مسلم فیہ ایسی چیزوں میں سے، ہو جو متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتیں جیسے دراہم اور دیناران میں بیع سلم جائز نہیں۔

---

❶.....حاشیة الدسوقی ۳/۱۹۵ المنتقی ۴/۳۰۰ القوانین الفقهية ص ۲۶۹. ❷المبسوط ۱۲/۱۲۴، فتح القدیر ۵/۳۳۷، البدائع ۵/۲۰۷، رد المحتار ۴/۲۱۵. ❸البدائع ۵/۱۸۶، رد المحتار ۴/۲۱۷. ❹القوانین الفقهية ص ۲۶۹.

آیا سونے چاندی کی ڈلی (ٹکیہ) میں بیع سلم جائز ہے، چنانچہ اس بارے میں دوروایتیں ہیں:

ا.....ایک روایت یہ کہ جائز نہیں چونکہ سونے چاندی کی ڈلی دراہم اور دینار کے قائم مقام ہے۔

۲.....دسری روایت یہ ہے کہ اس میں بیع سلم جائز ہے چونکہ سونے چاندی کی ڈلی بمنزلہ سامان کے ہے۔

اس اصول پر مختلف مسائل متفرع ہوتے ہیں۔ گنتی کر کے فلوس (روپوں اور پیسوں) میں بیع سلم۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے چونکہ ان کے نزدیک فلوس ثمن مطلق نہیں ہوتے بلکہ تعیین سے متعین ہو جاتے ہیں جیسے گنتی کیا جانے والا سامان۔ جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فلوس میں بیع سلم جائز نہیں چونکہ فلوس ان کے نزدیک ثمن کے حکم میں ہیں۔ ❶

۷.....یہ کہ مسلم فیہ ادھار ہو، اس شرط میں علماء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ..... کہتے ہیں: بیع سلم کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ مسلم فیہ ادھار ہو، مسلم فیہ اگر فی الحال ہاتھوں ہاتھ سونپی جائے تو یہ صحیح نہیں، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جو شخص کسی چیز میں بیع سلم کرنا چاہے تو وہ متعین کیل، متعین وزن اور متعین مدت میں سلم کرے۔ چنانچہ اس حدیث میں مدت کا حکم آیا ہے جو ادھار سے متعلق ہے، امر وجوب کا مقتضی ہوتا ہے، جیسا کہ مسلم فیہ کا کیلی یا موزونی ہونا واجب ہے، نیز بیع سلم لوگوں کی آسانی کے لئے مشروع ہوئی ہے آسانی ادھار ہی کی صورت میں مقصود ہو سکتی ہے، جب وہ (ادھار) نہیں ہوگا تو آسانی بھی نہیں ہوگی۔ ❷

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ..... کہتے ہیں: ہاتھوں ہاتھ نقدی اور ادھار دونوں طرح بیع جائز ہے، اگر نقدی اور ادھار سے مطلق بیع سلم کی جبکہ مسلم فیہ فی الحال موجود ہو تو عقد فی الحال منعقد ہوگا چونکہ بیع سلم جب ادھار جائز ہے تو نقداً فی الحال بطریق اولیٰ جائز ہوگی، چونکہ اس صورت میں غرر سے بھی دوری ہوگی۔ حدیث میں "متعین مدت سے مراد" مدت کا علم ہونا ہے نفس مدت مراد نہیں۔ بیع سے سلم کی طرف عدول کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ مبیع کے غائب ہوتے ہوئے عقد جائز رہے گا چنانچہ جب مبیع موجود نہ ہو اور دیکھی نہ جا رہی ہو تو شافعیہ کے نزدیک بیع جائز نہیں ہوتی اگرچہ مبیع کو حاضر کرنے تک عقد مؤخر ہی کیوں نہ کر دیا جائے، بسا اوقات مبیع ضائع بھی ہو جاتی ہے یا خریدار اسے حاصل نہیں کر پاتا۔ ❸

بیع سلم کی مدت کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ..... کہتے ہیں: بیع سلم کی مدت ایک مہینہ کے لگ بھگ ہے، چونکہ ادھار کا معاملہ کرنے والے کے لئے یہ ادنیٰ مدت ہے اور نقدی معاملہ کرنے والے کے لئے دور کی مدت ہے۔

مالکیہ..... کہتے ہیں: بیع سلم کی کم از کم مدت نصف مہینہ ہے، چونکہ اس مدت میں مارکیٹوں کا اتار چڑھاؤ ہو جاتا ہے اور اس دوران مسلم فیہ حاصل ہو جاتی ہے، الا یہ کہ جب محض وصول سے مسلم فیہ کے قبضہ کی شرط ہو جو ایک شہر سے دوسرے شہر میں ہو اور مسافت عقد والے شہر سے دو دن کی ہو چونکہ دونوں شہروں میں مارکیٹوں کے اتار چڑھاؤ کا اختلاف ہو جاتا ہے اگرچہ بالفعل اختلاف نہ ہو، اور عقد میں یہ بھی شرط ہو کہ مسلم فیہ کو لے کر فوراً شہر کی طرف چل پڑنا ہے جیسے رب سلم اور مسلم الیہ کا نکلنا شرط ہے اور یہ کہ رأس المال پر مجلس میں یا اس کے قریب کہیں قبضہ کرنا شرط ہے، یہ کہ خشکی کا دو دن کا سفر ہو چونکہ بسا اوقات دو دن کی مسافت نصف دن میں قطع ہو جاتی ہے، یوں سلم فی الحال پوری ہو جاتی

❶.....المبسوط ۱۲/۱۳۶، البدائع ۵/۲۰۸. ❷المبسوط ۱۲/۱۲۵، البدائع ۵/۲۱۲، فتح القدير ۵/۳۳۵، المنتقى على الموطا ۴/۲۹۷ بداية المجتهد ۲/۲۰۱ حاشية الدسوقي ۳/۲۰۵، المغني ۴/۲۸۹ القوانين الفقهية ص ۲۸۹. ❸المهذب ۱ ص ۲۹۷، مغني المحتاج ۲ ص ۱۰۵.

ہے، جب ان پانچ شرائط میں سے کوئی شرط مختل ہوگی تو مدت کی تعیین ضروری ہوگی۔

جب یہ شرائط پائی جائیں تو مالکیہ کے نزدیک نصف مہینہ کی مدت شرط نہیں۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مدت کا متعین ہونا ضروری ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ......البقرۃ ۲/۲۸۲

جب تم لین دین کا متعین مدت تک معاملہ کرو۔

نیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''متعین مدت تک۔'' عقلی وجہ یہ ہے کہ مدت کے متعین ہونے سے مسلم فیہ کی سپردگی کا وقت، واحد ہوگا اگر مدت مقرر نہ ہوتو یہ اختلاف باقی رہے گا، اور رب سلم دھوکے میں پڑ جائے گا، البتہ مدت کی کیفیت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: بعینہ زمانے کی تحدید ضروری ہے (مثلاً مہینہ، وزن اور تاریخ مقرر کی جائے)، چنانچہ غلہ کاٹنے، صاف کرنے، نیروز جو کہ قبطی سال کا پہلا دن ہے اور موسم بہار کا پہلا دن ہوتا ہے، مہرجان جو خریف کا پہلا دن ہوتا ہے، نصاریٰ کی عید، حاجیوں کی واپسی، موسم گرما، سرما وغیرہ کو مدت میں مقرر کرنا صحیح نہیں (۱) مثلاً یوں کہنا کہ جب حاجی واپس آجائیں گے میں مسلم فیہ سپرد کردوں گا۔

ان فقہاء کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیع سلم متعین مدت تک ہو، جبکہ مذکور بالا اوقات سے مدت کی تعیین باعث نزاع ہے، چونکہ ان اوقات میں تقدیم وتاخیر ہوتی رہتی ہے۔ اس کی تائید ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر سے بھی ہوتی ہے کہ آپس میں خرید وفروخت کا معاملہ غلہ کاٹنے اور گاہنے کی مدت تک نہ کرو، (۲) تمہارا معاملہ صرف متعین مہینہ تک ہونا چاہئے۔ (۳)

مالکیہ...... کہتے ہیں: ان اوقات کو مدت میں طے کرنا صحیح ہے اور بیع سلم جائز ہے، ان اوقات میں متوسط وقت معتبر ہوگا جس میں ان امور کا صدور غالب ہو، مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مدت ایسے وقت کے ساتھ متعلق ہے جو عرف اور عادت سے معلوم ہوجاتے ہیں ان میں اتنا زیادہ تفاوت نہیں ہوتا لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے سال کے آخر میں۔ (۴)

۸...... یہ کہ مسلم فیہ (یعنی مبیع) کی جنس بمعہ اپنی نوع اور صفت کے بازاروں میں دستیاب ہو، اور عقد کے وقت سے لے کر مدت پوری ہونے تک برابر دستیاب رہے۔ اور لوگوں کے پاس سے اس کا منقطع متوہم نہ ہو، اگر مسلم فیہ بوقت عقد یا مدت پوری ہونے کے وقت بازاروں میں موجود نہ ہو یا درمیان مدت میں لوگوں کے ہاں ختم ہوجائے جیسے پھل، دودھ وغیرہ ختم ہوجاتے ہیں تو پھر بیع سلم جائز نہیں، چونکہ فی الحال سپردگی پر قدرت حاصل ہے اور مدت پوری ہونے کے وقت اس کا پایا جانا مشکوک ہے، ہوسکتا ہے ختم ہوجائے، اگر مدت پوری ہونے تک مسلم فیہ بازاروں میں دستیاب ہے تو اسے سپرد کرنے پر قدرت ثابت ہوجائے گی، اگر اس سے قبل ضائع ہوگی تو سپردگی نہیں ہوگی، بالفاظ دیگر یوں کہا جائے گا کہ یہ شرط اس لئے لگائی جاتی ہے تاکہ مسلم فیہ کی سپردگی یقینی ہوجائے۔

مذکور بالا تفصیل کی روشنی میں بھی واضح ہوجاتا ہے کہ مسلم فیہ اگر کسی متعین جگہ کی طرف منسوب کی گئی ہو اور پھر اگر کسی آسمانی آفت کی وجہ سے اس کا ضائع ہونا محتمل ہو جیسے کسی خاص جگہ کی گندم تو اس صورت میں بیع سلم کرنا جائز نہیں چونکہ مبیع کو سپرد کرنے پر قدرت نہیں ہوگی بلکہ یہ تو

(۱)......فتح القدير ۵/۲۲۲۔ (۲) چونکہ اس میں تقدیم وتاخیر ہوسکتی ہے۔ (۳) قال الحافظ الزيلعي روى البيهقي في كتاب المعروه من طريق الشافعي عن ابن عباس. نصب الراية ۴/۲۱۔ (۴) المنتقى على الموطا ۴/۲۹۸، القوانين الفقهية ص ۲۶۹۔

بلا وجہ کا غرر ہے لہٰذا عقد کی صحت محتمل ہوگی۔

اگر مسلم فیہ کسی ایسی جگہ کی طرف منسوب ہو جس کی کامیابی کا احتمال نہ ہو جیسے خراسان کی گندم، عراق کی گندم (پنجاب کی گندم) تو بیع سلم جائز ہوگی چونکہ غالب امکان دستیابی کا ہے اور غالب یقینی امر ہے۔

بعض حنفی مشائخ کہتے ہیں: اگر مسلم فیہ کسی بڑے شہر یا ملک کی طرف منسوب ہو تو بیع سلم جائز نہیں ان مشائخ کی تعبیر یوں ہے۔ ''بیع سلم صرف ایک ولایت کے غلہ میں جائز ہے چونکہ اس کے ماوراء انقطاع کا وہم ثابت شدہ ہے، لیکن صحیح مذہب پہلا ہے۔ ❶ یہ حنفیہ کا مذہب بیان ہوا۔

مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ...... کہتے ہیں: یہ شرط ہے کہ مسلم فیہ عام اور وافر پائی جاتی ہو اور انقطاع کا خوف نہ ہو یعنی مدت پوری ہونے کے وقت مسلم فیہ دستیاب ہو، برابر ہے عقد کے وقت مسلم فیہ پائی جائے یا نہ پائی جائے۔

چونکہ اہمیت اس بات کی ہے کہ مسلم فیہ کی سپردگی پر قدرت ہو لہٰذا سپردگی کے وقت کا اعتبار ہوگا، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ ایک سال اور دو سال تک پھلوں میں بیع سلم کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص بیع سلم کرنا چاہے وہ معین کیل، متعین وزن اور متعین مدت میں بیع سلم کرے۔'' حدیث میں یہ شرط نہیں لگائی گئی کہ بوقت عقد مسلم فیہ موجود ہو، اگر یہ شرط ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ضرور ذکر فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سال تک بیع سلم کی مدت سے منع فرمایا ہے چونکہ اس مدت کے وسط میں مسلم فیہ کے کامیاب ہونے کا امکان ہو سکتا ہے۔ ❷

البتہ مالکیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ مسلم فیہ کا التزام مطلقاً ذمہ میں ہو، معین چیز میں سلم جائز نہیں جیسے کسی متعین بستی کی گندم، اسی اصول کے مطابق بالاتفاق زمین میں بیع سلم جائز نہیں چونکہ زمین متعین ہوتی ہے۔ ❸

جمہور فقہاء کا اجتہاد راجح ہے۔ ❹

حنفیہ کے اجتہاد کے مطابق اگر مدت پوری ہونے پر مسلم فیہ دستیاب نہ ہو تو خریدار کو بیع باقی رکھنے اور فسخ کرنے میں اختیار ہوگا۔ ❺

۹...... یہ کہ عقد سلم قطعی ہو اور عقد میں کسی عاقد کو خیار شرط حاصل نہ ہو، چنانچہ اگر رب سلم نے سو روپے دیئے اور چند دن کی مدت متعین کر کے گندم لینی قرار پائی ساتھ خریدار نے اپنے لئے خیار شرط رکھ لیا تو بیع سلم فاسد ہو جائے گی، چونکہ خیار شرط کے ساتھ بیع کا جواز خلاف قیاس لوگوں کی رعایت کے لئے ثابت ہے اس پر سلم کو قیاس نہیں کیا جائے گا چونکہ بیع سلم میں خیار شرط کی چنداں حاجت نہیں۔ نیز خیار شرط کی مشروعیت غبن دور کرنے کے لئے ہے جبکہ بیع سلم کا دارومدار غبن اور نقص ثمن پر ہے چونکہ بیع سلم کو مفلسین کی بیع کہا جاتا ہے لہٰذا خیار شرط کی نص میں داخل نہیں ہوگی۔

اگر مجلس عقد ہی میں رب سلم اور مسلم الیہ نے خیار شرط کو ختم کرنے پر اتفاق کر لیا جبکہ رأس المال مسلم الیہ کے پاس محفوظ اور موجود ہو تو جمہور حنفیہ کے نزدیک عقد سلم درست ہو جائے گا، البتہ امام زفر کا اس میں اختلاف ہے۔ اگر رأس المال ضائع ہو گیا تو عقد سلم صحیح نہیں ہوگا چونکہ اس صورت میں رأس المال مسلم الیہ پر قرض ہو جائے گا جبکہ اگر رأس المال قرضہ ہو تو بیع سلم منعقد نہیں ہوتی۔

اس شرط کو رأس المال پر قبضہ کرنے کی شرط میں داخل سمجھا جا سکتا ہے کہ عقد مجلس ہی میں رأس المال پر فیصلہ شرط ہے جو خیار مجلس عقد کی [illegible] ہمواگی کے خلاف ہے۔

---

❶...... المبسوط ۱۲/۱۳۴، فتح القدیر ۵/۳۳۱، البدائع ۵/۲۱۱۔ ❷ المنتقی علی الموطا ۴/۳۰۰ حاشیة الدسوقی ۳/۲۱۱ مغنی المحتاج ۲/۱۰۲، المهذب ۱/۲۹۸، المغنی ۴/۲۹۳ غاية المنتهی ۲/۷۹۔ ❸ القوانين الفقهية ص ۱۶۹۔ ❹ عقد البیع ص ۱۲۰۔ ❺ رد المحتار ودر المختار ۴/۲۱۴، عقد البیع المرجع السابق

ملاحظہ رہے کہ خیار رؤیت اور خیار عیب رأس المال میں حاصل ہوگا بشرط یہ کہ رأس المال قیمتی یا مثلی چیز ہو، اس سے عقد فاسد نہیں ہوتا چونکہ خیار عیب اور خیار رؤیت بدل میں ثبوت ملک سے مانع نہیں ہیں۔

رہی بات مسلم فیہ کی سو اس میں بالاتفاق خیار رؤیت ثابت نہیں ہوگا چونکہ خیار رؤیت ان چیزوں میں ثابت نہیں ہوتا جو ذمہ میں بطور دین ثابت ہوں، چونکہ یہاں خیار رؤیت کا کوئی فائدہ ہی نہیں چونکہ خیار رؤیت کا ثمرہ یہ ہوا ہے کہ جب مبیع دیکھنے پر خریدار کو نہ بھائے تو وہ اسے رد کر دیتا ہے جبکہ مسلم فیہ کوئی متعین چیز نہیں ہوتی بلکہ وہ ذمہ میں دین ہوتی ہے جو مثل کی مقتضی ہے، اگر خیار رؤیت کے پیش نظر مسلم فیہ کو واپس کر دیا گیا تو دین جیسے تھا ویسے واپس کر دیا گیا، اور دوسری مثل کو ادا کرنا واجب ہوگا یوں خیار کی وجہ سے اس کا رد ممکن ہوگا اور یہ تسلسل برقرار رہے گا۔ اسی لئے تو صحت سلم کے لئے مبیع کے وصف پر اکتفا کر لیا گیا ہے، اور بیان وصف معاینہ کے قائم مقام ہے۔

رہی بات خیار عیب کی سو مسلم فیہ میں اس کا ثبوت صحیح ہے چونکہ قبضہ تمام ہونے سے مانع نہیں۔ ❶

۱۰..... اگر مسلم فیہ کے لادنے اور لدوانے میں خرچہ ہو تو اس کی ادائیگی کی جگہ متعین ہو جیسے گندم، جو وغیرہ یہ شرط امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

منشائے اختلاف یہ ہے کہ عقد کی جگہ ادائیگی کے لئے بھی متعین ہو جاتی ہے ان چیزوں کے لئے جن کے لادنے میں خرچہ ہو۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ..... کہتے ہیں: عقد کی جگہ ادائیگی کے لئے متعین نہیں ہوتی چونکہ جب عقد کسی جگہ کی تعیین سے مطلق خالی ہو تو ادائیگی کے لئے وہ جگہ متعین نہیں ہوگی، لہٰذا جب جگہ متعین نہیں ہوگی تو ادائیگی کی جگہ مجہول رہ جائے گی جو مفضی الی النزاع ہے۔

صاحبین..... کہتے ہیں: ادائیگی کے لئے عقد کی جگہ متعین ہے یہاں ایسی جہالت نہیں ہوتی جو مفضی الی النزاع ہو لہٰذا بیع سلم صحیح ہوگی، اور ادائیگی کے وجوب کا سبب عقد ہوتا ہے جبکہ عقد اسی جگہ ہوا ہے لہٰذا ادائیگی کے لئے یہی عقد کی جگہ متعین ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صاحبین پر یوں رد کیا ہے کہ عقد عاقدین کے ساتھ قائم ہوتا ہے جگہ کے ساتھ نہیں یہ تو متعاقدین کی جگہ ہوئی عقد کی جگہ نہیں لہٰذا اس جگہ عقد نہیں پایا گیا۔

یہ اختلاف دیگر مسائل میں بھی چلے گا چنانچہ عقد اجارہ نہیں اجرت ادائیگی کی جگہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متعین کرنی ضروری ہوگی صاحبین کے نزدیک وہی جگہ متعین ہے جہاں عقد اجارہ ہوا۔ چنانچہ اجرت پر دی ہوئی چیز اگر زمین ہو یا گھر ہو تو زمین اور گھر ادائیگی کے لئے متعین ہے، اگر اجرت پر جانور لیا ہو تو جانور کی روانگی کے شروع میں اجرت دینی ہوگی، اگر کپڑا جو رنگریزی کے لئے دیا گیا ہو تو اسی جگہ اجرت دینا ضروری ہے جہاں کپڑا دیا ہو، صاحبین کے نزدیک عقد کی جگہ سپردگی اور ادائیگی کے لئے متعین ہے بشرط یہ کہ اس جگہ سپردگی ممکن ہو، اگر سپردگی ممکن نہ ہو مثلاً عقد سمندر میں ہوا ہو یا کسی پہاڑ پر ہوا ہو تو یہ جگہ سپردگی کے لئے متعین نہیں ہوگی، البتہ اس کے قریب جو جگہ ہو وہ متعین ہوگی۔

اگر مسلم فیہ کوئی ایسی چیز ہو جس کے لادنے اور لدوانے میں کوئی مشقت اور خرچہ نہ ہو جیسے جواہر موتی وغیرہ تو اس کی سپردگی کی جگہ کے بارے میں حنفیہ سے دو روایتیں مروی ہیں۔

۱..... عقد جس جگہ طے ہوا ہو وہی جگہ سپردگی کے لئے متعین ہے یہ صاحبین کا قول ہے۔

۲..... یہ روایت حنفیہ کے نزدیک زیادہ صحیح ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ جہاں بھی مسلم الیہ، رب سلم سے ملاقات کرے وہیں سپرد کر دے، چونکہ جگہیں سبھی برابر ہوتی ہیں، چونکہ وہ چیزیں جن کے اٹھانے میں مشقت نہ ہو جگہ کے بدلنے سے ان کی قیمت میں تفاوت

---

❶..... فتح القدیر ۳۴۳/۵، عقد البیع ص ۱۱۹۔

نہیں پڑتا۔ ❶

اگر خریدار اور فروخت کنندہ نے عقد کی جگہ کے علاوہ کوئی اور جگہ متعین کردی تو پھر اگر اس چیز کے لادنے لدوانے میں خرچہ ہوتا ہو تو وہ جگہ متعین ہوجائے گی اگر خرچہ نہ ہوتا ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں:

۱..... وہ جگہ متعین نہیں ہوگی جس جگہ چاہے فروخت کنندہ سپرد کرسکتا ہے۔

۲..... وہ جگہ متعین ہوجائے گی، یہی روایت زیادہ صحیح ہے چونکہ اس صورت میں رب سلم کو راستے کے خطرات سے امن ملتا ہے۔

مالکیہ..... کہتے ہیں: مبیع سپرد کرنے کی جگہ کی شرط زیادہ بہتر ہے۔ ❷

شافعیہ..... کہتے ہیں: مسلم فیہ جب کسی ایسی جگہ سپرد کی جائے جو سپردگی کے قابل نہ ہو یا سپردگی کے قابل ہو اور مسلم فیہ کے لادنے میں مشقت اور خرچہ بھی ہو تو اس صورت میں مسلم فیہ کی سپردگی کی کو متعین کرنا شرط ہے، چونکہ ہر جگہ کی غرض میں تفاوت ہوتا ہے، اور اگر عقد کی جگہ سپردگی کے قابل ہو جبکہ مسلم فیہ کے اٹھانے میں کوئی دشواری نہ ہو تو سپردگی کی جگہ کو متعین کرنا شرط نہیں۔ بلکہ عرف عام کے مطابق عقد کی جگہ متعین ہوگی۔ ❸

حنابلہ..... کہتے ہیں: مسلم فیہ کی سپردگی کے لئے جگہ کی تعیین شرط نہیں البتہ اختلاف کی صورت میں عقد کی جگہ متعین ہے۔ ❹

۱۱..... مسلم فیہ ان چیزوں میں سے ہو جن کی صفات ضبط میں لائی جاسکتی ہوں یعنی مبیع ایسا مال ہو جو ذمہ میں ثبوت کو قبول کرتا ہو، یہ تبھی ہوسکتا ہے جب مبیع مثلیات میں سے ہو مثلاً مبیع مکیلی ہو یا موزونی ہو یا لیٹر اور گز سے اس کی پیائش کی جاتی ہو یا عددی متقاربہ ہو جیسے غلہ جات، پھل، آٹا، کپڑے، روئی، لوہا، سیسہ، ادویات، اخروٹ، انڈے وغیرہ، چونکہ مکیلی اور موزونی اشیاء کی مقدار اور وصف کو ضبط میں رکھنا ممکن ہوتا ہے اور اگر ان میں تفاوت ہو بھی تو بہت تھوڑا ہوتا ہے، چونکہ مکیلی اشیاء ذوات الامثال میں سے ہوتی ہیں، رہی بات متقارب کی جو میٹر اور گز سے ناپی جاتی ہوں یا عددی ہوں تو ان میں اگر جہالت ہو بھی تو بالکل معمولی ہوتی ہے جو جھگڑے تک نہیں پہنچاتی۔

اگر مبیع ایسی اشیاء میں سے ہو جس کا وصف ضبط نہیں کیا جاسکتا جیسے عددی متفاوت اشیاء اور میٹر، گز سے ناپی جانے والی متفاوت اشیاء جیسے گھر، زمین، جواہر، موتی، کھالیں، لکڑ، سریا، انار کے دانے، ناشپاتی، خربوزے وغیرہ تو ان میں بیع سلم کرنا جائز نہیں، چونکہ ان اشیاء کے وصف کا ضبط میں لانا ممکن نہیں چونکہ ان اشیاء کی جنس نوع، صفت، مقدار کو بیان کرنے کے بعد بھی جہالت فاحشہ باقی رہتی ہے جو مفضی الی النزاع ہوتی ہے، چونکہ ان اشیاء کی اکائیوں میں مالیت کے اعتبار سے زبردست تفاوت ہوتا ہے، چنانچہ ایک جوہر اور دوسرے جوہر ہیں، ایک موتی اور دوسرے موتی ہیں، ایک جانور اور دوسرے جانور ہیں، ایک کھال اور دوسری کھال میں بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے۔ اسی تفاوت کی وجہ سے اور بڑا چھوٹا ہونے کی وجہ سے قیمت بھی مختلف ہوتی ہے، یوں بیع کا وقوع مجہول چیز پر ہوگا اور مجہول چیز کی بیع جائز نہیں ہوتی۔ یہ حنفیہ کا مذہب ہے، ملاحظہ رہے کہ حنفیہ عددی متقارب اشیاء میں بیع سلم کو مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں خواہ وہ انہیں پیمانہ سے ناپ کردیا جائے یا وزن کرکے یا گنتی کرکے، رہی بات عددی متفاوت کی سوان میں حنفیہ بیع سلم کو ناجائز قرار دیتے ہیں نہ وزن سے جائز ہے نہ گنتی سے۔ ❺

مالکیہ..... کہتے ہیں: بیع سلم ان چیزوں میں سے بھی صحیح ہے جن کا وصف ضبط کیا جائے اور ان میں بھی جائز ہے جن کا وصف ضبط میں نہ لایا جاتا ہے جبکہ رب سلم نے کسی متعین چیز کی شرط رکھی ہو جس کی جنس، صفت، مقدار متعین ہو وہ چیز موزونی ہو تو وزن کے ساتھ دی جائے، مکیلی ہو تو پیمانہ کے ساتھ لیٹر یا گز سے ناپی جاتی ہو تو ناپنے کے ساتھ سپرد کی جائے، یا عددی ہو تو گنتی کرکے، چونکہ بیع سلم کے صحیح ہونے کی شرط

❶..... فتح القدير ٥/٣٤٢، البدائع ٥/٢١٣۔ ❷ القوانين الفقهية ص ٢٧٠۔ ❸ مغني المحتاج ٢/١٠٤۔ ❹ غاية المنتهى ٢/٨٠۔ ❺ المبسوط ١٢/١٣١، البدائع ٥/٢٠٨، فتح القدير ٥/٣٢٤، رد المحتار ٤/٢١٣ الفوائد البهية ص ٣٩.

یہ ہے کہ مسلم فیہ کوضبط میں لایا جاسکے، اور مسلم فیہ کا ضبط عادت وعرف کے موافق ہوتا ہو وزن سے یا کیل سے یا عدد سے یا ذراع سے، رہی بات عددی متقارب اشیاء کی تو ان میں بیع سلم گنتی کر کے جائز ہے چونکہ ان میں زیادہ تفاوت نہیں ہوتا۔ (۱)

شافعیہ...... کہتے ہیں: جن اشیاء کی صفت ضبط کی جاسکے ان میں بیع سلم صحیح ہے اور جن کی صفت ضبط میں نہ لائی جاسکے ان میں بیع سلم جائز نہیں۔ جبکہ عددی متقارب اشیاء جیسے اخروٹ وغیرہ تو ان میں بیع سلم وزن، کیل اور ذراع کے ساتھ صحیح ہے جبکہ گنتی کے ساتھ صحیح نہیں چونکہ عددی اشیاء مختلف ہوتی ہیں، لہٰذا گنتی کر کے جائز نہیں جیسے خربوزے۔ رہی بات عددی متفاوت کی سو ان میں بیع سلم وزن کے ساتھ جائز ہے جیسے خربوزے، بینگن، ککڑی، ناشپاتی، انار وغیرہ، چونکہ یہ اشیاء تفاوت کی وجہ سے کیل سے ضبط میں نہیں لائی جاسکتیں، نیز ان میں گنتی کافی نہیں ہوگی، چونکہ ان میں بکثرت تفاوت ہوتا ہے لہٰذا ان میں وزن ہی مقرر ہے۔ (۲)

حنابلہ...... کہتے ہیں: ان اشیاء میں بیع سلم صحیح ہے جو وصف سے ضبط کی جاسکتی ہوں جیسے مکیلی اور موزونی اشیاء، ان چیزوں میں صحیح نہیں جو ضبط میں نہ لائی جاتی ہوں۔ رہی بات عددی متفاوت کی ان میں دو صورتیں ہیں:

۱...... ان میں بیع سلم صحیح ہے اور ان کے افراد چھوٹا بڑا ہونے کے اعتبار سے ضبط میں لائے جاسکتے ہیں۔

۲...... یہ کہ بیع سلم صرف وزن کے ساتھ صحیح ہے جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔ (۳)

شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب حنفیہ کے مذہب کے قریب تر ہے البتہ عددی متقارب اشیاء میں اور عددی متفاوت اشیاء میں اختلاف ہے، مالکیہ نے ان اشیاء میں بیع سلم کو جائز قرار دیا ہے جن کا وصف ضبط میں لایا جاسکتا ہو۔

اب میں کچھ ایسی مبیعات کا تذکرہ کروں گا جن کا ضبط وصف کی شرط سے کوئی ثمرہ نکل پاتا ہے ان میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں۔

جانور میں بیع سلم...... وزن کے ساتھ چکیوں اور چربیوں میں بلا اختلاف بیع سلم جائز ہے، جبکہ جانور میں بیع سلم کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ...... کہتے ہیں: جانور خواہ جس حالت میں ہو اس میں بیع سلم جائز نہیں ہے، ان کی دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور میں بیع سلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (۴) عقلی دلیل یہ ہے کہ مالیت کے اعتبار سے جانوروں میں شدید اختلاف اور تفاوت پایا جاتا ہے۔ لہٰذا جانور کو ضبط میں لانا نہایت دشوار بلکہ ناممکن ہے اگر چہ جملہ اوصاف بیان کر دیئے جائیں، جانور میں پایا جانے والا اختلاف جھگڑے تک پہنچا دیتا ہے، جیسے عددی متفاوت میں ہوتا ہے۔ (۵)

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: جانور میں بیع سلم جائز ہے، ان فقہاء نے بیع سلم کو قرض پر قیاس کیا ہے کہ جانور کو قرض پر لیا جاسکتا ہے، چنانچہ مسلم کی روایت ہے کہ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوان اونٹ قرضہ میں لیا۔" نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدلہ میں ادھار خرید یں۔ (۶) یہ بیع سلم ہے قرضہ نہیں چونکہ اس میں مدت بھی ہے اور اضافہ بھی ہے۔

---

(۱)...... بداية المجتهد ۲/ ۲۰۰ حاشية الدسوقی ۳/ ۲۰۷، المنتقی علی المؤطا ۴/ ۲۹۲۔ (۲) المهذب ۱/ ۲۹۷ مغنی المحتاج ۲/ ۱۰۷۔ (۳) المغنی ۴/ ۲۷۶۔ (۴) اخرجه الحاكم والدار قطنی عن ابن عباسؓ قال الحاكم حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه والصحيح ان فی اسناده اسحاق بن ابراهيم جوتی وهو واهی الحديث قال عنه ابن حبان منكر الحديث ياتی عن الثقات بالموضوعات۔ (۵) المبسوط ۱۲/ ۱۳۱، فتح القدير ۵/ ۳۲۷، البدائع ۵/ ۲۰۹۔ (۶) راوی الحديث الاول ابوداؤد والدارقطنی والبيهقی من طريقه ومكن فی اسناده ابن اسحاق وقد اختلف عليه فيه والحديث الثانی رواه ابوداؤد

رہی بات جانور میں بیع سلم کرنے سے متعلق ممانعت والی حدیث کی چنانچہ ابن سمعانی نے اصطلام میں لکھا ہے کہ ''یہ حدیث ثابت نہیں اگرچہ حاکم نے روایت کی ہے۔'' البتہ ان فقہاء کے نزدیک جانور میں بیع سلم میں یہ شرط ہے کہ جانور کی نوع، عمر، نر و مادہ ہونے، رنگ، قد و قامت وغیرہ بیان کئے ہوں۔ ❶

بمعہ ہڈی گوشت میں بیع سلم

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ...... کہتے ہیں: بمعہ ہڈی کے گوشت میں بیع سلم جائز نہیں چونکہ اس میں دو وجہوں سے جہالت پائی جاتی ہے جو نزاع تک پہنچا دیتی ہے، ایک وجہ یہ ہے کہ گوشت میں فربہی اور لاغری کا پہلو ہو سکتا ہے۔ دوسری وجہ ہڈیوں کے کم اور زیادہ ہونے کا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر ہڈی سے گوشت الگ کر لیا جائے تب بھی بیع سلم گوشت میں جائز نہیں، چونکہ فربہی اور لاغری کے حوالہ سے اس میں جہالت ہے، ثبوت حکم کے لئے بس اتنا کافی ہے چونکہ دو مستقل علتوں کے ساتھ معطل حکم ایک علت کے ساتھ بھی ثابت ہو جاتا ہے جیسے دونوں علتوں سے ثابت ہوتا ہے۔ ❷

صاحبین، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: گوشت میں بیع سلم جائز ہے بشرط یہ کہ گوشت کی صفات ذکر کر کے ضبط میں لائی جائیں مثلاً گوشت کی جنس بیان کی جائے کہ آیا بکری کا ہوگا یا گائے کا، نوع بیان کی جائے کہ نر کا گوشت ہوگا یا مادہ کا، پھر اگر نر کا ہو تو وہ نر خصی ہو یا خرانٹ، باہر چرنے والا یا گھر پر چارا کھانے والا، اس کی عمر بیان کر دی گئی ہو کہ گوشت دو سالہ کا ہوگا یا جذعہ کا، اس کی صفت بیان کی گئی ہو کہ فربہ ہوگا یا لاغر یا درمیانہ، کس جگہ کا گوشت چاہئے، ران کا، دستی اور شانے کا یا پہلو کا، اس کی مقدار بھی بیان کی گئی ہو کہ دس کلو مثلاً اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص بیع سلم کرے وہ متعین کیل اور متعین وزن میں بیع سلم کرے۔'' بظاہر یہ حدیث ہر موزونی چیز کی اباحت کے متعلق ہے، نیز جب جانور میں بیع سلم جائز ہے تو گوشت میں بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔

مچھلی میں بیع سلم...... جمہور کے نزدیک مچھلی میں بیع سلم ایسے ہی ہے جیسے گوشت میں، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایات میں اختلاف ہے، البتہ صحیح روایت جسے مذہب کا درجہ دیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ چھوٹی مچھلیوں میں کیل یا وزن کے ساتھ بیع سلم جائز ہے، اس میں نمک لگی مچھلی اور تازہ مچھلی، دونوں برابر ہیں۔ چونکہ چھوٹی مچھلیوں میں فربہی اور لاغری کے اعتبار سے زیادہ تفاوت نہیں ہوتا۔ مچھلی میں ہڈی کا اختلاف بھی نہیں ہوتا برخلاف گوشت کے۔

رہی بات ''بڑی مچھلیوں کی تو ظاہر الروایۃ میں ہے کہ جس طرح بھی وزن ہو بیع سلم جائز ہے۔'' ❸

کپڑوں میں بیع سلم...... کپڑے ان اشیاء میں سے ہوتے ہیں جو عددی متفاوت ہوتی ہیں، حنفیہ کے نزدیک از روئے قیاس کپڑوں میں بیع سلم جائز نہیں، چونکہ کپڑے ذوات الامثال میں سے نہیں ہیں۔ ❹ چونکہ ان میں فاحش قسم کا تفاوت ہوتا ہے۔ البتہ استحساناً کپڑوں میں بیع سلم جائز ہے بشرط یہ کہ جب جنس، نوع، صفت اور کپڑے کی موٹائی باریکی بیان کر دی گئی ہو، اور لمبائی چوڑائی کی بیان کر دی گئی ہو، یوں عوام الناس کی ضرورت کے پیش نظر کپڑوں کو مثلی اشیاء کے ساتھ ملحق کیا جائے گا۔

اگر ریشم کا کپڑا ہو تو اس کے وزن کے بیان کرنے میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض مشائخ کا اصح قول یہ ہے کہ ریشمی کپڑے کا وزن

---

❶...... المنتقی علی الموطا ۴/۲۹۳، بدایۃ المجتهد ۲/۲۰۰ حاشیۃ الدسوقی ۳/۲۰۷، مغنی المحتاج ۲/۱۱۰ المغنی ۴/۲۷۸۔ ❷ المبسوط ۲/۱۳۳، البدائع ۵/۲۱۰ فتح القدیر ۵/۳۳۳، ردالمحتار ۴/۲۱۴۔ ❸ المبسوط ۱۲/۱۳۸، البدائع ۵/۲۱۱، فتح القدیر ۵/۳۳۳، ردالمحتار ۴/۲۱۳۔ ❹ یعنی ان کی مثل نہیں ہوتی چونکہ کپڑوں میں تفاوت ہوتا ہے۔

بیان کرنا ضروری ہے، چونکہ ریشمی کپڑے میں وزن مقصود ہوتا ہے، اور ریشم کی قیمت وزن کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتی ہے۔ ❶

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے کپڑوں میں بیع سلم کو جائز قرار دیا ہے، ❷ چنانچہ ابن منذر کہتے ہیں: فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ کپڑوں میں بیع سلم جائز ہے۔ ❸

بھوسے میں بیع سلم...... حنفیہ کی نزدیک بھوسے کے گھٹے بنا کر بیع سلم جائز نہیں چونکہ ایک گھٹے اور دوسرے گھٹے میں فاحش قسم کا تفاوت ہوتا ہے البتہ تاجروں کے متعین بنائے ہوئے بنڈلوں میں بیع سلم جائز ہے چونکہ بھوسے کے بنڈلوں میں زیادہ تفاوت نہیں ہوتا، یہی حکم لکڑیوں کے گٹھوں میں بھی چلے گا چنانچہ لکڑیوں میں بیع سلم جائز نہیں خواہ گھٹے بنا کر دی جائیں یا وزن کر...

روٹیوں میں بیع سلم...... گنتی کر کے روٹیوں میں بالا تفاق بیع سلم جائز نہیں، چونکہ روٹیوں میں بڑی چھوٹی ہونے کے اعتبار سے فحش تفاوت پایا جاتا ہے۔ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ وزن کر کے بھی روٹیوں میں بیع سلم جائز نہیں۔ چونکہ روٹیوں کے پکنے میں تفاوت ہوتا ہے، لہٰذا ایسی جہالت باقی رہ جاتی ہے جو جھگڑے تک پہنچا دیتی ہے۔ نوادر ابن رستم میں ہے: عدم جواز امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے اور یہی شافعیہ کا قول ہے، چونکہ روٹیوں میں آگ کا عمل مختلف ہوتا ہے جو ضبط میں نہیں لایا جا سکتا، جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ نوع متعین ہو، وزن متعین ہو اور مدت بھی متعین ہو۔ ❺

مالکیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: روٹیوں میں بیع سلم جائز ہے ان کی دلیل عموم حدیث ہے۔ کہ "جو شخص بیع سلم کرے وہ متعین کیل اور متعین وزن میں بیع سلم کرے۔" چنانچہ حدیث میں ہر طرح کی مکیلی، موزونی اور عددی چیز کی بیع سلم کو مباح قرار دیا گیا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ روٹی میں آگ کا عمل عادۃً متعین ہوتا ہے جو روٹی کے خشک اور تر ہونے سے ضبط میں لایا جا سکتا ہے لہٰذا روٹیوں میں بیع سلم جائز ہے۔ ❻

روٹیوں کا قرض...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: روٹیوں کا قرض لینا جائز نہیں نہ وزن کر کے نہ گنتی کر کے، جیسے بیع سلم جائز نہیں۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے وزن کر کے روٹیوں کو قرض میں لینا جائز قرار دیا ہے، جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے وزن کر کے اور گنتی کر کے دونوں طرح روٹیوں کا قرض لینا جائز قرار دیا ہے چونکہ لوگوں کو اس کی حاجت پیش آتی ہے اور یہ قرض لوگوں میں متعارف بھی ہے، اگرچہ روٹیاں ذوات الامثال میں سے نہ بھی ہوں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہے۔ ❼

مالکیہ کہتے ہیں: وزن اور گنتی کر کے دونوں طرح روٹیوں کا قرض جائز ہے چونکہ روٹیوں میں مماثلت ہوتی ہے اور اگر تھوڑا تفاوت ہوتا بھی ہے تو لوگ اس کے متعلق چشم پوشی برت لیتے ہیں۔ ❽

شافعیہ اور حنابلہ کی دو روایتیں ہیں اصح روایت یہ ہے کہ گنتی کر کے روٹیوں کا قرضہ لینا جائز ہے اور وزن کر کے لینا بھی جائز ہے اس پر اہل امصار کا اجماع ہے اور ہر زمانہ میں اس پر تعامل رہا ہے کسی نے انکار بھی نہیں کیا۔ ❾ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: ہمارے پڑوسی روٹیاں قرضہ میں دیتے ہیں اور واپسی میں کمی بیشی کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں چونکہ اس سے لوگوں کے منافع متعلق ہیں اور اس سے وہ زیادتی مراد نہیں جو سود ہو۔ ❿

---

❶......المبسوط ۱۲/۱۳۳ فتح القدیر ۵/۳۵۳، البدائع ۵/۲۰۹۔ ❷القوانین الفقهية ص ۲۶۹ مغنی المحتاج ۲/۱۰۷، غاية المنتهى ۲/۷۲۔ ❸المغنى ۴/۲۷۶۔ ❹المبسوط ۱۲/۱۴۱، البدائع ۵/۲۰۹۔ ❺البدائع ۵/۲۱۱، المهذب ۱/۲۹۷۔ ❻المغنى ۴/۲۷۷، الميزان للشعرانى ۲/۷۴۔ ❼تحفة الفقهاء ۲/۱۹، الدرالمختار ۳/۱۹۵، فتح القدير ۵/۲۹۹۔ ❽حاشية الدسوقى ۳/۲۲۲۔ ❾المهذب ۱/۳۰۴، مغنى المحتاج ۲/۱۱۹ المغنى ۴/۳۱۹۔ ❿وكره ابو بكر الشافعى باسناده عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها۔

شافعیہ کے نزدیک بیع سلم کی شرائط...... میں حنفیہ کے مقابل شافعیہ کے نزدیک بیع سلم کی شرائط مختصراً ذکر کروں گا۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱...... بیع سلم کے عاقدین میں وہی شرائط ملحوظ ہوں گی جو عقد بیع میں بائع اور مشتری میں ہوتی ہیں۔ یعنی بلوغ، عقل، اختیار، البتہ نابینا شخص کی بیع سلم صحیح ہے، چونکہ مسلم فیہ ذمہ میں موصوف ہوتی ہے۔ جبکہ شافعیہ کے نزدیک مبیع کو نہ دیکھنے کی وجہ سے نابینا کی بیع صحیح نہیں ہوتی۔

۲...... ایجاب وقبول میں وہی شرائط ملحوظ ہونی چاہئیں جو بیع کے ایجاب وقبول میں ہوتی ہیں، یعنی مجلس متحد ہو ایجاب وقبول میں موافقت ہو، البتہ بیع سلم میں اتنا اضافہ ہے کہ ایجاب وقبول میں سلم یا سلف کا لفظ استعمال کیا جائے۔

ان دو لفظوں کے بغیر بیع سلم درست ہی نہیں ہوتی، یہ بھی ہے کہ بیع سلم خیار شرط سے خالی ہونی چاہئے اور عقد قطعی ہو چونکہ اگر خیار شرط رکھ لیا گیا تو رأس المال مجلس میں سپرد نہیں کیا جا سکے گا بلکہ وہ بھی ادھار ہو جائے گا۔ جبکہ یہ ممنوع ہے۔

۳...... یہ بھی شرط ہے کہ رأس المال کی مقدار اور صفت متعین ہو اور مجلس عقد میں ہی سپرد کر دیا جائے اور سپردگی عاقدین کے جدا ہونے سے قبل ہو تا کہ بیع سلم بیع الدین بالدین کے معنی میں نہ ہو۔

۴...... مسلم فیہ میں یہ شرائط پائی جانی ضروری ہیں۔

اول...... یہ کہ باعتبار وصف کے مسلم فیہ کو ضبط میں لانا ممکن ہو تا کہ ممکنہ جہالت ختم ہو جائے اور اس کے افراد میں تفاوت نہ ہو اگر ہو بھی تو بہت معمولی تفاوت ہو۔

دوم...... یہ کہ مسلم فیہ کی جنس، نوع، قدر اور صفت متعین ہو۔

سوم...... یہ کہ مسلم فیہ دوسری اجناس کے ساتھ مخلوط نہ ہو جیسے گندم جو کے ساتھ مخلوط نہ ہو۔

چہارم...... یہ کہ مسلم فیہ ذمہ میں دین ہو، اگر دین نہ ہوئی تو بیع سلم صحیح نہیں ہوگی۔

پنجم...... یہ کہ مسلم فیہ بمعہ بیان کردہ نوع کے مدت کے اندر سپرد کرنے پر قدرت ہو، مسلم فیہ جو طے ہو چکے اس کو کسی دوسری چیز سے تبدیل کرنا جائز نہیں، جیسے گندم کو گھی سے بدل دیا اور کپڑوں کو لوہے سے بدل دیا۔ جو چیز مدت پوری ہونے پر کامیاب ہو اس میں بیع سلم کرنا صحیح نہیں جیسے سردیوں میں انگوروں کی بیع سلم کرنا۔

ششم...... جس مدت میں مسلم فیہ کو سپرد کرنا واجب ہو وہ مدت متعین کر لی گئی ہو نیز مدت کی تحدید ہو تا کہ کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہے، لہٰذا مدت کی جہالت یا بغیر مدت کے ذکر کے بیع سلم صحیح نہیں ہے، جیسے مثلاً کسی شخص کے سفر سے لوٹنے یا فصل کی کٹائی کو مدت میں مقرر کر لینا۔

ہفتم...... جس جگہ مسلم فیہ کو سپرد کرنا ہو وہ جگہ متعین ہو جبکہ عقد والی جگہ سپردگی کے قابل نہ ہو یا سپردگی کے قابل تو ہو لیکن مسلم فیہ کی منتقلی میں کلفت اور خرچہ ہوتا ہو۔

چوتھا مقصد: بیع سلم کا حکم...... بیع سلم کا مقتضی یہ ہے کہ مسلم فیہ میں رب سلم کی ملک ثابت ہو جاتی ہے لیکن ثبوت ملک مؤجل ہوتی ہے، جبکہ رأس المال میں مسلم الیہ کی فی الحال ملک ثابت ہو جاتی ہے، عوام الناس کی ضرورت اور حاجت کے پیش نظر بیع سلم کے حکم کو جائز قرار دیا گیا ہے لیکن حکم کا ثبوت تب ہوگا جب مخصوص شرائط جو اوپر مذکور ہوئیں کا لحاظ رکھا گیا ہو۔

پانچواں مقصد: بیع اور سلم میں وجوہِ اختلاف...... عقد سلم میں جب مخصوص شرائط کا لحاظ رکھا جاتا ہے تو طبعاً اس بات کا تقاضا

ہے کہ چند وجوہ کے اعتبار سے سلم، بیع سے مختلف ہے۔ یہ وجوہ درج ذیل ہیں:

ا۔ **رأس المال اور مسلم فیہ کا مجلس عقد میں استبدال**...... اس سے مراد یہ ہے کہ رأس المال کے بدلہ میں ایسی چیز لے جو اس کی جنس سے نہ ہو۔ اس بارے میں حنفیہ کہتے ہیں کہ قبضہ سے پہلے رأس المال کا تبادلہ جائز نہیں، رہی بات ثمن کی سو اگر ثمن ذمہ میں دین ہو تو اس کا تبادلہ جائز ہے چونکہ بیع سلم میں رأس المال پر قبضہ کرنا شرط ہوتا ہے جبکہ تبادلہ سے حقیقۃً قبضہ حاصل نہیں ہوتا چونکہ اس وقت مسلم الیہ رأس المال کا متبادل قبض کرے گا جبکہ کسی چیز کا متبادل اس چیز کا غیر ہوتا ہے، رہی بات بیع میں ثمن کی سو اس میں قبضہ شرط نہیں، بلکہ متبادل ثمن کے قائم مقام ہوگا، اسی طرح صرف کے بدلین کا تبادلہ بھی جائز نہیں چونکہ صرف کے بدلین پر قبضہ شرط ہوتا ہے۔

رہی مسلم فیہ کے تبدیل کرنے کی بات سو قبضہ سے پہلے مسلم فیہ کا تبادلہ بھی جائز نہیں جیسے معین مبیع کو تبدیل کرنا جائز نہیں ہوتا چونکہ مسلم فیہ منقول مبیع ہوتی ہے اگر چہ وہ دین ہی کیوں نہ ہو، جبکہ مبیع منقول کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں۔ [1]

اگر عقد سلم فسخ ہو جائے یا عاقدین بیع سلم کا اقالہ کر لیں تو موجود رأس المال کے ساتھ کسی دوسری چیز کو خریدنا جائز نہیں یہاں تک کہ رب سلم پورے کے پورے رأس المال پر قبضہ نہ کر لے، یہ تینوں علمائے احناف کا قول ہے اور اس میں انہوں نے استحسان کو حجت بنایا ہے [2] نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم صرف مسلم فیہ لو یا رأس المال لو [3] عقلی وجہ یہ ہے کہ اقالہ تیسرے شخص کے حق میں بیع جدید ہوتی ہے یہاں تیسرا شریعت ہے۔ رأس المال کو مبیع تصور کیا جائے گا جب رأس المال اور مبیع میں مشابہت ثابت ہوئی تو مبیع میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں اسی طرح جو چیز اس کے مشابہ ہے اس میں بھی قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اقالہ کے بعد رب سلم رأس المال کا متبادل لے سکتا ہے یعنی رأس المال مسلم الیہ کے پاس رہے اور رب سلم اس کے بدلہ میں کوئی اور چیز خرید لے۔ برابر ہے کہ رأس المال کوئی معین چیز ہو یا نقدی رقم ہو، یہی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے چونکہ رأس المال اقالہ کے بعد مسلم الیہ کے ذمہ میں دین ہو جاتا ہے لہٰذا جس طرح باقی دیون کا تبادلہ جائز ہے۔ اسی طرح رأس المال کا متبادل لینا بھی جائز ہے۔ لیکن حدیث اور مذکور بالا معقول دلیل سے امام زفر پر رد کیا گیا ہے۔ [4]

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بیع صرف میں اقالہ کے بعد بدل صرف پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کا متبادل لینا جائز ہے چونکہ بدل صرف متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا۔ مثلاً عاقدین نے دیناروں کے بدلہ میں دراہم کی خرید وفروخت کی پھر اقالہ کر دیا تو عقد میں دیئے ہوئے نقود کے بدلہ میں قبضہ سے پہلے کوئی اور چیز لینا جائز ہے بشرطیکہ مجلس اقالہ سے جدا ہونے سے پہلے اس چیز پر قبضہ کر لیا جائے۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بیع سلم میں اقالہ کی صورت میں مجلس اقالہ میں رأس المال پر قبضہ کرنا اقالہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں چونکہ اقالہ بالکلیہ از سر نو عقد سلم نہیں ہوتا چونکہ بیع سلم میں مجلس عقد میں رأس المال پر قبضہ کرنا اس لئے شرط ہے تا کہ بیع الکالی بالکالی (بیع الدین بالدین) سے احتراز ہو جائے، جبکہ مسلم فیہ اقالہ سے ساقط ہو جاتی ہے لہٰذا مسلم الیہ پر لازم نہیں ہوتی تاہم بیع الدین کا تحقق نہیں ہوگا لہٰذا قبضہ بھی شرط نہیں۔ [5]

رہی بات بیع صرف کی سو اقالہ صحیح ہونے کے لئے قبضہ شرط ہے چونکہ جب ہم اقالہ کو بیع جدید متصور کریں گے جیسا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، تو بھی بیع صرف ہی ہوگی لہٰذا قبضہ شرط ہے، اور اگر عاقدین کے حق میں اقالہ کو فسخ تصور کریں جیسا کہ امام ابو حنیفہ

---

[1]...... البدائع ۲۰۳/۵۔ [2] اگر مسلم فیہ طعام ہو تو امام مالک کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبضہ سے پہلے طعام کی بیع سے منع فرمایا ہے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ بدایۃ المجتہد ۲۰۵/۲ الامام ۱۱۷/۳۔ [3] رواہ الدارقطنی۔ نیل الاوطار ۲۲۷/۵ ونصب الرایۃ ۵۱/۴۔ [4] فتح القدیر مع العنایۃ ۳۴۶/۵ رد المحتار ۲۱۸/۴۔ [5] فتح القدیر المرجع السابق، ردالمحتار ۲۱۹/۴۔

رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تو یہ شرع کی تقدیر کی رو سے بیع ہے چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اقالہ غیر عاقدین کے حق میں بیع جدید ہے، لہٰذا جب اقالہ بیع ہے تو بدلین پر قبضہ واجب ہوگا تا کہ بیع الدین بالدین کی ممانعت سے احتراز ہو جائے۔ ❶

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب بیع سلم شروع ہی سے عقد فاسد ہو تو اس میں قبضہ سے پہلے تبادلہ جائز ہے چونکہ فساد کی صورت میں بیع سلم نہیں ہوگی لہٰذا تبادلہ جائز ہوگا جیسے سبھی دیون میں جائز ہے۔

مسلم فیہ اور رأس المال کا تبادلہ دوسرے مذہب میں بھی جائز نہیں۔ ❷

۲۔ بعض سلم کا اقالہ...... جب رب سلم کچھ رأس المال اور کچھ مسلم فیہ پر مدت پوری ہونے کے بعد یا پہلے مسلم الیہ کی اجازت سے قبضہ کرلے تو یہ جائز ہے گویا جتنا رأس المال واپس لیا اس میں سلم کا اقالہ ہوگا اور بقیہ رأس المال میں سلم ہوگی، یہ جمہور علماء کا قول ہے، چونکہ رأس المال کا واپس لینا اقالہ ہے، اگر کل عقد میں اقالہ کیا جائے تو بھی جائز ہے اسی طرح کچھ سلم میں بھی اقالہ جائز ہے، اقالہ، فسخ عقد اور اصل سے عقد کو اٹھا لینا ہے۔

امام مالک اور قاضی ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز نہیں عقد فاسد ہوگا، رب سلم بقیہ رأس المال بھی واپس لے لے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''تم صرف مسلم فیہ یا رأس المال لو'' لہٰذا جب عاقدین میں سے ہر ایک سلم کا کچھ کچھ حصہ لے لیں تو گویا نہ ایک عاقد نے سلم کو پورا کیا نہ دوسرے نے نیز جب رأس المال کے کچھ حصہ کو لے لیا گیا تو گویا فسخ عقد کو اختیار کیا گیا لہٰذا کل سلم فسخ ہوگی گویا دو اختیار ہیں یا تو کل میں اقالہ کیا جائے یا کل سلم طے پائے۔ ❸ جمہور نے مالکیہ کے اس موقف کو رد کیا ہے اور جواب یہ دیا ہے کہ حدیث میں رأس المال اور مسلم فیہ کے علاوہ کسی اور چیز کو لینے سے منع کیا گیا ہے۔

رہی بات بیع کی چنانچہ اگر عاقدین بیع کے کچھ حصہ میں اقالہ کردیں اور کچھ حصہ میں اقالہ نہ کریں تو یہ بالاتفاق جائز ہے، فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ رب سلم نے اگر سارا رأس المال لے لیا اور مسلم الیہ کی رضامندی سے لیا یا پوری بیع سلم کا اقالہ کردیا یا دونوں نے رأس المال پر باہمی صلح کرلی تو یہ اقالہ صحیح ہوگا اور سلم فسخ ہوگی۔

اگر رب سلم نے مدت پوری ہونے سے قبل رأس المال کا کچھ حصہ واپس لے لیا تا کہ مسلم الیہ بقیہ مسلم فیہ جلد از جلد سپرد کردے تو یہ شرط کسی طرح صحیح نہیں جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقالہ صحیح ہوگا، چونکہ یہ شرط مدت کے معاوضہ ہونے کے معنی میں ہو جائے گی اور یہ شرط فاسد ہے جبکہ اقالہ شرائط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا چونکہ اقالہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک فسخ ہے اقالہ تو صحیح ہوگا شرط باطل ہو جائے گا بخلاف بیع کے چنانچہ بیع شرائط فاسدہ سے متاثر ہوتی ہے چونکہ معاملۂ بیع میں شرط فاسد سود کا سبب بنتی ہے، رہی بات اقالہ کی سو یہ معاملہ بیع کو اٹھا دینا ہے اس میں سود کا تصور نہیں ہوسکتا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرط فاسد سے اقالہ باطل ہو جاتا ہے اور عقد سلم سارے کا سارا مقررہ مدت تک باقی رہتا ہے چونکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقالہ بیع جدید جبکہ معاملۂ بیع شرط فاسد سے باطل ہو جاتا ہے چونکہ اس میں سود ہوتا ہے۔ ❹ اقالہ کی بحث میں فریقین کے دلائل آیا چاہتے ہیں۔

۳۔ رأس المال سے بریٔ الذمہ کرنا...... مسلم الیہ کے لئے جائز نہیں کہ وہ رب سلم (خریدار) کو اس کی رضامندی اور قبول کے

---

❶......البدائع ۳۰۸/۵ ردالمحتار ۲۱۹/۴۔ ❷القوانین الفقهية ص ۲۶۹ مغنی المحتاج ۱۱۵/۲ غاية المنتهیٰ ۸۰/۲۔ ❸المبسوط ۱۳۰/۱۲ المنتقی علی المؤطا ۳۰۲/۴ حاشية الدسوقی ۳۱۵/۳ المهذب ۳۰۲/۱ المغنی ۳۰۳/۴ غاية المنتهیٰ ۸۱/۲ مغنی المحتاج ۱۰۳/۲۔ ❹البدائع ۲۰۷/۵ تحفة الفقهاء ۲۱/۲ القوانین الفقهية ص ۲۷۰۔

بغیر رأس المال سے بریٔ الذمہ کردے، اگر رب سلم نے قبول کرلیا تو ابراء (بری الذمہ کردینا) صحیح ہوگا لیکن بیع سلم باطل ہوگی چونکہ ابراء کی وجہ سے رأس المال پر قبضہ نہیں ہو پائے گا اور جب رب سلم نے ابراء کو چھوڑ دیا عقد سلم درست ہوگا۔

رہی بات عقد بیع (معاملہ خرید وفروخت) کی سو اگر فروخت کنندہ نے خریدار کو مبیع (خرید کردہ سامان) کے ثمن سے بریٔ الذمہ کردیا تو بغیر قبول کے بھی ابراء صحیح ہوگا البتہ رد کرنے سے رد ہوجائے گا چونکہ ابراء میں تبرع کے طور پر تملیک کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ احسان جتلانے کے ضرر سے گریز کرنے کے لئے لازم نہیں ہوتا۔

معاملہ سلم اور معاملہ خرید وفروخت میں فرق یہ ہے کہ معاملہ خرید وفروخت کے صحیح ہونے کے لئے ثمن پر قبضہ کرنا شرط نہیں ہے جبکہ معاملہ سلم کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ مجلس عقد میں رأس المال پر قبضہ کرلیا جائے۔

چنانچہ اگر فریق ثانی کے قبول کے بغیر ہی ابراء صحیح ہوتا تو عقد سلم فریق ثانی کی رضا کے بغیر ہی فسخ ہوجاتا جبکہ یہ جائز نہیں چونکہ عاقدین میں سے تنہا ایک عاقد کو فسخ عقد کا اختیار حاصل نہیں ہوتا لہٰذا ابراء بھی صحیح نہیں بخلاف ثمن کے چنانچہ ثمن سے بریٔ الذمہ کردینے پر فسخ بیع کا ترتب نہیں ہوتا چونکہ ثمن پر قبضہ کرنا شرط نہیں۔ اگر رب سلم نے مسلم فیہ سے بریٔ الذمہ کردیا تو یہ مسلم الیہ کے قبول کے بغیر بھی جائز ہے چونکہ مسلم فیہ پر قبضہ شرط نہیں۔ لہٰذا مسلم فیہ سے بریٔ الذمہ کرنا مسلم الیہ کے قبول کے بغیر بھی صحیح ہے چونکہ دین سے بریٔ الذمہ کرنے میں شرعاً قبضہ شرط نہیں، لہٰذا رب سلم ابراء کا مالک ہوگا۔ جبکہ خرید کردہ سامان (مبیع) سے بری الذمہ کرنا صحیح نہیں چونکہ مبیع معین چیز ہوتی ہے جبکہ ابراء اسقاط ہے اور معین اشیاء کا اسقاط معقول نہیں۔ ⓫

۴۔ رأس المال یا مسلم فیہ کا حوالہ کفالہ اور رہن..... موجود شخص پر رأس المال کا حوالہ جائز ہے، کفالہ اور اس کے بدلہ میں رہن رکھنا بھی جائز ہے، اسی طرح مسلم فیہ میں بھی حوالہ، کفالہ اور رہن رکھنا جائز ہے، یہ جمہور حنفیہ کے نزدیک ہے؟ چونکہ ان معاملات کا رکن بمعہ شرائط پایا جاتا ہے۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسلم فیہ کا حوالہ، کفالہ اور رہن رکھنا جائز ہے جبکہ رأس المال کا حوالہ، کفالہ اور رہن رکھنا جائز نہیں، چونکہ کفالہ، حوالہ اور رہن ایسے معاملات ہیں جو ایسے حق کی توثیق کے لئے مشروع ہوئے ہیں جو مجلس عقد سے مؤخر ہونے کا احتمال رکھتا ہو جبکہ رأس المال میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے لہٰذا رأس المال میں یہ معاملات جائز نہیں، لیکن امام زفر پر رد کیا گیا ہے کہ دونوں طرح کے حقوق میں توثیق کا معنی پایا جاتا ہے لہٰذا اس میں عقد جائز ہے۔

عقد سلم میں واجب ہے کہ مسلم الیہ محال علیہ (حوالہ کی ذمہ داری جس پر ڈالی گئی ہو) یا کفیل سے رأس المال قبضہ کرلے، اگر فریقین کے مجلس عقد سے جدا ہونے سے پہلے رہن ضائع ہوجائے تو اس میں شرط یہ ہے کہ رہن کی قیمت رأس المال کے برابر ہو یا اس سے زیادہ ہو، چونکہ رہن کی صورت میں مسلم الیہ کا حق رہن کی قیمت کی طرف منتقل ہوجائے گا، چنانچہ جب رہن کی قیمت رأس المال کے مساوی ہو یا اس سے زائد ہو تو رأس المال پر قبضہ ہونے کے بعد عاقدین کا افتراق ثابت ہوجائے گا۔ چونکہ رہن پر قبضہ قبضہ وصولی ہوتا ہے، اگر رہن ضائع ہو جائے تو ضمان متعین ہوجائے گا اور مرتہن اور راہن میں مقاصہ ہوگا یعنی مسلم الیہ اور رب سلم کے درمیان۔

اگر رہن کی قیمت رأس المال سے کم ہو تو رہن کی بقدر عقد تمام ہوجائے گا اور بقیہ میں باطل ہوگا۔ جب رب سلم اور مسلم الیہ قبضہ سے پہلے جدا ہوگئے تو عقد سلم باطل ہوجائے گا اگرچہ محال علیہ اور کفیل مسلم الیہ کے ساتھ باقی رہیں، البتہ اگر مسلم الیہ رب سلم کے ساتھ رہے اور محال علیہ اور کفیل چلے جائیں عقد سلم باطل نہیں ہوگا چونکہ اصل اعتبار عاقدین کے جدا ہونے کا ہے چونکہ قبضہ حقوق عقد میں سے ہے اور عقد کی اساس عاقدین ہوتے ہیں۔

⓫ ..... البدائع ۵ / ۲۰۳ فقہاء کے ہاں ایک معروف قاعدہ ہے کہ معین اشیاء کی ملکیت اسقاط کو قبول نہیں کرتی، اگر کوئی ساقط کرے بھی تو ساقط نہیں ہوگی۔

رہن میں بھی یہی حکم ہے کہ اگر متعاقدین جدا ہو گئے اور رہن پر قبضہ نہ ہوا تو عقد سلم باطل ہو جائے گا چونکہ رأس المال پر قبضہ نہیں ہوا، مسلم الیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ رہن کو واپس کرے۔

یہ ساری بحث عقد صرف (بیع النقد بالنقد) میں بھی چلتی ہے اور یہ تفصیل رأس المال کے متعلق ہے۔

مسلم فیہ کے اعتبار سے......اگر حوالہ کفالہ یا رہن مسلم فیہ کے اعتبار سے ہو تو محیل محض عقد حوالہ سے بری الذمہ ہو جاتا ہے، اور مدت پوری ہونے پر محال علیہ کے ذمہ سپردگی واجب ہوگی، اس وقت رب سلم محال علیہ سے سپردگی کا مطالبہ کرے گا محیل سے مطالبہ نہیں کرسکتا۔ کفالہ کی صورت میں رب سلم کو اختیار حاصل ہوگا چاہے تو اصیل سے مطالبہ کرے چاہے کفیل سے مطالبہ کرے، رہن کی صورت میں رب سلم کو اختیار حاصل ہے کہ وہ مرہون چیز کو روک لے یہاں تک کہ مسلم فیہ حاصل کر لے۔ ❶

حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک مجلس عقد میں غیر موجود رأس المال کا حوالہ، کفالہ، ابراء اور اس کے بدلہ میں رہن رکھنا جائز نہیں، چونکہ رأس المال پر قبضہ کرنا بیع سلم کے صحیح ہونے کی اساسی شرط ہے، البتہ مالکیہ نے تین دن تک تاخیر سے رأس المال پر قبضہ کرنے کی اجازت دی ہے، شافعیہ نے تو غلو کر دیا ہے کہ محال علیہ کا مجلس عقد میں رأس المال پر قبضہ کو جائز قرار نہیں دیا الا یہ کہ بذات خود رب سلم رأس المال پر قبضہ کرے، پھر مسلم الیہ کے سپرد کر دے، چونکہ حوالہ کا حق محال علیہ کے ذمہ پہنچ جاتا ہے۔

خلاصہ......حنفیہ کی نزدیک مسلم فیہ کا حوالہ جائز ہے، جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے، مالکیہ کے نزدیک مسلم فیہ اگر از قسم طعام ہو تو حوالہ ممنوع ہے، جمہور کے نزدیک مسلم فیہ کے بدلہ میں رہن یا کفیل لینا جائز ہے چونکہ ان میں فائدہ ہے، جبکہ حنابلہ کے نزدیک جائز نہیں ہے ان کی دلیل ابوداؤد اور ابن ماجہ کی حدیث ہے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "جو شخص کسی چیز میں بیع سلم کرے وہ اسے کسی دوسری چیز کی طرف نہ پھیرے۔"

۵۔ کھوٹے رأس المال پر قبضہ......اگر مسلم الیہ نے رأس المال پر قبضہ کیا اور پھر اسے معیاری نہ پایا مثلاً رأس المال زیوف ہو یا نبہرجہ ہوں یا مستحق ہوں یا ستوقہ ہوں یا عیب دار ہوں۔ ❷ رب سلم اس کی تصدیق کرتا ہوگا یا تکذیب کرتا ہوگا۔

اگر رب سلم تصدیق کر لے......تو مسلم الیہ واپس کرنے کا حق رکھتا ہے، پھر رأس المال یا تو کوئی معین چیز ہوگی جو متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہو یا دین ہوگا جو متعین ہونے سے متعین نہ ہوتا ہو۔

ا: اگر رأس المال معین چیز ہو......لیکن مسلم الیہ نے رأس المال میں کسی دوسرے کا استحقاق ❸ پایا یا عیب دار پایا، پھر اگر مستحق (استحقاق رکھنے والا) اجازت دے دے تو عقد جائز ہوگا ورنہ باطل ہو جائے گا۔ اگر مسلم الیہ عیب سے راضی ہو تب بھی عقد جائز ہے، ورنہ عقد سلم باطل ہو جائے گا۔ برابر ہے کہ عیب پر آگاہی عاقدین کے جدا ہونے سے پہلے ہو یا بعد میں ہو، عقد سلم باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ استحقاق کی وجہ سے رأس المال کا قبضہ ٹوٹ چکا اور اب رأس المال کے قائم مقام کسی اور چیز کو بنانا بھی ممکن نہیں چونکہ رأس المال معین چیز ہے گویا عاقدین بغیر قبضہ کے جدا ہوئے یعنی مجلس عقد میں رأس المال پر قبضہ نہیں ہوا لہٰذا بیع سلم باطل ہوگی۔

---

❶......المبسوط ۱۲/۱۵۱، البدائع ۵/۲۰۳۔ ❷ دراہم کی چار قسمیں ہوتی ہیں (۱) جیاد جو خالص چاندی کے ہوں اور ہر کوئی ان سے معاملہ کرتا ہو (۲) زیون: وہ دراہم جنہیں بیت المال رد کر دے لیکن تجار انہیں لے لیتے ہوں ان سے معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن بائع کو اطلاع کرنا ضروری ہے۔ (۳) نبہرجہ۔ جو کسی دوسرے ملک میں بنیں اور تجار انہیں رد کر دیں۔ (۴) ستوقہ ایسے دراہم جن پر چاندی کی قلعی چڑھی ہو اور اندر پیتل ہو، جیاد قدرے بہتر ہوتے ہیں پھر نبہرجہ پھر مستوقہ (رد المحتار ۴/۲۲۸) ❸ استحقاق سے مراد یہ ہے کہ رأس المال کل یا بعض کسی دوسرے کی ملکیت ہو۔

عقد کی اجازت دینے کی صورت میں عقد سلم اس لئے صحیح ہوتا ہے کہ رأس المال پر قبضہ صحیح ہوتا ہے گویا عاقدین مجلس عقد سے رأس المال پر قبضہ ہونے کے بعد جدا ہوئے۔ ❶

۲: رأس المال اگر دین ہو......اور مسلم الیہ نے اس پر قبضہ کرلیا پھر رأس المال کو غیر معیاری پایا پھر یا تو مجلس عقد ہی میں رأس المال کو غیر معیاری پایا ہوگا، یا مجلس عقد سے جدا ہونے کے بعد۔

اول......اگر مجلس عقد میں رأس المال کو غیر معیاری پایا تو اس کی تین صورتیں ہیں۔

۱......اگر رأس المال میں کوئی دوسرا استحقاق رکھتا ہو تو قبضہ کا صحیح ہونا مستحق کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر مستحق نے اجازت دے دی تو قبضہ صحیح ہوا اگر اجازت نہ دی تو قبضہ باطل ہے۔

۲......اگر رأس المال کو ستوقہ پایا۔ تو عقد جائز نہیں ہوگا اگر چہ مسلم الیہ انہیں قبول ہی کرلے، چونکہ یہ رأس المال اس کے حق کی جنس میں سے نہیں ہوں گے، چونکہ اس کا حق کھرے اور خالص دراہم میں ہے جبکہ ستوقہ دراہم میں سے نہیں ہوتے، گویا قبضہ سے پہلے ہی رأس المال کو قبول کرلیا گیا یہ ایسا ہی ہے جیسے دراہم کی جگہ کپڑا تبدیل کرلیا جائے اور پہلے دراہم رأس المال ٹھہرے پھر کپڑے کو رأس المال بنا دے۔ یہ جائز نہیں جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ اگر مسلم الیہ نے ستوقہ کو قبول نہ کیا اور واپس کردیا اور اس کی جگہ کوئی دوسری چیز قبضہ کرلی تو عقد جائز ہوجائے گا چونکہ مسلم الیہ نے جب رأس المال کو رد کردیا تو قبضہ ٹوٹ گیا گویا سرے سے قبضہ ہوا ہی نہیں اور قبضہ کو اختتام مجلس تک مؤخر کردیا گیا۔

۳......اگر مسلم الیہ نے رأس المال کو زیوف یا نبھرجہ پایا اگر انہیں قبول کرلیا تو عقد جائز ہوگا چونکہ زیوف اس کے حق کی جنس میں سے ہیں اور یہ دراہم ہیں، لیکن کھوٹ ہونے کی وجہ سے ان میں عیب ہے اور جودت (عمدگی) کی صفت فوت ہے اگر مسلم الیہ راضی ہو تو گویا رب سلم کو عیب سے بری الذمہ کردیا، اور وہ خود نقصان کے ساتھ اپنا حق قبضہ کرنے پر رضا مند ہے۔ اگر مسلم الیہ نے دراہم نبھرجہ کو واپس کردیا اور مجلس عقد ہی میں کوئی دوسری متبادل چیز لے لی تو یہ جائز ہے چونکہ اس نے اپنے حق کے بمثل چیز کو مجلس میں لے لیا گویا قبضہ مؤخر ہوا۔ ❷

دوم......اگر مسلم الیہ نے رأس المال کو مجلس عقد سے جدا ہونے کے بعد غیر معیاری پایا تو اس کی یہ صورتیں ہیں۔

۱......اگر رأس المال میں کسی دوسرے کا استحقاق ہو تو قبضہ مستحق کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر مستحق (صاحب استحقاق) نے اجازت دے دی تو عقد جائز ہوگا اگر رد کردیا تو عقد باطل ہوگا۔

۲......اگر مسلم الیہ نے رأس المال کو ستوقہ یا رصاص پایا تو بیع سلم باطل ہوجائے گی چونکہ ستوقہ دراہم کی جنس میں سے نہیں ہوتے، چونکہ ستوقہ کو لوگوں کے معاملات میں رواج نہیں ملتا، گویا مسلم الیہ کے حق کی جنس میں سے ہوں گے ہی نہیں نہ اصلاً نہ وصفاً، گویا مجلس عقد رأس المال پر قبضہ کئے بغیر ہی برخاست ہوگئی، لہٰذا عقد سلم باطل ہوگا اور مجلس کے بعد قبضہ سے جائز نہیں ہوگا۔

۳......اگر رأس المال کو زیوف یا نبھرجہ پایا اور مسلم الیہ نے ان کو قبول بھی کرلیا تو بیع سلم صحیح ہوگی چونکہ زیوف اس کے حق کی جنس میں سے ہیں، چونکہ یہ دراہم ہیں لیکن عیب دار ہیں ان میں کھوٹ ہے عمدگی کی صفت فوت ہے۔ جب مسلم الیہ رضا مند ہے تو گویا نقصان کے ساتھ اپنے حق پر قبضہ کرنے پر وہ راضی ہے۔ اگر مسلم الیہ نے ان زیوف دراہم کو قبول نہ کیا بلکہ رد کردیا تو علمائے حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مجلس عقد میں اگر متبادل دے دیا تو عقد درست ہوجائے گا اگر متبادل نہ دیا تو بیع سلم باطل ہوجائے گی۔

اگر مجلس عقد میں زیوف کی جگہ جیاد (معیاری) دراہم دے دیئے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے بقدر بیع سلم باطل ہوجائے خواہ مقدار

❶......البدائع ۵/۲۰۴۔ ❷البدائع ۵/۲۰۴۔

قلیل ہو یا کثیر، امام ابوحنیفہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، چونکہ زیوف مسلم الیہ کے حق میں سے ہیں اصلاً نہ کہ وصفاً اسی لئے اس کا حق فوت ہونے کی وجہ سے واپس کرنے کا حق اسے ملا ہے جس کا مدار وصف پر ہے، گویا اس کا حق اصل اور وصف دونوں میں ہوا، جب بھرپور حق نہ ملا اور قبضہ کئے ہوئے مال پر رضا مندی بھی نہ ہوا تو یہ واضح ہو گیا کہ اس نے اپنے حق پر قبضہ نہیں کیا، لہٰذا بیع سلم باطل ہو جائے گی۔
جبکہ استحسان کا تقاضا ہے کہ بیع سلم باطل نہ ہو یہی صاحبین کا قول ہے، چونکہ زیوف کا قبضہ صحیح واقع ہوا ہے، چونکہ مسلم الیہ نے اپنے حق کی جنس پر قبضہ کیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر مسلم الیہ انہیں قبول کر لیتا تو جائز ہوتا ہاں! البتہ کھوٹ کی وجہ سے جودت کی صفت مفقود ہے، جبکہ عیب دار چیز قبضہ صحیح ہونے کے مانع نہیں ہوتی، مجلس رد میں تبادلہ کی اجازت دی گئی ہے چونکہ رد کو عقد کے ساتھ ایک گونا مشابہت ہے لہٰذا مجلس رد کو مجلس عقد کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے۔ ⓫

یہ ساری تفصیل تب ہے جب مسلم الیہ سارے رأس المال کو زیوف (کھوٹا) یا نبھرجہ (غیر مقبول) پائے، اگر کچھ رأس المال کو زیوف پائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مجلس رد میں زیوف کو جیاد (عمدہ) سے بدلنا اچھا سمجھتے ہیں۔
چنانچہ اگر وہ قلیل مقدار میں تھے اور مجلس عقد میں تبدیل کر لئے گئے تو عقد کل رأس المال میں صحیح ہوگا اگر وہ کثیر مقدار میں ہوں تو ردکی گئی مقدار کے بقدر عقد باطل ہو گیا چونکہ قلیل مقدار میں کھوٹ سے احتراز ناممکن ہوتا ہے۔
قلیل مقدار اور کثیر مقدار میں حد فاصل کیا ہوگی؟ اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی روایات مختلف ہیں، اصح روایت یہ ہے کہ ایک تہائی اور اس سے زیادہ کا شمار کثیر مقدار میں ہے تہائی سے کم قلیل کے حکم میں ہے۔ ⓬
یہ تفصیل رأس المال کے متعلق ہے۔

مسلم فیہ کا حکم...... اگر رب سلم مسلم فیہ میں کوئی عیب پائے جبکہ مسلم فیہ پر قبضہ کر لیا ہو، رب سلم کو خیار حاصل ہوگا۔ چاہے تو اسے قبول کر لے چاہے رد کر دے اور عیب سے پاک مسلم فیہ لے، چونکہ رب سلم کا حق عیب سے پاک مسلم فیہ میں ہوتا ہے عیب دار میں نہیں ہوتا، ⓭ لیکن خیار رؤیت اور خیار شرط بیع سلم میں ثابت نہیں ہوتے جیسا کہ اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

دوسرا پہلو: اگر رب سلم مسلم الیہ کی تکذیب کرتا ہو...... یعنی رب سلم انکار کرتا ہو کہ وہ دراہم جو اس نے دیئے تھے وہ نہیں ہیں جبکہ مسلم الیہ دعویٰ کرتا ہو کہ یہ وہی دراہم ہیں اس کی چھ صورتیں ہیں۔
اگر مسلم الیہ نزاع سے پہلے قبضہ کا اقرار کرے اور کہے تم نے جیاد (عمدہ) دراہم پر قبضہ کیا ہے یا کہے تم نے میرے حق پر قبضہ کیا ہے یا کہے تم نے رأس المال پر قبضہ کر لیا ہے یا کہے تم نے دراہم وصول کر لئے ہیں یا کہے تم نے دراہم پر قبضہ کر لیا ہے یا صرف کہے تم نے قبضہ کر لیا ہے اور ساتھ کچھ نہ کہے۔

۱...... پہلی چار صورتوں میں جب مسلم الیہ نے دراہم زیوف پائے تو اس کے بعد اس کا دعویٰ قابل سماعت نہیں ہوگا۔
مسلم الیہ رب سلم سے حلف لینے کا حق بھی نہیں رکھتا چونکہ جیاد پر قبضہ کرنے کے اقرار سے اس کا دعویٰ ٹوٹ جاتا ہے اور دعویٰ میں تناقض آتا ہے جبکہ تناقض صحت دعویٰ کے مانع ہے جبکہ حلف دعویٰ صحیح میں لیا جاتا ہے۔
۲...... اگر مسلم الیہ نے کہا: میں نے دراہم پر قبضہ کر لیا ہے پھر کہا وہ تو زیوف ہیں قیاس کا تقاضا ہے کہ رب سلم کا قول معتبر ہو کہ زیوف دراہم میں سے ہوں ہی نہیں۔ ساتھ اس سے قسم بھی لی جائے گی، مسلم الیہ کے ذمہ گواہ ہوں گے کہ یہ وہی دراہم ہیں جن پر اس نے قبضہ کر لیا ہے، چونکہ مسلم الیہ کا دعویٰ ہے کہ یہ وہی قبضہ کئے ہوئے ہیں اور ان میں عیب تھا جبکہ رب سلم انکار کرتا ہے اور منکر کا قول معتبر ہوتا ہے ساتھ قسم

⓫...... البدائع ۲۰۵/۵۔ ⓬ تحفۃ الفقہاء ۲۷/۲۔ ⓭ المرجع السابق۔

بھی لی جائے گی۔ استحسان میں یہ تفصیل ہے کہ قول مسلم الیہ کا معتبر ہوگا اور ساتھ اس سے قسم لی جائے گی اور رب سلم کے ذمہ گواہ ہوں گے جو یہ گواہی دیں کہ رب سلم نے جید (عمدہ) دراہم دیئے تھے، چونکہ رب سلم اپنے انکار کے ساتھ کہہ رہا ہوتا ہے کہ اس نے مسلم الیہ کا حق دے دیا ہے، اور حق جید دراہم میں ہے جبکہ مسلم الیہ اپنے دعویٰ کہ دراہم کھوٹے ہیں سے اپنے حق کے قبضہ کرنے کا منکر ہوتا ہے لہٰذا قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا ساتھ قسم بھی اٹھائے گا کہ اس نے اپنا حق قبضہ نہیں کیا۔ یہ واضح ہے کہ مدعی کے ذمہ گواہ ہوتے ہیں جو یہ گواہی دیں گے کہ اس نے حق دے دیا ہے۔

پہلی چار صورتوں میں یہی قیاس کا مقتضا ہے البتہ یہاں ایک چیز پہلے ہو چکی۔

۳..... اگر مسلم الیہ نے کہا: میں نے دراہم پر قبضہ کرلیا، پھر کہا: میں نے وہ زیوف (کھوٹے) پائے ہیں اس صورت میں مسلم الیہ کا قول معتبر ہوگا۔ جیسا کہ اور گزر چکا ہے۔ البتہ ہاں اتنی بات ہے کہ اگر کہا میں نے دراہم ستوقہ پائے تو اس کی تصدیق کی جائے گی بخلاف اس کے کہ جب کہا میں نے دراہم پر قبضہ کرلیا اور پھر کہا میں نے انہیں ستوقہ پایا ہے تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا چونکہ مسلم الیہ کے قول ''میں نے قبضہ کرلیا'' میں مطلق قبضہ کا اقرار ہے ستوقہ دراہم پر بھی تو قبضہ کیا جاتا ہے، جب اس نے کہا میں نے ستوقہ پر قبضہ کیا تو اس کا دعویٰ نہیں ٹوٹے گا اور جب کہا میں نے دراہم پر قبضہ کیا ہے تو دعویٰ ٹوٹ جائے گا کہ میں نے ستوقہ پر قبضہ کیا چونکہ ستوقہ دراہم کی جنس کے خلاف ہوتے ہیں۔ ❶

۲: عقد استصناع (آرڈر پر مال تیار کروانا یا سلائی دینا)

تمہید..... اسلام نے ماضی، حال، مستقبل میں اقتصادی اور معاشی معاملات، عقود اور واقعات کے متعلق لوگوں پر واضح کر دیا ہے بلکہ عوام الناس کے مصالح اور حوائج کے پیش نظر ہم آہنگی کی راہیں استوار کی ہیں، تاکہ عوام الناس کی جملہ ضروریات حق وانصاف کے ساتھ قائم ودائم رہ سکیں، مبادلہ جات اور معاوضہ جات کے مقابلہ میں ہونے والی ادائیگیوں میں برابری رہ سکے، اس ہم آہنگی کا مظہر واضح ہے جو اصول استنباط اور اجتہاد کے مطالب ومصادر سے ماخوذ ہے، چنانچہ مقتضائے فقہ بھی یہی ہے، اصطلاح میں ''نئے پیش آنے والے واقعات اور عملی مسائل کا ادلہ تفصیلیہ (کتاب اللہ وسنت، اجماع وقیاس) سے استنباط فقہ ہے۔

اس واقعی پہلو کی نمایاں مثال یہ ہے کہ روزمرہ زندگی میں بار بار پیش آنے والے معاملات کی مشروعیت جو نصوص اور قواعد عامہ سے مستثنیٰ ہیں جیسے عقد سلم اور عقد استصناع تاکہ لوگوں کو اپنی ضروریات اور حوائج میں کوئی مشقت پیش نہ آئے اور با آسانی اپنا معاملہ طے کر سکیں، اور اس مقصد کے حصول میں انہیں کسی قسم کی عداوت اور حق تلفی مول نہ لینی پڑے چونکہ حاجت ضرورت کے مقام پر اتر آتی ہے اور مشقت آسانی کو کھینچ لاتی ہے جبکہ اسلام آسانی کا دین ہے تنگی کا نہیں۔

ماضی میں استصناع کا دائرہ کار اتنا وسیع نہیں تھا اس کا دارومدار گھریلو صنعت، جوتا سازی میں اور گھریلو اثاثہ جات تک منحصر تھا جبکہ عصر حاضر میں استصناع عالمی شہرت کا حامل معاملہ بن چکا ہے اور اس کے ساتھ بڑے بڑے مصالح متعلق ہیں جیسے بحری بیڑوں کا بنانا، بڑی بڑی فیکٹریوں میں ہوائی جہاز اور دیگر آلات کی صفت گری وغیرہ عصر حاضر میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں، اسی لئے تجارتی معاملات میں روز افزوں ترقی ہوتی جارہی ہے۔

خاکہ بحث..... اس بحث میں تین محور ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

---

❶..... تحفة الفقهاء ۲/ ۲۸۔

پہلا محور......اس میں یہ امور شامل بحث ہیں:
۱......استصناع کی تعریف۔
۲......استصناع کا معنی آیا کہ یہ محض ایک وعدہ ہے یا بیع (معاملہ خرید وفروخت) ہے۔
۳......استصناع کی مشروعیت کی دلیل۔
۴......شرائط جو استصناع کے ساتھ لاحق ہیں یا اس سے الگ ہیں اور حکم استصناع میں ان شرائط کے مؤثر ہونے کی حد۔
۵......استصناع کا حکم اور صفت وکیفیت۔

دوسرا محور......استصناع اور عقد سلم۔
۲......ان دونوں معاملات میں پایا جانے والا علاقہ (تعلق)۔
۳......استصناع اور سلم کی شرائط۔

تیسرا محور: (موضوع گفتگو): ۱......صنعتی میدان میں استصناع کے اثرات۔

پہلا محور: (موضوع گفتگو)

استصناع کی تعریف......استصناع باب استفعال سے ہے، اس میں طلب کا معنی پایا جاتا ہے لغت میں استصناع کا معنی طلب صنعت ہے اور صنعت تیار کنندہ (صانع) کا اپنی صنعت اور حرفت میں عمل ہے۔ (یعنی کسی چیز کو آرڈر پر تیار کروانا استصناع ہے) مصباح المنیر، مختار الصحاح اور القاموس المحیط میں یہی لغوی معنی بیان کیا گیا ہے۔

فقہاء کی اصطلاح میں۔"طلب العمل من الصانع فی شئی مخصوص علی وجه مخصوص۔"❶

دوسری تعریف یہ بھی ہے۔"ھو عقد مع صانع علی عمل شئی معین فی الذمة"❷ یعنی استصناع ایسی چیز کی خریداری کا عقد ہے جسے صنعت کار تیار کرتا ہے، اس چیز کا میٹیریل (خام مال) اور کام (کاریگری) صنعت کار کی طرف سے ہوتا ہے، اگر میٹیریل آرڈر دہندہ (خریدار) کی طرف سے ہو تو یہ استصناع نہیں رہے گا بلکہ اجارہ بن جائے گا۔ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ معقود علیہ صرف خام (مال کی تیاری) ہوتا ہے چونکہ استصناع کا معنی طلب صنعت ہے اور وہ تیار کنندہ کا عمل ہوتا ہے۔

مثال......جیسے کوئی شخص (خریدار، مستصنع) کسی میکر (تیار کنندہ، صنعت کار) جیسے بڑھئی، لوہار موچی پیشہ ور لوگوں سے متعین اوصاف کی کوئی متعین چیز تیار کرائے، متعین چیز جیسے گھریلو سامان فرنیچر، زیورات وغیرہ اور اس کے ثمن (قیمت) بھی متعین ہوں، بشرطیکہ لوگوں کا اس میں تعامل ہو جیسے ٹوپی، موزہ وغیرہ۔ عقد استصناع ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے، خریدار اور گاہک کو مستصنع (آرڈر دہندہ) کہا جاتا ہے اور تیار کنندہ یعنی بائع کو صانع کہا جاتا ہے جو چیز تیار کروائی جا رہی ہو اسے مصنوع کہا جاتا ہے۔

عقد استصناع بیع سلم سے مشابہت رکھتا ہے چونکہ استصناع میں معدوم چیز کی بیع ہوتی ہے۔ مصنوع (تیار کردہ مال) بوقت عقد صانع یعنی تیار کنندہ کے ذمہ لازمی ہوتی ہے، البتہ استصناع اور سلم میں یہ فرق ہے کہ استصناع میں ثمن (رأس المال) پیشگی دینا واجب نہیں، اور تیاری مال کی مدت متعین کرنا بھی واجب نہیں، نیز مصنوع (تیار کردہ مال) بازاروں میں کھلے عام نہ ملتا ہو بلکہ آرڈر پر تیار کیا جاتا ہو۔

---

❶......ردالمحتار لابن عابدین ۴/ ۲۲۱۔ ❷المجلة م ص ۱۲۴۔

نیز استصناع اجارہ کے بھی مشابہ ہے لیکن فرق یہ ہے کہ تیار کردہ مال کا میٹیریل ضائع ہوتا ہے۔

استصناع کا معنی:

کیا یہ وعدہ ہے یا مبیع ہے؟......استصناع کی تخریج میں فقہائے حنفیہ کا اختلاف ہے کہ آیا یہ حتمی بیع ہے یا محض وعدۂ بیع ہے، یا اجارہ ہے، اگر بیع ہے تو مبیع کیا ہے؟ تیار کردہ مال ہے یا وہ عمل ہے جو تیار کنندہ سے صادر ہوا۔

حاکم شہید مروزی، صفار، محمد بن سلمہ اور صاحب منثور کہتے ہیں: استصناع وعدہ ہے اور جب مال تیار ہو جاتا ہے اس کے بعد تعاطی سے بیع ہوتی ہے، اسی لئے تیار کنندہ کو اختیار ہے کہ وہ مال تیار نہ کرے اور عمل نہ کرے نیز اسے مجبور بھی نہیں کیا جائے گا، بخلاف بیع سلم کے، آرڈر دینے والے کو بھی اختیار ہے کہ وہ تیار کردہ مال کو قبول نہ کرے اور رجوع کرلے، یوں معاملہ لازمی نہیں ہوگا۔

لیکن حنفی مذہب میں راجح یہ ہے کہ استصناع تیار کردہ مال کی بیع ہے، تیار کنندہ کے عمل کی بیع نہیں، اور یہ وعدہ بیع اور اجارہ نہیں، (یعنی تیار کنندہ کو مزدوری پر نہیں لیا جاتا) چنانچہ اگر تیار کنندہ نے ایسی چیز لائی جسے وہ بناتا نہیں یا وہ چیز مشروط اوصاف کے مطابق عقد سے پہلے ہی بناڈالے تو یہ جائز ہے، استصناع کے وعدہ نہ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے استصناع کی بحث میں قیاس اور استحسان کو بیان کیا ہے یہ دونوں وعدہ میں نہیں چلتے، نیز امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے استصناع کو ان چیزوں میں جائز قرار دیا ہے جن میں تعامل ناس ہو، جن چیزوں میں لوگوں کا تعامل نہ ہو ان میں استصناع کو جائز قرار نہیں دیا، اگر استصناع وعدہ ہوتا تو ہر چیز میں جائز ہوتا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے شراء (خریداری) کا نام دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: جب مستصنع (خریدار) تیار کردہ مال کو دیکھے تو اسے خیار حاصل ہوگا، چونکہ اس نے ایسی چیز خریدی ہے جو اس نے دیکھی نہیں، نیز تیار کنندہ قبضہ کرنے سے دراہم کا مالک بن جاتا ہے اگر استصناع محض وعدہ ہوتا تو دراہم کا مالک نہ بنتا، خریدار اور تیار کنندہ میں سے ہر ایک کے لئے خیار کا ثبوت اس لئے نہیں کہ استصناع بیع نہیں، چونکہ عاقدین کو خیار بیع مقایضہ میں ملتا ہے، کہ عاقدین ایک دوسرے کی چیز کو نہ دیکھیں نہ ہر ایک کو خیار رؤیت ملے گا، یہاں بھی مستصنع (خریدار) کے لئے خیار کا ثابت ہونا خصوصیات بیع میں سے ہے، لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جواز بیع ہے، جواز وعدہ نہیں، اس کے بیع ہونے پر یہ امر بھی مرتب ہوتا ہے کہ تیار کنندہ کو عمل پر مجبور کیا جائے گا اور خریدار اس سے رجوع نہیں کرسکتا اگر محض وعدہ ہی ہوتا تو لازم نہ ہوتا۔

ابوسعید برادعی کا موقف......ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں استصناع میں معقود علیہ عمل اور کاریگری ہے۔ چونکہ لغت میں استصناع کا معنی طلب صنعت ہے اور یہ عمل ہے۔

لیکن حنفی مذہب میں راجح یہ ہے کہ معقود علیہ تیار کردہ چیز ہے محض عمل نہیں۔ اگر تیار کنندہ نے مشروط اوصاف کے مطابق مال تیار کیا اور مستصنع (خریدار) اس سے راضی رہا تو عقد جائز رہے گا، برابر ہے تیار کنندہ نے خود مال تیار کیا ہو یا کسی دوسرے نے تیار کیا ہو اگر محض عمل معقود علیہ (مبیع) ہوتا تو یہ صحیح نہ ہوتا۔ با شائے علماء وجود مستقبل میں ہوتا ہے ماضی میں نہیں، لہٰذا صحیح قول یہی ہے کہ معقود علیہ وہ مبیع ہے جس میں عمل کی شرط ہو۔

چونکہ استصناع طلب صنعت ہے، لہٰذا جس میں عمل کی شرط نہ ہو وہ استصناع نہیں۔ گویا اسم کا ماخذ ہی مدلول پر دلیل ہے، نیز اگر مبیع ذمہ میں ہو تو یہ عقد سلم ہے جبکہ مبحوث عنہ تو استصناع ہے، اسماء کا مختلف ہونا معانی کے مختلف ہونے پر دلیل ہے۔ البتہ اگر تیار کنندہ نے پہلے سے تیار شدہ مال مطلوب شرائط کے عین مطابق پیش کیا اور گاہک نے بخوشی اسے قبول کرلیا تو یہ جائز ہے، البتہ عقد اول سے اس کا جواز نہیں ہوگا بلکہ عقد ثانی سے جواز ہوگا اور عقد ثانی باہمی رضامندی سے بیع تعاطی ہے۔ [1]

---

[1]......المبسوط ۱۲/۱۳۸، البدائع ۵/۲، فتح القدیر ۵/۲۵۵۔

استصناع کی مشروعیت کی دلیل......فقہائے حنفیہ کی رائے ہے کہ قیاس اور قواعد عامہ تو اس بات کے مقتضی ہیں کہ استصناع جائز نہ ہو، چونکہ بیع سلم کی طرح استصناع بھی معدوم چیز کی بیع ہے اور معدوم کی بیع جائز نہیں ہوتی، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیز فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے جو انسان کے پاس نہ ہو، لہٰذا بیع صحیح نہیں ہوگی۔

استصناع کو اجارہ قرار دینا بھی ممکن نہیں چونکہ اس میں اجیر کی ملک میں پائے جانے والے عمل پر اجارہ ہوگا اور یہ جائز نہیں، گویا یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی دوسرے آدمی سے کہے تم اپنا یہ مال اس جگہ سے فلاں جگہ تک اٹھا کر لے جاؤ تمہیں دس روپے مزدوری ملے گی، یہی امام زفر، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے لیکن ان آئمہ کے نزدیک بیع سلم کے قواعد پر استصناع جائز ہے، اس میں وہی شرائط عائد ہوں گی جو بیع سلم میں ہوتی ہیں، چنانچہ اہم شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں پورا ثمن سپرد کرنا ہوگا جبکہ مالکیہ کے نزدیک ایک دو دن پیشگی دینے میں کوئی مانع نہیں، ان کے نزدیک تیار کردہ مال کی سپردگی کے لئے تحدید مدت بھی واجب ہے جیسے بیع سلم میں ہوتا ہے ورنہ عقد فاسد ہو جائے گا، ان آئمہ کی نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ عامل یعنی تیار کنندہ متعین نہ کیا جائے اور تیار کردہ مال کو بھی متعین نہ کیا جائے، جیسے بیع سلم کی شرائط میں، ان شرائط کے پیش نظر تین صورتوں میں مقدار استصناع فسخ ہو جائے گا۔ یہ کہ تیار کردہ مال کی سپردگی کی مدت متعین نہ ہو، تیار کنندہ متعین نہ ہو اور تیار کردہ مال متعین نہ ہو، چونکہ اگر متعین کر دیا تو وہ معین ہو جائے گا اور ذمہ میں نہیں رہے گا، اور بیع سلم کے صحیح ہونے کی شرط ہے کہ مسلم فیہ ذمہ میں دین (قرض) ہو۔ یہی شرط استصناع میں بھی ہوگی۔ ❶

شافعیہ کے نزدیک استصناع صحیح ہے برابر ہے تیار کردہ مال سپرد کرنے کی مدت کی تحدید کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو جیسے ہاتھوں ہاتھ لے لے ہو جائے، چنانچہ شافعیہ کے نزدیک بیع سلم جو ہاتھوں ہاتھ ہو جائز ہے۔ ❷

حنفیہ کا مذہب ہے کہ استصناع استحساناً جائز ہے چونکہ استصناع لوگوں میں متعارف ہے اور لوگوں کا اس پر تعامل بھی ہے، ہر زمانے میں تعامل رہا ہے اور اس پر کسی کی نکیر بھی نہیں آئی گویا اس پر اجماع ہے، اس نوعیت کے تعامل کی اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں مندرج ہے۔ ''میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی۔'' ❸ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جس عمل کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہوتا ہے۔ ❹

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوانے کے لئے عقد استصناع کیا اور آپ نے سینگی بھی لگوائی پھر سینگی لگانیوالے کو مزدوری دی، باوجود یہ کہ سینگی لگانے کا عمل اور خون چوسنے کی باریاں کسی کے نزدیک لازمی نہیں ہیں۔ مشکیزے سے پانی پینا بھی اس کی مثال ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمام کے بارے میں سنا آپ نے شلوار پہن کر حمام میں داخل ہونے کی اجازت دی اور اس کی کوئی شرط ذکر نہیں فرمائی، حمام میں داخل ہونے پر صحابہ اور تابعین کے دور سے لوگوں کا تعامل ہے، اس میں پانی کی مقدار کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا نہ ہی حمام میں ٹھہرنے کی مدت بیان کی جاتی ہے، بسا اوقات معدوم کو موجود کا حکم دے دیئے جاتا ہے۔ ❺

وہ شرائط جو استصناع کو لاحق ہوتی ہیں یا اس سے الگ ہیں اور استصناع میں ان شرائط کے مؤثر ہونے کی حد:

استصناع کے جائز ہونے کے لئے حنفیہ کے نزدیک تین شرائط ہیں اگر ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو عقد فاسد ہو جائے گا پھر یہ بیع فاسد کے حکم میں ہو جاتی ہے چنانچہ قبضے سے ملک منتقل ہو جاتی ہے اور گاہک کو ملک خبیث حاصل ہو جاتی ہے اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں،

---

❶......مواہب الجلیل للحطاب ۵۳۹/۴، الشرح الکبیر ۲۱۷/۳ الشرح الصغیر ۲۸۷/۳۔ ❷الاشباہ والنظائر للسیوطی ص ۸۹ العرف والعادہ ص ۱۳۱۔ ❸رواہ احمد والطبرانی وابن ماجہ (۱۷۷/۱، المقاصد الحسنہ للسخاوی ص ۴۶۰) ❹حدیث موقوف علی ابن مسعود ولہ طرق ورواہ احمد والبزار والطبرانی فی الکبیر ورجالہ ثقات۔ ❺المبسوط للسرخسی ۱۳۸/۱۲ البدائع ۲۵ فتح القدیر ۲۵۵/۵۔

نظام شریعت کے احترام کے لئے سبب فساد کو دور کرنا واجب ہوتا ہے، یہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

ا.....جو چیز تیار کروانی ہے اس کی جنس متعین کردی گئی ہو اس کی نوع، مقدار اور صفت بھی متعین ہو، چونکہ وہ چیز مبیع کے حکم میں ہے لہٰذا اس کا متعین ہونا ضروری ہے۔ اگر مذکورہ عناصر میں ایک عنصر بھی نہ پایا گیا تو عقد فاسد ہوجائے گا چونکہ ایسی جہالت جو جھگڑے تک پہنچادے عقد کو فاسد کردیتی ہے، چنانچہ اس شرط کے پیش نظر اگر کسی شخص نے سائی (آرڈر) پر برتن تیار کرانا چاہا اور دھات متعین کی، جنس بیان کردہ، سائز متعین کیا، صحیح اوصاف اور تعداد متعین کردی تو عقد صحیح ہوگا اگر ان امور میں سے ایک چیز بھی مخفی رکھی عقد فاسد ہوجائے گا، اسی طرح اگر گاڑی سائیدار بنوانی ہے تو اس کے جملہ امور اور اوصاف بیان کردیئے جائیں تاکہ جہالت اور نزاع کا دفعیہ ہوجائے۔

۲.....جو چیز آرڈر پر تیار کروانی ہے اس پر لوگوں کا تعامل ہو (یعنی اس چیز کے بنوانے کا لوگوں میں عام رواج ہو) جیسے زیورات، جوتے، برتن، گھریلو فرنیچر اور دوسرا ساز وسامان۔ ایسی چیزوں میں استصناع جائز نہیں جن میں استصناع عوام الناس کے ہاں متعارف نہ ہو جیسے کپڑے، سودا سلف، شہد، وغیرہ۔ البتہ اس صفت کی حامل اشیاء میں بیع سلم جائز ہے بشرطیکہ بیع سلم کی شرائط پوری ہوں اگر ان چیزوں میں سلم کی شرائط پائی جائیں تو استصناع باطل ہوجائے گا اور بیع سلم درست ہوگی، چونکہ معاملات میں مقاصد اور معانی کا اعتبار ہوتا ہے الفاظ اور مبانی کا اعتبار نہیں ہوتا۔ بیع سلم غیر مثلی اشیاء میں جائز ہے جیسے کپڑے، قالینیں اور ٹائیں وغیرہ۔ ہمارے زمانے میں کپڑوں میں استصناع جائز ہے چونکہ لوگوں میں اس کا رواج ہے۔ زمانے و رجگہ کے مختلف ہونے سے رواج بھی مختلف ہوتا ہے۔

۳.....یہ کہ عقد استصناع میں مدت کی تحدید نہ کی جائے، اگر متعاقدین نے تیار کردہ مال کی سپردگی کے لئے کوئی مدت متعین کردی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد فاسد ہوجائے گا اور عقد سلم بن جائے گا اور اس میں شرائط سلم کا اعتبار ہوگا مثلاً ثمن پر مجلس عقد میں قبضہ کرنا لازمی ہوگا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ استصناع میں جب مدت مقرر کرلی گئی تو گویا اس عقد میں سلم کا معنی اور علت پائی گئی جبکہ عقود (معاملات) میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے، الفاظ کی صورت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اسی لئے اگر ایسی چیز میں مدت کی تحدید کی گئی جس میں استصناع جائز نہیں جیسے جولاہے کے اپنے ذاتی سوت سے کپڑا بنوایا یا درزی سے کپڑا لے کر اسی سے سلوایا تو عقد استصناع عقد سلم بن جائے گا۔

تحدید مدت سے مراد کیا ہے؟.....مدت ایک مہینہ یا اس سے زیادہ مقرر کرنا صحیح نہیں اگر ایک مہینہ سے کم مدت مقرر کی پھر اگر اتنی سی مدت کا لوگوں میں رواج ہو تو استصناع صحیح ہوگا۔ یا مدت کی تحدید سے مقصد جلد بازی ہو اور تیار کنندہ کو مہلت نہ دینا ہو مثلاً جیسے گاہک کہے: کل تک مال تیار کردینا۔ اگر مدت کی تحدید سے مراد تیار کنندہ کو مہلت دینا ہو یا مدت مقرر کرنا ہو تو استصناع صحیح نہیں۔ اور سلم بھی صحیح نہیں اگر ایک مہینہ سے کم مدت مقرر کردی۔ ❶

خلاصہ.....یہ ہے کہ ایک مہینہ یا اس سے زیادہ مدت مقرر کرنا سلم ہے اور ایک مہینہ سے کم مدت مقرر کرنے میں تعامل نہیں لہٰذا استصناع ہے ہاں البتہ اگر جلد کے لئے مدت ذکر کی گئی تو صحیح ہے۔

صاحبینؒ کہتے ہیں: یہ شرط غیر معتبر ہے اور عقد ہر حال میں استصناع ہے خواہ مدت کی اس میں تحدید کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو، چونکہ استصناع میں عرف وعادت تحدید مدت کی ہے۔ گویا تحدید مدت کی شرط صحیح ہے، یہ قول روزمرہ عملی زندگی کے مطابق ہے لہٰذا اس قول کو اختیار کرنا اولیٰ ہے۔

مجلہ کے آرٹیکل ۳۸۹ میں یوں وضاحت کی گئی ہے۔ ”ہر وہ چیز جس کے استصناع کا تعامل ہو (یعنی لوگوں میں رواج ہو) تو مطلقاً اس میں استصناع صحیح ہے البتہ وہ چیز جس کے استصناع کا تعامل نہ ہو اور اگر اس میں مدت کی تحدید کردی جائے تو عقد، سلم بن جائے گا، اس وقت

❶.....المبسوط ۱۲/۱۳۹، البدائع ۵/۳ فتح القدیر ۵/۳۵۵ الدر المختار ۴/۲۲۲

اس میں بیع سلم کی شرائط کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر سلم میں مدت کی تعیین نہ کی گئی تو استصناع ہوگا۔ اگر تیار کردہ مال کو پیش کرنے کی مدت مقرر کی گئی پھر مدت گزر گئی اور تیار کنندہ مال تیار نہ کرسکا تو ظاہر مذہب یہ ہے کہ گاہک کو اختیار حاصل ہوگا چاہے تو انتظار کرے چاہے عقد فسخ کردے جیسا کہ عقد سلم میں یہی اصول مقرر ہے۔ ❶

شرائط لاحقہ.....حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ عقد کی شرط لاحق، عقد میں داخل شرط کی مانند ہوتی ہے بشرطیکہ وہ شرط صحیح ہو، اگر شرط فاسد ہوئی تو عقد کے ساتھ لاحق ہوجائے گی اور عقد کو فاسد کردے گی جس طرح عقد میں داخل شرط عقد کو فاسد کردیتی ہے، یہ ساری تفصیل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ صاحبینؒ کہتے ہیں: شرط فاسد عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوتی بلکہ عقد صحیح ہی رہتا ہے، اور شرط لغو ہوجاتی ہے، صاحبینؒ نے یہ موقف اس لئے اختیار کیا ہے تاکہ عقد سلامت رہے۔

استصناع کا حکم اور صفت..... یہاں حکم سے مراد عقد استصناع پر مرتب ہونے والا اثر ہے، استصناع کے مندرجہ ذیل احکام ہیں۔

۱.....استصناع کا حکم اثر نوعی اور اثر جوہری کے معنی میں ہے جو اس عقد پر مرتب ہوتا ہے۔ اور وہ گاہک کی ملک کا ثبوت ہے یعنی ذمہ میں جو مال تیار کرنا ہے اس میں گاہک کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اور اس چیز کے بدلہ میں جو مال (قیمت، ثمن) دیا جاتا ہے اس میں تیار کنندہ کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے۔

۲.....عقد استصناع کی صفت (کیفیت) یہ ہے کہ مال تیار کرنے سے پہلے یہ عقد لازمی نہیں ہوتا اسی طرح مال تیار کرنے کے بعد بھی لازمی نہیں ہوتا، یعنی تیار کنندہ اور گاہک کے حق میں لازم نہیں ہوتا، گویا عاقدین کو اختیار ہوتا ہے کہ عقد نافذ کریں یا فسخ کریں یا دیکھنے سے پہلے عدول کرجائیں۔ اگر تیار کنندہ نے گاہک کے دیکھنے سے پہلے تیار کردہ مال فروخت کردیا تو یہ جائز ہے چونکہ عقد غیر لازم ہے اور معقود علیہ عین تیار کردہ مال نہیں ہے بلکہ اس کی مثل ذمہ میں واجب ہے۔

۳.....اگر تیار کنندہ بنائی ہوئی چیز گاہک کے پاس لایا تو اس کا خیار ساقط ہوجائے گا چونکہ وہ راضی ہے کہ یہ چیز گاہک کی ہو، اس لئے تو وہ لے کر آیا ہے گویا استصناع کا حکم تیار کنندہ کے حق میں ملک لازم کا ثبوت ہے جب گاہک اسے دیکھ لے، اور اس سے راضی ہوا سے خیار حاصل نہیں ہوگا یہ ظاہر الروایۃ میں ہے۔

البتہ گاہک کے اعتبار سے عقد کا حکم یہ ہے کہ جب تیار کنندہ مشروط صفت کے مطابق مال تیار کرکے لائے تو اس کے حق میں ملک ثابت ہوجائے گی لیکن لازم نہیں ہوگی، جب گاہک اسے دیکھے گا اسے خیار حاصل ہوگا، چاہے تو لے لے چاہے چھوڑ دے، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد فسخ ہوجائے گا۔ چونکہ اس نے ایسی چیز خریدی ہے جو دیکھی نہیں لہٰذا اسے خیار رؤیت حاصل ہوگا۔ بخلاف تیار کنندہ کے چونکہ وہ بائع ہے اس نے بن دیکھے چیز فروخت کی ہے لہٰذا اسے خیار نہیں حاصل ہوگا۔

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب گاہک نے مال دیکھ لیا تو عقد لازم ہوجائے گا اور اسے خیار نہیں ملے گا۔ بشرطیکہ جب مال بیان کردہ صفت، طلب اور شرط کے موافق ہو، چونکہ تیار کردہ مال بمنزلہ مبیع اور مسلم فیہ کے ہے لہٰذا اسے خیار رؤیت نہیں ملے گا، تاکہ تیار شدہ مال میں تیار کنندہ کا نقصان نہ ہو، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرا شخص اس صفت پر تیار شدہ مال کو نہیں لیتا، البتہ اس رائے پر اعتراض کیا گیا ہے کہ گاہک کا نقصان تیار کنندہ کے نقصان سے زیادہ ہے جب گاہک کا خیار ہی باطل کردیا جائے۔

چونکہ کاریگر تو کسی بھی کیفیت اور صفت پر مال تیار کرسکتا ہے اس کے لئے کیا مشکل ہے۔ چونکہ جب گاہک اس مال سے راضی نہیں ہوگا تو تیار کنندہ کسی دوسرے کو فروخت کردے گا اور مثل قیمت لے لے گا، اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دوسری بیع کا محض احتمال ہی ہے اور

---

❶.....عقد البیع ص ۱۲۳

تیارکنندہ کا نقصان غالب ہے لہٰذا لزوم بیع واجب ہے تا کہ تیار کنندہ کا نقصان نہ ہو۔

اسی وجہ سے میں نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو مجلّہ میں اختیار کیا ہے چنانچہ دفعہ ۳۹۲ میں میں نے لکھا ہے کہ عقد استصناع لازم ہوتا ہے، طرفین میں سے کسی کو بھی رجوع کا حق نہیں ہاں البتہ تیار شدہ مال اگر بیان کردہ اوصاف کے خلاف ہو تو وصف مرغوب کے نہ ہونے پر گاہک کو اختیار حاصل ہوگا۔

میرے اندازے کے مطابق یہ رائے جو میں نے مجلّہ میں اختیار کی ہے درست وصواب ہے تا کہ عاقدین کو جھگڑوں میں پڑنے سے روکا جا سکے، اور تیار کنندہ کو نقصان سے بچایا جا سکے۔ جبکہ تیار شدہ مال کے صحیح، نوع اور کیفیت کے مختلف ہونے سے لوگوں کی اغراض بھی مختلف ہو جاتی ہیں۔ نیز یہ رائے عقود کی قوت ملزمہ کے اصول کے ساتھ بھی متفق ہے اور عصر حاضر کی بڑی بڑی صنعتوں جیسے بحری جہازوں اور ہوائی جہازوں کی صنعتیں کے مناسب بھی یہی رائے ہے۔ چنانچہ جب صنعت کاری کی یہ حالت ہو تو عقد کا غیر لازمی ہونا سمجھ سے بالاتر ہے۔

۴......تیار کردہ مال کے ساتھ گاہک کا حق اسی وقت متعلق ہوگا جب تیار کنندہ گاہک کو مال پیش کر دے، اسی اصول کے مطابق تیار کنندہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ متعین گاہک کے علاوہ کسی کو بھی تیار کردہ مال فروخت کر سکتا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

دوسرا محور (موضوع گفتگو)

استصناع اور سلم......استصناع کی تعریف پہلے ہو چکی ہے کہ یہ کسی کاریگر (صنعت کار) کے ساتھ کسی معین چیز کے تیار کرنے کا عقد ہے بایں طور کہ خام مال تیار کنندہ کی طرف سے ہوتا ہے جیسے جوتے، برتن اور فرنیچر وغیرہ تیار کروانا، اور تیار کردہ مال میں ایسا وصف بیان کیا جائے جو جہالت کو ختم کر دے۔

جبکہ بیع سلم کی تعریف ہے۔ "بیع آجل بعاجل"، یعنی سلم میں رأس المال پیشگی دے دیا جاتا ہے اور مبیع لینے کی تاریخ (مدت) مقرر کر لی جاتی ہے جیسے کوئی تاجر کسی زمیندار سے دس بوریاں گندم خریدے قیمت سے پہلے دے دے اور گندم متعین مدت پر وصول کرے۔

دونوں عقدوں میں علاقہ......استصناع اور سلم میں یہ بات مشترک ہے کہ دونوں میں معدوم چیز کی بیع ہوتی ہے جسے بغرض حاجت جائز قرار دیا گیا ہے، اور اس پر لوگوں کا تعامل بھی ہے، البتہ عقد سلم کا باعث بائع کی شدید حاجت ہے چونکہ اسے نقدی مال کی اشد ضرورت ہوتی ہے تا کہ اپنے اوپر اپنے اہل وعیال اور زرعی پیداوار پر خرچہ کرے اس کے پاس فی الوقت رقم موجود نہیں ہوتی تو یا وہ شدید ضرورت کی وجہ سے پیشگی نقدی مال لے لیتا ہے اور مبیع بعد میں خریدار کو دے دیتا ہے اسی لئے بیع سلم کو مفلسوں کی بیع کہا جاتا ہے۔

رہی بات استصناع کی سو وہ ایک تجارتی عقد ہے جو تیار کنندہ کے لئے نفع کا باعث ہوتا ہے اور وہ گاہک کی حاجت کو پورا کرتا ہے گویا عقد استصناع کا باعث گاہک کی حاجت برآری ہے۔ اب میں یہاں دونوں عقدوں کے درمیان مختصراً چند فرق بیان کروں گا۔

اول......بیع سلم میں مبیع دین ہوتا ہے جو ذمہ میں واجب ہوتا ہے، مبیع یا تو مکیلی چیز ہوگی یا موزونی یا ذراع اور میٹر سے ناپی جانے والی ہوگی یا عددی متقارب جیسے اخروٹ اور انڈے ہوگی۔ جبکہ استصناع میں مبیع معین چیز ہوتی ہے جو متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہے، استصناع میں بیع دین نہیں ہوتا جو ذمہ میں واجب ہو، جیسے جوتا، برتن اور گھریلو فرنیچر وغیرہ۔

دوم......عقد سلم میں مدت کی تعیین شرط ہے چنانچہ عقد سلم جمہور کے نزدیک بغیر مدت کے صحیح ہی نہیں ہوتا، یہ مدت ایک مہینہ یا اس سے زائد ہو، جبکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استصناع میں مدت مقرر کی ہی نہیں جائے گی، اگر استصناع میں مدت مقرر کی گئی تو وہ سلم

ہو جائے گی، بیع سلم میں خیار شرط نہیں ہوتا، صاحبین کے نزدیک استصناع میں مدت کی تحدید صحیح ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ شافعیہ نے فی الحال عقد سلم کو جائز قرار دیا ہے اس میں دوسرے آئمہ کا اختلاف ہے۔

سوم...... عقد سلم عقد لازم ہوتا ہے اسے فسخ کرنا جائز نہیں کسی ایک عاقد کے کہنے پر، البتہ دونوں کے اتفاق سے فسخ کرنا جائز ہے، رہی بات عقد استصناع کی سو یہ عقد غیر لازم ہوتا ہے، ایک عاقد دوسرے کی اجازت کے بغیر بھی اسے فسخ کر سکتا ہے۔ تیار کنندہ اگر مشروط صفت کے مطابق مال پیش کر دے گا تو اس کا خیار ساقط ہو جائے گا جبکہ گاہک کا خیار باقی رہتا ہے۔

چہارم...... عقد سلم میں یہ شرط ہے کہ رأس المال سارے کا سارا عقد مجلس میں قبضہ کر لیا جائے، استصناع میں یہ شرط نہیں، بلکہ استصناع میں لوگ صرف بیعانہ دینے پر اکتفاء کرتے ہیں یا ثمن کا ایک جزو مثلاً نصف، تہائی، چوتھائی حصہ دیتے ہیں، جو کہ حنابلہ کے مذہب کے مطابق ہے، عملی اعتبار سے اس آخری فرق کو اہم قرار دیا گیا ہے۔

استصناع اور سلم کی شرائط...... دونوں عقدوں میں ثمن کا از روئے جنس، نوع، مقدار، اور صفت متعین ہونا لابدی ہے، ورنہ جہالت کی وجہ سے عقد فاسد ہوگا۔ جمہور کے نزدیک فقط بیع سلم میں رأس المال کا پیشگی دینا شرط ہے اور عاقدین کے مجلس عقد سے جدا ہونے سے قبل رأس المال پر قبضہ کرنا بھی شرط ہے، البتہ امام مالک نے تین دن تک رأس المال میں تاخیر کرنے کو جائز قرار دیا ہے، چونکہ تین دن کی تاخیر معجل کے حکم میں ہے چونکہ قریب الشئی کو شئی کا حکم ملتا ہے۔ جبکہ عقد استصناع میں رأس المال کو پیشگی دینا شرط نہیں بلکہ عادۃً رأس المال دے دیا جاتا ہے یا رأس المال کا کچھ حصہ مجلس عقد کے علاوہ کہیں اور دے دیا جاتا ہے۔ اور بقیہ رأس المال تیار شدہ مال کے حصول تک مؤخر ہوتا ہے۔

رہی بات دونوں عقدوں میں مبیع یعنی مسلم فیہ اور تیار کردہ مال کی سو دونوں عقدوں میں ضروری ہے کہ اس کی جنس، نوع، صفت اور مقدار متعین ہو چونکہ مبیع کا متعین ہونا شرط ہے۔

دونوں عقدوں کا سود پر مشتمل ہونا جائز نہیں مثلاً بیع سلم میں ثمن اور مبیع ایک ہی جنس کے ہوں جیسے گندم کے بدلے میں گندم، جو کے بدلے میں جو، خواہ ربوا الفضل ہو یا نسیئہ جائز نہیں۔

عقد سلم میں خیار شرط کا ثابت نہیں ہوتا بلکہ بغیر خیار کے عقد کا قطعی ہونا ضروری ہے، رہی بات عقد استصناع کی تو وہ عقد غیر لازم ہوتا ہے چیز تیار کرنے کے عمل سے پہلے اس میں خیار ثابت ہوتا ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عمل سے فارغ ہونے کے بعد بھی خیار حاصل رہتا ہے البتہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ عمل صنعت کے بعد عقد لازم ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

رہی بات خیار رؤیت اور خیار عیب کی سو یہ دونوں رأس المال میں ثابت ہوتے ہیں بشرطیکہ رأس المال قیمتی چیز ہو یا مثلی چیز ہو، رہی بات مسلم فیہ کی سو باتفاق حنفیہ اس میں خیار رؤیت ثابت نہیں ہوتا یہاں تک کہ مسلم فیہ پہلے کی طرح دین نہ ہو جائے۔ جبکہ مسلم فیہ میں خیار عیب کا ثبوت صحیح ہے چونکہ خیار عیب قبضہ تمام ہونے سے مانع نہیں ہوتا جس سے قبضہ تمام ہوتا ہے۔

دونوں عقدوں میں سپردگی کی جگہ کا متعین کرنا ضروری ہے بشرطیکہ مبیع کے لادنے اور اٹھانے میں مشقت ہوتی ہو اور خرچہ ہوتا ہو۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے صاحبین کے نزدیک عقد کی جگہ سپردگی کے لئے متعین ہے۔

حنفیہ کے نزدیک عقد سلم میں شرط ہے کہ مسلم فیہ کی جنس بازاروں میں دستیاب ہو اور بوقت عقد بمعہ نوع وصفت کے مدت پوری ہونے تک پائی جائے، اور اس کی رسد میں انقطاع کا احتمال نہ ہو جیسے غلہ جات، جبکہ عقد استصناع میں یہ شرط نہیں۔ اسی طرح باقی مذاہب میں جمہور کے نزدیک بیع سلم میں یہ شرط نہیں بلکہ سپردگی کی مدت پوری ہونے کے وقت مسلم فیہ کا موجود ہونا کافی ہے۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ مسلم فیہ کی صفت کا ضبط میں لانا ممکن ہو یعنی مسلم فیہ مثلی چیز ہو (یعنی مکیلی ہو یا موزونی

ہو یا ذراع سے ناپی جاتی ہو یا عددی متقارب ہو) جیسے کپڑے، معدنیات، خشک خوشبوئیں، مصالحہ جات شہتیر جبکہ ان کا طول عرض اور موٹائی بیان کی گئی ہو۔ ان چیزوں میں بیع سلم جائز نہیں جن کی صفت ضبط میں لانا ناممکن ہو جیسے گھر، پلاٹ، جوہر، موتی، کھالیں، لکڑ، چونکہ ان چیزوں کی مالیت میں بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے۔

رہی بات عقد استصناع کی سو دونوں قسم کی اشیاء میں صحیح ہے بشرطیکہ لوگوں کا ان پر تعامل ہو، مالکیہ نے ان چیزوں میں سلم کو جائز قرار دیا ہے خواہ وصف کو ضبط میں لانا ممکن ہو یا ممکن نہ ہو۔ جبکہ حنفیہ نے استحساناً بعض غیر مثلی اشیاء میں بیع سلم کو جائز قرار دیا ہے۔ جیسے کپڑے، قالینیں وغیرہ۔

کچی اور پکی اینٹوں میں بیع سلم جائز ہے بشرطیکہ رب سلم سانچہ متعین کردے چونکہ جب اینٹوں کا سانچہ متعین کر دیا جائیگا تو اینٹوں میں تفاوت بہت کم رہ جائے گا جس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا لہٰذا اینٹوں کو عددی متقارب کے ساتھ ملحق کیا جائے گا۔

بیع سلم ان چیزوں میں بھی جائز ہے جن پر لوگوں کا تعامل ہو اور ان چیزوں میں بھی جائز ہے جن پر لوگوں کا تعامل نہ ہو جبکہ استصناع میں ضابطہ یہ ہے کہ صرف ان چیزوں میں استصناع صحیح ہے جن میں لوگوں کا تعامل ہو (یعنی رواج ہو) جن چیزوں میں رواج نہیں ان میں استصناع بھی جائز نہیں۔ جیسے کوئی شخص جولاہے کو آرڈر دے کہ وہ ذاتی اون سے چادر تیار کردے، چونکہ قیاساً استصناع کی اجازت نہیں بلکہ استصناع تو لوگوں کے تعامل اور رواج سے ثابت ہے لہٰذا استصناع تعامل کے ساتھ مخصوص ہے۔ تعامل کے علاوہ چیزوں میں استصناع متروک ہے اور قیاس پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ البتہ ہمارے زمانے میں کپڑے تیار کرنے کا رواج عام ہے لہٰذا کپڑوں میں عقد استصناع [1] جائز ہے، چونکہ شہروں اور زمانے کے بدلنے سے تعامل بھی مختلف ہوتا ہے۔

تیسرا محور: (موضوع)

صنعتی تحریک کی سرگرمیوں میں استصناع کا اثر

......ماضی میں عملی زندگی میں استصناع کا اہم کردار رہا ہے اس سے صنعت کار کو فائدہ ہوا اور زبردست تجربہ اور مہارت حاصل ہوئی جس کی وجہ سے صنعت کو ترقی ملی اور نئی نئی راہیں کھلیں اور صنعت میں نئے نئے طریقے رائج ہوئے، استصناع کا ذوق رکھنے والا اپنی رغبت اور خوشی کے مطابق مال حاصل کرنے کے قابل ہوا، نہ صرف استصناع میں جدت آئی بلکہ اس کے معیار نے بھی زبردست ترقی کی۔ اور ایسے ایسے فنون چشم فلک نے دیکھے جن کا محض تصور ہی کیا جاسکتا تھا۔ پھر عصر حاضر میں استصناع میں وسعت آئی اور اب اسے صرف جوتے، کھال بانی، گھریلو سامان سازی تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ استصناع نے جدید صنعتوں کا بھی احاطہ کرلیا ہے جو عصر حاضر میں زبردست اہمیت کی حامل ہیں جیسے ہوائی جہازوں کی صنعت، بحری جہازوں کی صفت، گاڑیوں اور ریلوے کی صنعت اور دیگر صنعتی تحریک، دستکاری اور چھوٹے آلات سے تیار کی جانے والی اشیاء بھی اس دوڑ میں شامل ہو چکی ہیں، ہر صنعتی تحریک معاشرتی سطح پر اور بین الاقوامی سطح پر اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔

استصناع کا معاملہ صرف مختلف اقسام کی صنعتوں تک محدود نہیں کہ جب تک معیارات اور شرائط کو ضبط میں لانا ممکن ہو تو استصناع بھی ممکن ہو بلکہ استصناع عمارات اور رہائشی گھروں کو بھی شامل ہے اور رہائشی عمارتوں کو غالب ہے۔ استصناع کی واضح مثال گھروں، عمارتوں اور رہائشی فلیٹس کی خرید و فروخت ہے جو مقررہ اوصاف کے حامل نقشہ پر ہوتی ہے، فی الواقع ان اشیاء کی خرید و فروخت محض وعدہ کی بنیاد پر نہیں جو نتیجۃً بیع کو لازمی ہوتا ہو، چنانچہ عقد کو صحیح شمار کیا جاتا ہے جب عقد کی تمام شرائط بیان کر دی جائیں اور عمارت کا نقشہ

---

[1] ......چنانچہ عام کپڑوں کے متعلق تو استصناع مشکل ہے البتہ واسکٹ، پتلون وغیرہ میں خاص کپڑا استعمال ہوتا ہے جو عموماً درزی لوگ رکھتے ہیں اور آرڈر پر مال تیار کر دیتے ہیں۔

پیش کر دیا جائے، تاکہ جھگڑے تک پہنچانے والی جہالت باقی نہ رہے۔ اوصاف کو ضبط میں لانا آسان ہو چکا ہے، سائز اور حیثیت کا پتا لگانا، عمارت کی نوع کو متعین کرنا بھی آسان ہے، برابر ہے عمارت کی خرید و فروخت نقشہ پر ہو یا جگہ پر لیکن شرائط اور اوصاف، نوع کے درجات پر اتفاق ہو، ثمن کی ادائیگی حسب عادت ہوتی ہے قسطوں پر بھی اور یکمشت بھی، ادائیگی کی ہر قسط کو ثمن کا حصہ شمار کیا جاتا ہے، ان قسطوں پر زکوٰۃ نہیں ہوتی ہاں البتہ اگر عقد فسخ ہو جائے تو پھر قسطوں پر زکوٰۃ ہوگی، مبیع کی سپردگی کی مدت محض جلد بازی کے لئے ذکر کی جاتی ہے چونکہ عاقدین کو درمیانی مدت میں طرح طرح کی مشکلات پیش آنے کا امکان ہوتا ہے، عقد استصناع کو عقد سلم کی اساس پر صحیح قرار دینا دشوار ہے، چونکہ عقد کے وقت پورے ثمن کو سپرد کرنا مشروط ہوتا ہے اور حکومت نقشے پر خرید و فروخت کو صحیح اور لازم سمجھتی ہے۔

ٹھیکیداری نظام میں سپردگی کی ایک تاریخ پر اتفاق کر لیا جاتا ہے اور سپردگی میں اگر تاخیر ہو تو جرمانہ عائد کر دیا جاتا ہے، جرمانہ جائز ہے اور اسے ''شرط جزائی'' (تعزیری شرط) سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسے قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے مقرر کیا تھا اور سعودی عرب میں کبار علماء کے بورڈ نے بھی ۱۳۹۴ھ میں اس کی تائید کی ہے چنانچہ قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے خوش دلی سے اپنے اوپر کوئی شرط لگائی اور اس میں اسے مجبور نہیں کیا گیا تو وہ شرط اس پر لازم ہو جائے گی۔ (۱)

۳: عقد صرف:

صرف کی تعریف..... صرف کا لغوی معنیٰ، زائد ہونا ہے۔ چنانچہ نفلی عبادت کو بھی صرف کہا جاتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے:

من انتمٰی الٰی غیر ابیہ لا یقبل اللہ منہ صرفاً ولا عدلاً ای لا نفلاً ولا فرضاً

یعنی جس شخص نے اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا اللہ تعالیٰ اس کی نفلی نماز قبول فرمائیں گے اور نہ ہی فرض نماز۔ (۲)

شرعی تعریف..... بیع النقد۔ یعنی سونے کی بیع سونے کے بدلہ میں یا چاندی کی بیع چاندی کی بیع یا سونے کے بدلہ میں چاندی کی بیع یا چاندی کے بدلہ میں سونے کی بیع۔ (۳)

بیع صرف جائز ہے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اموال ربویہ (سودی اموال) کی بیع ایک دوسرے کے بدلہ میں جائز قرار دی ہے بایں طور کہ جب جنس ایک ہو تو مماثلت ضروری ہے اگر جنس الگ الگ ہو تو تفاضل کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ ہونا ضروری ہے۔

عقد صرف کی چار شرائط: (۱)..... عاقدین کے افتراق بالابدان سے قبل قبضہ عقد صرف میں شرط ہے کہ دونوں عاقدین ایک دوسرے سے جدا ہونے سے پہلے بدلین پر قبضہ کر لیں، یہ شرط اس لئے عائد کی گئی ہے تاکہ ربا نسیئہ سے بچا جا سکے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''سونے کے بدلے میں سونا برابر سرابر ہو، ہاتھوں ہاتھ لین دین ہو، چاندی کے بدلے میں چاندی برابر سرابر ہو اور ہاتھوں ہاتھ لین دین ہو۔'' (۴) نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا ارشاد ہے۔ کہ ''سونے چاندی میں سے موجود کے بدلہ میں غائب کی خرید و فروخت نہ کرو۔'' (۵) اگر بدلین پر قبضہ کرنے سے پہلے عاقدین جدا ہو گئے تو حنفیہ کے نزدیک عقد فاسد ہو جائے گا اور دوسرے آئمہ کے نزدیک باطل ہو جائے گا۔ چونکہ عقد صرف میں قبضہ شرط ہے۔ تاکہ بیع الکالی بالکالی نہ ہو اور سود نہ ہو جائے، جبکہ بیع صرف میں قبضہ شرط ہے خواہ جنس متحد ہو یا مختلف ہو۔

---

(۱)..... اعلام الموقعین ۴۰۰/۳۔ (۲) صاحب قاموس کہتے ہیں حدیث میں صرف کا معنیٰ تو یہ ہے اور عدل کا معنیٰ فدیہ ہے، وھذا الحدیث رواہ البطرانی عن عمرو بن عوف، وقال الھیثمی فیہ کثیر بن عبداللہ والجمھور علی تضعیفہ۔ (۳) فتح القدیر مع العنایۃ ۲۸۴/۵، البدائع ۲۱۵/۵، رد المحتار ۲۴۴/۴، مغنی المحتاج ۲۵/۳ غایۃ المنتھیٰ ۵۹/۲۔ (۴) رواہ الجماعۃ الا البخاری من حدیث عبادۃ بن الصامت (نصب الرایۃ ۴/۴) (۵) ھذا اللفظ روایۃ عند مالک (نصب الرایۃ ۵۶/۴، نیل الا وطار ۱۹۰/۵)

افتراق بالابدان کی تفسیر......اس کا مطلب یہ ہے کہ عاقدین کے بدن مجلس عقد سے جدا ہو جائیں، چنانچہ ایک عاقد مجلس عقد سے اٹھ کر ایک طرف چل پڑے اور دوسرا دوسری طرف، یا ایک عاقد اٹھ کر چلا جائے اور دوسرا مجلس ہی میں بیٹھا رہے۔ اگر دونوں عاقدین مجلس عقد میں بیٹھے رہیں اور ہلیں نہیں تو افتراق ثابت نہیں ہوگا اگر چہ مجلس طویل ہو جائے چونکہ عاقدین کے بدن جدا نہیں ہوئے، اگر مجلس میں دونوں سو گئے یا دونوں بے ہوش ہو گئے یا مجلس سے اٹھ کر دونوں اکٹھے ایک طرف چل دیئے ایک میل تک اکٹھے چلتے رہے اور جدا نہ ہوئے تو افتراق بالابدان نہیں ہوگا۔ ❶

۲......جنس متحد ہونے پر بدلین میں مماثلت ہو۔ اگر بدلین ایک ہی جنس سے ہوں جیسے سونے کے بدلے میں سونا اور چاندی کے بدلے میں چاندی تو ضروری ہے کہ بدلین وزن میں برابر سرابر ہوں، اگر چہ کھوٹے اور کھرے ہونے میں مختلف ہوں، یعنی ایک بدل دوسرے سے عمدہ اور کھرا ہو چونکہ حدیث گزر چکی ہے کہ سونے کے بدلے میں سونا برابر سرابر ہو، یعنی سونے کو سونے کے بدلے میں برابر سرابر فروخت کیا جائے، نیز فقہی قاعدہ ہے کہ جید اور ردی برابر ہیں۔ ❷

۳......یہ کہ عقد قطعی ہو اور اس میں خیار شرط نہ ہو، چنانچہ عاقدین میں سے کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ عقد صرف میں خیار شرط رکھے، چونکہ عقد صرف میں قبضہ شرط ہوتا ہے۔ جبکہ خیار شرط ثبوت ملک یا تمام ملک سے مانع ہوتا ہے، اور خیار قبضے کے لیے بھی مخل ہوتا ہے۔ اگر عقد صرف میں خیار شرط رکھا گیا تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ اگر صاحب خیار نے مجلس عقد ہی میں جدا ہونے سے قبل خیار ساقط کر دیا تو عقد جائز رہے گا، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک عقد فاسد درستی کی طرف نہیں ہوتا۔ اگر بحالت خیار مجلس میں باقی رہے اور پھر خیار پر ہی جدا ہو گئے تو عقد فاسد رہے گا۔

یہ خیار عیب اور خیار رؤیت کے بخلاف ہے چونکہ یہ دونوں خیار ثبوت ملک کے مانع نہیں لہٰذا تمام قبضہ کے مانع نہیں۔ چنانچہ اگر عاقدین جدا ہو گئے در حالیکہ عقد صرف میں خیار عیب یا خیار رؤیت ہو تو یہ جائز ہے، ہاں البتہ بیع صرف میں خیار رؤیت کا تصور نہیں چونکہ عقد صرف کا انعقاد مثل پر ہوتا ہے عین پر نہیں۔ ❸

۴......عقد میں تنجیز ہو یا عقد میں مہلت نہ دی گئی ہو۔ یعنی عقد صرف میں یہ شرط بھی ہے کہ عقد میں عاقدین کی طرف سے کوئی مدت مقرر نہ کی گئی ہو، اگر کوئی مدت مقرر کر دی گئی تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ چونکہ عاقدین کے جدا ہونے سے قبل بدلین پر قبضہ کرنا واجب ہے۔ جبکہ مدت مقرر کرنے سے قبضہ میں تاخیر ہو جاتی ہے اور عقد فاسد ہو جاتا ہے۔ اگر صاحب مدت نے جدا ہونے سے قبل مدت ساقط کر دی تو عقد جائز ہو جائے گا۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

ملاحظہ......آخری دو شرطیں قبضہ کی شرط سے متفرع ہوتی ہیں چنانچہ عقد صرف میں اموال ربویہ کے مبادلہ کی صورت میں قبضہ شرط ہے، مالکیہ وغیرہ نے عقد صرف میں وکالت اور حوالہ کو جائز قرار نہیں دیا چونکہ ان دونوں معاملوں کی صورت میں بدل صرف پر قبضہ کرنے میں تاخیر ہوگی جو عقد صرف کی مقتضاء کے خلاف ہے۔ عقد صرف میں مدت کی تعیین کے عدم جواز پر دلیل احادیث ربا ہیں جو پہلے گزر چکی ہیں۔ چنانچہ ان احادیث میں قبضہ کو واجب قرار دیا گیا ہے، شیخین کی حدیث میں ہے۔ ''جس عقد میں ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو اس میں کوئی حرج نہیں اور جس عقد میں ادھار ہو تو وہ سود ہے۔''

قبضہ کی شرط پر مرتب ہونے والے امور......مجلس عقد سے جدا ہونے سے قبل صرف کے عوضین پر جب قبضہ ضروری ہے تو اس پر

---

❶......البدائع ۲۱۵/۵۔ ❷قال الزیلعی عن هذا الحدیث غریب واه معناه یوخذ من اطلاق حدیث ابی سعید الخدری الذی اخرجه مسلم (نصب الرایة ۳۶/۴) ❸مختصر الطحاوی ص ۷۵، فتح القدیر ۳۶۷/۵، البدائع ۲۱۹/۵ الدرالمختار ۳۴۶/۴۔

ابراء، ہبہ، تبادلہ اور ثمن صرف کا مقاصہ کا عدم جواز مرتب ہوتا ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ ❶

ا۔ ابراء، ہبہ...... دو شخص دینار کے بدلے میں دینار کی خرید وفروخت کا معاملہ کریں ان میں سے ایک شخص اپنا دین مستحق کے حوالے کر دے اور پھر اپنے معاملہ کار کو دینار سے بریٔ الذمہ کر دے یا اس کو ہبہ کر دے یا اسے صدقہ کر دے۔ اگر دوسرے معاملہ کار نے ابراء اور ہبہ قبول کر لیا تو دین کی پابندی اور التزام ساقط ہو جائیگا اور عقد صرف بھی باطل ہو جائے گا چونکہ دین سے بریٔ الذمہ کر دینے میں قبضے کا تحقق نہیں ہوتا جبکہ عقد صرف میں قبضہ شرعاً لازمی ہوتا ہے، یہاں ابراء کی وجہ سے قبضہ ثابت نہیں ہوا لہٰذا عقد صرف باطل ہو جائے گا۔

اگر دوسرے عاقد نے برأت قبول نہ کی تو ابراء صحیح نہیں اور عقد صرف اپنے حال پر باقی رہے گا۔ چونکہ بدل صرف پر قبضہ کرنا واجب ہے، جبکہ دین سے بریٔ الذمہ کرنا اسقاط ہے۔ اور جب دین ساقط کر دیا جائے تو اس کا قبضہ مقصود نہیں ہوتا، جب بریٔ الذمہ کرنے کا یہ نتیجہ ہو تو یہ فسخ عقد کے معنی میں ہوگا، جبکہ فسخ عقد عاقدین کی باہمی رضا مندی سے ہوتا ہے، جب عقد صحیح ہو چکا تو اس کے بعد عاقد واحد کے ارادہ سے فسخ نہیں ہوگا جب ابراء (بری الذمہ کرنا) صحیح نہیں تو عقد صرف اپنے حال پر باقی رہے گا اور مجلس میں جدا ہونے سے قبل بدلین پر قبضہ سے تمام ہو جائے گا۔

اگر بری الذمہ کرنے والے نے یا ہبہ کرنے والے نے یا صدقہ کرنے والے نے بری، ہبہ اور صدقہ کی ہوئی چیز کے لینے سے انکار کر دیا تو اسے قبضے پر مجبور کیا جائے گا چونکہ قبضہ کے انکار سے عقد فاسد ہو جائے گا یا فسخ ہو جائے گا جبکہ عاقد واحد فسخ عقد یا دوسرے کے عقد کو فاسد کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

۲۔ بدل صرف کا تبادلہ...... عقد صرف کے کسی ایک معاملہ کار (متصارف) نے بدل صرف تبدیل کرنا چاہا جیسے دینار کے بدلہ میں کوئی اور چیز دے دی یا قبضہ سے قبل بدل صرف کو ہبہ کر دیا یا فروخت کر دیا تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے، عقد صرف اپنے حال پر جوں کا توں باقی رہے گا۔ چونکہ بدل صرف پر قبضہ کرنا شرعی شرط ہے، جبکہ تبادلہ کی صورت میں قبضہ فوت ہو جاتا ہے۔ جب تبادلہ صحیح نہیں ہوا تو عقد صرف اپنے حال پر باقی رہے گا، اگر ایک بدل کا قبضہ تمام ہو جائے تو دوسرے بدل کا قبضہ واجب ہوگا۔

اگر ایک عاقد نے دوسرے عاقد کو اعلیٰ مال دیا یا گھٹیا (ردی) مال دیا لیکن دونوں کے مال کی جنس ایک ہی ہو اور دوسرا جسے یہ مال دیا گیا ہو وہ اس سے راضی ہو تو یہ جائز ہے، یہاں ادائیگی کو تبادلہ نہیں کہا جائے گا۔ چونکہ دراصل جس چیز پر قبضہ کیا گیا ہے وہ لینے والے کے حق کی جنس میں سے ہے، اموال ربویہ میں اعلیٰ وادنیٰ برابر ہوتے ہیں نیز جب لینے والا ادنیٰ ہی پر راضی ہو تو یہ وصولی حق ہے تبادلہ نہیں۔

اسی اصول کے مطابق اگر صاحب حق نے اپنے حق سے گھٹیا یا کھوٹ والا دینار لیا جو لوگوں کے ہاں اسی اصل کی جنس میں سے سمجھا جاتا ہو تو یہ صحیح ہے، نقدی اموال کی ایک خریدار سے دوسرے ہاتھ میں خرید وفروخت باطل ہے۔

۳۔ بدل صرف کا حوالہ، کفالہ اور اس کے بدلہ میں رہن...... کسی ایک متصارف کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے حق کو قبضہ کرنے کے لئے کسی شخص پر حوالہ کرے بشرط یہ کہ محال علیہ مجلس عقد میں موجود اور حاضر ہو۔ بدل صرف کی جگہ رہن دینا بھی جائز ہے، ادائیگی حق کے لئے کفیل مقرر کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن ان احوال میں یہ شرط ہے کہ عقد صرف کی مجلس میں حق پر قبضہ فعلاً تمام ہونا چاہیے، حوالہ اور کفالہ میں حوالگی فعلی طور پر ہو اور رہن کی صورت میں مرتہن کے قبضہ میں رہن ہلاک ہونے سے حوالگی عمل میں آئے یہ شرط ازروئے فقہ متفق علیہ ہے۔ ❷

---

❶...... البدائع ۲۱۸/۵۔ ❷ القوانين الفقهية ص ۲۵۰

یہی معنی حنفی فقہاء کے ہاں مقرر ہے چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں: اگر صاحب حق نے محال علیہ سے ایک حق قبضہ کرلیا یا کفیل سے قبضہ کیا یا مرتہن کے پاس رہن ضائع ہوگیا اور عقد صرف کی مجلس میں رہن ہلاک ہوا تو عقد صرف اپنے حال پر صحیح ہوگا۔ اگر متصارفین قبضہ تمام ہونے سے پہلے جدا ہوجائیں یا رہن ضائع نہ ہو تو عقد صرف باطل ہوجائے گا۔ مجلس عقد کے باقی رہنے میں بقائے عاقدین کا اعتبار ہے اور ان کے جدا ہونے کا اعتبار ہے، محال علیہ اور کفیل کے باقی رہنے کا اعتبار نہیں چونکہ حق پر قبضہ کرنا حقوق عقد میں سے ہے، لہٰذا مجلس عقد کا تعلق نفس عاقدین کے ساتھ ہے لہٰذا عاقدین کی مجلس کا اعتبار ہے۔

اگر عاقدین نے کسی اور شخص کو وکیل بنالیا جو ان کی طرف سے نقد کا معاملہ کرے تو اس میں موکلین کی مجلس کے باقی رہنے کا اعتبار ہوگا، وکیل کی مجلس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ چونکہ قبضہ عقد کے حقوق میں سے ہے لہٰذا عاقدین کے ساتھ متعلق ہوگا۔

۴۔ **ثمن صرف اور بیع سلم کے رأس المال میں مقاصد**..... مقاصد کا لغوی معنی مساوات اور مماثلت ہے، قصاص بھی اسی مادہ سے ہے، زیادتی کرنے والے سے اس کی زیادتی اور ظلم کے بقدر بدلہ لینا قصاص کہلاتا ہے۔ فقہاء کے نزدیک مقاصد کا معین قیود کے ساتھ لغوی معنی مراد ہے۔ اگرچہ بعض مالکیہ نے مقاصد کی یوں تعریف کی ہے۔ ''تمہارے مقروض پر جو تمہارا قرض ہو اس میں سے کچھ اس قرض کے برابر ساقط کردو جو اس کا تمہارے اوپر ہو۔'' ابن جزی نے اس کی تعریف پوری کی ہے۔ ''قرض کو قرض سے منہا کرنا مقاصہ ہے۔ (یعنی ایک مقروض کہے کہ میں نے تمہیں جو قرض دیا ہے اس کے بدلہ میں اسی کے برابر میرا قرض منہا کردو) مقاصد کی دو قسمیں ہیں:

۱.....مقاصہ جبریہ ۲.....مقاصہ اختیاریہ یا اتفاقیہ۔

مقاصہ جبریہ کی امثال..... جو بنفسہ واقع ہو کہ مدیون پر جتنا قرضہ ہو اس کے بقدر دائن کے پاس اس کا مال ہو، جو جنس وصفت میں قرضہ کے مماثل ہو، اگر دونوں دین مقدار میں برابر سرابر ہوں تو دونوں دین ساقط ہوجائیں گے یا دونوں دین میں تفاوت ہو تو جتنی مقدار برابر ہوگی وہ ساقط ہوجائے گی چنانچہ قلیل کے بقدر کثیر ساقط ہوجائے گا اور زائد مقدار باقی رہ جائے گی۔

مقاصہ جبریہ کی چار شرائط:

۱۔ **تلاقی حقین**..... یہ کہ ایک شخص دوسرے کی بنسبت دائن بھی ہو اور مدیون بھی ہو۔

۲۔ **تماثل دینین**..... دونوں دین جنس، نوع اور صفت کے اعتبار سے متحد ہوں، دونوں کی مدت، جودت (کھرا اور عمدہ ہونا) ادنیٰ ہونا وغیرہ ایک جیسا ہو۔

۳۔ **انتفائے ضرر**..... یعنی مقاصہ جبریہ کے واقع ہونے پر مدیون یا مرتہن یا باقی قرض خواہوں کا نقصان نہ ہو۔

۴۔ اس مقاصہ پر کوئی شرعی ممانعت مرتب نہ ہوتی ہو جیسے عقد سلم کے رأس المال پر قبضہ سے پہلے عاقدین کا جدا ہونا، قبضہ سے پہلے مسلم فیہ میں کوئی تصرف کردینا عقد صرف میں بدلین پر قبضہ نہ کرنا۔

جمہور فقہاء کے نزدیک مقاصہ جبریہ کا وقوع تبھی ہوگا جب چاروں شرائط پائی جاتی ہوں، جبکہ مالکیہ نے ان شرائط کو عائد نہیں کیا۔

مقاصہ اتفاقیہ کی مثال..... مقاصہ اتفاقیہ یہ ہوتا ہے کہ جو دونوں حق والوں کی باہمی رضامندی سے طے پائے یعنی ایک کا دین (قرضہ) ہو اور دوسرے کی کوئی معین چیز ہو، اس امر پر دونوں کا اتفاق ہو کہ ان میں سے ایک دوسرے سے حق کا مطالبہ نہیں کرے گا، مالکیہ مقاصہ اتفاقیہ کے اس صورت میں قائل ہیں جب جنس مختلف ہو یا اخلاف مختلف ہوں بشرطیکہ اس مقاصہ پر کوئی ممانعت مرتب نہ ہوتی ہو، یہ بات طے شدہ ہے کہ مذاہب اربعہ کے آئمہ نقدین یعنی سونا چاندی اور جو دینار و درہم کے ہم مثل ہو میں مختلف جنس کا اعتبار کرتے ہیں۔

چنانچہ نقدین (سونا چاندی) میں مقاصہ اتفاقیہ مالکیہ کے نزدیک جائز ہے، چونکہ اختلاف جنس کی صورت میں مالکیہ مقاصہ کے قائل ہیں۔ ❶ رہی بات عصر حاضر کے کرنسی نوٹوں کی خواہ کاغذی نوٹ ہوں یا دھات کے بنے سکے ہوں جنہیں فلوس (سکوں) سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ سب جنس واحد کے حکم میں ہیں۔ چونکہ عرف میں انہیں جنس واحد سمجھا جاتا ہے نیز ابن ابی لیلیٰ کی رائے بھی یہی ہے۔ بعض مشائخ حنفیہ کا یہی مختار مذہب ہے۔ ❷

اس مقدمہ اور تمہید کے بعد ہم عقد صرف اور عقد سلم میں مقاصہ کے حکم سے بحث کریں گے۔

عقد صرف میں مقاصہ کا حکم...... اگر دو شخصوں نے آپس میں عقد صرف کیا اور ان میں سے ایک نے دوسرے کو دس دراہم کے بدلہ میں ایک دینار فروخت کیا اور بائع نے دس دراہم پر قبضہ نہ کیا، جبکہ فروخت کنندہ کے دس دراہم خریدار کے ذمہ قرضہ تھے، فروخت کنندہ نے مقاصہ کا ارادہ کیا تو کیا مقاصہ واقع ہوگا؟ سو اس میں تین صورتیں ہیں۔

اول...... یہ کہ عقد صرف کے ہونے سے قبل قرضہ تھا، یعنی عقد صرف کے ہونے سے قبل فروخت کنندہ کے ذمہ دس دراہم تھے جو یا تو قرضہ کی مد میں سے تھے یا غصب کی مد سے یا خرید وفروخت کی مد سے۔ اگر متصارفین (عقد صرف کرنے والے یعنی فروخت کنندہ اور خریدار) مقاصہ کا ارادہ کریں یعنی ایک دینار کے بدلہ میں جو دس دراہم ہیں انہیں ذمہ میں واجب دس دراہم کے بدلہ میں منہا کرنا چاہیں تو ایسا کرنا استحساناً جائز ہے بشرطیکہ دونوں عاقدین باہمی رضامندی سے مقاصہ کریں، جبکہ قیاس کی رو سے یہ مقاصہ جائز نہیں اور یہی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اگر دونوں میں سے کوئی ایک مقاصہ پر راضی نہ ہو اور ان میں سے ایک منکر ہو تو مقاصہ جائز نہیں اس پر حنفیوں کا اتفاق ہے۔

وجہ قیاس...... کا حاصل یہ ہے کہ عقد صرف میں بعینہ بدل صرف پر قبضہ کرنا ضروری ہوتا ہے جبکہ مقاصہ کی صورت میں بدل صرف کا متبادل حاصل ہوتا ہے چونکہ متصارف پر جو چیز واجب ہوتی ہے ادائیگی اس کی نہیں ہو پاتی، اور مقاصہ میں دینار کے ثمن جو متصارف پر واجب ہوتے ہیں ان کے متبادل لیتا ہے اور یہ جائز نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بدل صرف کے متبادل کوئی اور عوض لے لیا جائے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

وجہ استحسان...... اس کا حاصل یہ ہے کہ جب متصارفین نے تقاصہ کر لیا تو گویا مقاصہ کے ضمن میں صرف کا عقد اول فسخ ہو چکا اور دوسرا عقد صرف جو منعقد ہوا وہ پہلے عقد کا نہیں ہے۔ اور اس کے ثمن دس دراہم ہیں جو سابقہ دین ہیں، اگر یہ تقدیر نہ نکالی جائے تو مقاصا بدل صرف کا متبادل ہوگا، لہٰذا یہ ایسا ہی ہوا جیسے دو شخص دو ہزار سے خرید وفروخت کریں پھر اس عقد کو فسخ کر کے پندرہ سو پر جدید بیع کر لیں لامحالہ دوسرے عقد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے پہلے عقد کو فسخ قرار دینا ضروری ہے۔

دوم...... اس کا حاصل یہ ہے کہ عقد صرف کے وجود میں آنے کے بعد قبضۂ ضمان سے دین ثابت ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ جیسے دینار کا فروخت کنندہ خریدار سے دس دراہم بطور قرضہ لے یا تو بالفعل دس دراہم لے یا اس سے غصب کر لے، اس صورت میں مقاصہ متصارفین پر زبردستی (جبر) کرتے ہوئے ہوگا اگرچہ باہمی رضامندی سے تقاضا نہ بھی کریں چونکہ متصارف کی جانب سے بالفعل قبضہ پایا گیا۔

سوم...... یہ کہ دین عقدِ صرف سے مؤخر عقد سے ثابت ہو جیسے دینار کا خریدار دینار کے فروخت کنندہ سے دس دراہم کے بدلہ میں کپڑا خرید لے، اس صورت میں اگر متصارفین مقاصہ نہیں کریں گے تو باتفاق روایات مقاصہ واقع نہیں ہوگا۔ اور اگر مجلس عقد میں دس کے بدلہ میں

---

❶...... المقاصد فی الفقہ الاسلامی للاستاذ محمد سلام مذکور ص ۴، ۱۳، ۲۳ القوانین الفقہیة ص ۲۹۲ غایة المنتھی ۲/۸۲۔ ❷رد المحتار ۴/۲۵۰۔

دس کا مقاصہ کرلیں تو اس میں دو روایتیں ہیں، چنانچہ امام سرخسی کی مختار روایت کے مطابق مقاصہ جائز نہیں چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مقاصہ کو دَین سابق میں جائز قرار دیا ہے اور دَین لاحق میں جائز قرار نہیں دیا۔ ❶

دوسری روایت جو کہ صحیح بھی ہے ❷ کے مطابق مقاصہ واقع ہو جائے گا اس کی وجہ یہی ہے جو وجۂ استحسان ہے کہ جب دونوں عاقدین مقاصہ کا قصد کرلیں تو عقد اول کا اقالہ ہوگا اور عقد جدید طے پائے گا جب عقد صرف کو باطل کر دیا تو گویا عقد جدید طے پایا، یوں مقاصہ صحیح ہوگا۔ چونکہ عقود و فسخ میں نقود متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے خواہ عقد و فسخ دین کا ہو یا عین کا۔

خلاصہ..... پہلی اور تیسری صورت میں مقاصہ اختیاری واقع ہوگا اور دوسری صورت میں مقاصہ جبری واقع ہوگا۔

عقد سلم کے رأس المال کا مقاصہ..... یعنی رب سلم کا مسلم الیہ کے ذمہ مال ہو جو رأس المال کے برابر ہو تو کیا رأس المال اور ذمہ میں پڑے قرضہ کے درمیان مقاصہ ہوگا؟ اس کی تین صورتیں ہیں۔

۱..... اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی سابقہ عقد سلم کا دین واجب ہوا ہو، جیسے مثلاً رب سلم نے مسلم الیہ کو دس دراہم میں کپڑا فروخت کیا ہو، اور دس دراہم پر قبضہ نہ کیا ہو پھر دونوں نے عقد سلم کرلیا، مثلاً رب سلم نے دس دراہم کے بدلہ میں گندم لینی ہو، چنانچہ اگر عاقدین دونوں دین (یعنی سابقہ دین اور رأس المال کا دین) کا مقاصہ کریں تو استحساناً صحیح ہے، اگر ان میں سے کسی ایک نے انکار کر دیا ہے تو مقاصہ صحیح نہیں ہوگا، اس صورت میں قیاس عدم جواز کا مقتضی ہے اور یہی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وجہ قیاس..... کا حاصل یہ ہے کہ عقد سلم کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ رأس المال پر قبضہ کرلیا جائے جبکہ مقاصہ کی صورت میں بالفعل قبضہ نہیں ہوتا یوں شرط نہ پائی گئی تو عاقدین کے جدا ہونے پر عقد سلم باطل ہو جائے گا۔

وجہ استحسان..... عقد سلم میں رأس المال پر قبضہ کرنا اگرچہ مطلوب ہوتا ہے لیکن جب مقاصہ طے پا گیا تو اس سے واضح ہوا کہ عقد سلم میں رأس المال پر (یہاں) بالفعل قبضہ مقصد نہیں بلکہ بطور مقاصہ بھی قبضہ کافی ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے فروخت کنندہ اور خریدار ثمن یا مبیع میں اضافہ کرنے پر اتفاق کرلیں۔

۲..... اس کا حاصل یہ ہے کہ دین عقد سلم سے مؤخر کسی ضمان کے قبضہ کی وجہ سے واجب ہوا ہو جیسے غصب یا قرضہ لیا گیا۔ چنانچہ اس صورت میں رب سلم اور مسلم الیہ کے درمیان جبراً مقاصہ واقع ہوگا۔ جیسا کہ عقد صرف میں ہوتا ہے چونکہ غصب اور قرضہ کا قبضہ حقیقتاً قبضہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر دونوں دین برابر سرابر ہوں تو مقاصہ کو رأس المال کے قبضہ کا نائب (قائم مقام) سمجھا جائے گا۔

۳..... اس کا حاصل یہ ہے کہ دین کسی ایسے عقد کی وجہ سے واجب ہوا ہو جو عقد سلم سے متاخر ہو مثلاً مسلم الیہ نے رب سلم کے لئے کوئی چیز خریدی ہو تو اس صورت میں مقاصہ صحیح نہیں ہوگا اگرچہ دونوں اتفاق کرلیں، ہاں البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شاذ روایت جواز کی منقول ہے۔ چونکہ مقاصہ دونوں دین کے وجود کا مقتضی ہے، جبکہ عقد سلم کے انعقاد کے وقت صرف دین واحد ہوتا ہے۔ لہٰذا واضح ہوا کہ عقد سلم فی الحقیقت قبضے کا مقتضی ہے جبکہ مقاصہ کی صورت میں یہ حال نہیں۔ یہ ساری تفصیل علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی بدائع میں مذکور ہے چنانچہ انہوں نے مقاصہ کی صورت میں رأس المال اور بدل صرف میں برابری رکھی ہے۔

---

❶..... الحدیث رواہ احمد واصحاب السنن عن ابن عمر، کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں مقام بقیع میں دیناروں کے بدلہ میں اونٹ فروخت کرتا ہوں اور پھر دیناروں کی بجائے دراہم لے لیتا ہو۔ اور دراہم کے ساتھ فروخت کرتا ہوا اور پھر دینار نئے لیتا ہوں، آپ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم اس دن کے نرخوں سے لو بشرطیکہ تمہارے جدا ہونے وقت تمہارے درمیان کچھ باقی نہ رہے۔ (نیل الاوطار ۱۵۶/۵) ❷البدائع ۲۰۶/۵۔

لیکن اس مسئلہ میں سارا دارومدار امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب جامع صغیر وغیرہ پر ہے جو کہ حنفیہ کی معتبر کتاب ہے۔ ❶

چنانچہ حنفیہ نے بدل صرف اور عقد سلم کے رأس المال میں فرق کیا ہے اور عقد سلم کے رأس المال کا کسی دوسرے دین کے ساتھ مقاصہ جائز قرار نہیں دیا۔ برابر ہے کہ عقد سلم سے پہلے کسی عقد کی وجہ سے دین واجب ہوا ہو یا عقد سلم کے بعد۔ چونکہ مسلم فیہ مسلم الیہ کے ذمہ میں دین ہوتی ہے اگر عقد سلم کے رأس المال اور مسلم الیہ پر واجب دین میں مقاصہ صحیح ہو اس حیثیت سے کہ یہ دین رأس المال بن جائے تو عاقدین شرعی ممانعت کے مرتکب ہو جائیں گے اور یہ دین کا دین سے تبادلہ ہے چونکہ رأس المال مقاصہ سے متعین نہیں ہوتا۔

یہ بدل صرف کے مقاصہ کے خلاف ہے جو دین متقدم یا دین متاخر کے ساتھ ہو چونکہ وہ مبیع جو دین (یعنی ثمن) کے مقابل ہو وہ عین ہوتی ہے دین نہیں ہوتی یعنی مجلس عقد میں اس پر قبضہ کرنا شرط نہیں یوں مقاصہ جو بدل صرف کا اس مبیع کے ساتھ ہوتا ہے یہ دین کے بدلہ میں عین کے تبادلہ تک پہنچا دیتا ہے اور یہ شرعاً جائز ہے۔ بخلاف عقد سلم کے رأس المال کے مقاصہ کے چونکہ وہ دین کے بدلہ میں دین کا مبادلہ ہوتا ہے اور یہ شرعاً ممنوع ہے۔

صرف اور مبادلۂ زر جو کہ قرض پر قائم ہو..... اب یہاں ایک اہم مسئلہ سے بحث کرنا ضروری ہے وہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں رقوم کی منتقلی کا مسئلہ ہے، یہ معاملہ عموماً ایک شخص اور صراف (منی چینجر، کیشئر) کے درمیان طے پاتا ہے۔ مثلاً عرب ممالک سے ملازمین بینک کے ذریعہ اپنے ملکوں اور شہروں میں رقوم منتقل کرتے ہیں، اور طلبہ کے سرپرست بیرونی ممالک میں طلبہ کو مختلف اداروں کے ذریعہ رقوم بھیجتے ہیں اس کے علاوہ بھی مختلف صورتیں ہیں جو آئے روز بینکوں اور دوسرے کرنسی اداروں میں ملکی و غیر ملکی سطح پر تحویل زر کے ضمن میں پیش آتی ہیں۔ چنانچہ بیرونی ممالک میں رقوم کی منتقلی کی صورت میں رقوم کا تبادلہ ہوتا ہے اور قبضہ کسی دوسرے ملک یا دوسرے شہر میں عمل میں آتا ہے۔ آیا کہ یہ عمل مشروع ہے یا غیر مشروع؟

ملحوظ رہے کہ کاغذی کرنسی سونے اور چاندی کے حکم میں ہے جیسا کہ بہت ساری اسلامی فقہی انجمنوں اور بڑے بڑے علماء کے کمیٹیوں نے اس قرارداد کو پاس کیا ہے تاکہ احکام شرعیہ کی تطبیق دی جاسکے۔

جبکہ ایک قسم کے سکوں کی تحویل دوسرے سکوں کے بدلہ میں جو قبضہ سے خالی ہو اور بطور ادھار ہو حرام ہے برابر ہے کہ یہاں کسی طرف مال زیادہ ہو یا نہ ہو چونکہ ادھار اور قبضہ نہ ہونے کی صورت میں ربا نسیئہ ہے جبکہ نقود کی ادھار بیع حلال ہے۔ خواہ نرخ برابر کے ہوں یا زیادہ ہوں۔

بنا بریں واجب ہے کہ بینک یا کیشیئر کے ساتھ عقد صرف (کرنسی کا لین دین) نقد ہو اور ادھار لمحہ بھر کے لئے بھی نہ ہو، یہ معاملہ بالفعل سرزد ہونا چاہئے چونکہ صراف (کیشئر) مجلس عقد ہی میں متبادل زر کی حوالگی کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے لیکن متبادل زر پر بالفعل قبضہ نہیں ہوتا بلکہ قبضہ حکمی حقیقی قبضہ کے قائم مقام ہوتا ہے، پھر اس کے بعد عقد جدید رونما ہوتا ہے اور یہ تب ہوتا ہے جب رقم دوسرے شہر میں پہنچ جاتی ہے، یہ معاملہ عقد قرض کی بنیاد پر ہوتا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ عقد جائز ہے جبکہ جمہور فقہاء کے نزدیک جائز نہیں۔ جیسا کہ قرض کی بحث میں آیا چاہتا ہے۔

عقد صرف کی بحث میں مقاصہ کی تین صورتوں میں سے دوسری صورت میں میں نے بیان کیا ہے۔ کہ ’’یہ جائز ہے کہ دینار کا فروخت کنندہ خریدار سے دس دراہم قرضہ میں لے اور بالفعل انہیں سپرد کردے، یوں متصارفین پر جبر کرتے ہوئے مقاصہ واقع ہوگا گو متصارفین مقاصہ پر باہمی رضامند نہ ہوں، چونکہ متصارف کی طرف سے بالفعل قبضہ ہو چکا۔

---

❶.....الجامع الصغیر ۹۲، تبیین الحقائق ۱۴۰/۴، المبسوط ۲۰/۱۴، بحث المقاصة للاستاذ محمد سلام مذکور ص ۱۰۷.

اس کو یوں تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ قرض دہندہ بینک یا صراف (کیشئر، منی چینجر) سے رسید لیتا ہے جس سے اس کا حق مستحکم ہو جاتا ہے اور بینک بدل قرض کا ضامن ہوتا ہے، البتہ ہونے والے اخراجات پر بینک اجرت یا کمیشن لے لیتا ہے تا کہ دوسرے ملک یا شہر میں رقم منتقل کر سکے۔

صرف وتحویل کے معاملات کا قیام قرض پر ہے، میرے نزدیک اس معاملہ کے صحیح ہونے کے یہ دوطریقے ہیں واللہ اعلم۔

رہی بات اندرون ملک بذریعہ ڈاک رقوم کی منتقلی کی جو کہ کسی ادارہ کے ساتھ تبادلہ رقوم کے بغیر ہوتی ہے بلا اختلاف جائز ہے۔

الف.....اگر اہلکار کو رقم بطور امانت سپرد کی گئی تو یہ بلا کراہت جائز ہے، اہلکار ضامن نہیں ہوگا ہاں البتہ اس سے تعدی یا کوتاہی ہوئی تو ضامن ہوگا۔ اور اگر ایک دوسرے سے مخلوط ہوگئیں یا حوالہ جات ایک دوسرے سے خلط ہوگئے تو اس کا ضمان ادارے پر آئے گا۔

ب.....اگر رقم بطور قرض دی گئی اور ساتھ یہ شرط نہ لگائی گئی کہ فلاں شخص کو پہنچائی ہے پھر قرض کے بعد اہلکار سے یہ رقم طلب کی گئی تو یہ صورت بھی جائز ہے۔

ج.....اگر رقم اس شرط پر دی گئی کہ رقم فلاں شہر میں فلاں شخص تک پہنچانی ہے پھر اگر قرض دہندہ نے قرض لینے والے کے مال سے راستے کے خطرات سے حفاظت کا قصد نہ کیا تو حوالگی بالاتفاق جائز ہے، اگر راستے کے خطرات کے ضمان کا قصد کیا تو جمہور کے نزدیک عقد صحیح نہیں جیسے سفتجہ (ہنڈی) صحیح نہیں، جیسا کہ قرض کی بحث میں گزر چکا ہے۔ البتہ حنابلہ کے نزدیک معاملہ جائز ہے۔

کسی دوسری نقدی کی صورت میں قرض کی ادائیگی.....حنابلہ نے صراحت کی ہے ❶ کہ ایک نقد کا دوسرے نقد کے بدلہ میں عوض جو اس دن کے ریٹ کے مطابق ہو صحیح ہے، منتہیٰ میں لکھا ہے: ادائیگی میں ایک نقد کی جگہ دوسرا نقد دے دینا صحیح ہے، بشرط یہ کہ ایک نقد حاضر کر لیا گیا ہو یا عاقد کے پاس امانت ہو اور دوسرا نقد (مال) ذمہ میں واجب ہو، اور یہ تبادلہ اس دن کے ریٹ کے ساتھ ہو، جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس طرح کی ادائیگی کو ممنوع قرار دیا ہے۔ شرح منتہیٰ میں لکھا ہے۔'' ہماری دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں بقیع میں اونٹ فروخت کرتا ہوں اور دیناروں کے ساتھ فروخت کرتا ہوں پھر دیناروں کی بجائے دراہم لے لیتا ہوں اور دراہم کے ساتھ فروخت کرتا ہوں اور پھر ان کی جگہ دینار لے لیتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں بشرط یہ کہ تم اس دن کے ریٹ کے ساتھ لو اور جب جدا ہو جاؤ تو تمہارے درمیان کسی کا حق باقی نہ رہے۔'' ایک اور روایت میں ہے۔'' میں دیناروں کے بدلہ میں فروخت کرتا ہوں اور ان کی جگہ چاندی لے لیتا ہوں، چاندی کے بدلہ میں (اونٹ) فروخت کرتا ہوں اور ان کی جگہ دینار لے لیتا ہوں۔'' ❷

یہ بھی فرمایا ہے کہ'' جس شخص پر دینار قرض ہوں اور پھر وہ الگ الگ (تھوڑے تھوڑے) دراہم دے کر قرضہ چکا دے، ہر نقدی مال قرض کے حساب کے مطابق ہو تو صحیح ہے ورنہ صحیح نہیں۔''

۴: بیع الجزاف (اندازہ اور تخمینہ کے ساتھ خرید وفروخت).....روزہ مرہ زندگی میں اندازہ اور تخمینہ کے ساتھ خرید وفروخت کرنے کا عام معمول ہے، اس لئے اب میں بیع جزاف کا معنی، مشروعیت کی دلیل اور اس کی اہم صورتوں کا حکم بیان کروں گا۔ اسی طرح نقود اور زیورات وغیرہ کی بیع کا حکم اور شرائط بھی بیان کروں گا۔

جزاف کا معنی.....جزاف جیم کی تینوں حرکات (ضمہ، فتحہ اور کسرہ) کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جبکہ کسرہ زیادہ فصیح اور مشہور ہے، جزاب

---

❶.....المعتمد فقه الامام احمد بن حنبل دار الخير دمشق ۱/۴۳۱. ❷حديث ضعيف اخرجه ابو داؤد والترمذی واحمد وغيرهم.

فارسی کا لفظ ہے جو عربی میں مستعمل ہے۔ ”کسی چیز کے مشاہدہ اور رؤیت کے بعد کیل، وزن اور گنتی کے بغیر اندازہ اور تخمینہ کے ساتھ خرید وفروخت کرنا جزاف کہلاتا ہے۔“ دراصل جزف، اکثر کے معنی میں ہے، اس کا مرجع مساہلت یعنی چشم پوشی ہے، علامہ شوکانیؒ نے جزاف کی یوں تعریف کی ہے۔ ”ایسی چیز کی بیع جس کی مقدار تفصیلاً معلوم نہ ہو۔ (1)

جزاف کی مشروعیت کی دلیل...... اندازہ کے ساتھ خرید وفروخت کرنے کے جواز پر مختلف احادیث ہیں ان میں سے دو حدیثیں ذیل میں لائی جاتی ہیں۔

۱...... حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کی متعین ناپی ہوئی مقدار کے ساتھ کھجوروں کے ڈھیر جس کی مقدار ناپ تول سے متعین نہ ہو کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے۔ (رواہ مسلم والنسائی) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی دوسری جنس کے ثمن کے بدلہ میں اندازہ کے ساتھ کھجوروں کی بیع جائز ہے، اگر ثمن کھجوریں ہی ہوں یعنی کھجوروں کے بدلہ میں اندازہ سے کھجوریں ہی ہوں تو بیع حرام ہوگی۔

چونکہ یہ معاملہ ربا الفضل پر مشتمل ہوگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی ایک عوض کے مجہول ہونے سے کمی زیادتی کا شبہ قوی ہو جاتا ہے، اور جو چیز مظنۂ حرمت ہو اس سے اجتناب برتنا واجب ہوتا ہے۔ یہ طے شدہ ہے کہ کھجوریں اموال ربویہ میں سے ہیں۔

۲...... ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالائی بازار میں اندازے کے ساتھ غلہ کی خرید وفروخت کرتے تھے، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کرنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ غلہ منتقل کرلیں۔ (رواہ الجماعۃ الا الترمذی وابن ماجہ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس فعل کا اقرار کیا ہے، ہاں البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیز کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے جس پر قبضہ نہ کیا گیا ہو۔

فقہاء کے نزدیک بیع جزاف کا حکم...... بیع جزاف کا حکم دو صورتوں میں واضح ہو جاتا ہے۔ غلے کے ڈھیر کی بیع، نقود اور زیورات کی بیع۔

غلہ کے ڈھیر کی بیع...... آئمہ مذاہب اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ غلہ کے ڈھیر کی اندازہ کے ساتھ خرید وفروخت جائز ہے۔ البتہ اس کی تفصیلات میں آئمہ کا اختلاف ہے، جسے میں ذکر کروں گا۔ جمع شدہ غلے کو ڈھیر کہا جاتا ہے، ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں: اندازہ کے ساتھ غلہ کے ڈھیر کی خرید وفروخت جائز ہے جبکہ غلے کی مقدار کا علم نہ ہو، ہمیں اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں۔ (2) اس کی دلیل واضح ہے چنانچہ حدیثیں اوپر گذر چکی ہیں۔

مذاہب کی تفصیلات:

اول: حنفیہ کا مذہب...... فقہائے حنفیہ کہتے ہیں: (3) اگر کسی شخص نے غلہ کے متعین ڈھیر میں سے ایک قفیز درہموں کے ساتھ فروخت کیا یا کپڑوں کی گٹھڑی دراہم کے ساتھ فروخت کی جبکہ کپڑوں کی تعداد معلوم نہیں، یا غلے کا ڈھیر فروخت کیا لیکن غلے کی دں (4) کا علم نہ ہو کہ وہ کتنے ہیں تو بیع جائز ہے، چونکہ اس میں تھوڑی سی جہالت ہے جو جھگڑے کا باعث نہیں بنتی، البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

---

(1)...... نیل الاوطار ۵/۱۶۰۔ (2) المغنی ۴/۱۲۳۔ (3) البدائع ۵/۱۵۸ فتح القدیر ۵/۸۸، الدر المختار ۴/۲۹، تبیین الحقائق للزیلعی ۴/۵ اللباب شرح الکتاب للمیدانی ۲/۷ تحفۃ الفقہاء ۲/۶۳ مختصر الطحاوی ص ۷۹۔ (4) قفیز غلہ ناپنے کا پیمانہ ہے جو ۱۲ صاع کے برابر ہے۔ اور ایک صاع تقریباً ساڑھے تین کلو کے برابر ہوتا ہے۔ گویا ایک قفیز تقریباً چالیس کلو یعنی ایک من کے برابر ہوتا ہے۔

جس شخص نے غلے کا ڈھیر فروخت کیا کہ ہر قفیر ایک درہم کے بدلہ میں، تو اس صورت میں صرف ایک قفیز میں بیع جائز ہوگی جبکہ بقیہ غلہ میں بیع موقوف ہوگی یہاں تک مجلس عقد میں جہالت ختم کردی جائے، اور جہالت دو طریقوں سے ختم ہوگی یا تو ڈھیر میں پڑے قفیزوں (پیمانوں) کی تعداد متعین کردی جائے یا مجلس عقد ہی میں غلے کو ناپ لیا جائے۔ جبکہ مجلس کی مختلف ساعتیں ساعت واحد کے حکم میں ہوتی ہیں، اگر مجلس برخاست ہونے کے بعد ڈھیر کی مقدار کا پتہ چلا تو فساد بیع پختہ ہوجائے گا اور اس کے بعد بیع صحیح نہیں ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں ثمن اور مبیع (فروخت کردہ سامان) مجہول ہیں یعنی نہ غلے کی مقدار معلوم ہے اور نہ ہی ثمن کی مقدار، جبکہ جہالت عقد کو فاسد کردیتی ہے۔ لامحالہ ڈھیر میں کم از کم ایک قفیز تو یقینی ہے لہٰذا ایک قفیز میں بیع صحیح ہوتی، جب کل مبیع میں قفیزوں کی تعیین سے جہالت جاتی رہی یا پیمانے سے ناپ کر جہالت ختم کردی تو اس صورت میں خریدار کو خیار حاصل ہوگا چونکہ خریدار کے حق میں تفریق صفقہ ہوا ہے البتہ بائع کو خیار نہیں ملے گا چونکہ معقود علیہ کی تجزی کا صدور بائع کی طرف سے ہوا ہے چونکہ قبل ازیں اس نے قفیزوں کی تعداد متعین نہیں کی۔ گویا وہ اسی طرح بیع کرنے پر راضی تھا۔ خریدار کو اس صورت میں خیار حاصل ہونا ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص نے کوئی چیز خریدی جو اس نے دیکھی نہ ہو پھر اسے دیکھ لے اور دیکھنے سے جہالت جاتی رہے۔

صاحبینؒ......کہتے ہیں: پورے ڈھیر میں بیع صحیح ہے چونکہ فی الجملہ اشارہ کرکے مبیع متعین ہوجاتی ہے اور یہ مقرر ہے کہ بیع کے صحیح ہونے کے لئے مشار الیہ کی مقدار کا معلوم اور متعین ہونا شرط نہیں، جبکہ ثمن کی جہالت بھی ایسی نہیں جو باعث ضرر ہو چونکہ غلہ کی مقدار معلوم کرنے سے ثمن کی مقدار بھی معلوم ہوجاتی ہے یعنی مجلس عقد ہی میں پیمانے سے غلہ کو ناپ لیا جائے۔

صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ ہے چونکہ اس میں لوگوں کے لئے آسانی ہے، صاحب ہدایہ نے صاحبینؒ کے قول کو راجح قرار دیا ہے چونکہ انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کے بعد صاحبین کی دلیل بیان کی ہے۔ دوسرے آئمہ مذاہب کا بھی یہی قول ہے لیکن صاحب فتح القدیر نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول اور ان کی دلیل کو راجح قرار دیا ہے۔

یہ غلہ اور اس کے مشابہ مثلی اشیاء کے ڈھیر کی خرید وفروخت کا حکم ہے، رہی بات قیمتی ❶ اشیاء کی سو ان کا حکم مندرجہ ذیل ہے۔

سو جس شخص نے بکریوں کا ریوڑ فروخت کیا بایں طور کہ ہر بکری ایک درہم کے بدلہ میں مثلاً تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کل ریوڑ میں بیع فاسد ہوگی، اصح قول کے مطابق اگرچہ مجلس عقد میں بکریوں کی تعداد معلوم ہوجائے، چونکہ بوقت عقد جہالت راسخ ہوچکی ہے۔ اس وقت ایک بکری کی بیع بھی صحیح نہیں ہوگی چونکہ بکریوں کے افراد میں تفاوت ہوتا ہے، بخلاف غلے کے ڈھیر کے اس میں سے ایک قفیز کی بیع صحیح ہوتی ہے جیسا کہ گزر چکا، چونکہ غلے کے اجزاء میں تفاوت نہیں ہوتا لہٰذا مثلی اشیاء میں جہالت جھگڑے کا باعث نہیں بنتی۔ لیکن قیمتی اشیاء میں یہ جہالت جھگڑے کا باعث بن جاتی ہے چونکہ قیمتی اشیاء کے افراد اور اکائیوں میں مماثلت نہیں ہوتی۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے کپڑے کا تھان فروخت کیا کہ ہر میٹر سو روپے میں لیکن تھان میں کتنے میٹر کپڑا ہے اس کی تعیین نہ کی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پورے کپڑے میں بیع فاسد ہوگی یہی حکم عددی متفاوت اشیاء جیسے اونٹ بیل، بھینس، غلام وغیرہ کا ہے۔

صاحبین کہتے ہیں قیمتی اشیاء میں بیع صحیح ہے چونکہ جہالت کو ختم کرنا ممکن ہے اور آخر میں مبیع کی تعداد معلوم کی جاسکتی ہے۔ ❷

خلاصہ......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مثلی اشیاء میں مجہول المقدار ڈھیر کی خرید وفروخت میں صرف واحد پیمانے کی بیع کو جائز قرار

---

❶......مثلی اشیاء جو پیمانے سے ناپی تولی جائیں یا جن کا وزن ہوگا ہو جیسے، سونا، چاندی، یا عددی متقارب ہوں جیسے اخروٹ انڈے قیمتی اشیاء وہ ہیں جن کے افراد میں تفاوت ہو اور ہر فرد کی قیمت علیحدہ ہو۔ جیسے جانور، زمین، گھر، درخت وغیرہ۔ ❷المراجع السابقه فتح القدير ص ٩٠، الزيلعی ص ٦ اللباب ص ٧.

دیتے ہیں اور قیمتی اشیاء میں ایک پیمانے میں بھی بیع جائز نہیں سمجھتے، جبکہ صاحبین کا اس میں اختلاف ہے چنانچہ صاحبین کے نزدیک پورے ڈھیر یا ریوڑ کی بیع جائز ہے خواہ مبیع مثلی ہو یا قیمتی ہو، چونکہ جہالت بوقت انعقاد صحت عقد کے مانع ہوتی ہے جو عقد کے آخر میں ختم ہوسکتی ہے۔

برتن یا مجہول المقدار وزن کے ساتھ خرید وفروخت...... حنفیہ نے انداز ہ اور تخمینہ کے ساتھ خرید وفروخت کی ایک اور صورت کو بھی جائز قرار دیا ہے کہ اس میں محض صورۃً کیل اور وزن ہو حقیقۃً نہ ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ کسی متعین برتن کے ساتھ ناپ کر بیع کر لی جبکہ برتن کی مقدار مقرر معلوم نہ ہو بشرط یہ کہ برتن ایسا ہو جس میں کمی بیشی کا احتمال نہ ہو، البتہ اگر برتن ایسا ہو جس میں غلے کے دانے گھس جاتے ہوں جیسے چھاپہ، ٹوکری، کھاری وغیرہ تو اس سے ناپ کر خرید وفروخت کرنا جائز نہیں ہاں البتہ پانی کے مشکیزے کے ساتھ ناپ کر بیع کرنا جائز ہے اور یہ لوگوں کے تعامل کی وجہ سے استحساناً جائز ہے، چنانچہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متعین مشکیزے کو بھر کر خرید وفروخت کرنا جائز ہے جیسا کہ حنفیہ نے متعین پتھر کے ساتھ وزن کر کے خرید وفروخت کو جائز قرار دیا ہے جبکہ پتھر کی مقدار غیر معلوم ہو، اس میں شرط یہ ہے کہ پتھر اچٹتا نہ ہوتا کہ ملنے سے ٹوٹ ٹوٹ کر کم نہ ہو، البتہ اگر ایسی چیز سے وزن کر کے خرید وفروخت کی جو خشک ہونے سے ہلکی ہو جاتی ہو، جیسے ککڑی، خربوز وغیرہ تو اس صورت میں بیع جائز نہیں ہوگی۔ (1)

جس ڈھیر کی مقدار کی تحدید کر لی گئی ہو اس میں کمی بیشی کی حالت...... جس شخص نے غلے کا ڈھیر خریدا کہ ڈھیر میں سو قفیز (من) ہیں اور ہر قفیز ایک درہم کے بدلہ میں ہے، خریدار نے تحدید کردہ مقدار سے کم پایا تو خریدار کو اختیار حاصل ہوگا، چاہے تو موجود مقدار کے حصہ کے بقدر ثمن دیکر قبضہ کر لے چونکہ مثلی مبیع کے اجزاء پر ثمن کی تقسیم ممکن ہے اور اگر چاہے تو بیع فسخ کردے چونکہ اس صورت میں تفریق صفقہ لازم آتا ہے اور خریدار کی رضا تمام نہیں ہوگی، تفریق صفقہ کا سبب یہ ہے کہ عقد پورے مجموعہ پر وارد ہوا ہے جب مجموعہ میں کمی واقع ہوئی تو لامحالہ صفقہ متفرق ہو جائے گا۔ ہر مکیلی اور موزونی چیز جس کی تبعیض (اجزاء الگ الگ کرنے) میں کوئی نقصان نہ ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

اگر خریدار نے متفق علیہ مقدار ڈھیر کو زیادہ پایا تو زائد مقدار بائع کا حق ہے چونکہ عقد تو متعین مقدار پر واقع ہوا ہے زائد مقدار عقد میں داخل ہی نہیں لہٰذا زائد مقدار بائع کا حق ہے۔

اگر کسی شخص نے کپڑا خریدا بایں طور کہ یہ کپڑا دس ذراع (میٹر مثلاً) ہے اور دس دراہم میں فروخت کیا گیا، یا زمین خریدی جو سو ذراع ہے اور سو دراہم میں خریدی لیکن یہ تعیین نہیں کی کہ ہر ذراع کے اتنے ثمن ہیں، پھر خریدار کی تحدید کردہ مقدار سے مبیع کم پائی تو خریدار کو خیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو تحدید کردہ کل ثمن کے ساتھ خرید لے چاہے تو ترک کردے، چونکہ خریدار کو تفریق صفقہ کا سامنا ہے۔ غلے اور کپڑے، زمین کی حالتوں میں فرق یہ ہے کہ غلے میں مقدار مبیع کا اساسی جزو ہے وصف نہیں چنانچہ غلے کے ہر جزو کے مقابلہ میں ثمن کا جزو ہوتا ہے، رہی بات کپڑے یا زمین میں مقدار ذراع کی سو یہ وصف ہے چونکہ ذراع طول اور عرض سے عبارت ہے جبکہ وصف غیر مقصود ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں ثمن نہیں ہوتے ہاں البتہ خریدار کو خیار حاصل ہوگا چونکہ وصف مرغوب فیہ جو عقد میں مشروط تھا وہ فوت ہوا ہے۔

اگر خریدار نے کپڑے یا زمین کے ذراعوں (فٹوں) کی تحدید سے زائد پایا تو زائد مقدار خریدار کا حق ہے اور فروخت کنندہ کو خیار بھی نہیں ملے گا چونکہ ذراع وصف ہے جو مقصود نہیں، چونکہ ذراع تابع محض ہے۔ اور توابع کے مقابلہ میں ثمن نہیں ہوتے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی کو کوئی عیب دار چیز فروخت کرے لیکن خریدار اسے عیب سے پاک پائے تو بائع کو خیار نہیں ملے گا۔

یہ تفصیل تب ہے جب ذراع مقصود نہ ہو اگر ذراع مقصود بنا لیا گیا مثلاً فروخت کنندہ نے یوں کہا، میں نے یہ زمین تمہیں فروخت کردی

---

(1)......فتح القدیر ص ۸۶، الزیلعی ص ۵ اللباب ص ۷ رد المحتار ۲۹/۴۔

بایں طور کہ یہ سوذراع ہے اور سو دراہم میں فروخت کی کہ ہر ذراع ایک درہم کے بدلہ میں ہے۔ پھر خریدار نے زمین کم پائی تو اسے خیار حاصل ہوگیا اگر چاہے تو مبیع کی مقدار کے حصہ کے بقدر ثمن دے کر قبضہ کرلے (یعنی اگر نوے ذراع نکلی تو نوے درہم دے) چونکہ اگر چہ ذراع وصف ہے جو تابع ہوتا ہے لیکن صورت مذکورہ میں ذراع کا مستقلاً ذکر آیا تو گویا اسے اصل کا درجہ حاصل ہوگیا اور خریدار چاہے تو بیع ترک کردے۔ اگر زمین تحدید کردہ مقدار سے زائد پائی تو خریدار کو خیار حاصل ہوگا چاہے تو پوری زمین قبضہ کرلے بایں طور کہ ہر ذراع ایک درہم سے خریدے یا اگر چاہے تو بیع فسخ کردے تاکہ زائد مقدار کے لینے کے ضرر کا دفعیہ ہوجائے۔

دوم: مالکیہ کا مذہب......امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مجہول المقدار غلہ کے ڈھیر کو پیمانے کی بنیاد پر فروخت کرنا جائز ہے یعنی ہر پیمانے مثلاً ایک درہم میں، ناپنے کے بعد جتنے پیمانے ہوں انہی کے حساب سے قیمت چکائی جائے، مالکیہ کے نزدیک اس میں کوئی مانع نہیں کہ مبیع خواہ مثلی ہو یا قیمتی ہو یا عددی ہو چنانچہ ان کے نزدیک غلہ، کپڑا، غلام جانور سب میں بیع جزاف جائز ہے۔ ❶ بخلاف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیمتی اشیاء میں بیع جزاف جائز نہیں۔ اس کی مزید تفصیل بیع جزاف کی شرائط میں آیا چاہتی ہے۔

سوم: شافعیہ کا مذہب......شافعیہ کہتے ہیں: ڈھیر میں سے ایک صاع کی خرید وفروخت جائز ہے جبکہ عاقدین کو معلوم ہو کہ ڈھیر میں کتنے صاع غلہ ہے مثلاً دس صاع۔ تاکہ غرر نہ ہو پائے، جیسا کہ اصح مذہب کے مطابق جملہ صاع مجہول ہونے کی صورت میں بیع صحیح ہوتی ہے، نیز مبیع کی جہالت ختم بھی کی جاسکتی ہے۔ جبکہ زمین یا کپڑا جس کی مقدار معلوم نہ ہو کہ کتنے ذراع ہے تو اس میں سے ایک ذراع کی بیع صحیح نہیں ہے جیسے بکریوں کے ریوڑ میں سے ایک بکری کی بیع صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح جس ڈھیر کی مقدار مجہول ہو کہ اس میں کتنے صاع غلہ ہے اس کی بیع صحیح ہے بایں طور کہ بیان کردیا جائے کہ ہر صاع ایک درہم کے بدلہ میں، یا بائع کہے: میں نے یہ ڈھیر تمہیں فروخت کردیا، اگرچہ قفیزوں کی مقدار معلوم نہ ہو۔ یا کہے: میں نے یہ گھر یا یہ کپڑا تمہیں فروخت کردیا اگرچہ معلوم نہ ہو کہ کتنے ذراع ہیں۔ چونکہ مبیع مشاہد یعنی سامنے نظر آرہی ہوتی ہے، اسی طرح جہالت کا غرر ختم ہوسکتا ہے اور یہ جہالت جملہ ثمن کے لئے باعث ضرر نہیں۔ غلے کے ڈھیر کی مثال یہ بھی ہے مثلاً کہے: میں نے تمہیں یہ زمین یا یہ کپڑا فروخت کردیا کہ ہر ذراع ایک درہم کے بدلہ میں یا کہا یہ بکریاں فروخت کردیں کہ ہر بکری ایک درہم کے بدلہ میں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: تخمینے کے ساتھ ڈھیر کی خرید وفروخت کو میں مکروہ سمجھتا ہوں چونکہ درحقیقت ڈھیر کی مقدار مجہول ہوتی ہے۔

اگر غلے کا ڈھیر سو درہم میں فروخت کیا کہ ہر صاع ایک درہم کے بدلہ میں یا زمین یا کپڑا سو درہم میں فروخت کیا کہ ہر ذراع ایک درہم میں پھر اگر اجمال اور تفصیل میں موافقت ہوئی (یعنی ناپنے پر سو صاع یا ذراع نکلے) تو بیع صحیح ہوگی، اگر مبیع کے سو صاع یا سو ذراع نہ نکلے بلکہ کم یا زیادہ نکلے لہٰذا صحیح مذہب کے مطابق بیع صحیح نہیں چونکہ اجمال اور تفصیل میں موافقت نہیں۔ غلے کے ڈھیر کو ثمن بنا کر کسی اور چیز کی خرید وفروخت جائز ہے اور اس میں مشاہدہ کافی ہے لیکن مکروہ ہے چونکہ بسا اوقات اس طرح کی بیع میں ندامت بھی ہوجاتی ہے۔ ❷

خلاصہ......شافعیہ مالکیہ کی طرح غلے کی ڈھیر کی خرید وفروخت کو جائز قرار دیتے ہیں خواہ مبیع مثلی ہو یا قیمی، جبکہ اگر ڈھیر کی اجمالی مقدار متعین ہو تو مالکیہ اور شافعیہ نے حنفیہ سے اختلاف کیا ہے چنانچہ اگر اجمال اور تفصیل میں مطابقت نہ ہو تو شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک بیع باطل ہوجاتی ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک بیع صحیح ہے، البتہ خریدار کو خیار حاصل ہوگا جیسا کہ میں نے بیان کردیا ہے۔ فی الجملہ امام شافعیؒ کے اصح

❶......بداية المجتهد ۱۵۸/۲، الشرح الكبير وحاشية الدسوقي ۱۸/۳۔۲۰۔ ❷مغني المحتاج ۱۶/۲، المهذب ۲۲۴/۱ المجموع ۳۴۰/۹۔

قول کے مطابق تخمینہ کے ساتھ ڈھیر کی خرید وفروخت مکروہ ہے، امام نووی اور دوسرے مجتہدین نے اسی قول کو قطعی قرار دیا ہے چونکہ اس بیع میں غرر ہے۔❶

چہارم: حنابلہ کا مذہب...... حنابلہ نے ڈھیر کی خرید وفروخت (اندازہ کے ساتھ) کو جائز قرار دیا ہے اگر چہ فروخت کنندہ اور خریدار ڈھیر کی مقدار سے ناواقف ہوں۔ برابر ہے کہ مبیع غلہ ہو یا کپڑا ہو یا جانور ہو، حنابلہ کے نزدیک غلہ کے ڈھیر، یا کپڑے یا بکریوں کے ریوڑ کی بیع صحیح ہے بایں طور کہ ہر قفیز یا ہر ذراع یا ہر بکری ایک درہم کے بدلہ میں، چونکہ مشاہدہ سے مبیع معلوم کی جاسکتی ہے، چنانچہ ڈھیر کو پیمانے سے ناپ لیا جائے اور قفیزوں کی تعداد سے ثمن کا حساب لگایا جاسکتا ہے۔ برتن میں پڑی چیز سمیت برتن کو فروخت کرنا جائز ہے کہ ہر رطل مثلاً دس درہم میں، اس میں شرط یہ ہے کہ برتن کے وزن کو ساقط کیا جائے۔❷

خلاصہ...... اوپر مذکور ہوا ہے کہ اندازہ کے ساتھ ڈھیر کی خرید وفروخت کو فقہاء نے صحیح قرار دیا ہے جبکہ فروخت کنندہ کہے "میں نے تمہیں یہ ڈھیر فروخت کر دیا کہ ہر قفیز ایک درہم کے بدلہ میں۔ گو عاقدین کو بوقت عقد ڈھیر کی مقدار معلوم نہ ہو، ڈھیر کی طرح ہر مکیلی، موزونی اور معدودی چیز خواہ مثلی ہو یا قیمی اندازہ کے ساتھ بیع جائز ہے، یہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: صرف ایک قفیز میں بیع جائز ہوگی اور اس کے علاوہ میں بیع باطل ہے۔ چونکہ جملہ ثمن مجہول ہیں لہٰذا بیع صحیح نہیں جیسے کسی چیز کی بیع اس کی رقم کے ساتھ صحیح نہیں ہوتی، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیمی اشیاء میں بیع جزاف صحیح نہیں۔

نقود، زیورات اور سونے چاندی سے آراستہ سامان کی خرید وفروخت...... اگر بدلین (معقود علیہ اور ثمن) مختلف اجناس کے ہوں (یعنی سونے کے بدلہ میں چاندی خریدی جارہی ہو) تو تخمینہ اور اندازہ سے بیع جائز ہے، اگر بدلین کی جنس متحد ہو (یعنی معقود علیہ اور ثمن ایک ہی جنس سے ہوں) تو تخمینہ سے بیع جائز نہیں ہوگی چونکہ اس صورت میں عقد ربا (سود) پر مشتمل ہوگا، ❸ اس لئے کہ جب پیمانے یا وزن سے مقدار معلوم نہ ہوئی تو کمی بیشی کا امکان قوی تر ہو جاتا ہے۔ اور یہ چیز مظنۂ حرام ہے لہٰذا اس سے اجتناب واجب ہے، اور اجتناب تب ہی ہوگا جب کیلی چیز کو پیمانہ سے ناپ لیا جائے اور موزونی چیز کا وزن کر لیا جائے، گویا یوں کہا جائے گا کہ تخمینہ کے ساتھ اموال ربویہ کی ایک ہی جنس کی خرید وفروخت کہ ایک ہی جنس معقود علیہ بھی ہو اور ثمن بھی، بیع جائز نہیں اور اموال غیر ربویہ کی بیع تخمینہ کے ساتھ جائز ہے، چونکہ اموال ربویہ کی بجنسہ خرید وفروخت میں سود کا احتمال ہے، سود کے معاملہ میں احتمال حقیقت کے حکم میں ہے لہٰذا اموال ربویہ کی بجنسہ خرید وفروخت ممنوع ہے۔

اصول...... اسی لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ نقود کی بیع کا اصول یہ ہے کہ وہ اموال ربویہ جن کی خرید وفروخت تفاضل (یعنی ایک بدل کم اور دوسرا زائد ہو) کے ساتھ جائز ہے ان میں بیع جزاف بھی جائز ہے اور جن اموال ربویہ کی تفاضل کے ساتھ خرید وفروخت جائز نہیں ان میں بیع جزاف بھی جائز نہیں۔ ❹ یہ ظاہر ہے کہ یہ اصول مذاہب اربعہ میں متفق علیہ ہے، چنانچہ شافعیہ کے نزدیک مثلاً غلہ کی بجنسہ یا نقد کی بجنسہ خرید وفروخت اندازہ کے ساتھ جائز نہیں اگر چہ بدلین برابر سرابر ہی کیوں نہ ہوں چونکہ حدیث میں کھجوروں کے ڈھیر جس کی مقدار معلوم نہ ہو کی معلوم المقدار کھجوروں کے بدلہ میں خرید وفروخت سے منع کیا گیا ہے۔ ❺ اس اصول سے مندرجہ ذیل دو صورتیں واضح ہوتی ہیں۔

۱...... جب سونے کے بدلہ میں سونا اور چاندی کے بدلہ میں چاندی کی اندازہ کے ساتھ خرید وفروخت کی جائے تو بیع جائز نہیں ہوگی

---

❶...... المجموع ۹/ ۳۴۳۔ ❷ المغنی ۴/ ۱۲۳، غایة المنتهیٰ ۲/ ۱۲۔ ❸ سونے کے بدلہ میں سونا یا چاندی کے بدلہ میں چاندی کی خرید وفروخت ہو تو دونوں کا برابر سرابر ہونا ضروری ہے سر سو برابر بھی اگر کمی بیشی ہوتی تو سود ہو جائے گا۔ ❹ تحفة الفقهاء ۳/ ۳۹۔ ❺ مغنی المحتاج ۲/ ۲۵، المغنی ۴/ ۱۵، القوانین الفقهیة ص ۲۴۶۔

چونکہ سونا چاندی اموال ربویہ میں سے ہیں اور بجنسہ اندازہ کے ساتھ بیع جائز نہیں اور تفاضل حرام ہے، اور بیع جزاف میں کسی ایک عوض کے زائد ہونے کا احتمال ہے جو حقیقت کے حکم میں ہے۔ اگر مجلس عقد میں عوضین کا وزن کیا گیا اور دونوں عوض وزن میں برابر سرابر رہے تو بیع استحساناً جائز ہوگی، چونکہ مجلس عقد حالت انعقاد عقد کے حکم میں ہے۔ اگر مجلس برخاست ہونے کے بعد عوضین کا وزن کیا گیا جو برابر رہا تو بیع فاسد ہوگی، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں دونوں صورتوں میں بیع صحیح ہوگی بشرطیکہ عوضین وزن میں مساوی ہوں، چونکہ بیع کے صحیح ہونے کے مانع احتمال تھا جو واضح ہو چکا کہ زائد کوئی عوض نہیں۔

۲.....اگر سونے چاندی کی مخالف جنس کے ساتھ خرید وفروخت کی (یعنی سونے کے بدلہ میں چاندی خریدی) تو بیع جزاف صحیح ہوگی چونکہ جب جنس مختلف ہوں تو تفاضل جائز ہے لیکن مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ کرنا واجب ہوگا جیسے اتحاد جنس کی صورت میں مجلس عقد میں قبضہ کرنا واجب ہوتا ہے۔

اس قاعدہ کی روشنی میں مذکور بالا دونوں صورتوں سے مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں۔

چنانچہ جب دو شریکوں کے درمیان مشترک اموال ربویہ تقسیم ہو رہے ہوں تو اندازہ کے ساتھ جنس واحد کی تقسیم جائز نہیں البتہ مختلف الجنس میں جائز ہے (مثلاً اندازہ کے ساتھ چاول کا ایک ڈھیر ایک شریک کو دے دیا جائے اور دوسرا ڈھیر دوسرے شریک کو یہ جائز نہیں ہاں البتہ ایک شریک کو چاول کا ڈھیر اور دوسرے کو گندم کا ڈھیر دیا جا سکتا ہے)۔

چونکہ دو شریکوں کے درمیان مشترک مال کی تقسیم بیع یا مبادلہ کے حکم میں ہے چونکہ ہر شریک جو مال لیتا ہے وہ دوسرے شریک کے حصہ کا عوض لیتا ہے، یہ من وجہ (ایک طرح سے) مبادلہ ہے اور من وجہ علیحدگی ہے۔

اگر تلواروں کی خرید وفروخت تلواروں کے بدلہ میں ہو یا پیتل کے برتنوں کی بیع پیتل کے برتنوں کے ساتھ ہو اور بیع جزاف ہو اور اگر گنتی کی بنیاد پر خرید وفروخت ہو تو بیع صحیح ہوگی چونکہ گنتی عددی اشیاء میں علت ربا نہیں بلکہ علت تو کیل اور وزن ہے، لہٰذا تفاضل جائز ہے سود نہیں ہوگا۔ اور اگر ان چیزوں کا وزن کیا جاتا ہو تو بیع جائز نہیں چونکہ اموال ربویہ کی بجنسہ بیع کی جا رہی ہے جو جائز نہیں۔

اگر ملاوٹ والی چاندی کو کسی دوسری دھات کے ساتھ فروخت کیا جائے یا ملاوٹ والے سونے کو فروخت کیا جائے تو شریعت میں اعتبار غلبہ کا ہے، چنانچہ اگر چاندی غالب ہو تو ملاوٹ والا مال چاندی تصور ہوگا اور اگر سونا غالب ہو تو سونا ہوگا۔ چنانچہ اگر ملاوٹ زدہ چاندی جس میں چاندی کا غلبہ ہو جو خالص چاندی کے ساتھ فروخت کی جا رہی ہو تو برابر واجب ہوگی چونکہ دونوں طرح کی چاندی تھوڑی سی ملاوٹ سے خالی نہیں ہوتی چونکہ ملاوٹ کے بغیر چاندی کو ڈھالنا مشکل ہوتا ہے، بسا اوقات ملاوٹ طبعی ہوتی ہے اس صورت میں طبعی ملاوٹ اور مخلوط ملاوٹ میں امتیاز کرنا دشوار ہوتا ہے لہٰذا قلیل ملاوٹ والی چاندی کو ردی چاندی کے ساتھ ملحق کیا جائے گا، جبکہ اموال ربویہ کے مبادلہ میں جید اور ردی برابر ہوتے ہیں، ان میں ملاوٹ کو کالعدم کے درجہ میں رکھا جائے گا۔

اگر ملاوٹ غالب ہو تو سونے چاندی پیتل کے حکم میں ہوں گے پھر اگر ملاوٹ زدہ سونے چاندی کی خرید وفروخت پیتل کے ساتھ کی جا رہی ہو تو برابری سرابری اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ضروری ہوگا۔

اگر چاندی اور ملاوٹ یا سونا اور ملاوٹ مساوی مساوی ہوں تو دیکھا جائے گا کہ خرید وفروخت اور قرض لینے دینے میں کس چیز کا اعتبار کیا جاتا ہے اگر سونے چاندی کا اعتبار کیا جاتا ہے تو بیع اور قرضہ وزن کر کے جائز ہوگا اور اندازہ کے ساتھ بیع جائز نہیں ہوگی۔

بیع صرف کی صورت میں ملاوٹ زدہ مال کا حکم ملاوٹ غالب کا حکم ہوگا، چنانچہ اگر خالص چاندی، ملاوٹ والی چاندی سے زائد ہو تو بیع جائز ہوگی یہاں تک کہ چاندی چاندی کے مقابل ہوگی اور زائد چاندی کھوٹ کے مقابل ہوگی، یہ ایسا ہی ہے جیسے چاندی اور پیتل سے بنی ہوئی چیز کو چاندی کے ساتھ فروخت کیا جائے، اگر خالص چاندی کھوٹ والی چاندی سے کم ہو یا چاندی کی مقدار معلوم نہ ہو تو بیع جائز نہیں ہوگی چونکہ

کسی ایک عوض میں سود کا احتمال ہے۔ ❶

سونے یا چاندی سے آراستہ تلوار کو اگر فروخت کیا جائے جبکہ ثمن میں سونا یا چاندی ہو تو آراستگی میں لگے سونا چاندی اور ثمن میں مماثلت کا ہونا ضروری ہے، گویا تلوار کے ساتھ جڑے ہوئے سونا چاندی سے ثمن زیادہ ہوں تو بیع جائز ہوگی، تاکہ تلوار کے ساتھ جڑے ہوئے سونے یا چاندی کے مقابلہ میں سونا چاندی ہو اور زائد ثمن دستہ اور تلوار کے مقابلہ میں ہو، چونکہ مبیع پر ثمن کی تقسیم کا اصول حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ جب مبیع میں مختلف اشیاء شامل ہوں ان میں سے کچھ ثمن کی جنس میں سے ہوں اور کچھ ثمن کی جنس میں سے نہ ہوں، تو ثمن کو اسی کی جنس کی مبیع کی طرف پھیرا جائے گا جو بجنسہ مبیع کے وزن کے برابر ہو تاکہ حتی الامکان عقد کو صحیح کیا جاسکے، چونکہ مسلمانوں کے معاملات جہاں تک ہوسکے درستی اور صواب کی طرف لائے جائیں، یہاں عقد اسی صورت میں صحیح کیا جاسکتا ہے جب ثمن بجنسہ مبیع کے وزن کے برابر ہوں، بقیہ ثمن کو دوسری جنس کی طرف پھیرا جائے گا۔ ❷

اگر ثمن تلوار سے جڑے زیور کے برابر ہو یا کم ہو تو بیع جائز نہیں، چونکہ یہ بیع ربا الفضل پر مشتمل ہوگی، چونکہ تلوار کا دستہ اور پرتلا مبیع ہوں گے بغیر کسی عوض کے اور یہی سود ہے۔

اگر ثمن کی مقدار مجہول ہو یا ثمن کی مقدار کی تعیین میں تاجروں کا اختلاف ہو پھر اگر یہ واضح ہو جائے کہ ثمن تلوار کے ساتھ جڑے ہوئے زیور سے زائد ہو تو حنفیہ کے نزدیک بیع جائز ہوگی بشرطیکہ مجلس عقد ہی میں ثمن کی وضاحت ہو جائے، اگر مجلس عقد کے بعد وضاحت ہو تو بیع جائز نہیں ہوگی، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں عقد صحیح ہوگا جیسے بیع جزاف میں ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

بنا بریں ایک اور فقہی قاعدہ ہے کہ "جب نقدی مال غیر نقدی مال کے ساتھ ملا کر بجنسہ نقد کے ساتھ فروخت کیا جیسے چاندی سے آراستہ چیز کو دراہم کے بدلہ میں فروخت کیا تو اس میں یہ شرط ہے کہ ثمن جڑی ہوئی چاندی سے زائد ہو تاکہ کچھ ثمن جڑی ہوئی چاندی کے بدلہ میں ہو اور کچھ ثمن بقیہ چیز کے بدلہ میں ہو، اگر ثمن زائد نہ ہو تو بیع باطل ہوگی۔ اگر ثمن جڑی ہوئی چاندی کے برابر ہوں یا کم ہوں یا ان کی مقدار مجہول ہو تو بیع باطل ہوگی، اگر ثمن زیور کی جنس میں سے نہ ہو تو محض قبضہ کرنا شرط ہوگا اور تفاضل بھی جائز ہوگا جیسا کہ آیا چاہتا ہے۔

یہ امر طے شدہ ہے کہ جب ثمن آراستہ چیز میں لگے سونا چاندی سے زائد ہوں تو بیع صحیح ہونے کے لئے عقد مجلس ہی میں قبضہ شرط ہوگا۔

اگر بغیر قبضہ کے عاقدین جدا ہو گئے یا ایک عاقد نے قبضہ کرلیا اور دوسرے نے قبضہ نہ کیا تو اس میں درج ذیل تفصیل ہے۔

الف...... اگر تلوار کے ساتھ جڑے سونا چاندی کو بغیر کسی ضرر اور نقصان کے علیحدہ کرنا ممکن نہ ہو تو بیع فاسد ہو جائے گی۔

ب...... اگر ضرر اور نقصان کے بغیر سونا چاندی کو علیحدہ کرنا ممکن ہو تو تلوار میں بیع جائز ہو جائے گی جبکہ تلوار کے ساتھ جڑے سونے چاندی کی بیع فاسد ہوگی، چونکہ جڑے ہوئے سونا چاندی کے بقدر بیع صرف ہے اور تلوار میں بیع مطلق ہے، صحت صرف کے لئے فقط قبضہ شرط ہے۔ اگر بغیر نقصان کے زیور الگ ہو جائے تو گویا زیور اور تلوار دو جدا جدا چیزیں ہوئیں تو ایک میں عقد جائز ہوگا دوسری میں نہیں۔

اگر زیور بغیر ضرر اور نقصان کے علیحدہ نہ ہو تو پورے کا پورا عقد فاسد ہوگا، زیور کے اعتبار سے اس لئے چونکہ قبضہ نہیں ہوا اور تلوار کے اعتبار سے اس لئے چونکہ ایسی چیز کی بیع ہوئی ہے جس کی حوالگی بائع کے نقصان کے بغیر عمل میں نہیں آسکتی، اس صفت کی جو بیع بھی ہو وہ فاسد ہوتی ہے جیسے چھت میں لگے شہتیر کی بیع، اگر چار و نا چار زیور علیحدہ کر کے تلوار خریدار کو سپرد کردی جائے تو عقد صحیح ہو جائے گا۔

سابقہ دو شرطیں جو عقد صرف میں پائی جانی ضروری ہیں کہ خیار شرط سے عقد صرف پاک ہو اور کوئی عوض ادھار پر نہ ہو، اب اگر سونا یا چاندی سے آراستہ تلوار جنس مخالف سونا چاندی کے بدلہ میں فروخت کی (یعنی تلوار سونے سے آراستہ کی گئی تھی اور چاندی کے ساتھ فروخت کی گئی) جبکہ زیور کے وزن سے ثمن کا وزن زیادہ ہو، دونوں میں سے کسی ایک نے خیار شرط کی قید رکھی ہو یا خریدار نے ثمن کی

---

❶...... تبیین الحقائق ۴/ ۱۴۰۔ ❷ البدائع ۵/ ۲۱۷، تحفۃ الفقہاء ۳/ ۴۱، الدر المختار ۴/ ۲۴۷۔

ادائیگی بطور ادھار رکھی ہو پھر کسی ایک عوض کا قبضہ مکمل نہ ہونے سے قبل متعاقدین جدا ہو جائیں تو عقد مندرجہ ذیل تفصیل کے مطابق فاسد ہوگا۔

الف......اگر زیور تلوار سے بغیر نقصان ہوئے الگ نہ ہوتا ہو تو زیور میں بیع بسبب خیار یا ادھار کے فاسد ہوگی اور تلوار میں بھی فاسد ہوگی چونکہ عقد میں اسے الگ انفرادی طور اگر قبضہ کے بعد متعاقدین جدا ہوئے یعنی خیار باطل کر دیا یا ادھار کے دست کش ہو گئے تو عقد جائز ہو جائے گا لیکن امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

ب......اگر زیور تلوار سے بغیر نقصان اور ضرر کے الگ ہو جائے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد فاسد ہوگا چونکہ صفقہ (سودا) صحیح اور فاسد پر مشتمل ہوگا جبکہ فساد نفس معقود علیہ میں ہوگا۔ ایسی صورت میں فساد پوری بیع میں پھیل جاتا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تلوار میں بیع جائز ہوگی، اور زیور میں باطل ہوگی، چونکہ سودا صحیح اور فاسد پر مشتمل ہے اور فاسد اثر کرتا ہے لہٰذا بیع صحیح میں صحیح ہوگی اور فاسد میں فاسد۔

ج......اگر کسی شخص نے سنار سے چاندی کا کڑا اور اہم کے ساتھ خریدا اور دونوں بدلین وزن میں برابر برابر ہے دونوں عاقدوں نے قبضہ کر لیا اور جدا ہو گئے، یا دو آدمیوں نے آپس میں عقد صرف کیا یعنی سونا کے بدلے میں سونا اور چاندی کے بدلہ میں چاندی خریدی اور عوضین برابر سرابر رکھے، قبضہ بھی مکمل ہو گیا پھر جدا ہوئے، پھر ایک عقود نے دوسرے کو کوئی زائد چیز دی جیسے دوسرے نے قبول کر لیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع فاسد ہوگی، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خود کمی اور بیشی باطل اور لغو ہوگی جبکہ عقد صحیح ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کمی جائز ہے جو ہبہ کے بمنزلہ ہے اور زیادتی باطل ہے۔

منشائے اختلاف یہ ہے کہ شرط فاسد جو عقد پر وارد ہو اور اس کا تذکرہ عقد سے مؤخر ہو تو کیا یہ شرط عقد میں اثر کرے گی یا نہیں؟ [1]

چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ شرط عقد کے ساتھ مل جائے گی اور عقد کو فاسد کر دے گی، اور انعقاد عقد کے بعد اگر معقود علیہ یا ثمن میں کمی زیادتی ہوئی تو یہ کمی زیادتی صلب عقد کے ساتھ جا ملے گی تو گویا عقد شروع ہی سے اس کمی زیادتی پر مشتمل پایا گیا، اور اموال ربویہ میں تفاضل کی وجہ سے عقد فاسد ہوگا چونکہ عوضین کی جنس ایک ہے لہٰذا سود متحقق ہوگا۔

صاحبین کے نزدیک شرط فاسد عقد کے ساتھ نہیں ملی البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس اصل کا التزام کیا ہے اور کمی اور زیادتی دونوں کا اعتبار ساقط کیا ہے اور یوں بیع اول صحیح ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے زیادتی اور کمی میں فرق کیا ہے کہ زیادتی باطل ہے جبکہ کمی جائز ہے چونکہ زیادتی اگرچہ صحیح ہو اصل عقد کے ساتھ ملحق ہے لہٰذا عقد کو فاسد کر دے گی اور یوں زیادتی باطل ہے۔

اگر بدلین کی جنس مختلف ہو مثلاً دس دراہم کے وزن کے برابر کا چاندی کا کڑا ایک دینار سے فروخت کیا یا دس درہم کے بدلہ میں ایک دینار خریدا پھر کسی عاقد نے دوسرے کو ایک درہم زائد دیا اور دوسرے نے اسے قبول کر لیا یا ایک درہم کم کر دیا تو کمی زیادتی حنفیہ کے ہاں بالاتفاق تو جائز ہے اور کمی زیادتی اصل عقد کے ساتھ ملحق ہوگی۔ چونکہ سود کا پایا جانا صحت عقد کے مانع تھا اور یہاں جنس مختلف ہے تفاضل جائز ہے البتہ مجلس میں قبضہ شرط ہے اگر عاقدین قبضہ سے پہلے جدا ہوئے تو بقدر اضافہ عقد باطل ہو جائے گا چونکہ اضافہ جب اصل عقد کے ساتھ ملا تو گویا عقد کی زیادتی دونوں پر وارد ہوا اور ثمن صرف کا جز بن گیا۔

رہی بات کمی کی سو مجلس میں قبضہ شرط نہیں چونکہ کمی اگر اصل عقد کے ساتھ ملحق ہو جائے تو عوضین میں تفاضل آ جاتا ہے جو عقد پر مؤثر نہیں ہوتا چونکہ اختلاف جنس کی صورت میں اموال ربویہ میں تفاضل جائز ہے۔ البتہ عاقد پر واجب ہے کہ کمی واپس کرے چونکہ کمی جب اصل عقد

---

[1]......البدائع ۲۱۶/۵، الدر المختار ۲۴۶/۴۔

کے ساتھ ملحق ہوئی تو واضح ہو چکا کہ عقد کمی کی ہوئی مقدار پر شروع ہی سے واقع نہیں ہوا، لہٰذا واپسی واجب ہے۔

بیع جزاف کی شرائط...... مالکیہ نے بیع جزاف کی سات شرائط ذکر کی ہیں جنہیں میں مختصراً ذکر کروں گا۔ ❶ وہ یہ ہیں۔

۱...... یہ کہ بوقت عقد یا عقد سے قبل مبیع آنکھوں سے دیکھی ہوئی ہو، اور عاقدین مبیع سے مطمئن ہوں، ان دیکھی چیز کی بیع جزاف صحیح نہیں ہوتی، نابینا شخص اگر اندازہ سے بیع کرے اس کی بیع بھی صحیح نہیں، بعض مبیع کو دیکھ لینا کافی ہے، ڈھیر کو اوپر اوپر سے دیکھ لینا کافی ہے، اگر دیکھنے میں مبیع کے خراب ہونے کا خدشہ ہو جیسے سربمہر ڈبہ میں بند سرکہ وغیرہ تو بن دیکھے ان کی بیع جائز ہے لیکن اس کی صفات (کوالٹی) بیان کرنا ضروری ہے۔

یہ شرط حنفیہ شافعیہ اور حنابلہ کے درمیان متفق علیہ ہے، ❷ علامہ زیلعیؒ کہتے ہیں: غلے کے ڈھیر کا مشاہدہ کر لینا کافی ہے، اور جزاف کے جائز ہونے کی اس میں یہ شرط ہے کہ ڈھیر ممتاز ہو یعنی مشترک نہ ہو اور اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ شافعیہ اور حنابلہ کی عبارت اس طرح ہے: ڈھیر میں مشاہدہ کافی ہے، چونکہ جہالت اور غرر وغیرہ مشاہدہ سے ختم ہو جاتے ہیں۔

۲...... بائع اور مشتری دونوں مبیع کی مقدار سے نابلد ہوں اگر عقد کے بعد عاقدین میں سے کسی ایک کو مبیع کی مقدار کا علم ہو گیا تو دوسرے کو اختیار حاصل ہوگا، اگر بوقت عقد دونوں ڈھیر کی مقدار کے معاملہ میں برابر ہوں تو عقد فاسد ہو جائے گا چونکہ دونوں عاقدین کے عقد کا انعقاد غرر پر ہوتا ہے اور ان دونوں نے کیل اور وزن کو چھوڑ دیا ہوتا ہے اگر مبیع موجود ہو تو رد کی جائے گی، ورنہ خریدار پر قیمت لازم ہوگی۔ ❸ اس خیار کا موجود ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شرط شرط لزوم ہے شرط صحت نہیں۔

ابن جزی نے حنفیہ اور شافعیہ کے درمیان اس شرط میں اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن شافعیہ نے موافقت کی صراحت کی ہے۔ ❹ چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی ہے کہ جب بائع کو ڈھیر کی مقدار کا علم ہو تو وہ ڈھیر کو فروخت نہیں کرتا، اگر اس کی مخالفت کی اور مبیع کی مقدار کا علم ہونے کے باوجود ڈھیر کو فروخت کر دیا تو بیع صحیح ہوگی، لازم ہوگی لیکن مکروہ تنزیہی ہے۔

۳...... یہ کہ اندازہ اور تخمینہ کے ساتھ بیع ہر ایسی چیز میں ہو جس سے مقصود کثرت ہو اس کے افراد اور اکائیاں مقصود نہ ہوں چنانچہ مکیلی اور موزونی اشیاء جیسے غلہ جات، لوہا، ناپی جانے والی اشیاء جیسے کپڑا زمین وغیرہ میں بیع جزاف صحیح ہوگی، معدودی اشیاء میں بیع جزاف صرف اس صورت میں جائز ہے جب گنتی میں مشقت ہوتی ہو، شرط میں جو ذکر ہوا کہ بیع جزاف میں مقصود آحاد (افراد اور اکائیاں) نہ ہوں، اس سے یہی مراد ہے۔

بنا برایں معدودی اشیاء کی بیع تب جائز ہوگی جب معدودی اشیاء کے افراد کی قیمت قلیل ہو جیسے انڈے، سیب، کینو، انار، خربوزہ وغیرہ، ایسی معدودی اشیاء جن کے افراد علیحدہ علیحدہ مقصود ہوں ان کی اندازہ کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے بلکہ اس صورت میں ہر فرد کی علیحدہ گنتی اور تعیین قیمت ضروری ہے، جیسے غلام، کپڑے اور جانور، اگر افراد کا قصد نہ کیا گیا ہو تو اندازہ کے ساتھ بیع جائز ہے۔

خلاصہ...... اگر عددی اشیاء کو بلا مشقت گنا جا سکتا ہو تو اندازہ کے ساتھ ان کی خرید وفروخت جائز نہیں خواہ ان اشیاء کے افراد کا قصد کیا جائے یا قصد نہ کیا جائے، خواہ ثمن قلیل ہو یا کثیر، اگر عددی اشیاء کی گنتی مشقت کے ساتھ کی جاتی ہو اور پھر اس کے افراد کا قصد نہ کیا جاتا ہو تو اندازہ کے ساتھ بیع جائز ہے خواہ اس کے ثمن قلیل ہوں یا کثیر۔ اور اگر افراد کا قصد کیا گیا ہو تو پھر اگر ثمن قلیل ہو اندازہ کے ساتھ بیع جائز ہوگی اور اگر ثمن قلیل نہ ہو تو جائز نہیں۔ ❺

---

❶...... الشرح الکبیر للدردیر ۲۰/۳ بدایة المجتهد ۱۵۷/۲ مواهب الجلیل ۲۸۵/۱ الشرح الصغیر ۳۵/۳، الغرر فی العقود ص ۲۲۴۔ ❷تبیین الحقائق ۵/۴ المهذب ۳۶۵، المغنی ۱۲۳/۴۔ ❸القوانین الفقهیة ص ۲۴۲۔ ❹المجموع ۳۴۳/۹۔ ❺حاشیة الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر، ۳ ص ۲۱

حنفیہ کے ہاں مذہبی اختلاف مذکور ہو چکا ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع جزاف صرف مثلی اشیاء یعنی مکیلی اور موزونی میں محصور ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک بیع جزاف مکیلی، موزونی، مذروعی (جیسے کپڑے زمین وغیرہ) عددی متقارب اور عددی متفاوت میں بھی جائز ہے، فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے چونکہ اس میں لوگوں کے لئے آسانی ہے۔

فی الجملہ شافعیہ اور حنابلہ بھی مکیلی، موزونی، مذروعی اور عددی اشیاء میں بیع جزاف کو جائز قرار دیتے ہیں۔

۴..... یہ کہ مبیع کا بالفعل اندازہ کیا جائے، ایسی چیز کی اندازہ کے ساتھ خرید وفروخت جائز نہیں جن کا اندازہ کرنا دشوار ہو جیسے زندہ چڑیاں، برجوں میں رہنے والے کبوتر اور بڑے ڈربہ میں رہنے والے چوزے، ہاں البتہ اگر خریدنے سے پہلے اندازے کے ساتھ اونگھتے وقت پتہ چل سکے تو اس وقت بیع جزاف جائز ہوگا۔

عاقدین بذات خود تخمینہ لگانے کی اہلیت رکھتے ہوں یا وکیل مقرر کر کے اندازہ کرا سکتے ہوں۔ اس شرط میں شافعیہ نے بھی موافقت کی ہے چنانچہ ان کے ہاں بھی مقرر ہے کہ حتی الامکانی حد تک اندازے سے ڈھیر کی مقدار معلوم ہونی چاہئے، نیز شافعیہ نے چھتے میں گھسی ہوئی شہد کی مکھیوں کی خرید وفروخت کو جائز قرار دیا ہے۔ بشرط یہ کہ جب داخل ہوتے اور نکلتے وقت دکھائی دیتی ہوں اور اگرچہ یہ معلوم نہ ہو کہ سبھی نکلی ہیں۔ [1]

۵..... یہ کہ مبیع اتنی زیادہ مقدار میں نہ ہو کہ حدوشمار ہی سے باہر ہو اگر مبیع بہت زیادہ ہو تو اندازہ کے ساتھ اس کی خرید وفروخت ممنوع ہے۔ برابر ہے کہ مبیع مکیلی ہو یا موزونی، یا عددی ہو، اگر مبیع نہایت قلیل مقدار میں ہو تب بھی اندازہ کے ساتھ اسے فروخت کرنا جائز نہیں ہاں البتہ اس میں شرط یہ ہے کہ اگر مبیع عددی ہو، چونکہ گننے میں کوئی مشقت نہیں ہوئی۔ [2] البتہ اگر بیع مکیلی یا موزونی ہو اور قلیل مقدار میں ہو عاقدین اس کی مقدار سے نابلد ہوں تو اندازے سے فروخت کرنا جائز ہے۔

٦..... یہ شرط بھی ہے کہ جس جگہ مبیع (سامان خرید وفروخت) پڑی ہو وہ جگہ ہموار ہو اگر جگہ ہموار نہیں بلکہ اس جگہ میں چھوٹے نشیب وفراز ہوں تو غرر جہالت کی وجہ سے عقد فاسد ہوگا، البتہ اگر فروخت کنندہ اور خریدار کا خیال ہو کہ غلہ کے ڈھیر والی جگہ ہموار ہے بعد میں معلوم ہو کہ جگہ درمیان سے اوپر ابھری ہوئی ہے تو خریدار کو خیار حاصل ہوگا، اگر جگہ میں نشیب ہو یعنی گڑھا ہو تو بائع کو خیار حاصل ہوگا۔

شافعیہ نے اس شرط میں مالکیہ کے ساتھ اتفاق کیا ہے، چنانچہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ مقرر ہے کہ جب غلے کا ڈھیر ایسی جگہ ہو جہاں نشیب وفراز (ابھار اور گڑھے) ہوں تو بیع فاسد ہو جاتی ہے۔

حنابلہ کے ہاں بھی یہ شرط ہے جیسا کہ مالکیہ کے ہاں ہے کہ خریدار کو خیار حاصل ہوگا جب پتہ چلے کہ ڈھیر ناہموار جگہ پر ہے، اگر معلوم ہو کہ غلہ کے ڈھیر تلے گڑھا ہے تو بائع کو خیار حاصل ہوگا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ شرط حنفیہ کے ہاں بھی معتبر ہے چونکہ ان کے نزدیک اگر کسی متعین برتن کے ساتھ ناپ کر غلہ وغیرہ دیا جاتا ہو اس میں یہ شرط ہے کہ اس برتن میں کمی زیادتی کا احتمال نہ ہو مثلاً وہ برتن لکڑ کا ہو یا لوہے کا، البتہ اگر برتن میں کمی زیادتی کا احتمال ہو یا اس میں غلہ گھس جاتا ہو جیسے چھاپہ ٹوکری اور کاری وغیرہ تو اس صورت میں بیع جائز نہیں اس شرط سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے ہاں بھی یہ شرط ہے کہ ڈھیر کی جگہ ہموار ہونی چاہئے۔ [3]

۷..... یہ کہ عقد واحد، جزاف اور کیل پر مشتمل نہ ہو یعنی ایسا نہ ہو آدھی مبیع کی خرید وفروخت تخمینہ کے ساتھ ہو اور آدھی مبیع کی کیل پیمانے سے یا ایک عقد میں ایک جنس کی بیع تخمینہ کے ساتھ ہو اور دوسری جنس کی کیل کے ساتھ بیع ہو یا آدھی زمین کی بیع تخمینہ سے ہو اور آدھی کی بیع

[1]..... المجموع ۲۵۳/۹ المهذب ا ص ۲٦۵ [2] ورنہ بازاروں میں شام کے وقت سبزی فروش بچی ہوئی سبزی کو اندازے کے ساتھ فروخت کردیتے مثلاً ان ٹماٹروں کے دس روپے دو اور لے جاؤ یہ جائز ہے۔ [3] تبیین الحقائق ۵/۴ فتح القدیر ۸٦/۵۔

ناپ کر ہو، چنانچہ غلہ کے اس ڈھیر اور اس کے ساتھ دس مد گندم دوسری کی بیع صحیح نہیں اسی طرح اس ڈھیر کی اندازہ کے ساتھ بیع اور اس کے ساتھ ناپ کر زمین کی بیع صحیح نہیں۔ اسی طرح اس زمین کی بیع تخمینہ کے ساتھ اور اس کے ساتھ سو میٹر دوسری زمین کی بیع جائز نہیں۔ ان صورتوں کے ممنوع ہونے کا سبب یہ ہے کہ مجہول المقدار چیز کی جہالت معلوم المقدار چیز میں اثر کرتی ہے۔

البتہ اگر صفقہ واحدہ (ایک ہی سودے) میں دو چیزیں جمع ہو جائیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی اصل پر فروخت کی جائے تو بیع جائز ہے۔ جیسے مثلاً معلوم المقدار غلے کی ڈھیر کی بیع اور اس کے ساتھ مجہول المقدار زمین کی بیع اور دونوں چیزوں کی بیع ایک ہزار دینار میں طے پائے، یہ بیع جائز ہے چونکہ دونوں چیزوں کو اصل پر فروخت کیا جا رہا ہے یعنی زمین کو بھی تخمینہ کے ساتھ فروخت کیا جا سکتا ہے اور غلہ کے ڈھیر کو بھی تخمینہ کے ساتھ فروخت کیا جا سکتا ہے۔ ❶

۵: ربا (سود)

خاکہ موضوع...... ربا (سود) جو کہ ممنوعہ بیوع کی ایک قسم ہے اس کے متعلق گفتگو درج ذیل مقاصد پر ہوگی۔

پہلا مقصد...... ربا (سود) کی تعریف اور اس کی حرمت کے دلائل۔

دوسرا مقصد...... ربا کی مختلف انواع۔

تیسرا مقصد...... سود کی علت کے بارے میں فقہاء کے مذاہب۔

چوتھا مقصد...... علت ربا میں اختلاف کے اثرات۔

پہلا مقصد: ربا کی تعریف اور ربا کی حرمت کے دلائل

لغوی معنی...... ربا کا لغوی معنی زائد ہونا، بڑھنا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ...... الحج ۲۲/۵

جب ہم نے زمین پر پانی اتارا تو وہ تازہ ہوئی اور ابھری (بڑھی)۔

آیت میں "رَبَتْ" کا معنی "زَادَتْ وَنَمَتْ" ہے۔ دوسری جگہ ہے:

اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ...... النحل ۱۶/۹۲

کہ ایک فرقہ دوسرے سے زیادہ چڑھ رہا ہوتا ہے۔

یعنی ایک فرقہ کے افراد دوسرے سے زیادہ ہونا۔ چنانچہ بولا جاتا ہے "أربى فلان على فلان" یعنی ایک شخص دوسرے سے کسی چیز کو زائد رکھتا ہے۔ ❷

شرعی تعریف...... ربا کی حنابلہ نے یہ تعریف کی ہے:

الزيادة فى اشياء مخصوصة

یعنی مخصوص اشیاء میں زائد (مقدار) لینا سود ہے۔

کنز الدقائق میں حنفیہ کے ہاں یہ تعریف کی گئی ہے "فضل مال بلاعوض فى معاوضه مال بمال" مال کے بدلہ میں

---

❶...... الشرح الكبير مع حاشية الدسوقى ۳/۲۳۔ ❷ مغنى المحتاج ۲/۲۱، نهاية المحتاج ۳/۳۹۔

مال کے معاوضہ میں بلاعوض زائد مال لینا سود ہے۔زائد مال خواہ حقیقۃً ہو یا حکماً ہو دونوں کو یہ تعریف شامل ہے۔اور ربا نسیہٗ اور بیوع فاسدہ کو بھی یہ تعریف شامل ہے، چونکہ اعتبار یہ ہے کہ کسی ایک عوض میں مدت حکماً زائد مال ہے جو کسی محسوس مادی عوض کے بدلہ میں نہیں۔

سود کی حرمت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع سے ثابت ہے۔

کتاب اللہ سے.....فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ......البقرۃ ۲/۲۷۵

اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے جبکہ خرید وفروخت کو حلال رکھا ہے۔

دوسری جگہ فرمان ہے:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ......البقرۃ ۲/۲۷۵

جولوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن) اس شخص کی طرح اٹھیں گی جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ البقرۃ ۲/۲۷۸-۲۷۹

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم واقعی مؤمن ہو تو سود کا جو حصہ بھی (کسی کے ذمے) باقی رہ گیا ہو اسے چھوڑ دو، پھر بھی اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو، اور اگر تم سود سے توبہ کرو تو تمہارا اصل سرمایہ تمہارا حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

سود کی حرمت ۸ھ یا ۹ھ میں ہوئی۔

سنت سے.....حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسی سات چیزوں سے بچو جو ہلاک کرنے والی ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک سود خوری بھی بیان فرمائی۔ ❶ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سود کے گواہ اور کاتب پر لعنت کی ہے۔ ❷ حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کے تہتر (۷۳) مفاسد ہیں، ان میں سے سب سے زیادہ خفیف مفسدہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے نکاح کرلے اور سب سے زیادہ گھناؤنا سود کسی مسلمان کی عزت خراب کرنا ہے۔'' سود کے متعلق بقیہ احادیث علت ربا میں آیا چاہتی ہیں۔

اجماع.....پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ سود حرام ہے، ماوردی کہتے ہیں: حتیٰ کہ شریعت میں کبھی حلال نہیں کیا گیا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ ......النساء ۴/۱۶۱

اور وہ (اہل کتاب) سود لیتے تھے حالانکہ انہیں اس سے باز رہنے کی تاکید کی گئی تھی۔ ❸

اسلام میں جو سود حرام کیا گیا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ربا نسیہٗ، زمانہ جاہلیت میں اہل عرب صرف اسی کو سود سمجھتے تھے، یہ وہ مال ہوتا ہے جو ادائے قرض کی تاخیر پر لیا جاتا ہے، قرضہ خواہ کسی مبیع کے ثمن ہوں یا قرض محض ہو۔

دوسرا ربا البیوع ہے۔ جو چھ اجناس میں ہوتا ہے یعنی سونا، چاندی، گندم، جو، نمک اور کھجوریں، سود کی اس قسم کو ''ربا الفضل'' کہا جاتا ہے،

---

❶.....اخرجه مسلم عن ابی هريرةؓ. ❷ رواه ابوداؤد وغيره. ❸ مغنى المحتاج ۲/۲۱، المهذب ۱/۲۷۰ المغنى ۴/۱، المبسوط ۱۲/۱۰۶ فتح القدير ۵/۲۷۴ حاشية قليوبى وعميرة ۲/۱۶۶.

البتہ سونے چاندی کی وہ اشیاء جن کا استعمال مباح ہے جیسے انگوٹھی، زیورات وغیرہ ان میں ابن قیم نے اضافہ (زیادتی) کو جائز قرار دیا ہے تا کہ زائد مال زیورات وغیرہ کی بنوائی کے بدلہ میں ہو جائے اور لوگوں کو اس کی حاجت بھی ہوتی ہے۔ ❶

ربا النسیئۃ ...... جو کہ خرید وفروخت سے متحقق ہوتا ہے، حنفیہ نے ربا نسیئۃ کی یوں تعریف کی ہے کہ جنس ایک ہونے کی صورت میں مدت کا زائد ہونا یا اختلاف جنس کی صورت میں دو مکیلی اور موزونی اشیاء میں کسی ایک عوض کا ادھار ہونا ربا نسیئۃ ہے، یعنی ایک ہی جنس کی اشیاء بجنسہ فروخت کی جائیں کیل اور وزن میں اضافہ ہو اور قبضہ میں تاخیر ہو، جیسے مثلاً گندم کا ایک صاع فروخت کیا جائے اور بدلہ میں ڈیڑھ صاع ایک ماہ کے بعد لیا جائے، یا جیسے گندم کا ایک صاع فروخت کیا جائے اور بدلہ میں ایک مہینہ کے بعد جو کے دو صاع لئے جائیں یا مثلاً ایک رطل کھجوریں فی الحال دی جائیں اور بدلہ میں ایک رطل کھجوریں ادھار لی جائیں، یہ صورتیں اختلاف جنس اور اتحاد جنس کی موزونی اور مکیلی ہونے کی صورت میں ہیں غیر مکیلی اور غیر موزونی اشیاء کی اتحاد جنس کی صورت میں مثال یہ ہے جیسے ایک سیب کی بیع ادھار ایک ماہ بعد دو سیبوں کے بدلہ میں کی جائے۔ ان سبھی مثالوں میں ربا نسیئۃ پایا جاتا ہے چونکہ کسی ایک عوض میں زائد مال پایا جاتا ہے جبکہ اس کے مقابل میں کچھ نہیں ہوتا، قدر کے مساوی ہونے میں حرمت کا سبب قیمت کا زائد ہونا ہے چونکہ عادۃً عاقد ادھار کو بھی تسلیم کرتا ہے جب قیمت زائد ہو اور معجل چیز عادۃً مؤجل سے زائد ہوتی ہے، جیسے عین دین سے افضل ہے۔

ابن عباس، اسامہ بن زید، زید بن ارقم، زبیر، ابن جبیر وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب تھا کہ صرف ربا نسیئۃ حرام ہے چونکہ شیخین کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حرام سود صرف نسیئۃ ہے۔ لیکن وہ احادیث جن میں ربا الفضل کی حرمت کا بیان آیا ہے ان سے ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مذہب کا رد ہوتا ہے، اسی لئے جابر بن زید رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے قول سے رجوع کر لیا ہے۔ پھر ربا کی دونوں اقسام کی حرمت پر تابعین کا اجماع ہوا ہے، لہٰذا اختلاف ختم ہو گیا۔

اوپر حدیث کے متعلق کا جواب یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ گندم کی بیع ادھار جو کے بدلہ میں کیسی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: کہ سود تو صرف نسیئۃ میں ہے۔" گویا راوی نے سوال نہیں سنا صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سنا" یہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ سب سے زیادہ خطرناک سود، ربا نسیئۃ ہے جس کا وقوع بہت زیادہ ہے اور اس کی سزا بھی سخت ہے، جیسا کہ عرب کہتے ہیں۔ "لا عالم فی البلد الا فلان" یعنی شہر میں تو صرف فلاں شخص عالم ہے۔ حالانکہ شہر میں دوسرے علماء بھی موجود ہوتے ہیں۔ گویا حدیث میں کمال کی نفی کی گئی ہے۔ اصل ربا کی نفی نہیں۔

شافعیہ کے نزدیک ربا نسیئہ کی تین اقسام:

ا۔ ربا الفضل ...... اس کا حاصل یہ ہے کہ جنس واحد کا ایک عوض دوسرے سے زائد ہو اور ادھار نہ ہو، سود کی یہ قسم متحد الجنس ہم ثمن میں پائی جاتی ہے جیسے ایک من گندم کے بدلہ میں دو من گندم یا ایک گرام سونے کے بدلہ میں دو گرام سونا۔ خرید وفروخت کی یہ صورت بالاتفاق سود ہے چنانچہ شیخین کے ہاں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ سونے کو سونے کے بدلہ میں نہ فروخت کرو مگر برابر برابر، ایک عوض دوسرے سے زائد مت رکھو، چاندی کو چاندی کے بدلہ میں نہ فروخت کرو مگر برابر برابر، ایک عوض کو دوسرے سے زائد نہ رکھو۔

۲۔ ربا الید ...... اس کا حاصل یہ ہے کہ مختلف الجنس دو اشیاء کی بیع کی جائے بایں طور کہ ایک عوض پر قبضہ تاخیر سے ہو (یعنی ایک عوض ادھار ہو) جیسے گندم کے بدلہ میں جو فروخت کئے جائیں لیکن گندم پر ایک ماہ بعد قبضہ کرنا ہو، جبکہ حنفیہ کے نزدیک ربا کی یہ قسم ربا نسیئۃ میں

---

❶ اعلام الموقعین ۲: ۱۴۰۔

داخل ہے چونکہ حنفیہ کے نزدیک دین پر عین کا زائد ہونا ربا نسیئہ ہے۔اس کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو شیخین کے ہاں ہے کہ سونے کے بدلہ میں سونا سود ہے الا یہ کہ ہاتھوں ہاتھ لین دین ہو۔

۳۔ربا نسیئہ......اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک مدت تک ادھار پر خرید وفروخت ہو اور مدت پوری ہو جانے پر عوض زائد کر دینا اور مدت کے مقابلہ میں ثمن کی ادائیگی کا نہ ہونا، برابر ہے کہ ایک ہی جنس میں ہو یا دو مختلف جنسوں میں، خواہ برابر ہوں یا زیادت کے ساتھ، اس کے حرام ہونے کی دلیل حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے مسلم نے روایت کیا ہے۔کہ" جب یہ اجناس مختلف ہوں تو پھر جیسے چاہو فرخت کرو بشرط یہ کہ ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو۔" اسی طرح شیخین کے ہاں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ" ان اجناس میں سے موجود جنس کو ادھار کے بدلہ میں فروخت نہ کرو۔" مسلم کی روایت میں ہے۔کہ" برابر سرابر ہوں اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو۔"

شافعیہ کے نزدیک ربا الید اور ربا نسیئہ تبھی پایا جائے گا جب بدلین (مبیع اور ثمن) مختلف الجنس ہوں، ربا الید اور ربا نسیۂ میں فرق یہ ہے کہ ربا الید قبضہ کی تاخیر کی صورت میں متحقق ہوتا ہے جبکہ ربا نسیئہ عقد میں مدت (ادھار) کے ذکر کرنے سے متحقق ہوتا ہے، یعنی شافعیہ نے ربا نسیۂ کو ایسی بیع میں مقصور رکھا ہے جس میں ادھار ہو جبکہ ربا الید نقدی بیع میں ہوتا ہے لیکن قبضہ میں تاخیر ہوتی ہے۔

خلاصہ......ربا نسیۂ مقابل زیادت میں دین کی تاخیر ہے یا اموال ربویہ کی بجنسہ بیع میں کسی ایک بدل کے قبضہ میں تاخیر کا ہونا ربا نسیۂ ہے، ربا الفضل یہ ہے کہ اموال ربویہ کی بجنسہ خرید وفروخت ہو ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو لیکن کوئی ایک عوض زائد ہو۔ ❶ اگر کسی تاجر نے اپنے سامان کے بارے میں کہا: اگر تم نقدی خرید و تو پانچ سو میں اور اگر ایک مہینہ کے ادھار پر خرید و تو چھ سو میں۔ادھار پر یہ خرید وفروخت جائز ہے، چونکہ اس میں سود نہیں ہے، بدلین کی جنس الگ الگ ہے۔بعض علمائے زیدیہ اسے بھی حرام قرار دیتے ہیں چونکہ اس میں بھی صورۃً سود ہے۔

سود کے ذرائع اور شبہات......ابن کثیر رقم طراز ہیں کہ: مخابرہ یعنی مزارعت (زمین کو بٹائی پر دینا)، مزابنہ (ٹوٹی ہوئی کھجوروں کے بدلہ میں درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کو خریدنا) اور محاقلہ (خوشوں کے نکلے ہوئے غلے کے بدلہ میں خوشوں میں پڑے ہوئے دانوں کو خریدنا) کو اس لئے حرام قرار دیا گیا ہے تا کہ سود کا دروازہ بند رہے چونکہ خشک ہونے سے قبل دو چیزوں میں برابری ظاہر نہیں ہو سکتی، اسی لئے فقہاء کہتے ہیں کہ مماثلت (برابری) سے ناواقفیت حقیقت میں تفاضل ہے۔اسی لئے فقہاء نے ایسے اسباب ہی کو حرام قرار دیا ہے جو سود تک پہنچا دیتے ہیں......الخ ❷

تیسرا مقصد: علت ربا کے بارے میں فقہاء کے مذاہب......سات منصوص علیہا اصناف میں ربا الفضل کے حرام ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے، وہ یہ ہیں: سونا، چاندی، گندم، جو، کھجوریں، کشمش اور نمک، چنانچہ اتحاد جنس کے وقت تفاضل حرام ہے، ان کے علاوہ بقیہ اشیاء میں سود کے ہونے پر اختلاف ہے۔ظاہریہ نے تو سود کو انہی اصناف سبعہ پر مقصور رکھا ہے۔

ایک جماعت نے ہر مکیلی اور موزونی چیز جو بجنسہ خریدی یا بیچی جا رہی ہو میں تفاضل کو حرام قرار دیا ہے یہ امام احمد اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ایک جماعت نے سود کو نقدین (سونا چاندی) اور غلہ جات کے ساتھ مخصوص کیا ہے اگر چہ یہ چیزیں مکیلی اور موزونی نہ ہوں۔یہ امام شافعی کا مذہب ہے، ایک روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے، ان کے نزدیک طعام یعنی غلہ کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو خوراک، تفکہ یا تداوی (علاج) کے طور پر استعمال کی جاتی ہو۔

ایک جماعت نے سود کو غلہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے بشرط یہ کہ غلہ مکیلی یا موزونی ہو، یہ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد اور امام شافعی کا بھی یہ ایک قول ہے۔

---

❶......اصول البیوع الممنوعۃ ص ۹۵۔ ❷تفسیر ابن کثیر ۱/۳۲۷

یہ سود بھی سد ذرائع کی وجہ سے ممنوع قرار پایا ہے تا کہ ربا نسیئہ تک رسائی نہ ہونے پائے، مثلاً ایک شخص نے سونا فروخت کیا اور مدت مقرر کر دی پھر خریدار بدلہ میں چاندی دے اور کچھ زائد مقدار بھی ساتھ دے دے۔

سود کی پہلی قسم یعنی ربا نسیئہ نص قرآنی سے حرام ہے اسے ربائے جاہلیت بھی کہا جاتا ہے، سود کی دوسری قسم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نیز ربا الفضل اور ربا النسیئہ پر قیاس بھی کیا گیا ہے چونکہ اس میں بلاعوض زیادتی پائی جاتی ہے، سنت نے ربا کی تیسری صورت کا اضافہ بھی کیا ہے اور وہ ''بیع النساء'' ہے وہ بھی حرام ہے یعنی جب اموال ربویہ کی اصناف مختلف ہوں تو ادھار کی صورت میں سود کا اعتبار کیا گیا ہے چونکہ کسی ایک عوض میں نساء (ادھار) زیادتی کا مقتضی ہے۔

عقد ربا کا حکم.....خواہ ربا الفضل ہو یا ربا النسیۃ ہو جمہور کے نزدیک حرام اور باطل ہے۔ اس کے اثرات مرتب نہیں ہوں گے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک عقد فاسد ہے۔

دوسرا مقصد: ربا کی مختلف انواع.....جمہور کے نزدیک ربا البیع کی دو قسمیں ہیں:

۱.....ربا الفضل ۲.....ربا النسیہ۔[۱۲]

ربا الفضل.....حنفیہ نے ربا الفضل کی یہ تعریف کی ہے۔

جنس واحد کی صورت میں..... ''عقد بیع میں معیار شرعی سے عین مال کا زائد ہونا ربا الفضل کہلاتا ہے۔'' تعریف میں معیار شرعی سے مراد کیل اور وزن ہے۔ تعریف میں مشروط کی قید ذکر نہیں کی گئی جیسا کہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے، چونکہ بیع (خرید وفروخت) اور قرضہ میں زائد مال سود ہی ہے خواہ وہ مشروط ہو یا نہ ہو، عین مال کی قید سے مراد یہ ہے کہ ربا الفضل کے محقق ہونے میں مقدار اور کمیت کو دیکھا جائے گا نہ کہ قیمت کو، اور معیار شرعی کی قید سے مذروعی (میٹر اور فٹ وغیرہ سے ناپی جانے والی اشیاء) اور معدودی اشیاء سے احتراز ہو گیا، چنانچہ مذروعی اور معدودی اشیاء میں سود نہیں ہوتا جیسا کہ قیمتی اشیاء مثلاً جانور، قالینیں، گھریلو اثاثہ جات، زمین، درخت اور گھروں وغیرہ میں سود محقق نہیں ہوتا، ان میں زیادتی حرام نہیں ہوگی لہٰذا ایک ہی جنس میں قلیل کے مقابلہ میں کثیر لینا جائز ہے، چونکہ قیمتی اشیاء کا تعلق مقدار سے نہیں ہوتا اور مقدار سے مکیلی اور موزونی اشیاء ہوتی ہیں۔ بلکہ ربا تو مکیلی اور موزونی اشیاء میں ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر پانچ میٹر کپڑے کو دس میٹر کپڑے کے بدلہ میں فروخت کیا یا ایک انڈے کے بدلہ میں دو انڈے فروخت کئے یا ایک بکری کے ساتھ دو بکریاں فروخت کیا تو یہ جائز ہے البتہ مجلس عقد میں قبضہ شرط ہوگا، اگر کوئی ایک بدل ادھار رہا تو بیع جائز نہیں ہوگی چونکہ ''ربا النساء'' کی حرمت کے لئے صرف جنس کا یکجا ہونا کافی ہے۔

بالفاظ دیگر ربا الفضل کی یوں بھی تعریف کی جا سکتی ہے کہ یہ اموال ربویہ کی بمثلہ خرید وفروخت ہے بایں طور کہ کسی ایک مثل میں زیادتی ہو۔

خلاصہ.....اموال ربویہ کی بجنسہ اگر خرید وفروخت کی جائے تو برابری واجب ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک برابری کا اعتبار متعارف پیمانوں سے کیں جائے گا چنانچہ عرف میں جو چیز موزونی ہو تو جب اسی جنس کا اسی جنس کے ساتھ تبادلہ کیا جا رہا ہو تو وزن کے اعتبار سے برابر واجب ہے اور جو چیز عرف میں مکیلی ہو تو کیل پیمانے کے اعتبار سے برابر واجب ہے۔

نقدین یعنی سونا چاندی یا جو ان کے قائم مقام ہو جیسے کاغذی کرنسی ان میں سود حرام ہے خواہ سونا چاندی ڈھلا ہوا ہو یا ڈھلا ہوا نہ ہو اسی لئے دراہم کے بارے میں فقہاء کہتے ہیں کہ چاندی کی ڈلی اور دراہم برابر ہیں۔

---

[۱۲] البدائع ۵/ ۱۸۳، بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۲۹، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۴۷، المغنی ۴/ ۱، اعلام الموقعین ۲/ ۱۳۵۔

ایک جماعت نے سود کو قوت یعنی خوراک کے ساتھ خاص کیا ہے اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ابن قیم نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ میں اہم مذاہب کو یہاں بیان کروں گا۔

۱۔ **حنفیہ کا مذہب**...... حنفیہ کہتے ہیں ربوالفضل کی علت یا ضابطہ جس کے ذریعہ اموال ربویہ کی پہچان ہو سکے وہ دو چیزیں ہیں (۱) کیل یا وزن (۲) اور اتحاد جنس، جب یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں تو تفاضل اور نساء دونوں حرام ہوں گے۔ ❶ چنانچہ حدیث میں بیان کردہ چار اشیاء یعنی گیہوں، جو، کھجوریں اور نمک میں کیل (پیمانہ) ہے اور سونا چاندی میں علت وزن ہے۔ الغرض ربا الفضل تب متحقق ہوگا جب دونوں چیزیں اکٹھی ہوں اور وہ قدر اور جنس ہیں۔ قدر سے کیل اور وزن کو تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ ربا الفضل اس وقت ہوگا جب کسی چیز کو بجنسہ اور بقدرہ فروخت کیا جائے اور کسی ایک طرف مال زائد بھی ہو جیسے سونے کے بدلہ میں سونا بمعہ کچھ زیادتی۔ چنانچہ زائد مال سود ہوگا چونکہ ایک طرف بھی سونا ہے اور دوسری طرف بھی سونا ہے اور دونوں بدلین موزونی ہیں، قدر سے یہی چیز مراد ہے، بنا بر ایں اموال مثلیہ یعنی مکیلی اور موزونی اشیاء میں سود ہوتا ہے، رہی بات اموال قیمیہ کی جیسے جانور، گھر، قالینیں، دریاں، جواہر اور موتی وغیرہ سوان میں سود نہیں ہوتا چنانچہ ایک بکری دو بکریوں کے بدلہ میں فروخت کرنا جائز ہے۔ چونکہ قیمتی اشیاء مقدرات میں سے نہیں ہوتیں۔

اس میں اصل الاصول حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی صحیح روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کے بدلہ میں سونا برابر سرابر ہو اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو، زائد سود ہے، چاندی کے بدلہ میں چاندی برابر سرابر ہو اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو زائد چاندی سود ہے، گندم کے بدلہ میں گندم برابر سرابر ہو اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو زائد سود ہے۔ جو کے بدلہ جو برابر سرابر ہوں اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو زائد سود ہوگا کھجوروں کے بدلہ میں کھجوریں برابر سرابر ہوں اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو زائد سود ہے، نمک کے بدلہ میں نمک برابر سرابر ہو اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو اور زائد نمک سود ہوگا۔

بنا بر ایں ربا الفضل مقدارات مثلیہ یعنی مکیلی اور موزونی اشیاء کے ساتھ خاص ہوگا، مذروعی اور معدودی اشیاء میں سود نہیں ہوگا اور قیمتی اشیاء جیسے جانور، زمین، گھر اور درخت وغیرہ سوان میں سود نہیں ہوگا، چونکہ قیمی اشیاء مقدرات میں سے نہیں ہیں یعنی ان کی ناپ تول کا مقیاس اور معیار معین نہیں۔

لہٰذا کثیر کے بدلہ میں قلیل کو فروخت کیا جا سکتا ہے چنانچہ ایک گائے کے ساتھ دو گائیں فروخت کی جا سکتی ہیں، چونکہ ربا الفضل تو یہ ہے کہ دو متجانس چیزوں میں سے ایک زائد ہو اور زیادتی مقدار اور کمیت میں ہو، جبکہ قیمی اشیاء مقدرات میں سے نہیں ہیں۔ ❷

حرمت سود کی حکمت...... یہ ہے کہ لوگوں کو غبن اور دھوکہ سے دور رکھا جا سکے اور لوگوں کا نقصان نہ ہو اس کی تحریم کی اصل سد ذرائع ہے چونکہ جب لوگ ایک درہم دو دراہم کے بدلہ میں فروخت کریں گے اور ایسا اتحاد جنس کی صورت میں کیا جاتا ہے تاکہ دو انواع میں تفاوت ہو یعنی جودت (عمدگی) میں یا ڈھلائی اور کرنسی میں یا ثقل اور خفت میں تفاوت کے لئے ایسا کیا جاتا ہے، یوں پیشگی منافع کے ساتھ موخر منافع مندرج ہو جاتا ہے ور وہ ربا نسیئہ ہے، اگر دو مختلف جنسیں ہوں مثلاً گندم آج دے دی اور ایک مہینہ کے بعد جو لینی ہو یہ بھی سود ہے، سد ذرائع کے قبیل میں سے ہے تاکہ اختلاف جنس کی صورت میں ربا نسیئہ کا جواز نہ نکال لیا جائے۔ مثلاً کوئی شخص سونا قرض میں لے گا جو ایک مدت تک کے لئے ہو پھر سود میں چاندی دے دے، اس لئے شریعت نے واضح مقیاس مقرر کیا ہے۔

---

❶......البدائع ۱۸۳/۵، فتح القدیر ۲۷۴/۵، مختصر الطحاوی ص ۷۵، المبسوط ۱۱۰/۱۲، الدر المختار ۱۸۶/۴۔

❷المدخل ص ۱۳۹، الدر المختار ۱۸۵/۴۔فتح القدیر ۱۷۲/۵، الدر المختار ۱۸۹/۴، الفروق للقرافی ۲۶۴/۳، القوانین الفقھیة ص ۲۵۴، مغنی المحتاج ۲۴/۲، المغنی ۱۷/۴ الأم ۷۰/۳۔ ذکرھا الحنفیة حدیثا وھو غریب نصب الرایة (۳۶/۴)

بسا اوقات سبب تحریم سدِ ذرائع نہیں بھی ہوتا ہے جیسے قلیل عمدہ چیز کے بدلے کثیر ردی چیز کو لینا اس صورت میں زائد عقد اور جودت (عمدگی) کے مقابلہ میں ہوگی، باوجود یہ کہ یہ حرام ہے چونکہ اس میں بہت بڑا دھوکا ہے۔ ❶

ربا الفضل کا معاملات میں بہت قلیل وقوع ہوتا ہے مثلاً ایک شخص گندم کا ایک مزدود و کے بدلہ میں خریدے، یعنی خریدار اور فروخت کنندہ دونوں ہاتھوں ہاتھ گندم دے دیں۔

سود صرف ایسی چیزوں پر مقصور نہیں جن میں نفع اندوزی ہو، زمانۂ جاہلیت میں سود سرمایہ کاری میں بھی لیا جاتا تھا چنانچہ مقروض قرض دہندہ کو اصل سرمایہ کے ساتھ سودی فائدہ بھی دیتا تھا جس پر دونوں کا اتفاق ہوتا تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریم ربا میں محتاج فقیر اور سرمایہ کار دونوں کو برابر رکھا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اصل سرمایہ سے زائد مال دیا یا زائد مال لیا اس نے سود لیا، لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے پر برابر لعنت کی ہے۔ ❷

ربا الفضل کی مقدار...... غلہ جات کی وہ مقدار جس میں سود متحقق ہوتا ہے وہ نصف صاع اور اس سے اوپر ہے چونکہ شریعت میں نصف صاع سے کم مقدار کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ اگر غلہ نصف صاع سے کم ہو تو اس میں زیادتی جائز ہے، چنانچہ گندم کی ایک لپ کے بدلہ میں دو لپیں خریدنا جائز ہے، ایک سیب کے بدلہ میں دو سیب خریدنا جائز ہے، چونکہ نصف صاع سے کم مقدار ایسی نہیں جو مساوات کے لئے معیار قرار دی جاسکے اس لئے ربا الفضل نصف صاع سے کم مقدار میں متحقق نہیں ہوگا۔

موزونی اشیاء (سونا، چاندی) کی وہ مقدار جس میں سود متحقق ہوتا ہے وہ جو کا دانہ ہے، یعنی سونا چاندی اگر جو کے دانہ کے برابر ہوں تو اس میں سود ہوگا اس سے کم میں سود نہیں۔

لیکن اس کم مقدار والی بیع میں شرط ہے کہ بدلین کی تعیین ہوا گر دونوں بدلین یا بدل واحد غیر معین ہو تو بالاتفاق بیع جائز نہیں ہوگی۔

نوع علت...... جب بھی یہ علت یعنی قدر مع الجنس متحقق ہوگی معاملہ سود پر مشتمل ہوگا برابر ہے معاملہ غلے کا ہو یا کسی اور چیز کا، ربا الفضل کی حدیث میں گندم اور جو بیان ہوئے ہیں ان پر ہر ایسی چیز کو قیاس کر لیا گیا ہے جو کیل (پیمانہ) سے فروخت کی جاتی ہوں جیسے مکئی، چاول، تل، وغیرہ، سونے اور چاندی پر ہر ایسی چیز قیاس کر لی گئی ہے جو وزن کے ساتھ فروخت کی جاتی ہو جیسے سیسہ، پیتل، لوہا، اسٹیل وغیرہ۔ رہی بات ان اشیاء کی جو کیل اور وزن سے فروخت نہیں کی جاتیں جیسے معدودی اور مذروعی اشیاء سو ان میں ربا الفضل نہیں ہوگا چنانچہ ایک انڈا دو انڈوں کے بدلہ میں فروخت کرنا صحیح ہے ایک میٹر کپڑا دو میٹر کپڑے کے بدلہ میں فروخت کرنا جائز ہے۔ لیکن قبضہ شرط ہوگا۔

اموال ربویہ کا پیمانہ اور معیار...... ملحوظ رہے کہ شارع نے جس چیز کو مکیلی قرار دیا ہے مثلاً گندم، جو، کھجور اور نمک وہ مکیلی ہی رہے گی اور جس چیز کو موزونی قرار دیا ہے وہ موزونی ہی رہے گی، اس میں تغیر کبھی نہیں ہوگا اگر چہ مکیلی چیز میں کیل سے ناپ تول کرنے کا رواج اور تعامل ختم ہو جائے۔ یہ جمہور حنفیہ شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کیل کرنے کا آلہ اہل مدینہ کا معتبر ہے اور وزن اہل مکہ کا معتبر ہے۔ چنانچہ گندم کی بیع گندم کے ساتھ مساوی وزن کے ساتھ صحیح نہیں ہوگی، سونے کی بیع سونے کے بدلہ میں یا چاندی کی بیع چاندی کے بدلہ میں مساوی کیل کے ساتھ صحیح نہیں ہوگی بلکہ گندم میں کیل کا ہونا ضروری ہے اور سونا چاندی میں وزن کا ہونا ضروری ہے چونکہ نص شرعی عرف عام سے زیادہ قوی ہے، اور اقوی کو ادنیٰ کے بدلہ میں نہیں چھوڑا جاسکتا۔ میں نے اشارہ کر دیا ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ اموال ربویہ خواہ منصوص علیہ ہو یا نہ ہوں میں مقیاس عرفی معتبر ہے اور مقیاس

---

❶......الموافقات ۲/۴۲، القیاس لابن قیم ص ۱۱۴، اعلام الموقعین المرجع السابق الفقہ عمل المذاهب الأربعہ ۲/۲۴۷. ❷حکم ودائع النبوک اللدکتور علی السالوس ص ۶۴

(آلۂ ناپ تول) عرف سے بدل جاتا ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے زیادہ قوی ہے۔ چنانچہ اموال ربویہ میں تساوی کے لازم ہونے پر جو نص وارد ہوئی ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مقیاس متعارف کی رعایت رکھی گئی ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مالکیہ کہتے ہیں: جب لوگوں کی عادات کیل اور وزن میں مختلف ہو جائیں تو اس شہر کی عادت کا اعتبار کیا جائے گا جس میں عقد طے پایا ہو، یہ تفصیل تو ان اشیاء کے متعلق ہے جن پر نص وارد ہوئی ہے، رہی بات غیر منصوص علیھا اشیاء کی (یعنی حدیث میں بیان کردہ چھ چیزوں کے علاوہ کی) سو بازاروں میں رواج اور تعامل کے مطابق لوگوں کی عادات اور عرف پر انہیں محمول کیا جائے گا۔ ⓫

عمدہ اور ردی مال..... ملحوظ رہے کہ سودی مال عمدہ اور ردی برابر ہوتے ہیں چنانچہ اگر عمدہ کے بدلہ میں ردی مال کی خرید وفروخت ہو تو برابر سرابر ہونا ضروری ہے، چونکہ اموال ربویہ میں جودت (علیحدگی) کا اعتبار ساقط ہے نیز قاعدہ شرعیہ بھی ہے کہ "اموال ربویہ خواہ عمدہ ہوں یا ردی (گھٹیا) وہ برابر ہیں۔ ⓬ اس کی دلیل حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے شیخین نے روایت کیا ہے کہ "اموال ربویہ میں سے ایک دوسرے میں زیادتی نہ ہو۔" اس کی حکمت یہ ہے کہ گھٹیا مال کے بدلہ میں عمدہ مال کے تبادلہ سے شریعت کا بنایا ہوا قانون نہ ٹوٹنے پائے اور وہ قانون تفاضل کی ممانعت کا ہے۔ چونکہ عادۃً لوگ تفاوت کی وجہ سے ایک ہی جنس کے اموال تبدیل کرتے ہیں۔ اگر ایک ہی جنس کی ایک چیز کا دوسری چیز جو اسی جنس کی ہو سے تبادلہ کی کھلی اجازت دی گئی ہوتی تو ربا الفضل حرام نہ ہوتا، شبہ الربا کی وجہ سے عمدہ کو ردی سے بدلنا ممنوع قرار دیا گیا ہے تاکہ ذرائع کا دروازہ ہی بند رہے۔ ⓭ اسی لئے مالکیہ نے بیع مراطلہ کو حرام قرار دیا ہے، بیع مراطلہ: بصنفہ وزن کر کے نقد (سونا چاندی) کی بیع کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ اس موقع پر بدلین میں عمدگی اور گھٹیا ہونے میں اختلاف ہوتا ہے۔

سونا چاندی سے زیورات اور دوسری اشیاء بنانے میں کوئی حرج نہیں جب ان اشیاء یا زیورات کو سونا چاندی ہی سے خریدا جا رہا ہو تو وزن میں برابری کا ہونا واجب ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے سونے کی ڈلی کے بدلہ میں سونے کے زیورات فروخت کئے تو وزن میں برابری ہونا واجب ہے اگر کسی ایک عوض میں زیادتی ہوئی تو وہ حرام ہوگی چونکہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ سونے کو سونے کے بدلہ میں فروخت نہ کرو، الا یہ کہ برابر سرابر ہوں اور چاندی کو چاندی کے بدلہ میں فروخت نہ کرو، الا یہ کہ برابر سرابر ہوں۔ سونا اور چاندی خواہ ڈھلے ہوئے ہوں یا نہ ہوں دونوں برابر ہیں۔

ربا نسیئہ کی علت..... ربا نسیئہ کو ربا الجاہلیت بھی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ربا الفضل کے تحقق کے لئے دو چیزوں کا مجتمع ہونا ضروری ہے (۱) قدر (۲) اور جنس، تاہم ربا نسیئہ کسی ایک چیز کے پائے جانے سے بھی متحقق ہو جاتا ہے یعنی کیل اور وزن (قدر) پایا جائے یا جنس متحد ہو ⓮ اس کی مثال یہ ہے مثلاً ایک شخص موسم سرما میں ایک صاع گندم خریدے اور بدلہ میں ڈیڑھ صاع گندم موسم گرما میں دے، چنانچہ نصف صاع گندم کے مقابل میں کوئی مبیع نہیں، نصف مدت ادھار کے مقابل ہے، اسی تاخیر اور ادھار کی وجہ سے اسے ربا النسیئۃ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ تاخیر اور ادھار کے مقابلہ میں کسی ایک عوض میں زیادتی سود ہے خواہ مقدار متحد ہو یا مختلف، اہل جاہلیت میں سے جب کوئی شخص اپنے بھائی سے لین دین کرتا اور قرضہ کی ادائیگی کے لئے مدت مقرر کر دیتا، پھر جب مدت پوری ہو جاتی تو دائن مدیون سے کہتا یا تو میرا قرض چکا دو یا مجھے سود دو، مدیون یا تو قرضہ چکا دیتا یا مدت بڑھا دیتا اور اصل سرمایہ کے ساتھ کچھ زائد مال دینے کا معاہدہ کر لیتا، اس سود میں مدیون کو ستانا ہوتا اور اسے نقصان پہنچانا ہوتا چونکہ بسا اوقات قرضہ مقروض کے کل مال کو محیط ہو جاتا تھا۔ بنابریں جب صرف قدر پائی جائے جیسے جو کے بدلہ میں گندم خریدی یا صرف جنس پائی جائے جیسے ایک سیب دو سیبوں کے بدلہ میں فروخت کیا تو اس صورت میں نساء (ادھار) حرام ہوگا اگرچہ بدلین مقدار

⓫..... الموافقات ۴/۴۲، القیاس لابن قیم ص ۱۱۴ اعلام الموقعین المرجع السابق، الفقه علی المذاهب الاربعة ۲/۲۴۷.
⓬ حکم وودائع البنوک للدکتور علی السالوس ص ۶۴. ⓭ اعلام الموقعین ۲/۱۴۳، مصادر الحق للسنهوری ۳/۲۰۶. ⓮ البدائع ۵/۱۸۳، فتح القدیر ۵/۲۷۹، مختصرا لطحاوی ص ۷۵.

میں برابر سرابر ہوں، یہاں تک کہ نمک کے بدلہ میں نمک ادھار پر فروخت کرنا بھی جائز نہیں۔ چونکہ جنس واحد ہے۔ گویا ربا الفضل تب متحقق ہوگا جب دونوں چیزیں یعنی قدر اور جنس پائی جائیں اگر ایک ہی چیز پائی گئی تو ربا نسیئہ متحقق ہوگا۔

بسا اوقات ربا النسیئہ کے لیے جنس کا متحد ہونا کافی ہے اور اس صوت میں قدر کا اعتبار نہیں ہوگا چنانچہ دو لپوں کے بدلہ میں ایک لپ گندم فروخت کرنا صحیح نہیں، نہ دو سیبوں کے بدلہ میں ایک سیب اور نہ ہی دو خربوزوں کے بدلہ میں ایک خربوزہ۔ چونکہ جنس متحد ہے، بخلاف ربا الفضل کے، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

جب جنس منتفی ہو جیسے جو کی دو لپوں کے بدلہ میں گندم کی ایک لپ تو راجح مذہب کے مطابق لو حلال ہے خواہ نقدی نقدی ہو یا ادھار ہو۔ چونکہ علت نہیں پائی گئی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ذکر کی گئی ہے کہ یہ سب حرام ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ہر وہ چیز جو کثیر میں حرام ہے وہ قلیل میں بھی حرام ہے۔

حرمت کی حکمت......ربا نسیئہ کی حرمت کی حکمت یہ ہے کہ اس میں بے چین لوگوں کو پریشان کرنا ہوتا ہے اور مجبوروں کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون و مدد کی فضیلت سے دست کش ہونا ہے، اگر نقود سود کے تعامل سے لین دین کا محور بن جائیں تو اموال کی تقویم کا معیار ہی مختل ہو جائے گا، جب ربا نسیئہ کو غلہ جات میں جائز قرار دے دیا جائے تو لوگ منافع جات کی دوڑ دھوپ میں لگ جائیں گے اور غلہ کا وجود گرانی کا شکار بن جائے گا اور یوں لوگوں کی خوراک میں زبردست ضرر واقع ہو جائے گا۔ ❶

بینکوں کا سود......اس موضوع کی وضاحت بحث کے آخر میں آیا چاہتی ہے۔ یہاں سود کی بحث میں بھی اس پر گفتگو کرنا ضروری ہے، چنانچہ آج کل بینکوں میں ربا النسیئہ کا عام رواج ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بینک مال قرضہ پر دیتا ہے جو ایک مدت تک کے لئے ہوتا ہے، بینک مقروض سے سات فیصد یا پانچ فیصد یا ڈھائی فیصد کے حساب سے سالانہ یا مہینہ وار فائدہ لیتا ہے یہ تو باطل طریقہ سے لوگوں کا مال کھانا ہے اور اس میں سود کی مضرت بالکل واضح ہے اس منافع کی حرمت بعینہ سود کی حرمت ہے۔ اور اس کا گناہ سود کا گناہ ہے، ❷ یعنی یہ ربا نسیئہ ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ......البقرۃ ۲/۲۷۹

اگر تم توبہ کرلو تمہارے لئے اصل سرمایہ ہے۔

لوگوں کے عرف میں سود تو بس وہی ہے جو مال کی تاخیر پر نفع لیا جائے یہ ربا نسیئہ ہے جو اہل جاہلیت میں رائج تھا، رہی بات ربا الفضل کی سو وہ تو نادر الوقوع ہے، چنانچہ حدیث سابق یعنی ''سود تو بس نسیئہ ہی ہے۔'' سے یہی مراد ہے، اور حدیث میں ربا نسیئہ کے زیادہ خطرناک ہونے پر تنبیہ کی گئی ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

یہ بھی معلوم ہے کہ بینک کے ساتھ تجارت اور سرمایہ کاری کرنا ممنوع ہے، چنانچہ بینک کا دارومدار اس پر ہے کہ بینک مودعین (ودیعت/امانت رکھنے والوں) سے مال بطور قرض لیتا ہے اور پھر دوسرے لوگوں کو یہی مال قرض دیتا ہے اور مودعین کو ودیعتوں سے حاصل ہونے والا فائدہ دیتا ہے اور مقروض لوگوں سے فائدہ (منافع) لیتا ہے، دونوں منافعوں میں اساسی فرق بینک کی آمدنی ہے۔ چنانچہ بینک دیون (قرضہ جات) میں تجارت کرتا ہے اور لوگوں کو قرض دیتا ہے۔ ❸

---

❶......القیاس لابن قیم ص ۱۱۴، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۲۴۶، اعلام الموقعین ۲/۱۳۷، الدرالمختار ۴/۱۸۹، فتح القدیر ۵/۲۷۸۔ ❷الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۲۴۷، اصول البیوع الممنوعۃ ص۱۱۸۔ ❸ حکم ودائع البنوک وشہادات الاستشہاد فی الفقہ الاسلامی للدکتور علی السالوس ص ۴۰۔

جنس متحد اور مختلف...... میں نے پہلے وضاحت کردی ہے کہ بجنسہ جنس کی بیع جو تفاضل کے ساتھ ہو (جیسے ایک من گندم ڈیڑھ من گندم کے بدلہ میں فروخت کرنا) حرام ہے، حنفیہ کے نزدیک اگر جنس مختلف ہو تو تفاضل جائز ہے البتہ پرندوں کے گوشت میں تفاضل جائز ہے جیسے حلال چڑیوں کے گوشت کی خرید وفروخت، چونکہ پرندوں کا گوشت مال ربویہ نہیں ہے چونکہ نہ ہی اسے وزن کر کے فروخت کیا جاتا ہے اور نہ ہی کیل کر کے۔ البتہ مرغی اور مرغابی کا گوشت اس سے مستثنیٰ ہے چونکہ عادۃً مرغی کے گوشت کا وزن کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں تفاضل حرام ہوگا۔

ضابطہ..... حنفیہ کی نزدیک اختلاف جنس کا ضابطہ یہ ہے کہ اصل کے اختلاف کا اعتبار کیا جائے گا جیسے کھجور کا سرکہ انگور کے سرکہ کے ساتھ۔ گائے کا گوشت بھیڑ کے گوشت کے ساتھ، یا مقصود مختلف ہو جیسے بھیڑ کی اون اور بکری کے بال چنانچہ دونوں جنسوں کے بالوں سے مقصد الگ الگ ہوتا ہے۔ یا صنعت تبدیل ہو جیسے روٹی گندم کے ساتھ چنانچہ روٹی عددی چیز ہے اور گندم مکیلی چیز ہے۔ بنا بریں اونٹ، گائے اور بکری کے گوشت اور دودھ کا اعتبار کیا جائے گا ان سب کی جنس مختلف ہوگی، اور ان میں تفاضل جائز ہے گندم، جو، مکئی وغیرہ مختلف اجناس ہیں، روٹی، گندم یا آٹے کے ساتھ دو مختلف جنسیں ہیں، چربی گوشت کے ساتھ دو جنسیں ہیں۔ مطبوخ تیل اور غیر مطبوخ تیل دو جنسیں ہیں، چونکہ دونوں جنسوں کا مقصد جدا جدا ہے۔ ❶

حنفیہ کے دلائل...... حنفیہ نے سود کی علت قدر اور جنس قرار دی ہے چنانچہ بیع کے صحیح ہونے کے لئے عوضین کا مساوی ہونا شرط ہے اور تفاضل حرام ہوا، یہ غیر منصوص علیہا اشیاء میں ہوگا جیسے گچ اور لوہا وغیرہ، دو چیزوں کے درمیان تساوی (برابری) اور مماثلت صورۃً و معنیً ہوگی۔ چنانچہ قدر (کیلی اور وزنی) کے متفق ہونے سے صورۃً مماثلت متحقق ہوتی ہے اور جنس سے معنیً مماثلت متحقق ہوتی ہے، چونکہ اموال میں مجانست مالیت کی یکسانیت سے عبارت ہے چنانچہ قفیز قفیز کا مماثل ہے اور دینار دینار کا، لہٰذا زائد قفیز ایسا مال ہوگا جو عوض مقابل سے خالی ہوگا، عقد معاوضہ میں اس سے احتراز ممکن ہے، لہٰذا زائد سود ہے، یہ معنی غلہ جات اور نقود کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر ایسی مکیلی چیز میں پایا جاتا ہے جو بجنسہ فروخت کی جا رہی ہو اور ہر ایسی موزونی چیز میں پایا جاتا ہے جو بمثلہ مبادل ہو۔ ❷

بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ حدیث سابق میں مثلاً گندم سے مراد مال متقوم ہے چونکہ خرید وفروخت مال متقوم کے بغیر صحیح نہیں ہوتی اور مال متقوم کی مالیت صرف کیل سے معلوم کی جاتی ہے گویا کیل کا ثبوت مقتضائے نص سے ہوا، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا۔ ''موزون سونا سونے کے بدلہ میں اور مکیلی گندم گندم کے بدلہ میں...... الخ'' سود سے چھٹکارا پانے کا راستہ عوضین میں مماثلت کا ہونا ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ کیل اور وزن میں مماثلت ہو، ایک لپ اور ایک سیب مماثلت کو قبول نہیں کرتے، لہٰذا یہ سودی اموال میں سے نہیں ہوں گے۔

ملحوظ رہے کہ گندم کی تمام انواع واوصاف خواہ جس شہر کی ہو جنس واحد ہے، جو کا بھی یہی حال ہے ان دونوں کا آٹا، کھجوریں، نمک، کشمش، انگور، سونا اور چاندی کا بھی یہی حال ہے، چنانچہ مکیلی اور موزونی چیز کی بجنسہ خرید وفروخت تفاضل کے ساتھ جائز نہیں ہوگی اگرچہ نوع اور صفت میں برابری ہو۔ ❸

۲۔ مالکیہ کا مذہب...... مالکیہ کہتے ہیں سونے اور چاندی میں ربا کے حرام ہونے کی علت ثمنیت ہے اور غلہ جات میں ربا نسیئہ اور ربا الفضل کی صورت میں علت بھی مختلف ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ربا نسیئہ میں غلہ جات میں علت ربا مطعومیت ہے بایں طور کہ تداوی اور علاج نہ ہو، برابر ہے قوت (خوراک) اور ذخیرہ پایا جائے یا نہ پایا جائے، جیسے انوع واقسام کی سبزیات اور تازہ پھل مثلاً ککڑی، لیموں، خربوز، گاجر،

❶ ...... فتح القدير ٥/٢٩٧ الدرالمختار ٤/١٩٣ ۔ ❷ المبسوط ١١٦/٢، البدائع ٥/١٨٤ فتح القدير ٥/٢٧٧ ۔ ❸ البدائع ١٨٧/٥ المبسوط ١٢٢/١٢ ۔

مولی، سیب، کیلا، غیرہ۔ جبکہ غلہ جات میں ربا الفضل کی علت دو چیزیں ہیں (۱) قوت (۲) اور ذخیرہ یعنی غلہ خوراک کے طور پر کھایا جاتا ہو اور اگر انسان اسی کو کھاتا رہے تو زندہ رہ سکے، جیسے جملہ غلہ جات گندم، مکئی، چاول وغیرہ، قوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس غلہ میں خوراک بننے کی صلاحیت ہو جیسے مصالحہ جات سرکہ، تھوم، تیل، پیاز وغیرہ۔

ذخیرہ ہونے کے قابل ہونے کا معنی یہ ہے کہ غلہ ایک مدت تک پڑے رہنے سے خراب نہ ہو، ظاہر مذہب میں مدت کی کوئی حد نہیں ہر جگہ اور زمانہ کی عادت کے موافق مدت کا اعتبار کیا جائے گا۔ گویا اس کا دارومدار عرف پر ہے۔

دلیل..... ثمنیت، مطعومیت اور قوت وادخار کو علت قرار دینے پر مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب حرمت کا حکم معقولی ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو دھوکا نہ دیں اور لوگوں کے اموال محفوظ رہیں، تو واجب ہے کہ یہ اصول معایش میں پایا جائے، اصول معایش سے مراد اقوات (خوراکیں) ہیں جیسے گندم جو، چاول، مکئی، کھجور، کشمش، انڈے، تیل، سبزیات، دالیں جیسے ماش، لوبیا چنا، مسور، مونگ وغیرہ، لہٰذا اصول معایش میں یہ چیز پائی جاتی ہے۔ ❶

اتفاقِ جنس اور اختلاف جنس..... ملحوظ رہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ گندم، جو، سلت (چھلکے سے صاف جو) کو صنف واحد قرار دیتے ہیں۔ مکئی اور چاول کو صنف واحد قرار دیتے ہیں، سبزیات، ماش، مسور، چنا کو صنف واحد میں رکھتے ہیں، بنابرایں گندم اور جو میں تفاضل جائز نہیں ہوگا جبکہ گندم اور مکئی میں تفاضل جائز ہوگا (یعنی ایک من گندم کے بدلہ میں ڈیڑھ من مکئی لی جاسکتی ہے) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گوشت کی تین اصناف ہیں، چار پایوں کا گوشت ایک صنف ہے، پرندوں کا گوشت ایک صنف ہے اور مچھلیوں کا گوشت ایک صنف ہے۔ ❷

۳۔ شافعیہ کا مذہب..... شافعیہ کہتے ہیں: سونے اور چاندی میں علت ربا نقدیت یا ثمنیت ہے یعنی سونا اور چاندی اشیاء کا ثمن بن رہے ہوں خواہ ڈھلے ہوئے سکے ہوں یا ڈھلے ہوئے نہ ہوں سونے اور چاندی میں بنانے کی قیمت کا اعتبار نہیں، اگر کسی شخص نے سونے کے بدلہ میں زیورات خریدے تو اعتبار کمیت میں برابر کا ہوگا قیمت کی طرف نہیں دیکھا جائے گا، سونے اور چاندی میں علت ربا سے مقصود اثمان کی جنسیت ہے جو غالب غالب احوال میں سمجھی جاتی ہو، یہ ثمنیت کا پہلو دوسرے سکوں سے منتفی ہوگا چنانچہ پیتل، سلور وغیرہ کے سکوں میں ثمنیت کی علت نہیں ہوگی البتہ ان کا شمار سامان تجارت میں سے ہوگا۔ اس لئے نہیں کہ یہ اشیاء کی قیمتیں ہیں چونکہ برتن، سونے کی ڈلی، اور زیورات میں بھی سود ہوتا ہے۔ آج کل ساری معاملات کاغذی کرنسی سے طے پاتے ہیں اور اشیاء کا غالب ثمن یہی بنتے ہیں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ان میں بھی سود ہوگا اور یہی رائے مذہب حنفیہ کے موافق ہے۔ باقی اصناف اربعہ میں علت طعمیت ہے، یعنی وہ اناج کھایا جاتا ہو وہ مطعوم ہو، مطعوم تین امور کو شامل ہوتا ہے۔

اول..... کہ اناج سے مقصد خوراک ہو جیسے گندم، جو، ان کے ساتھ وہ اشیاء بھی شامل ہیں جو ان کے معنی میں ہوں جیسے چاول، مکئی، اور وہ اناج جس کی زکوٰۃ واجب ہو۔

دوم..... یہ کہ مطعوم سے تفکہ کا قصد کیا جائے یعنی وہ مطعوم پھل کے طور پر کھایا جاتا ہو جیسے کھجور اور وہ چیزیں بھی اس کے ساتھ ملحق ہوں گی جو کھجور کے معنی میں ہوں جیسے کشمش اور انجیر وغیرہ۔

---

❶..... المنتقی علی المؤطا ۱۵۸/۴، بدایة المجتهد ۱۳۱/۲، حاشیة الدسوقی ۴۷/۳، الحطاب ۳۴۶/۴، الفقه علی المذاهب الاربعة ۲۵۱/۲۔ ❷القوانین الفقهیة ص ۲۵۳۔

سوم.......اس سے قصد اصلاح طعام اور بدن ہو یعنی مطعوم کا استعمال علاج کے لئے ہو چنانچہ حدیث میں نمک کو بیان کیا گیا ہے، اس کے ساتھ وہ چیزیں ملحق کی جائیں گی جو اس کے معنی میں ہوں گی جیسے قدیم ادویات مثلاً سنا، سقمونیا، زنجبیل وغیرہ۔

بنابرایں ان چیزوں میں کوئی فرق نہیں جو غذا ہونے کی صلاحیت رکھتی ہوں یا بدن کے لئے صالح ہوں چنانچہ غذائیں حفاظت صحت کے لئے ہوتی ہیں اور ادویات بحالی صحت کے لئے ہوتی ہیں اور مطعوم کا مقصد ہی یہی ہے کہ ہر وہ چیز جس سے خوراک، تفکہ یا علاج کا مقصد لیا جائے گویا شافعیہ کے نزدیک علت ربا طعم اور ثمنیت ہے، چنانچہ جو چیز مطعوم نہیں جیسے لوہا اور کپڑے وغیرہ ان چیزوں کی جب بجنسہ خرید و فروخت کی جائے تو تفاضل کے ساتھ جائز ہے جیسے سامان تجارت میں تفاضل جائز ہے، چونکہ مذکورہ اشیاء ثمن نہیں ہیں اور وہ اشیاء جو غالباً انسانوں کی خوراک نہ ہو اس میں سود حرام نہیں ہے۔

شافعیہ کی دلیل...... یہ ہے کہ کہ جب کوئی حکم اسم مشتق کے ساتھ معلق کیا جاتا ہے تو مشتق منہ (مادہ) اس حکم کی علت بنتا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا المائدۃ۵/۳۸

چوری کرنے والی مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔

اس آیت سے یہ سمجھ آتا ہے کہ قطع ید کی علت سرقہ (چوری) ہے۔ جب یہ اصول مقرر ہے تو معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ طعام کے بدلہ میں طعام برابر سرابر ہو۔ [1]

حدیث سے معلوم ہوا کہ طعم علت ہے یہ علت سبھی مطعومات کو شامل ہوگی یہ وصف زیادہ مناسب ہے چونکہ اشیاء اربعہ جو حدیث میں بیان کی گئی ہیں ان میں پایا جاتا ہے اور یہ وصف زیادہ خطرے کی خبر دیتا ہے چونکہ زندگی کا دارومدار طعام پر ہے۔

اسی طرح ثمنیت مناسب وصف ہے اور یہ بھی زیادہ خطرے کی خبر دیتا ہے چونکہ نقدین یعنی سونا چاندی کی شدت سے ضرورت پڑتی ہے سونے چاندی کے قائم مقام کاغذی کرنسی ہے لہٰذا ثمنیت کا وصف اس میں بھی پایا جاتا ہے، جبکہ یہ عرف ماضی میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد مذہب کے خلاف ہے۔ حنفیہ نے جو علت میں قدر کا وصف مقرر کیا ہے وہ اشیاء میں زیادہ خطرے کی خبر نہیں دیتا۔

بنابرایں جب طعام کے بدلہ میں طعام یا نقد کے بدلہ میں نقد کی خرید و فروخت کی جارہی ہو اور جنس واحد ہو جیسے گندم کے بدلہ میں گندم، چاندی کی بدلہ میں چاندی تو بیع کے صحیح ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں:

۱......مدت مقرر نہ کی جائے یعنی بیع مالی ہو اور کوئی بدل ذمہ میں ادھار نہ رہے۔

۲......یقینی مماثلت ہو جو کسی بھی معیار شرعی سے قائم ہو۔

۳......مجلس عقد سے جدا ہونے سے قبل قبضہ ہو جائے، قبضہ کی شرط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے مستفاد ہے آپ نے "یدا بید" کی قید لگائی ہے۔

اگر جنس مختلف ہو جیسے گندم اور جو تو تفاضل جائز ہوگا اس میں یہ شرط ہے کہ ادھار نہ ہو اور مجلس عقد سے جدا ہونے سے قبل قبضہ ہو چنانچہ مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونا سونے کے بدلہ میں، چاندی چاندی کے بدلہ میں، گندم گندم کے بدلہ میں، جو جو کے بدلہ میں، کھجوریں کھجوروں کے بدلہ میں، نمک نمک کے بدلہ میں برابر سرابر ہوں اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو جب یہ اصناف مختلف ہوں تو جیسے چاہو خرید و فروخت کرو بشرط یہ کہ ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو اس سے قبضہ کی شرط نکالی گئی ہے اور جب طعام کسی اور چیز کے ساتھ فروخت کیا جارہا

---

[1]......رواه مسلم واحمد عن معمر بن عبدالله (نصب الراية ۴/۳۷، نيل الاوطار ۵/۱۹۳، التلخيص الحبير ص ۲۳۵).

ہو جیسے گندم کپڑے کے ساتھ تو مذکورہ بالا تین شرائط عائد نہیں ہوں گی یعنی سود نہیں ہوگا اسی طرح ایک جانور دو جانوروں کے ساتھ خریدا جاسکتا ہے اس میں بھی سود نہیں اصل یہ ہے کہ جانوروں میں مطلق سود نہیں چونکہ اسی حالت میں جانور نہیں کھائے جاتے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدلہ میں خریدا ہے۔

اتحاد جنس اور اختلاف جنس......ایسی دو چیزیں جو اصل خلقت ہی سے کسی خاص نام میں متفق ہوں جیسے کھجور، انجیر تو یہ دو انواع ہوں گی، یعنی کھجوروں کی تمام اقسام جنس واحد ہیں انجیر کی جملہ اقسام جنس واحد ہیں، کشمش کی جملہ انواع جنس واحد ہیں، یا ایسی دو چیزیں جو اصل میں متحد ہوں جیسے دو قسم کی گندم کا آٹا جنس واحد ہوگا۔ اور ایسی دو چیزیں جو نام میں اصل خلقت سے مختلف ہوں جیسے گندم، جو، کھجوریں اور کشمش یا دو چیزیں دو اصل سے نکالی گئی ہوں جیسے مختلف اجناس کے آٹے، سرکہ جات، تیل، گوشت، دودھ چنانچہ یہ ان کی جنس مختلف ہیں۔

بنا بریں مختلف انواع واقسام کی گندم کا آٹا جنس واحد ہے، مختلف اقسام کے جو آٹا کا جنس واحد ہے مختلف انواع واقسام کا سونا جنس واحد ہے مختلف اقسام کی چاندی جنس واحد ہے۔ مختلف اقسام کی کھجوریں جنس واحد ہیں اسی طرح کشمش جنس واحد ہے، کھجور کا سرکہ، انگور کا سرکہ، گائے کا گوشت، بھیڑ کا گوشت، اخروٹ کا تیل، بادام کا تیل، گائے کا دودھ، بھیڑ کا دودھ الگ الگ جنسیں ہیں۔

لہٰذا ان میں سے ایک جنس کی بیع دوسری جنس کے ساتھ بمعہ تفاضل جائز ہے، پرندوں کے انڈے مختلف اجناس ہیں، جگر، تلی، دل، چکی، مغز مختلف اجناس ہیں اگر چہ یہ ایک ہی جانور کے ہوں چونکہ ان اشیاء کے نام اور صفات مختلف ہیں، پیٹھ کا گوشت، بطن، کا گوشت، زبان، سری، پائے مختلف اجناس ہیں۔ زرد رنگ کا خربوز ہرے رنگ کا خربوز ککڑی اور کھیرا الگ الگ جنس ہیں، جبکہ مختلف انواع کی چڑیاں جنس واحد ہیں، بطخ الگ جنس ہے۔ مختلف اقسام کے کبوتر جنس واحد ہیں، خشک اور تر چیز جس کی اصل ایک ہو جیسے انگور اور کشمش، چھوہارے اور کھجور وہ جنس واحد ہیں۔ جو چیز اصل سے نکالی جائے جیسے گندم سے آٹا، میدہ، سوجی وغیرہ تو وہ جنس واحد ہیں، جانوروں کے گوشت مختلف اجناس ہیں، بھیڑ اور بکری جنس واحد ہے گائے اور بھینس جنس واحد ہے، مختلف جانوروں کے دودھ مختلف اجناس ہیں جیسے مختلف جانوروں کے گوشت مختلف اجناس ہیں۔

حنابلہ کا مذہب......علت ربا کے حوالہ سے اس مذہب میں تین روایتیں ہیں: مشہور روایت مذہب حنفیہ جیسی روایت ہے یعنی قدر مع الجنس۔ چنانچہ ہر مکیلی اور موزونی چیز جو بجنسہ بیچی اور خریدی جارہی ہو اس میں سود چلے گا برابر ہے وہ چیز مطعوم ہو یا غیر معطوم ہو جیسے غلہ جات، اشنان، نورہ، روئی، اون، مہندی، عصفر، لوہا، پیتل وغیرہ۔

اور ایسا مطعوم (کھائی جانے والی چیز) جس کا کیل ہوتا ہو اور نہ ہی وزن ہوتا ہو اس میں سود نہیں ہوگا، اس کی دلیل ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دینار دو دیناروں کے بدلہ میں فروخت نہ کرو، ایک درہم دو درہموں کے بدلہ میں فروخت نہ کرو، ایک صاع دو صاع کے بدلہ میں فروخت نہ کرو، چونکہ مجھے تمہارے اوپر سود کا خوف ہے، اتنے میں ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے بتائیں اگر کوئی شخص ایک گھوڑا، بہت سارے گھوڑوں کے بدلہ میں فروخت کرے تو اس میں بھی سود ہوگا؟

آپ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو جائے۔ ❶ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب دو چیزوں کا برابر سرابر وزن کیا جائے اور وہ ایک نوع کی ہوں اور ایک ہی نوع کی دو چیزوں کا برابر سرابر کیل کیا جائے۔" اور جب انواع مختلف ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں۔ ❷

---

❶......رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر بنحوہ قال الهیثمی وفیہ ابو جناب وهو ثقة ولکنه مدلس (جامع الاصول ۱/۴۶۹، مجمع الزوائد ۴/۱۱۳، نصب الرایة ۴/۵۶). ❷ رواہ الدار قطنی عن الحسن عن عبادة وانس وبن مالک (نیل الا وطار ۵/۱۹۳)

البتہ حنابلہ کا حنفیہ کی ساتھ اس چیز میں اختلاف ہے کہ ہر مکیلی اور موزونی چیز کی جب بجنسہ خرید وفروخت ہوتو تفاضل حرام ہوگا خواہ اس کی مقدار قلیل ہی کیوں نہ ہو جیسے ایک کھجور دو کھجوروں کے بدلہ میں، سونے اور چاندی میں چاول کے دانے سے کم مقدار میں بھی سود ہوگا، البتہ پانی میں سود نہیں اور اس چیز میں بھی سود نہیں جس کا عرف میں وزن نہ کیا جاتا ہو جیسے پیتل، لوہا اور روئی کی مصنوعات۔

حنابلہ کی دوسری روایت مذہب شافعیہ جیسی ہے۔

تیسری روایت......سونے چاند کے علاوہ بقیہ اشیاء میں علت ربا مطعومیت ہے بشرطیکہ مطعوم مکیلی یا موزونی ہو، جو مطعوم مکیلی یا موزونی نہ ہو اس میں سود نہیں ہوگا۔ جیسے سیب، انار، خوبانی، خربوزہ، امرود، ناشپاتی، آلو بخارا، ککڑی، انڈے، اخروٹ، اور جو چیز مطعوم نہیں اس میں بھی سود نہیں ہوگا جیسے زعفران، اشنان، لوہا، سیسہ وغیرہ، یہ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ❶ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ان کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ سود صرف ان چیزوں میں ہے جن کا کیل اور وزن کیا جاتا ہو اور جو کھائی جاتی ہوں یا پی جاتی ہوں۔ ❷

اتحاد جنس اور اختلاف جنس......اس موضوع میں حنابلہ کا مذہب شافعیہ کے مذہب جیسا ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں۔ ہر دو انواع جو خاص نام میں جمع ہوں تو وہ جنس واحد ہیں جیسے کھجوروں کی مختلف انواع جنس واحد ہیں اا ور دو چیزیں جن کی جنس متحد ہو تو ان میں شریعت کا حکم ثابت ہوگا یعنی تفاضل حرام ہوگا اگرچہ انواع مختلف ہوں چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''کھجوریں کھجوروں کے بدلہ میں برابر سرابر ہوں۔ چنانچہ کھجور کی جنس میں مساوات کا اعتبار کیا گیا ہے۔'' جب یہ اصناف مختلف ہوں تو جیسے چاہو خرید وفروخت کرو۔ ایک روایت میں ہے۔ ''جب دو جنس مختلف ہوں......'' ایک اور روایت میں ہے۔ '' الا یہ کہ الوان (جنسیں) مختلف ہوں۔

جب اسم خاص میں دو چیزیں مشترک ہوں اور ان کی اصلیں مختلف ہوں تو وہ الگ الگ جنس ہوں گی یعنی ہر دو چیزیں جن کی اصل واحد ہو تو ان کی جنس بھی واحد ہوگی اگرچہ ان کے مقاصد الگ الگ ہوں، اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔ بنابریں سب کی سب کھجوریں جنس واحد ہیں، چونکہ اسم خاص ان سب کو جامع ہے۔

گلاب کا تیل، بنفشہ، یاسمین کا تیل اصل واحد سے ماخوذ ہوتا ہے اور وہ شیرہ ہے جو جنس واحد ہے، جملہ آٹے، روٹیاں، سرکہ جات، تیل، گوشت، دودھ، پنیر، گھی، مختلف اشیاء کا شیرہ مختلف اجناس ہیں چونکہ ان کی اصلیں مختلف ہیں۔ گندم کا آٹا اور جو کا آٹا الگ الگ جنسیں ہیں، اسی طرح انواع واقسام کے مختلف تیل جیسے مچھلی کا تیل، سرسوں کا تیل، بیجوں کا تیل مختلف جنسیں ہیں۔

۵۔ ظاہریہ کا مذہب......ظاہریہ اور ابوبکر بن طیب کہتے ہیں: ربا (سود) غیر معلل ہے یعنی ربا کی کوئی علت نہیں، سود انہی اشیاء کے ساتھ خاص ہے جو حدیث میں بیان کی گئی ہیں (یعنی سود مخصوص بالمنصوص علیہ ہے)، ❸ ظاہریہ کے اس قول کی بنیاد یہ ہے چونکہ وہ قیاس کے منکر ہیں اور شارع نے بیان کر دیا ہے کہ سود اصناف ستہ میں چلتا ہے، ان چھ کے علاوہ باقی چیزیں مباح الاصل ہوں گی۔

خلاصہ......غلہ جات میں سود کی علت حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک قدر اور جنس ہے، مالکیہ کے نزدیک قوت وادخار ہے اور شافعیہ کے نزدیک طعم وثمنیت ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک غیر نقدین اور غیر مطعومات میں زیادتی حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک غیر مکیلی اور غیر موزونی اشیاء میں زیادتی کا

---

❶......رواہ الطبرانی فی الکبیر بنحوہ قال الهيثمي وفيه ابو جناب وهو ثقة ولكنه مدلس (جامع الاصول ۴۶۹/۱، مجمع الزوائد ۱۱۴/۴ نصب الرایة ۵۶/۴) ❷رواہ الدارقطنی عن الحسن عن عبادة وانس وابن مالک۔ (نیل الاوطار ۱۹۳/۵) ❸المحلّی لابن حزم ۸۶۴/۸

جواز اس لئے ہے کہ انسانی زندگی کا اصل دارو مدار ان پر نہیں لہٰذا ان کی چنداں ضرورت بھی پیش نہیں آتی اور ان اشیاء میں منافع جات کی صورت میں کوئی زیادہ نقصان بھی نہیں ہوتا۔

ترجیح......ابن رشد مالکی کہتے ہیں: فقہاء کی بیان کردہ علل میں اچھی طرح غور و خوض کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ حنفیہ کی بیان کردہ علت دوسری علل کی مقابلہ میں زیادہ اہمیت کی حامل ہے، یہ اس لئے کہ حرمت ربا سے شریعت کا مقصد دھوکا دہی کا دفعیہ ہے، جبکہ معاملات میں عدل یہ ہے کہ معاملات میں مساوات ہو، اسی لئے جب مختلف الذوات اشیاء میں برابری کا ادراک مشکل ہے تو دینار اور درہم کو ان اشیاء کی تقویم کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے، مختلف الذوات اشیاء سے مراد غیر موزونی اور غیر مکیلی اشیاء ہیں جیسے کپڑے، جب ان اشیاء میں برابری ہے اور برابری دو چیزوں میں سے ایک کی قیمت کی نسبت اسی کی جنس کی طرف ایسی ہے جیسے کسی دوسری چیز کی قیمت کی نسبت اسی کی جنس کی طرف تو یہ اشیاء جب ایک دوسری کے بدلہ میں فروخت کی جارہی ہوں تو برابری واجب ہے، جبکہ مکیلی اور موزونی اشیاء میں برابری (عدل) کیل اور وزن میں تساوی سے ہو سکتی ہے ➊ البتہ فقہائے حنفیہ کی رائے کے مطابق اموال ربویہ کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔

ابن قیم نے امام مالک رحمہ اللہ علیہ کے مذہب کو ترجیح دی ہے، ان کی بیان کردہ علت قوت وادخار ہے اور نقدین میں ثمنیت ہے جیسا کہ شافعیہ کا قول ہے، جبکہ پیتل اور لوہا اموال ربویہ میں سے ہیں، بجنسہ ان کی خرید و فروخت ادھار یا تفاضل کے ساتھ جائز نہیں اور جب جنس مختلف ہو تو تفاضل جائز ہے نساء یعنی ادھار جائز نہیں۔

چنانچہ وزن کو علت قرار دینے میں کوئی مناسبت نہیں بخلاف ثمنیت کو علت قرار دینے کے، جبکہ دراہم اور دینار مبیعات کا ثمن ہیں ثمن وہ معیار ہوتا ہے جس سے اموال کی تقویم معلوم ہوتی ہے لہٰذا واجب ہے کہ معیار ایسا باضابطہ ہونا چاہئے جس میں زرہ برابر اونچ نیچ نہ ہوتا کہ لوگوں کے معاملات فاسد نہ ہوں اور اختلاف نہ واقع ہو لہٰذا دراہم اور دینار تجارت کے لئے میدان صالح نہیں ہیں۔ ➋

ڈاکٹر عبد الرزاق سنہوری نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو ترجیح دی ہے چونکہ انہوں نے اجتماعی اقتصادیات کا اعتبار کیا ہے، جس سے انہیں اصل موضوع تک رسائی ملی ہے اور ایسے واضح معنی کی واقفیت جس کی واقفیت ان کے نزدیک ضروری ہے، رہی بات حنفیہ کے اعتبار کی سو وہ منطقی اعتبار ہے جو اصل کے قریب تر ہے۔ ➌

اصول ربا......ابن رشد مالکی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں: اصول ربا پانچ ہیں:

۱......انظرنی ازدك یعنی مجھے مہلت دے میں تمہیں زائد مال دوں گا۔

۲......تفاضل۔

۳......نساء۔

۴......وضع کرو اور جلدی دو۔

۵......قبضہ کرنے سے پہلے غلہ کی بیع، ان پانچ میں سے دو کی وضاحت ضروری ہے۔

قاعدہ: انظرنی ازدك...... بالاتفاق یہ حرام ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص کا کسی دوسرے شخص پر دین ہو، دائن وصولی میں تاخیر کر دے اور یہ شرط لگا دے کہ مدیون دین کی مقدار بڑھا کر دے گا یہ جاہلیت کا سود ہے، برابر ہے دین غلہ ہو یا نقدی مال ہو، خواہ قرضہ ہو یا بیع کی صورت میں ہو، یعنی دائن مدیون کو ادھار پر سامان فروخت کرے اور ادائیگی ثمن کے لئے مدت مقرر کر دے اور نقدی ثمن کی نسبت ادھار زائد ہو۔

➊......بدایة المجتهد ۲/ ۱۳۱ ➋ اعلام الموقعین ۲/ ۱۳۷ ➌ مصادر الحق ۳/ ۱۸۴۔

قاعدہ :ضع وتعجل...... یعنی قرضہ اصل مقدار سے کم لاؤ اور جلدی لاؤ، اس کا حاصل یہ ہے کہ قرض دہندہ مقروض سے کہے کہ میرا قرضہ جو تمہارے ذمہ ہے اصل مقدار سے کم لاؤ اور فی الحال لاؤ یوں اصل سرمایہ میں جو کمی کی جارہی ہے وہ تعجیل (فی الحال لانے) کے مقابل میں ہے اور یہ ائمہ اربعہ کے نزدیک حرام ہے، چونکہ ذمہ میں واجب مال میں کمی کرنا زائد مال کے مشابہ ہے چونکہ دینے والے نے زمانہ کو ثمن کا بدل بنادیا ہے۔

اس قاعدہ کی مزید تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ دین ہو جس کی ادائیگی کی مدت ابھی پوری نہ ہوئی ہو، چنانچہ دائن مدت پوری ہونے سے پہلے ادائیگی کا مطالبہ کردے اور اصل سرمایہ میں کچھ کمی کردے (مثلاً کہے چلو تمہارے پاس اگر فی الحال اصل سرمایہ جو دس ہزار ہے وہ دستیاب نہیں تو آٹھ ہزار لاؤ اور ابھی لاؤ) یہ حرام ہے۔ اسی طرح اگر کچھ دین کا فی الحال مطالبہ کرلے اور کچھ کی مدت مقرر کردے۔ اسی طرح مدت سے پہلے کچھ دین نقدی لے اور کچھ دین کے بدلہ میں سامان لے لے ❶ یہ صورتیں حرام ہیں۔ البتہ اگر مدت پوری ہوجانے کے بعد ایسا کیا گیا تو بالاتفاق جائز ہے۔ البتہ دین مؤجل میں مدت پوری ہونے سے پہلے دین کے بدلہ میں سامان دینا جائز ہے اگرچہ سامان کی قیمت دین سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ ❷

ایک دوسرے کے ساتھ اموال ربویہ کے مبادلہ کی شرائط...... جب اموال ربویہ کا ایک دوسرے کے ساتھ تبادلہ ہورہا ہو تو کبھی یہ تبادلہ حرام ہے اور کبھی حلال ہے چنانچہ جب جنس متحد ہو جیسے سونے کے بدلہ میں سونا، چاندی کے بدلہ میں چاندی، گندم کے بدلہ میں گندم، مکئی کے بدلہ میں مکئی تو تبادلہ کے حلال ہونے کے لئے تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱...... بدلین اگر مکیلی ہوں تو کیل کے اعتبار سے مماثلت ضروری ہے اگر بدلین موزونی ہوں تو وزن کے اعتبار سے مماثلث ضروری ہے اگر بدلین معدودی ہوں تو عدد کے اعتبار سے مماثلت (برابری) ضروری ہے۔ چنانچہ اگر ایک مد گندم کے بدلہ میں ایک مد گندم ہو، ایک رطل سیب کے بدلہ میں ایک رطل سیب ہو اور پانچ اخروٹ کے بدلہ میں پانچ اخروٹ ہوں تو بیع جائز ہوگی، مماثلت کا اعتبار خرید وفروخت کے آلات کی برابری سے ہوگا، مکیلی اشیاء میں کیل کا اعتبار ہے، موزونی اشیاء میں وزن کا اعتبار ہے، اسی طرح خشک اور تر کی صورت میں نمی اور خشکی کا بھی مماثلت میں اعتبار ہوگا چنانچہ تر کھجوریں چھوہاروں کے بدلہ میں فروخت نہیں کی جائیں گی، انگور کشمش کے بدلہ میں فروخت نہیں کئے جائیں گے، البتہ اس میں وقت کا خیال رکھا جائے گا۔

۲...... عقد میں سپردگی کے لئے کوئی مدت مقرر نہ کی جائے بلکہ مجلس عقد میں ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہوجائے اور کوئی بدل ذمہ میں ادھار نہ رکھا جائے۔

۳...... عاقدین کے جدا ہونے سے قبل مجلس عقد میں بدلین پر قبضہ ہوجائے۔

یہ تین شرائط ماقبل کی احادیث سے مستفاد ہیں چنانچہ حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔ "مثلاً بمثل" اس میں تماثل کی شرط ہے۔ "یداً بید" اس میں ادھار نہ ہونے اور قبضہ کی شرط ہے۔

اگر ان تین شرائط میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو تبادلہ حرام ہوگا۔ البتہ اگر جنس مختلف ہو اور علت متحد ہو جیسے چاندی کے بدلہ میں سونا یا جو کے بدلہ میں گندم تو دو شرطوں کے ساتھ تبادلہ حلال ہوگا۔

۱...... یہ کہ عقد فی الحال ہو ادھار نہ ہو۔

۲...... مجلس عقد ہی میں بدلین پر قبضہ کرلیا جائے۔

---

❶...... سامان سے مراد نقدی مال کے علاوہ روزمرہ استعمال کی دوسری اشیاء ہیں۔ ❷ القوانین الفقهية ص ۲۵۲ بداية المجتهد ۱۲۷/۲، اعلام الموقعين ۱۳۵/۲ الربا والمعاملات في الاسلام للشيخ رشيد رضا ص ۷۰۔

اختلاف جنس کی صورت میں مماثلت (برابری) شرط نہیں جو کہ حدیث گزر چکی ہے کہ ''جب یہ اجناس مختلف ہوں تو جیسے چاہو خرید وفروخت کرو بشرط یہ کہ ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو۔''

اگر جنس بھی مختلف ہو اور علت (یعنی قدر) بھی مختلف ہو جیسے سونا یا چاندی یا کاغذی کرنسی کے بدلہ میں گندم خریدی یا کھجوریں خریدیں تو تبادلہ جائز ہے خواہ نقدی ہو یا ادھار ہو مثلاً دس گرام چاندی سے ایک مد گندم خریدی، خواہ مجلس عقد میں قبضہ ہو یا نہ ہو، خواہ ادھار ہو یا نقدی، اس کی دلیل شیخین کی روایت ہے جو حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا عامل مقرر کیا وہ عمدہ قسم کی کھجوریں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا: کیا خیبر کی ساری کھجوریں ایسی ہی ہیں؟ اس شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: اللہ کی قسم ساری کھجوریں ایسی نہیں۔ ہم دو صاع کھجوروں کے بدلہ میں یہ عمدہ کھجوریں لیتے ہیں اور تین صاع کے بدلہ میں دو صاع لیتے ہیں، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ایسا مت کرو، بلکہ ردی کھجوریں دراہم کے ساتھ فروخت کرو پھر انہی دراہم سے عمدہ کھجوریں خرید لیا کرو۔

اگر اموال ربویہ کا غیر ربوی اموال کے ساتھ مبادلہ ہو جیسے سونے کے بدلہ میں عام معدنیات، کپڑے کے بدلہ میں غلہ یا کاغذی کرنسی کے بدلہ میں چاول اور مکئی وغیرہ تو مطلقاً بیع جائز ہوگی اس میں اوپر بیان کردہ تین شرائط کی کوئی پابندی نہیں چونکہ یہ عقد ربوی نہیں چونکہ بدلین میں سے ایک مال غیر ربوی ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ نوع علت مختلف ہے۔

تر کھجوروں کی بیع چھوہاروں کے بدلہ میں اور تازہ غلے کی بیع پرانے غلہ کے بدلہ میں شرعاً ممنوع ہے چونکہ بدلین میں مماثلت نہیں ہوگی، جبکہ بدلین اموال ربویہ میں سے ہیں، درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کی اندازہ کے ساتھ بیع جو ٹوٹی ہوئی کھجوروں کے ساتھ ہو یا کشمش کے بدلہ میں انگوروں کی بیع، بیع مزابنہ ہے جو ممنوع ہے، خوشوں سے نکلے ہوئے دانوں کی بیع خوشوں میں پڑے ہوئے، دانوں کے ساتھ جو اندازے سے ہو بیع محاقلہ جو ممنوع ہے۔

البتہ بیع عرایا کی رخصت دی گئی ہے، فقہاء کے ہاں عرایا کی تفسیر مختلف ہے اس کا تذکرہ پیچھے ہو چکا ہے۔

چوتھا مقصد: اختلاف علت ربا کے مرتبات..... شافعیہ اور حنفیہ کے درمیان علت ربا کے اختلاف پر بہت سارے امور مرتب ہوئے ہیں، ان میں سے بعض امور ربا الفضل کے متعلق ہیں اور بعض ربا نسیۂ کے متعلق ہیں۔

وہ امور جو ربا الفضل کے متعلق ہیں..... اس کے اثرات مندرجہ ذیل صورتوں میں ظاہر ہوں گے۔

۱..... غیر مکیلی اور غیر موزونی چیز جو مطعوم ہو جب بجنسہ اس کی خرید وفروخت ہو تو اس میں اختلاف کا اثر ظاہر ہوتا ہے، جیسے گندم کی دو لپوں کے بدلہ میں ایک لپ کی بیع، دو خربوزوں کے بدلہ میں ایک خربوزے کی بیع، دو سیبوں کے بدلہ میں ایک سیب کی بیع، دو انڈوں کے بدلہ میں ایک انڈے کی بیع، دو اخروٹوں کے بدلہ میں ایک اخروٹ کی بیع وغیرہ یہ بیع حنفیہ کے نزدیک جائز ہے چونکہ علت قدر معدوم ہے، چونکہ شریعت میں مکیلی اشیاء کے معیار کا نصف صاع سے کم میں اعتبار نہیں کیا گیا جبکہ موزونی اشیاء یعنی سونا چاندی میں حبہ سے کم میں اعتبار نہیں کیا گیا اس لئے کہ حبہ سے کم کی کوئی قیمت نہیں ہوئی۔ (1)

جبکہ شافعیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے چونکہ ان کے نزدیک علت ربا طعم ہے اور مذکور بالا صورت میں یہ علت پائی جارہی ہے، اور ان کے نزدیک مطعومات کی ایک دوسرے کے ساتھ خرید وفروخت حرام ہے چونکہ حدیث میں ہے۔ ''طعام کے بدلے میں طعام برابر سرابر ہو۔'' مطعومات کی خرید وفروخت میں مساوات حرمت سے چھٹکارا پانے کا ایک ذریعہ ہے، جہاں مساوات ثابت نہیں ہوگی حرمت ثابت ہوگی چونکہ مساوات اصل ہے لہٰذا دو لپوں کے ساتھ ایک لپ کی خرید وفروخت جائز نہیں۔

---

(1)..... المبسوط ۱۲/۱۱۴ فتح القدیر ۵/۲۷۸، البدائع ۵/۱۸۵، رد المحتار ۴/۱۸۸۔

حنفیہ کی مقرر کردہ علت یعنی قدر کی رو سے یہ جائز ہے۔❶

۲......مکیلی چیز جو غیر مطعوم ہو، کی بجنسہ بیع یا موزونی چیز جو نہ مطعوم ہو نہ نقد ہو کی بجنسہ بیع کی صورت میں اختلاف کا اثر ظاہر ہوتا ہے جیسے دو قفیز جص کے بدلے میں ایک قفیز جص یا ایک رطل لوہا دو رطل لوہے کے بدلہ میں وغیر ذالک۔ یہ بیع حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے چونکہ علت ربا پائی گئی اور وہ جص کی صورت میں کیل مع الجنس ہے اور لوہے کی صورت میں وزن مع الجنس ہے۔❷

جبکہ شافعیہ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے چونکہ ان کے نزدیک علت ربا معدوم ہے ان کے ہاں علت طعم وثمنیت ہے، حنفیہ کا شافعیہ کے ساتھ اس میں اتفاق ہے کہ اگر چاول کے دو قفیز کے بدلہ میں چاول کا ایک قفیز فروخت کیا تو یہ ناجائز ہے چونکہ حنفیہ کے نزدیک علت ربا کیل مع الجنس پائی گئی اور شافعیہ کے نزدیک طعم مع الجنس پائی گئی۔❸

اس میں بھی اتفاق ہے کہ دو رطل زعفران کے بدلہ میں ایک رطل زعفران یا دو رطل شکر کے بدلہ میں ایک رطل شکر فروخت کرنا جائز نہیں چونکہ حنفیہ کے نزدیک وزن اور جنس پائی گئی اور شافعیہ کے نزدیک طعم اور جنس پائی گئی۔

شرط جنس کے بعض متعلقہ پہلوؤں میں فقہاء کا اختلاف ہے ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ آٹے کی بیع آٹے یا غلہ کے ساتھ:

حنفیہ......ایک جنس سے حاصل کیے ہوئے آٹے کی خرید وفروخت اسی جنس کے ساتھ صحیح نہیں چنانچہ گندم کے آٹے کی بیع گندم کے ساتھ صحیح نہیں، مکئی کے آٹے کی بیع مکئی کے دانوں کے ساتھ صحیح نہیں، خواہ دونوں میں برابری ہو یا نہ ہو، چونکہ دانوں کے ساتھ آٹے کی خرید وفروخت میں برابری متحقق نہیں ہوسکتی۔

البتہ ایک جنس سے نکلے ہوئے آٹے کو دوسری جنس کے ساتھ فروخت کیا جاسکتا ہے جیسے گندم کے آٹے کو جو یا مکئی کے بدلے میں فروخت کردیا، یہ بیع صحیح ہے چونکہ جنس مختلف ہے البتہ ہاتھوں ہاتھ قبضہ شرط ہے۔

اگر ایک جنس کے آٹے کی بیع اسی جنس کے آٹے کے ساتھ کی جارہی ہو تو وہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ دونوں آٹے ناپ تول میں برابر ہوں اور باریک اور موٹا ہونے میں بھی برابر ہوں۔

روٹی کی بیع گندم کے بدلہ میں یا آٹے کے بدلہ میں یا اس کے برعکس جائز ہے، تساوی اور تفاضل دونوں طرح سے جائز ہے، چونکہ روٹی الگ جنس ہے اور گندم الگ۔ اگر چہ روٹی گندم اور آٹے کی بنتی ہے لیکن پکانے کے بعد مکیلی نہیں رہتی جبکہ گندم اور آٹا مکیلی چیزیں ہیں لہٰذا روٹی، گندم اور آٹے میں جنس اور قدر ایک نہیں رہتی۔ ایک دوسرے کی بیع ادھار پر بھی جائز ہے اس میں بدلین پر قبضہ شرط نہیں البتہ تعیین شرط ہے۔❹

مالکیہ......کہتے ہیں غلہ اور آٹا کی ایک دوسرے کے ساتھ خرید وفروخت صحیح نہیں ہے الا یہ کہ برابر سرابر ہوں اور کسی طرف اضافہ نہ ہو، اگر گندم آٹے کے بدلہ میں فروخت کی تو یہ بیع بھی صحیح ہوگی جب وزن میں برابر ہوں۔

اگر جنس مختلف ہو جیسے مکئی کا آٹا گندم کے بدلہ میں فروخت کیا تو یہ بیع تفاضل کے ساتھ بھی جائز ہے۔ البتہ مجلس عقد میں قبضہ کرنا شرط ہوگا۔ اسی طرح گندم کے بدلہ میں روٹی کی خرید وفروخت صحیح ہے چونکہ جب روٹی پک کر تیار ہوچکی تو وہ الگ جنس ہوگی۔ رہی بات بمثلہ آٹے کی بیع کی سو وہ صحیح نہیں۔❺

❶......فتح القدیر۔❷المبسوط ۱۲/۱۱۴، البدائع ۵/۱۸۵، فتح القدیر ۵/۲۷۹، الدر المختار ۴/۱۸۸۔❸ایک قفیز تقریباً ۲۸ کلو گرام ہوتا ہے۔❹البدائع ۵/۱۸۹، فتح القدیر ۵/۲۸۸، الدرالمختار وردالمحتار ۴/۱۹۴، الفقه علی المذاهب ۲/۲۵۴۔❺بدایة المجتهد ۲/۱۳۶، حاشیة الدسوقی ۳/۵۲، الفقه علی المذاهب ۲/۲۵۳۔

شافعیہ......کہتے ہیں: آٹے کی بیع اسی جنس کے آٹے کے ساتھ صحیح نہیں چنانچہ گندم کے آٹے کی بیع گندم کے آٹے کے ساتھ صحیح نہیں چونکہ یقینی مماثلت ان میں نہیں ہوسکتی اس لئے کہ جب کسی پیمانے میں ناپنے کے لئے آٹا ڈالا جائے تو وہ اوپر ابھر آتا ہے دبانے سے دب جاتا ہے، پھر بعض آٹے باریک ہوتے ہیں اور بعض موٹے ہوتے ہیں۔

اسی طرح گندم کے آٹے کی بیع گندم کے دانوں کے ساتھ صحیح نہیں جیسے روٹی کی بیع آٹے یا دانوں کے ساتھ صحیح نہیں ہوتی، البتہ روٹی کی خرید وفروخت روٹی کے ساتھ جائز ہے اور آٹے کے ساتھ آٹے کی بیع جائز ہے بشرط یہ کہ جنس مختلف ہو جیسے مثلاً جو کی روٹی کے بدلہ میں گندم کی روٹی فروخت کی یا مکئی کے آٹے کے بدلہ میں گندم کا آٹا فروخت کیا چونکہ جنس مختلف ہے اس لئے جائز ہے۔ ❶

حنابلہ......کہتے ہیں: دانوں سے ماخوذ آٹے کی بیع دانوں کے بدلہ میں مطلقاً جائز نہیں چونکہ جنس واحد کی اسی جنس کے ساتھ خرید وفروخت میں تساوی شرط ہے، دانوں کے بدلہ میں روٹی کی بیع صحیح نہیں۔

البتہ ایک ہی جنس کے آٹے کی بیع اسی جنس کے آٹے کے ساتھ جائز ہے جیسے حنفیہ کہتے ہیں، بشرط یہ کہ برابری ہو۔ ❷

خلاصہ......ایک ہی جنس کے آٹے کے بدلہ میں آٹے کی خرید وفروخت میں دو رائیں ہیں۔

۱......جائز ہے، یہ حنفیہ اور حنابلہ کی رائے ہے۔

۲......جائز نہیں یہ شافعیہ اور مالکیہ کی رائے ہے۔

۲۔ گوشت کے ساتھ جانور کی خرید وفروخت......امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایسا جانور جس کا گوشت کھایا جاتا ہو کو اسی جنس کے گوشت کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے، چونکہ یہ موزونی چیز (گوشت) کی بیع غیر موزونی (جانور) کے ساتھ ہو رہی ہے، یہ بیع جیسے بھی ہو جائز ہے بشرط یہ کہ تعیین ہو چونکہ جانور مال ربوی نہیں ہے۔ ❸

جبکہ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں: ایسا جانور جس کا گوشت کھایا جاتا ہو کو اسی جنس کے گوشت کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ ذبح شدہ بکری زندہ بکری کے بدلہ میں فروخت کرنا جائز نہیں۔ ❹ ان کی دلیل سعید بن مسیب رحمہ اللہ علیہ کی مروی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کے ساتھ جانور کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے ❺ ایک اور روایت بھی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ (جانور) کو مردہ (جانور) کے ساتھ فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے، ❻ نیز عقلی دلیل یہ ہے کہ گوشت ایسی نوع ہے جس میں سود پایا جاتا ہے، ایسی اصل کے ساتھ اسے فروخت کیا جارہا ہوتا ہے جس میں سود کی ایک قسم پائی جارہی ہوتی ہے۔ لہٰذا جائز نہیں جیسے تلوں کے تیل کے بدلہ میں تلوں کی خرید وفروخت۔ نیز یہ ایسی چیز ہے جس میں مماثلت ضروری ہے جبکہ مماثلت یہاں مجہول ہے، اور مماثلت کی جہالت حقیقت میں تفاضل ہے جو جائز نہیں۔ ❼

رہی بات زندہ جانور کے بدلہ میں زندہ جانور کی خرید وفروخت کی سو یہ جائز ہے، تفاضل کے ساتھ بھی جائز ہے خواہ جنس واحد ہو یا مختلف جیسے دو بکریوں کے ساتھ ایک بکری اور اونٹ کے بدلہ میں بکری، چونکہ جانور مال ربوی نہیں ہے اس لئے کہ بعینہ اسی حالت میں جانور کو نہیں کھایا جاتا، نیز جانور جنس ثمن میں سے بھی نہیں ہے رہی بات گوشت کے سوا گر ایک ہی جنس کا گوشت ہو تو مماثلت کی شرط کے ساتھ جائز ہے

❶......المهذب ۱/۲۷۱ مغنی المحتاج ۲/۲۳، الفقه علی المذاهب ۲۵۵/۴۔ ❷المغنی ۲۴/۴، الفقه علی المذاهب ۲۵۵/۲۔ ❸فتح القدير ۲۹۰/۵ الدرالمختار ۱۹۲/۴، البدائع ۱۸۹/۵۔ ❹بداية المجتهد ۱۳۶/۲، حاشية الدسوقی ۵۴/۳ مغنی المحتاج ۲۹/۲ اعلام الموقعين ۱۴۵/۲۔ ❺رواه مالک فی الموطا۔ ❻رواه البيهقی عن رجل من اهل المدينة (نصب الراية ۳۹/۴) ❼تخريج الفروع علی الاصول ص ۷۱۔

اورادھار نہ ہواور مجلس عقد ہی میں قبضہ کرلیا جائے۔ چونکہ گوشت اموال ربویہ میں سے ہے اور اگر جنس مختلف ہو جیسے گائے کے گوشت کے بدلہ میں بھیڑ کا گوشت تو پھر تفاضل جائز ہے لیکن ادھار نہ ہواور مجلس عقد ہی میں قبضہ کرلیا جائے۔

ربانسیہ میں شافعیہ اور حنفیہ کے درمیان پائے جانے والے اختلاف کے اثرات درج ذیل صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اول..... بعض ایسے اختلافی امور ہیں جو علت ربا میں اصل اختلاف کی طرف راجع ہیں چنانچہ حنفیہ کے نزدیک کیل یا وزن (یعنی قدر) ہے اور شافعیہ کے نزدیک طعم ہے۔

جب کوئی شخص گندم کا ایک قفیز جو کے ایک قفیز کے بدلہ میں نسیۂ مؤجل (ادھار) فروخت کرے تو یہ بالاتفاق جائز نہیں چونکہ ربا کی علت پائی جاتی ہے جو حنفیہ کے نزدیک کیل (قدر) ہے اور شافعیہ کے نزدیک طعم ہے۔ ثمرۂ اختلاف دوصورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔

ا..... غیر مطعوم (جو کھائی نہ جاتی ہو) کی خرید وفروخت میں۔ چنانچہ اگر ایک قفیز نورہ (پاؤڈر) کے بدلہ میں ایک قفیز جص (گچ) فروخت کیا جو بیع سلم کے طریقہ سے ہواور ذمہ میں ادھار ہوتو یہ بیع حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں چونکہ علت ربا یعنی کیل (قدر) پائی گئی اور شافعیہ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے چونکہ علت ربا یعنی طعم نہیں پائی گئی۔ اگر لوہے کے بدلہ میں لوہے کی بیع سلم ہوئی یعنی بطور قیمت لوہا پہلے دے دیا اور ایک ماہ بعد اتنا ہی لوہا لینا قرار پایا، تو یہ بیع حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں چونکہ علت ربا یعنی وزن (قدر) پایا گیا جبکہ شافعیہ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے چونکہ ان کے نزدیک علت ربا یعنی طعم نہیں پایا گیا۔ اور نہ ہی ثمنیت پائی گئی۔

اگر ایک رطل زعفران کے بدلہ میں ایک رطل شکر فروخت کی اور زعفران ذمہ میں ادھار ہوتو یہ بیع بالاتفاق جائز نہیں چونکہ علت ربا وزن جو حنفیہ کے نزدیک ہے اور طعم جو شافعیہ کے نزدیک ہے پائی جارہی ہے۔

اگر دراہم یا دینار یا کاغذی کرنسی پہلے دے دی اور مقررہ مدت کے بعد زعفران لینا قرار پایا یعنی بیع سلم کی یا روٹی میں بیع سلم کی یا لوہے میں بیع سلم کی تو یہ بیع بالاتفاق جائز ہے چونکہ علت ربا معدوم ہے اور وہ قدر مع الجنس ہے چنانچہ جنس بھی ایک نہیں اور قدر بھی ایک نہیں چونکہ ثمن اور مبیع کا وزن جدا جدا ہے، لہٰذا علت نہیں پائی گئی اس لئے سود بھی نہیں ہوگا۔

اگر سونے میں چاندی کے ساتھ بیع سلم کی یعنی چاندی پہلے دے دی اور سونا ادھار رہا تو بالاتفاق یہ بیع ناجائز ہوگی چونکہ حنفیہ کے نزدیک علت وزن پائی جارہی ہے اور شافعیہ کے نزدیک علت ثمنیت پائی جارہی ہے۔

۲..... مطعوم کی بیع مطعوم کے ساتھ ہواور قدر مختلف ہو۔ اگر کسی شخص نے گندم دی اور تیل لینا چاہا جو ذمہ میں ادھار رہے تو یہ بیع حنفیہ کے نزدیک جائز ہے چونکہ گندم مکیلی چیز ہے اور تیل موزونی چیز ہے۔ لہٰذا ان دونوں کی قدر مختلف ہے، شافعیہ کے نزدیک جائز نہیں چونکہ علت یعنی طعم پائی جارہی ہے۔ ❶

دوم..... بعض ایسے اختلافی امور ہیں جو اختلاف جنس کی طرف راجع ہیں کہ آیا جنس علت ربا ہے یا نہیں؟

اشارۃً پہلے گزر چکا ہے کہ تنہا جنس حنفیہ کے نزدیک علت ربا بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، چونکہ علت ربا کیل اور وزن بمعہ جنس ہے، چنانچہ ہر علت میں دو موثر وصف پائے جاتے ہیں اور علت انہی دونوں اوصاف سے مکمل ہوتی ہے، گویا ان دونوں میں سے ہر وصف کے لئے شبہۃ العلیت موجود ہے اور شبہۃ العلیت سے شبہۃ الحکم ثابت ہوتا ہے یعنی جنس علت کا رکن ہے محض شرط نہیں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تنہا جنس ربانسیۂ کی حرمت کی علت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، چونکہ جنس محل تحریم ہے یا علت ربا میں جنس فقط ایک شرط ہے اور حکم بسا اوقات شرط کے ساتھ بھی گھومتا ہے جیسے حکم رجم احصان کی شرط کے ساتھ گھومتا ہے۔ اس میں سبب یہ ہے کہ

❶..... البدائع ۱۸۶/۵۔

علت حکم کے مناسب وصف کا اسم ہے لہٰذا حکم کی ایسی علت تجویز کی جائے گی جو مقصد کے مناسب ہو اور وہ علت ''طعم'' ہے جس سے انسانی زندگی کی بقاء ہے اور ''ثمنیت'' ہے جس سے اموال کی بقاء ہے اور اموال کا لوگوں کے مصالح کے ساتھ گہرا تعلق ہے، اس میں جنسیت کا کوئی اثر نہیں لہٰذا جنس شرط قرار پائی۔ ❶ اس پر مندرجہ ذیل امور مرتب ہوتے ہیں۔

ایک اخروٹ کے بدلہ میں ایک اخروٹ میں بیع سلم، ایک انڈے کے بدلہ میں ایک انڈے میں بیع سلم، ایک سیب میں سیب کے بدلہ میں بیع سلم اور ایک لپ غلہ کے بدلہ میں ایک لپ غلہ میں بالاتفاق بیع سلم جائز نہیں ہوگی چونکہ حنفیہ کے نزدیک علت یعنی جنس پائی گئی ہے اور شافعیہ کے نزدیک علت یعنی طعم پائی گئی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ہروی کپڑے کے ساتھ ہروی کپڑے میں بیع سلم جائز نہیں ہوگی چونکہ جنس متحد ہے، جبکہ شافعیہ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے چونکہ ان کے نزدیک تنہا جنس حرمت ربا کے لئے کافی نہیں ہے۔

البتہ ہروی کپڑے کے بدلہ میں مروی کپڑا (جو مرو میں بنتا ہو) میں بیع سلم کرنا بالاتفاق جائز ہے چونکہ حنفیہ کے نزدیک جنس معدوم ہے اور شافعیہ کے نزدیک طعم اور ثمنیت معدوم ہے۔ اگر فلوس کے ساتھ فلوس میں بیع سلم کی تو یہ حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں چونکہ جنس پائی گئی ہے اور شافعیہ کے نزدیک بھی جائز نہیں چونکہ ثمنیت پائی گئی ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک تنہا جنس کے متحد ہونے سے سود حرام ہے جیسے جانور کے ساتھ جانور کی ادھار پر خرید وفروخت۔ عقد بیع بدلین میں مساوات کا مقتضی ہے جبکہ فی الحال جو چیز دی جارہی ہے اور جو چیز ذمہ میں ادھار ہے ان میں مساوات نہیں۔ چونکہ عین دین سے بہتر ہے، اور جو چیز معجّل ہوتی ہے وموٴجل سے قیمت میں بڑھی ہوتی ہے۔ یہ معنی مطعومات اور اثمان میں پایا جاتا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''سود تو صرف نسیئہ میں ہے۔'' نص مطلق ہے اس میں مطعوم اور ثمن میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا۔ لہٰذا علی الاطلاق سود ہوگا چونکہ حنفیہ کے نزدیک علت ربا پائی گئی ہے اور وہ جنس ہے۔ ❷

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: ادھار پر جانور کی جانور کے ساتھ خرید وفروخت جائز نہیں ہے البتہ یہ حکم ان جانوروں میں ہے جن کے منافع مشابہ ہوں جیسے دودھ دینے والی بکری دودھ دینے والی بکری کے ساتھ فروخت کی جائے، اور اگر منافع جدا جدا ہوں تو ادھار پر بیع جائز ہے جیسے عمدہ نسل کا اونٹ دو اونٹوں کے بدلہ میں فروخت کیا جائے جو بوجھ لادنے میں کام آتے ہوں۔

شافعیہ کہتے ہیں: سونا چاندی، ماکول ومشروب کے علاوہ بقیہ اشیاء کی خرید وفروخت میں قبضہ سے پہلے جدا ہونا حرام نہیں۔ یعنی ادھار اور نساء حرام نہیں۔ چونکہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے لشکر کی تیاری کا حکم دیا لیکن اونٹ کم ہوگئے، تاہم آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں صدقہ کے اونٹ لے لوں، چنانچہ میں دو اونٹوں کے بدلہ میں ایک صدقہ کا اونٹ لیتا تھا۔ ❸ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اونٹ ادھار پر فروخت کیا اور بدلہ میں بیس (۲۰) اونٹ لئے، اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار اونٹوں کے بدلہ میں ایک اونٹ فروخت کیا اس موضوع کے بہت سارے آثار صحابہ سے مروی ہیں۔ ❹

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی چار روایتوں میں سے اصح روایت شافعیہ جیسی ہے یعنی جانور کی خرید وفروخت بجنسہ تساوی اور تفاضل کے ساتھ جائز ہے، ائمہ کا اتفاق ہے کہ جانور کے ساتھ جانور کی بیع تفاضل کے ساتھ جائز ہے بشرط یہ کہ ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو یعنی خرید وفروخت نقدی ہو ادھار نہ ہو۔

---

❶......فتح القدير ۲۷٦/۵، المبسوط ۱۲۲/۱۲، مختصر الطحاوی ص۷۵ المهذب ۲۷۱/۱. ❷البدائع ۱۸۷/۵. ❸كتاب الربا والمعاملات فی الاسلام للسيد رشيد رضا ص ۹۷، ۹۹ ومقدمة ص ۵ للاستاذ بهجت البيطار راجع نظرية الضرورة الشرعية للمؤلف لمعرفة الفرق بين الضرورة والحاجة. ❹اخرجه احمد وابو داؤد والدار قطنی بمعناه والحاكم فی المستدرك وقال صحيح علی شرط مسلم ورواه البيهقی فی سننه بطريق عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده (نصب الراية ۴۷/۴)

جاہلی ربانسیۂ...... مذکوربالاتفصیل کے بعد معلوم ہوا کہ جاہلی ربانسیۂ لذاتہ حرام ہے تاکہ طرفین میں سے کسی کوزیادہ غبن لاحق نہ ہو چونکہ مختلف اسباب کی وجہ سے اشیاء کے نرخ میں ہنگامی قسم کا اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے اور سرمایہ کاری میں مدیون دین کی ادائیگی سے عاجز ہوتا ہے۔ جبکہ ربالفضل اس لئے حرام ہے تاکہ ربانسیۂ کا ذریعہ نہ بن جائے، جو چیز حرام لذاتہ ہووہ صرف کسی ضرورت کے موقع پر مباح ہو پاتی ہے جیسے مردار، خون اور خنزیر کا گوشت اور جو چیز سد الذرائع حرام ہووہ حاجت کی وجہ سے مباح ہوتی ہے یا کسی مصلحت کی وجہ سے مباح ہوتی ہے۔ اور تنہا مسلمان ضرورت اور حاجت پر قدرت پاسکتا ہے۔ ❶

یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ربالفضل صرف اس لئے حرام نہیں کہ یہ ربانسیۂ کا وسیلہ اور ذریعہ ہے بلکہ یہ بھی حقیقۃً ربا ہے۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ یہ عین ربا ہے" جب بلال رضی اللہ عنہ نے ایک صاع عمدہ کھجوروں کے بدلہ میں دوصاع ردی کھجوریں فروخت کیں۔ نیز بسا اوقات لوگوں کو بے وقوف بنا کر مختلف اصناف میں سرمایہ کاری بھی کرنا مقصود ہوتی ہے اور یوں سود کا معاملہ ہوجاتا ہے۔

ربا القرض؟...... جس طرح خرید وفروخت میں ربالفضل اور ربانسیۂ چلتا ہے اسی طرح قرض میں بھی سود چلتا ہے، مثلاً ایک شخص نے کسی دوسرے کو بطور قرض ایک حد تک مال دیا اور ساتھ یہ شرط لگادی کہ مقروض متعین اضافہ کے ساتھ قرضہ واپس کرے گا، یا مقروض پر ماہانہ یا سالانہ منافع کی شرط لگادی جاتی ہے جو اصل سرمایہ کے ساتھ دیا جاتا ہے جیسا کہ آج کل سودی بینکوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کیا جاتا ہے، یہ سب حرام ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ......البقرۃ ۲/۲۷۵

اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ البقرۃ ۲/۲۷۹

اگر تم توبہ کرلو تمہارے لئے اصل سرمایہ ہے نہ تم ظلم کرو اور نہ ہی تمہارے اوپر ظلم کیا جائے۔

یعنی اصل سرمایہ کے ساتھ زائد منافع لے کر مقروض پر ظلم نہ کرو اور اصل سرمایہ میں کمی کر کے تمہارے اوپر ظلم نہ کیا جائے، بلکہ بغیر کمی زیادتی کے تمہارے لئے اصل سرمایہ ہے۔ بخاری ومسلم کے ہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اللہ تعالیٰ نے سود کو سات مہلکات میں سے قرار دیا ہے۔ دنیا جہان میں جہاں بھی سود ہووہ حرام ہے خواہ دار الاسلام میں ہو یا دار الحرب میں ہو اس کی حرمت برابر ہے، چونکہ سود کی حرمت مطلق ہے اس میں کسی قسم کی تخصیص اور تقیید نہیں۔

البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت منقول ہے کہ حربی سے خیانت اور دھوکہ دہی سے ہٹ کر کسی طرح بھی مال حاصل کرنا جائز ہے اگرچہ فاسد معاملات ہی کے ذریعہ کیوں نہ حاصل کیا جائے جیسے سود، چونکہ حربی کا مال مباح ہے اور غیر معصوم ہے بلکہ حربی کا مال مباح الاصل ہے اور حربی نے اپنا مال سودی معاملات میں اپنے اختیار سے لگا رکھا ہوتا ہے لہٰذا موجب کے زائل ہونے سے ممانعت جاتی رہے گی۔ ❷

غیر مسلم ممالک کے بینکوں سے حاصل کئے گئے سود کا حکم...... اس رائے کی آڑ میں بعض مسلمان پھیل گئے ہیں چنانچہ انہوں نے غیر مسلم ممالک کے بینکوں میں اپنا سرمایہ بطور ودیعت رکھ دیا اور ان سے مالی منافع کو مباح سمجھ لیا حالانکہ یہ ان لوگوں کی سخت اور

❶......الربا والمعاملات فی الاسلام للسید رشید رضا ص ۹۷، ۹۹۔ ❷شرح السیر الکبیر ۲۹۳/۳، ۱۸۸/۴، المبسوط ۹۵/۱۰۔

زبردست غلطی ہے اور عجل باطل ہے، یہ سود قطعی طور پر حرام ہے۔ چونکہ حنفیہ کی مذکور بالا رائے ربا العقود یعنی معاملات خرید وفروخت کے متعلق ہے نہ کہ بینکوں کے سود اور منافع جات کے متعلق نیز مذکور رائے کے مطابق حربی کو نقصان پہنچانا اور اس کی معیشت کو کمزور کرنا مقصود ہے جبکہ غیر مسلم ممالک کے بینکوں میں جو سرمایہ رکھا جاتا ہے یہ بطور ودیعت اور امانت رکھا جاتا ہے جیسے غیر مسلم ممالک کے بینک سرمایہ کاری پر لگاتے ہیں، بلکہ اس سے تو غیر مسلم ممالک کی معیشت اور زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔

نیز حنفیہ کی رائے میں حربی کے مال کی تخصیص کی گئی ہے اور حربی وہ ہوتا ہے جس کے ملک کے ساتھ فعلاً یا حکماً ہماری جنگ ہو اور یہ صورت یہودیوں اور اسلامی ممالک کی غاصب غیر مسلم اقوام کے علاوہ کسی پر منطبق نہیں ہوتی چونکہ دوسرے غیر مسلم ممالک کے ساتھ امن وسلامتی کے ہمارے معاہدے ہیں جن کی نگرانی اقوام متحدہ کے مختلف ادارے کر رہے ہیں۔

غیر مسلم ممالک کے بینکوں میں مسلمانوں کا مال رکھنا..... غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کا اپنا مال رکھنا جو کہ بطور ودیعت ہو شرعاً ناجائز ہے۔ چونکہ اس سرمائے سے غیر مسلم ممالک کو تقویت ملتی ہے اور اس سے ان کی معیشت مضبوط ہوتی ہے، جبکہ غیر مسلم ممالک اس سرمائے کا معمولی منافع ہمیں دیتے ہیں بلکہ اکثر سرمائے تو منجمد ہو کر رہ جاتے ہیں جو اصل مالکوں کو نہیں مل پاتے، اس سے غیر مسلم ممالک کے بینکوں کے ساتھ معاملہ کرنا اور زیادہ ممنوع اور حرام ہے۔

بنابریں ان اموال سے حاصل ہونے والا منافع قطعی طور پر حرام ہے اور مالکان کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔ نیز اپنے پاس موجود حلال اموال کے ساتھ اسے ملانا بھی جائز نہیں۔ بایں ہمہ ان اموال کو غیر مسلم ممالک میں چھوڑ دینا بھی صحیح نہیں تاکہ انہیں ہمارے اوپر قوت حاصل نہ ہو، اگر وہیں چھوڑ دیا جائے تو ہم ظلم کی مدد کرنے والے ہو جائیں گے بلکہ غیر مسلم ممالک میں سرمائے سے حاصل ہونے والے منافع جات کو قبضہ میں لے لیا جائے اور اسلامی ممالک میں مصالح عامہ میں اسے صرف کیا جائے، مثلاً سڑکیں بنائی جائیں، پل تعمیر کئے جائیں، ہسپتال بنائے اور اسکولوں کی عمارتیں کھڑی کی جائیں، جامعۃ الازہر کی فتویٰ کمیٹی نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔

بینکوں کے منافع جات

حرام، حرام، حرام..... عصر حاضر میں ابلاغ کے مختلف ذرائع، کتابچوں، اور رسائل میں کچھ قلمکاروں کی طرف سے فتاویٰ نشر کئے جارہے ہیں، جن میں سود کے میدان میں تجدید اور اجتہاد کو اہمیت دی جارہی ہے یہ قلمکار اس کام کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بینکوں کے جملہ منافع جات کی اباحت کے قائل ہیں، بقول ان کے چونکہ عصر حاضر میں بینک اہم اقتصادی ضرورت بن چکے ہیں اور بینکوں کے ذریعہ کھاتہ داروں کے سرمایہ جات، صنعتی، زرعی اور تجارتی کاروبار ہائے زندگی میں بغیر قرض دہندگی کے استعمال ہوں گے اور سرمایہ کاروں سے کچھ منافع لیا جائے گا اور بینکوں میں بطور ودیعت سرمایہ رکھنے والوں کو اس میں سے کچھ دیا جائے گا گویا بینک طرفین کے درمیان ایک واسطہ ہے۔

بینکوں کے منافع جات کی حمایت میں جو مقالات لکھے گئے ان میں سے ایک مقالہ سید فہمی ہویدی کا ہے جو مجلہ عربی شمارہ ۳۴۱ شعبان ۱۴۰۷ مطابق اپریل ۱۹۸۷ میں شائع ہوا، انہوں نے ایک عالم کا قول بھی نقل کیا ہے جس میں بینکوں میں رکھی گئی امانتوں کے منافع جات کو مباح قرار دیا گیا ہے اور فقہی اصول "کل قرض جر نفعاً فھو ربا" (یعنی ہر وہ قرضہ جو منافع لائے وہ سود ہے) پر اعتماد کو کالعدم قرار دیا گیا ہے چونکہ یہ اصول حدیث نہیں ہے۔ نیز اس سے استدلال کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

ان میں سے انہی عالم کا ایک فتویٰ بھی ہے میری مراد ڈاکٹر عبدالمنعم نمر ہیں انہوں نے روزنامہ "الاھرام" بروز جمعرات ۲۷ شوال ۱۴۰۹ مطابق ۶ جنوری ۱۹۸۹ م میں فتویٰ جاری کیا جس میں بینکوں کے منافع جات کو مباح قرار دیا گیا۔

ان میں سے ایک فتویٰ مصر کے مفتی ڈاکٹر محمد سید طنطاوی کا ہے انہوں نے اس فتویٰ میں بینکوں کی آمدنی کو مباح قرار دیا ہے اور یہ فتویٰ ۵ جمادی الثانی ۱۴۱۰ مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۸۹ء کو نشر کیا گیا۔ سب سے بڑی آفت تو مذکور مفتی مصر کا بیان ہے جو ربیع ۱۴۱۰ مطابق نومبر ۱۹۸۹ میں جاری کیا گیا جس میں سودی منافع جات کو حلال قرار دیا گیا، پھر ۱۹۹۱م میں یہ بیان جاری کیا کہ روئے زمین پر بینکوں کے جملہ منافع جات حلال ہیں۔ ❶

اب میں یہاں مرحلہ وار ہونے والی سود کی حرمت کو بیان کروں گا اور احادیث نبویہ بیان کروں گا جن کے ثبوت میں قطعاً کوئی شک نہیں، ان کے ساتھ ممالک عربیہ کے قوانین بھی ذکر کروں گا پھر جن کی منافع جات کے قائلین کے شبہات کا معارضہ پیش کروں گا۔

قانون سازی میں درجہ بندی...... درجہ بندی اور مرحلہ واری کی رعایت احکام شریعت کی خصوصیات میں سے ہے، چنانچہ اسلام نے یکمشت شراب کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ حرمت شراب کے چار مرحلے ہیں پھر آخر میں سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۹۰، ۹۱ "اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ......" نازل ہوئی۔

زنا کی سزا کے متعلق دو مرحلے گزرے، پہلے مرحلہ میں عورتوں کو قید کرنے اور مردوں کی پٹائی کرنے کا حکم آیا جو سورۃ النساء کی دو آیات ۱۵، ۱۶ میں بیان ہوا پھر دوسرے مرحلہ میں حتمی طور پر کوڑوں کی سزا مقرر کر دی گئی جس کا بیان سورۃ النور کی آیت "اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي...... الآية" میں ہوا ہے۔

اسی طرح حرمت سود چار مرحلوں سے گزری ہے۔

اول...... سب سے پہلے یہودی سود خوروں کے فعل کی قباحت کو بیان کیا گیا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ...... المائدہ/ ۴۲

یہ کان لگا کر جھوٹ باتیں سننے والے ہیں اور جی بھر بھر کر حرام کھانے والے ہیں۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ النساء/ ۱۶۰، ۱۶۱

غرض یہودیوں کی سنگین زیادتی کی وجہ سے ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان پر حلال تھیں، اور اس لئے کہ وہ بکثرت لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے، اور وہ سود لیا کرتے تھے حالانکہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا اور لوگوں کے اموال ناحق طریقہ سے کھاتے تھے اور ان میں سے جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

دوم...... دوسرے مرحلہ میں سود اور زکوٰۃ میں فرق کو بیان کیا گیا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَا آتيتم من ربا ليربوا في أموال الناس فلا يربوا عند الله وما آتيتم من زكوٰة تريدون وجه الله فأولئك هم المضعفون

اور یہ جو تم سود دیتے ہو تا کہ وہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھ جائے تو وہ اللہ کے نزدیک بڑھتا نہیں ہے اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی کے لئے دیتے ہو تو جو لوگ بھی ایسا کرتے ہیں وہ ہیں جو کئی گناہ بڑھا لیتے ہیں۔

سوم...... تیسرے مرحلہ میں زمانہ جاہلیت کے مشرکین عرب کے سودی طریقہ کار کی مذمت کی گئی اور مسلمانوں کو ان مشرکین کی نقل

❶...... پاکستان میں بھی اس طرح کے فتاویٰ کی بازگشت عرصہ تک سنی جاتی رہی ہے خصوصاً مودودی صاحب کے فتویٰ اور مقالہ کو بنکاروں نے بطور حجت پیش کیا۔

کرنے سے منع کیا گیا چنانچہ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً...... آل عمران ۳/ ۱۳۰

اے ایمان والو کئی گنا بڑھا چڑھا کر سود مت کھاؤ۔

آیت میں نہی حالت مضاعفت (چند در چند) پر مقصود نہیں ہے یہ تو بیان واقع کے لئے ایک قید ہے اور اس زمانہ میں عرب میں سود خوری کے اس طریقہ کار کی قباحت کو بیان کیا گیا ہے صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک شخص دوسرے کو ایک مدت تک کے لئے قرضہ دیتا پھر جب مدت پوری ہو جاتی اور مرہون (مقروض) ادائیگی سے عاجز ہوتا تو قرض دہندہ اس سے کہتا یا قرضہ ادا کر دیا مجھے سود دو۔ قرض دہندہ سود کے مقابل میں مدت بڑھا دیتا، یہ تو بعینہ وہی طریقہ کار ہے جو عصر حاضر میں بینکوں میں رائج ہے مثلاً بینک ۷% یا ۹% منافع دیتا ہے اور لیتا ہے۔ اگر مدیون قرض ادائیگی سے عاجز آجائے تو دوسرے سال فائدہ بڑھا دیا جاتا ہے پھر تیسرے سال اور بڑھا دیا جاتا ہے ھلم جرا بالآخر منافع اصل سرمائے کے برابر ہو جاتا ہے یہ فائدہ مرکبہ ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس پر قائلین کو تنبہ نہیں ہوا، بلکہ یہ منافع تو جاہلی سود سے بدتر ہیں۔

چہارم...... چوتھے مرحلہ میں سود کو قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا حتیٰ کہ سود خوروں کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہوا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ البقرۃ ۲/ ۲۷۵۔۲۷۶

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اٹھیں گے تو اس شخص کی طرح اٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر پاگل کر دیا ہو، یہ اس لئے ہوگا کہ انہوں نے کہا تھا کہ ''بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہوتی ہے، حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے، لہٰذا جس شخص کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت آگئی اور وہ سودی معاملات سے باز آگیا تو ماضی میں جو کچھ ہوا وہ اسی کا ہے اور اس کی باطنی کیفیت کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جس شخص نے لوٹ کر پھر وہی کام کیا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو ناشکرا گنہگار ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ البقرۃ ۲/ ۲۷۸، ۲۷۹

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اگر تم واقعی مومن ہو تو سود کا جو حصہ بھی کسی کے ذمہ باقی رہ گیا ہو اسے چھوڑ دو، پھر بھی اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو اور اگر تم سود سے توبہ کرو تو تمہارا اصل سرمایہ تمہارا حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

اس قرآنی واضح دوٹوک حکم کے بعد کثیر احادیث میں حرمت کا حکم آیا جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث ہے جس میں سود خوری کو موبقات سبع میں سے قرار دیا گیا ہے، مسلم وغیرہ کے ہاں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ ''انما الربا فی النسیئۃ'' یا ''لا ربا الا فی النسیئۃ'' یعنی سود تو ہی ہے ہی نسیئہ میں، ابوداؤد وغیرہ نے ابن مسعود اور جابر رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کی ہے کہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سود کے گواہوں اور سود کے کاتب پر لعنت کی ہے۔ اسی طرح ربا البیوع کی حدیث جو اصناف ستہ کے متعلق ہے اور مسلم وغیرہ نے اسے روایت کیا جو کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”سونا سونے کے بدلہ میں چاندی چاندی کے بدلہ میں، گندم گندم کے بدلہ میں، جو جو کے بدلہ میں کھجوریں کھجوروں کے بدلہ میں، نمک نمک کے بدلہ میں برابر سرابر ہوں اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو، اگر یہ احناف مختلف ہوں تو جیسے چاہو خرید وفروخت کرو بشرط یہ کہ ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو۔“ جصاص رحمہ اللہ احکام القرآن میں رقم طراز ہیں: ہمارے نزدیک یہ حدیث متواتر ہے چونکہ اس کو روایت کرنے والوں کی کثیر تعداد ہے، نیز اس حدیث کے معمول بہا ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

اسی طرح حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کے ستر مفاسد ہیں اس کا معمولی مفسدہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں کے ساتھ نکاح کر لے.....الحدیث۔

پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ سود حرام ہے ماوردی کہتے ہیں۔“ یہاں تک کہا گیا ہے کہ سود کبھی بھی کسی شریعت میں حلال نہیں ہوا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَّ اَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ ......النساء ۴/ ۱۶۱

اور وہ (یعنی یہودی) سود لیتے تھے حالانکہ انہیں سود سے منع کیا گیا تھا۔

یعنی کتب سابقہ میں انہیں سود سے منع کیا گیا تھا۔

ربا حرام......وہ سود جو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

ا......ربا نسیئہ جس کے سوا اہل عرب جاہلیت میں کسی اور قسم کو سود سمجھتے ہی نہیں تھے۔ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

۲......ربا البیوع یعنی وہ سود جو حدیث میں بیان کردہ اجناس ستہ کی خرید وفروخت میں ہوتا ہے، اسے ربا الفضل بھی کہا جاتا ہے، ربا الفضل کو اس لئے حرام قرار دیا گیا ہے تا کہ ربا نسیئہ تک پہنچنے کا ذریعہ نہ بنے یا ربا القرض کا ذریعہ نہ بنے، مثلاً ایک شخص نے ایک مدت تک کے لئے ادھار سونا فروخت کیا پھر زائد مقدار کے ساتھ چاندی دے یہ ربا نسیئہ ہے جو بیوع میں پایا جارہا ہے یہ اس وقت متحقق ہوتا ہے جب اصناف معینہ میں کسی ایک بدل میں تاخیر کر دی جائے یا ادھار کر دیا جائے اصناف معینہ جو شافعیہ کے نزدیک علت طعم میں آتی ہوں اور مالکیہ کے نزدیک قوت وادخار کی علت میں آتی ہوں اور حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک کیل اور وزن میں آتی ہوتی، چنانچہ ربا نسیئہ زمانہ کے ساتھ زیادتی ہے، ربا نساء بلا زیادتی کے تاخیر ہوتی ہے اور ربا الفضل بلا تاخیر زیادتی ہے۔ چنانچہ جو کے ساتھ گندم کی خرید وفروخت میں سود نہیں بشرط یہ کہ مجلس عقد میں بدلین پر قبضہ کر لیا گیا ہو، جیسے مطعومات کو کاغذی کرنسی کے بدلہ میں فروخت کرنے میں سود نہیں، لیکن اگر ایک کلو گندم آج دی گئی اور اس کے بدلہ میں ایک مہینہ بعد ایک کلو گندم لی گئی تو اس میں سود ہے چونکہ جنس متحد ہے۔

اسی طرح اگر ادھار کاغذی کرنسی کے بدلہ میں زیورات خریدے گئے یعنی زیورات پر قبضہ کر لیا گیا لیکن روپے ادھار رہے تو اس میں بھی سود ہوگا چونکہ ثمنیت کی علت شافعیہ کے نزدیک پائی گئی ہے۔

ہر زیادتی سود نہیں، بلکہ مخصوص اموال میں زیادتی سود ہے اسی طرح قرضے میں مشروط زیادتی یا عرف کے مطابق کی زیادتی سود ہے جو حرام ہے۔ البتہ قرض ادائیگی کے وقت تبرعاً غیر مشروط زائد مال دے دینا سود نہیں یہ کہنا صحیح نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود دیا ہے اور دلیل میں اس حدیث کو پیش کیا جائے۔ ”خیر کم احسنکم قضاء“ تم میں سے افضل وہ ہے جو نہایت اچھے طریقہ سے دوسرے کا حق چکا دے۔“

بینکوں کا سود......بینکوں کا سود یا بینکوں کے منافع جات ربانسیہ میں سے ہیں برابر ہے کہ منافع بسیط ہو یا مرکب ہو چونکہ بینکوں کا اصل کام قرضہ جات دینا اور لینا ہے، چنانچہ اگر بینک کسی دوسرے شخص سے قرضہ لے تو اسے ۴% یا ۵% کے حساب سے منافع دیتا ہے اور اگر کوئی شخص بینک سے قرضہ لے تو بینک ۹% یا ۱۲% کے حساب سے فائدہ لیتا ہے، یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں کہ بینک تو کھاتہ دار (مودع) اور قرض لینے والے کے درمیان محض ایک واسطہ ہے، اور اس وساطت کے مقابلہ میں بینک کمیشن لیتا ہے، چونکہ بینک سرمایہ کاری کی ترقی سے روکا گیا ہے اور مودع (بینک میں مال رکھنے والا) بینک کے ساتھ نفع اور نقصان میں شریک نہیں ہوتا اور بینک قرضہ لینے والے کے خساروں اور فوائد میں شریک نہیں ہوتا۔

جبکہ سود کی مضرت بینکوں کے فوائد میں متحقق ہے لہٰذا بینکوں کے منافع جات حرام ہیں، حرام ہیں، حرام ہیں۔

جیسے عام سود حرام ہے، ان کا گناہ سود کا گناہ ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ......البقرۃ ۲/۲۷۹

اگر تم توبہ کرلو تو اصل سرمایہ تمہارا حق ہے۔

آج کل لوگوں کے عرف میں سود کا اطلاق صرف اسی مال منافع پر ہوتا ہے جو قرضہ کی تاخیر سے ملے اور یہ جاہلی سود کے مشابہ ہے۔

ربانسیہ عقد صرف اور عقد قرض میں اب بھی پوری طرح وقوع پذیر ہے مثلاً ڈالروں کے بدلہ میں دراہم خریدے لیکن کسی ایک پر قبضہ نہ کیا یا کوئی دینار مثلاً قرض میں لئے اور ۵ فیصد فائدہ دینا قرار پایا یا مال کی ایک قطعی مقدار کا مثلاً سو دینار یا ہزار دینار اصل سرمایہ کے ساتھ دینے کا معاہدہ کرلیا، رہی بات ربا الفضل کی سو وہ نادر ہے لیکن ربانسیہ کا دروازہ بند رکھنے کے لئے ربا الفضل بھی حرام ہے۔

بینکوں کے سود کی حرمت نص قرآن، سنت اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے، رہا یہ فقہی اصول "کل قرض جر نفعاً" جی ہاں یہ حدیث نہیں لیکن یہ اصول صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت سے ثابت ہے کہ صحابہ ایسے قرض سے منع فرماتے تھے جو اپنے ساتھ سود کو کھینچ کر لائے، صحابہ کا منع کرنا سنت نبویہ سے مستفاد تھا وہ اس طرح کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور سلف سے منع فرمایا ہے۔ سلف لغت حجاز میں قرضہ کو کہا جاتا ہے، اس حدیث کی وضاحت اس مثال سے ہوتی ہے مثلاً ایک شخص نے کسی دوسرے کو اس شرط پر ایک ہزار دینار قرضہ میں دیئے کہ مقروض اسے اپنا گھر فروخت کرے گا یا مقروض اسے عمدہ دینار واپس کرے گا یا اسے زائد مال دے گا، زائد مال قطعی طور پر حرام ہے جیسے کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ بشرطیکہ زائد مال مشروط ہو یا ان کے ہاں قرضہ میں متعارف ہو، البتہ اگر زائد مال مشروط بھی نہ ہو اور متعارف بھی نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ سود نہیں، اس قاعدہ۔ "کل قرض جر نفعاً فھو ربا" کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ قاعدہ ایسے قرضہ کے متعلق ہے جس میں نفع کی شرط لگائی گئی ہو یا اس پر عرف جاری ہو چنانچہ امام کرخی نے یہی لکھا ہے۔

اسی طرح بینکوں میں ودیعت کے طور پر مال رکھنا اور یہ معاہدہ کرنا کہ حاصل شدہ منافع جات سے سرکاری ٹیکسز ادا کئے جائیں یا منافع جات فقراء میں تقسیم کئے جائیں گے سوا ایسا کرنا حرام ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک مال ہی کو قبول کرتا ہے، مسند امام احمد میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی حرام طریقہ سے مال کماتا ہے اور اس میں سے خرچ کرتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ اس میں سے صدقہ کرتا ہے کہ وہ قبول کیا جائے، وہ اس مال کو اپنے پیچھے چھوڑے گا تو وہ اس کے سامان دوزخ ہی میں اضافے کا سبب بنے گا، اللہ تعالیٰ برائی کے ذریعہ برائی کو نہیں مٹاتا البتہ اچھائی کے ذریعہ برائی کو مٹاتا ہے اور اللہ تعالیٰ گندی چیز سے گندی چیز کو نہیں مٹاتا۔ ہاں البتہ اگر غیر مسلم ممالک کے بینکوں میں سرمایہ رکھا ہو تو اس سے حاصل شدہ منافع جات کو غیر مسلموں کے لئے نہ چھوڑا جائے بلکہ وہاں سے نکال کر مصالح عامہ میں اسے صرف کرنا چاہئے مثلاً سڑکیں، راستے، اسکولز، ہسپتال وغیرہ تعمیر کئے جائیں، غیر

مسلموں کے پاس نہ چھوڑا جائے تاکہ انہیں ہمارے اوپر تقویت حاصل نہ ہو یا اس منافع سے عوامی بیت الخلاء تعمیر کیے جائیں چنانچہ ازھر کی افتاء کمیٹی نے بھی یہی فتویٰ صادر کیا ہے۔ نیز اس تجویز میں اھون الشرین کو اختیار کرنا ہے۔

ممالک عربیہ کے قوانین میں حاصل ہونے والے فوائد..... بلاد عربیہ میں قوانین کی عبارتیں مختلف ہیں جو کہ بینکوں سے حاصل ہونے والے منافع جات کے حرام ہونے یا مباح ہونے پر ہیں لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ بایں ہمہ عرب میں بینکاری نظام اور حاصل شدہ فوائد کا کاروبار پوری طرح موجود ہے، اس موقع پر مختلف پہلو سامنے آتے ہیں، چنانچہ ایک رجحان کی رو سے بینکوں کے منافع جات کو مطلقاً جائز قرار دیا گیا ہے جیسے مجلّہ التزامات، عقود تونسیہ، قانون موجبات اور عقود لبنانی، ان میں فوائد کو جاری رکھنے پر وضاحت ہے اور فائدہ کی کوئی حد مقرر نہیں۔ ترکی میں بھی ایسا ہی کیا جارہا ہے چنانچہ ترکی کے حالیہ وزیراعظم کی زبان سے یہ بیان جاری ہوا ہے کہ شرح سود میں کھلی چھوٹ ہے۔

جبکہ دوسرے رجحان کی رو سے سود کو چند قیود کے ساتھ جائز قرار دیا گیا ہے جیسے کہ مصر اور سوریہ کے سول قانون میں ہے۔ ''جائز نہیں کہ سود اصل سرمائے کو تجاوز کر جائے اور یہ بھی جائز نہیں کہ سود آخری حد سے بھی آگے نکل جائے۔ اس کا نفاذ عدالتی مطالبہ سے ہوگا۔ مصری قانون دفعہ ۲۲۶ اور عراقی قانون دفعہ ۱۷۱ میں سود کے متعلق وضاحت کی گئی ہے کہ سول اور دیوانی سطح پر ۴% کے حساب سے اور کمرشل سطح پر ۵% کے حساب سے، مغربی قانون دفعہ ۸۷۰ میں وضاحت ہے کہ مسلمانوں کے درمیان سود کی پابندی باطل ہے اور اس سے عقد باطل ہوگا، جزائری سول قانون جو ۱۹۷۵ء میں نافذ ہوا کے دفعہ ۴۵۵، ۴۵۶ میں صراحت ہے کہ افراد کے درمیان قرضہ کا لین دین بغیر کسی اجرت کے ہوگا اور جو معاہدہ بھی اس کے خلاف ہو وہ باطل ہوگا۔ لیکن اس قانون میں بینکوں اور دوسرے سعودی اداروں کے ساتھ سودی کاری کے معاملہ کو جائز رکھا گیا ہے۔ اسی طرح لیبی قانون دفعہ ۴۷ مجریہ ۱۹۷۲ء میں اشخاص اور بینکوں کے درمیان سود کو مباح رکھا گیا ہے جبکہ نجی سطح پر لوگوں کے درمیان سود کو ممنوع رکھا گیا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کی شریعت اور دین میں یہ فرق روا نہیں رکھا گیا، چنانچہ سود کی حرمت میں فرد اور حکومت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ شرعی حکم سب کے لئے برابر ہے، ورنہ حکومت کے لئے جائز ہے کہ وہ شخصی معنوی حیثیت کی آڑ میں اسلام کے حرام کردہ حکم کو اپنے لئے جائز کردے پھر ظلم، غبن، قتل اور باطل طریقہ سے لوگوں کے اموال کو ہتھیانا حکومت کے لئے کوئی ممنوع نہ ہو۔

حالانکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے خلیفہ ہارون الرشید سے کتاب الخراج میں فرمایا ہے۔ ''کہ حکمران کے لئے جائز نہیں کہ وہ ناحق کسی سے کوئی چیز ہتھیائے ہاں البتہ ثابت شدہ حق کے ساتھ لے سکتا ہے۔''

اسی رجحان کے مطابق اردنی قانون جو عثمانی نظام میں ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں جاری کیا گیا اس میں سود کی انتہائی حد ۹% مقرر کی گئی، اردن کے سول قانون دفعہ ۶۴۰ میں وضاحت کی گئی ہے کہ قرضہ میں منافع کی شرط باطل ہے لیکن عقد صحیح ہے، عرب امارات کے قوانین میں بھی اسی قسم کا معمول ہے، چنانچہ ابوظہبی کے قانون میں سول معاملات اور کمرشل معاملات میں برابری رکھی گئی ہے، اعلیٰ اتحادی محکمہ نے دفعہ ۱۴ کی تشریح ۱۹۷۹ء میں بطور دستور دفعہ ۶۱، ۶۲ یوں کی ہے۔ کہ ''البتہ محکمہ کی متعین کردہ سودی شرح سے زائد سود جائز نہیں، عرب امارات کے قانون دفعہ ۱۴۷ میں صراحت ہے کہ قرض میں زائد منافع کی شرط باطل ہے اور معاملہ صحیح ہے لیکن عرب امارات کے تعزیراتی قانون دفعہ ۴۰۹ میں ہے کہ مرتکب کو تین ماہ سے زائد مدت کے لئے حبس (قید) میں رکھا جائے گا اور اس پر دو ہزار درہم کا جرمانہ عائد کیا جائے گا یعنی ہر ایسا شخص جو نجی طور پر کسی دوسرے سے ربانسیئہ کا معاملہ کرے خواہ سول معاملہ ہو یا کمرشل معاملہ ہو، اس میں ہر ایسا سودی فائدہ داخل ہے جو صریح ہو یا مخفی ہو۔'' اس قانون کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ بینکوں کے ساتھ سودی معاملہ تعزیرات سے مستثنیٰ ہے۔

البتہ سوڈان کے قانون دفعہ ۱/۹/۲۷۹، ۲۸۱ اور کویت کے قانون ۱/۷/۵۴۷ میں صراحت ہے کہ سود یا ظاہری منافع ممنوع

ہے۔'' قرضے کا لین دین بغیر نفع کے ہوگا اور قرضہ کے لین دین میں جو شرط بھی فائدہ پر مبنی ہو باطل ہے۔'' لیکن کویت کے کمرشل قانون کے دفعہ ۱۰۲ میں ہے کہ دائن کو حق ہے کہ وہ کمرشل قرضہ میں منافع کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ سوڈان اور سعودیہ میں یہی قانون معمول بہا ہے۔

قائلین اباحت کے شبہات: ا...... بینکوں کے منافع جات کو مباح قرار دینے والوں کا دعویٰ ہے کہ بینکوں سے حاصل ہونے والا منافع اضعافاً مضاعفہ (چند در چند) نہیں ہوتا بلکہ یہ منافع قلیل تناسب سے ملتا ہے جو ۴% یا ۷% یا ۹% ہوتا ہے، لہٰذا حرمت سود کا حکم یعنی۔'' وَحَرَّمَ الرِّبٰوا '' ان منافع جات کو شامل نہیں ہوگا اور یہ وہ سود نہیں جو اہل عرب کے ہاں مروج تھا۔ اس دعویٰ پر ردیوں ہے کہ آیت میں جو سود بیان کیا گیا ہے یہ وہ مروج سود نہیں جو سورت آل عمران میں بیان کیا گیا ہے، وہ تو جاہلی مضاعف سود ہے، بلکہ قرآن وسنت میں سود کی مختلف انواع کی جو تفصیل آئی ہے وہ ربا الفضل اور ربا نسیئہ ہے جو ربا البیوع اور ربا القرض کو شامل ہے، محض ربا المضاعف نہیں ہے۔ بلکہ ہر زائد مال سود ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ

اور اگر تم توبہ کرلو تو اصل سرمایہ تمہارا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو ان الفاظ کے ساتھ مؤکد کیا ہے:

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ

نہ تم ظلم کرو اور نہ ہی تمہارے اوپر ظلم کیا جائے۔

نیز آیت کریمہ ''حَرَّمَ الرِّبٰوا'' میں ''الربا'' کا الف لام جنس کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جنس ربا کو حرام کردیا ہے خواہ وہ جس نوع کا ہو، پھر احادیث صحیحہ میں اس جنس کی مراد کو واضح کیا گیا ہے یعنی مخصوص اموال میں زیادتی، بیع، قرض اور صرف۔ لیکن فقہاء کے درمیان علت ربا میں اختلاف ہوا ہے چنانچہ فریق اول حنفیہ اور حنابلہ ہیں انہوں نے کیل اور وزن کو علت قرار دیا ہے لہٰذا سود ہر اس جنس کو شامل ہوگا جو کیل سے فروخت کی جاتی ہو جیسے گندم اور جو، اور ہر اس چیز کو بھی شامل ہوگا جو وزن کر کے فروخت کی جاتی ہو جیسے روئی، لوہا، سونا اور چاندی۔

دوسرا فریق مالکیہ ہیں انہوں نے مطعومات کی علت ربا قوت اور ادخار کو قرار دیا ہے یعنی مطعوم غالب احوال میں انسانوں کی خوراک ہو اور ایک سال تک ذخیرہ رکھا جاسکتا ہو الغرض مدت کی تحدید بحسب عرف وعادت ہے۔

تیسرا فریق شافعیہ ہیں انہوں نے طعم کو علت ربا قرار دیا ہے یہ علت ہر ایسی چیز کو شامل ہے جسے انسان خوراک، پھل اور علاج کے طور پر استعمال کرتا ہو، فریق ثانی اور ثالث کا اس پر اتفاق ہے کہ نقدین میں علت ربا ثمنیت ہے یعنی وہ چیز اشیاء کا ثمن بن سکتی ہو۔

سرمایہ کاری اور ظلم علت ربا نہیں بلکہ یہ تو ایک حکمت ہے جس کے ساتھ شرعی حکم مربوط نہیں ہوتا، لہٰذا حکمت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے چونکہ اسے ضبط میں لانا ناممکن ہے، پھر تو یہاں تک کہا جائے گا کہ جب سرمایہ کاری اور ظلم نہ ہو جیسے زرعی پیداوار کے لئے قرضہ جات، فیکٹری لگانے کے لئے قرضہ، عمارت کھڑی کرنے کے لئے قرضہ اور دیگر پیداوری، ذرائع کے لئے قرض لینا اور ان مدات سے لیا گیا سودی منافع جائز ہے۔ پھر بینکوں کا سود مرکب ہوگا اور اضعافاً مضاعفہ کی سطح پر آجائے گا۔

اس اثر بھی صحیح نہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقط ربا الجاہلیت کو حرام قرار دیتے تھے اور ربا الفضل اور ربا نسیئہ کو حرام قرار نہیں دیتے تھے، جیسا کہ سنہوری کو وہم ہوا ہے۔

۲..... بینکوں کے منافع جات کی اباحت کے قائلین کا دعویٰ ہے کہ لفظ ''ربا'' شریعت میں مجمل ہے بعض عرب اسے کچھ سمجھتے ہیں اور بعض کچھ، یہ قائلین اپنی رائے کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آیت ربا قرآن کے آخر میں نازل ہوئی ہے جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وضاحت کرنے سے پہلے رخصت ہو گئے، لہٰذا تم سود اور شبہ سود کو چھوڑ دو۔ لیکن ان قائلین کی یہ شدید خطا ہے چونکہ شریعت قران اور سنت صحیحہ کا نام ہے، جبکہ قران نے جنس ربا کو حرام قرار دیا ہے، اس کی دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول بھی ہے۔ ''فدعوا الربا والریبہ'' یعنی سود بھی چھوڑ و اور ان چیزوں کو بھی چھوڑ و جن میں سود کا شائبہ ہو۔ نیز احادیث صحیحہ میں فرمان باری تعالیٰ ''وحرم الربا'' کی مراد کو بیان کیا گیا ہے چنانچہ ۷ ھ میں فتح خیبر کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع عمدہ کھجوروں کے بدلہ میں دو صاع ردی کھجوریں لینے کو عین ربا قرار دیا ہے۔ اس حدیث کے پس منظر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس طرح کا معاملہ عرب میں عام ہوتا تھا، اور اہل عرب کے ہاں اسے بیع تصور کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس بات پر دال ہے کہ یہ عقد ربا حرام پر مبنی ہے اور بیع حلال نہیں ہے، جیسا کہ قران میں وارد ہونے والا لفظ ربا معاملہ کی اس نوع کو بھی شامل ہے، بنابرایں یہ کہنا کسی طرح روا نہیں کہ سود ربا الجاہلیت کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ اضعافاً مضاعفہ ہے اور ربا کی دوسری انواع کی حرمت مشکوک ہے اور اگر اسے حرام سمجھا بھی جائے تو ربا الجاہلی سے کمتر ہے۔ جیسا کہ سید رشید رضا نے کہا ہے۔

۳..... بعض معاصرین جیسے ڈاکٹر دوالیبی کا دعویٰ ہے کہ حرام ربا قرضہ جات کا ربا ہے جو ضرورت کے وقت حاجت مند لوگ لے لیتے ہیں اور چند در چند واپس کرتے ہیں، البتہ وہ قرضہ جات جو مالدار لوگ سرمایہ کاری کے لئے لیتے ہیں اور پھر اسی صنعتی یا زرعی یا تجارتی پیداوار میں صرف کرتے ہیں جس سے انہیں بھاری مقدار میں منافع ہوتا ہے، پھر یہ لوگ کچھ منافع کے ساتھ قرضہ واپس کرتے رہتے ہیں یہ سود حرام ربا میں سے نہیں ہے چونکہ یہاں محتاج کی حاجت کی علت نہیں پائی جارہی۔ سب سے پہلے اس نظریہ کو ۱۹۵۱ء میں یہودی فکر اور سرمایہ دارانہ نظام معیشت سے مرعوب ہو کر اچھالا گیا، میں نے اس نظریہ کی تردیدیوں کی ہے کہ حکم منضبط علت کی ساتھ قائم ہوتا ہے نہ کہ حکمت کے ساتھ چونکہ حکمت ایک شخص کے الگ ہوتی ہے اور دوسرے کے لئے الگ۔ جبکہ سود کو سرمایہ کاری اور ظلم کے ساتھ مربوط کرنا ایک تشریعی حکمت ہے حکم کی علت نہیں حالانکہ شریعت نے جنس ربا کو حرام قرار دیا ہے اور قرض صارفہ اور سرمایہ کاری کے قرض میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ اسلام نے شروع ہی سے ربا کی انواع کو حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مالدار شخص تھے اور ان کا سود ساقط کر دیا گیا۔

۴..... قائلین اباحت کا دعویٰ ہے کہ پیداواری قرضہ جات کا فائدہ/سود مصلحت کے تحت ہے لہٰذا یہ فائدہ جائز ہے اگر چہ اس میں مفسدہ ہے، اس کے ساتھ ایک عالم کا اپنی طرف سی گھڑا ہوا ایک قاعدہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ جب کوئی مصلحت کسی مفسدہ کے معارض ہو تو مصلحت مقدم ہوگی، یہاں قومی وسائل کو کام میں لانے کا تصور ہے اور اس میں مزدور طبقہ کے لئے روزگار فراہم کرنے کی مصلحت ہے نیز اس میں قرض دہندہ اور قرض دینے والے کا فائدہ ہے، یہ تو مصلحت ہے اور مفسدہ صرف سود کا ہے۔

لیکن قائلین اباحت کی یہ صریح غلطی ہے چونکہ مذکور بالا من گھڑت قاعدہ کے مقابلہ میں شرعی قاعدہ ہے کہ ''درأ المفاسد مقدم علی جلب المصالح'' یعنی پہلے مفسدہ سے نمٹا جائے گا اور مصلحت کو پس پشت رکھا جائے گا، مصلحت پر تو اس وقت عمل کیا جائے گا جب مصلحت کسی شرعی نص کے معارض نہ ہو نیز مصلحت پر عمل کی راہ اس وقت ہموار ہوتی ہے جب نص، اجماع اور قیاس کی دلیل مفقود ہو۔ جبکہ پیداواری قرضہ جات کے مفاسد محض خیالی مصالح سے اکثر اور زیادہ خطرناک ہیں، نیز سرمایہ کار پیداوار کی مقدار سے حاصل شدہ فائدہ کو بڑھا دیتا ہے، جس سے اشیاء کی قیمت بھی بڑھ جاتی ہے اور گرانی نرخ میں تو عوام الناس کا نقصان ہے، نیز حاصل ہونے والا فائدہ اصل سرمائے کی ترقی میں لگا دیا جاتا ہے، اور اس میں دولت مالداروں ہی کے پاس منجمد ہو کر رہ جاتی ہے اور یوں غنی اور فقیر میں واضح تفاوت جوں کی توں رہتی ہے۔

۵.....قائلین اباحت کا ایک دعویٰ یہ ہے کہ بینکاری عصر حاضر میں اقتصادی ضرورت بن چکی ہے اس سے مستغنی نہیں رہا جا سکتا، مگر یہ نکتہ بھی سبز باغ دکھانے کے مترادف ہے اور نرا دھوکا ہے چنانچہ اشتراکی نظام میں بنکاری فوائد کا نظام موجود نہیں۔ نیز اسلامی بینک جن کی تعداد عصر حاضر میں پچاس سے زائد ہو چکی ہے نہایت کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں جبکہ ان اسلامی بینکوں کو قائم ہوئے ابھی صرف ۱۳ سال ہوئے ہیں، یہ تو اقتصادی نظام کے قیام پر نمایاں دلیل ہے اور یہ نظام سودی منافع جات سے پاک بھی ہے یہ کہنا بھی کسی طرح صحیح نہیں کہ بینکوں کے منافع جات پر لوگوں کا عرف چل پڑا ہے، واضح رہے عرف قانون سازی کا ایک قاعدہ ہے لیکن سودی فوائد کا عرف محض فاسد ہے چونکہ یہ نصوص شرعیہ کے متصادم ہے۔

۶.....افراط زر کی آڑ میں سود کا عذر پیش کرنا بھی کسی طرح صحیح نہیں، کہ سرمایہ کار کو وسیع پیمانے پر فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ اس میں سے کچھ دیتا ہے، یہ بھی محض مغالطہ ہے جو نصوص کے خلاف ہے، سود سود ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ اور فائدہ کو مفقود قیمت کا عوض قرار دینا بھی صحیح نہیں چونکہ درحقیقت فائدہ مرور زمانہ کے ساتھ استعمال نقدی کا نرخ ہے قیمت مفقودہ کا عوض نہیں، جس طرح سود فعلاً افراط زر کا سبب ہے لیکن اس کا کوئی پیداواری نتیجہ نہیں ہوتا جیسا کہ ماہرین اقتصادیات کے ہاں یہ طے شدہ ہے۔

۷.....فکری انحطاط اور علمی کم مائیگی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ کاغذی کرنسی کا وزن نہیں کیا جاتا لہٰذا کاغذی کرنسی اموال ربویہ میں سے نہیں بلکہ کرنسی نوٹ کا حکم سامان تجارت جیسا ہے، نیز قائلین اباحت کی طرف سے یہ بازگشت بھی سننے میں آتی ہے کہ کاغذی کرنسی فلوس کے حکم میں ہے، جن میں سود نہیں ہوتا، لیکن یہ نری جہالت ہے اور نقود کی حقیقت سے محض ناواقفی ہے، چونکہ کرنسی نوٹ اشیاء کے اصطلاحی ثمن ہیں، برابر ہے ثمن معدنی ہوں یا کوئی اور چیز، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو دیناروں کے بدلہ میں ایک دینار فروخت مت کرو، (نیل الاوطار ۵/۳۰۳) جبکہ فلوس میں قوت نقود نہیں پائی جاتی اور نہ ہی یہ نقود کا بدل ہیں۔ بلکہ فلوس تو تجارتی سامان کے حکم میں ہیں اور سامان اور اشیاء کی قیمت فلوس سے نہیں لگائی جاتی بلکہ سونا چاندی سے لگائی جاتی ہے، فلوس سے صفت سود اس لئے کشید کر لی گئی ہے کہ ان میں قوت نقد کالعدم ہے اور فلوس کو کمتر سمجھا جاتا ہے جیسے دو لپوں کے بدلہ میں ایک لپ گندم یا دو سیبوں کے بدلہ میں ایک سیب، میں سود نہیں چونکہ یہ مقدار معیار سے بہت کم ہے، اور فلوس میں بھی معیار کالعدم ہے (فلوس سے مراد پیتل، سلور، لوہا وغیرہ کے سکے ہیں) ماضی میں فلوس کو خرید و فروخت میں اس لئے رواج ملا کہ وہ اشیاء جن کی قیمت نہایت ارزاں تھی ان کی خریداری کو آسان تر بنایا جا سکے۔ اور لوگوں کو خریداری میں کوئی دشواری نہ ہو۔

۸.....بینکوں کا فائدہ جو صاحب مال کو دیا جاتا ہے اس کی مقدار متعین ہوتی ہے جو حرام ہے، اس مقدار میں کمی زیادتی نہیں ہوتی اور نقصانات کی صورت میں صاحب مال پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑتا نیز اس فائدہ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فائدہ اصل سرمایہ سے مستفاد ہے اور اصل سرمایہ مشروع امور مثلاً صناعت، تجارت اور زراعت میں لگایا جاتا ہے۔

بنا برایں مجلّہ ''العربی'' میں کچھ ایسے گمراہ فتاویٰ بھی منظر عام پر آئے ہیں جن میں سیونگ بینک کے منافع جات کو مباح قرار دیا گیا ہے، سیونگ نظام حکومتی اعتماد پر جاری ہوتا ہے اور حکومت رقوم کو فکس کرنے کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، اسی طرح بینک کے آمدنی سرٹیفکیٹ جو لوگوں کو اپنے اموال بینکوں میں ودیعت رکھنے پر ملتے ہیں اور ان کی قیمت کے برابر لوگوں کو سرٹیفکیٹ یا چیک مل جاتے ہیں پھر مدت مقررہ پر منافع مل جاتا ہے، ان دونوں قسم کے منافع جات کو مباح قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں چونکہ سیونگ نظام اور سرٹیفکیٹ ''کل قرض جر نفعًا'' کے قبیل میں سے ہیں، یہ عاریت نہیں چونکہ عاریت میں مستعار چیز کو بعینہ واپس کرنا ضروری ہوتا ہے۔

نیز نقود کا عاریہ حقیقت میں قرض ہے، یہ ودیعت بھی نہیں چونکہ امین کے لئے جائز نہیں کہ وہ امانتوں کو کام میں لائے اگر امانتوں کو استعمال میں لایا تو ضامن ہوگا، سیونگ اور سرٹیفکیٹ کو شرکت مضاربت بھی نہیں کہا جا سکتا چنانچہ مضاربت میں رأس المال پیشگی دے دیا جاتا

ہے اور دوسرے فریق کی طرف سے عمل ہوتا ہے اور منافع طے شدہ تناسب کے ساتھ تقسیم ہوتا ہے۔ جبکہ بینک رأس المال کے تناسب سے منافع کی ایک حد مقرر کر دیتا ہے یہ حد فعلی منافع کی نسبت کے اعتبار سے نہیں ہوتا، شرکت مضاربت میں مضارب رب المال کا شریک ہوتا ہے اور شریک ضامن نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ اس کی طرف سے تعدی ہو یا کوتاہی ہو، جبکہ بینک رأس المال کا ضامن ہوتا ہے اور اس کے ضامن ہونے پر باقاعدہ معاہدہ اور شرط ہوتی ہے۔ محض تبرعاً ضامن نہیں ہوتا، پھر منافع میں بغیر قطعی مقدار کی تحدید کی شرکت ضروری ہے اور مضاربت میں خسارہ رب المال پر بھی آتا ہے جبکہ بینکوں میں خسارہ کھاتہ داروں پر نہیں پڑتا۔ بسا اوقات بینکوں کو قرضہ بھی دینا پڑتا ہے چنانچہ مضارب کے لئے جائز نہیں کہ وہ قرضہ دے، نیز پیداوار یا منافع کی قطعی مقدار کو متعین کرنا جائز نہیں اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ شرکات، مساقات، مزارعت، مضاربت وغیرھا میں قطعی مقدار کی تخصیص کسی طرح جائز نہیں، چونکہ اس میں غرر ہے یعنی نفع کے ہونے اور نہ ہونے کا احتمال ہے اور منافع کے تناسب میں بھی احتمال ہے۔ چنانچہ رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہر کے اوپر کی زمین کے بدلہ میں زمین کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے اور آپ نے سونا اور چاندی کے ساتھ زمین کو کرائے پر دینے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ کہنے کا کوئی اعتبار نہیں کہ بینکوں میں دھرا سرمایہ ہمیشہ نفع ہی دیتا ہے اور خسارہ نادر الوقوع ہے لہٰذا غرر یسیر (یعنی معمولی) ہے جو قابل برداشت ہے اور عقد باطل نہیں ہوگا۔

چونکہ کلام غرر کی مقدار میں ہے غرر کی مقدار فاحش ہے اور نادر الوقوع اور عدیم الوقوع میں کلام نہیں ہے، چونکہ بینک کا جب خسارہ ہوتا ہے تو وہ فاحش قسم کا خسارہ ہوتا ہے معمولی نہیں ہوتا۔ ❶

واضح رہے "العربی" میں ایک عالم کے مقالہ جس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے میں بیمہ زندگی کو بھی جائز قرار دیا گیا ہے اور اس میں بھی غرر کو بہت معمولی مقدار سے ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ یہ بھی واقع کے خلاف ہے۔

چونکہ غرر کی مقدار فاحش ہے ہاں البتہ وقوع کا پیش آنا یا نہ آنا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۳۴﴾ لقمان ۳۱/ ۳۴

کسی متنفس کو یہ پتہ نہیں کہ وہ کل کیا کمائے گا اور نہ کسی متنفس کو یہ پتہ ہے کہ کون سی زمین میں اسے موت آئے گی بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور ہر بات سے باخبر ہے۔

خلاصہ..... بینکوں کے منافع جات شرعاً حرام ہیں اور ان کی حرمت قرآن، سنت، اجماع صحابہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، ان کی اباحت کا قول ادلۂ شرعیہ یعنی کتاب وسنت اور ادلۂ اجتہادیہ یعنی اجماع وقیاس کے متصادم ہے اور غیر فقہی قول کا کوئی اعتبار نہیں۔

جبکہ مفتی مصر ڈاکٹر سید طنطاوی نے قبل ازیں بینکوں کے منافع جات کی حرمت کا فتویٰ جاری کیا تھا اور اب ان کا جدید فتویٰ قدیم فتویٰ کے متصادم ہے۔

اسلامی بینکوں کے ساتھ معاملہ کا حکم:

اسلامی بینک؟...... یہ ایک ایسا مالی ادارہ ہوتا ہے جو لوگوں کے اموال جمع کرتا ہے اور اموال کو سرمایہ کاری میں لگا کر اقتصادی ترقی کا باعث بنتا ہے، اسلامی معاشرہ کی تعمیر وترقی اور اسلامی طریقۂ تعاون سے اس کا اہم کردار ہو سکتا ہے بشرطیکہ جملہ کارروائی اصول شرعیہ کے

❶ ......جی ہاں چشم فلک نے دیکھا کہ ۲۰۰۸م کے معاشی بحران میں مغربی اور یورپی دنیا کے ہزاروں بینک دیوالیہ ہو کر بند ہو گئے جس کی وجہ سے لاکھوں لوگ بے روزگار ہو گئے، یہ خسارہ معمولی نہیں تھا بلکہ یہ خسارہ اتنا فاحش تھا کہ ہندسوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ جبکہ اسلامی بینکوں کا ذرہ برابر نقصان نہیں ہوا چونکہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

موافق ہو۔ دراصل اسلامی بینک کا قیام اس لئے عمل میں آیا تاکہ سودی معاملات اور شرعاً ممنوعہ عقود سے اجتناب کیا جاسکے اور حاصل ہونے والے منافع جات کو حسب اتفاق تقسیم کیا جاسکے اور مجبور ومحتاج کو قرض حسنہ کے طریقہ سے نوازا جاسکے یوں یہ اقتصادی اور اجتماعی اعتبار سے اسلام کی طرف ایک دعوت ہے۔

اسلامی بینکوں کے امتیازات......اسلامی بینکوں اور تجارتی، سودی بینکوں میں نمایاں امتیازات پائے جاتے ہیں، بعض امتیازات کا دارومدار ودیعت اور قرضہ کے لین دین پر ہے۔ چنانچہ اسلامی بینکاری نظام شریعت اسلامیہ کے اصولوں پر قائم ہے اور شریعت اسلامیہ کا فقہی میدان سرسبز وشاداب ہے، سب سے زیادہ اہمیت اس امر کی ہے کہ اسلامی بینکاری اسلامی نظام معیشت پر قائم ہے جبکہ سودی بینکاری سرمایہ دارانہ نظام معیشت پر قائم ہے۔ جس کی اساس محض سود ہے تاہم بعض امتیازات درج ذیل ہیں۔

۱: اسلامی بینکاری اسلامی عقیدہ کے ساتھ مربوط ہے......ایک مسلمان حلال وحرام کے حوالے سے اپنے جملہ تصرفات میں اصول شرعیہ کا پابند ہے، اس کا اقدام ہمیشہ ایسی چیز پر ہوتا ہے جو حلال ہو اور اس کی حلت پر اس کا دل مطمئن ہو اور حرام سے وہ اجتناب کرتا ہے چونکہ دین اور شریعت اس کے آگے آڑ بن جاتی ہے لہٰذا وہ قطعاً ایسا قدم اٹھانے کی جرأت نہیں کرتا جس سے قرآن وسنت کی خلاف ورزی ہو، چنانچہ قرآن نے واضح طور پر سود کو حرام قرار دیا ہے۔

اس میں کوئی فرق نہیں کہ سود کون سا ہے ربا نسیئہ ہے یا ربا الفضل ہے یا بینکوں کا سود، گویا سب حرام ہے برابر ہے خرید وفروخت میں سود ہو یا قرض میں خواہ قرض صارف ہو یا پیداواری۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ''وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا'' اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال رکھا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جنس ربا کو حرام کیا ہے اس میں سود کے جملہ انواع شامل ہیں، اللہ تعالیٰ نے سود کو مٹانے کی دھمکی سے ڈرایا ہے چنانچہ فرمان ہے۔ ''يمحق الله الربا ويربي الصدقات'' اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سود کو سرے سے چھوڑنے کا حکم دیا ہے اگر چہ سود کی مقدار قلیل ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ فرمان ہے۔ ''یاأیها الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربا ان کنتم مؤمنین!'' اے ایمان والو اگر تم واقعی سچے مومن ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سود کی باقی مقدار کو چھوڑ دو۔

نیز اللہ تعالیٰ کا سود خوروں کے ساتھ اعلان جنگ ہے فرمان ہے:

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ أَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝

اگر تم سود خوری سے باز نہیں آؤ گے تو پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے ساتھ اعلان جنگ ہے اور اگر تم توبہ تائب ہو جاؤ تو اصل سرمایہ تمہارا حق ہے۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تمہارے اوپر ظلم کیا جائے گا۔ (سورۃ البقرہ، ۲۷۹)

اعلان جنگ اسلام میں زبردست سزا سمجھی جاتی ہے نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سود کی حرمت احکام میں سب سے زیادہ ہے اور سود کا جرم نہایت قبیح اور شنیع ہے چونکہ سود خور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی عداوت کا مستحق ہوتا ہے۔

حلال وحرام کے اس قاعدہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلامی بینک سرمایہ کاری، تمویل اور درآمدگی میں ایسا مال نہ رکھے جو شرعاً حرام ہو جیسے شراب اور اسلامی بینک سودی معاملہ، ذخیرہ اندوزی، تعزیر، غش، دھوکا دہی جیسے گھناؤنے جرائم سے قطعاً اجتناب کرے۔ یہی بات سودی بینکاری کی سو اس کا دارومدار سود کے لینے اور دینے پر ہے نیز اس کے ڈانڈے تو براہ راست ذخیرہ اندوزی پر قائم ہیں۔

اسلامی بینک پر یہ بھی لازمی ہے کہ وہ جملہ ذرائع اور ہونے والی سرمایہ کاری پر گہری توجہ دے تاکہ جملہ امور شریعت کے مطابق طے

پائیں اوراسراف سے اجتناب رہے۔ نیز بینک مسلمانوں کی مشروع حاجات اورامت کی مصلحت کی بھی رعایت کرے۔

۲۔ اخلاق حسنہ کی ہمدوشی...... اسلامی بینک کے عاملین پرواجب ہے کہ وہ اسلامی بھائی چارہ کے اصول کو اپنائیں اور تنگدست مسلمان بھائی کو تنگدستی سے خلاصی دلائیں، مطالبہ قرض میں ڈراؤ دھمکاؤ سے اجتناب کریں مسلمان کے ساتھ معاملہ کرنے میں خیرخواہی کو پیش نظر رکھا جائے، امانت داری اور سچائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے، نیز اخلاص چشم پوشی اور قرض حسنہ کو اپنا معمول بنایا جائے، تنگدست مدیون (مقروض) کو مہلت دی جائے، تاکہ فراخی کے نظریہ قرآنی پر عمل ہو سکے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ البقرۃ ۲/ ۲۸۰

اگر (مقروض) تنگدست ہو تو اسے فراخی تک مہلت دی جائے اور اگر تم صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے، اگر تم ایسا کرو۔

رہی بات غیر اسلامی سودی بینکوں کی سوان کا نظریہ صرف اور صرف مادیت ہے اخلاق حسنہ سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ یہ بینک مقروض کے حالات کی کوئی رعایت نہیں رکھتے، بس ان کی نظر تو محض منافع جات پر ہوتی ہے اور کھاتہ دار کے معاملہ میں آنکھیں بند کر لی جاتی ہیں اور مقروض جب قرضہ چکانے کی سکت نہیں رکھتا تو بینک اس کی ملکیت پر قبضہ کر لیتا ہے۔ جو اسلامی بھائی چارہ اور انسانی ہمدردی کے سراسر خلاف ہے۔

۳۔ اجتماعی جذبہ انسانیت؟...... سودی بینکوں کا ہدف سود در سود ہے اور زیادہ سے زیادہ نفع کمانا ہے۔ جبکہ اسلامی بینکاری کا ہدف باہمی امداد و تعاون ہے اور مضرت ونقصان سے دوری ہے قرضہ حسنہ دے کر لوگوں کی حاجت براری ہے اور محتاج وفقیر کو زکوۃ دے کر اس کی معاشی حالت کو بہتر بنانا ہے، اس کی علاوہ طلبہ علم، تعمیر مساجد، اجتماعی بھلائی، فقراء مساکین کی غذاؤں، کپڑوں اور علاج کا بندوبست، حفظ قرآن اور سیرت اسلاف کے مطابق تربیت ان کا مطمح نظر ہے بایں ہمہ زمانہ کے ساتھ ساتھ مفید ترقی بھی اسلامی بینکوں کا ہدف ہے۔

اسلامی بینکوں کو اقتصادی ترقی اور اجتماعی ترقی کے ساتھ مربوط رہنا چاہیے تاکہ متوازن ترقی برقرار رہے یوں اقتصادی ہمواری کے ساتھ کام کی نوعیت آسان تر ہو جاتی ہے اس کے ساتھ ساتھ اجتماعی معاشرتی تہذیب اور اسلامی آداب کی پابندی ضروری ہے۔ اسلامی اقدار اور روایات کو فروغ دیا جائے چنانچہ غش دھوکا دہی، دھونس دھاندلی، تغریر، تدلیس، جوا، غبن، اجارہ داری سے قطعاً اجتناب کیا جائے باطل طریقہ سے لوگوں کے اموال نہ کھائے جائیں، باہمی محبت کی روح کو فروغ دیا جائے، لوگوں کے ساتھ جھگڑے اور فساد سے اجتناب کیا جائے، جہاں تک ہو سکے انسانی زندگی کو اعلیٰ پیمانہ پر لانے کی کوشش کی جائے، دین اسلام کو مضبوط بنانے کی جستجو کی جائے، ظاہر و باطن میں خوف خدا کو پلے باندھنے کی ضرورت ہے۔ یہاں تک کہ ماحول امانتداری اور سچائی کا منہ بولتا ثبوت ہو، نیز پیداوار اور منافع جات کی ترقی میں پوری توجہ ہو تاکہ دوسرے نظام ہائے معیشت پر اسلامی نظام معیشت کی برتری قائم رہے۔

۴۔ معاملہ کاروں کے درمیان مساوات، کام کی صفائی اور سرمایہ کاری میں اعتماد...... سودی بینکاری نظام میں ان اصولوں کی کوئی پہچان نہیں بلکہ وہاں تو یہ بدی ہے کہ بینک یا ادارہ کی معرفت سے اموال کی تشغیل عمل میں آتی ہے نیز جن لوگوں نے مال رکھا ہوتا ہے ان کے علاوہ اوروں کو قرضہ کی مد میں مال سونپ دیا جاتا ہے جبکہ اسلامی بینکوں میں یہ غیر یقینی ابہام نہیں پایا جاتا، اسلامی بینکوں کے جملہ اعمال وافعال واضح اور نمایاں ہوتے ہیں اور معاملہ کاروں کو بینک پر پورا بھروسہ ہوتا ہے اور اسلامی بینک کا منافع جات کی قرض دہندگی پر اعتماد نہیں ہوتا اور عقد مشارکت جسے اسلامی فقہ میں شرکت عنان کہا جاتا ہے کی پابندی کی جاتی ہے جو عامل اور صاحب مال کے درمیان ہوتی ہے، یوں صاحب مال اور بینک رأس المال میں حصہ لیتے ہیں پھر متفق تناسب اور شرح کے ساتھ منافع کو تقسیم کر لیا جاتا ہے، جبکہ خسارہ رأس المال کی شرح پر تقسیم ہوتا ہے الا یہ کہ خسارہ تعدی یا کوتاہی کی وجہ سے ہو تو اس کا تاوان عامل پر

پڑتا ہے۔

اموال کی سرمایہ کاری کے معاملہ میں بینک سرمایہ کاری کی ایک اور نوع پر اعتماد کرتا ہے اور وہ شرکت مضاربت ہے، بینک پوری طرح شرکت مضاربت کے ذریعہ سرمایہ کاری کرتا ہے جبکہ مضارب (شریک) عمل پر کمر بستہ ہوتا ہے، بینک اور مضارب کے درمیان فقہ اسلامی کے مطابق شرائط طے ہوجاتی ہیں اور بالاتفاق مضارب نفع میں اپنے حصہ کی تحدید کرلیتا ہے، رہی بات خسارے کی سوتنہا بینک ہی خسارہ برداشت کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مضارب کو پیہم کوشش کرنی پڑتی ہے تاکہ کاروبار مزید ترقی کرتا رہے الایہ کہ مضارب کی طرف سے تعدی ہو یا کام میں کوتاہی ہو تو اسے بھی خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

البتہ درآمدگی کے حوالے سے بینک کو بیوع کی ایک اور صورت اختیار کرنی پڑتی ہے جیسے فقہی اصطلاح میں بیع مرابحہ کہا جاتا ہے، مرابحہ کا حاصل یہ ہے کہ ثمن اول کے بمعہ کچھ زائد نفع کے چیز کو فروخت کرنا، یہ بیوع امانت کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ بینک گاڑیاں اور سامان تجارت اندرون ملک اور بیرون ملک سے خرید کر مرابحہ کے طور پر آگے فروخت کرتا ہے۔ البتہ بیع مرابحہ میں اگر خیانت واضح ہو جائے تو خریدار کو معاملہ ختم کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے، بینک سامان تجارت پر معقول نفع رکھ کر آگے فروخت کرسکتا ہے، برابر ہے کہ بیع نقدی ہو یا قسطوں پر ادھار ہو اور مدت مقرر کرلی جائے، جمہور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ادھار یا قسطوں پر خریداری کے نرخ نقدی نرخوں سے زائد مقرر کئے جاسکتے ہیں، بشرطیہ کہ ریٹ کی تحدید ہو جو حتمی شکل اختیار کرسکے۔ بینک پلاٹس خرید کر اور عمارتیں بنا کر منافع پر فروخت کرسکتا ہے خواہ نقدی ہو یا قسطوں کے ساتھ، جو صورت بھی ہو متعین ہونی چاہئے۔

رہی بات تحویل اور حوالہ کی جس کے ذریعہ اندرون ملک یا بیرون ملک میں قرضہ کی ادائیگی استوار رکھی جاسکتی ہے، یہ بھی شرعاً جائز ہے جیسا کہ سودی بینکوں میں بھی اس کا رواج ہے۔

تیسرے شخص کو کفیل بنانا بھی جائز ہے، اس کفالت پر بینک کا اجرت لینا بھی جائز ہے چونکہ یہاں عقد کفالت بھی ہے اور وکالت بھی بینک کے اعتبار سے تیسرے آدمی کے ساتھ کفالت ہے اور بینک کے اعتبار سے عامل کے ساتھ وکالت ہے۔ وکالت پر بینک کے لئے اجرت لینا اس وقت جائز ہے جب مقابل میں کوئی چیز نہ ہو چونکہ یہاں عقد کفالت ہے جو کہ عقود تبرعات میں سے ہے، جبکہ جمہور فقہاء کے نزدیک ضمان پر اجرت لینا جائز نہیں۔ جبکہ سودی بینکوں میں اس کے برخلاف ہوتا ہے، یہ حکم شرعی ہے اسلامی بینکوں میں اسے سب سے پہلے اختیار کیا گیا ہے نیز سوڈان کے اسلامی فیصل بینک کے نگران بورڈ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، اس بورڈ نے کفالت کی صورت میں اجرت لینے کو جائز رکھا ہے بشرطیہ کہ ضمان نامہ کسی چیز کے مقابل میں نہ ہو۔

۵۔ رأس المال کی سرمایہ کاری اور عمل...... اسلامی بینکوں کی کمائی کا دارومدار رأس المال کو کام میں لگانے پر ہے چنانچہ کام بینک یا بینک کے وکلاء کی طرف سے ہوتا ہے اور رب المال شرکت مضاربت یا شرکت عنان کے طور پر شریک ہوتا ہے، شرکت مضاربت اور شرکت عنان کا اکٹھا ہونا جائز ہے، جیسے متعدد مضاربین اور ارباب مال کا اکٹھا ہونا جائز ہے چنانچہ مضارب واحد یا جماعت مضاربین شرکت عنان کے طور پر دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک ہوگی، مضاربت کا دارومدار امانت پر ہے مضارب کو مال کا ضامن ٹھہرانا جائز نہیں ورنہ عقد فسخ ہوجائے گا۔

بینک سے جو شخص قرضہ لے وہ قرضہ حسنہ ہو جس میں کسی قسم کا فائدہ نہ ہو چونکہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر وہ قرضہ جو نفع لائے وہ سود ہے یعنی جس قرضہ میں نفع کی شرط رکھی گئی تو وہ نفع سود ہے اسی طرح کسی قسم کی منفعت بھی سود کے زمرے میں داخل ہے جیسے مقروض کے مکان سے رہائش رکھنا، قرضہ کے مقابلہ میں کسی قسم کا فائدہ لینا قطعی سود ہے جو حرام ہے۔

بنابریں اسلامی بینک دوسرے بینکوں کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کرسکتا جس میں بینک کو کسی قسم کا فائدہ دینا پڑے یا لینا پڑے جیسے مثلاً اسلامی بینک سودی کی شرط پر دوسرے کسی بینک سے قرضہ لے لے البتہ بغیر فائدہ لئے اسلامی بینک دوسرے بینکوں میں رقوم رکھ سکتا ہے۔اور جب اسلامی بینک دائن ہو وہ دوسرے بینکوں کو بھی فائدہ نہ دے سودی بینکوں نے اس معاملہ کو قبول کیا ہے۔

سودی بینک دوسرے بینکوں اور عاملوں کے ساتھ صرف سودی معاملہ کرتے ہیں، اس موقع پر ایک اور پہلو کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ سودی بینکوں سے جو شخص قرضہ لیتا ہے بسا اوقات وہ بوجھ تلے دب جاتا ہے اور سود مضاعف (چند در چند) ہو جاتا ہے یعنی مقروض کو فائدہ مرکبہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے چنانچہ جوں جوں سال گزرتے ہیں سود در سود ہوتا جاتا ہے پھر اگر مقروض ادائیگی سے عاجز آجائے تو اس نے اپنی زمین یا باغ یا مکان جو قرضہ کے بدلہ میں رہن رکھا ہوتا ہے تو بینک اسی کو فروخت کر کے اپنا پورا پورا حق وصول کر لیتا ہے۔

۶۔عاملین کے ساتھ معاملہ کی وسعت...... ہر شخص سودی بینکوں کے ساتھ معاملہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا چنانچہ صرف مالدار طبقہ ہی سودی بینکوں کے ساتھ معاملہ کرسکتا ہے چنانچہ سودی بینک بڑے بڑے سرمایہ کاروں کو قرضے دیتا ہے اور ایسے لوگوں کو قرضہ دیتا ہے جو زمین، جائداد یا مشتری وغیرہ کو ضمان میں پیش کرسکیں۔جبکہ اسلامی بینک سبھی لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتا ہے حتیٰ کہ اسلامی بینک مزدور طبقہ اور چھوٹے پیمانے پر تجارت کرنے والوں کے ساتھ بھی معاملہ کرتا ہے۔نیز ایک نوجوان جو شادی نہیں کرسکتا، مکان نہیں بنا سکتا، اسلامی بینک اس کے ساتھ بھی تعاون کرتا ہے جس سے وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو جاتا ہے۔

۷۔تخمینۂ کمیشن میں انصاف پسندی......سودی بینکوں کے ساتھ خواہ جس طرح کا معاملہ کیا جائے وہ ہر صورت میں کمیشن کا مطالبہ کرتے ہیں جبکہ اسلامی بینک عامل کی محنت اور کوشش کو سامنے رکھ کر کمیشن کا مطالبہ کرتے ہیں چنانچہ بینک قرضہ پر ہونے والے بالفعل اخراجات کو لیتا ہے جیسا کہ قرض حسنہ کی ابتداء میں ہونے والے اخراجات کو بینک وصول کرتا ہے، جبکہ بعض بینک جیسے ''بینک دبئی الاسلامی'' قرض حسنہ پر بھی ہونے والے اخراجات کو وصول نہیں کرتا اور صرف قرضہ واپس لیتا ہے۔

اسلامی بینکوں کے ساتھ معاملہ کرنا:

حلال ہے یا حرام؟...... مذکور بالا تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی بینک نے اعمال، معاملات اور جملہ کارروائی میں جہت حلال کا التزام کیا ہوا ہے جبکہ اموال کی سرمایہ کاری میں جہت حرام سے اجتناب کرتا ہے اور محتاج کی ضرورت کو قرضہ حسنہ کے ذریعہ پوری کرتا ہے اس پر کسی قسم کا فائدہ بھی نہیں لیتا، مسلمان کو چاہئے کہ اسلامی بینکوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں مطمئن رہے۔

شرعی طور پر معلوم ہے کہ عقد جائز میں مسلمان کا حصہ لینا صحیح ہے، جبکہ معاملات اور عقود میں اصل اباحت ہے جبکہ جو عقد شرعاً ممنوع ہو جیسے عقد فاسد یا عقد باطل مثلاً ایسی بیع جو سود پر مشتمل ہو سے دوری اختیار کرنا لازمی ہے یہاں تک کہ بظاہر کوئی عقد صحیح ہو لیکن نتیجتاً شرعاً ممنوع ہو تو بھی اس میں حصہ لینا حرام ہے چونکہ حرام کا وسیلہ بھی حرام ہے۔

اسلام ہر ایسے امر کو جائز قرار دیتا ہے جس سے لوگوں کی ضروریات پوری ہوتی ہوں اور وہ منافع جو شرعاً معقول ہو اور خمس وثلث سے کمتر ہو اس پر پابندی نہیں، بسا اوقات بعض لوگوں پر سود یا حرام کے معنی میں اشتباہ پڑ جاتا ہے اور یہ صحیح بھی ہے، لیکن اسلام نے سود یا مشروط فائدہ کی صراحت سے منع کیا ہے، البتہ مشروع طریقہ کے ساتھ مقصود تک پہنچنا ممنوع نہیں مثلاً نقدی نرخوں سے زائد ادھار یا قسطوں کی خرید وفروخت جائز ہے، جبکہ کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ حرام ہے چونکہ اس میں نقدی نرخوں سے زائد نرخ ہیں لیکن فقہاء اسلام نے ضرورت اور حاجت کے لئے

اسے جائز قرار دیا ہے، نیز اس قسم کی بیع سے سرمایہ کاری اور محتاج و بے چین پر تنگی کرنا مقصد نہیں بلکہ اس کے برعکس خریدار کی حاجت کی رعایت بھی ہے چونکہ خریدار پورے ثمن کا مالک نہیں ہوتا وہ تھوڑا تھوڑا اقساط وار ادا کرنا چاہتا ہے جبکہ اسے سامان کی فی الحال ضرورت ہوتی ہے۔

بینکاری کی خدمات اور سروسز پر جو کمیشن لیا جاتا ہے اس کے متعلق یہ وہم کیا جاتا ہے کہ یہ حرام سود ہے جبکہ یہ کام اور عمل کی اجرت ہوتی ہے، بینک کی اہم سروسز جن کے ذریعہ بینک قائم رہتا ہے یہ خدمات اجارہ اور اجرت پر وکالت کی اساس پر جائز ہیں۔ اجارہ کی دو قسمیں ہیں: اشیاء کے منافع جات کا اجارہ اور اشخاص کا اجارہ چنانچہ لوہے کی تجوریوں کا اجارہ اشیاء کے اجارہ میں آتا ہے اور بینک کے ملازمین کا اجارہ اشخاص کے اجارہ میں سے ہے، اس کے علاوہ بقیہ خدمات مثلاً وثیقہ جات اور رسیدات کی لکھائی کی خدمت جملہ حسابات کی تدوین کی خدمت، ریکارڈ محفوظ رکھنے کی خدمت، کیش کے لین دین کی خدمت اور منافع جات اور سرمایہ کاری کی خدمات بھی جائز ہیں ان کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ❶

---

❶.....عرصہ پندرہ سال سے پاکستان میں بھی اسلامی بینکاری کا نظام رائج ہوا ہے یہ خوش کن اقدام ہے اہل پاکستان نے بڑھ چڑھ کر اسلامی بینکاری میں حصہ لیا ہے، ۲۰۰۸ م میں مظفر آباد آزاد کشمیر میں بھی میزان بینک کی برانچ نے کام شروع کیا ہے، ماشاء اللہ صرف ایک سال کے عرصہ میں اس برانچ نے اتنی زیادہ ترقی کی ہے کہ معاندین وطبقہ آکلین ربا دریائے حیرت وندامت میں ڈوب کر رہ گیا وہ وقت دور نہیں جب آل پاکستان میں اسلامی بینکاری پورے عروج پر ہوگی، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کام ابتدائی مراحل میں ہو اس میں کمی کوتاہی رہ جاتی ہے لیکن جوں جوں جڑیں مضبوط ہوتی جاتی ہیں کوتاہیاں بھی مٹتی جاتی ہیں، تاہم غیر سودی اسلامی بینکاری پاکستان میں ابھی ابتدائی مراحل میں ہے ان شاء اللہ اگر طبقہ علمائے راسخین اس طرف توجہ دیں تو نہ صرف غیر سودی اسلامی بینکاری کی جڑیں مضبوط ہوں گی بلکہ سودی بینکاری کا قلع قمع ہو جائے گا، لوگوں کا کتنا سرمایہ ہے جو یا تو دوسرے سودی بینکوں کے کرنٹ اکاؤنٹس میں پڑا ہوا ہے یا گھریلو تجوریوں میں پڑا زکوٰۃ وصدقات کی مدات میں بلا پیداوار جا رہا ہے حالانکہ کتاب وسنت کا حکم یہ ہے کہ اموال کو تجارت (اور سرمایہ کاری) میں لگایا جائے تاکہ زکوٰۃ وصدقات اسے ختم نہ کر جائیں۔ مزا تو تب ہے جب مال بھی بڑھتا رہے اور ساتھ ساتھ زکوٰۃ وصدقات کی ادائیگی بھی ہوتی رہے۔ ہم نے مظفر آباد کے مضافات اور گرد ونواح میں دیکھا کہ لوگوں نے امڈ امڈ کر غیر سودی اسلامی بینکاری میں حصہ لیا ہے، وہ بھی میدان میں کود آیا جس کے پاس محض پانچ، دس ہزار روپیہ لگا پڑا تھا اور وہ بھی کود ہم یا جس کا شمار طبقہ اغنیاء میں ہوتا تھا، لیکن ایک بدی یہ ہے کہ ان بینکوں میں انگریزی خواں طبقہ کو بطور ملازمین لیا جاتا ہے اگر تجربہ کار افراد کے ساتھ علماء کو بھی لیا جائے تو یقیناً باقی ماندہ کوتاہیاں عنقا ہو جائیں گی اور یوں غیر سودی بینک اہل دنیا کے لئے ایک مثال بن کر ابھریں گے۔

لیکن وائے ناکامی! جہاں پاکستان کے چوٹی کے علماء جو اجتہاد اور استنباط میں درجۂ امامت کے حامل ہیں وہ اسلامی بینکاری کے لئے عملاً کوشاں ہیں وہاں انہی کے ہم پلہ علماء ان پر کیچڑ اچھالتے نظر آتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اختلاف رائے ہر ذی رائے کا اختیاری حق ہے لیکن یہ کہاں جائز ہوا کہ عام فہم اردو زبان میں عوام الناس کو بدظن کرنے کے لئے لٹریچر اور کتابچے چھاپ کر شائع کئے جائیں غیر سودی بینکاری جائز یا ناجائز محض علمی مسئلہ ہے اس پر گفتگو بھی خالص علمی زبان میں ہونی چاہئے تھی جو چار دیواری کے اندر رہتی اور پھر تصفیہ کی اشاعت عمل میں لائی جاتی لیکن اس کی برعکس اول الذکر علماء جو غیر سودی بینکاری کے حامی ہیں نے بار ہا علمائے مانعین سے مطالبہ کیا کہ آؤ ہم اپنے تئیں بیٹھ کر معاملہ کو سلجھا لیتے ہیں مگر یہ تمام سعی لاحاصل رہی، بالآخر نوبت اعتراضات بشکل کتاب تک آن پہنچی پھر اس کا جواب بھی ضروری تھا جو منظر عام پر آچکا۔

واللہ اعلم میری ناقص رائے یہ ہے کہ اب اختلاف کا زمانہ نہیں بلکہ افہام وتفہیم کا زمانہ ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں کو سود کی لعنت سے کس طرح بچا کر غیر سودی سرمایہ کاری پر لگایا جائے، میں نے اعتراض وجواب دونوں کا مطالعہ کیا ہے اور پھر زیر نظر کتاب کا ترجمہ بھی کیا ہے میری ناقص رائے یہی ہے کہ غیر سودی بینکاری کی حمایت کی جائے اور اس میں ہونے والی کوتاہیوں کا خاتمہ کیا جائے۔

فأسئل الله السداد وان يرزق الحلال والا جتناب عن الربا الحرام۔ آمين۔

۶۔ بیوع الأمانت:

مرابحہ، تولیہ اور وضعیہ...... میں نے قبل ازیں ذکر کیا ہے کہ بدل کے اعتبار سے بیع کی پانچ اقسام ہیں۔

ا۔ بیع مساومہ...... اس کا حاصل یہ ہے کہ چیز کو فروخت کرتے وقت پہلی قیمت ملحوظ نہ ہو اور اس کے ذکر کے بغیر خریدار اور فروخت کنندہ کسی قیمت پر راضی ہو جائیں تو یہ بیع مساومہ ہے، یہ بیع معتاد ہے۔

۲۔ بیع مرابحہ...... کسی چیز کو پہلی قیمت کا لحاظ رکھتے ہوئے کچھ اضافہ کے ساتھ فروخت کرنا بیع مرابحہ ہے، مرابحہ کی صورت یہ ہے جیسا کہ مالکیہ نے ذکر کیا ہے کہ سامان کا مالک (فروخت کنندہ) خریدار کو بتادے کہ اس نے یہ چیز اتنے میں خریدی ہے اور وہ خریدار سے نفع لے کر فروخت کردے مثلاً یوں کہے: میں نے یہ چیز دس دراہم میں خریدی ہے اور تم مجھے اس پر ایک درہم نفع دے دو یا تو علی التفصیل کہے کہ: ہر دینار پر مجھے ایک درہم نفع دو۔ یا نفع کی قطعی اور تحدیدی مقدار بیان کردے مثلاً کہے مجھے دو درہم نفع دے دو، یا فیصدی اعتبار سے نفع لے مثلاً کہے مجھے پانچ فیصد نفع دے دو۔ (۱)

حنفیہ کے نزدیک مرابحہ کی تعریف...... نقل ملکه بالعقد الاول وبالثمن الاول مع زیادة ربح یعنی عقد اول سے جو چیز ملکیت میں آئی ہو اسے ثمن اول کے ساتھ منتقل کرنا اور ساتھ زائد نفع بھی ہو۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تعریف...... ھی البیع بمثل رأس المال او بما قام علی البائع وربح درھم لکل عشرة ونحو ذالك یعنی رأس المال یا اس قیمت کے ساتھ جس پر بائع کو فروخت کردہ سامان پڑا ہو اور ہر دس درہم پر ایک درہم کے نفع کے ساتھ فروخت کرنا مرابحہ ہے۔ (۲)

۳۔ بیع تولیہ...... کسی چیز کو پہلی قیمت کے ساتھ بغیر نفع کے فروخت کردینا بیع تولیہ ہے گویا فروخت کنندہ خریدار کو اپنی جگہ چیز کا متولی بنادیتا ہے۔

۴۔ بیع اشتراک...... بیع اشتراک بیع تولیہ کی مانند ہے۔ البتہ اس میں مابہ الفرق یہ ہے کہ یہ بعض ثمن کے ساتھ بعض مبیع کی بیع ہے۔

۵۔ بیع وضیعہ...... قیمت خرید میں کمی کرکے نقصان کے ساتھ چیز کو فروخت کرنا بیع وضیعہ ہے۔

بیع مرابحہ...... بیع مرابحہ شرعاً جائز عقد ہے، چنانچہ جمہور علمائے صحابہ، تابعین اور ائمہ مذاہب نے اس بیع کے جواز کی رخصت دی ہے، البتہ مالکیہ کی رائے کے مطابق یہ بیع خلاف اولیٰ ہے۔

البتہ جواز کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

ا...... وہ آیات قرآنیہ جو اپنے عموم کے ساتھ بیع کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں مثلاً "وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ" (البقرۃ ۲/۲۷۵) اور "اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ" (النساء ۴/۲۹) چنانچہ بیع مرابحہ بھی عاقدین کے درمیان باہمی رضامندی سے طے پاتی ہے۔

۲...... ایک صحیح حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو اونٹ خرید لئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ان میں سے ایک اونٹ مجھے سونپ دو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: بلا قیمت اونٹ آپ کا ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بغیر قیمت کے نہیں۔ (۳)

---

(۱)...... القوانین الفقهیة لابن جزی ص ۲۶۳۔ (۲) مغنی المحتاج ۲/۷۷، المهذب ۱/۳۸۲، المغنی ۴/۱۹۹۔ (۳) ذکره البخاری عن عائشة وكذا الامام احمد فی مسنده وابن سعد فی الطبقات وابن اسحاق فی السيرة۔

۳......ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ دس گیارہ اور دس بارہ میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، یعنی ہر دس درہم پر ایک درہم نفع اور ہر دس درہم پر دو درہم کا نفع۔

۴......اس عقد میں جواز کی شرعی شرائط بھرپور پائی جاتی ہیں اور اس نوع کے تصرف کی ضرورت بھی پیش آتی ہے جبکہ ماہر (ایکسپرٹ) اشیائے ضرورت سے مستفید ہوسکتا ہے وہ نفع کے ساتھ خرید وفروخت کرتا ہے جبکہ اناڑی اور ناتجربہ کار تجارت کی سوجھ بوجھ نہیں رکھتا۔

مرابحہ...... چیز کو قیمت خرید پر نفع کے ساتھ فروخت کرنا مرابحہ ہے جیسے فروخت کنندہ کہے میں نے یہ چیز تمہیں ایک سو اور دس روپے میں فروخت کردی۔ لہٰذا یہ ایسا ہے جیسے کہے میں نے دس درہم کے منافع کے ساتھ یہ چیز فروخت کردی۔

مرابحہ کے حوالہ سے مندرجہ ذیل مقاصد پر گفتگو ہوگی۔

پہلا مقصد......شرائط مرابحہ۔

دوسرا مقصد......رأس المال اور اس کے ملحقات اور غیر ملحقات۔

تیسرا مقصد......وہ امور جن کا مرابحہ میں بیان واجب ہے۔

چوتھا مقصد......ظاہر ہونے پر خیانت کا حکم۔

ملاحظہ رہے کہ مذکور بالا مقاصد پر گفتگو غیر مرابحہ یعنی تولیہ، اشراک اور وضیعہ کو بھی شامل ہے۔

پہلا مقصد: شرائط مرابحہ......مرابحہ میں مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ قیمت اول کا علم ہونا...... بیع مرابحہ میں یہ شرط ہے کہ ثمن اول، ثانی خریدار کو معلوم ہو۔ (یعنی خریدار کو معلوم ہو کہ فروخت کنندہ نے یہ چیز اتنے ثمن میں خریدلی ہے) چونکہ ثمن کا معلوم ہونا صحت بیع کے لئے شرط ہے۔ یہ شرط اخوات مرابحہ یعنی تولیہ، اشراک اور وضیعہ میں بھی کارگر ہے۔ چونکہ ان سب بیوع میں دارومدار ثمن اول یعنی رأس المال پر ہوتا ہے، اگر ثمن اول (یعنی قیمت خرید) معلوم نہ ہو تو بیع فاسد ہے یہاں تک کہ مجلس عقد میں ثمن اول کا علم ہوجائے، اگر بغیر علم کے مجلس برخاست ہوگئی تو عقد باطل ہوجائے گا چونکہ اب فساد راسخ ہوچکا ہوگا۔

۲۔ نفع معلوم ہو......نفع کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے چونکہ نفع ثمن کا حصہ ہے اور ثمن کا معلوم ہونا صحت بیع کے لئے شرط ہے۔

۳۔ یہ کہ رأس المال مثلی ہو...... مثلاً مکیلی ہو یا موزونی ہو یا عددی متقارب ہو، یہ شرط مرابحہ اور تولیہ دونوں میں پائی جانی ضروری ہے برابر ہے کہ بیع بائع اول کے ساتھ مکمل ہو یا کسی اور کے ساتھ، برابر ہے کہ نفع ثمن اول کی جنس میں سے ہو یا نقدی مال کی صورت میں ہو جیسے درہم اور دینار۔ اگر فروخت کردہ چیز ایسی ہو جس کی مثل نہ ہو جیسے سامان تو مرابحہ اور تولیہ کے ساتھ اسے فروخت کرنا جائز نہیں چونکہ مرابحہ اور تولیہ چیز کو پہلی قیمت کے ساتھ فروخت کرنا ہوتا ہے اور مرابحہ میں نفع کا اضافہ ہوتا ہے۔

بنابریں اگر ثمن اول غیر مثلی ہو جیسے گھر، کپڑے یا خربوزے ہوں پھر یا تو ایسے شخص کو فروخت کرے گا جس کے قبضہ میں یہ چیز ہو یا ایسے شخص کو فروخت کرے گا جس کے قبضہ میں یہ نہ ہو۔

اگر ایسے شخص کو فروخت کیا جس کے قبضہ میں سامان نہ ہو تو یہ جائز نہیں چونکہ سامان کے بدلہ میں مرابحہ کے ساتھ فروخت کرنا ممکن نہیں چونکہ سامان نہ تو اس کے قبضہ میں ہے اور نہ اس کی ملکیت ہے۔ اور قیمت کے ساتھ بھی فروخت نہیں کرسکتا چونکہ سامان کی قیمت مجہول ہے جو

معنی تخمینہ یا ظن سے پہچانی جائے گی اور اس میں تاجروں کا اختلاف ہو جاتا ہے۔

اگر مرابحہ کے ساتھ ایسے شخص کو چیز فروخت کی جس کے قبضہ میں سامان ہو یا سامان اس کی ملکیت میں ہو تو پھر اس میں مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔

ب......اگر کسی نے منافع اصل مال کا حصہ جز بنا دیا بایں طور کہا کہ دس کا منافع دسواں حصہ ہے جو (دہ یازدہ) کے نام سے قدیماً مشہور ہے تو یہ جائز نہیں، اس لئے کہ اس نے منافع کو عرض کا جز بنا دیا جبکہ عرض اجزاء کے مماثل نہیں، بلکہ عرض کی پہچان تو قیمت سے ہوتی ہے اور یہاں قیمت ہی مجہول ہے اس لئے کہ اس کی پہچان تو جمع کرنے اور گمان سے ہو رہی ہے۔❶

ہاں اگر وہ اس کو بطور بیع وضیعہ فروخت کرے یعنی جس کے قبضہ میں اور ملکیت میں عرض ہے تو اس میں حکم مرابحہ کے برعکس ہے اور وہ یہ کہ اگر اس نے وضیعہ اگر ایسی چیز رکھی جو اصل مال سے ممتاز اور معلوم ہو مثلاً دراہم وغیرہ تو پھر جائز نہیں، کیونکہ اس میں اتنی مقدار کو رأس المال سے الگ کرنے کی ضرورت ہے اور وہ مجہول ہے۔ اور اگر وضیعہ کو رأس المال کی جنس میں سے رکھا، بایں طور کہ دسواں حصہ فروخت میں وضع کر دیا جائے گا یعنی کہ ہر دس میں ایک کم کرایا جائے گا تو پھر دس اجزاء کو رأس المال کے گیارہ اجزاء کے بدلے فروخت کرنا جائز ہے اس لئے کہ الگ کیا گیا حصہ وہ رأس المال میں سے معلوم ہے۔❷

۴......اموال ربویہ میں مرابحہ کی صورت میں ثمن اول کی نسبت سود نہ پایا جائے، مثلاً کسی کیل کی جانے والی چیز یا کسی وزنی چیز کو اس کی جنس کے بدلے برابر سرابر فروخت کیا جائے، پس اس کو مرابحۃً فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ مرابحہ تو نام ہے ثمن اول اور کچھ زیادتی کے ساتھ فروخت کرنے کا اور اموال ربویہ میں زیادتی سود ہے نہ کہ منافع نیز ان اشیاء کو بطور وضیعہ فروخت کرنا بھی جائز نہیں، البتہ بطور تولیہ، یا شرکت کے طور پر فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ دونوں بیعیں مثل ثمن کے ساتھ ہوتی ہیں چاہے پوری مبیع ہو یا بعض، لہٰذا ربا (سود) نہیں متحقق ہوگا، اور اگر جنس تبدیل ہو تو پھر مرابحۃً فروخت کرنے میں بھی مضائقہ نہیں، مثلاً ایک دینار، دس درہم کے بدلے خریدا پھر ایک درہم منافع یا کسی کپڑے وغیرہ کے عوض فروخت کر دیا تو یہ جائز ہے۔❸

۵......پہلا عقد صحیح ہونا چاہئے اگر پہلا عقد فاسد ہوا تو بیع مرابحہ جائز نہیں ہوگی، کیونکہ مرابحہ نام ہے پہلے ثمن اور کچھ منافع کے ساتھ فروخت کرنے کا، اور بیع فاسد میں ملکیت تو مبیع کی قیمت یا اس کے مثل کی وجہ سے ہوتی ہے نہ ثمن کے ساتھ مسمیٰ فاسد ہونے کی وجہ سے۔

دوسرا مقصد: رأس المال اور متعلقات وغیرہ...... یعنی رأس المال اور جو چیزیں اس سے ملحق ہیں اور جو اس سے ملحق نہیں۔

رأس المال...... مشتری اول، عقد کے ساتھ جس رقم کو ادا کرنے کا التزام کرتا ہے یعنی جس چیز کے ساتھ وہ مبیع کا مالک بنتا ہے اور عقد کی وجہ سے وہ واجب ہوتی ہے۔ اور جو چیز وہ عقد کے بعد مسمیٰ کے بدلے میں ادا کرتا ہے وہ رأس المال نہیں کہلاتی۔

ثمن اول...... وہ ہیں، جو بیع کی وجہ سے واجب ہوئے ہوں، اور جو بیع کے بعد وہ ادا کرتا ہے تو یہ دوسرے عقد کی وجہ سے واجب ہوتے ہیں، جسے استبدال کا نام دیا جاتا ہے۔ بس مشتری ثانی پر متفق علیہ ثمن واجب ہوں گے عقد کی وجہ سے نہ کے وہ جو کسی دوسرے اتفاق کی وجہ سے بعد میں دیئے گئے ہیں، اور اس کی مثال بیع تولیہ ہے، تفصیل اس کی یہ ہے: کہ اگر کسی انسان نے ایک کپڑا دس درہم کا خریدا اور پھر ان کی جگہ پر دینار یا کوئی کپڑا دے دیا تو رأس المال وہ دس درہم ہوں گے نہ کہ دینار یا کپڑا: کیونکہ دس درہم ہی عقد کی وجہ سے واجب ہوئے ہیں اور دینار یا کپڑا وغیرہ تو واجب ثمن کا بدل ہیں۔ اسی طرح اگر کسی نے دس عمدہ اور جید درھموں میں کپڑا خریدا پھر بائع کو دس کھوٹے درہم یا کچھ کھوٹے اور کچھ عمدہ درہم ادا کئے اور بائع نے وہ قبول بھی کر لئے، پھر اس نے اس کپڑے کو مرابحۃً فروخت کرنے کا ارادہ کیا تو مشتری ثانی

---

❶......فتح القدیر: ۵/ ۲۵۴۔ ❷البدائع: ۵/ ۲۲۱۔ ❸المبسوط: ۱۳/ ۸۲،۸۹۔

(دوسرے خریدار) پر واجب ولازم ہے کہ وہ عمدہ اور جید ثمن ادا کرے، کیونکہ عقد اول جید درہموں پر ہوا تھا لیکن اس نے کھوٹے درہم ثمن اول کے بدلے میں دوسرے عقد سے ادا کئے ہیں۔

اگر کسی نے کپڑا خریدا ایسے دس درہم کا جو شہر میں رائج نہیں پھر مرابحۃً فروخت کیا تو اس صورت میں اگر ربح (منافع) مطلقاً ذکر کیا (یعنی کوئی صفت متعین نہیں کی) بایں طور کہا: (میں آپ کو ثمن اول پر ایک درہم منافع کے ساتھ فروخت کرتا ہوں) تو مشتری ثانی پر دس درہم ایسے واجب ہوں گے جو شہر میں رائج نہیں اور عقد اول کے ساتھ واجب ہوئے تھے اور منافع شہر میں رائج درہموں میں سے ہوگا کیونکہ اس نے منافع کو مطلق رکھا تھا اور مطلق سے متعارف مراد ہوں گے جو کہ شہر میں رائج ہیں۔

لیکن اگر اس نے منافع کی نسبت رأس المال کی طرف کی اور کہا (کہ میں آپ کو دس کے منافع کے ساتھ یا گیارہ درھموں پر فروخت کرتا ہوں) تو اس صورت میں منافع اور (رأس المال) دس وہ ثمن اول کی جنس میں سے ادا کرنے ضروری ہیں کیونکہ اس نے منافع کو دس کا جزء بنا دیا ہے تو ضرورتاً یہ اس کی جنس میں سے ہوگا۔

وہ اشیاء جو رأس مال سے ملحق ہیں وہ یہ ہیں: ہر قسم کا وہ خرچہ جو سامان وغیرہ پر کیا گیا ہو، اور معقود علیہ پر اس کی وجہ سے زیادتی ہوئی ہو چاہے عین میں یا قیمت میں اور تاجروں کے ہاں اس کو رأس المال میں شمار کیا جاتا ہو، مثلاً دھوبی، رنگ ساز، درزی، دلال، بکریاں ہانکنے والے اور جانوروں کے چارے وغیرہ کی اجرت عرف کا اعتبار کرتے ہوئے، کیونکہ عرف وعادت حجت ودلیل ہے جیسا کہ ایک اثر میں ہے: ”جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی حسن ہے۔“ اور ان چیزوں کو مرابحۃ اور تولیۃً فروخت کیا جائے، البتہ بائع فروخت کے وقت یہ نہ کہے کہ یہ میں نے اتنے میں خریدی ہے بلکہ یہ کہے کہ یہ مجھے اتنے میں پڑی ہے اور اتنے منافع کے ساتھ آپ کو فروخت کروں گا، تاکہ بات میں جھوٹا نہ ہو۔

وہ اشیاء جو رأس المال سے ملحق نہیں وہ یہ ہیں؟: چرواہے، ڈاکٹر، پچھنا لگانے والے، ختنہ کرنے والے تعلیم قرآن، ادب، شعر، اور کوئی پیشہ سکھانے والے کی اجرت، ان صورتوں میں عقد اول سے جو ثمن واجب ہوئے ان پر مرابحۃً وتولیۃً فروخت کرنے کی اجازت ہے۔ ”کیونکہ تاجروں کے ہاں ان اخراجات کو رأس المال میں شامل نہیں کیا جاتا اور ایک روایت ہے: جس چیز کو مسلمان برا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بری ہی ہے۔“

تیسرا مقصد: مرابحۃً فروخت کرنے کی صورت میں کس چیز کا بیان واجب ہے اور کس کا نہیں؟..... چونکہ بیع مرابحہ اور تولیہ، بیع امانت کہلاتی ہیں۔ اس لئے کہ مشتری، بائع کو ثمن اول کے بارے میں خبر دینے میں بغیر گواہوں اور حلف کے امین سمجھتا ہے۔ لہٰذا صرف خیانت ہی سے نہیں بلکہ اسباب خیانت اور تہمت خیانت سے بھی بچنا واجب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ الانفال: ۸/۲۷

”مسلمانو! اللہ اور رسول کی (امانت میں) خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم تو (خیانت کے وبال سے) واقف ہو“ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں“ اس بناء پر اگر بائع یا مشتری کے قبضہ میں مبیع میں کوئی عیب پیدا ہو گیا اور اس کو مرابحۃً فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ تو حنفیہ کے ہاں اگر عیب کسی آسمانی آفت کی وجہ سے پیدا ہوا ہو تو عیب بیان کئے بغیر کل ثمن کے ساتھ مرابحۃً فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ عیب دار جزو کے مقابلہ میں ثمن نہیں ہیں تو گویا وہ وہ ثمن دے رہا ہے جو مبیع کی اس حالت کے ہیں جس میں اس کے پاس مبیع پہنچی، پس اس کا عیب بیان کرنا اور نہ بیان کرنا دونوں برابر ہیں۔ امام زفر اور جمہور علماء کے ہاں عیب دار چیز کو عیب بیان کئے بغیر مرابحۃً فروخت جائز نہیں شبہ خیانت کی وجہ سے، اس لئے لوگوں کی اغراض عیب کی وجہ سے مختلف ہوتی ہیں، نیز نئے پیدا شدہ

عیب کی وجہ سے مبیع میں کمی واقع ہوتی ہے۔لیکن اگر عیب مشتری یا کسی دوسرے آدمی کی وجہ سے پیدا ہوا ہو تو بالاتفاق عیب بیان کئے بغیر مرابحۃً فروخت کرنا جائز نہیں۔

اگر مبیع میں کوئی زیادتی واضافہ ہو گیا ہو مثلاً بچہ پیدا ہو گیا، یا پھل لگا، یا اون اور دودھ وغیرہ ہو گیا تو مرابحۃً فروخت کرنا اس کی وضاحت کئے بغیر جائز نہیں کیونکہ نہی پیدا شدہ زیادتی حنفیہ کے ہاں مبیع ہے، اور اس کی وجہ سے ثمن میں کمی نہیں کی جائے گی، اور بغیر زیادتی کے ثمن کی عادۃً خبر دی جاتی ہے۔اور اگر کسی نے زمین میں غلہ اگایا تو یہ بتائے بغیر فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ ایسی زیادتی جو مبیع سے پیدا نہ ہو وہ بالاتفاق مبیع شمار نہیں ہوتی۔اگر کسی نے کوئی چیز مثلاً کپڑا دس درہم کا ادھار خریدا تو اس کی وضاحت کئے بغیر مرابحۃً فروخت کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ ادھار میں عادۃً ثمن زیادہ ہوتے ہیں، کیونکہ نقد اور ادھار میں مبیع کے ثمن مختلف ہوتے ہیں۔اور اگر کسی پر قرض تھا اس کے بدلے کوئی چیز اس سے خریدی تو اس کی وضاحت کے بغیر بھی مرابحۃً فروخت کرنا جائز ہے۔اس لئے کہ اس نے اس ثمن کے بدلے اسے خریدا جو اس کے ذمہ پر تھے، نیز دین (قرض) سے ثمن متعین نہیں ہوتے، لیکن اگر اس کسی سے اپنے دین (قرض) کے بدلے میں صلح کر لی اور کوئی چیز لی اب اس چیز کو اس کی وضاحت کے لئے بغیر آگے مرابحۃً فروخت کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ صلح میں تو کمی کی جاتی ہے اور چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے۔پس اس کی وضاحت کرنا ضروری ہے تاکہ مشتری کو معلوم ہو جائے کہ چشم پوشی اور کمی ہوتی ہے یا نہ تاکہ تہمت سے بچ سکے برخلاف پہلی صورت میں خریدنے کے کیونکہ خریداری میں تو ثمن کم کروائے جاتے ہیں لہٰذا وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں۔اگر کسی نے دس درہم کا کپڑا خریدا پھر اس پر کڑھائی وغیرہ کی جو دس درہم سے زیادہ کی ہے پھر اس کپڑے کو مرابحۃً فروخت کیا اور وضاحت نہیں کی تو جائز ہے۔اور یہ خیانت نہ ہوگی، کیونکہ یہ کڑھائی کا تذکرہ کرنے کی وجہ سے سچا ہے البتہ یہ نہ کہے کہ یہ کپڑا میں نے اتنے کا خریدا ہے کیونکہ اس صورت میں جھوٹ ہوگا اور یہ بھی اس صورت میں ہے جب مشتری کو معلوم ہو کہ ثمن اور کڑھائی دو مختلف چیزیں ہیں، لیکن اگر اسے معلوم نہیں تو پھر یہ خیانت ہوگی جس کی وجہ سے مشتری کے لئے خیار ہوگا، اسی طرح اگر کوئی میراث یا ہبہ کی وجہ سے مال کا مالک ہوا پھر ایک عادل شخص نے اس کی قیمت لگائی پھر اس نے اس قیمت پر مرابحۃً فروخت کیا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ اپنی بات میں سچا ہے۔[1]

چوتھا مقصد: اگر خیانت ظاہر ہو تو اس کا حکم...... جب بیع مرابحہ میں بائع کے اقرار یا کسی دلیل یا قسم سے انکار کی وجہ سے خیانت ظاہر ہو تو یا ثمن کی صفت میں ہوگی یا مقدار میں۔اگر ثمن کی صفت میں خیانت ظاہر ہو بایں طور کہ ادھار کوئی چیز خریدی اور یہ بیان نہیں کیا کہ ادھار خریدی ہے اسے مرابحۃً فروخت کر دیا ثمن اول پر یا تولیۃً فروخت کر دیا پھر مشتری کو معلوم ہوا تو حنفیہ کے ہاں اس کو اختیار ہے چاہے تو مبیع لے لے یا واپس کر دے، کیونکہ مرابحۃً کی بنیاد ہی امانت پر ہے اس لئے کہ مشتری نے بائع کی امانتداری پر اعتماد کیا ثمن اول کی اطلاع میں، پس دوسری بیع خیانت سے بچ جاتی، جب یہ شرط متحقق نہ ہوئی تو خیار ثابت ہو گیا جیسا کہ عیب ظاہر ہو جائے مبیع میں۔اسی طرح جب اس کی وضاحت نہ کی کہ مبیع، بطور صلح لی گئی ہے جب بھی مشتری کو اختیار ہوگا۔اور اگر خیانت مقدار ثمن میں مرابحۃً یا تولیۃً فروخت کرنے کی صورت میں ظاہر بایں طور کہا کہ میں نے دس درہم کی خریدی ہے اور آپ کو منافع کے ساتھ اتنے ثمن کی ہر چیز فروخت کرتا ہوں یا میں نے دس درہم کی خریدی ہے اور آپ کو تولیۃً دیتا ہوں جتنے کی لی ہے، پھر معلوم ہوا کہ نو درہم کی یہ چیز اس نے خریدی تھی تو اس بارے میں حنفی فقہاء کا اختلاف ہے۔ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اور انہی کا قول حنفیہ کے ہاں راجح ہے کہ مرابحہ کی صورت میں مشتری کو اختیار ہے چاہے تو پورے ثمن ادا کر کے لے لے چاہے تو چھوڑ دے اور تولیہ کی صورت میں مشتری کو کوئی اختیار نہیں لیکن خیانت کی بقدر ثمن کم کر دیئے جائیں گے اور باقی ثمن پر عقد لازم ہوگا۔تولیہ اور مرابحہ میں وجہ فرق یہ ہے کہ مرابحہ میں خیانت کی وجہ سے عقد انہی طبیعت یعنی مرابحہ ہونے سے نکلتا نہیں،

[1]...... البدائع: ۵/ ۲۲۴۔

کیونکہ مرابحہ نام ہے ثمن اور منافع کے ساتھ فروخت کرنے کا، اور یہ معنی خیانت ظاہر ہونے کے بعد بھی پایا جاتا ہے پس بعض ثمن رأس المال بن جائے گا اور بعض نفع ہوگا جو رضامندی کے درمیان مخل ہوگا۔

پس خیار ثابت ہو جائے گا جیسا کہ صفت ثمن میں خیانت کی صورت میں تھا، رہ گیا تولیہ تو اس میں خیانت ظاہر ہونے کی وجہ سے تولیہ، تولیہ نہیں رہتا، کیونکہ بیع تولیہ تو ثمن اول کے ساتھ بغیر زیادتی ونقصان کے فروخت کرنے کو کہتے ہیں، پس جب ثمن اول میں نقصان ظاہر ہوا اور ہم نے مشتری کے لئے خیار ثابت کیا تو اس طرح ہم عقد کو تولیہ ہونے سے نکال کر مرابحہ بنا دیں گے اور یہ تو ایک نیا عقد ہوگا جس پر وہ راضی نہیں اور اس طرح کرنا جائز نہیں لہٰذا ہم نے خیانت مقدار کم کرادی اور باقی ثمن کے ساتھ عقد کو لازم قرار دیا۔

اور اسی پر یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر مشتری ثانی کے پاس مبیع ہلاک ہوگئی یا اس نے خود مبیع کو واپس لوٹانے سے پہلے ہلاک کر دیا یا اس میں مانع ردکوئی چیز مثلاً عیب پیدا کر دیا تو پھر پورے ثمن کے ساتھ عقد لازم ہوگا اور خیار ساقط ہوگا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں مشتری کو مرابحہ اور تولیہ دونوں صورتوں میں کوئی اختیار نہیں البتہ مقدار خیانت ثمن کم کر دیئے جائیں گے، اور مقدار خیانت مثال مذکور میں یہ ہے کہ ایک درہم تولیہ کی صورت میں اور ایک درہم مرابحہ کی صورت میں اور ربح کا حصہ یعنی درہم کا دسواں حصہ کم کر دیا جائے، کیونکہ ثمن اول بیع مرابحہ اور تولیہ میں اصل ہیں پس جب خیانت ظاہر ہوگئی تو معلوم ہوا کہ مقدار خیانت کا تسمیہ درست نہیں تو مقدار خیانت تسمیہ لغو ہو جائے گا اور عقد ثمن باقی کے ساتھ لازم ہوگا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں مشتری کو مرابحہ اور تولیہ دونوں صورتوں میں اختیار ہے چاہے تو پورے ثمن دے کر لے لے اور چاہے تو مبیع، بائع کو واپس کر دے دلیل یہ ہے کہ مشتری ثمن مقررہ کے بغیر لزوم عقد پر راضی نہیں، لہٰذا اس کے بغیر عقد لازم نہ ہوگا اور اس کے لئے اختیار ثابت ہوگا، خیانت کی وجہ سے جیسا کہ سلامت مبیع عن العیب کے تحقق کے بعد خیار ہے۔

اور یہ بات یاد رہے کہ حنفیہ کے ہاں لوگوں سے نرمی وشفقت کی وجہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ اگر غبن فاحش ہو اور عاقدین یا کسی تیسرے شخص مثلاً دلال وغیرہ کی جانب سے دھوکا ہو تو مبیع اور ثمن کا واپس کر دینا جائز ہے اور غبن فاحش کا مطلب یہ ہے کہ قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت داخل نہ ہو مثلاً دس پر تین زیادہ کر دینا، اور جو اس سے کم ہو وہ غبن یسیر ہے اس میں واپس نہیں کیا جائے گا جیسا کہ اگر دھوکا نہ پایا جائے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

شرکت...... اشراک کا حکم بیع تولیہ ہی والا حکم ہے لیکن یہ بعض مبیع کا بعض ثمن کے ساتھ تولیہ ہے اور شرکت کتنی مقدار میں ثابت ہوتی ہے اس کی تفصیل بڑی کتابوں سے معلوم کی جائے۔

وضیعہ...... بیع وضیعہ جیسا کہ معلوم ہے وہ ثمن اول سے کچھ کم کرکے فروخت کرنا اور وہ کمی معلوم ہو اور اس پر مرابحہ کے شرائط واحکام جاری ہوتے ہیں۔

خریدنے کا حکم دینے والے کے لئے مرابحۃً خریدنا...... جدید مصارف اسلامیہ ایک متعین معاملہ کو ''بیع المرابحہ للامر بالشراء'' کہتے ہیں اسے سودی بینکاری کے بدلے میں پیش کرتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہا یک شخص مثلاً بینک کے پاس گیا ایک گاڑی خریدنے کے لئے جو متعین اوصاف والی ہے یا خبر رساں آلات، یا طبی آلات یا کسی متعین کام کے آلات خریدنے گیا اب بینک ان اشیاء کو خریدے پھر ادھار متعین رقم پر اس کو فروخت کرے جو کہ نقد کے مقابلہ میں زیادہ ہو اب یہ کام دو وعدوں سے مرکب ہے ایک وعدہ تو عمل کی جانب سے جسے آلہ بالشراء کہا جاتا اور ایک وعدہ مصرف کی طرف سے جو بطریق مرابحہ فروخت کرے گا یعنی متعین نفع پر یا پہلے ثمن سے کچھ زیادہ پر اور یہ معاملہ امام شافعی کی کتاب الام کے نقطہ نظر سے جائز ہے وہ فرماتے ہیں: اگر ایک شخص دوسرے کو سامان دکھائے، اور کہے اسے

خریدو اور اس پر اتنا نفع کماؤ اس شخص نے اسے خریدا تو یہ خریدنا جائز ہے اور جو اس نے کہا اس میں ربح کماؤ چاہے اس میں بیع کرے یا نہ کرے اس کا اسے اختیار ہے۔

البتہ اصل معاملہ جائز ہے جیسا کہ شوافع نے تصریح کی ہے اس شرط کے ساتھ کہ بینک خریدی گئی چیز کو سپرد کردے، رہ گیا وعدہ کا لازم ہونا تو اس میں ایک دوسرے مذہب کی تقلید جائز ہے اور وہ مالکی مذہب ہے اگر وعدہ پر مالی التزام میں دخول مرتب ہو اور یہی ابن شبرمہ کی رائے ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہر التزامی وعدہ جس سے حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہ قرار دیا جاتا ہو تو وہ قضاء اور دیانۃً دونوں طرح پورا کرنا لازم ہے، اور اس کو ممنوع نہیں قرار دیا، اور یہ ممنوع تلفیق میں سے بھی نہیں، کیونکہ یہ دونوں الگ الگ مسئلے میں اور ہر مسئلہ میں دوسرے امام کی تقلید کرنا جو اس سے مختلف ایک میں ایک امام کی دوسرے میں دوسرے کی ہو ممنوع نہیں۔ ❶ مالکیہ نے اس قسم کے معاملہ کو جائز قرار دیا ہے۔ ان کی کتابوں میں ہے: بیع مکروہ کے باب میں کہ ایک شخص کہے کہ کیا تمہارے پاس فلاں چیز ہے اور تم مجھے اتنے ادھار پر فروخت کردو تو دوسرا کہے نہیں میرے پاس نہیں بلکہ میں اس کو خریدتا میں تم سے اسے ادھار پر فروخت کرتا ہوں، اور اس میں آپ سے نفع بھی لوں گا پھر وہ خرید لے پھر اس کو فروخت کرے جس پر اس سے وعدہ ہوا ہے۔

اس معاملہ کو ”مؤتمر المصرف الاسلامی الاول“ نے دبئی میں ۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ء میں جائز قرار دیا ہے کہ اس طرح کے وعدے دونوں طرفوں سے قضاءً لازم ہیں مالکی مذہب کے مطابق، اور یہ دیانۃً بھی لازم ہیں دوسرے مذاہب کے مطابق اور جو چیز دیانۃً لازم ہو اس کو کسی مصلحت کے تحت قضاءً بھی لازم قرار دینا ممکن ہے، اور قضاء کا اس میں دخل بھی ممکن ہے۔

اور دوسری مؤتمر المصرف الاسلامی کویت ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ میں بیع مرابحہ بالشراء کو بھی صحیح قرار دیا ہے خرید شدہ سامان وغیرہ پر قبضہ کے بعد پھر اس کو منافع کے ساتھ آمر بالشراء کو فروخت کرنا صحیح ہے اور یہ ایک جائز شرعی معاملہ ہے، جب تک کہ اس کو وہ ہلاکت سے پہلے وصول کرے، اور اگر کوئی عیب ہو تو اس کو اس وجہ سے واپس کرنا صحیح ہے۔ اور اس میں تمام ضمان شامل ہوں گے اور جمہور کی رائے کے مطابق قبل القبض فروخت کرنا ممنوع ہے۔ اور مالکیہ نے طعام کے علاوہ باقی چیزیں قبل القبض فروخت کرنے کی اجازت دی ہے، رہ گیا وعدہ تو یہ آمر کے لیے یا مصرف یا دونوں کے لئے لازم ہے، کیونکہ نہی کہ جیسا کہ شوافع نے ذکر کیا ہے اس صورت میں ہے جب دونوں میں سے ایک بیع مبہم یا معلق یا مجہول ہو، لیکن اگر مشتری دونوں میں سے ایک کو متعین کردے تو پھر جائز ہے، یا پھر نہی وارد ہے اس صورت پر جس میں دوسری بیع کی شرط لگائی گئی ہیں مثلاً کہے: کہ میں اپنا گھر آپ کو اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ آپ مجھے ایسا گھوڑا فروخت کریں گے۔

۷۔ اقالہ...... جب بیع صحیح ہو لازم ہو اختیار سے خالی ہو اور متعاقدین اس کو ختم کرنے پر راضی ہو تو اس کو اقالہ کے ذریعے سے فسخ کیا جائے گا، اقالہ اگرچہ بیع پر متفرع ہوتا ہے کیونکہ اکثر بیع ہی میں ہوتا ہے، لیکن نکاح کے علاوہ تمام عقود و معاملات میں جاری ہوتا ہے اور اس کی تعبیر یہ ہوتی ہے کہ ایسا عقد جس سے سابقہ عقد ختم کیا جائے، یہاں پر مشروعیت اقالہ، اس کی تعریف رکن، پھر اس کی ماہیت، حکم اور صحیح ہونے کی شرائط کے بارے میں کلام ہوگا۔

اقالہ کی مشروعیت، تعریف اور رکن...... اقالہ کرنا مستحب و مندوب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد نقل کیا ہے کہ ”جو شخص بیع سے نادم ہو کر اقالہ کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہوں کو معاف کریں گے“ اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ ”جو کسی مسلمان سے اقالہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی لغزشوں کو معاف فرماتے ہیں۔“

---

❶...... یہ بات صاحب کتاب کی درست نہیں اس طرح تو پھر ہر ایک اپنی غرض و خواہش پوری کرنے کے لئے جس مسئلے میں نفس پرستی ہوئی اس کو لے لے گا اور شریعت مسہل ہو کر رہ جائے گی فلیتأمل۔

اقالہ کا لغوی معنی......رفع یعنی ختم کرنا۔

شرعاً......عقد ختم کرنا اگر چہ مبیع کے بعض حصہ ہی میں ہو، مثلاً کسی شخص نے سو رطل گندم، پچاس "لیرہ" (شام کے پچاس روپے) میں فروخت کی اور مشتری کے سپرد کر دی پھر دونوں جدا ہو گئے، اس کے بعد بائع نے مشتری سے کہا مجھے ثمن دو یا وہ گندم دے دو جو میں نے تمہیں دی تھی، مشتری نے دے دی یا کچھ دے دی، تو یہ فسخ ہو گئی۔

رکن......عاقدین میں سے ایک کی جانب سے ایجاب اور دوسرے کی جانب سے قبول اس کا رکن ہے۔

الفاظ عقد......اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اقالہ منعقد ہو جاتا ایسے لفظ سے جس سے ماضی کی تعبیر ہو مثلاً عاقدین میں سے ایک کہے "اقلت" اور دوسرا کہے "قبلت یا رضیت" وغیرہ، اور اگر دونوں میں سے ایک الفاظ ماضی کے ہوں اور دوسرے کے مستقبل کے مثلاً ایک کہے "أقلتی" اور دوسرا کہے أقلتك تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ کے ہاں ان الفاظ سے بھی اقالہ منعقد ہو جائے گا جیسا کہ عقد نکاح میں ثابت ہے۔ کیونکہ اقالہ میں مساوات عادۃً نہیں ہوئی جیسا کہ بیع میں ہوتی ہے لہٰذا اس لفظ کو ایجاب پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ امام محمد کے ہاں اقالہ صرف ماضی کے الفاظ سے منعقد ہو سکتا ہے ان کے علاوہ نہیں جس طرح بیع ہے، کیونکہ اقالہ کا رکن ایجاب وقبول ہیں، جیسا کہ بیع کے رکن ہیں اور بیع بھی صرف ماضی کے صیغوں سے منعقد ہوتی ہے۔ اقالہ کے لئے الفاظ متعین نہیں ہیں، دوسرے الفاظ سے ہی اقالہ درست ہے مثلاً "فاسختك" "ترکت البیع"، "تارکتك اور رفعت" وغیرہ سے اسی طرح تعاطی سے بھی اقالہ صحیح ہے اگر چہ ایک ہی جانب سے ہو جیسا کہ بیع میں، جیسے بائع، مشتری کے "اقلتك" کہنے پر کپڑے کی قمیض کاٹ لے۔

اقالہ کی ماہیت اور حکم......ماہیت اقالہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، مالکیہ اور اصحاب ظواہر کے ہاں اقالہ بیع ثانی ہے، کیونکہ مبیع، بائع کے پاس اسی طرح واپس آتی ہے جس طرح اس سے گئی تھی پس اس صورت میں یہ عاقدین کی رضامندی سے پوری ہو جائے گی، اور اس میں وہ کام جائز ہوں گے جو بیع میں جائز ہوتے ہیں اور وہ ناجائز ہوں گے جو بیع میں ناجائز ہوتے ہیں۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں: اقالہ فسخ بیع ہے، کیونکہ اقالہ تو ختم کرنے اور زائل کرنے کو کہتے ہیں نیز مبیع بائع کی طرف ایسے الفاظ سے واپس آتی ہے جن سے بیع منعقد نہیں ہو سکتی۔

پس عیب کی وجہ سے لوٹانے کی طرح پر فسخ ہے۔ حنفیہ کا آپس میں اختلاف ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے ہاں (اور ان کا قول حنفیہ کے ہاں راجح اور صحیح ہے) اقالہ عاقدین کے حق میں فسخ ہے اور تیسرے شخص کے حق میں بیع جدید ہے چاہے اقالہ قبضہ سے پہلے ہوا ہو یا بعد میں ہاں اگر اس کو فسخ قرار دینا ممکن نہ ہو تو باطل ہو جائے گا جیسے فروخت شدہ جانور بچہ جن دے قبضہ کے بعد اب فسخ متعذر ہے جداز یادتی کی وجہ سے۔

امام کی فسخ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ لغوی اور شرعی اعتبار سے اقالہ رفع ہے اور کسی چیز کا رفع اس کا فسخ ہی ہوتا ہے، اور بیع ہونے کی دلیل یہ ہے کہ عاقدین میں سے ہر ایک راس المال لے رہا ہے بدلے میں اور بیع کا یہی معنی ہے۔ لیکن عاقدین کے حق میں معنی بیع کا اظہار منافات کی وجہ سے ممکن نہیں لہٰذا ہم تیسرے کے حق میں اس کا اظہار کرتے ہیں اس کے مطابق اگر کسی نے گھر خریدا اور اس کا کوئی شفیع تھا اور اس نے بیع کے علم کے باوجود شفعہ طلب نہیں کیا پھر متعاقدین نے اقالہ کیا تو دوبارہ شفیع کے لئے حق شفعہ ثابت ہوگا، کیونکہ امام کے حق میں نیا عقد ہے اور تیسرے آدمی سے یہی مراد ہے یہاں۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں اقالہ متعاقدین اور دوسرے لوگوں کے لئے بیع جدید ہے ہاں اگر بیع قرار دینا متعذر ہو تو فسخ ہوگا، جیسے منقول اشیاء میں قبضہ سے پہلے اقالہ ہو جائے۔ کیونکہ منقولہ اشیاء میں قبضہ سے پہلے بیع جائز نہیں برخلاف زمین کے کہ اس کی قبضہ سے پہلے

بیع امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں بھی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں بھی جائز ہے۔ پس زمین کا اقالہ بیع ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ بیع تو مال کو مال کے بدلے میں دینے کا نام ہے یعنی بدل پر قبضہ کرنا اور بدل عطاء کرنا جو کہ یہاں پایا گیا پس اقالہ بیع ہے اس میں بیع کا معنی پایا جارہا ہے اور اعتبار معنی اور مفہوم کا ہے نہ کے ظاہری صورت کا۔

امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں اقالہ فسخ ہے اگر فسخ قرار دینا متعذر رہو تو پھر ضرورۃً بیع قرار دیا جائے گا۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے درمیان میں ذکر ہوا، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اقالہ میں اصل فسخ ہے کیونکہ لغوی اور شرعی اعتبار سے اقالہ نام ہے کسی چیز کا رفع کرنا۔

امام زفر، شوافع اور اکثر حنابلہ کے ہاں اقالہ تمام لوگوں کے حق میں فسخ ہے۔

حنفیہ کے ہاں ثمرہ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوگا جب عاقدین اقالہ کریں ثمن سے زیادہ پر یا کم پر یا کسی دوسری چیز سے یا ثمن میں تاجیل کریں۔

تو امام صاحبؒ کے قول کے مطابق ثمن اول پہ اقالہ درست ہوگا اور جو شرط عاقدین نے لگائی ہے زیادہ یا کم یا مدت یا دوسری جنس کی وہ باطل ہو جائے گی چاہے اقالہ قبضہ سے پہلے ہو یا بعد میں، کیونکہ یہ عاقدین کے حق میں فسخ ہے اور فسخ عقد کی رفع کو کہتے ہیں اور عقد ثمن اول پر واقع ہوا ہے پس اس کا فسخ بھی ثمن اول سے ہوگا، اور شرط فاسد باطل ہو جائے گی پس ثمن اول کے علاوہ کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔

اور امام زفرؒ کے ہاں بھی یہی حکم ہے کیونکہ ان کے ہاں بھی اقالہ تمام لوگوں کے حق میں فسخ ہے جبکہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں ان حالات میں اقالہ باطل ہو جائے گا شرط فاسد کی وجہ سے جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے۔

پس اس بناء پر حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں اقالہ میں اضافہ اور کمی جائز نہیں کیونکہ اقالہ فسخ ہے چاہے جس مال میں بھی ہو۔ اور اسی وجہ سے جب اقالہ مکمل ہو گیا پھر مبیع میں کوئی منفصل اضافہ ہوا جو اصل سے پیدا شدہ ہو، مثلاً بکری کا بچہ وغیرہ تو پھر اقالہ ممنوع ہوگا، اور امام مالکؒ کے ہاں اقالہ بیع جدید ہے لہٰذا اس میں اضافہ کمی کرنا جائز ہے جیسے کوئی چیز سو دینار میں فروخت کی پھر بائع نادم ہوا اور اس نے مشتری سے کہا مبیع واپس دے دو دس دینار مزید دوں گا، کیونکہ اقالہ اس صورت میں نئی بیع ہے اور آج کل لوگوں کا عمل بھی اسی قول پر ہے، اور بائع بیع توڑنے پر راضی نہیں ہوتا جب تک کہ مشتری اپنے حق میں کچھ کمی نہ کرے، امام مالک کے ہاں اس طرح اقالہ جائز نہیں کہ کوئی چیز خریدی سو دینار کی ادھار پھر مشتری نادم ہو گیا اس نے بائع سے اس بات پر اقالہ کرنے کا کہا کہ وہ اسے دس دینار نقد دے گا یا کچھ مدت کے بعد دے گا، کیونکہ یہ تو بیع اور قرض کا ایک ذریعہ ہے۔ یا مشتری نے ایک چیز نوے کی فروخت کی اور بائع نے دس قرض کے طور پر لئے لیکن اگر پہلی بیع نقد ہو تو پھر اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق اقالہ مذکورہ صورتوں میں درست ہوگا یعنی ثمن میں اضافہ، کمی اور مدت وغیرہ میں کیونکہ یہ بیع جدید ہے۔

اور امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اگر اقالہ ثمن اول کے بغیر یا ان سے زیادہ پر ہو تو یہ بیع ہے اس کو فسخ قرار دینا ممکن نہیں، کیونکہ فسخ تو یہ ہے کہ ثمن اول کے ساتھ ہو۔ اور اگر اقالہ ثمن اول کے مثل یا کم کے ساتھ ہو تو یہ ثمن کا فسخ ہے اس میں کمی کی شرط اور مدت وغیرہ کی شرط باطل ہو جائے گی۔

اقالہ کی شرطیں..... اقالہ صحیح ہونے کے لئے چند شرطیں ہیں۔

پہلی شرط..... عاقدین (اقالہ کرنے والوں) کی رضامندی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق اس شرط کا سبب ظاہر، اس لئے کہ ان کے ہاں اقالہ بیع ہے اور بیع کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے رضامندی بھی ہے اور جمہور حنفیہ کے مذہب کے موافق اقالہ چونکہ عقد

کو فسخ کرنا ہے اور عقد عاقدین کی رضامندی سے ہوا تھا لہٰذا اس کا فسخ بھی اسی طرح ہونا چاہئے۔
نیز یہ شرط بالا تفاق ہے۔

دوسری شرط.....عقد صرف کے اقالہ کی صورت میں مجلس میں بدلین پر قبضہ کرنا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے اصل (قاعدے) کے موافق یہ واضح ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصل وضابطے کے مطابق اس طرح کہ بدلین پر قبضہ کرنا اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر واجب ہے اور اقالہ اگرچہ عاقدین کے حق میں تو فسخ ہے لیکن تیسرے شخص کے حق میں بیع جدید ہے اور حق شرع یہاں تیسرے کی وجہ سے ہے پس اقالہ اس کے حق میں بیع ہوگا یہ شرط بھی متفق علیہ ہے۔

تیسری شرط.....امام ابوحنیفہ اور امام زفر کے ہاں عقد کا محل فسخ کا متحمل ہو کیونکہ اقالہ فسخ عقد کا نام ہے ان کے ہاں پس اگر محل عقد فسخ کا متحمل نہ بایں طور کہ اس میں ایسی زیادتی واضافہ کر دیا جو فسخ سے مانع ہے تو اقالہ درست نہ ہوگا اور صاحبینؒ کے ہاں یہ شرط نہیں کیونکہ امام ابو یوسفؒ کے ہاں اقالہ، بیع ہے اور بیع میں اضافہ ہو سکتا ہے پس محل عقد اقالہ کا متحمل ہو سکتا ہے۔ اور امام محمدؒ کی اصل کے موافق اقالہ اگرچہ فسخ ہے لیکن اگر ممکن ہو اور یہاں ممکن نہیں کیونکہ جب مبیع میں اضافہ ہو جائے تو فسخ متعذر ہے۔

چوتھی شرط.....اقالہ کے وقت مبیع کا باقی ہونا، کیونکہ اقالہ رفع عقد کا نام ہے اور مبیع اس کا محل ہے پس اگر اقالہ کے وقت وہ ساری ہلاک ہو تو اقالہ درست نہیں ہوگا اور اگر بعض ہلاک ہو تو بقدر ہلاک اقالہ درست نہیں ہوگا۔ رہ گیا ثمن کا موجود ہونا تو یہ شرط نہیں۔ وجہ فرق یہ ہے کہ بیع توڑنا ختم کرنا بیع کے موجود ہونے کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ معدوم کا ختم کرنا محال ہے اور بیع مبیع سے قائم رہتی ہے نہ کہ ثمن سے، کیونکہ اصل تو مبیع ہے اسی وجہ سے مبیع کا بیع کے وقت موجود ہونا شرط ہے برخلاف ثمن کے، تو جب مبیع ہلاک ہوگئی تو حکم بیع کا محل ہی باقی نہیں رہے گا، تو اقالہ کا تصور نہیں ہوگا چونکہ حقیقت میں اقالہ بیع کے حکم کو ختم کرنے کا نام ہے پس جب ثمن ہلاک ہو گیا تو حکم بیع کا محل باقی ہے لہٰذا اقالہ درست ہے۔

اور اقالہ ہی پر انحلال عقد، اس کے آثار کا زائل ہونا، اور حکم کا مرتفع ہونا مرتب ہوتے ہیں۔

دوسری فصل.....قرض

قرض ایسے عام معنی کے اعتبار سے بیع کے مشابہ ہے کیونکہ یہ بھی مال کے بدلے مال کی تملیک ہے اور بیع بھی قرض کی ایک قسم ہے۔
علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ قرض نفس بیع ہے (یعنی خود بیع ہے) لیکن قرافی رحمہ اللہ نے قرض اور بیع میں تین فرق ذکر کئے ہیں جن میں قرض بیع سے تین قواعد شرعیہ میں مختلف ہے۔

۱.....قاعدہ ربا (سود) جبکہ قرض اموال ربویہ میں سے ہو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں صحیح قول کے مطابق کیلی اور وزنی چیزیں ہیں۔ مالکیہ کے ہاں سونا چاندی اور ذخیرہ کی جانے والی چیزیں اور شوافع کے ہاں سونا چاندی اور طعم ہے۔

۲.....قاعدہ مزابنہ: اور وہ معلوم چیز کو اسی کی جنس جو کہ مجہول کے ساتھ فروخت کرنا، اگر قرض غیر مثلی چیزوں میں ہو جیسے حیوان وغیرہ۔

۳.....قاعدہ جو چیز انسان کے پاس موجود نہیں اس کو فروخت کرنا، جبکہ قرض مثلیات میں سے ہو۔ ان مخالفتوں کا سبب یہ ہے کہ لوگوں کے مصالح کی رعایت اور ان کے معروف پیشوں کے باقی رکھنے کے لیے ان پر آسانی کی جائے یہی وجہ ہے کہ قرض اس وقت حرام ہے جب کوئی عمل مقصود نہ ہو مثلاً مقروض کی منفعت وغیرہ۔

قرض کی تعریف، مشروعیت، عاقد، الفاظ قرض، اختیار کا حکم، کن چیزوں میں قرض صحیح ہے اس کا حکم اور اس قرض کا حکم جو منفعت پیدا کرے وغیرہ کے بارے میں کلام ہوگا۔

قرض کی تعریف...... قرض کا لغوی معنی کاٹنا ہے اور جو مال مقروض کو دیا جاتا ہے اسے اسی لئے قرض کہتے ہیں کہ وہ قرض دینے والے کے مال کا ایک حصہ ہوتا ہے تو اور اس کو سلف بھی کہتے ہیں۔ حنفیہ کے ہاں اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ وہ مال جو کسی کو اس شرط پر دیا جائے کہ وہ وقت معینہ پر واپس کردے۔ باقی فقہاء نے بایں طور تعریف کی ہے کہ کسی شخص کا دوسرے کو مال دینا اس کے مثل کے بدلے میں جو اس کے ذمہ میں ثابت ہو اور لئے ہوئے مال کے مثل ہو مقروض کے نفع کے ارادہ سے۔ پس مال چاہے مثلی ہو حیوان ہو اور سامان تجارت ہو ان سب کو شامل ہے۔

قرض کی مشروعیت...... قرض کا لین دین سنت و اجماع کی رو سے جائز ہے۔ سنت میں سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی مسلمان کسی مسلمان کو دو مرتبہ قرض دیتا ہے تو وہ ایک مرتبہ صدقہ کرنے کی طرح ہے۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معراج والی رات میں نے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا'' صدقہ دس گنا ہے اور قرض اٹھارہ گنا ہے، تو میں نے جبرائیل سے کہا کہ کیا وجہ ہے قرض، صدقہ سے افضل ہے؟ تو جبرائیل نے کہا، کیونکہ (صدقہ کی صورت میں) سائل سوال کرتا ہے جبکہ اس کے پاس بھی مال ہوتا ہے اور مقروض صرف ضرورت کی وجہ سے قرض لیتا ہے۔'' اور حضرت رافع کی روایت اس قرض کے تحت آرہی ہے جو نفع ساتھ کھینچے۔ نیز مسلمانوں کا قرض کے جواز پر اجماع ہے۔

قرض دینا مقروض کے حق میں مندوب ہے اور مقروض کے لئے مباح ہے ان احادیث سابقہ کی وجہ سے نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مسلمان سے دنیا کے مصائب میں سے کوئی مصیبت دور کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مشکلاتِ دور کریں گے، اور جو شخص کسی تنگ دست پر آسانی کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی کریں گے، اور اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں لگے رہتے ہیں جب تک وہ کسی مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہے'' حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں دو دینار قرض دوں پھر وہ مجھے واپس ملیں پھر میں ان دونوں کو قرض دوں یہ ان دونوں کے صدقہ کرنے سے مجھے زیادہ محبوب ہے'' ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں'' دو دفعہ قرض دینا ایک دفعہ صدقہ کرنے سے بہتر ہے'' حنابلہ کے ہاں صدقہ، قرض سے افضل ہے، اور اس شخص پر کوئی گناہ نہیں جس سے قرض مانگا گیا اور اس نے قرض نہ دیا۔''

عاقد اور الفاظ قرض...... جائز التصرف اشیاء کا قرض دینا درست ہے کیونکہ یہ مال کا عقد ہے لہٰذا بیع کی طرح صرف جائز التصرف اشیاء ہی میں درست ہوگا، اور ایجاب وقبول سے مکمل ہوتا ہے کیونکہ آدمی اس کا مالک بنا ہے لہٰذا بیع اور ہبہ کی طرح ایجاب وقبول کے بغیر درست نہیں ہوگا۔ قرض اور سلف کے الفاظ سے درست ہے کیونکہ شریعت میں یہ الفاظ وارد ہیں، اور ایسے الفاظ سے قرض دینا جن سے قرض کا معنی سمجھا جاتا ہو مثلاً کہے ''میں تمہیں اس کا اس شرط پر مالک بناتا ہوں کہ اس کا بدل تم مجھے واپس دو گے۔''

خیار وغیرہ...... آیا قرض میں خیار اور مدت وغیرہ ثابت ہے، قائلین قرض یعنی شوافع اور حنابلہ کے ہاں نہ خیار مجلس اس کے لئے ہے اور نہ خیار شرط، کیونکہ خیار کا مقصد تو فسخ کرنا ہوتا ہے، جبکہ قرض میں عاقدین میں سے ہر ایک کے لئے جائز ہے کہ وہ جب چاہیں فسخ کردیں لہٰذا خیار کا کوئی معنی نہیں۔ اور جمہور فقہاء کے ہاں قرض میں مدت مقرر کرنا جائز نہیں، پس اگر قرض کو ایک مدت معلوم تک اگر مقرر کیا گیا تو وہ مدت مقرر کرنا درست نہیں بلکہ وہ فی الحال ہوگا، کیونکہ یہ درہم کی درہم کے بدلے بیع کی طرح ہے لہٰذا سود سے بچنے کے لئے مدت مقرر کرنا منع

ہے اور اس اعتبار سے کہ قرض صرف ایک تبرع (نیکی) ہے تو قرض دینے والا فی الحال اس کے بدل کے مطالبے کا حق دار ہے کیونکہ یہ ایک ایسا عقد ہے جو مثلیات میں سے مثل کے واپس لوٹانے کا تقاضا کرتا ہے پس فی الحال بدل کا واپس کرنا واجب ہوگا جیسا کہ اتلاف میں ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر دین جس کی مدت پوری ہو جائے تو وہ مدت کی وجہ سے مؤجل نہیں ہوگا، اور یہ بیع اور اجارہ کے بدل کے خلاف ہے، جبکہ اس کے لئے مدت معلوم مقرر کی گئی ہو کیونکہ اس صورت میں مدت پوری ہونے سے پہلے مطالبہ کا حق نہیں ہوتا۔ البتہ حنفیہ کے ہاں چار حالتوں میں قرض کی مدت لازم ہوگی:

پہلی حالت: وصیت...... کہ ایک شخص کسی دوسرے کے لئے مال کے ایک حصہ کی ایک سال تک کے لئے وصیت کرلے تو ورثاء کو مدت پوری ہونے سے پہلے مطالبہ کا حق نہیں۔

دوسری حالت: انکار...... یعنی قرض کا انکار کیا جارہا ہے تو قرض دینے والے نے مدت مقرر کرلی تو اب یہ مدت پوری کرنا لازم ہوگی۔

تیسری حالت: قاضی کا فیصلہ...... یعنی اگر قاضی قرض کے لئے مدت مقرر دے امام مالک اور ابن ابی لیلیٰ کے مذہب کے موافق تو اس صورت میں بھی اس کی پاسداری لازمی ہوگی۔

چوتھی حالت: حوالہ...... بایں طور کے مقروض قرض کا حوالہ کردے اور قرض خواہ اس کے لئے مدت مقرر کرلے یا وہ کسی دوسرے مقروض و مدیون پر حوالہ کردے جس کے دین کی مدت مقرر ہے، اس لئے کہ حوالہ کی وجہ سے محیل (حوالہ کرنے والے) بری ہو جاتا ہے اور محال (یعنی قرض خواہ) کا قرض محال علیہ کے ذمہ ثابت ہو جاتا ہے قرض کی وجہ سے پس درحقیقت یہ دین کی تاجیل ہے نہ کے قرض۔ خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے ہاں قرض کے لئے مدت غیر لازمہ مقرر کرنا صحیح البتہ ان حالات میں لازم ہوگی۔ امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں، قرض مؤجل ہوگا مدت مقرر کرنے کی وجہ سے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ''مسلمان اپنی شروط کے ساتھ ہیں'' نیز عاقدین اس عقد میں اقالہ کرنے اور اس کو باقی رکھنے کے مالک ہیں لہٰذا وہ اس میں اضافہ کرنے کے بھی مالک ہیں، یہ رائے معقول بھی ہے اور واقع کے مطابق بھی ہے۔

کن چیزوں کا قرض درست ہے...... اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ کن چیزوں میں قرض درست ہے۔

حنفیہ کے ہاں...... مثلی چیزوں میں قرض درست ہے (اور مثلی وہ چیزیں ہیں کے جن میں تفاوت قیمت کے اعتبار سے نہ ہو) جیسے کیل، وزنی اشیاء عددی متقارب مثلاً اخروٹ، انڈے وغیرہ چاندی کے سکے جبکہ ایک قالب کے بنے ہوگے ہوں اور گزوں سے ناپنے والی اشیاء مثلاً کپڑا وغیرہ اور امام محمد کی رائے کے مطابق مفتی بہ قول کی وجہ سے روٹی کو تعداد کے اعتبار سے یا وزن کے اعتبار سے قرض دینا لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے جائز ہے اور یہی باقی مذاہب کی بھی رائے ہے۔ اور غیر مثلی اشیاء میں قرض جائز نہیں جیسے جانور، لکڑی، زمین اور عددی متفاوت چیزوں میں کیونکر ان کا مثل واپس کرنا مشکل ہے۔

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... ہر اس مال کو بطور قرض دینا جائز ہے جس میں بیع سلم جائز ہے یعنی ہر وہ مال جو ذمہ میں ثابت ہو سکتا ہے چاہے کیلی ہو یا وزنی مثلاً سونا چاندی کا اور کھانے کی چیزیں یا قیمیات میں سے ہو جیسے سامان تجارت، حیوان (جانور) وغیرہ یا عددی ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابو رافع کی روایت میں ہے کہ ''آپ نے ایک دوسالہ اونٹ قرض لیا'' اور یہ نہ تو کیلی ہے نہ وزنی، نیز جن چیزوں میں سلم ثابت ہو تو وہ بیع سے ملک میں آجاتی ہیں اور وصف سے منضبط ہو سکتی ہیں لہٰذا کیلی اور وزنی چیزوں کی طرح ان کو بطور قرض دینا جائز ہے۔ رہ گئی وہ چیزیں جن میں بیع سلم نہیں ہو سکتی مثلاً جواہرات وغیرہ تو اصح و صحیح قول کے مطابق ان کا قرض درست نہیں، کیونکہ قرض مثل

کے واپس کرنے کا تقاضا کرتا ہے، اور جو چیزیں قابو میں نہیں آسکتیں یا وہ نادرالوجود ہیں تو ان کا مثل واپس کرنا ناممکن نہ سہی مشکل ضرور ہے، اسی وجہ سے جمہور فقہاء کے ہاں ہر اس عین میں جس کی بیع صحیح ہے اس کا قرض دینا بھی صحیح ہے، باندیوں میں چونکہ اعارہ فرج ہوگا (جو کہ صحیح نہیں) نیز منافع کا قرض بھی صحیح اس میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا اختلاف ہے، مثلاً ایک دن وہ اس کے ساتھ کھیتی کٹائے تا کہ دوسرے دن یہ بھی اس کے ساتھ کھیتی کٹائے گا، یا وہ اس کے گھر میں رہے اور یہ اس کے بدلے میں اس کے گھر رہے گا۔ اور ان چیزوں میں بھی قرض صحیح نہیں جو ذمہ میں ثابت نہیں ہوتی مثلاً زمین کا ایک حصہ گھر، دکان یا باغ کا حصہ وغیرہ، کیونکہ قرض مثل کی واپسی کا تقاضا کرتا ہے، اور ان اشیاء کا مثل نہیں۔ اور عوض میں جو مماثلت معتبر ہے مالکیہ کے ہاں وہ صفت اور قدر میں مماثلت شرط ہے، شوافع اور حنابلہ کے ہاں صورت میں مماثلت معتبر ہے۔ اسی طرح ایسی اشیاء جو شاذ و نادر پائی جاتی ہیں ان کا قرض بھی درست نہیں مثلاً جواہرات وغیرہ کیونکہ واپس کرتے وقت غالباً ان کا پایا جانا ناممکن ہے۔

قرض کا حکم.....طرفین (امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ) کے ہاں قبضہ سے قرض میں ملکیت ثابت ہو جائے گی اگر کسی شخص نے ایک مد گندم قرض لی قبضہ بھی کر لیا تو اس کی حفاظت اس کے ذمہ ہے، اور اگر قرض خواہ عین کی واپسی کا مطالبہ کرے تو اس کا مثل لوٹانا بھی اس کے ذمہ ہے کیونکہ یہ قرض خواہ کی ملکیت سے نکل گئی ہے اور مقروض کے ذمہ اس کا مثل ثابت ہے نہ کہ عین اگرچہ عین موجود بھی ہو۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں جب تک شیئ عین موجود ہے اس وقت تک مقروض اس کا مالک نہیں ہوتا۔

مالکیہ کے ہاں.....قرض، ہبہ، صدقہ، عاریہ وغیرہ میں صرف عقد ہی کی وجہ سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اگرچہ قبضہ نہ ہوا اور مقروض کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کا مثل واپس کرے چاہے تو عین واپس کر دے نیز وہ چاہے مثلی ہو یا غیر مثلی یہ اس وقت تک ہے جب تک کسی اضافہ و کمی وغیرہ کی وجہ سے اس میں تبدیلی نہ آئی ہو، لیکن اگر تبدیلی آ گئی ہو تو پھر مثل واپس کرنا واجب ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں: قبضہ سے قرض پر ملکیت ثابت ہو جائے گی اور شوافع کے ہاں مقروض مثلی اشیاء میں مثل واپس کرے کیونکہ یہ اس کے حق کے زیادہ قریب ہے اور قیمتی چیزوں میں مثل صوری واپس کرے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "دو سالہ اونٹ قرض لیا تھا اور واپس چار سالہ اونٹ کیا تھا" اور آپ کا ارشاد ہے: تم میں سے بہترین وہ ہیں جو ادائیگی میں اچھے ہوں۔

اور حنابلہ کے ہاں کیلی اور وزنی چیزوں میں مثل واپس کرنا واجب ہے جیسا کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے اور غیر مکیلی وزنی چیزوں میں دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ کہ قرض لینے کے دن کی قیمت واپس کرنا واجب ہے اور دوسری صورت یہ کہ اس کا مثل جو اس کی صفات کے قریب واپس کرنا واجب ہے۔

ادا کرنے کی جگہ.....ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شہر میں قرض کا لین دین ہوا تھا اسی شہر میں قرض واپس کیا جائے، اور اگر شیئ مقروض وزنی نہ ہو اور راستے کا خوف بھی نہ ہو تو پھر جس جگہ بھی چاہے واپس کر سکتا ہے بصورت دیگر (اسی شہر میں ادائیگی ضروری ہے۔ اور) قرض خواہ پر کسی دوسری جگہ لینا ضروری نہیں۔

قرض کی شرطوں کا خلاصہ.....قرض صحیح ہونے کے لئے چار شرطیں ہیں۔

۱.....قرض ایجاب وقبول سے مکمل ہونا چاہئے یا جو ایجاب قبول کے قائم مقام ہے مثلاً جمہور کے ہاں تعاطی البتہ شوافع کے ہاں دوسرے عقود کی طرح قرض میں بھی تعاطی کافی نہیں۔

۲.....ایک دوسرے سے عقد کرنے کی اہلیت ہو بایں طور کہ مقروض اور قرض خواہ بالغ، عاقل، سمجھدار اور خود مختار ہوں اور صدقہ تبرع

کرنے کے اہل ہوں کیونکہ قرض تو عقد تبرع (صدقہ) ہے لہٰذا بچے پاگل، بیوقوف اور مکرہ کی جانب سے صحیح نہیں ہوگا، اور نہ ہی ان کے ولی کی جانب سے جبکہ ضرورت اور حاجت نہ ہو، کیونکہ یہ سب اہل تبرع نہیں ہیں۔

۳..... حنفیہ کے ہاں قرض کا مال مثلی ہونا چاہئے اور جمہور کے ہاں ہر وہ مال جو ذمہ میں ثابت ہوسکتا ہے یعنی نقدی، غلہ جانور، زمین وغیرہ۔

۴..... قرض کے مال کی مقدار معلوم کیل، وزن عدد یا گز وغیرہ تاکہ واپس کرنا آسان ہو، اور ایسی جنس ہو جو کسی دوسری جنس سے مخلوط نہ ہو مثلاً گندم، جو کے ساتھ مخلوط نہ ہو، کیونکہ اس کا بدل واپس کرنا مشکل ہے۔

صحیح اور فاسد شرطیں..... ایسی شرائط لگانا جو حق کی مضبوطی کے لئے ہوں صحیح ہے جیسے مال قرض کے ساتھ رہن کی شرط لگانا یا کفیل بنانا، یا عقد قرض پر گواہ بنانا یا قرض لکھ کر رکھنا، یا قاضی کے سامنے اس کا اقرار کرنا وغیرہ جمہور کی ہاں قرض میں مدت مقرر کرنے کی شرط صحیح نہیں اور مالکیہ کے ہاں صحیح ہے کما تقدم۔ اور ایسی شرط جو عقد کے مناسب نہیں لگانا صحیح نہیں جیسے زیادہ واپس کرنے کی شرط یا عیب دار کی جگہ صحیح دینے کی شرط یا گھر وغیرہ فروخت کرنے کی شرط۔ اور فاسد شرط یہ ہے کہ بدل قرض میں زیادہ واپس کرنے کی شرط یا قرض خواہ کو ھدیہ پیش کرنے کی شرط لگانا، جب شرط میں کوئی مصلحت نہ ہو تو اس صورت میں وہ شرط لغو ہوگی عقد کو فاسد نہیں کرے گی جیسے صحیح کی جگہ عیب دار واپس کرنے کی شرط، عمدہ کی جگہ گھٹیا واپس کرنے کی شرط یا یہ شرط لگانا کہ تم کسی دوسرے کو قرض دو۔

مقروض پر کیا واپس کرنا واجب ہے..... اگر مال مثلی ہے تو مقروض پر اس کا مثل واپس کرنا بالاتفاق واجب ہے اور حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات کے ہاں مثل صوری واپس کرنا جبکہ قرض مال ہو قیمتی جیسے بکری کے بدلے بکری دینا جو اوصاف میں پہلی بکری کے مشابہ ہو۔

قرض واپس کرنے کا وقت..... مالکیہ کے علاوہ باقی فقہاء کے ہاں قبضہ کے بعد قرض خواہ جب بھی چاہے قرض کے لئے اس کو وصول کرسکتا ہے کیونکہ یہ ایسا عقد ہے جس کے لئے مدت مقرر کرنا درست نہیں، جبکہ مالکیہ کے ہاں جو وقت مقرر کیا گیا ہے اس پر قرض وصول کیا جاسکتا ہے اس سے پہلے نہیں کیونکہ ان کے ہاں قرض کے لئے وقت مقرر کیا جاسکتا ہے کما مر۔

قرض سے نفع اٹھانا..... حنفیہ کے ہاں راجح قول کے مطابق ہر وہ قرض جو نفع اندوز ہو وہ حرام ہے جبکہ نفع حاصل کرنے کی شرط لگائی گئی ہو، لیکن اگر نفع مشروط نہ ہو یا عام طور پر متعارف نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں، اسی وجہ سے مرتہن دائن کا شے مرہون سے نفع اٹھانا جائز نہیں جبکہ مشروط ہو یا متعارف ہو لیکن اگر اس طرح نہ ہو تو پھر نفع اٹھانا مکروہ تحریمی ہے اور اگر راہن اجازت دے دے تو حلال ہے۔ حنفیہ کی معتبر کتابوں میں اسی طرح ہے۔

اور بعض کے ہاں اگرچہ راہن اجازت بھی دے دے تب بھی نفع اٹھانا جائز نہیں، یہ قول شریعت مطہرہ کی روح کے موافق ہے حرمت ربا میں۔ قرض خواہ کے ہدیہ کا بھی یہی حکم ہے جبکہ شرط کے ساتھ ہو ورنہ نہیں۔

مالکیہ کے ہاں جس قرض سے نفع حاصل کیا جائے وہ فاسد ہے کیونکہ یہ سود ہے اور مقروض کی کسی بھی چیز سے فائدہ حاصل کرنا مکروہ ہے جیسے اس کی سواری پر سوار ہونا، قرض کی وجہ سے اس کے گھر کھانا کھانا، نہ کے بطور مہمان نوازی اسی طرح اگر مقروض قرض موخر کرنے کی غرض سے ھدیہ دے اور قرض سے پہلے اسے ھدیہ دینے کی عادت نہ تھی تو یہ ھدیہ قرض خواہ کے لئے حرام ہے۔ اگر کسی جدید بات مثلاً قرابت یا پڑوسی ہونے کی وجہ سے ہو تو یہ ہدیہ دین اور قرض کی وجہ سے نہ ہوگا، اور حرمت کا تعلق لینے دینے دونوں سے ہے لہٰذا اگر اس کے پاس ہدیہ موجود ہے تو واپس کرنا واجب ہے اور اگر باقی نہیں تو پھر اگر مثلی ہے تو اس کا مثل اور اگر قیمتی ہے تو اسکی قیمت ادا کرنا واجب ہے یہ اس وقت ہے

جبکہ قرض باقی ہو لیکن اگر دین ادا کر دیا ہے اب اگر مقروض نے قرض سے زیادہ رقم دی اور قرض بھی کسی خرید وفروخت کی وجہ سے تھا تو مطلقاً جائز چاہے اداشدہ قرض افضل ہو صفت ومقدار کے اعتبار سے اور چاہے دوران مدت یا اس سے پہلے یا بعد میں ادا کیا ہو اور اگر دین کی ادائیگی قرض کی وجہ سے ہوئی اور پھر وہ زیادہ ادا کیا شرط، وعدے یا عادت کی وجہ سے تو وہ زیادتی مطلقاً منع ہے، لیکن اگر بغیر کسی شرط، وعدے یا عادت کے زیادہ دیا تو مالکیہ کے ہاں یہ جائز ہے اور افضل صورت ہے ادائیگی کی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسالہ اونٹ قرض لیا تھا اور اس کے بدلے میں عمدہ اونٹ دیا تھا''کـمـا سیـأتـی''اور افضل مقدار میں اختلاف ہے مدونۃ الکبریٰ میں ہے کہ کم مقدار جائز ہے۔ جبکہ ابن حبیب نے مطلقاً اجازت دی ہے۔

شوافع اور حنابلہ کی ہاں...... ایسا قرض جائز نہیں جو نفع کھینچے، مثلاً ایک ہزار اس شرط پر قرض دے کہ وہ اپنا گھر فروخت کرے گا، یا اس کو ان سے عمدہ یا زیادہ واپس کرے گا، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے''بیع اور قرض سے منع فرمایا ہے''اور''سلف''اہل حجاز کی لغت میں قرض کو کہتے ہیں۔ اور حضرت ابی بن کعب، ابن مسعود ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ وہ ایسے قرض سے منع فرماتے تھے جس سے نفع اٹھایا جائے۔ نیز قرض چونکہ منفعت اور قربت کا عقد ہے بس جب اس میں (قرض خواہ کے لئے) نفع کی شرط لگائی گئی تو یہ اپنے وضع سے نکل جائے گا، قرض صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی چاہے نفع نقد ہو یا عین، زیادہ ہو یا تھوڑا۔ اگر کسی نے کسی کو قرض دیا بغیر کسی شرط کے پھر مقروض نے اس کے بدلے میں عمدہ اور اچھا یا مقدار میں زیادہ ادائیگی کی یا قرض خواہ کو اپنا گھر فروخت کر دیا تو یہ جائز ہے اور قرض خواہ کے لئے اس کے وصول کرنے میں کوئی کراہت نہیں۔ حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے دوسالہ اونٹ قرض لیا، صدقے کے اونٹ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قرض کی ادائیگی کا حکم فرمایا (میں نے اونٹ تلاش کے لئے مجھے دوسالہ اونٹ نہ ملا تو) میں نے عرض کی کہ چار سالہ اونٹ ہی ہیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی اس کو دے دو اس لیے کہ تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جو ادائیگی کے اعتبار سے اچھے ہیں۔ ❶ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں''میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حق تھا آپ نے اس کی ادائیگی کی اور مجھے زیادہ عطاء فرمایا''اور یہ قرض سے نفع اٹھانے کی نہی ہے یہ حدیث نہیں جیسا کہ حافظ الزیلعی رحمہ اللہ (جن کی) نصب الرایۃ میں اس وضاحت کی ہے اور حاشیہ سابقہ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ ❷

نیز اس کا مطلب جیسا کہ امام کرخی رحمہ اللہ (حنفی) نے لکھا کہ ایسا قرض جس میں نفع کی شرط ہو یا عرف میں اس سے نفع اٹھایا جاتا ہو۔ وہ قرض جس کے بدلے میں زیادہ واپس کیا جاتا ہو اس میں دو قول ہیں شوافع کے ہاں صحیح یہ ہے کہ مکروہ ہے اور حنابلہ کے ہاں دو روایتیں میں ان میں اصح یہ ہے کہ جائز ہے بغیر کراہت کے۔

خلاصہ...... یہ کہ قرض کا لین دین دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔

۱...... کہ اس کے ذریعے نفع حاصل نہ کیا جائے اب اگر قرض خواہ کا اس میں فائدہ ہے تو بالاتفاق منع ہے اور یہ متعارف بھی نہ ہو، اور اگر مقروض کا نفع ہے تو جائز ہے اور اگر دونوں کا نفع ہے تو جائز نہیں کیونکہ ضرورت نہیں اور اگر ضرورت ہو تو اس میں اختلاف ہے اور یہ سفتجہ کی حالت میں ہے جس کا تذکرہ آنے والا ہے وہ یہ کہ قرض دینا اگر راستے کے خوف کی وجہ سے ہو تو جائز ہے بایں طور کہ کسی کو قرض دے دے یہ جانتے ہوئے کہ وہ اس کو واپس کر دے گا جیسا کہ اس صورت میں جائز ہے جب مقروض کو نفع ہو رہا ہو مثلاً بھوکا ہے یا گھن لگے ہوئے دانے فروخت کرنا قرض خواہ کو مہنگائی کی وجہ سے اور جدید قول میں اس کی اجازت دی ہے ان کے جدا ہونے کی وجہ سے۔

۲...... قرض کے ساتھ کوئی دوسرا عقد نہ ہو جیسے بیع وغیرہ۔''کتب خمسہ میں عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ قرض اور بیع اکٹھے

❶...... رواہ احمد ومسلم واصحاب السنن الاربعۃ۔ ❷ یعنی الفقہ الاسلامی وادلتہ کے ۵/ ۹۵ ۷ ۳ نمبر (۱) میں وضاحت ہے۔

جائز نہیں ہے“۔

رہ گیا ہدیہ تو قرض خواہ کو مالکیہ کے ہاں ھدیہ قبول کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ اس کی وجہ سے وہ تاخیر کرے گا۔ جبکہ جمہور کے ہاں اگر ہدیہ کی شرط نہ لگائی گئی ہوتو جائز ہے، جیسا کہ قرض خواہ اور مقروض کا باہمی اس طرح ہدیہ کا سلسلہ ہوتا ہوتو اس سے پتہ چلتا ہے کہ ھدیہ دین کی وجہ سے نہیں۔

یہ بات یاد رہے کہ سیونگ بینک (بچت فنڈ) میں اور منافع کی سندوں میں جو رقم رکھی جاتی ہے اس کا حکم قرض کا ہے یا حکومتی واؤچر جنہیں ٹریزری بونڈ کہا جاتا ہے حکومت ان پر سیونگ بینک میں مال جمع کرنے پر سودی فائدے دیتی ہے اور اس کی مالک بن جاتی ہے اور اس میں جس طرح چاہے تصرف کرتی ہے اور سودی قرض وغیرہ دے کر اس سے فائدہ حاصل کرتی ہے۔ تو یہ فائدہ حاصل کرنا اس طرح رقم جمع کروا کر جائز نہیں بعض مفتیوں نے جو یہ سمجھ رکھا ہے کہ یہ ودیعت ہے یہ بات درست نہیں، اس لئے کہ قرض اور ودیعت میں کوئی نسبت نہیں نیز اگر یہ مال ودیعت ہوتو پھر شرعاً اس سے فائدہ حاصل کرنا اس میں سرمایہ کاری کرنا جائز نہ ہوگا اس لئے کہ مودع تو صرف اس کی حفاظت کا مالک ہوگا نہ کہ اس میں تصرف کا لیکن مودع جب ودیعت میں تصرف کی اجازت دے دے تو وہ قرض بن جاتا ہے، کیونکہ اعتبار معانی اور مقاصد کا ہے، جبکہ بینک تو مودع (مال رکھنے والے) کے مال کا مالک بن جاتا ہے اور اس سے اس کے مثل لوٹانے کا عہد کرتا ہے۔ اسی طرح سالانہ منافع لینا بھی جائز نہیں اس لئے کہ شرکت میں یہ جائز نہیں اور خاص کر کے شرکت مضاربت میں تو کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اس کے جائز ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ منافع طے شدہ فکس نہ ہو بلکہ نفع اور نقصان میں دونوں برابر کے شریک ہوں تو پھر اس سے سرمایہ کاری کرنا جائز ہوگا۔

کرنٹ اکاؤنٹ...... کا حکم بھی یہی ہے کہ یہ ایک قرض کا عقد ہے جو مودع، بینک کے ساتھ کرتا ہے باوجود اس کے کہ بینک اس پر سود نہیں دیتا، لیکن وہ اس رقم کو سودی قرضوں پر آگے دیتا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے ناجائز کاموں میں لگاتا ہے، اگر کوئی مسلمان مجبور ہو اور کسی اجنبی ملک میں اپنے مال کی حفاظت کی غرض سے یہ اکاؤنٹ کھلوائے تو اس کے لئے اس کی اجازت ہے اس لئے کہ ضرورت اور اضطرار میں ممنوع چیز کی گنجائش ہوتی ہے اور ضرورت کے وقت بقدر ضرورت ہی اس کی اجازت ہوتی ہے۔

سفتجہ...... یہ ایک مالی معاملہ ہے اس میں ایک شخص دوسرے سے کسی شہر میں قرض لیتا ہے تاکہ وہ کسی دوسری شہر میں قرض خواہ یا اس کے نائب کو دے دے گا، یا اس کا کوئی نائب یا دائن دوسرے شہر میں ادا کر دے گا۔

حنفیہ کے ہاں سفتجہ مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس سے سقوط خطر طریق کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے جو کہ اصل عقد میں مشروط ہوتا ہے یا عرف میں ایسا ہوتا ہے، صاحب ہدایہ نے فرمایا: سفتجہ مکروہ ہے اور یہ قرض ہے جس سے مقروض راستے کے خطرہ کو دور کرنے کا فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور یہ اس سے فائدہ حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”ایسے قرض سے منع فرمایا ہے جس میں نفع ہو“۔ ❶

شوافع کے ہاں بھی سفتجہ ممنوع ہے کہ یہ بھی ایسے قرض میں سے ہے جس سے قرض خواہ نفع اٹھا دیا ہے ”سقوط خطر طریق“۔ ❷

مالکیہ کے ہاں بھی یہی حکم ہے کہ عام حالات میں یہ ممنوع ہے کیونکہ قرض پہ نفع ہے البتہ حالت ضرور میں گنجائش ہے۔ ❸

اور حنابلہ کے ہاں راجح یہ ہے کہ اگر بغیر کسی بدل کے ہوتو جائز ہے ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن قدامہ نے مطلقاً اس کو جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ یہاں نفع صرف قرض خواہ کو نہیں ہو رہا بلکہ دونوں نفع اٹھا رہے ہیں۔ ❹

سرمایہ کاری کی صورتیں...... سرمایہ کاری کی تین قسمیں ہیں ا، ب، ج۔

پہلی قسم: الف...... پہلی قسم میں وہ سندات آتی ہیں جن میں دس سال تک قرض رہتا ہے پھر دس سال بعد رہ رقم بمع سود صاحب

---

❶.....الهداية مع الفتح القدير: ۴۵۲/۵۔ ❷المهذب: ۳۰۴/۱۔ ❸الشرح الكبير: ۲۲۵/۳۔ ❹أعلام الموقعين: ۳۹۱/۱۔

قرض کو واپس کرتے ہیں اور یہ دس سال کا اکٹھا مکمل سود ہوتا ہے جو شروع میں طے شدہ ہوتا ہے جس کا باقاعدہ اعلان ہوتا ہے۔

دوسری قسم :ب......وہ اکاؤنٹ ہوتے ہیں جن میں ماہانہ یا سالانہ یا چھ ماہ بعد سود دیا جاتا ہے اس میں اصل قرض بھی اپنی اصل حالت میں رہتا ہے اور اس پر وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ مقررشدہ سود لیا جاتا ہے۔ یہ دونوں صورتیں قرض شمار ہوتی ہیں اور ان میں منافع سود ہوتا ہے اور دونوں سودی قرض ہیں۔ یہ دونوں صورتیں حرام ہیں باقی بنکی معاملات کی طرح چاہے صرف بطور کرنٹ اکاؤنٹ رکھیں یا سرمایہ کاری کے طور پر۔

تیسری قسم :ج......اس صورت میں مقرر سود تو نہیں دیا جاتا لیکن ایک خاص رقم بذریعہ قرعہ اندازی دی جاتی ہے اس صورت میں بعض علماء پھسل گئے ہیں اور انہوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اس بناء پر کہ مال چونکہ سارا رب المال کی طرف سے ہوتا ہے اور منافع سارا عامل کے لئے ہوتا ہے جو کہ صاحب مال کی طرف سے تبرع ہے اور احسان ہے اور مالکیہ کے ہاں مشہور مذہب میں یہ جائز ہے۔ التقنین المالکی کی کتاب ص ۳۰۰ سے اس کی اباحت اور اسے سیو کرنے پر دو وجہوں سے استدلال کیا ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ معاملہ شریعت اسلامی کے نزول کے وقت نہیں تھا، تو یہ مسکوت عنہ کے قبیل سے ہوا، لہٰذا شرعاً مباح ہوگا، کیونکہ یہ معاملہ صاحب مال اور عامل دونوں کے لئے نفع بخش ہے، اور دونوں میں سے کسی کا کوئی نقصان نہیں اور غالب یہی ہے کہ عامل کو اپنے حصہ سے زیادہ نفع ملتا ہے۔ اور حکم شرعی کثیر غالب پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ قلیل اور نادر الوجود یہ جو کہ خسارہ کا احتمال ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ معاملہ بطور قرض ہے اور قرض بالاجماع جائز ہے، کیونکہ یہ معاملہ بھی قرض کی ایک قسم ہے اور اس میں منافع کے مزید جزء شائع ہونے کی وجہ سے چشم پوشی کی جاتی ہے کیونکہ عام قرض کا معاملہ لوگوں کے درمیان ہوتا رہتا ہے اور یہ معاملہ حکومت کے ساتھ ہوتا ہے!؟

حق بات یہ ہے کہ یہ تیسری صورت بھی حوالہ قمار ہونے کی بناء پر حرام ہے کیونکہ اسے مختلف رقم کے اعتبار سے مجموع سود سے تقسیم کیا جاتا ہے تا کہ قرض خواہوں کی کم تعداد پر یہ مشتمل ہو جسے قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کیا جاتا ہے، اور اس میں غبن واضح ہے، کیونکہ قرض خواہ بھی اپنے تھوڑے قرض کے باوجود کئی ہزار دینار وغیرہ لے لیتا ہے اور کئی ہزار قرض دینے والا کچھ بھی وصول نہیں کر پاتا۔

تیسری فصل......اجارہ

بیع وغیرہ دوسرے عقود کی طرح عقد اجارہ کے احکام جن کا نفس عقد تقاضا کرتا ہے شریعت اسلامی میں بیان کئے گئے ہیں اور اجارہ، بیع سے مختلف ہے کیونکہ اس میں مدت مقرر ہوتی ہے جبکہ بیع میں مدت سے مقرر ہونے والی بات نہیں بلکہ بیع ہمیشہ کے لئے ہوتی ہے اور بیع میں شئی کی ذات ہی کی ملکیت کا انتقال ہوتا ہے۔

عقد اجارہ ان اہم عقود میں سے ہے جن کا تعلق عملی زندگی سے زیادہ ہے لہٰذا میں اس کی اہم خصوصیات کا اور احکام کو درج ذیل مباحث میں بیان کروں گا:۔

پہلی بحث......اجارہ کا جواز، اس کا رکن اور معنی۔

دوسری بحث......شرائط اجارہ۔

تیسری بحث......اجارہ کی صفت (طریقہ) اور حکم۔

چوتھی بحث......اجارہ کی قسمیں اور ان کے احکام۔

پانچویں بحث......شیئی مستاجرہ کا ضمان، اجیر (مزدور) کا ضمان، اور عین کے ہلاک ہونے کی وجہ سے اس کی اجرت کا ساقط ہونا۔

چھٹی بحث......اجارہ میں عاقدین کا اختلاف۔

ساتویں بحث:......عقد اجارہ کی انتہا۔

پہلی بحث: اجارہ کی مشروعیت (جواز) رکن اور معنی......حضرت ابوبکر اصم، اسماعیل بن علیہ، حسن بصری، قاشانی، نہروانی اور ابن کیسان رحمہم اللہ کے علاوہ باقی تمام فقہاء کا اجارہ کے جائز ہونے پر اتفاق ہے، البتہ مذکورۃ الصدر حضرات اجارہ کے جواز کے قائل نہیں دلیل ان کی یہ ہے کہ اجارہ منافع کی بیع کا نام ہے اور عقد کے وقت منافع پر قبضہ نہیں ہوسکتا یہ تھوڑا تھوڑا کر کے حاصل ہوتا ہے اور معدوم چیز کی بیع نہیں ہوسکتی اور مستقبل کے اعتبار سے کسی چیز کی بیع جائز نہیں، علامہ ابن رشد رحمہ اللہ نے اس پر رد کیا ہے اور فرمایا کہ منافع اگرچہ حالت عقد میں معدوم ہوتا ہے لیکن اکثر وصول ہوجاتا ہے اور شریعت نے اس منافع کا جو غالباً وصول ہوجائے اعتبار کیا ہے یا جس کا وصول ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہوں۔

جمہور نے عقد اجارہ کے جواز پر قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور اجماع سے استدلال کیا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ......الطلاق: ۶۵/۶

اگر وہ (بچے کو) تمہارے لئے دودھ پلائیں تو ان کو ان کی دودھ پلائی دو۔

نیز حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک بیٹی کا قول نقل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَىٰ أَن تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ ۖ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِندِكَ ......القصص ۲۸/ ۲۶-۲۷

پھر ان دو (عورتوں میں سے ایک نے (اپنے باپ سے) کہا کہ ابا جان! ان کو نوکر رکھ لیجئے، کیونکہ بہتر سے بہتر آدمی جو آپ نوکر رکھنا چاہیں مضبوط اور امانت دار ہونا چاہئے (اور اس شخص میں ظاہراً دونوں صفتیں پائی جاتی ہیں) (اس پر شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ سے) کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک اس (مہر) پر تمہارے نکاح میں دوں کہ تم آٹھ برس میری نوکری کرو، اور اگر تم دس (برس) پورے کردو تو تمہارا احسان ہے۔

اس آیت سے استدلال کرنا بایں طور صحیح ہے کہ یہ شرائع من قبلنا میں سے جو منسوخ نہ ہو تو ہمارے لئے بھی مشروع ہے۔

احادیث میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو" اجرت ادا کرنے کا حکم اجارہ صحیح ہونے کی دلیل ہے، نیز آپ کا ارشاد ہے: "جو کوئی مزدور اور نوکر رکھے تو اس کو اس کی اجرت بتادے" سعید ابن مسیب نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں ہم نالیوں کے قریب والی کھیتی پر زمین کرائے پر لیتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمادیا اور ہمیں حکم دیا کہ ہم سونے، چاندی کے بدلے کرائے پر لیا کریں" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور پچھنے لگانے والے (حجام) کو اجرت دی"۔

اجماع......امت نے صحابہ کرام کے زمانے میں اجارہ کے جائز ہونے پر اتفاق کیا ہے جبکہ اصم اور ابن علیہ وغیرہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، چونکہ جس طرح لوگوں کو عین اشیاء کی ضرورت ہے اسی طرح منافع کی بھی ضرورت ہے، پس جن عین اشیاء کی بیع جائز ہے تو منافع کا اجارہ بھی جائز ہے۔

اجارہ کا رکن اور معنی...... حنفیہ کے ہاں اجارہ کا رکن ایجاب وقبول ہیں اور یہ اجارہ، استیجار، اکتراء اور اکراء وغیرہ الفاظ سے منعقد ہوتا ہے۔ جمہور کے ہاں اجارہ کے چار ارکان ہیں، عاقدین (اجرت پر لینے والا، اور مزدور) ایجاب وقبول کے صیغے، اجرت اور نفع ومنافع۔

اجارہ کا لغوی اور شرعی معنی ایک ہی ہے یعنی منافع کی بیع، حنفیہ نے اسی وجہ سے فرمایا کہ اجارہ، منافع کو عوض کے بدلہ دینے کا نام ہے، اور جس طرح بیع کو معلق کرنا صحیح نہیں اسی طرح اجارہ کو معلق کرنا بھی صحیح نہیں۔ البتہ اتنی بات ہے کہ اجارہ کی نسبت مستقبل کی طرف کرنا جمہور فقہاء کے ہاں درست ہے جبکہ بیع اس کے برعکس ہے۔ شوافع بیع کی طرح، عین شیئ کے اجارہ کی نسبت مستقبل کی طرف کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے۔

البتہ اجارہ کی نسبت ذمہ کی طرف کرنے کی اجازت دیتے ہیں، مثلاً میں اپنا سامان فلاں شہر میں مہینہ کے شروع میں پہنچانے کی ذمہ داری آپ کی لگاتا ہوں۔ کیونکہ دین تاجیل کو قبول کرتا ہے۔ جیسا کہ کسی چیز کی بیع سلم کردی جائے مدت معلوم تک، اسی شوافع کے ہاں صحیح قول کے مطابق عین کا اجارہ بھی درست ہے کہ مالک مدت جدیدہ کے لئے مزدور وغیرہ کو اجرت پر رکھ لے جبکہ اس کی پہلی مدت ابھی ختم نہ ہوئی ہو کیونکہ دونوں مدتیں متحد ہیں۔

شوافع نے اجارہ کی تعریف یہ کی ہے کہ اجارہ ایسے منافع پر عقد ہے کہ جو معلوم بھی ہو مقصود بھی ہو مباح بھی ہو اور خرچ کرنے کے قابل بھی ہو اور اس کی اباحت عوض معلوم کے بدلے میں ہو۔ تعریف کے فوائد قیود یہ ہیں: ''منفعة'' سے ''عین'' نکل گیا کیونکہ کسی عین کا عقد بیع یا ہبہ ہوتا ہے، ''مقصودة'' کے الفاظ سے غیر مقصود اور تھوڑا نفع نکل گیا مثلاً کسی بائع کو ''لاتتعب'' کہنے کے لئے اجارہ پر رکھنا، ''معلومة'' کے الفاظ سے مضاربت اور جعالہ (یعنی نامعلوم کام کی اجرت والی صورت نکل گئی اور ''قابلة للبذل والإباحة'' کے الفاظ سے ''منفعة بضع'' نکل گئی کیونکہ اس کے عقد کو اجارہ نہیں کہتے، اور آخری قید ''بعوض'' کی سے منافع کا ھبہ، اس کی وصیت، شرکت اور عاریت نکل گئے۔

مالکیہ کے ہاں اجارہ...... کسی مباح چیز کی منافع کا مالک بنانا ہے عوض کے بدلے مدت معلوم تک اور یہی حنابلہ نے بھی تعریف کی ہے۔ پس جب اجارہ منافع کی بیع کا نام ہے تو اکثر فقہاء درخت اور انگور وغیرہ کو پھلوں کے لیے اجارہ پر دینے کے قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ پھل اعیان میں سے ہیں۔ جبکہ اجارہ تو منافع کی بیع کا نام ہے نہ کہ عین کی بیع کا۔ بکری کو دودھ، گھی اون اور بچوں کے لئے اجارہ پر دینا جائز نہیں کیونکہ یہ سب عین اشیاء ہیں عقد اجارہ کی مستحق نہیں۔ اسی طرح نہر، یا کنویں، یا جوہڑ اور چشمہ کے پانی کا اجارہ بھی درست نہیں کیونکہ پانی عین ہے۔ ایسے قلعہ یا گنجان درختوں والی جگہ کو جہاں پانی ہو مچھلیوں کے لئے یا بانس یا شکار وغیرہ کے لئے اجارہ پر لینا جائز نہیں کیونکہ یہ ساری چیزیں عین ہیں۔ اسی بنیاد پر کسی حوض یا جھیل کو مچھلیاں شکار کرنے کے لئے اجارہ پر لینا جائز نہیں۔ چراگاہ کو اجار پر لینا جائز نہیں کیونکہ گھاس عین ہے اس میں اجارہ نہیں ہوسکتا۔ جمہور فقہاء کے ہاں سانڈ کو جفتی کے لئے اجارہ پر لینا جائز نہیں کیونکہ اس سے مقصود نسل ہوتی ہے جو کہ پانی (منی) کے ذریعہ ہے اور یہ عین ہے نیز احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سانڈ کو نسل کشی (جفتی) کے لئے کرائے پر لینے سے منع فرمایا ہے ''نهى عن عسب الفحل'' یہاں مجاز مرسل کے طور پر ''الفحل'' سے پہلے ''الکراء'' کا لفظ حذف کردیا گیا ہے جیسا کہ ''واسأل القرية'' (یوسف ۸/۱۲) (میں ''أهل'' کا لفظ محذوف ہے) درہم، دینار، کیلی اور وزنی اشیاء کو اجارہ پر لینا جائز نہیں کیونکہ ان سے نفع خرچ کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، جبکہ اجارہ میں عقد منفعت کا ہوتا ہے نہ کہ عین کا، پس قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ''ہر وہ چیز جس سے عین باقی رکھتے ہوئے نفع اٹھایا جاسکتا ہے تو اس کا اجارہ بھی جائز ہے ورنہ نہیں۔''

البتہ دائی دودھ پلانے والی کے اجارہ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے ضرورت کی بناء کما یأتی پر اور مالکیہ نے سانڈ کو جفتی کے لئے کرائے پر لینے کی اجازت دی ہے، نیز حمام کے استعمال کی اجرت اکثر علماء کے ہاں جائز ہے۔

اعیان کے اجارہ میں ابن قیم رحمہ اللہ کی رائے......ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس اصل پر فقہاء نے بنیاد رکھی ہے (یعنی کہ عقد اجارہ میں منافع کا اعتبار ہے نہ کہ اعیان کا) وہ اصل ہی فاسد ہے، اس پر نہ کتاب اللہ کی دلالت ہے نہ سنت کی نہ اجماع کی اور نہ ہی قیاس صحیح کی، بلکہ جن پر اصول دلالت کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ اعیان جو وقتاً فوقتاً تھوڑے تھوڑے پیدا ہوتے ہیں اور ان کی اصل بھی باقی رہتی ہے ان کا حکم منافع کا ہے جیسے درخت کے پھل، جانوروں کا دودھ، کنویں کا پانی وغیرہ، یہی وجہ ہے وقف میں عین اور منفعت دونوں برابر ہیں جس طرح منفعت کا وقف مثلاً رہائش کا وقف جائز ہے اسی طرح عین کا وقف یعنی بکری وغیرہ کا دودھ کے لئے جائز ہے۔ اسی طرح یہ دونوں تبرعات یعنی عاریت میں دونوں برابر ہیں سامان سے فائدہ اٹھا کر واپس کرنا، بکری وغیرہ کا دودھ پی کر واپس کرنا، اور قرض میں بھی برابر ہیں دراہم وغیرہ سے فائدہ اٹھانا پھر ان کا بدل واپس کرنا، پس اجارہ بھی اسی طرح ہے کبھی منفعت کا ہوگا کبھی عین کا جو تھوڑا تھوڑا کر کے پیدا ہوا اصل باقی رہتے ہوئے جیسے بچے کو دودھ پلانے والی (دایہ) کا دودھ اور کنویں کا پانی کیونکہ یہ ایسے اعیان ہیں کہ تھوڑا تھوڑا کر کے پیدا ہوتے ہیں اور اصل ان کی باقی رہتی ہے تو یہ منافع کی طرح ہوگے، اور ان کے درمیان جامع عقد مقصود ہے چاہے یہ عین ہو یا منفعت۔

دوسری بحث: اجارہ کی شرطیں......اجارہ میں بیع کی طرح چار شرطیں ہیں، یعنی شروط انعقاد، شروط نفاذ، شروط صحت، شروط لزوم، یہاں میں بعض شروط کا تذکرہ کروں گا اور باقیوں کی طرف اشارہ کروں گا جنہیں بیع میں ذکر کر دیا ہے۔

شرائط انعقاد......یہ تین قسم کی ہیں، بعض کا تعلق عاقد کے ساتھ ہے، بعض کا تعلق عقد کے ساتھ ہے اور بعض کا تعلق مکان عقد سے ہے۔ میں صرف عاقد سے متعلق شرائط کے تذکرہ پر اکتفاء کروں گا۔ انمیں سے ایک عقل ہے یعنی عاقد عاقل ہونا چاہئے لہٰذا مجنون اور غیر ممیز بچے کا اجارہ، بیع کی طرح منعقد نہیں ہوگا۔

حنفیہ کے ہاں بلوغ نہ انعقاد اجارہ کی شرط ہے، نہ ہی نفاذ اجارہ کی پس اگر کسی تمیز کرنے والے بچے نے اپنے مال یا نفس کا اجارہ کیا اور وہ اس میں ماذون تھا تو اس کا عقد نافذ ہوگا، اور اگر وہ مجور ہے تو پھر اس کا تصرف ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ مالکیہ کے ہاں بیع اور اجارہ کے لئے ممیز ہونا شرط ہے اور بلوغ نفاذ کے لئے شرط ہے اگر صبی ممیز نے اپنے نفس یا سامان کا اجارہ کیا تو اس کا عقد درست ہے، لیکن ولی کی رضا مندی پر یہ موقوف رہے گا۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں مکلف ہونا یعنی عاقل بالغ ہونا انعقاد اجارہ کے لئے شرط ہے، کیونکہ یہ عقد تملیک ہے جو کہ بیع کے مشابہ ہے۔

شرائط نفاذ......عقد اجارہ کے نفاذ کے لئے ملکیت اور ولایت شرط ہے لہٰذا فضولی کا اجارہ منعقد نہ ہوگا ملکیت اور ولایت نہ ہونے کی وجہ سے حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں اس کا عقد مالک کی اجازت پر موقوف رہے گا جیسا کہ بیع میں برخلاف شوافع اور حنابلہ کے۔

اور اجازت اس اجارہ کے لئے صحیح ہوگی جس کی یہ شرائط ہیں کہ معقود علیہ موجود ہو جب فضولی نے عقد کیا اور مالک نے اجازت دے دی اور اگر نفع اٹھانے سے پہلے عقد کی اجازت دے دی تو اجارہ جائز ہے اور معقود علیہ قائم ہونے کی وجہ سے اجرت مالک کی ہوگی۔ اور اگر نفع اٹھانے کے بعد اجازت دی تو اجارہ جائز نہیں ہوگا اور اجرت عاقد کے لئے ہوگی، کیونکہ منافع ماضی میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا پس اجارہ کے وقت معدوم شمار ہوا اس کے بعد عقد باقی نہیں رہے گا کیونکہ محل باقی نہیں لہٰذا اجارہ درست نہیں عاقد فضولی غاصب شمار ہوگا سپرد کرنے کی وجہ سے جیسا کہ بیع میں ہم نے ذکر کیا۔

حنفیہؒ کہتے ہیں جب غاصب شئی مغصوب کو اجرت پر دے دے پھر مالک کہے میں نے اس کی اجازت دے دی جو تو نے اجارہ پر دی اب اگر اجارہ کی مدت ختم ہوگئی تھی تو غاصب کو اجرت ملے گی کیونکہ معقود علیہ معدوم ہوگیا اور معدوم چیز کو اجازت لاحق نہیں ہوتی، اور اگر اجازت کچھ مدت گذرنے کے بعد ہوئی تو اجرت ساری امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں مالک کو ملے گی کیونکہ جب کچھ مدت باقی ہے تو عقد باطل نہ ہوگا پس اجازت کا محل ہے امام ابو یوسف مدت کی طرف دیکھتے ہیں۔

اور امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں گذری ہوئی مدت کی اجرت غاصب کی ہے اور باقی مدت کی اجرت مالک کی ہے، کیونکہ منافع جس پر عقد ہوا ہے اس کے تمام اجزاء مستقل حیثیت رکھتے ہیں، پس جب کچھ مدت اجارہ کی گذر گئی تو اجارہ کے وقت گذری ہوئی مدت میں اجارہ معدوم ہے اس کے ساتھ اجازت کا الحاق نہیں کیا جاسکتا منہدم ہونے کی وجہ سے امام محمدؒ معقود علیہ پر نظر رکھتے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان یہی اختلاف اس صورت میں بھی ہے جب کوئی کسی کی زمین غصب کرے اور زراعت کے لئے اجرت پر دے دے اور مالک زمین اجارہ کی اجازت دے دے۔

امام محمد رحمہ اللہ نے اس بات کا اضافہ فرمایا ہے کہ اگر غاصب مزارعت کے لئے دے دے تو پھر تفصیل ہے، اگر کھیتی کے خوشے تیار تھے لیکن خشک نہیں ہوئے اور مالک زمین نے اجازت دے دی تو مزارعت جائز ہے اور غاصب کو کھیتی میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ کیونکہ مزارعت شئی واحد کی طرح ہے اور اس میں عمل میں جدائی نہیں ہوتی، پس عقد کی اجازت اس کے مکمل ہونے سے پہلے ایسی ہی ہے جیسے ابتداء عقد میں۔ اور اگر کھیتی خشک ہوگئی تھی تو مزارعت کا عمل ختم ہوگیا، پس عقد کی اجازت اس کو لاحق نہیں ہوگی، اس صورت میں کھیتی غاصب کے لئے ہوگی۔

صحت اجارہ کی شرائط...... اجارہ کی صحت کی چند شرطیں ہیں، جو عاقد، معقود علیہ، محل معقود علیہ اجرت اور نفس عقد سے تعلق رکھتی ہیں یہ ہیں:

۱۔ **عاقدین کی رضامندی**...... بیع کی طرح اجارہ میں بھی عاقدین کی رضامندی شرط ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ...... النساء: ۴/۲۹

اجارہ بھی تجارت ہے کیونکہ اس میں بھی مبادلۃ المال بالمال کا معنی پایا جاتا ہے، اس شرط کا تعلق عاقد سے ہے اور آنے والی شرط معقود علیہ سے متعلق ہے:

۲۔ منفعت جو معقود علیہ ہے وہ معلوم ہو اس طرح کے نزاع ختم ہوجائے، اگر مجہول ہو اور منازعت کی طرف لے جانے والی ہو تو عقد صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ یہ جہالت سپرد کرنے اور قبضہ کرنے سے مانع ہے لہٰذا عقد سے مقصود حاصل نہیں ہوگا۔

معقود علیہ کا علم ہونا تا کہ منفعت کا محل بیان ہوجائے اور مدت اور عمل بھی اگر کاریگر یا عمال ہے۔

رہ گیا محل منفعت کا بیان تو یہ شے مستاجرہ کی پہچان سے حاصل ہوجائے گا۔ اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا میں تمہیں اپنے ان دو گھروں میں سے ایک اجارہ پر دیتا ہوں یا ان دو سواریوں مین سے ایک یا دو صنعتوں میں سے ایک دیتا ہوں تو اجارہ درست نہیں کیونکہ معقود علیہ حد سے زیادہ مجہول ہے۔ اگر کسی نے دوسرے سے خشک نہر یا زمین میں سے معلوم جگہ اس بات کے لئے اجارہ پر لی کہ وہ اس سے پانی گذار کر اپنی زمین کی سیرابی کے لئے لے جائے گا تو حنفیہ کے مشہور قول کے مطابق ایسا کرنا جائز نہیں یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اس لئے کہ نہر میں پانی کی مقدار کمی زیادتی کے اعتبار سے مختلف ہے، زیادہ پانی نہر کے لئے نقصان دہ ہے اور نقصان دہ مستثنیٰ ہے اور جو مضر نہیں وہ قابو میں نہیں پس معقود علیہ مجہول ہوگیا۔ البتہ امام محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جائز ہے، کیونکہ اجارہ جائز ہونے سے مانع

زمین کے حصہ کی جہالت ہے، جبکہ تعیین سے جہالت ختم ہوگئی۔

رہ گئی مدت کی وضاحت...... تو گھروں، مارکیٹوں، دکانوں اور مرضع (دائی) کے اجارہ میں ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر معقود علیہ کی مقدار معلوم نہیں ہوگی جس کی وجہ سے لڑائی جھگڑا کھڑا ہوگا۔

اکثر علماء اور شوافع کے ہاں صحیح قول کے مطابق اجارہ مدت کم ہو یا زیادہ ہر اعتبار سے صحیح ہے، کیونکہ یہ کہتے ہیں اتنی مدت کا اجارہ صحیح ہے جس میں عین باقی رہے اہل تجربہ لوگوں کی رائی کے موافق، زیادہ مدت کی تعیین اجارہ میں مقرر نہیں کیونکہ اس کے لئے کوئی دلیل شرعی نہیں۔ حنفیہ کے ہاں اجارہ کی ابتداء مدت کی تعیین شرط نہیں جب اجارہ مطلق ہو، ابتداء معلوم نہ ہو تو عقد کے بعد کا زمانہ یعنی جو مہینہ عقد کے بعد آئے رہی اجارہ کے لئے متعین ہے۔

شوافع کے ہاں اجارہ کی ابتداء کا وقت معلوم ہونا شرط ہے جو کہ عقد کے بعد ہو کیونکہ اس کو متعین نہ وقت کی جہالت ہے جو معقود علیہ کی جہالت کا سبب ہوگا۔ اگر اجارہ ایک ماہ یا کئی مہینوں یا کئی معلوم سالوں کے لیے ہو، مہینے کے شروع میں تو مہینے کا اعتبار چاند کے اعتبار سے (یعنی اسلامی کیلنڈر سے) کیا جائے گا۔ اور اگر اجارہ مہینے کے درمیان ہوا ہے تو پھر مہینے ان میں دونوں سے حساب ہوگا یعنی تیس دن شمار کریں گے کیونکہ درمیان میں چاند کا اعتبار کرنا مشکل ہے لہٰذا دنوں کے حساب سے مدت شمار کی جائے گی اسی طرح اگر کئی مہینے اور کئی سالوں کا اجارہ ہو تو اگر شروع ماہ سے ہو تو پھر پورے سال کے مہینے چاند کے اعتبار سے شمار ہوں گے کیونکہ یہی اصل ہے اور اگر مہینہ کے درمیان سے اجارہ ہوا ہے پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اور ایک روایت میں امام ابو یوسف کے ہاں بھی پورا سال دنوں کے اعتبار سے شمار ہوگا۔ یہاں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک اور روایت بھی ہے اور یہی امام محمد کی رائے بھی ہے اور شوافع کا مذہب بھی یہی ہے کہ: اگر کسی نے ایک گھر ایک سال کے لئے مہینے کے درمیان اجارہ پر لیا اب یہ اس مہینے کے باقی دن دنوں کے حساب سے گذارے اور پہلے مہینے کے علاوہ جو مہینے بچے ہیں سال کے یعنی گیارہ مہینے وہ چاند کے اعتبار سے پورے کرے، کیونکہ دونوں کی طرف ضرورت کی وجہ رجوع ہوا تھا، اور ضرورت صرف پہلے مہینے میں تھی۔ اور پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ پہلا مہینہ دنوں کے حساب سے پورا کرے گا تو ضرورت کی وجہ سے دوسرے مہینے کو بھی دنوں کے اعتبار سے شروع کرنا پڑے گا تو اسی طرح سال کے آخر تک کرنا پڑے گا۔

ماہانہ اجارہ...... شوافع نے مدت کی وضاحت وتعیین میں سختی سے کام لیا ہے ان کے ہاں صحیح قول کے مطابق اگر کسی شخص نے اپنا گھر اس طرح اجرت پر دیا کہ ہر مہینے کا ایک دینار، یا ہر دن کا ایک دینار یا ہر ہفتے کا یا ہر سال اتنے درہموں پر تو یہ اجارہ باطل ہو جائے گا، کیونکہ ہر مہینے ایک نئے عقد کی ضرورت ہوگی کیونکہ ہر مہینہ معین اجرت کی وجہ سے جدا ہے، اور نیا عقد پایا نہیں گیا لہٰذا عقد باطل ہوگا، اور یہ سب مدت اجارہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے ہے پس یہ ایسے ہی ہے ”اگر وہ کہے ایک مدت تک یا ایک مہینے تک اجارہ پر دیتا ہوں“ (یعنی جس طرح یہاں اجارہ باطل ہے اسی طرح پہلی صورتوں میں بھی)۔

جمہور فقہاء کے ہاں پہلے مہینے کا اجارہ صحیح اور لازم ہوگا اور باقی مہینوں کا اجارہ مہینہ شروع ہونے کے بعد لازم ہوگا جبکہ وہ اجارہ پر رہے ورنہ نہیں، کیونکہ نئے مہینے میں عقد یہ اتفاق کی وجہ سے اجرت مقرر ہونے اور اس کے استعمال کی رضامندی ابتداء عقد کرنے کے مترادف ہے، یہ بیع تعاطی کی طرح ہو جائے گا۔ ❶

اور صنعت وحرفت وغیرہ کے کاریگروں کے اجارہ میں کام کا بیان اس لئے ضروری ہے تا کہ جہالت نہ ہو اس لئے کہ کام اگر مجہول ہوگا

---

❶ ...... البدائع: ۱۸۲/۴، تبیین الحقائق: ۱۲۲/۵۔

تو اس سے نزاع ہوسکتا ہے تو عقد فاسد ہو جائے گا، لہٰذا اگر کسی نے کام کرنے والے کو اجرت پر لیا اس کا کام مثلاً کپڑے سلائی کرنا، بکریاں چرانا، زمین کھودنا وغیرہ نہ بتایا تو عقد جائز نہیں۔ اور اگر اجیر (مزدور) اجیر مشترک ہے تو پھر اس کے کام کو اشارہ تعیین سے بیان کرنا ضروری ہے یا اس کے کام کی جنس، نوعیت، مقدار اور صفت وغیرہ بیان کی جائے، اگر کسی نے کھودنے والے کو کنواں کھونے کے لئے اجرت پر لیا تو کنواں کھونے کی جگہ، کنویں کی گہرائی، نوعیت اور عرض چوڑائی وغیرہ بیان کرضروری ہے، کیونکہ کنواں کھودنے کا کام ان چیزوں کی وجہ سے مختلف ہو جاتا ہے۔ ❶

مدت اور عمل کی تعیین...... جب منافع کا اجارہ ہو مثلاً گھروں کا تو مدت کی تعیین ضروری ہے اور جب کسی کام کے لئے اجارہ ہو مثلاً کپڑے سلائی کرانا وغیرہ تو اس میں کام کی تعیین ضروری ہے، اب آیا مدت اور عمل دونوں کو جمع کرنا جائز ہے؟

حنفیہ کے ہاں منافع کے اجارہ میں عمل (کام) کی تعیین شرط نہیں، اگر کسی نے گھر یا دکان اجرت پر لی اور اس میں کیا کام کرے گا اس کو بیان نہ کیا تو اس کو اجازت ہے کہ وہ اس میں خود رہے اور کوئی اور بھی ساتھ رکھے، اسی طرح اس کو یہ بھی اجازت ہے کہ وہ آگے کسی اور کو اجارہ پر دے دے یا عاریت کے طور پر دے دے نیز اسے یہ بھی اختیار ہے کہ وہ اس میں سامان وغیرہ رکھے البتہ اتنی بات ہے کہ عمارت کو کسی ایسے کام کے لئے استعمال نہ کرے جس سے عمارت کو نقصان پہنچ سکتا ہے یا جس سے عمارت کمزور ہوسکتی ہے پس اس میں لوہار، دھوبی، اور آٹا پیسنے کا کام کرنے والوں کو نہیں رکھ سکتا، کیونکہ عقد مطلقاً ہوا ہے تو عرف سے مقید ہوگا۔ (ہاں اگر انہی کاموں کے لئے اجرت پر لے وہ الگ بات ہے)

کام کے اجارہ میں مثلاً مشترک چرواہے کو اجارہ پر لیا ہے تو اس میں مدت اور وقت کی تعیین ضروری ہے کیونکہ جس کام پر عقد ہو رہا ہے وہ وقت بتلائے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا اور مشترک دھوبی یا درزی کے اجارہ میں وقت بیان کرنا شرط نہیں کیونکہ وقت بیان کئے بغیر بھی معقود علیہ معلوم ہے اور اجیر خاص کے اجارہ میں جو کام اس نے کرنا ہے اس کی نوعیت، مقدار اور صفت وغیرہ بیان کرنا شرط نہیں بلکہ صرف وقت بیان کرنا شرط ہے، اسی طرح دائی کے اجارہ میں بھی وقت کی تعیین شرط ہے لیکن جہاں پر مدت اور کام دونوں جمع ہو جائیں وہاں کیا کیا جائے اس بارے میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں جب مدت اور وقت متعین ہو گیا تو اب کام متعین کرنا جائز نہیں، جبکہ صاحبینؒ کے ہاں دونوں متعین کرنا ضروری ہیں، اس بناء پر اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ میں تمہیں اجارے پر لیتا ہوں کہ آپ آج ہی مجھے کپڑے سلائی کر دیں، یا یہ کپڑے آج ہی کاٹ دیں، یا آج ہی روٹیاں پکا کر دیں، تو امام صاحب کے ہاں اجارہ فاسد ہوگا اور صاحبین کے ہاں جائز، اور جب کسی نے سواری کسی شہر تک جانے کے لئے کرائے پر لی اور دن بھی متعین کئے تو امام صاحبؒ کے ہاں اجارہ فاسد ہے صاحبینؒ کے ہاں جائز۔

صاحبینؒ کی دلیل...... کہ معقود علیہ تو عمل اور کام ہے جو کہ مقصود بھی ہے۔ پس عمل معلوم ہے اور مدت ذکر کرنے سے جلدی کرانا مقصود ہے، لہٰذا مدت معقود علیہ نہیں ہے۔ اس کا ذکر عقد کے جواز سے مانع نہیں، پس جب اجارہ کام کا ہوا اور اجیر وقت پورا ہونے سے پہلے کام سے فارغ ہو گیا تو اس کو پوری اجرت ملے گی، اور اگر آج فارغ نہیں ہوا تو کل بھی کام کرے۔

امام صاحبؒ کی دلیل...... یہ ہے کہ معقود علیہ (جس چیز پر عقد ہوا ہے) وہ مجہول ہے، کیونکہ عقد کرنے والے نے دو چیزیں ذکر کی ہیں ایک عمل (کام) دوسری مدت، اور ان میں سے ہر ایک چیز معقود علیہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، اور معقود علیہ کی جہالت عقد کے فاسد ہونے کی موجب ہے، یہ اس لئے کہ عمل اور مدت میں جمع ممکن نہیں معقود علیہ ہونے کے اعتبار سے، دونوں کا حکم مختلف ہے، کیونکہ مدت پر عقد

---

❶ ......لبدائع: ۴/۱۸۴، المبسوط: ۱۶/۴۷۔

تو بغیر کام کے اجرت واجب ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اجیر، اجیر خاص ہوگا، اور عمل یہ عقد، کام کرنے پر اجرت کا تقاضہ کرتا ہے، کیونکہ اس صورت میں اجیر، اجیر مشترک ہوگا، پس معقود علیہ ان دونوں میں سے ایک چیز ہوگی، اور ان دونوں میں سے کوئی دوسرے سے اولیٰ نہیں لہٰذا معقود علیہ مجہول ہو گیا۔

حنابلہ کے ہاں:...... جب اجارہ کسی عمل مثلاً دیوار بنانے، قمیص سلانے، یا متعین جگہ تک بار برداری پر ہو، اگر اجرت لینے والے کا عمل منضبط ہو سکتا ہے مثلاً جانور ہے تو اس کے اجارہ میں مدت اور عمل کی تعیین جائز ہے۔ کیونکہ اجرت لینے والے کا عمل ہے اسی کی وجہ سے وہ اجرت کا مستحق ہے۔ لیکن اگر اجرت لینے والے کا کوئی کام نہ ہو جیسے گھر اور زمین وغیرہ تو اس کا اجارہ صرف مدت کی تعیین پر درست ہوگا، جب مدت متعین ہوگئی تو کام کی تعیین جائز نہیں کیونکہ ان دونوں کو جمع کرنے سے اجارہ میں دھوکہ ہوگا، کیونکہ بسا اوقات وہ مدت ختم ہونے سے پہلے کام سے فارغ ہو جائے گا، اب اگر اسے باقی وقت بھی کسی کام میں لگائے رکھا تو عقد پر زیادتی ہوگی، اور اگر وقت ختم ہونے پر کام مکمل نہ ہوا تو یہ بعض کام کو چھوڑنے والا ہوگا، اور اگر اس کے بعد بھی کیا تو مدت مقررہ کے بعد کرنے والا ہوگا، اگر نہ کیا تو جس کام پر عقد ہوا تھا اسے پورا نہ کرنے والا شمار ہوگا، یہ دھوکا ہے اس سے بچنا ممکن ہے۔

مالکیہ اور شوافع کے ہاں...... عمل (کام) کے اجارہ مثلاً کپڑے وغیرہ سلائی کروانے میں وقت اور کام کو جمع کرنا جائز نہیں لہٰذا کپڑے سینے کی مدت مقرر کرنا درست نہیں کہ وہ درزی سے کہے آج یا ایک ہفتے کے بعد اور سینے میں ان سے اجارہ فاسد ہو جائے گا، کیونکہ اس میں دھوکا ہو سکتا ہے کہ شاید آج یا ایک ہفتہ میں سلائی مشکل ہو، اور کام مؤخر ہو جائے یا کام پہلے ہو جائے جیسا کہ کوئی ایک قفیز گندم کو بیع سلم کے طور پر لے اور کہے اس کا وزن اتنا ہے، تو یہ عقد صحیح نہیں ہوا اس لئے کہ وزن بڑھ بھی سکتا ہے اور کم بھی ہو سکتا ہے، لہٰذا مصلحت اسی میں ہے کہ دھوکا نہ ہو اور عقد کو مدت مقرر کرنے سے خالی چھوڑ دیا جائے۔

۳۔ معقود علیہ حقیقت اور شریعت کے اعتبار سے مقدور التسلیم ہو:...... حقیقۃ متعذر التسلیم چیز کا اجارہ درست نہیں جیسے بدکے ہوئے اونٹ کا اجارہ اور گونگے کا اجارہ گفتگو کے لئے، یا شرعاً سپرد کرنا مشکل ہو جیسے حائضہ کا اجارہ مسجد کی صفائی کے لئے، اور ڈاکٹر کا اجارہ صحیح دانت نکالنے کے لئے، جادوگر کا جادو کی تعلیم کے لئے، اور یہ بالاتفاق ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام زفر اور حنابلہ کے ہاں مشترک چیز کا اجارہ شریک کے بغیر جائز نہیں کہ اپنے گھر کا کچھ حصہ اجارہ پر دے یا شریک کے بغیر مشترک گھر کا ایک حصہ اجارہ پر دے چاہے وہ حصہ معلوم ہو یا مجہول کیونکہ مشترک چیز کا نفع سپرد کرنا مشکل ہے کیونکہ اس کی مکمل سپردگی ہی اس کا استیفاء ہے، اور مشترک چیز بذات خود سپرد نہیں کی جا سکتی، کیونکہ یہ کل میں ایک حصہ ہے، بلکہ اس کی سپردگی دوسرے کے ساتھ ہو سکتی ہے جبکہ وہ دوسرا حصہ معقود علیہ نہیں ہے لہٰذا شرعاً اس کی سپردگی نہیں ہو سکتی، البتہ شریک کو اجارہ پر دینا امام ابوحنیفہ کے ہاں جائز ہے، کیونکہ معقود علیہ مقدور التسلیم ہے مہایات کے بغیر بھی اس لئے کہ پورے گھر کی منفعت مستاجر کی ملک میں دو مختلف سببوں سے پیدا ہوتی ہے، بعض ملکیت کی وجہ سے اور بعض اجارہ کی وجہ سے، اور وہ اشتراک جو عارضی ہو یہ اجارہ میں اثر انداز نہیں امام ابوحنیفہ کی مشہور روایت کے مطابق، کیونکہ اجارہ جائز ہونے سے مانع وہ اشتراک ہے جس کی وجہ سے سپردگی ممکن نہ ہو، اور سپردگی کی طاقت بقاء عقد اور اس کے دوام کے لئے شرط نہیں اس لئے کہ ہر وہ چیز جو ابتداء عقد میں شرط ہو وہ انتہاء عقد میں بھی شرط ہو ایسا نہیں ہے۔

صاحبین اور جمہور فقہاء کے ہاں، مشترک چیز کا اجارہ مطلقاً جائز ہے چاہے شریک سے ہو یا کسی اور سے، کیونکہ مشترک بھی نفع ہے اور سپردگی ممکن ہے خالی کرنے یا باری مقرر کر لینے کی صورت میں، جیسا کہ یہ بیع میں جائز ہے اجارہ بھی بیع کی ایک قسم ہے۔

سپردگی کی قدرت کی شرط پر حنفیہ کے ہاں کچھ مسائل مرتب ہوتے ہیں:

(الف)......اگر کسی نے کسی کے گھر سے گذرنے کا راستہ کرائے پر لیا اور گذرنے کا وقت معلوم ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں یہ جائز نہیں اور صاحبین کے ہاں جائز ہے، کیونکہ امام صاحب کے ہاں مشترک چیز کا اجارہ فاسد ہے صاحبین کے ہاں جائز ہے۔

(ب)......اگر کسی نے گھاس والی زمین ایک سال کے لئے کرائے پر لی تو یہ اجارہ جائز نہیں بلکہ فاسد ہے کیونکہ زمین کو نقصان کے بغیر سپردکرنا ممکن نہیں اور وہ رطبۃ (گھاس) اکھاڑنا ہے اور انسان کو اپنے آپ پر نقصان کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا، بس اس کی منفعت شرعاً سپردگی کے قابل نہیں، اجارہ جائز نہیں۔لیکن اگر زمین والے نے وہ گھاس کاٹ کر زمین خالی کر کے دی تو پھر عقد جائز ہے مانع زائل ہوگیا، یہ ایسے ہی جیسے کوئی شخص چھت میں لگے شہتیر کو خریدے بائع اس کو نکال کر مشتری کے حوالے کردے تو عقد جائز ہے اور ان دونوں صورتوں میں مشتری کو یہ قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

(ج)......اگر کسی نے ایک شخص بیع وشراء کے لئے اجارہ پر لیا تو یہ اجارہ جائز نہیں، کیونکہ بیع وشراء ایک آدمی سے پورے نہیں ہوتے، بلکہ دو شخص (عاقدین) بائع ومشتری ضروری ہیں اور ایک شخص سے یہ کام نہیں ہوسکتا، بس اس طرح اجارہ فاسد ہوجائے گا، کیونکہ اجیر اپنے نفس کو منفعت پہنچانے پر قادر نہیں اور مستاجر بھی استیفاء پر قادر نہیں بس یہ عقد ایسا ہی ہوگیا جیسے کوئی کسی کو لکڑیاں اٹھانے کے لئے اجرت پر لے اور وہ لکڑیاں اٹھانے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔اگر مستاجر نے بیع وشراء کے لئے مدت مقرر کرلی مثلاً ایک ماہ تک کے لئے تاکہ اس کے لئے خرید وفروخت کرے تو عقد جائز ہے، کیونکہ اجارہ مدت کی منفعت پر ہوا ہے اور مدت معلوم ہے۔

(د)......سانڈ وغیرہ کو جفتی کے لئے کرائے پر لینا، شکاری کتے یا باز کو شکار کے لئے کرائے پر لینا درست نہیں، کیونکہ ان کی جو منفعت ہے وہ مستاجر وصول نہیں کرسکتا، اس لئے کہ اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ سانڈ پر جفتی کے لئے زبردستی کرے، یا کتے اور باز کو زبردستی شکار پر بھیجے۔

یہ جمہور علماء یعنی حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کی رائے ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سانڈ کی اجرت سے منع فرمایا ہے۔البتہ امام مالک فرماتے ہیں اگر مدت معلوم ہو تو عقد بھی جائز ہے باقی منافع کے اجارہ کی طرح۔

۴۔معقود علیہ کا نفع شرعاً مباح ہو۔مثلاً: کتاب کا اجارہ پڑھنے اور دوسری جگہ لے جانے کے لئے، یا گھر کا اجارہ رہائش کے لئے، جال شکار کے لئے وغیرہ۔

اس شرط پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، اس پر یہ مسائل متفرع ہیں۔گناہ پر اجارہ جائز نہیں، جیسے کسی انسان کو کھیل کود جادو کی تعلیم، حرام اشعار کی تعلیم، بدعت کی ترویج والی کتب کی اشاعت کے لئے اجارہ پر لینا، اور گانا گانے کے لئے میراثن (اداکارہ) نوحہ کرنے والی کو رو کنے کے لئے کرائے پر لینا جائز نہیں، کیونکہ یہ اجارہ گناہ پر ہے، اور معصیت عقد سے اجارہ کا استحقاق نہیں رکھتی، البتہ گانے اور نوحہ کو لکھوانے پر اجارہ صرف حنفیہ کے ہاں جائز ہے، کیونکہ حرام تو گانا گانا اور رونا ہے ان کو لکھنا نہیں، پس قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ گناہ پر اجارہ جائز نہیں۔

اسی طرح کسی شخص کے قتل کے لئے کسی کو کرائے پر لینا یا جیل میں ڈالنے کے لئے، یا اس کو ظلماً مارنے کے لئے یا کسی دوسرے ظلم کے لئے لینا جائز نہیں، کیونکہ یہ گناہ کے کام کے لئے اجارہ ہے۔پس شرعاً معقود علیہ سپردگی کے قابل نہیں۔لیکن اگر کام کسی حق کی بناء پر ہو مثلاً کسی نے کسی کا کوئی عضو کاٹنے کے لئے کسی کو اجارہ پر لیا تو یہ جائز ہے، اور اس کی سپردگی ممکن ہے کیونکہ کاٹنے کی جگہ معلوم ہے، امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے ہاں قصاص کے لئے اجارہ پر لینا جائز نہیں، کیونکہ قتل گردن مارنے کا نام ہے بسا اوقات صرف گردن کٹے گی جو کہ مشروع ہے۔اور کبھی گردن کے سوا کوئی جگہ کٹے گی جو کہ ممنوع ہے، کیونکہ یہ تو مثلہ ہے۔البتہ امام محمدؒ کے ہاں قصاص لینے کے لئے اجارہ پر لینا جائز ہے، کیونکہ قصاص گردن کاٹنے سے حاصل ہوگی اور گردن معلوم ہے پس معقود علیہ مقدور التسلیم ہے۔

اسی طرح ذمی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اسلامی ممالک میں کسی مسلمان سے گھر لے اور لوگوں کی عبادت گاہ بنائے یا اس میں شراب فروخت کرے، کیونکہ یہ گناہ پر اجارہ ہے، یہ جمہور علماء کی رائے ہے، امام ابوحنیفہ عراق کے دیہاتوں میں عبادت خانہ کے لئے اجارہ پر لینے کے جواز کے قائل ہیں، کیونکہ ان کے زمانے میں دیہات کے اکثر لوگ اہل ذمہ مجوس تھے، پس یہ مسلمانوں کی توہین اور استخفاف کی طرف لانے والی چیز نہیں۔

۵۔ جو کام کروایا جارہا ہے وہ اجیر پر قرض یا واجب پہلے سے نہ ہو: عقد سے پہلے اگر اجیر پر کوئی چیز قرض یا واجب ہے تو اجارہ درست نہیں، کیونکہ یہ ایسا کام کرے گا جو اس کے ذمہ پہلے سے ہے لہٰذا اجرت کا مستحق نہیں ہوگا، کس جس پر قرض ہے وہ اس کی ادائیگی کردے، اسی طرح عبادات وطاعات پر اجارہ درست نہیں جیسے نماز، روزہ، حج امامت، اذان، تعلیم قرآن وغیرہ پر کیونکہ فرائض میں تو فرض عمل پر اجارہ ہے اور اذان، اقامت، امامت، تعلیم قرآن اور علم وغیرہ کا اجارہ لوگوں کے جماعت سے نماز پڑھنے قرآن کی تعلیم سے متنفر ہونے کا سبب ہے، روایت میں ہے کہ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں آخری بات جو آپ علیہ السلام نے فرمائی وہ یہ کہ ''مؤذن ایسا ہونا چاہئے جو اذان پر اجرت نہ لیتا ہو۔'' امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ یہ حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں بالاتفاق ہے۔

اور اس بارے میں حنفیہ کے قواعد میں سے یہ ہے کہ ''جسے اطاعت پر اجارہ سے لیا گیا ہو وہ اجرت کا مستحق نہیں ہوتا'' ''نیز جو پہلے سے اجر کا مستحق ہو اس کا اجارہ جائز نہیں'' اگر کسی نے اپنی بیوی سے ایک مہینے گھر کی خدمت کا اجارہ کیا تو یہ جائز نہیں، کیونکہ اس کے ذمہ پہلے سے خدمت ہے۔''

پھر بعد میں متاخرین نے تعلیم قرآن کی اجرت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اپنے زمانے میں۔

امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ نے فرمایا: تعلیم قران پر اجارہ جائز ہے، کیونکہ یہ عمل معلوم اور بدل معلوم کا اجارہ ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی شادی میں مہر جو اسے قران یاد تھا وہ رکھا، پس قران کا عوض جائز ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں سب سے زیادہ اجرت کی مستحق اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، یہ صحیح حدیث ہے۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو فاتحہ دم کی اور اس پر اجرت لی اور وہ ٹھیک ہو گیا اس سلسلے میں جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی اور آپ سے استفسار کیا، تو آپ نے فرمایا: ''کہ تم نے حق پر اجرت لی ہے، ان بکریوں میں اپنے ساتھ میرا حصہ بھی رکھنا۔'' صاحب کنز الدقائق الحنفی فرماتے ہیں ''آج کل فتویٰ تعلیم قران کی اجرت کے جواز پر ہے اور یہی متاخرین مشائخ بلخ کا مذہب ہے۔

مالکیہ نے اذان جبکہ اس کے ساتھ امامت بھی ہو اور مسجد میں رہائش بھی ہو تو اس کی اجرت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے البتہ صرف نماز کی اجرت ان کے ہاں بھی جائز نہیں غیر واجب افعال پر قیاس کرتے ہوئے، جیسا ان کے ہاں اور شوافع کے ہاں حج کا اجارہ جائز ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے حج کو دوسرے کی طرف سے برقرار رکھا، فرائض کی امامت میں شوافع کے ہاں اجرت لینا جائز نہیں اور صرف امامت جبکہ ساتھ اذان نہ ہو پر اجرت مالکیہ کے مشہور قول میں جائز نہیں۔

لغت کی تعلیم ادب، حساب، خطاطی، فقہ اور حدیث وغیرہ کی تعلیم پر نیز مساجد کی تعمیر، پلوں، اور مورچوں کی تعمیر پر بالاتفاق اجرت لینا جائز ہے، کیونکہ یہ کام نہ فرض ہیں نہ واجب، کبھی یہ بطور قربت ہوتے ہیں کبھی نہیں۔

حنفیہ کے ہاں...... غسل میت پر اجرت لینا جائز نہیں، کیونکہ غسل واجب ہے، اور قبر کھودنے پر اور جنازہ اٹھانے پر اجرت لینا جائز ہے، شوافع نے میت کی تجہیز اور دفن پر اجرت لینا جائز قرار دیا ہے، تجہیز، غسل اور کفن دینے کو شامل ہے، کیونکہ یہ فرض کفایہ ہیں، اور نہ اجب

متعین مضطر کی طرح نقصان نہیں پہنچاتا، کیونکہ اس کے لئے کھانا متعین ہوتا ہے بدل کے ساتھ۔ اپنی ہی بیوی کو اسی سے پیدا شدہ بچے کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر لینا جائز نہیں کیونکہ یہ بچے کی خدمت پر اجارہ ہے اور دودھ اس کے تابع ہے، تو اجارہ ایک واجب چیز پر ہو گیا جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔

۶۔ اجیر اپنے عمل سے فائدہ نہ اٹھائے، اگر فائدہ اٹھائے گا تو اجارہ جائز نہیں، پس طاعات پر اجارہ درست نہیں کیونکہ اطاعت بجالانے والا اپنے لئے کام کرنے والا ہے، جیسا کہ اس طرح اجارہ جائز نہیں کہ ایک شخص گندم پیس کر دے اور اسی آٹے سے اپنی اجرت لے، یا تلوں سے تیل نکال کر دے اور اسی میں سے کچھ قبل اجرت رکھے، کیونکہ آجر اپنے عمل سے نفع اٹھا رہا ہے یعنی پیسنے اور تیل نکالنے کے عمل سے۔ پس یہ اپنے لئے کرنے والا ہوا، اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''قفیز طحان'' سے منع فرمایا ہے'' یہ ہے کہ کسی شخص کو معلوم وزن کے ساتھ گندم وغیرہ دی جائے کہ پیس کر دو اور اسی میں سے ایک قفیز رکھ لو، شوافع کی بھی یہی رائے ہے، اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے، نیز اس میں شرائط اجارہ میں سے ایک شرط مفقود ہے وہ یہ کہ عقد کے وقت اجرت دینے پر قادر ہونا۔ اس بارے میں حنفیہ کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ ''اجیر کے عمل سے حاصل شدہ چیز کو اجرت مقرر کرنا مفسد عقد ہے۔''

حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں:.......اگر کیل معلوم ہو تو یہ جائز ہے اور حدیث قفیز طحان ان کے ہاں ثابت نہیں ہے۔ اور اسی میں سے ہے کہ گندم وغیرہ گاہنے اور اٹھا کر لے جانے والے کو اسی میں سے اجرت دینا حنابلہ کے ہاں جائز ہے۔

۷۔ منفعت مقصودہ ہو اور اس کو اجارہ کے ذریعے حاصل بھی کیا جاتا ہو، اور لوگوں کا عمل اس پر جاری ہو پس درختوں کو کپڑے اوپر ڈال کر خشک کرنے کے لئے اور ان سے سایہ حاصل کرنے کے لئے اجرت پر لینا جائز نہیں، کیونکہ درخت سے اس قسم کا نفع حاصل کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

عمل معقود علیہ کی شرائط......وہ یہ کہ اگر منقولی چیز ہے تو اس پر قبضہ ہونا چاہئے اگر قبضہ میں نہ ہو تو پھر اس کا اجارہ درست نہیں، آپ علیہ السلام نے منع فرمایا ہوا ہے اس چیز کی بیع سے جو قبضہ میں نہ ہو، اجارہ بھی بیع کی ایک قسم ہے نہی اس کو بھی شامل ہوگی۔ اور اگر جس چیز کو اجارہ پر لیا جا رہا ہے وہ غیر منقولی ہو تو اس میں وہی اختلاف ہے جو ''بیع فاسد'' کی بحث میں ذکر کیا ہے۔

اجرت کی شرطیں......اجرت کی دو ہی شرطیں ہیں۔

پہلی شرط......کہ اجرت مال متقوم اور معلوم ہو اس میں علماء کا اتفاق ہے اور اس شرط سے جن چیزوں سے احتراز ہے وہ معلوم شدہ ہیں عقد بیع میں ان کی وضاحت ہو گئی ہے۔ اور اجرت کے علم کے بارے میں دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جو کسی کو اجرت پر رکھے اسے اس کی اجرت بتا دے'' اور اجرت کا معلوم ہونا، اشارہ، تعیین اور بیان ہی سے ہو سکتا ہے۔ اور اجرت ادا کرنے کی جگہ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے جبکہ اس چیز کا بوجھ اور اس میں مشقت ہو یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہے اور صاحبین کے ہاں یہ شرط نہیں بلکہ جہاں عقد ہو گا وہی جگہ اجرت کے لئے متعین ہے۔ اجرت معلوم ہونے کی شرط پر یہ تفریع ہے کہ اگر کسی نے کسی شخص کو معلوم اجرت، اور کھانے کے ساتھ اجارہ پر لیا، یا کسی سواری کو معلوم اجرت، اور چارہ کے ساتھ اجارہ پر لیا تو اس طرح جائز نہیں، کیونکہ کھانا اور چارہ بھی اجرت میں شامل ہیں اور ان کی مقدار معلوم نہیں تو اجرت مجہول ہو گئی۔ مالکیہ نے خدمت کے لئے اجیر رکھنے، اشیاء خورد و نوش اٹھانے کے لئے سواری، اور کپڑے وغیرہ کے لئے خادم رکھنے کو جائز قرار دیتے ہیں، تعامل الناس کی وجہ سے اسی طرح دائی کو اجارہ پر رکھنا وغیرہ۔

دائی کا اجارہ......اگر دائی اجرت پر لی اور اس کی اجرت کھانا اور کپڑے مقرر کئے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ اجارہ جائز نہیں صاحبین

اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے، کیونکہ اجرت ”طعام اور کسوۃ“ مجہول ہیں البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ استحساناً اس کے جواز کے قائل ہیں نص قرآنی کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ...... البقرۃ: ۲/۲۳۳

اللہ تعالیٰ نے رضاعت میں حرج کی مطلقاً نفی کر دی ہے اور اس حالت میں اجرت کی جہالت منازعت کی طرف مفضی نہیں۔ کیونکہ عادۃً دائیوں کے ساتھ چشم پوشی اور وسعت والا معاملہ کیا جاتا ہے اولاد کی شفقت کی وجہ سے تو یہ گندم کے ڈھیر کے قفیز کی جہالت کے مشابہ ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے۔

اگر اجرت معقود علیہ کا حصہ اور جزو ہو: تو جمہور کے ہاں اجارہ فاسد ہوگا اگر کھال اتارنے والے نے کھال کے بدلے میں اجارہ کیا اور پیسنے والے نے بھوسی یا ایک صاع آٹے کے بدلے اجارہ کیا، تو اجارہ فاسد ہے کیونکہ نامعلوم کھال صحیح سلامت اترے گی یا نہیں اور وہ موٹی ہوگی یا باریک، اور پیسے ہوئے آٹے کی کیا مقدار ہوگی کبھی کبھی دانے صاف ہوتے ہیں تو عوض کے مجہول ہونے کی وجہ سے اجارہ درست نہیں۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سانڈ کی جفتی کی اجرت اور قفیز طحان سے منع فرمایا ہے۔

مالکیہ کے ہاں یہ جائز ہے، کیونکہ اجارہ معلوم حصہ پر کیا گیا ہے اور پسائی کی اجرت بھی معلوم ہے اور حدیث کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ قفیز کی مقدار مجہول ہے۔ ان کی موافقت ہادویہ، زیدیہ میں سے امام یحییٰ، مزنی اور حنابلہ نے کی ہے جبکہ اجرت آٹے کے اعتبار سے معلوم ہو، اور مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ کھال اتارنے کے بدلے کھال لینے والی صورت کا اجارہ فاسد ہے کیونکہ وہ کھال اتارنے کے بعد اس کا مستحق ہوگا اور کھال اتارنے میں صحیح سالم اترے گی یا کٹی ہوئی اس کا علم نہیں؟ لہٰذا یہ اجارہ فاسد ہے اسی طرح بھوسی کے بدلے آٹا پیسنے کا اجارہ بھی فاسد ہے کیونکہ بھوسی کی مقدار معلوم نہیں ہاں اگر معلوم مقدار پر اجارہ کیا تو پھر جائز ہے جیسا کہ اتری ہوئی کھال کے بدلے کھال اتارنے کا اجارہ جائز ہے۔

مقابل الخلو (خالی کرنے کا عوض، حقوق مجردہ کا بدلہ)...... آج کل جو رقم لی جاتی ہے جسے فروغ یا قبضہ نہ ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے میرے اندازے کے مطابق اس کی شریعت میں ممانعت نہیں پس مالک یعنی موجر کے لئے جائز ہے کہ وہ مستاجر سے ایک متعین مقدار مال کی لے لے جو خلو یا فروغ کے بدلہ میں ہو اور اس لی ہوئی رقم کو اجرت عقد میں معجّل شمار کیا جائے گا اور اس کے علاوہ جو رقم ماہانہ یا سالانہ دی جائے گی تو وہ اجرت کا دوسرا حصہ شمار ہوگی جو اجرت کی تکمیل کرے گی۔

باقی جو مستاجر اپنا حق چھوڑ کر کسی دوسرے شخص کے لئے اپنے نفع میں سے اور اس کے بدلے وہ دوسرا نفع اٹھاتا ہے اور اس کا قائم مقام ہوتا اس کے بدلے میں یہ جو کچھ لیتا ہے یہ بھی اگر مدت اجارہ کے اندر اندر ایسا کیا تو جائز ہے۔ ورنہ غصب اور حرام ہے۔ شوافع نے اپنے کلام میں عقد بیع کے صیغوں سے بحث کرتے ہوئے اس مفہوم کی تصریح کی ہے: کہ قبضہ منتقل کرنے میں الفاظ کی شرط بعید نہیں ہے، یعنی زمین میں کھاد ڈالنے کے حق سے ہٹنے کے لئے مثلاً یوں کہے: کہ میں اس اختصاص سے اپنے ہاتھ کھینچتا ہوں اور قبضہ منتقل کرنے کے عوض بدلہ لینا جائز ہے، جیسا کہ وظائف سے دست بردار ہونے میں۔ البتہ یہ سب چیزیں مدت اجارہ کے باقی ہونے کے ساتھ شرعاً مقید ہیں۔ اور مستاجر کا دست بردار ہونا کسی دوسرے کے لئے کسی عوض کے بدلے مدت ختم ہونے کے بعد مالک کی رضامندی پر موقوف ہے۔

باوجود اس کے کہ حنفی مذہب میں حقوق مجردہ کا عوض لینا جائز نہیں جیسے حق شفعہ اسی طرح حق کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں، لیکن حنفیہ میں سے اکثر حضرات نے وظائف سے دست بردار ہونا مال کے بدلے میں جائز قرار دیا ہے، جیسے امامت، خطابت، اذان وغیرہ اور اس فتویٰ کو ضرورت عرف اور باری چھوڑنے پر قیاس کیا ہے، کیونکہ یہ سارے صرف اسقاط حق ہیں اور اس بات پر قیاس کیا کہ اوقاف کا متولی اپنے آپ کو

قاضی کے سامنے معزول کرسکتا ہے، اور اس معزولی ہی میں سے ہے کہ اپنے آپ کو کسی وظیفہ وغیرہ سے فارغ کرنا، اور اس دست برداری میں عرف میں عوض لیا جاتا ہے۔❶

میں نے مالکی علماء متاخرین کا ایک رسالہ جس کا نام (**جملة تقاير وفتاوىٰ فى الخلوات والا نزالات عندا التونيسين**) ہے یہ مالکیہ کے مفتی ابراہیم الریاحی رحمہ اللہ کا ہے جو تیونس کے رہنے والے ہیں (المتوفی: ۱۲۶۶ھ) اور شیخ محمد بیرم الرابع التونسی، شیخ الشاذلی بن صالح باس تیونس میں مالکیہ کے مفتی ہیں، اور شیخ محمد السنوسی تیونس کے قاضی اس میں انہوں نے عرف اور عادت کی وجہ سے ''خلو'' یعنی حقوق مجردہ کے معاوضہ کو جائز قرار دیا ہے، نیز اس لئے بھی کہ مستاجر منفعت کا مالک ہے، تو اس کو اس کا عوض لے کر دست بردار ہونا بھی جائز ہے جیسے کہ اجارہ جائز ہے، اور عاریت کی طرح بغیر عوض کے دست بردار ہونا بھی جائز ہے۔ اور فاسینیوں کا فتویٰ نقل کیا ہے خلو کی بیع کے جواز میں، اور شیخ محمد بیرم نے فرمایا: اور خلو کے مشابہ مغارست (درخت لگانا) ہے صرف اتنی بات ہے کہ خلو سے ملکیت حاصل نہیں ہوتی کیونکہ اس کا تعلق منفعت سے ہے۔

قرارداد مجمع الفقہ الاسلامی فی جدة: رقم (٦) لعام ۱۴۰۸ھ الموافق ۱۹۸۸ء.....اس قرارداد کو یہاں پر نقل کرنا مستحسن ہے اور میں اس میں مجلس مضامین (ڈرافٹنگ کمیٹی) کا رکن تھا۔

پہلی بات..... جب مالک اور مستاجر اس بات پر متفق ہو جائیں کہ مستاجر، مالک کو مقررہ اجرت سے زائد رقم دے گا (جسے بعض علاقوں میں ''خلو'' سے تعبیر کرتے ہیں) تو اس متعین رقم کے دینے سے شرعاً کوئی چیز مانع نہیں اس شرط پر کہ متعین مدت اجارہ کی اجرت کا جزو اس کو شمار کیا جائے، اور فسخ کی صورت میں اس رقم پر بھی اجرت کے احکام جاری ہوں گے۔

دوسری بات..... جب مالک اور مستاجر مدت اجارہ میں اس بات پر اتفاق کرلیں کہ مالک، مستاجر کو بقیہ مدت منفعت کے چھوڑنے پر کچھ رقم دے گا، تو یہ رقم دینا بھی شرعاً جائز ہے، کیونکہ یہ مستاجر کی دست برداری کا بدلہ ہے جو اس کی رضا سے مالک کو فروخت کر دیا ہے۔ لیکن اگر مدت اجارہ ختم ہوگئی اور صراحتاً یا ضمناً عقد اجارہ کی تجدید نہیں کی گئی تو پھر بدل خلو جائز نہیں کیونکہ مالک اپنی ملک کا زیادہ حق دار ہے مستاجر کے حق کے ختم ہونے کے بعد۔

تیسری بات..... اگر پہلے کرایہ دار یعنی مستاجر اور دوسرے مستاجر کے درمیان مدت اجارہ کے دوران اتفاق ہو جائے کہ مستاجر اول باقی مدت سے دست بردار ہو جائے، اور مقررہ اجرت سے زائد رقم پر تو یہ بدل خلو بھی شرعاً جائز ہے۔ لیکن اس میں عقد اجارہ کی مالک اور مستاجر اول کے درمیان ہونے بات چیت کا لحاظ کیا جائے، اور احکام شرع کے قوانین کے مقتضاء کے موافق ہو۔ اور طویل مدت کے اجاروں میں اختلاف ہے کیونکہ عقد اجارہ کی تصریح میں بعض قوانین میں گنجائش ہے۔ لہٰذا مستاجر کے لئے جائز نہیں کہ وہ عین چیز کو دوسرے مستاجر کو دے دے اور اس کا عوض لے لے ملک کی رضامندی کے بغیر۔

اور جب مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد مستاجر اول اور ثانی کے درمیان اتفاق ہوگیا تو اس صورت میں بدلہ لینا جائز نہیں کیونکہ مستاجر اول کا حق عین کی منفعت سے ختم ہو چکا ہے۔

چوتھی بات کہ اجرت معقود علیہ کی جنس منفعت سے نہ ہو..... جیسے رہائش کا اجارہ رہائش سے، خدمت کا اجارہ خدمت سے، سواری کا اجارہ سواری سے، زراعت کا زراعت سے اور یہ شرط حنفیہ کے ہاں رہا (سود) یہ متفرع ہے۔ کیونکہ یہ حضرات اتحاد جنس کا

---

❶ .....الدر المختار و ردالمحتار: ۱۵/۴۔

اعتبار کرتے ہیں ربا نسیہ کے عقد کے حرام ہونے میں، جیسا کہ ربا کی بحث میں گذرا، اور چونکہ ان کے ہاں اجارہ میں یہ عقد تھوڑا تھوڑا کر کے منافع کے پیدا ہونے کے ساتھ منعقد ہوتا ہے، پس منفعت بوقت عقد معدوم ہے، تو عاقدین میں سے ایک کا قبضہ متاخر ہوا، تو ربا نسیہ پایا گیا۔ ❶ اور ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ شوافع کے ہاں منفرد جنس کا عقد سود کی وجہ سے حرام نہیں ہوتا، پس ان کے ہاں یہ عقد جائز ہوگا اور ان کے ہاں یہ شرط نہیں۔

عقد کی شرط...... یہ ہے کہ عقد ایسی شرط سے خالی ہو جس کا عقد نہ تقاضا کرتا ہو اور نہ ہی وہ اس کے مناسب ہو پس اگر مالک نے اس شرط پر کسی کو گھر کرائے پر دیا کہ ایک مہینہ مالک گھر میں رہے گا پھر مستاجر کو دے گا یا زمین اس شرط پر اجرت پر دی کہ پہلے مالک اس میں کھیتی کرے گا پھر مستاجر کو دے گا، یا سواری اس شرط کے ساتھ اجرت پر دی کہ مالک ایک ماہ اس پر سواری کرے گا پھر مستاجر کو دے گا تو یہ اجارہ فاسد ہے، کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جس کا نہ عقد تقاضا کرتا ہے اور نہ ہی یہ عقد کے مناسب ہے۔ بلکہ اس میں ایک زائد منفعت ہے جو متعاقدین میں سے ایک کے لئے عقد میں مشروط ہے جس کے مقابلہ میں عوض نہیں پس یہ سود ہے، یا اس میں شبہ ربا ہے یہ مفسد عقد ہے۔ ❷ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں یا اجارہ جائز ہے۔

لزوم اجارہ کی شرطیں......عقد اجارہ کی بقاء کے لئے دو شرطیں لازم ہیں:

پہلی شرط...... جس چیز کو اجارہ پر لیا جا رہا ہے وہ ایسے عیب سے پاک ہو جس کی وجہ سے نفع اٹھانا ممکن نہ ہو: پس اگر کوئی ایسا عیب پیدا ہوگیا جس کی وجہ سے نفع اٹھانا ممکن نہیں تو مستاجر کو اختیار ہے چاہے کل رقم دے کر اجارہ باقی رکھے یا پھر فسخ کردے، جیسے کسی اجرت پر دیے ہوئے جانور میں کوئی بیماری پیدا ہوگئی یا وہ لنگڑا ہوگیا یا گھر کی عمارت گرگئی وغیرہ کیونکہ معقود علیہ تو منافع ہے جو تھوڑا تھوڑا کر کے پیدا ہوتا ہے، پس جب شئی مستاجر میں عیب پیدا ہوگیا تو یہ ایسے ہے جیسے قبضہ سے پہلے پیدا ہوا ہو تو اس کی وجہ سے خیار ثابت ہوگا جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے۔

اور اگر گھر سارا گر گیا، یا پن چکی کا پانی ختم ہوگیا یا زمین کا پانی ختم ہوگیا تو اجارہ فسخ ہو جائے گا، کیونکہ معقود علیہ باقی نہ رہا، اور ہلاک ہونا فسخ عقد کا موجب ہے، البتہ حنفیہ کے ہاں اصح قول کے مطابق عقد فسخ نہ ہوگا البتہ حق فسخ ثابت ہوگا، کیونہ معقود علیہ ختم ہوگیا اس طور پر کہ اس کا واپس آنا متصور ہے، پس یہ ایسا ہے جیسے کسی نے کوئی چیز خریدی اور وہ قبضہ سے پہلے بھاگ گئی، اور اس شے مستاجر سے فی الجملہ نفع اٹھایا جا سکتا ہے۔ مثلاً خیمہ وغیرہ۔ اور اگر عیب عقد اجارہ فسخ کرنے سے پہلے ختم ہوگیا، بایں طور کہ مریض صحیح ہوگیا یا جانور سے لنگڑا پن ختم ہوگیا یا مالک نے گری ہوئی دیوار بنا دی تو مستاجر کا حق فسخ کا اختیار باطل ہو جائے گا کیونکہ جس کی وجہ سے خیار ثابت ہو رہا تھا وہ ختم ہوگیا، اور عقد قائم ہے، پس اختیار ختم ہوگا۔ اور حق فسخ مستاجر کے لئے اس وقت ثابت ہوگا، جبکہ عیب ایسا ہو جس کی وجہ سے نفع اٹھانا ممکن نہ ہو، کیونکہ اس صورت میں نقصان معقود علیہ کی طرف لوٹتا ہے، اور اگر عیب ایسا ہے جس سے نفع اٹھانے میں کوئی خلل نہیں جیسے دار کی دیوار جس کا رہائش کے ساتھ تعلق نہیں تو پھر حق فسخ نہ ہوگا۔

مستاجر اس وقت عقد فسخ کر سکتا ہے جبکہ موجر بھی موجود ہو اور اگر موجر موجود نہیں اور مستاجر نے کوئی ایسا کام کیا جو فسخ پر منتج ہوتا ہے تو اس صورت میں مستاجر کو فسخ کا حق نہیں، کیونکہ عقد کو صرف عاقدین یا ان کے قائم مقام کی موجودگی میں فسخ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ گھر کے گر جانے وغیرہ کی صورت میں مستاجر گھر سے نکل سکتا ہے چاہے موجر موجود ہو یا نہ ہو، اور یہ فسخ ہونے کی دلیل ہے، اور اسی طرح مستاجر کے لئے حق فسخ اس وقت بھی ثابت ہوتا ہے جب منافع میں سودا مختلف ہو جائے جبکہ وہ حاصل اکھٹے ہوں، کیونکہ سودا معقود علیہ یعنی منافع میں متفرق ہوگیا،

---

❶......البدائع: ۱۹۴/۴ (۲)......البدائع: ۱۹۴/۴۔

اور تفرق سودا سے خیار ثابت ہوتا ہے، اس کی مثال یہ کہ ایک شخص دو گھروں کو ایک ہی سودے میں اجرت پر لے لے پھر موجر ایک گھر دینے سے انکار کردے، تو مستاجر کو اختیار ہے کہ وہ عقد فسخ کردے کیونکہ سودے میں تجزی ہوگئی ہے۔

دوسری شرط......ایسا عذر پیدا ہونا جس کی وجہ سے اجارہ فسخ کرنا پڑھے مثلاً عاقدین میں سے کسی ایک کی طرف سے عذر یا شئی ماجور میں کوئی عذر ہوجائے تو عاقد کے لئے عقد کو فسخ کرنے کو اختیار ہے۔ میں ان اعذار کو بیان کرتا ہوں جو فسخ کے ہیں:

اجارہ فسخ کرنے کے عذر......حنفیہ کے ہاں عذر کی وجہ سے اجارہ فسخ کیا جاسکتا ہے؟ کیونکہ عذر کے وقت ضرورت فسخ کی متقاضی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اگر عذر کی موجودگی میں بھی عقد کے لزوم کا اصرار ہو تو صاحب عذر کو ضرر و تکلیف لاحق ہوگی جس کا وہ عقد کے ساتھ التزام نہیں کرسکتا، اور عذر کا مطلب یہ ہے کہ ایسی چیز جس کی وجہ سے عقد باقی رکھنے میں عاقد کو نقصان ہو اور فسخ کے بغیر وہ عذر ختم نہ ہوتا ہو۔ ابن عابدین (علامہ شامی) نے فرمایا: ہر وہ عذر کہ جس کے ساتھ معقود علیہ کی وصولیابی اپنی ذات یا مال کے نقصان کے بغیر ممکن نہ ہو تو اس میں حق فسخ ثابت ہوجاتا ہے۔

جمہور علماء کے ہاں:......اجارہ، بیع کی طرح عقد لازم ہے، لہٰذا تمام لازمی عقود کی طرح یہ بھی فسخ نہ ہوگا، کسی بھی عاقد کی جانب سے بغیر کسی موجب کے جیسے عیب ہونا، یا محل منفعت کا ختم ہونا، وغیرہ۔

شوافع کے الفاظ یہ ہیں......اجارہ کسی عقد کی وجہ سے فسخ نہیں ہوسکتا مثلاً حمام میں مستاجر کے لئے روشنی کا نہ ہونا، یا گھر اجارہ پر لینے والے کا سفر کرنا، سواری کا بیمار (خراب) ہوجانا، کیونکہ معقود علیہ میں خلل نہیں، اور ان میں سے ہر ایک کا متبادل ممکن ہے، ہاں معقود علیہ کے فوت ہونے کی صورت میں اجارہ فسخ ہوگا اور یہ منفعت ہے جیسے گھر کا منہدم ہونا، یا خاص سواری اور چیز خاص کا مرجانا، اور یہ فسخ بھی مستقبل کے اعتبار سے ہوگا نہ کہ ماضی کے اعتبار سے یا اجارہ پر لی جانے والی چیز میں عیب کا پایا جانا، سواری کا نہ چلنا یا بھاگنا یا اس کا پاگل ہونا، یا چلتے وقت پیٹھ موڑنا، یا لنگڑا ہونا، روشنی کم ہونا جذام یا برص وغیرہ ہونا۔

خلاصہ......منفعت معقود علیہ کے استیفاء کے لئے بالاتفاق اجارہ فسخ کیا جائے گا اور اس فسخ کی یہ دو حالتیں ہیں: عین شئی کے اجارے میں شئی موجرہ کا ہلاک ہونا، اور مدت صغیرہ میں شئی موجرہ کو سپرد نہ کرنا، اور عذرات کی وجہ سے اجارہ فسخ کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے؛ حنفیہ کے ہاں عذر کی وجہ سے اجارہ فسخ کیا جائے گا جبکہ جمہور کے ہاں نہیں، عاقدین میں سے کسی ایک کے مرجانے کی صورت میں اجارہ فسخ کرنے میں اختلاف ہے، حنفیہ کے ہاں فسخ کیا جائے گا جبکہ جمہور کے ہاں نہیں۔ مالک کی ملکیت سے شئی موجود کے نکلنے کی وجہ سے بالاتفاق اجارہ فسخ نہیں کیا جائے گا، جیسے کہ کسی نے گھر کرائے پر لیا پھر مالک نے اسے ہبہ کردیا یا کسی کو فروخت کردیا۔

حنفیہ نے ان اعذار کو جو موجب فسخ ہیں تین قسموں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ مستاجر کی جانب سے عذر......مستاجر کا مفلس ہوجانا، یا اس کا کسی پیشے کو چھوڑ کر کھیتی باڑی کی طرف منتقل ہونا یا زراعت سے تجارت کی طرف منتقل ہونا، یا ایک پیشہ چھوڑ کر دوسرا پیشہ اختیار کرنا، اس لئے کہ مفلس یا ایک پیشے سے دوسرے پیشے کی طرف منتقل ہونے والا عمل سے بغیر نقصان کے نفع نہیں اٹھا سکتا، اور اس کو پہلا پیشہ برقرار رکھنے پر مجبور بھی نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح سفر بھی ہے یعنی اس شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں چلے جانا، کیونکہ مسافرت کے ساتھ عقد کو باقی رکھنے میں مستاجر کا نقصان ہے۔

اسی پر یہ مسائل متفرع ہیں کہ جب مستاجر کو نفع، کسی ایسے نقصان جو اس کی ملکیت، یا بدن میں لاحق ہوئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، تو اس کو اجارہ فسخ کرنے کا اختیار ہے، جیسے کسی نے کسی شخص کو کپڑے دھونے اور استری کرنے کے لئے یا کپڑے سینے کے لئے یا اس کا گھر لیا، یا اس کو کھیتی بونے کے لئے یا درخت کاٹنے کے لئے اجرت پر رکھا، یا اپنی ملکیت میں کوئی عمارت بنانے یا کنواں کھودنے یا پچھنے لگوانے یا فصد کھلوانے یا دانت نکالنے وغیرہ کے لئے اجرت پر رکھا، پھر اس کو یہ صورت ظاہر ہوگی کہ وہ یہ کام نہ کروائے تو اس کو اجازت ہے کہ وہ اجارہ فسخ کردے اور مذکورہ اشیاء میں سے کسی کے کروانے پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ بات اس کے سامنے ظاہر ہوگئی کہ اس کام میں اس کے لئے مصلحت نہیں، پس یہ تا منقصان کے ساتھ باقی رہا۔

۲۔ موجر کی جانب سے عذر...... ایسا قرض (دین) اس کے ذمے ہونا کہ وہ ان اشیاء کو فروخت کرنے کے بغیر اس کی ادائیگی پر قادر نہیں اور یہ بھی اس وقت ہے جبکہ قرض گواہوں کے ذریعے یا اقرار کے ذریعے اجارہ سے پہلے ثابت ہو چکا ہو، یا اجارہ گواہوں اور اقرار وغیرہ کے ذریعہ ثابت ہو، اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے اوپر دین کا اقرار جھوٹ موٹ نہیں کر سکتا، البتہ صاحبین کے ہاں اقرار کے ذریعے دین کا ثبوت اجارہ کے بعد قابل قبول نہیں کیونکہ اس اقرار میں متہم ہے مثلاً موجر نے کوئی چیز خریدی پھر اس کو اجارہ پر دے دی اس کے بعد عیب کا علم ہو، تو اس کو اختیار ہے کہ وہ اجارہ فسخ کردے اور عیب کی وجہ سے واپس کردے، البتہ سفر اور کسی شہر سے دوسرے شہر میں موجر کا منتقل ہونا اس کے فسخ اجارہ کا عذر شمار نہیں ہوتا البتہ عقار وغیرہ کے اجارہ کا فسخ اس کے لئے مباح ہے، اس لئے کہ اس کی عدم موجودگی میں عقد کی منفعت کی وصولیابی میں کوئی نقصان نہیں۔ البتہ بوجھ اٹھانے والے اور اونٹ کے مالک (ساربان) کا ایسا بیمار ہونا کہ اس کی وجہ سے وہ بوجھ نہ اٹھا سکتا ہو، تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس کو عذر شمار کیا جائے گا، کیونکہ ان کے علاوہ کوئی چیز بغیر نقصان کے ان کے قائم مقام نہیں ہو سکتی، اور نقصان سے عقد کا استحقاق نہیں۔

البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الاصل'' میں نقل کیا ہے کہ اونٹ کے مالک (ساربان) کا بیمار ہونا عذر نہیں۔ کیونکہ ساربان کا بذات خود اونٹوں کے ساتھ جانا عقد کی وجہ سے نہیں اس کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے علاوہ کسی دوسرے کے ساتھ روانہ کردے۔

۳۔ کرائے پر (اجارہ پر) لی جانے والی چیز کی جانب سے عذر

مثلاً پہلے کی مثال...... کسی شخص نے ایک بستی میں کام کرائے پر لیا، تاکہ ایک معلوم مدت تک اس سے فائدہ اٹھائے پھر اہل بستی وہاں سے ہجرت کر گئے تو اس پر موجر کے لئے اجرت واجب نہیں ہوگی، اور دوسرے کی مثال: غلام ماجور کی آزادی مثلاً کسی نے اپنا غلام ایک سال کے لئے کرائے پر دیا پھر جب چھ ماہ گذرے اس نے اس کو آزاد کر دیا تو غلام کو اختیار ہوگا چاہے تو اجارہ باقی رکھے یا فسخ کردے، شوافع کے ہاں اصح یہ ہے کہ اجارہ فسخ نہ کرے کیونکہ اس کی گردن پر ہے، اور منافع کا مولی مالک نہیں ہے آزادی کے وقت، تو گویا آزادی ایسی گردن پر واقع ہوئی جس کا نفع مسلوب ہے، اصح یہ ہے کہ آزادی کے بعد غلام کو اجارہ فسخ کرنے کا حق نہیں، کیونکہ اس کے آقا نے اپنی خاص ملکیت میں تصرف کیا ہے، جو توڑی نہیں جا سکتی، اور اصح یہ ہے کہ وہ اپنے آقا پر آزادی کے بعد اجرت میں رجوع نہیں کرے گا، اور دوسرے کی دوسری مثال: عامل موظف جو عمل کرتا ہے پھر اس کو قانونی طور پر عمل سے منع کر دیا گیا۔

شوافع کے ہاں اجارہ کی شرائط کا خلاصہ:

۱۔ عاقدین کا عقد کے اہل ہونا...... عاقدین یعنی موجر اور مستاجر دونوں کا بالغ، عاقل جو کہ محجور نہ ہو ہونا شرط ہے۔ لہٰذا بچے مجنون اور محجور علیہ کا اجارہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک کو نہ اپنے اوپر ولایت ہے نہ اپنے مال پر۔

۲۔ صیغہ (الفاظ)......اجارہ ایجاب قبول یا ان کے قائم مقام یعنی تعاطی اگر اس پر عرف جاری ہو مکمل ہوتا ہے ''توشیخ'' نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ آیا امام نووی رحمہ اللہ نے اجارہ میں تعاطی کو اختیار کیا ہے یا نہیں جیسا کہ بیع میں ظاہر یہی ہے کہ تعاطی کو اختیار نہیں فرمایا کیونکہ اس میں عرف نہیں برخلاف بیع کے۔

البتہ صیغہ میں ایجاب کے ساتھ قبول کا ہونا شرط ہے اور درمیان میں سکوت یا اجنبی کلام کے ذریعے زیادہ فصل نہیں ہونا چاہئے اسی طرح شرط کے ساتھ معلق نہیں ہونا چاہیے مثلاً اگر فلاں آ گیا تو میں اپنا گھر تجھے اجارہ پر دوں گا وغیرہ۔

۳۔ منافع......منافع کا شرعاً یا عرفاً قیمتی ہونا شرط ہے، لہٰذا کھیل لعولعب کے آلات کا اجارہ جائز نہیں، اور اصح قول کے مطابق کتے کو شکار یا چوکیداری کے لئے اجارہ پر لینا صحیح نہیں، اسی طرح کسی شخص کو ''لاتتعب'' کے الفاظ کہنے کے لئے اجارہ پر لینا صحیح نہیں اگرچہ سامان کی ترویج ہی اس سے ہوتی ہو۔ اسی طرح تزئین کے لئے دراہم ودنانیر کو اجارہ پر لینا جائز نہیں اور منفعت میں یہ بھی شرط ہے کہ موجر اس کے سپرد کرنے پر قادر بھی ہو پس کسی کی غصب شدہ چیز کو اجارہ پر دینا جائز نہیں۔

اور ایسی زمین کو جس مین پانی نہ ہو یا عام بارش زراعت کے لئے کافی نہ ہو زراعت پر اجارۃً دینا جائز نہیں۔

حائضہ اور نفاس والی عورت کو مسجد کی خدمت کے لئے اجارہ پر لینا جائز نہیں۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ منفعت مستاجر کو حاصل ہو نہ کہ موجر کو، پس ایسی عبادتوں اور قربانیوں کا اجارہ جائز نہیں جن کے لئے نیت کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ان میں نیابت ہو سکتی ہو، جیسے نماز، روزہ، کیونکہ ان کا نفع یعنی ثواب موجر کی طرف لوٹتا ہے نہ کہ مستاجر کی طرف اور یہ کہ منفعت میں ارادۃً عین کی وصولیابی نہ ہو، پس باغ کا اجارہ پھل حاصل کرنے کے لئے جائز نہیں اور بکری کا اون یا دودھ حاصل کرنے کے لئے اجارہ جائز نہیں۔ نیز یہ کہ منفعت ذات اور مقدار وصفت کے اعتبار سے معلوم ہو، محل منفعت، اس کی ذات اور صفت بیان ہو، اور اس کا فرمانے کے حساب سے اندازہ جیسے گھروں کا اجارہ رہائش کے لئے ایک سال تک، یا عمل کے ذریعہ مقدار ہو جسے کپڑے سینے کے لئے اجارہ یا دیوار لیپائی کے لئے کھانا پکانے کے لئے۔ یا قدرت اور کام میں سے ایک چیز، جسے کسی شخص کو کپڑے سینے کے لئے یا گاڑی کو سواری کے لئے، اور مقدار زمانے یعنی ایک دن یا ایک ماہ سے مقرر کی جاسکتی ہے، اور عمل کی متعین مکان تک پہنچانے کی مثلاً فلاں کھیت یا دمشق یا مکہ تک پہنچانا، زمانے اور عمل دونوں کو اکٹھے مقرر کرنا صحیح نہیں، جیسے کسی شخص کو کپڑے سینے کے لئے ایک دن اجارہ پر لینا، کیونکہ عمل بھی تو متعین وقت کو نہیں گھیرتا اور کبھی اس سے زیادہ وقت لیتا ہے لہٰذا اس میں دھوکہ ہے، جو صحت عقد سے مانع ہے، دھوکے کی وجہ سے کیونکہ کام وقت سے پہلے یا بعد تک ہو سکتا ہے۔

۴۔ اجرت......اجارے کی اجرت میں بھی وہی شرائط ہیں جو بیع میں ثمن کے لئے ہیں بایں طور کہ حلال ہو، پس اگر کتایا خنزیر یا مردار کی کھال یا شراب وغیرہ ہو تو اجارہ جائز نہیں، کیونکہ یہ نجس العین ہیں۔ اور یہ کہ اجرت سے نفع اٹھایا جاسکتا ہو، پس اگر اجرت ایسی چیز ہے جس سے نفع نہیں اٹھایا جاسکتا تو اجارہ صحیح نہیں ہوگا، نفع بخش نہ ہونا یا تو اس کے خسیس ہونے کی وجہ سے ہوگا جیسے حشرات الارض یا ایذاء وتکلیف کی وجہ سے جیسے چیز پھاڑ کر کھانے والے حیوانات یا اس کا استعمال شرعاً حرام ہونے کی وجہ سے جیسے آلات لہولعب، بت، تصاویر وغیرہ۔ اور یہ کہ اجرت سپرد کی جاسکتی ہو، پس ہوا میں پرندہ پانی میں مچھلی وغیرہ اجرت کے طور پر رکھنا صحیح نہیں اسی طرح شئی مغصوب سوائے غاصب کے یا اس سے نکالنے والے کے صحیح نہیں۔

اور یہ کہ عاقدین کو اجرت معلوم: ہو پس گاڑی کا اجارہ ایندھن اور سواری کا اجارہ چارہ مقرر کرنا صحیح نہیں کیونکہ اجرت معلوم نہیں، اسی طرح عامل کا کھیتی کے ایک حصہ پر اجارہ کرنا بھی صحیح نہیں، اسی طرح جمعہ اور مساجد وغیرہ کے لیے مال اور چندہ کرنے والے کو اسی مال میں سے اجرت دینا صحیح نہیں، اسی طرح دلال کو گھر کی قیمت میں سے مثلاً سو روپے میں سے دو روپے دینا صحیح نہیں کیونکہ ان صورتوں میں اجرت معلوم

نہیں۔ باقی یہ چندہ وغیرہ کرنے والے عاملین صدقہ کی دلیل سے جو لینے کی کوشش کرتے ہیں یہ غیر مشروع اور حرام ہے کیونکہ صدقہ کرنے والا تو فقراء مساکین یا مساجد وغیرہ کے لئے دے رہا ہے نہ کہ ان عاملین کے جیب بھرنے کے لئے اگر یہ سفر وغیرہ کی تکالیف برداشت کئے بغیر لیں گے تو یہ ظلم اور جھوٹ شمار ہوگا۔

تیسری بحث......اجارہ کی صفت اور اس کا حکم

صفت اجارہ......حنفیہ کے ہاں اجارہ عقد لازم ہے البتہ کسی عذر کی بناء پر اس کو فسخ کرنا جائز ہے دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ...... ''اپنے اقراروں کو پورا کرو۔'' المائدہ:۵/۱

اور فسخ کرنا اصل کے اعتبار ایفاء اقرار و عقد نہیں۔ جمہور علماء کے ہاں اجارہ ایسا عقد لازم ہے جو صرف ان ہی وجوہات کی بنا پر فسخ ہو سکتا ہے جن سے دوسرے عقود لازمہ فسخ ہو سکتے ہیں مثلاً عیب پایا جانا، منفعت کے محل کا ختم ہو جانا، دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ...... ''اپنے اقراروں کو پورا کرو۔'' المائدہ:۵/۱

نیز اجارہ منافع پر عقد ہے جو نکاح کے مشابہ ہے اور یہ عقد معاوضہ ہے بیع کی طرح فسخ نہیں ہوگا۔ اسی اختلاف پر مرتب ہے کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ عاقدین یعنی مستاجر اور موجر میں سے کسی ایک کی فوت کی وجہ سے اجارہ فسخ ہو جائے گا، اس لئے کہ اگر عقد کو باقی رکھا جائے تو پھر منفعت جس کا مستاجر عقد کی وجہ سے مالک ہوا تھا یا اجرت جس کا موجر عقد کی وجہ سے مالک ہوا تھا بغیر عقد کرنے والے کے رہ جائیں گے اور یہ جائز نہیں، کیونکہ مورث سے وارث کی طرف انتقال منفعت یا اجرت مملوکہ میں متصور نہیں، اس لئے کہ عقد اجارہ منافع پر یکے بعد دیگرے منعقد ہوتا رہتا ہے۔

اگر ہم اس کے منتقل ہونے کے قائل ہو جائیں تو یہ ایسی بات ہوگی کہ مورث جس کا مالک نہیں وہ وارث کی طرف منتقل ہو رہی ہے، کیونکہ شئی عین کی ملکیت تو وارث کی طرف منتقل ہوتی ہے اور منافع تو وارث کی ملکیت میں پیدا ہوگا، جس کا مستاجر مستحق نہیں اس لئے کہ اس کے وارث کے ساتھ عقد نہیں کیا۔

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اجارہ عاقدین میں سے کسی ایک کے مرجانے کی وجہ سے فسخ نہیں ہوتا، کیونکہ اجارہ عقد لازم ہے اور عقد معاوضہ ہے پس عاقد کی موت سے بیع کی طرح فسخ نہیں ہوگا۔

عقد اجارہ میں خیار......عین کے اجارہ میں خیار عیب ثابت ہے مثلاً زرعی زمین کے کنویں کا پانی ختم ہو جانا، گاڑی کے اسٹیرنگ وہیل کا خراب ہو جانا۔ ذمہ کے اجارہ میں خیار عیب ثابت نہیں۔ اور موجر پر لازم ہے کہ جب عین عیب دار ہو جائے تو اس کا متبادل پیش کرے، نیز عقد اجارہ میں خیار مجلس اور خیار شرط ثابت نہیں، کیونکہ اجارہ عقود مغرورہ میں سے ہے اور خیار بھی غرر ہے تو ایک غرر دوسرے غرر سے نہیں ملایا جا سکتا۔

اجارہ کا حکم......صحیح اجارہ کا حکم یہ ہے کہ اس کی منفعت میں مستاجر کی ملکیت ثابت ہو جائے گی اور مقرر شدہ اجرت میں موجر کی ملکیت ثابت ہوگی، کیونکہ اجارہ بھی عقد معاوضہ ہے اس لئے کہ یہ منفعت کی بیع ہے۔ ❶

اور فاسد اجارہ کا حکم یہ ہے کہ جب مستاجر منفعت کو پورا پورا وصول کرے تو اجرت مثل اس طور پر واجب ہوگی کہ مقررہ اجرت سے زیادہ نہ ہو، مطلب یہ ہے کہ حنفیہ کے ہاں اجرت مثل اور مقررہ اجرت میں سے جو کم ہو وہ واجب ہے جبکہ کسی شرط فاسد کی وجہ سے اجارہ فاسد ہوا ہو

---

❶......البدائع:۴/۲۰۱

نہ کہ مسمی کی جہالت کی وجہ سے اور نہ ہی مقرر نہ کرنے کی وجہ سے کیونکہ ان دوصورتوں میں اجرت مثل ہی ہوگی چاہے جتنی بھی ہو۔❶ امام زفر، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے ہاں اجارۂ فاسدہ میں اجرت مثل ہی واجب ہے چاہے جتنی بھی ہو جیسا کہ بیع میں اسی طرح ہے جب بیع فاسد ہو جائے تو۔❷ میں عنقریب اجارۂ صحیحہ کے ثبوت کا حکم آنے والے مطلب میں اجارہ کی دوقسموں کے بیان میں واضح کروں گا۔

چوتھی بحث......اجارہ کی دوقسمیں اوران کے احکام

اجارہ کی دوقسمیں ہیں:

۱......منافع کا اجارہ یعنی معقود علیہ منافع ہو۔

۲......عمل کا اجارہ یعنی معقود علیہ عمل (کام) ہو۔

منافع کے اجارہ کے احکام......منافع کا اجارہ جیسے گھروں دکانوں، پلاٹوں سواریوں، کپڑوں اور زیور کا پہننے کے لئے برتنوں کا استعمال کے لئے اجارہ، جائز ہے مباح منافع پر اجارہ کرنا، البتہ حرام منفعت کا اجارہ جائز نہیں کیونکہ یہ حرام ہیں لہٰذا ان پر اجرت وعوض لینا جائز نہیں جیسے مردار، اور خون وغیرہ اس میں سب علماء کا اتفاق ہے۔

اجارہ کے ثبوت حکم کی کیفیت......حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں محل عقد یعنی منفعت میں تھوڑا تھوڑا کر کے جیسا جیسا اس کا وجود ہو حکم اجارہ ثابت ہوتا جائیگا۔ کیونکہ اس کی وصولیابی تھوڑی تھوڑی کر کے ہوتی ہے۔❸

شوافع اور حنابلہ کے ہاں اسی وقت اجارہ کا حکم ثابت ہوگا اور مدت اجارہ کو تقدیراً موجود شمار کیا جائے گا یا کہ یہ عین اور موجود شئی ہے۔❹ اسی اختلاف پر یہ مسائل متفرع ہوتے ہیں۔

۱......اجرت اگر مطلق ذکر کی تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں صرف عقد ہی سے اس میں ملکیت ثابت ہو جائے گی، کیونکہ اجارہ عقد معاوضہ ہے اور معاوضہ جب بغیر کسی شرط کے ذکر ہو تو وہ عوضین پر عقد کے بعد ملک کا تقاضا کرتا ہے جیسے کہ بائع بیع کی وجہ سے ثمن کا مالک ہو جاتا ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں صرف عقد سے اجرت میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ جزء جزء کر کے اس میں منافع کے قبضہ کے ساتھ ساتھ ملکیت ثابت ہوگی، پس موجر اجرت کے مطالبہ کا استحقاق تدریجاً رکھتا ہے، کیونکہ وہ معاوضہ جس میں کوئی شرط ذکر نہ ہو جب اس میں کسی ایک عوض پر ملکیت ثابت نہ ہو تو دوسرے عوض میں بھی ملکیت ثابت نہ ہوگی کیونکہ عاقدین کے عقود میں برابری مطلوب ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں اجرت کب واجب ہوتی ہے؟ تین چیزوں میں سے ایک چیز کی وجہ سے اجرت واجب ہوتی ہے اور موجر اس کا مالک ہو جاتا ہے۔

۱......اجرت ارجنٹ بطور شرط رکھی گئی ہو عقد میں۔

۲......بغیر شرط کے ارجنٹ ادا کر دینا کیونکہ مستاجر کا اجرت تاخیر سے دینے میں اس کا حق ثابت ہو جاتا ہے پس وہ اس کے حق کو ارجنٹ ادائیگی سے باطل کر کے مالک بن سکتا ہے، جیسے اس پر کسی کا قرض ہو مؤجل تو وہ اس کو فوراً ادا کر دے۔

۳......معقود علیہ یعنی منافع کی وصولی جو کہ تھوڑی تھوڑی ہوتی ہے یا وصولیابی کی قدرت یعنی شی عین کو مستاجر کے سپرد کر دینا، یا چابیاں دے دینا، کیونکہ مستاجر اس صورت میں عوض کا مالک ہو جاتا ہے اور موجر بھی عوض کا مالک ہو جائے گا اس کے مقابلہ میں معاوضہ مطلقہ میں عاقدین کے درمیان برابری ثابت کرنے کی وجہ سے۔ جب عاقدین کے درمیان اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ اجرت مدت اجارہ مکمل ہونے کے

❶......البدائع: ۱۹۵/۴۔ ❷مغنی المحتاج: ۳۵۸/۲۔ ❸البدائع: ۲۰۱/۴۔ ❹المغنی لابن قدامہ: ۴۰۶/۵۔

بعد واجب و ثابت ہوگی تو اس طرح بھی جائز ہے، اس لئے کہ اجرت میں تاجیل ہے جیسا کہ ثمن میں بھی ہوتی ہے۔لیکن اگر عقد اجارہ میں کوئی شرط نہ لگائی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس بارے میں دو قول ہیں، ایک متقدم ایک موخر۔البتہ قول متقدم جو پہلا ہے یہی امام زفر کا قول بھی ہے وہ یہ کہ اجرت مدت اجارہ کے آخر میں واجب ہوتی ہے کیونکہ مدت کا منافع ہو یا مسافت کا معقود علیہا ہونے میں دونوں برابر ہیں پس جب تک اس نے سب کا سب نفع حاصل کر لیا تو اس کے بدلے کچھ بھی ثابت نہیں ہوگا۔اور امام صاحب کا قول متاخر جو کہ مشہور بھی ہے اور یہی صاحبین کا بھی قول ہے: وہ یہ کہ اجرت تھوڑی تھوڑی کر کے ثابت و واجب ہوتی ہے جیسے ایک دن گزرے مستاجر اجرت سپرد کر دے کیونکہ اجرت پر ملکیت منافع کے اعتبار سے آتی ہے اور منافع میں ملکیت تھوڑی تھوڑی کر کے وقتاً فوقتاً وقت گذرنے سے ہوتی ہے پس اجرت پر ملکیت بھی اسی طرح ثابت ہوئی ❶ پس اس قاعدے کی وجہ سے اجرت وقتاً فوقتاً سپرد کرنا واجب ہوتی ہے جو متعذر کو مشکل ہے لہٰذا استحساناً یومیہ یا ایک مدت کے اعتبار سے لازم کی گئی ہے۔شوافع اور حنابلہ کے ہاں اجرت کی معجّل یا موجل ہونے کے اعتبار سے تو ان حضرات نے لکھا ہے کہ اگر اجارہ، اجارۂ ذمہ ہو تو اس میں مجلس عقد ہی میں اجرت سپرد کرنا شرط ہے، کیونکہ یہ بیع سلم کے رأس المال کی طرح ہے گویا کہ مستاجر کہتا ہے کہ میں آپ کو دس لیرے (رومی کرنسی کے) دوں گا آپ میرا یہ سامان فلاں جگہ تک پہنچادیں یا یہ کہتا ہے میں آپ سے اجرت پر لیتا ہوا لخ، کیونکہ اجرت کا موخر کرنا بیع الدین بالدین کے قبیل سے ہے۔اور اگر اجارہ اجارۂ عین ہے پھر اگر اس میں اجرت متعین ہے مثلاً میں آپ کو اجرت پر لیتا ہوں ایک سال کے لئے اس مجموعی رقم کے بدلے، تو اس کو مؤجل کرنا صحیح نہیں اور اگر اجرت ذمہ میں ہے مثلاً کہا: اس مجموعے کی صفحات کے ساتھ تو اس کو معجّل اور مؤجل ادا کرنا اور بوقت اطلاق معجّل ادا کرنا واجب ہے، جیسا کہ عقد بیع میں حالاً اور موجل۔

۲.....مذکورہ خلاف پر ہی اجرت کے واجب ہونیکی کیفیت بھی متفرع ہے کہ حنفی اور مالکیہ کے ہاں موجر پر واجب ہے کہ عقد کے فوراً بعد شی مستاجرہ کو سپرد کر دے، تاکہ مستاجر اس چیز کی منفعت کا مالک بن گیا ہے، اور وہ اجرت کی وصولی تک اس کو روک کر نہیں رکھ سکتا، کیونکہ صرف عقد سے ان کے ہاں اجرت واجب نہیں ہوتی، پس یہ یومیہ طور پر اجرت کے مطالبہ کا حق رکھتا ہے کیونکہ معقود علیہ یعنی منافع بھی مستاجر اسی طرح وصول کر رہا ہے گویا منافع بھی معدوم ہے تو اس پر اجرت واجب نہیں اور یہ بیع کے برعکس ہے کیونکہ بیع میں عقد کے بعد ثمن دینا واجب ہیں۔

۳.....اور اسی اختلاف کے مطابق حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں مستقبل کی طرف منسوب اجارہ جائز ہے، مثلاً وہ دوسرے شخص کو کہے کہ میں اپنا گھر تجھے فلاں مہینے کے شروع سے کرائے پر دیتا ہوں، یا پھر تمہیں ایک سال کے لئے کرائے پر رمضان المبارک کے شروع سے دیا، جبکہ عقد رجب میں ہو رہا ہے، کیونکہ عقد اجارہ تھوڑا تھوڑا کر کے منعقد ہوتا ہے، معقود علیہ کے پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ پس عقد منفعت کے پائے جانے کے وقت ضمنی دلالت سے ہوگا، جبکہ یہ مستقبل کے اجارہ کی اجازت صرف اجارہ میں ضرورت کی وجہ سے ہے نہ کہ بیع میں۔اور حنفیہ کے مذہب کے موافق اگر موجر، اجارہ پر دیئے ہوئے گھر کو فروخت کرے تو مستاجر کے لئے اس کا خریدنا صحیح نہیں اگر وہ وقت نہ بھی آیا ہو جس کی طرف عقد اجارہ کو منسوب کیا ہوا ہے۔حنابلہ نے اس کے صحیح ہونے پر استدلال کیا ہے کہ بایں طور کہ یہ مدت مستقبل میں ہے تو اس کے ساتھ کسی اور سے عقد کرنا درست ہے لہٰذا اکیلے اس سے بھی عقد کرنا درست ہے اور سپرد کرنے کی قدرت کی شرط تو وجوب تسلیم کے وقت ہے جیسا کہ مسلم فیہ میں ہوتا ہے۔

اور شوافع کے ہاں:......عین کا اجارہ منفعت مستقبلہ کے لئے درست نہیں جیسے گھر کا اجارہ آئندہ سال کے لئے یا سال کے لئے جو آئندہ کل سے شروع ہو، جب تک مدت عقد کے ساتھ متصل نہ ہو اجارہ درست نہیں کیونکہ اجارہ منفعت کی بیع ہے اور اس کے جواز کی

❶.....البدائع: ۲۰۱/۴۔

صورت ان کے ہاں یہ ہے کہ منافع کی مدت کو تقریری موجود مان لیا جائے عقد کے بعد، اس لئے کہ حکم عقد کے محل کا موجود ہونا ضروری ہے، تو منافع کو عین شمار کیا جائے گا، اور ایسے عین کی طرف عقد کی اضافت جو عین بعد میں پایا جائے گا صحیح نہیں، جیسا کہ عین کی بیع میں، البتہ اجارہ ذمہ اس میں منفعت کو مؤجل کرنا درست ہے مستقبل میں مدت معلوم ہو مثلاً میں آپ کے بوجھ کو مکہ پہنچانے کا ذمہ اپنے لئے لازم کرتا ہوں فلاں مہینے کے شروع میں۔ یہاں منافع کے اجارہ کے اور احکام بھی ہیں جو میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں وہ درج ذیل ہیں۔

اجارہ پر دی گئی شے سے نفع اٹھانے کی کیفیت...... جب کسی آدمی نے گھر، دکان یا اس طرح کی کوئی چیز منزل وغیرہ کرائے پر لی تو اس سے وہ جس طرح بھی چاہے نفع اٹھا سکتا ہے یعنی خود اس میں رہائش اختیار کرے یا کسی دوسرے کو اجارہ پر دے دے یا عاریۃً دے دے، نیز اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ اس میں وہ اپنا سامان رکھے یا کسی دوسرے کا سامان رکھوائے سوائے اس کے کہ اس میں کسی لوہار، دھوبی، آٹا پیسنے والے کو آٹے کے لئے اور ایسے استعمال کے لئے دے کہ جس سے عمارت کمزور ہوتی ہو جدید آلات وغیرہ کے لئے دینا صحیح نہیں ہوگا، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اجارہ نفع حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے، گھر وغیرہ رہائش کی صورت میں فائدہ حاصل کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں اور رہائشی اعتبار سے لوگوں میں عادۃً کوئی تفاوت نہیں ہوتا، پس متعین کرنے کے بغیر بھی سب سے بہتر فائدہ معلوم ہے رہ گیا لوہار وغیرہ کا صحیح نہ ہونا، کیونکہ مطلق عقد لوگوں کے درمیان متعارف نفع کی طرف لوٹتا ہے، اور پیشہ ور حضرات کے آلات سے عمارت پر اثر ہوتا ہے جس کی وجہ سے عین اجارہ کی چیز کو نقصان ہوتا ہے اور اجارہ تو منفعت کی بیع کا نام ہے نہ کہ عین کی بیع کا اور یہ کہ مستاجر نفع کا مالک ہوتا ہے تو اس کو اختیار ہے اس سے خود نفع اٹھائے یا کسی دوسرے کو نفع کے لئے دے دے بطور اجارہ یا اعارہ۔

رہ گیا زمین کا اجارہ تو اس میں زراعت، درخت، عمارت وغیرہ بنانے کے اعتبار سے اس کی وضاحت ضروری ہے، ورنہ اجارہ فاسد ہوگا، اسی طرح اگر اجارہ زراعت کے لئے ہو تو پھر جو کچھ ہونا ہے اس کی وضاحت بھی ضروری ہے، یا اس طرح اجارہ کرے کہ جو چاہے گا بوئے گا۔ ورنہ اجارہ فاسد ہوگا، اس لئے کہ زمین کے منافع عمارت کی تعمیر، زراعت اور جو کچھ بویا جائے اس کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں اور بیج زمین میں مختلف تاثیر کرتے ہیں۔

اور سواریوں (جانوروں) کے اجارہ میں دو چیزوں میں سے ایک چیز کا بیان کرنا ضروری ہے، مدت کا بیان یا جگہ کا بیان اگر ان دو میں سے ایک کی تعین نہ کی تو اجارہ فاسد ہو جائے گا، اسی طرح اس کا بیان بھی ضروری ہے کہ سامان لادنا ہے یا سواری کرنی ہے، کیونکہ یہ دونوں فائدے مختلف ہیں، اور اسی طرح اس چیز کا بیان بھی ضروری ہے کہ اس پر کیا لادے گا اور کون سواری کرے گا، کیونکہ بوجھ محمول کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، اور لوگ سواری کرنے میں متفاوت ہوتے ہیں، پس اس کا بیان نہ کرنا نزاع کی طرف لے جانے والا ہے، تو اجارہ فاسد ہوا اور جس وقت مستاجر منفعت کو عقد فاسد سے حاصل کرے گا تو اس پر قیاس کے اعتبار سے اجر مثل واجب ہوگا، کیونکہ اس نے عقد فاسد سے منافع حاصل کیا، جیسا کہ ہم ''حکم الاجارہ'' میں جان چکے ہیں، مگر استحساناً اجرت مسمی واجب ہوگی، کیونکہ مفسد عقد وہ جہالت ہے جو منازعت کی طرف لے جانے والی ہے اور وہ زائل ہو چکی، اور علت مفسدہ کے ختم ہونے سے فساد ختم ہو جاتا ہے۔

عین مستاجرہ کی درستگی...... کبھی کبھی گھر وغیرہ اصلاح درستگی کا محتاج ہوتا ہے مدت اجارہ میں مثلاً دیواروں کی لیپائی، پانی ٹپکنے کی جگہوں کا بند کرنا، اور صحیح اوزار کا خراب ہو جانا، اب اس اصلاح درستگی کو کون کرے گا یہ کس کے ذمہ لازم ہے؟ تو حنفیہ کے ہاں مالک مکان موجر اکیلا اس کی درستگی کا ذمہ دار ہے نہ کہ مستاجر کہ وہ اس کی دیواروں کی لیپائی کرائے، پانی آنے کی جگہوں کو بند کرے، اور جو چیز عمارت وغیرہ کی گر جائے، یعنی اس کو قابل نفع بنانا مالک کا کام ہے، کیونکہ گھر مالک کی ملکیت میں ہے، اور ملکیت کی اصلاح مالک کے ذمہ ہے، ہاں اتنی بات ہے کہ اسے درست کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ مالک کو اپنی مملوکہ چیز کی درستگی کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا، اور مستاجر کے لئے خیار ہے

اجارہ فسخ کرنے کا، کیونکہ یہ خلل عیب شمار ہوتا ہے معقود علیہ میں۔ اسی طرح موجر وہ ایک کے ذمہ ہے کنویں اور نالی وغیرہ کے ڈول کو درست کرنا، اگر چہ وہ مستاجر کے عمل سے بھر جائے لیکن اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اور مستاجر کے ذمہ وہ مٹی اٹھانا لازم ہے جو جھاڑوں وغیرہ کے ذریعہ جمع ہوگئی ہے جبکہ مدت اجارہ ختم ہو، کیونکہ مٹی اس کے عمل سے جمع ہوتی ہے تو یہ ایسا مٹی کی طرح ہوگئی جو گھر میں رکھی گئی ہو۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مستاجر ہی ذمہ دار ہو ڈول وغیرہ یا نالی وغیرہ کے بھر جانے کی صورت میں نکالنے کا، کیونکہ اس کا بھر جانا اس کے عمل سے ہے، پس کوڑا کرکٹ اور راکھ اٹھانے کی طرح یہ بھی وہ اٹھائے، مگر حنفیہ استحسان سے اس کے نکالنے کو مالک مکان کے ذمہ لگاتے ہیں عرف وعادت کی وجہ سے، کیونکہ لوگوں کی عادت ہے کہ جو چیز زمین میں پوشیدہ ہو اس کا نکالنا مالک کے ذمہ ہے، اگر مذکورہ بالا اشیاء مستاجر نے درست کریں تو وہ اس میں متبرع شمار ہوگا، اس سے رقم کا حساب نہیں ہوگا، کیونکہ اس نے غیر کی مملوکہ چیز کو اس کی طلب کے بغیر درست کیا ہے لیکن اگر اس نے یہ کام مالک یا اس کے نائب کے کہنے پر کیا تو پھر اس کی اجرت شمار ہوگی۔ ❶

مدت اجارہ ختم ہونے پر مستاجر کی ذمہ داریاں...... جب مدت اجارہ ختم ہوجائے تو مستاجر کے ذمہ بعض ذمہ داریاں ہیں ان میں سے اہم درج ذیل ہیں۔

پہلی ذمہ داری...... مستاجر کے ذمہ لازم ہے کہ وہ گھر اور دکان وغیرہ کی چابی مدت اجارہ ختم ہونے کی بعد مالک کو دے دے۔

دوسری ذمہ داری...... اگر کسی شخص نے جانور وغیرہ ایک خاص شہر سے سواری یا سامان لادنے کے لئے لیا معلوم جگہ تک آنے جانے کے لئے تو مستاجر کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اس جگہ پر واپس پہنچائے جہاں سے اس نے لیا تھا، اس وجہ سے نہیں کہ اس کے ذمہ زادراہ واجب ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ وہ مسافت عقد کو شامل ہے، کیونکہ عقدہ اجارہ جانور کو واپس اس جگہ تک پہنچانے پر ہی ختم ہوجاتا ہے، اگر وہ جانور کو اپنے گھر لے گیا، اور اس کو ٹھہرائے رکھا یہاں تک کہ وہ ہلاک ہوگیا تو یہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا، کیونکہ اس نے تعدی کی ہے موضع عقد سے دوسری جگہ لے جانے میں۔ اگر مستاجر نے کہا: میں اس پر فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک سوار ہوکر جاؤں گا اور واپس اپنے گھر آؤں گا۔ تو پھر مستاجر کے ذمہ مالک کے گھر پہنچانے کی ذمہ داری نہیں، کیونکہ جب وہ اپنے گھر واپس آگیا تو مدت اجارہ ختم ہوگیا، تو جانور اس کے قبضہ میں امانت کے طور پر رہ گیا تو ودیعت کی طرح اس کو واپس کرنا لازم نہیں۔ اور اگر اس نے جانور کرائے پر لیا کہ وہ اس پر سوار ہوکر کسی بھی شہر میں وقت معلوم میں جائے گا، وقت گذر گیا تو مستاجر پر اس کا مالک کو لوٹانا واجب نہیں کہ وہ اس کے گھر پہنچائے، بلکہ موجر و مالک کے ذمہ ہے کہ وہ مستاجر کے گھر سے خود لے کر آئے، کیونکہ منفعت جو مستاجر نے حاصل کی وہ عوض کے بدلے تھی، اور وہ اجرت ہے جس کا موجر مستحق ہے پس مستاجر کے ذمہ واپس کرنا واجب نہیں تو ودیعت کی طرح یہ اس کے قبضہ میں امانت کے طور پر ہے، یہاں تک کہ اگر اس نے اس کو کئی دن تک اپنے پاس روکے رکھا اور وہ اس کے قبضہ میں ہلاک ہوگیا، تو یہ کسی چیز کا ضامن نہ ہوگا، برخلاف مستعیر اور غاصب کے کیونکہ یہ دونوں مالک تک پہنچانے کے ذمہ دار ہیں کیونکہ مستعیر عاریت سے نفع اٹھا رہا ہے بغیر عوض کے، اور غاصب کا مغضوب چیز میں کوئی حق نہیں۔ ❷

کام (عمل) کے اجارہ کے احکام...... کام کا اجارہ یہ ہے کہ معلوم عمل پر عقد کیا جائے مثلاً تعمیر عمارت، قمیض وغیرہ سینا سامان (بوجھ) ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا، کپڑے رنگنا، جوتے سینا وغیرہ۔

اجیر کی دو قسمیں ہیں:

۱......اجیر خاص ۲......اجیر مشترک

---

❶......البدائع: ۲۰۸/۴۔ ❷البدائع: ۲۰۹/۴۔

اجیر خاص......وہ شخص ہے جو کسی ایک ہی آدمی کا کام کرے معلوم مدت تک اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے لئے اپنے مستاجر کے علاوہ کسی دوسرے کا کام کرنا جائز نہیں۔ اور اجیر مشترک وہ ہے جو عام لوگوں کا کام کرے جیسے رنگ ساز، لوہار، داغ لگانے والا یا کپڑے پریس کرنے والا وغیرہ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے لئے تمام لوگوں کا کام کرنا جائز ہے، اور مستاجر اس کو کسی دوسرے کے کام سے منع کرنے کا مجاز نہیں۔ یہ بات بلاذہن میں رہے کہ دائی (دودھ پلانے والی) جیسے دودھ پلانے کے لیے اجرت پر لی جاتی ہے وہ اجیر خاص کے حکم میں ہے، اس کے لئے کسی دوسرے بچے کو دودھ پلانا جائز نہیں۔ اگر اس نے کسی دوسرے بچے کو بھی اس بچے کے ساتھ دودھ پلایا تو یہ نافرمانی ہے، اور اگر اس بچے کو تکلیف ہوتی ہے تو پھر یہ گناہ گار ہوگی۔

اور اس کے لئے دونوں بچوں کو دودھ پلانے کی اجرت ہوگی استحساناً، کیونکہ عقد مطلق دودھ پلانے پر ہوا ہے، اور یہ پایا گیا۔ جبکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے لئے اجرت نہ ہو، کیونکہ عقد اس کے عمل پر ہوا ہے لہٰذا غیر کے لئے عمل کرنے کی وجہ سے اجرت کی مستحق نہیں ہونا چاہئے۔

دائی پر لازم ہے کہ وہ بچے کو دودھ دھوئے اور اس کی پرورش کرے جس چیز کا وہ محتاج ہے مثلاً غسل کرنا، کپڑے دھونا، اس کے لئے کھانا پکانا، اور بچے کے باپ کے ذمہ کھلانے کا خرچہ ہے، اور اسی طرح جس چیز کی بچے کو ضرورت ہے مثلاً تیل، خوشبو وغیرہ، باقی جو ''اصل'' (امام محمد کی کتاب) میں ہے کہ دائی کے ذمہ بچے کو خوشبو لگانا اور تیل لگانا ہے یہ اس علاقے کے لوگوں کی عادت پر محمول ہے۔

شوافع کے ہاں اجارہ کی دو قسمیں......شوافع کے ہاں اجارہ کی دو قسمیں ہیں:

۱......عین کا اجارہ ۲......ذمہ کا اجارہ۔

۱۔ عین کا اجارہ......یہ ہے کہ جو کسی متعین چیز کی نفع سے متعلق ہو مثلاً یہ گھر، یہ گاڑی وغیرہ، اور اس میں تین شرطیں ہیں ۱۔ اجرت متعین ہو، ۲۔ یا اجرت معلوم ہو لہٰذا ''ان دو گھروں میں سے ایک گھر کو اجارہ پر دیتا ہوں'' کے الفاظ سے اجارہ درست نہیں ہوگا، ۳۔ جس چیز کا اجارہ ہو رہا ہے متعاقدین نے اس کو دیکھا بھی ہو، پس اس گھر یا گاڑی کا اجارہ درست نہیں ہوگا جس کو عاقدین نے دیکھا نہ ہو، ہاں اگر اتنی مدت پہلے اس کو دیکھا تھا کہ اس مدت میں اس میں کوئی تبدیلی واقع ہونا ممکن نہ ہو تو درست ہے، نیز اجارہ کو مستقبل کی طرف مضاف نہ کیا جائے، جیسے گھر کا اجارہ آئندہ ماہ سے یا آئندہ سال ہے۔

۲۔ اجارہ ذمہ......وہ اجارہ جو موجر کے ذمہ کے نفع سے متعلق ہو، جیسے جانور یا کسی گاڑی کو کسی دوسری جگہ تک لے جانے کے لئے کرائے پر لینا، یا ایک خاص مدت تک کے لئے لینا، یا کسی متعین کام کو کرنا مثلاً عمارت تعمیر کرنا، کپڑے سینا، وغیرہ اس میں دو شرطیں ہیں۔ ۱۔ اجرت نقد ہو، کیونکہ یہ اجارہ بیع سلم سے منافع کی پس رأس المال کو سپرد کرنا شرط ہے، ۲۔ عین مستجارہ کو متعین کرنا جنس، نوع اور صفت کے اعتبار سے جیسے گاڑی، کشتی، بڑی یا چھوٹی یا نئی یا پرانی۔

پانچویں بحث......شئی مستجارہ کا ضمان، اجیر کا ضمان اور عین کے ہلاک ہونے سے اس کی اجرت کے ساقط ہونے کا بیان

یہاں پر عین کے اجیر کا ضمان اور شئی مستاجرہ کے جس کو کوئی بھی فائدے کے لئے لے اس کے ضمان کے متعلق بات ہوگی۔

شئی مستاجرہ کا ضمان......منافع کے اجارہ میں مستاجر کے عین کے قبضہ کو قبضہ امانت شمار کیا جاتا ہے، پس اس کی تعدی اور کوتاہی کے بغیر اگر کوئی نقصان ہو گیا تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ اور نفع اٹھانا مقتضی عقد اور اس کی شرائط اور عرف سے مقید ہوگا۔

اجیر کا ضمان...... یہ بات معلوم ہے کہ اجیر کی دو قسمیں ہیں، خاص اور عام، اجیر خاص (تو وہ ہے جو مدت کے اندر اپنے آپ کو کسی کے سپرد کر دے تو اجرت کا مستحق ہوتا ہے چاہے کام نہ بھی کرے) جیسے گھروں میں نوکر اور کوٹھیوں کے چوکیدار وغیرہ تمام مذاہب کے آئمہ (یعنی حنفیہ، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ) اس بات پر متفق ہیں کہ وہ اس شئی کا ضامن نہیں ہوگا جو اس کو کام کرنے کے لئے دی گئی ہے، کیونکہ اس کا قبضہ وکیل اور مضارب کی طرح امانت کا قبضہ ہے، جیسے کسی شخص نے درزی کو اجرت پر لے لیا یا لوہار کو ایک دن یا ایک ماہ کے لئے کہ وہ صرف اس کا کام کرے گا، پس وہ چیز جو اس کے ہاتھ سے ہلاک ہوگی اس کا یہ ضامن نہیں ہوگا، جب تک اس کی طرف سے کوتاہی اس کی حفاظت میں نہ پائی گئی ہو، چاہئے اس کے ہاتھ سے وہ چیز ضائع ہو جائے یا دوران کام ضائع ہو جائے۔ اور اجیر عام وہ ہے جو تمام لوگوں کا کام کرتا ہو یا جو اجرت کا مستحق کام کرنے کی وجہ سے ہوتا ہو، نہ کہ نفس سپرد کرنے کی وجہ سے۔ جیسے کاریگر، رنگ ساز دھوبی وغیرہ، اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، امام اعظم ابوحنیفہ، زفر، حسن بن زیاد، صحیح مذہب کے مطابق حنابلہ اور امام شافعی ان کے صحیح قول کے مطابق البتہ یہ بات ہے کہ اس بات پر فتویٰ نہیں دیتے لوگوں کے فساد کی وجہ سے کہ اجیر مشترک کا قبضہ بھی قبضہ امانت ہے جیسے اجیر خاص، پس جو کچھ اس کے پاس تلف ہوگا وہ اس کا ضامن نہ ہوگا ہاں اگر کوتاہی اس کی طرف سے ہو تو پھر ضامن ہوگا کیونکہ قاعدہ ہے کہ ضمان صرف تعدی کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے:

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾ البقرۃ: ۲/۱۹۳

اب تعدی نہیں پائی گئی اس اجیر سے، کیونکہ یہ قبضہ کی وجہ سے اجازت یافتہ ہے، ہلاک ہونا اس کا سبب نہیں۔

صاحبینؒ اور امام احمد رحمہ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے کہ اجیر مشترک کا قبضہ ضمان کا قبضہ ہے جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہلاک ہوگا وہ اس کا ضامن ہوگا اگرچہ اس کی کوتاہی بغیر ہی ہو ہاں اگر ہلاک عام آگ کی وجہ سے یا غرق غالب کی وغیرہ کی وجہ سے ہو یہ حضرات حضرت عمر اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فعل سے استدلال کرتے ہیں۔ بغدادی نے حنفیہ کی بعض کتابوں کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے کیونکہ لوگوں کے حالات تبدیل ہوئے ہیں اور کسی کی وجہ سے لوگوں کے مال محفوظ رہ سکتے ہیں۔

مالکیہ کے ہاں...... اجیر مشترک پر ضمان ہوگا ان اعیان کا جن میں اس کے عمل کا دخل ہو، اور جو چیز اس کے ہاتھ سے تلف ہوا اگرچہ اس میں اس کی کوتاہی نہ بھی ہو، جبکہ چیز بھی ایسی ہو کہ اس کا پوشیدہ رکھنا ممکن ہو، پس دھوبی اس کپڑے کا ضامن ہوگا جو اس کے ہاتھ سے پھٹے گا اور کھانے پکانے والا جو کھانا ضائع ہو اس کا ضامن ہوگا، اور روٹیاں پکانے والا جو روٹیاں ضائع ہوں گی ان کا ضامن ہوگا، اور قلی ضامن ہوگا اس بوجھ کا جو اس سے گرے گا، یا اس کے پھسلنے سے جو مال ضائع ہوگا، اونٹ بان (ساربان) اپنی قیادت کی وجہ سے جس چیز کو تلف کرے گا اس کا ضامن ہوگا اور اس اسی کے چھوٹ جانے کی وجہ سے جس سے اونٹ باندھا جاتا ہے۔ اور ملاح اس کا ضامن ہوگا، جو اس کے ہاتھ سے تلف ہوگی یا اس کا جس سے کشتی باندھی جاتی ہے اور ان کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، قبضہ والے کے اوپر ضمان ہے چونکہ وہ واپس نہ دے دے اور وہ حدیث جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رنگ ساز اور سونا ڈھالنے والے کو ضامن قرار دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے ''لوگ اس کے بغیر درست نہیں ہوتے'' اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ اجیر مشترک کو ضامن قرار دیتے تھے، لوگوں کے مالوں کی احتیاط کی وجہ سے، نیز اس وجہ سے بھی کہ اجیر مشترک نے عین کو قبضہ کیا ہے منفعت کے لئے استحقاق کے بغیر لہٰذا مستاجر کی طرح ضامن ہوگا، اور اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ علیہ کے ہاں طعام والا اجیر جو کچھ اٹھایا ہے اس کا ضامن ہوگا، سد الذرائع۔

امانت سے ضمان میں چیز کب تبدیل ہوتی ہے...... شئی ماجور جیسے رنگنے کے لئے کپڑے یا سینے کے لئے یا کشتی میں موجود مال یا سواری پر لادا ہوا مال وغیرہ پر اجیر کا قبضہ امانت ہے اور یہ اس عام قاعدے کی وجہ سے جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کی موافقت کرنے

والے علماء کے ہاں ہے۔ اسی بناء پر درج ذیل حالتوں میں امانت، ضمانت میں تبدیل ہوتی ہے: ❶

پہلی حالت...... حفاظت چھوڑ دینا کہ اجیر سامان کی حفاظت نہ کرے تو اس پر ضمان وتاوان لازم ہوتا ہے جیسا کہ مودع ودیعت کی حفاظت چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ ضائع ہوجائے تو وہ ضامن ہے۔

دوسری حالت...... تلف کرنا اور فاسد کرنا، جب اجیر اس میں کوتاہی کرے بایں طور کہ جان بوجھ کر اس کو ہلاک کردے یا کپڑے کوٹنے میں مبالغہ کرے اور وہ پھٹ جائیں تو ان صورتوں میں ضامن ہوگا چاہے اجیر خاص ہو یا عام۔

اور اگر اجیر اس کو ضائع کرنے میں کوتاہی نہ کرے بلکہ غلطی سے وہ ضائع ہوجائے اس کے عمل کی وجہ سے تو اب اگر اجیر اجیر خاص ہے تو بالاتفاق ضامن نہیں ہوگا، اور اگر اجیر مشترک (عام) ہے جیسے دھوبی جب کپڑے کوٹے اور وہ پھٹ جائیں یا اس کو کیمیکل ڈالے جس کی وجہ سے کپڑے جل جائیں یا ملاح کشتی کو جان بوجھ کر غرق کردے یا قلی (بوجھ اٹھانے والا) زمین پر پھینک دے اور سامان ضائع ہوجائے، ہاں مشترک چرواہا جانوروں کو ہانکتے ہوئے بعض جانوروں کو مارے تو اس میں کوئی ہلاک ہوجائے تو ان سب صورتوں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ اور صاحبین کا ہاں ضمان تاوان ہوگا۔ اس لئے کہ جس کام کی اجازت تھی وہ عمل صحیح تھا نہ کہ عمل مفسد کی، اور اس لئے بھی کہ عقل مند شخص اپنے مال کے ضائع ہونے پر راضی نہیں ہوتا، اور فاسد کے مقابلہ میں اجرت کا التزام نہیں کرتا، پس حکم مقید ہوگا اصلاح کے پہلو سے دلالۃً۔

شوافع اور امام زفر رحمہ اللہ کے ہاں ان تمام صورتوں میں اجیر کی طرف سے اگر کوتاہی اور تعدی نہ پائی جائے تو اجیر ضامن نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ فی نفسہ ماذون ہے اپنے عمل میں اگر اس کو اس کی اجازت نہ ہو تو پھر اس فساد سے بچنا ممکن نہیں، اس لئے کہ اس کے اختیار ہی میں نہیں اس کام کو بغیر حرج کے پورا کرنا اور حرج منفی ہے۔ ❷

اجیر مشترک کا شاگرد...... اگر ان مذکورہ بالا حالتوں میں اجیر عام کے شاگرد کے ہاتھ سے کوئی چیز ضائع ہوجائے، تو اس شاگرد پر کوئی ضمان نہیں، بلکہ ضمان وتاوان اس کے استاد پر ہوگا اس لئے کہ اصل میں وہی جواب دہ ہے، تو گویا اس نے یہ خود کیا۔ اگر شاگرد نے کپڑوں کو سفیدی کرتے ہوئے زیادہ رگڑا یہاں تک کہ کپڑے پھٹ گئے تو یہ شاگرد ضامن ہوگا کیونکہ کپڑوں کو رگڑنے کی اجازت نہ تھی۔ اگر شاگرد کے ہاتھوں چراغ گر کر سفیدی والے کپڑے جل گئے تو اس صورت میں تاوان معلم (استاد) پر ہوگا، نہ کہ شاگرد پر کیونکہ چراغ لانے لے جانے کی اجازت ہے تو استاد ہی اس کا جواب دہ ہوگا، گویا کہ یہ کام اس نے خود کیا، اسی طرح اگر شاگرد سے کپڑے کوٹنے کی موسلی گر کر کپڑے پھٹ گئے تو تاوان استاد پر ہوگا، کیونکہ سفیدی کرنے کے کام سے ہے لہٰذا فعل اسی کی طرف منسوب ہوگا۔ اگر وہ کپڑے جن پر موسلی گرگئی ہے ودیعت تھے تو ضمان شاگرد پر ہوگا، کیونکہ استاد سے شاگرد کے اسی کام کے بارے میں سوال ہوسکتا ہے جس کا وہ مالک ہے اور استعمال کرسکتا ہے وہ صرف کاریگری کے پیشے سے متعلق۔ ❸

دانت نکالنے والا، سینگی لگانے والا اور ختنہ کرنے والا...... یہ بات ذہن میں رہے کہ ان کا حکم پہلے حالات کے حکم سے مختلف ہے، جب یہ حضرات اپنا کام کریں پھر ان کے عمل کا اثر سرایت کرجائے اور وہ بندہ مرجائے تو ان کے ذمہ تاوان نہیں، کیونکہ اس سے بچنا ان کی طاقت میں نہیں۔ ❹

تیسری حالت...... مستاجر اگر موجر کی شرائط کی مخالفت کرے صراحۃً دلالۃً تو یہ مخالفت تاوان واجب ہونے کا سبب بن جائے گی۔ اور مخالفت کی کئی صورتیں ہیں یا تو جنس میں مخالفت ہوگی یا مقدار میں یا صفت میں یا مکان اور زمانے میں اور یہ مخالفت یا تو جانوروں کے اجارہ میں ہوگی یا کاریگروں کے اجارہ میں۔

❶......البدائع ۲۱۱/۴۔ ❷مغنی المحتاج: ۳۵۱/۲۔ ❸مجمع الضمانات بغدادی: ۴۳۔۴۵۔ ❹فتح القدیر: ۲۰۶/۷۔

جانوروں کے اجارہ میں مخالفت......جانور کا نقصان یا تو ہلکے پن یا بوجھل پن کی وجہ سے ہوگی یا جنس کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔

(الف)......اگر جانور کا نقصان ہلکے پن یا بوجھ پن کی وجہ سے ہو تو، اگر لادی جانے والی چیز اس کے مثل ہے جس پر موجر اور مستاجر دونوں متفق ہیں یا اس سے کم ہے تو جانور کے ہلاک ہونے کی صورت میں مستاجر پر کوئی تاوان نہیں، اس لئے کہ لادی جانے والی چیز کی تعیین کی صورت میں کوئی فائدہ نہیں، اور نہ ہی اس میں مخالفت ہے برابر ہونے یا کم ہونے کی وجہ سے۔ اور اگر لادی جانے والی چیز متفق علیہ وزن سے زیادہ ہے، اب اگر وہ اس جنس کے علاوہ ہے جس کا کہا گیا تھا، مثلاً جو کی جگہ پر گندم لاددی اور جانور ہلاک ہوگیا تو مستاجر قیمت کا ضامن ہوگا، اور اس کے ذمہ اجرت نہیں ہوگی، کیونکہ یہ ایسے فعل کی وجہ سے ہلاک ہوا ہے جس کی موجر کی طرف سے اجازت نہیں تھی، اور اس وجہ سے کہ اجرت اور ضمان دونوں جمع نہیں ہوتے اس لئے کہ ضمان واجب ہوا ہے اس کے غاصب ہونے کی وجہ سے تو غاصب پر اجرت نہیں ہوتی۔ ❶ اور اگر وہ چیز جو متفق علیہ وزن سے بوجھل ہے اسی جنس میں سے ہے جس پر اتفاق ہوا تھا، مثلاً گیارہ رطل لاد دیئے، دس رطلوں کی جگہ پر اب اگر جانور صحیح سالم رہا تو مستاجر کے ذمہ صرف وہی اجرت ہے جو مقرر ہوئی تھی، اور اس کے ذمہ ضمان نہیں لیکن اگر جانور ہلاک ہوگیا، تو مستاجر کے ذمہ دو چیزیں ہیں ایک تو جانور کی قیمت کا گیارہواں حصہ اور دوسرے طے شدہ اجرت، اس لئے کہ جانور ایسے فعل کی وجہ سے ہلاک ہوا ہے جس کی اجازت بھی تھی اور ایسے کی وجہ سے بھی جس کی اجازت نہ تھی لہٰذا نقصان کو اسی مقدار میں گیارہ حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا، لہٰذا زیادہ مقدار کا ضامن ہوگا۔

(ب)......اگر جانور جنس کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہلاک ہو مثلاً کسی نے ایک جانور روئی کی گٹھری لادنے کے لئے کرائے پر لیا اور اس پر لوہے کی گٹھری یا اس سے کم وزن لاد دیا جس کی وجہ سے جانور ہلاک ہوگیا تو مستاجر اس کی قیمت کا ضامن ہوگا، اس لئے کہ روئی کا بوجھ جانور کی پیٹھ پر پھیل جاتا ہے، جبکہ لوہے کا بوجھ ایک ہی جگہ پر جمع رہتا ہے جس کی وجہ سے جانور کی پیٹھ زچ ہوجاتی ہے اور اس سے وہ زخمی ہوتا ہے، پس اس کی اس کو اجازت نہ تھی تو یہ غاصب ہوا تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اس پر اجرت نہ ہوگی، جیسا کہ گزر چکا۔ اسی پر متفرع ہے یہ مسئلہ کہ اگر کسی نے اپنے سوار ہونے کے لئے جانور کرائے پر لیا، پھر اس نے کسی دوسرے کو سواری کے لئے دے دیا بوجھ میں اس سے بھاری یا ہلکا تھا اگر جانور ہلاک ہوگیا تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا، کیونکہ یہاں پر مخالفت بوجھل اور ہلکے ہونے کے اعتبار سے نہیں بلکہ ماہر اور ماہر نہ ہونے کے اعتبار سے ہے چونکہ اس اعتبار سے لوگوں میں واضح تفاوت پایا جاتا ہے۔ اور اگر جانور لیا اپنے سوار ہونے کے لئے پھر ساتھ ایک اور کو بھی سوار کرلیا، تو نصف قیمت کا ضامن ہوگا، یہ بھی اس صورت میں جبکہ جانور پر دو کا سوار ہونا ممکن ہو، کیونکہ اتلاف اس صورت میں اجازت شدہ اور غیر اجازت شدہ عمل کی وجہ سے ہوا ہے۔ لیکن اگر جانور دو کے سوار ہونے کا متحمل نہ تھا اور دو سوار ہوگئے تو پوری قیمت کا ضامن ہوگا اس لئے کہ دوسرے کو سوار کرنے کی وجہ سے نقصان ہوا۔

اگر کسی نے جانور زین کے اوپر والے کمبل کے ساتھ کرائے پر لیا پھر اس کمبل کو اتار دیا اور زین ڈال دی تو اس پر کوئی ضمان نہیں، کیونکہ زین کا نقصان کمبل سے کم ہے، اس لئے کہ زین جانور کی پیٹھ کا کم نقصان کرتی نہ کہ کمبل۔ اگر کسی نے گدھا لیا زین سمیت پھر اس پر ایک اور زین ڈال دی اب اگر وہ پہلی زین کی طرح ہے تو اس پر کوئی تاوان نہیں اس لئے کہ دو زینوں میں نقصان کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، لیکن اگر اس پر اس نے گھوڑے والی زین ڈالی تو ضامن ہوگا، کیونکہ وہ بڑی ہوتی ہے جس کی وجہ سے نقصان زیادہ ہوتا ہے گویا یہ جانور ہلاک کرنے کے مترادف ہے۔ اگر کسی نے گدھا زین سمیت کرائے پر لیا اور اس سے زین اتار دی اور اس پر پالان رکھ دیا جس کی وجہ سے گدھا مر گیا تو امام محمدؒ

---

❶......المبسوط: ۱۵/۱۴۷۔

کی کتاب ''اصل'' میں ہے کہ زین سے جتنی مقدار پالان کی زیادہ ہے اس مقدار کا ضامن ہوگا۔ اور جامع صغیر میں امام محمدؒ نے حنفیہ کے درمیان اختلاف ذکر کیا ہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق پوری قیمت کا ضامن ہوگا اس لئے کہ پالان بوجھل ہونے میں زین سے کہیں کم نہیں۔ بلکہ یہ اس سے مختلف صرف اس اعتبار سے ہے کہ اس کے ذریعہ جانور کی پیٹھ زیادہ زخمی ہوتی ہے بنسبت زین کے، اور مختلف ہو یا جب بوجھ کے اعتبار سے نہ ہو تو ضمان پوری چیز کا ہوتا ہے جو ہلاک کرنے والی ہے۔ اور صاحبین کے ہاں زیادہ مقدار کا ضامن ہوگا، کیونکہ پالان اور زین دونوں میں سے ہر ایک پر سوار ہوا جاتا ہے عادۃً ان میں اختلاف بوجھل اور ہلکے ہونے کے اعتبار سے ہے، کیونکہ پالان زیادہ بوجھل ہے، لہٰذا بقدر بوجھ ضامن ہوگا، اگر کسی نے خالی گدھا بغیر زین کے کرائے پر لیا، پھر اس پر زین رکھ کر سواری کی جس کی وجہ سے وہ مر گیا تو یہ ضامن ہوگا، کیونکہ زین بوجھل ہوتی ہے جانور کے لئے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ اس وقت ہے جب وہ اسے شہر کے اندر کے لئے کرائے پر لے، اور یہ گدھا بھی ایسا ہو کہ عام طور پر شہر میں اس پر بغیر زین کے سواری کی جاتی ہو، لیکن اگر اس نے شہر سے باہر کے لئے کرائے پر لیا تو پھر ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ گدھے پر ایک شہر سے دوسرے شہر جانے کے لئے زین اور بانوں استعمال ہوتا ہے اور جسیم شخص عادۃ بغیر زین کے سواری نہیں کرے پس زین دلالۃً ماذون فیہ ہے لہٰذا ضامن نہیں ہوگا۔

(ج).....اگر مخالفت جگہ کے اعتبار سے ہو بایں طور کہ ایک مخصوص جگہ تک کے لئے جانور سواری یا بوجھ لادنے کے لئے کرائے پر لیا، اور پھر اس جگہ سے آگے نکل گیا، تو کل قیمت کا ضامن ہوگا۔

(د).....اگر مخالفت وقت اور زمانے کے اعتبار سے ہو۔ بایں طور کہ مخصوص وقت تک کے لئے جانور سواری یا بوجھ لادنے کے لئے کرائے پر لیا پھر طے شدہ وقت سے زیادہ وقت لگایا اور اس کے پاس وہ ہلاک ہو گیا تو بھی قیمت کا ضامن ہوگا غاصب ہونے کی وجہ سے اور کاریگروں کے اجارہ میں یعنی جولا ہے، درزی، رنگ ساز وغیرہ کے اجارہ میں تو اگر جنس کی حالت میں مخالف ہو بایں طور ایک شخص نے اگر رنگ ساز کو ایک متعین رنگ کرنے کے لئے کپڑے دیئے اور اس نے دوسرا رنگ کر دیا، تو کپڑے والے کو اختیار ہے چاہے تو رنگ ساز سے کپڑوں کی قیمت لے لے اور چاہے تو رنگ ساز سے کپڑے لے لے اور جو زیادہ رنگ اس نے لگایا اس کی قیمت دے دے اور اسی طرح اگر کسی نے درزی کو سوتی کپڑا دیا قمیض سینے کے لئے درزی نے واسکٹ یا کوٹ بنا دیا تو اب کپڑے والے کو اختیار ہے کہ چاہے تو سوتی کپڑے کی قیمت درزی سے لے لے یا اس سے سلا ہوا کوٹ ہی لے لے اور اجرت مثل دے دے۔

(ہ).....اگر مخالفت صفت میں ہو بایں طور کہ رنگ ساز کو ایک متعین رنگ کرنے کے لئے کپڑے اور اس نے اسی رنگ کی جنس میں سے کوئی دوسرا رنگ کر دیا تو کپڑے والے کو اختیار ہے چاہے قیمت لے لے یا وہی کپڑا لے لے اور اجرت مثل دے دے۔

اسی طرح اگر مقدار میں اختلاف ہو مثلاً ایک شخص جولا ہے کو دھاگہ دے ایک خاص موٹائی میں بننے کے لئے اور اس نے زیادتی یا نقصان میں مخالفت کی تو زیادہ موٹا ہونے کی صورت میں کپڑے (دھاگے) والے کو اختیار ہے چاہے تو دھاگے کے برابر قیمت لے لے یا دھاگہ لے لے اور اجرت مقررہ کر دے۔ اور باریک بننے کی صورت میں دو روایتیں ہیں ایک کتاب ''الاصل'' کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کپڑا لے لے اور اس کے حساب سے جولا ہے کو اجرت دے دے اور دوسری روایت میں کہ کپڑے والا اجرت مثل دے دے ان سب کے دلائل بدائع الصنائع وغیرہ میں دیکھ لئے جائیں اور اگر اس سے بھی تشفی نہ ہو تو دوسری کتب کھنگالی جائیں۔

عمل (کام) کے اجارہ میں عین کے ہلاک ہونے سے اجیر کی اجرت کا ساقط ہونا..... ماقبل میں ہم اجیر مشترک کے بارے میں جمہور کی رائے جان چکے ہیں کہ اس کا قبضہ، قبضہ امانت ہوتا ہے، پس وہ عین کے ہلاک ہونے کی صورت میں ضامن نہیں ہوگا یہ الگ بات ہے اگر اس نے تعدی اور کوتاہی کی تو ضامن ہوگا۔ اور جمہور کے علاوہ یعنی مالکیہ اور حنفیہ میں سے صاحبین کے ہاں اجیر مشترک کا

قبضہ، قبضہ ضمان ہے، وہ ہلاک شدہ شئی کا ضامن ہوگا اگر چہ اس کی تعدی اور کوتاہی کے بغیر ہو۔ رہ گیا عین مستاجرہ کا ضمان تو اس بارے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف ہی نہیں کہ شئی مستاجرہ اجیر کے قبضہ میں امانت ہے اگر بغیر کوتاہی کے وہ ہلاک ہوجائے یا اس میں کوئی عیب پیدا ہوجائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا، اس لئے کہ عین پر قبضہ نفع اٹھانے کے لئے ہے جس کا وہ مستحق ہے لہٰذا یہ امانت ہوتی اور اس بناء پر کہ اجیر کا قبضہ کون سا ہے اب بات یہ ہے کہ اجارۂ عمل کی صورت میں اگر عین ہلاک ہوجائے تو کیا اجرت ساقط ہوگی یا نہیں۔

شوافع کے ہاں......شافعیہ کے ہاں جب اجیر مستاجر کی ملک میں یا اس کی موجودگی میں کام کرے تو اس پر اجرت واجب ہے کیونکہ وہ اس کے قبضہ میں ہے پس جب وہ کام کرے گا تو گویا وہ چیز اس کو سپرد کرنے والا ہوگا، لیکن اگر کام اجیر کے قبضہ میں ہو تو اس چیز کے ہلاک ہونے کی وجہ سے اجرت کا مستحق نہ ہوگا، کیونکہ اپنا کام اس نے سپرد نہیں کیا۔

حنفیہ کے ہاں......بھی یہی حکم ہے لیکن ان کے مذہب کے موافق کچھ تفصیل کی ضرورت ہے وہ یہ کہ حنفیہ کہتے ہیں وہ عین جس میں اجیر کام کررہا ہے یا تو اجیر کے قبضہ میں ہوگی یا مستاجر کے قبضہ میں۔ ❶

اگر عین شئی اجیر کے قبضہ میں ہو تو اس کی دو حالتیں ہیں: ا......اگر اجیر کے کام کا اثر عین میں ظاہر ہوتا ہو جیسے سلائی، رنگریزی، سفیدی وغیرہ کرتا تو مطلوب سپرد کرنے پر اجرت واجب ہوگی، اگر وہ شئی ہلاک ہوگئی سپرد کرنے سے پہلے اجیر کے ہاتھ میں تو اجرت ساقط ہوجائے گی، کیونکہ معقود علیہ پر اثر یعنی کپڑے کا سلا ہوا ہونا سپرد نہیں کیا گیا اور عوض اس اثر کے مقابل تھا تو یہ بیع کی طرح ہے۔

۲......اور اگر اجیر کے کام کا ظاہری اثر عین میں نہ ہو جیسے قلی، ملاح وغیرہ تو کام مکمل ہونے پر اجرت واجب ہوگی اگر چہ وہ شئی کو مالک کے سپرد نہ بھی کرے، کیونکہ عوض (اجرت) عمل کے مقابل ہے، پس جب مدت اجارہ مکمل ہو تو وہ عمل سے فارغ ہوگیا تو وہ عین کو مالک کے سپرد کرنے والا شمار ہوگا تو عمل مکمل ہونے کے بعد عین کے ہلاک ہونے سے اجرت ساقط نہ ہوگی۔

عین کو اجرت کی وصولی تک روکے رکھنا......ان دونوں حالتوں کے حکم کے مختلف ہونے کی وجہ سے حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر عمل کا عین میں اثر ہو تو اجیر کو اجرت وصول کرنے تک عین کو روکنے کا حق ہے، کیونکہ بدل (اجرت) اثر مطلوب کے عوض میں ہے۔ اور جس عمل کا عین میں اثر نہ ہو تو اس کو روک بھی نہیں سکتا کیونکہ وہ عمل معقود علیہ عین شئی میں نہیں اسی وجہ سے حنفیہ کے ہاں اگر قلی اپنی اجرت کی وصولی کے لئے سامان کو روکے رکھے یہاں تک کہ اس کے پاس وہ ہلاک ہوجائے تو وہ ضامن ہوگا، کیونکہ عین (سامان) اس کے قبضہ میں امانت تھا جب اس نے اس کو روک لیا تو غاصب ہوگیا لہٰذا ضامن ہوگا۔

اگر عین شئی مستاجر کے قبضہ میں ہو......بایں طور کہ اجیر، مستاجر کی ملکیت میں یا اس کی ملک وغیرہ ہی میں کام کرے تو اجیر عمل سے فارغ ہونے کے بعد اجرت کا مستحق ہوگا اگر کام مکمل کرلیا اور اگر کام مکمل نہیں ہوا کچھ ہوا تو اس کی مقدار اجرت کا مستحق ہوگا اور جو کام ہوچکا وہ سپرد کرنے والا ہوگا اور وہ مطالبہ کا مالک ہوگا مدت اجارہ میں۔

پس اگر کسی نے کوئی شخص دیوار بنانے کے لئے اجرت پر رکھا، گھر میں یا اپنی ملکیت میں بایں طور کہ اپنے گھر میں کمرہ بنانے یا چھت بنانے یا دفتر بنانے یا کنواں کھودنے، یا قناۃ بنانے یا نہر بنانے کے لئے اجرت پر لیا اس نے کچھ کام کردیا تو اس کو بقدر عمل اجرت کے مطالبے کا حق ہے، لیکن اس کو کام مکمل کرنے پر مجبور کیا جائے گا یہاں تک کہ اگر عمارت گرگئی یا کنواں خراب ہوگیا یا دفتر گرگیا اب اگر یہ کام مکمل ہونے

❶......البدائع: ۴/۲۰۴۔

کے بعد گرے تو اجرت ساقط نہ ہوگی اور اگر مکمل ہونے سے پہلے گر گئے تو بقدر عمل اجرت کا مستحق ہوگا۔

یہ مسئلہ اس مسئلہ کے برخلاف ہے کہ جب مستاجر کی ملک میں یا اس کے قبضہ میں کام نہ کرے، کیونکہ اس صورت میں کام مکمل کرنے تک اجرت موقوف رہے گی، جب اجیر عمل کو مستاجر کے سپرد نہیں کرے گا تو مستاجر قبضہ کرنے والے شمار نہ ہوگا اور معقود علیہ کے خراب ہونے کی وجہ سے اجرت ساقط ہوگی یا سپرد کرنے سے پہلے ہلاک ہونے کی وجہ سے۔

اسی وجہ سے جب کسی نے کسی کو اینٹیں بنانے کے لئے اپنی ملکیت یا قبضہ میں اجرت پر لیا تو اینٹیں بنانے والا اجرت کا مستحق نہ ہوگا اور مستاجر بھی قابض شمار نہ ہوگا یہاں تک کہ اینٹیں خشک نہ ہو جائیں اور امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ان کو اکٹھا نہ کر دیا ہو، کیونکہ یہ سارا اس کے عمل کا اتمام ہے، اور صاحبین کے قول کے مطابق جب تک اینٹوں کو تہ بہ تہ نہ رکھے اس وقت تک اجرت کا مستحق نہیں ہوگا کیونکہ اس پر اس کا کام ختم ہوتا ہے۔ اسی خلاف کی وجہ سے اگر اینٹیں نصب کرنے سے پہلے ضائع ہوگئیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اور اگر تہ بہ تہ رکھنے سے پہلے ضائع ہوگئیں صاحبینؒ کے ہاں اجرت کا مستحق نہ ہوگا، کیونکہ عمل مکمل ہونے سے پہلے ضائع ہوئی ہیں۔

اور اگر اینٹیں مستاجر کی ملک یا قبضہ میں نہیں بنا رہا تو جب تک مالک کو اینٹیں سپرد نہ کر دے اجرت کا مستحق نہ ہوگا، اور سپرد کرنا یہ ہے وہ مستاجر اور اینٹوں کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ رہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں نصب کے بعد ''وصاحبین'' کے ہاں تہ بہ تہ رکھنے کے بعد کیونکہ اینٹیں مستاجر کے قبضہ میں بنیں گی کہ عمل اس تک پہنچایا ہوا مراد لیا جائے، لہٰذا عمل سے فارغ ہونے کے بعد درمیان سے رکاوٹ ہٹانا ضروری ہے۔

اور اسی کی مثل ہے جب انسان درزی کو اپنے گھر میں سلائی کے لئے لائے اب اگر اس نے قمیص کا کچھ حصہ سئے دیا تو اس کے لئے اجرت نہیں ہوئی کیونکہ یہ عمل منتفع نہیں جب اس سے فارغ ہوا پھر وہ ضائع ہو یا تو اس کی اجرت دی جائے گی اور اس پر امام صاحب کے قول کے مطابق ضمان نہیں ہوگا کیونکہ مالک کی موجودگی میں وہ اپنا عمل سپرد کرنے والا ہے اور صاحبینؒ کے ہاں عین کا ضامن ہوگا اگر مالک کو سی کر دے نہ دے تو ضمان سے بری نہ ہوگا اب اگر وہ ہلاک ہوگیا تو چاہے تو کپڑے کی قیمت دے دے اور اجرت نہ ملے گی اور چاہے سلے ہوئے کپڑے کی قیمت دے دے تو اس کو اجرت ملے گی۔

چھٹی بحث......عاقدین کا اجارہ میں اختلاف

جب عاقدین عقد اجارہ میں بدل، مبدل کے سلسلے میں اختلاف کریں اور یہ اجارہ صحیح ہی ہو تو یہ اختلاف یا تو منافع حاصل کرنے سے پہلے ہوگا یا منافع حاصل کرنے کے بعد۔ اگر منافع حاصل کرنے سے پہلے اختلاف ہو تو دونوں کو حلف دیا جائے گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''جب دو خرید وفروخت کرنے والے اختلاف کریں تو دونوں حلف اٹھائیں اور وہ چیز واپس کر دیں۔'' اب چونکہ اجارہ بھی بیع کی ایک قسم ہے اس کو بھی حدیث شامل ہوگی جب حلف اٹھائیں گے تو اجارہ فسخ ہو جائے گا اور اگر کوئی ایک حلف سے انکار کرے گا تو اس کے ذمہ دوسرے کا دعویٰ لازم ہو جائے گا۔ اگر دونوں نے اپنے دعویٰ کے گواہ پیش کر دیئے، اب اگر اختلاف بدل میں ہے تو موجر (مالک) کے گواہ معتبر ہوں گے۔ کیونکہ یہ زیادہ اجرت ثابت کر رہے ہیں اور اگر اختلاف مبدل میں ہو تو مستاجر کے گواہوں پر فیصلہ ہوگا، کیونکہ یہ نفع زیادہ ثابت کر رہے ہیں۔

اور اگر اختلاف مستاجر کے کچھ منفعت حاصل کرنے کے بعد ہو مثلاً کچھ مدت وہ مکان میں سکونت اختیار کرنے کے بعد یا سواری پر سوار ہو کر کچھ سفر طے کرنے کے بعد بات کرتا ہے تو پھر مستاجر کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ، اور دونوں قسمیں اٹھائیں گے اجارہ فسخ ہو جائے گا باقی

میں، کیونکہ عقد منافع پر ہوتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے جس طرح منافع پیدا ہوتا رہے تو سارا معقود علیہ منفعت کے اجزاء تھے ابتداء ہی سے لہٰذا باقی مدت اور مسافت کو علیحدہ شمار کیا جائے گا اس میں قسم اٹھائیں گے دونوں۔ اور اگر ان دونوں میں اختلاف مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد ہوا ہو یا اس مسافت تک پہنچنے کے بعد ہوا تو عقد مکمل شمار ہوگا دونوں حلف نہیں اٹھائیں گے اور بات مستاجر کی معتبر ہوگی بدل میں قسم کے ساتھ موجر پر قسم نہیں ہوگی، کیونکہ دونوں کو قسم دینا اجارہ فسخ کرنے کے لئے ہے اور یہاں منافع موجود ہی نہیں کہ عقد فسخ، لہٰذا تحالف نہیں ہوگا۔

اگر درزی اور کپڑے والا اختلاف کریں، کپڑے والا کہے کہ میں نے تمہیں کہا تھا قباء بنانی ہے اور درزی کہے: آپ نے قمیص بنانے کا کہا تھا یا کپڑے والا کہے میں نے سرخ رنگ کرنے کا کہا تھا اور آپ نے زرد رنگ کر دیا اور رنگ ساز کہے نہیں، بلکہ آپ نے زرد رنگ ہی کہا تھا، تو بات کپڑے والے کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگی یہ شوافع کے مذہب میں ظاہر قول ہے، کیونکہ اصل اجازت تو مالک کی جانب سے ہوتی ہے اگر وہ مطلقاً ہی انکار کر دے تو اسی کی بات معتبر ہوگی تو اسی طرح اگر وہ اجازت کی صفت میں انکار کرے، جب مالک ان حالات میں قسم کھالے تو درزی ضامن ہوگا، یعنی مالک کو اختیار ہے چاہے تو درزی کو ضامن بنائے یا چاہئے تو درزی کو اجرت مثل دے کر کپڑے لے لے اور رنگ ساز والی صورت میں بھی اسی طرح اختیار ہے۔

اگر جولا ہے اور کپڑے والے کا اختلاف ہو جائے، اجرت میں، کپڑے والا کہے آپ نے بغیر اجرت کے بنا کر دیئے ہیں اور جولاہا کہے اجرت پر بنا کر دیئے ہیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں کپڑے والے کی بات معتبر ہوگی کیونکہ وہ اس کے کام کی قیمت کا انکار کرتا ہے کیونکہ اس کا عمل عقد کی وجہ سے قیمتی ہوتا ہے اور ضمان کا بھی انکار کر رہا ہے، جبکہ جولاہا اس کا دعویٰ کر رہا ہے تو بات منکر کی معتبر ہوگی۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں اگر یہ معاملہ ان کے درمیان پہلے اجرت پر ہوتا رہا ہے تو اب بھی جولاہے (بننے والے) کے لئے اجرت ہوگی، ورنہ نہیں، کیونکہ پہلے جو معاملہ ہوا ہے وہ اجرت طلب کرنے میں مددگار ہے، جس کی وجہ سے ان کی عادت ظاہر ہو جائے گی۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر بنانے والا (جولاہا) اجرت کے ساتھ بنانے میں مشہور ہو تو پھر اس کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ اس نے دکان کھولی ہی اجرت پر کام کرنے کے لئے ہے جو اجرت پر کام کرنے کے لئے نص ہے ظاہر پر حکم ہونے کی وجہ سے، صاحب ھدایہ نے ھدایہ میں فرمایا: قیاس کا تقاضا بھی وہی ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کیونکہ مالک منکر ہے اور صاحبینؒ کے استحسان کا جواب یہ ہے کہ ظاہر حال سے استدلال دفع حق کے لئے ہوتا ہے نہ کہ اثبات حق کے لئے جبکہ اس مسئلہ میں اثبات حق مطلوب ہے اور یہ صرف ظاہر حال یا قرینیہ سے استدلال کر کے ثابت کرنا کافی نہیں بلکہ گواہوں اور اقرار کی طرح مضبوط دلیل کی ضرورت ہے۔

شوافع کہتے ہیں: اگر اختلاف موجر اور مستاجر میں ہلاکت یا عیب کے سلسلے میں ہو تو مستاجر کی بات معتبر ہے کیونکہ وہ امین ہے اس کی قسم کے ساتھ تصدیق کی جائے گی اور اگر واپس لوٹانے میں اختلاف ہے بایں طور کہ مستاجر شئی عین کے موجر کے پاس لوٹانے کا دعویٰ کرے اور موجر اس کا انکار کرے تو موجر کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی کیونکہ اصل نہ لوٹانا ہے تو قول منکر کا ہوگا قسم کے ساتھ۔

ساتویں بحث......عقد اجارہ کا ختم ہونا

ا......صفت الاجارہ کی بحث میں یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ حنفیہ کے ہاں اجارہ متعاقدین میں سے کسی ایک کی موت سے ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ وراثت موجود مملوک میں جاری ہوتی ہے اور یہ بات کے اجارہ میں منافع تھوڑا تھوڑا کر کے پیدا ہوتا ہے تو عورت کی موت کے وقت یہ معدوم ہوگا اس کا مملوک نہیں ہوگا، اور جب تک مالک نہ ہو تو اس کی وراثت جاری کرنا وارث کے ساتھ تجدید عقد سے ہی ہو سکتی ہے ورنہ نہیں تا کہ عقد مالک کے ساتھ قائم ہوا گر وکیل اجارہ فوت ہو جائے تو اجارہ باطل نہیں ہوگا کیونکہ عقد اجارہ اس کے لئے نہیں تھا، بلکہ عاقد کے لئے تھا، اگر دائی یا بچہ مر جائے تو اجارہ ختم ہو جائے گا کیونکہ ان میں سے ہر ایک معقود لہ ہے۔ جمہور کے ہاں عاقدین میں سے کسی ایک کے مرنے

سے اجارہ ختم نہیں ہوتا ہے کیونکہ بیع کی طرح یہ بھی عقد لازم ہے، یعنی مستاجر کی وجہ سے بیک وقت ہی منافع کا مالک ہوجاتا ہے لہٰذا اس کی وراثت ہوگی لیکن دائی یا بچے کے فوت ہونے کی وجہ سے اجارہ فسخ ہوجائے گا کیونکہ محل کے فوت ہونے کی وجہ سے منفعت فوت ہوگئی جو کہ دائی ہے کیونکہ معقود علیہ کو وصول کرنا متعذر رہے، کیونکہ اس بچے کے لئے غیر کو قائم مقام بنانا ممکن ہے۔

۲.....اقالہ سے بھی اجارہ ختم ہوجائے گا، کیونکہ اجارہ معاوضہ مال بالمال ہے یہ اقالہ کا محتمل ہے جیسے بیع۔

۳.....اگر شئی موجرہ معین ہو اور وہ ہلاک ہوجائے جیسے معین گھر یا متعین سواری تو اجارہ ختم ہوجائے گا، اسی طرح جس چیز پر اجارہ ہو وہ ہلاک ہوجائے مثلاً درزی کو دیے ہوئے کپڑے یا رنگ کے لئے دیئے ہوئے کپڑے ہلاک ہوجائیں تو بھی اجارہ ختم ہوجائے گا کیونکہ ہلاکت کے بعد معقود علیہ کی وصولی ممکن نہیں تو عقد باقی رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں اگر مطلق جانوروں کا اجارہ ہو بوجھ یا سواری کے لئے مستاجر نے جانور سپرد کردیئے پھر وہ ہلاک ہوگئے تو اجارہ باطل نہ ہوگا بلکہ موجر کے ذمہ ہے کہ وہ ان کے علاوہ دوسرے جانور مہیا کرے تا کہ سامان اٹھایا جاسکے اور موجر کو اجارہ فسخ کرنے کا اختیار نہیں اس لئے کہ اجارہ ایسی منفعت پر ہوا ہے جو ذمہ میں ہے اور موجر اس کو پورا کرنے سے عاجز بھی نہیں اور سامان دوسری جگہ منتقل کرتا ہے اور یہ مسئلہ بالاتفاق ہے چاروں ائمہ کے ہاں۔❶ امام زیلعی رحمہ اللہ نے امام محمد رحمہ اللہ کی رائے کو لیتے ہوئے فرمایا: اصح یہ ہے کہ اس حالت میں اجارہ فسخ نہیں ہوگا، کیونکہ منافع اس طور پر ضائع ہوا ہے کہ اس کی واپسی متصور ہے، اور عمارت گرنے کے بعد کہ اس حالت میں اجارہ فسخ نہیں ہوگا، کیونکہ منافع اس طور پر ضائع ہوتے ہیں کہ اس کی واپسی متصور ہے، اور عمارت گرنے کے بعد اس کا صحن استعمال میں آسکتا ہے خیمہ وغیرہ گرا کر اور ظاہر بات یہی ہے کہ حنفیہ کے ہاں یہی اصح رائے ہے، یعنی اجارہ بڑی قوت سے بھی فسخ نہیں ہوتا جیسا کہ گھر کا منعدم ہو مکمل طور پر دلیل اس کی وہ جس کو صاحب درمختار نے ذکر کیا اور ابن عابدین علامہ شامی نے اس کی تائید کی ہے کہ اگر گھر خراب ہوجائے تو پوری اجرت ساقط ہوجائے گی اور اس کی وجہ سے اجارہ فسخ نہیں ہوگا جب تک مستاجر اس کو فسخ نہ کرے اور یہی اصح ہے، اور ابن عابدین رحمہ اللہ نے مزید اضافہ فرمایا کہ سارے گھر کے منعدم ہونے پر مستاجر، موجر کی عدم موجودگی میں بھی فسخ کرسکتا ہے، اور موجر اس وقت تک فسخ نہیں کرسکتا جب تک مستاجر فسخ نہ کرے کیونکہ خیمہ وغیرہ لگانے کی صلاحیت اس جگہ میں ہے۔

۴.....مدت ختم ہونے پر بھی اجارہ ختم ہوجائے گا ہاں اگر عذر ہو تو پھر نہیں، اس لئے کہ جو چیز ایک غایت کے لئے ثابت ہو تو غایت کے پائے جانے کے وقت وہ ختم ہوجاتی ہے پس اجارہ مدت ختم ہونے پر ختم ہوجائے گا ہاں اگر وہاں کوئی عذر ہو بایں طور کہ مدت ختم ہوگئی لیکن زمین میں کھیتی ہے جو کاٹی نہیں گئی تو کاٹنے تک اجرت مثل پر وہ کھیتی چھوڑی جائے گی اور مدت ختم ہونے پر اجارہ کا ختم ہونا فقہاء کے درمیان متفقہ فیصلہ ہے۔

چوتھی فصل......انعام کا وعدہ

اس فصل میں ہم جعالہ کی تعریف اس کی مشروعیت اس کے صیغے، اس کے اور اجارہ عمل کے درمیان فرق، اس کی شرائط، صفت، حکم اس میں کمی زیادتی اور عامل اور رب المال کے اختلاف کا تذکرہ کریں گے۔

تعریف.....جعالہ، جعل اور جعلیت کا لغوی معنی ہے وہ چیزیں جو انسان کو کسی کام کے کرنے پر دی جاتی ہے اور قانونیین کے ہاں اس کو انعام کا وعدہ کہتے ہیں یہ عقد لازم ہے منفرد طور پر۔ اور [illegible] ن متعین یا مجہول کام جس کا معلوم کرنا مشکل ہو کے بدلے میں معلوم بدلہ عوض دینا۔❶ مالکیہ نے اس کی یہ تعریف کی ہے:❷ یہ اجارہ ہے ایک ایسی منفعت کے بدلے میں جس کا حاصل ہونے کا گمان ہو، مثلاً کہنے والے

❶.....البدائع: ۱۹۶/۴، ۲۲۳، المغنی: ۴۱۵/۵۔

کا کہنا: جس نے میرا ابدکا ہوا جانور واپس لا کر دیا یا میرا گم شدہ سامان لا کر دیا یا میرے لئے یہ دیوار بنائی یا یہ کنواں اتنا کھودا کہ اس میں پانی آ جائے یا مجھے قمیض سی کر دی تو اس کے لے اتنی رقم ہے۔

اسی میں سے وہ رقم بھی ہے جو پہلے کام کرنے والے یا گھوڑ دوڑ میں سبقت کرنے والوں کے لئے مقرر ہوتی ہے، یا قائد جس متعین رقم یا حصے کا التزام کرے مال غنیمت میں سے اس شخص کے لئے جو قلعے پر مضبوطی دکھائے یا ہوائی جہاز گرائے۔

اسی انعام میں سے ہے وہ وعدہ جو کسی خاص بیماری سے شفاء پر ڈاکٹر کے لئے خاص کیا جاتا ہے، یا استاد کے لئے بچے کو حفظ کرانے پر اور فقہاء اس کی مثال بدکے ہوئے جانور کو واپس لانے اور بھاگے ہوئے غلام کو لانے سے دیتے ہیں۔

انعام کی مشروعیت......حنفیہ کے ہاں مطلقاً جعالہ کی اجازت نہیں کیونکہ اس میں دھوکہ ہے چونکہ عمل ہی مجہول ہے اور مدت بھی یہ قیاس کیا ہے ان تمام اجاروں پر جن کے لئے عمل اجرت اور مدت وغیرہ شرط ہیں، البتہ بھگوڑے غلام کو لانے پر انہوں نے استحساناً اجازت دی ہے اگر چہ یہ بلاشرط بھی ہو مسافت سفر یا اس سے زیادہ موت کی اور جعل کے مقدار چالیس درہم ہیں مدت سفر کے نفقہ کے برابر اگر اس سے کم ایام میں وہ واپس لوٹا دے تو پھر اس کے حساب سے اس کو انعام ملے گا پس اگر اس نے دو دن کی مسافت میں واپس لا کر دیا تو اس کو دو ثلث (۲/۳) ملے گا اور اگر ایک دن میں لا کر دیا تو اس کو (۱/۳) ملے گا، اور اگر اس سے بھی کم وقت میں کسی نے لا کر دیا تو مثلاً اپنے ہی شہر سے واپس لے کر آیا تو اس کو عمل کی بقدر اجرت ملے گی اور عمل اس کا بھگوڑے غلام کو مالک تک پہنچانا ہے، پس انعام دینا مالک کے مال کی حفاظت ہے۔

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں انعام دینا جائز ہے استدلال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد جس میں یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ان کے بھائیوں کے ساتھ ذکر ہے:

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَ لِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ۝ یوسف: ۱۲/۷۲

''وہ بولے کہ بادشاہ (کے پانی پینے) کا گلاس کھو گیا ہے اور جو شخص اس کو لے آئے اس کے لئے ایک بار شتر (انعام) اور میں اس کا ضامن ہوں۔''

نیز اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جو فاتحہ پڑھ کر دم کرنے کی اجرت سے متعلق ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ میں سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ ایک عرب قبیلے کے ہاں گئے انہوں نے ان کی ضیافت نہ کی اسی دوران اس قبیلے کے ایک سردار کو سانپ نے ڈس لیا تو انہوں نے صحابہ سے پوچھا کہ تم میں کوئی دم کرنے والا ہے تو صحابہ نے کہا جب تک تم ہمیں اس کی اجرت نہیں دو گے ہم دم نہیں کریں گے تو انہوں نے انہیں کافی ساری بکریاں دیں اس صحابی نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کی اور اس پر تھوکا جس کی وجہ سے وہ شخص ٹھیک ہو گیا جب صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا تو آپ اس پر مسکرائے اور ان کی خوش طبعی کے لئے فرمایا ان بکریوں میں اپنے ساتھ میرا حصہ بھی رکھنا۔ [1] (رواہ الجماعۃ الا النسائی)

عقل بھی اس کی تائید کرتی ہے ضرورت انعام مقرر کرنے کی داعی ہے جو شخص بدکے ہوئے جانور یا بھگوڑے غلام کو یا ایسا کام کرے جس کو مالک نہیں کر سکتا تو انعام دینا جائز ہے جیسے اجارہ اور مضاربت ہیں البتہ انعام میں عمل اور مدت کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں ہوتا جبکہ اجارہ میں اس سے ہوتا ہے، کیونکہ جعالہ لازم نہیں جبکہ اجارہ لازم ہے اور اس میں مدت کی تعیین کی ضرورت پیش آتی ہے تاکہ منفعت کی مقدار معلوم ہو سکے، اور نیز اس لئے بھی کہ انعام میں اتفاقاً رخصت ہے کیونکہ اس میں جہالت بھی ہوتی ہے اور اذن شارع کی وجہ سے اس کی اجازت ہے۔

الفاظ (صیغے) انعام......انعام چونکہ ایک شخص کے ارادہ سے ہوتا ہے لہٰذا یہ صرف انہی صیغوں سے متحقق ہوگا جو تعریف میں ذکر ہوئے ہیں اور یہ انعام دینے والے کی طرف سے ہوں گے اور ایسی الفاظ جو واضح طلب کے ذریعہ عمل کی اجازت پر دلالت کرنے والے ہوں اور عوض بھی معلوم ہونا چاہئے عادۃً مقصود بھی ہو، اگر کسی نے بغیر اجازت کے کوئی کام کیا یا انعام دینے والے نے اس کو اجازت دی اس کے علاوہ کسی دوسرے نے کام کر دیا تو اس کے لئے کچھ بھی نہیں ہوگا، اس لئے کے پہلے شخص نے وہ کام تبرعاً کیا ہے اور دوسری صورت میں متعین شخص نے کام نہیں کیا اور انعام دینے والے کا اس چیز کا مالک ہونا شرط نہیں کسی دوسرے شخص کا انعام کا اعلان کرنا صحیح اور وہ چیز واپس لانے والا مستحق ہوگا، اسی طرح عامل کا قبول کرنا شرط نہیں اگر چہ انعام دینے والا اس کو متعین کر دے کیونکہ انعام ایک جانب سے التزام کا نام ہے جیسا کہ واضح ہوا پس کسی ایک متعین کے لئے بھی انعام صحیح ہے اور غیر متعین کے لئے بھی جیسا کہ یہ صحیح ہے کہ انعام دینے والا کسی ایک کے لئے ایک متعین چیز مقرر کر دے اور باقی لوگوں کے لئے دوسری چیز۔

انعام اور اجارہ عمل میں فرق......انعام، اجارہ عمل سے چار اعتبار سے مختلف ہے اجارہ عمل یعنی عمارت کی تعمیر، سینے کے کپڑے اور کوئی چیز ایک متعین جگہ سے دوسری جگہ لے جانے سے۔

پہلا فرق......منفعت کی وصولی انعام دینے والے کے لئے کام پورا ہونے سے پہلے مکمل نہیں ہوگی مثلاً بدکا ہوا جانور واپس کرنا، اور مریض کا ٹھیک ہونا۔ اور جارہ میں اجیر کے عمل کی مقدار منفعت کی وصولی پائی جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر انعام میں منفعت کام تمام کرنے سے پوری ہوتی ہے، اور اجارہ میں ایک حصہ عمل کا مکمل ہونے سے منفعت مکمل ہو جاتی ہے۔ اسی بناء پر عامل انعام کی صورت میں کام مکمل کرنے سے پہلے کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا جبکہ اجیر اجارہ میں کچھ کام بھی کر دے تو اس کی بقدر مستحق اجرت ہوتا ہے۔

دوسرا فرق......انعام ایک ایسا عقد ہے کہ اس میں دھوکا ہو سکتا ہے اور عمل اور مدت کی جہالت بھی اس میں جائز ہے جبکہ برخلاف اجارہ کے کیونکہ انعام میں کبھی عمل معلوم ہوتا ہے اور کبھی مجہول جیسے گم شدہ جانور کا لوٹانا اور کنویں کا کھودنا کہ اس میں پانی آ جائے، جیسے انعام میں عمل معلوم ومجہول سے کوئی فرق نہیں پڑتا اسی طرح مدت میں بھی جہالت سے کوئی فرق نہیں پڑتا، رہ گیا اجارہ تو اس میں عمل کا معلوم ہونا ضروری ہے جیسے سلائی اور تعمیر عمارت اور مدت کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے، جب اجارہ مدت کے اعتبار سے ہو تو اجیر کے ذمہ لازم ہے کہ پورا وقت کام میں لگائے اور اس کے بعد کام لازم نہیں رہ گیا انعام اس میں عمل ضروری ہے مدت کی قید نہیں۔

تیسرا فرق......انعام میں اجرت پہلے دینے کی شرط لگانا صحیح نہیں برخلاف اجارہ کے۔

چوتھا فرق......انعام ایک غیر لازم عقد ہے برخلاف اجارہ کے کہ وہ لازم عقد ہے فسخ نہیں ہو سکتا۔

انعام کی شرطیں......انعام میں درج ذیل شرائط ہیں:

پہلی شرط......عقد کا اہل ہونا، شوافع اور حنابلہ کے ہاں انعام دینے والے کے لئے چاہے وہ مالک ہو یا نہ ہو شرط یہ ہے کہ تصرف کر سکتا ہو (یعنی بالغ عاقل سمجھدار) بچے مجنون اور مجبور کا انعام درست نہیں رہ گیا عامل اگر وہ متعین ہے تو عمل کی اہلیت اس میں شرط ہے، اگر وہ عمل سے عاجز ہے تو پھر درست نہیں جیسے بچہ کہ کام کرنے پر قادر نہیں کیونکہ منفعت موجود نہیں اور اگر غیر معین ہے تو اس کے لئے انعام کے اعلان کا ہونا کافی ہے، مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں تمیز کرنے والے بچے کا عامل بننا صحیح ہے رہ گیا مکلف ہونا تو وہ شرط لازم ہے۔

دوسری شرط......انعام معلوم مال ہونا چاہئے اگر انعام مجہول ہوا تو عقد فاسد ہوگا کیونکہ عوض مجہول ہے، مثلاً جس نے میری کار یا لی

---

❶......البخاری، نیل الاوطار: ۵/۲۸۹۔

اس کے لئے کپڑا سے یا اس کو راضی کردے گا وغیرہ پانے والی کو اجرت مثل ملے گی جیسے اجارہ فاسدہ میں ہوتا ہے، اور اگر انعام کوئی حرام چیز ہو جیسے شراب یا غصب شدہ چیز تو بھی عقد فاسد ہو جائے گا کیونکہ شراب ذاتی طور پر نجس ہے اور مغصوب شئی پر دینے کی قدرت نہیں۔

تیسری شرط..... منفعت حقیقۃً معلوم اور شرعاً اس سے نفع اٹھانا جائز ہو۔ پس کسی شخص سے جن اتارنے کو انعام میں رکھنا یا جادو اتارنے کو انعام بنانا جائز نہیں کیونکہ جن کا نکل جانا یا نہ نکلنا معلوم کرنا مشکل ہے، یا جادو اترا یا نہیں یہ معلوم کرنا متعذر ہے، جیسا کہ اس چیز کو بطور انعام دینا جائز نہیں جس کا نفع اٹھانا حرام ہے جیسے گانا گانا، مزامیر نوحہ اور تمام حرام آلات لہولعب، اس میں قاعدہ یہ ہے کہ: ہر وہ چیز جس پر اجارہ میں عوض لینا جائز ہے تو انعام میں اس کو بطور انعام لینا بھی جائز ہے اور جس چیز پر اجارہ میں عوض لینا جائز نہیں تو انعام میں بھی اس کو بطور انعام لینا جائز نہیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ..... المائدۃ: ۵/ ۲

گناہ اور ظلم کے کاموں میں مددمت کرو۔ اور مالکیہ نے اضافہ کیا ہے اس بات کا کہ ہر وہ چیز جس میں انعام جائز ہے جیسے صحراء میں کنویں کھدوانا، تو اس میں اجارہ بھی جائز ہے اس کا عکس جائز نہیں، پس ہر وہ چیز جس میں اجارہ جائز ہو اس میں انعام بھی جائز ہے ایسا نہیں۔ جیسے کپڑے فروخت کرنا، ایک ماہ کی خدمت کرنا ملکیت میں کنواں کھدوانا، ان میں اجارہ صحیح ہے انعام صحیح نہیں، اجارہ عام مطلق ہے معقود علیہ کے اعتبار سے اور انعام صحیح نہ ہونے کی وجہ مذکور ہوئی کہ انعام وہاں ہی ہوتا ہے جہاں جاعل (انعام دینے والے) کو نفع کام مکمل ہونے پر ہی ہو، اور ان کاموں میں انعام دینے والے کو نفع ہوتا ہے چاہے کام مکمل ہو یا نہ ہو۔ جو عبادات بدنیہ جن کا نفع کرنے والوں کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا، جیسے نماز، روزہ اور دوسرے نیکی کے کام ان میں انعام لینا جائز نہیں۔

اور جن عبادات کا نفع دوسروں کو بھی ہوتا ہو جیسے اذان، فقہ کی تعلیم، قرآن کی تعلیم، قضاء وافتاء تو ان پر انعام اور اجرت لینا جائز ہے دلیل ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ پڑھ کر دم والی حدیث سابقہ ہے اور مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ انعام دینے والے کے لئے منفعت مقصودہ کا ثابت ہونا ضروری ہے پس جس نے پہاڑ پر چڑھنے کے لئے ایک دینار انعام رکھا کو پہاڑ پر چڑھنے والے کے لئے کوئی چیز نہیں اس کا التزام اور اس کا انعام درست نہیں اور شوافع نے عمل میں یہ شرط رکھی ہے کہ اس میں تکلیف ہو ورنہ کسی چیز کا مستحق نہ ہوگا اس لئے کہ جس چیز میں تکلیف نہیں اس کا کوئی عوض بھی نہیں۔

چوتھی شرط..... مالکیہ نے یہ شرط رکھی ہے کہ انعام کا اعلان کرنے والا کوئی مدت مقرر نہ کرے اور ان کے علاوہ باقی حضرات کہتے ہیں کہ عمل اور مدت دونوں کو جمع کرنا صحیح ہے مثلاً جو میرے لئے ہر کپڑا ایک دن میں سی دے اس کے لئے اتنا انعام ہے پس اگر وہ اس مدت میں اس کام کو کر گیا تو اس کے لئے وہ انعام ہوگا، اور کوئی چیز لازم نہ ہوگی اور اگر اس مدت میں کام نہ کیا تو اس کے لئے کچھ بھی نہ ہوگا برخلاف اجارہ کے۔

پانچویں شرط..... مالکیہ میں سے قاضی عبدالوہاب رحمہ اللہ نے ایک پانچویں شرط بھی رکھی ہے وہ یہ کہ انعام تھوڑے کام پر ہونا چاہئے اگرچہ وہ متعدد ہوں جیسے بہت سارے اونٹ بدک گئے اور مالکیہ نے یہ شرط بھی رکھی ہے نقد رقم کا ہونا انعام میں ضروری نہیں اگر نقد کی شرط لگا لی تو عقد فاسد ہو جائے گا کیونکہ یہ تو قرض ہو گیا جس میں نوع کا احتمال ہے البتہ بغیر شرط کے انعام پہلے دینے سے عقد فاسد نہیں ہوگا۔

انعام کا حکم اور انعام کے استحقاق کا وقت..... انعام جائز قرار دینے والے فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انعام، اجارہ کے برخلاف عقد جائز غیر لازم ہے۔ انعام مقرر کرنے والے اور عامل دونوں کو اسے فسخ کرنے کا اختیار ہے۔

البتہ فسخ جائز ہونے کے وقت میں ان کا اختلاف ہے، مالکیہ کے ہاں: کام شروع کرنے سے پہلے فسخ کرنا جائز ہے اور لازم ہو جائے گا مقرر کرنے والے کے ذمہ جب کام شروع ہو گیا، رہ گیا عامل اس پر کوئی چیز بھی لازم نہیں کام سے پہلے بعد اور شروع کرتے وقت۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں: انعام مقرر کرنے والا اور معین عامل جب چاہیں فسخ کر سکتے ہیں جیسے کہ تمام عقود جائز شرکت ووکالت وغیرہ کام مکمل ہونے سے پہلے اب اگر کام شروع کرنے سے پہلے مالک یا عامل متعین نے عقد فسخ کر دیا یا عامل نے کام شروع کرنے کے بعد فسخ کر دیا تو ان دونوں حالتوں میں اس کے لئے کچھ بھی نہیں۔ اس لئے کہ پہلی صورت میں اس نے کوئی کام نہیں کیا اور دوسری صورت میں مالک کی غرض پوری نہیں ہوئی اگر مالک نے کام شروع ہونے کے بعد فسخ کیا تو عامل کے لئے اس کے ذمہ اس کے عمل کی بقدر اجرت مثل ہے شوافع کے اصح قول کے مطابق۔ کیونکہ اس عوض کی وجہ سے کام کیا ہے اور اس کو اس کے عمل کی اجرت سپرد نہیں کی گئی جیسا کہ مضاربت میں رب المال کام شروع کرنے کے بعد اسے فسخ کر دے تو عامل انعام یا اجرت معین کا مستحق ہوگا کام مکمل کرنے پر لیکن اگر عامل کام مکمل کرنے سے پہلے فسخ کر دے تو کسی چیز کا بھی مستحق نہ ہوگا۔ اگر مالک نے گم شدہ سامان واپس لانے کے لئے ایک مکان متعین کر دیا اور عامل نے اس سے قریب ترین جگہ پر وہ مال پہنچا دیا تو اس کو انعام کا حصہ ملے گا جیسا کہ شوافع کے ہاں ایسا ہی ہے۔

اگر دو شخص سامان واپس کرنے میں شریک ہوں گے تو دونوں انعام میں بھی شریک ہوں گے کیونکہ دونوں نے اسے لوٹایا ہے۔ اگر عامل نے وہ چیز واپس لا دی تو انعام حاصل کرنے کی غرض سے اسے روکے رکھنا جائز نہیں جیسا کہ اس پر مالک کی اجازت سے خرچ کیا ہوا مال لینے کے لئے نہیں روک سکتا، کیونکہ انعام کا مستحق ہی وہ اس شئی کو سپرد کرنے سے بنتا ہے نہ کہ رکنے سے۔

عامل صرف صاحب عمل کی اجازت سے انعام کا مستحق ہوتا ہے وہ بھی عمل سے فارغ ہونے کے بعد جیسا کہ مریض کا صحت یاب ہونا قراۃ و کتابت سکھانا، ورنہ نہیں۔

انعام میں کمی بیشی کرنا.....شوافع اور حنابلہ کے ہاں مالک انعام کے لئے انعام میں کمی بیشی کرنا جائز ہے، کیونکہ انعام ایک ایسا جائز عقد ہے جو لازم نہیں ہوتا، لہٰذا اس میں مضاربت کی طرح کمی بیشی جائز ہے البتہ شوافع عمل اور کام سے فارغ ہونے سے پہلے اس کو جائز قرار دیتے ہیں چاہے کام شروع کرنے سے پہلے کرے یا شروع کرنے کے بعد، مثلاً کہے جو میری فلاں چیز واپس لائے گا اس کے لئے دس روپے ہیں پھر کہے پانچ ہیں یا اس کا عکس، اس کا فائدہ کام شروع کرنے کے بعد ظاہر ہوگا، تو اس صورت میں اجرت مثل واجب ہوگی، کیونکہ یہ کمی یا زیادتی کی ترمیم اعلان سابق کو فسخ قرار دینا ہے۔ اور مالک کی جانب سے فسخ اجرت مثل کا تقاضا کرتا ہے۔ البتہ حنابلہ نے اس ترمیم کو کام شروع کرنے سے پہلے کے ساتھ مقید کیا ہے اس کے لئے کام کرنا جائز ہے۔

مالک اور عامل کے اختلاف کا حکم...... جب مالک اور عامل کے درمیان اختلاف ہو جائے اب کس کی تصدیق ہوگی بمعہ قسم اس میں تفصیل ہے، اگر اختلاف انعام مقرر کرنے میں ہو کہ ان میں سے ایک اس کا انکار کرے تو انکار کرنے والے کی تصدیق ہوگی قسم کے ساتھ مثلاً عامل کہے میرے لئے انعام مقرر کیا گیا تھا، اور مالک انکار کرے تو مالک کی تصدیق ہوگی قسم کے ساتھ، کیونکہ اصل یہ ہے کہ انعام مقرر نہ ہو لیکن اگر کام کی تقسیم میں اختلاف ہو مثلاً گم شدہ گاڑی تلاش کرنا یا سامان تلاش کرنا، یا اختلاف ہو کام کرنے والے کے بارے میں تو عامل کی تصدیق قسم کے ساتھ کی جائے گی، کیونکہ عامل ایسی چیز کا دعویٰ کر رہا ہے جس کی اصل نہ ہونا ہے لہٰذا منکر کی تصدیق ہوئی اسی طرح انکار کرنے والے کی تصدیق ہوگی جب عامل کی کوشش میں اختلاف ہو جائے بایں طور کہ مالک کہے اس نے واپس نہیں لائی بلکہ خود واپس آیا ہے تو مالک کی تصدیق قسم کے ساتھ ہوگی کیونکہ اصل نہ لوٹانا ہے۔ اگر دونوں کا اختلاف انعام کی مقدار میں ہو جائے یا مسافت یا جگہ کی تعیین میں تو مالکیہ

اور شوافع کے ہاں دونوں قسم اٹھائیں گے اور عقد فسخ کر دیا جائے گا اجرت مثل واجب ہوگی جیسا کہ اگر دونوں عقد اجارہ میں اختلاف کریں۔ اور حنابلہ کے ہاں مالک کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کیونکہ اصل اس زیادہ رقم کا نہ ہونا ہے جس میں اختلاف ہے اور اس لئے بھی کہ اصل عوض میں بھی مالک کا قول معتبر ہے لہٰذا اس کی مقدار میں بھی اسی کا قول معتبر ہوا جیسا کہ مضاربت میں رب المال کا اعتبار ہے۔ نیز وہ اس زیادتی کا منکر ہے جس کا عامل دعویٰ کرتا ہے اور اصل اس سے بری ہونا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں حلف اٹھائیں جیسا کہ بیع وشراء کرنے والے جب ثمن کی مقدار میں اختلاف کریں یا اجیر اور مستاجر اجرت کی مقدار میں اختلاف کریں اگر دونوں حلف اٹھائیں جیسا کہ بیع وشراء کرنے والے جب ثمن کی مقدار میں اختلاف کریں یا اجیر اور مستاجر اجرت کی مقدار میں اختلاف کریں اگر دونوں نے حلف اٹھالیا تو عقد فاسد ہو جائے گا اور اجرت مثل واجب ہوگی۔

انعام اور اجارہ میں وجہ اختلاف......اجارہ اور انعام پانچ وجوہ سے اختلاف ہے۔

۱......انعام غیر متعین عامل کے لئے بھی درست ہے، جبکہ اجارہ مجہول سے درست نہیں۔

۲......انعام مجہول کام پر بھی درست ہے جبکہ اجارہ صرف معلوم کام کا درست ہے۔

۳......انعام میں عامل کا قبول کرنا شرط نہیں، کیونکہ یہ صرف ایک کے ارادہ سے ہوتا ہے، اور اجارہ میں اجیر کا قبول کرنا ضروری ہے۔

۴......جعالہ (انعام) ایک جائز غیر لازم عقد ہے جبکہ اجارہ عقد لازم ہے اسے دونوں کی رضامندی کے بغیر فسخ نہیں کیا جاسکتا۔

۵......انعام میں کام سے فارغ ہونے سے پہلے اس کا مستحق نہیں ہوتا اگر جلدی کی شرط لگائی تو فاسد ہو جائے جبکہ اجارہ میں تعجیل اجرت کی شرط جائز ہے۔

پانچویں فصل......شرکتوں کے بیان میں

اس میں دو بحثیں ہوگی ایک مالوں میں شرکت، اور دوسری شرکت مضاربت۔

پہلی بحث......شرکت اموال

تمہید شرکت کی تعریف اور اس کی مشروعیت......شرکت کا لغوی معنی ملانا ہے یعنی دو مالوں کو آپس میں اس طرح ملانا کہ دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے سے ممتاز نہ ہو، پھر جمہور کے ہاں ایک خاص عقد پر اس کا اطلاق ہونے لگا اگرچہ دو حصے نہ بھی ملے ہوں، کیونکہ یہ عقد ہی اختلاط کا سبب ہے [1] اور شرکت کی اصطلاحی تعریف میں فقہاء کی عبارتیں مختلف ہیں: مالکیہ کے ہاں دونوں کا مال میں تصرف کرنے اذن ہے یعنی کہ دو شریکوں میں سے ہر ایک دوسرے کو اجازت دے اسی مال میں تصرف کی جوان دونوں کا ہے جس میں دونوں کے تصرف کا حق باقی ہو اور حنابلہ کے ہاں شرکت، حق یا تصرف میں اجتماع کا نام ہے۔ شوافع کے ہاں: مشترک طور پر دو یا زیادہ آدمیوں کا کسی چیز میں استحقاق کا ثبوت۔ حنفیہ کے ہاں: شرکت، شریکوں کا اصل مال اور منافع میں شریک ہونے کا عقد ہے۔ یہ سب سے عمدہ تعریف ہے کیونکہ اس کو حقیقت شرکت سے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ ایک عقد ہے اور باقی تعریفیں یا تو شرکت کے مقصد یا اس کے اثر یا اس پر مرتب ہونے والے نتیجہ کے اعتبار سے ہیں۔

شرکت کی مشروعیت......شرکت کی مشروعیت قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور اجماع سے ثابت ہے۔

---

[1]......فتح القدیر مع العنایۃ : ۵/۳۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ ......النساء ۴/ ۱۲

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ص:۳۸/ ۲۴

احادیث سے ثبوت ......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث قدسی میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جب تک ایک ساتھی دوسرے کے ساتھ خیانت نہ کرے تو میں ان دونوں کا تیسرا شریک ہوں جب کوئی خیانت کرے تو میں ان دونوں کے درمیان سے نکل جاتا ہوں'' رواه ابو داؤد والحاکم وصحح اسناده۔ (۱) مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ میں ان دونوں کی حفاظت اور مدد کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان دونوں کی ان کے مالوں میں مدد فرماتے ہیں اور ان کی تجارت میں برکت نازل کرتے ہیں، جب خیانت ہوتی ہے تو ان سے برکت اور مدد اٹھالی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں مبعوث ہوئے کہ لوگ آپس میں شرکت کا معاملہ کرتے تھے اس پر ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا۔ جیسا کہ بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہے۔ (۲) نیز آپ علیہ السلام نے فرمایا: جب تک دو شریک خیانت نہ کریں اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان پر ہوتا ہے۔ (۳) مسلمانوں کا شرکت کے جواز پر اجماع ہے البتہ اس کی اقسام میں اختلاف ہے، اسی وجہ سے شرکت کی تمام اقسام پر بات ہوگی۔ اس کی مشروعیت کی یہ ہے کہ لوگوں کو ایسے مال کے بڑھانے اور سرمایہ کاری کرنے میں تعاون کی قدرت اور بڑی بڑی صنعتی، تجارتی اور زرعی فیکٹریاں بنانے کی اجازت ہے جو ایک شخص نہیں کرسکتا۔

شرکت کی قسمیں ......شرکت کی دو قسمیں ہیں:

۱......شرکت املاک یہ قوانین کے اعتبار سے جبری شرکتیں ہیں۔

۲......شرکت عقد یہ قوانین کے اعتبار سے اختیاری شرکتیں ہیں۔

۱۔ شرکت املاک ......یہ ہے کہ دو شخص بغیر عقد شرکت کیے کسی شئی کے مالک ہوجائیں۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ اختیاری شرکت ......وہ شرکت ہے جو دو شریکوں کے عمل سے پیدا ہوجائے مثلاً دونوں کوئی چیز خرید لیں، یا دونوں کو کوئی چیز ہبہ کی گئی ہو، یا دونوں کو وصیت میں ملے، دونوں اسے قبول کرلیں، پس خریداروں، موھوب اور جن دونوں کی لئے وصیت ہے، یہ اس چیز میں شرکت املاک کے اعتبار سے مشترک ہیں۔

۲۔ جبری شرکت ......وہ شرکت جو کسی کے لئے ثابت ہوجائے اپنے عمل کے بغیر جیسے دو آدمی کسی چیز کے وارث ہوجائیں تو شئی موروث ان دونوں میں شرکت ملک کے اعتبار سے مشترک ہوگی۔

شرکت ملک کی دونوں قسموں کا حکم ......یہ ہے کہ شریکوں میں سے ہر ایک دوسرے کے حصہ کے اعتبار سے اجنبی ہے اس کے لئے دوسرے کے حصہ میں تصرف بغیر اجازت کے جائز نہیں، اس لئے کہ ان میں سے کسی کو بھی دوسرے کے حصہ میں کوئی ولایت حاصل نہیں۔

۲۔ شرکت عقود ......مال اور منافع میں دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کا عقد کرنا اور یہی حنفیہ کی سابقہ تعریف بھی ہے، حنابلہ کے ہاں اس

---

(۱)......نیل الاوطار: ۵/ ۲۶۴۔ (۲) نصب الرایۃ: ۳/ ۴۷۴۔ (۳) المغنی: ۵/ ۱۔

کی پانچ قسمیں ہیں:

۱.....شرکت عنان ۲.....شرکت مفاوضہ ۳.....شرکت ابدان

۴.....شرکت وجوہ ۵.....مضاربت

حنفیہ نے اس کی چھ قسمیں کی ہیں:

۱.....شرکت اموال ۲.....شرکت اعمال

۳.....شرکت وجوہ پھر ان میں سے ہر قسم یا تو مفاوضہ ہوگی یا عنان۔ خلاصہ یہ کہ فقہاء میں سے مالکیہ اور شوافع کے ہاں شرکت کی چار قسمیں ہیں:

۱.....شرکت عنان ۲.....شرکت مفاوضہ ۳.....شرکت ابدان ۴.....شرکت وجوہ۔

شرکت عنان کے جائز اور صحیح ہونے پر علماء کا اتفاق ہے، باقی اقسام کی مشروعیت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔شوافع، اصحاب ظواہر اور امامیہ، شرکت عنان اور مضاربت کے علاوہ باقی شرکتوں کو باطل قرار دیتے ہیں، جبکہ حنابلہ شرکت مفاوضہ کے علاوہ باقی تمام شرکتوں کو جائز قرار دیتے ہیں، اور مالکیہ شرکت وجوہ اور حنفیہ کی تعریف کے مطابق، شرکت مفاوضہ کے علاوہ تمام شرکتوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔حنفیہ اور زیدیہ تمام شرکتوں کو متعین شرائط ہونے کی صورت میں جائز قرار دیتے ہیں۔میں حنفیہ کے مذہب کے مطابق شرکت عقود کی تقسیم آئندہ مذکورہ مقاصد میں بحث کروں گا، اور شرکت مضاربت کو الگ طور پر مستقل بیان کروں گا۔

پہلا مقصد.....شرکت عقود کے منعقد ہونے کی کیفیت کے بیان میں۔

دوسرا مقصد.....شرکت عقود کی شرائط۔

تیسرا مقصد.....شرکت عقود کے احکام۔

چوتھا مقصد.....عقد شرکت اور شریک کے قبضہ کی نوعیت۔

پانچواں مقصد.....عقد شرکت باطل کرنے والی چیزیں۔

چھٹا مقصد.....شرکت فاسدہ۔

پہلا مقصد: شرکت عقود کے منعقد ہونے کی کیفیت.....حنفیہ کے ہاں شرکت عقود کے ارکان ایجاب اور قبول ہیں بایں طور کہ دو شریکوں میں سے ایک دوسرے کو کہے، میں تمہیں فلاں، فلاں چیز میں شریک کرتا ہوں، اور دوسرا کہے۔ میں نے قبول کیا اور اس کی تین قسمیں ہیں: شرکت اموال، شرکت وجوہ، شرکت اعمال وغیرہ عنقریب ان میں سے ہر قسم کی تعریف ذکر کروں گا۔ جمہور کے ہاں شرکت کے ارکان تین ہیں، عاقدین، معقود علیہ اور الفاظ وصیغے۔

پہلی بات: شرکت اموال کی تعریف..... یہ کہ دو آدمی مال میں شریک ہو جائیں اور دونوں کہیں: ہم دونوں اس مال میں خرید وفروخت کے اعتبار سے اکٹھے شریک ہیں۔ یا مطلقاً کہیں: جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں منافع دیا وہ اس شرط کے ساتھ ہمارے درمیان مشترک ہوگا، یا ایک یہ کہے اور دوسرا کہے میں نے قبول کیا۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں مفاوضہ، اور عنان۔

۱۔**شرکت عنان**..... یہ کہ دو آدمی اپنے مال میں اس طور پر شریک ہوں کہ وہ اس مال میں تجارت کریں گے اور منافع دونوں کے

درمیان تقسیم ہوگا۔ یہ بالا جماع جائز ہے، ابن منذر نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

البتہ اس کی بعض شرطوں میں اختلاف ہے جیسا کہ اس کے نام کی علت میں اختلاف ہے کہا گیا ہے اس کو عنان اس وجہ سے کہتے ہیں کہ دونوں شریکوں میں اصل یہ ہے کہ وہ دونوں مال اور تصرف میں شریک ہوں جیسے جب دو گھڑ سوار اپنے گھوڑوں اور رفقاء میں برابر ہوں تو ان دونوں کے گھوڑوں کی گردنیں برابر ہوں گی۔ اور شرکت عنان میں بھی دو آدمی اپنے معلوم مال میں شریک ہوتے ہیں اور باقی مال میں منفرد ہوتے ہیں یہ دونوں جس مال میں شریک ہوتے ہیں اس میں برابر ہوتے ہیں۔ فراء نے کہا: یہ عن الشئی سے مشتق ہے (یعنی جب کوئی چیز پیش کی جائے جب کوئی ضرورت پیش آئے تو کہا جاتا ہے مجھے حاجت پیش ہے۔ شرکت عنان کو بھی اس وجہ سے عنان کہتے ہیں کیونکہ اس میں بھی ہر ایک اپنے شریک کو مال پیش کرتا ہے یا تجارت وغیرہ کے اعتبار سے اپنے حصے پیش کرتے ہیں۔ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عنان الدابہ کے لفظ سے مشتق ہے اور یہ وہ رسی ہے جس سے جانور کو کھینچا جاتا ہے، گویا دونوں شریک ایک دوسرے کی گردن کھینچ رہے ہیں مطلقاً تصرف کی اجازت نہیں شرکت کی اقسام میں سے یہ قسم لوگوں کے درمیان جاری ہے، کیونکہ شرکت عنان میں نہ مال میں برابری شرط ہے نہ ہی تصرف میں، بس دو شریکوں میں سے ایک کا مال اگر زائد ہو تو یہ جائز ہے جیسا کہ یہ جائز ہے کہ دونوں میں سے ایک ہی مسؤل ہو، اسی وجہ سے اس میں کفالت نہیں سوائے اس تصرف کے جس کے بارے میں عقد کیا ہے اس میں ہی ان سے مطالبہ ہوگا، باقی شریک کے تصرفات کے بارے میں اس سے سوال نہیں ہوگا اس کے باوجود منافع میں وہ دونوں برابر ہوں یا الگ الگ یہ جائز ہے، پس منافع اسی شرط کے مطابق تقسیم ہوگا جس پر دونوں متفق ہوں گے اور خسارہ صرف اصل مال کے اعتبار سے ہوگا، اس قاعدے پر عمل درآمد کرتے ہوئے کہ منافع شرط کے مطابق اور نقصان مالیت کے اعتبار سے۔

۲۔ **شرکت مفاوضہ**......اس قسم کو شرکت مفاوضہ اس لئے کہتے ہیں کہ اصل مال، منافع اور تصرف میں دونوں برابر ہوتے ہیں۔ ھدایہ میں ہے: کیونکہ یہ شرکت تمام تجارتوں میں عام ہے اور ہر ایک شرکت کے معاملہ کو دوسرے کو سپرد کرتا ہے مطلقاً، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تفویض سے ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے تصرف کو دوسرے کے سپرد کرتا ہے ہر حال میں موجودگی اور عدم موجودگی میں۔

مالکیہ اور شوافع کے ہاں مفاوضہ دو آدمیوں کا بات چیت میں برابر سے ہے، اور شریعت میں ہر اعتبار سے۔ اور اصطلاح میں مفاوضہ دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کا اس بات پر عقد کرنا کہ وہ شریک ہیں کام میں اس شرط پر کہ دونوں مال، تصرف اور نفع اور مذہب کے اعتبار سے شریک ہیں۔ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا کفیل ہے، بیع وشراء میں یعنی تجارتی حقوق میں ہر وہ چیز لازم ہے جو ایک پر ہے اور جو ان میں سے ایک پر لازم ہے وہ دوسرے پر بھی لازم ہے یعنی تجارت سے متعلقہ حقوق وواجبات میں دونوں ایک دوسرے کے ضامن ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے بمنزلہ وکیل ہے، اور جو اس کے ذمہ ہے اس میں بمنزلہ کفیل۔ یہ دونوں اصل مال اور نفع میں برابر کے شریک ہیں لہٰذا ایک کا مال دوسرے سے زیادہ ہو یہ صحیح نہیں۔ مثلاً ایک ہزار دینار کا مالک ہو دوسرا پانچ سو کا، اور اگر سارا مال تجارت میں نہ ہو، یعنی یہ جائز نہیں کہ مال شرکت میں سے وہ دونوں کچھ باقی رکھیں، سوائے اس کے کہ وہ اس کو شرکت میں داخل کردیں، اور تصرف میں برابری شرط ہے لہٰذا بچے اور بالغ شرکت درست نہیں، مسلمان اور کافر کے درمیان بھی درست نہیں۔ اسی طرح ایک کا تصرف دوسرے سے زیادہ ہو یہ بھی درست نہیں۔ جب مکمل برابری پائی جائے گی تو شرکت منعقد ہوگی ان میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل اور عقد کا کفیل ہوگا، اور اس سے تمام تصرفات کے بارے میں پوچھا جائے گا، جب بھی ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی یا کوئی ایک مال کا مالک ہوا کہ وہ شرکت میں لگ سکتا ہے تو شرکت مفاوضہ، شرکت عنان میں تبدیل ہوجائے گی، برابری نہ ہونے کی وجہ سے اسی بناء پر یہ شرکت دونوں شریکوں کے درمیان ان کے سارے مال میں حقوق یعنی وراثت رکاز اور لقطہ میں اشتراک چاہتی ہے اور جو ان پر واجبات ہیں جن کا ان میں سے ہر ایک التزام کرتا ہے

تجارتی قرض، ضمان غصب، تلف شدہ چیز کی قیمت جانور کی جنایت کی دیت، کپڑے وغیرہ کی دیت اور اس طرح کے دوسرے تاوان مالی وغیرہ طرفین کے ہاں۔

باالفاظ دیگر شرکت مفاوضہ منعقد ہوتی ہے اس اشترک کی بنیاد پر جس کا ہر ایک شریک مالک ہوتا ہے ایسے مال سے جس کا رأس المال ہونا شرکت کے لئے صحیح ہے اور وہ موجود نقدی ہے اور اس میں منافع اور اصل مال میں برابری کے ساتھ، اور یہ کہ ہر شریک دوسرے کے مال میں عمل کرے گا اپنی رائے سے۔ جب ایک شریک نے بھی اس مال کا اختصاص کرلیا جو شرکت کے عقد میں اصل مال بن سکتا ہے جیسے نقدی وغیرہ تو پھر یہ شرکت مفاوضہ نہ رہے گی، اگرچہ اس کے الفاظ ہی سے اس کا انعقاد ہوا ہو کیونکہ برابری نہیں ہے مال میں، ہاں اگر ان میں سے کوئی ایک کسی سامان یا کسی کے دین کو اپنے لئے خاص کرلے یا زمین کی مالیت کا جو مملوک کی صحت میں مؤثر نہیں، کیونکہ ان میں سے ہر چیز اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتی کے اس پر شرکت ہوسکے تو یہ اختصاص اس کا ایسا ہے جیسا زوجہ کا، پس جب ایک شریک وراثت وغیرہ سے کسی مال کا مستحق ہوا تو اگر وہ مال نقدی ہے یعنی درہم دنانیر اور اس کا بالفعل قبضہ بھی مکمل ہوگیا تو شرکت مفاوضہ فاسد ہوجائے گی البتہ جب سامان، زمین وغیرہ پر قبضہ کیا تو شرکت مفاوضہ فاسد نہیں ہوگی۔

حنفیہ اور زیدیہ اس شرکت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے جائز قرار دیتے ہیں: ”کہ جب تم شرکت مفاوضہ کرو تو اچھی طرح برابری کرو۔“ نیز آپ نے فرمایا: ”شرکت مفاوضہ کیا کرو کیونکہ اس میں بہت برکت ہے“ نیز لوگوں کا اس میں تعامل رہا ہے ہر زمانے میں بغیر کسی نکیر کے، رہ گئی اس میں وہ جہالت جو وکالت پر مبنی ہونے کی وجہ سے مجہول شئی کے خریدنے کی وجہ سے ہوتی ہے اور کفالت مجہولہ تو یہ اس کو برداشت کرسکتی ہے، کیونکہ یہ تبعاً ثابت ہوتی ہے، اور تبعاً تصرف صحیح ہے مقصود درست نہیں جیسا کہ مضاربت میں اسی طرح ہوتا ہے، کیونکہ یہ بھی وکالت کو متضمن ہے مجہول الجنس چیز کے خریدنے پر۔

مالکیہ شرکت مفاوضہ کی اجازت دیتے ہیں اس مفہوم کے علاوہ جیسے حنفیہ ذکر کرتے ہیں وہ یہ کہ شرکت مفاوضہ اس طور پر منعقد ہو کہ ہر ایک شریک اصل مال میں مستقل طور پر تصرف کرنے والا ہو دوسرے شریک کی رائے لئے بغیر چاہے وہ حاضر ہوں یا غائب، چاہے بیع ہو یا شراء، لینا ہو یا دینا، کرائے پر ہو یا دیا جائے، ضمان ہو یا وکالت وکفالت، قرض ہو یا تبرع، اور اس کے علاوہ چیزیں جو تجارت میں تصرف کی محتاج ہیں اور ہر شریک پر دوسرے شریک کا عمل لازم ہوگا، اور یہ صرف اس مال پر ہوگی جس پر عقد تمام ہوا، نہ کہ وہ مال جس کے وہ منفرداً مالک ہوئے ہیں وہ شرکت میں داخل نہیں ہوگا۔ باقی جب اس طور پر شرکت کا عقد کریں کہ ہر ایک منفرداً اصل مال میں تصرف کرے اور اس کو سارے شریکوں کے ساتھ کام کرنا پڑے تو یہ ان کے ہاں شرکت عنان ہے۔ اس مفہوم کے مطابق شرکت مفاوضہ جو مالکیہ کے ہاں ہے اس میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ شرکت مفاوضہ کا وہ مفہوم جسے حنفیہ اور زیدیہ ذکر کرتے ہیں اسے حنابلہ شوافع اور جمہور فقہاء جائز قرار نہیں دیتے، کیونکہ یہ ایسا عقد ہے جس کے بارے میں شریعت کا حکم نہیں۔

نیز اس برابری کا پایا جانا جو اس شرکت میں مطلوب ہے ایک مشکل کام ہے، نیز اس میں بہت دھوکا ہے اور جہالت، کیونکہ اس میں وکالت اور کفالت مجہول ہے لہٰذا صحیح نہیں جیسے بیع غرر۔ اور اس میں غرر کی وضاحت یوں ہے کہ ان میں سے ہر ایک اس کا التزام کرے گا جس کا دوسرے نے کیا، اور کبھی ایسی چیز کو بھی التزام کرنا پڑے گا جس کے کرنے پر قادر نہیں ہوگا، اسی وجہ سے شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”اگر شرکت مفاوضہ باطل نہ ہو تو میں دنیا میں پھر کوئی باطل نہیں جانتا“ رہ گئی گذشتہ حدیث تو وہ معروف نہیں اور نہ ہی اسے اصحاب سنن نے روایت کیا، بلکہ اس میں جو کچھ ہے اس سے یہ عقد مراد نہیں یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں مفاوضہ مراد ہو اسی وجہ سے اس کی وجہ بھی مردی ہے کہ جھگڑا مت کرو، کیونکہ جھگڑا شیطان کی طرف سے ہے۔ واقع یہ ہے کہ شرکت مفاوضہ کا حنفیہ والا

مفہوم متعذر نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

دوسری بات: شرکت وجوہ کی تعریف...... دو صاحب وجاہت شخص شرکت کریں کہ ان کے پاس مال نہ ہو اس بات پر کہ وہ دونوں ادھار اپنے ذمہ خریدیں گے اور اس کو نقد فروخت کریں گے، لوگوں کے ہاں ان کی دید کی وجہ سے پس وہ دونوں کہیں ہم دونوں اس بات میں شریک ہیں کہ ادھار خرید کر نقد فروخت کریں گے، اس پر جو اللہ تعالیٰ ہمیں منافع عطا کریں گے وہ ہمارے درمیان طے شدہ تناسب کے ساتھ ہوگا۔ اور اس شرکت کو شرکت وجوہ کہتے ہیں، کیونکہ اسے ادھار صرف لوگوں کے درمیان وجاہت کی وجہ سے خرید سکتے ہیں، اور شرکت علی الذمہ کے نام سے مشہور ہے بغیر صنعت و مال کے۔

یہ حنفیہ، حنابلہ اور زیدیہ کے ہاں جائز ہے، کیونکہ یہ ایسا عقد ہے جس میں ہر شریک اپنے ساتھی کا بیع وشراء میں وکیل ہوتا ہے اور ان دونوں کی ایک دوسرے کی وکالت اس بات پر کہ ان کے درمیان شئی مشتری صحیح ہے۔ پس اسی طرح وہ شرکت جو اس کو متضمن ہے۔ اور یہ بھی اس طور پہ کے تمام زمانوں میں لوگ یہ معاملہ کرتے رہے بغیر انکار کے، خلاصہ یہ کہ جس چیز پر کام کے اعتبار سے یہ متفق ہوں تو اس کا عقد شرکت منعقد کرنا بھی صحیح ہے۔

مالکیہ، شافعیہ، ظاہریہ، امامیہ، لیث، ابوسلیمان، اور ابوثور کے ہاں یہ شرکت باطل ہے، کیونکہ شرکت یا تو مال سے متعلق ہوتی ہے یا عمل سے اور اس مسئلہ میں یہ دونوں معدوم ہیں۔ ایسا مال نہیں پایا جا رہا جو شرکاء کے درمیان مشترک ہو، نیز اس میں غرر بھی ہے، اس لئے کہ ہر ایک شریک اپنے ساتھی کو غیر متعین صنعت کے کسب کا معاوضہ دے گا، یا عمل مخصوص کا پس منافع، مال کی بڑھوتری نہ ہوا، اور نہ عمل کے مقابل، لہٰذا اس کا استحقاق نہیں ہوگا۔ پہلی رائے کے مطابق، دو شریکوں کا اپنے حصہ میں کسی چیز کی ملکیت میں جدائی ڈالنا درست ہے، پس ایک کے لئے نصف یا نصف سے زیادہ درست ہے۔ دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''مسلمان اپنی شرطوں کے مطابق ہیں، اور ان کے درمیان منافع حصہ ملکیت کے اعتبار سے ہوگا، اور کسی ایک کا اپنے حصے سے زیادہ منافع لینا جائز نہیں، کیونکہ اس شرکت میں منافع خریدے ہوئے سامان کے ثمن کے ضمان کے بقدر ہوتا ہی، اور ضمان ملک کے اعتبار سے ہوتا ہے، لہٰذا منافع بھی اسی اعتبار سے ہوگا، اگر منافع، ضمان سے بڑھا دیا تو یہ بغیر مقابل کے زیادہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، رہ گیا نقصان تو وہ شرکاء پر بقدر ضمان ہوگا بالاتفاق۔

تیسری بات: شرکت اعمال وابدان کی تعریف...... یہ ہے کہ دو آدمی اس طرح شریک ہوں کہ وہ اپنے ذمہ کام لیں گے اور اس کی کمائی دونوں کے درمیان ہوگی، مثلاً سلائی، لوہار رنگ سازی وغیرہ، دونوں کہیں: ہم دونوں شریک ہیں کہ یہ کام کریں اس میں سے جو بھی اللہ تعالیٰ ہمیں اجرت دیں یہ ہمارے درمیان طے شدہ شرط کے مطابق ہوگی، اور یہ مشہور ہے شرکت عمال اور سارے پیشوں میں جیسے درزی، بڑھئی، دلال، وغیرہ تا کہ ان کی کمائی ان دونوں کے درمیان برابر یا تفاوت کے ساتھ ہوگی، چاہے ان کا پیشہ ایک ہو جیسے بڑھئی، یا مختلف ہو جیسے درزی اور بڑھئی، اور یہ معاملہ آج کا عام ہے لوہاروں اور بڑھیوں کے درمیان، اور نقب لگانے کی شرکت اور شرکت تفریغ وشحن وغیرہ شرکت اعمال میں سے ہیں۔

یہ شرکت مالکیہ، حنفیہ، حنابلہ اور زیدیہ کے ہاں جائز ہے کیونکہ اس سے مقصود منافع حاصل کرنا ہے، یہ وکالت سے ممکن ہے اور لوگوں میں اس کا تعامل بھی ہے، نیز یہ شرکت بالمال یا عمل بھی ہے، جیسا کہ مضاربت میں۔ اور یہ یہاں ایک عمل ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں، حضرت عمار اور حضرت سعد نے بدر کے دن شرکت کی حضرت سعد نے دو قیدی بنائے میں اور عمار کوئی بھی قیدی نہ بنا سکے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر نہیں فرمائی اور یہ شرکت لڑائی میں مال کے اعتبار سے ہے البتہ مالکیہ

اس شرکت کی صحت کے لئے اتحاد صنعت و پیشہ کی شرط لگاتے ہیں۔اگر چہ کام دو جگہوں میں ہی ہو، پس ایک ہی صنعت میں اہل صرف کی شرکت جائز ہے، اور دو مختلف صنعتوں اور پیشوں والوں کی شرکت جائز نہیں ہاں اگر دونوں کا کام لازم ملزوم ہو کہ ایک کے کام کا وجود دوسرے کے کام پر موقوف ہو، جیسے بننا اور دھاگہ نکالنا، مالکیہ یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ عقد میں اتفاق ہو، منافع تقسیم ہونے کے اعتبار سے کہ بقدر عمل منافع ملے، اور اس کے بعد تبرع سے کچھ نقصان نہیں۔اگر منافع میں تفاوت کی شرط لگائی تو شرکت فاسد ہو جائے گی، اور عرفاً منافع اور عمل میں قربت کافی ہے، اور کام میں کم تفاوت نقصان دہ نہیں، جبکہ منافع دونوں کے درمیان برابر سرابر ہو۔

حنابلہ بھی اس شرکت کے جواز کے قائل ہیں یہاں تک مباح العامہ چیزوں میں بھی جواز کے قائل ہیں جیسے لکڑیاں اور گھاس وغیرہ لیں۔پس ان کے ہاں جس میں دو شریک بدنوں کے اعتبار سے شریک ہوں وہ مباح میں بھی ہو سکتے ہیں جیسے گھاس، شکار، اور دارالحرب میں جاسوسی، اور مقتولین جنگ کا سلب، البتہ ان کے ہاں دلالوں کی شرکت جائز نہیں۔شوافع، امامیہ اور حنفیہ میں سے امام زفر اس شرکت کو باطل قرار دیتے ہیں، کیونکہ ان کے ہاں شرکت مالوں کے ساتھ خاص ہے نہ کہ عمل کے ساتھ، کیونکہ عمل کو منضبط نہیں کیا جاسکتا، اس میں غرر ہے اور عدم انضباط، اس لئے کہ ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ اس کا ساتھی کمائے گا بھی یا نہیں۔اور بسا اوقات ایک شریک سارا کام کرتا ہے جبکہ دوسرا کچھ بھی نہیں کر پاتا، تو اس میں عمل کا ثمرہ تقسیم کرنے میں غبن ہے، اور ان میں سے ہر ایک دوسرے سے بدن اور منافع کے اعتبار سے ممتاز ہے، لہٰذا فوائد میں بھی ممتاز ہوگا، جیسا کہ دونوں اگر لکڑیاں چننے میں یا شکار میں یا سارے مباحات میں شریک ہو جائیں۔یہ تو جائز نہیں یہاں کے حنفیہ کے ہاں بھی کیونکہ شرکت کا مقتضیٰ وکالت ہے، اور مباح چیز کی ملکیت میں وکالت درست نہیں، کیونکہ یہ تو استیلاء سے مالک بنا ہے۔

دوسرا مقصد: شرکت عقود کی شرائط.....علماء حنفیہ نے شرکت عقود میں شرائط لگائی ہیں، بعض وہ ہیں جو تمام انواع شرکت عقود کو شامل ہیں اور بعض خاص ہیں۔

پہلی قسم: شرکت عقود کی عام شرطیں.....شرکت عقود کی صحت کے لئے یہ شرائط ہیں۔

ا۔قابلیت وکالت.....وہ یہ کہ عقد شرکت میں معقود علیہ یہ تصرف قابل وکالت ہو، کیونکہ شرکت کا حکم ہے کہ منافع حاصلہ و تجارت وغیرہ سے ہوا ہے میں اشتراک کا ثبوت، اور تجارت سے حاصل شدہ منافع اس وقت تک مشترک نہیں ہوسکتا جب تک ان میں سے ہر ایک دوسرے کا بعض مال شرکت میں وکیل نہ ہو، اور دوسرے بعض میں عامل نہ ہو۔اسی بناء پر یہ شرکت ہر شریک سے دوسرے کے لئے بیع و شراء کا تصرف اور عمل قبول کرنا طلب کرتی ہے، اور وکیل غیر کی اجازت سے تصرف کرنے والا ہے۔اور یہ کہ شرکت کی مختلف انواع کے باوجود یہ وکالت کو متضمن ہے۔لہٰذا شرکت میں قابلیت وکالت شرط ہے، اور یہ کہ ہر ایک شریک وکالت اور توکیل کا اہل ہونا چاہئے۔اور جن چیزوں میں وکالت جائز نہیں برخلاف جمہور کے یعنی مباحات پر قبضہ وغیرہ۔

۲.....منافع طے شدہ طریقہ سے معلوم ہونا چاہئے۔بایں طور کہ ہر شریک کا منافع کا حصہ معلوم تناسب سے ہو مثلاً سو میں دس، تین یا پانچ فیصد، اگر منافع مجہول ہوا تو شرکت فاسد ہوگی، کیونکہ منافع ہی معقود علیہ ہے، اور معقود علیہ کی جہالت فساد عقد کو واجب کرتی ہے۔

۳.....منافع ایک عام حصہ ہو متعین نہ ہو، اگر متعین منافع کسی ایک کے لئے خاص کر دیا مثلاً دس یا سو، تو شرکت فاسد ہوگی، کیونکہ عقد منافع میں اشتراک کے تحقق کا تقاضا کرتا ہے اور یہ جائز ہے کہ منافع متحقق نہ ہو اس مقدار متعین کے جو شریکوں کے درمیان ہے پس خاص کرنا شرکت کے منافی ہے۔

دوسری قسم: شرکت اموال کے ساتھ خاص شرطیں.....شرکت اموال کے لئے خاص شرطیں ہیں چاہے وہ شرکت عنان ہو یا مفاوضہ اور وہ یہ ہیں۔

۱..... مال شرکت عین اور موجود ہونا چاہئے یا تو عقد کے وقت یا خریداری کے وقت یہی جمہور فقہاء کی رائے ہے، پس رأس المال کا دین ہونا جائز نہیں اور نہ غیر موجود مال، کیونکہ شرکت کا مقصد منافع ہے۔ اور یہ مکمل ہوتا ہے تصرف سے، اور دین اور غیر موجود مال میں تصرف نہیں ہو سکتا، پس شرکت کا مقصود ثابت و محقق نہیں ہوگا۔ نیز مدیون بسا اوقات دین نہ دے اور کبھی غائب مال کو حاضر نہ کرے۔ اسی بناء پر اگر کسی نے دوسرے کو ایک ہزار درہم دیئے، اور اس سے کہا اس کے برابر اپنے بھی لگا، ان کے ذریعے خرید و فروخت کر، جو نفع ہوگا وہ ہمارے درمیان ہوگا، اب اس نے ایک ہزار نکالے اور ان کے ذریعہ خریداری کی تو جائز ہے، پس اس طور پر اہم یہ ہے کہ مال خریداری کے وقت حاضر ہونا چاہئے عقد کے وقت شرط نہیں، کیونکہ شرکت خریداری سے تمام ہوتی ہے، لہٰذا اس وقت حاضر ہونا ضروری ہے۔

کیا دونوں مالوں کو ملانا شرط ہے؟...... جمہور (حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ) کے ہاں دونوں مالوں کو مکس کرنا خلط کرنا ضروری نہیں، کیونکہ شرکت عقد سے ہوتی ہے نہ کہ مال سے، اور عقد کا مورد وہ عمل ہے، اور منافع اس کا نتیجہ ہے، اور مال اس کے تابع ہے، لہٰذا مضاربت کی طرح مال کو یہاں بھی خلط ملط کرنا شرط نہیں۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ شرکت تصرف پر عقد ہے۔ اور اس میں وکالت کا مفہوم ہے، اور دونوں کی وکالت خلط سے پہلے بھی جائز ہے۔

پس شرکت بھی اسی طرح جائز ہے، شرکاء جب تصریح کر دیں کہ ان میں سے ایک ان دراہم کا یہ خریدے گا اور دوسرا دنانیر کے ذریعہ فلاں چیز خریدے گا اور شئی مشتری ان دونوں کے درمیان مشترک ہوگی تو یہ صحیح ہے، البتہ مالکیہ کے ہاں اختلاط کی شرط نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مالک الگ بھی نہ کریں من کل الوجوہ بلکہ حسًا یا حکمًا اختلاط ہونا چاہئے مثلاً دونوں مال ایک صندوق میں ہوں، یا دونوں کے قبضہ میں ظاہر ہوں۔

امام زفر، شوافع اور اصحاب ظواہر کے ہاں...... دونوں مالوں کو اس طرح خلط ملط کرنا کہ وہ ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہو سکیں یہ شرط ہے، اور یہ اختلاط عقد سے پہلے ہونا چاہئے، اگر بعد العقد اختلاط ہوا تو اَصح قول کے مطابق صحیح نہیں کیونکہ شرکت کا مطلب اختلاط ہے، اور دو مالوں کے ممتاز ہونے کے ساتھ اختلاط متحقق نہیں ہوگا لہٰذا شرکت کا معنی ثابت نہیں ہوگا، اور احکام شرکت میں سے یہ بھی ہے کہ دونوں مال خرچ ہوں، اگر خلط سے پہلے کسی ایک کا مال ہلاک ہو گیا تو وہ صرف اسی کا ہلاک ہوگا، اور یہ مقتضائے شرکت میں سے نہیں۔ اسی اختلاف پر مرتب ہے کہ جمہور کے ہاں شرکت صحیح ہے جبکہ دونوں مال مختلف الجنس ہوں مثلاً درہم، دینار وغیرہ یا ایک ہی جنس کے ہوں لیکن مختلف صفت کے جیسے تازہ گندم اور پرانی گندم یا سفید اور سیاہ گندم یا سفید اور سرخ کیونکہ ان کے ہاں خلط شرط نہیں۔

جبکہ شوافع اور امام زفر کے ہاں یہ درست نہیں کیونکہ ان میں تمیز ممکن ہے، اگرچہ اس میں تنگی و مشکل ہے کیونکہ ان کے ہاں دونوں مالوں کا اختلاط ضروری ہے تاکہ تمیز نہ ہو سکے، اور یہ مختلف الجنس والصفت مال سے حاصل نہیں۔

ابن رشد مالکی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: سمجھداری یہ ہے کہ مال کو مختلط کرنا شریکوں کے عمل میں افضل و اتم ہے کیونکہ خلوص اس میں جس طرح اس کے لئے پایا جاتا ہے اسی طرح اس کے ساتھی کے لئے بھی ہے۔

۲..... یہ کہ راس المال مطلق ثمن ہوں یعنی گذشتہ زمانہ میں درہم و دینار اور آج کل رائج نقدی اور یہ شرط جمہور علماء کے ہاں ہے، لہٰذا سامان میں شرکت جائز نہیں مثلاً زمین یا منقولی اشیاء، کیونکہ یہ ذوات الامثال میں سے نہیں ہیں، بلکہ یہ ذوات القیم میں سے ہیں، جو کہ عین کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتی رہتی ہے۔

اور اس میں شرکت منافع کی جہالت کو مستلزم ہے تقسیم مال کے وقت، کیونکہ رأس المال سامان کی قیمت ہے نہ کہ سامان، اور قیمت مجہول ہے، اس کی پہچان سمیٹنے اور انکل سے ہے جو کہ قیمت کے اعتبار سے مختلف ہوتی رہتی ہے، منافع مجہول ہو گیا، جو تقسیم کے وقت جھگڑے کی طرف لے جائے گا، پھر یہ بات بھی ہے کہ شرکت وکالت کو متضمن ہے، اور عروض میں وکالت درست نہیں، اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا: اپنا گھریا سامان فروخت کرو اس طور پر کہ اس کے ثمن ہمارے درمیان تقسیم ہوں گے تو اس طرح کرنا جائز نہیں اس لئے کہ اس پر صرف اس کی ولایت ہے نہ کہ دوسرے کی البتہ اگر کہا: اپنے مال میں سے سو درہم کی فلاں چیز خریدو جو خریدو گے ہمارے درمیان مشترک ہوگی یا میں اپنے مال میں سے ایک ہزار درہم کی کوئی چیز خریدتا ہوں جو خریدوں گا وہ ہمارے درمیان ہوگی، تو یہ جائز ہے، کیونکہ شرکت نقدی میں ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں رأس المال کا نقدی ہونا شرط نہیں جیسے دراہم ودنانیر میں شرکت جائز ہے اسی طرح عروض وسامان میں بھی جائز ہے چاہے ایک جنس کا ہو یا مختلف الجنس ہو، اور سامان کی شرکت قیمت کے اعتبار سے ہوگی، اس کی دلیل یہ ہے کہ شرکت معلوم رأس المال پر عقد کا نام ہے لہٰذا یہ نقود کے مشابہ ہوگئی۔

اس شرط کے مطابق یہ مسئلہ حنفیہ کے راجح روایت اور حنابلہ کے ہاں مرتب ہوگا کہ سونے چاندی کی ڈلی اور سونے چاندی کے پانی چڑھے ہوئے ٹکڑے میں شرکت درست نہیں چونکہ یہ عروض کی طرح ہیں۔ البتہ حنفیہ کی دوسری روایت کے مطابق ان چیزوں میں شرکت جائز ہے کیونکہ یہ ثمن مطلق کی طرح ہیں اور اس کا مدار لوگوں کے تعامل پر ہے، جب وہ اس کے ذریعہ معاملہ کریں تو ان کا حکم نقود کا ہوگا، اگر معاملہ نہ کریں تو پھر ان کا حکم عروض کا سا ہوگا۔ رہ گئے شوافع تو وہ ان چیزوں میں شرکت جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ ان کو مثلیات میں شمار کرتے ہیں۔

فلوس (پیتل کے سکے) میں شرکت جائز نہیں شیخین کی مشہور روایت کے مطابق کیونکہ جب اس کا رواج ختم ہو جائے تو یہ عروض کے حکم میں ہیں۔ اور اگر ان کا رواج ہو تو پھر بھی یہ شیخین کے ہاں ثمن مطلق نہیں (یعنی ثمنیت کی صفت ان کو لازم نہیں) کیونکہ یہ متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں۔ اور عاقدین کی اصطلاح سے مبیع بن جاتے ہیں جب یہ متعین ہونے کی وجہ سے ثمن مطلق نہیں ہیں معاوضات کے عقد میں۔ تو ان کو شرکت میں سارے عروض کی طرح رأس المال بنانا بھی درست نہیں، یہی مذہب ہے شوافع، حنابلہ اور مالکیہ میں سے ابن القاسم کی، کیونکہ کبھی تو یہ رائج ہوتے ہیں اور کبھی ان کا رواج ختم ہو جاتا ہے لہٰذا سامان کے مشابہ ہوں گے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں جو فلوس رائج ہوں انہیں شرکت میں رأس المال بنانا درست ہے کیونکہ اصل کے اعتبار سے ان کو ثمن مطلق مانا جاتا ہے اس لئے کہ اس صورت میں ثمنیت ان کو لازم ہے۔

مثلیات میں شرکت؟......وزنی، کیلی اور عددی متقارب اشیاء جو ثمن مطلق نہیں جیسے اخروٹ، انڈے وغیرہ مثلیات میں شرکت: شوافع اور مالکیہ کے ہاں ان میں شرکت جائز ہے، کیونکہ شوافع عددی متقارب کو مثلیات میں شمار کرتے ہیں، لہٰذا ان میں شرکت شوافع کے اظہر قول کے مطابق درست ہے، اور اس لئے بھی کہ جب کیلی اور وزنی چیزیں اپنی جنس سے مختلف ہو جائیں تو ان کے درمیان تمیز ختم ہو جاتی ہے، یہ نقدین (سونا، چاندی) کے مشابہ ہو گئے۔

اور مالکیہ ان چیزوں میں جب اختلاط ہو جائے تو قیمت کے اعتبار سے شرکت جائز قرار دیتے ہیں، نہ کہ فروخت کے وقت قیمت۔ جیسا کہ عروض میں ہوتا ہے، کیونکہ دو قسم کے غلوں کے اختلاط میں علیحدگی کرنا متعذر ہے، برخلاف عروض کے، کیونکہ ہر عرض (سامان) کا دوسرے سے علیحدہ کرنا ممکن ہے۔ حنابلہ کے ہاں ظاہر مذہب کے مطابق کیلی، وزنی اور عددی متقارب چیزوں میں بھی تمام عروض کی طرح شرکت جائز نہیں۔

حنفیہ وغیرہ کے ہاں اختلاط سے پہلے، کیلی، وزنی اور عددی متقارب چیزوں میں شرکت جائز نہیں، اس لئے کہ متعین کرنے سے متعین

ہوجاتی ہیں، جب عین ہوں تو عروض کی طرح ہوگئی، اور یہ ثمن مطلق بھی نہیں، اور اس بات کا علم ہونے کے باوجود کہ شرکت کا رأس المال ایسا ہو جو متعین کرنے سے متعین نہ ہوسکے، اگر کسی آدمی نے دوسرے سے کہا اپنی گندم فروخت کرو اس پر جو رقم حاصل ہوگی ہمارے درمیان مشترک ہوگی تو یہ جائز نہیں، ان کو ملانے کے بعد اگر شرکت، دو مختلف الجنس اجناس میں ہو جیسے گندم، چاول، جو وغیرہ تو بھی شرکت جائز نہیں۔ اگر ایک جنس کے ہوں تو بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں اس میں شرکت جائز نہیں، بلکہ یہ شرکت املاک بن جائے گی، جبکہ طرفین کے ہاں اختلاط کے بعد شرکت جائز ہے، پس حنفیہ کا مذہب، شوافع کے قریب ہے۔

اس اختلاف کا فائدہ دونوں مالوں کی برابری اور منافع میں کمی، زیادتی کی صورت میں نکلے گا، بایں طور کہ کیلی چیز دونوں شریکوں کے درمیان نصف نصف ہوگی، لیکن ان دونوں نے شرط لگائی کہ منافع ۳/۱ کے حساب سے تقسیم ہوگا، پھر انہوں نے دونوں کو ملالیا، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق دونوں کے درمیان منافع مقدار مال کے اعتبار سے نصف نصف ہوگا، اور امام محمد کے قول کے مطابق جس طرح طے ہوا اس طرح تقسیم ہوگا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس اصل پر چل رہے ہیں جو حنفیہ کے ہاں عدم جواز شرکت کی بنیاد ہے کیلی وزنی وغیرہ چیزوں میں اختلاط سے پہلے۔ اور وہ یہ کہ یہ ثمن مطلق نہیں ہر حال میں، بلکہ کبھی تو ثمن ہوتے ہیں اور کبھی مبیع، کیونکہ فی الجملہ فلوس کی طرح یہ متعین کرنے سے متعین ہوجاتے ہیں، اور شرکت کے جواز کی شرط یہ ہے کہ رأس المال ایسا ہونا چاہئے جو متعین کرنے سے متعین نہ ہو۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ وکالت کا مفہوم جو شرکت کو متضمن ہوتا ہے وہ ان اشیاء میں اختلاط کے بعد ثابت ہے لہٰذا یہ دراہم ودنانیر کے مشابہ ہوئے، برخلاف قبل الخلط کیونکہ وکالت، شرکت کے مقتضیات میں سے ہے اور ان اشیاء میں اختلاط سے پہلے صحیح نہیں۔

ان اشیاء میں جواز شرکت کی تدبیر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں یہ ہے: کہ مالوں کو اس طرح ملالیا جائے کہ شرکت ملک دونوں کے درمیان ہوجائے، پھر اس پر عقد شرکت کریں۔

تیسری قسم: شرکت مفاوضہ کے ساتھ خاص شرطیں......حنفیہ نے شرکت مفاوضہ کے لئے خاص شرطیں رکھی ہیں جو یہ ہیں:

۱......یہ کہ دونوں شریک وکالت اور کفالت کے اہل ہوں۔ بایں طور کہ دونوں آزاد ہوں بالغ، عاقل سمجھدار ہوں، اس لئے کہ مفاوضہ کے احکام میں سے ہے کہ جو چیز ایک شریک کے ذمہ حقوق واجبات وغیرہ میں سے لازم ہوگی تجارت میں سے وہ دوسرے کو ذمہ بھی لازم ہوگی، اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے بمنزلہ کفیل ہوگا، جیسا کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل بھی ہوتا ہے۔

۲۲ مشہور روایت کے مطابق رأس المال مقدار اور قیمت کے اعتبار سے ابتداءً وانتہاءً برابر ہونا چاہئے۔

اگر دونوں مال مقدار میں کم زیادہ ہوں کو شرکت مفاوضہ نہ ہوگی، کیونکہ مفاوضہ نام ہی مساوات وبرابری کا ہے، لہٰذا جہاں تک ممکن ہوسکے اس میں برابری کا لحاظ رکھا جائے گا، اور اگر دونوں مال قیمت کے اعتبار سے کم زیادہ ہوں تو مشہور روایت کے مطابق مثلاً بیع صرف میں نقدین میں تفاضل ہو تو مفاوضہ صحیح نہیں کیونکہ قیمت کا زیادہ ہونا بمنزلہ وزن کے زیادہ ہونے کے ہے۔ لہٰذا مقتضی عقد جو مساوات وبرابری ہے وہ ثابت نہ ہوگی۔

۳......ہر وہ چیز جو شرکت میں رأس المال بننے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ شرکت میں داخل ہوگی۔ اگر شرکت میں داخل نہ کی تو مفاوضہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اس میں ابتداء برابری نہیں۔

البتہ وہ چیزیں جن میں شرکت مفاوضہ صحیح نہیں جیسے سامان، زمینیں، دیون اور غیر موجود مال تو ان میں شرکت لازم نہیں جیسے بیویوں اور اولاد میں کمی زیادتی۔

مال میں ایک جنس کا ہونا ضروری اور شرط نہیں جب تک قیمت ایک اور متحد ہو برخلاف زیدیہ کے، اسی بناء پر اگر ایک کا رأس المال سونا ہو اور دوسرے کا چاندی اور دونوں کی قیمت ایک ہوتو شرکت مفاوضہ صحیح ہے، اسی طرح دونوں مالوں کا اختلاف بھی شرط نہیں، برخلاف امام زفر کے۔

۴۔ شرکت مفاوضہ...... میں منافع میں برابری پس اگر دونوں نے منافع میں کمی بیشی کی شرط رکھی تو شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی، برابری نہ ہونے کی وجہ سے۔

۵..... شرکت مفاوضہ تمام مباح تجارتوں میں ہو۔ کسی ایک شریک کا ایک تجارت خاص کر لینا دوسرے کے علاوہ یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ اس اختصاص کی وجہ سے مفاوضہ کا معنی یعنی برابری ختم ہو جائے گی، اس شرط کی بناء پر امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں شرکت مفاوضہ دو مسلمانوں میں ہوسکتی ہے، ایک مسلمان اور ایک کافر کے درمیان درست نہیں۔ کیونکہ ذمی کافر ایسی تجارت کرسکتا ہے جو مسلمان کے لئے جائز نہیں جیسے شراب اور خنزیر کی تجارت۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں شرکت مفاوضہ مسلمان اور کافر دونوں کے درمیان ہوسکتی ہے کیونکہ اہلیت میں دونوں برابر ہیں۔

۶..... شرکت مفاوضہ کے لفظ کے ذریعہ ہو، اس لئے کہ مفاوضہ کے لئے ایسی شرائط میں جو اس لفظ کے علاوہ میں نہیں لہٰذا مفاوضہ یا اس کے قائم مقام الفاظ سے یہ شرکت درست ہے۔ یہ تمام شرکت مفاوضہ کی شرائط ہیں جب بھی ان میں سے ایک شرط نہ پائی جائے گی تو یہ شرکت عنان بن جائے گی، کیونکہ شرکت عنان میں یہ شرائط نہیں۔ پس شرکت عنان میں کفالت کی اہلیت شرط نہیں اسے آدمی کے ساتھ بھی شرکت عنان درست ہے جس سے کفالت درست نہیں جیسے بچہ ماذون التجارۃ، اسی طرح رأس المال میں بھی برابری شرط نہیں۔ لہٰذا شریکین کے راس المال میں تفاضل کے باوجود صحیح ہے۔ اور اسی طرح اگر ایک کے پاس کچھ اور مال ہو اور وہ عقد شرکت میں داخل نہ کرے تو بھی درست ہے۔ اسی طرح تجارت میں بھی عموم شرط نہیں، لہٰذا عام اور خاص تجارت مثلاً غلہ، لوہا وغیرہ میں بھی جائز ہے۔ اسی طرح مسلمان اور ذمی دونوں کے ساتھ جائز ہے، کیونکہ شرکت عنان میں برابری شرط نہیں اسی طرح منافع میں بھی برابری شرط نہیں، اس میں کمی بیشی اور برابری دونوں صورتیں جائز ہیں۔

ہمارے استاذ الشیخ علی الخفیف نے فرمایا: فی الواقع جس شرکت مفاوضہ کی طرف حنفیہ گئے ہیں اس کو شرکت واقعی شمار نہیں کیا جاسکتا، اور اس کے وجود کے لئے پائے جانے کے وقت بقا نہیں۔ اس لئے کہ شرکاء بچے مالوں میں برابری کی شرط اور ہر شریک کا اسی مال کے ساتھ اختصاص کہ رأس المال کا شرکت میں تمام مراحل میں پایا جانا طویل عرصہ تک ممکن نہیں۔ اگر ہر شریک اپنے ان نقود پر دائماً رہے بھی جن پر اس شرکت کے ابتداء ہوئی ہے اور اس کی بعد اس میں زیادتی کا نہ ہونا ایک مشکل معاملہ ہے۔

چوتھی قسم: شرکت اعمال کی شرطیں...... اگر شرکت اعمال مفاوضہ ہو تو اس میں مفاوضہ کی مذکورہ بالا شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ مثلاً اہلیت کفالت، منافع میں برابر، اور لفظ مفاوضہ کی رعایت وغیرہ۔ اور اگر شرکت اعمال ہو تو اس کے لئے مفاوضہ کی کوئی شرط ضروری نہیں، صرف وکالت کی اہلیت شرط ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس چیز میں وکالت جائز ہے اس میں شرکت بھی جائز ہے اور جس چیز میں وکالت جائز نہیں اس میں شرکت بھی جائز نہیں۔ جب کسی صنعت کو کوئی آلہ استعمال کرنے کی ضرورت ہو تو کسی ایک شریک کا استعمال ثبوت شرکت میں کوئی اثر نہیں کرے گا، اور یہ اس شرط پر ہے کہ اس کا عمل غیر کے اجارہ میں نہ ہو، البتہ اگر وہ اس کو اجارہ پر لے تو اس کی اجرت خاص اسی کے لئے ہوگی مشترک نہ ہوگی، کیونکہ اجرت اس کے مملوکہ آلہ کے مقابل وعوض ہے۔ لہٰذا اس کے لئے خاص ہوگی۔ اسی بناء پر ایسے دو آدمیوں کے درمیان شرکت فاسد ہوگی کہ ایک کا خچر ہو اور دوسرے کا اونٹ، اور وہ دونوں اس کو اجارہ پر دیں، جیسا کہ عنقریب شرکت فاسدہ میں اس کا ذکر ہوگا، اور یہ سب شرائط، حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں ہیں۔

پانچویں قسم: شرکت وجوہ کی شرطیں..... اگر شرکت وجوہ مفاوضہ ہو تو اس میں دونوں شریکوں کا کفالت کے اہل ہونا، اور خریدی گئی چیز میں ہر ایک کے ذمہ نصف ثمن لازم ہونا، اور خرید کردہ چیز دونوں کے درمیان نصف نصف ہونا، اور منافع کا نصف نصف ہونا، اور مفاوضہ کے لفظ سے اس کا انعقاد کرنا شرط ہے، اس لئے کہ یہ شرکت دونوں شریکوں کی درمیان مکمل مساوات پر قائم ہے۔ اور اگر شرکت وجوہ عنان ہو تو اس میں مفاوضہ والی شرائط کا ہونا شرط نہیں خرید کردہ شئی میں تفاضل صحیح ہے اور اس کے ثمن بقدر ملک ہوں گے اسی طرح ربح و منافع بھی ثمن کی مقدار کے اعتبار سے تقسیم ہوگا، اگر کسی ایک کے لئے اس کے حصہ سے زیادہ منافع کی شرط لگائی تو یہ شرط باطل ہوگی، اس لئے کہ منافع تو خرید کردہ چیز کے ثمن کے ضمان کے اعتبار سے مقرر ہوتا ہے۔

تیسرا مقصد: شرکت عقود کے احکام..... شرکت عقود یا صحیح ہوگی یا فاسد اگر فاسد ہو وہ یہ کہ اس میں جو صحت کی شرائط ہیں ان میں سے کسی ایک کا نہ پایا جانا، لہٰذا ہم شرکت صحیحہ کے جو احکام ذکر کریں گے اس حوالہ سے فاسد کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں، اگر شرکت فاسد ہوگئی تو منافع اصل مال کی مقدار اعتبار سے تقسیم ہوگا، اور ہر شریک دوسرے یہ اپنے عمل کی اجرت کے متعلق اس کے مال سے رجوع کرے گا۔ کیونکہ مقرر اجرت عقد فاسد میں ساقط ہو جاتی ہے اور اگر شرکت صحیح ہو یعنی اس میں صحت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہوں تو ان کا حکم شرکت کی اقسام، کے اعتبار سے پہچانا جائے گا جیسا کہ آنے والے احکام سے ظاہر ہے۔

پہلی بات: شرکت عنان فی المال کے احکام

۱۔ **عمل کی شرط**..... شرکت عنان میں دونوں شریک آپس میں دونوں ہر کام کی ذمہ داری ڈال سکتے ہیں اور یہ بھی کر سکتے ہیں کہ کام صرف ایک کرے، مثلاً: یہ شرط ہو کہ دونوں خرید و فروخت کریں گے اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے تجارت میں جو نفع دیا وہ دونوں کے درمیان طے شدہ تناسب کے اعتبار سے ہوگا، یا یہ شرط ہو کہ ایک ہی خرید و فروخت کرے گا دوسرا نہیں۔

۲۔ **منافع کی تقسیم**..... منافع رأس المال کے اعتبار سے برابر سرابر یا کم زیادہ رکھا جا سکتا ہے اگر رأس المال دونوں کا برابر سرابر ہو تو منافع بھی برابر سرابر ہوگا، چاہے کام دونوں کے ذمہ ہو یا ایک کے، کیونکہ منافع کا استحقاق حنفیہ کے ہاں یا تو مال یا عمل یا ضمان کے التزام سے ہوتا ہے، اب راس المال میں برابری ہے، تو منافع میں بھی برابر ہونی چاہئے۔

امام زفر کے علاوہ حنفیہ کے ہاں رأس المال کے برابر ہونے کے باوجود منافع میں کمی زیادتی کرنا صحیح ہے اس شرط کے ساتھ کہ کام دونوں کریں یا کام وہ کرے جس کے لئے زیادہ منافع طے ہوا ہے، کیونکہ منافع کا استحقاق یا تو مال کی وجہ سے ہوتا ہے یا کام (عمل) یا ضمان کی وجہ سے اور اس حالت میں زیادہ منافع زیادہ عمل کی وجہ سے ہوگا، کیونکہ بسا اوقات ایک شریک زیادہ ماہر اور تربیت یافتہ ہوتا ہے اور زیادہ کام کرنے والا اور قوی ہوتا ہے، لہٰذا وہ اپنے شریک کے اعتبار سے زیادہ منافع کا مستحق ہوگا دلیل حدیث ہے ''کہ منافع طے شدہ تناسب کے ساتھ اور نقصان مالیت کی مقدار کے اعتبار سے برداشت کرنا ہوگا۔ [۱] اگر کم نفع لینے والے پر عمل کی شرط لگائی تو اس طرح شرکت جائز نہیں۔ اس لئے کہ ان میں سے ایک شریک کو بغیر کام اور ضمان کے زیادہ منافع دینے کی شرط ہے جبکہ منافع کا استحقاق تو صرف مال یا عمل یا ضمان کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسی طرح شرکت درست نہیں جب سارا منافع ایک شریک کے لئے طے کر دیا جائے، یہ بات یاد رہے عمل سے مراد اس کا وجود شرط نہیں بلکہ شرط عمل کافی ہے۔ [۲] حنابلہ کا مذہب بھی حنفیہ کی طرح ہے کہ دونوں شریک منافع میں کمی زیادتی کر سکتے ہیں [۳] رہ گیا نقصان تو بالاتفاق وہ رأس المال کی مقدار کے اعتبار سے ہوگا۔

---

[۱]..... نصب الرایة: ۴۷۵/۳۔ [۲] فتح القدیر: ۲۱/۵۔ [۳] المغنی: ۲۷/۵۔

مالکیہ شوافع، ظاہریہ، اور حنفیہ میں سے امام زفر رحمہ اللہ کے ہاں: شرکت عنان کی صحت کے لئے شرط ہے کہ منافع اور نقصان راس المال کی مقدار کے حساب سے ہو، کیونکہ منافع ان دونوں کے مال کی بڑھوتری ہے اور نقصان ان دونوں کے مال کا ہے۔

لہٰذا دونوں بقدر مالیت ہوں گے، یعنی منافع، نقصان کے مشابہ ہے، پس جیسے ایک شخص کے لئے خسارہ برداشت کرنے کے شرط لگانا جائز نہیں اسی طرح ایک خاص حصے منافع کی شرط لگانا بھی جائز نہیں۔ پس منافع اور خسارہ دونوں مال کے تابع ہیں۔ اسی پر مرتب ہے اگر دونوں شریکوں، منافع اور خسارہ میں کمی زیادتی کی شرط لگائی مال کے برابر ہونے کے باوجود یا منافع اور خسارہ میں برابری کی شرط لگائی جبکہ مال کم زیادہ ہے تو عقد صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو مقتصائے عقد شرکت کے منافی ہے، لہٰذا شرکت صحیح نہیں، جیسا کہ اگر کسی ایک کے لئے منافع کی شرط کی صورت میں صحیح نہیں۔

۳۔ مال شرکت کا ہلاک ہونا...... حنفیہ اور شوافع کے ہاں جب مال شرکت سارے کا سارا یا کسی ایک کا خلط سے پہلے ہلاک ہوجائے تو شرکت باطل ہے۔ کیونکہ معقود علیہ عقد شرکت میں مال ہے اور اسی میں شرکت متعین ہے، جب معقود علیہ ہلاک ہوجائے تو عقد باطل ہوجاتا ہے، جیسے بیع یہ اس وقت ہے جب دونوں مال ہلاک ہوجائیں، رہ گیا ایک کے مال کے ہلاک ہونے پر عقد کا باطل ہونا تو یہ اس لئے کہ اس کا وہ شریک جس کا مال ہلاک نہیں ہوا وہ دوسرے کے مال کے بغیر شرکت پر راضی نہیں ہوگا، جب مقصود فوت ہوگیا کہ دونوں راضی نہیں شرکت یہ تو فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے عقد باطل ہوجائے گا، جونسا بھی مال ہلاک ہوگا وہ اس کے ساتھی کے مال میں سے ہلاک ہوگا، برخلاف اس صورت کے کہ جب مال ملا لیا گیا ہو پھر ہلاک ہو تو مال شرکت میں سے ہلاک شمار ہوگا۔

اگر کسی ایک شریک نے اپنے مال سے کچھ خریدا، اور خریدنے کے بعد دوسرے کا مال ہلاک ہوگیا، تو جو چیز خریدی گئی وہ دونوں کے درمیان ہوگی، کیونکہ اسے شرکت پائے جائے کے وقت خریدا گیا ہے، پس یہ دونوں کی مملوک ہوئی، اس کے بعد مال کا ہلاک ہونا، مالک کے حکم کو تبدیل نہیں کرسکتا، جب خرید کردہ چیز شرکت پر ہے تو وہ شریک اپنے ساتھی سے اس کے ثمن کے حصہ میں رجوع کرے گا کیونکہ اس نے نصف اس کی وکالت کی وجہ سے خریدی اور ثمن اپنے مال سے ادا کئے۔ ❶

مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں...... شرکت صرف عقد ہی سے منعقد ہوجائے گی اور اس وجہ سے راس المال شرکاء کے درمیان مشترک ہو جائے گا پس اگر کسی ایک کا مال خلط ملط کرنے سے پہلے یا تصرف سے پہلے ہلاک ہوگیا تو یہ شرکاء کے حساب سے ہوگا۔ ❷

۴۔ مال شرکت میں تصرف...... شرکت عنان کے دونوں شریکوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ مال شرکت کو فروخت کریں، کیونکہ عقد شرکت کی وجہ سے دونوں کی ایک دوسرے کو مال شرکت فروخت کرنے کی اجازت ہے نیز شرکت وکالت کو متضمن ہے، پس دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا مبیع کا وکیل ہوگا۔ اور ہر شریک کو یہ اختیار ہے کہ وہ مال شرکت کو نقداً فروخت کرے یا ادھار، کیونکہ مطلقاً بیع کی اجازت ہے شرکت کی وجہ سے، نیز شرکت تاجروں کی عادات کے مطابق منعقد ہوتی ہے اور ان کی عادات میں سے ہے نقد فروخت کرنا اور ادھار۔

شوافع کے ہاں ادھار فروخت کرنا جائز نہیں، جبکہ حنابلہ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں ان میں سے راجح یہ ہے کہ لفظ جائز ہے۔ ❸

اور شریک کو یہ بھی اختیار ہے غبن فاحش کے علاوہ چاہے کم ثمن پر فروخت کرے چاہے زیادہ پر، کیونکہ عقد سے مقصود نفع کمانا ہے جو غبن فاحش سے حاصل نہیں ہوتا، لہٰذا یہ دلالۃ عقد سے مستثنیٰ ہے۔

---

❶ فتح القدیر: ۵/۳۳ المبسوط: ۱۱/۱۶۷ ❷ غایت المنتهیٰ: ۲/۱۶۶ ❸ مغنی المحتاج: ۲/۲۱۴۔

جب شریک کے پاس نقود (یعنی دراہم ودنانیر ہوں) تو وہ نقد بھی خرید سکتا ہے ادھار بھی، کیلی چیز بھی خرید سکتا ہے اور وزنی بھی، اگر اس نے دراہم ودینار کے ساتھ کوئی چیز ادھار خریدی یا کیلی اور وزنی چیز ادھار خریدی، تو خرید سکتا ہے، کیونکہ شریک خریدنے کا وکیل ہے اور وکیل بالشراء ادھار خریدنے کا بھی مالک ہوتا ہے، نیز اس وقت ثمن ادا کرنا بھی ممکن ہے جو اس کے قبضہ میں مال ہے اس میں سے۔

اگر اس کے پاس دراہم ودنانیر نہ ہوں اور مال شرکت سارا عین ہو یا سامان، پھر وہ دراہم اور دنانیر سے کوئی چیز ادھار خریدے، تو خریدی گئی چیز اس کے لئے ہوگی اس کی شریک کے لئے نہیں ہوگی، اس لئے کہ اگر اس کے ساتھی کے حق میں یہ صحیح ہو تو یہ پھر مال شرکت پر قرض (دین) ہوگا، جبکہ شریک مال شرکت میں بغیر اجازت کے قرض (دین) کا مالک نہیں ہوتا، جیسے مضاربت میں شریک، کیونکہ اس صورت میں رأس المال اس سے زیادہ ہو جائے گا جس میں ساتھی شرکت پر راضی تھا۔ اس کی رضامندی کے بغیر اس طرح کرنا جائز نہیں۔ ❶ میں یہاں تصرف کی اہم اقسام ذکر کرتا ہوں:

الف۔ مال شرکت کو بضاعۃً اور ودیعۃً دینا.....شریک کو یہ اختیار ہے کہ وہ مال شرکت کو بضاعۃً دے دے، کیونکہ شرکت تجار کی عادت کے موافق منعقد ہوتی ہے اور بضاعۃً مال دینا (یعنی کسی دوسرے کو مال شرکت دینا کہ اس سے کام کرو اور نفع سارا رأس المال کا ہو عامل کو کچھ نہ ملے) تجار کی عادت میں سے ہے اور اس لئے کہ اس کو اختیار ہے کہ بضاعت میں کسی کو کام کے لئے اجرت پر لے لے، تو ابضاع کا اختیار راس کو بدرجہ اولیٰ ہوگا اس لئے کہ جو اعلیٰ کا مالک ہو وہ ادنیٰ کا بھی مالک ہوتا ہے۔ نیز شریک کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ مال شرکت کو ودیعت رکھے کیونکہ ودیعت رکھنا بھی تجار کی عادت ہے اور تجارت کی ضرورت بھی ہے۔ شوافع کا اس میں اختلاف ہے اور حنابلہ کی دو روایتیں ہیں۔

ب۔ مال شرکت سے مضاربت کرنا.....شریک کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ مال شرکت کسی دوسرے کو مضاربۃً دے دے حنفیہ کے ہاں ظاہر الروایۃ اور اصح یہی ہے، کیونکہ شریک اس بات کا مالک ہے کہ وہ کسی کو اجرت پر لے لے تاکہ وہ مال شرکت میں کام کرے تو مضاربت کے طور پر دینے کا بدرجہ اولیٰ مالک ہے، کیونکہ اجیر اجرت کا مستحق ہے چاہے شرکت سے منافع حاصل ہو یا نہ ہو، جبکہ مضارب اپنے کام کی وجہ سے کسی چیز کا بھی مستحق نہیں ہوتا جب تک مضاربت میں نفع نہ ہو، پس جب شریک اجارہ کا مالک ہے تو مضاربت کے طور پر دینے کا بدرجہ اولیٰ مالک ہونا چاہئے۔

ج۔ بیع وشراء کا وکیل بنانا.....شریک کو اختیار ہے کہ خرید وفروخت کا وکیل بنائے، کیونکہ وکالت مضاربت سے کم ہے نیز وکالت بالبیع والشراء تجارت کے اعمال میں سے ہے، اس لئے کہ تاجر کے لئے تمام تصرفات خود کرنا ممکن نہیں وہ تو کیل کا محتاج ہوتا ہے، لہٰذا وکیل بنانا تجارت کی ضروریات میں سے ہے۔

د۔ گروی رکھنا رکھوانا.....شریک کی اجازت سے سامان شرکت کو کسی ایسے دین کی وجہ سے گروی رکھ سکتا ہے جو عقد کی وجہ سے واجب ہوا ہو یعنی خریدنے کی وجہ سے یا جو کچھ فروخت کیا اس کے بدلے رہن رکھوائے، کیونکہ گروی رکھنا دین کی ادائیگی کے لئے اور گروی رکھوانا دین کی وصولی کے لئے ہے اور یہ وصولی اور ادائیگی کا مالک ہے۔

ہ۔ بضاعت کے ثمن کا حوالہ.....اس کو اختیار ہے کہ بضاعت کے ثمن کا حوالہ قبول کرے یا حوالہ کرے، کیونکہ حوالہ اعمال تجارت میں سے ہے، اس لئے کہ تاجر لوگوں کے مالدار اور تنگ دست ہونے کی وجہ سے حوالہ کا محتاج ہوتا ہے۔

پس حوالہ وصولیابی کا ذریعہ ہے، پس یہ گروی کے معنی میں ہے وصولی کے وثیقہ کے طور پر۔

---

❶ البدائع: ٦/٦٨، رد المحتار: ٣/٣٧٧۔

و۔ حقوق عقد کا التزام...... ہر وہ چیز جو حقوق عقد سے متعلق ہے یعنی قبضہ کرنا، سپرد کرنا، اور دعویٰ میں خصومت، تو یہ اس شریک پر لازم ہیں جو عقد کر رہا ہے نہ کے دوسرے شریک پر، اگر کسی نے ان میں سے کچھ چیز فروخت کی تو دوسرے کو ثمن پر قبضہ کرنے کا اختیار نہیں، اسی طرح ہر وہ دین جو کسی کی وجہ سے لازم ہوا عقد میں تو دوسرے کو اس پر قبضہ کرنے کا اختیار نہیں، اور مدیون اس دوسرے کو وصولی سے روک سکتا ہے، کیونکہ قبضہ کرنا حقوق عقد میں سے ہے۔ اور اس کا تعلق عاقد سے ہے اسی طرح کسی ایک شریک کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بیع میں یا ادائیگی میں ہونے والے کسی معاملہ میں دوسرے شریک کی طرف سے خصم بنے، کیونکہ خصومت حقوق عقد میں سے ہے، اگر کسی نے کوئی چیز خریدی تو دوسرے سے ثمن کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا اور شریک کو مبیع پر قبضہ کرنے کا اختیار نہیں لما ذکر۔

ز۔ مال شرکت کو ساتھ رکھ کر سفر کرنا...... طرفین، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں مال شرکت کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے، کیونکہ تصرف کی اجازت مقتضائے عقد سے ثابت ہے اور شرکت مطلق ہے اور مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے جب تک کوئی دلیل اس کے خلاف نہ ہو۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کے ہاں شریک کی اجازت کے بغیر مال شرکت کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں، کیونکہ سفر میں خطرہ ہوتا ہے لہٰذا غیر کی ملکیت کے ساتھ اس کے اجازت کے بغیر درست نہیں۔

ح۔ مال شرکت سے تبرع کرنا اور قرض دینا...... کسی شریک کو بھی یہ اختیار نہیں کہ وہ مال شرکت کو ہبہ کرے کیونکہ ہبہ احسان ہے اور یہ شریک کے مال سے احسان کرنے کا مالک نہیں جیسا کہ مال شرکت میں سے قرض دینے کا مالک نہیں، کیونکہ قرض کا فی الحال کوئی عوض نہیں ہوتا یہ تبرع اور احسان کی طرح ہے جبکہ تبرع واحسان کرنے کا یہ مالک نہیں۔ شوافع کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ شریک بغیر نقصان کے تصرف کر سکتا ہے جیسے وکیل، ادھار نہیں فروخت کر سکتا غرر کی وجہ سے، اور اس شہر کے علاوہ کی نقود سے نہیں فروخت کر سکتا، غبن فاحش نہیں کر سکتا، مال کے ساتھ سفر نہیں کر سکتا، اور نہ کچھ حصر کے ساتھ بغیر اجازت کے، کیونکہ شرکت فی الحقیقت وکالت وتوکل ہے۔

دوسری بات: شرکت مفاوضہ فی المال کے احکام...... شرکت عنان میں مذکورہ احکام جن کا بجالانا اور کرنا ایک شریک کے لئے جائز ہے تو شرکت مفاوضہ کے شریکوں کے لئے بھی ان کا کرنا جائز ہے، جب وہ یہ کام کرے گا تو اس کے لئے یہ کرنا جائز ہے، کیونکہ شرکت مفاوضہ، عنان سے اخص ہے، اسی طرح صحت عنان کے لئے جو شرائط ہیں وہی شرکت مفاوضہ کی صحت کے لئے بھی ہیں، اور جس چیز سے شرکت عنان فاسد ہو جاتی ہے اس سے مفاوضہ بھی فاسد ہوگی کیونکہ شرکت مفاوضہ، عنان اور کچھ زیادہ کا نام ہے۔

باقی جو احکام شرکت مفاوضہ کے ساتھ خاص ہیں، وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ دین کا اقرار کرنا...... مفاوضہ کے شریک کے ساتھ خاص ہے کہ وہ اپنے اوپر دین کا اقرار کرے اور شریک پر بھی اور قرض خواہ جس سے چاہے مطالبہ کر سکتا ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا کفیل ہے پس اقرار کرنے والے کے ذمہ اپنے اقرار کی وجہ سے اور دوسرے ساتھی کے ذمہ کفالت کی وجہ سے دین لازم ہوگا، اسی طرح شریک کی اجازت کے بغیر رہن رکھنا اور رکھوانا اس کے ساتھ خاص ہوگا، برخلاف شرکت عنان کے۔

۲۔ تجارتی قرض اور اس کے مثل چیزوں کا التزام...... یہ بھی اسی طرح خاص ہے کہ ہر وہ چیز تجارتی دین وغیرہ میں سے جو ان میں سے ایک پر واجب ہوگی وہ دوسرے پر بھی واجب ہوگی مساوات ثابت کرنے کے لئے اور ان تمام التزامات کی طرح ہے جو عقد تجارت کی وجہ سے ثابت ہوتے ہیں مثلاً مبیع کے ثمن بیع صحیح میں اور بیع فاسد میں مبیع کی قیمت، کرائے پر لی گئی چیز کی اجرت، اور جو چیزیں تجارت کے معنی

میں ہیں، جیسے شئی مغصوب کا ضمان، ودیعت اور عاریت کا ضمان جب مخالفت کرے مودع حفاظت کی کیفیت میں، اور ہلاک شدہ چیزوں کا ضمان، اجارہ، رہن رکھنا اور رکھوانا وغیرہ کے ضمان۔

دین تجارت کا ہر شریک پر لازم ہونے کا سبب یہ ہے کہ یہ دین شرکت کی وجہ سے ہے، کیونکہ یہ عقد شرکت کے مقتضیات میں سے ہے بیع اور تجارت کا ہونا، اور ہر شریک دوسرے ساتھی کا کفیل ہے اس چیز میں جو شرکت کی وجہ سے اس پر لازم ہوئی ہے، رہ گیا غصب کا ضمان، تو یہ ضمان تجارت کے معنی میں ہے، کیونکہ ضمان کا اس میں ثابت ہونا اس شئی مضمون کی ملکیت کا فائدہ دیتا ہے۔ تو یہ بیع کے ضمان کے معنی میں ہوگیا، اور ودیعت عاریت وغیرہ میں مخالفت تو ان کا ضمان، غصب کے ضمان کے معنی میں ہے کیونکہ یہ غیر یہ ظلم کرنے کے باب میں سے ہے بغیر مالک کی اجازت کے۔

۳۔ **کفالت مالی کا التزام**...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہر شریک اگر کسی اجنبی شخص سے مالی کفالت کو اپنے ذمہ لے تو دونوں کے ذمہ اس کی کفالت ہوگی، کیونکہ کفالت اگرچہ ابتداءً تبرع اور احسان ہے، لیکن نتیجۃً یہ معاوضہ ہے اس میں کفیل اور مکفول عنہ کے درمیان تملیک اور تملک پایا جاتا ہے، پس کفیل مکفول عنہ سے اس چیز پر رجوع کرے گا جس کا کفیل بنا تھا جبکہ کفالت اس کی طلب پر کی ہو، صاحبین کے ہاں کفالت مالی شریک پر لازم نہیں، کیونکہ یہ تبرع اور احسان ہے دلیل یہ ہے کہ بچے کی طرف سے صحیح نہیں، اور اگر یہ کفیل سے حالت مرض میں ہوا ہو تو ثلث مال سے اس کا اعتبار ہوگا صرف۔

۴۔ **خرید وفروخت کے حقوق کا مطالبہ**...... ہر شریک سے خرید فروخت سے متعلق حقوق کا مطالبہ ہوگا، اگر کسی ایک شریک نے کوئی چیز خریدی تو دوسرے سے ثمن کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ خریدنے والے سے کیا جاتا ہے، اسی طرح دوسرا شریک مبیع پر قبضہ کرسکتا ہے جیسا کہ مشتری کرسکتا ہے، اسی طرح دوسرا شریک کسی عیب کی وجہ سے مبیع بائع کو واپس کرسکتا ہے اور اس کو یہ بھی استحقاق ہے کہ اگر مبیع غیر کی نکلے تو ثمن کا مطالبہ بائع سے کرسکتا ہے، اسی طرح اگر کسی بات میں جھگڑا ہوجائے تو گواہ پیش کرسکتا ہے، جیسا کہ عیب کے انکار کی صورت میں حلف اٹھاسکتا ہے۔

۵۔ **جنایت انسان، مہر، نفقہ اور گھریلو خرچہ کا ضمان**...... کسی انسان کے زخموں کی دیت، مہر، نفقہ، بدل خلع قتل عمد بدل خلع وصلح وغیرہ میں دوسرے شریک سے مطالبہ نہیں ہوگا، کیونکہ یہ ایسے دیون ہیں جن میں شرکت صحیح نہیں، لہٰذا یہ صرف مباشر کے ذمہ ہوں گے، کیونکہ دیون تجارت کے علاوہ کسی چیز کا التزام شریکوں میں سے کسی نے نہیں کیا، اور یہ چیزیں تجارت سے متعلق نہیں اور نہ تجارت کے معنی میں ہیں، کیونکہ معاوضہ مال بالمال نہیں پایا گیا۔

اسی طرح ہر شریک جو طعام، کپڑے وغیرہ اپنے اہل وعیال کے لئے خریدے گا اور ضروری اشیاء جس میں گھر خریدنا رہائشی اور کرائے پر یا سواری وغیرہ حج کے لئے کرائے پر لینا وغیرہ یہ سارے کام جائز ہیں اور ضرورت استحسان کی وجہ سے اس کے ساتھ خاص ہیں، کیونکہ یہ وہ اشیاء ہیں جن کے بغیر چارہ کار نہیں، لہٰذا شرکت مفاوضہ سے مستثنیٰ ہیں، اس لئے کہ دلالت حال سے معلوم شدہ چیز ایسے ہے جیسے شرط ٹھہرائی گئی ہو، لیکن بائع کو اختیار ہوگا کہ خریدی گئی چیزوں کی رقم کا جس شریک سے چاہے مطالبہ کرے، اگرچہ یہ مشتری کے لئے ہی خاص ہیں، لیکن یہ وہ چیزیں ہیں جن میں شرکت جائز ہے اور ہر شریک اس چیز میں جس میں اشتراک جائز ہو دوسرے کا کفیل ہوتا ہے، البتہ فقہاء کہتے ہیں کہ دوسرا شریک جو ادائیگی کرے گا اس پر اپنے ساتھی سے رجوع کرسکتا ہے، کیونکہ یہ دین کی ادائیگی ہے مال مشترک میں سے دلالۃً اذن کی وجہ سے نہ کہ تبرعاً، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ایک نے جو کچھ کھانا کپڑے، سالن وغیرہ اپنے اہل وعیال کے لئے خریدا ہے وہ

دونوں کے درمیان مشترک ہو، کیونکہ یہ عقد تجارت میں سے ہے لہٰذا اس کی جنس میں سے ہے جسے شرکت شامل ہے۔

تیسری بات: شرکت وجوہ کے احکام..... شرکت وجوہ مفاوضہ ہو یا عنان اس کی دونوں شریک اس چیز میں جو ان پر واجب ہوتی اور وہ کام جو جائز ہیں اور جو ناجائز ہیں ان میں یہ دونوں شریک شرکت اموال میں مفاوضہ اور عنان کی طرح ہیں اگر مطلق شرکت رکھی تو شرکت عنان ہوگی، کیونکہ مطلق شرکت شرکت عنان کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ حنابلہ اگرچہ شرکت وجوہ کے جواز کے قائل ہیں، لیکن یہ اس کو شرکت عنان پر خاص کرتے ہیں اگر شرکت وجوہ مفاوضہ ہو تو ان کی ہاں یہ جائز نہیں مطلقاً، کیونکہ یہ ایسا عقد ہے کہ اس کے مثل پر شریعت کا حکم نہیں آیا، اس غرر کی وجہ سے لہٰذا بیع غرر کی طرح یہ بھی صحیح نہیں، اور غرر کی وجہ گذر چکی ہے۔

کیونکہ ان میں سے ہر ایک وہ چیز لازم ہوگی جو دوسرے پر لازم ہو، اور کبھی ایسی چیز بھی لازم ہوگی جس کے کرنے پر وہ قادر ہوتا۔

چوتھی بات: شرکت اعمال کے احکام:

الف۔ اگر شرکت اعمال مفاوضہ ہو..... بایں طور کہ مفاوضہ کا لفظ ذکر ہو یا اس کے قائم مقام لفظ تو پھر ہر شریک پر وہ چیز لازم ہوگی جو اس کے ساتھی پر اس شرکت کی وجہ سے لازم ہوئی ہے، اور اس میں دوسرے سے اس کا مطالبہ ہوگا، اسی طرح ایک شریک کا دین کا اقرار کرنا بھی جائز ہے مثلاً صابن کی قیمت، اشنان کی قیمت کا اقرار، یا مزدور کی مزدوری، یا مکان کا اقرار اپنے پر بھی اور شریک پر بھی اور جس کے لئے اقرار کیا گیا ہے اس کو اختیار ہے جس شریک سے بھی چاہے دین کا مطالبہ کرے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا کفیل ہے، پس اقرار کرنے والے کے ذمہ اس کے اقرار کی وجہ سے دین لازم ہوگا، اور شریک پر کفالت کی وجہ سے۔ اور شرکت مفاوضہ فی الاعمال کی مثال یہ ہے کہ مثلاً دو کاریگر کام قبول کرنے میں شریک ہوں اور دونوں برابر کام کرنے کے ضامن ہوں اور نفع نقصان میں دونوں برابر ہوں، اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا کفیل ہو اس چیز میں جو اس شرکت کی وجہ سے لازم ہوئی ہے۔

ب۔ اگر شرکت اعمال عنان ہو..... تو جو عمل بھی ایک شریک قبول کرے گا وہ دوسرے پر لازم ہوگا، یہ شرکت مفاوضہ کے مشابہ ہے ضمان عمل کی طرف نسبت کرتے ہوئے استحساناً پس کام کروانے والے کو اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے جس سے چاہے کام کا مطالبہ کرے، کیونکہ یہ ان دونوں میں سے ہر ایک پر واجب ہے، جیسا کہ ہر ایک شریک کو یہ اختیار ہے کہ وہ کام کرانے والے سے ساری اجرت کا مطالبہ کرے، کیونکہ سارا عمل لازم ہے، لہٰذا اس کو ساری اجرت کے مطالبہ کا حق ہے، اور کام کرانے والے کسی بھی شریک کو ادائیگی کرنے سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ رہ گیا قیاس تو اس کے مطابق کام کروانے والے کو یہ حق نہیں کہ جس شریک سے چاہئے مطالبہ کرے جیسا کہ جس نے کام نہیں لیا اس کو اجرت کے مطالبے کا حق نہیں اور قیاس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شرکت عنان ہے نہ کہ مفاوضہ اور شرکت عنان کا حکم یہ ہے کہ جو چیز ایک شریک پر لازم ہو اس کا مطالبہ دوسرے سے نہیں کیا جا سکتا۔

وجہ استحسان..... یہ ہے کہ یہ شرکت وجوب عمل کا تقاضا کرتی ہے ہر ایک شریک سے، جب ایسا ہی ہے تو یہ ضمان عمل کے وجوب کے مقتضی میں سے ہوا تو یہ مفاوضہ کے معنی میں ہوگئی وجوب ضمان کی وجہ سے دوسرے شریک پر، لیکن یہ حقیقت واقعی کے اعتبار سے مفاوضہ نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں (یعنی ہر ایک سے عمل کا مطالبہ اور بدل کا تقاضا) کے علاوہ باقی چیزوں پر شرکت عنان کی احکام لاگو ہوں گے۔ پس جب کسی ایک شریک نے دین کا اقرار کیا مثلاً صابن یا اشنان جو کہ ہلاک کر دیئے گئے کے ثمن، یا کسی مزدور کی مزدوری یا دکان کے کرائے کا مدت اجارہ گزرنے کے بعد تو اس کے ساتھی کے اقرار کی تصدیق صرف اقرار یا قسم کے علاوہ نہیں ہوگی، کیونکہ اقرار کا نصف دوسرے پر یہ تو مفاوضہ کے مقتضیات میں سے ہے اور اس کی تصریح نہیں، ہاں جب مشتری نے ان چیزوں کو استعمال نہ کیا ہو اور مدت اجارہ ختم نہ ہوئی ہو، تو

پھر ایک کا اقرار دوسرے کو لازم ہوگا، اس سے پتا چلا کہ یہ شرکت ہر اعتبار سے مفاوضہ کے حکم میں نہیں، بلکہ صرف وجوب عمل کے اعتبار سے ہے، تو عمل میں ہر شریک دوسرے کا کفیل ہوگا، یہی حنابلہ کا بھی مذہب ہے، زیدیہ کے ہاں یہ شرکت ان کے ہاں وکالت کو متضمن ہے نہ کفالت کو ان کے دو قولوں میں سے صحیح قول کے مطابق۔

ج۔ اس شرکت میں منافع کی تقسیم...... منافع اس شرکت میں ضمان کے اعتبار سے تقسیم ہوگا حقیقۃً عمل کے اعتبار نہیں، اگر ایک شریک نے کام کیا دوسرے نے کسی وجہ سے نہیں کیا بایں طور کہ وہ بیمار ہوگیا، یا اس نے سفر شروع کرلیا، تو اجرت ان دونوں کے درمیان طے شدہ تناسب سے ہوگی، کیونکہ اس شرکت میں اجرت کا استحقاق کام کے ضمان کی وجہ سے ہوتا ہے نہ کہ بالفعل کام کی وجہ سے۔ کیونکہ عمل تو کبھی نفس شریک کی وجہ سے ہوتا ہے کبھی اس کے علاوہ سے جیسے سلائی کہ اس میں دوسرے آدمی سے مدد لے، تو یہ اجرت کا مستحق ہوگا اگرچہ کام نہ بھی کیا ہو، اور صرف عمل کی شرط اس پر لگانا کافی ہے۔ اس شرکت میں اگر کام کے ضمان میں کمی بیشی کی شرط لگائی گئی ہو تو کمائی میں بھی کمی بیشی کی شرط لگانا جائز ہے، بایں طور کہ ایک کے لئے دو ثلث کمائی (اجرت) کی شرط لگائی گئی ہو اور دوسرے کے لئے ثلث کی اور کام کی بھی شرط ان دونوں پر ایسی ہی ہو، یہ الگ بات ہے کہ جس کے لئے کمائی میں زیادتی کی شرط ہے وہ کام کرے یا نہ کرے، کیونکہ اجرت کا استحقاق اس شرکت میں ضمان کی وجہ سے ہوتا ہے کام کی وجہ سے نہیں۔ چونکہ جب اصل اجرت کا استحقاق ضمان عمل کی وجہ سے ہوتا ہے نہ کہ عمل کی وجہ سے حقیقۃً تو زیادہ اجرت کا استحقاق بھی زیادہ ضمان کی وجہ سے ہوگا نہ کہ زیادہ عمل کی وجہ سے، اگر اس شخص نے زیادہ کام کیا جس کے لئے تھوڑی اجرت مقرر ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ نفع ضمان عمل کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ حقیقۃً عمل کی وجہ سے۔

د۔ خسارہ کی تقسیم...... اس شرکت میں خسارہ اور نقصان بھی بقدر ضمان ہوگا یہاں تک کہ اگر دونوں شریکوں نے یہ شرط لگائی کہ جو بھی کام یہ لیں گے اس میں سے دو ثلث ایک کرے گا اور ایک ثلث دوسرا کرے گا اور خسارہ ان دونوں میں نصف نصف ہوگا، تو یہ شرط جو خسارے کی ہے باطل ہوگی اور شرکت طے شدہ ضمان عمل کے اعتبار سے درست ہوگی، کیونکہ منافع جب بقدر ضمان تقسیم ہوتا ہے تو نقصان بھی بقدر ضمان تقسیم ہوگا۔

اگر کسی ایک نے جنایت کی تو ضمان سب پر ہوگا، کیونکہ جنایت کا ضمان، ضمان عمل کی وجہ سے ہے جبکہ ان دونوں نے عمل کا ضمان لیا تھا۔

چوتھا مقصد: شرکت اور شریک کے قبضہ کی نوعیت

پہلی بات: لزوم شرکت کا حکم...... جمہور فقہاء کے ہاں عقد شرکت جائز غیر لازم ہے، لہٰذا یہ ایک شریک کو یہ اختیار ہے کہ وہ عقد کو فسخ کردے سوائے اس کے کہ جواز فسخ کی شرائط میں سے یہ شرط ہے کہ دوسرے شریک کو فسخ کا علم ہو، کیونکہ شریک کو بتائے بغیر فسخ کرنا اس کا نقصان ہے، یہی وجہ ہے کہ وکیل کو بتائے بغیر معزول کرنا جائز نہیں، لہٰذا شرکت میں موجود وکالت میں بھی فسخ کا علم ہونا ضروری اور شرط ہے۔

مالکیہ کے ہاں بھی عقد شرکت جائز غیر لازم ہے جیسا کہ ابن رشد رحمہ اللہ نے بدایۃ المجتہد میں اور مقدمات میں نقل کیا ہے۔ لیکن مختصر الخلیل اور اس کے شراح نے ذکر کیا ہے کہ مشہور مذہب یہ ہے کہ عقد لازم ہے، چاہے شرکاء کے مال خلط ہوچکے ہوں یا نہ، اور ابن عبدالسلام نے فرمایا کہ مذہب اور فتویٰ عقد لازم ہونے کا ہے، اور یہ تصرف شروع کرنے پر موقوف نہیں۔ اور یہ مالکیہ میں سے سحنون رحمہ اللہ علیہ کی رائے ہے، بعض نے ترجیح اس بات کو دی ہے تصرف یا کام شروع کرنے سے مالکیہ کے ہاں یہ عقد لازم ہوجاتا ہے، اور یہی ہے جس کو خطاب رحمہ اللہ نے ظاہر کیا ہے کہ یہ شرکت اموال میں ہے البتہ شرکت اعمال میں عمل سے لازم ہوتا ہے۔

دوسری بات: شریک کا قبضہ، قبضہ امانت ہے...... فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شریک کا مال پر قبضہ، ودیعت کے قبضہ کی طرح، قبضہ امانت ہے، کیونکہ اس نے دوسرے ساتھی کی اجازت سے مال پر قبضہ کیا ہے، نہ اس لئے کہ وہ اس کا ثمن دے گا جیسا کہ خریدنے کے ارادہ سے قبضہ میں ہوتا ہے، کیونکہ اس صورت میں تو ثمن دینے کے لئے قبضہ ہوتا ہے، اسی بناء پر اگر مال شریک کے ہاتھ سے ضائع ہوجائے اس کی تعدی کوتاہی کے بغیر تو وہ ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ وہ شریک کی طرف سے حفاظت اور تصرف میں نائب ہے، تو اس کے قبضہ میں ہلاک ہونا ایسا ہی ہے جیسا اس کے ساتھی کے قبضہ میں ہلاک ہونا نفع کی مقدار اور نقصان کی مقدار کچھ مال ضائع ہونے اور سارا مال ضائع ہونے میں اس کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی اگر چہ وہ مال تجارت نہ بھی ہو، البتہ کوتاہی اور تعدی کی صورت میں تمام امانتوں کی طرح ضامن ہوگا۔

پانچواں مقصد: عقد شرکت باطل کرنے والے کام...... بعض وہ چیزیں ہیں جو تمام شرکتوں کے بطلان پر عام ہیں اور بعض بعض کے ساتھ خاص ہیں، وہ مبطلات جو تمام شرکتوں میں عام ہیں یہ ہیں:

۱..... کسی ایک شریک کا شرکت کا فسخ کر دینا، کیونکہ یہ جمہور کے ہاں عقد جائز غیر لازم ہے کما عرفنا، لہٰذا یہ فسخ کا احتمال رکھتا ہے، اور مالکیہ کی ہاں دونوں کے اتفاق کے بغیر فسخ نہیں ہوسکتا، کیونکہ ان کے ہاں عقد لازم ہے، حنابلہ کے ہاں: اگر شرکاء میں سے کسی نے کہا میں اپنے شریک کو معزول کرتا ہوں اگر چہ مال دراہم ودنانیر کی شکل میں نہ ہی ہو تو وہ معزول ہوجائے گا، اور معزول اپنے حصہ میں تصرف کر سکے گا، اگر کہا میں شرکت کو فسخ کرتا ہوں، تو دونوں معزول ہوجائیں گے لہٰذا یہ شریک صرف اپنے حصہ میں تصرف کر سکے گا۔

۲..... دونوں میں سے کسی ایک کا مرجانا، اگر کوئی ایک شریک مر گیا تو شرکت فسخ ہوجائے گی ملک کے باطل ہونے کی وجہ سے اور موت کی وجہ سے اہلیت زائل ہونے سے چاہے دوسرے شریک کو اس کی موت کی خبر ہو یا نہ ہو، کیونکہ یہ شریک دوسرے کا وکیل ہے۔ اور مؤکل کی موت، وکیل کے معزول ہونے کی چیز ہے چاہے جانتا ہو یا نہ، کیونکہ موت حکماً معزول کرنے کا نام ہے۔

۳..... (العیاذ باللہ) کسی ایک شریک کا مرتد ہوجانا اور دار الحرب چلے جانا، کیونکہ یہ بھی بمنزلہ موت ہے۔

۴..... شریک کا ہمیشہ کے لئے مجنون ہو جانا، کیونکہ جنون کی وجہ سے وکیل وکالت سے نکل جاتا ہے جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ شرکت، وکالت کو متضمن ہے، بے ہوشی بھی جنون کی طرح ہے اور ہمیشہ کے جنون کی مقدار ایک مہینہ یا آدھا سال ہے۔

وہ مبطلات جو بعض بعض شرکتوں کے ساتھ خاص ہیں:

۱..... شرکت اموال میں کچھ خریدنے سے قبل مال شرکت سارا کا سارا یا کسی ایک شریک کے مال کے ضائع ہونے کی وجہ سے چاہے دونوں مال ایک جنس کے ہوں یا مختلف الجنس ہوں دونوں مالوں کے احتیاط سے پہلے اور اس کا سبب یہ ہے کہ معقود علیہ ایسا مال ہوتا ہے اور شرکت میں مال متعین کرنے سے متعین ہوجاتا ہے۔ اور معقود علیہ کے ہلاک ہونے کی وجہ سے عقد باطل ہوجاتا ہے جیسا کہ بیع میں اور یہ سب اس صورت میں ہے جب سارا مال شرکت ہلاک ہوجائے۔

اگر ایک شریک کا مال ضائع ہو تو بھی شرکت باطل ہوجاتی ہے، کیونکہ شریک دوسرے کے مال کے بغیر شرکت پہ راضی نہیں، جب اس کا مال ہلاک ہوگیا تو وہ شرکت پر راضی نہیں لہٰذا فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے شرکت باطل ہوجائے گی اور اس صورت میں اس کا اپنا مال ہلاک ہوگا کیونکہ جب مال اس کے قبضہ میں ہو تو حکم ظاہر ہے اور اگر ساتھی کے قبضہ میں ہو تو اس کے پاس امانت ہے کما عرفنا۔

اگر مال دوسرے ساتھی کے مال کے ساتھ ملانے کے بعد ہلاک ہو تو بغیر شرکت کے اعتبار سے ہلاک شمار ہوگا، کیونکہ وہ دوسرے سے

ممتاز نہیں لہٰذا دونوں مالوں سے ضائع ہونا شمار ہوگا، اور اسی طرح اگر ایک شریک نے اپنے مال سے کچھ خرید لیا اور دوسرے کا مال کچھ خریدنے سے پہلے ہلاک ہوگیا تو خرید کردہ چیز دونوں کے درمیان مشترک ہوگی طے شدہ شرط کے ساتھ کیونکہ کسی چیز کا مالک ہونا خریدنے سے وقت خرید شرکت ہونے کی وجہ سے مشترک ہوگا، اس کے بعد دوسرے مال کے ہونے سے شرکت کا حکم تبدیل نہ ہوگا۔

پھر اسی شئی کو خریدنے کے بعد دوسرے مال کے ہلاک ہونے کی صورت میں یہ شرکت ہی ہے امام محمدؒ کے ہاں جبکہ حسن بن زیادؒ کا اس میں اختلاف ہے، کیونکہ ان کے ہاں، یہ شرکت ملک ہے، لہٰذا ان میں سے کسی کی بیع اپنے حصے کے علاوہ درست نہیں ہوگی کیونکہ عقد شرکت مال کے ہلاک ہونے کی وجہ سے باطل ہوگیا، جیسا کہ کچھ خریدنے سے پہلے ہلاکت صرف خریداری کا حکم یعنی ملکیت باقی رہے گی پس اس سامان میں ان کی شرکت شرکت ملک ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق یہی راجح قول ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو اس سامان کا فروخت کرنا جائز ہے اور اس کی بیع نافذ ہوگی کیونکہ شرکت خرید کردہ چیز میں مکمل ہے، اور اس کے مکمل ہونے کے بعد شرکت ختم نہ ہوگی جیسا کہ دونوں مالوں سے خریدنے کے بعد ہلاک ہونے کا حکم ہے۔

جب خرید کردہ چیز میں شرکت ہے تو مشتری اپنے ساتھی سے بقدر حصہ ثمن وصول کرنے کا مجاز ہے کیونکہ اس نے نصف اپنے لئے خریدی اور نصف وکیل ہونے کی حیثیت سے دوسرے کے لئے خریدی اور ثمن اپنے مال سے دیئے اس حساب سے اس سے رجوع کرے گا۔
اگر کسی ایک شریک کا مال ضائع ہوگیا اس کے بعد دوسرے نے اپنے مال سے کوئی چیز خریدی، تو دیکھا جائے گا، اگر عقد شرکت میں انہوں نے وکالت کی تصریح کی تھی بایں طور کہ عقد شرکت میں تصریح کی کہ ان دونوں میں سے جو بھی اپنے مال سے کچھ خریدے گا وہ دونوں کے درمیان مشترک ہوگا، تو پھر خرید کردہ چیز دونوں کی شرط کے مطابق ہوگی اگرچہ شرکت تو باطل ہوگئی لیکن وکالت کی تصریح موجود ہے اور یہ شرکت ملک ہوگی۔ لیکن اگر وکالت کی تصریح نہیں تھی بلکہ صرف عقد شرکت کا تذکرہ کیا تھا تو خرید کردہ چیز اس کی ہوگی جس نے خریدی ہے۔ کیونکہ جب شرکت باطل ہوگئی تو اس کے ضمن میں وکالت بھی باطل ہوگئی۔

۲.....شرکت مفاوضہ میں ابتداء عقد کے وقت رأس المال کا برابر نہ ہونا، کیونکہ دونوں مالوں میں ابتداء عقد سے برابر ہونا اس عقد کے صحیح ہونے کی شرط ہے، پس اس مساوات کا باقی رہنا، اس شرکت کے باقی رہنے کی شرط ہے، کیونکہ یہ شرکت مفاوضہ ہے۔ چاہے ابتداء عقد میں ہو یا درمیان عقد میں۔

جب شرکت مفاوضہ منعقد ہوجائے اور راس المال برابر ہوں دونوں شریکوں کے پھر کوئی ایک کسی مال کا وارث ہوگیا اگر وہ دراہم دنانیر ہیں تو ان میں شرکت درست ہے، تو شرکت مفاوضہ باطل ہوجائے گی اس مساوات کے باطل ہونے کی وجہ سے جس کا ہونا ضروری تھا، اسی طرح خریداری سے قبل اگر کسی نے اپنا مال زیادہ کردیا مثلاً ایک کے درہم تھے دوسرے کے دینار کسی ایک کی قیمت خریدنے سے پہلے زیادہ ہوگئی تو شرکت مفاوضہ باطل ہوجائے گی۔

چھٹا مقصد: حنفیہ کے ہاں شرکت فاسدہ.....شرکت فاسدہ کا حکم ہم جان چکے اب میں حنفیہ کے ہاں شرکت فاسدہ کی انواع واقسام کا تذکرہ کروں گا۔

پہلی بات.....وہ مباح چیزیں جنہیں قبضہ کرنے سے مالک بن جاتا ہے ان میں شرکت کرنا فاسد ہے مثلاً شکار، لکڑیاں چننا، گھاس کاٹنا، پانی پلانا، پھل چننا، معدنیات نکالنے کے لئے زمین کھودنا وغیرا اگر دو آدمی ان کاموں کے لئے شرکت کریں کہ جو بھی مباح چیز پائے گا یہ دونوں کے درمیان ہوگی تو یہ شرکت حنفیہ کے ہاں فاسد ہے، جو کچھ جس نے لیا وہ اسی کا ہوگا کیونکہ شرکت میں وکالت پائی جاتی ہے، مباح مال

لینے کے لئے وکیل بنانا باطل ہے، کیونکہ مؤکل کا مباح چیز لینے کا حکم کرنا صحیح نہیں، ملکیت اور ولایت نہ ہونے کی وجہ سے، اور وکیل مباح کا مالک ہوجائے گا بغیر وکالت کے مؤکل کا نائب نہ ہوگا مباح چیز میں، کیونکہ وکالت ولایت کے اثبات کا نام ہے اور یہ وکیل کے لئے ثابت نہیں اور نہ ہی یہاں پائی جاتی ہے، جب وکالت ثابت نہیں تو شرکت بھی ثابت نہ ہوگی۔ جب مباح چیزوں میں شرکت فاسد ہے تو ہر ایک کی ملکیت اسے قبضہ میں لینے سے ثابت ہوگی اور محفوظ کرنے سے پھر دیکھا جائے گا:

(الف)......اگر دونوں نے اکٹھے اس کو جمع کیا تو وہ ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگی، کیونکہ استحقاق کے سبب میں دونوں برابر ہیں لہٰذا استحقاق میں بھی برابر ہوں گے۔

(ب)......اگر مذکورہ اشیاء کو ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ لیا تو لی گئی چیز اس کی ملکیت ہوگی، کیونکہ مباح چیزوں میں ثبوت ملکیت لینے اور غلبہ پانے کی وجہ سے ہوتی ہے، اور ان میں سے ہر ایک لینے اور غلبہ پانے میں اکیلا ہے، لہٰذا ملکیت میں بھی اکیلا ہوگا۔

(ج)......اگر دونوں نے الگ الگ ان چیزوں میں سے کوئی چیز لی تھی پھر اس کو ملا لیا اور فروخت کردیا اگر وہ چیز کیلی یا وزنی تھی تو پھر ثمن بقدر کیل وزن تقسیم ہوں گے ہر ایک کے اعتبار سے، اگر کیلی یا وزنی نہ تھی تو قیمت کے اعتبار سے ثمن تقسیم ہوں گے ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی قیمت لے لے گا، کیونکہ کیلی اور وزنی اشیاء آپس میں مماثل ہیں تو کیل اور وزن کے اعتبار سے ثمن کی تقسیم ممکن ہے، رہ گئی غیر کیلی وزنی اشیاء جو شہادت ہیں، تو عین چیز کے اعتبار سے ثمن تقسیم کرنا ممکن نہیں لہٰذا قیمت کے اعتبار سے تقسیم ہوں گے، اور اگر کیل، وزن اور قیمت معلوم نہ ہو، تو ہر ایک کی اس کی قسم کے ساتھ تصدیق کردی جائے گی نصف لی گئی چیز میں اور اگر نصف سے زیادہ کا دعویٰ کرے تو اس کی بات قسم کے بغیر معتبر نہ ہوگی۔

(د)......اگر ایک نے کام کیا اور دوسرے نے اس کے ساتھ تعاون کیا بایں طور کہ ایک نے لکڑیاں کاٹی یا گھاس کاٹا اور دوسرے نے جمع کیا یا ایک نے کاٹ کر جمع کیا اور دوسرے نے اٹھا کر لائی، تو یہ ساری چیزیں کام کرنے والے کے لئے ہوں گی اور تعاون کرنے والے کے لئے اجرت مثل ہوگی چاہے جتنی بنے امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں، کیونکہ مقرر کردہ مجہول ہے، اس لئے کہ معلوم نہیں لکڑیوں کی کون سی قسم ان کو ملیں، اور کتنی مقدار وہ جمع کریں گے اور دونوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ آیا انہیں کچھ ملے گا بھی یا نہیں، تو مجہول چیز پر راضی ہونا لغو و بیکار ہے، لہٰذا اس کے رضا مندی نصف کی جہالت کی وجہ سے ساقط ہے، وہ عقد فاسد سے منافع حاصل کرنے والا ہے لہٰذا اس کو صرف مثل ملے گی جتنی بھی بنے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کو اجرت مثل اس شرط پر ملے گی کہ مقرر نصف یا اس کی قیمت سے زیادہ نہ ہو، اس لئے کہ وہ اس کے نصف پر راضی تھا۔

اس کے لئے تمام اجارہ فاسدہ کے حکم کو قیاس کیا ہے انہوں نے، کیونکہ ان میں نصف مسمّیٰ سے زیادہ نہیں دیا جاتا، یہاں پر بھی معاملہ ایسا ہی ہے، اور ان دونوں میں جامع، اس بات پر رضا مندی ہے کہ مقررہ سے زیادہ نہ ہو لہٰذا زیادہ کا مستحق نہ ہوگا، اس کا حکم ایسا ہوجائے گا جیسے کسی نے کسی شخص سے کہا: اس کپڑے کو فروخت کر و اس کی نصف قیمت تمہیں ملے گی اس نے اس کو فروخت کردیا تو اس کو اجرت مثل ملے گی جو نصف ثمن سے زیادہ نہ ہو۔ ❶

جمہور کے ہاں اور شوافع کے اظہر قول کے مطابق لکڑیاں چننے، گھاس جمع کرنے اور شرکاء وغیرہ میں شرکت صحیح ہے، اور پہاڑوں اور معدنیات میں سے جو کچھ لیں گے وہ بھی مباح کے مشابہ ہے، کیونکہ اس میں وکیل بنانا جائز ہے، لہٰذا مؤکل کی ملکیت بھی اس میں ہوگی اگر وکیل نے اس کی نیت کی ہو، کیونکہ مباح چیزوں کا مالک ہونا اسباب ملک میں سے ایک سبب ہے۔ یہ خریدنے کے مشابہ ہوگیا شوافع نے ایسا ہی کہا ہے۔ ❷

---

❶......تبیین الحقائق: ۳/۳۲۳۔ ❷مغنی المحتاج: ۲/۲۱۶، ۲۲۱۔

دوسری بات......شرکت فاسدہ کی اقسام میں سے یہ بھی ہے کہ ایک شریک کا خچر ہو اور دوسرے کا گدھا مثلاً، اب دونوں اس میں شریک ہوئے کہ وہ دو جانوروں کو کرائے پر لیں گے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس میں سے عطا کیا وہ مشترک ہوگا، ان دونوں نے ایک معلوم اجرت پر معلوم چیز اٹھانے کے لئے کرائے پر لیا۔ تو یہ شرکت فاسدہ ہے، کیونکہ شرکت میں وکالت پائی جاتی ہے، اس طور پر وکالت درست نہیں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کا مؤکل ہے کہ وہ اس کے جانور کو کرائے پر لے تو اس کے لئے نصف اجرت ہے، یہ وکالت باطل ہے، جیسا کہ ایک شخص کہے: کہ اپنا اونٹ اجرت پر دے دو جو اجرت ہوگی وہ ہمارے درمیان آدھی آدھی ہوگی، یہ وکالت فاسد ہے، پس اسی طرح شرکت ہی فاسد ہے کیونکہ وکالت اور شرکت دونوں معنیٰ ہیں، وہ یہ کہ وکالت اس چیز میں ہوتی ہے جس کا وکیل وکالت سے پہلے مالک نہ ہو، جبکہ مالک کو اختیار ہے کہ اپنے جانور کو فروخت کرے یا اجرت پر دے وکالت سے پہلے پس جب وہ دونوں اپنے جانوروں کو اجرت پر نہیں دے سکتے، لیکن اگر وہ کوئی معلوم سامان اٹھانے کے لئے اجرت معلومہ پر نہیں اور وہ سامان ان پر لادیں تو اجرت بحسب شرط ہوگی، کیونکہ اس صورت میں شرکت صحیح ہے، کیونکہ اس عقد کی وجہ سے وہ سامان مضمون ہوگیا۔

کوئی بھی کام جس سے وہ لے سکتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ جب شرکت فاسد ہوگی تو اجارہ صحیح ہے، کیونکہ یہ منافع معلوم پر بدل معلوم کے ذریعہ واقع ہوا ہے، لہٰذا جو اجرت ملے گی پھر خچر اور گدھے کی اجرت کے مثل اس کو تقسیم کرلیں۔

یہاں ایک اور مثال بھی ہے وہ یہ کہ دو آدمیوں کی گاڑیاں ہوں تو ان دو گاڑی والوں کا تقسیم منافع میں اشتراک درست نہیں اس حاصل شدہ منافع پر جو بطور اجارہ لوگوں کو لانے لے جانے میں حاصل ہوا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے منافع کا مالک ہے۔

شوافع بھی اس شرکت کو جائز قرار نہیں دیتے، اس لئے کہ یہ ممتاز اشیاء کے منافع پر ہوا ہے ہر شریک پر دوسرے کے لئے اس کے مال کی بقدر اجرت مثل ہے۔

تیسری بات......شرکت فاسدہ کی اقسام میں سے یہ بھی ہے کہ ایک شخص دوسرے کو اپنا جانور دے تاکہ وہ اس کے ذریعہ کمائی کرے اور اجرت ان دونوں کے درمیان مشترک ہوگی، تو یہ شرکت بھی فاسد ہے منافع سارے کا سارا مالک کا ہوگا، کیونکہ اس اجارہ میں اس نے وکیل کو یہ دیا ہے، تو وکیل کا اجارہ مؤکل کے اجارہ کی طرح ہوتا ہے اسی کے مثل گھر اور کشتی کا اجارہ ہے۔

فساد کا سبب یہ ہے کہ عقد دوسرے کی ملکیت پر اس کی اجازت سے ہوا ہے جب عقد فاسد ہوگیا تو عامل کے لئے اجرت مثل ہوگی کیونکہ وہ جانور کے منافع کا عوض چاہتا ہے، عوض فساد عقد کی وجہ سے نہیں ملے گا تو اس کو اجرت مثل ملے گی۔

چوتھی بات......شرکت فاسدہ کی اقسام میں سے یہ بھی ہے کہ ایک شخص کوئی چیز خریدے، دوسرا اس سے کہے مجھے بھی اس میں شریک کرلو، یہ بمنزلہ خرید وفروخت ہے، جو چیز خریدی ہے اس کے نصف میں اگر یہ عقد مشتری اول کے قبضہ سے پہلے تمام ہوا تو شرکت جائز نہیں اس لئے کہ شرکت اور تولیہ قبضہ سے پہلے جائز نہیں جیسا کہ عقد بیع کے تحت معلوم ہوا۔ یہ عقد فاسد ہوگا کیونکہ یہ منقولی مبیع کی بیع ہے قبل القبض، اور یہ جائز نہیں۔ **کما عرفنا سابقاً**۔

اور اگر یہ قبضہ کے بعد ہو تو پھر جائز ہے مشتری پر شریک کے لئے نصف ثمن لازم ہوں گے اگر شریک ثمن کی مقدار نہیں جانتا تو اس کو اختیار ہے جب اسے معلوم ہو چاہے تو مبیع کا حصہ لے لے چاہے چھوڑ دے۔

اگر دو آدمی گھوڑا خریدیں اس میں قبضہ کے بعد کسی تیسرے شخص کو شریک کرلیں تو قیاس کا تقاضا ہے کہ اس شریک کے لئے نصف حصہ ہو، کیونکہ ان میں سے اگر ہر ایک اپنے حصہ میں اسے الگ طور پر شریک کرتا تو یہ نصف کا حق دار ہوگا، لہٰذا جب اکٹھے شریک کریں گے تو بھی نصف ہی کا مستحق ہوگا۔

استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ شریک کے لئے ثلث ہو، کیونکہ شرکت مساوات اور برابری کا تقاضا کرتی ہے۔ جب دونوں نے ایک شخص سے کہا، ہم تجھے گھوڑے میں شریک کرتے ہیں تو گویا ان دونوں نے کہا ہم تجھے شریک کرتے ہیں اگر ان میں سے ایک نے اپنے اور اپنے ساتھی کے حصہ میں اسے شریک کیا اور اس کے ساتھی نے اس کی اجازت بھی دے دی تو پھر اس نئے شریک کے لئے نصف حصہ ہوگا، اور پہلے دو کے لئے بھی نصف ہوگا، اس لئے کہ جب اس کے شریک نے اپنے حصے میں اسے شرکت کی اجازت دے دی تو اس کا نصف حصہ اس دوسرے نئے کا ہو جائے گا، اور اس نے اپنے حصے میں اس کو شریک کرلیا پس نیا شریک جس کا حق دار بنا وہ نصف حصہ ہے، ان میں سے باقی ہر ایک کے لئے چوتھا حصہ بچا، اور ہر شرکت فاسدہ میں منافع رأس المال کے اعتبار سے تقسیم ہوگا اور تفاضل کی شرط باطل ہوگی جیسا کہ شرکت کے حکم میں ہم جان چکے ہیں۔

دوسری بحث: شرکت مضاربت.....شرکت کی اقسام میں سے مضاربت، قراض یا معاملہ بھی ہے، اہل عراق کی لغت میں اس کو مضاربت کہتے ہیں، اور اہل حجاز کی لغت میں اسے قراض کہتے ہیں: قراض، قرض سے مشتق ہے اس کا معنی ہوتا ہے کاٹنا، کیونکہ مالک بھی اپنے مال میں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر عامل کے سپرد کرتا ہے تا کہ وہ اس میں تصرف کرے اور اسے منافع کا ایک حصہ دیتا ہے۔ یا یہ مقارضہ سے مشتق ہے جس کا معنی برابری ہے، کیونکہ یہ دونوں بھی منافع میں برابر ہوتے ہیں یا یہ کہ مال، مالک کی طرف سے ہوتا ہے اور عمل (کام) عامل کی جانب سے اس طور پر یہ اجارہ کے مشابہ ہے، کیونکہ اس میں عمل کرنے والا اپنے کام کی وجہ سے منافع کا مستحق ہوتا ہے۔

اہل عراق قراض کو مضاربت کہتے ہیں، کیونکہ عاقدین میں سے ہر ایک منافع میں اپنا ایک حصہ مقرر کرتا ہے، نیز اس لئے بھی کہ عامل سفر وغیرہ کرتا ہے اور سفر کو ''ضربًا فی الارض'' کہا جاتا ہے لہٰذا اس سے مضاربت ہے۔

اس عقد کے بارے میں پانچ مقاصد کے تحت بات ہوگی جو یہ ہیں۔

پہلا مقصد.....مضاربت کی تعریف، اس کی مشروعیت، رکن، اور اس عقد کی نوعیت۔

دوسرا مقصد.....مضاربت کی شرطیں۔

تیسرا مقصد.....مضاربت کے احکام۔

چوتھا مقصد.....رب المال اور مضارب کے اختلاف کا حکم۔

پانچواں مقصد.....مضاربت کو باطل کرنے والی چیزیں۔

پہلا مقصد.....مضاربت کے تعریف، اس کی مشروعیت، رکن، اقسام اور عقد کی نوعیت:

مضاربت کی تعریف.....یہ ہے کہ مالک مال دے عامل کو تا کہ وہ اس سے تجارت کرے اور منافع دونوں کے درمیان طے شدہ تناسب سے مشترک ہو۔ اور خسارہ صرف رب المال پر ہوگا، عامل مضارب نقصان میں سے کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوگا وہ تو صرف اپنے کام اور محنت کا خسارہ برداشت کرے گا۔ صاحب کنز نے تعریف اس طرح کی ہے یہ شرکت ہے اس میں ایک جانب سے مال اور دوسری جانب عمل ہوتا ہے۔

پہلی تعریف کے فوائد قیود.....''یدفع'' سے معلوم ہوا کہ کسی منفعت پر مضابت کرنا صحیح نہیں مثلاً رہائش کے لئے گھر وغیرہ، کیونکہ یہ دین کے طور پر صحیح نہیں چاہے عامل سے ہو یا کسی اور سے اور ''الربح مشترکا'' سے واضح ہوا کہ وکیل مضارب نہیں بن سکتا، اور منافع میں

عاقدین کے مشترک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رب المال تو اپنے مال کی وجہ سے منافع کا مستحق ہے، کیونکہ یہ اس کے مال کی بڑھوتری ہے اور مضارب اپنے عمل کی وجہ سے منافع کا مستحق ہے جو منافع کے وجود کا سبب ہے، اسی بناء پر اگر سارا نفع رب المال کے لئے طے کر دیا گیا تو یہ عقد مباضعہ ہوگا، اور اگر سارا نفع مضارب کے لئے طے کر دیا گیا تو یہ قرض ہوگا۔

مضاربت کی مشروعیت......تمام مذاہب کے ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ مضاربت جائز ہے قرآن کریم، سنت، اجماع اور قیاس کی وجہ سے، البتہ دھوکے اور مجہول اجارہ سے یہ مستثنیٰ ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ

اور بعض اللہ کا فضل (یعنی معاش) کی تلاش میں ملک میں سفر کرتے ہیں۔ مضارب بھی زمین میں اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے کے لئے چلتا پھرتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ......الجمعۃ: ۶۲/ ۱۰

پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

یہ آیت اپنے عموم کی وجہ سے مضاربت کو شامل ہیں۔

احادیث......ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب جب مال مضاربت پر دیتے تو عامل سے یہ شرط رکھتے کہ اس مال کو لے کر سمندر میں سفر نہیں کرنا، کسی وادی میں نہیں ٹھہرنا، اور اس کے ذریعے کسی جانور کو نہیں خریدنا، اگر ایسا کیا تو ضامن ہوگے، ان کی یہ شرط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔ (۱)

ابن ماجہ میں حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین چیزوں میں برکت ہے، ادھار فروخت کرنا، مضاربت اور اپنے گھر کے لئے گندم میں جو ملانا۔" (۲)

اجماع......صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت سے منقول ہے کہ وہ یتیم کے مال کو مضاربت پر دیتے تھے۔ (۳)

کسی نے بھی نکیر نہیں کی تو یہ اجماع ہوا، اور مروی ہے کہ حضرت عبداللہ، عبیداللہ، عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بیٹے عراق کی فوج میں گئے، جب واپس لوٹے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک عامل سے ان کا گذر ہوا وہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے انہوں نے ان کا استقبال کیا اور حضرت سہل کا، اور کہا اگر میں تمہیں ایک معاملے کے بارے میں کہوں اگر تم اسے کرو تو وہ تمہیں نفع دے گا پھر کہا کیوں نہیں! یہاں اللہ تعالیٰ کا مال ہے میں چاہتا ہوں کہ اسے امیر المومنین کے پاس بھیج دوں، تم دونوں کو قرض دیتا ہوں تم اس سے عراق سے سامان خرید لو پھر مدینہ منورہ میں جا کر اسے فروخت کر دینا راس المال امیر المومنین تک پہنچا دینا اور منافع تم دونوں کا ہوگا، انہوں نے کہا: ہم یہ چاہتے ہیں تو آپ نے ایسا کیا اور حضرت عمر کو خط لکھا ہے کہ ان سے مال وصول کر لینا، جب وہ مدینہ آئے تو انہوں نے اسے فروخت کر کے نفع حاصل کیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ساری فوج نے قرض لیا جس طرح تم دونوں نے لیا تو انہوں نے فرمایا نہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: تم دونوں امیر المومنین کے بیٹے تھے اس لئے تمہیں قرض دیا گیا، لہٰذا مال اور منافع بیت المال میں جمع کراؤ، حضرت عبداللہ خاموش رہے البتہ عبیداللہ نے فرمایا: اے امیر المومنین اگر مال ضائع ہو جاتا تو ہم ضامن تھے، انہوں نے فرمایا جمع کراؤ، عبداللہ خاموش رہے عبیداللہ نے جواب دیا، مجلس میں ایک شخص نے کہا اے امیر المومنین اگر آپ اسے مضاربت قرار دے دیں کہ نصف ان دونوں کا نفع ہو اور نصف بیت المال کا تو اس پر

(۱)......مجمع الزوائد ۴/ ۱۶۱۔ (۲) سبل السلام ۳/ ۷۶۔ (۳) نصب الرایۃ: ۴/ ۱۱۳

حضرت عمر راضی ہوئے آپ نے رأس المال اور آدھا نفع لے لیا اور حضرت عبداللہ اور عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آدھا نفع لے لیا۔ ❶ ابن تیمیہ نے بھی مضاربت کی مشروعیت کو اجماع سے ثابت کیا ہے جو کہ نص پر قائم ہے، اس لئے کہ مضاربت زمانہ جاہلیت میں بھی مشہور تھی خاص کر قریش میں، ان کی اکثر تجارت اسی طرح ہوتی تھی، مال والے عاملوں کو مال دیتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبوت سے پہلے غیروں کا مال لے کر سفر کرتے تھے جیسا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مال لے کر سفر کیا، اور وہ قافلہ ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس میں بھی اکثر مضاربت کا مال تھا، جب اسلام آیا تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی دوسروں کے مال مضاربت پر لے کر تجارت کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا، پس جب آپ کا قول فعل اور اقرار اس کو حاصل ہے تو یہ سنت سے ثابت ہے۔

قیاس..... مضاربت کو مساقات پر قیاس کیا جائے گا لوگوں کی حاجت کی وجہ سے کیونکہ لوگوں میں امیر وغریب دونوں طرح کے لوگ ہیں، اور ایک انسان کے پاس مال ہوتا ہے لیکن وہ تجارت کو نہیں سمجھتا اور ایسے لوگ بھی ہیں جن کے پاس مال نہیں ہوتا لیکن وہ تجارت کے ماہر ہیں، یہی اس عقد کی مشروعیت میں لوگوں کی ضرورت کا اثبات ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی تمام عقود لوگوں کی مصلحت اور ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیئے ہیں۔

مضاربت کی مشروعیت کی حکمت..... لوگوں کو مالوں میں بڑھوتری اور آپس میں تعاون کی قدرت دینا ہے اور مہارت کو رأس المال سے ملانا تا کہ عمدہ ثمرات ظاہر ہوں۔

مضاربت کا رکن، الفاظ اور قسمیں..... حنفیہ کے ہاں مضاربت کا رکن ایسے الفاظ سے ایجاب قبول کرنا جو مضاربت پر دلالت کریں ایجاب کے الفاظ، لفظ مضاربت، مقارضہ، معاملہ اور وہ جو اس کے قائم مقام ہوں بایں طور کہ رب المال کہے: اس مال کو مضاربت کے طور پر لے لو جو اللہ تعالیٰ اس میں سے نفع ہمیں دیں گے وہ ہمارے درمیان نصف، ربع یا ثلث وغیرہ کے اعتبار سے تقسیم ہوگا، اسی طرح جب کہا مضاربت یا معاملہ کے طور پر لے لو، یا کہا: اس مال کو لے لو اور اس میں کام کرو جو نفع اللہ تعالیٰ دیں گے وہ ہمارے درمیان ہوگا، اگر اس پر کچھ زیادتی نہ بھی کی تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ ایسے الفاظ ہیں جو مضاربت کے معنی میں ہیں اور عقود میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا اور قبول کے الفاظ یہ ہیں، مضارب کہے، میں نے لے لیا یا میں راضی ہوگیا، یا میں نے قبول کیا وغیرہ، جب ایجاب قبول ہو گئے تو عقد منعقد ہو گیا جمہور کے ہاں مضاربت کے ارکان تین ہیں: عاقدان (مالک اور عامل) معقود علیہ (رأس المال، عمل اور نفع) اور الفاظ (ایجاب وقبول) اور شوافع کے ہاں پانچ ہیں، مال، عمل، منافع، الفاظ اور عاقدین۔

مضاربت کی قسمیں..... دو ہیں مطلق، اور مقید ❷ **مضاربت مطلق**: یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو مال دے بغیر کسی عقد کے اور کہے: یہ مال میں تمہیں مضاربت کے طور پر دیتا ہوں اس شرط پر کہ منافع میرے اور تمہارے درمیان نصف نصف یا ثلث ثلث وغیرہ ہوگا یا بغیر عمل، مکان، زمانہ وغیرہ کی تعین کے مضاربت پر مال دے دے۔

مضاربت مقید..... کہ ان اشیاء میں سے کوئی چیز متعین کر دے یا دوسرے کو ایک ہزار دینار دے مضاربت کے طور پر کہ فلاں شہر میں کام کرنا ہے یا فلاں سامان میں کام کرنا، یا فلاں وقت میں کرنا، یا فلاں شخص کے علاوہ کسی سے خرید وفروخت نہ کرنا، یہ آخری دونوں قسمیں وقت کی قید اور شخص کی قید والی امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے ہاں جائز ہیں۔ امام مالک اور شافعی کے ہاں جائز نہیں۔ اسی طرح اس کی اضافت مستقبل

---

❶..... نصب الراية: ۱۱۳/۴۔ ❷ البدائع: ۸۷/۶۔۹۸۔

کی طرف کرنا پہلے دونوں کے ہاں جائز ہے آخری دونوں کے ہاں جائز نہیں یا یں طور رب المال کہے: اس مال میں مضاربت کروآئندہ مہینے سے، رہ گیا مضاربت کو کسی شرط پر معلق کرنا جیسا کہ مال والا کہے: جب فلاں شخص جس کے ذمہ میرا قرض ہے آجائے وہ میں تمہارے سپرد کروں گا اس میں مضاربت کرنا، اس کو حنابلہ نے جائز قرار دیا ہے مالکیہ شوافع اور حنفیہ کے ہاں یہ جائز نہیں، کیونکہ مضاربت میں نفع کے ایک حصہ کی تملیک ہوتی ہے اور تملیک تعلیق کو قبول نہیں کرتی۔

شوافع اور مالکیہ کے ہاں مضاربت میں یہ شرط ہے کہ مطلق ہو کسی متعین تجارت کی قسم سے مقید درست نہیں اور نہ متعین شخص سے نہ متعین شہر سے اور اس میں مدت متعین کرنا شرط نہیں۔ اگر ایسی مدت متعین کی کہ عامل اس میں تجارت نہیں کرسکتا تو شرکت فاسد ہوگی، اگر اتنی مدت مقرر کی جس میں تجارت کرسکتا تھا پھر عامل کو خریدنے سے روک دیا فروخت کرنے سے نہ روکا تو یہ درست ہے کیونکہ بیع سے منافع حاصل ہوگا۔

عقد مضاربت کی نوعیت...... علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عقد مضاربت عامل کے عمل شروع کرنے سے پہلے لازم نہیں ہوتا، دونوں کو فسخ کا اختیار ہے۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ جب عامل مضاربت شروع کردے تو لازم ہے یا نہ تو امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں شروع کرنے سے عقد لازم ہے۔

یہ ایسا عقد ہے اس میں وراثت جاری ہوگی اس لئے کہ اگر مضارب کے بیٹے امین ہوں تو وہ مضاربت میں باپ کی طرح ہیں، اگر وہ امین نہیں تو وہ کسی امانت دار کو لائیں اگر مضارب نے کام شروع کردیا تو پھر فسخ نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ مال نقدی کی شکل میں نہ آجائے۔

امام ابوحنیفہ، شافعی اور احمد کے ہاں یہ عقد غیر لازم ہے عاقدین کو اختیار ہے جب چاہیں فسخ کردیں اور اس میں وراثت جاری نہ ہوگی دونوں فریقوں کا مرجع اختلاف کہ امام مالک اس کو عقد لازم قرار دیتے ہیں کام شروع کرنے کے بعد کیونکہ فسخ سے نقصان ہوتا ہے لہٰذا یہ عقد موروثی میں سے ہوا جبکہ فریق ثانی کام شروع کرنے کے بعد کو کام شروع کرنے سے پہلے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں، کیونکہ مضاربت دوسرے کے مال میں اس کی اجازت سے تصرف کرنے کا نام ہے، لہٰذا دونوں عقد فسخ کرنے کے مالک ہیں جیسا کہ ودیعت اور وکالت میں۔ البتہ حنفیہ اور ان کی موافقت کرنے والے صحت فسخ اور انتہاء مضاربت کے لئے دوسرے عاقد کے علم کو شرط قرار دیتے ہیں، جیسا کہ تمام شرکتوں میں ہے، اور یہ کہ حنفیہ کے ہاں راس المال نقدی ہونا چاہئے بوقت فسخ اگر سامان یعنی زمین اور منقولی اشیاء ہوں تو فسخ درست نہیں۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں اگر فسخ مضاربت کے وقت رأس المال سامان ہو، متعاقدین اس کے فروخت کرنے یا تقسیم کرنے پر متفق ہوں گے تو جائز ہے کیونکہ دونوں کا حق ہے۔ اگر عامل بیع طلب کرے اور رب المال انکار کرے تو رب المال پر فروخت کرنے کے لئے زبردستی کی جائے گی، کیونکہ عامل کا حق منافع میں ہے وہ بیع ہی سے حاصل ہوگا۔

زیادہ مضارب ہونا...... مالکیہ کے ہاں جب مضارب زیادہ ہوں تو ان پر منافع بقدر عمل تقسیم کیا جائے گا جیسے شرکاء ابدان میں ہوتا ہے، یعنی ان میں سے ہر ایک اپنے کام کی بقدر نفع لے گا یہ جائز نہیں کہ کام برابر کریں اور نفع کم زیادہ لیں یا اس کے برعکس بلکہ منافع بقدر عمل ہوگا۔

جدید قانونی شرکتوں کا حکم...... جدید قانونی اشخاص کا شرکت کرنا شرکت تضامن، شرکت توصیہ بسیطہ اور شرکت محاصہ ان سب کو اسلامی فقہ میں شرکت مضاربت کی قبیل سے شمار کیا جاتا ہے باوجود اس کے کہ بعض احکام میں قانون اور شریعت میں اختلاف ہے لیکن لوگوں کی مصلحت کی خاطر شرکت تضامن میں تمام شرکاء کا مال ہوتا ہے اور عمل بعض کا، عامل غیر کے مال میں مضارب ہوتا ہے اور شرکت توصیہ بسیطہ

شرکاء تضامن سے وجود میں آتی ہے جو کہ شرکت کے التزامات کے مسئول ہوتے ہیں اور اس کے شرکاء میں سے ہر ایک سے مسئولیت ہو مال کے حصہ میں لہٰذا مومنین کے مال میں شرکت مضاربت ہوتی ہے۔ اور شرکت محاصہ: جب کسی ایک شریک کو حصص سرمایہ کاری کے لئے دے دیئے جاتے ہیں تو یہ شریک اس مال میں سرمایہ کاری کے لئے ان کی طرف سے وکیل ہوتا ہے اور دوسروں کے مال میں اس کا عمل مضاربت ہے۔ اسی طرح کمپنی کی شرکت میں ہوتا ہے کہ عادۃً غیر کے مال میں عمل ہوتا ہے اس حالت میں یہ بھی مضاربت میں سے شمار ہوتی ہے اور اسی طرح وہ شرکتیں ہیں جو لمیٹڈ کمپنی کی ہوتی ہیں۔

اس میں پچاس شریکوں سے زیادہ تعداد نہیں رکھی جاتی مدیر کا کام اس میں مضاربت ہوتا ہے، ہمارے استاد علی الخفیف کی یہی رائے ہے زیادہ دقیق بات یہ ہے کہ ان کے کام کو ملازمت میں سے شمار کیا جائے، وہ ملازم کی طرح اجرت پر عمل کرے گا نہ کہ شرکت کے طور پر اور کمپنی کی شرکت اور شرکت تضامن میں اگر منیجر کو کام کا ملازم مان لیا جائے تو پھر اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں اور اس چیز سے بھی کوئی مانع نہیں کہ ایک ہی چیز میں شرکت اور اجارہ ہوں، کیونکہ منع دو عقدوں اور شرطوں سے عقد میں اس وقت ہے جب علت کے زائل ہونے سے عقد زائل ہو جائے یا اس کی حکمت فوت ہو جائے، یعنی نزاع اور خلاف کا ہونا، اور اس نزاع کا نہ ہونا جس پر عرف اور عادت جاری ہیں لہٰذا یہ شرط مفسد نہیں میں عنقریب اس کو واضح کروں گا۔

دوسرا مقصد: مضاربت کی شرطیں...... مضاربت کے صحیح ہونے کے لئے عاقدین، رأس المال اور منافع کے لئے شرطیں ہیں: عاقدین یعنی مضارب اور رب المال کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ وکالت کے اہل ہوں کیونکہ مضارب رب المال کے حکم سے تصرف کرتا ہے یہی توکل (وکیل بنانے) کا معنی ہے دونوں کا مسلمان ہونا شرط نہیں، پس مسلمان اور ذمی، اور مستامن سے دارالاسلام میں مضاربت صحیح ہے، جبکہ مالکیہ کے ہاں مسلمان اور ذمی کے درمیان مضاربت مکروہ ہے جبکہ سود کا عمل نہ ہو ورنہ حرام۔

رأس المال کی شرطیں: پہلی شرط...... یہ کہ رأس المال مروجہ سکے یعنی دراہم و دنانیر وغیرہ ہونا چاہئے جیسا کہ شرکت عنان میں یہی شرط ہے، لہٰذا عروض میں مضاربت جائز نہیں یعنی زمین اور منقولی اشیاء میں جمہور کے ہاں اگر چہ منقول مثلی ہی کیوں نہ ہو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں۔ ابن ابی لیلیٰ اور اوزاعی اس کی اجازت دیتے ہیں، اس وقت یہ قیمت کے اعتبار عقد مضاربت منعقد ہوگا۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ رأس المال جب عروض ہو تو اس میں غرر ہے، کیونکہ مضاربت اس وقت منافع کی جہالت کی طرف لے جانے والی ہے تقسیم کے وقت، اس لئے کہ عروض کی قیمت ظن و تخمین سے لگائی جائے گی لہٰذا قیمت لگانے والوں کے اعتبار سے مختلف ہوئی اور جہالت منازعت کی طرف لے جانے والی ہے اور منازعت فساد کی طرف لہٰذا اس صورت میں عامل کو اجرت مثل ملے گی۔

مالکیہ کے ہاں عروض کی مضاربت جائز نہیں باوجودیکہ شرکت عنان میں یہ جائز ہے، کیونکہ مضاربت رخصت ہے اپنے مورد پر بند رہے گی۔

البتہ اگر رأس المال ایسی چیز ہو جس سے عروض کو بیچا جائے، بایں طور کہ کسی شخص کو عروض دے اور کہے اسے فروخت کر کے اس کے ثمن میں مضاربت کرو اس نے ان کو نقدی سے فروخت کیا اور اس میں تصرف کیا تو یہ جائز امام ابوحنیفہ، مالک اور احمدؒ کے ہاں کیونکہ اس نے مضاربت کی نسبت عروض کی طرف نہیں کی، بلکہ ثمن کی طرف نسبت کی ہے اور ثمن میں مضاربت صحیح ہے۔

امام شافعی کے ہاں یہ عقد درست نہیں، کیونکہ اس نے مضاربت اس چیز سے کی ہے جس سے سامان کو فروخت کرے گا اور یہ مجہول ہے تو گویا اس نے مجہول رأس المال پر مضاربت کی۔ جیسے عروض سے مضاربت درست نہیں، ایسے ہی سونے، چاندی کے بے ڈھلے ڈلے اور خالص سونے چاندی کی ڈلی سے بھی مضاربت درست نہیں اور امام ابوحنیفہ، ابو یوسفؒ اور مالکؒ کے ہاں فلوس سے بھی مضاربت صحیح نہیں

کیونکہ یہ ثمن مطلق نہیں امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں جائز ہے کیونکہ یہ ثمن ہے جیسا کہ شرکت اموال کی بیع میں معلوم ہوا۔

خلاصہ..... یہ کہ ہر وہ چیز جو شرکت میں راس المال بننے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس سے عقد شرکت درست ہے تو اس سے مضاربت بھی درست ہے ورنہ نہیں۔

دوسری شرط.....راس المال کی مقدار معلوم ہونی چاہئے اگر مجہول ہو تو مضاربت درست نہیں، کیونکہ راس المال کی جہالت منافع کی جہالت کی طرف لے جانے والی ہے، جبکہ منافع کا معلوم ہونا صحت مضاربت کے لئے شرط ہے۔

تیسری شرط.....راس المال متعین اور موجود ہو نہ کہ دین، پس مضاربت دین اور غائب مال پر درست نہیں ہوگی اسی وجہ سے جس پر دین ہو اس کا یہ کہنا جائز نہیں کہ ''اس دین سے مضاربت کرو جو تم پر ہے'' یہ شرط اور اس سے پہلی شرط بالاتفاق ہے اور مضاربت دین کے ذریعہ فاسد ہے، کیونکہ مدیون کے قبضہ میں جو مال ہے وہ تو قرض خواہ کا ہے قبضہ کے ساتھ اور یہاں قبضہ نہیں۔ ❶ جبکہ شرط یہ ہے کہ تصرف کے وقت مال حاضر ہو، مجلس عقد میں مال کا حاضر ہونا شرط نہیں، اگر اس نے دین ادا کر دیا اور مضارب کے سپرد کر دیا یا غائب مال حاضر کر دیا اور سپرد کر دیا تو مضاربت درست ہے۔

اسی بناء پر اگر رب المال کا دین ہو کسی پر اور وہ اس سے کہے: میرے دین میں جو آپ کے ذمہ ہے نصف پر مضاربت کرو، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں: جب مدیون اس سے کچھ خرید وفروخت کرے گا تو جو کچھ بھی اس خرید وفروخت کی وہ اس کا مالک ہوگا اور اس میں سے اسے منافع ملے گا اور خسارہ اسی پر ہوگا اور دین اپنی جگہ پر باقی رہے گا اور یہ اس اصل پر مبنی ہے جو امام صاحب کے ہاں ہے کہ اگر کسی نے کسی کو وکیل بنایا کہ اس کا جو قرض ہے اس کے ذمہ اس سے کچھ خرید کر دے تو یہ جائز نہیں۔ یہ بات شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں بھی ایسی ہی متفق علیہ ہے کہ دین کے بدلے میں مضاربت جائز نہیں، بلکہ قرض خواہ کو سپرد کرنا ضروری ہے پھر دوبارہ قرض خواہ مضارب کو دے۔

صاحبینؒ کے ہاں.....اس نے جو کچھ بھی خریدا اور فروخت کیا وہ رب المال کا ہوگا، منافع بھی اس کے لئے ہوگا اور اس کا فساد بھی اسی پر ہوگا، اور یہ ان کے ہاں اس اصل پر ہے جو وکالت میں ان کے ہاں ہے کہ وکیل بنانا جائز ہے اور مدیون کو دین سے بری کرنا بھی لیکن مضاربت فاسد ہوگی، کیونکہ خریداری مؤکل کے لئے ہوتی ہے، تو یہ مضاربت اس کے بعد مضاربت عروض ہو جائے گی گویا کہ اس نے عروض خریدنے کے لیے اسے وکیل بنایا پھر اسے مضاربت کے طور پر دیا، اور عروض سے مضاربت درست نہیں۔

دین پر قبضہ.....جب کوئی آدمی کسی دوسرے سے کہے: ''فلاں سے میرے دین کو وصول کر کے اس میں مضاربت کرو'' تو یہ بالاتفاق جائز ہے کیونکہ مضاربت کی نسبت یہاں اس مال کی طرف ہے جو اس کے ہاتھ میں امانت ہے تو راس المال متعین ہوا دین نہ ہوا یعنی مضارب اس کی وصولیابی کے لئے وکیل اور مؤتمن ہے، کیونکہ اس کا قبضہ مالک کی اجازت سے ہے لہٰذا اسے مضاربت کے طور پر دینا جائز ہے جیسے وہ کہے میرے غلام سے مال لو اور مضاربت کرو۔

ودیعت.....اگر کسی شخص کے پاس ودیعت ہو تو اس میں حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں مضاربت جائز ہے، مودع اس سے کہے کہ اس سے مضاربت کرو، کیونکہ ودیعت رب المال کی ملکیت میں ہے، پس اس کے لئے جائز ہے کہ اسے مضارب بنائے، جیسے حاضر کی صورت میں کہے میں اس ہزار پر تمہیں مضارب بناتا ہوں، اور ایسے گھر کے کونے کی طرف اشارہ کرے، اس حالت اور دین میں فرق یہ ہے کہ عین مال دین

❶.....البدائع: ۸۳/۶۔

کی صورت میں قبضہ سے پہلے اس کی ملکیت میں نہیں ہوتا۔ مالکیہ کے ہاں شئی مرہون اور ودیعت میں سے کسی کو بھی مال مضاربت بنانا جائز نہیں کیونکہ یہ دین کے مشابہ ہیں۔

غصب شدہ چیز......اگر مال غصب شدہ ہو تو اس میں بھی مضاربت جائز ہے غاصب مضاربت بنایا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ رب المال کا مال ہے اس نے غاصب کے لئے فروخت کرنا مباح کردیا ہے، اور اس کے لئے بھی جو اس سے وصول کرسکتا ہو لہٰذا ودیعت کے مشابہ ہوگیا۔

چوتھی شرط......رأس المال، عامل کے سپرد ہونا چاہئے، تاکہ وہ کام کرسکے نیز رأس المال اس کے ہاتھ میں امانت ہے، سپرد کرنے کے بغیر درست نہیں اور وہ تخلیہ ہے جیسے وذیعت، اور رب المال کے مال پر قبضہ باقی رہنے کی صورت میں مضاربت درست نہیں، کیونکہ قبضہ کے ساتھ سپرد کرنا نہیں پایا گیا، اور اسی پر مرتب ہے کہ اگر مالک کا قبضہ باقی رکھنے کی شرط لگائی تو مضاربت فاسد ہوجائے گی، اس لئے کہ عامل کا تصرف اور عمل میں مستقل ہونا ضروری ہے تجارت کے طبعی تقاضے اور ان آلات جن میں شرکت متعذر ہے جو سرعت اور جلدی سے ضرورت ہوتے ہیں۔ اگر عامل نے مالک سے کام میں مدد لی بغیر شرط تو یہ جائز ہے کیونکہ اس کی مدد سے مال عامل کے قبضہ سے نہیں نکلتا۔ یہ شرط بھی جمہور (ابوحنیفہ اور صاحبین، مالک، شافعی، اوزاعی، ابوثور اور ابن المنذرؒ) کے ہاں متفق علیہ ہے، البتہ حنابلہ مالک کے قبضہ کو شرط قرار دینے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

اور مالکیہ عامل کی اس شرط کو کہ رب المال مفت میں مال مضاربت میں کام کرے، جائز قرار دیتے ہیں، اور رب المال کی سواری کو اگر مال زیادہ ہو آنے کرنے کی شرط، جیسا کہ یہ اس بات کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ ایک عامل دو دفعہ دیکھے بعد دیگر مضاربت کے لئے مال دینا جائز ہے جبکہ دوسرا مال دینے کے ساتھ خلط کی شرط ہو، کیونکہ اس صورت میں ایک معلوم اجرت متعین ہوگی۔

اس شرط کی وجہ سے مضاربت شرکت اموال سے مختلف ہوجاتی ہے، کیونکہ شرکت اموال میں راس المال کے مال پر قبضہ کے باجود صحیح ہوتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ مضاربت کا انعقاد ایک کی طرف سے راس المال اور دوسرے کی طرف سے عمل پر ہوتا ہے، اور عمل اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک مال مالک کے قبضہ سے نکل کر عامل کے قبضہ میں نہ آجائے تاکہ وہ تصرف کرسکے، رہ گئی شرکت تو وہ تو دونوں جانب سے عمل پر منعقد ہوتی ہے، پس اگر شرکت میں رأس المال کے کام سے الگ ہونے کی شرط لگائی، تو یہ شرط مقتضیٰ عقد کے خلاف ہوگی، جیسے مضاربت میں رب المال کے عمل کی شرط لگانا، اس سے مضاربت فاسد ہوجائے گی چاہے رب المال، مضارب کے ساتھ کام کرے یا نہ کرے، کیونکہ عمل کی شرط لگانا ہی مال پر قبضہ باقی رکھنے کے مترادف ہے اور یہ شرط فاسد ہے۔

کیونکہ اس کی وجہ سے مضارب عمل وتصرف کرنے سے رکا رہے گا تو عقد کا مقصد حاصل نہ ہوگا۔ یہ شرط مطلوب ہے چاہے مالک عاقد ہو یا کوئی اور اس کے قبضہ کا نہ ہونا ضروری ہے صحت مضاربت کے لئے۔ اسی پر مرتب ہے کہ اگر والد یا وصی نے بچے کے مال میں مضاربت کی اور بچے کا کام بھی شرط رکھا تو مضاربت صحیح نہیں، کیونکہ بچے کا قبضہ ثابت ہے، اور اس کے قبضہ کا باقی رہنا مضارب کے سپرد کرنے سے مانع ہے۔ یہی حکم ہے جب شریک مفاوضہ اور عنان میں جب کوئی ایک شریک مال مضاربت پر دے اور شریک کے کام کو مضارب کے ساتھ شرط قرار دے تو مضاربت فاسد ہے، کیونکہ شریک کی ملکیت باقی ہے اگرچہ وہ عاقد نہ ہو لیکن سپردگی سے مانع ہے۔ اسی شرط کے مطابق اگر مضارب رب المال کو ثلث پر مضاربت کے لئے مال دے تو دوسری مضاربت فاسد ہے اور پہلی اپنی حالت پر جائز ہے۔

منافع کی شرطیں......یہ ہیں:

پہلی شرط......منافع کی مقدار معلوم ہونی چاہئے، کیونکہ معقود علیہ یا معقود عقد سے منافع ہے اور معقود علیہ کی جہالت عقد کو فاسد

کردیتی۔ جب کسی شخص نے دوسرے کوایک ہزار درہم دیئے کہ منافع میں دونوں شریک ہوں گے منافع کی مقدار بیان نہ کی تو یہ عقد جائز ہے اور منافع دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا، کیونکہ شرکت مساوات اور برابری کا تقاضا کرتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ ......النساء: ۴/ ۱۲

مضاربت کے فساد کی حالت اور شرط کے فساد کی حالت حنفیہ کے ہاں......اگرچہ یہاں شرط ایسی ہو جس کی وجہ سے منافع مجہول ہو تو مضاربت فاسد ہو جاتی ہے، کیونکہ عقد کا جو مقصد ہے منافع اس میں خلل کی وجہ سے، اور اگر شرط ایسی ہو کہ منافع مجہول نہ رہے تو شرط باطل ہو جائے گی عقد صحیح ہوگا مثلاً مالک یہ شرط لگائے کہ خسارہ مضارب پر ہوگا یا دونوں پر ہوگا تو یہ شرط باطل ہوگی اور عقد صحیح رہے گا اور خسارہ مالک پر ہوگا مال مضاربت میں، اس کی وجہ کہ خسارہ کی شرط دونوں پر شرط فاسد ہے یہ ہے کہ خسارہ مال میں سے ہلاک شدہ ایک حصہ ہے تو یہ صرف رب المال پر ہی ہوگا، اس لئے نہیں کہ اس سے منافع مجہول ہوتا ہے، کہ عقد کو فاسد کردے۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے دوسرے کو ایک ہزار درہم دیئے مضاربت کے طور پر کہ منافع دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا، اس شرط پر کہ رب المال مضارب کو اپنی زمین دے گا کہ ایک سال اس میں زراعت کرے یا گھر دے کہ اس میں ایک سال رہائش اختیار کرے تو یہ شرط باطل ہے اور مضاربت جائز ہے، کیونکہ رب المال نے ایک فاسد شرط رکھی ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا، اور اگر مضارب پر یہ شرط ہو کہ وہ اپنی زمین ایک سال کے لئے رب المال کو زراعت کے لئے دے گا یا اپنا گھر رب المال کو رہائش کے لیے دے گا تو اس صورت میں مضاربت فاسد ہے، کیونکہ اس نے اپنے عمل کا نصف منافع اجرت رکھا ہے گھر یا زمین کے لئے تو عمل کا حصہ مجہول ہو گیا لہٰذا عقد صحیح نہیں۔

خلاصہ......حنفیہ کے فساد کے ضابطے کا خلاصہ مضاربت میں شرط لگانا ہے بایں طور کہ وہ شرط مضاربت کی صحت کی شرائط کے خلاف ہو تو وہ مضاربت کو فاسد کردے گی، جیسے منافع معلوم نہ ہونا، یا مال سارا مضارب کو سپرد نہ کرنا، ہاں اگر شرط ایسی ہو کہ مضاربت کی صحت کی شرائط کے خلاف نہ ہو، کیونکہ شرط فاسد مضاربت کو فاسد نہیں کرتی، بلکہ شرط خود فاسد اور لغو ہوتی ہے اور مضاربت صحیح، جیسے نقصان مضارب کے ذمہ لگا دینا، یہ شرط باطل ہے اور مضاربت صحیح ہے۔ اگر منافع سارا رب المال کے لئے قرار دیا اور مضارب نے اس کو قبول کیا کہ وہ مفت میں کام کرے گا تو یہ عقد مضاربت نہ ہوگا، بلکہ یہ ابضاع اور مباضعہ ہوگا اور عامل اس میں مستبضع کہلائے گا۔ اور سارا منافع مضارب کے لئے مشروط رکھا تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ عقد قرض کا ہوگا، اور شوافع کے ہاں مضاربت فاسدہ، اس صورت میں عامل کو اجرت مثل ملے گی، کیونکہ مضاربت کا تقاضا یہ ہے کہ منافع میں اشتراک ہو، جب منافع عامل کے لئے رکھا تو یہ شرط فاسد ہے۔

حنفیہ کے ہاں یہ جائز ہے کہ عاقدین میں سے کسی ایک کے لئے معلوم درہم شرط قرار دیئے جائیں کہ اگر اتنے درہم سے زیادہ منافع ہوا تو تمہیں اتنے ملیں گے یہ شرط صحیح ہے مضاربت کی صحت پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا کیونکہ منافع مجہول نہیں۔ مالکیہ کے ہاں عامل کے لئے سارے منافع کی شرط لگانا صحیح ہے، اور ان کی عبارت یہ ہے: کہ مضاربت میں سارا نفع رب المال یا مضارب یا کسی تیسرے آدمی کے لئے شرط قرار دینا جائز ہے، کیونکہ یہ تبرع اور احسان ہے، اور اس صورت میں اسے مضاربت کہنا مجازاً ہے، حقیقۃً یہ مضاربت نہیں، یعنی عامل جب سارا منافع لے گا تو مال کا ضامن ہوگا کیونکہ یہ قرض کے مشابہ ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جب عقد کو مضاربت بنانا صحیح نہیں تو اسے قرض قرار دیں گے، کیونکہ یہ قرض کے مفہوم میں ہے اور عقد میں معنی کا اعتبار ہوتا ہے، اسی پر متفرع ہے جب سارا منافع رب المال کے لئے شرط قرار دیا تو یہ ان کے ہاں مباضعہ ہے کیونکہ اس میں ابضاع کے معنی پائے جاتے ہیں کما تقدم۔

دوسری شرط......کہ منافع ایک مشاع جزء ہونا چاہیے، یعنی دسواں یا ایک حصہ منافع بایں طور کہ دونوں ثلث ربع نصف وغیرہ پر متفق

ہو جائیں، یہ اجارہ مجہولہ کے حکم سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ مضاربت کا جواز لوگوں پر نرمی کے لئے ہے، پس جب عاقدین ایک متعین مقدار متعین کریں بایں طور کہ دونوں شرط رکھیں کہ ایک کے لئے سو دینار ہیں یا کم زیادہ اور باقی دوسرے کے لئے تو یہ شرط صحیح نہیں اور مضاربت فاسد ہوگی، کیونکہ مضاربت تو منافع میں اشتراک چاہتی ہے اور یہ شرط منافع مین اشتراک کو روکتی ہے، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ اس مقدار سے زیادہ مضارب کو نفع ہی نہ ہو، تو منافع ایک کو ملے گا دوسرے کو نہیں، شرکت متحقق نہیں ہوگی، لہٰذا یہ تصرف مضاربت نہیں ہوگا۔

اسی طرح جب عامل کے لئے منافع سے ہٹ کر کسی مال کو منافع کا حصہ قرار دیا تو یہ جائز نہیں۔ جبکہ مالکیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ جائز ہے متعاقدین کی رضا مندی سے۔ اسی طرح مضاربت فاسد ہوگی، جب کسی ایک کے لئے زیادہ منافع شرط قرار دیا گیا، جیسے دس درہم کسی ایک شریک کے لئے، کیونکہ ہوسکتا ہے صرف اتنا ہی منافع ہو، لہٰذا منافع میں شرکت متحقق نہ ہوگی اس صورت میں عامل کے لئے اجرت مثل ہوگی جیسا کہ مضاربت کی تمام فاسد قسموں کا یہی حکم ہے۔

ابن منذر فرماتے ہیں تمام اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب مضاربت میں کسی ایک یا دونوں کے لئے معلوم درہم شرط لگائے جائیں تو مضاربت باطل ہے۔ اس بناء پر کسی متعین محدود نفع پر مضاربت درست نہیں جیسا کہ وہ مصارف جو ودیعتوں میں پہلے ہوتے ہیں۔ کیونکہ مضاربت نفع میں شرکت چاہتی ہے خاص رقم مختص کئے بغیر جیسے سو میں سے سات، اور اس طرح بھی مضاربت درست نہیں کہ عامل ماہانہ تنخواہ لیتا رہے اور اس کا حساب شرکت کے تصفیہ کے یا سال کے بعد کیا جائے۔

تیسرا مقصد: مضاربت کے احکام..... مضاربت یا تو صحیح ہوگی یا فاسد ان میں سے ہر ایک کے لئے احکام ہیں میں پہلے مضاربت فاسدہ کے احکام بیان کرنا چاہتا ہوں جس میں صحت کی شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے کیونکہ اس بارے میں کلام آسان ہے۔

مضاربت فاسدہ کا حکم..... مضاربت جب فاسد ہو مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہے، میرے جال سے شکار کرو اور شکار دونوں کے درمیان مشترک ہوگا، پس مضارب کے لئے حنفیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں کوئی کام کرنا صحیح نہیں جس کا مضاربت صحیحہ تقاضا کرتی ہے، اور اس کے ذریعے مضاربت صحیحہ کے احکام میں سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوگا، جسے ہم عنقریب معلوم کریں گے، نہ ہی یہ نفقہ کا مستحق ہے اور نہ ہی مقرر نفع کا، بلکہ اس کو اپنے کام کی اجرت ملے گی چاہے اس مضاربت میں نفع ہو یا نہ ہو، کیونکہ مضاربت فاسدہ، اجارہ فاسدہ کے حکم میں ہے، اور اجارہ فاسدہ میں اجیر نفقہ اور مقررہ اجرت کا مستحق نہیں ہوتا، بلکہ اجرت مثل کا مستحق ہوتا ہے، اسی بناء پر اگر مضارب کو نفع نہ بھی ہو تو اس کو اپنے عمل کا بدلہ اجرت مثل ملے گی، کیونکہ رب المال نے اسے کام میں ایک مدت تک استعمال کیا ہے، پس اس کے ذمہ عمل کی اجرت ہے، عامل کا تصرف نافذ ہوگا اور نفع مالک کا ہوگا۔ جو نفع اسے اس وقت حاصل ہوگا یا شکار وغیرہ تو یہ سارے کا سارا رب المال کا ہوگا، کیونکہ نفع اس کی ملکیت کی بڑھوتری ہے، اور فساد عقد کی وجہ سے مضارب اس میں سے کسی چیز کا مستحق نہیں ہوگا، اور نقصان بھی رب المال پر ہوگا۔ جب عقد فاسد ہوگا تو اس میں مضارب کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی اور یہ ہلاکت یا ضائع ہونے کے دعویٰ میں ہے مال اس کے ہاتھ میں امانت ہے، جیسا کہ مضاربت صحیحہ میں۔ مضاربت فاسدہ میں شوافع اور حنابلہ کا مذہب بھی حنفیہ کی طرح ہے البتہ اتنی بات ہے کہ ان کے ہاں جب مضارب تصرف کرے گا تو اس کا تصرف نافذ ہوگا، کیونکہ اس کی اس کو اجازت ہے جب عقد باطل ہوا تو اجازت باقی ہے تو یہ تصرف کا مالک ہوگا جیسے کہ وکالت فاسدہ میں ہوتا ہے اور یہ بیع کے برخلاف ہے، اگر بیع فاسد ہو جائے تو مشتری کا تصرف نافذ نہیں ہوتا، باوجودیکہ بائع نے اسے تصرف کی اجازت دی ہوئی ہے۔ فرق یہ ہے کہ مشتری ملکیت کی وجہ سے تصرف کرتا ہے نہ کہ اجازت کی وجہ سے اور بیع فاسد میں ملکیت نہیں ہوتی، ان دونوں مذہبوں کے مطابق فساد

کی صورت میں نفع سارے کا سارا رب المال کا ہوگا، کیونکہ یہ اس کی ملکیت کی بڑھوتری ہے، اور نقصان بھی اسی پر ہوگا اور مضارب کو اجرت مثل ملے گی اگرچہ منافع نہ بھی ہوا ہو، کیونکہ اس نے مقرر شدہ منافع کے لالچ میں کام کیا جب مقررہ شدہ اس کو حاصل نہیں تو اس کا عمل واپس کرنا واجب جبکہ یہ متعذر ہے، تو اس کی قیمت واجب ہوگی جو کہ اجرت مثل ہے، جیسا کہ دونوں بیع فاسد کریں اور قبضہ کرلیں اور کوئی ایک عوض قابض ہاتھ میں ضائع ہو جائے تو قیمت لوٹانا واجب ہوتی ہے۔

مالکیہ کے ہاں...... مضاربت فاسدہ کے تمام احکام میں عامل کو اس کے مثل مضاربت میں نفع نقصان وغیرہ کی طرف لوٹایا جائے گا اور ان حالات کے علاوہ میں اسے اجرت مثل ملے گی اور اس پر اگر پہلی حالت میں نفع ہوا تو نفع جب اس کا حق ثابت ہو جائے گا نہ کہ رب المال کے ذمہ یہاں تک کہ اگر مال ہلاک ہو گیا تو مضارب کو کوئی چیز نہ ملے گی اگر منافع نہ ہو تو بھی اسے کچھ نہیں ملے گا۔ مضاربت مثل اور اجرت مثل میں فرق یہ ہے کہ اجرت مثل کی صورت میں اجرت رب المال کے ذمہ ہوتی ہے چاہے مال میں نفع ہو یا نہ ہو، اور مضاربت مثل میں ایسا نہیں اگر نفع ہوا تو مضارب کو ملے گا ورنہ نہیں۔

مضاربت فاسدہ کو مضاربت مثل کی طرف پھیرنے والی اہم صورتیں یہ ہیں، جب مضاربت ہو عروض کے ساتھ، منافع مجہول ہو اور عادت بھی نہ ہو۔ مضاربت کے لئے وقت متعین کر دینا مثلاً سال کہ ایک سال اس میں مضاربت کرو، یا مضاربت کی مستقبل کی طرف نسبت کر دی، مثلاً جب فلاں وقت آئے تو اس میں کام کرنا اگر راس المال کا ضمان عامل کے ذمہ شرط ہو اگرچہ اس کی تعدی وہ ضائع ہوا ہو، یا اس سے کہا: ادھار خرید واس نے نقد خرید لیا، منافع اور خسارہ دونوں کے ذمہ ہوں گے۔ کیونکہ ثمن اسی کے ذمہ قرض ہوں گے، یا نادر الوجود چیز اس کے ذمہ شرط لگائی، یا عاقدین کا منافع میں کام کے بعد اختلاف ہو گیا، رب المال اور مضارب ایسے مال کا دعویٰ کر رہے ہیں جس میں ہر ایک کے ہونے کا شبہ ہو مثلاً عامل کہے: دوثلث اور رب المال ایک ثلث کہے۔

اجرت مثل ملنے والی اہم صورتیں یہ ہیں چاہے منافع ہو یا نہ ہو رب المال کے ذمہ اجرت ہوگی: مضاربت اس دین پر ہو جو عامل کی ذمہ ہے قبضہ سے پہلے یا اس کے پاس ودیعت ہے، قبضہ سے پہلے۔ رب المال کا قبضہ بھی عامل کے ساتھ بیع و شراء لینے دینے میں شرط ہو، یا رب المال کی مشاورت عامل کے لئے بیع و شراء وغیرہ میں شرط ہو بایں طور کہ اس کی اجازت کے بغیر کام نہ کر سکے، یا مالک، عامل یہ ایک امین مقرر کردے جو اس کی نگرانی کرے، یا عامل پر تجارت کے کپڑے سینے کی شرط ہو یا ان کھالوں کی حفاظت کرے جو اس کے لئے خریدی گئی ہیں، یا اس پر یہ شرط ہو کہ وہ مال مضاربت میں دوسرے کو بھی شریک کرے، یا عامل اپنا مال اس کے مال کے ساتھ یا مال مضاربت کے ساتھ ملائے، یا وہ مال مضاربت میں بضاعت کرے یعنی عامل مفت میں اس میں اس طرح تجارت کرے کہ کسی دوسرے کے ذریعہ اس کو فروخت کرے، ان تمام صورتوں میں عامل کے لئے اجرت مثل واجب ہوگی۔

مضاربت صحیحہ کے احکام...... اس کے بہت سے احکام ہیں بعض کا تعلق مضارب کے قبضہ کے ساتھ ہے بعض کا تعلق مضارب کے کام کے ساتھ، بعض کا تعلق مضارب کے نفع کے ساتھ اور بعض کا تعلق رب المال کے نفع کے ساتھ ہے۔

۱۔ **مضارب کے قبضہ کی نوعیت**...... آئمہ مذاہب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عامل مضارب کے پاس جو راس المال ہے وہ ودیعت کی طرح امانت ہے، کیونکہ اس نے مالک کی اجازت سے اس پر قبضہ کیا ہے نہ کہ کسی عوض کے بدلہ جیسے خریدنے کی نیت پر قبضہ اور نہ بطور وثیقہ جیسے رہن۔

جب مضارب کوئی چیز خریدے تو وہ بمنزلہ خرید و فروخت کے وکیل کے ہوگا، کیونکہ اس کا تصرف غیر کے مال میں اس کی اجازت سے

ہے جس کا مفہوم وکالت کا ہے، اس پر وکالت بالشراء کے احکام جاری ہوں گے بایں طور کہ وہ چیز قیمت کے اعتبار سے یا اس میں اتنا دھوکا ہو ہی جاتا ہو وکیل بالشراء کی طرح ہے، اور خریدنے میں وکیل بالبیع کی طرح ہے۔ جب مضارب کو نفع ہوگا تو اپنے منافع کی بقدر شریک ہوگا کیونکہ اب اس کی ملکیت مال کا ایک جزو ہے، اور باقی رب المال کا ہوگا، کیونکہ یہ اسی کے مال کی بڑھوتری ہے، اسی کے لئے ہوگی۔ اور اگر کسی فاسد سبب کی وجہ سے مضاربت فاسد ہوجائے تو اجارہ بن جائے گی اور مضارب، رب المال کا اجیر ہوگا اور اس صورت میں اجرت مثل کا مستحق ہوگا۔

اگر مضارب، رب المال کی شرائط کی خلاف ورزی کرے اس طرح ایسا کام کرے جس کا کرنا نہ تھا، یا ایسی چیز خریدے جس کے خریدنے سے منع کیا گیا ہو، تو بمنزلہ غاصب ہوگا، اور مال ضمان والا ہوگا کیونکہ اس نے غیر کی ملکیت میں تعدی وظلم کیا ہے۔

اگر مال اس کی کوتاہی کے بغیر اس کے ہاتھ سے ضائع ہوجائے تو ضامن نہ ہوگا، کیونکہ وہ رب المال کا نائب ہے تصرف کرنے میں، تو ودیعت کی طرح بغیر کوتاہی ضامن نہ ہوگا۔ اگر خسارہ ہوا تو وہ صرف رب المال کا ہوگا پہلے اسے منافع سے پورا کیا جائے گا جبکہ منافع ہو تو۔

اگر رأس المال کے ضائع ہونے کی صورت میں ضمان مضارب پر لگایا تو یہ شرط باطل ہے، اور حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں عقد صحیح ہے۔ اسی بناء پر منافع کے اعتبار سے مال کو مشغول کرنا رأس المال کے ضمان کے ساتھ درست ہے اور عقد باطل ہے۔ مالکیہ اور شوافع کے ہاں اس صورت میں مضاربت فاسد ہوگی کیونکہ اس میں غرر کی زیادتی کی شرط ہے جو طبیعت عقد کے منافی ہے، لیکن ابن قدامہ نے المغنی ۵ / ۱۴۴ باب المضاربت میں فرمایا ہے: کہ اگر رب المال نے کہا یہ مال لو اور اس میں تجارت کرو، منافع سارے کا سارا آپ کا، تو یہ قرض ہوگا مضاربت نہیں دریہ مالکی نے فرمایا، اگر سارا منافع مضارب کے لئے ہو تو پھر رأس المال کے بلا تعدی ضائع ہونے کی صورت میں ضمان مضارب پر شرط کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ قرض ہے اور امانت ضمانت میں تبدیل ہوگئی ہے۔

۲۔ مضارب کے تصرفات...... مضارب کے تصرفات مضاربت مطلقہ اور مقیدہ کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ اور مضاربت مطلقہ یہ کہ مالک مال دے دے عمل، جگہ، وقت، کام کی نوعیت اور لوگوں سے معاملہ کیا جائے کوئی بھی متعین نہ کرے اور مقیدہ یہ کہ ان میں سے کچھ متعین کرے جب مضاربت مطلقہ ہو تو مضارب کو اختیار ہے کہ وہ مال مضاربت میں تصرف کرے جس طرح کی تجارت کے ذریعہ بھی تمام جگہوں پر تمام لوگوں کے ساتھ کیونکہ عقد مطلق ہے، اور وہ اس سے خرید وفروخت کرے، کیونکہ مضارب کا مقصد نفع کمانا ہے اور نفع خرید و فروخت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، البتہ خریدنے میں مثلی اشیاء خریدنے کا ساتھ مقید ہوگا، اور لوگ جس غبن میں نہیں بچ سکتے اسی کے ساتھ، کیونکہ یہ وکیل ہے اور وکیل کی خریداری متعارف پر واقع ہوئی ہے، رہ گیا فروخت کرنا تو اس میں صاحبینؒ اور امام صاحبؒ کا اختلاف ہے کہ اس میں وکالت ہے یا نہ، امام صاحب کے ہاں نقد اور غبن کے ساتھ فروخت کرنے کا مالک ہے، اور صاحبین کے ہاں ادھار فروخت کرنے کا مالک نہیں نہ غبن فاحش کے ساتھ، بلکہ متعارف طریقہ کے ساتھ مقید ہے، اور یہی راجح رائے ہے، اسی کی طرف مالکیہ شوافع اور حنابلہ بھی مائل ہیں البتہ حنابلہ مضارب کو نقد اور ادھار فروخت کرنے کی اجازت دیتے ہیں جیسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

مضارب بضاعۃً بھی مال دے سکتا ہے کیونکہ تجارت کی یہ عادات میں سے ہے نیز اس عقد کا مقصد بھی نفع کمانا ہے، اور ابضاع اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، نیز اجارہ کا مالک ہے ابضاع کا تو بدرجہ اولیٰ مالک ہوگا، کیونکہ استیجار کسی شخص کو بعوض مال میں استعمال کرنا، اور ابضاع بغیر عوض تو یہ بدرجہ اولیٰ ہے۔ مالکیہ کے ہاں رب المال کی اجازت کے بغیر ابضاع درست نہیں ورنہ ضامن ہوگا، حنفیہ کے ہاں مضارب ودیعت رکھ سکتا ہے، اس لئے کہ ودیعت تاجروں کی عادت میں سے ہے، اور تجارت کی ضرورت بھی اور مالکیہ کے ہاں مضارب کسی شخص کو مال کا نگران نہیں بنا سکتا، نہ ودیعت پر رکھ سکتا ہے، اگر مخالفت کی تو ضامن ہوگا، مضارب کو اختیار ہے کہ وہ مزدور لے لے مال میں کام

کے لئے کیونکہ یہ تاجروں کی عادت اور تجارت کی ضرورت ہے۔ جیسے اسے یہ اختیار ہے کہ وہ گھر کرائے پر لے تا کہ ان میں مال رکھے، کیونکہ مال کی حفاظت اسی طرح ہوسکتی ہے، نیز وہ کشتی اور جانور وغیرہ بھی کام کے لئے کرائے پر لے سکتا ہے، کیونکہ بوجھ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا منافع کے حصول کے ذریعہ ہے جو منتقلی کے بغیر ناممکن ہے۔ اسے یہ بھی اختیار ہے کہ وہ بیع وشراء کا وکیل بنالے، اس لئے کہ وکیل بنانا تاجروں کی عادت ہے۔

نیز منافع کے حاصل کرنے کا ذریعہ، اور مضاربت کے دین کے بدلے مال مضاربت کو رہن رکھ سکتا ہے، کسی پر قرض ہو اس سے گروی رکھ سکتا، کیونکہ رہن اور تھان قرض وصول کرنے کے ذریعے ہیں، اور ان کا یہ مالک ہے البتہ اگر رب المال منع کردے یا مرجائے تو پھر گروی نہیں رکھ سکتا، کیونکہ منع کرنے اور مرنے سے مضاربت باطل ہوجاتی ہے۔ حنفیہ کی مشہور روایت کے مطابق اسی طرح مالکیہ کے ہاں اور ایک روایت کے مطابق حنابلہ کے ہاں بھی مضارب مال مضاربت کے ساتھ سفر کرسکتا ہے، کیونکہ مضاربت کا مقصد مال کی بڑھوتری ہے نیز اس لئے بھی کہ عقد مطلق ہے جیسے کہ مضاربت کا نام ہی جوازِ سفر کی دلیل ہے کیونکہ مضاربت ''زمین میں چلنے اور سیر کرنے'' سے مشتق ہے۔ امام شافعیؒ اور ایک روایت میں امام احمدؒ کے ہاں مالک کی اجازت کے بغیر سفر نہیں کرسکتا۔

جو کام مضارب کے لئے جائز نہیں..... بعض افعال ایسے ہیں کہ مضاربت مطلقہ میں بھی تصریح کے بغیر مضارب کو انجام دینا جائز نہیں، پس بغیر اجازت کے قرض نہیں لے سکتا مال مضارب پر اگر اس نے لے لیا تو یہ رب المال پر نہیں ہوگا بلکہ مضارب پر اس کے مال میں ہوگا، کیونکہ قرض لینا رأس المال میں رب المال کی اجازت کے بغیر زیادتی ہے، بلکہ اس میں رب المال کی اجازت ورضامندی کے بغیر اس پر تاوان کی زیادتی ثابت کی جارہی ہے، کیونکہ خریدی ہوئی چیز کے ثمن رب المال پر مضمون ہیں، اگر ہم مضاربت میں قرض جائز قرار دے دیں تو ہم لازم کرنے والے ہوں گے ایسے ضمان تاوان کے جس سے رب المال راضی نہیں اور ایسا کرنا جائز نہیں، پس جب قرض لینا جائز نہیں تو پھر رأس المال سے قرض دینا بھی بدرجہ اولیٰ جائز نہیں ہوگا، اور یہ حنابلہ شوافع کا مذہب بھی ہے (جیسے کہ حنفیہ کا ہے)۔

مالکیہ کے ہاں، مضاربت سامان وغیرہ قرض نہیں خرید سکتا اگرچہ رب المال نے اجازت بھی دی ہو اگر اس نے ایسا کیا تو اس کا ضامن ہوگا اور منافع اس کا ہوگا اکیلے۔ رب المال کو کچھ بھی نہیں ملے گا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے منافع سے منع فرمایا ہے، جس کا ضامن نہ ہو، پس رب المال کے لئے اس منافع کو لے سکتا ہے جو عامل کے ذمہ ہے۔ مضارب کے لئے ایسے ہی یہ بھی جائز نہیں کہ وہ سامان خریدے مال مضاربت سے زیادہ رقم کا نقد یا ادھار اسی نہی کی وجہ سے ''ربح مالم یضمن'' اور یہ اس لئے کہ عامل زیادہ کا ضامن ہے۔ پس اگر اس نے ایسے کردیا تو جو کچھ اس نے خریدا ہے اس میں وہ اور رب المال شریک ہوں گے جو مال مضاربت سے زیادہ ہے، اور یہ اس وقت ہے جب رب المال راضی نہ ہوں لیکن اگر وہ تصرف پر راضی ہوگیا تو یہ بھی مضاربت ہی میں سے ہوگا۔ اور مضارب کے لئے جائز نہیں کہ وہ مال مضاربت سے بہت کچھ بغیر ثواب کے ہبہ کرے۔ اور مضارب کے لئے یہ اختیار بھی نہیں کہ وہ بطور قرض مال لے تا کہ اپنے قرض خواہ کو دوسرے شہر میں دے، کیونکہ یہ خطر طریق کا احتمال رکھتا ہے، اور اس لئے بھی کہ مقرض اس کام سے استفادہ حاصل کر رہا ہے، جبکہ ایسا قرض جس پر نفع لیا جائے وہ منع ہے اور فقہ میں یہ مسئلہ، مسئلہ سفتجہ کے نام سے مشہور ہے۔

اسی طرح مضارب کو اختیار نہیں کہ وہ دوسرے کو مال دے دے مضاربت کے طور پر یا کسی کو اس میں شریک کرے یا اپنے مال یا کسی دوسرے کے مال کے ساتھ اس کو مخلوط کرے ہاں اگر رب المال نے اسے کہا کہ اپنی رائے پر عمل کرو یا اس نے تصرف کی اجازت دی تو پھر کرسکتا ہے۔ البتہ مضاربت نہیں کرسکتا کیونکہ یہ پہلی مضاربت کی طرح ہے، اور ایک چیز اپنے مثل کے تابع نہیں بن سکتی، پس مطلق عقد مضاربت سے اس طرح استفادہ نہیں کیا جائے گا جیسے وکیل دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا مطلق عقد کی وجہ سے رہ گئی شرکت تو وہ بدرجہ اولیٰ

نہیں کرسکتا کیونکہ وہ مطلق عقد سے اس کا مالک نہیں کیونکہ وہ مضاربت سے اعم ہے، کوئی اور چیز اپنے مثل کے تابع نہیں بن سکتی تو اس سے اوپر والی چیز کے تابع بھی نہیں بن سکتی، اور مال مخلوط کرنا تو کیونکہ اس کے ذریعہ رب المال کے مال میں غیرہ کا حق واجب ہوتا ہے بغیر اجازت ایسا کرنا جائز نہیں۔

مضارب پر کون سے کام کرنے واجب ہیں...... عادۃً جو کام کرنا ممکن ہیں مضاربت میں سے ان کاموں کا کرنا مضارب پر واجب ہے اسی طرح تجار کی عادت کے موافق جو معاملات وہ کرتے ہیں۔ جب اس نے اجرت کیا تو اس کے ذمہ اس کو پورا کرنا لازم ہوگا، اور اس کے مال میں سے اجرت واجب ہوگی نہ کے مال مضاربت سے اور اس کو اختیار ہے کہ وہ مال مضاربت سے ان کاموں کے لئے اجیر لے جن کی ضرورت دوران تجارت ہوتی ہے۔

مضارب کا آگے مضاربت پر مال مضاربت کو دینا:

پہلی بات: حنفیہ کا مذہب...... مضارب کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ مضاربت کرے مال مضاربت سے ہاں اگر رب المال نے اس کی ذمہ داری اٹھائی تو یہ الگ بات ہے، جب مضارب نے رب المال کی اجازت کے بغیر دوسرے کو مضاربت کے لئے مال دیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں مضارب اول صرف دوسرے کو مال دینے کی وجہ سے یا اس کے تصرف کی وجہ سے ضامن نہیں ہوگا جب تک کہ وہ حاصل نہ ہو جائے جب مضارب ثانی نے نفع حاصل کیا تو پھر مضارب اول، رب المال کا ضامن ہوگا اور اگر مال مضارب ثانی کے قبضہ میں نفع ہونے سے پہلے ہلاک ہوگیا تو یہ امانت کی طرح ہوگا۔

تصرف سے پہلے کی دلیل...... یہ ہے کہ صرف مال دینا مضارب کا یہ اس کی طرف سے ودیعت ہے، اور مضارب ودیعت رکھنے کا مالک ہے لہٰذا صرف دینے سے ضامن نہ ہوگا اور تصرف کے بعد کی دلیل یہ ہے کہ مضارب اول کا مضارب ثانی کو دینا ابضاع تصور کیا جائے گا اور یہ ابضاع کا مالک ہے۔ بس جب دوسرے کو نفع ہوا تو پہلے کی مال میں شرکت ثابت ہو جائے گی تو اب یہ رب المال کا ضامن ہوگا جیسے مال غیر سے مخلوط کرنے سے ہوتا ہے اور یہ جو اس صورت میں ہے جب مضاربت صحیحہ ہو اور اگر مضاربت فاسد ہوئی تو مضارب اول نفع کے بعد بھی ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں مضارب ثانی اجیر اور اس کو اجرت ملے گی پس وہ شرکت ثابت نہ ہوئی جو ضمان کی موجب ہے۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں...... مضارب اول صرف دینے ہی سے ضامن ہوگا چاہے دوسرا عمل کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ مضارب بطور ودیعت دینے کا مالک ہے اور یہ بطور مضاربت دے رہا ہے پس جب دے گا تو اس کی وجہ سے مخالفت کرنے والا ہوگا، تو ودیعت کی طرح اس کا ضامن ہوگا صاحبینؒ کے ہاں اور یہی ظاہر روایت بھی ہے جب مضارب ثانی عمل کرے گا تو مضارب اول ضامن ہوگا چاہے نفع ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ مضارب ثانی نے جب کام کیا تو اول نے مالک کی اجازت کے بغیر مال میں تصرف کیا ہے تو ضمان متعین ہوگا چاہے نفع ہو یا نہ ہو اس وقت جب مضارب ثانی عمل کرے تو رب المال کو اختیار ہوگا چاہے تو مضارب اول کو راس المال کا ضامن ٹھہرائے اور چاہے تو ثانی کو ٹھہرائے۔

حنفیہ کے ہاں راجح یہ ہے کہ مضارب اول مضاربت صحیحہ میں صرف ثانی کے سپرد کرنے سے ضامن نہ ہوگا، بلکہ اس وقت ضامن ہوگا جب مضارب ثانی عمل کرے نفع ہو یا نہ ہو۔ اور منافع جو مضاربت سے حاصل ہوگا وہ طے شدہ تناسب سے تقسیم ہوگا، پس رب المال کو مضاربت اولی میں طے شدہ تناسب سے نفع دیا جائے گا، اور جو باقی بچ جائے گا وہ مضارب اور ثانی میں طے شدہ تناسب سے تقسیم ہوگا۔ یہ حنفیہ اور حنابلہ میں سے قاضی ابویعلی رحمہ اللہ کی رائے ہے۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں۔ یہ رائے اصل مذہب حنابلہ کے موافق نہیں اور نہ ہی احمد نے اس کی تصریح کی ہے، بلکہ امام احمد نے فرمایا کہ مضارب کے لئے نفع لینا طیب نہیں۔

دوسری بات......حنفیہ کے علاوہ باقی مذاہب: مالکیہ کے ہاں: جب مضارب اول رب المال کی اجازت کے بغیر مضاربت پر مال دے تو ضامن ہوگا کوتاہی کی وجہ سے، اور اس صورت میں منافع مضارب ثانی اور رب المال کے لئے ہوگا اور مضارب اول کے لئے نفع نہیں ہوگا، کیونکہ مضاربت کا نفع جعل (انعام) ہے کام مکمل کرنے سے قبل اس کا مستحق نہیں۔ جبکہ مضارب اول نے کام نہیں کیا لہٰذا اس کے لئے نفع بھی نہیں ہوگا اور مضارب اول ثانی کے لئے مشروط زیادہ نفع کا بھی ضامن ہوگا جو رب المال سے زیادہ ہے۔ شوافع کے ہاں اصح قول کے مطابق عامل کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے کو مضاربت پر مال دے کہ وہ اس کے منافع اور کام میں شریک ہو۔ اگرچہ یہ مالک کی اجازت سے بھی ہو۔ اس صورت میں مضارب اول کے ساتھ مضاربت صحیح ہوگی، اور مضارب ثانی، مضارب اول سے اجرت مثل لے گا اگر اس نے کچھ کام کیا ہو، کیونکہ مضاربت خلاف قیاس ہے، اور اس کا موضوع یہ ہے کہ عاقدین میں سے ایک مالک ہو اور وہ عمل نہ کرے اور دوسرا عامل ہو اگر وہ متعدد ہوں اور اس کے مطابق وہ دو عاملوں سے عقد نہیں کر سکتا پس دو مضاربوں کے ساتھ مضاربت صحیح نہیں۔

خلاصہ......یہ کہ مذاہب اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ مضاربت کا ضمان اول پر ہوگا۔

تصرفات مضارب کے احکام......مضارب کے تصرفات کے احکام کا خلاصہ مضاربت مطلقہ میں حنفیہ کے ہاں تین قسم پر ہے۔

۱......ایک قسم جس کا عرفاً مضارب مالک ہوتا ہے اور وہ تمام اعمال تجارت میں جیسے بیع وشراء ان کی وکالت اگرچہ صراحتاً اجازت نہ بھی ہو، اور اس کی خریداری معروف طریقہ پر ہو اس سے تجاوز نہ ہو جس میں لوگ عادۃً دھوکا کھا جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ وکیل ہے اور وکیل کی خریداری عادت کے موافق ہوتی ہے رہ گئی بیع تو اس میں حنفیہ کے درمیان اختلاف ہے راجح یہی ہے کہ یہ بھی معتاد کے ساتھ مقید ہے۔

۲......دوسری قسم کہ مضارب اس کا مالک نہیں ہوتا ہاں اگر مالک اس کو تفویض کر دے کہ اپنی رائے سے کام کر دیا جیسے سمجھو کرو اور یہ وہ قسم ہے جو اعمال تجارت سے ملحق ہوتی ہے۔ جیسے دوسرے شخص کو مضاربت کے طور پر مال دینا یا راس المال کو شرکت عنان میں تبدیل کرنا جب اس کو اس کی تفویض ہو تو یہ صحیح ہیں۔

۳......اور ایک قسم وہ ہے جس کا مضارب تصریح کے بغیر مالک نہیں ہوتا جیسے تبرع اور احسان، ھبہ، بیع وشراء میں چشم پوشی قرض، مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں ادھار خریدنا، راس المال سے زیادہ کا خریدنا اکثر فقہاء کے ہاں۔

مضاربت مقیدہ......جتنے احکام ذکر کئے ہیں مضاربت مطلقہ کے وہی احکام مضاربت مقیدہ کے بھی ہیں اور فرق صرف اس قید سے آتا ہے جس کے ساتھ اس نے اسے مقید کیا ہے۔ اگر رب المال نے مضاربت کے تصرف کسی خاص شہر کسی خاص سامان وغیرہ کے ساتھ خاص کر دیئے تو اس سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ وکالت ہے اور تخصیص میں فائدہ ہے اسی کے ساتھ خاص رہے گی۔

الف: جگہ متعین کرنا......اسی بناء پر جب قید جگہ اور مکان کی ہو مثلاً کسی شخص کو مضاربت کے طور پر مال دے اس شرط پر کہ متعین شہر مثلاً دمشق میں کام کرنا ہے تو مضارب کے لئے دمشق کے علاوہ کسی شہر میں کام کرنا جائز نہیں کیونکہ مالک کا یہ قول "اس شرط پر" یہ الفاظ شرط میں سے ہے اور یہ شرط مقید ہے کیونکہ مہنگائی وغیرہ میں شہروں میں فرق ہوتا ہے۔ اور سفر میں خطرہ بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح بضاعت کے طور پر بھی نہیں دے سکتا اس شخص کو جو دمشق سے باہر کام کرے، کیونکہ جب وہ بنفسہ اس شہر سے باہر نکلنے کا مالک نہیں تو اجازت دینے کا بھی مالک نہیں۔

اگر وہ دمشق سے نکل گیا، اور اس نے خرید وفروخت کی تو ضامن ہوگا، کیونکہ اس کا تصرف بغیر اجازت کے ہوا پس مخالفت کرنے والا ہوا

تو ضامن ہوگا اور جو کچھ خریدا ہے وہ اسی کا ہوگا، نفع بھی اس کا نقصان بھی اس کا لیکن امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے ہاں اس کے لئے یہ منافع ظاہر نہیں، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے ہاں ظاہر ہے، اور اگر اس نے مال مضاربت سے کچھ بھی نہ خریدا، یہاں تک کہ متعین شہر میں واپس آ گیا تو ضمان سے بری ہوگا، اور مال مضاربت اپنے حال پر ہوگا، جیسا کہ ودیعت میں مودع کی مخالفت کرنے پھر اس سے رجوع کرے۔ اگر کسی شخص کو مال دیا تا کہ وہ دمشق کے بازاروں میں کام کرے اور خود وہ دمشق کے کسی دوسرے بازار میں کام کرے تو یہ حنفیہ کے ہاں استحساناً جائز ہے، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو، وجہ قیاس یہ ہے کہ اس نے اس پر ایک متعین جگہ کی شرط رکھی ہے اس کے علاوہ جائز نہیں جیسا کہ ایک متعین شہر کی شرط ہو۔

استحسان کی وجہ یہ ہے کہ دمشق کے بازار کی قید لگانا، مفید نہیں اس لئے کہ ایک شہر ایک ٹکڑے کی طرح ہے اس شرط کا کوئی فائدہ نہیں یہ لغو ہوگی اور طے شدہ بات یہ ہے کہ شرط وہ معتبر ہے جو مفید ہو۔ اگر اس نے اس سے کہا کہ کام صرف دمشق کے بازار میں کرنا ہے، اور اس نے اس کے بازار سے ہٹ کر کام کیا تو یہ ضامن ہوگا کیونکہ اس کی پہلی بات اس پر پابندی لگانا ہے، پابندی کے بعد تصرف جائز نہیں۔

اور پہلی صورت میں یہ پابندی نہیں تھی بلکہ یہ شرط تھی کہ بازار میں کام کرنا اور شرط مفید نہ تھی لہٰذا لغو ہوگئی۔

اسی طرح اگر اس نے کہا کہ یہ مال لے لو اس کے ذریعہ دمشق میں کام کرنا، تو اس کے لئے دمشق کے سوا کسی اور جگہ کام کرنا جائز نہیں کی لفظ "فی" ظرف کے لئے ہے پس دمشق اس تصرف کے لیے جس کی اسے اجازت ہے ظرف ہوگا، اگر دمشق کے علاوہ اجازت دے دی جائے تو پھر دمشق ظرف نہیں رہے گا، اور اس کا قول (فاعمل بہ) فاء وصل اور تعقیب کے لئے ہے اور اس سے متصل مبہم اس کی تفسیر ہے، اور اسی طرح اس کا قول "خذ بالنصف دامش" کیونکہ باء الصاق کا فائدہ دیتی ہے، اور یہ صفت کا موصوف کے ساتھ التصاق چاہتی ہے، یعنی اس پر واجب ہے کہ وہ مال میں کام کرے دمشق میں۔ اگر اس نے کہا "یہ مال لے لو اور اس کے ساتھ دمشق میں کام کرو" تو اسے دمشق اور غیر دمشق میں کام کرنے کی اجازت ہے کیونکہ واؤ عطف کے لئے ہے، اور اس کے ذریعہ ابتداء جائز ہے، پس یہ مشورہ ہوگا گویا کہ اس نے کہا کہ اگر اس طرح کرو گے تو زیادہ نفع بخش ہوگا۔

ب: شخص کی تعیین...... اگر رب المال نے کہا اس شرط پر کہ فلاں سے "خرید و فروخت کرو" تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ قید صحیح ہے، کیونکہ معاملہ میں زیادہ توثیق کے لئے یہ صحیح ہے، اس میں مالکیہ اور شوافع کا اختلاف ہے کیونکہ یہ قید مضاربت کے مقصود سے روکتی ہے اور وہ بازاروں وغیرہ میں نفع کی غرض سے جانا ہے۔

ج: وقت مقرر کرنا...... اگر مضاربت کے لئے وقت متعین کیا کہ اس شرط پر اگر یہ وقت گذر گیا "تو مضاربت باطل ہوئی" تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ عقد صحیح ہے کیونکہ یہ وکالت ہے لہٰذا وقت کے ساتھ مؤقت ہوئی۔ اور وقت مقرر کرنا مفید ہے اور اس لئے بھی کہ اس نے اسے زمانہ کے ساتھ مقید کیا تو یہ مکان کے ساتھ مقید کرنے کی طرح ہوگیا۔ شوافع اور مالکیہ کے ہاں یہ عقد صحیح نہیں جیسا کہ ہم جان چکے کہ وقت مقصود مضاربت میں خلل کا باعث ہے۔ اس لئے کہ اس مدت میں کبھی کبھی نفع نہیں بھی ہوسکتا، اور کبھی نفع ہو جاتا ہے اور بہتر یہ ہے کہ مدت معینہ کے بعد تک اس کو باقی رکھا جائے۔

حنفیہ کے ہاں مضاربت کو مقید کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ مقید قید مضاربت میں قبول ہے اگر چہ وہ عقد کے بعد ہی ہو جب تک مال سامان میں تبدیل نہ ہوا ہو، کیونکہ جب مال سامان تجارت بن گیا تو پھر مالک مضارب کو معزول کرنے کا مالک نہیں۔ پس اس کو خاص کرنے کا بھی مالک نہیں اور رہ گئی وہ قید جو مفید نہیں تو اس کا اعتبار نہیں۔

شوافع اور مالکیہ کے ہاں: مضارب کا کام مال میں نفع اور بڑھوتری کے لئے تجارت کرنا ہے یعنی بیع شراء جو تجارت میں ہوتی ہے لہٰذا

ایسی شرط جواس کے معتادعمل کے درمیان رکاوٹ پر وہ مفسد عقد ہے۔

مضاربت مطلقہ پر عارضی تقید..... حنفیہ کے ہاں: جب مضاربت مطلقہ ہواور عقد کے بعد رب المال اس کی تخصیص کرے اب اگر رأس المال نقد موجود ہو یا اس سے مضارب نے اس سے سامان خرید ا پھر اسے فروخت کرے اس کی ثمن نقد کی شکل میں وصول کر لئے تو اس صورت میں تخصیص جائز ہے جیسے کہ ابتداءً جائز ہے لیکن اگر مال مضاربت عروض وسامان کی شکل میں ہوتو پھر رب المال کی تخصیص صحیح نہیں یا کسی کام سے منع کرنا اس وقت تک درست نہیں جب تک رأس المال نقد نہ ہو جائے مثلاً یہ کہا ادھار فروخت نہ کرنا۔ کیونکہ مضاربت خرید نے سے مکمل ہوگئی۔

۳۔ مضارب کے حقوق...... مال مضاربت میں کام کی وجہ سے جن حقوق کا وہ مستحق ہوتا ہے وہ دوطرح کے ہیں نفقہ اور عقد میں مقرر شدہ نفع۔

پہلی بات...... مال مضاربت سے نفقہ کا ہونا: فقہاء کا اس کی وجوب میں اختلاف ہے۔ اور اس میں تین قول ہیں۔ امام شافعی کے ہاں: مضارب کے لئے مال مضاربت میں سے نفقہ نہیں نہ سفر کے لئے نہ حضر کے لئے سوائے اس کے کہ رب المال اسے اجازت دے دے، کیونکہ مضارب کے لئے بھی نفع کا ایک حصہ ہے کسی اور چیز کا مستحق نہ ہوگا اور لی گئی چیز مضاربت میں نفع شمار ہوگی، نیز اس لئے بھی کہ نفقہ کبھی کبھی بقدر نفع ہوتا ہے پس یہ انفراداً اتنا مال لینے والا ہوگا، اور کبھی نفقہ زیادہ ہوتا ہے تو راس المال سے اسے لینا پڑے گا، اور یہ مقتضی عقد کے منافی ہے پس اگر عقد میں نفقہ کی شرط لگائی گئی تو عقد فاسد ہوگا۔ انہی میں سے ابراہیم نخعی اور حسن بصری رحمہما اللہ کے ہاں سفر وحضر میں اس کے لئے نفقہ ہوگا۔ جمہور فقہاء ان میں سے حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں سفر میں مضارب کے لئے نفقہ ہے حضر میں نہیں اگر منافع ہوتو اس میں سے ورنہ رأس المال سے یہ اپنا نفقہ لے لے گا کھانے اور کپڑے کے لئے البتہ امام مالک کے ہاں جب مال اس کو متحمل ہو اور حال اقامت میں مال مضاربت سے نفقہ نہیں، اپنے مال سے خرچ کرے گا، البتہ اگر مضاربت کی وجہ سے وہ ایسے کام میں مشغول ہوتو پھر اس کے لئے گنجائش ہے، اس صورت میں اسے مال مضاربت سے نفقہ لینا جائز ہے۔

اور حنابلہ کے ہاں مضارب اگر نفقہ کی شرط لگالے سفر یا حضر میں تو اسے نفقہ ملے گا، ورنہ نہیں یہ بھی شوافع کی طرح مضارب کے لئے نفقہ واجب نہیں قرار دیتے نہ سفر میں نہ حضر میں سوائے شرط کے۔ ان کی دلیل جو جواز کے قائل ہیں یہ ہے کہ اگر مضارب کا نفقہ مال مضاربت سے نہ ہوتو لوگ اپنی حاجت کی بناء مضاربت کرنے سے رک جائیں گے، اور نفقہ سفر میں لازم ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو کمائی سے روکا ہوا ہے اور مضاربت کی وجہ سے سفر کر رہا ہے، تو یہ اس زوجہ کے مشابہ ہوگیا جو احتباس کی وجہ سے نفقہ کی مستحق ہے برخلاف حضر کے کیونکہ اگر مضارب اپنے خاص مال سے سفر میں خرچ کرے گا تو اس سے اس کا نقصان ہوگا۔ مال مضاربت سے واجب نفقہ حنفیہ کی تصریح کے مطابق یہ ہے کہ کھانا کپڑا، سالن، پانی، مزدور کی مزدوری، حمام کی اجرت، چراغ کا تیل، لکڑیاں، بستر، جانور کا چارہ کپڑے دھونے وغیرہ کا صابن اور وہ چیزیں جو سفر میں ضروری ہوتی ہیں عادۃً، اور دوائی کی قیمت مال مضاربت سے ظاہر روایت کے مطابق، ہو کیونکہ نفقہ کی ضرورت تو معلوم ہے اور دوائی کسی عارض کی وجہ سے ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بیوی کا نفقہ شوہر پر ہے لیکن دوا علاج اس کے اپنے مال سے ہے جیسا کہ متقدمین حنفیہ کا مذہب ہے اور یہ محل نظر ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں دوائی کی قیمت بھی مضارب کے نفقہ میں داخل ہے کیونکہ یہ بدن کی درستگی کے لئے ہے، اور اس کے علاوہ وہ تجارت پر قادر نہیں ہوسکتا لہٰذا یہ دوا بھی نفقہ کی طرح ہوگئی۔ نفقہ کی مقدار فضول خرچی کی بغیر جو تجار کے ہاں معروف ومشہور ہو اگر معروف سے تجاوز کی تو زیادہ کا ضامن ہوگا، کیونکہ اجازت عادۃً ثابت کے لئے ہے لہٰذا معتاد مقدار کا اعتبار ہوگا۔

اگر اس نے سفر کیا اور کوئی سامان نہ خریدا جس کے ارادہ سے گیا تھا، اور مال واپس لے کر آ گیا تو جب تک وہ سفر میں ہے اس کا نفقہ مال مضاربت سے ہوگا، کیونکہ تجار کا عمل اسی پر ہے کہ کبھی خریدار ہوتے ہیں کبھی نہیں۔ نیز مضارب کے لئے نفقہ ہوگا چاہے وہ صرف مال مضاربت کے ساتھ سفر کرے یا اپنا مال بھی اس کے ساتھ ہو یا ایک کے مال مضاربت کے ساتھ سفر کرے یا دو کے مال مضاربت کے ساتھ البتہ اتنی بات کے لئے مال کی مقدار کے اعتبار سے دونوں مالوں سے نفقہ بقدر حصہ لینے کا حقدار ہوگا، کیونکہ سفر دونوں مالوں کی وجہ سے کیا ہے تو نفقہ بھی دونوں مالوں سے ہوگا۔

کس سے نفقہ لیا جائے گا، تو اگر نفع ہوا اس میں سے نفقہ وصول کرے گا، اگر نفع نہ ہوا تو رأس المال سے نفقہ وصول کرے، کیونکہ نفقہ مال کا ایک جزو ہوتا ہے، اور اصل یہ ہے کہ نفقہ نفع سے ہو۔ اگر مضارب شہروں میں سے کسی شہر میں ٹھہرا خرید وفروخت کے لئے اس نے پندرہ دن اقامت کی نیت کر لی، تو اس کا نفقہ مال مضاربت سے ہوگا جب تک وہ کسی شہر کو اپنا وطن نہ بنا لے اور مالکیہ کہتے ہیں جب تک وہاں شادی نہ کر لے، جب مضارب اپنے شہر کی طرف لوٹا، جو کچھ کپڑے اور نفقہ وغیرہ اس کے پاس بچ جائے وہ مال مضاربت میں لوٹائے، کیونکہ اس کو اجازت خرچ کی تھی سفر کی وجہ سے جب سفر ختم ہو گیا تو اجازت ہی ختم ہو گئی تو باقی مال مضاربت میں شامل کرنا واجب ہے۔

اگر مضارب نے اپنے مال میں سے کچھ خرچ کیا ایسے موقع پر جہاں اسے مال مضاربت سے خرچ کرنا تھا، تو جو کچھ اس نے خرچ کیا وہ دین ہوگا مال مضاربت پر جیسے وصی بچے پر اپنے مال میں سے خرچ کرے کیونکہ اس کی تدبیر اس کے ذمہ ہے۔

دوسری بات......دوسرا حق مضارب کا مقرر طے شدہ منافع ہے: مضاربت صحیحہ میں عمل کی وجہ سے مضارب طے شدہ نفع کا مستحق ہوگا، اگر مضاربت میں نفع ہو، اگر نفع نہ ہوا تو مضارب کے لئے کچھ بھی نہ ہوگا، کیونکہ وہ اپنے لئے کام کرنے والا ہے اجرت کا مستحق نہ ہوگا۔ اور منافع تقسیم سے ظاہر ہوگا۔ اور تقسیم کے جواز کی شرط رأس المال پر قبضہ ہے، مضارب کے ہاتھ سے مال مضاربت قبضہ کرنے سے پہلے منافع کی تقسیم درست نہیں۔ اگر اس نے دوسرے کو ایک ہزار دینار نصف پر مضاربت کے لئے دیئے اس میں ایک ہزار نفع ہوا دونوں نے نفع کو تقسیم کر لیا، اور رأس المال مضارب کے ہاتھ میں تھا اس پر رب المال نے قبضہ نہیں کیا تھا، منافع تقسیم کرنے کے بعد وہ مال مضارب کے پاس ہلاک ہو گیا تو یہ تقسیم درست نہیں ہوگی۔ اور رب المال نے جو وصول کیا اسے رأس المال میں سے شمار کیا جائے گا، اور جو مضارب کے پاس ہے وہ اس پر قرض ہوگا وہ رب المال کو لوٹائے گا تا کہ وہ رأس المال وصول کرنے والا ہوا اور اس میں کچھ بچ گیا تو وہ ان دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔ اس بات کی دلیل کہ رب المال رأس المال پر منافع تقسیم ہونے سے پہلے قبضہ کرے وہ روایت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے "مومن کی مثال" تاجر کی سی ہے کہ اسے منافع اس وقت تک سپرد نہیں کرتا جب تک رأس المال پر قبضہ نہ کر لے مومن بھی اسی طرح ہے اس کے نوافل اس وقت قبول نہیں جب تک وہ فرائض ادا نہ کرے۔ ❶ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رأس المال پر قبضہ کرنے سے پہلے منافع کی تقسیم درست نہیں، کیونکہ منافع زیادتی ہے اور کسی چیز پر زیادتی اصل کے صحیح سالم رہنے کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔

اگر مضارب کا رب المال کے ساتھ مال مضاربت لوٹانے میں اختلاف ہو جائے، مضارب کہے میں نے رأس المال تجھے دے دیا تھا نفع کی تقسیم سے پہلے، اور رب المال کہے: کہ میں نے تقسیم سے پہلے راس المال پر قبضہ نہیں کیا، تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں رب المال کی بات کا اعتبار ہوگا اور مضارب نے جو کچھ لیا ہے وہ رأس المال پورا کرنے کے لئے واپس کرے گا۔ اس کے بعد اگر کوئی چیز بچ گئی تو وہ ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگی۔ باقی حکم یہ ہے کہ رب المال کی بات قبول ہوگی، یہ اس لئے کہ مضارب اس حالت میں مدعی ہے، اور رب المال منکر ہے۔

---

❶ ...البدائع: ٦/ ١٠٧۔

مضارب اگرچہ امین ہے لیکن امین کا قول ضمان ساقط کرنے کے لئے معتبر ہوتا ہے نہ کہ غیر کے سپرد کرنے میں حنفیہ مالکیہ اور شوافع اس بات پر متفق ہیں کہ عامل اپنے عمل سے حاصل شدہ نفع کا مالک اس وقت تک نہیں جب تک مال تقسیم نہ ہو جائے، حنابلہ وغیرہ کے ہاں عامل نفع حاصل ہونے پر ہی اپنے حصہ کا مالک ہوگا اگرچہ مال تقسیم نہ بھی کیا گیا ہو۔

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مضارب پر واجب ہے کہ پہلے وہ رب المال کو رأس المال سپرد کرے جب تک رأس المال سپرد نہ کرے وہ کسی قسم کے منافع کا مستحق نہ ہوگا جو کچھ رأس المال سے زیادہ ہوگا وہ نفع ہوگا۔ وہ طے شدہ تناسب سے رب المال اور مضارب کے درمیان تقسیم ہوگا۔

۴۔ **رب المال کا حق**...... اگر مال میں منافع ہو تو وہ اپنے طے شدہ منافع کو لے سکتا ہے، اگر نفع نہ ہو تو مضارب پر اس کے لئے کچھ بھی واجب نہ ہوگا، اور عامل کے لئے مال میں کوئی منافع نہیں جب تک وہ رأس المال نقدی کی شکل میں رب المال کو نہ دے دے، ابن رشد نے فرمایا: تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ عامل کے لئے جائز نہیں کہ وہ رب المال کی عدم موجودگی میں اپنا نفع لے، مال کی تقسیم میں رب المال کی موجودگی شرط ہے، یہ کافی نہیں کہ وہ گواہوں کے سامنے تقسیم کر دے اور مال میں جو نقصان اور خسارہ ہوگا اس کا ذمہ دار رب المال ہے جب تک مضارب کی طرف سے کوئی کوتاہی نہ پائی جائے۔

رأس المال میں کمی...... اگر رأس المال میں تصرف کے بعد یا عمل کے سبب نرخ کم ہو جانے کی وجہ سے یا کسی عیب کی وجہ سے یا کسی آفت سماویہ کی وجہ سے مثلاً جل جانے، غرق ہو جانے، یا غصب اور چوری ہو جانے کی وجہ سے کمی آ جائے، تو پہلے اسے نفع سے پورا کیا جائے گا، کیونکہ عامل امین ہے اس سے نقص کمی اور تلف کا سوال نہ ہوگا۔

چوتھا مقصد: رب المال اور عامل مضارب کے درمیان اختلاف کا حکم...... مقتضائے مضاربت سے متعلق امور میں مضارب اور رب المال میں اختلاف ہو سکتا ہے جیسے عام تصرفات میں اختلاف یا خاص تصرفات میں یا تلف مال، مال واپس لوٹانے، مشروط نفع کی مقدار اور رأس المال میں اختلاف۔

الف...... اگر اختلاف تصرفات کے عام یا خاص ہونے میں اختلاف ہو تو جو عموم کا دعویٰ کرے اس کی بات معتبر ہوگی مثلاً ایک تمام تجارتوں میں مضاربت کا دعویٰ کرے یا تمام جگہوں یا تمام لوگوں کے ساتھ مضاربت کا دعویٰ کرے، اور دوسرا کسی خاص قسم کا دعویٰ کرے یا کسی خاص جگہ کا یا کسی خاص شخص کا دعویٰ کرے، تو عموم کا دعویٰ کرنے والے کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ یہ عقد مضاربت کے مقصود سے متفق ہے، کیونکہ اس عقد کا مقصد نفع ہے اور یہ نفع زیادہ عموم سے متحقق ہوتا ہے۔ اور جب اختلاف اطلاق وتقید میں ہو تو مدعی اطلاق کی بات معتبر ہوگی مثلاً رب المال کہے: میں نے تمہیں صرف گندم میں مضاربت کی اجازت دی ہے، اور مضارب کہے: کوئی خاص تجارت مقرر نہیں کی گئی تو مضارب کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی، کیونکہ اطلاق مقصود کے تحقق کے زیادہ قریب ہے۔ اگر اختلاف کسی خاص قسم میں ہو مثلاً رب المال کہے میں نے تمہیں کپڑے میں مضاربت کے لئے مال دیا ہے اور مضارب کہے غلہ میں مضاربت کے لئے دیا ہے تو اس صورت میں رب المال کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ یہاں مقصود عقد کے لئے ترجیح ممکن نہیں، کیونکہ مضاربت دونوں قسموں میں ہو سکتی ہے لہٰذا رب المال کی اجازت سے ایک کو ترجیح ہوگی۔

ب...... اگر رب المال اور مضارب کا مال ضائع ہونے میں اختلاف ہو جائے، مضارب ضائع ہونے کا دعویٰ کرے اور رب المال اس کا انکار کرے یا دونوں کا اختلاف خیانت اور تعدی میں ہو مثلاً رب المال خیانت کا دعویٰ کرے اور مضارب اس کا انکار کرے تو ان دونوں صورتوں میں مضارب کی بات بالاتفاق معتبر ہوگی، کیونکہ مضارب امین ہے اور اصل خیانت کا نہ ہونا ہے لہٰذا اسی کی بات معتبر ہوگی

ودیعت کی طرح۔

ج.....اگر دونوں کا اختلاف مال واپس کرنے میں ہوجائے، مضارب واپسی کا دعویٰ کرے اور رب المال اس سے انکار کرے تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں رب المال کی بات معتبر ہوگی، نیز اس لئے بھی کہ مضارب نے مال پر قبضہ اپنے نفع کے لئے کیا ہے تو اپنی نسبت اس کا قول معتبر نہ ہوگا جیسے عاریۃً لی ہوئی چیز میں ہوتا ہے۔ مالکیہ اور شوافع کے ہاں اصح قول کے مطابق مضارب ہی کی بات معتبر ہوگی کیونکہ یہ امین ہے۔

د.....اگر دونوں کا اختلاف رأس المال کی مقدار میں ہوجائے، تو بالاتفاق فقہاء مضارب کا قول معتبر ہوگا۔ مثلاً رب المال کہے میں نے تمہیں دو ہزار دیئے ہیں اور مضارب کہے آپ نے ایک ہزار دیئے ہیں، تو مضارب کا قول معتبر ہوگا، کیونکہ عاقدین اس مقدار میں اختلاف کر رہے ہیں جس پر قبضہ ہوا ہے، تو بات قابض کی معتبر ہوگی اس دلیل سے کہ اگر وہ بالکل قبضہ کا انکار کردے اور کہے کہ میں نے آپ سے کچھ بھی نہیں لیا، تو اسی کی بات معتبر ہوگی پس اسی طرح اگر بعض کا انکار کرے۔

اور اگر عاقدین کا اختلاف رأس المال اور منافع دونوں کی مقدار میں ہو، بایں طور کہ رب المال کہے: رأس المال دو ہزار تھا اور طے شدہ نفع ثلث تھا، اور مضارب کہے رأس المال ایک ہزار تھا اور نفع نصف تھا، تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں اس صورت میں بھی راس المال کی بابت مضارب کی بات معتبر ہوگی اور نفع کی بابت رب المال کی بات معتبر ہوگی، جبکہ شوافع کے ہاں دونوں حالتوں میں عامل مضارب کی تصدیق قسم سے ہوگی، اس لئے کہ اصل زیادہ راس المال نہ دینا اور نفع نہ ہونا ہے۔

ہ.....اگر رب المال اور مضارب کا اختلاف طے شدہ نفع کی مقدار میں ہوجائے تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں امام احمد سے راجح روایت یہ ہے کہ رب المال کی بات معتبر ہوگی، مثلاً مضارب کہے میرے لئے نصف نفع مشروع تھا، رب المال کہے ثلث تھا تو رب المال کی بات معتبر ہوگی کیونکہ صاحب مال انکار کررہا ہے نصف سے زیادتی کا اور بات منکر کی معتبر ہوتی ہے۔

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''قسم مدعیٰ علیہ پر ہوتی ہے۔'' مالکیہ کے ہاں: منافع کی مقدار میں مضارب کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، کیونکہ وہ امین ہے، اور اس میں دو شرطیں ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ایسے اعمال کرے جو مضاربت میں لوگ کرتے ہیں، دوسری شرط یہ کہ جو مال خرچ ہو چکا وہ مضارب کے قبضہ میں ہو حسی یا معنوی طور پر جیسے کسی اجنبی شخص کے پاس ودیعت ہو شوافع کے ہاں جب مضارب کے لئے مشروط نفع کی مقدار میں اختلاف ہو، مثلاً وہ کہے: نصف طے تھا، اور مالک کہے: بلکہ ثلث تھا، تو دونوں حلف اٹھائیں گے، جیسے مقدار ثمن میں بیع وشراء کرنے والے حلف اٹھاتے ہیں۔ تحالف سے عقد فسخ نہیں ہوگا بلکہ دونوں اس کو فسخ کریں یا ایک یا حاکم اور اس صورت میں مضارب کے لئے اجرت مثل ہوگی اپنے کام کی جتنی بھی ہو۔ کیونکہ اس کے عمل کو اس کی طرف لوٹانا محال ہے، پس اس کی قیمت واجب ہوگی جو کہ اجرت ہے، اگر اختلاف نفع میں ہو عامل مضارب کہے، نفع نہیں ہوا، یا صرف اتنا ہوا ہے تو مضارب کی تصدیق ہوگی قسم کے ساتھ کیونکہ اصل نفع نہ ہونا ہے۔

و.....اگر دونوں رأس المال کی صفت میں اختلاف کریں مالک کہے میں نے تمہیں مضاربت، یا ودیعت یا بضاعت کے طور پر مال دیا تھا تاکہ تو خرید وفروخت کرے اور عامل کہے نہیں آپ نے تو مجھے بطور قرض مال دیا تھا نفع میرا ہے۔

حنفیہ، حنابلہ اور شوافع کے ہاں مالک کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ دی گئی چیز اس کی ملکیت ہے۔ تو اس کے ہاتھ سے کس صفت سے نکلی اسی کی بات اس میں معتبر ہوگی، نیز اس لئے بھی کہ مضارب رب المال کی تملیک کا دعویدار ہے اور وہ منکر ہے۔ اور یہ نوعیت میں اختلاف کی طرح ہے۔ مالکیہ کے ہاں عامل کی بات معتبر ہوگی قسم کے ساتھ جیسے نفع کی مقدار میں ہوتا ہے، عامل کی جانب عمل کی وجہ سے راجح ہے نیز یہ کہ وہ

امین بھی ہے۔

اگر رب المال کہے میں نے بطور قرض تجھے مال دیا تھا، اور مضارب کہے مضاربت کے لئے دیا تھا تو اس صورت میں جمہور علماء کے ہاں مضارب کی بات کا اعتبار ہوگا، کیونکہ اس بات پر دونوں متفق ہیں کہ مال رب المال کی اجازت سے لیا گیا ہے، رب المال، مضارب پر ضمان کا دعویٰ کررہا ہے، اور مضارب منکر ہے تو بات اس کی معتبر ہوگی، مالکیہ کے ہاں رب المال کی بات معتبر ہوگی قسم کے ساتھ، اس وجہ سے کہ اصل یہ ہے کہ مال پر قبضہ ضمان کا ہونا چاہئے جیسا کہ رب المال کے دعویٰ کا تقاضا ہے۔

پانچواں مطلب: مضاربت کو باطل کرنے والی چیزیں......درج ذیل حالات میں مضاربت باطل ہوگی۔

ا۔فسخ، تصرف سے روکنا اور معزول کرنا......مضاربت فسخ کی وجہ سے اور تصرف سے روکنے کی وجہ سے اور معزولی کرنے کی وجہ سے باطل ہوجائے گی، جب فسخ اور نہی کی شرط پائی جائے، یعنی عامل کو فسخ اور روکنے کا علم ہو۔

اور یہ کہ رأس المال نقدی کی شکل میں ہو، فسخ اور تصرف سے روکنے کے وقت، تاکہ معلوم ہوسکے اس وقت مضارب اور مالک کے درمیان مشترک نفع کتنا ہوا ہے، اگر سامان ہے تو معزول کرنا صحیح نہیں۔ اس پر یہ مسائل متفرع ہیں جب عامل کو فسخ اور تصرف سے روکنے کا علم نہ ہو اور وہ تصرف کردے تو اس کا تصرف جائز ہے۔ اور جب اس کو معزولی کا علم ہو اور مال سامان کی شکل میں ہو تو وہ اس کو فروخت کر کے نقدی کی شکل میں لاسکتا ہے تاکہ نفع معلوم ہوسکے، اور اس وقت رب المال منع نہیں کرسکتا فروخت سے کیونکہ اس میں اس کے حق کا ابطال ہے۔ اور یہ آئمہ اربعہ کے ہاں متفق مسلہ ہے۔ البتہ مالکیہ کے ہاں کام شروع کرنے کی وجہ سے دونوں پر یہ عقد لازم ہوگیا لہٰذا دونوں کے اتفاق سے ہی فسخ کیا جاسکتا ہے، اور مالکیہ کے علاوہ باقی حضرات اسے عقد لازم قرار نہیں دیتے۔

۲۔عاقدین میں سے کسی ایک کا مرجانا......اگر رب المال یا مضارب مرجائے تو جمہور کے ہاں مضاربت باطل ہوجائے گی، اس لئے کہ مضاربت میں وکالت بھی ہوتی ہے اور وکالت مؤکل یا وکیل کی موت سے باطل ہوجاتی ہے۔ اور مضاربت مکمل طور پر باطل ہوجائے گی چاہے مضارب کو رب المال کی موت کا علم ہو یا نہ ہو، کیونکہ موت حکماً معزولی ہے علم پر موقوف نہیں ہوگی جیسے وکالت میں ہوتا ہے۔

مالکیہ کے ہاں......عاقدین میں سے کسی کے مرنے کی وجہ سے مضاربت فسخ نہیں ہوگی، بلکہ مضارب کے ورثاء اگر امین ہوں تو وہ مضاربت جاری رکھ سکتے ہیں یا کسی امین کے حوالے کردیں۔

۳۔عاقدین میں سے کسی ایک کا مجنون ہونا......عاقدین میں سے کسی ایک کے مجنون ہونے کی وجہ سے مضاربت باطل ہوجائے گی جبکہ جنون مطبق ہو کیونکہ جنون اہلیت کو باطل کردیتا ہے، اور ہر وہ چیز جس سے وکالت باطل ہوجائے اس سے مضاربت بھی باطل ہوجاتی ہے، مثلاً بے ہوشی، یا رب المال پر پابندی وغیرہ، رہ گئی مضارب پر بے وقوفی کی وجہ سے پابندی تو حنفیہ کے ہاں اس سے معزول نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ تمیز کرنے والے بچے کی طرح شمار ہوگا اور ان کے ہاں ممیز اہل ہوتا ہے، کیونکہ یہ غیر کو وکیل بناسکتا ہے لہٰذا بے وقوف بھی اسی طرح ہوگا۔

۴۔(العیاذ باللہ) رب المال کا مرتد ہوجانا......جب رب المال مرتد ہوجائے، مرجائے یا ارتداد پر اسے قتل کیا جائے یا وہ دارالحرب چلا جائے، اور قاضی اس کے دارالحرب جانے کا فیصلہ بھی کردے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں ارتداد کے دن سے مضاربت باطل ہوجائے گی، کیونکہ دارالحرب چلا جانا بمنزلہ موت ہے، یہ رب المال کی اہلیت کو زائل کردیتا ہے، اس دلیل سے کہ مرتد کا مال اس کے ورثاء کے

درمیان تقسیم کردیا جاتا ہے۔ اور اگر مضارب مرتد ہوجائے، تو مضاربت اپنے حال پر باقی رہے گی کیونکہ اہلیت موجود ہے، یہاں تک کہ اگر اس نے خرید وفروخت کی نفع حاصل کیا اور پھر ارتداد کی وجہ سے قتل کردیا گیا یا مرگیا یا دارالحرب میں چلا گیا تو اس کے یہ تمام افعال جو کیے ہیں جائز ہیں۔ اور نفع دونوں کے درمیان طے شدہ تناسب سے تقسیم ہوگا، کیونکہ مرتد کے کام تمیز اور آدمیت کی وجہ سے صحیح ہیں۔

یہ بات یادرہے کہ جب راس المال سامان کی شکل میں ہوتو مضارب کا اسے بیع وشراء کے ذریعہ نقدی کی شکل میں تبدیل کرنا جائز ہے اور اس وقت مضارب معزول کرنے سے یا روکنے سے اور رب المال کے مرنے اور مرتد ہونے سے معزول نہ ہوگا۔

۵۔ **مضارب کے ہاتھ میں مال مضاربت کا ضائع ہونا**...... جب راس المال مضارب کے ہاتھ سے کچھ خریدنے سے پہلے ضائع ہوجائے تو مضاربت باطل ہوجائیگی، کیونکہ قبضہ کی وجہ سے مال مضاربت کے لئے متعین ہوگیا۔ لہٰذا اس کے ضائع ہونے کی وجہ سے ودیعت کی طرح مضاربت باطل ہوجائے گی۔

اسی طرح مضاربت باطل ہوجائے گی مضارب کے مال مضاربت کو ضائع کرنے، یا خرچ کرنے یا کسی دوسرے کو دینے کی وجہ سے بھی یہاں تک کہ مضارب اس کے ذریعہ کسی چیز کے خریدنے کا مالک نہیں ہوگا اگر مضارب نے اتنا مال لیا جتنا ہلاک ہوا ہے تو پھر وہ بطور مضاربت اس سے خرید وفروخت کرسکتا ہے۔ یہ حالتیں ہیں جن کی وجہ سے مضاربت باطل ہوجاتی ہے، جیسا کہ حنفیہ نے ذکر کیا۔ اور جب مضاربت فسخ ہوجائے اور مال مضاربت لوگوں پر قرض ہو اور مضارب قرض کی ادائیگی اور اس کے قبضہ سے رک گیا اب اگر مضارب کو نفع ہوا ہے تو حاکم قرض کی وصولی کے لئے زبردستی کرے گا۔

کیونکہ یہ بمنزلہ اجیر ومزدور ہے، اور نفع اس کی اجرت کی طرح ہے، اور اجیر جس کام کا التزام کرے اس میں وہ مجبور ہوتا ہے، لیکن اگر نفع نہ ہوا ہوتو اس کے ذمہ قرض کی وصولی لازم نہیں، کیونکہ یہ وکیل تصور کیا جائے گا، اور وکیل احسان کرنے والا ہوتا ہے، اور احسان کرنے والے کو ایفاء احسن پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، صرف اتنی بات ہے کہ مضارب یا وکیل کو حکم دیا جائے گا کہ رب المال کو دیون کا حوالہ کریں تا کہ اسے قبضہ کرنا ممکن ہو، اس لئے کہ یہ عقد کے حقوق ہیں عاقد کی طرف لوٹتے ہیں، پس رب المال کے لئے ولایت قبضہ حوالے کے بغیر ثابت نہیں ہوگا تو عاقد کے ذمہ لازم ہے کہ وہ حوالہ کرے تا کہ اس کا حق ضائع نہ ہو۔ اور جو چیز مضاربت سے ہلاک ہوگی۔

اس کا حساب نفع سے کیا جائے گا نہ کہ رأس المال سے، اس لئے کہ نفع مال کے تابع ہے اور رأس المال اصل ہے اور تابع کا اصل کے حاصل ہونے کے بغیر اعتبار نہیں۔ تو ضائع شدہ مال کو تابع کی طرف پھیرنا اولیٰ ہے، اگر ہلاک شدہ مال زیادہ ہوتو مضارب پر کوئی ضمان نہ ہوگا، کیونکہ وہ امین ہے۔

اسلامی فقہ میں جدید اور قدیم شرکتیں...... اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے جیسا کہ مشہور ومعروف ہے تو کوئی بھی ایسا پیشہ اور کمائی جو حلال ہے اسے شریعت نے برقرار رکھا ہے، اور جو بھی مشتبہ کمائی ہے جس کی وجہ سے لڑائی جھگڑے کی نوبت آجائے اور اس سے لوگوں میں محبت بھائی چارہ اور تعاون ختم ہوتا ہو شریعت نے اسے منع کردیا ہے، اور اس کا دروازہ بند کردیا ہے۔ شریعت لوگوں میں آسانی اور شفقت کا معاملہ کرتی ہے جبکہ ان کی مصلحتیں ثابت ہوں نہ کہ ان کے درمیان تصادم ہو، شریعت انہیں جہالت، لڑائی جھگڑا، ظلم اور گراں فروشی پر برقرار نہیں رکھتی۔ اسی وجہ سے اسلام میں شرکتوں کو رضامندی، عدل وانصاف، مصلحتوں کی رعایت اور صحیح مشروع عرف کی لڑی میں منظم کیا ہے، نیز اس لئے بھی کہ عقود میں اصل اباحت اور حلت ہے، اس بارے میں کتنا عمدہ اور پیارا فقہاء کا قاعدہ ہے کہ ''شرکت تجار کی عادت کے موافق منعقد ہوتی ہے۔''

کمائی کے جائز اور مشروع اہم تین طریقے ہیں...... تجارت، صنعت وحرفت اور زراعت۔

بسا اوقات ایک آدمی ان کو بسہولت اختیار کرسکتا ہے لیکن غالب یہ ہے کہ دوسروں کے تعاون کا محتاج ہوتا ہے، مالی اور بشری تمام طاقتیں نہ ہونے کی وجہ سے، چاہے فنی اعتبار سے یا کوشش ومحنت کے اعتبار سے، یا زندگی میں پیش آنے والے خطرات کی تخفیف کے لئے، اسی وجہ سے شریعت سماجی میں شرکت کو مشروع اور جائز قرار دیا گیا ہے، کیونکہ لوگوں کا آپس میں تعاون ضروری چیز ہے، جبکہ قرآن کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی زبانی ہمارے سامنے شرکت کی خبر بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ ص:۳۸/۲۴

''نیز اللہ تعالیٰ نے بعض ورثاء کو بعض کے حصوں میں شریک فرمایا ہے۔''

اور خیفی بھائیوں کے بارے میں فرمایا:

فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِی الثُّلُثِ النساء:۴/۱۲

''اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو پھر ثلث میں برابر کے شریک ہیں۔''

سنت نبویہ نے بھی شرکت کی تائید کی ہے حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں دو شریکوں میں تیسرا شریک ہوں جب تک وہ خیانت نہ کریں ایک دوسرے کے ساتھ، جب وہ خیانت کریں تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں، مطلب یہ کہ میں حفاظت اور مدد کے اعتبار سے ان کے ساتھ ہوں ان کے مالوں میں ان کی مدد کرتا ہوں اور تجارت میں برکت نازل کرتا ہوں، جب ان کے درمیان خیانت ہوتی ہے تو برکت اور مدد اٹھالیتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے تعاون کو شرکت میں برقرار رکھا ہے، جیسا کہ بہت سی احادیث میں ہے، اور آپ نے فرمایا: ''شریکوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے جب تک وہ خیانت نہ کریں۔'' اور صحیح روایت میں ہے کہ سائب بن ابی سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعثت کے بعد عرض کی کہ میں جاہلیت میں شرکت کرتا تھا اور میں بہترین شریک تھا نہ منع کرتا تھا اور نہ جھگڑا، رواہ ابوداؤد، اور ابن ماجہ کے لفظ یہ ہیں: میں شریک تھا اور بہترین شریک نہ منع کرتا تھا نہ شک حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ کے دن آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مرحبا میرے بھائی اور شریک کو جو نہ منع کرتا ہے اور نہ شک کرتا ہے۔''

اور شرکت جیسا کہ حنفیہ نے وضاحت سے بیان کیا: ایسا عقد ہے جو دو شریکوں کے درمیان رأس المال اور منافع میں ہوتا ہے، شرکت کی قدیم اور جدید بہت ساری قسمیں ہیں یعنی شرکت فی الاموال، شرکت فی الاعمال والتصرفات، اور شرکت فی الضمان والتزام، شرکت اموال رأس المال میں شرکت کے عنصر سے منعقد ہوتی ہے، اور شرکت اعمال صنعت وحرفت اور ضمان عمل کے عنصر سے مکمل ہوتی ہے، اور شرکت وجوہ بغیر رأس المال کے دو شریکوں کے اعتماد اور ثقاہت کے عنصر سے وجود میں آتی ہے۔

حنفیہ وغیرہ نے شرکت کی تمام قسموں کی اجازت دی ہے، یعنی اجباری شرکتیں شرکت املاک اور اختیاری شرکتیں شرکت عقد، وغیرہ کی، سابقہ زمانے اور عصر حاضر میں شرکتوں میں سے اہم شرکتیں شرکت مضاربت ہے جس میں ایک جانب سے مال اور دوسری جانب سے عمل ہوتا ہے، لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے شریعت نے اس کی اجازت دی ہے، اس لئے کہ کبھی ایک شخص صاحب مال تو ہوتا ہے لیکن اسے استعمال کا طریقہ نہیں جانتا اور ایک شخص اسے خرچ کا طریقہ تو جانتا ہے لیکن اس کے پاس مال نہیں ہوتا، اور نفع ان کے درمیان طے شدہ تناسب سے تقسیم کیا جائے گا، اور خسارہ صرف رب المال کے ذمہ ہوگا، اور عامل کے ذمہ صرف کوشش اور کام صرف کرنا ہوتا ہے۔

ہمارے اس زمانے میں کئی نئی شرکتیں لوگوں کے درمیان متعارف ہوتی ہیں شہری زندگی کے منظم کرنے کی وجہ سے جیسے شرکت تضامن، توصیۃ البسیطۃ اور مساھمۃ وغیرہ، اور بعض سے تنظم نے غفلت کی ہے جیسے شرکت محاصہ اور شرکت بہائم اور شرکت سیارہ چاہے اجارہ کے ذریعہ ہو یا بغیر اجارہ کے، ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان شرکتوں کا شرعی حکم بیان کریں، چونکہ لوگ زیادہ پوچھتے ہیں ان کے بارے میں اور کئی قسم

کی شرکتوں کے تعارف کی وجہ سے حالانکہ بعض شرکتیں جائز نہیں ہوتیں۔

اردن کے شہری قوانین میں بعض احکام بعض قسموں کے شریعت کی روشنی میں بیان کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے مثلاً شرکت اعمال، شرکت وجوہ، شرکت مضاربہ وغیرہ دفعہ نمبر ۶۱۱۔۶۳۵ میں، عام شرکتوں کے احکام دفعہ نمبر ۵۸۲۔۶۱۰ میں بیان کے بعد، اور اس قانون میں شرکت اعمال اور وجوہ میں حنفی اور حنبلی مذہب کے مطابق قانون بنایا گیا ہے جبکہ مضاربت میں صرف حنفی مذہب پر قانون بنایا ہے۔

شام اور مصر میں شہری قانون شرکتوں کے بارے میں دو قسموں پر تقسیم کیا گیا ہے شرکت اشخاص اور شرکت اموال۔ شرکت اشخاص: وہ ہے جس میں شخصی عنصر ظاہر ہو، جو شرکاء کی شخصیت اور باہمی اعتماد کی بنیاد پر قائم ہو مال کی طرف نظر نہیں۔ اور یہ شرکت تضامن، شرکت توصیۂ بسیطہ اور شرکت محاصۃ کو شامل ہے۔ اور شرکت اموال جس میں مال پر نظر رکھ کر اعتماد کیا گیا ہو قطع نظر اشخاص کے، اور یہ شرکت ماھمۃ، شرکت توصیہ بالاً سہم اور محدود مسئولیت والی شرکتوں پر مشتمل ہے۔

ان تمام قسموں کا شریعت اسلامی میں کیا حکم ہے؟

ا۔ شرکت تضامن (برابر کی شرکت، ہر چیز میں شرکت)...... یہ وہ شرکت ہے جسے دو یا دو سے زیادہ افراد تجارت کی غرض سے منعقد کریں، تمام تجارتوں یا بعض تجارتوں میں، اس میں تمام شرکاء تمام شرکت کے التزامات کے بارے میں برابر کے مسئول ہیں، صرف رأس المال میں برابری کافی نہیں، بلکہ کبھی کبھی یہ ہر شریک کے ذاتی مال میں بھی ہوتی ہے۔

یاد رہے کہ اس شرکت کے ضمان (کفالت یا التزام) میں شبہ ہے جس کے ذریعہ یہ شرکت مفاوضہ سے جدا ہو جاتی ہے۔

کیونکہ اسے حنفیہ وغیرہ کے علاوہ کوئی جائز قرار نہیں دیتا، اس میں عموم تجارت میں اشتراک ہوتا ہے، کہ دونوں شرکاء کا راس المال بھی برابر تصرف اور دین و مذہب، اور شرکت سے متعلقہ تمام التزامات میں ہر شریک دوسرے کا کفیل ہوتا ہے، اور یہ بات محقق ہے کہ شرکاء میں برابری مشکل چیز ہے، کیونکہ دونوں کے مالوں میں زیادتی کا امکان ہے، پس یہ شرکت نادر ہے یہ کم مدت اور ہمیشگی اس میں نہیں ہے جس کی وجہ سے جلدی تبدیلی اور انقلاب شرکت عنان کی طرف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شرکت عنان میں نہ مال میں برابری شرط ہے نہ تصرف اور دین و مذہب میں وہ یہی ہے کہ دو آدمی شریک ہو جائیں دونوں کا مال ہو اس میں تجارت کریں اور نفع ان کے درمیان تقسیم ہو، اس میں ایک کا مال دوسرے سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ ان میں سے شرکت کا مسئول ایک ہی ہوتا ہے، اس میں کفالت بھی نہیں لہٰذا جو عقد کرے گا اسی سے مطالبہ ہوگا، شریک کے تصرفات کا مطالبہ نہیں ہوگا، جمہور فقہاء کے ہاں (شوافع کے علاوہ) نفع طے شدہ تناسب سے ان کے درمیان تقسیم ہوگا، پس کسی ایک کا نفع دوسرے سے تجارت میں مہارت کی وجہ سے زیادہ رکھنا جائز ہے، چاہے رأس المال برابر ہو یا کم زیادہ اور خسارہ راس المال کی مقدار کے اعتبار سے دونوں پر ہو باتفاق علماء اس حدیث کی وجہ سے کہ ''نفع طے شدہ شرط کے مطابق اور نقصان رأس المال کی مقدار کے مطابق تقسیم ہوگا'' اس طرح مقرر کرنے میں کوئی مانع نہیں اس میں کمال بن ہمام حنفی (صاحب فتح القدیر) کا اختلاف ہے کہ وہ شرکت عنان میں کفالت کی شرط لگاتے ہیں ہر شریک دوسرے کا کفیل اور ضامن ہوگا کیونکہ کفالت عقد تبرع ہے اور دونوں شریکوں نے اسے شرط رکھا ہے، یہ شرکت کے علاوہ میں جائز ہے جب ایسے دو شخصوں میں کفالت جائز ہے جن میں مالی تعلق نہ ہو تو پھر ایسے دو شخصوں میں بدرجہ اولیٰ جائز ہے جن میں مالی تعلق اور شرکت ہو، اس کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ عقود میں اصل رضامندی ہے اور شرکت رضامندی پر مبنی عقد ہے، پس ایسی ہر شرط پورا کرنا لازم ہے جو نصوص شرعیہ کے متصادم نہ ہو۔

۲۔ شرکت توصیہ بسیطہ...... یہ وہ شرکت ہے جس میں بعض شرکاء برابر کے شریک ہوتے ہیں اور بعض موصون ہوتے ہیں جو متضامن ہیں، ان کا مال بھی ہوتا ہے اور یہ شرکت کی ادارت کے اعمال میں بھی سرانجام دیتے ہیں اور اس کے مسئول ہوتے ہیں، اور تمام

التزامات کا پورا کرنا ان کے ذمہ ہے اور شرکت کے قرض (دیون) ان کے ذمہ ہوتی ہیں، اور موصون جو صرف مال پیش کرتے ہیں نہ ان سے ادارت کی مسئولیت ہے اور نہ ہی اس کے التزامات کی، یہ شرکت بھی جائز ہے، اس لئے کہ ہمارے فقہاء شرکت عنان کام (عمل) کسی ایک کے ذمہ شرط قرار دینے کو جائز قرار دیتے ہیں اور سوال بھی صرف تصرف کرنے والے سے ہوتا نہ کہ دوسرے سے، پس اس بناء پر عامل کے لئے زیادہ نفع مقرر کرنا یا اس کے لئے خاص مقرر کرنا جائز ہے اور یہ اجیر شمار ہوگا اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ شرکت کی ادارت کے بارے میں ایک شریک مسئول ہو یا زیادہ اور غیر مسئول ایک ہو یا زیادہ، پس کفالت اور مسئولیت کی شرط ایک فریق کے لئے ہونا اور دوسرے فریق کے لئے نہ ہونا جائز ہے، کما تبین فی شرکت التصامن۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس شرکت کو شرکت مضاربت کی ایک قسم قرار دیا جائے، شرکت متصامن، مضارب ہو جو شرکت میں تصرف کرے، اور اس سے متعلقہ حقوق کا غیر کے سامنے مسئول ہو اور شریک موصی رب المال قرار دیا جائے شرکت شرکت مضاربت کی طرح، اور یہ شرکت کی ادارت کا مسئول نہ ہو اور اصحاب حقوق کا ضامن نہ ہو، اور راس المال کے خسارہ کی صورت میں خسارے کے علاوہ باقی التزامات کا ضامن نہ ہو، اور عامل سے تصرفات میں خسارہ کے بارے میں سوال نہ ہو، اور مضارب تجار کی عادۃً کے موافق تمام تصرفات کرنے میں آزاد ہیں اور نفع شریکوں کے اتفاق سے طے شدہ تناسب سے تقسیم کیا جائے۔

خلاصہ...... یہ کہ شرکت، شرکت مضاربت قرار دی جاسکتی ہے بعض احکام فقہیہ میں باریک فرقوں کے ساتھ اور یہ بھی یاد رہے کہ کمپنی کی شرکت میں زیادہ انتشار ہے شرکت توصیہ کی بنسبت، اس لئے کہ کمپنی کی شرکت میں سرمایہ کاری میں عادۃً وسعت رکھی جاتی ہے، اور بہت زیادہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں عاقدوں میں راس المال کے اعتبار سے بڑا فرق ہوتا ہے اور شرکت توصیہ کا امتیاز کمپنی کی شرکت میں محقق ہوتا ہے اور یہ امتیاز اور فرق کہ کمپنی تاجر کی صفت کا اکتساب نہیں کرتی، اور صرف ان حصوں کے بارے میں مسئول ہوتی ہے جن کی قیمت رکھی گئی ہے۔

۳۔ شرکۃ المحاصہ...... یہ بھی باقی عقود کی طرح ہے اس میں دو شخص یا زیادہ التزام کرتے ہیں کہ وہ ان میں سے ہر ایک خاص مال میں شریک ہوتے ہیں اپنے مال کے حصہ اور عمل کے ساتھ تاکہ وہ اس سے حاصل ہونے والے نفع اور نقصان کو تقسیم کرسکیں البتہ یہ اپنے خفا کی وجہ سے جمہور کے ہاں ممتاز کیا جانا چاہئے اس میں نہ تو رأس المال شرکت کا ہوتا ہے اور نہ اس کا نام شرکت کا ہے اور یہ لوگوں میں مشہور نہیں اور نہ اس کا ظاہری وجود ہے اور نہ باقی شرکتوں کی طرح اس کا کوئی شخص معنوی مستقل ہے، یہ وقتی شرکت ہے۔

جو کسی وجہ سے ہو جاتی ہے اور کسی صفت کی وجہ سے پیدا ہوتی اس کے ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے، اس سے فراغت کے بعد نفع کا تصفیہ ہو جاتا ہے اس میں ایک ہی شریک ظاہر طور پر کام کرتا ہے اور شرکت پوشیدہ رہتی ہے اور نہ ہی اس کا شخص اعتباری ہے، اور یہ شرکت اجمالی طور پر شرعاً جائز ہے کیونکہ شرکت عنان کی اقسام میں سے ایک قسم ہے نہ اس میں برابری ہے، نہ تضامن، نہ تکافل، یہ تجارت کی انواع میں سے ایک خاص قسم کی تجارت ہے، اس میں طے شدہ اتفاقی تناسب سے نفع تقسیم ہوگا، اور خسارہ رأس المال کے حساب سے تقسیم ہوتا ہے، ایک صفت کی وجہ سے شرکت محاصہ کو شرکت عنان میں شمار کیا جاتا ہے جبکہ سب شرکاء کے حصے عام ہوں اور ان پر شرکاء کی ملکیت ہو، اور اسے شرکت عنان اور مضاربت شمار کیا جاتا ہے جب ہر شریک اپنے حصے کی حفاظت کرے، لیکن اسے کسی ایک کے سپرد کردے سرمایہ کاری کے لئے بقیہ حصص کے ساتھ ہر ایک کی مصلحت کی وجہ سے اس شرط پر کہ نفع اور نقصان ان سب کے درمیان بحسب اتفاق یا حصص کے اعتبار سے تقسیم ہو۔

اس کے شرکاء کا مال کسی ایک کو پیش کرنا مضاربت شمار ہوتا ہے، اور تصرف کرنے والا شریک مضارب ہے لیکن جب وہ اپنے مال کا ایک حصہ پیش کرتا ہے تو ہر شریک عنان بھی ہے، جیسا کہ جب وہ بعض شرکاء کے ساتھ شرکت کی ادارت میں کام کرے تو یہ شرکت ان کے درمیان شرکت عنان ہوگی، اور جو شریک ادارۃ میں حصہ نہیں ڈالتے تو وہ مضارب ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ شرکت مفاوضہ شرکت عنان

وجوہ اورابدان کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، کیونکہ جو تنہا صحیح ہے، تو وہ غیر کے ساتھ بھی صحیح ہے، تو اس بناء پر ایک شرکت میں کئی شرکتیں کرنا درست ہے۔

۴۔ شرکت مساہمہ...... یہ شرکت اموال میں سے اہم شرکت ہے، اور اس میں راس المال چھوٹے چھوٹے مساوی حصوں میں تقسیم ہوتا ہے ان پر اطلاق ہوتا ہے ایسے حصے جو تجزی قبول نہیں کرتے، اور یہ تداول کے قابل ہوتے ہیں، اور حصہ دار اپنے حصے کی قیمت کے اعتبار سے مسئول ہوتے ہیں اور مدیر شرکت اور کام کرنے والے حصہ داروں کے اجیر گردانے جاتے ہیں ان کے خاص مرتبے ہیں چاہے وہ کمپنی کے حصہ دار ہوں یا نہ ہوں، اور مدیر شرکت کو یہ اختیار نہیں کہ وہ ان کے راس المال سے زیادہ قرض لے، اگر وہ ایسا کرے گا تو ضامن ہوگا، اور حصہ داروں پر اپنے حصص کے علاوہ کوئی ضمان نہیں، اور نفع راس المال کے اعتبار سے تقسیم ہوگا، اور اس کو ''شرکت مغفلہ'' کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ اس میں اعتبار شخصی کے اعتقال کی وجہ سے، اور اس میں پہلا اعتبار اس کے بننے کے اعتبار سے مال کا ہے، نہ کہ شرکاء کی شخصیت کا، بلکہ شرکاء ایک دوسرے کو پہچانتے ہی نہیں اور نہ ہی وہ شرکت کی ادارۃ کو جانتے ہیں سوائے اس کے جو اس کی مجلس ادارۃ ہر سال اجتماع کے موقع پر پیش کرتی ہے، اس اسکیم بنانے والوں کا خیال ہے کہ کمپنی کی شرکت کو فعال اور سرگرم بنایا جائے بڑے بڑے منصوبوں کے لئے جو بہت زیادہ مال کے محتاج ہیں اور عام طور پر ایک شخص کے پاس اتنا مال ہوتا نہیں جیسے: ٹیکسٹائل انڈسٹری، پارچہ بانی کی صنعت، سوتی کپڑے کی صنعت لوہے کی صنعت اور مٹی کے برتنوں کی صنعت وغیرہ۔ یہ شرکت بھی شرعاً جائز ہے اس لئے کہ یہ شرکت عنان ہے کیونکہ رضامندی کی بنیاد پر قائم ہے، اور انتظامی مجلس اور شرکت میں حصہ داروں کی طرف سے بطور وکیل کام وتصرف کرتی ہے اور شرکاء کے زیادہ ہونے میں کوئی منافع بھی نہیں، اور شریک کا اپنے مالی حصہ میں مسئول ہونا شرکت مضاربت میں رب المال کی مسئولیت کی طرح ہے اور شرکت کا تسلسل شرکاء کے اتفاق سے ہی ہے اور مسلمان اپنی شرطوں پر ہوتے ہیں، حلال شرائط ہیں، اور حصص کا نظام ایک جائز شرعی معاملہ ہے، البتہ قرض کی سندیں اور اس پر نفع لینا حرام ہے۔

۵۔ شرکت توصیہ بالاسہم...... یہ شرکاء کی دو قسموں کو متضمن ہے ایک متضامنین دوسرے حصہ دار اور حصہ دار تو توصیۂ بسیطہ میں شریک موصین کی طرح ہیں۔ ان میں سے کسی سے بھی اپنے حصہ کے علاوہ مسئولیت نہیں۔ البتہ حصہ داروں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور موصی سے حصہ دار مختلف ہوتے ہیں، پہلا ایسے حصہ کا مالک ہوتا ہے جس میں مداوات ہو سکے، اور دوسرا اس کے برعکس، اور شرکاء کی شخصیت کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ اس شرکت میں ان کے اموال کا اعتبار ہے۔

یہ شرکت بھی شرعاً جائز ہے، یہ بھی شرکت عنان کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، جس میں بعض شرکاء کے درمیان برابری شرط ہے، اور یہ کفالت جائز ہے اور متضامن شریک کی آزادی دوسرے شرکاء کی اجازت پر موقوف ہے، اور حصہ داروں کے مال میں متضامنین کا عمل شرکت مضاربت کے احکام کی طرح ہے، اور اس میں کوئی مانع نہیں کہ بعض شرکاء حصہ دار ہوں جیسا کہ شرکت مساہمہ میں وضاحت کی گئی کیونکہ سہم سے حصہ کو مقدم کرنا شرعاً جائز ہے خاص کر جب مساھمین کی تعداد محدود ہو اور بعض بعض کو جانتے ہوں۔

۶۔ لمیٹڈ کمپنی کی شرکت...... باقی شرکت اموال کی طرح یہ بھی تجارتی شرکت ہے، اس میں شرکاء کی شخصیت کا کوئی اعتبار نہیں اور قانونی طور پر یہ شرط ہے کہ شرکاء کی تعداد پچاس سے زیادہ نہ ہو، اور ان میں سے ہر ایک اپنے حصہ کی بقدر مسئول ہوگا اس میں شرکت اموال اور شرکت اشخاص دونوں کی خصوصیات جمع ہیں، اس میں شرکت اموال میں سے یہ ہے کہ اپنے حصہ کی بقدر شریک سے مسئولیت ہے، اور اس کا حصہ اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور اس کی انتظامی مجلس کی رکنیت ہی جیسے شرکت مساہمہ میں ہوتا ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس میں انتظامی مجلس کا مدیر یا کوئی اور محدود مرتبہ سے اس کی مدد کرے، اور وہ اجیر شدہ اور کسی ایک شریک کا ادارۃ سنبھالنا نفع کے اجزاء کی

طرح ہے، اور اس میں شرکت اشخاص میں سے یہ ہے کہ شریک شرکت میں حصہ دار ہوتا ہے مساہم نہیں ہوتا، اور شرکاء کے حصص تداول قبول نہیں کرتے، جیسے تجارتی حصہ کرتے ہیں، اور سب سے اہم چیز جو اس کو مکمل کرتی ہے وہ اشتراک شخصی ہے نہ کہ عام۔ یہ سب کچھ جائز ہے شخصی طور پر اور اس شرکت کو بھی شرکت عنان میں سے شمار کیا جاتا ہے، اور اس میں بعض مضاربت کی خصوصیات بھی ہیں، جیسے حصہ کی بقدر شریک سے مسئولیت، وغیرہ۔

خلاصہ...... یہ کہ یہ جو شرکتیں ہیں جنہیں شہری قوانین نے برقرار رکھا ہے یہ فقہ اسلامی میں اجنبی نہیں بلکہ فقہاء نے جن شرکتوں کا تذکرہ کیا ہے یہ ان میں شامل ہیں۔ لیکن یہ زمانے کی ضرورت اور عرف کی وجہ سے مختلف ہیں، شرکت اشخاص کی تمام صورتیں فقہ اسلامی میں مضاربت کے قبیل سے ہیں، البتہ کچھ احکام میں شریعت اور قانون میں لوگوں کی مصلحت اور طبعی رجحان کے اعتبار سے اختلاف ہے، اور شرکت اموال اکثر شرکت عنان کے قبیل سے ہیں اور بعض خصوصیات میں مفاوضہ کی طرح ہیں شرکت تضامن میں۔ اور مضاربت کے اوصاف میں سے صرف شریک کی بمقدار حصہ مسئولیت ہی ہے، اور ادارۂ اعمال کے قیام کے لئے وکالت ہے، جبکہ مدیر نہ شریک ہو، اور وکالت اجرت کے ساتھ اور بغیر اجرت دونوں طرح صحیح ہے، اور مدیر اگر مساہم حصہ دار نہیں تو وہ عقد اجارہ کے ذریعہ اجیر ہوتا یا ملازم اور وہ ملازمت کے طور پر اجرت پر کام کرے گا، نہ مشارکت کے طور پر۔

گاڑیوں میں شرکت...... بہت زیادہ شرکت منعقد ہوتی ہے ٹرک کی ملکیت میں یا سیاحتی گڑی، یا بس میں شرکت ہوتی ہے، اس میں بعض شرکاء متعین حصوں کے مالک ہوتے ہیں ان میں ایک ڈرائیور ہوتا ہے اور بعض حصوں میں شریک بھی ہوتا ہے، اور ڈرائیور ماہانہ یا روزانہ کی اجرت وصول کرتا رہتا ہے، اور کبھی گاڑی کا مالک اسے ۴/ا معاف کر دیتا ہے تا کہ وہ چوتھائی قیمت سے مستقبل میں نفع سے دستبردار ہو، اور یہ لوگوں کے عرف کی وجہ سے سب جائز ہے، کیونکہ شرکت عادت کے موافق منعقد ہوتی ہے، اور یہ توسع اور چشم پوشی پر مبنی ہے، نیز یہ ضمان یا شرکاء کی ذمہ داری اور عمل پر منعقد ہوتی ہے، نیز شرکت صرف وکالت یا وکالت اور کفالت پر مبنی ہوتی ہے، اور ڈرائیور نفع میں سے اپنا حصہ وصول کرتا ہے، جیسا کہ وہ متفق علیہ اجرت کا تقاضا کر سکتا ہے، اور اس میں کوئی مانع نہیں کہ اجرت ایک مخصوص مقدار میں متعین ہو، یا نفع کا ایک حصہ ہو، اور یہ بات شرکت مساہمہ اور تضامن میں بیان کی جا چکی ہے کہ مدیر کے ملازم پر ہیں، شرعاً کوئی چیز مانع نہیں، اور شرکت اور اجارہ کی صفات کے لئے ایک چیز میں پائے جانے میں بھی کوئی مانع نہیں۔

یہ مالکیہ اور شوافع کے ہاں ہے اور وہ اسے مزارعت اور مساقات پر قیاس کرتے ہیں، نیز ایک عقد میں دو عقدوں کا پایا جانا اور دو شرطوں کا پا جانا اس وقت منع ہے جب عقد زائل ہو جاتے لیکن جب اس کی علت ختم ہو گئی یا حکمت فوت ہو گئی یعنی لڑائی جھگڑے کا ہونا اور ان لڑائیوں کا نہ ہونا جو عادۃً ہوتی ہیں تو پھر یہ شرط مفسد نہیں اور اس میں لوگوں کی حاجت بھی ہے۔

جانوروں میں شرکت...... ہمارے اس دور میں بہت سی شرکتیں لوگوں میں جانوروں کے چرانے، گائیوں، بکریوں کی تربیت کے حوالے سے ہو رہی ہیں، ایک شریک مال پیش کرتا ہے اور دوسرا شریک کام کرتا ہے، اور کبھی دونوں شریک جانوروں کی قیمت ادا کرتے ہیں پھر ان میں سے ایک تنہا کام کرتا ہے مثلاً چرانا، یا کھانا پینا، چوکیداری اور صفائی وغیرہ کرتا ہے تو یہ سب کچھ جائز ہے اس شرط کے ساتھ کہ ایسی جہالت نہیں ہونی چاہئے جو لڑائی جھگڑے تک پہنچا دے، البتہ جو جہالت لڑائی جھگڑے تک نہ پہنچائے وہ مضر نہیں، اور اس میں لوگ عادۃً چشم پوشی برتتے ہیں، اس بناء پر درج صورتوں کا حکم معلوم ہو سکتا ہے:۔

ا...... جب ایک شخص کچھ جانور خریدے، اور ان کی ساری قیمت اپنے مال سے ادا رے اور دوسرا شخص ان کی تربیت و پرورش اور ان کے

لئے گھاس دانے کا بندوبست کرے، تو یہ شرکت جائز نہیں، اس لئے کہ عامل جو کچھ گھاس دانہ خریدے گا وہ مجہول ہے جو لڑائی جھگڑے تک نوبت پہنچادے گی لہٰذا عقد فاسد اور باطل ہوگا۔

۲..... اگر چارے کی قیمت دودھ وغیرہ کے برابر ہو تو باقی دودھ دونوں شریکوں میں تقسیم ہوگا، لہٰذا یہ شرکت درست نہیں، اس لئے کہ کبھی دودھ چارے کے لئے کافی ہوگا اور کبھی نہیں، ہاں اگر رأس المال والا اس کے بارے کا بندوبست کرے تو پھر عقد صحیح ہے۔

۳..... جب عامل کا کام صرف تربیت، چرانا اور گھاس دانہ ہو اور رب المال اخراجات کی قیمت کا کفیل ہو تو یہ شرکت درست ہے، اور یہ شرکت مضاربہ ہوگی، یہ نہ کہا جائے کہ چارہ وغیرہ کھانا جانور کا طبعی معاملہ ہے حیوان کی زیادتی میں اس کا کوئی حصہ نہیں جیسا کہ حنفیہ کے ہاں ہے کیونکہ عامل کا کام چارہ پیش کرنا متعین ہے اور خدمت، نرانی، صفائی اور چرانا وغیرہ کا جانور کے موٹا اور خرید ہونے اور قیمت کے بڑھنے اور عمدہ ہونے میں اثر ہے۔

۴..... جب دو آدمی جانور اور اس کی چارے وغیرہ کا اخراجات اکٹھے برداشت کریں اور ان میں سے ایک خدمت تبرعاً کرے تو یہ شرکت درست ہے کیونکہ اس میں راس المال میں شرکت ہے عمل میں نہیں۔

۵..... آج کل موجودہ صورت جانوروں کی قیمت میں شرکت کی ہے، چرواہ اور عامل جانور کا دودھ لے لیتا ہے، اور اس کا فر بہ ہونا یہ اس کی خدمت وغیرہ کی وجہ سے ہے اور رہ گئی ان کی اولاد اور اون وغیرہ تو وہ دونوں کے درمیان تقسیم ہوتی ہے یہ شرکت شرعاً جائز ہے جیسا کہ مفتیان نے جامعہ ازھر میں ۱۹۴۸ء میں اس کو برقرار رکھا، کیونکہ لوگوں کا تعامل ہے۔

عرف اور حاجت بھی ہے اور کوئی نص کو یہ سنت اور اجماع میں اس کے عدم جواز کی نہیں، اور نہ ہی اس سے جھگڑا اور عداوت ہوتی ہے، پس لوگوں پر آسانی کے لئے جائز ہے رہ گئی جہالت تو وہ کم ہے جو نزاع کی طرف نہیں لے جانے والی۔

خلاصہ..... اللہ کے دین میں آسانی سے تنگی نہیں، ایسا عرف جو شریعت کے متصادم نہ ہو معتبر ہے، اس میں اجتہاد متعین ہے ترقی اور تبدیلی ضروری چیزیں ہیں۔

چھٹی فصل..... ہبہ کے بیان میں

موضوع کا خاکہ..... ہبہ کا بیان درج ذیل چھ مباحث میں ہوگا۔

۱۔ **پہلی بحث**..... ہبہ کی تعریف اور مشروعیت۔

۲۔ **دوسری بحث**..... ہبہ کا رکن۔

۳۔ **تیسری بحث**..... ہبہ کی شرائط۔

۴۔ **چوتھی بحث**..... ہبہ کا حکم۔

۵۔ **پانچویں بحث**..... رجوع سے مانع اشیاء۔

۶۔ **چھٹی بحث**..... اولاد کو عطیہ دینا۔

پہلی بحث: ہبہ کی تعریف اور اس کی مشروعیت..... ہبہ ھدیہ اور صدقہ دونوں کو شامل ہے، کیونکہ، ہبہ، صدقہ، ہدیہ اور عطیہ ہم معنی الفاظ ہیں، جب اس سے کسی محتاج کو دے کر اللہ کا تقرب حاصل کیا جائے تو یہ صدقہ ہے، اور اگر کسی کو اس کے بڑا ہونے اور محبت

بڑھانے کی خاطر دیا تو یہ ہدیہ ہے، ورنہ ہبہ اور عطیہ: مرض موت میں ہبہ۔ اور شریعت کی اصطلاح میں ہبہ ایسا عقد ہے جو تملیک کا فائدہ دیتا ہے بلاعوض زندگی میں، حنابلہ نے اس کی تعریف کی ہے ایسی تملیک جس میں تصرف کرنا جائز ہے معلوم یا مجہول مال جو موجود ہو سپردگی پر قدرت ہو زندگی میں بلاعوض ہو واجب نہ ہو اور ایسے الفاظ سے ہو عرف میں جنہیں ہبہ شمار کیا جاتا ہے جیسے لفظ ھبہ، تملیک وغیرہ۔ اور یہ جو قیود ہیں ان کے ذریعہ عاریت، کتے، سامان، بیوی کا نفقہ وصیت، بیع سے احتراز ہے، تملیک کے لفظ سے عاریت نکل گئی، اور مال کا لفظ ہے ایسی چیز نکل گئی جو مال نہیں جیسے کتے وغیرہ، سپردگی پر قدرت کی شرط سے بوجھ وغیرہ نکل گیا اور غیر واجب سے قرض اور نفقہ نکل گیا، اور حیات کی قید وصیت نکالنے کے لئے اور بلاعوض کی قید معاوضے والے عقود نکالنے کے لئے ہے۔

ہبہ مشروع اور مندوب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۞ النساء: ۴/۴

''ہاں اور وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اسے ذوق شوق سے کھالو۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ۔۔۔۔۔۔ البقرۃ: ۲/۱۷۷

''اور مال باوجود عزیز کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافر کو دیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''ھدیہ دیا کرو اس میں محبت بڑھتی ہے۔''

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''کوئی پڑوس اپنی پڑوسن کے ھدیہ کو حقیر نہ سمجھے اگر چہ وہ بکری کا کھر ہی ہو۔''

''فرس'' اصل میں اونٹ کے کھر کے لئے استعمال ہوتا ہے اسے بکری کے لئے استعارۃً استعمال کیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے ہبہ میں رجوع کرنے والا ایسا ہے جیسے کتا قئی کرنے کے بعد اس کو دوبارہ چاٹ لیتا ہے: پس یہ مسنون ہے ہبہ میں جو کچھ ہو وہ موھوب لہ کو دے دیا جائے بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدل عطا فرماتے۔

ہبہ کی تمام اقسام کے استحباب پر اجماع منعقد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى

''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو۔''

قریبی رشتہ داروں میں یہ افضل ہے، کیونکہ اس میں صلہ رحمی ہے، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ۔۔۔۔۔۔ النساء: ۴/۱

''اور اللہ تعالیٰ سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرا دو اور (قطع قوت) ارحام سے بچو۔''

نیز بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو اپنے رزق میں وسعت چاہتا ہے اور عمر لمبی چاہتا ہے۔ تو اسے چاہئے صلہ رحمی کرے۔

تمام آئمہ اس بات پر متفق ہیں کہ ہبہ ایجاب اور قبول سے صحیح ہوتا اور قبضہ سے نیز اس بات پر ان کا اجماع ہے کہ خیر کے وعدہ کو پورا کرنا مطلوب ہے، نیز اولاد میں سے بعض کو ہبہ میں خاص کرنا مکروہ ہے، اسی طرح بعض کو بعض پر فوقیت دینا بھی مکروہ ہے۔

دوسری بحث۔۔۔۔۔۔ ہبہ کا رکن حنفیہ کے ہاں ہبہ کا رکن ایجاب اور قبول ہیں کیونکہ بیع کی طرح یہ بھی ایک عقد ہے، اسی طرح قبضہ کرنا

بھی رکن ہے جیسا کہ مبسوط میں ہے، کیونکہ ثبوت ملک کے لئے یہ ضروری ہے، یہ خلاف بیع کے، اور علامہ کاسانی کے ہاں استحساناً اور بعض حنفیہ کے ہاں موھوب لہ کی جانب سے قبول کرنا رکن نہیں، بلکہ صرف ہبہ کرنے والے کی ایجاب کافی ہے۔ کیونکہ ہبہ لغوی اعتبار سے ملک کی جانب سے صرف ایجاب کا نام ہے قبولیت کی شرط کے بغیر، قبول تو اس کے حکم اور اثر مرتب کے ثبوت کے لئے ہے، یہی مالکیہ سے بھی منقول ہے، ثمرہ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ کسی نے قسم اٹھائی میں وہ یہ چیز فلاں کو ہبہ نہیں کرے گا پس اس نے وہ چیز ہبہ کردی اور فلاں نے قبول نہ کی تو استحساناً یہ حانث ہوگا، لیکن قیاساً نہیں اور اکثر حنفیہ مذہب کے ترجمان اس بات متفق ہیں کہ ہبہ صرف ایجاب سے پورا ہوجاتا ہے واجب کے حق میں اور موھوب لہ کے حق میں ایجاب وقبول دونوں سے مکمل ہوتا ہے کیونکہ ہبہ عقد تبرع واحسان ہے پس متبرع کے ساتھ مکمل ہوجائے گا جیسے اصرار اور وصیت لیکن موہوب راس کا مالک قبول اور قبضہ سے ہوگا، اور مجلّہ میں دفعہ نمبر ۸۳۷ میں اس بات کی تصریح ہے کہ ہبہ ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے اور قبضہ سے مکمل ہوتا ہے اور جمہور کے ہاں ہبہ کے چار ارکان ہیں یعنی واہب، موہوب لہ موھوب اور صیغہ، رہ گیا واھب تو وہ مالک ہے جبکہ وہ صحیح مالک ہو لیکن اگر مریض نے ہبہ کیا پھر فوت ہوا تو اس کا ہبہ ثلث مال سے جمہور کے ہاں شمار ہوگا، اور موھوب لہ، ہر انسان ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ کوئی آدمی اپنا سارا مال کسی اجنبی کو ہبہ کردے، رہ گیا اپنی اولاد میں سے بعض کو دینا اور بعض کو نہ دینا یا بعض کو زیادہ، دینا ہبہ میں یہ جمہور کے ہاں مکروہ ہے، لیکن اگر اس نے دے دیا تو یہ جائز ہے۔ اور موھوب ہر مملوکہ چیز ہے۔ اور صیغہ والفاظ، پر وہ جو ایجاب وقبول کا تقاضا کریں چاہے قول ہو یا فعل جیسے لفظ ھد یہ ھبہ، عطیہ، نحلہ اور اس کے مشابہ۔

ایجاب یا تو صریح ہو جیسے واھب کہے یہ چیز میں نے آپ کو ہبہ کردی، یا جو صریح کے قائم مقام ہو جیسے میں تمہیں اس کا مالک بنا رہا ہوں یا یہ تمہاری ہے، وغیرہ یا تمہیں عطیہ کردیا، یا آپ کو ھد یہ ہے یا یہ کھانا تمہیں کھلاتا ہوں یا اس سواری پر آپ کو سوار کرتا ہوں اور اس سے ہبہ کی نیت کرے، کیونکہ کسی عین کا فی الحال مالک بنانا یا بغیر عوض کسی کو دنیا ہبہ کے معنی میں ہے، نیز اس لئے بھی کہ باقی الفاظ لوگوں کے عرف واستعمال میں فی الحال مالک بنانے پر دلالت کرتے ہیں۔

اور یہ مطلق ایجاب میں ہے، اگر اس میں کوئی قرینہ ہو پھر وہ قرینہ یا تو وقت ہوگا یا شروط یا منفعۃ۔

وہ ایجاب جو وقت کے قرینہ کے ساتھ مقرون ہو اس کی مثال، مثلاً کہے یہ گھر تمہیں بطور عمر دیتا ہوں یا یہ گھر عمر بھر تمہارے لئے ہے یا جتنی تمہاری عمر ہے یا تمہاری زندگی یا میری زندگی پس جب میں مرگیا تو یہ میرے ورثاء کا ہوگا، تو یہ ہبہ ہے اور موھوب لہ کے لئے اس کی زندگی میں ہوگا اور مرنے کے بعد اس کے ورثاء کا ہوگا کیونکہ تملیک صحیح ہے اور وقت کی قید لگانا باطل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اپنے مالوں کو اپنے پاس روکے رکھو ان کو عمر بھر کے لئے نہ دو پس اگر کسی نے عمر بھر کے لئے کوئی چیز دی تو وہ اسی کی ہے جس کو دی گئی، یعنی موھوب لہ کی ہے، نیز اس لئے بھی کہ شرط فاسد ہے ہبہ بالکل نہیں ہوتا برخلاف مالی عقود کے ان میں سے بیع ہی ہے کیونکہ معاوضات مالی شرط فاسد سے فاسد ہوجاتے ہیں کیونکہ بیع اور شرط سے منع کیا گیا ہے۔ رقبیٰ کی شرط سے مقرون ایجاب کی مثال مثلاً کہے یہ گھر آپ کے لئے بطور رقبیٰ ہے تو یہ اس کے قبضہ میں عاریت ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد کے ہاں جب بھی چاہے لے سکتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمریٰ کی اجازت دی اور رقبیٰ کو باطل قرار دیا نیز اس لئے بھی کہ یہ تملیک کو خطر وجوراور دم پر معلق کرنا ہے اور تملیکات تو وجود اور عدم کے خطر سے معلق نہیں ہوسکتی پس ہبہ صحیح نہ ہوا اور عاریت صحیح ہوگئی کیونکہ اس نے گھر اس کے حوالہ کردیا اور نفع اٹھانا مطلق رکھا اور یہی عاریت کا معنی ہے۔

امام ابویوسفؒ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں: جب اس نے اس پر قبضہ کرلیا تو یہ ہبہ ہے اور اس کے الفاظ رقبیٰ کے باطل ہیں اور ان کی دلیل بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے کہ آپ نے عمریٰ اور رقبیٰ کی اجازت دی، اور اس کا قول میرا گھر تیرا ہے تو یہ تملیک ہے عین کی نہ کہ منفعت کی، نیز یہ عمریٰ پہ بھی قیاس کرتے ہیں۔ اور مالکیہ، حنفیہ کی طرح عمریٰ کی اجازت دیتے ہیں اور رقبیٰ باطل قرار دیتے ہیں اور یہ عمری

کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ منفعت کی تملیک چاہے وزمین ہو کوئی اور چیز کسی کو اس کی زندگی تک بغیر عوض دینا، پس جب وہ مر گیا تو وہ چیز عمریٰ کرنے والے کی طرف واپس آجائے گی اگر وہ زندہ ہو ورنہ اس کے ورثاء کو ملے گی۔

خلاصہ...... یہ کہ اکثر علماء عمریٰ اور رقبیٰ دونوں کو جائز قرار دیتے ہیں کہ یہ دونوں ہبہ کی قسمیں ہیں اور ایجاب وقبول، قبضہ وغیرہ کی محتاج ہیں اور حنفیہ اور مالکیہ رقبیٰ سے منع کرتے ہیں، عمریٰ کو جائز قرار دیتے ہیں۔

منفعت سے مقترن ایجاب کی مثال...... مثلاً یہ کہے یہ گھر آپ کے لئے بطور رہائش ہے یا یہ بکری اور زمین وغیرہ آپ کو عطیہ ہے تو حنفیہ کے ہاں بالاتفاق یہ عاریت ہے کیونکہ جب اس نے رہائش کا ذکر کیا تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس نے منافع کی تملیک کا ارادہ کیا ہے اور منحہ نام ہی منافع کے خرچ کا ہے پس واجب اس نے اس کی اضافت کی جسے ہلاک کے لئے بغیر نفع نہیں اٹھایا جاسکتا جیسا کہ کھانا یا دودھ وغیرہ منحہ کرے تو یہ ہبہ ہوگا کیونکہ عین باقی رہتے ہوئے ان کی منفعت نہیں۔ اس فرق کی بنیاد پر حنفیہ کہتے ہیں کہ عین کی عاریت، منافع کی تملیک ہے، کیلی اور وزنی چیز کی عاریت قرض ہے جیسے درہم دینار وغیرہ اور یہ عین کی تملیک ہوئی، اور عاریت استعمال کے لئے ہوتی ہے اور قرض ہلاک کرنے کی عاریت ہے۔

اسی طرح اگر کہا یہ گھر آپ کے لئے رہائش اور عمریٰ ہے یا عمریٰ اور رہائش ہے تو یہ عاریت ہوگی کیونکہ جب اس نے سکنیٰ کا ذکر کیا تو یہ منافع کی تملیک پر دلالت ہے اور اس کا کہنا سکنیٰ یہ منفعت کے لئے وضع ہے صرف اسی لئے استعمال ہوتا ہے اور عمریٰ کا لفظ صفت ہے اور یہ موصوف کے لئے قید ہے تو یہ عاریت پر دال ہے، اسی طرح جب کہا ہبہ سکنیٰ ہے یا سکنیٰ ہبہ ہے تو یہ بھی عاریت ہے، کیونکہ ہبہ کے ذکر کے جب سکنیٰ ذکر کیا تو یہ ہبہ کی تفسیر ہے کیونکہ ھبہ، ھبۃ العین اور ہبہ المنافع دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔

پس جب سکنیٰ کیا تو اس نے ھبۃ المنافع کو متعین کردیا، کیونکہ یہ لفظ صنعت ہے اور صفت موصوف کے لئے قید ہوتی ہے۔

اگر کہا یہ گھر تمہارے لئے بطور عمریٰ ہے اس میں رہائش اختیار کرو یا صدقہ ہے رہائش اختیار کرو تو یہ ہبہ اور صدقہ ہوگا کیونکہ اس مثال میں ہبہ کی تفسیر صفت سے نہیں کی گئی، بلکہ گھر اس کو ہبہ کیا ہے پھر اس رات کی طرف اشارہ کیا اپنی ملکیت میں جس پر عمل کرے گا، اور غیر کی ملکیت میں مشورہ باطل ہے، پس یہ شرط فاسد ہوگی اور ہبہ شرط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا ہبہ عین سے متعلق ہوگیا اور رہ گئی اس کی یہ بات کہ ''تسکنھا'' تو یہ بمنزلہ تاکہ رہائش اختیار کرے، ہے جیسا کہ کہے تمہیں ہبہ کیا تاکہ اس کو اجرت پر دے۔ اور اگر کہا یہ تمہارے لئے ہبہ ہے اس میں رہائش اختیار کرو تو یہ بھی ہبہ ہوگا مثال سابق کی طرح۔

تیسری بحث: ہبہ کی شرطیں...... یہاں واہب کے لئے اور موہوب کے لئے شرائط میں حنابلہ نے گیارہ شرطیں ہبہ میں ذکر کی ہیں وہ یہ ہیں: جائز تصرف ہو، در مختار ہو ایسا مال ہو جیسے فروخت کرنا جائز ہو، بلاعوض ہو، ایسے شخص کو ہبہ کرے جو مالک بننے کی صلاحیت رکھتا ہو، قبول کرے، یا اس کا ولی قبول کرے اس میں وقت کی قید نہ ہو اور جائز التصرف کا مطلب ہے آزاد مکلّف اور سمجھدار ہو اور موہوب کا مال ہونا اختصاص کو نکالنے کے لئے ہے۔

اور صیغے کی شرطیں شوافع کے ہاں قبول ایجاب سے ملا ہوا ہو بغیر کسی فاصل کے اور کس شرط سے مقید نہ ہو کیونکہ ہبہ تملیک ہے اور تملیکات ایسی چیز جو معرض خطر میں ہو اس سے معلق نہیں ہوئیں اور وقت سے مقید نہ ہو جیسے شہر، سال، نیز ھبہ، بیع کی طرح مطلق اور ہمیشہ تملیک کا فائدہ دیتا ہے۔

واہب کی شرطیں...... واہب کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ تبرع کا اہل ہو عقل اور بلوغت سمجھداری کے ساتھ اور یہ شرط انعقاد ہے اس

لئے کہ ہبہ تبرع ہے پس بچے اور مجنون کا ہبہ جائز نہیں کیونکہ یہ دونوں تبرع کے مالک نہیں، اس لئے کہ یہ ان کے لئے ضرر محض ہے اسی طرح باپ بھی بچے کے مال کو بلاعوض ہبہ کرنے کا مالک نہیں، کیونکہ اس کی ولایت نفع میں ولایت قاصرہ ہے اور ہبہ تبرع ہے اس میں ضرر محض ہے لہٰذا اس کی جانب سے جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے ہاں والا عوض کے ساتھ بھی بچے کے مال کو ہبہ نہیں کر سکتا، کیونکہ ہبہ بشرط عوض قبضہ سے پہلے تبرع ہے اور پھر انتہاء بیع ہے یعنی قبضہ کے بعد اور والد تبرع کا مالک نہیں اور امام محمد کے ہاں بشرط عوض والد کا ہبہ جائز ہے، کیونکہ یہ بیع کے معنی میں ہے اور اعتبار معانی کا ہوتا ہے۔

موھوب کی شرطیں......موھوب میں چند شرطیں ہیں۔

۱......کہ موھوب بوقت ہبہ موجود ہو، لہٰذا جو چیز موجود نہ ہوگی بوقت عقد تو اس کا ہبہ درست نہیں مثلاً اس سال جو پھل کھجور پر لگیں گے وہ ہبہ کرنا یا اس سال بکریاں جو جنیں گی وہ ہبہ کرنا، کیونکہ یہ معدوم کی تملیک ہے پس عقد باطل ہوگا۔ یا بکری کے پیٹ میں جو کچھ ہے اسے ہبہ کرنا، اور ولایت کے وقت اسے مسلط کرنا، پس یہ ہبہ منعقد نہ ہوگا کیونکہ ہونے نہ ہونے دونوں کا احتمال ہے، کیونکہ بسا اوقات پیٹ بچے کی وجہ سے پھولا ہوا ہوتا اور کبھی کسی بیماری کی وجہ سے پھولا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر گندم آٹا یا تل میں تیل یا دودھ میں مکھن، یا زیتون میں تیل ہبہ کیا تو درست نہیں۔ اگرچہ ان چیزوں کے وجود میں آنے کے وقت وہ اسے قدرت کا دے دے تب بھی جائز نہیں کیونکہ فی الحال یہ معدوم ہے۔ اور معدوم ملک کا محل نہیں ہوتا پس عقد باطل ہوا نئے سرے کے علاوہ اس کا انعقاد نہیں ہوگا، رہ گیا تھنوں میں دودھ ہبہ کرنا یا بکری کی پیٹھ پر اون ہبہ کرنا، کھیتی اور کھجور زمین میں ہبہ کرنا، درخت کی کھجور ہبہ کرنا تو یہ ہبہ مشاع کی طرح ہے، فاسد ہوگا، اگر ان چیزوں کو جدا کر کے موھوب لہ کے سپرد کر دیا تو جائز ہے، کیونکہ موھوب موجود ہے اور فی الحال مملوک ہے، ہاں مانع کی وجہ سے نافذ نہیں ہوگا وہ مانع یہ ہے کہ غیر کے ساتھ مشغول ہے، پس جب اسے جدا کر دیا تو مانع زائل ہو گیا تو ہبہ جائز اور صحیح ہوگا، اس شرط میں حنابلہ اور شوافع، حنفیہ کے موافق ہیں ان نے کہا ہر وہ چیز جس کی بیع صحیح ہے اس کا ہبہ بھی صحیح ہے اور مالکیہ کے ہاں جس کی بیع صحیح نہیں اس کا ہبہ صحیح ہے، جیسے بھگوڑا اغلام، بدکا ہوا اونٹ اور شیء مجہول اور پھل پکنے سے پہلے، اور غصب شدہ چیز۔

۲......مال متقوم ہو، پس جو چیز بالکل مال نہ ہو اس کا ہبہ صحیح نہیں ہوگا۔ جیسے آزاد آدمی، مردار، خون، حرم کا شکار، اور احرام وغیرہ اور جو چیز متقوم نہیں جیسے شراب۔

۳......فی نفسہ مملوک بھی ہو، لہٰذا مباح چیزوں کا ہبہ منعقد نہیں ہوگا یہ سابقہ ساری شرطیں انعقاد کی تھیں۔

۴......واھب کی ملکیت میں ہو۔ غیر کے مال کا ہبہ اس کی اجازت کے بغیر منعقد نہ ہوگا کیونکہ جو چیز مملوک نہیں اس کی تملیک محال ہے حنفیہ کے ہاں یہ شرط نفاذ ہے، اس شرط کی بنا پر حنفیہ کے ہاں مملوک کا ہبہ جائز ہے چاہے عین ہو یا دین پس جس پر دین ہے اسے اس کا ہبہ کرنا جائز ہے کیونکہ جو چیز ذمہ میں ہوتی ہے وہ سپرد کرنے اور قید کرنے کی قدرت میں ہے کیونکہ عین کا قبضہ جو چیز بذمہ ہے اس کے قبضہ کے قائم مقام ہے، جیسے جس پر دین ہے اس کے علاوہ کسی کو وہ چیز ہبہ کرنا جائز ہے اگر صراحۃً اسے قبضہ کی اجازت دی ہو۔

۵......جدا اور الگ ہو مشاع نہ ہو: پس حنفیہ کے ہاں مشاع اور مشترک چیز کا ہبہ درست نہیں جبکہ وہ تقسیم کا احتمال رکھتا ہو جیسے گھر اور منزلیں لیکن ہبہ فاسد ہوگا اور تقسیم کر کے سپرد کر دیا تو ہبہ جائز ہے اور یہ ہبہ کے صحت کی شرط ہے۔

اور جائز ہے ہبہ اس چیز کا جو مشترک ہو اور تقسیم اس کی نہ ہو سکتی ہو جیسے گاڑی، حمام چھوٹا گھر اور جواہرات اور اس کے ہبہ کا جواز ضرورت کی وجہ سے ہے کیونکہ کبھی ان اشیاء میں سے بعض کے ہبہ کی ضرورت پیش آتی ہے اور قبضہ کی جگہ تخلیہ ہی کافی ہے پہلی حالت کی دلیل یہ ہے کہ ہبہ میں قبضہ رہن کی طرح شرط ہے کما سائبین اور اشتراک قبضہ سے مانع ہے۔ اس لئے کہ مشترک نصف میں تصرف کرنا متصور نہیں، اس لئے

کہ مشاع گھر کے نصف میں رہائش مال ہے اور اس میں تصرف، کل میں تصرف کے بغیر ممکن نہیں اور عقد سارے گھر کو شامل نہیں پس موہوب کی تقسیم نہ ہونا قبض کی صحت سے مانع ہے اور مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں مشاع کا ہبہ جائز ہے جیسے بیع اس لئے کہ ہبہ مشاع میں قبضہ، بیع مشاع میں قبضہ کی طرح درست ہے اور اس کے قبضہ کی صفت پر ہے کہ واہب تمام چیزیں موہوب لہ کو سپرد کر دے اور وہ اس سے اپنا حق وصول کرلے اور اس کے شریک کا حصہ اس کے قبضہ میں ودیعت کی طرح ہوگا۔ اور اس پر دلیل سنن میں سے یہ ہے کہ ھوازن کا وفد جب آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے مال غنیمت کی واپسی کا مطالبہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ میرے پاس ہے اور جو کچھ بنی عبدالمطلب کے پاس ہے وہ تمہارا ہے، یہ مشاع کا ہبہ ہے اور ایک شخص کا اپنے مال کے حصہ کو غیر متعین طور پر ہبہ کرنا ہے یا جس چیز کے دو تین مالک ہوں اسے ہبہ کرنا۔ یہی اختلاف غنی پر مشاع چیز کے صدقہ میں بھی ہے کیونکہ اسے صدقہ کرنا ہبہ ہے رہا دس کو دو مسکینوں پر صدقہ کرنا تو یہ جائز ہے کیونکہ صدقہ متصدق سے اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے نہ کہ فقیر کے لئے پس اس میں شیوع مستحق نہیں ہوگا۔

حنفیہ کے قاعدے کے موافق کہ ''ایسی مشاع چیز جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہو اس کا ہبہ جائز نہیں'' اس پر درج ذیل امور مرتب ہوتے ہیں: دو بندوں کو ہبہ کرنا: اگر ایک شخص ایک گھر دو آدمیوں کو ہبہ کرے یا ایک مد گندم یا ایک ہزار درہم وغیرہ جو کہ تقسیم ہو سکتے ہیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں یہ درست نہیں جبکہ صاحبین کے ہاں درست ہے، یہی اختلاف جاری ہوتا ہے اس صورت میں کہ جب ایک شخص ایک تو دو آدمیوں کو ہبہ کردے اور کہے کہ تم دونوں کو میں نے یہ گھر ہبہ کیا اس کے لئے نصف اور اس کے لئے نصف۔ اس میں اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ قبضہ کے وقت شیوع کا اعتبار کرتے ہیں کہ یہ صحت ہبہ سے مانع ہے۔ اور صاحبین شیوع عقد اور قبضہ دونوں کے وقت مانع صحت ہبہ ہے، اسی بناء پر دو آدمیوں کا ایک کو ہبہ کرنا بالاتفاق جائز ہے کیونکہ قبضہ کے وقت شیوع نہیں امام صاحب کے ہاں اور دونوں حالتوں میں شیوع نہیں صاحبین کے ہاں کیونکہ شیوع صرف عقد کے وقت پایا گیا قبضہ کے وقت نہیں پایا گیا۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں ایک جب دو کو ہبہ کرے تو یہ جائز نہیں، کیونکہ قبضہ کے وقت شیوع پایا جا رہا ہے، اور صاحبین کے ہاں یہ جائز ہے، اس لئے کہ عقد اور قبضہ دونوں حالتوں میں شیوع نہیں اور جب گھر کے ہبہ میں کہے کہ میں تجھے یہ گھر آدھا ہبہ کرتا ہوں اور آدھا دوسرے کو تو یہ بالاتفاق جائز نہیں کیونکہ شیوع عقد میں داخل ہے جواز کے لئے مانع ہے بہر خلاف مثال سابق کے ''تم دونوں کو یہ گھر ہبہ کرتا ہوں آدھا اس کا آدھا تمہارا، یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں جائز نہیں صاحبین کے ہاں جائز ہے کیونکہ اس کا یہ کہنا نصف اس کا نصف اس کا یہ عقد کی تفسیر نہیں بن سکتا، کیونکہ عقد تو ان دونوں کی تملیک کا ہوا ہے بلکہ یہ عقد سے ثابت حکم کی تفسیر ہے پس یہ عقد میں شیوع ثابت نہیں کرتا۔

اگر اس نے کہا'' میں نے دونوں کو یہ گھر ہبہ کرتا ہوں اس کا ثلث اور اس کا دوثلث تو شیخین کے ہاں یہ عقد جائز نہیں، امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں جائز ہے، امام ابوحنیفہ تو مثال سابق کی طرح کہتے ہیں اور امام محمد بھی مثال سابق کی طرح کہ عقد جب دو کے لئے جائز ہے اس میں تساوی اور تفاضل دونوں حالتیں برابر ہیں حصہ داروں کے اعتبار سے جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے، رہ گئے امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس قاعدے کی مخالفت کی ہے تفاضل کی صورت میں کیونکہ مطلق عقد تفاضل کا احتمال نہیں رکھتا، پس دو حصہ داروں میں سے ایک کو فضیلت عقد کو مفرد کے دینے کے مترادف ہے۔ تو یہ مشاع کا ہبہ ہوا پس اس کے قول ثلث اس کا اور دوثلث اس کا کو حکم ثابت کی تفسیر قرار دینا متعذر رہے بر خلاف تساوی کی حالت کے۔ خلاصہ یہ کہ قبضہ کے وقت شیوع مانع ہبہ ہے البتہ عقد کے وقت مانع نہیں، اسی طرح شیوع طاری ہبہ کو فاسد نہیں کرتا۔

۶.....موہوب غیر ممتاز ہو اس سے متصل بھی نہ ہو اور موہوب کے علاوہ سے مشغول نہ ہو، کیونکہ قبضہ کا مطلب و مقصد شی مقبوض میں تصرف کی قدرت کا ہونا، موہوب کے غیر کے ساتھ مشغول ہونے سے متحقق نہیں ہوتا یہ شرط بھی ہبہ کی سحت کے لئے ہے۔ اسی بناء پر اگر کسی شخص نے زمین ہبہ کی اس میں واہب کی کھیتی ہے اور کھیتی ہبہ نہ کی یا کھیتی ہبہ کی زمین نہ کی یا کھجور ہبہ کی پھل ہبہ نہ کیے یا پھل ہبہ کیے درخت ہبہ نہ کیا تو یہ جائز نہیں اگر چہ موہوب پر قبضہ بھی ہو اور یہ ہبہ فاسد ہوگا، اگر اس نے پھل اتار لئے اور کھیتی کاٹ لی پھر فارغ زمین وغیرہ سپرد کی تو

یہ جائز ہے کیونکہ نفاذ حکم سے مانع ثبوت مالک ہے جو کہ زائل ہے اسی طرح اگر گھر ہبہ کیا اور اس میں واھب کا سامان ہے یا کوئی برتن ہبہ کیا جس میں واھب کا سامان ہے۔ یا سواری ہبہ کی اور اس پر بوجھ ہے واھب کا اور موھوب پر قبضہ بھی ہو گیا پھر بھی جائز نہیں واھب کی ملکیت موھوب لہ کی طرف منتقل نہ ہوگی۔ کیونکہ موھوب مشغول ہے غیر کے کام میں یہ بمنزلہ مشاع کے ہبہ کے ہے اس صورت میں ہبہ فاسد ہوگا، اگر موھوب کو غیر سے جدا یا پھر اس کے سپرد کیا تو یہ جائز ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ مشغول چیز کا ہبہ صحیح نہیں برخلاف شاغل کے اسی طرح متصل چیز کا ہبہ اتصال کے ساتھ فصل کے امکان کے باوجود جائز نہیں۔

مسئلہ: پیٹ میں موجود چیز کا استثناء.....اس شرط سابق پر متفرع ہے وہ چیز جو قیاس کا مقتضی ہے، کہ اگر کسی نے جانور ہبہ کیا اور جو کچھ اس کے پیٹ میں ہے اسے ہبہ نہ کیا تو یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ غیر سے مشغول چیز کا ہبہ ہے۔ البتہ استحساناً کہتے ہیں جانور اور بوجھ کا ہبہ درست ہے اور استثناء باطل ہوگا اس مسئلہ کی تین قسمیں ہیں۔

۱.....ایک قسم وہ ہے جس میں عقد فاسد ہو جاتا ہے، یعنی اس میں تصرف جائز نہیں ہوتا۔

وہ بیع اجارہ اور رہن ہے پس جب مال پر عقد کیا، حمل کا نہ کیا ان عقد میں سے کسی عقد کے ساتھ تو عقد فاسد ہوگا استثناء باطل ہو جائے گا، کیونکہ حمل، ماں کے تابع ہے۔ تو اسکا استثناء بعض کا اخراج ہے جس کا عقد تقاضا کرتا ہے، کیونکہ عقد ام اور اس کے بچے دونوں میں ثابت ہے اور قاعدہ ہے کہ مالی معاوضات میں شرط فاسد عقد فاسد کر دیتی ہے۔

۲.....ایک قسم وہ ہے جس میں عقد صحیح ہوتا ہے اور شرط واستثناء باطل ہوتے ہیں اور وہ نکاح خلع صلح دم عمد اور ھبہ، کیونکہ عقد کا موجب یہ ہے کہ حکم کل عقد میں ثابت ہو جب اس نے بعض کو مستثنیٰ کر دیا ہے، پس یہ شرط فاسد ہوئی اور قاعدہ ہے کہ شرط فاسد تبرعات، توثیقات اور نکاح کو باطل نہیں کرتی بلکہ عقد صحیح ہوتا ہے اور شرط لغو اور باطل، پس اس صورت میں ہبہ شرط فاسد سے باطل نہیں ہوگا۔ اور اس میں اصل اور دلیل ہبہ کی نسبت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمریٰ کی اجازت مرحمت فرمائی اور معمر کی شرط باطل قرار دی اور یہ بھی کے برخلاف ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔

۳.....ایک قسم وہ ہے جس میں شرط واستثناء اور عقد دونوں صحیح ہیں جیسے وہ گھوڑی کی وصیت کرے اور اس کے حمل کو مستثنیٰ کرے تو گھوڑی میں وصیت درست ہوگی اور حمل موصی کے ورثاء کے لئے ہوا، اس لئے کہ حمل وصیت میں علیحدہ ہے یہاں تک کہ اسے وصیت میں الگ کرنا درست ہے پس اس کا استثناء بھی جائز ہے، کیونکہ وصیت اور ایصاء کا عقد صرف مستقبل کی طرف مضاف ہوتا ہے اور شئی موصیٰ بہ میں ملکیت وفات موصی کے بعد ہی ثابت ہوتی ہے۔

۴.....ساتویں شرط موھوب پر قبضہ ہے۔ یہ شروط میں سے اہم شرط ہے یہ شرط لزوم اور تمام ہبہ ہے، اور نہ شرط صحت اور بعض حنابلہ کے ہاں یہ رکن ہے اور ابن عقیل کے ہاں جیسا کہ پہلے گذرا۔ ہبہ میں قبضہ یہ کہ شئی موھوب مقبوض ہو موھوب کی ملکیت قبضہ سے پہلے ثابت نہیں ہوتی بلکہ ہبہ قبضہ کے بغیر متحقق ہی نہیں ہوتا قبضہ سے ہبہ پایا جاتا ہے اور قبضہ حنفیہ کے ہاں ہبہ کے آثار کے مولد ہے۔ میں یہاں قبضہ کے متعلق بات کروں گا کہ آیا فقہاء کے ہاں شرط ہے یا نہ۔

قبضہ کی شرط کی نوعیت.....فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ حنفیہ اور شوافع کے ہاں قبضہ لزوم ہبہ کے لئے شرط ہے، موھوب لہ کی ملکیت قبضہ سے پہلے ثابت نہیں ہوگی، دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے لئے بیس وسق مال عطیہ کیا پس جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے فرمایا اے میری بیٹی میرے بعد لوگوں میں

سب سے زیادہ محبوب مجھے تو ہے۔ اور فقر کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے عزت والی تو ہے اور میں نے اپنے مال سے تمہیں بیس وسق مال عطیہ اور ہبہ کیا ہے اگر آج آپ اس پر قبضہ کر لیں اور اسے سنبھال لیں تو وہ تمہارا ہے ورنہ پھر وفات کے بعد وہ وارثوں کا ہوگا اور وہ دونوں تمہارے بھائی اور تمہاری بہن ہے اسے اللہ کی کتاب کے مطابق تقسیم کر لینا وہ فرماتی ہیں یہ دونوں میرے بھائی ہیں اور بہن اسماء دوسری کون تو وہ بنت خارجہ ہو سکتی ہیں، میرا خیال ہے وہ لڑکی ہوں گی۔

یہ نص ہے لزوم ہبہ کے لئے قبضہ شرط ہونے میں، اور یہ کہ ہبہ میں قبضہ سے بندہ مالک ہوتا ہے ان کے اس ارشاد کی وجہ سے ”لو كنت جددتيه و أحر ذتيه لكان لك“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے” کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے وہ اپنی اولادوں کو ہبہ کرتے ہیں پھر اسے اپنے پاس دو کے رکھتے ہیں اگر ان میں سے کسی لڑکا فوت ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں میرا مال میرے قبضہ میں ہے وہ کسی اور کو نہیں دیتے اور اگر وہ خود مر جائے تو وہ اس کے بیٹے کا ہوتا ہے کہ میں نے اسے ہبہ کر دیا تھا، پس جو شخص بھی ہبہ کرے موہوب لہ نے اگر اس پر قبضہ نہ کیا اور وہ شخص مر گیا تو یہ ورثاء کا ہوگا اور ہبہ باطل ہوگا۔“ یہی حضرت عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے خلاصہ یہ کہ خلفائے راشدین اس بات پر متفق ہیں کہ ہبہ قبضہ کے بغیر جائز نہیں۔ اور حنابلہ کے ہاں امام احمد سے راجح روایت کے مطابق کہ قبضہ شرط ہے صحت ہبہ کے لئے کیلی اور وزنی چیزوں میں کیونکہ صحابہ کا اجماع ہے اور اس سے ظاہر ہو گیا کہ قبضہ شرط ہونے سے مراد شرط لزوم ہے، دلیل ابن قدامہ کا قول ہے: کیلی اور وزنی چیز میں صدقہ اور ہبہ لازم نہیں ہوتا قبضہ کے بغیر یہی اکثر فقہاء کا قول ہے۔ رہ گئی غیر کیلی اور غیر وزنی اشیاء تو ان میں صرف عقد کرنے ہی سے ہبہ لازم ہو جاتا ہے اور شئی موہوب لہ میں ملکیت ثابت ہو جاتی ہے قبضہ سی پہلے بھی، حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، ہبہ جائز ہے جبکہ معلوم ہو چاہے قبضہ ہو یا نہ ہو۔

مالکیہ کی ہاں صحت ہبہ کے لئے قبضہ شرط نہیں اور نہ لزوم ہبہ کے لئے بلکہ یہ اس کے اتمام کے لیے شرط ہے، یعنی اکمال فائدہ کے لئے مطلب یہ کہ موہوب صرف عقد ہی کی وجہ سے مالک ہو جائے گا مشہور قول کے مطابق، قبضہ اور حفاظت ہبہ کی تقسیم کے لئے ہے۔

اور واھب پر جبر کیا جائے گا موہوب لہ کو موہوب پر قدرت کے لئے، ان کی دلیل ہبہ کو بیع اور باقی دوسری تملیکات کے ساتھ قیاس کرنا ہے اور اصحاب کے قول” ہبہ جائز ہے جب معلوم ہو چاہے قبضہ ہو یا نہ ہو۔“

خلاصہ یہ کہ مالکیہ کے علاوہ باقی فقہاء کے ہاں قبضہ کے بعد ہبہ میں تملیک ہو اور ملکیت آتی ہی عقد سے نہیں اور مالکیہ کے ہاں عقد سے مالک ہو جاتا ہے۔

۸.....جمہور علماء کے ہاں صحت قبضہ کے لئے واھب کی اجازت شرط ہے پس اگر اس کی اجازت کے بغیر قبضہ کیا تو مالک نہیں ہوگا، اور وہ اس کے ضمان میں داخل ہو جائے گا، کیونکہ سپرد کرنا واھب کی طرف سے نہیں لہٰذا اس کی اجازت کے بغیر سپردگی صحیح نہیں نیز قبضہ کی اجازت صحت قبضہ کے لئے شرط ہے بیع میں تو ہبہ میں بدرجہ اولیٰ شرط ہے۔ کیونکہ اس میں قبضہ شرط صحت ہے، بیع کے برعکس البتہ حنفیہ کے ہاں قیاس یہ ہے کہ ہبہ میں قبضہ واھب کی اجازت کے بغیر نہ ہونا چاہئے، چاہے مجلس عقد میں قبضہ تمام ہو یا افتراق کے بعد اور استحسان یہ ہے کہ موہوب لہ جب قبضہ کرے مجلس عقد میں واھب کے حکم کے بغیر تو یہ جائز ہے اور اگر قبضہ کرے جدائی کے بعد تو واھب کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

قیاس کی وجہ یہ ہے کہ قبضہ واھب کی ملکیت میں تصرف ہے، کیونکہ قبضہ سے پہلے اس کی ملکیت باقی ہے، اس کی اجازت کے بغیر صحیح نہ ہو اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ ہبہ میں قبضہ بمنزلہ قبول ہے کیونکہ اسی پر ثبوت ملک موقوف ہے اور ہبہ سے مقصود بھی اثبات ملک ہے پس واھب کی جانب سے ایجاب موہوب لہ کو قبضہ کا تسلط دینا ہے پس یہ دلالۃ اجازت ہے باقی اس کو مجلس کے ساتھ مقید کیا کیونکہ تسلط اسی میں ثابت ہوا ہے قبول سے الحاق کرتے ہوئے اور قبول مجلس سے مقید ہے پس اس کے ملحقات کا حکم بھی یہی ہے۔

مالکیہ کے ہاں......واہب کی اجازت کے بغیر بھی قبضہ درست ہے اور واہب پر موھوب لہ کو سپرد کرنے کے لئے زبردستی کی جائے گی جہاں بھی وہ طلب کرے کیونکہ ہبہ ایجاب ہوگیا۔

حنفیہ کے مذہب کے مطابق اگر کسی نے کسی کو کپڑا ہبہ کیا یا کوئی عین چیز الگ اور تقسیم شدہ اور اس کو قبضہ کی اجازت نہ دی موھوب لہ نے اس پر قبضہ کرلیا اگر واہب کی موجودگی میں ایسا ہوا تو یہ استحساناً جائز ہے جبکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جائز نہ ہو جدائی کے بعد یہی امام زفر کا قول ہے، کیونکہ قبضہ ان کے ہاں رکن ہے اور بمنزلہ قبول ہے اثبات حکم کے حق میں پس مجلس سے جدائی کے بعد قبضہ جائز نہیں جیسے قبول جائز نہیں، اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ قبضہ کی اجازت بطریق دلالت پائی گئی کیونکہ ایجاب قبضہ کی اجازت ہی ہے۔رہ گیا جس پر دین ہو اسے دین کے علاوہ کسی دوسرے کو ہبہ کرنا تو اس میں قبضہ کی صراحت اجازت ضروری ہے صرف دلالۃً اذن کافی نہیں ہبہ عین اور ہبہ دین میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ ہبۃ العین میں ایجاب دلالۃ قبضہ کی اجازت یہ دلالت کررہا ہے کیونکہ اس کا مقصد اس چیز کی تملیک ہے جو موھوب لہ کی ملک ہے۔

اور ہبۃ الدین میں ایجاب سے یہ دلالت حاصل نہیں ہوتی کیونکہ دلالت موقوف ہے مالک بنانے کے مقصد پر اور دین کا مالک سے بنانا جس پر دین نہیں صریح اذن کے بغیر اس میں قبضہ متحقق نہیں ہونا، کیونکہ صراحت کی وجہ سے اس کا قبضہ واجب کے قبضے کے قائم مقام ہوجائے گا تو شئی مقبوض پہلے اس کی ملک ہوگی پھر موھوب لہ کی۔اس صورت پر واجب اپنی ملکیت کو ہبہ کرنے والا ہوگا اور موھوب لہ اس کی ملکیت پر قبضہ کرنے والا ہوگا۔اور ھبۃ الدین کو اسے دینا جب یہ دین نہیں استحساناً ثابت ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کو دینار ہبہ کیا جو کسی تیسرے شخص پر تھا اور اسے قبضہ کا حکم دیا اس نے فعلاً اس پر قبضہ کرلیا، تو استحساناً یہ جائز ہے کیونکہ اس نے اسے قبضہ میں اپنا نائب بنایا ہے، پس موھوب لہ کا قبضہ واجب کے قبضہ کی طرح ہوا، البتہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو، یہی امام زفر کا قول ہے کیونکہ حنفیہ کے ہاں دین مال نہیں اگر کسی نے قسم اٹھائی کے اس کے پاس مال نہیں اور اس کا کسی پر قرض (دین) تھا تو یہ اپنی قسم میں حانث نہیں ہوگا اور ہبہ مال کے مالک بنانے کے لئے عقد مشروع ہے جب اس اضافت ایسی چیز کی طرف کی جو مال نہیں تو درست نہیں۔

حنفیہ اور شوافع کے ہاں دو شرطیں اور بھی ہیں قبضہ کی صحت کے لئے اور وہ اہلیت قبضہ عقل کے ساتھ حنفیہ کے ہاں اور عقل اور بلوغ شوافع کے ہاں ان کے ہاں بچے اور مجنون کا قبضہ درست نہیں، کیونکہ قبضہ ولایت باب میں سے ہے جبکہ نابالغ اور غیر عاقل کی اپنے نفس اور مال پر ولایت نہیں ہوتی اور دوسری شرط کہ موھوب غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو جو موھوب نہیں، کیونکہ قبضہ کا مطلب شیءمقبوض میں تصرف کی قدرت ہونے اور یہ چیز کے غیر کے ساتھ مشغول ہونے میں نہیں پائی جاتی اور حنفیہ نے ایک تیسری شرط کا جو اضافہ کیا ہے کہ موھوب غیر سے جدا اور ممتاز ہوتا کہ موھوب لہ کو قبضہ کی قدرت ہو ان کے ہاں مشاع کا ہبہ درست نہیں کی نقد۔

قبضہ کی قسمیں......ہبہ کے قبضہ کی حنفیہ کے ہاں دو قسمیں ہیں:

۱......بطریق اصالت   ۲......بطریق نیابت۔

قبضہ بطریق اصالت یہ ہے کہ وہ خود اپنے لئے قبضہ کرے اس کے جواز کے لئے صرف عقل شرط ہے پس غیر ممیّز بچہ اور مجنون کا قبضہ درست نہیں۔رہ گیا بلوغ تو استحساناً یہ صحت قبضہ کے لئے شرط نہیں پس عاقل بچے کا قبضہ صحیح ہے۔قیاس کا تقاضا اور حنفیہ کے علاوہ باقی فقہاء کی رائے بھی یہی ہے کہ بلوغ شرط ہونا چاہئے کیونکہ قبضہ ولایت کی اقسام میں سے ہے اور بچے کی اپنے نفس پر دلالت نہیں پس ہبہ میں اس کا قبضہ جائز نہیں جیسے کہ بیع میں جائز نہیں، اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ ہبہ کا قبضہ نفع محض والے تصرفات میں سے ہے جس کا بچہ بھی مالک ہے۔رہ گیا بطور نیابت قبضہ تو اس کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم قابض کی طرف لوٹتی ہے اور ایک قسم قبضہ کی طرف۔

نیابت کی پہلی قسم......بچے کے لئے قبضہ کرنا، اس کے جواز کی شرط ولایت کا ہونا، یا عیال کا ہونا یعنی بچہ کسی کے عیال میں ہو اور اس

کی نگرانی اور آیت میں ہو جب ولی نہ ہو، اگر کسی اجنبی نے کسی بچے کو کوئی چیز ہبہ کی اس کی ولی نے حنفیہ کے ہاں اس ترتیب سے قبضہ کیا والد، پھر اس کا وصی، دادا پھر اس کا وصی ان میں سے اگر کوئی غائب ہو غیبت منقطع کے طور پر تو ولایت ابعد کی طرف چلی جائے گی جیسے کہ ولایت نکاح میں کیونکہ غائب کے آنے تک تاخیر بچے کی منفعت کے فوت ہونے تک لے جائے گی لہٰذا ولایت قریب کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ اسی بناء پر اگر ان اولیاء میں سے کسی نے بچے کو کوئی چیز ہبہ کی اور مال ان کے ہاتھ میں ہو تو ہبہ صحیح ہے۔

اور بچے کے لئے قبضہ کرنے والے ہوں گے، اسی طرح جب والد نے فروخت کیا اپنا مال بچے کو پھر مبیع ہلاک ہو گیا۔ بیع کے بعد تو ہلاک بچے کا مال ہوگا کیونکہ والد کے قبضہ کی وجہ سے وہ قبضہ کرنے والا ہو گیا۔

اگر چھوٹے بچے عاقل نے قبضہ کیا جو ان اولیاء میں سے کسی ایک نے اس کو ہبہ کیا استحساناً اس کا قبضہ جائز ہے جبکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جائز نہ ہو کمـــا تبلین چار مذکورہ اولیاء کے علاوہ ان کی موجودگی میں کسی غیر کا قبضہ کرنا چاہئے وہ اجنبی ہو یا ذی رحم محرم ہو جیسے بھائی چچا اور ماں، کیونکہ انہیں بچے کے مال میں تصرف کا اختیار نہیں۔ اگر ان چار سرپرستوں کے میں سے کوئی نہ ہو تو اس کا ہبہ پر قبضہ جائز ہے جس کی پرورش میں بچہ ہو استحساناً اور قیاس یہ ہے کہ جائز نہ ہو چاہئے ولایت نہ ہونے کی وجہ سے استحساناً اس وجہ سے جائز ہے کہ وہ ان کی پرورش اور دیال میں ہے، لہٰذا اس پر انہیں ایک قسم کی ولایت حاصل ہے اس لئے کہ وہ اسے تالیف سکھاتے ہیں اور اس کے لئے وہ کام کرتے ہیں جس میں منفعت ہو اور ہبہ میں بچے کے لئے صرف نفع ہی نفع ہے تو یہ حفاظت کے قبیل سے ہے۔

نیابت کی دوسری قسم...... وہ ہے جو قبضہ کی طرف لوٹتی ہے کہ اسباب میں سے کسی سبب قبضہ کا موجود ہونا یہ ہبہ کے قبضہ کا قائم مقام ہے چاہے ہبہ کے قبضہ کے مثل ہو یا اس سے قوی ہو اس کی تفصیل یہ ہے کہ۔

الف...... جب موھوب، موھوب لہ کے پاس ودیعت یا عاریت کی طور پر ہو اور اس نے اسے ہبہ کر دیا تو یہ ہبہ جائز ہے، عقد کے بعد استحساناً دوبارہ قبضہ کی تجدید کی ضرورت نہیں، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک قبضہ کی تجدید ہو جائے اسے قابض شمار نہ کیا جائے وہ یہ کہ موھوب لہ اور موھوب کے درمیان عقد کے بعد تخلیہ ہو، کیونکہ ودیعت کا قبضہ صورۃً ہوتا اور حقیقۃً وہاں مودع کا قبضہ ہی ہے تو گویا مال اس کے قبضہ میں ہے لہٰذا قبضہ کی تجدید کی ضرورت ہے۔ اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ ھبہ، ودیعت اور عاریت کا قبضہ قوت میں متماثل ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا قبضہ امانت ہے مضمون نہیں، اس لئے کہ ہبہ عقد تبرع ہے، عاریت اور ودیعت اسی طرح ہیں پس دونوں قبضے متماثل ہیں، پس ان میں سے ایک دوسرے کا قائم مقام ہے۔

ب...... اور اگر موھوب، موھوب لہ کے قبضہ میں ہو اور مضمون ہو، جیسے مغصوب اور مقبوض علی سوم الشراء اور بیع فاسد کا قبضہ اب اس نے اسے ہبہ کر دیا تو ہبہ صحیح ہے اور ضمان سی بری ہوگا، کیونکہ ضمان کا قبضہ امانت کے قبضہ سے قوی ہوتا ہے، یہ اس کا نائب ہے اس لئے کہ قبضہ کا عقد کی وجہ سے استحقاق ہے اور ضمن کی زیادتی۔

ج...... اگر موھوب، موھوب لہ کے قبضہ میں غیر مضمون ہو جیسے مرہون، دن سے مضمون اور بیع ثمن سے مضمون اب اس کے مالک نے صاحب قبضہ کو ہبہ کر دیا تو امام کرخی رحمہ اللہ کے ہاں جب تک تجدید قبضہ نہ ہو وہ قابض شمار ہوگا کیونکہ یہ قبضہ رہن یا بیع کا ہے اور اگر چہ یہ قبضہ ضمان کا ہے، لیکن یہ ضمان ہے اس سے برائت صحیح نہیں پس ہبہ سے ابراء کا احتمال نہیں، تا کہ امانت کا قبضہ ہو جائے پس دونوں قبضے متماثل ہو گے، اس وقت سوم شراء ہے اس لئے کہ یہ ضمان ایسا ہے جس سے برأت صحیح ہے پس ہبہ سے بری ہو جائے گا اور قبضہ بغیر ضمان باقی رہے گا پس دونوں قبضے متماثل اور ایک دوسرے کے قائم مقام ہوئے جامع الصغیر اور بدائع میں ہے کہ یہی ارجح ہے کہ موھوب لہ مضمون لغیرہ اور قابض ہوگا، اس لئے کہ ضمان کا قبضہ، امانت کے قبضے سے قوی ہے، اقویٰ، ادنی کا نائب ہو سکتا ہے۔

چوتھی بحث: ہبہ کا حکم:

حکم ہبہ کی اصل...... یہ کہ موہوب میں موہوب لہ کی ملکیت بغیر کسی عوض کے ثابت ہونا اور حکم ہبہ کی صفت حنفیہ کے ہاں موہوب لہ کی ملکیت کا ثبوت غیر لازم ہوتا ہے لہٰذا اس سے رجوع اور اس کا فسخ درست ہے بدلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

واہب اپنے ہبہ کا زیادہ حق دار ہے جب تک کہ اس کا عوض نہ لے لے، پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واہب کو اپنے ہبہ کا عوض نہ ملنے تک حق دار ٹھہرایا ہے اور یہ نہیں ہے اس حکم کے لئے، جب تک عوض نہ لے لے اس وقت تک رجوع کرنا صحیح ہے اگر چہ قبضہ مکمل بھی ہو گیا ہو، یہاں رجوع سے چند موانع بھی ہیں جسے عنقریب ذکر کیا جائے گا، البتہ رجوع ہے مکروہ، اس لئے کہ یہ گھٹیا حرکت ہے اور موہوب لہ کو یہ اختیار بھی ہے کہ وہ واپس کرنے سے روکے، نیز باہمی رضامندی یا قضاء قاضی کے بغیر رجوع صحیح نہیں، کیونکہ عقد کے بعد رجوع فسخ ہے تو یہ قبضہ کے بعد عیب کی وجہ سے فسخ کی طرح ہو گیا اور رضامندی سے ہبہ میں رجوع اقالہ شمار ہوتا ہے۔

مالکیہ کے ہاں...... صرف عقد ہی کی وجہ سے ہبہ میں ملکیت ثابت ہو جائے گی اور قبضہ سے لازم ہو جائے گا اس کے بعد رجوع جائز نہیں البتہ قبضہ سے پہلے یا بعد میں صرف ہبہ کرنے والا اگر باپ ہے تو اس کے لئے صحیح ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو ہبہ کی ہوئی چیز سے رجوع کر لے جب تک کہ اس پر کسی غیر کا حق نہ ہو مثلاً وہ شادی کروا دے، یا دین دے دے اور مالکیہ کے ہاں ہبہ میں رجوع اعتصار فی الھبۃ کہلاتا ہے۔

اعتصار یا رجوع ہبہ میں مالکیہ کے ہاں اگر والد اپنے بیٹے سے کرے تو اس میں پانچ شرطیں ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ ہبہ کے بعد بیٹا اس کی شادی نہ کروا دے، قرض مدت مقررہ کے لئے نہ دے دے، موہوب اپنی حالت سے تبدیل نہ ہو موہوب لہ و موہوب میں کوئی جدت پیدا نہ کرے واجب یا موہوب لہ بیمار نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی چیز بھی پائی گئی تو اس میں رجوع نہیں ہو سکتا، اور یہ محبت والے ہبہ میں ہے۔ لیکن وہ ہبہ جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر ہو جسے صدقہ کہتے ہیں، تو اس میں کسی صورت میں بھی رجوع اور اعتصار نہیں ہو سکتا، اور واہب کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اس میں خرید کر یا کسی دوسرے طریقہ سے رجوع کرے، اگر درخت ہے تو اس کے پھل نہ کھائے اور اگر کوئی سواری ہے تو اس پر سوار نہ ہو سوائے اس کے اسے وہ میراث میں ملے، اور رہ گیا ثواب والا ہبہ کو موہوب لہ اسے بدلہ دے گا تو مالکیہ کے ہاں یہ جائز ہے اور موہوب لہ کی قبول کرنے اور رد کرنے کا اختیار ہے اگر اس نے قبول کر لیا تو اس پر موہوب کی قیمت بدلہ کے طور پر دینا واجب ہے اس پر زیادتی لازم نہیں اور واہب پر اس سے کم قبول کرنا لازم نہیں۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں واہب کے لئے اپنے ہبہ میں رجوع کرنا حلال نہیں ہاں اگر والد نے بیٹے کو کچھ دے دیا تو وہ اس میں رجوع کر سکتا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہبہ میں رجوع کرنے والا اپنی قئی چاٹنے والے کی طرح ہے" ہمارے لئے اس سے بری مثال نہیں" ہبہ میں رجوع کرنے والا کتے کی طرح ہے جو اپنی قئی چاٹے، نیز آپ نے فرمایا: کسی کو یہ اختیار نہیں وہ ہبہ کرے پھر اس کو واپس لے لے سوائے والد کے کہ جو کچھ وہ اپنے بیٹے کو دے دے۔

خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے ہاں ہبہ کا حکم غیر لازم ہے، اور جمہور علماء کے ہاں لازم ہے سوائے والد کے اور مالکیہ کے ہاں قبضہ سے پہلے رجوع صحیح ہے اور شوافع اور حنابلہ کے بعد قبضہ کے بعد بھی اور یہ حق شوافع کے ہاں والد دادا اور فروع کے لئے مطلق ہے۔

پانچویں بحث: حنفیہ کے ہاں موانع رجوع ہبہ...... بعض حضرات نے ان موانع کو شعر کی شکل میں پیش کیا ہے اور وہ سات ہیں۔ ہبہ میں رجوع سے مانع اے دوست " دمع خزقہ" کے حروف ہیں۔

دال اشارہ اس زیادتی کی طرف جو عین میں ہو گئی ہو، اشارہ ہے موت کی طرف، عین اشارہ ہے عوض کی طرف خاء اشارہ ہے موہوب کا

موہوب لہ کی ملکیت سے نکلنے کی طرف، زاء اشارہ ہے زوجیت کی طرف، قاف اشارہ ہے قرابت کی طرف اور ھاء اشارہ ہے ہلاک اور ضائع ہونے کی طرف، اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

پہلی چیز: مالی عوض...... جب موہوب لہ، واہب کو ہبہ کا عوض دے دے واہب اس پر قبضہ کرلے تو واہب رجوع نہیں کرسکتا اپنے ہبہ میں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہبہ کرنے والا اپنے ہبہ کا حق دار ہے جب تک اس کا عوض نہ لے لے' یہ ہبہ عوض کہلاتا ہے، نیز عوض لینا اس بات کی دلیل ہے کہ واہب کا مقصد عوض لینا ہی ہے بعوض لے لیا تو رجوع سے روک دیا جائے گا، لیکن ہبہ بالعوض میں شرط یہ ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کرے جو عوض کی طرف مشیر ہو، اگر خاموش رہا اور کچھ نہ کہا تو رجوع جائز ہے، عوض کی پھر دو قسمیں ہیں ا۔عقد میں مشروط ۲۔عقد سے متاخر۔

ا۔عوض عقد میں مشروط...... یا ہبہ بالعوض اور ہبہ ثواب: جب واہب نے کہا یہ قلم میں آپ کو اس شرط پر ہبہ کیا کہ آپ مجھے اس کے عوض یہ کپڑا دیں تو ائمہ اربعہ اس میں شرط پر متفق ہیں کہ یہ صحیح ہے اور یہ عقد بھی صحیح ہے، لیکن اس عقد کی کیفیت میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کے ہاں...... یہ عقد ابتداءً ہبہ ہے اور انتہاءً بیع ہے، تو اس پر قبضہ سے پہلے ہبہ کے احکام جاری ہوں گے، لہٰذا مشاع چیز کا ہبہ جائز نہیں اور قبضہ کی شرط ہے اور دونوں سامانوں پر قبضہ سے پہلے رجوع جائز ہے، اور قبضہ کے بعد یہ عقد بیع ہوگا، کہ دونوں بدل عیب یا خیار رؤیت کی بناء پر رد کردیئے جائیں گے اور استحقاق کی صورت میں رجوع ہوگا اور زمین میں شفعہ واجب ہوگا۔

امام زفر کے ہاں...... یہ ابتداءً وانتہاءً عقد بیع ہے اس میں بیع کے احکام ثابت ہوں گے، شیوع کی وجہ سے فاسد نہیں ہوگا، اور بنفسہ ملک کا فائدہ دے گا، قبضہ شرط نہیں کیونکہ بیع کا مفہوم اس میں پایا جارہا ہے کیونکہ بیع نام ہے کسی عین کا عوض کے بدلے مالک بنانا۔ تمام حنفیہ نے اس بات پر اعتماد کیا ہے کہ اس عقد میں ہبہ کے الفاظ ہیں اور مفہوم بیع کا ہے لہٰذا دونوں عقدوں کا حکم لگایا جائے گا۔

مالکیہ کے ہاں...... غالب حالات میں یہ عقد بیع شمار ہوگا اور کم تعداد میں اس کے خلاف، کیونکہ ہبہ بالعوض، عوض مجہول ہونے کے باوجود جائز ہے، مدت مجہول کے ساتھ بھی اور واہب کے لئے عیب کی وجہ سے رد کا اختیار نہیں بلکہ قبول کی وجہ سے یہ لازم ہوگا جب تک کہ عیب بڑا نہ ہو جیسے کوڑھ، چیچک وغیرہ ورنہ واہب کے لئے قبول ضروری نہیں اگرچہ قیمت مکمل ہی کیوں نہ ہو۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... صحیح قول کے مطابق یہ عقد بیع شمار ہوگا موہوب لہ یہ مشروط عوض ادا کرنا لازم ہے اور اس میں بیع کے احکام شفعہ، خیار، ضمان درک وغیرہ جاری ہوں گے، اور عوض کا صراحۃ تذکرہ ہبہ کو باطل کردیتا ہے، کیونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے۔

ب۔عقد سے متاخر عوض...... عقد سے متاخر عوض یا تو ہبہ کی طرف منسوب ہوگا مثلاً یہ تمہارے ہبہ کا عوض ہے یا اس کا متبادل ہے یا اس کی جگہ یہ ہے یا اس کی طرف نسبت نہ کرے پس جب اس عوض کو ہبہ اولیٰ کی طرف منسوب نہ کیا تو یہ دوسرا ہبہ ہوگا اور ان دونوں میں رجوع کا حق ہوگا۔اور جب پہلے ہبہ کی طرف عوض کو منسوب کیا تو یہ عوض متاخر بلا اختلاف نیا ہبہ ہوگا، اور جن چیزوں سے ہبہ صحیح ہوگا یہ بھی صحیح ہوگا اور جن سے ہبہ باطل ہوتا ہے یہ بھی باطل ہوگا۔ ہاں اتنی بات ہے کہ ہبہ اولیٰ میں رجوع کے حق کو یہ ساقط کردے گا، اس عوص کا مفہوم ہے، کیا ہبہ مطلقہ جس میں عوض کی شرط نہ ہو عوض چاہتا ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے، حنفیہ، حنابلہ اور شوافع کے ہاں ہبہ مطلقہ، عوض کا تقاضا نہیں کرتا، چاہے اس کے مثل آدمی یا اس سے کم یا اس سے اعلیٰ ہبہ کرنے موہوب لہ یہ عوض، واہب کے لئے لازم نہیں مالکیہ کی ہاں ہبہ عوض کا تقاضا کرتا ہے اور جب واہب اور موہوب لہ کے درمیان اختلاف ہوجائے تو عوض کا متحمل ہے۔ اور خاص کر جب قرینہ حالیہ اس بات پر دلالت کرے

کہ ثواب کے لئے ہبہ کیا مثلاً فقیر، غنی کو ہبہ کرے یا اس شخص کو ہبہ کرے اور اس سے مقصد بدلہ ہو ان کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے: جس شخص نے کسی کو ہبہ کیا اور اس سے بدلہ مراد لیا تو وہ اپنے ہبہ میں رجوع کر سکتا ہے جب تک اس سے راضی نہ ہو۔

دوسری بات......عوض معنوی پر عوض مالی نہیں ہوتا اور اس کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم......اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب فقیر کو ہبہ کرنے کے بعد اس کے قبضہ کے بعد اس میں رجوع جائز نہیں، اس لئے کہ فقیر کو ہبہ کرنا صدقہ ہے اور اس سے ثواب مطلوب ہوتا ہے اور صدقہ میں رجوع نہیں۔

دوسری قسم......صلہ رحمی ذی رحم محرم رشتہ داروں کو جو ہبہ کیا جاتا ہے اس میں رجوع صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ صلہ عوض معنوی ہے، کیونکہ صلہ رحمی دنیا میں مدد اور تعاون کا ذریعہ ہے، پس یہ مدد حاصل کرنے کا ذریعہ ہوئی اور آخرت میں ثواب کا سبب ہے یہ مال سے قوی ہے۔

تیسری قسم......زوجین کے درمیان صلہ رحمی: زوجین کے درمیان ہبہ میں رجوع صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ صلہ رحمی قرابت کاملہ کی جگہ ہے اس وجہ سے اس کے ساتھ تمام حالات میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

تیسری بات......شئی موھوب میں اضافہ موھوب لہ اس میں عمارت بنا دے یا زمین ہو اس میں درخت لگا دے یا پانی کا کنواں بنا دے اور اس پر عمارت تعمیر کر دے یا موھوب کپڑا ہو اس کو رنگ کر دے جس کی وجہ سے اس کی قیمت میں اضافہ ہو جائے، یا قمیص کاٹ کر سی لے یا اس میں خوبصورتی آ جائے تو رجوع صحیح نہیں، اس لئے کہ موھوب دوسری چیز کے ساتھ مل گیا ہے اور نیز موھوب میں رجوع ممکن نہیں، اس لئے کہ وہ موھوب نہیں اور اس لئے بھی کہ اصل میں اضافہ کے بغیر رجوع ممکن نہیں تو رجوع مکمل طور پر ممتنع ہے، رہ گیا وہ اضافہ جو علیحدہ ہو تو وہ رجوع سے مانع نہیں چاہے اصل سے پیدا شدہ ہو جیسے بچہ، دودھ، پھل وغیرہ، یا اس سے پیدا شدہ نہ ہو جیسے دیت، کمائی، غلہ وغیرہ، اس لئے کہ یہ اضافی چیزیں ہیں ان پر عقد نہیں ہوا لہٰذا ان پر فسخ بھی جاری نہ ہوگا، بلکہ اصل پر ہوگا، اور اصل میں فسخ کرنا ممکن بھی ہے اضافہ کے علاوہ خلاف متصل ہے۔

اور مبیع کے زوائد کے، کیونکہ عیب کی وجہ سے وہ رد سے مانع ہے یہاں تک کہ یہاں پر ربا نہ ہوگا، کیونکہ یہ فسخ بیع اور اصل کے رد پر مرتب ہے، مثلاً بچہ مشتری کے باقی ہو مقابل کے بغیر یہی معنیٰ سود کا ہے اور ہبہ میں سود کا تصور نہیں اس لئے کہ سود معاوضات کے ساتھ مختص ہے۔ موھوب میں کمی رجوع سے مانع نہیں، اس لئے کہ جب تک اسے کل موھوب میں رجوع کا حق ہے اس وقت تک اسے بعض موھوب میں بھی رجوع کا حق ہے۔ پس نقصان کے وقت بھی اسی طرح ہوگا، اور موھوب لہ نقصان کا ضامن نہ ہوگا، کیونہ ہبہ پر قبضہ، ضمان کا قبضہ نہیں۔

چوتھی بات: موھوب کا موھوب لہ کی ملکیت سے نکل جانا......جس سبب سے بھی ہو جیسے بیع اور ہبہ وغیرہ، اس لئے کہ ملک ان تصرفات سے مختلف ہوتی اور ملکیت کا اختلاف دو چیزوں کا اختلاف ہے اگر کسی نے کوئی چیز ہبہ کی تو اسے دوسری چیز میں رجوع کی اجازت نہیں تو اسی طرح جب ایک ثابت ہو جائے تو دوسری فسخ نہیں کی جا سکتی۔

پانچویں بات......عاقدین میں سے کسی ایک کا مرنا، جب موھوب لہ فوت ہو جائے تو رجوع ممتنع ہے، اس لئے کہ ملکیت ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور وہ اجنبی ہے اس سے ہبہ نہیں ہوا۔

موھوب کا ہلاک ہونا یا اس کو ہلاک کرنا......اس لئے کہ ہلاک ہونے کی صورت میں کوئی رجوع نہیں اور نہ ہی قیمت میں رجوع ہے اس لئے کہ وہ موھوب نہیں اس لئے کہ اس پر عقد نہیں ہوا اور ہبہ کا قبضہ غیر مضمون ہوتا ہے۔

رجوع کی ماہیت:.....اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہبہ میں قاضی کے فیصلہ سے رجوع فسخ ہے اور رضا مندی سے رجوع میں علماء کا اختلاف ہے جمہور حنفیہ کے ہاں یہ بھی فسخ ہے جیسا کہ قاضی کے فیصلہ سے مشاع میں جائز ہے اور اس کی صحت کے لئے قبضہ شرط نہیں۔

امام زفر رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ ابتدائی ہبہ ہے اس لئے کہ موھوب کی ملکیت واہب کی طرف دونوں کی رضا مندی سے لوٹی ہے یہ عیب کی وجہ سے رد کی طرح ہے یہ نیا عقد شمار ہوگا تیسرے شخص کے لئے۔ جمہور حنفیہ نے استدلال کیا ہے کہ واہب فسخ کی وجہ سے اپنے حق میں برابر ہے اور حق کا استیفاء قاضی کے فیصلہ پر موقوف ہے برخلاف کسی عیب کی وجہ سے قاضی کے فیصلہ کے بغیر واپس کرنا وہ تو تیسرے کے حق میں بیع جدید ہے، اس لئے کہ مشتری کو فسخ کا حق نہیں، اس کا حق تو صرف اتنا ہے کہ مبیع عیب سے پاک ہو جب اس نے سپرد نہ کی تو گویا اس کی رضا میں گڑبڑ ہے۔

چھٹی بحث: اولاد کو ہبہ کرنا......جمہور علماء کرام کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اولاد کو ہبہ وعطیہ کرنے میں برابری مستحب ہے اور صحت کی حالت میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا مکروہ ہے، البتہ مستحب برابری کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ، مالکیہ اور شوافع اور یہی جمہور کی رائے ہے کہ والد کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ مذکر و مؤنث ہر قسم کی اولاد کو برابر عطیہ دے، مونث کو مذکر کی طرح دے، دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”اپنی اولاد کو عطیہ دینے میں برابری کرو اور اگر تم دولت مند ہوتو عورتوں کو مردوں پر ترجیح دو“ اس حدیث کو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں، اور بیہقی نے بسند حسن روایت کیا ہے اور بخاری کی روایت میں ہے ”اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں برابری کرو“ نیز تقسیم ومعاملہ میں برابری شرعاً مطلوب ہے اور ان حضرات نے ان احادیث میں موجود امر کو استحباب وندب پر محمول کیا ہے۔

حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں والد اپنی اولاد میں میراث کے طریقہ پر تقسیم کرے مذکر کو مؤنث کا دگنا دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح تقسیم کی ہے اور سب سے بہتر وہ تقسیم ہے جو اللہ کی ہے اسی کی اقتداء کی جائے، نیز زندگی میں عطیہ موت کے بعد کی تقسیم کی طرح ہے اور میراث بھی اسی طرح تقسیم ہوتی ہے، پس یہ بات اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ زندگی میں عطیہ، مابعد الموت کی طرح ہے لہٰذا اسی طرح ہونا چاہئے۔

عطیہ میں برابری کا حکم تو جمہور علماء کے ہاں برابری واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے، اگر بعض ورثاء کو ترجیح دی تو یہ بھی صحیح ہے لیکن مکروہ ہے اور برابری کے حکم کو استحباب پر محمول کرتے ہیں اس لئے کہ انسان اپنے مال میں تصرف کرنے میں آزاد ہے وارث کے لئے یا غیر کے لئے اور وہ نہی جو مسلم شریف میں ہے کہ تمہارے لئے آسان پر ہے کہ نیکی میں سب برابر ہوں، تو آپ نے فرمایا کیوں نہیں تو فرمایا پھر اس طرح نہیں۔ تو یہ نہی تنزیہی ہے برابری اور اولاد میں عدل ہے۔

اور ایک جماعت جن میں امام احمد، ثوری، طاؤس، اسحاق اور دوسرے حضرات ہیں کہ ہاں اولاد کے ہبہ اور عطیہ میں برابری واجب ہے اور یہ حضرات برابری نہ ہونے کی صورت میں ہبہ کو باطل قرار دیتے ہیں ظاہر احادیث پر عمل کرتے ہوئے، جو وجوب کا تقاضا کرتی ہیں مثلاً ”اتقوا الله اعدلوا بين اولادكم“ اور ”فلاں اذن“ وغیرہ اور بعض کو اپنے اور بعض کو نہ دینے کی صورت میں ”لا اشهد على جور“ ہے۔

پھر یہ حضرات برابری کی کیفیت میں اختلاف کرتے ہیں کہ عطیہ مذکر ومونث دونوں قسم کی اولاد کے لئے برابر ہونا چاہئے اور نسائی میں یہی ظاہر روایت ہے ”ألا سويت بينهم“ اور ابن حبان میں ”سووا بينهم“ اور ابن عباس کی روایت میں ”سووا بين

اولادکم فی العطیۃ، فلو کنت مفضلاً احداً لفضلت النساء" جبکہ حنابلہ کہتے ہیں برابر یہ ہے کہ مذکر کو مؤنث کا دگنا دیا جائے بطریق میراث، اور احمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اگر کوئی سبب وعذر ہو تو پھر ترجیح بھی جائز ہے۔ مثلاً لڑکا کسی بیماری یا اندھے پن یا دین یا زیادہ اولاد کی وجہ سے محتاج ہو یا تعلیم دین حاصل کر رہا ہو تو اس کو زیادہ دینا جائز ہے۔

والدین کو ہبہ کرنا...... اگر اولاد والدین کو کوئی چیز ہبہ کرے تو اس میں بھی برابری مستحب ہے اور والدہ کو زیادہ دینا بھی جائز ہے اکرام کی وجہ سے بخاری اور مسلم میں ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے" کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا اس نے پوچھا اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سے سب سے زیادہ عمدہ اخلاق کا کون مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری والدہ، پھر اس نے کہا پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری والدہ، پھر اس نے کہا پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری والدہ پھر اس نے کہا پھر کون آپ نے فرمایا تمہارا باپ۔

بہن، بھائیوں کو عطیہ دینا...... بہن، بھائیوں کو بھی عطیہ، ہبہ اور ھدیہ میں برابر دینا مستحب ہے جب وہ ضرورت میں ایک درجہ کے ہوں اور بڑے بھائی کو زیادہ دینا بھی جائز ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" بڑے بھائی کا حق چھوٹوں پر ایسے ہے جیسے والد کا اپنی اولاد پر ایک روایت میں ہے بھائیوں میں سے بڑا باپ کی طرح ہے۔

ساتویں فصل...... ودیعت

موضوع کا خاکہ...... ودیعت کے متعلق درج ذیل چھ بحثوں میں بات ہوگی۔

پہلی بحث...... ودیعت کی تعریف اور اس کی مشروعیت۔

دوسری بحث...... ودیعت کے ارکان وشرائط۔

تیسری بحث...... ودیعت کے عقد کا حکم، اور ودیعت کی حفاظت کا طریقہ۔

چوتھی بحث...... ودیعت کی حالت: یعنی کیا اس کا قبضہ امانت کا ہے یا ضمان کا؟

پانچویں بحث...... ودیعت کی ضمانت کی حالت۔

چھٹی بحث...... ودیعت کی انتہاء۔

پہلی بحث: ودیعت کی تعریف اور مشروعیت...... "الودع" لغت میں ترک کرنے اور چھوڑنے کو کہتے ہیں: اور ودیعت لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو دوسرے کے پاس حفاظت کے لئے چھوڑی جائے، اور شرعاً اس کا اطلاق ایداع اور شئی ودیعت پر ہوتا ہے۔ اور راجح یہ ہے کہ یہ عقد ہے بلکہ اصح یہ ہے کہ کہا جائے ایداع عقد ہے نہ کہ ودیعت عقد ہے، اس لئے ارجح یہ ہے کہ یہ عقد ہے۔

حنفی شراح کے ہاں ایداع کی تعریف...... یہ ہے کہ کسی شخص کو اپنے مال کی حفاظت کے لئے مقرر ومسلط کرنا چاہے صریحاً ہو یا دلالۃً" جیسے مودع (ودیعت رکھنے والے) کا قول دوسرے کو" میں نے تمہارے پاس یہ امانت رکھی" دوسرا قبول کرلے تو ودیعت مکمل ہوگئی صراحتاً اس وقت، یا دلالۃً ہو جیسے ایک شخص آئے کپڑے لے کر دوسرے شخص کے پاس اور وہ اس کے سامنے رکھ دے اور کپڑے دے یہ تمہارے پاس امانت ہیں اور دوسرا خاموش رہے تو یہ ودیعت ہے دلالۃً۔

شوافع اور مالکیہ نے یہ تعریف کی ہے..... اپنی مملوکہ چیز یا محترم اور مختص چیز کی حفاظت کا وکیل بنانا مخصوص طریقہ سے پس محرم شراب کی ودیعت اور دباغت دی ہوئی مردار کی کھال، اور شکاری کتے کو ودیعت رکھنا صحیح ہے۔

رہ گئی غیر مختص اشیاء جیسے غیر شکاری کتا، یا وہ کپڑے جو ہوا اڑا کر لے آئی ہو وغیرہ تو ان میں کوئی خصوصیت نہیں، کیونکہ یہ ضائع شدہ مال ہے ودیعت کے حکم کے مخالف ہے۔ ودیعت رکھنے والے کو ''مودِع'' کہتے ہیں اور جس کے پاس رکھی جائے اسے ''مودَع'' اور ''ودیع'' کہتے ہیں۔

ایداع مشروع اور مندوب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ...... النساء: ۴/ ۵۸

''اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹاؤ۔''

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ ...... البقرة ۲/ ۲۸۳

جس کے پاس امانت رکھی جائے وہ اسے ادا کرے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت ادا کرو اور جو تم سے خیانت کرے اس سے خیانت مت کرو'' تمام زمانوں کے علماء کا ودیعت کے جواز پر اجماع ہے، اس لئے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے۔

دوسری بحث: ایداع کے ارکان وشرائط..... حنفیہ کے ہاں ایداع کا رکن ایجاب وقبول ہے وہ یہ کہ مودِع دوسرے کو کہے ''**اودعتک هذا**'' یہ تمہارے پاس ودیعت رکھتا ہوں یا ''**احفظ هذا الشئی لی**'' اس چیز کی میرے لیے حفاظت کرو یا ''**خذ هذا الشئی ودیعة عنك**'' یہ چیز بطور ودیعت رکھو وغیرہ اور دوسرا قبول کرے۔ جمہور کے ہاں اس کے ارکان چار ہیں:

عاقدین (مودِع اور مودَع) ودیعت اور صیغہ (ایجاب وقبول) اور قبول یا تو لفظاً ہوگا مثلاً ''**قبلت**'' یا دلالۃ ہوگا جیسے وہ اپنا کسی شخص کے پاس رکھے وہ خاموش رہے تو یہ سکوت قبول کے قائم مقام ہے جیسے بیع میں تعاطی۔

رکن شرائط..... حنفیہ کے ہاں عاقدین کے لئے عقل شرط ہے ناسمجھ بچے کی ودیعت صحیح نہیں اور مجنون کی جیسا کہ بچے اور مجنون کا قبول درست نہیں اور بلوغ شرط نہیں پس جس بچے کو تجارت کی اجازت ہو اس کا ایداع ودیعت صحیح ہے کیونکہ یہ ان معینوں میں سے ہے تاجر جن کے محتاج ہوتے ہیں جیسا کہ ماذون تجارت بچے کا قبول ودیعت درست ہے کیونکہ وہ حفاظت کے اہل میں سے ہے اور رہ گیا وہ بچہ جو محجور ہے اس کی طرف سے ودیعت کا قبول درست نہیں کیونکہ عادۃً وہ مال کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اور جمہور کے ہاں ودیعت میں وہ شرائط ہیں جو وکالت میں ہیں یعنی بلوغ، عقل اور رشد، نیز ودیعت میں شرط یہ ہے کہ وہ مال قبضہ کے قابل ہو، پس اگر کسی نے بھگوڑا غلام یا ہوا میں پرندہ یا سمندر میں گرا ہوا مال ودیعت کیا تو وہ اس کا ضامن نہ ہوگا۔

تیسری بحث: عقد ودیعت کا حکم اور ودیعت کی حفاظت کا طریقہ..... مالک پر اس کی حفاظت لازم ہے اس لئے کہ مالک کی جانب سے ایداع حفظ اور امانت ہے اور ودیع حفاظت کا التزام ہے بس اس کی حفاظت لازم ہے نبی علیہ السلام کے اس ارشاد ''مسلمان اپنی شرطوں کے مطابق ہیں'' کی وجہ سے۔

دو آدمیوں کا ایک کو ودیعت کرنا:...... اگر دو آدمیوں نے کسی ایک شخص کے پاس ودیعت رکھی پھر دونوں غائب ہو گئے ہو ان

دونوں میں سے ایک حاضر ہوا اور اپنے حصہ کا مطالبہ کیا تو مودع کو اس کی اجازت نہیں کہ وہ اس کا حصہ اسے دے یہاں تک کہ دوسرا حاضر ہو جائے اور صاحبین کے ہاں ''ودیع'' کو اختیار ہے کہ وہ ودیعت کو تقسیم کر کے ان دونوں میں سے ایک کا حصہ اسے دے دے اور یہ غائب یہ تقسیم نہیں ہوگی حتیٰ کہ اگر دوسرا نصف ودیع کے پاس ضائع اور ھلاک ہو گیا تو غائب کو اجازت ہے کہ دوسرے نے جس حصہ پر قبضہ کیا اس میں شریک ہو جائے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ دو ودیعت رکھنے والوں میں سے ایک اپنے حصہ کو ودیع سے طلب کر رہا ہے تو اس کو دینے کا حکم کیا جائیگا جیسے مشترک دین میں۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ودیعت رکھنے والوں میں سے ایک اپنے حصہ کا طالب ہے، بلکہ وہ غائب کے حصہ کا طالب ہے اس لئے کہ وہ اپنے جدا حصہ کا طالب ہے حالانکہ جدا حصہ میں اس کا حق نہیں، بلکہ مشترک ومشاع میں اس کا حق ہے جو کل ودیعت ہے اور جدا اور الگ اس میں سے متعین میں دونوں کا حق ہے اور ان کا حق سوائے تقسیم کے جدا نہیں ہوسکتا، اور ودیع کو تقسیم کی ولایت اور اختیار حاصل نہیں، اس لئے کہ وہ اس میں وکیل نہیں برخلاف مشترک قرض (دین) کے اس لئے کہ شریک مدیون سے اپنے حق کی وصولی کا مطالبہ کر رہا ہے اور اس کا حق قضاءً دو قرض خواہوں کے درمیان مشترک نہیں اس لئے کہ دیون اپنے امثال سے ادا کئے جاتے ہیں اور مال مدیون کے مثل مال میں دونوں قرض خواہ مشترک نہیں پس یہ غیر کے حق میں تصرف نہیں بلکہ دائن اپنے مال میں تصرف کر رہا ہے پس یہ جائز ہے۔

ایک شخص کا دو آدمیوں کے پاس ودیعت رکھنا......اگر ایک شخص دو آدمیوں کے پاس ودیعت رکھے جو تقسیم ہو سکتی ہے تو ان دونوں کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کو تقسیم کر کے آدھا آدھا حصہ حفاظت سے رکھیں، کیونکہ مالک ان دونوں کی حفاظت پر راضی ہے اور ساری ودیعت کی ایک حفاظت کرے اس پر راضی نہیں۔

اگر ان میں سے ایک نے ودیعت ساری اس کے مالک کو دے دی تو امام صاحب کے ہاں وہ نصف کا ضامن ہوگا۔ اس لئے وہ راضی ہے ان دونوں کی حفاظت پر نہ کہ ایک کی حفاظت پر، اس لئے اصل یہ ہے کہ دو آدمیوں کا فعل جب ایسی چیز کی طرف منسوب ہو جو تقسیم کو قبول کرتی ہے تو وہ بعض کو شامل ہوتا ہے جب ایک نے دوسرے کو سارا سپرد کر دیا اور مالک اس پر راضی نہیں تو یہ ضامن ہوگا۔

صاحبینؒ کے ہاں وہ ضامن نہ ہوگا، کیونکہ وہ ان دونوں کی امانت پر راضی ہے تو ان میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ وہ دوسرے کو سپرد کرے اور وہ ضامن نہیں ہوگا جیسا کہ تقسیم نہ ہونے والی چیز کی شان ہے۔

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ودیعت جب تقسیم نہ ہو تو اس میں ضمان نہیں اس لئے کہ صرف ایک مکان ہی میں اس کی حفاظت کی جاسکتی ہے، پس مالک ان میں سے ایک کی حفاظت پر راضی ہے یہ بات اسے معلوم ہے کہ وہ دونوں اس پر ہمیشہ اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

ودیعت کی حفاظت کا طریقہ......ودیعت کی حفاظت کے طریقہ میں علماء کا اختلاف ہے، حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں ودیع، ودیعت کی اس طرح حفاظت کرے جیسے اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے، اور یہ اپنے قبضہ میں یا اپنے عیال کے قبضہ میں جن کا نفقہ اس کے ذمہ لازم ہے جیسے بیوی، بچے، غلام اور خادم ہیں پس ان کے ذریعہ حفاظت کروانا ایسے ہی ہے جیسے وہ اپنے مال کی ان سے حفاظت کرواتا ہے پس اپنی حفاظت کے مشابہ یہ حفاظت ہوگی۔

اور حنفیہ کے نزدیک وہ اس شخص سے بھی اس کی حفاظت کروا سکتا ہے جو اس کے عیال میں نہیں لیکن عادۃً وہ اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے، جیسے شرکت مفاوضہ اور عنان کے شریک نہ کہ یومیہ اجرت کا مزدور۔ اگر ودیع نے ودیعت ان کے علاوہ کسی کے پاس رکھی اور وہ ضائع ہو گئی تو وہ اس کا ضامن ہوگا، کیونکہ مالک اس کے قبضہ پر راضی حنابلہ کے غیر کے قبضہ پر اور امانت میں قبضہ مختلف ہوتا ہے ہاں اگر اس کے گھر میں آگ لگ جائے وہ اپنے پڑوسی کے پاس رکھ دے یا ودیع کشتی میں سوار ہو اور تیز ہوائیں چلیں اور غرق

ہونے کا خوف ہو وہ اسے دوسری کشتی میں ڈال دے تو اس کو اس کا اختیار ہے کیونکہ اس حالت میں یہ طریقہ حفاظت کا متعین ہو گیا اس سے مالک راضی ہے اور ان باتوں میں ودیع کی تصدیق گواہوں کے بغیر نہ ہوگی، اس لئے کہ ضمان کے متحقق ہونے کے لئے بعد وہ ضمان کے سقوط کا دعویٰ کر رہا ہے۔

مالکیہ کے ہاں......ودیع اپنے ان اہل وعیال سے حفاظت کروا سکتا ہے جن سے وہ مطمئن ہو جیسے بیوی، بیٹا وہ مزدور اور نوکر جو اس کے مال کی حفاظت کرتے ہیں اور تجربہ سے ان کا اعتماد اسے حاصل ہے برخلاف ان کے جن کا اعتماد حاصل نہیں جیسے نئی بیوی یا وہ مزدور جو اجارہ پر رکھا ہوا ہے۔

شوافع کے ہاں......ودیع صرف خود اپنے پاس اس کی حفاظت کرے اور بیوی بچے وغیرہ سے اس کی حفاظت مودع کی اجازت کے بغیر جائز نہیں، یا جب تک کوئی عذر نہ ہو اس لئے کہ مودع ان کے علاوہ کسی کی امانت اور قبضہ پر راضی نہیں، پس اگر ودیع نے اس طریق حفظ کی مخالفت کی تو ضامن ہوگا ہاں اگر کسی عذر مثلاً مرض، سفر ہو غیرہ کی وجہ سے کسی دوسرے کو دیں تو ضامن نہ ہوگا۔

چوتھی بحث: ودیعت کی حالت کہ آیا امانت ہے یا ضمانت؟......تمام مذاہب کے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ودیعت قربت مندرجہ ہے اور اس کی حفاظت میں ثواب ہے اور یہ کہ یہ صرف امانت ہے اس میں ضمان نہیں۔ اور ودیع پر سوائے تعدی اور ظلم کے ضمان واجب نہیں نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے "جو ودیع خیانت کرنے والا نہ ہو اس پر ضمان نہیں" اور آپ کا ارشاد ہے "امین پر ضمان نہیں" امین پر ضمان کی شرط لگانا باطل ہے حنفیہ کے ہاں یہی مفتیٰ بہ قول ہے۔

اور اسی پر دارومدار ہے اس بات کا کہ ودیعت کا مالک کے مطالبہ پر اسے واپس کرنا ممکن حد تک واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا...... النساء: ۴/۵۸

نیز عاقدین میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ جب چاہیں عقد ایداع کو فسخ کر لیں دوسرے عاقد کی اطلاع کے بغیر، کیونکہ عقد ایداع جائز غیر لازم ہے مودع جب چاہے ودیعت واپس کر دے اور ودیع جب چاہے مودع سے واپس لے لے۔ اگر مالک نے ودیع سے ودیعت کا مطالبہ کیا، ودیع نے کہا کہ تم نے کوئی چیز ودیعت نہیں رکھی پھر اس کے بعد کہا کہ ضائع ہوگئی ہے تو ضامن ہوگا کیونکہ امانت کی حد سے نکل گئی ہے اور جب کہا تم مجھ سے کسی چیز کے مستحق نہیں پھر کہا ضائع ہوگئی تو اس کی بات کا اعتبار ہوگا قسم کے ساتھ اور اس پر دارومدار ہے اس بات کا کہ مالک کو خود ودیعت سپرد کرنا واجب ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے امانتیں ان کے مالکوں تک پہنچانے کا حکم فرمایا ہے، پس اگر اس نے مالک کے گھر بھیج دی، اس کی عدم موجودگی میں یا ایسے شخص کو دے دی جو مالک کے عیال میں سے ہے تو وہ اس کا ضامن ہوگا اس لئے کہ وہ غیر کے قبضہ پر راضی نہیں جو کہ اس کے عیال ہیں یہی وجہ ہے کہ ان علاوہ شخص کے پاس امانت رکھی، برخلاف عاریت اور اجارہ کے کہ اگر شئی مستعار یا اجارہ پر لی ہوئی چیز مالک کے گھر واپس بھیج دی یا اس کے عیال میں سے کسی کو دے دی تو وہ ضامن نہیں ہوگا اس لئے کہ لوگوں کی اس میں عادت جاری ہے اس طرح واپس کرنے کی، حتیٰ کہ اگر شئی مستعار عمدہ چیز ہے جیسے جواہر وغیرہ کا ہار تو پھر ضائع ہونے پر ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس میں لوگوں کی عادت نہیں۔

اور اسی پر قائم وثابت ہے یہ مسئولہ قلف اور لوٹانے کی صورت میں ودیع کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے درج ذیل تفصیل کے مطابق۔

دعوے اور گواہوں میں تعارض......جب مودع کا ودیع سے اختلاف ہو جائے "ودیع" کہے ودیعت وامانت میرے پاس ضائع ہوگئی یا میں نے وہ تمہیں واپس کر دی ہے" مودع اس کا انکار کرے اور کہے تم نے خود تلف کی ہے، تو اس صورت میں ودیع کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی کیونکہ وہ امین ہے۔

اگر مودع نے گواہ پیش کر دیئے خود تلف کرنے پر تو ودیع ضامن ہوگا، اسی طرح اگر ودیع نے خود تلف کرنے پر حلف اٹھالیا اور اس نے انکار کر دیا، پھر اگر مودع نے گواہ قائم کئے کہ ودیع نے خود تلف کیا ہے اور ودیع نے گواہ پیش کئے کہ خود تلف ہوئی ہے تو مودع کے گواہوں کے مطابق فیصلہ ہوگا کیونکہ وہ زیادہ ثابت کر رہے ہیں کیونکہ اس صورت میں ہلاک کا اثبات اور تعدی کی زیادتی ثابت کر رہے ہیں اور جب ودیع نے مودع کے اقرار پر گواہ قائم کیے کہ خود ہلاک ہوئی ہے، تو اس کے گواہوں کی گواہی قبول ہوگی اور یہ اثبات مودع کے گواہوں کی تکذیب ہوگی۔

پانچویں بحث: ودیعت کی ضمانت کی صورتیں...... ودیعت امانت سے ضمان کی طرف درج ذیل حالات میں منتقل ہوتی ہے۔

ا۔ ودیع کا حفاظت چھوڑ دینا...... اس لئے کہ عقد کی وجہ سے اس نے اپنے ذمہ حفاظت لازم کر لی تھی اس طور پر کہ اگر اس کی حفاظت چھوڑ دی وہ ہلاک ہوگئی تو ضامن ہوگا اس کے متبادل کا بطریق کفالت، اگر اس نے کسی کو دیکھا کہ وہ اس کی ودیعت کو چوری کر رہا ہے اور یہ اسے روکنے پر قادر بھی تھا تو ضامن ہوگا، حفاظت چھوڑنے کی وجہ سے۔

۲۔ اپنے عیال کے علاوہ کسی دوسرے کی حفاظت میں دینا...... جب ودیع نے ودیعت اپنے قبضہ سے نکالی اور بغیر کسی عذر کے کسی دوسرے کو دی تو اس صورت میں وہ ضامن ہوگا، اس لئے کہ مودع پہلے ودیع کی حفاظت پر راضی ہے نہ کہ اس کے علاوہ پر ہاں اگر عناں کوئی عذر ہو تو ضامن نہیں ہوگا، مثلاً اس کے گھر میں آگ لگ جائے یا کشتی میں ہو اور غرق ہونے کا خوف ہو کسی دوسرے کو دے دے، اس لئے کہ ان حالات میں دوسرے کے سپرد کرنا ہی حفاظت کا طریقہ ہے گویا دلالۃً مالک کی اجازت سے ایسا ہوا اور جب بغیر کسی عذر کے کسی دوسرے شخص کے پاس ودیعت رکھے وہ ہلاک یا ضائع ہو جائے دوسرے کے ہاتھ میں تو ضمان پہلے پر ہوگا، نہ کہ دوسرے مودع پر یہ امام ابوحنیفہ اور حنابلہ کے ہاں ہے، کیونکہ دوسرا مالک کے ساتھ احسان کرنے والا ہے اس طرح کہ اسباب ہلاکت سے ودیعت کی حفاظت کر کے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ...... التوبۃ ۹/۹۱

''احسان کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں۔''

اور مودع اول نص سے مخصوص ہے۔ صاحبینؒ کے ہاں مالک کو اختیار ہے چاہے اول سے ضمان لے چاہے ثانی سے ضمان لے اگر اس نے اول سے ضمان لیا تو دوسرے سے ضمان میں رجوع نہیں کر سکتا، اس لئے کہ وہ ضمان ادا کرنے کی وجہ سے ودیعت کا مالک بن گیا ہے اور اگر ثانی سے اس نے ضمان لیا تو وہ اول سے رجوع کرے گا، اس لئے کہ اول نے ایداع کے ذریعہ اسے دھوکا دیا ہے تو اس پر دھوکہ کے کا ضمان لازم ہوگا۔ اس اختیار کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں وجوب ضمان کا سبب پایا گیا تو ہے لہٰذا مالک کو اختیار ہے، پہلے میں اس طرح کے اس نے دوسرے کو مالک کی اجازت کے بغیر مال دیا اور دوسرے میں اس طرح کے اس نے غیر کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر لیا ہے۔

اور جب دوسرا مودع ودیعت کو ہلاک کر دے تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو اول سے ضمان لے لے ثانی سے لے لے، یہ بالاتفاق ہے ہاں اتنی بات ہے کہ اگر اس نے اول سے ضمان لیا تو یہ دوسرے پر رجوع کر سکتا ہے اور اگر ثانی سے ضمان لیا تو پھر وہ اول سے ضمان کے سلسلہ میں رجوع نہیں کر سکتا، اس لئے کہ ضمان کے وجوب کا سبب ثانی نے میں حقیقۃً پایا گیا ہے یعنی ہلاک کرنا، اور اول کی طرف سے صرف یہ ثانی کو بطور حفاظت دینا پایا گیا ہے۔

جمہور حنفیہ کے ہاں قاعدہ...... یہ ہے کہ جب ودیعت مضمون ہو اور پھر سبب ضمان زائل ہو جائے مثلاً ودیع اول، ودیع ثانی سے

ودیعت واپس لے لے اور پھر خود حفاظت کرے تو ضمان سے بری ہو جائے گا۔ اس لئے کہ پہلی حالت کی طرف لوٹنے کی وجہ سے اس کو ودیع شمار کیا جائے گا، اور ودیع سے جب ودیعت بغیر کسی سبب کے ہلاک ہو جائے تو اس پر کوئی ضمان نہیں، یہ مستاجر اور مستعیر کے برخلاف ہے جب وہ مخالفت کریں پھر مخالفت چھوڑ دیں تب بھی ضمان ہوتا ہے۔

امام زفرؒ، شافعیؒ اور باقی آئمہ کا قاعدہ...... کہ ودیعت جب مضمون ہوا نتفاع وغیرہ کی وجہ سے پھر ودیع خیانت چھوڑ دے تو بھی ضمان سے بری نہیں ہوتا، اس لئے کہ جب ودیعت مضمون ہو تو عقد ختم ہو جاتا ہے، اس کی طبیعت تبدیل ہونے کی وجہ سے لہٰذا تجدید کے بغیر درست نہیں ہوگا اور تجدید باقی نہیں گئی تو یہ ایسا ہی ہے جیسے ودیعت کا انکار کرے پھر اقرار۔

۳۔ ودیعت کو استعمال کرنا...... ودیع جب ودیعت سے نفع اٹھائے مثلاً سواری پر سوار ہو یا کپڑے پہن لے تو ضامن ہوگا، اگرچہ استعمال چھوڑ بھی دے تب بھی۔ تمام حنفیہ کے ہاں اس پر ضمان نہیں اس لئے کہ وہ مالک کی اجازت سے اسے روکنے والا ہے، لہٰذا استعمال سے پہلے کے مشابہ ہو گیا۔ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں جب استعمال کے بعد ودیعت ضائع ہو جائے تو وہ ضامن ہوگا اگرچہ تلف کسی آسمانی آفت ہی سے کیوں نہ ہوا اس لئے کہ اس کی نفدی کی وجہ سے ودیعت کا حکم ختم ہو گیا تھا اور امانت باطل ہو گئی تھی، یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے ودیعت کا انکار کرے پھر اس کا اقرار کرے، ضمان سے بری نہ ہوگا ہاں اگر مالک کو واپس کر دے تو یہ الگ بات ہے۔

۴۔ ودیعت کے ساتھ سفر...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ودیع کو اختیار ہے کہ وہ ودیعت کے ساتھ سفر کرے جبکہ راستہ مامون ہو اور مالک نے منع نہ کیا ہو بایں طور کہ عقد مطلق ہو، اس لئے کہ ودیعت کی حفاظت کا حکم مکان کی تعیین کے بغیر ہوا ہے دلیل کے بغیر تعیین جائز نہیں اس بناء پر اگر اس نے سفر کیا ودیعت کے ساتھ اور وہ ہلاک ہو گئی تو ضامن نہ ہوگا۔ صاحبین کے ہاں اگر ودیعت ایسی چیز ہے کہ اس کا بوجھ ہے اور خرچہ ہے تو اس کے ساتھ سفر کی اجازت نہیں، اس لئے کہ ایسی چیز کے ساتھ سفر جس میں بوجھ ہو اور خرچہ اس سے مالک کا نقصان ہے کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے ودیع سفر میں مرجائے اور مالک محتاج ہو اس چیز کا کہ وہ ایسی جگہ سے اسے واپس لے جس میں بوجھ اور خرچہ ہو یہ مشکل ہے اس سے اس کا نقصان ہوگا، برخلاف اس صورت کے کہ اس میں بوجھ وغیرہ نہ ہو۔

مالکیہ کے ہاں...... ودیع، ودیعت کے ساتھ سفر نہیں کر سکتا ہاں اگر سفر میں دی ہو تو پھر گنجائش ہے۔ جب سفر کا ارادہ کرے تو اہل شہر میں سے کسی معتمد شخص کے پاس اسے امانت رکھ کر جائے اور اس پر ضمان بھی نہیں چاہے حاکم تک پہنچانے کی اسے قدرت بھی ہو یا نہ ہو۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... ودیع، ودیعت کے ساتھ سفر نہیں کر سکتا جب سفر کا ارادہ ہو۔

مالک کو واپس کر دے یا وکیل مقرر کرے جبکہ واپس کرنے پر قدرت بھی ہو لیکن اگر واپس کرنے کی قدرت نہیں تو حاکم کے سپرد کر کے جائے اس لئے کہ رکھتے ہیں وہ تبرع کرنے والا ہے اس کے ذمہ ہمیشہ رکھنا لازم نہیں اور مالک کی عدم موجودگی میں حاکم اس کا قائم مقام ہے، اگر اس کے ساتھ سفر کیا تو ضامن ہوگا، اس لئے کہ اس نے ضائع کرنے کے لئے اسے پیش کیا ہے اور سفر میں حفاظت حضر سے کم ہوئی ہے، چاہے راستہ مامون ہو یا خوف ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مسافر اور اس کا مال ہلاک میں ہیں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ بچالیں۔

۵۔ ودیعت کا انکار...... جب مودع ودیعت طلب کرے اور ودیع اس کا انکار کرے یا اس کو روکے رکھے حالانکہ وہ واپس کرنے پر قادر بھی ہو تو ضامن ہوگا، کیونکہ جب اس نے واپسی کا مطالبہ کیا تو اس نے اسے حفاظت سے معزول کر دیا پس اس کے بعد وہ روکنے کی وجہ سے غاصب ہے تو ضامن ہوگا اگر مودع نے ودیع پر گواہ قائم کر لئے یا ودیع نے قسم سے انکار کر دیا یا اقرار کیا، اگر انکار کے بعد اعتراف کیا تو

ضمان سے بری نہ ہوگا عقد ختم ہونے کی وجہ سے اگر ودیعت کا انکار کرنے کے بعد ودیع نے اس کی ہلاکت پر گواہ قائم کر دیئے تو اس کی تین صورتیں ہیں اگر انکار کے بعد ہلاک پر یا مطلقاً ہلاکت پر گواہ قائم کئے تو ان گواہوں کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ انکار کی وجہ سے عقد ختم ہو گیا تو ضامن ہوگا، اگر اس بات پر گواہ قائم کئے کہ انکار سے پہلے وہ ہلاک ہوگئی تھی تو اس کے گواہوں کا اعتبار ہوگا اور اس پر ضمان نہ ہوگا کیونکہ ہلاکت انکار سے پہلے ہے انتہاء عقد کی طرف سے جاتی ہے۔

اگر اس نے انکار سے پہلے ہلاکت کا دعویٰ کیا اور اس کے پاس گواہ نہیں تو قاضی مودع سے قسم لے گا کہ اللہ کی قسم کہ وہ نہیں جانتا کہ انکار سے پہلے ہلاک ہوتی ہے اگر اس نے حلف اٹھایا تو ضمان کا فیصلہ ہوگا اگر انکار کر دیا تو برأت ہوگی۔

۶۔ ودیعت کو دوسری چیز میں مخلوط کرنا...... جب ودیع نے ودیعت کو اپنے مال کے ساتھ ملا لیا اگر ان دونوں میں امتیاز ممکن ہو تو اس پر کوئی چیز نہیں اور ان کو جدا کر دیا جائے گا، اور امام ابوحنیفہ کے ہاں اس کے مثل کا ضامن ہوگا، اس لئے کہ معنوی اعتبار سے مخلوط کرنا اتلاف ہے، اسی طرح اگر دو قسم کی ودیعتیں ہوں اور اس نے ایک کو دوسری کے ساتھ مخلوط کر دیا تو بھی ان کے مثل کا ضامن ہوگا۔

اسی طرح تمام کیلی اور وزنی چیزوں میں بھی جب ایک جنس اپنی جنس میں مخلوط کر دے اس طور پر کہ تمیز نہ ہو سکتی ہو، جیسے گندم، گندم سے، جو جو سے یا دوسری جنس سے مخلوط کر دے جیسے جو گندم سے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں ہر ایک کے مثل حق کا ضامن ہوگا، دلیل یہ ہے کہ جب اس نے ان دونوں کو اس طرح مخلوط کر دیا کہ ان میں تمیز نہیں ہو سکتی تو وہ دونوں اس سے نفع اٹھانے سے عاجز ہو گے پس اس کی جانب سے مخلوط کرنا ودیعت کو ضائع کرنا ہے لہٰذا ضامن ہوگا۔ صاحبین جو کچھ مذکور ہوا اس بارے میں فرماتے ہیں کہ مالک کو اختیار ہے چاہے تو ودیع کو ایسے حق کے مثل میں ضامن قرار دے چاہے تو نصف مخلوط لے لے یا وہ دونوں اسے فروخت کر دیں اور ثمن پر قبضہ کر لیں ان کی دلیل یہ ہے کہ ودیعت اپنی جگہ پر بعینہ موجود ہے البتہ مالک وصل کرنے سے عاجز ہے مخلوط ہونے کی وجہ سے۔ اگر ودیع فوت ہو گیا اور اس نے ودیعت کی وضاحت نہ کی تھی، اگر وہ معلوم تھی اور موجود تھی، تو اس کے مالک کو واپس کر دی جائے گی اس لئے کہ یہ اس کا عین مال ہے اور جو شخص اپنا عین مال پالے تو وہ اس کی وصولی کا زیادہ حق دار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق۔ اگر وہ معلوم نہ ہو تو ضامن ہوگا اور یہ اس کے ترکہ میں دین شمار ہوگی اس لئے کہ جب وہ فوت ہوا ودیعت کی وضاحت کے لئے بغیر تو گویا اس نے معنی ودیعت ضائع کر دی، اسی بنا پر امانتیں موت کی وجہ سے مضمون ہو جاتی ہیں جہالت کی وجہ سے صرف تین حالتوں کے علاوہ۔

۱...... جب وقف کا متولی فوت ہو جائے اور وقف کی اشیاء کی وضاحت نہ کی ہو۔

۲...... جب قاضی فوت ہو جائے اور یتیموں کے مال اس نے کس کے پاس امانت رکھے ہیں یہ معلوم نہ ہو۔

۳...... جب حاکم وقت فوت ہو جائے اور یہ وضاحت نہ کرے کہ اس نے مال غنیمت وغیرہ کس کے پاس رکھا ہوا ہے۔

باقی ائمہ بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق ہی فرماتے ہیں کہ جب ودیعت میں تمیز مشکل ہو جیسے درہم یا تیل، یا گھی وغیرہ مخلوط ہو جائیں چاہے خلط اس کے مثل کے ساتھ ہو یا کم یا اعلیٰ کے ساتھ اسی کی جنس کے ساتھ یا بغیر جنس کے تو ودیع ضامن ہوگا، اس لئے کہ مودع اس پر راضی نہیں، ہاں مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر خلط مثل کے ساتھ ہو جیسے گندم، گندم سے دینار دینار سے تو ودیع ضامن نہ ہوگا جبکہ مخلوط کرنا حفاظت کی غرض سے ہو ورنہ ضامن ہوگا۔

اور جب ودیعت اور دوسری چیز میں تمیز مشکل نہ ہو جیسے درہم دینار کے ساتھ، یا عمدہ، ردی کے ساتھ تو پھر ودیع کسی بھی چیز کا ضامن نہ ہوگا الا یہ کہ خلط کی وجہ سے قیمت میں کمی آجائے تو ہر شوافع اور حنابلہ کے ہاں ضامن ہوگا۔

۷۔ ودیعت کی حفاظت میں مودع کی شرط کی مخالفت...... جب مودع، ودیعت کی حفاظت کے لئے ودیع پر کوئی شرط لگائے

کہ متعین مکان، گھر، جگہ یا صندوق میں رکھتی ہے اور وہ بلا عذر اسے دوسری جگہ منتقل کردے تو حنفیہ اور دوسرے آئمہ کے ہاں جب وہ اسے منتقل کرے حفاظت کے لئے تو ضامن ہوگا اور اگر اس کے مثل حفاظت کی جگہ پر رکھے یا اس سے عمدہ جگہ پر تو ضامن نہ ہوگا۔ اور جب وہ ودیعت کو ایک جگہ رکھنے کا حکم کرے اور دوسری جگہ رکھنے سے روکے مثلاً کہے اس کی اس گھر میں حفاظت کرنا دوسرے گھر میں نہ، تو حنفیہ مالکیہ اور شوافع کے ہاں اگر وہ دوسری جگہ منتقل کرے جو پہلی جگہ کے برابر ہو یا اس سے عمدہ ہو حفاظت کے لئے تو ضامن نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ قید مفید نہیں اور اگر ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کردے تو مالکیہ کے ہاں ضامن ہوگا۔ اور حنابلہ کے ہاں راجح قول کے مطابق: ضامن ہوگا چاہے اس سے کم حفاظت والی جگہ پر رکھے یا عمدہ پر، اس لئے کہ اس نے مالک کی مخالفت کی ہے بغیر کسی فائدہ اور مصلحت کے، اور مالک کی مخالفت تعیین مکان میں بغیر ضرورت جائز نہیں، لیکن اگر وہ اس جگہ پر خوف زدہ ہو تو دوسری جگہ منتقل کرسکتا ہے، اگر اس نے چھوڑ دیا وہ ضائع ہوگئی تو ضامن ہوگا، اس لئے کہ مالک کا منع کرنا حفاظت کی غرض سے تھا اور یہاں منتقل کرنے ہی میں حفاظت ہے لہٰذا یہ منع نہ کرنے کی صورت کے مشابہ ہوگیا۔

جب مالک نے ودیع سے کہا اسے اپنی بیوی کے سپرد نہیں کرنا، اس نے اس کے سپرد کردیا وہ ودیعت ضائع ہوگئی تو حنفیہ کے ہاں ضامن نہ ہوگا اس لئے کہ اس کے سپرد کرنے کے بغیر چارہ ہی نہیں اس لئے کہ جب وہ نکلے گا گھر سے تو گھر اور جو کچھ اس میں سے وہ بیوی ہی کے سپرد ہوگا، پس اس شرط کی رعایت کے ساتھ حفاظت ممکن نہیں اگرچہ مفید ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مالکیہ کے ہاں ضمان ودیعت کے چھ اسباب ہیں۔

۱.....ودیع کا ودیعت کو بغیر عذر دوسرے کے پاس رکھنا حتیٰ کہ اگر وہ بعد میں واپس لے لے اور وہ ضائع ہوجائے۔

۲.....ودیعت کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا برخلاف ایک گھر سے دوسرے گھر کے۔

۳.....ودیعت کو ایسی چیز کے ساتھ مخلوط کردینا جو اس کی مماثل نہ ہو جیسے گندم کو جو کے ساتھ۔

۴.....ودیعت سے نفع اٹھانا اگر کپڑا پہن لیا، یا سواری پر سوار ہوگیا اور نفع اٹھانے کے دوران وہ ہلاک ہوگئی تو ضامن ہوگا، اسی طرح اگر دینار یا درہم یا کیلی اور وزنی چیز کسی کو ادھار دے دی اور وہ ہلاک ہوگئی۔

۵.....ضائع کرنا یا تلف کرنا بایں طور کہ اسے کسی جگہ ڈال دے یا چور کو بتادے۔

۶.....حفاظت کی کیفیت میں مخالفت مثلاً اس نے کہا تھا اس پر تالا نہ لگانا اس نے لگا دیا تو ضامن ہوگا۔

شوافع کے ہاں بھی مالکیہ کے مذہب کے مطابق اسباب ضمان چھ ہیں:

۱.....بلا عذر و بلا اجازت ودیعت کو کسی دوسرے کے پاس رکھنا۔

۲.....اسے غیر محفوظ جگہ پر رکھنا۔

۳.....اسے منتقل کرنا کم حفاظت کی جگہ پر۔

۴.....جو حفاظت اپنے اوپر لازم کی تھی اسے چھوڑ دیا جیسے جانور کو چارہ دینا چھوڑ دیا اور وہ مرگیا۔

۵.....جس حفاظت کا حکم تھا اس سے اعراض اور تلف کرنا۔

۶.....اس سے نفع اٹھانا جیسے کپڑا پہن لینا، مالک کی غرض کے بغیر سواری پر سوار ہونا وغیرہ اسباب نقدی کی وجہ سے ضامن ہوگا پھر اگر خیانت چھوڑ بھی دی تو ضمان سے بری نہ ہوگا، جب تک کہ مالک اجازت نہ دے۔

حنابلہ کے ہاں ضمان کی یہ صورتیں ہیں:

۱.....بلا عذر کسی دوسرے کے پاس ودیعت رکھنا۔

۲.....حفاظت چھوڑ دینا یا چور کو اطلاع دینا۔

۳.....حفاظت کی کیفیت میں مخالفت کرنا۔

۴.....دوسری چیز کے ساتھ مخلوط کرنا۔

۵.....اس سے نفع اٹھانا۔ جب خیانت کرے گا تو ودیعت نئے عقد کے بغیر نہیں ہوگی۔

ودیعت کے لئے فرعی احکام......ابن جزی المالکی رحمہ اللہ نے ودیعت کے متعلق فروعی احکام ذکر کئے ہیں جو یہ ہیں۔

پہلا حکم: ودیعت سے تجارت کرنا......جس نے ودیعت کے مال سے تجارت کی تو منافع اس کے لئے حلال ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں منافع صدقہ کرے اور بعض کے ہاں منافع ایک کا ہے۔

دوسرا حکم: ودیعت قرض دینا......جس نے ودیعت کو قرض دیا اگر وہ عین ہے تو مکروہ ہے اشہب نے اجازت دی ہے جبکہ وفا کر سکے اور اگر عروض وسامان ہے تو بالکل جائز نہیں اگر کیلی اور وزنی چیز ہے جیسے طعام تو اس میں دو قول ہیں یا اس کو نقود کے ساتھ ملایا جائے گا یا سامان کے ساتھ۔

تیسرا حکم: ودیعت میں اختلاف......جب ودیع سے ودیعت طلب کی گئی اس نے ہلاک ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ، اسی طرح اگر واپس کرنے کا دعویٰ کیا الا یہ کہ گواہوں کی موجودگی میں قبضہ کیا تو واپسی میں گواہوں کے بغیر اس کی بات معتبر نہیں، ابن قاسم، امام ابوحنیفہ، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں اس کی بات معتبر ہوگی اگرچہ گواہوں کے ساتھ ہی قبضہ کیا ہو۔

چوتھا حکم: ودیعت کی حفاظت پر اجرت طلب کرنا......جب ودیع، ودیعت کی حفاظت کی اجرت طلب کرے تو اسے نہیں دی جائے گی سوائے اس کے کہ اس کی وجہ سے اس کا گھر مشغول ہو پھر اسے کرایہ لینے کا اختیار ہے اور اگر اسے بند کرے یا تالا چاہے تو وہ مالک کے ذمہ ہوگا۔

پانچواں حکم: دوسری ودیعت کے مثل کا انکار کرے......جب کوئی آدمی دوسرے شخص کے پاس ودیعت رکھے وہ اس میں خیانت اور انکار کرے پھر ودیع اول مودع کو اس کے مثل دے دے، کیا اسے انکار کا اختیار ہے تو مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ اسے اجازت نہیں اور ایک قول کراہت کا ہے اور ایک قول اباحت کا ہے۔

چھٹی بحث: ودیعت کی انتہاء......عقد ایداع درج ذیل صورتوں میں ختم ہوجاتا ہے۔

۱.....ودیعت واپس طلب کرنے یا واپس کرنے کی وجہ سے: جب مودع ودیعت واپس طلب کرے یا ودیع خود واپس کردے تو عقد ایداع ختم ہوگیا، کیونکہ یہ عقد غیر لازم ہے واپس مانگنے یا واپس کرنے سے ختم ہوجاتا ہے۔

۲.....ودیع یا مودع کے مرنے کی وجہ سے: موت کی وجہ سے عقد ایداع ختم ہوجاتا ہے کیونکہ یہ عاقدین کے درمیان ہوتا ہے۔

۳.....عاقدین میں سے کسی ایک کے مجنون یا بے ہوش ہوجانے کی وجہ سے بھی کیونکہ اہلیت ختم ہوگئی ہے۔

۴.....مودع پر پابندی بے وقوفی کی وجہ سے یا ودیع مفلس ہو تو مص...ی وجہ سے۔

۵.....ودیعت کی ملکیت مالک کے علاوہ کسی کی طرف منتقل ہونا، مالک کا بیع، ہبہ یا کسی اور طریقہ سے اپنی ملکیت کو کسی دوسرے کی طرف منتقل کردینا۔

آٹھویں فصل......عاریت

موضوع کا خاکہ......عاریت کے متعلق چھ مباحث میں بات ہوگی۔

پہلی بحث......عاریت کی تعریف ومشروعیت۔

دوسری بحث......عاریت کا رکن اور شرائط۔

تیسری بحث......عقد عاریت کا حکم۔

چوتھی بحث......عاریت کی حالت آیا اس میں ضمان ہے یا امانت۔

پانچویں بحث......معیر اور مستعیر کے درمیان اختلاف۔

چھٹی بحث......عاریت کی انتہاء۔

پہلی بحث: عاریت کی تعریف اور مشروعیت......عاریت نام ہے اس چیز کا جس سے عار ملایا جاتا ہے یا عقد عاریت کا نام ہے یہ ''عار'' سے ماخوذ ہے اس کا معنی آنا جانا اور کہا گیا ہے تعادر سے ہے باری باری آنا، جوھری نے کہا گویا کہ عار کی طرف منسوب ہے اس لئے کہ اس کا طلب کرنا عار اور عیب ہے، اس پر اعتراض ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عاریت والا معاملہ کیا ہے اگر یہ عار اور عیب ہوتو آپ ایسا نہ کرتے۔

علامہ سرخسی اور مالکیہ نے عاریت کی تعریف بایں الفاظ کی ہے: منفعت کا مالک بنانا بلاعوض، اس کو عاریت اس لئے کہتے ہیں کہ یہ عوض سے خالی ہے۔ شوافع اور حنابلہ نے تعریف اس طرح کی ہے کہ منفعت کو مباح کرنے عوض کے بغیر، یہ ہبہ سے مختلف ہے کیونکہ یہ منافع پر ہوتا ہے، جبکہ ہبہ عین مال پر ہوتا ہے، دونوں تعریفوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی تملیک کا فائدہ دیتی ہے لہٰذا مستعیر غیرہ کو اعارہ کرسکتا ہے۔ اور دوسری تعریف اباحت کا فائدہ دیتی ہے مستعیر کسی دوسرے کو عاریت یا اجارہ کے طور پر نہیں دے سکتا ہے۔

عاریت ثواب کا کام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى...... المائدۃ:۵/۲

نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو، جمہور مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تشریح ''وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ'' (الماعون ۱۰۷/۷) کی ان چیزون سے کی ہے جو پڑوسی بعض بعض سے مانگ کر لیتے ہیں جیسے ڈول، گلاس، سوئی وغیرہ۔ اور صحیحین میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گھوڑا عاریت پر لیا اور اس پر سوار ہو، اور ابوداؤد کی سند جیز کے ساتھ روایت ہے کہ ''حنین کے موقع پر صفوان بن امیہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ذرہ لی اس نے کہا کہ غصب کے طور پر اے محمد، آپ نے فرمایا نہیں عاریت مضمون۔

دوسری بحث: عاریت کا رکن اور شرائط......حنفیہ کے ہاں عاریت کا رکن معیر کی جانب سے ایجاب ہے صرف باقی مستعیر کی جانب سے قبول، جمہور حنفیہ کے ہاں رکن نہیں استحساناً اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ رکن ہو یہی امام زفر کا قول ہے جیسے ہبہ میں یہاں تک کہ جس نے حلف اٹھایا کہ فلاں کو عاریت کے طور پر نہیں دے گا، پھر عاریت کے طور پر دے دیا اور اس نے قبول نہ کیا تو جمہور حنفیہ کے ہاں حانث ہوگا اور امام زفر کے ہاں حانث نہ ہوگا جیسا کہ ہبہ میں گذرا۔ اور ایجاب یہ کہ کہے یہ چیز میں تمہیں عاریت کے طور پر دیتا ہوں یا یہ کپڑا تمہیں عطیہ

دیتا ہوں یا یہ گھر یا اس زمین کو تمہیں بطور انعام دیتا ہوں، بس اس میں لفظ اعارہ صریح ہے اور منحۃ کا معنی عطیہ جس سے انسان ایک مدت تک فائدہ اٹھائے پھر اس کی مالک کو واپس کر دے یہی عاریت کا معنی ہے اور اطعام کا لفظ جو ''ارض'' کی طرف مضاف ہے وہ اس کے منافع جو زراعت سے حاصل ہوں دینا ہے بغیر عوض کے عرفاً وعادۃً۔

شوافع کے ہاں معیر یا مستعیر کی جانب سے صیغ عقد کا پایا جانا ضروری ہے مثلاً أعرتك أو أعلني کیونکہ غیر کے مال سے نفع اٹھانا اس کی اجازت پر موقوف ہے۔ جمہور کے ہاں اعارہ کے ارکان چار ہیں، معیر، مستعیر، عاریت دی جانے والی چیز اور صیغہ ہر وہ لفظ جو منفعت کے ہبہ پر دلالت کرے چاہے بات ہو یا عمل۔

عاریت کی شرطیں.....فقہاء کے ہاں عاریت کی شرطیں یہ ہیں:

۱.....معیر عاقل ہو پس مجنون، ناسمجھ بچے کی عاریت درست نہیں اور حنفیہ کے ہاں بلوغ شرط نہیں اور ان کے علاوہ باقیوں کے ہاں شرط ہے کہ معیر تبرع کا اہل ہو مختار ہو، اس لئے کہ عاریت، منفعت کی اباحت کا تبرع ہے پس اس سے صحیح نہیں جو تبرع کا اہل نہ ہو جیسے بچہ، بے وقوف، نادار اور زبردستی کیا ہوا۔

۲.....مستعیر کی جانب سے قبضہ، اس لئے کہ عاریت عقد تبرع ہے، تو قبضہ کے بغیر عاریت کا حکم ثابت نہ ہوگا جیسے ہبہ میں۔

۳.....شئی مستعار ایسی ہو کہ اس سے نفع اٹھانا ہلاک کئے بغیر ممکن ہو ورنہ عاریت درست نہ ہوگی۔

علماء نے یہ بات لکھی ہے کہ ہر وہ عین جسے باقی رکھتے ہوئے اس سے نفع اٹھانا ممکن ہے اس کی عاریت درست ہے جیسے مکانات وزمین، کپڑے، سواریاں اور سارے جانور اور ہر وہ چیز جو متعین مصروف ہو جبکہ اس کا نفع مباح الاستعمال ہو، پس لونڈیوں کی اباحت جائز نہیں، اور خدمت کے لئے مکروہ ہے ہاں اگر ذی رحم محرم ہو تو پھر کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ خلوت میں مامون نہیں اور اسلحہ، گھوڑے حربی کافر کو عاریت کے طور پر دینے حرام ہیں اور مصحف اور جو اس کے متعلق ہیں کافر کو دینا اور شکار کا محرم کو دینا۔

تیسری بحث: عقد عاریت کا حکم.....یہاں پر اصل حکم عاریت اور اس کی صفحات میں بحث ہوئی۔

اصل حکم عاریت.....عرف میں عاریت کا نام دو طریقوں سے استعمال ہوتا ہے ایک بطور حقیقت اور ایک بطور مجاز، یہاں بطور حقیقت استعمال سے بحث ہوگی اور وہ عین چیزوں کا اعادہ ہے جن سے نفع اٹھایا جاتا ہے اصل کو باقی رکھتے ہوئے، اس کا حکم مالکیہ اور جمہور حنفیہ کے ہاں مستعیر کو منفعت کا مالک بنانا ہے بغیر کسی عوض کے اور ان چیزوں کا جو عرف وعادت کے اعتبار سے منفعت سے منسلک ہیں۔ امام کرخی، شوافع اور حنابلہ کے ہاں: اعارہ کا موجب عین سے نفع اٹھانا مباح ہونا ہے پس یہ عقد اباحت ہے اعادہ ان کے ہاں عین سے نفع اٹھانا مباح ہونا ہے اعیان مال میں سے۔ دونوں فریقوں کے اس اخلاق پر دارومدار ہے اس بات کا کہ مستعیر کے لئے فریق اول کے ہاں شئی مستعار کو دوسرے کو عاریت کے طور پر دینا جائز ہے، اگرچہ مالک اجازت نہ بھی دے جبکہ استعمال کرنے سے وہ تبدیل نہ ہو۔ ہاں مالکیہ کے ہاں اگر معیر، مستعیر کو عاریت کے طور پر دینے سے منع کر دے تو اسے آگے دینا جائز نہیں۔

حنفیہ کی دلیل.....معیر نے مستعیر کو منافع حاصل کرنے پر مسلط کیا ہے اور اس طور پر مسلط کرنا تملیک ہے نہ کہ اباحت جیسا کہ عین میں ہوتا ہے، اور تملیک کا تقاضا ہے کہ مستعیر نفع اٹھانے میں آزاد ہو۔

جبکہ فریق ثانی کے ہاں مستعیر کے لیے عاریت کو آگے عاریت پر دینا جائز نہیں کیونکہ عاریت منفعت کی اباحت کا نام ہے وہ اسے دوسرے کسی کے لئے مباح کرنے کا مالک نہیں جیسے کھانے کی اباحت، پس مہمان کے لئے دوسری کو اپنے سامنے سے چیز دینا مباح نہیں۔

اور ان کی دلیل عقد اجارہ بغیر مدت کے درست ہونے پر علماء کا اتفاق ہے، پس اعادہ کا مقتضی اگر تملیک منفعت ہوتا تو مدت کے بغیر جائز نہ

ہو جیسے اجارہ۔

فریقین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مستعیر عین عاریت کے اجارہ کا مالک نہیں فریق ثانی کے ہاں سبب یہ ہے کہ عاریت صرف منافع کو مباح کرنے کا نام لیکن وہ اس کا مالک نہیں ہوتا، اور فریق اول کے ہاں سبب یہ ہے کہ مستعیر اجارہ کا مالک نہیں کیونکہ وہ عقد لازم ہے اور عاریت عقد تبرع ہے جائز غیر لازم پس اس کے ذریعہ اس کا مالک نہیں بن سکتا جو لازم ہے پس یہ عاریت کی طبیعت کو تبدیل کر دے گا، اسی طرح مستعیر کو یہ اختیار بھی نہیں کہ وہ رہن رکھے اس لئے کہ چیز اپنے سے اوپر والی چیز کو متضمن نہیں۔ رہ گیا اجارہ کا اطلاق بطور مجاز تو وہ کیلی وزنی، عددی متقارب چیزوں کے علاوہ پر ہوتا ہے مثلاً اخروٹ، انڈے اور ہر وہ چیز جس سے نفع ہلاک کئے بغیر نہیں اٹھایا جا سکتا جیسے درہم دینار پر حقیقۃً قرض ہے پس اس پر اس کا مثل یا قیمت ہوگی لیکن مجازاً عاریت ہے، اس لئے کہ اس سے نفع ہلاک کیے بغیر نہیں اٹھایا جا سکتا اور عین میں تصرف کے بغیر کوئی راستہ نہیں برخلاف حقیقی عاریت کے اس لئے کہ محل عقد اس میں منفعت ہے نہ کہ عین چاہے ہم اسے تملیک منفعت کہیں یا اباحت منفعت۔

عاریت سے نفع اٹھانے کے حقوق..... حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں: مستعیر عاریت سے اجازت کے مطابق نفع اٹھا سکتا ہے، اور حنفیہ کے ہاں عاریت مطلقہ اور مقید کے مختلف ہونے سے عاریت کے حقوق عمل مختلف ہوتے ہیں۔

عاریت مطلقہ..... یہ کہ ایک شخص کوئی چیز عاریت دے اور عقد میں یہ بیان نہ کرے کہ خود استعمال کرے یا کوئی دوسرا اور نہ ہی کیفیت استعمال بیان کرے مثلاً ایک شخص دوسرے کو گھوڑا عاریت کے طور پر دے اور کوئی جگہ یا وقت مقرر نہ کرے اور نہ ہی سواری کرنا یا بوجھ لانا مقرر کرے تو اس کا حکم یہ ہے۔

مستعیر مالک کے بمنزلہ ہے ہر وہ طریقہ جس سے مالک نفع اٹھاتا ہے اس سے مستعیر بھی نفع اٹھائے گا اس کو اختیار ہے کہ وہ سواری کو جہاں چاہے اور جب چاہے استعمال کرے اور سوار ہو یا بوجھ لادے یا کسی دوسرے کو سوار کرے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوگا، اور یہ عاریت کے منافع کا مطلق مالک ہوا ہے الا یہ کہ عادتاً جو بوجھ لادا جاتا ہے اس سے زیادہ نہیں لادے گا اور دن رات مکمل استعمال نہیں کرے گا، اگر سواریوں میں ایسا نہ کیا جاتا ہو پس اگر ایسا کیا اور وہ مر گیا تو ضامن ہوگا، کیونکہ عقد مطلق عرف و عادت سے مقید ہوتا ہے ضمناً جیسا کہ نصاً ہوتا ہے۔

عاریت مقیدہ..... وہ ہے جو وقت اور نفع دونوں کے ساتھ مقید ہو یا ایک کے ساتھ، اور وہ اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں قید کی رعایت رکھی جائے گی جہاں تک ممکن ہو کیونکہ اصل ہے کہ مقید میں قید کا اعتبار ہوتا ہے مگر یہ کہ جب قید کا اعتبار کرنا فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے متعذر رہو تو پھر قید لغو ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ قید فضول ہوگی وضاحت یہ ہے کہ۔

جب صرف خود استعمال کرنے سے مقید کرے..... اگر استعمال اس طرح ہو کہ لوگ اس میں مختلف ہوں جیسے سواری یا کپڑا پہننا تو پھر وہ اس کے ساتھ مختص ہوگا اور اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو سوار کرے یا کپڑا پہنائے۔ اور اگر استعمال ایسا ہے کہ لوگوں کے تفاوت سے اس میں تفاوت نہیں آتا مثلاً رہائش اختیار کرنا گھر میں تو اس کو اجازت ہے کہ وہ دوست کو رہائش دے اس لئے کہ عقد سے وہ رہائش کا مالک ہوا ہے اور لوگ عادۃً اس میں تفاوت نہیں ہوتے۔

پس اس کی رہائش کی قید مقید نہیں لغو ہوگی الا یہ کہ وہ جیسے رہائش رہے وہ لوہار ہو یا دھوبی ہو، اور ان کی طرح کے دوسرے آدمی جن کی وجہ سے عمارت کمزور ہوتی ہو پس وہ ان کو رہائش نہیں دے سکتا اور نہ ان کاموں کے لئے خود استعمال کر سکتا ہے جب تک کہ معیر راضی نہ ہو جائے۔

وقت یا جگہ متعین کرے...... اور وہ اس جگہ سے تجاوز کرے یا وقت میں اضافہ کرے تو پھر وہ ضامن ہوگا۔

بوجھ اور جنس کی تعیین...... اگر اس نے اس پر بوجھ لادا اور اضافہ بھی کیا تو ضامن ہوگا، بقدر زیادتی کے اگر خود سوار ہوا اور پیچھے بھی کسی کو بٹھا دیا اور وہ جانور مر گیا اگر جانور ایسا تھا کہ اس بوجھ کی طاقت رکھتا تھا، تو پھر نصف قیمت کا ضامن ہوگا، اس لئے کہ اس نے صرف نصف قیمت ہی میں مخالفت کی ہے، اور اگر جانور ایسا ہے کہ اتنے بوجھ کی طاقت نہیں رکھتا تھا، تو ساری قیمت کا ضامن ہوگا اس لئے کہ اس نے اسے ہلاک کیا ہے۔

اور اگر جانور پہ خلاف جنس لادا اگر وہ اس سے ہلکا یا اس کے برابر تھا تو ضامن نہیں ہوگا ورنہ ہوگا، اور اگر عقد میں متعین وزن اور بوجھ کے برابر بوجھ ہو، بایں طور کہ جانور عاریت پر لے کر اس پر سو رطل روئی لادے گا اور اس نے سو رطل لوہا لادلیا تو ضامن ہوگا کیونکہ لوہے کا بوجھ پیٹھ پر ایک ہی جگہ مرتکز ہوتا ہے اور روئی کا بوجھ پوری پیٹھ اور بدن پر ہوتا ہے پس جانور کا نقصان زیادہ ہے دو ضرروں میں سے کم پر رضامندی، زیادہ پر رضامندی کی دلیل نہیں اور اگر بوجھ عقد میں متعین بوجھ سے زیادہ ہوا گر وہ جنس مذکور فی العقد میں سے ہو تو بقدر زیادت کا ضمان ہوگا اور اگر خلاف جنس میں سے ہو تو کل قیمت کا ضامن ہوگا اگر معیر اور مستعیر مدت عاریت میں یا بوجھ کی مقدار میں یا جگہ کے بارے میں اختلاف کریں تو بات معیر کی معتبر ہوگی اس لئے کہ معیر ہی نے عاریت سے نفع کی اجازت دی ہے تو اس کی بات کا اعتبار ہوگا نفع کی صورت میں اور مستعیر دعویٰ کر رہا ہے کہ نفع اس طرح ہے، جس طرح وہ چاہ رہا ہے، اور معیر منکر ہے اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

عاریت کی صفت کا حکم...... حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں: جو ملکیت مستعیر کے لئے ثابت ہے وہ غیر لازم ہے اس لئے کہ یہ ایسی ملک ہے جس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہیں پس لازم نہیں جیسے ہبہ سے ثابت شدہ ملکیت، معیر کے لئے جائز ہے کہ وہ عاریت میں رجوع کر لے، جیسے مستعیر کو اجازت ہے کہ وہ جب چاہے واپس کر دے چاہے عاریت مطلقہ ہو یا مؤقت بوقت ہو، جب تک کہ معیر ایسے کام کی اجازت نہ دے جس میں رجوع سے نقصان ہوتا ہو، یا عاریت لازم ہو جیسے کوئی میت کے دفنانے کے لئے زمین دے تو جس جگہ میت دفن ہوئی ہے اس جگہ معیر کے لئے رجوع کرنا جائز نہیں اور مستعیر کے لئے واپس کرنا ممتنع ہے یہ دونوں جانب سے لازم عاریت ہے یہاں تک کہ مدفون کا اثر ختم ہو جائے اور وہ مٹی بن جائے، اسی کی طرح کسی نے معتدہ کو عدت کے لئے رہائش دی تو معیر کے لئے واپس کرنا جائز نہیں۔ اس بات پر دلیل کہ عاریت عقد جائز غیر لازم ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”عطیہ واپس کیا جائے گا اور عاریت محبت کا ذریعہ ہے۔“

مالکیہ کے ہاں مشہور قول کے مطابق معیر کو عاریت واپس لینے کا حق نہیں نفع اٹھانے سے پہلے اور جب عاریت وقت مقرر تک ہو تو معیر کے لئے وقت گذرنے سے پہلے رجوع جائز نہیں اور اگر مدت مقرر نہ ہو تو معیر پر اتنی مدت لازم ہے جتنی مدت اس عارت کی لوگوں میں ہوتی ہے اور علامہ دردیر مالکی رحمہ اللہ علیہ نے شرح الکبیر میں فرمایا: راجح یہ ہے کہ معیر عاریت مطلقہ میں جب چاہے رجوع کر سکتا ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ مالکیہ عاریت مطلقہ میں رجوع کی گنجائش دیتے ہیں اور مقیدہ میں اجازت نہیں دیتے چاہے شرط عمل، زمانہ عرف یا عاریت سے مقید۔ دونوں فریقوں کے درمیان اختلاف کا سبب یہ کہ عاریت میں لازم عقود کی نظر بھی ہے اور غیر لازم کو بھی۔

عمارت، درخت یا زراعت کے لئے عاریت پر دی گئی زمین میں رجوع...... حنفیہ کے ہاں اگر عاریت مطلقہ ہو تو معیر مالک زمین کو اختیار ہے جب چاہے واپس لے لے اس لئے کہ عاریت غیر لازم ہے اور مستعیر پر زبردستی کی جائے گی کہ وہ درخت اکھاڑے اور عمارت توڑے، اس لئے کہ ان کو باقی چھوڑنے میں معیر کا نقصان ہے، اور معیر درخت اور عمارت میں سے کسی کی بھی قیمت کا ضامن نہ ہوگا، اس لئے کہ اس نے مستعیر کو کسی قسم کا بھی دھوکا نہیں دیا عقد مطلق رکھا ہے بلکہ مستعیر نے خود دھوکا کھایا ہے، بایں طور کہ مطلق کو ہمیشہ پر محمول کیا

دھوکا کھا گیا دھوکا اسے دیا نہیں گیا۔ اور اگر عاریت وقت سے مقید ہو تو پھر معیر کو حدیث کا حق کی وجہ سے واپس لینے کا حق ہے۔ لیکن وقت مکمل ہونے سے پہلے رجوع مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں وعدہ کی خلاف ورزی ہے اور اسے مستعیر پر عمارت اور درخت کا اکھاڑنے کے لئے زبردستی کی اجازت نہیں اس صورت میں مستعیر کو اختیار ہے چاہے تو معیر سے عمارت اور درختوں کی قیمت لے لے اس لئے کہ اس نے دھوکا دیا ہے اسے وقت مقرر کرے پھر وقت سے پہلے نکال رہا ہے، اور چاہے تو درختوں اور عمارت کو ضمان دے کر لے لے اور چاہے تو کاٹنے پر راضی ہو جائے، یہ سب کچھ حاکم شہید نے اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے اور قدوری میں ہے کہ معیر عمارت اور درختوں کے نقصان کا ضامن ہوگا اس لئے کہ مستعیر کو دھوکا دیا گیا ہے اس طور پر کہ معیر نے اس کے لئے وقت مقرر کیا ہے ظاہر تو یہ ہے کہ وعدہ وفا کرنا چاہیے اور مغرور، دھوکا دینے والے پر رجوع کرے گا اپنے نفس سے نقصان دور کرنے کے لئے اور جب کوئی شخص زراعت کے لئے زمین عاریت پر لے، تو وہ اس سے کھیتی کاٹنے تک نہیں لی جا سکتی، چاہے عاریت کے لئے وقت مقرر کرے یا نہ کرے، اس لئے کہ زراعت کی ایک معلوم مدت ہے اور کھیتی چھوڑنے میں کٹائی تک بطریق اجارہ اجرت سے مثل کے ساتھ دونوں کے حق کی رعایت ہے یہ خلاف درخت لگانے کے اس لئے کہ ان کے لئے کوئی انتہائی وقت مقرر نہیں پس مالک سے نقصان ختم کرنے کے لئے اکھیڑے جائیں گے۔

مالکیہ کے ہاں...... راجح یہ ہے کہ معیر اعارہ مطلقہ میں جب چاہے رجوع کرے لیکن جب عاریت مقید ہو شرط کے ساتھ یہ عرف وعادت کے ساتھ، تو مدت گذرنے سے پہلے رجوع جائز نہیں۔

اسی بناء پر جب زمین عمارت یا درخت لگانے کے لئے عاریت کے طور پر دی اور اس نے عمارت بنالی درخت لگالیے اگر مدت مقرر نہیں کی تو معیر، مستعیر کو نکال سکتا ہے اور معیر مستعیر کی عمارت اور درختوں کا مالک ہوگا اگر اسے خرچ دیا تو اور اس طور پر مقید عاریت میں معیر کو زمین میں رجوع کی اجازت نہیں جبکہ عمارت اور درخت مدت ختم ہونے سے پہلے ہوں جب تک کہ مستعیر کو اخراجات نہ دے دے اور اگر عمارت اور درختوں کی مشروط معتاد مدت گزر گئی تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو مستعیر کو عمارت گرانے کا حکم اور درخت اکھاڑنے کا حکم دے دے اور زمین پر یہ کرنے کا جیسے پہلے تھی اور اگر چاہے تو اس کی ٹوٹی ہوئی اور اکھیڑے ہوئے درختوں کی قیمت دے دے جبکہ ان کی قیمت بنتی ہو، گرانے والے اور زمین برابر کرنے والے کی اجرت ساقط کرنے کے بعد جبکہ مستعیر بذات خود یا اس کا خادم یہ کام نہ کرتا ہو۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں: اگر عاریت عمارت اور درختوں کے لئے ہو اور مدت بیان نہ ہو تو مستعیر اس وقت تک زمین سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جب تک معیر رجوع نہ کرے، لیکن اگر معیر نے رجوع کر لیا عمارت بنانے کے بعد اگر معیر نے اکھیڑنے کی شرط رکھی تھی تو پھر اکھیڑنا لازم ہے شرط پر عمل کرتے ہوئے، اور مستعیر کے ذمہ لازم ہوگا کہ وہ زمین برابر کر دے اگر شرط لگائی ہو ورنہ برابر کرنا ضروری نہیں اس لئے کہ جب وہ اکھیڑنے پر راضی ہے تو اکھیڑنے کی وجہ سے جو گڑھے پڑھے ہیں ان پر راضی ہے اس پر ضمان نہ ہوگا۔ نیز اس لئے بھی کہ اس کو اس کی اجازت ہے ضمان لازم نہ ہوگا۔

لیکن اگر اکھیڑنا شرط نہ ہو تو اگر مستعیر نے اکھیڑنا اختیار کیا تو اکھیڑ لے بغیر اس کے کہ معیر کو نقصان کی قیمت دے اور شوافع کے ہاں مستعیر کے ذمہ زمین برابر کر کے دینا لازم ہے اور حنابلہ کے ہاں بھی برابر کر کے دینا لازم ہو، اس لئے کہ اکھیڑنا اس کے اختیار سے ہوا ہے کیونکہ اگر وہ اس سے رک جائے تو اس پر جبر نہیں کیا جائے گا پس گڑھوں کو برابر کرنا لازم ہے جیسا کہ وہ زمین خراب ہو جائے جو عاریت کے طور پر نہیں لی گئی البتہ حنابلہ میں سے قاضی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ گڑھوں کو برابر کرنا لازم نہیں اس لئے کہ معیر اس سے راضی ہے بایں طور کہ اسے اکھیڑنے کا علم تھا یہی ان کے ہاں اصح ہے لیکن اگر معیر اکھیڑنا پسند نہ کرے تو معیر کو اختیار ہے چاہے تو اجرت مثل پر باقی رکھے اور چاہے تو اکھیڑ دے اور اکھیڑی ہوئی حالت اور صحیح حالت کے درمیانی قیمت دے دے۔ اور اگر عاریت کسی عمارت یا درخت لگانے وغیرہ کے لئے ہو یا غیر مؤقت ہو تو

معیر کو پھر بھی رجوع کا حق ہے جب وہ رجوع کرے یا مدت ختم ہوجائے تو سابقہ احکام عاریت مطلقہ کے مطابق جاری ہوں گے، چاہے اکھیڑنے کی شرط رکھی ہو یا نہ رکھی ہو اور اس کے انکار۔

جب کسی آدمی نے زراعت کے لئے زمین عاریت پر دی تو اس کو رجوع کا اختیار ہے جب تک زراعت نہ ہوئی ہو لیکن جب زراعت ہوگئی تو کٹائی تک اسے رجوع کا اختیار نہیں اور اس پر اس وقت تک کھیتی باقی رکھنا لازم ہے۔

اگر معیر نے کٹائی سے پہلے رجوع کر لیا تو مستعیر پر رجوع کے وقت سے کٹائی تک کی مدت کی اُجرت مثل لازم ہوگی۔ . . .

خلاصہ..... شوافع، حنابلہ اور حنفیہ کے ہاں معیر کو عمارت یا درختوں کے لئے عاریت کے طور پر دی ہوئی چیز میں رجوع کا حق حاصل ہے چاہے عاریت مطلق ہو یا مقید۔ اور زراعت والی صورت میں رجوع کا اثر اجرت مثل کے مطالبہ کے حق تک معیر کا حق رہے گا جو رجوع اور کٹائی کے درمیان مدت ہے اور مالکیہ کے ہاں معیر کو عاریت مطلقہ میں رجوع کا حق ہے اور مدت ختم ہونے سے پہلے مقید میں حق نہیں یہ مدت مقرر ختم ہونے تک لازم ہے۔

چوتھی بحث: عاریت کی حالت آیا مضمون ہے یا امانت؟..... حنفیہ کے ہاں شئی مستعار، مستعیر کے ہاتھ میں امانت ہے چاہے استعمال کرے یا نہ ہر حال میں ضامن نہ ہوا سوائے کوتاہی اور تعدی کے، اس لئے کہ مستعیر کی جانب سے وجوب ضمان کا سبب نہیں پایا گیا پس اس پر ضمان نہ ہوگا جیسے ودیعت اور اجارہ، اس لئے کہ آدمی پر کسی عمل کے بغیر ضمان ضمان نہیں ہوتا اور اس نے ایسا کام نہیں کیا جو موجب ضمان ہو، اس لئے کہ وہ غیر کے مال کی حفاظت کر رہا ہے اور یہ مالک کے حق میں احسان ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۚ الرحمٰن ۵۵/۶۰

احسان کا بدلہ صرف احسان ہی ہے۔ مالکیہ کے ہاں مستعیر ان چیزوں کا ضامن ہوگا جو پوشیدہ رکھی جاسکتی تھیں مثلاً کپڑے، زیور، سمندر میں چلنے والی کشتی اور یہ بھی اس وقت جبکہ ان کے تلف اور ضائع ہونے پر بلا سبب گواہ نہ ہوں اور وہ چیزیں جو پوشیدہ نہیں رکھی جاسکتی ان میں ضامن نہ ہوگا جیسے جانور اور زمین اور نہ ہی ان چیزوں کا جن کے تلف پر گواہ قائم ہوں ان کی دلیل دو حدیثوں میں تطبیق جمع ہے۔

پہلی حدیث:..... حضور علیہ السلام نے صفوان بن امیہ سے کہا بلکہ عاریت مضمون ہے ایک روایت میں ہے ”بلکہ عاریت فوادۃ ہے“۔

دوسری حدیث..... ”جو مستعیر خائن نہ ہو اس پر کوئی ضمان نہیں اور نہ ہی مستودع غیر خائن پر ضمان ہے“ پس ضمان ”مایغاب علیہ“ پر محمول ہوگا اور دوسری حدیث ”مالا یغاب علیہ“ پر محمول ہوئی اور یہ مذہب حنفیہ کے مذہب کے قریب ہے اس بات میں کہ عاریت امانت ہے۔

شوافع کے ہاں..... اصح یہ ہے کہ عاریت تلف کے دن کی قیمت کے ساتھ مضمون ہے جب وہ اجازت شدہ استعمال سے ہٹ کر استعمال کرے اگرچہ تفریط نہ بھی کی ہو حضرت صفوان کی روایت ہے، بلکہ عاریت مضمون ہے، نیز اس لئے بھی کہ یہ مال ہے اس کو مالک تک پہنچانا واجب ہے پس تلف کی وجہ سے ضمان ہوگا۔ جیسے خریداری کی نیت سے قبضہ کی ہوئی چیز، ہاں اگر اجازت شدہ استعمال سے تلف ہو تو کوئی ضمان نہیں اس لئے کہ تلف اجازت شدہ استعمال کی وجہ سے ہوا ہے اگر اجازت شدہ بوجھ جانور کے لئے اٹھانا مشکل ہو یا اس سے جانور مرجائے یا کپڑے بالکلیہ ختم ہوجائیں یا بیل کنویں میں گر جائے جو پانی نکالنے کے لئے لیا گیا تھا تو ان تمام حالات میں اس پر کوئی ضمان نہیں، یہی حکم ہے جب مستعیر رہن رکھنے کے لئے کوئی چیز عاریت کے طور پر لے رہن رکھے اور مرتہن کے پاس وہ ضائع ہوجائے لیکن اس میں دین کی جنس ذکر کرنا، مقدار، صفت اور جس کے پاس رکھ دیا اس کا مذکورہ ضروری ہے اور مستعیر کا قبضہ عاریت یہ شوافع کے ہاں غیر ماذون الاستعمال

میں ضمان کا قبضہ ہے تلف کی وجہ سے ضامن ہوگا چاہے تعدی وکوتاہی ہو یا نہ ہو چاہے حفاظت میں کوتاہی ہو یا نہ ہو، امام نووی رحمہ اللہ نے المنہاج میں فرمایا: اگر تلف ہو جائے شئی مستعار مستعیر کے پاس غیر ماذون استعمال کی وجہ سے تو ضامن ہوگا اگر چہ اس کی جانب سے تفریط نہ بھی ہوئی ہو، حدیث سابق کی وجہ سے الخ۔ اور اصح یہ ہے کہ عاریت میں تلف کے دن کی قیمت کا ضمان ہوگا نہ قبضہ کے دن کی قیمت اور نہ آخری قیمت۔

حنابلہ کے ہاں ظاہر مذہب میں عاریت مطلقاً مضمون ہے چاہے مستعیر سے تعدی ہو یا نہ اور تلف کے دن کی قیمت لازم ہے دلیل ہے صفوان بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت ہے اس میں ''بل عاریۃ مضمونۃ'' کے الفاظ اس کا حکم میں اور یہی ابن عباس ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ نیز آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے ہاتھ پر لے لیا گیا یہاں تک کہ واپس کر دے، نیز یہ غیر کا مال ہے اس نے اپنے نفع کے لئے لیا ہے رہن کی طرح بطور وثیقہ نہیں لیا اور بغیر استحقاق کے لیا ہے اور تلف کی اجازت بھی نہیں غصب کی طرح مضمون ہوگا۔

حنابلہ نے اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ اگر مستعیر وقف کو عاریت کے طور پر لے یا مجاہدین کے لئے وقف شدہ چیز لے پھر اس کی کوتاہی کے بغیر یہ چیزیں ہلاک ہو جائیں تو اس پر ضمان نہیں، اس لئے کہ علم سیکھنا سکھانا اور جہاد یہ عام لوگوں کے مصالح میں سے ہیں۔

خلاصہ...... یہ کہ مستعیر کا قبضہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں ضمان کا ہے اور حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں امانت ہے۔ اور مستعیر عاریت کو جنہیں سپرد کرنے کی عادت ہے انہیں سپرد کرنے کی وجہ سے بری الذمہ ہو جائے گا جیسے بیوی، خزانچی وکیل وغیرہ۔

معیر کا ضمان کی شرائط...... حنفیہ کے ہاں: جب معیر، مستعیر پر ضمان کی شرط لگائے تو یہ شرط باطل ہے اسی قول پر فتویٰ ہے جیسا کہ ودیعت میں، اور جیسے رہن میں ضمان کی شرط نہ لگانا، اس لئے اس سے عقد تبدیل ہو جاتا ہے۔

مالکیہ کے ہاں...... جب معیر ایسی جگہ پر ضمان کی شرط لگائے جہاں ضمان واجب نہیں تو مستعیر عاریت کے استعمال کی وجہ سے ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ شرط عاریت کو اپنے حکم سے نکال کر اجارہ فاسد کے باب میں لے جاتی ہے، جب اس کا مالک عاریت پر راضی نہ ہو بغیر ضمان، اور یہ عوض مجہول ہے بس معلوم کی طرف لوٹانا واجب ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... جب مستعیر یہ شرط لگانے کہ عاریت امانت ہے یا ضمان کی نفی کر دے تو ضمان ساقط نہیں ہوگا بلکہ شرط لغو ہوگی، اس لئے کہ ہر وہ عقد جو ضمان کا تقاضا کرتا ہے شرط اسے تبدیل نہیں کر سکتی جیسے بیع صحیح یا فاسد کا قبضہ۔

عاریت کا امانت سے ضمان میں تبدیل ہونا...... حنفیہ کے ہاں عاریت، امانت سے ضمان میں درج ذیل اسباب کی وجہ سے تبدیل ہوتی ہے۔

۱...... ضائع کرنا اور حقیقۃً تلف کرنا کسی ویران جگہ ڈال کر یا چور کو بتانا، یا معنوی طور پر ضائع کرنا مثلاً عاریت طلب کرے یا مدت ختم ہو جائے واپس نہ کرنا۔

۲...... استعمال عاریت میں حفاظت چھوڑ دینا۔

۳...... شئی مستعار کو غیر مشروط طور پر یا غیر مانوس طریقہ سے استعمال کرنا۔

۴...... کیفیت حفاظت میں مخالفت کرنا مثلاً حکم تھا کہ اس سے غافل نہ رہنا، اس نے غفلت کی تو ضامن ہوگا، پس اگر معیر کی

موافقت کر لی تو بھی ضمان سے بری نہ ہوگا برخلاف ودیعت کے، وہاں بری ہو جاتا ہے اس لئے کہ وہاں مالک کے لئے حفاظت مقصود ہے اور حفاظت مخالفت کے بعد بھی ایسے ہی ہے جیسے مخالفت سے پہلے۔ یہاں ایک اور فرق بھی ہے وہ یہ کہ اگر مستعیر عاریت کو مالک کے گھر واپس پہنچا دے جیسے گھوڑا مالک کے اصطبل میں پہنچادے تو ضمان سے بری ہو جائے گا برخلاف ودیعت کے۔ اس لئے کہ عاریت میں یہ عادت جاری ہے کہ مالک کے گھر پہنچادی جائے یا اس کے عیال کو دے دی جائے، جبکہ ودیعت میں یہ عادت نہیں لہٰذا اس آیت ''اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا'' (النساء: ۴/۵۸) کے عوام سے عاریت خاص ہے اور ودیعت ظاہر نص کی وجہ سے باقی ہے ''کما سبق ذکرہ'' اور شئی مغصوب ودیعت کی طرح ہے کہ اسے مالک کے پاس پہنچایا جائیگا۔ ہاں ایک بات ہے کہ اگر عاریت کوئی عمدہ چیز ہو اور مستعیر نے اسی مالک کے گھر تک پہنچادیا اور مالک کے سپرد نہ کیا تو ضامن ہوگا اس لئے کہ عمدہ چیزیں عادۃً صرف مالک ہی کے سپرد کی جاتی ہیں، اسی طرح اگر معیر اور مستعیر میں اختلاف ہو جائے تو مالک کی بات معتبر ہوگی ودیعت کی طرح۔

عاریت واپس کرنے کی اجرت...... عاریت واپس کرنے کی اجرت مستعیر پر ہے اس لئے کہ واپس کرنا اس پر واجب ہے اس لئے کہ اس نے اپنے ذاتی نفع کے لئے اس پر قبضہ کیا ہے اور اجرت واپسی کی ہے پس اسی پر ہوگی اسی طرح عین مغصوب کے واپس کرنے کی اجرت غاصب پر ہے، کیونکہ واپس کرنا اس پر واجب ہے مالک سے نقصان دور کرنے کی وجہ سے لہٰذا خرچہ اس پر ہے۔

اور شئی مستاجرہ کی واپسی کی اجرت موجر (مالک) کے ذمہ ہے کیونکہ مستاجر پر واپسی کی قدرت دینا اور اس شئی اور اس کے مالک کے درمیان تخلیہ واجب ہے نہ کہ واپس کرنا، فرق یہ ہے کہ موجر اور غاصب کی غرض اور ان دونوں کی طرح مرتہن ان سب نے نفع اٹھانا ہے برخلاف مستعیر کے وہ خاص منفعت کے لئے شئی پر قبضہ کرتا ہے۔

اسی طرح ودیعت واپس کرنے کی اجرت مالک پر ہے اس لئے کہ ودیع پر صرف حفاظت واجب ہے اور واپس کرنا مالک کی طلب پر ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا...... النساء/۴/۵۸

پانچویں بحث...... معیر اور مستعیر کا اختلاف

بسا اوقات معیر اور مستعیر کے درمیان اختلاف ہو جاتا ہے بعض چیزوں میں تو کس کی بات معتبر ہوگی؟

۱۔ **اصل عقد یا اس کی صفت میں اختلاف**...... نفع اٹھانے ولا عاریت کا دعویٰ کرے اور مالک اجارہ کا، یا نفع اٹھانے والا عاریت کا دعویٰ کرے اور مالک غصب کا تو شوافع کے مذہب کے مطابق مالک کی تصدیق ہوگی قسم کے ساتھ، اس لئے کہ اصل ہے نفع اٹھانے کی اجازت نہ دینا پس قسم اٹھانے کے اجرت کا مستحق ہے۔

۲۔ **تلف میں اختلاف**...... جب شئی مستعارہ تلف ہو جائے اور مستعیر دعویٰ کرے کہ اجازت شدہ استعمال کی وجہ سے ضائع ہوئی ہے اور معیر انکار کرے اور کہے کہ بغیر استعمال یا غیر ماذون استعمال کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہے تو بالاتفاق مستعیر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اس لئے کہ جو لوگ اس کے قبضہ کو ضمان کا قبضہ کہتے ہیں ان کے ہاں گواہوں سے ثابت کرنا اس پر مشکل ہے، اور امین، امانت کے قائلین کے ہاں اس کا قول معتبر ہے۔

۳۔ **واپسی میں اختلاف**...... اگر مستعیر کہے کہ معیر نے تو یہ چیز واپس کردی ہے اور معیر انکار کرے تو معیر حلف اٹھائے اور قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی، کیونکہ اصل واپس نہ کرنا ہے، مستعیر دفاع کرنے والا ہے لہٰذا اس پر گواہ ہوں گے اور معیر منکر ہے اس کے ذمہ قسم ہے۔

چھٹی بحث......عاریت ختم ہونا

عاریت ان چیزوں کی وجہ سے ختم ہو جائے گی۔

۱......معیر عاریت کی واپسی چاہے تو اس لئے کہ عقد عاریت عقد غیر لازم ہے لہٰذا فسخ سے ختم ہو جائے گا۔

۲......عاریت واپس کرنا، جب مستعیر شئی مستعار کو معیر پر واپس کردے تو عاریت ختم ہو جاتی ہے چاہے مدت سے پہلے یا بعد۔

۳......عاقدین میں سے کسی ایک کا مجنون یا بے ہوش ہو جانا، کیونکہ اہلیت تبرع زائل ہو جاتی ہے۔

۴......عاقدین میں سے کسی ایک کا مرجانا اس لئے کہ عاریت اجازت سے نفع اٹھانا ہے اور موت کی وجہ سے اجازت باقی نہیں اور نہ اجازت دینے والا۔

۵......عاقدین میں سے کسی ایک پر بے وقوفی کی وجہ سے پابندی لگانا اس لئے کہ پابندی کی وجہ سے اہلیت تبرع نہیں رہتی۔ لہٰذا عاریت فسخ ہو جائے گی۔

۶......مالک پر مفلسی اور دیوالیہ پن کی وجہ سے پابندی، اس لئے کہ اس پر اموال کا نفع فوت ہونے کی وجہ سے عاریت ممنوع ہے کیونکہ قرض خواہوں کی اسی میں مصلحت ہے۔

ساتویں فصل......وکالت

موضوع کا نقشہ......وکالت کے متعلق درج ذیل پانچ مباحث میں بات ہوگی۔

پہلی بحث......وکالت کی تعریف رکن اور مشروعیت۔

دوسری بحث......شرائط وکالت۔

تیسری بحث......احکام وکالت۔

چوتھی بحث......وکلاء کا زیادہ ہونا۔

پانچویں بحث......وکالت ختم ہونے کے طریقے۔

پہلی بحث: وکالت کی تعریف، رکن اور مشروعیت......وکالت واؤ کے زبر اور زیر دونوں کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے لغت میں اس سے مراد حفاظت ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ“ (آل عمران: ۳/ ۱۷۳) وکیل کا مطلب حافظ نگہبان ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا“ (المزمل: ۷۳/ ۹) میں ”وکیلاً“ بمعنی حفیظاً فراء نے یہی فرمایا ہے۔ اور کبھی اس سے سپرد کرنا بھی مراد ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے ”وکل امرہ الی فلان“ یعنی اس نے اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دیا ہے اسی سے ہے ”توکلت علی اللّٰہ“ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ“ (ابراہیم ۱۴/ ۱۲) نیز ”اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّىْ وَرَبِّكُمْ“ (ھود: ۱۱/ ۵۶) یعنی میں نے اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کیا اور اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر دیا۔

اور شرعاً حنفیہ کے ہاں وکالت کی تعریف یہ ہے کہ ایک انسان کا اپنی جگہ پر کسی دوسرے کو جائز اور معلوم تصرف میں قائم مقام بنانا یا تصرف سپرد کرنا اور وکیل کی حفاظت میں دینا، اور تعریف میں موجود لفظ تصرف یہ تصرفات مالیہ بیع و شراء اور ان کے علاوہ ہر اس چیز کو جو نیابت قبول کرتی

ہے شرعاً، جیسے داخلہ کی اجازت وغیرہ کو شامل ہے، شوافع کی ہاں وکالت ایک شخص کا اپنے اختیارات جو نیابت قبول کرتے ہیں کسی دوسرے کے سپرد کردینا تاکہ وہ اس کی زندگی میں انجام دہی کرے اور زندگی کی قید، وصیت اور وکالت کے درمیان فرق کے لئے ہے۔

وکالت کا رکن...... حنفیہ کے ہاں وکالت کا رکن ایجاب وقبول ہیں، ایجاب موکل کی جانب سے ہوگا اور اسے اصیل کہتے ہیں وہ کہے:

وكلتك بكذا یاافعل كذا یا اذنت لك ان فعل كذا وغیرہ اور وکیل کی جانب سے قبول لفظ قبلت یا اس کے قائم مقام الفاظ کے ذریعہ ہو، پھر قبول ہر اس فعل سے مکمل ہوگا جو قبول پر دلالت کرتا ہو، اور الفاظ کا ہونا شرط ہیں، اس لئے کہ وکیل بنانا، اباحت ہے اور پابندی اٹھانا ہے یہ طعام کی اباحت کے مشابہ ہوگیا۔ نیز بالاتفاق وکالت کی قبولت فی الفور اور تراخی سے جائز ہے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وکلاء کا قبول آپ کے فعل سے تھا اور توکیل کے بعد تھا تراخی سے۔

اگر ایجاب قبول سے پائے گئے تو عقد مکمل نہ ہوگا، اگر کسی نے دوسرے کو قرض کی وصولی کے لئے وکیل بنایا اس نے قبول کرنے سے انکار کردیا پھر جاکر قبضہ کرلیا تو مدین بری نہیں ہوگا اس لئے کہ عقد ایجاب وقبول سے تمام ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے پائے جانے سے پہلے لوٹ گیا جیسے بیع وغیرہ میں۔

اور جمہور کے ہاں وکالت کے ارکان چار ہیں...... مؤکل، وکیل، مؤکل فیہ اور صیغہ، حنابلہ کے ہاں وکالت دوریہ بھی صحیح ہے۔ اور وہ یہ ہے:

وكلتك، وكلما عذلتك لو اعة لن فقدو كلتك، لو امانت وكيلى

یعنی میں نے تمہیں وکیل بنالیا اور جب معزول کروں تو میں تمہیں وکیل بنانے والا ہوں گا یا آپ میرے وکیل ہوں گے۔

وکالت کو شرط یا زمانہ کے ساتھ معلق کرنا...... حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں وکالت کبھی مطلق ہوتی ہے اور کبھی معلق بالشرط، مثلاً اگر زید آگیا تو تم یہ کتب فروخت کرنے میں میرے وکیل ہو، وکیل کا شرط پائے جانے سے پہلے تصرف کرنا صحیح نہیں اور کبھی مستقبل کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے مثلاً میں کل تمہیں اس کتاب کے فروخت کرنے کا وکیل بناتا ہوں یہ کل سے پہلے وکیل نہیں ہوگا، اور اس کے جواز پر دلیل یہ ہے کہ وکالت ایسا عقد ہے جو مطلقاً تصرف کو مباح قرار دیتا ہے اور اطلاقات تعلیق بالشرط کو اور اضافت الی الوقت کو قبول کرتے ہیں جیسے طلاق، اور اس لئے بھی کہ وکالت تصرف میں اجازت کا نام ہے یہ وصیت کے مشابہ ہے۔

اور امام شافعی کے ہاں صحیح مذہب کے مطابق وکالت کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں مثلاً اگر زید آگیا یا مہینہ شروع ہوا تو جب تمہیں وکیل بناتا ہوں ان کی دلیل یہ ہے کہ وکالت ایک ایسا عقد ہے جہالت اثر کرتی ہے اس کے ابطال میں تمام عقود کی طرح اسے بھی شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں اور یہ وصیت کے مخالف ہے اس لئے کہ اس میں جہالت نہیں لہٰذا اس میں شرط نہیں یہ تعلیق کو قبول کرتی ہے اور وکالت میں جہالت ہے لہٰذا شرط اس میں اگر کرے گی لہٰذا یہ تعلیق قبول نہیں کرے گی۔ لیکن اگر وکیل نے اس حالت میں تصرف کیا تو اس کا تصرف صحیح ہے اجازت کی وجہ سے اگرچہ عقد فاسد ہوگا، اور اس وقت یہ اگر اجرت پر وکیل ہوا تو مقرر اجرت ختم ہوجائے گی اور اجرت مثل واجب ہوگی، اس لئے کہ اس نے عقد فاسد میں عمل کیا جس کی وجہ سے بدل کے بغیر راضی نہیں لہٰذا اجارہ فاسدہ کی طرح اجرت مثل واجب ہوگی اور جب وکالت شروع کی اور تصرف کے لئے کوئی شرط رکھی تو یہ اتفاقاً جائز ہے مثلاً میں تمہیں ایک چیز خریدنے کا وکیل بناتا ہوں لیکن اسے ایک ماہ کے بعد خریدو۔

وکالت کے لئے وقت مقرر کرنا...... علماء کا وکالت کیلئے وقت مقرر کرنے پر اتفاق ہے کہ ایک ماہ یا ایک سال وغیرہ مقرر کرلیں اس

لئے کہ وکالت ضرورت کے اعتبار سے ہے۔

اجرت پر وکالت......وکالت اجرت کے ساتھ بھی صحیح ہے اور بغیر اجرت کے بھی، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کارندے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجے اور ان کے لئے اجرت مقرر کی، بہت وجہ ہے کہ انہیں ان کے چچازاد بھائیوں نے کہا، اگر آپ ہمیں ان صدقات کی وصولیابی کے لئے بھیجتے تو ہم آپ کو وہی لا کر دیتے جو لوگ لا کر دے رہے ہیں اور ہمیں وہ ملتا جو لوگوں کو ملا۔ نیز وکالت عقد جائز ہے وکیل پر اسے پورا کرنا واجب نہیں لہٰذا اس پر اجرت لینا جائز ہے برخلاف گواہی کے کہ وہ فرض ہے گواہ پر اس کی ادائیگی۔

اگر وکالت بغیر اجرت ہو تو یہ وکیل کی طرف سے نیکی ہے اور اگر وکالت اجرت پر ہے تو اس کا حکم اجارہ کی طرح ہے وکیل اجرت کا مستحق ہوگا اس چیز کے سپرد کرنے کی وجہ سے جس کا وکیل بنایا گیا ہے اگر اس کا سپرد کرنا ممکن ہو، مثلاً کپڑے سینے کے لئے، جب اس نے سی کر سپرد کئے تو اس کے لئے اجرت ہوگی اور اگر اس نے بیع وشراء اور حج کے لئے وکیل بنایا تو اجرت کا مستحق ہوگا جب کام کرے گا اگرچہ بیع میں ثمن پر قبضہ نہ بھی کیا، اور وکالت اجرت میں مؤکل کے لئے جائز ہے کہ وکیل پر شرط لگا دے کہ مقرر، مدت سے پہلے نہیں نکلے گا ورنہ عوض نہیں ملے گا۔

عمومی وکالت یا خصوصی......حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں عمومی وکالت بھی درست ہے اس لئے کہ یہ ان تمام چیزوں میں صحیح ہے جس کا مؤکل مالک ہے اور جن میں نائب بنانا صحیح ہے تصرفات مالیہ ہوں یا کچھ اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں وکالت عامہ درست نہیں اس لئے کہ اس میں بہت بڑا دھوکا ہے اور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وکالت خاصہ جائز ہے اور اصل اور غالب یہی ہے۔

وکالت کی مشروعیت......وکالت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع کی رو سے جائز ہے۔

رہ گئی کتاب اللہ تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اہل کہف کے بارے میں:

فَابْعَثُوٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ...... الکہف ۱۸/ ۱۹

یہ خریدنے پر وکالت ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا...... النساء: ۴/ ۳۵

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا...... یوسف ۲۱/ ۹۳

اور اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہیں:

اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ...... یوسف: ۱۲/ ۹۳

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا...... التوبۃ: ۹/ ۶۰

یعنی وہ لوگ جو کوشش کر رہے ہیں جنہیں امام نے زکوۃ وصول کرنے کے لئے مقرر کیا ہوا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقات پر عمل کو جائز قرار دیا ہے اور یہ مستحقین کی نیابت کے حکم اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا...... النساء ۴/ ۳۵

دونوں حکم وکیل میں زوجین کی طرف سے۔

سنت سے بہت ساری احادیث ہیں ان میں سے صحیحین کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوۃ لینے کے لئے عامل بھیجے'' اور ایک حدیث ہے: آپ نے عمرو بن امیہ ضمری کو ام حبیبہ بنت ابی سفیان کے نکاح کا وکیل بنایا، اور ایک حدیث ہے'' ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میمونہ بنت الحارث'' کے نکاح کا وکیل بنایا اور ایک حدیث: میں ہے کہ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیم بن حزام کو قربانی کے جانور خریدنے کے لئے وکیل بنایا'' آپ نے عروۃ البارقی کو بکری خریدنے کے لئے وکل بنایا، اور ان میں سے بخاری کی حدیث ہے آپ نے ایک شخص کے قرض کی ادائیگی کے لئے وکیل بنایا نیز آپ کا ارشاد ہے تم میں سے عمدہ وہ ہے جو ادائیگی کے اعتبار سے اچھا ہو۔

اجماع، تو پوری امت کا جواز وکالت پر اجماع ہے اس لئے کہ ضرورت اس بات کی ہے اور کبھی ایک شخص اس کے مصالح ادا کرنے سے عاجز ہوتا ہے اور دوسرا اس کو ادا کر سکتا ہے پس یہ جائز ہے کیونکہ یہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون ہے۔

وکالت کی مشروعیت کی حکمت واضحہ...... یہ مصلحت کی رعایت اور حاجت پوری کرنے اور لوگوں سے حرج ختم کرنے اور کبھی ایک انسان کے پاس کافی قدرت اور جہالت ہوتی ہے اور دوسرے کے پاس نہیں ہوتی اور کبھی ایک آدمی حق پر ہوتا ہے لیکن اپنی حجت اور دلیل پیش نہیں کر سکتا، اور اس کا مدمقابل دلائل کو جانتا ہے پس یہ وکیل بنانے کا محتاج ہے تاکہ وہ وکیل بنائے دفاع کے لئے اور اظہار حق کے لئے۔

وکالت کا حکم تکلیفی...... وکالت میں اصل اباحت ہے اور کبھی یہ مستحب ہوتی ہے جبکہ مستحب پر مدد ہو اور کبھی مکروہ ہوتی ہے جب مکروہ پر مدد ہو اور کبھی حرام ہوتی ہے جب حرام پر مدد کرے اور کبھی واجب ہوتی ہے جب مؤکل سے ضرر دفع کرنا ہو۔

دوسری بحث: شرائط وکالت..... صحت وکالت کے لئے کئی شرطیں ہیں صیغہ، عاقدین اور محل غصہ کے حوالے سے۔ عاقدین تو مؤکل اور وکیل ہیں اور مؤکل غائب ہو، عورت ہو یا مریض ہو تو یہ جائز ہے بالاتفاق، اور چاہے حاضر ہو اور صحیح اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اور وکیل ہر وہ شخص جس کے لئے اپنا تصرف جائز ہے تو وہ اس میں دوسرے کا نائب بن سکتا ہے البتہ دشمن پر دشمن کو وکیل بنانا درست نہیں اور مالکیہ کے ہاں کافر کو وکیل بنانا بیع وشراء اور عقد سلم میں وکیل بنانا درست نہیں تاکہ حرام فعل نہ کرے اور نہ ہی مسلمانوں پر اسے قبضہ کرنے کا وکیل بنانا درست ہے تاکہ وہ ان پر جری نہ ہو جائے۔

صیغہ میں شوافع کے ہاں دو شرطیں ہیں۔

۱..... کہ وکالت ایسے لفظ سے مکمل ہو جو وکالت کی رضامندی پر دلالت کرے چاہے صراحتہً یا کنایۃً مثلاً میں تمہیں اپنا گھر فروخت کرنے کا وکیل بناتا ہوں یا اپنی بیع میں تمہیں اپنا قائم مقام بناتا ہوں اور قبول میں الفاظ شرط نہیں بلکہ فعل ہی کافی ہے جیسے مہمان کے لئے کھانا مباح کرنا۔

۲..... شرط معلق نہ کرنا شوافع کے ہاں مثلاً اگر فلاں سفر سے آ گیا تو آپ میرے وکیل ہیں۔ لیکن تصرف کو ایسی تعلیق سے معلق کرنا جب وکالت فی الفور ہو صحیح ہے جیسے میں تمہیں اپنے گھر کی بیع کا وکیل بناتا ہوں اس شرط پر کہ فلاں کے آنے سے پہلے بیع مکمل ہونی چاہئے، اور وکالت کو وقت کے ساتھ مقید کرنا صحیح ہے، جیسے وکالت ایک مہینہ یا سال کے لئے ہو۔

مؤکل کی شرطیں...... یہ ہیں کہ وہ مالک ہو اس تصرف کا جس کے لئے اسے وکیل بنایا گیا ہے اور اس پر اس تصرف کے احکام لازم ہوں گے، مجنون اور بے ہوش اور ناسمجھ بچے کو وکیل بنانا درست نہیں اس لئے کہ ان میں عقل موجود نہیں جو اہلیت کی شرط ہے نیز ان پر تصرفات کے احکام لازم نہیں ہوتے جیسے سمجھدار بچے کو ایسی چیزوں کا وکیل بنانا درست نہیں جن کے کرنے کا وہ مالک نہیں جیسے طلاق، ہبہ، صدقہ وغیرہ جو ضرر محض ہیں، البتہ خالص نفع والے تصرفات جیسے تبرعات کا قبول کرنا وغیرہ تو ان میں سمجھدار بچے کو وکیل بنانا جائز ہے۔ اور رہ گئے وہ

تصرفات جو نفع اور نقصان کے درمیان دائر ہیں جیسے بیع اجارہ وغیرہ اب اگر سمجھدار بچہ ماذون تجارت ہے تو اسے وکیل بنانا صحیح ہے اس لئے کہ وہ اپنے لئے ان تصرفات کا مالک ہے اور اگر تجارت کی اسے اجازت نہیں تو پھر اس میں وکیل تو بن جائے گا لیکن ولی کی اجازت پر اس کی وکالت موقوف ہوگی۔ اور اسی طرح ولی کی اجازت تجارت کے لئے۔ جبکہ امام شافعی کے ہاں بچے کی وکالت مطلقاً صحیح نہیں اس لئے کہ ان کے ہاں کسی قسم کا تصرف کرنا بچے کے لئے درست نہیں یہی مالکیہ اور حنابلہ کی رائے بھی ہے۔

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے وکالت میں صرف مالک تصرف ہونا شرط کافی قرار دیا ہے اور اسی بناء پر ان کے ہاں مسلم کو ذمی کا شراب وخنزیر خریدنے کا وکیل بنانا درست ہے۔ بے وقوفی کی وجہ سے پابند آدمی کو تصرف مالی کا وکیل بنانا درست نہیں، اس لئے کہ وہ اس کا مالک نہیں، اور عورت، حج کا احرام یا عمرہ کا احرام باندھے ہوئے تو جمہور کے ہاں وکیل بنانا درست نہیں برخلاف حنفیہ کے کہ عورت عقد نکاح کی وکالت نہیں کرسکتی، جیسے فاسق والد کا وکیل بنانا بیٹی کی شادی میں درست نہیں، اس لئے کہ وہ اپنے بارے میں اس کا مالک نہیں اور ان میں سے اندھا مستثنیٰ ہے شوافع کے ہاں اس لئے کہ اس کا خرید وفروخت کرنا صحیح نہیں البتہ ضرورت کے موقع پر وکیل بنایا جاسکتا ہے۔

وکیل کی شرطیں...... یہ کہ وہ عاقل ہو یعنی عقد سمجھتا ہو اور بیع وشراء کے نفع ونقصان کو جانتا ہو اور غبن کو جانتا ہو کہ یسیر ہے یا فاحش مجنون اور ناسمجھ بچے کی وکالت درست نہیں البتہ سمجھدار بچہ حنفیہ کے ہاں اس کی وکالت درست ہے چاہے تجارت کی اسے اجازت ہو یا نہ ہو۔

یہ شرط یہ کہ وکیل مؤکل کا قائم مقام ہوتا ہے عبادت میں ضروری ہے کہ وہ عبادت کا اہل ہو اور اہلیت معاملہ وعبادت عقل اور تمیز کے بغیر نہیں ہوسکتی اور ام سلمہ کے بچہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا نکاح کروایا تھا حالانکہ وہ اس وقت بچے تھے، شوافع مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں بچے مجنون بے ہوش کی وکالت درست نہیں اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک غیر مکلف ہے اپنے تصرفات کرنا ان کے لئے درست نہیں لہٰذا ان کا وکیل بنانا بھی درست نہیں اور شوافع نے صحیح قول کے مطابق سمجھدار بچے کو وکیل بنانا گھر میں داخل ہونے، ھدیہ پہنچانے، حج، نوافل، قربانی ذبح کرنے اور زکاۃ تقسیم کرنے کے لئے صحیح ہے۔

اور بے وقوف کو تصرف مالی کا وکیل بنانا درست نہیں اسی طرح حج یا عمرہ کا احرام باندھے ہوئے کو بھی اور عورت کو عقد نکاح کا وکیل بنانا جمہور کے ہاں کیونکہ عورت اور محرم حج وعمرہ کا یہ کام کرنا صحیح نہیں اور شوافع کے ہاں اندھے کو وکیل بنانا درست نہیں۔

۲...... اور حنفیہ کے ہاں یہ شرط بھی ہے کہ وکیل عقد کا قصد کرنے والا ہو مذاق نہ کر رہا ہو اور وکالت کو جانتا بھی ہو، اگر کسی نے کسی شخص کو کتاب فروخت کرنے کا وکیل بنایا اس نے فروخت کردی وکالت جاننے سے پہلے تو اس کی بیع جائز نہیں۔ حتیٰ کہ مؤکل یا وکیل جاننے کے بعد اس کی اجازت دے دے اور وکیل کو وکالت کا علم بالمشافہہ یا اس کی طرف خط لکھ کر ہوسکتا ہے یا اس کی طرف قاصد یا دو آدمیوں کی خبر یا ایک عادل یا غیر عادل کی خبر جس کی وکیل تصدیق کردے۔

۳...... وکیل متعین ہونا چاہئے نسب یا اشارہ کے ذریعہ اگر دو آدمیوں میں سے ایک کو وکیل بنایا تو جہالت کی وجہ سے وکالت درست نہیں نیز وکیل اپنے مؤکل کو جانتا ہو شہرت یا کسی صفت سے۔

مالکیہ نے مؤکل اور وکیل میں تین شرطیں لگائی ہیں، آزاد ہوں سمجھدار ہوں، اور بالغ ہوں لہٰذا غلاموں اور آزادوں کے درمیان وکالت درست نہیں بے وقوفوں اور مجبوروں کے درمیان، بچوں اور بالغوں کے درمیان، نیز شوافع نے وکیل کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ عادل ہو جبکہ وہ قاضی یا ولی کے ماتحت ہو۔ مؤکل بہ کی شرطیں۔

۱...... جس چیز کے لئے وکیل بنایا جارہا ہے وہ مباح چیز نہ ہو پس کسی دوسرے کو لکڑیاں جمع کرنے، گھاس کاٹنے، پانی بھرنے، خزانے

نکالنے مثلاً ہیرے جواہرات، سیسہ نکالنے کے لئے وکیل بنانا درست نہیں، لہٰذا مذکورہ چیزوں میں کسی کو وکیل بنایا تو یہ چیزیں وکیل کی ہوں گی اور مؤکل کے لئے ان میں سے کچھ بھی نہ ہوگا، اور یہ شرط حنفیہ کے ہاں ہے۔ جبکہ جمہور اور شوافع نے ان کاموں میں وکالت کی اجازت دی ہے اور یہ تقسیم ہوں گے ان کے درمیان بقدر اجرت بغیر کسی ترجیح کے کیونکہ ان سے مختلف منافع حاصل ہوئے ہیں، اس لئے کہ مباح چیزوں کا مالک ہونا اسباب ملک میں سے ایک سبب ہے پس یہ بیع شراء کے مشابہ ہو گیا لہٰذا وکالت درست ہے۔

۲.....مؤکل بہ، مؤکل کا مملوک ہونا چاہئے اس لئے کہ جو جو ملک میں نہیں اس میں کسی دوسرے کو تصرف کا اختیار دینا متصور نہیں اور متفق علیہ بات ہے۔

۳.....کہ مؤکل بہ معلوم ہوتا کہ دھوکا نہ ہو یہ شرط شوافع کے ہاں ہے۔

۴.....مؤکل فیہ کسی سے قرض طلب کرنا نہ ہوں اگر کسی شخص نے دوسرے کو قرض لینے کا وکیل بنایا اور وکیل نے کسی سے کہا مجھے قرض دے دو اس نے قرض دے دیا تو یہ قرض وکیل کا ہوگا نہ کہ مؤکل کا، ہاں بطور قاصد پر درست ہے بایں طور کہے کہ مجھے فلاں نے بھیجا ہے کہ قرض دے دو۔

۵.....شرعاً وہ قابل نیابت ہو، اور وہ ہر وہ چیز ہے جس میں نیابت درست ہو امور مالیہ ہوں کچھ اور بس عبادات بدنیہ محضہ میں وکالت درست نہیں جیسے نماز، روزہ، پاکی حاصل کرنا اس لئے کہ ان کا مقصد تو امتحان وآزمائش ہے نفس کو مشقت میں ڈال کر اور یہ مقصد وکالت سے حاصل نہیں ہوتا۔

قسم کے لئے وکیل بنانا بھی درست نہیں اس لئے کہ اس کا مقصد حلف اٹھانے والے کی سچائی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلال اور عبودیت پر اعتماد ہے اور یہ شرعی امر ہے اور وطی کے لئے وکیل بنانا بھی درست نہیں اس لئے کہ اس کا مقصد پاکدامنی نجابت وشرافت اولاد ہے۔

جمہور کے ہاں ایسی عبادات جن کا تعلق مال سے ہے ان میں قبضہ اور دینے اور شخص تک پہنچانے کے لئے وکیل بنانا درست ہے جیسے زکوٰۃ، کفارہ، نذر، صدقہ، حج، عمرہ عاجزی اور موت کے بعد، ہدی کا جانور ذبح کرنے اور حج اور عمرہ کے احرام کا نقصان پورا کرنے اور قربانی کا جانور ذبح کرنے کے لئے وکیل بنانا درست ہے۔ اس لئے کہ ان کا مقصد ان کے مستحقین تک پہنچانا ہے، مالکیہ حج کی وکالت جائز نہیں قرار دیتے اس لئے کہ اس کا مقصد نفس کی اصلاح اور شعائر اللہ کی عظمت ہے۔ اور مال تو عارضی چیز ہے۔

بعض امور جن میں وکالت ہوتی ہے ان میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض وہ چیزیں ہیں جن میں وکالت جائز نہیں اور بعض وہ ہیں جن میں وکالت جائز ہے کہ دو قسمیں ہیں اب وکالت یا تو اللہ تعالیٰ کے حقوق یعنی حدود میں ہوگی حنفیہ کے ہاں اور باقیوں کے ہاں حد قذف کے علاوہ میں اور یا حقوق العباد میں ہوگی۔

پہلی قسم: اللہ تعالیٰ کے حقوق میں وکالت.....اللہ تعالیٰ کے حقوق میں وکالت کی دو قسمیں ہیں:

۱.....اثبات ۲.....استیفاء۔

۱۔ اثبات حدود میں وکالت.....حنفیہ کے ہاں اگر حد میں قاضی کے سامنے دعویٰ کی ضرورت نہ ہو جیسے حد زنا، شرب کی حد تو اس کے اثبات کے لئے وکیل بنانا درست نہیں اس لئے کہ یہ قاضی کے سامنے گواہوں یا اقرار کی وجہ سے ثابت ہوگی تو اس میں گواہ کافی ہیں بغیر دعویٰ کے بھی خلاصہ یہ نکلا کہ مؤکل بہ میں شرط ہے کہ وہ ایسی حد نہ ہو جس کے ثبوت کے لئے دعویٰ ضروری نہیں جیسے حد زنا، حد شرب خمر۔ اور اگر حد ایسی ہے کہ اس میں دعویٰ کی ضرورت ہے جیسے چوری کی حد اور حد قذف، تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے ہاں اس کے اثبات کے لئے وکالت

جائز ہے، کہ گواہ قائم کئے جائیں اس جرم پر جو موجب حد ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں اس کے لئے وکالت جائز نہیں یہ صرف گواہوں یا مؤکل کے اقرار سے ثابت ہوگی اور یہی اختلاف قصاص میں بھی جاری ہوتا ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ جس طرح حدود اور قصاص نافذ کرنے کے لئے وکیل بنانا جائز نہیں اسی طرح ان کے اثبات وثبوت کے لئے بھی وکیل بنانا جائز نہیں، اس لئے کہ ثبوت ذریعہ ہے نفاذ کا۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ نے امام ابو یوسفؒ کی دلیل کا جواب بایں طور دیا ہے کہ یہاں اثبات اور استیفاء میں فرق ہے، استیفاء کے لئے وکالت کا ممنوع ہونا شبہ کی وجہ سے (سنعر ف) اور یہ شبہ اثبات کی وکالت کے لئے کافی نہیں۔

شوافع کے ہاں حدود اللہ کے اثبات کے لئے وکیل بنانا جائز نہیں، اس لئے کہ ان میں حق اللہ تعالیٰ کا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں حدود کے ختم کرنے کا حکم دیا ہوا ہے اور وکیل بنانا تو حد واجب کرنے کے لئے ہے، لہٰذا جائز نہیں قصاص اور حد قذف کے لئے وکیل بنانا جائز ہے اس لئے کہ یہ دونوں آدمی کے حق ہیں، لہٰذا اس کے اثبات کے لئے وکیل بنانا جائز ہے جیسے مالی حقوق میں اور ان کے ہاں استیفاء حدود کے لئے وکیل بنانا جائز ہے'' سیاتی بیانہ''۔

حنابلہ کے ہاں......قصاص اور حد قذف کے اثبات کے لئے وکیل بنانا جائز ہے مؤکل کی موجودگی جب بھی اور عدم موجودگی میں بھی اس لئے کہ یہ دونوں آدمیوں کے حقوق میں سے ہیں، اور ضرورت بھی اس کی داعی ہے، اسی طرح وہ حدود جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جیسے حد زنا اور حد سرقہ ان کے اثبات کے لئے بھی وکالت جائز ہے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حد زنا کے اثبات واستیفاء کے لئے وکیل مقرر کیا اور فرمایا'' اگر اس نے اعتراف کیا تو اسے رجم کرنا'' یہ اس بات پر دلالت ہے ک وہ پہلے ثابت نہ تھا، آپ نے انہیں اثبات واستیقاء کے لئے مقرر کرنا وکیل مؤکل کا قائم مقام ہوتا ہے حدود کو شبہات کی وجہ سے دور کرنے میں۔

حدود نافذ کرنے کے لئے وکیل مقرر کرنا......ائمہ اربعہ کا اس بات میں اتفاق ہے کہ حاکم کے لئے جائز ہے کہ وہ حدود اللہ اور قصاص کے نفاذ کے لئے وکیل بنائے، البتہ اتنی بات ہے کہ صحت وکالت عدم موجودگی مؤکل مجلس استیفاء میں اختلاف ہے یہاں تمام مذہب کی تفصیل وذکر کروں گا۔

امام ابو حنیفہؒ اور محمد رحمہ اللہ کے ہاں......صاحب حق کی طرف سے ان حدود کے نفاذ کے لئے جو دعویٰ کی محتاج ہیں جیسے حد قذف اور حد سرقہ میں اگر مؤکل حاضر ہو اور اس کا وکیل بھی حاضر ہو تو اس کے نفاذ کے لئے وکیل بنانا درست اور جائز ہے اس لئے کہ ہر ایک اسے نافذ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ضعف قلب یا ماہر نہ ہونے کی وجہ سے اور امام ابو یوسف حد قذف اور حد سرقہ کی وصولی کے لئے وکیل بنانے کی اجازت نہیں دیتے۔ جیسا کہ ان کے اثبات کے لئے اجازت نہیں دیتے، ظاہر یہی ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ حدود جو اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ہیں چاہے ان میں دعویٰ کی ضرورت ہو یا نہ ہو اس میں وکیل بنانے کے کوئی معنی نہیں، اس لئے کہ والی امر اس کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والا ہے ان کا نافذ کرنا ضروری ہے اور جس پر جنایت کی گئی ہے اس کا اس میں کوئی کام نہیں۔

اور اگر مقذوف اور مسروق نفاذ کے وقت غائب ہوں تو اس میں مشائخ حنفیہ کے ہاں اختلاف ہے۔

بعض کے ہاں وکالت درست ہے اس لئے کہ عدم جواز تو معافی اور صلح کی وجہ سے ہے اور یہاں یہ احتمال نہیں اس لئے کہ معاملہ قاضی کے پاس پہنچ گیا ہے اور حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہو گیا ہے اگر مسروق معاف بھی کردے اس کی بات کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اور **بعض** کے ہاں یہی حنفیہ کے ہاں راجح ہے ان کی عدم موجودگی میں وکیل بنانا جائز نہیں ہے کہ حدود شبہات کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہیں اور مؤکل کا غائب ہونا شبہ ہے اگر

وہ نفاذ حد کے وقت حاضر ہوا گرچہ معاف کرنے اور صلح کا تو وہ مالک نہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ وہ قاذف کی تصدیق کردے اور شاید چور کے بارے میں دعویٰ خارج کرے لہٰذا شبہ کے ساتھ نفاذ جائز نہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مؤکل کی عدم موجودگی میں حد نافذ کرنا جائز نہیں۔

تعزیر..... حنفیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تعزیر کے اثبات اور نفاذ کے لئے بنانا جائز ہے اور باقی مذاہب کا بھی اتفاق ہے، وکیل نافذ کرے گا چاہے مؤکل حاضر ہو یا غائب اس لئے کہ تعزیر آدمی کا حق ہے شبہ سے ساقط نہیں ہوتا۔

قصاص کے لئے وکیل..... اگر مؤکل حاضر ہے تو جائز ہے اس لئے کہ کبھی وہ نافذ کرنے پر قادر نہیں ہوتا لہٰذا وکیل کی ضرورت ہے اور اگر غائب ہے تو وکیل بنانا جائز نہیں اس لئے کہ معافی ممکن ہے اگر حاضر ہو لہٰذا شبہ کے ساتھ نفاذ قصاص جائز نہیں۔

یہ حنفیہ کا مذہب ہے نفاذ کے متعلق اس کا خلاصہ یہ کہ نفاذ کے وقت مؤکل کی عدم موجودگی میں وکالت درست نہیں۔ الخ۔

مالکیہ کے ہاں..... حدود وقصاص میں مؤکل کی موجودگی وعدم موجودگی دونوں حالتوں میں وکیل بنانا جائز ہے۔

حنابلہ کے ہاں ظاہر مذہب کے مطابق مؤکل کی موجودگی وعدم موجودگی میں حدود وقصاص کا وکیل بنانا جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انیس اس عورت کے پاس جاؤ اگر یہ اعتراف کرے تو رجم کرنا دوسرے دن انیس گئے اور اس نے اعتراف کیا، آپ نے رجم کیا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رجم کا حکم فرمایا صحابہ نے رجم کیا حضرت عثمان نے حضرت علی کو ولید بن عقبہ پر حد خمر قائم کرنے کا وکیل بنایا اور حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کو اس کا وکیل بنایا انہوں نے انکار کردیا پھر آپ نے عبداللہ بن جعفر کو وکیل بنایا انہوں نے حد قائم کی، نیز حاجت وضرورت بھی اس کی داعی ہے۔

بعض حنابلہ کا مذہب حنفیہ کی طرح ہے کہ قصاص اور حد قذف مؤکل کی عدم موجودگی میں جائز نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے وہ معاف کردے یہ احتمال شبہ ہے جو نفاذ سے روکتا ہے، نیز معاف کرنا پسندیدہ ہے جب حاضر ہو تو شاید رحم کرے ان پر ہاں ظاہر مذہب حنابلہ کا پہلی ہی رائے ہے اس لئے کہ جس کا نفاذ مؤکل کی حاضری میں جائز ہے وہ عدم موجودگی میں بھی جائز ہے جیسے حدود اور سارے حقوق اور معاف کرنا بعید ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اگر وہ معاف کرے تو اس کا وکیل زیادہ جانتا ہے اور اصل معاف نہ کرنا ہے لہٰذا اس کا اثر نہیں ہوگا۔

شوافع کا ہاں..... مؤکل حاضر ہو یا غائب قصاص، حد قذف اور دوسرے مالی حقوق وغیرہ کے نفاذ کے لئے وکیل بنانا جائز ہے اسی طرح حاکم کا حقوق اللہ کے نفاذ کے لئے بھی وکیل بنانا درست ہے۔ جیسا کہ حضرت انیس، اور ماعز اور عثمان کا واقع گذرا۔

خلاصہ..... مالکیہ شوافع اور حنابلہ مؤکل کی عدم موجودگی میں بھی نفاذ کی اجازت دیتے ہیں حنفیہ نہیں دیتے۔

گناہ اور حرام چیزوں میں وکیل بنانا جائز نہیں جیسے ظہار کیونکہ یہ گناہ اور منکر ہے۔ کسی چیز کے غصب کے لئے چوری اور کفارہ کے ارتکاب کے لئے وکیل بنانا جائز نہیں اس لئے کہ گناہوں اور حرام چیزوں کا حکم مرتکب کے ساتھ خاص ہے صرف اسی سے پوچھا جائے گا۔

دوسرا حکم..... حقوق العباد میں وکیل بنانا..... حقوق العباد کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم وہ ہے جس کا نفاذ شبہ کی وجہ سے جائز نہیں، جیسے قتل یا اعضاء کا قصاص، اور ایک قسم وہ ہے جس کا نفاذ شبہ کے ساتھ بھی جائز ہے۔ پہلی قسم کا حکم پہلے معلوم ہو چکا کہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں اس کے اثبات کے لئے وکیل بنانا درست ہے اور مؤکل کی عدم موجودگی میں نفاذ بذریعہ وکیل جائز نہیں کیونکہ معافی مؤکل کی موجودگی میں ممکن ہے لہٰذا شبہ ہے اور حدود شبہات ختم کی جاسکتی ہے۔

اور دوسری قسم جس کا نفاذ شبہ کے ساتھ بھی جائز ہے قصاص کے علاوہ، دیون اور دوسرے سارے حقوق ہیں اس میں وکیل کے لئے جائز ہے کہ معافی کے شبہ کے باوجود ادائیگی کرے اس قسم کا حکم یہ ہے کہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کے اثبات اور نفاذ کے لئے وکیل بنا

درست ہے اور دلیل لوگوں کی ضرورت ہے اس لئے کہ ہر ایک مقدمات کی پیروی نہیں کر سکتا اور صحیح روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس وکیل بنا کر بھیجا ان کے بوڑھا ہونے کے بعد عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ خصومت دشوار اور بڑا کام ہے اور اس موقع پر شیطان حاضر ہوتا ہے اور میں ناپسند کرتا ہوں کے حاضر ہوں۔'' البتہ حنفیہ مدمقابل اور فریق ثانیہ کی رضامندی اور اثبات دیون اور تمام حقوق کے لئے شرائط میں اختلاف رکھتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: جب تک مؤکل مجلس قضاء میں حاضر نہ ہو تو خصومت کی وکالت لازم نہیں۔

ہاں اگر فریق ثانی راضی ہو یا یا مؤکل بیمار ہو یا مسافت سفر کی مقدار مسافر ہو یا اپنا دعویٰ صحیح طرح نہ پیش کر سکتا ہو یا عورت ہو یا عورت حیض ونفاس کی حالت میں ہو اور قاضی مسجد میں ہو یا عورت مردوں کی محفل میں نہ جاتی ہو یا خصومت کے بعد جواب نہ دیتی ہو جس کی وجہ سے اس کا حق ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔ مذکورہ صورتوں کے علاوہ فریق ثانی کو اختیار ہے کہ وہ وکیل کو محاکمہ سے روکے جبکہ مؤکل مجلس قضاء میں حاضر نہ ہو، اس لئے کہ حکم کی مجلس میں حاضر ہونا اور مخاصمت کرنا یہ اس کے فریق کا حق ہے، لہٰذا فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر اس کو کسی دوسرے کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں جیسے کہ دین میں۔

خلاصہ..... یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خصم کی رضامندی کے بغیر وکالت کی اجازت نہیں دیتے اگر مؤکل کو مجلس قضاء میں حاضر ہونے سے عذر نہ ہو ہاں اگر مؤکل حاضر ہو پھر بلا اختلاف وکالت جائز ہے۔

صاحبین اور باقی آئمہ کے ہاں..... حقوق کے مطالبہ اثبات، اور ان کے اندر فیصلہ کے لئے وکیل بنانا جائز ہے چاہے مؤکل حاضر ہو یا غائب، صحیح ہو یا بیمار اگرچہ خصم راضی نہ بھی ہو بشرط یہ کہ وکیل خصم کا دشمن نہ ہو، اس لئے کہ مذکورہ حق ہے اور اس میں نیابت جائز ہے لہٰذا مؤکل کو اجازت ہے کہ وہ فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر بھی نائب بنا سکتا ہے جیسے اپنے بیمار یا غیر حاضر ہونے کی صورت میں، نیز صحابہ کرام کا اس بات پر اجماع ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس وکیل بنا کر بھیجنا۔ اور فرمایا خصومت کے لئے ہلاکت ہے اور شیطان اس وقت حاضر ہوتا ہے اور میں اس میں حاضری کو ناپسند کرتا ہوں، نیز ضرورت بھی خصومات میں وکالت کی داعی ہے۔ اس لئے کہ کبھی اس کا حق ہوتا ہے اور وہ دعویٰ دائر کرتا ہے لیکن بحث صحیح طرح نہیں کر سکتا یا اپنے آپ کو اس میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ مالکیہ نے اس حالت کو جب مؤکل اور اس کا فریق مخالف تین دفعہ یا اس سے زیادہ قاضی کے پاس بیٹھے اسے مستثنیٰ قرار دیا ہے اس وقت اسے وکیل بنانا جائز نہیں سوائے عذر کے جیسے مرض وغیرہ، حنابلہ نے دو شرطیں لگائی ہیں وکالت کے لئے۔

۱..... کہ وکالت اس شخص کی نہ کی جائے جس کا ظالم ہونا معلوم ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ النساء: ۴/۱۰۵

خیانت کرنے والوں کے وکیل نہ بنو۔

۲..... کہ وکیل اثبات حق یا نفی حق میں خصومت اس وقت تک نہ کرے جب تک مؤکل کی حقیقت کا پتا نہ چلے۔

حنفیہ کے ہاں فتویٰ کے لئے مختار قول یہ ہے کہ وکالت کا معاملہ حکم کے سپرد ہے اگر قاضی فریق مخالفت کی طرف سے تعنت وہٹ دھرمی پائے تو اس کی رضا کے بغیر وکالت قبول کرلے اور اگر مؤکل کی طرف سے فریق مخالف کا نقصان دیکھے تو قبول نہ کرے۔

گواہی کے لئے وکالت..... جائز نہیں اس لئے کہ گواہی کا تعلق عینی شاہد سے ہے اس لئے کہ وہ دیکھی گئی یا سنی گئی چیز کی خبر ہے اور یہ مفہوم وکیل پر صادق نہیں آتا، اسی طرح نذر اور قسم میں وکیل بنانا صحیح نہیں، اس لئے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار ہے یہ عبادت محضہ

کے مشابہ ہیں اور ان کا تعلق حلف اٹھانے والے اور نذر ماننے والے کے ساتھ ہے، اسی طرح ایلاء، لعان اور قیامت میں وکالت جائز نہیں کیونکہ یہ قسمیں ہیں۔

وکالت بالخصومت میں اقرار کا وکیل بنانا..... حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں جائز ہے اس طرح کہے کہ میں تمہیں وکیل بناتا ہوں میری طرف سے فلاں کو کہے فلاں چیز کا اقرار کرو، اور وکیل کہے فلاں کی طرف سے میں فلاں چیز کا اقرار کرتا ہوں، اس لئے کہ یہ اقرار اثبات حق فی الذمہ ہے لہٰذا بیع کی طرح اس میں وکیل بنانا بھی جائز ہے۔

شوافع کے ہاں اصح یہ ہے کہ اقرار کا وکیل بنانا جائز نہیں کیونکہ یہ ایک حق کی خبر دینا ہے، لہٰذا شہادت کی طرح یہ وکالت کو قبول نہیں کرتا۔ جمہور اقرار کو شہادت پر قیاس کرنے کو رد کیا ہے کہ یہاں فرق ہے اس لئے کہ شہادت حق ثابت نہیں کرتی بلکہ ثبوت حق کی خبر ہے اس کے علاوہ باقی چیزوں میں وکیل بنانا جائز ہے قرض وصول کرنے کا، اس لئے کہ مؤکل کبھی کبھار خود وصول کرنے پر قادر نہیں ہوتا تو دوسرے کو وکیل بنانے کا محتاج ہوتا ہے، جیسے بیع وشراء اور باقی تصرفات کا وکیل ہاں بیع سلم کے رأس المال اور بیع صرف کا بدل وصول کرنے کی وکالت تب جائز ہے جب مجلس عقد میں ہو نہ خارج المجلس، اس لئے کہ مؤکل خود اس میں قبضہ کا مالک ہے اس کے غیر میں نہیں) اور قبضہ سے مدیون بری ہو جائے گا۔ اور قرض ادا کرنے کا وکیل بنانا بھی جائز ہے، اس لئے کہ مؤکل خود ادا کرانے کا مالک ہے اور کبھی خود ادا کرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی طرح دین سے بری کرنے کی وکالت بھی جائز ہے، اس لئے کہ جب قرض کے اثبات اور وصول کے لئے وکیل بنانا جائز ہے تو اس سے بری کرنے کا وکیل بنانے بھی جائز ہے۔ طلب شفعہ، عیب کی وجہ سے واپس کرنے اور تقسیم کا وکیل بنانا بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ ان حقوق کو آدمی خود بھی ادا کرسکتا ہے لہٰذا غیر کو سپرد کرنا بھی جائز ہے۔

اور نکاح، خلع، دم عمد سے صلح، انکار سے صلح وغیرہ کا وکیل بنانا جائز ہے، اس لئے کہ ان کا خود مالک ہے دوسرے کو مالک بنانا بھی جائز ہے اور اسی طرح ھبہ، صدقہ، عاریت، ودیعت، عاریت طلب کرنے، رہن کھڑانے، اور ہبہ طلب کرنے کا وکیل بنانا بھی جائز ہے۔ اسی طرح شرکت ومضاربت کا وکیل بنانا، قرض لئے دینے کا ہاں قرض لینے کا وکیل تب درست ہوا جب وہ کہے کہ مجھے فلاں نے بھیجا ہے کہ قرض لو، اس صورت میں یہ قاصد ہوگا وکیل نہ ہوگا جیسے طلاق، اجارہ استجارہ کا وکیل بنانا درست ہے اسی طرح صلح اور بری کرنے کا بنانا بھی درست ہے سلم اور صرف کا وکیل بنانا بھی جائز ہے اس لئے کہ وہ ان کا خود مالک ہے لہٰذا غیر کو سپرد کرنے کا بھی مالک ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں بدل پر قبضہ کرے۔

یہ جتنے بھی عقود ذکر ہوئے ان میں سے بعض وہ ہیں کہ وکیل ان کو اپنی طرف منسوب نہیں کرسکتا، بلکہ مؤکل کی طرف منسوب کرنا ضروری ہے ان میں سے ایک نکاح ہے وکیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ کہے میں اپنے مؤکل کے لئے قبول کرتا ہوں یا میں اپنی فلاں موکلہ کا نکاح کرواتا ہوں اگر اس نے کہا میں قبول کرتا ہوں یا اپنے لئے قبول کرتا ہوں تو اس کا اپنا نکاح ہوگا۔ مؤکل کا نہیں ہوگا، اور ان میں سے ایک ہبہ ہے وکیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ کہے میرے مؤکل نے ہبہ کیا ہے، اگر اس نے کہا میں ہبہ کرتا ہوں تو ہبہ درست نہیں ہوگا ان میں سے ایک دم عمد سے صلح اور انکار سے صلح بھی ہے اگر کسی شخص نے دوسرے پر سو درہم کا دعویٰ کیا مدعیٰ علیہ نے انکار کردیا پھر سو یہ صلح کا وکیل بنایا تو وکیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ کہے ''کہ میں فلاں کے لئے سو پر صلح قبول کرتا ہوں، ورنہ صلح درست نہ ہوگی یہ صلح اقرار کے خلاف ہے کیونکہ اس میں وکیل اور موکل دونوں کی طرف نسبت کرنا صحیح ہے، ان میں سے صدقہ ہے اگر وکیل بنایا کہ میرے مالی اتنا صدقہ کردو تو وکیل کے لئے مناسب ہے کہ وہ مؤکل کی طرف نسبت کرے ورنہ اس کے اپنے مال سے ہوگا، اور ان میں سے ودیعت، عاریت رہن، شرکت، اور مضاربت بھی ہیں ان میں بھی مؤکل کی طرف نسبت کرنا ضروری ہے۔

خلاصہ...... ہر وہ عقد جسے انسان خود کر سکتا تو اس میں دوسرے کو وکیل بنانا بھی جائز ہے جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے۔ ان کو فسخ کرنے کے لئے وکیل بنانا جائز ہے جب عقد کے لئے جائز ہے تو فسخ لئے بطریق اولیٰ۔

مباح چیزوں کے مالک بننے اور حاصل کرنے کے لئے وکیل بنانا...... جیسے بے آباد زمینوں کو آباد کرنے، پانی بھرنے، شکار کرنے، گھاس کاٹنے اور خزانے نکالنے کے لئے وکیل بنانا حنفیہ کے ہاں جائز نہیں اگر ان چیزوں میں سے کوئی چیز وکیل کو حاصل ہوئی تو وہ وکیل کی ہوگی مؤکل کا کچھ بھی نہیں۔ ہاں مالکیہ اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں اظہر یہ ہے کہ جائز ہے، اس لئے کہ یہ مال کا مالک بنانا۔ ہے ایسے سبب سے جو متعین نہیں لہٰذا اس میں وکیل بنانا جائز ہے بیع وغیرہ کی۔

وکیل بالخصومت...... جیسے آج کل مقدمات کا وکیل بنانا جیسے لوگوں کے حقوق ہیں وکیل بنانا جائز ہے جیسا کہ حضرت علی نے حضرت عقیل کو وکیل بنایا اور عبداللہ بن جعفر کو وکیل بنایا، کیونکہ اس کی ضرورت ہے کہ آدمی اپنے حقوق کا دفاع نہیں کر سکتا یا خود مقابل بنانا ناپسند کرتا ہے۔

بیع وشراء کا وکیل بنانا...... بغیر کسی اختلاف کے فقہاء کے ہاں جائز ہے اس لئے کہ ان دونوں کا مؤکل خود مالک ہے لہٰذا دوسرے کو حوالے کرنے کا بھی مالک ہے، البتہ توکیل بالشراء کے لئے شرط یہ ہے کہ جہالت کثیرہ سے خالی ہو جبکہ وکالت خاص ہو۔ اور حنفیہ کے ہاں وکالت بالشراء کی دو قسمیں ہیں: عام اور خاص۔

وکالتِ عامّہ...... یہ ہے کہ مؤکل کہے میرے لئے خریدو جو چاہو یا جو بھی کپڑے تم چاہو یا جو بھی گھر تم چاہو تو یہ جہالت کثیرہ کے ساتھ بھی درست ہے اس میں نوع، صفت اور ثمن نہ بھی بیان کئے جائیں اس لئے کہ رائے اسے تفویض کی ہے لہٰذا جہالت کثیرہ کے ساتھ بھی درست ہے جیسے عقد مضاربت، مالکیہ بھی حنفیہ کے موافق ہیں، وکالت عامہ میں اور اس میں تمام وہ چیزیں داخل ہیں جن میں نائب بنانا درست ہے یعنی نکاح، طلاق، جس کی ضرورت بھی نہیں۔

وکالت خاصہ...... یہ کہ مؤکل کہے میرے کپڑا، گھر یا جواہرات یا بکری وغیرہ خریدو اب قیاس اور استحسان جہالت کے بارے میں متنازع ہیں: قیاس: کا تقاضا ہے کہ صحیح نہیں ہونا چاہئے چاہے جہالت قلیل ہو یا کثیر، لہٰذا جنس نوع، صفت اور مقدار ثمن بیان کرنا ضروری ہے اس لئے کہ بیع وشراء تھوڑی جہالت کے ساتھ بھی صحیح نہیں ہوتے لہٰذا ان کی وکالت بھی درست نہیں جہالت کے ساتھ۔

استحسان...... یہ کہ تھوڑی جہالت کا اثر نہیں ہوتا بلکہ جہالت کثیرہ اثر انداز ہوتی ہے وکالت میں، اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیم بن حزام کو دینار دیئے قربانی کا جانور خریدنے کے لئے'' اگر جہالت قلیلہ مانع ہوتی وکالت سے تو آپ علیہ السلام ایسا نہ کرتے اس لئے کہ صفت کی جہالت جانور اور ثمن کی مقدار ذکر کرنے سے ختم نہیں ہوئی نیز وکالت میں جہالت قلیل جھگڑے کا باعث نہیں بنتی اس لئے کہ وکالت مسامحہ پر مبنی ہے۔

جہالت قلیلہ کا ضابطہ...... یہ کہ جس چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا اور وہ ایک ہی قسم ہے اور اس میں دو چیزوں میں سے ایک چیز ذکر کردی یعنی صفت یا مقدار ثمن تو یہ جہالت قلیلہ ہوگی۔ اگر وہ کئی قسم کی چیزیں ہیں یا مختلف انواع کے حکم میں ہو تو جہالت کثیرہ ہے تو اس میں وکیل بنانا جائز نہیں جب تک اس کی نوع ذکر نہ کرے صرف مقدار ثمن یا صفت سے کام نہیں چلے گا۔ پس جہالت یسیرہ وہ ایک نوع کی جہالت ہے جس کے احاد میں تفاوت نہیں۔

جہالت کثیرہ...... دو جنس کی جہالت ہے اس بناء پر حنفیہ وکالت میں ایسے غرر کو معاف قرار دیتے ہیں جو بیع میں معاف نہیں ہوتا یہاں

جس جہالت کا اعتبار کرتے ہیں وہ وہ ہے جو زیادہ ہو اور صحت بیع کے مانع ہو۔

جہالتِ قلیلہ کی مثالیں یہ ہیں...... جب مؤکل وکیل کو کہے میرے لئے انگریزی، ھندی یا جاپانی روئی خرید و تو یہ وکالت درست ہے، کیونکہ صفت بیان کی ہے، یا کہے میرے لئے ایک ہزار ''لیرے'' کی روئی خرید و، تو وکالت صحیح ہے اس لئے کہ مقدار ثمن بیان کردی، اگر کہا میرے لئے گدھا یا خچر یا گھوڑا یا اونٹ خرید و، اس میں صفت اور ثمن نہ بیان کئے تو بھی وکالت درست ہے اس لئے کہ نوع معلوم ہے یہ افراد کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوتی اور صفت بھی معلوم ہے مؤکل کی حالت کے مطابق، اور اگر کہا، میرے لئے بکری یا گائے خرید و، نہ صفت ذکر کی، نہ ثمن تو وکالت صحیح نہیں اس لئے کہ بکری اور گائے مؤکل کی حالت کے مطابق معلوم نہیں لہٰذا بیان کرنا ضروری ہے۔

جہالت کثیرہ کی مثالیں...... جب مؤکل وکیل سے کہے: کہ میرے لئے جانور یا کپڑا یا سواری یا زمین یا جواہر یا گندم یا گھر وغیرہ خرید و تو وکالت درست نہیں کیونکہ جہالت کثیرہ ہے اس لئے کہ ان میں ہر ایک چیز کا نام مختلف انواع پر بولا جاتا ہے، ''ثوب'' مثلاً ریشمی کپڑے، روئی، سوتی، اونی سب پر یہ بولا جاتا ہے، لہٰذا متعین نوع کا ذکر کرنا ضروری ہے بایں طور کہ میری لئے دمشق کا بنا ہوا روئی کا کپڑا خرید و یا کہے اتنے ثمن کی گندم میرے لئے خرید و، یا اتنے وزن کی۔

تیسری بحث: وکالت کے احکام...... جب وکالت صحیح ہو تو اس کے لئے احکام ہیں بعض وکیل کے تصرفات سے متعلق ہیں اور بعض وکالت بالبیع والشراء سے اور قبضہ کی حالت سے کہ ضمان ہے یا امانت۔

پہلا حکم: وکیل کا تصرف...... وکالت پر وکیل کے تصرف کی ولایت کا ثبوت مرتب ہوتا ہے، میں یہاں ذکر کروں گا وکالت کی اقسام جن میں وکیل تصرف کرسکتا ہے اور جن میں نہیں کرسکتا۔

۱۔ وکیل بالخصومت (محامی)

الف: اقرار کی صلاحیت...... وکیل بالخصومت یعنی قاضی کے سامنے مقدمہ پیش کرنے والا آج کل جسے محامی کہا جاتا ہے یہ قصاص اور حدود کے علاوہ باقی چیزوں کے اقرار کا مالک ہے مؤکل کی طرف سے جمہور حنفیہ کے ہاں، اس لئے کہ وکیل بالخصومت مدعی کے دعویٰ کے جواب کا وکیل ہے حق بیان کرنے اور اسے ثابت کرنے میں نہ کہ جھگڑنے میں، اور جواب کبھی انکار ہوتا ہے اور کبھی اقرار ہوتا ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ نے یہ قید لگائی ہے کہ اقرار قاضی کی مجلس میں ہونا چاہئے، امام ابو یوسف نے یہ قید نہیں لگا وہ قاضی کی مجلس اور اس کے علاوہ بھی اقرار کی اجازت دیتے ہیں۔

امام زفرؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کے ہاں...... اگر وکالت مطلقہ ہو تو یہ اقرار علی المؤکل کو متضمن نہیں اگر کسی کو خصومت میں وکیل بنایا تو مؤکل پر حق کے قبضہ وغیرہ کا اقرار قبول نہ ہوگا، اس لئے کہ وکالت بالخصومت کا مطلب ہے جھگڑنا اور اقرار نام ہے صلح کا کیونکہ اس کا مطلب ہے جھگڑا ختم کرنا یہ معنی وکالت کے منافی ہے لہٰذا وکیل اس کا مالک نہیں ابراء کی طرح اور اقرار انکار سے الگ ہے کہ وہ خصومت کو ختم نہیں کرتا اور وکیل انکار کا مالک نہیں اس طور پر کہ مؤکل کو اقرار سے روکے اگر اسے اقرار کا مالک قرار دیا گیا تو پھر مؤکل انکار کا مالک نہیں ہوگا اور یہ جائز نہیں کہ وکیل حق کی مصالحت کا مالک نہ ہو اور نہ ابراء کرسکتا ہو۔ مالکیہ نے اس سے اس حالت کو مستثنیٰ کیا ہے کہ جب وکیل عام ہو اور مؤکل عقد وکالت میں اقرار اس کے لئے لازم کرے اور جب مؤکل کا مخالف شرط لگائے وکیل کے لئے اقرار کی بایں طور پر کہے کہ میں تیرے وکیل کے ساتھ فیصلہ اس وقت تک نہیں کرتا جب تک تو اسے اقرار کی اجازت نہ دے

منشاء اختلاف درحقیقت ایک قاعدے کی وجہ سے ہے" کیا مطلق کلی حکم اپنی جزئیات کا تقاضا کرتا ہے یا نہ؟ حنفیہ کے ہاں مذکورہ چیزوں کا تقاضا کرتا ہے اور حنفیہ کے علاوہ باقی ائمہ کے ہاں تقاضا نہیں کرتا اس جیسے کہ جنس کو اپنی انواع میں سے کسی نوع کے ساتھ کوئی اختصاص نہیں اور کسی فرد کے ساتھ اپنے افراد میں سے لہٰذا وکیل بالخصومیت کا اقرار درست نہیں اس لئے کہ لفظ من حیث الاطلاق اسے شامل نہیں اور قرینہ عرضیہ ہے کہ اگر وہ اس کی نفی نہ کرے تو وہ اس کا تقاضا بھی نہیں کرتا، اسی بناء پر حنفیہ کے علاوہ جمہور فرماتے ہیں کہ وکیل مطلق کسی چیز کو فروخت کرنے کا اختیار نہیں مثلاً مؤکل وکیل سے کہے کہ یہ عین چیز فروخت کرو تو وہ اسے غبن فاحش ثمن مثل، بغیر ثمن مثل نقد ادھار فروخت نہیں کرسکتا اس لئے کہ جنس کو انواع میں سے کسی نوع کے ساتھ افراد میں سے کسی فرد کے ساتھ اختصاص نہیں بلکہ وہ صرف ثمن مثل کے ساتھ فروخت کرنے کا مالک ہے کیونکہ رضا یہ قرینہ عرضیہ دال ہے۔ پھر حنفیہ جو اقرار وکیل کو جائز قرار دیتے ہیں ان میں اس کے صحیح ہونے کی جگہ میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے ہاں: وکیل کا مجلس قاضی میں اقرار کرنا درست ہے اس کے علاوہ نہیں وہ بھی حدود وقصاص کے علاوہ چیزوں میں اس لئے کہ مؤکل نے معاملہ اس کے سپرد کیا ہے، لیکن یہ مجلس قضاء میں ہوگا، کیونکہ وکالت یا تو خصومت کی یا جواب خصومت کی اور یہ مجلس قاضی کے ساتھ خاص ہیں دلیل یہ ہے کہ جواب مجلس قاضی کے علاوہ جائز نہیں۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں: وکیل کا مجلس عقد اور اس کے علاوہ بھی اقرار درست ہے، اس لئے کہ توکیل نام ہے مؤکل جس کا مالک ہے اسے سپرد کرنے کا اور مؤکل کا اقرار مجلس قاضی پر موقوف نہیں، وکیل قاضی کی طرح ہے۔

حنفیہ کا اس بات پر اتفاق ہے جب خصومت کا وکیل بنائے اور اقرار کو مستثنیٰ قرار دیا اور تزکیہ شہود کو تو یہ عقد درست ہے اور یہ وکیل بالانکار ہوگا اور اگر استثناء عقد مکمل ہونے کے بعد کلام منفصل کے ذریعہ ہو تو امام ابو یوسف کے ہاں درست ہے اور امام محمد کے ہاں درست نہیں اور اس بات پر بھی علماء کا اتفاق ہے کہ والد، وصی، اور قاضی کے امین کا بچے پر اقرار صحیح نہیں۔

ب۔ **قبضہ کرنے کی صلاحیت**...... وکیل خصومت مال کا جب قاضی فیصلہ کرے تو یہ قبضہ کرنے کا مالک ہے جمہور حنفیہ کے ہاں اور امام زفرؒ کے ہاں قبضہ کا مالک نہیں ان کی دلیل: وکیل بالخصومت کا مقصد ہے حق کی طرف راہنمائی کرنا اور وکیل بالقبض سے مقصد امانت ہے اور ہر وہ شخص جو کسی چیز کی طرف راہنمائی کرے اس کا امانت دار ہونا ضروری نہیں بس وکالت بالخصومت، وکالت بالقبض نہیں۔ جمہور حنفیہؒ نے امام زفرؒ کی دلیل رد کرتے ہوئے فرمایا کہ جب مؤکل نے غیر کو وکیل بالخصومت بنایا تو اسے قبضہ کے لئے امین بنایا، اس لئے کہ خصومت قبضہ کے بغیر ختم نہیں ہوتی بس خصومت کا وکیل بنانا، قبضہ کا وکیل بنانا ہوا۔ صاحب ہدایۃ نے فرمایا: آج کل فتویٰ امام زفر رحمہ اللہ کے قول پر ہے، وکلاء میں خیانت کی وجہ سے اور کبھی خصومت پر اطمینان ہوتا ہے لیکن مال پر نہیں۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں: وکیل بالخصومت، قبضہ کا مالک نہیں، اس لئے کہ اسے نہ صراحتاً اجازت ہے نہ عرفاً اس لئے کہ ہر وہ شخص جس پر اثبات حق میں رضامندی ہو اس کے قبضہ پر بھی رضامندی ہو ایسا نہیں۔

ج۔ **صلح اور بری کرنے کی صلاحیت**...... حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں وکیل بالخصومت صلح اور بری کرنے کا مالک نہیں۔

د۔ **وکیل بالخصومت کا دوسرے کو وکیل بنانا**...... وکیل بالخصومت، مؤکل کی اجازت کے بغیر دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا، اس لئے کہ لوگ خصومت میں مختلف ہیں اور کبھی مؤکل وکیل کی رائے پر راضی ہوتا ہے نہ کہ غیر کی رائے پر۔

۲۔ **قرض وصول کرنے کا وکیل**...... ائمہ حنفیہ سے منقول اصل یہ ہے کہ قرض وصول کرنے والا وکیل قرض پر قبضہ کرنے کا مالک ہے اس لئے کہ وصولی قرض، قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتی لہٰذا وصول کرنے کی وکالت قبضہ کی وکالت ہے نیز وصول کرنا لغوی اعتبار سے قبضہ

کے معنی میں ہے قاموس میں ہے تقاضا الدین: قبضہ منہ۔ لیکن متأخرین حنفیہ کے ہاں: دین کا تقاضا کرنے والا وکیل قبضہ کا مالک نہیں عرفا اس لئے کہ اس زمانے میں لوگوں کے حالات خراب ہیں، وہ وکیلوں کے قبضہ پر راضی نہیں خیانت کی وجہ سے اور یہی مفتی بہ ہے عمل طور پر لوگوں کے عرف کی وجہ اور عرف قاضی ہے اصل وضع مذہب میں۔ وصول دین کا وکیل غیر کو وکیل بنانے کا مالک نہیں، اس لئے کہ لوگ وصولی میں مختلف ہیں۔

۳۔ دین قبضہ کرنے کا وکیل...... ائمہ حنفیہ میں اس بات پر اختلاف ہے کہ دین پر قبضہ کرنے والا وکیل جب مدین انکار کرے خصومت کا مالک ہے یا نہ؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں: اثبات دین کے لئے خصومت کا مالک ہے، یہاں تک کہ اگر مدین نے اس بات پر گواہ پیش کر دیئے کہ مؤکل نے دین وصول کرلیا ہے یا مؤکل نے مدین کو دین سے بری کر دیا ہے تو اس کے گواہ قبول کئے جائیں گے دلیل یہ کہ وکیل قبضہ، وکیل مبادلہ ہے اور مبادلہ مال بالمال میں حقوق عاقد سے متعلق ہوتے ہیں جیسے بیع اجارہ وغیرہ میں کہ وہاں وکیل عاقد ہوتا ہے۔ اس بات کی وضاحت کے لئے کہ دین پر قبضہ مبادلہ ہے کہا جاتا ہے کہ دیون اپنے امثال سے ادا کئے جاتے ہیں، اس لئے کہ نفس دین کا قبضہ وصولی کے بغیر متصور نہیں، نیز یہ ایک وصف ہے جو ثابت ہے ذمہ میں پس دین وصول کرنا مبادلہ کی ایک قسم ہے، اور لینا ہے عین کا جو مدین کے ذمہ میں ہے اس کے بدلے پس یہ بیع کے مشابہ ہے اور عقد بیع کے حقوق عاقد کے ذمہ ہوتے ہیں، پس جب بیع وکیل کے واسطہ سے مکمل ہوجاتی ہے اور وکیل ہی مشتری کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے تمام التزمات عقد کا مثلاً مبیع سپرد کرنا اس کا عیوب سے خالی ہونا، جیسا کہ وہ ثمن کے مطالبہ کا حق دار ہے۔

صاحبینؒ کے ہاں وکیل قبضہ کرنے والا، وکیل بالخصومت نہیں، اس لئے کہ قبضہ عین حق کو وصول کرنا ہے جو خصومت کا غیر ہے اور ہر ایک جو مال پر امانت دار ہو وہ خصومت کی طرف ہی راہنمائی کر سکتا ہو ایسا نہیں پس قبضہ کی رضامندی، خصومت کی رضامندی نہیں۔

حنفیہ کا اس بات میں اتفاق ہے کہ شئی عین کے قبضہ کا وکیل مثلاً کتاب پر قبضہ کرنے والا خصومت کا مالک نہیں، اس لئے کہ وہ امین ہے صرف اور یہاں کو مبادلہ بھی نہیں، اس لئے کہ یہ مؤکل کے عین حق کو وصول کرنے کا وکیل ہے اور قبضہ کرنا مبادلہ نہیں، یہ قاصد کے مشابہ ہو گیا اسی بناء پر اگر کسی انسان نے دوسرے کو کتاب قبضہ کرنے کا وکیل بنایا تو دوسرے نے گواہ پیش کر دیئے کہ مؤکل نے اسے فروخت کیا ہے تو مؤکل کی حاضری تک موقوف ہوا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ مدین کو دین پر ابھارنے کا وکیل، دین پر قبضہ کرنے اور خصومت کا مالک نہیں۔ اس طرح حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ اس بات پر بھی متفق ہیں وکیل بالخصومت وکیل قبضہ بھی ہے، اس لئے کہ جو کسی چیز کا مالک ہو تو اس کے مکمل کرنے کا بھی مالک ہوتا ہے اور خصومت، قبضہ سے مکمل ہوتی ہے، اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ وہ قبضہ کا وکیل نہیں، اس لئے کہ مؤکل اس کی خصومیت پر راضی ہے اور قبضہ الگ چیز ہے اس سے وہ راضی نہیں اور فتویٰ امام زفرؒ کے قول پر ہے وکلاء خائن ہیں۔ رہ گیا وکیل طلب شفعہ یا کسی عیب کی وجہ سے واپس کرنے کا یا تقسیم کا یہ بالاتفاق خصومت کا مالک ہے، اس لئے کہ شفعہ والا وکیل، وکیل مبادلہ ہے اس لئے کہ شفعہ کے طور پر لینا خریدنے کے مترادف ہے اسی طرح عیب کی وجہ سے واپس کرنا اور تقسیم کرنا میں بھی مبادلہ کا معنی پایا جاتا ہے لہٰذا ان میں خصومت ان کے حقوق میں سے ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں: قبض دین کا وکیل بالعین کا وکیل خصومت کا بھی وکیل ہے اس کے ثابت کرنے میں دو میں سے ایک وجہ سے، اس لئے کہ قبضہ اثبات کے بغیر نہیں ہوسکتا لہٰذا عرفاً اس کی اجازت ہے، نیز قبضہ اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ وکیل بالخصومت نہیں، اس لئے کہ قبضہ کی اجازت اثبات کی اجازت نہیں نہ قولی طور پر نہ عرفی طور پر اس لئے کہ عرف میں ایسا نہیں کہ جس کے قبضہ پر رضامندی ہو اس کے اثبات پر بھی رضامندی ہو، اسی طرح ان کے ہاں طلب شفعہ اور تقسیم میں بھی دو صورتیں ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ ان صورتوں میں سے دوسری شوافع کے ہاں درست ہے اور پہلی حنابلہ کے ہاں۔

حنفیہ کے ہاں وکیل قبضہ کے لئے کچھ اور احکام بھی ہیں..... ان میں سے وکیل قبضہ کا کسی دوسرے کو وکیل بنانا عام مکروہ ہے کہ وکیل کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو وکیل بنائے، مؤکل کی اجازت کے بغیر یا اس کے یہ کہنے کے بغیر اپنی رائے پر عمل کرو، اس لئے کہ مؤکل اس کی رائے پر راضی ہے اور صرف اس کو امانت پر اور رائے اور امانت میں لوگ مختلف ہیں لیکن اس کے باوجود ہم حنفیہ کے ہاں وکالت کو دو قسموں پر تقسیم کرتے ہیں اس قاعدہ کا انصاف وکالت عامہ، وکالت خاصہ: اگر وکالت عامہ ہو تو وکیل دوسرے کو وکیل بنا سکتا ہے اور اگر وکالت خاصہ ہو تو وکیل دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا۔

وکالت عامہ اور خاصہ کی پہلے وضاحت ہو چکی ہے۔ اس کے باوجود اگر وکیل نے دوسرے کو وکیل بنایا اور وکیل ثانی نے قبضہ کر لیا تو مدیون دین سے بری نہ ہوگا، اس لئے کہ اس کا قبضہ کا وکیل بنانا صحیح نہ تھا، تو اس کا قبضہ اور اجنبی کا قبضہ برابر ہے ہاں جو کچھ اس نے قبضہ کیا وہ وکیل اول کے پاس پہنچ جائے پھر مدیون دین سے بری ہوگا، اس لئے کہ مؤکل کے نائب کے قبضہ میں آ گیا۔ اگر قابض کے ہاتھ میں وہ چیز ہلاک ہو گئی وکیل اول کے پاس پہنچنے سے پہلے تو قابض مدیون کے لئے ضامن ہوگا، اور دائن پر لازم ہے کہ وہ مدیون سے دین وصول کر لے اس لئے کہ قبضہ کی وکالت درست نہ تھی، جب اس سے اس نے لے لیا تو جسے مدیون نے دیا تھا اس پر رجوع کرے گا، اور یہ رجوع کرے گا وکیل اول پر اس لئے کہ اس کی جانب سے دھوکے کی وجہ سے یہ ضامن ہوا لہٰذا اس پر رجوع کرے گا۔

مالکیہ کے ہاں..... وکیل کو دوسرا وکیل بنانے کی اجازت نہیں ہاں اگر وکیل کے لائق وکالت نہیں مثلاً وہ وجیہہ ہے اور مؤکل بہ چیز حقیر ہے تو پھر اس صورت میں وہ وکیل بنا سکتا ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں وکیل دوسرے شخص کو وکیل نہیں بنا سکتا مؤکل کی اجازت کے بغیر جب تک وہ اس پر قادر ہے ہاں اگر وہ قادر نہ ہو تو پھر وکیل بنا سکتا ہے۔

دین کے بدلہ عوض لینا..... قبض دین کے وکیل کو یہ اختیار نہیں کہ وہ دین کی جگہ ہے عین وصول کر لے اس لئے کہ یہ معاوضہ شمار ہوتا ہے اور عقد معاوضہ کی وکیل بالقبض میں صلاحیت نہیں، اس لئے کہ وہ حق کے قبضہ کا وکیل ہے نہ کے غیر کا نہ تبدیل کرنے کا نہ عوض لینے کا۔

دو آدمیوں کو دین وصول کرنے کا وکیل بنانا..... اگر کسی نے دو آدمی دین وصول کرنے کے لئے وکیل بنائے تو ان میں سے ایک قبضہ نہیں کر سکتا دوسرے کے بغیر، اس لئے کہ مؤکل ان دونوں کی رائے پر راضی ہے نہ کہ ایک کی رائے پر، اگر ایک نے قبضہ کر لیا تو مدین بری نہ ہوگا جب تک دوسرے کے قبضہ میں وہ نہ آ جائے اور شئی مقبوض دونوں کے قبضہ میں آ جائے، یا مؤکل تک پہنچ جائے اس لئے کہ قبضہ کا مقصود حاصل ہو گیا گویا شروع سے دونوں نے قبضہ کیا۔

عیب دار چیز پر قبضہ کرنا..... اگر قبض دین کے وکیل نے عیب دار چیز قبضہ کر لی تو جس طرح مؤکل کو واپس کرنے کا اختیار ہے اسی طرح وکیل کو بھی ہے۔

دین وصول کرنے میں غائب کی طرف سے دعویٰ وکالت..... اگر کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ فلاں غائب کی جانب سے دین قبضہ کرنے کا وکیل ہے مدین نے تصدیق کر دی تو اسے دین دینے کا حکم دیا جائے گا، اس لئے کہ مدین کا تصدیق کرنا اپنے اوپر دین کا اقرار کرنا ہے اور جو اپنے اوپر کسی چیز کا اقرار کرے تو اسے مقرلہ کے سپرد کرنے کا حکم دیا جائے گا، اس صورت میں جب قرض خواہ حاضر ہوا اور اس نے وکیل کی تصدیق کر دی تو فبہا ونعمت، اگر تصدیق نہ کی تو پھر یہاں تین صورتیں ہیں۔

ایک صورت..... اگر مدین نے وکیل کی تصدیق کر کے دین اسے دے دیا تھا تو پھر وہ دوسری دفعہ اس کو دین ادا کرے گا، اس لئے کہ

جب دائن نے انکار کر دیا وکالت کا تو اس کے لئے حق وصول کرنا ثابت نہ ہوا اور انکار وکالت میں دائن کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، اس لئے کہ دین ثابت شدہ ہے اور مدیون ایک عارضی چیز کا اقرار کر رہا ہے کہ اس نے وکیل کو ادا کر دیا اور دائن وکالت کا انکار کر رہا ہے اور قول منکر کا قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے جب وصولی ثابت نہ ہوئی تو وکیل کو دینا فاسد ہو گیا دوسری دفعہ دائن کو دینا واجب ہے پھر وہ رجوع کرے مدعی وکالت پر اگر مال اس کے پاس باقی ہو، اس لئے کہ دین کی غرض وکیل کو ادا کرنے سے ذمہ سے بری ہونا ہے اور یہ براۃ حاصل نہ ہوئی، مدیون کو حق ہے کہ وہ وکیل کی وکالت توڑ دے اور اگر وہ چیز اس کے پاس سے ضائع ہوگئی ہو تو مدیون وکیل پر رجوع نہیں کرے گا، اس لئے کہ مدین نے وکیل کی تصدیق کر کے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وکیل قبضہ کرنے میں حق پر ہے اور قبضہ میں حق دار سے رجوع نہیں کیا جاتا، نیز مدیون نے دوسری مرتبہ دے کر یہ اعتراف کیا کہ وہ مظلوم ہے اور مظلوم غیر پر ظلم نہیں کرتا۔

لیکن اگر مدعی وکالت نے کہا کہ میں فلاں غائب کی جانب سے ودیعت پر قبضہ کرنے کا وکیل ہوں جو تمہارے پاس ہے ''ودیع'' نے اس کی تصدیق کر دی پھر اسے سپرد کرنے کا حکم ہوگا، اس لئے کہ اس نے غیر کے مال کا اقرار کیا ہے برخلاف دین کے اس لئے کہ دین حق شخصی ثابت فی الذمہ ہے۔

پس مدیون کو لازم ہوگا جب مدعی کی تصدیق کر دے کہ وہ سپرد کرے اقرار پر عمل کرتے ہوئے اور ودیعت کی صورت میں مدعی وکالت کے سپرد کرنا لازم نہیں اس لئے کہ مودع کا حق حق عینی ہے وہ ملکیت جو عین کے ساتھ متعلق ہے لہٰذا اس کے اقرار پر عمل نہیں کیا جائے گا کیونکہ غیر کا حق ہے۔

دوسری صورت...... اگر مدین نے مدعی وکالت کی تصدیق کی اس سے ضامن قرار دیتے وقت بایں طور کہا کہ مجھے ضمانت دو کہ آپ اسے دائن کو دو گے اگر دائن نے مجھ سے مال لیا تو میں تم سے واپس لوں گا، تو اس صورت میں مدیون وکیل سے رجوع کرے گا اس لئے کہ دائن نے جو دوسری مرتبہ مدین سے لیا ہے تو وہ اس کا ضامن ہے وکیل اور مدیون کے زعم کے مطابق اس لئے کہ دائن دوسری مرتبہ لینے میں غاصب شمار ہوتا ہے ان کی نظر میں گویا یہ مدعی وکالت کی طرف سے کفالت ہے جیسے وہ کہے میں تمہاری طرف سے ضامن ہوں جو کچھ تم سے فلاں نے قبضہ کیا ہے، اور یہ کفالت صحیح ہے اس لئے کہ یہ اس کفالت کی طرح ہے جو مستقبل کی طرف مضاف ہو۔

تیسری صورت...... جب مدعی، مدعی الوکالت کی تکذیب کرے یا نہ تصدیق کرے نہ تکذیب اس کے باوجود دین اسے دے دے تو اس صورت میں دائن مدیون پر اور مدین وکیل پر رجوع کرے گا اس لئے کہ اس کی تکذیب کی صورت میں وکیل غاصب ہوگا اور مغصوب منہ کو غاصب پر رجوع کا حق ہے اور جس صورت میں اس نے تکذیب کی نہ تصدیق تو اس امید پر مال دیا کہ شاید صاحب المال اس کی اجازت دے دے جب امید ختم ہوگئی تو مدین وکیل سے رجوع کرے گا۔

۴۔ وکیل بالبیع...... یا تو مطلق تصرف کا ہوگا یا مقید، اگر اس کا تصرف مقید ہو تو اس میں قید کی رعایت رکھی جائے گی بالاتفاق، جب وہ اس کی قید کی مخالفت کرے تو اس کا تصرف مؤکل پر نافذ نہیں ہوگا، ہاں اس کی اجازت پر موقوف ہوگا یا مخالفت خیر کی وجہ سے ہو اس لئے وہ حق پر ہے اس کی وضاحت مثال سے یہ ہے کہ مؤکل کہے میرا یہ باغ ایک ہزار لیرۃ کا فروخت کرو تو اس نے ایک ہزار سے کم پر فروخت کر دیا تو یہ نافذ نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ شر کی جانب ہے اور اگر ایک ہزار سے زیادہ کا فروخت کر دیا تو یہ بیع نافذ ہوگی کیونکہ یہ مخالفت خیر کے لئے ہے، اور جب نقد فروخت کرنے پر وکیل بنایا اس نے ادھار فروخت کیا تو نافذ نہ ہوگا، بلکہ مؤکل کی اجازت پر موقوف ہوگی اور اگر ادھار فروخت کرنے کا وکیل بنایا اس نے نقد فروخت کیا تو نافذ ہے او اگر کسی خاص جگہ فروخت کرنے کا وکیل بنایا کیونکہ وہاں عمدہ اور زیادہ ثمن ملتے ہیں تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس جگہ کے علاوہ فروخت کرنا جائز نہیں اس لئے کہ اس سے اس کی غرض فوت ہو جائے گی، اور حنفیہ کے ہاں بھی اسی طرح ہے

اگر نفی مؤکد کی اور کہا فلاں بازار کے علاوہ نہ فروخت کرنا اور اگر کسی خاص وقت میں فروخت کرنے کا وکیل بنایا تو اس وقت میں فروخت کرنا لازم ہے اس لئے کہ اس وقت میں کوئی مصلحت ضرور ہوگی اور اگر کسی خاص آدمی کو فروخت کرنے کا وکیل بنایا تو اس کے علاوہ کو فروخت کرنا جائز نہیں، اور اگر سو روپے کا فروخت کرنے کا وکیل بنایا تو اس سے کم میں فروخت کرنا جائز نہیں اس لئے کہ وہ مقدار فوت ہو جائے گی اور اس کی اجازت کی بھی مخالفت ہے۔ اور اگر وکیل مطلق التصرف ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اطلاق پر عمل کرے گا لہٰذا جتنے کا بھی فروخت کرے جائز ہے اور اگر چہ غبن فاحش سے بھی اور ثمن عین ہوں یا دین، دلیل یہ کہ اصل یہ ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوگا اس کو بغیر دلیل کے مقید کرنا جائز نہیں لہٰذا جس چیز پر بیع کا اطلاق ہوتا ہے اس کو شامل ہوگی اور عرف پر اعتماد نہ ہوگا اس لئے کہ عرف متعارض ہے اور متعارض عرف کے ساتھ مقید کرنا جائز نہیں۔

صاحبین کے ہاں اور یہی امام طحاوی نے لیا ہے اور یہی حنفیہ کے ہاں مفتی بہ ہے کہ بیع مطلق کے وکیل کے لئے جائز نہیں کہ وہ فروخت کرے الا یہ کے شہر میں رائج نقود کے ذریعہ اور مثل قیمت پر اور اسی طرح جس میں لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں، عادۃً اس طرح فروخت کرنا اور مایتغابن الناس کی مقدار طحاوی رحمہ اللہ کے ہاں دسویں کا نصف اور اس سے کم امام محمد نے جامع صغیر میں ایسا ہی ذکر کیا ہے، ان کی دلیل کہ وکالت بیع مطلق کی متعارف کی طرح رائج ہوگی اور غیر رائجہ نقود اور غبن فاحش کے ساتھ بیع متعارف نہیں، بلکہ متعارف نقود اور ثمن مثل کے ساتھ فروخت کرنا ہے، لہٰذا اطلاق عرف سے مقید ہوگا جیسا کہ وکالت بالشراء میں ہے۔ اور صحیح غبن فاحش، اور غبن یسیر کی مقدار وہ ہے جو امام محمدؒ نے نوادر میں ذکر کی ہے کہ جو غبن قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت داخل ہو وہ یسیر ہے اور جو داخل نہ ہو وہ فاحش ہے۔ مجلہ احکام عدلیہ (م ۱۶۵) نے فیصلہ شدہ مقدار مقرر کیا ہے غبن فاحش کے لئے کہ منقولات میں ۵ فیصد کے برابر حیوانات میں ۱۰ فیصد اور زمینوں میں ۲۰ فیصد یا ان سے زیادہ اور ان سے کم غبن یسیر ہے۔ جمہور علماء بھی صاحبینؒ کے موافق ہیں ثمن مثل سے کم میں فروخت کرنے کی اجازت نہیں دیتے، اس لئے کہ وکیل مؤکل اضرار نہیں دے سکتا، کیونکہ وہ اس کی اصلاح و نصح کے لئے ماخوذ ہے اور قرینہ عرفیہ کی وجہ سے نقد بلاد کے علاوہ فروخت کی اجازت نہیں دیتے، اگر شہر میں دو قسم کے نقود ہوں تو غالب کے ساتھ فروخت کرے اور اگر دونوں برابر ہوں تو مؤکل کے لئے نفع بخش ہو اس کے ساتھ فروخت کرے اور یہی اختلاف نقد اور ادھار فروخت کرنے میں جاری ہوگا۔

امام صاحبؒ کے ہاں نقد اور ادھار فروخت کرنے کا مالک ہے، صاحبینؒ اور جمہور علماء کے ہاں: صرف نقداً فروخت کر سکتا ہے کیونکہ اصل نقد فروخت کرنا ہے۔ اور وکیل بالشراء کے لئے بالاتفاق ثمن مثل یا عادۃً لوگ جس میں دھوکہ کھا جاتے ہیں اس کے علاوہ فروخت کرنا جائز نہیں۔ امام صاحب وکالت بالشراء میں صاحبین اور دوسرے علماء کے ساتھ متفق ہیں وجہ یہ ہے کہ شراء میں تہمت ہوتی ہے اور بیع میں اس طرح کی تہمت نہیں اس لئے آپ بیع اور شراء میں فرق کرتے ہیں۔

وکیل کا مؤکل فیہ میں سے بعض حصہ فروخت کرنا...... جب وکیل آدھا حصہ فروخت کرے جس کا اسے وکیل بنایا گیا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

(الف)...... اگر چیز ایسی ہو کہ اسے ٹکڑے کرنے سے نقصان نہیں ہوتا تو بالاتفاق حنفیہ کے ہاں اس طرح فروخت کرنا جائز ہے اور یہ کیلی وزنی چیزوں میں یا دو چیزوں کی بیع میں جیسے دو گھر ہوں اور ایک فروخت کر دیا تو یہ جائز ہے بالاتفاق۔

(ب)...... اگر ٹکڑے کرنے میں نقصان ہو بایں طور کہ کتاب فروخت کرنے کا وکیل بنایا اس نے نصف فروخت کر دی تو امام صاحبؒ کے ہاں یہ جائز ہے۔ صاحبین، شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس طرح فروخت کرنا جائز نہیں ہاں اگر مؤکل اجازت دے دے یا باقی نصف بھی وہ فروخت کر دے۔ دلیل ان کی یہ ہے کہ وکالت متعارف کی طرف لوٹتی ہے اور نصف کا فروخت کرنا متعارف نہیں، اس لیے کہ اس میں

عین کی ملکیت میں اشتراک کی وجہ سے نقصان ہے اور ضرر دور کرنا واجب ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل...... جب وکیل کے لئے کل کو اس مقدار ثمن میں فروخت کرنا جائز ہے تو بعض کو فروخت کرنا بدرجہ اولی جائز ہے، اس لئے کہ اس میں مؤکل کا نفع ہے کہ بعض کو اس کی ملکیت میں روکے رکھا ہے۔ اور وکیل بالشراء حنفیہ کے ہاں بالاتفاق اس کے لئے بعض خریدنا جائز نہیں یا مؤکل کی اجازت سے یا باقی بعض بھی خریدے، وکیل بالشراء اور وکیل بالبیع میں فرق یہ ہے کہ شراء میں تہمت پائی جاتی ہے برخلاف بیع کے "کما عرفنا" پس وکیل بالشراء کے لئے جائز نہیں کہ وہ بعض کو کل ثمن کے بدلے خریدے۔ شوافع اور حنابلہ نے صاحبین کا مذہب اختیار کیا ہے بیع میں بھی اور مالکیہ کے ہاں: مؤکل کے لفظ عام ہیں عرف سے خاص ہو جاتے ہیں اور کتاب کی بیع میں عرف یہ ہے کہ پوری کی بیع ہو۔

مشتری کو ثمن سے بری قرار دینا...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں وکیل بالبیع مشتری کو ثمن سے بری قرار دینے کا مالک ہے اور اسے اختیار ہے کہ وہ اسے مؤخر کرے یا اس سے عوض لے لے یا کسی چیز پر صلح کرلے یا کسی دوسرے شخص پر حوالہ کردے البتہ ان صورتوں میں مؤکل کے ثمن کا ضامن ہوگا ان کی دلیل کہ ثمن پر قبضہ کرنا وکیل کے حقوق میں سے ہے، پس یہ تصرفات بھی اس کا حق ہیں، لیکن ثمن کا ضامن ہوگا مؤکل کے لئے، اس لئے کہ تصرف اگرچہ اس کے حق میں ہے لیکن اس نے غیر کی ملکیت میں تعدی کی اتلاف کے ساتھ، پس اس پر ضمان واجب ہے۔ صاحبین کے ہاں وکیل ان میں سے کسی چیز کا مالک نہیں اس لئے کہ یہ مؤکل کے حق میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف ہے۔

وکیل کا کسی دوسرے کو بیع کے لیے وکیل بنانا...... مؤکل کی اجازت کے بغیر بالاتفاق جائز نہیں اس لیے کہ وکالت میں یہ اصول ملحوظ ہے کہ ایک خاص شخص جس کی رائے مہارت اور امانت وغیرہ کا اعتبار ہے اس سے یہ چیزیں مستثنیٰ کی ہیں۔

الف...... جس چیز کی وکالت ہے وہ وکیل کی مروت کے خلاف ہو جیسے جانور بازار میں فروخت کرنا، جبکہ وکیل شریف النفس ہو یہ اس کے مناسب نہیں۔

ب...... مؤکل فیہ اتنا زیادہ ہو کہ وکیل اسے سنبھال نہ سکتا ہو دوسرے کی مدد کے بغیر۔

ج...... کہ مؤکل فیہ خاص مہارت کا محتاج ہو جیسے ہندسہ وغیرہ اور وکیل اس کا اہل نہ ہو یہ سب چیز حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں وکیل خاص کے بارے میں ہیں اور وکیل عام کو ہر طرح کا اختیار ہے۔

شبہ والے تصرفات متہم فیہ...... وکیل بالبیع کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے لیے اسے فروخت کرے، اس لئے کہ وہ اس تصرف میں متہم ہے، نیز اس لئے بھی کہ عقد کے حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں پس اپنے آپ کو فروخت کرنے کی وجہ سے ایک ہی شخص ایک زمانہ میں سپرد کرنے والا، وصول کرنے والا، مطالب اور مطالَب ہو اور یہ محال ہے اسی بناء پر فقہاء نے انعقاد بیع کے لئے تعدد عاقد شرط قرار دیے ہیں۔

جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں وکیل کو اختیار نہیں کہ وہ فروخت کرے، یا خریدے ثمن مثل یا کم کے ساتھ اپنے باپ دادا اولاد کو اور ان سارے لوگوں کو جن کی شہادت اس کے لئے قبول نہیں جیسے پوتا اور پوتی وغیرہ اس لئے کہ ان کو فروخت کرنا اپنے آپ کو فروخت کرنے کے معنیٰ میں ہے اس لئے کہ ان کے منافع ایک ہی ملکیت سے متصل ہیں پس ان کو فروخت کرنے میں تہمت ہے بیع کے ایثار کی برخلاف اجنبی کے۔

صاحبینؒ کے ہاں...... وکیل کے لئے انہیں فروخت کرنا جائز ہے اپنے آپ کو مثل قیمت پر فروخت کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ وکالت مطلق ہے انہیں فروخت کرنا اور اجنبی کو فروخت کرنا برابر ہے اور کوئی تہمت نہیں، اس لئے کہ ان کی املاک متباین ہیں ان میں سے ہر ایک دوسرے کی کسی چیز کا مالک نہیں۔ جب املاک متباین ہیں تو منافع بھی ان کے درمیان الگ الگ ہیں۔

مالکیہ کے ہاں......وکیل کے لئے جائز نہیں کہ وہ مؤکل فیہ کو اپنے لئے فروخت کرے یا جو اس کے عیال اور پرورش میں ہیں چھوٹا بچہ، بیوقوف، اور مجنون، اور اپنی بیوی اور سمجھدار بچے کو فروخت کرنا جائز ہے اور امام مالک سے روایت ہے کہ وکیل اپنے لئے خرید سکتا ہے۔
شوافع کے ہاں اصح اور حنابل کے ہاں دو روایتوں میں سے ایک روایت میں وکیل کے لئے اپنے اور چھوٹے بچے کے لئے فروخت کرنا جائز نہیں باپ دادا اور بالغ اولاد تمام فروع کو فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اس نے اس ثمن کے ساتھ فروخت کیا ہے کہ اگر اجنبی کو ان ثمنوں کے ساتھ فروخت کرتا تو بیع صحیح ہوتی، لہٰذا کوئی تہمت نہیں یہ ایسے ہی ہے جیسے اپنے دوست کو فروخت کرے، اور اس سے ظاہر ہوا کہ حنفیہ مطلقاً وکیل کو اپنے لئے فروخت کرنے کی اجازت نہیں دیتے اور جمہور اس بیع کی اجازت نہیں دیتے الا یہ کہ مؤکل فروخت کی اجازت دے دے اور مالکیہ دو شرطیں اور لگاتے ہیں۔

۱......کہ بیع مؤکل کی موجودگی میں ہو اور وہ انکار نہ کرے۔

۲......کہ رغبت اشیاء کو ہو اور ثمن مقرر ہوں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے اصول فروع اور بیوی کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے اور جمہور اصول اور بیوی کو ثمن مثل کے ساتھ فروخت کرنے کی اجازت دیتے ہیں فروع کے لئے نہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے راجح رائے رکھی ہے خاص کر اس زمانے میں تہمت سے بچنے کے لئے۔

خلاصہ......وکیل کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اپنے واجبات کو پورا کرے اور نافذ کرے جو مؤکل کے حق میں لازم ہے، اور مؤکل پر واجب ہے کہ عارضی خسارہ برداشت کرے جبکہ تعدی اور کوتاہی سے نہ ہوا ہو۔ اور اس پر واجب ہے کہ وہ اجرت جس کا وکیل مستحق ہے اسے ادا کرے جبکہ وکالت پر اجرت مقرر ہو اور وکیل اپنا کام پورا کرے۔

وکیل بالشراء کے تصرفات......وکالت کی دونوں قسموں عامہ اور خاصہ میں جہالت کا حکم بیان کیا ہے، اور اب وکیل بالشراء کے وکالت مطلقہ اور مقیدہ کے تصرفات بیان کردوں۔ اگر وکالت مقیدہ ہو تو جہاں تک ممکن ہو اس قید کا لحاظ رکھا جائے گا چاہے وہ قید مشتری کی طرف لوٹے یا ثمن کی طرف۔ جب وکیل مخالفت کرے تو مؤکل پر لازم نہیں ہوگا ہاں اگر خیر ہو تو پھر لازم ہوگا۔

خریدی گئی چیز کی طرف راجح قید کی مثال......مؤکل کہے میرے لئے فلاں شہر کی فریج خریدو، وکیل نے کسی اور شہر کی بنی ہوئی خریدی تو مؤکل پر اس کا خریدنا لازم نہیں وکیل کے ذمہ لازم ہوگا، اس لئے کہ اصل یہ ہے کہ ہر مقید میں قید کا اعتبار کیا جائے گا سوائے اس قید کے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور یہ مذکورہ قید مفید ہے۔ ثمن کی طرف راجح قید کی مثال: مؤکل کہے: میرے لئے فریج ایک ہزار روپے کی خریدو، وکیل نے ایک ہزار سے زیادہ کی خریدلی یہ وکیل کے ذمہ لازم ہے مؤکل کے ذمہ نہیں، کیونکہ مؤکل کی مخالفت کی ہے۔
لیکن اگر اس نے آٹھ سو کی خریدی اور اس کے مثل عادۃً ہزار کی خریدی جاتی ہے تو پھر یہ مؤکل کے ذمہ لازم ہے کیونکہ مخالفت خیر کی طرف ہے۔

اگر کسی چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا اس نے کچھ خرید لی اب اگر اسے اس طرح خریدنے میں نقصان ہو جیسے گاڑی تو مؤکل کے ذمہ بعض کا خریدنا لازم نہیں اور اگر اسے ٹکڑے کرنے میں ضرر نہ ہو جیسے وسیع زمین کو حنفیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں مؤکل کے ذمہ لازم ہے۔ اگر وکیل بنایا کہ قسطوں یا ادھار پر خریدو اس نے فی الحال نقد ادا کر کے خرید لیا تو وکیل کے ذمہ لازم ہوگا اس لئے کہ مؤکل کی مخالفت کی ہے، اور اگر وکالت بالعکس ہو اور وہ قسطوار یا ادھار خریدے تو مؤکل پر خریدنا لازم ہے، اس لئے کہ اگرچہ اس نے یہاں صورۃً مؤکل کی مخالفت کی ہے لیکن معنوی طور پر مؤکل کی طلب کی موافقت ہے اور اعتبار معانی کا ہوتا ہے نہ کہ صورت کا۔ اور اگر خیار شرط کے ساتھ خریدنے کا وکیل بنایا اس نے خیار کے بغیر خرید لیا تو یہ وکیل کے ذمہ لازم ہے، اور اگر کوئی متعین چیز خریدنے کا وکیل بنایا وکیل نے اس کے علاوہ کوئی چیز خرید لی تو حنفیہ کے ہاں مؤکل کو

اختیار ہے چاہے کچھ لے چاہے واپس کر دے جمہور کے ہاں خریداری وکیل کے ذمہ لازم ہے۔

خلاصہ یہ کہ عام قاعدہ ہے کہ وکیل بالشراء جب مؤکل کے حکم کی مخالفت کرے تو حنفیہ کے ہاں وکیل اپنے لئے خریدنے والا شمار ہوگا الا یہ کہ مخالفت خیر کی طرف ہو تو پھر بالاتفاق فقہاء کے ہاں مؤکل کے ذمہ لازم ہوگا اور وکیل بالبیع اگر مؤکل کے حکم کی مخالفت کرے تو بیع مؤکل کی اجازت پر موقوف رہے گی، ان دونوں کے درمیان فرق عرفنا سابقاً۔

اسی بناء پر اگر ایک دینار کی بکری خریدنے کا وکیل بنایا اور اس نے ایک دینار کی دو بکریاں خرید لیں تو حنفیہ کے ہاں دونوں مؤکل کے ذمہ لازم ہوں گی اور مالکیہ کے ہاں بھی بغیر اختیار کے دونوں لازم ہوں گی اور شوافع وحنابلہ کے ہاں اگر ان میں سے ہر ایک یا ایک ایک دینار کی ہو تو وکیل کے ذمہ لازم ہوگی عروۃ البارقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ سے استدلال کرتے ہوئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وکیل تھے۔

اگر وکالت مطلقہ ہو تو ممکنہ حد تک اطلاق کی رعایت کی جائے گی اور اگر کوئی مطلق عرف جو اس کی تقیید پر دال ہو تو پھر اسے مقید کیا جائے گا، اور اسی پر جب کسی نے سواری خریدنے کے لئے وکیل بنایا اور اس کی قیمت اور نوع بیان کر دی مثلاً کہا گدھا لانا، اس نے اندھا جانور خرید لیا تو یہ شراء جائز ہے اور مؤکل کے ذمہ لازم ہے اسی طرح اگر کانا جانور یا ہاتھ اور ٹانگیں شل خرید لیا ہو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں مؤکل کے ذمہ لازم ہوگا، کیونکہ دابہ کا لفظ مطلق ہونے کی وجہ سے ان سب پر بولا جاتا ہے جیسے سالم اعضاء والے پر لہٰذا مطلق کو دلیل کے بغیر مقید کرنا جائز نہیں۔

صاحبینؒ کے ہاں: مؤکل کے ذمہ پر خریداری لازم نہیں، وکیل کے ذمہ لازم ہے، اس لئے کہ عرفاً وعادۃً دابہ خدمت کے لئے خریدی جاتی ہے اور خدمت کی غرض منفعت فوت ہونے کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتی، لہٰذا عرف کی وجہ سے سلامتی اعضاء والا جانور مراد ہوگا۔

اور جب کسی نے وکالت صحیح کے ساتھ کسی چیز کے خریدنے کے لئے وکیل بنایا اور مؤکل نے ثمن بیان نہ کئے وکیل نے مثل قیمت کے ساتھ وہ چیز خرید لی یا اس سے کم قیمت پر یا زیادہ پر جس میں عام طور پر لوگ دھوکا کھاتے ہیں، تو یہ شراء مؤکل کے لئے ہے اور اگر غبن فاحش کے ساتھ خریدا تو یہ وکیل کے ذمہ لازم ہوئی اس لئے کہ تھوڑی زیادتی سے بچنا ممکن نہیں تو مؤکل کے لئے خریدنا جائز ہے کہ وکلاء پر یہ معاملہ تنگ نہ ہو نیز لوگوں کو بھی حاجت ہے یہی حنفیہ کے ہاں راجح ہے۔ رہ گئی زیادہ اضافہ تو اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اس سے بچا جا سکتا ہے۔ اور اس کے متعلق حنابلہ قلیل اور کثیر کے درمیان فرق کرتے ہیں جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور اختلاف سے نکلنے کے لئے مؤکل کے لئے ضروری ہے کہ وہ جب کسی کو خریدنے کا وکیل بنائے تو اس کا نام، جنس، صفت یا جنس اور مقدار ثمن بیان کرے، الا یہ کہ وکالت عامہ کے طور پر وکیل بنائے تو اس صورت میں وہ جو کچھ بھی خریدے گا تو اس کی رائے کے موافق ہوگا اور صاحبین کے ہاں یہ عرف وعادۃً سے مقید ہے۔

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... اگر مطلق شراء کی وکالت ہو تو مشتری کے ذمہ لازم ہے کہ وہ ثمن مثل کے ساتھ خریدے اور ثمن مثل سے زیادہ یا غبن فاحش کے ساتھ نہ خریدے، اس لئے کہ وکیل مؤکل کو نقصان پہنچانے سے روکا گیا ہے اور عمدگی کا مامور ہے زیادہ ثمن سے خریدنا نقصان ہے اور عیب معلوم ہو تو عیب دار چیز نہ خریدے، اس لئے کہ مؤکل نے معیب چیز خریدنے کا حکم نہیں دیا اور مؤکل واپس کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔

جب کسی معین چیز کے خریدنے کے لئے وکیل بنایا تو وکیل اسے اپنے لئے نہیں خرید سکتا اگر اپنے لئے خرید لی تو وہ مؤکل کے لئے ہوگی اس لئے کہ اپنے لئے خریدنا اپنے آپ کو وکالت سے معزول کرنا ہے اور وہ اپنے آپ کو معزول نہیں کر سکتا، مؤکل کی عدم موجودگی میں۔ ہاں اگر کسی غیر متعین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا تو پھر وہ اپنے لئے خرید سکتا ہے اگر مؤکل کی نیت کرے تو اس کی ہوئی۔ اور وکیل بالشراء اپنے لئے خریدنے کا مالک نہیں جیسے کہ وکیل بالبیع اور یہ حنفیہ، شوافع، حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں بالاتفاق ہے اس لئے کہ عقد کے حقوق وکیل کی طرف لوٹنے

میں اور ایک ہی زمانے میں ایک شخص مسلم بھی ہو متسلم بھی مطالب بھی نیز اپنے لئے خریدنے کی وجہ سے وہ متہم ہوگا ہاں امام مالکؒ سے روایت ہے کہ وکیل اپنے لئے ثمن مثل یا زیادہ سے خریدے اسی طرح اپنی بیوی اور سمجھدار بچے کو فروخت کرسکتا ہے جیسا کہ ان دونوں سے خرید سکتا ہے۔ مؤکل فیہ کو اپنے والد دادا بچے، بیوی کے بچے وغیرہ سے نہیں خرید سکتا اور ہر وہ جس کی شہادت اس کے لئے قبول نہیں امام ابوحنیفہؒ کے ہاں صاحبین کے ہاں مثل قیمت اس سے کم اور عادۃً لوگ جس سے دھوکا کھاجاتے ہیں اس سے خرید سکتا ہے۔

اگر طعام خریدنے کا وکیل بنایا تو اس سے گندم کا آٹا مراد ہوگا اور جب گوشت خریدنے کا وکیل بنایا تو اس سے مراد وہ ہوگا جو بازار میں فروخت ہوتا ہے اور لوگ عام طور پر اسے خریدتے ہوں مثلاً بھیڑ، بکری، گائے، اور اونٹ وغیرہ کا اگر عادۃ یہ فروخت ہوتا ہو اور بھنا ہوا اور پکا ہوا مراد نہیں ہوگا الا یہ کہ وہ مسافر ہو۔ اور نہ ہی پرندے، مچھلی اور نہ ہی زندہ بکری کا اور ذبح شدہ مراد نہیں ہوگی کیونکہ اس کی عادت خریدنے کی نہیں اسی طرح نہ پیٹ، جگر، سر اور پائے اس لئے کہ عرفاً یہ گوشت شمار نہیں ہوتے۔ اگر کسی نے مچھلی خریدنے کا وکیل بنایا تو اس سے تازہ اور بڑی مچھلی مراد ہوگی، چھوٹی مراد نہیں ہوگی کیونکہ اس کی عادت نہیں اور اگر سری خریدنے کا وکیل بنایا تو اس سے مراد تازی سری ہوگی پکی ہوئی یا بھنی ہوئی نہیں اور بکری کی سری مراد ہوگی اونٹ اور گائے کی نہیں۔ اگر پھل خریدنے کا وکیل بنایا تو جو پھل بازار میں بکتے ہیں وہ مراد ہوں گے اور اگر انڈے خریدنے کا وکیل بنایا تو اس سے مرغی کے انڈے مراد ہوں گے اور اگر دودھ خریدنے کا وکیل بنایا تو بازار میں عادۃً جس کا دودھ فروخت ہوتا ہو وہ مراد ہوگا بکری گائے، اونٹنی وغیرہ کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مراد یہ ہے کہ عرف وعادت کے اعتبار سے جو چیز جس علاقہ وزمانہ میں لوگ استعمال کرتے ہوں وہی خریدی جائے گی۔

وکیل کے مؤکل کے لئے خریدنے کا تعلق...... جب وکیل بالشراء نے اپنے مال سے مؤکل کی واضح اجازت کے بغیر رقم ادا کردی اور مبیع پر قبضہ بھی کرلیا، تو اسے اختیار ہے کہ وہ مؤکل پر رجوع کرے کیونکہ دلالۃً اجازت موجود ہے، اس لئے کہ عقد کے حقوق عاقد کی طرف لوٹتے ہیں، اور مؤکل کو ثمن کا معلوم ہے تو وہ دینے پر راضی ہے، اب اگر مبیع وکیل کے قبضہ میں ہلاک ہوجائے موکل سے رقم لینے سے پہلے تو وہ مؤکل کے مال سے ہلاک شمار ہوگی اور ثمن ساقط نہیں ہوں گے اور وکیل بالشراء کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ رقم وصول کرنے تک مبیع کو روکے رکھے، اگرچہ بعد میں دے دے، اس لئے کہ مؤکل کے ساتھ وہ بمنزلہ بائع ہے اب اگر اس نے ثمن وصول کرنے کے لئے روک لی اور اس کے ہاتھ میں وہ ہلاک ہوگئی تو امام ابویوسف رحمہ اللہ کے ہاں رہن کے ضمان میں مضمون ہوگی لہٰذا قیمت اور ثمن میں سے جو کم ہو وہ دے گا مؤکل، اور امام زفرؒ کے ہاں غصب کا ضمان ہوگا لہٰذا اس کا مثل یا اس کی قیمت جتنی بھی ہو اور امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے ہاں مبیع کا ضمان ہوگا لہٰذا ثمن ساقط ہوجائیں گے چاہے تھوڑے ہوں یا زیادہ، رہ گیا وکیل کا تعلق جن سے معاملہ کرتا ہے تو یہ مؤکل کے حساب سے حقوق کا نفاذ ہے جیسے ثمن کی ادائیگی، عیب کی وجہ سے واپس کرنا جب تک مبیع اس کے قبضہ میں ہو۔

دوسرا حکم: عقد کے حقوق اور وکالت میں ان کا حکم

عقد کے حقوق...... وہ اعمال ہیں جن کے بغیر عقد کی غرض وغایت کے حصول میں چارہ ہی نہیں۔ مثلاً مبیع سپرد کرنا، ثمن پر قبضہ کرنا، عیب کی وجہ سے واپس کرنا یا خیار رویت اور خیار شرط کی وجہ سے واپس کرنا اور استحقاق کی صورت میں ثمن واپس کرنے کا ضمان۔

اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ وہ عقود جو ایجاب وقبول سے مکمل ہوتے ہیں جیسے بیع وغیرہ اگر ان میں وکیل عقد کو مؤکل کی طرف منسوب کرے تو یہ حقوق مؤکل کی طرف لوٹتے ہیں، اور اگر اپنی طرف نسبت کرے تو بیع شراء کی وکالت میں عام قاعدہ ہے کہ جمہور کے ہاں عقد کے حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں اسی کے ذمہ مبیع سپرد کرنا ہے اور وہ بالفعل سپرد کرے گا اور قبضہ کرنا، اور یہی ثمن پر قبضہ کرے گا اسی

سے ثمن کا مطالبہ ہوگا اور عیب کی وجہ سے واپس کرے گا وغیرہ اور حنابلہ کے ہاں مؤکل کی طرف لوٹتے ہیں۔ تفصیل آ رہی ہے۔

حنفیہ کے ہاں......وکالت میں بعض وہ صورتیں ہیں جن میں کوئی حقوق نہیں الا یہ کہ جن کا وکیل کو حکم ہو جیسے دین وصول کرنے کی وکالت اور ساتھ لگے رہنے کی وکالت، اور بعض وہ ہیں جن کے حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں اور بعض وہ ہیں جن کے حقوق مؤکل کی طرف لوٹتے ہیں۔

الف......حنفیہ کے ہاں اس بارے میں عام قاعدہ ہے کہ ہر وہ عقد جس میں مؤکل کی طرف نسبت کی احتیاج نہیں اور اپنی طرف نسبت کافی ہے تو اس کے حقوق عاقد کی طرف لوٹتے ہیں جیسے بیوع، وشرایات، اجارات صلح اقرار تو ان عقود کے حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں اور اسی کے ذمہ ہے مبیع سپرد کرنا، ثمن پر قبضہ کرنا، اور ثمن کا مطالبہ مبیع پر قبضہ اور عیب کی وجہ سے جھگڑا۔

پس اس پر مبیع مشتری کے حوالے کرنا واجب ہے اور ثمن پر قبضہ کرنا اور جب مشتری مبیع میں کوئی عیب دیکھے تو وہ جھگڑا وکیل سے کرے اور جب معلوم ہو کہ بائع کے علاوہ کسی کی مبیع ہے تو وکیل پر ضمان واجب ہوگا الا یہ کہ عاقد ایسا ہو جس پر ذمہ داری عقد نہ ہو جیسے بچہ جو تصرف سے روکا گیا ہے، قاضی، قاضی کا امین وغیرہ تو ان صورتوں میں عقد کے حقوق مؤکل کی طرف لوٹتے ہیں، نہ کہ وکیل کی طرف اور جب وکیل عقد کی نسبت مؤکل کی طرف کرے جب بھی حقوق مؤکل کی طرف راجع ہوں گے۔ اور وکیل کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ حقوق عقد کے تحمل کے لئے کسی دوسرے کو وکیل بنائے اور جب تک وکیل ہو اس وقت تک مؤکل کو اختیار نہیں کہ وہ ان میں کسی چیز کو خود کرے، پس جب مؤکل مشتری سے بیع کے ثمن کا مطالبہ کرے تو مشتری اسے قبضہ سے روک سکتا ہے۔ اسی لئے کہ مؤکل عقد اور حقوق عقد سے اجنبی ہے، اس لئے کہ حقوق اس کے عاقد کی طرف راجع ہوتے ہیں، اگر مشتری ثمن مؤکل کو دے دے تو یہ بھی جائز ہے اس لئے کہ صرف ثمن پر قبضہ میں اس کا حق معتبر ہے اور وکیل کو دوبارہ مطالبہ کا حق نہیں فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے ورنہ واپس کرنا واجب ہوں گے۔

ب......اور ہر وہ عقد جس میں مؤکل کی طرف نسبت ضروری ہو تو اس کے حقوق مؤکل کی طرف راجع ہیں جیسے نکاح طلاق، مالی، خلع، دم عمد سے صلح اور مدعی عالیہ کہ انکار پر صلح وغیرہ تو ان عقود کے حقوق مؤکل کے لئے ہیں اور ذمہ داری بھی اسی پر ان میں وکیل سفیر اور قاصد ہے حتیٰ کہ شوہر کا وکیل نکاح میں اس سے مہر کا مطالبہ نہ ہوگا بلکہ شوہر سے مطالبہ ہوگا الا یہ کہ مہر کا ضامن ہو اس صورت میں اس سے مطالبہ ہوگا ضمان کے حکم میں، اور نکاح میں عورت کا وکیل مہر کے قبضہ کا مالک نہیں اور نہ ہی عورت کے وکیل پر عورت سپرد کرنا لازم ہے اور اسی طرح وکیل خلع بدل خلع پر قبضہ کا مالک نہیں جبکہ وہ مرد کی طرف سے ہو اور اگر عورت کی طرف سے ہو تو اس سے بدل خلع کا مطالبہ نہ ہوگا ہاں اگر ضامن ہے تو الگ بات ہے اسی طرح دم عمد کی صلح کا وکیل۔

ج......اسی طرح وہ عقود جو قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتے یعنی متعین عقود جیسے ہبہ، قرض، عاریت، رہن وغیرہ ان کی اضافت مؤکل کی طرف کرنا لازم ہے اور حقوق بھی اسی کی طرف راجع ہیں ورنہ عقد وکیل کی طرف سے ہوگا وجہ یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں عقد جب اصیل کی طرف نسبت کرنا ضروری ہے اس لئے کہ ان میں شخصی اعتبار ہے اور یہ حنفیہ کا مذہب ہے انہوں نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے جیسا کہ عام طور پر وہ کرتے ہیں کہ شوافع ان کے مخالف اور وہ حقوق عقد مؤکل کی طرف راجع کرتے ہیں، لیکن صحیح اور مناسب بات یہ ہے کہ نقل مذہب سب معتمد کتب پر اعتماد ہونا چاہئے علامہ نووی کی ''المنہاج'' میں تصریح ہے کہ عقد کے حقوق وکیل سے متعلق ہیں مؤکل سے نہیں تو یہ جعفر کے مذہب پر ہیں اس میں اور مالکیہ بھی حنفیہ کے مذہب پر ہیں کہ عقد کے حقوق وکیل کی طرف راجع ہیں نہ کہ عقد کی کسی طرح۔

حنابلہ کے ہاں......عقد کے حقوق مؤکل کی طرف راجع ہیں نہ کے وکیل کی طرف اس لئے کہ ان کے ہاں وکیل اصیل کی طرف سے صرف سفیر و معتبر ہے اور ان کی اس رائے کی وجہ سے وکالت کی غرض فوت ہو جاتی ہے، اس لئے کہ مؤکل دوسرے کو ان کاموں میں وکیل بناتا

ہے تا کہ اس کی مباشرت کم ہو یا یہ کہ اس کے مناسب نہیں وہ کام کرے یا اسے کرنے کی طاقت ہی نہیں، بس جب حقوق اس کی طرف لوٹے تو وکالت کی غرض حاصل نہ ہوگی اور یہ مذاہب کا اختلاف اس صورت میں خاص ہے جب وکیل وضاحت نہ کرے کہ عقد اصیل کے حساب سے ہے اور اگر وضاحت کردے تو پھر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عقد کے حقوق وغیرہ اصیل کے ہوں گے نہ کہ نائب کے۔ اس بحث سے مؤکل کے اور وکیل کے حقوق اور وکیل کے بیچ میں واجبات معلوم ہوتے۔

مؤکل کے واجبات...... وکالت بالبیع میں عارضی خسارہ برداشت کرنا، وکیل کو اجرت دینا، عمل نافذ کرنا اور مؤکل کا حق ہے کہ وکیل نے جس کا التزام کیا ہے اس کو نافذ کرے۔

وکیل بالبیع کے واجبات...... قیود کی پابندی، اور شرائط کے رعایت وکالت عرف، عادت کی رعایت وکالت مطلق میں۔

وکالت شراء میں مؤکل کے واجبات سے...... خریدے ہوئے سامان کے ثمن کی ادائیگی، عارضی خسارہ برداشت کرنا، وکیل کی اجرت دینا۔

وکیل بالشراء کے واجبات...... ثمن مثل سے خریدنا، جمہور کے ہاں عیب سے پاک سامان خریدنا اور حنفیہ کے ہاں متعین چیز موکل کے لئے خریدنا، اور مالکیہ کے ہاں جس چیز میں مؤکل کی مصلحت ہو وہ کرنا اگر مخالفت کی تو درست نہیں۔

وکیل بالشراء کے حقوق...... جو مؤکل نے متعین کئے ہیں ان سے کم میں خریدنا اور اپنے مال سے جو ثمن دیئے ہیں وہ موکل سے لینا اور ثمن کی وصولی تک مبیع کو روکے رکھنا مؤکل سے اور عیب کی وجہ سے واپس کرنا۔

عقد کا حکم...... ہم نے حنفیہ اور شوافع کے ہاں عقد وکالت کے حقوق جو وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں کے متعلق وضاحت کی، اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ عقد کا حکم ذکر کریں اور حکم عقد سے مراد غرض وغایت ہے:

الف...... عقد بیع اور وہ عقود جو ایجاب وقبول پر موقوف ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ مبیع میں مشتری کی اور ثمن میں بائع کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو عقد وکیل کے واسطے سے مکمل ہوتا ہے وہ موکل کا ہوتا ہے نہ کہ وکیل کا، اس لئے کہ وکیل مؤکل کے نام پر اور اس کی طرف سے عاقد بن کر کام کرتا ہے اور اس نے اس سے ولایت حاصل کی اور جمہور کے ہاں عقد کا حکم مطلقاً مؤکل کی طرف لوٹتا ہے چاہے وکیل اپنی طرف نسبت کرے یا مؤکل کی طرف اور مالکیہ کے ہاں جب وکیل مؤکل کا اظہار کرے تب مؤکل کی طرف حکم لوٹے گا۔ اور مؤکل کے لئے ملکیت ثابت ہو جائے گی عقد کی ابتداء ہی سے اس کے بغیر کہ پہلے وکیل کے لئے ثابت کریں پھر مؤکل کی طرف منتقل اور یہ مذاہب اربعہ میں ہے، اس لئے کہ درحقیقت وکیل مؤکل کے لئے اس کے حکم سے کام کرتا ہے۔ اور اسی پر دارومدار ہے کہ اگر مسلمان کسی ذمی کو شراب اور خنزیر کے خریدنے کا وکیل بنائے تو یہ خریدنا درست نہیں، اس لئے کہ مسلمان ان دونوں چیزوں میں سے کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا، یہ حنفیہ کا مذہب ہے نہ کہ وہ جو مالکیہ اور حنابلہ کی کتب میں ہے کہ ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ ملکیت پہلے وکیل کی پھر مؤکل کی طرف منتقل ہوتی ہے۔

ب...... جو عقد قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتے جیسے ہبہ اور عاریت: عقد کا حکم مؤکل کے لئے ہوتا ہے اگرچہ وکیل اپنی طرف نسبت بھی کرے بایں طور کہے میں نے ہبہ کیا یا یہ چیز میں نے عاریت دی، اس لئے کہ وکیل محض سفیر اور معبر ہوتا ہے ان عقود میں۔

ج...... عقد نکاح: جب عقد کو مؤکل کی طرف منسوب کرے بایں طور کہے "تزوجك فلان"، تو حکم مؤکل کے لئے ثابت ہوگا، اور جب اپنی طرف نسبت کر کے کہے "تزوجتك" تو نکاح اس کا ہوگا نہ کہ مؤکل کا۔

د..... طلاق: یہ نکاح کی طرح تفصیل سابق کے ساتھ اگر شوہر کا وکیل ہے اور اگر عورت کا وکیل ہے تو پھر طلاق کی نسبت اس کی طرف کرنا ضروری ہے اور کہے "طلق فلانة علی کذا"۔

تیسرا حکم: وکیل کے قبضہ میں موجود چیز کی حالت..... فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وکیل کے قبضہ میں امانت بمنزلہ ودیعت ہے، اس لئے کہ اس کا قبضہ مؤکل کی نیابت میں ودیع کے بمنزلہ ہے، لہٰذا ودیعت میں جس کا ضمان ہوتا ہے یہاں بھی ہوگا اور بری ہوگا جس طرح یہاں ہوتا ہے۔

اور ضمان کے سلسلہ میں اسی کی بات معتبر ہوگی اور حکم کے سلسلہ میں مجمل بات یہ کہ وکیل امین ہے اس پر مؤکل کے لئے کوئی ضمان نہیں، ہاں اگر وہ تعدی وکوتاہی کرے تو پھر ہے، اور عارضی خسارہ بھی مؤکل برداشت کرے گا جب وکیل کی طرف سے تعدی و تقصیر نہ ہو۔ اور اسی قاعدے کی بنا پر ابن قدامہ نے ''المغنی'' میں چھ حالتوں کا حکم رکھا ہے جس میں وکیل اور مؤکل عادۃً مختلف ہیں میں اختصار کے ساتھ ذکر کروں گا۔

پہلی حالت..... دونوں کا اختلاف ہو جائے تلف یا مال ضائع ہونے میں، وکیل کہے، تیرا مال میرے ہاتھ سے تلف ہو گیا، اور مؤکل اس کی تکذیب کرے تو بالاتفاق وکیل کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، اس لئے کہ وہ امین ہے اور یہ ایسی چیز ہے کہ اس پر گواہ پیش کرنا متعذر ہے، لہٰذا ودیع کی طرح گواہ کا مکلف نہیں بنایا جائے گا، حنابلہ نے کسی ظاہری سبب سے تلف ہونے کی حالت کے دعویٰ کو مستثنیٰ کیا ہے مثلاً جل کر یا کسی نے اچک لیا وغیرہ تو ایسی صورت پر گواہ قائم کرے۔

دوسری حالت..... وکیل کی طرف سے حفاظت اور مؤکل کے حکم کی مخالفت میں تعدی وکوتاہی میں اختلاف ہو مثلاً اس پر دعویٰ کرے کہ اس نے جانور پر طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا یا حفاظت میں تفریط کی یا اس نے مال واپس کرنے کا حکم دیا تھا اس نے نہیں کیا، تو یہاں بھی وکیل کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور مالکیہ کی ہاں مؤکل کا قول وکیل امین ہے چاہے وکالت پر اجرت ہو یا نہ ہو اس لئے کہ وکیل مؤکل کا نائب ہے قبضہ اور تصرف میں پس اس کے ہاتھ میں ہلاکت مالک کے ہاتھ میں ہلاکت تصور ہوگی لہٰذا ضامن نہ ہوگا۔

تیسری حالت..... تصرف میں اختلاف ہو وکیل کہے: میں نے کپڑا فروخت کر کے ثمن لیے ضائع ہو گئے، مؤکل کہے نہ تو نے فروخت کیا نہ قبضہ کیا یا کہے تو نے فروخت کیا قبضہ نہیں کیا یعنی اختلاف یا تو بیع ہونے میں ہو یا ثمن کے قبضہ پر کہ حنابلہ اور حنفیہ کے ہاں وکیل کا قول معتبر ہے اور شوافع کے دو قول ہیں اصح یہ کہ مؤکل کی تصدیق قسم کے ساتھ اس لئے کہ اصل تصرف نہ کرنا ہے۔

چوتھی حالت..... مؤکل فیہ کو مؤکل کو لوٹانے میں اختلاف ہو وکیل دعویٰ کرے مؤکل انکار کرے تو ائمہ اربعہ کے ہاں وکیل کا قول معتبر ہے چاہے اجرت پر ہو یا نہ ہو اگر وکالت کی اجرت کے لیے یہ وکیل عین ہو تو عین سے نفع تھا۔

پانچویں حالت..... اصل وکالت میں اختلاف ہو وکیل کہے تو نے مجھے وکیل بنایا ہے موکل انکار کرے تو ائمہ اربعہ کے ہاں مؤکل کا قول قسم کے ساتھ اصل عدم وکالت ہے امین ہونا ثابت نہیں۔

چھٹی حالت..... صفت وکالت میں اختلاف: وکیل کہے تو نے مجھے ادھار فروخت کرنے اور خریدنے کا یا اس کتاب کے فروخت کرنے کا وکیل بنایا مؤکل کہے نقد یا اس کپڑا پر یہ قلم فروخت کرنے کا بنایا تو ائمہ اربعہ کے ہاں مؤکل کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، اس لئے کہ اصل اجازت نہ ہونا ہے نیز موکل اجازت کی حالت کو زیادہ جانتا ہے۔

اگر دونوں اختلاف کریں وکالت میں خریدے گئے سامان کی قیمت میں تو حنفیہ کے ہاں اگر جس کا دعویٰ وکیل کر رہا ہے وہ اس کے

مساوی ہے تو وکیل کا قول معتبر اگر اس کے مساوی نہیں تو مؤکل کا قول شوافع اور حنابلہ کے ہاں وکیل کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا وہ امین ہے۔
اور اگر اختلاف خریدی گئی چیز کی نوع میں ہو مثلاً وکیل کھجور خریدے مؤکل کہے انگور کا کہا تھا تو وکیل کا قول قسم کے ساتھ، مالکیہ کے ہاں: ہر حالت میں وکیل کی بات معتبر ہوگی قسم کے ساتھ۔

چوتھی بحث: تعدد وکلاء......کبھی کبھی ایک شخص کی طرف سے بہت سے وکیل ہوتے ہیں تصرفات، خصومات یا قاضی کی عدالت میں پیش کرنے کے لئے جیسا کہ عام طور پر دو یا زیادہ وکیل ہوتے ہیں، اگر ایک شخص خاص عقد میں کئی وکیل بنادے تو ان میں سے کوئی ایک بھی دوسروں کے مشورہ کے بغیر کام کرسکتا ہے۔

حنفیہ کے ہاں اور اگر سب کی اکٹھی وکالت ہو ایک عقد میں تو ان میں سے کوئی ایک مؤکل کی اجازت کے بغیر کام نہیں کرسکتا سوائے اس کے کہ تصرف رائے کا محتاج نہ ہو جیسے ودیعت واپس کرنا، قرض ادا کرنا، یا ایسا ہو کہ سب کا جمع ہونا ممکن نہ ہو خصومت اور طلاق۔
مالکیہ خصومت میں بھی سب کو جائز قرار دیتے ہیں اور شوافع انفرادی طور پر خصومت عورتوں کی صورت میں جائز قرار نہیں دیتے اس لئے کہ مؤکل سب کے تصرف سے راضی ہے اور حنابلہ کے دو قول میں ایک شوافع کی طرح اور ایک انفرادی تصرف کے جواز کا عرف کی وجہ سے عام تعدد وکلا کے متعلق ان کی تطبیق اقسام وکالت میں ظاہر ہوگی۔

اگر تصرف ایسا ہو کہ اس میں رائے کی ضرورت ہے تو پھر کسی ایک وکیل کو تصرف کا اختیار نہیں دوسروں کے بغیر اس لئے کہ مؤکل سب کی رائے پر راضی ہے ایک کی رائے پر نہیں اگر دو آدمی بیع کے وکیل بنائے۔ تو ان میں سے ایک دوسرے کے بغیر تصرف کا مالک نہیں اگر کسی ایک نے بیع کردی تو دوسرے کی اجازت یا مؤکل کی اجازت کے بغیر جائز نہیں اس لئے کہ بیع میں رائے کی ضرورت ہے اور مؤکل دونوں کی رائے پر راضی ہے نہ کہ ایک کی۔ اگر دو آدمیوں کو خریدنے کا وکیل بنایا تو ان میں سے کوئی ایک اکیلا تصرف کا مالک نہیں البتہ اگر دوسرے کی عدم موجودگی میں خرید لیا تو عقد مشتری پر نافذ ہوگا اجازت پر موقوف نہیں ہوگا برخلاف بیع کے اس لئے کہ وکیل بالشراء متہم ہوتا ہے مصلحت کی رعایت کی وجہ سے کما عرفنا۔ اگر دو آدمیوں کو نکاح یا طلاق علی مال پر یا مالی عقود پر وکیل بنایا تو ایک دوسرے کے بغیر عقد کا مالک نہیں اس لئے کہ یہاں پر حکم دونوں کی رائے کا محتاج ہے، اور وصولی دین کے دو وکیلوں میں سے ایک قبضہ کا مالک نہیں دوسرے کے بغیر، اس لئے کہ دین پر قبضہ بھی رائے اور امانت کا محتاج ہے اور مؤکل نے دونوں کی رائے تفویض کی ہے نہ کہ ایک کی اور دونوں کی امانت پر راضی ہے نہ کہ ایک کی امانت پر۔

اور اگر تصرف ایسا ہو جس میں رائے لینے کی احتیاج نہ ہو تو دو وکیلوں میں سے ایک دوسرے کے بغیر تصرف کا مالک ہوگا مثلاً بغیر عوض طلاق کے وکیل یا ودیعت لوٹانے کے دین ادا کرنے کے وکیل، تصرف میں ایک منفرد ہے، اس لئے کہ یہ تصرفات ایسے ہے جن میں رائے کی ضرورت نہیں یہ صرف تعبیر ہے ایک اور زیادہ کی تعبیر برابر ہے۔ اور خصومت کے دو وکیل جو قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کریں تو جمہور حنفیہ کے نزدیک ان میں سے ہر ایک اکیلا تصرف کا مالک ہے، اس لئے کہ اس میں وقت واحد دونوں کا اجتماع متعذر ہے، اس لئے کہ خصومت کا مقصد قاضی کو اطلاع دینی ہے ان وسائل دفاع کی جن کا خصم ایک ہے اور قاضی کی توجہ مبذول کررہی ہے اور دو وکیلوں کا دفاع میں جمع ہونا قاضی کی اطلاع و توجہ مبذول کرنے میں مخلص ہے، کما ہو واضح باقی دفاع کی یادداشت تیار کرنا تو اس میں طبعاً اجتماع ممکن ہے جیسا کہ دفاع کو تقسیم کرنا ممکن ہے دو وکیلوں کے درمیان۔ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں خصومت کے دونوں وکیل منفرد نہیں، کیونکہ خصومت میں رائے کی ضرورت ہے۔

اور جمہور مالکؒ، شوافعؒ اور حنابلہؒ کے ہاں جب وکیل زیادہ ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو دوسرے کی مشاورت کے بغیر تصرف کا اختیار نہیں اس لئے کہ مؤکل دوسرے کے بغیر ایک کے تصرف پر راضی نہیں الا یہ کہ مؤکل دونوں کو انفرادی تصرف کی اجازت دے دے پھر ان میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ تصرف کرنا جائز ہے۔

پانچویں بحث: وکالت ختم ہونے کے طریقے:

عقد وکالت کی صفت: فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بغیر اجرت کے عقد وکالت جائز غیر لازم ہے عاقدین کی نسبت سے، مؤکل کی جانب سے تو اس طرح کے وہ کبھی مصلحت اس میں سمجھتا ہے کہ مؤکل فیہ کو چھوڑ دے یا کسی دوسرے شخص کو وکیل بنالے اور وکیل کی جانب سے اس طرح کہ کبھی وہ وکالت کے کاموں کے لئے فارغ نہیں ہوتا، پس عقد کو لازم قرار دینا طرفین کے لئے نقصان دہ ہے اسی بناء پر دونوں کو جب چاہیں رجوع کا حق حاصل ہے اور اس وقت وکالت ختم ہو جائے گی۔ اگر وکالت میں اجرت ہے تو اگر وہ انعام کی صورت میں ہے بایں طور کہ عقد میں وقت اور عمل متعین نہ ہو تو یہ بھی بالاتفاق لازم نہیں البتہ مالکیہ کے ہاں عمل شروع کرنے کے بعد جاعل کی ذمہ لازم ہے۔ اور اگر اجارہ کے طور پر ہو بایں طور کہ وقت اور کام متعین ہو جیسے بائع، سمسار (دلال) تو یہ حنفیہ کے ہاں اور مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق لازم ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں لازم نہیں وکالت بہت ساری چیزوں سے ختم ہو جاتی ہے جو یہ ہیں۔

۱۔ مؤکل کا وکیل کو معزول کرنا...... بالاتفاق مؤکل کے معزول کرنے سے وکیل کی وکالت ختم ہو جاتی ہے، اس لئے کہ وکالت فیہ لازم ہے پس یہ اپنی طبیعت کے اعتبار سے فسخ کے قابل ہے لیکن معزولی کی صفت کے لئے حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ وکیل کو معزولی کا علم ہو، اس لئے کہ عزل، عقد کو فسخ کرنا ہے لہٰذا اس کا حکم علم کے بعد لازم ہوگا، اور معزولی کا علم یا تو وکیل کی موجودگی سے مکمل ہوگا یا اسے خط لکھنے سے یا قاصد سے یا دو آدمیوں کی خبر یا ایک عادل کی خبر یا غیر عادل کی خبر سے جس کی وکیل تصدیق کر دے اور معزولی کے علم سے پہلے کے تصرفات ایسے ہی ہیں جیسے معزولی سے پہلے کے تمام احکام ہیں۔ اور مالکیہ کے ہاں ارجح قول کے مطابق اور امام احمد سے ایک روایت کے مطابق یہ شرط بھی مشروط ہے اور اسی شرط میں شرط کا سبب یہ ہے کہ معزولی سے وکیل کو دو طرح کا نقصان ہوتا ہے ایک یہ کہ اس کی ولایت باطل ہوتی ہے دوسرے یہ کہ وہ عقد کے حقوق کا متحمل ہے اگر وکیل بالشراء ہے تو ثمن ادا کرے گا اور اگر وکیل بالبیع ہے تو مبیع سپرد کرے گا اور شوافع کے ہاں اصح اور امام احمدؒ سے دوسری روایت جو اس کے ہاں راجح کے مطابق یہ شرط نہیں اگر مؤکل نے وکیل اس کی موجودگی میں یا عدم موجودگی میں معزول کر دیا تو وہ فی الحال معزول تصور ہوگا، اس لئے کہ عقد ختم کرنے میں دوسرے کی رضا کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا طلاق کی طرح اس کے علم کی ضرورت نہیں اور مذاہب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر وکیل اپنے آپ کو معزول کر دے تو مؤکل کو اس کی اطلاع ضروری ہے یا اس کا حق محفوظ رہے اور اسے دھوکا نہ ہو۔

دوسری شرط...... وکالت کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو، اگر کسی دوسرے کا حق متعلق ہوا تو اس کی رضامندی کے بغیر معزول کرنا صحیح نہیں جیسے مدیون کا وکیل رہن فروخت کرنے کا تاکہ مدت پوری ہونے پر دین محفوظ رہ سکے اب مدیون مؤکل دائن کی رضامندی کے بغیر معزول کرنے کا مالک نہیں اس لئے کہ اس کا حق وکالت کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے اس لئے کہ وہ دین عین فروخت کر کے وصول کرنا چاہتا ہے اور شوہر کا وکیل بیوی کی طلاق کے لئے جب چاہے دے دے اب شوہر، بیوی کی رضامندی کے بغیر وکیل معزول نہیں کر سکتا اور وکالت بالخصومت میں مدیون کی عدم موجودگی میں مثلاً ایک شخص کا دوسرے پر دین ہو پھر مدیون دور کے سفر پر جانا چاہتا ہو دائن اس سے وکیل طلب کرے اور اس بنا پر وہ کسی کو وکیل بنا دے تو یہ وکیل معزولی کے قابل نہیں اس لئے کہ مدیون کا قائم مقام ہے اور دائن کو اس سے اس دین کے علاوہ کے مطالبے کا حق نہیں اگر اسے معزول کر دیا تو اس کا حق ضائع ہو جائے گا۔

۲۔ مؤکل کا مؤکل فیہ میں تصرف کرنا...... کہ مؤکل نے جس کام کے لئے وکیل بنایا تھا وہ خود کرنے لگ جائے مثلاً دوسرے کو کسی چیز کے فروخت کرنے کا وکیل بنایا پھر خود فروخت کر دی تو بالاتفاق وکالت ختم ہو جائے گی اس لئے کہ اس وقت عقد موضوع نہیں رہے گا اور

وکیل کو معلوم نہ بھی ہو تب بھی معزول ہو جائے گا۔

۳۔وکالت کی غرض ختم ہو جانا...... کہ تصرف کا نفاذ ختم ہو جائے جس کے لئے وکیل بنایا تھا اب عقد غیر موضوع ہو جائے گا۔

۴۔مؤکل یا وکیل کا اہلیت سے نکل جانا...... موت کی وجہ سے بالاتفاق یا جنون مطبق جمہور کے ہاں برخلاف شوافع کے یا بے وقوفی کی وجہ سے پابندی لگنا ائمہ اربعہ کے ہاں بالاتفاق اور شوافع نے جنون کے ساتھ بے ہوشی کو بھی ملایا ہے اور ان کے علاوہ باقی آئمہ کے ہاں بے ہوشی کی وجہ سے اہلیت تصرف سے نہیں نکلتا، اور حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں ان عوارض کی بناء پر اہلیت سے نکلنا دوسرے عاقد کو معلوم ہونا شرط نہیں اور مالکیہ کے ہاں لیکن مؤکل کی موت کی وجہ سے معزول نہیں ہوتا جب تک علم نہ ہو جائے۔ جنون مطبق کی صاحب امام ابو یوسف اور امام محمد کا اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں وہ جنون ایک مہینہ تک ہو کیونکہ اس سے رمضان کے روزے ساقط ہو جاتے ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں ایک سال بھر روزے اس لئے سال کی وجہ سے تمام عبادتیں ساقط ہو جاتی ہیں: صاحب تکملہ فتح القدیر قاضی زادہ رحمہ اللہ نے فرمایا: مختار وہ ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مہینہ، مہینہ یا اس سے زیادہ لمبی مدت ہے، صاحب در نے فرمایا اسی پر فتویٰ ہے۔

۵۔مؤکل کا مرتد ہو کر دارالحرب میں چلے جانا...... یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہے اس لئے کہ اس وقت یہ اہل حرب میں سے ہوگا اور صاحبین کے ہاں اس سے وکالت ختم نہیں ہوتی اس لئے کہ ان کے ہاں مرتد کے تصرفات نافذ ہیں لہذا اس کے مرنے یا ارتداد کے سبب قتل کے بغیر وکالت باطل نہ ہوگی یا قاضی الحاق کا حکم کردے اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ مرتد کے تصرفات موقوف ہیں ان میں سے وکالت بھی ہے اگر مؤکل اسلام لے آیا تو نافذ ہوں گے اگر قتل کر دیا گیا یا دارالحرب میں چلا گیا تو وکالت باطل ہو جائے گی۔

البتہ وکیل اگر مرتد ہو کر دارالحرب مین چلا جائے تو بالاتفاق حنفیہ کے ہاں وہ وکالت سے نہیں نکلتا الا یہ کہ قاضی اس کے الحاق کا فیصلہ دے دے لیکن صرف الحاق سے اسے تصرف کرنا جائز نہیں الا یہ کہ مسلمان ہو جائے، اگر دارالحرب سے مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آ جائے تو امام محمد کے ہاں وکالت لوٹ آئے گی مانع ختم ہونے کی وجہ سے اور امام ابو یوسفؒ کے ہاں وکالت نہیں لوٹے گی اس لئے کہ دارالحرب میں چلے جانے کی وجہ سے وہ مُردوں میں شمار ہوتا ہے اس کی ولایت باطل ہوگئی تو وکالت بھی باطل ہوگئی مالکیہ کے ہاں وکیل ارتداد کی وجہ سے معزول ہو جائے گا اگر قتل کیا گیا تو بھی معزول اور اگر کسی مانع کی وجہ سے قتل مؤخر کیا گیا جیسے عورت حاملہ ہو تو اس میں علماء میں تردد ہے۔ اسی طرح مؤکل کے ارتداد کی وجہ سے بھی معزول ہوگا توبہ کے دن گذرنے کے بعد وغیرہ۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... وکیل کے ارتداد کی وجہ سے وکالت باطل نہیں ہونی چاہئے دارالحرب میں جائے یا نہ جائے، اس لئے کہ ارتداد ابتداء وکالت کے لئے مانع نہیں لہٰذا اس کے برقرار رہنے میں بھی مانع نہ ہوگی، اور مؤکل کا مرتد ہونا بھی حنابلہ کے ہاں وکالت کے تصرفات کو باطل نہیں کرتا اور شوافع کے ہاں بھی ظاہر یہی ہے ملک زائل نہ ہونے کی وجہ سے۔

۶۔وکیل کا اپنے آپ کو معزول کرنا...... یا وکیل اپنے آپ کو وکالت سے نکال لے جب وکیل نے کہا میں نے اپنے آپ کو معزول کر دیا یا میں وکالت کو رد کرتا ہوں یا میں اس سے نکلتا ہوں تو معزول ہو جائے گا اس میں شرط یہ ہے کہ مؤکل کو معلوم ہوتا کہ اسے نقصان نہ ہو۔

۷۔جس چیز میں تصرف کرنا تھا اس کا ہلاک ہونا...... بالاتفاق عین کے ہلاک ہونے سے وکالت ختم ہو جاتی ہے، اس لئے کہ اس حالت میں عقد غیر موضوع ہوگا اور اس کے ہلاک ہونے کے بعد تصرف غیر متصور ہے اور ایسی چیز میں وکالت کا تصرف جس میں تصرف

ہو ہی نہیں سکتا، محال ہے۔

۸۔ مؤکل فیہ کا مؤکل کی ملکیت سے نکلنا..... مثلاً منزل فروخت کرنے کا وکیل بنایا وہ منزل حکومت نے لے لی تو وکالت ختم۔

۹۔ افلاس..... مؤکل کے مفلس ہونے سے وکالت ختم ہوجائے گی جبکہ وہ اس کے مال میں ہو۔

۱۰۔ پابندی..... حنفیہ اور شوافع کے ہاں مؤکل کی طرف سے یا وکیل کی طرف سے پابندی لگا دینے کی وجہ سے بھی وکالت ختم ہوجائے گی اور حنابلہ کے ہاں ختم نہیں ہوگی۔

۱۱۔ تعدی وظلم..... شوافع کے ہاں دو میں سے ایک وجہ سے وکالت ختم ہوجائے گی وکیل کا مؤکل غیر میں تعدی کرنا مثلاً کپڑا فروخت کرنے کا وکیل بنایا اس نے خود پہن لیا، کیونکہ عقد وکالت امانت ہے وکیل کی خیانت سے باطل ہوجائے گا اور دوسری وجہ سے ختم نہیں ہوتا امانت باطل ہو کر ضمانت بن جائے گی اور تصرف باقی رہے گا میرے ہاں دوسری صورت اُصح ہے یہی حنابلہ کی رائے ہے۔

۱۲۔ فسق..... حنابلہ اور شوافع کے ہاں ایسا عقد جو فسق کے منافی ہے اس میں وکیل کے فاسق ہوجانے کی وجہ سے وکالت باطل ہوجاتی ہے جیسے نکاح میں ایجاب برخلاف قبول اور خریدنے کے۔

۱۳۔ طلاق..... مالکیہ کے ہاں شوہر بیوی کی طلاق کی وکالت سے طلاق کے بعد معزول ہوجائے گا اس لئے کہ طلاق اس کے ہاتھ میں تھی، اور بیوی معزول نہیں ہوگی اور حنابلہ کے ہاں وکالت باطل نہ ہوگی۔

۱۴۔ وقت کا گذر جانا..... مدت مقررہ کے بعد وکالت ختم ہوجائے گی مالکیہ حنابلہ اور شوافع کے ہاں جبکہ حنفیہ کے ہاں اصح قول کے مطابق ختم نہ ہوگی۔

یہ وکالت کے ختم ہونے کی اہم حالتیں تھیں فقہاء کے ہاں اور حنفیہ کی رائے کے مطابق یہ ان کے علاوہ ہیں چاہے وکیل کو معزولی کا علم ہو یا نہ ہو۔

انتهى الجزء الخامس ويتبعه الجزء السادس تتمة العقود وما يتعلق بها الملكية وتوابعها۔ الحمد لله ويفضل الله آج مؤرخہ ۷ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ بمطابق ۲۴ مارچ ۲۰۱۰ء بعد از نما مغرب الفقہ الاسلامی وادلتہ جلد ۵ کا ترجمہ مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور سرمایہ آخرت بنائے آمین۔

اُردو ترجمہ

اَلفِقہُ الاسلامی وَأدِلَّتُہٗ

دورِ حاضر کے فقہی مسائل، ادلہ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہائے کی آراء
اور اہم فقہی نظریات پر مشتمل دورِ جدید کے عین تقاضوں کے مطابق مُرتب کردہ
ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق و تخریج بھی شامل ہے

حصہ ششم

بابُ العقود

مؤلف

الاستاذ الدکتور وھبۃ الزحیلی رکن مجمع الفقہ الاسلامی

مُترجم

مولانا محمد یوسف تنولی

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

دارالاشاعت اردو بازار کراچی

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ستمبر ۲۰۱۲ء علمی گرافکس
ضخامت : تقریباً 4800 صفحات مکمل سیٹ

www.darulishaat.com.pk

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

...........ملنے کے پتے..........

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم اردو بازار کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم اردو بازار لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

اصطلاحات

کفالۃ..... کسی شخص سے جو مطالبہ متعلق ہو کسی اور شخص کا اس مطالبہ کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کر لینا کہ اصل شخص نے ادا نہیں کیا تو وہ اسے ادا کر دے گا۔

مکفول عنہ..... جن کے ذمہ دین ہو اس کو اصل یا مکفول عنہ کہتے ہیں۔

کفیل..... جو اس ذمہ داری میں شریک ہوتا ہے اور ضامن ہوتا ہے وہ کفیل ہے۔

مکفول لہ..... جس کا دین باقی ہے اس کو مکفول لہ کہتے ہیں یعنی مدیون۔

مکفول بہ..... دین کو مکفول بہ کہتے ہیں۔

حوالہ..... وہ معاملہ جس میں دین، اصل مدیون سے ادائیگی کا ذمہ قبول کرنے والے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

محیل..... قرض خواہ دائن کو محیل کہا جاتا ہے۔

محال علیہ..... جس پر دین کی ادائیگی کی ذمہ داری ڈالی جائے۔

محال لہ..... مقروض، مدیون۔

رہن..... اپنے حق کے عوض ایسے مال کو بطور وثیقہ گروی رکھنا کہ اس مال یا اس کی قیمت سے اپنا حق وصول کیا جا سکتا ہو۔

راہن..... قرض دینے والا جس نے کوئی چیز اپنے پاس رہن رکھ کر قرضہ دیا ہو۔

مرتہن..... رہن رکھنے والا۔

مرہون..... وہ چیز جو بطور رہن رکھی جائے

صلح..... ایسا معاملہ جس کے ذریعہ باہمی رضامندی سے نزاع ختم کر لیا جائے۔

مصالح عنہ..... عقد صلح کا محل جس پر نزاع کا دارومدار ہو مثلاً قتل، زمین، مکان۔

مصالح علیہ..... صلح میں دیا جانے والا مال جس کے لینے اور دینے پر دونوں متصالحین کا اتفاق ہو جائے۔

متصالح..... صلح کرنے والا۔

ابراء..... کسی مالی حق سے دوسرے کو بری الذمہ کر دینا۔

استحقاق..... دوسرے کے مال مثلاً زمین، مکان، جانور میں کسی اور کا حق نکل آنا۔

مقاصہ..... دو اشخاص کا ایک دوسرے پر کچھ مطالبہ ہو اور وہ دونوں اپنی ذمہ داری کے بدلے اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو جائیں۔

اکراہ..... کسی پر جبر و زبردستی کرنا۔

حجر..... نا اہل شخص یا بچے پر پابندی لگا دینا۔

محجور علیہ..... جس شخص پر پابندی لگا دی گئی ہو۔

معتوہ..... کم عقل فاتر العقل۔

سفیہ..... بے وقوف جو نفع و نقصان میں فرق نہ کر سکتا ہو۔

ملکیت.....انسان اور مال کے درمیان ایسا تعلق جو شریعت نے مقرر کر رکھا ہو اور انسان اس تعلق میں مخصوص ہو اور اپنی مرضی کے مطابق اس مال میں تصرف کر سکتا ہو۔

احیاء الاموات.....بنجر زمین کو آباد کرنا۔

محیی.....بنجر زمین آباد کرنے والا۔

ارضِ محیاۃ.....آباد کی گئی زمین۔

حریم.....وہ قریبی جگہیں جو کسی شخص سے پورا نفع اٹھانے کیلئے مطلوب ہوں جیسے کنواں اور نہر وغیرہ کا حریم (کنویں کے آس پاس کا علاقہ)

ارتفاق.....ایک شخص کی زمین و مکان میں دوسرے شخص کے زمین و مکان سے متعلق نفع اٹھانے کا حق، حق ارتفاق کہلاتا ہے۔

حق شرب.....زمین وغیرہ کی سیرابی کے لئے پانی کا حصہ اور حق۔

حق شفہ.....پانی پینے کا حق۔

حق مجریٰ.....پانی کی نالی گزارنے کا حق۔

حق مسیل.....کھیت میں نالی کے ذریعہ پانی لانے کا حق۔

حق مرور.....گزرگاہ کا حق۔

حق تعلّی.....بالائی منزل کے منافع کا حق۔

حق جوار.....پڑوس کا حق۔

مزارعت.....زمین کو بٹائی پر دینا۔

مساقاۃ.....باغ کو بٹائی پر دینا۔

قسیمت.....مستحقین کے درمیان مشترکہ چیز کو تقسیم کرنا۔

مہایاۃ.....کسی چیز سے باری باری نفع اٹھانا جن اشیاء میں دو آدمی شریک ہوں اور ان کی قطعی تقسیم ممکن نہ ہو ان میں مہایاۃ سے کام لیا جاتا ہے۔

غصب.....مالک کی اجازت کے بغیر جبراً مال لے لینا جبکہ شریعت کی نظر میں یہ مال لینے والے کے لئے قابل احترام اور لائق قیمت ہو۔

غاصب.....جبراً مال لینے والا۔

مغصوب.....غصب کیا گیا مال۔

لقطہ.....گری پڑی چیز۔

لقیط.....گرا پڑا لاوارث بچہ۔

ملتقط.....گری پڑی چیز اٹھانے والا۔

شفعہ.....وہ حق جس کے ذریعہ شرکت اور جوار کی بنیاد پر بمقابلہ خریدار کے اسی قیمت میں وہ مال غیر منقولہ کا مالک بن سکتا ہے۔

شفیع.....شفعہ کرنے والا۔

مشفوع فیہ.....وہ چیز (زمین، مکان) جس پر شفعہ کا دارومدار ہو۔

خلیط.....شریک۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کفالۃ، حوالہ اور رہن تصدیق وثبوت نامہ کے معاملات ہیں جن کی ہم یہاں تبعاً بحث کریں گے۔

موضوع کی علامت اور کفالۃ کے نام...... کفالہ کے مندرجہ ذیل نام ہیں:

کفالۃ حمالۃ، ضمانۃ زعامۃ اس کا التزام کرنے والے کو ضمین، کفیل، قبیل، حمیل، زعیم اور صبیر بھی کہا جاتا ہے۔ ماوردی جو اکابر شافعیہ میں سے ہیں ان کا قول ہے: البتہ عرف میں یہ مشہور ہے کہ ضمین اموال میں، حمیل دیات میں، زعیم اموال عظیمہ میں، کفیل نفوس میں اور صبیر کا استعمال سب میں ہے۔

اس عقد کے بارے میں مندرجہ ذیل پانچ مباحث میں گفتگو ہوگی:

بحث اول	......	کفالۃ کی شرعی حیثیت اس کی تعریف، رکن اور اس کے الفاظ
بحث ثانی	......	کفالۃ صحیح ہونے کی شرائط
بحث ثالث	......	کفالۃ کے احکام
بحث رابع	......	کفالۃ کے ختم ہونے کا بیان
بحث خامس	......	اصل (مکفول عنہ) پر کفیل کا تقاضا کرنا

بحث اول...... کفالۃ کی مشروعیت، تعریف، رکن اور اس کے الفاظ:

کفالۃ کی مشروعیت...... فی الجملۃ کفالۃ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع سے شرعاً ثابت ہے قرآن میں ارشاد ربانی ہے:

وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: زعیم یہاں کفیل کے معنی میں ہے۔

حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے زعیم غارم (ذمہ دار) ہے۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کیا ہے اور حسن کہا ہے ابن حبان نے اسے صحیح ❶ لکھا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا تاکہ آپ جنازہ پڑھائیں آپ نے پوچھا: اس نے کوئی ترکہ چھوڑا ہے؟ لوگوں نے بتایا: نہیں! آپ علیہ السلام نے فرمایا: اس کے ذمہ کوئی قرض ہے؟ لوگوں نے عرض کی ہاں جی! دو دینار ہیں۔ ❷

آپ ؐ نے فرمایا: اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھ لو۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فوراً بول اٹھے: اللہ کے رسول یہ دونوں دینار میرے ذمہ ہیں چنانچہ

---

❶...... تین صحابہ ابوامامہ الباہلی انس بن مالک اور عبداللہ بن عباس ؓ سے یہ روایت مروی ہے اس کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے (دیکھیں جامع الترمذی ۶/ ۲۹۵ ط حمص) ❷ ایک روایت میں تین دینار ہیں۔

آپ علیہ السلام نے جنازہ پڑھایا۔ ❶

اجماع سے ثبوت...... مسلمانوں کا ضمانت کے جواز پر اتفاق ہے کہ تا کہ ❷ مدیون سے ضرر دور ہو اور لوگوں کو اس کی ضرورت بھی رہتی ہے۔ اختلاف ہے تو بعض ضمنی مسائل میں جن کا ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے اور اس لحاظ سے کہ کفالت اچھی نیت کے ساتھ عبادت بن جائے گی جس کے کرنے والے کو ثواب ملے گا۔ رہی حقیقت میں اس کی حیثیت تو ابتداء میں ملامت سننا پڑتی ہے درمیان میں ندامت و پشیمانی ہوتی ہے اور آخر میں ذمہ داری ہے ❸ کفالت مکمل ہو چکنے کے بعد خود کفیل اپنے آپ کو یا لوگ اسے ملامت کرتے ہیں اور مطالبہ کے وقت اپنا مال ضائع کرنے پر پشیمانی ہوتی ہے اس کے بعد مال کی چٹی دینی پڑتی ہے۔

کفالت کی تعریف...... احناف و حنابلہ کی کتابوں میں ہے کہ کفالۃ لغۃً ملانے کو کہتے ہیں جبکہ شافعیہ کی کتب میں ہے: اس کا معنی ہے چمٹنا، لازم ہونا۔ اصح قول کے مطابق احناف کے ہاں اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: مطلقاً مطالبہ میں ایک ذمہ داری کو دوسری ذمہ داری کے ساتھ ملانا یعنی نفس یا قرض یا کسی چیز کے مطالبہ میں مدیون کی ذمہ داری کے ساتھ کفیل کی ذمہ داری ملانا جیسے کوئی چیز غصب ہوگئی وغیر لہٰذا کفیل کی ذمہ داری میں قرض ثابت نہیں ہوگا اور نہ اصیل سے ساقط ہوگا۔ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا قول ہے: کفالۃ: ضامن کے ذمہ کو جس کی ضمانت لی گئی ہو اس لئے ساتھ ملانا جس کی وجہ سے کوئی حق لازم ہو رہا ہے یعنی قرض میں: یوں ان دونوں کے ذمہ میں قرض ثابت ہو جائے گا۔ جیسا المغنی لابن قدامہ حنبلی میں ہے۔ ❹

یہ بھی ملحوظ رہے کہ قرض کے بعد کفیل کے ذمہ میں ثابت ہو جانے سے یہ ضروری نہیں کہ اگر چہ وہ اصل کے ذمہ میں باقی رہتا ہے اس پر حقدار کا زیادہ حق ثابت ہو جائے کیونکہ قرض اگر چہ کفیل کے ذمہ میں ثابت ہو جائے تو حقدار کے لیے یہ حق نہیں کہ وہ ایک حق سے زیادہ وصول کرے کفیل سے یا اصیل سے اسی طرح یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس کا کوئی مانع نہیں کہ ایک ذمہ سے زیادہ میں قرض کا ثبوت ہو اس واسطے کہ قرض شرعی اعتبارات میں سے ایک فرضی چیز ہے لہٰذا ایک شے دو ذموں میں فرض کی جا سکتی ہے ممنوع ہے تو ایک چیز کا دو حقیقی ظرفوں میں ثابت ہونا۔

کفیل کے ذمہ میں قرض کے ثبوت کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ کفیل کو قرض کا ہبہ کرے تو ہبہ صحیح ہے اور کفیل اصیل سے قرض کا تقاضا کرے گا باوجود یکہ قرض کا ہبہ اس غیر کو کرنا جس پر قرض ہے جائز نہیں۔ اسی طرح حقدار کے لئے صحیح ہے کہ وہ کفیل سے اپنے قرض کے عوض کوئی چیز خریدے باوجود یکہ جس پر قرض ہو اس کے علاوہ قرض کے بدلہ میں خریداری صحیح نہیں۔ احناف کی اپنے مسلک پر یہ دلیل ہے: قرض کا اگر چہ شرعاً دو ذموں میں فرض کرنا ممکن ہے لیکن ہر ممکن موجب (واجب کرنے والے) کے بغیر ثابت الحکم نہیں ہوتا۔ اور یہاں کوئی موجب نہیں اس واسطے کہ قرض کی ذمہ داری مطالبہ کے حق کے ثابت ہونے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ ہبہ وغیرہ کے صحیح ہونے کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ انہوں نے صاحب حق کے تصرف کی ضرورت کی بنا پر ایک قرض کو دو قرضوں کے حکم میں قرار دیا ہے۔ ❺

---

❶...... بخاری، مسند احمد، نسائی اور ابن حبان میں بحوالہ سلمہ بن اکوع مروی ہے کہ امام احمد اور اصحاب السنن نے ماسوائے ابوداؤد یہ قصہ حدیث ابی قتادۃ سے روایت کیا ہے ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے اس میں نسائی اور ابن ماجہ فرماتے ہیں: تو ابوقتادۃ نے کہا: میں اس کا ضامن ہوں تو یہ انشاء میں صریح ہے اس میں گزشتہ کی خبر دینے کا احتمال نہیں ہے نیز یہ قصہ امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، دار قطنی اور حاکم نے بحوالہ جابر بن عبداللہ نقل کتاب قصہ کے موضوع میں دار قطنی اور بیہقی نے ضعیف سندوں سے ابوسعید خدری کی ایک حدیث نقل کی ہے۔ اسی موضوع میں بزار کی ایک روایت ہے جس کے رجال صحیح ہیں جو ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور واقعہ یوں ہے کہ قرض دو درہم تھے اور ضامن حضرت علی رضی اللہ عنہ بنے تھے یہ روایت ضعیف ہے۔ جیسا ابن حجر نے (التلخیص الحبیر ص ۲۵۰ مجمع الزوائد ۴/۱۲۷ سبل السلام ۳/۶۲ نیل الا وطار ۵/۲۳۷ ومابعدھا) ❷ سبل السلام ۳/۶۲، المبسوط ۱۹/۱۶۰، مغنی المحتاج ۲/۱۹۸ المغنی ۴/۵۳۴۔ ❸ قفال شافعی کے کسی شاگرد کا قول ہے کہ تورات میں لکھا ہے کہ کفالت کی ابتدا بری ہے۔ اس کی درمیانی ندامت اور آخرت میں ذمہ داری ہے۔ ❹ سابقہ حوالہ جات ❺ الشرح الکبیر ۳/۳۲۹ مغنی المحتاج ۲/۱۹۸ المغنی ۴/۵۳۴

احناف کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جیسے مال کی کفالت صحیح ہے ایسے ہی جان کی کفالت بھی صحیح ہے باوجودیکہ اس میں قرض نہیں ہوتا، جان کی کفالت کی ذمہ داری میں جس کی کفالت کی ذمہ داری لی ہے اسے حاضر کرنا ضروری ہے کفالت جیسے قرض کی بناء پر صحیح ہے ایسے ہی ان چیزوں کی بناء پر بھی صحیح ہے جن کی ضمانت لی جاتی ہے۔ کفالت کی وہ تعریف جس میں مطالبے کے حق کے ثبوت کا فائدہ ہو وہ ان تمام اقسام کے شامل ہونے کی وجہ سے ہے اس کے برخلاف اگر ہم اس کا مفہوم قرض میں ملانے کے ساتھ تک ہی محدود رکھیں تو اس سے مال کی کفالت ہی مراد لی جائے گی خلاصہ یہ ہوا کفالت کی تعریف مطالبہ میں ملانے سے کرنا عام ہے کیونکہ یہ کفالت کی اقسام کو شامل ہے جو مال جان اور چیزوں کی کفالت پر مشتمل ہے یہی مطلب ہے کہ یہ تعریف زیادہ صحیح ہے۔

اور جس نے کفالت کی تعریف قرض میں ملانے سے کی ہے تو اس کی مراد کسی ایک قسم کی تعریف ہے جو مال کی کفالت ہے رہی دوسری دو قسمیں تو ان دونوں پر اتفاق ہے کہ ان سے کفالت مطالبہ والی کفالت ہے یوں احناف کی صحیح تعریف کے لیے ہوگی جیسے انہوں نے اس زاویہ سے ہی مقبول وپسند کیا ہے اور وہ اس کا کفالت کی تینوں قسموں کو عام اور شامل ہونا ہے۔ رہی کفالت کے احکام کی نسبت کے واقع ہونے کی حیثیت سے تو ابن عابدین نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اصل کے ذمہ میں قرض کے باقی رہنے کے باوجود کفیل کے ذمہ میں قرض ثابت ہوتا ہے۔ جس کی دلیل قرض کا ہبہ کرنا اور اس سے کوئی چیز خریدنے کا جواز ہے جیسا کہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے اسی طرح قرض کو دو ذموں میں فرض کرنا ممکن ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کردیا ہے لہٰذا اگر کفالت صرف مطالبہ میں ملانے کا نام ہوتا اس میں قرض لازم نہ ہوتا تو کفیل کے ترکہ سے مال نہ لیا جاتا کیونکہ اس کے مرنے کی وجہ سے اس سے مطالبہ ساقط ہوگیا جیسے جان کا کفیل ہوتا ہے، باوجودیکہ اس کے بارے میں یہاں تک کہ احناف کے ہاں بھی یہ صراحت ہے کہ کفیل کے مرنے سے مال جائز ہوجاتا ہے جو اس کے ترکہ سے وصول کیا جائے گا جس کی دلیل یہ ہے کہ ایک کفیل دوسرے کفیل کا اس مال کے ذریعہ کفیل بن سکتا ہے جس کی ذمہ داری اس نے لی ہے دونوں تعریفوں میں اختلاف کا ثمرہ یوں ظاہر ہوگا کہ کفیل قسم کھالے کہ اس کے ذمہ کوئی قرض نہیں تو وہ ہماری اس بات سے حانث (قسم توڑنے والا) ہوجائے گا کہ کفالت کا مطلب ایک ذمہ کے ساتھ دوسرے ذمہ کو قرض میں ملانا ہے''۔

اور یوں کہنے سے حانث نہیں ہوگا، کہ کفالت مطالبہ میں ملانے کا نام ہے۔ ⓫

کفالۃ کا رکن......امام ابوحنیفہ اور امام محمد (طرفین) کے نزدیک کفالۃ کا رکن ایجاب وقبول ہے یعنی کفیل کی جانب سے ایجاب اور دائن (قرض خواہ) کی جانب سے قبول ⓬ ابویوسف اور جمہور فقہاء کا قول ہے: کفالۃ کا رکن صرف ایجاب ہے قبول اس کا رکن نہیں۔ اس بنا پر اکیلے کفیل کی کفالت مال کی ہو یا جان کی مکمل ہوجاتی ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک مکفول لہ یعنی قرض خواہ کا قبول کرنا شرط نہیں اور نہ اس کی رضامندی ضروری ہے کیونکہ حضرت ابوقتادہ کی سابقہ حدیث میں قبول سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ اس واسطے کہ ابوقتادہ کے صرف اتنا کہہ دینے سے کفالہ مکمل ہوگئی کہ وہ دونوں درہم میرے ذمہ ہیں اللہ کے رسول! پھر آپ نے اس شخص کی نماز جنازہ پڑھائی یہ بات منقول نہیں کہ قرض خواہ نے قبول کیا تھا اس لیے بھی کہ کفالۃ لغۃ ملانے کو کہتے ہیں۔ اور جو مطالبہ اصل پر ہے اس کا التزام یہ شرعاً ہے التزام اور ملانے کا مفہوم کفیل کے ایجاب سے پورا ہوجاتا ہے یوں یہ نذر کی طرح ہوگیا ⓭ طرفین فرماتے ہیں: مکفول کی رضامندی ضروری ہے جس کی وضاحت کفالۃ کی شروط میں بیان ہوگی۔

جہاں تک مکفول عنہ یعنی اصیل کی رضامندی کا تعلق ہے تو فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ شرط نہیں اس لئے کہ دوسرے کا قرضہ اتارنا اس کی اجازت کے بغیر بھی جائز ہے لہٰذا اس کا التزام کرنا زیادہ بہتر ہے نیز سوائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سب کا اتفاق ہے کہ میت کا

⓫ ....ردالمحتار علی الدرالمختار (۲۶۱/۴) ⓬ فتح القدیر: ۳۹۰/۵ البدائع ۲/۶ الدرالمختار المراجع السابق مجمع الضمانات ص ۲۷۵۔ ⓭ مغنی المحتاج (۲۰۰/۲) المهذب (۳۴۰/۱، المغنی (۵۳۵/۵)

ضامن بننا صحیح ہے اگر چہ اس نے اپنا قرض ادا کرنے کے لیے کچھ نہ چھوڑا یعنی وہ نادار ہو۔

جمہور کے نزدیک کفالۃ یا ضمانت کے ارکان چار بنتے ہیں۔ ❶

ضمانت لینے والا (اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کا اپنے مال میں تصرف واختیار ہو لہٰذا بچے اور بے وقوف کی ضمانت صحیح نہیں) مضمون: جس چیز کی ضمانت لی (اس سے مراد ہر وہ حق ہے جس میں نیابت درست ہے جیسے قرض) جس چیز کی ضمانت لی۔ یہ اموال میں ہوتی ہے حدود اور قصاص میں نہیں کیونکہ ان میں نیابت (نائب وقائم مقام) بننا صحیح نہیں۔ مضمون عنہ (اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس سے مال کا مطالبہ ہو خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ (ایجاب) کا لفظ شافعیہ نے پانچواں رکن بھی بڑھایا ہے اور وہ مضمون لہ (یعنی حقدار) ہے۔

کفالت کے الفاظ..... معین لفظ سے کفالۃ منعقد ہو جاتی ہے احناف اور شافعیہ کے ہاں اس کے الفاظ یہ ہیں: صریح (واضح) کنایۃ (اشارۃ) ہر ایسا لفظ جس سے عرف ورواج میں ذمہ داری کا پتہ چلے ❷ صریح: مثلاً کفیل کہے: جو کچھ اس کے ذمہ ہے میں اس کا کفیل یا ذمہ دار بنتا ہوں یا میں زعیم قبیل یا حمیل ہوں یا وہ مری طرف یا مجھ پر یا تیرا مطالبہ میرے پاس یا تیرے لیے میری جانب سے یا مجھ پر لازم ہے کہ میں تمہیں پورا حق ادا کروں یا مجھ پر ضروری ہے کہ میں اس کے ساتھ تجھ سے ملوں یا اسے میرے سپرد سمجھ۔

کنایۃ: مثلاً یوں کہے فلاں سے سروکار نہ رکھو جو قرض اس پر تھا وہ میرے پاس ہے یا فلاں کا قرضہ میری طرف ہے یا میں فلاں کا ضامن ہوں یا فلاں کی ضمانت میرے ذمہ ہے اگر اس کی نیت مال یا بدن کی ہو تو لازم ورنہ لغو ہے جب اس نے یوں کہا: فلاں کے لیے میرے پاس اتنا ہے اس سے امانت یا ذمہ میں کسی چیز کا ہونا معلوم ہوتا ہے کیونکہ پاس (عند) کے لفظ سے کسی چیز کے قریب یا حاضر ہونے کا فائدہ ہوتا ہے جو سابقہ دونوں معنوں میں موجود ہے تو جب اس نے مطلق لفظ کہا تو اس سے اس پاس رکھی امانت سمجھی جائے گی اور قرض کی علامت کے وقت جو چیز ذمہ میں بنتی ہے وہی سمجھی جائے گی یعنی میرے ذمہ میں۔ اس واسطے کہ قرض کا احتمال صرف ذمہ داری سے ہو سکتا ہے۔

کفالت کی دو قسمیں..... جان کی کفالت اور مال کی کفالت، جان کی کفالت اس وقت منعقد ہوگی جب کفیل یوں کہے: میں فلاں کی جان، یا اس کی گردن یا اس کی روح یا اس کے جسم یا اس کے سر یا اس کے بدن کا ضامن ہوں اسی طرح اگر یوں کہے: اس کے آدھے یا تہائی یا اس کے ایک حصہ کا ضامن ہوں تب بھی یہی حکم ہے اس لئے کہ فقہی قاعدہ ہے جو چیز اجزاء میں تقسیم نہیں ہو سکتی اس کے ایک حصے کا ذکر ایسا ہی ہے جیسے پوری کا ذکر لہٰذا وہ پورے کا کفیل ہوگا اس واسطے کہ انسان ایسی چیز ❸ ہے جو اجزاء میں نہیں بٹ سکتی (مراد زندہ انسان ہے) اس کے برخلاف مثلاً کوئی کہتا ہے: فلاں کے ہاتھ یا پاؤں کا ضامن ہوں۔ اسی طرح جب وہ کہتا ہے میں اس کا ضامن ہوں یا کہا وہ میرے ذمہ ہے یا کہا: میں اس کا ضامن ہوں یا قبیل ہوں تو کفالت منعقد ہو جائے گی بخلاف اس کے کہ وہ کہتا ہے میں فلاں کی معرفت کا ضامن ہوں۔

کفالۃ کے رکن کی حالتیں..... کفالت پر اتفاق ہوتے ہوئے یا تو وہ مطلق ہوگی یا کسی وصف سے مقید یا کسی شرط سے معلق یا کسی وقت کی طرف منسوب ہوگی ❹ اگر کفالت مطلق ہو تو ان شرائط کے ساتھ جنہیں ہم ذکر کریں گے کفالت جائز ہے صرف وہ قرض کی صفت سے موصوف ہوگی۔ پھر اگر وہ قرض فوری ہو تو کفالت بھی فوری ہوگی اور اگر کفالت مؤجل (تاخیر سے) ہو کفالۃ بھی مؤجل ہوگی اور اگر کفالت مقید ہو تو یا وصف تاخیر وتاجیل سے موصوف گی یا فوری کے وصف سے پھر اگر وہ مقرر وقت تک مثلاً مہینہ یا سال کے لئے مؤخر ہو، تو جائز ہے اور یہ

---

❶..... القوانین الفقهية ص ۳۲۵، مغني المحتاج ۱۹۸/۲ غاية المنتهى ۱۰۴/۲۔ ❷ فتح القدير (۲۹۲/۵) البدائع المرجع السابق الدرالمختار (۲۶۴/۴) مجمع الضمانات ص ۲۶۵ مغني المحتاج المرجع السابق ص ۲۰۶ حاشية قليوبي وعميرة ۳۳۰/۲

❸ تفصیل کے لیے دیکھیں فتح القدیر (۴۰۴/۵۔۴۱۱) البدائع (۳/۶) ❹ اسی کی مثال سے کہ جیسے کوئی اپنی بیوی کو آدھی یا چوتھائی طلاق دیتا ہے تو اسے مکمل رجعی طلاق ہوگی کیونکہ طلاق کے اجزا نہیں ہوتے۔ بخلاف مال کی کفالت کے اگر وہ آدھے یا چوتھائی قرضے کا کفیل بن جاتا ہے تو زیادہ کا کفیل نہیں ہوگا کیونکہ اس کے اجزا ہو جاتے ہیں۔

بھی جائز ہے کہ کفالۃ کی مدت قرض کی مدت کے برابر یا اس سے کم یا زیادہ ہو اس واسطے کہ قرض کا مطالبہ حقدار جو مکفول ہے اس کا حق ہے تو وہ کفیل اور مقروض کے ساتھ جس مدت پر چاہے اتفاق کرے۔ اگر قرض فوری ہو تو کفالت میں تاجیل وتاخیر کرنا جائز ہے ظاہر روایت کے مطابق مقروض خود مدت سے فائدہ اٹھائے اس لئے کہ جب تاخیر نفس عقد میں ہو تو وہ مدت کو قرض کی صفت بنا دیتی ہے اور قرض ایک ہی رہتا ہے رہی وہ تاخیر جو عقد مکمل ہو جانے کے بعد ہو تو وہ کفیل کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور اگر تاخیر اصیل سے ہو تو کفیل مدت سے مستفید ہو سکتا ہے اور جب کفیل تاخیر کرے تو اصیل اس مدت سے مستفید نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ مقصود مطالبہ میں تاخیر ہے نہ کہ حق کو ساقط کرنا۔ اور اگر کفالت مثلاً ایک سال کے لئے مؤخر تھی اور سال مکمل ہونے سے پہلے ہی اصیل مر گیا تو قرض اس کے مال میں آ جائے گا اور مدت کفیل کے لیے رہ جائے گی اسی طرح جب کفیل مر جائے تو اس کے مال میں قرض آ جاتا ہے اور اصیل اپنی مدت پر برقرار رہے گا یہ تو احناف ❶ شافعیہ اور مالکیہ کا مذہب ہوا، کیونکہ موت انسان کے ذمہ کو لے جاتی ہے اور اہلیت باطل کر دیتی ہے صرف اتنی مقدار جس سے حقوق کی برابری کی ضرورت کا تقاضا ہو اور ان احکام کا ثبوت جن کا زندگی کی حالت میں سبب ہو۔ حنابلہ کی دو روایتیں ہیں ابن قدامہ نے اسے ترجیح دی ہے کہ قرض موت کی وجہ سے نہیں اترتا کیونکہ قرض مؤجل (تاخیر سے) تھا لہٰذا وقت سے پہلے اس کا مطالبہ جائز نہیں یوں سمجھا جائے گا جیسے وہ مرا ہی نہیں ❷ اگر تاخیر نامعلوم مدت تک کے لیے ہو تو احناف حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں تب کفالت صحیح ہوگی جب مدت لوگوں کے ہاں متعارف ومروج ہو جیسے کٹائی گھوائی نیروز وغیرہ۔ اس لیے کہ یہ جہالت بری نہیں لہٰذا کفالۃ اسے برداشت کر لے گی۔ امام شافعی فرماتے ہیں: ان اوقات تک تاخیر کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ ایک نامعلوم مدت ہے ❸ اور اگر وہ مدت لوگوں میں مروج ومشہور نہ ہو جیسے بارش ہونے یا ہوا چلنے تک تاخیر تو مدت باطل ہے اور کفالہ صحیح ہے اس واسطے کہ یہ جہالت بالکل ظاہر ہے اس لئے کفالۃ اس کا تحمل نہیں کر سکتی۔ اس بناء پر تاخیر صحیح نہیں ہوگی بلکہ باطل ہو جائے گی۔ یہ اس صورت میں ہے جب کفالۃ مؤجلہ (تاخیر سے) ہو۔ اگر کفالہ فوری ہو تو حقدار کے لئے جائز ہے وہ کفیل سے ادائیگی کی شرط طے کرے خواہ قرض فوری ہو یا تاخیر سے اگر کفیل فوری کی ذمہ داری لے تو حقدار کے لئے صحیح ہے وہ اس کے بعد اسے موجل کر دے مؤجل ومؤخر کرنا اسی کے ساتھ خاص ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ فوری قرض کی تاخیر سے ادائیگی کی ذمہ داری اور مؤجل کی فوری ذمہ داری چاروں مذاہب میں جائز ہے کیونکہ ضمانت ایک نیکی ہے اور اس کی ضرورت بھی پڑتی ہے لہٰذا جس کا ذمہ دار ❹ نے التزام کیا ہے اس کے مطابق کفالہ صحیح ہے۔ کفالۃ بالنفس جان کی ضمانت میں: اگر کوئی شخص کسی آدمی کا ایک مہینہ یا تین ایام تک ضامن بنا تو جائز ہے لیکن ظاہر روایت کے مطابق کفیل سے مکفول کو پیش کرنے کا مطالبہ اتفاقی مدت کے گزر جانے کے بعد ہی ہوگا فی الحال نہیں ہوگا۔ امام ابو یوسف کا قول ہے: فی الحال ہی اس سے مطالبہ ہوگا جب مدت گزر جائے گا تو کفیل بری ہو جائے گا۔ یہی حسن بن زیاد کا قول ہے قاضی نسفی فرماتے ہیں: امام ابو یوسف کا قول: لوگوں کے عرف کے مناسب ہے بعض علماء اسی کے مطابق فتوی دیتے ہیں۔ ❺

ج: **کفالت اگر کسی شرط سے بندھی ہو تو**...... امام ابوحنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر شرط عقد کے مناسب ہو تو جائز ہے مثلاً شرط وجوب حق کا سبب ہو جیسے کفیل کہتا ہے۔ اگر اس فروخت شدہ چیز کا کوئی حقدار نکل آیا تو میں ذمہ دار ہوں یا ایسی شرط ہو جس کی وجہ سے استیفاء کا امکان (یعنی اس کی سہولت ہو) جیسے یوں کہے: جب زید آیا اس کی کفالت لی گئی تھی۔ میں اس کا ضامن ہوں یا استیفاء کے مشکل ومتعذر ہونے کی وجہ سے کوئی شرط ہو مثلاً اگر زید شہر سے غائب ہوا تو میں ضامن ہوں۔

---

❶......البدائع المرجع السابق المبسوط (۲۸/۲۰) مختصر الطحاوی ص ۱۰۵ الشرح الکبیر (۳۳۷/۳) مغنی المحتاج (۲۰۷/۲) ❷المغنی (۵۴۵/۵) ❸ المغنی المرجع السابق ص ۵٦۰ مغنی المحتاج (۲۰۷/۲) المبسوط (۱۷۲/۱۹) مجمع الضمانات ص (۲۷۳) الفرائد البہیة فی القواعد الفقہیة (۱۴۲) ❹البدائع المراجع السابقہ الشرح الکبیر (۳۳۱/۳) نہایة المحتاج للرمی (۴۱٦/۳) مغنی المحتاج (۲۰۷/۲) ❺مجمع الضمانات ۲٦٦ ۔

ان حالات کے علاوہ کی تعلیق مثلاً ہوا چلنے بارش ہونے یا زید کے گھر میں داخل ہونے کے ساتھ معلق رکھی جیسے جب بارش وغیرہ ہو تو میں کفیل ہوں تو فی الحال کفالت ثابت ہوگی اور تاخیر ⑪ باطل ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ کفالت کو اس کی دونوں قسموں سے مشروط و معلق کرنا تب صحیح ہے جب شرط متعارف و مروج ہو۔ متعارف کی مثال جیسے کفالۃ کو اس کے ساتھ معلق کرے جو حق کا سبب ہے یا حوالہ ممکن بنانے کا سبب ہے، رہی ہوا وغیرہ کے ساتھ کی تعلیق تو یہ متعارف نہیں۔

شافعیہ فرماتے ہیں: اصح قول یہ ہے کہ کفالۃ کو کسی شرط سے معلق کرنا جائز نہیں مثلاً جب مہینے کا آغاز ہوگا تو میں فلاں پر واجب چیز کا ذمہ دار ہوں یا میں اس کے قرض کا ضامن ہوں۔ ⑫

جان کی ذمہ داری نہ پوری کرنے پر مال کی کفالت کو معلق کرنا...... اگر یک شخص دوسرے کی ذات کا ضامن بنا اور یوں کہا اگر میں اسے کل حاضر نہ کر سکا تو اس پر لازم مال کا میں ضامن ہوں پھر اسے حاضر نہیں کیا یا جس کی ضمانت لی تھی وہ مر گیا تو احناف کے نزدیک کفیل پر مال لازم ہے اس واسطے کہ یہاں دو کفالتیں ہیں جان اور مال اور حقیقت میں اس نے صرف جان کی کفالت لی تھی اور مال کی کفالت کو جان کی ذمہ داری نہ پوری کرنے پر معلق کیا تھا اور تعلیق صحیح ہے جب مقروض دعویٰ کا اقرار کرے یا گواہ سے ثابت ہو جائے یا قاضی (عدالت) اس کا فیصلہ کر دے۔ ⑬

شافعیہ فرماتے ہیں: مال کا ضامن نہیں ہوگا ⑭ احناف نے اس موضوع کے قریب دوسری تفریعات بھی ذکر کی ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں اگر کوئی انسان کسی کی جان کا کفیل بنا اور کہا: اگر میں کل تمہیں نہ لا سکا تو میرے ذمہ ہزار ہیں اور یہ نہیں کہا کہ وہ ہزار جو اس کے ذمہ ہے جس کا دعویٰ کیا گیا ہے اور مذکورہ رقم کا مطالبہ کرنے والا مال کا منکر ہوتا ہے تو امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مال کفیل پر لازم ہے اور امام محمد کے نزدیک لازم نہیں امام محمد کے قول کی دلیل یہ ہے اس مال کا ایجاب خطر کے معلق ہے (یعنی احتمال کے ساتھ) کیونکہ یہاں واجب کی طرف نسبت نہیں پائی گی اور مال کا وجوب خطر واحتمال کے ساتھ معلق نہیں ہوتا، رہی ثابت شدہ مال کی کفالت تو اس کا خطر کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ شیخین کے قول کی دلیل یہ ہے کہ مطلق ہزار کو مقرر ہزار سمجھا جائے گا جو وہی ہزار ہے جس کی ضمانت لی گئی ہے اگر کسی نے مال کی ذمہ داری لی اور مکفول لہ سے کہا: اگر میں تجھے کل یہ مال ادا کر دوں تو میں بری ہوں تو کل اس نے ادا کر دیا تو وہ ایک روایت کے مطابق مال کی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا کیونکہ یہ برأت ہوا ادائیگی کی شرط سے معلق کرنے کی صورت نہیں۔ بلکہ یہ ادائیگی کو مال کی کفالت کے لئے انتہا بنانا ہے اور شرط کو کبھی غایت وانتہا کے معنی میں دونوں میں مناسبت کی وجہ سے ذکر کیا جاتا ہے اور ایک روایت میں ہے جو راجح بھی ہے کہ وہ مال سے بری نہیں ہوگا کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ اگر میں کل اسے تمہارے حوالہ کر دوں تو میں بری ہوں جان کی سپردگی کی شرط کے ساتھ مال سے بری ہونے کو معلق کرنا ہے جب کہ بری ہونے میں کسی شرط کی گنجائش نہیں کیونکہ اس میں تملک (مالک بنانے) کا مفہوم پایا جاتا ہے اور تملیکات کو شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں۔ ⑮

د: اگر کفالۃ کی نسبت آئندہ کسی وقت کی طرف ہو تو...... تو احناف کے نزدیک ایک انسان کا دوسرے آدمی کے اس قرضے کا ضامن بننا جائز ہے جو اس نے کسی کا دینا ہے یا اس کے مال میں سے جتنا وہ صرف کرے گا یا اس سے غصب کرتا ہے یا اس چیز کی قیمت جس کے ذریعہ وہ اس سے بیچنے کا سودا کرتا ہے تو ایسی کفالت صحیح ہے کیونکہ اس کی نسبت واضافت ضمان کے سبب کی طرف ہے۔

---

⑪... فتح القدير (۴۱۴/۵) البدائع (۴/۶)، الدرالمختار (۲۷۷/۴) مجمع الضمانات (ص ۲۷۳) الفرائد البهية للشيخ محمود حمزة (۱۴۲) ⑫نهاية المحتاج ۴۱۵/۳ المهذب (۳۴۱/۱) مغني المحتاج (۲۰۷/۲) ⑬البدائع (۴/۶) فتح القدير (۳۹۶/۵) البسوط (۱۷۶/۱۹) الدرالمختار (۲۶۹/۴) مجمع الضمانات (۲۶۶) ⑭مغني المتحاج (۲۵/۲) ⑮البدائع حواله سابقه المبسوط للسرخسي (۱۷۸/۱۹)

بحث ثانی کفالۃ کی شرائط......کفالۃ میں کچھ شرطیں ہوتی ہیں جن کا تعلق کفیل، اصیل مکفول لہ یا مکفول بہ سے ہوتا ہے سو جس سے اس مال کا مطالبہ ہوتا ہے جو مقروض کے ذمہ ہے وہ کفیل ہے، مقروض جس کی کفالت کی گئی اسے اصیل بھی کہا جاتا ہے دعویدار وہ حقدار ہے جس نے قرض دیا یہی مکفول لہ ہے، محل الکفالۃ مال ہے یا وہ جان جس کی ضمانت لی گئی اسی کو مکفول بہ کہا جاتا ہے۔

کفیل کی شرائط......فقہاء احناف وغیرہ نے کفیل کے لئے دو شرطیں قرار دیں ہیں۔

اول: عقل وبلوغت کی اہلیت......لہٰذا بچے اور پاگل کی کفالت منعقد نہیں ہوگی کیونکہ کفالت مال کے التزام کے ساتھ ایک نفلی عبادت کا عقد ہے اس لیے جو شخص تبرع اور عبادت والوں میں سے نہیں اس کا عقد منعقد نہیں ہوگا۔ اس شرط پر سب کا اتفاق ہے اسی کو رشد یعنی دین اور مال کی صلاحیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس واسطے کہ کفالت ایک مالی تصرف ہے لہٰذا یہ کسی پاگل بچے یا جس کی بے وقوفی کی وجہ سے اس پر خرید وفروخت کی پابندی ہو اس کی طرف سے صحیح نہیں اس بنا پر کہ ان میں رشد نہیں۔

دوم: آزادی...... یہ تصرف کے نفاذ کی شرط ہے لہٰذا غلام کی کفالت جائز نہیں۔ کیونکہ یہ ایک نفلی عبادت ہے اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر تبرع کا مالک نہیں۔ لیکن کفالت منعقد ہو جائے گی بلکہ غلام سے اس کی آزادی کے بعد کفالت کی ذمہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔

اصیل کی شرائط......اصل کے لیے بھی [1] دو شرطیں ہیں۔

اول: جس چیز کی اس نے ضمانت لی ہے اسے خود یا اپنے نائب کے ذریعہ پہنچانے پہ قدرت ودسترس رکھتا ہو یہ شرط امام ابوحنیفہ کے ہاں خصوصی طور پر ہے لہٰذا ان کے ہاں نادار ومفلس کے قرض کی ذمہ داری صحیح نہیں جس نے مرتے وقت اپنے پورے قرض کی ادائیگی کے لیے کوئی رقم یا مالیت نہیں چھوڑی اس لئے کہ یہ ایسا قرض ہے جو ساقط ہونے والا ہے تو اس کی ضمانت صحیح نہیں جیسے یہ قرض بری کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے، نیز میت کی ذمہ داری تو مرنے کی وجہ سے ختم ہوگئی لہٰذا اب اس کی ذمہ داری میں کوئی قرض باقی نہ رہا ادھر ضمانت کا مطلب ہوتا ہے ایک ذمہ داری کے ساتھ دوسری ذمہ داری کو ملانا جس کا مطالبہ کیا جائے۔

صاحبین: اور جمہور فقہاء فرماتے ہیں...... [2] وہ میت جو مفلس ونادار ہو اس کے قرض کی ضمانت اٹھانا صحیح ہے جس کی دلیل سابقہ حدیث ابوقتادہ ہے کیونکہ وہ ایسے میت کے قرضے کے ذمہ دار بنے تھے جس نے کچھ نہیں چھوڑا تھا تا کہ اس کا پورا قرض ادا کیا جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث ابی قتادہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو میت کے قرضے کی ذمہ داری لینے کی ترغیب دی تھی فرمایا: تم میں سے کوئی اس کی ذمہ داری کے لئے کیوں کھڑا نہ ہوا، چونکہ میت کا قرض ثابت شدہ قرض ہے لہٰذا اس کی ضمانت بھی صحیح ہے جیسے کوئی اپنے پیچھے اپنے قرضے کی ادائیگی کے لئے مال چھوڑ مرے اس قرضے کے ثابت ہونے کی دلیل یہ ہے: اگر کوئی شخص اس کے قرض ادا کرنے کی نیکی کرتا ہے تو قرضدار کے لئے اس کی وصولی جائز ہے اسی طرح اگر کوئی زندگی میں اس کا ضامن بنا اور پھر فوت ہوگیا تو ضامن بری الذمہ نہیں ہوگا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ جس کی ضمانت لی گئی ہے اس کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوگا۔

دوسری شرط: اصیل کفیل کے ہاں معروف ومشہور ہو...... جب کفیل یہ کہے: لوگوں فلانے شخص کے ذمہ جو کچھ ہے میں اس کا ضامن ہوں تو کفالت صحیح نہیں۔ کیونکہ لوگوں کا اس سے تعارف نہیں نیز یہ شرط مکفول عنہ کی پہچان کے لیے لگائی ہے آیا وہ مالدار ہے یا ان لوگوں میں سے جو اپنا قرض جلد ادا کر دیتے ہیں یا نیکی کیے جانے کا مستحق ہے یا نہیں اصیل کا حاضر ہونا ضروری نہیں لہٰذا کسی غائب اور قیدی کی طرف سے کفالت کرنا صحیح ہے اس واسطے کہ ان جیسے حالات میں اکثر کفالت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ [3]

---

[1]......البدائع حوالہ سابقہ ص ۶، الدرالمختار ۲۶۲/۴، ۲۷۸ فتح القدیر ۴۱۹/۵۔ [2] بدایۃ المجتہد ۲۹۴/۲ الشرح الکبیر الدردیر ۳۳۱/۳، المہذب (۳۳۹/۱) المغنی ۵۳۷/۴ [3] بدایۃ المتجہد (۲۹۴/۲) البدائع (۶/۶) مغنی المحتاج (۲۰۴/۳)

شافعیہ فرماتے ہیں......اصح یہ ہے کہ مکفول عنہ کی کی پہچان شرط نہیں اس کی رضامندی پر قیاس کر کے کیونکہ وہ تو شرط نہیں رہی خیر خواہی اور نیکی تو وہ مشہور ہے خواہ وہ اس کا اہل ہو یا نہ ہو۔❶

مکفول لہ کی شرائط......مکفول لہ یعنی دائن وقرضدار میں مندرجہ ذیل شرائط❷ ہونی چاہیں:

اول وہ معلوم ہو......لہٰذا اگر کوئی انسان لوگوں میں سے کسی کا کفیل بنا تو کفالت صحیح نہیں۔ کیونکہ مکفول لہ جب نامعلوم ہوگا تو کفالت کا مقصد ثابت نہیں ہوگا جو اعتماد ہے اس شرط پر شافعیہ کے ہاں اتفاق ہے کیونکہ قرض کے حقدار قرض کی وصولی میں سختی کرنے اور نرمی کرنے میں عموماً مختلف ہوتے ہیں❸ ادھر مالکیہ اور حنابلہ نے مکفول لہ کے نامعلوم ہونے کے باجود کفالت کو جائز قرار دیا ہے مثلاً میں زید کے اس قرض کا ضامن ہوں جو اس کا لوگوں میں سے کسی پر بھی ہے ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اہل مصر کہنے لگے بادشاہ کا پیانہ گم ہو گیا ہے جو شخص اسے ڈھونڈ لائے گا اس کے لئے ایک اونٹ کا بار غلہ ہوگا جس کا میں ضامن ہوں کیونکہ اعلان کنندہ اس کا مالک نہ تھا بلکہ وہ یوسف علیہ السلام کی طرف سے نائب تھا لہٰذا اونٹ کے بار کی شرط یوسف علیہ السلام کے ذمہ تھی جو بھی اسے ڈھونڈ نکالے وہ یوسف علیہ السلام کی طرف سے اس کا ضامن ہوا۔❹

دوم: مکفول لہ مجلس عقد میں حاضر ہو...... یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک انعقاد کی شرط ہے جب مکفول لہ کی جانب سے مجلس میں کفالت کو قبول کرنے والا کوئی نائب نہ ہو اس بنا پر کوئی انسان مجلس سے غائب کا کفیل بنتا ہے پھر اسے اطلاع مل گئی اور اس نے اجازت بھی دے دی پھر بھی ان دونوں حضرات (طرفین) کے نزدیک کفالت صحیح نہیں کیونکہ مجلس میں موجود نے اس کی طرف سے قبول نہیں کیا ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ کفالت میں تملیک (مالک بنانے) کا مفہوم پایا جاتا ہے اور تملیک ایجاب وقبول سے حاصل ہوتی ہے لہٰذا عقد کے لفظ کو پورا کرنے کے لئے اس کا مکمل ہونا ضروری ہے اس سلسلے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں منقول ہیں۔ ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ غائب کی طرف سے کفالت جائز ہے کیونکہ کفالت کا معنی ملانا ہے اور التزام کرنا ایجاب وقبول سے مکمل ہوتا ہے اس کا اکیلا ایجاب ہی عقد کی تکمیل کی صلاحیت رکھتا ہے۔

سوم: مکفول لہ عاقل ہو...... یہ شرط امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے مذہب کی سابقہ شرط کے مطابق تفریع وتشریح ہے لہٰذا پاگل اور ناسمجھ بچے کا قبول کرنا صحیح نہیں۔ اس واسطے کہ وہ دونوں اپنی جانب سے قبول کے صادر ہونے کے اہل نہیں اور عقد میں اس قبولیت کی حیثیت رکن کی سی ہے۔

مکفول بہ کی شرائط......مکفول بہ میں بھی تین شرطیں ہیں۔❺

اول یہ کہ مکفول بہ اصیل کے ذمے ہو...... احناف کے ہاں اس شرط کے پیش نظر کہ عین چیز❻ بذات خود قابل ضمانت ہو اب خواہ قرض ہو یا کوئی عین ہو یا کوئی نفس یا کوئی کام ہو جیسے وہ چیز جیسے غصب (چھین) کر کے لیا گیا ہو یا بیع فاسد کے ذریعہ اس پر قبضہ ہوا ہو یا خریداری کا بھاؤ معلوم کرتے اس پہ قبضہ ہو گیا۔ رہی وہ عین جو امانت ہے اگر چہ اسے حوالے کرنا ضروری نہیں جیسے ودائع شرکت کے اموال وغیرہ یا حوالے کرنا ضروری ہو جیسے عاریت اور اجرت پر لینے والے کے پاس مزدور خواہ وہ عین ایسی ہو کہ اس کی ضمانت دوسری چیز کے ذریعہ ہو مثلاً

---

❶......مغنی المحتاج (۲/۲۰۰) ❷ البدائع ۶/۶ فتح القدیر ۵/۷ا۴ المبسوط ۹/۲۰ الدر المختار (۴/۲۸۰) ❸ مغنی المحتاج سابقہ حوالہ ❹ احکام القرآن۔ ❺ البدائع ۶/۷ فتح القدیر (۵/۴۰۲ ردالمحتار (۴/۲۶۴، ۲۸۱ مجمع الضمانات ص ۲۷ا ❻ عین کی دو قسمیں ہیں امانت وضمانت امانت جیسے ودائع مال شرکت مضاربت، عاریت، اجرت پر لینے والے کے ہاتھ میں مزدور وغیرہ ضمانت یا وہ خود قابل ضمان ہوگی۔

قبضے سے پہلے بیچنا اور رہن رکھنا وغیرہ تو ان دو کے ساتھ کفالت صحیح نہیں اس واسطے کہ وہ عین جو امانت ہے وہ قابل ضمان نہیں اور جس کی ضمانت دوسری چیز کے ذریعہ ہے وہ بذات خود قابل ضمان نہیں لہٰذا جب قبضے سے پہلے بکی ہوئی چیز ضائع ہوگئی تو بیچنے والے کے ذمہ کچھ بھی نہیں البتہ خریداری کے ذمہ سے قیمت ختم ہو جائے گی اور جب رہن (گروی رکھی چیز) ضائع ہوگی تو مرتہن (جس کے پاس رہن رکھا ہے) پہ کچھ واجب نہیں البتہ اس کی مقدار راہن سے قرض کم ہو جائے گا۔

فعل سے مراد مکفول بہ ہے اور وہ حوالگی کا فعل ہے جیسے بیچی ہوئی چیز اور رہن کو حوالہ کرنا۔ کفالت بالفعل بھی صحیح ہے اس واسطے کہ حوالے کرنا التزام کرنے والے کے ذمہ ہے لہٰذا مبیع کا بیچنے والے کے حوالے کرنا لازم ہے رہن کا قرض کی ادائیگی کے بعد کسی نہ کسی طرح مرتہن کے حوالے کرنا ضروری ہے۔

جان کی کفالت......اسی بنا پر اس شخص کی جان کی کفالت کرنا درست ہے جس پر کوئی حق واجب ہو کیونکہ کفالۃ بالنفس کفالۃ بالفعل ہے یعنی نفس کو حوالے کرنا۔

اور حوالگی کا عمل اصیل پہ لازم ہے اس لئے اس کے ذریعہ کفالت صحیح ہے۔

جمہور فقہاء کفالۃ بالنفس کو اگر مال کی وجہ سے ہو تو جائز قرار دیتے ہیں ان میں مذاہب اربعہ کے ائمہ ہیں جس کی دلیل باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے فرمایا (یعقوب علیہ السلام نے) جب تک تم مجھے اللہ تعالیٰ کا پکا عہد نہیں دیتے ہیں ہرگز اسے تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا وہ عہد یہ ہے کہ اگر تمہارا گھیراؤ نہ کر لیا گیا تو اسے میرے پاس ضرور لاؤ گے۔ (سورہ یوسف ۱۲/ ٦٦) اور نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے: ذمہ دار نقصان برداشت کرے گا جو کفالہ کی دونوں قسموں کو شامل ہے جس چیز کا عقد کی وجہ سے حوالے کرنا ضروری ہے تو عقد کفالت کی وجہ سے بھی اس کی سپردگی ضروری ہے اور چونکہ کفیل اصیل کو حوالہ کرنے پہ قدرت رکھتا ہے وہ اس طرح کہ جو اسے تلاش کر رہا اسے اس کی جگہ بنا دے پھر دونوں کو الگ چھوڑ دیا جائے یا حوالگی کے لئے قاضی کے گماشتوں کی مدد حاصل کرے۔ رہا امام شافعی کا قول: بدن کی کفالت ضعیف ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ قیاس کی رو سے ضعیف ہے اس واسطے کہ آزاد آدمی کسی کی ماتحتی میں نہیں آ سکتا اور نہ کوئی اسے ❶ حوالے کر سکتا ہے امام شافعی کے اصل مذہب کی یہ تحقیق ہے احناف کی کتابوں میں جو قول ملتا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔

البتہ شافعیہ کا قول ہے......مذہب یہ ہے کہ اس شخص کی کفالت بالنفس یا بالبدن درست ہے جس کے ذمہ کوئی مال ہو یا کسی آدمی کی وجہ سے کوئی سزا مثلاً قصاص یا تہمت کی حد ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی حدود میں مثلاً شراب نوشی زنا اور چوری کی حدود میں یہ کفالت ممنوع ہے اس واسطے کہ جہاں تک ہو سکے وہ اسے ہٹانے کی کوشش کرے (حنابلہ) فرماتے ہیں: جس پر کوئی حد لاگو ہو خواہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہو جیسے زنا اور چوری کی حد یا کسی آدمی کا جیسے تہمت اور قصاص کی حد تو اس کی کفالت بالبدن صحیح ہے۔

کفالۃ بالنفس کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ جب اصیل کفالت میں مکفول بہ کو مقررہ وقت میں حوالہ کرنے کی شرط لگا دے تو جب وہ اس کا مطالبہ کرے گا کفیل پر اس مکفول بہ کا حاضر کرنا لازم ہے۔ تاکہ جس بات کا اس نے التزام کیا ہے اسے پورا کرے جیسے وقت مقرر تک لیا گیا قرض جب اس کا وقت ہو جائے۔ سو اگر کفیل اسے حاضر کر دے تو بہتر۔ اور اگر حاضر نہ کر سکے تو حاکم حق کی ذمہ داری نہ نبھانے کی وجہ سے اسے قید میں ڈال دے۔ اور اگر کفیل نے اسے ایسی جگہ لا حاضر کیا جہاں مکفول لہ اس سے جھگڑنے پہ قدرت رکھتا ہو جیسے شہر تو کفیل کفالت سے بری ہو جائے گا کیونکہ اس نے اپنے التزام کو پورا کر دیا ہے اور اگر س بات کی کفالت کی تھی کہ وہ اسے قاضی کی مجلس (عدالت) میں لا حاضر

---

❶......الشرح الکبیر ۳/ ۳۴۴ بدایۃ المجتھد (۲/ ۲۹۱) مغنی المحتاج (۲/ ۲۰۳) المھذب (۱/ ۳۴۲) المغنی ۴// ۵۵٦) المبسوط (۱۹/ ۱٦۲) البدائع (٦/ ۸) فتح القدیر (۳۹۱.۵) الکتاب مع الباب (۲/ ۱۵۳) کشاف القناع (۳/ ۳٦۲)

کرے گا پھر اسے بازار پہنچا دیا پھر بھی بری ہو جائے گا کیونکہ اصلی مقصد جھگڑے (کیس لڑنے) کو ممکن بنانا ہے اور حق کو ثابت کرنا ہے تو یہ اس صورت میں حاصل ہے جب اسے بازار میں حوالے کر دے کیونکہ لوگ اسے قاضی کے پاس پہنچانے میں اس کا تعاون کریں گے۔

دوم: مکفول بہ پوری طرح کفیل کی دسترس میں ہو...... تاکہ عقد مفید ثابت ہو، جمہور کے نزدیک یہ شرط اموال میں ہے اس بنا پر حدود و قصاص میں کفالت صحیح نہیں کیونکہ کفیل سے سپردگی مشکل ہے (یعنی سزاؤں میں نیابت نہیں چلتی) اس سے کفالۃ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا یہ احناف مالکیہ اور حنابلہ ❶ کا مذہب ہے ان کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول یہ ارشاد ہے حد میں کفالت نہیں ❷ چونکہ کفالت بھروسا دلانا مضبوط کرنا ہے اور حدود کی بنیاد ہے ہٹانے اور شبہات کی وجہ سے ساقط کرنے پر ہے لہٰذا مضبوط اس کے مناسب نہیں اور کفیل کے لیے جب مکفول بہ کو حاضر کرنا مشکل ہو تو اس سے پوری طرح حق کی وصولی یابی نہیں ہوگی یہ ملحوظ رہے کہ احناف کے ہاں حدود و قصاص میں کفالت کے ناجائز کا مطلب یہ ہے کہ کفالت کی ادائیگی پہ سختی اور جبر ناجائز ہے اگر مدعی علیہ کشادہ دلی اور تبرع کا مظاہرہ کرے اور قصاص اور حد اس کی حالت میں جو بندے کا حق ہے کفالت کرلے کی اجازت دے دیتا ہے تو تہمت چوری کی حد میں کفالہ بالنفس جائز ہوگی۔ کیونکہ یہ اس ضمانت کی کفالت ہے جو اصیل پر ہے اور کفیل سے اس کی وصولی بھی ممکن ہے لہٰذا جس کے ذمہ قرض ہے اس کی جان سپردگی کی کفالت صحیح ہے۔ اور اگر مدعی علیہ احسان نہ کرے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفیل کو بذات خود مجلس قضاء میں مدعی علیہ کے دعویٰ کا ثبوت پیش کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ جیسا ہم جانتے ہیں حدود کے ساتھ کفالت کا میل نہیں۔ اس صورت میں قاضی اسے گرفتار کر کے قید میں ڈال دے یہاں تک کہ اس کے خلاف گواہ مل جائے یا حد پوری ہو جائے جب کہ صاحبین فرماتے ہیں، قصاص اور حد قذف (تہمت) میں وکیل کو بذات خود پیش کرنے کے لیے مجبور کیا جائے گا۔ کیونکہ ان دونوں (قصاص و حد قذف) میں بندے کا حق ہے۔

خلاصہ یہ ہوا...... نفس حد یا قصاص کی کفالت جس پہ حد واجب ہے اس کی ذات کی کفالت کے بغیر صحیح نہیں۔ اس واسطے کہ حد ایک سزا ہے اور سزاؤں میں نیابت جاری نہیں ہوتی، البتہ اگر کوئی شخص اس کی ذات کا کفیل بن جائے جس پر حد واجب ہے تو اس صورت میں کفالت صحیح ہے۔

شافعیہ فرماتے ہیں...... کفالت النفس (یعنی کفالت البدن) ان حدود میں جو خالص اللہ کے لیے ہیں جیسے شراب نوشی، زنا اور چوری کی حد، ان میں جائز نہیں، کیونکہ جہاں تک ممکن ہو انہیں ہٹانے کی کوشش کرے وہ حدود جو خالص آدمی کے لیے ہیں جیسے قصاص، حد قذف اور تعزیر وغیرہ ان میں جان سپردگی کی کفالت جائز ہے اس واسطے کہ یہ بندے کا حق ہے لہٰذا کفالت صحیح ہوئی جیسے انسانوں کے باقی حقوق مالیہ صحیح ہوتے ہیں۔ ❸

امام ابوحنیفہ کے ہاں اس شرط پہ یہ مسئلہ متفرع ہوتا (نکلتا) ہے کہ ذمہ داری میں کسی ایسی چیز کو فوری منتقل کرنے کی ضمانت کا التزام صحیح ہے جو کسی غیر متعین ذریعہ سے ہو جیسے کسی بھی گاڑی یا جانور کے ذریعہ اس واسطے کہ اس وقت مستحق کفیل کی دسترس میں ہے لیکن کسی بوجھ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے التزام کی کفالت صحیح نہیں جو کسی خاص گاڑی یا جانور پہ ہو، اس لئے کہ بسا اوقات کفیل بار برداری کے جانور کے ضائع ہونے سے عاجز ہو جاتا ہے، جو نقل و حمل کا مخصوص ذریعہ ہوتا ہے۔

---

❶ ......الشرح الکبیر (۳۴۶/۳) بدایۃ المجتہد (۲۹۳/۲) المغنی (۵۵۷/۴) فتح القدیر (۳۹۹/۵) مجمع الضمانات ۲۷۲ الکتاب مع الباب (۱۵۷/۲) ❷رواہ البیہقی باسناد ضعیف وقال انہ منکر عن عمر وبن شعیب عن ابیہ عن جدہ رواہ ابن عدی فی الکامل واعلہ ایضا بروایۃ ابی عمر الکلا بی بان احادثیہ منکرۃ (سبل السلام (۶۳/۳) نصب الرایۃ ۵۹/۴) ❸مغنی المحتاج (۲۰۳/۲) المہذب (۱ .۳۴۳)

سوم: دین صحیح لازم ہو...... وہ ایسا قرض ہوتا ہے جو صرف ادائیگی یا معاف کرنے سے ساقط ہوتا ہے، یہ شرط کفالۃ بالمال کے ساتھ خاص ہے، اس پہ یہ حکم مرتب ہوتا ہے کہ کفالۃ بدل کتابت کے ذریعہ صحیح نہیں اس واسطے کہ وہ دین لازم نہیں، یا دین ضعیف ہے کیونکہ مکاتب کو اس کا اختیار ہے کہ وہ کتابت کا معاملہ فسخ کردے لہٰذا اس میں اعتماد کا کوئی مفہوم نہیں پایا جارہا اسی طرح اس کی کفالت بھی صحیح نہیں جو دین نہیں ہے۔ مثلاً عدالتی فیصلے یا باہمی رضامندی سے پہلے بیوی کا خرچ، کیونکہ یہ قضا یا رضا کے ذریعے ہی دین بن سکتا ہے ❶ بغدادی کا قول ہے: اگر گزشتہ مقرر خرچ کا کفیل بنا تو کفالت صحیح ہے باوجود یکہ وہ اداء یا معاف کرنے کے بغیر ساقط ہوجاتا ہے مثلاً کفیل یا مکفول لہ مرجاتا ہے۔ اسی طرح اگر آئندہ ماہ کے خرچ کا کفیل بنا اور ہر ماہ اس کے لئے اتنا طے کیا تھا یا کسی آئندہ دان کا کفیل بنا اور ہر دن کا مقرر کیا تھا تو اس صورت میں صحیح ہے۔ ❷

مالی کفالت میں جمہور فقہاء کے نزدیک دین کا مقدار، صفت اور عین کے اعتبار سے معلوم ہونا ضروری نہیں۔ معلوم سے بھی کفالت صحیح ہوجاتی ہے مثلاً کہتا ہے، میں اس کی طرف سے ہزار کا ضامن ہوں اور نامعلوم سے مثلاً تمہارا جتنا مال اس کے ذمہ ہے میں اس کا ضامن ہوں۔ یا اس سودے کی جتنی ضمانت بنتی ہے اس کا میں کفیل ہوں۔ اس واسطے کہ کفالت کی بناء وسعت پر ہے اس لیے اس میں جہالت برداشت ہو جاتی ہے ضمان ❸ الدرک کے صحیح ہونے پہ فقہاء کا اجماع ہے۔ جس کی صورت یوں ہے کہ کوئی شخص خریدار کے لیے ثمن (قیمت) کا اس سے ضامن بن جاتا ہے کہ اگر یہ چیز کسی اور کی نکل آئی یا اس میں کوئی عیب نکلا یا گھٹیا ہونے کی وجہ سے ناقص نکلی یا باٹوں کے ہلکا ہونے کی وجہ سے ناقص نکلی، احناف نے اس صورت میں کفالۃ کو صحیح کہا مثلاً کوئی شخص دوسرے سے کہتا ہے یہ راستہ چلے جاؤ اگر تمہارا مال ضبط ہوا تو میں اس کا ضامن ہوں چنانچہ اس اس کا مال چھن گیا تو ضمانت صحیح ہے باوجود یکہ مضمون عنہ مجہول ہے اسی طرح اگر کہا ہے: اگر فلاں نے یا ان میں سے کسی نے تمہارا مال چھینا تو میں ضامن ہوں تو ضمانت صحیح ہے ❹ امام شافعی کا مسلک جدید یہ ہے کہ جس دین کی ضمانت کی جارہی ہے وہ جنس مقدار، صفت اور عین کے لحاظ سے معلوم ہو کیونکہ ضمانت کی تعریف یہ ہے: معاملے کی وجہ سے کسی آدمی کے لئے ذمہ میں مال کو ثابت کرنا۔ جو جہالت کے ساتھ جائز نہیں۔ جیسے خرید وفروخت میں ثمن اس لیے وہ مجہول اور غیر متعین سے صحیح نہیں جیسے ان دوفرضوں میں سے ایک۔ رہا ضمان الدرک تو وہ ان کے نزدیک لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے جائز ہے۔ ❺

تیسری بحث: کفالت کے احکام...... کفالت کے دو حکم ہیں ❻ اول جو چیز اصیل کے ذمہ ہے کفیل سے اس کے مطالبہ کی ولایت کا ثبوت، جس چیز کا مطالبہ کیا جاتا ہے محل کفالت کی وجہ سے وہ مختلف ہوتی ہے سو اگر کفالت دین کی ہو تو اس صورت میں اگر ایک کفیل ہے تو اس سے اس پورے دین کا مطالبہ ہوگا جو اصیل کے ذمہ تھا اور اگر کفیل دو تھے اور قرض مثال کے طور پر ایک ہزار تھا تو دونوں سے اس صورت میں پانچ پانچ سو کا مطالبہ ہوگا جب ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا کفیل نہ بنا ہو کیونکہ کفالت میں وہ دونوں برابر ہیں اور مکفول بہ میں تقسیم ہونے کا احتمال ہے لہٰذا مطالبے کے حق میں دونوں پہ تقسیم ہوجائے گی اگر کسی ایک نے رقم ادا کردی دوسرے سے واپس نہیں لے گا اس واسطے کہ وہ اپنی

---

❶......الدرالمختار مع ردالمحتار (۴/۲۶۲۔۲۷۴) الشرح الکبیر (۳/۳۳۳) المہذب (۱/۴۰) مغنی المحتاج (۲/۲۰۱) ❷مجمع الضمانات ص ۲۶۹ ❸البدائع ۶/۹ فتح القدیر ۵/۴۰۲ بدایۃ المجتہد (۲/۲۹۴) المغنی ۴/۵۳۶،۵۳۹،۵۵۷ المبسوط ۲۰/۵۰ الدرالمختار ۴/۲۷۴) ❹اس کا مطلب ہے مطالبہ اور مواخذہ اگرچہ اس کا ثابت حق نہ ہو کیونکہ بسا اوقات کسی اجنبی سے معاملہ کرنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے اور اندیشہ ہوتا ہے جو چیز وہ بیچ رہا ہے اس کا کوئی حقدار نکل آئے اور بعد میں یہ ہاتھ نہ لگے لہٰذا اس اعتماد کی ضرورت پڑی۔ اسے ضمان العہدۃ بھی کہتے ہیں جو ایک امید ہوتی ہے جس میں قیمت درج ہوتی ہے لیکن فقہاء ثمن میں اس کا استعمال مجازاً کرتے ہیں بہرکیف بعد میں ہونے والے نقصان کی تلافی کے لیے یہ کفالت ہوتی ہے بعض احناف کے نزدیک کفالۃ بالدرک جائز ہے جو مبیع کے حقدار نکل آنے کی صورت میں ثمن ادا کرنے کی ذمہ داری ہے۔ ❺مجمع الضمانات ص ۲۷۰۔ ❻نہایۃ المحتاج: ۳/۴۰۳

طرف سے ادا کر رہا ہے نہ کہ اپنے ساتھی کی جانب سے البتہ جو رقم ادا کی ہے وہ اصیل وصول کر لے گا۔

اور اگر کفالت بالنفس ہو، تو اگر مکفول بہ غائب نہیں تو کفیل سے بذات خود مکفول بہ کو حاضر کرنے کا مطالبہ ہوگا۔ اور اگر غائب ہو تو کفیل کو اتنی مہلت دی جائے گی کہ وہ اس کے اندر اندر مکفول بہ کو لے آئے پھر اگر وہ اس مدت میں حاضر بھی نہ کر سکے اور نہ اپنا عذر ظاہر کرے تو قاضی اسے اس وقت تک قید کر سکتا ہے کہ وہ اپنا عذر ظاہر کر دے۔ جب وہ قاضی کے سامنے اس کا اظہار کر دے کہ وہ اسے حاضر کرنے کی طاقت نہیں رکھتا خواہ حالات سے اس کا پتہ چلے یا گواہوں کی گواہی وغیرہ سے اس کا علم ہو تو اسے رہا کر دے اور اسے حاضر کرنے کی قدرت تک مزید مہلت دیدے کیونکہ اس کی پوزیشن فی الحال قرض میں مفلس کی سی ہے جب قاضی اسے جیل سے نکال دے تو قرض دینے والے حقدار اس کا پیچھا نہ چھوڑیں اور قاضی کو بھی چاہیے کہ وہ ان میں اور حقداروں میں حائل نہ ہو لیکن حقداروں کے لئے اس بات کی گنجائش نہیں کہ اسے اس کے مشاغل اور کام کاج سے روکیں یہ تو احناف کا مذہب ہوا۔ ❶

شافعیہ کہتے ہیں: اگر کفیل کو مکفول کی جگہ کا پتہ ہو تو اسے حاضر کرنا ضروری ہے اور اگر اسے علم نہیں تو اس کے لیے حاضر کرنا بھی لازم نہیں اور جب حاضر کرنا لازم ہو تو اسے جانے آنے کی مدت کی مہلت دی جائے گی۔ پھر اگر یہ مدت گزر گئی اور وہ اسے حاضر نہ کر سکا تو یہاں تک اسے قید رکھا جائے گا کہ مکفول کو مر جانے یا اس کی جگہ نامعلوم ہونے یا اس کے پاس کسی ایسے شخص کی موجودگی کی وجہ سے جو اس تک نہ پہنچنے دے حاضر کرنا مشکل ہو جائے اگر کفالۃ بالعین ہو تو اگر وہ چیز سلامت ہے تو اسے حوالے کرنے کا مطالبہ کفیل سے ہوگا اور اگر وہ ضائع ہو گئی تو اس جیسی یا اس کی قیمت ادا کی جائے گی۔

کیا اصیل قرض سے بری ہو جائے گا...... یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک کفالت پر اصیل کی برأت مرتب نہیں ❷ ہوتی اس لیے حقدار چاہے تو اصیل سے مطالبہ کرے چاہے تو کفیل سے ہاں البتہ جب کفالت اس شرط پہ ہو کہ اصیل بری ہے تو پھر اس سے مطالبہ نہیں اس لیے کہ یہ حوالہ کے معنی میں تبدیل ہو جائے گی ❸ شافعیہ نے اپنے ہاں اصح قول کے مطابق ایسی کفالت کو ناجائز قرار دیا ہے جس میں اصیل کو بری کرنے کی شرط ہو۔ کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو ضمانت کے منافی ہے امام مالک اپنے ایک قول میں فرماتے ہیں حقدار قرض دہندہ اس وقت کفیل سے مطالبہ نہیں کر سکتا جب مکفول عنہ سے مطالبہ کرنا مشکل ہو، کیونکہ ضمانت اعتماد کا نام ہے جس سے پورا حق اصیل سے اس کی مکمل ادائیگی کے مشکل ہونے کی وجہ سے وصول نہیں کیا جا سکتا جیسے رہن میں۔

ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمۃ، ابو ثور، ابن سیرین، ظاہریہ اور امامیہ کا قول ہے کفالت سے اصیل کی برأت واجب ہو جاتی ہے اور حق کفیل کی ضمانت میں منتقل ہو جاتا ہے لہٰذا قرض دہندہ اصیل سے بالکل مطالبہ نہیں کر سکتا ہے جیسے حوالہ میں ہوتا ہے اور دلیل میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی میت کی طرف سے دو دینار کی ضمانت والا واقعہ پیش کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین بدلہ عطا کرے اور تمہارا قرض بھی ایسے ادا کر دے جیسے تم نے اپنے بھائی کا قرض چکایا ہے اس سے معلوم ہوا جس کی ضمانت لی جاتی ہے وہ ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جاتا ہے صحیح جمہور کا قول ہے کیونکہ کفالت کا مفہوم و مطلب حق مطالبہ میں ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ سے ملانا ہے یا اصل قرض کے حق میں جیسا کہ سابقہ اختلاف ہے اور برأت ملانے کے منافی ہے اور اس لیے بھی کہ اگر کفالت کا مطلب بری کرنا ہوتا تو یہ حوالہ بن جاتا حالانکہ دونوں مختلف ہیں اور لفظوں کی تبدیلی اصل میں معانی و مفہوم کی تبدیلی کی دلیل ہے۔ انہوں نے سنت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بطور دلیل پیش کیا ہے مومن کی روح اپنے قرض کے ساتھ اٹکی رہتی ہے یہاں تک کہ کوئی اس کی طرف سے ادا کر دے اور آپ علیہ السلام کا حضرت ابو قتادہ کے واقعہ میں یہ فرمانا: اب تم نے اس کی راحت کا سامان کر دیا اس وقت ہوا جب آپ کو بتا دیا گیا کہ ان کا

❶ مغنی المحتاج (۲/۲۰۵) ❷ البدائع حوالہ سابقہ، بدایۃ المجتہد (۲/۲۹۲) المغنی ۴/۵۴۷ فتح القدیر (۵/۳۹۰)
❸ المبسوط (۲۰/۴۶)

قرض ادا کر دیا گیا ہے رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میت کی نماز جنازہ پڑھانا جس کی ضمانت لی گئی تو کیونکہ ضمانت کی وجہ سے اس کی ادائیگی کا اطمینان ہو گیا اور نماز جنازہ پڑھانے سے اسی وجہ سے باز رہے تھے کہ میت نے ادائیگی کے لئے کچھ نہ چھوڑا تھا۔ رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ اللہ تعالیٰ تمہارا قرض۔

۱.....ہم پہلے بیان کر چکے ہیں: کہ حضرت علی والی روایت ضعیف ہے جیسا کہ ابن حجر کا قول ہے اس میں زیادہ صحیح حضرت ابوقتادہ سے منقول واقعہ والی روایت ہے۔

۲.....حدیث امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے بحوالہ ابو ہریرہؓ نقل کی ہے اور طبرانی نے حضرت براء بن عازب سے بحوالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مفہوم نقل کیا ہے کہ مقروض اپنے قرض کی وجہ سے قید رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے تنہائی کی فریاد کرتا ہے اس کی سند میں مبارک بن فضالہ ہے جس کی توثیق عفان اور ابن حبان نے کی ہے جب کہ ایک جماعت نے اسے ضعیف لکھا ہے۔ دیکھئے الجامع الصغیر (۱۸۸/۲) مجمع الزوائد (۱۲۹/۴)

یہ روایت جابر بن عبداللہ سے جو مسند احمد دار قطنی اور حاکم کی کتاب میں ان الفاظ ثابت ہے، اب تم نے اس کی کھال کو ٹھنڈا کر دیا ایک روایت میں قبر کے الفاظ ہیں۔ دیکھئے التلخیص الحبیر ۲۵۱ نیل الاوطار (۲۳۹/۵)

ایسے چکائے جیسے تم نے اس کا قرض ادا کر دیا جو ایسی حالت میں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی تک نماز جنازہ نہیں پڑھائی تھی، جب انہوں نے ذمہ داری لے لی تو اسے اس ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا۔ ❶

یہاں کفالت، غاصب اور غاصب الغاصب کی وضع میں فرق ہے کیونکہ جس مالک سے کوئی چیز غصب ہوئی اسے اختیار ہے جسے چاہے ضامن قرار کر دے جب وہ ایک کو ذمہ دار ٹھہرانے پہ رضامند ہو جائے تو دوسرے ذمہ دار کا اسے اختیار نہیں ہوگا۔ وجہ فرق یہ ہے جس مالک کا سامان غصب ہوا جب اس نے غاصب یا غاصب الغاصب (ایک شخص کسی کی چیز ہتھیا لے اس سے آگے کوئی اور چھین لے اسے غاصب الغاصب کہتے ہیں جیسے محاورہ ہے چوروں کو پڑ گئے مور (چیونٹی) کو ذمہ دار ٹھہرانے کو اختیار کر لیا۔ یعنی قاضی نے اس کے خلاف حکم صادر کر دیا تو اس کا اختیار مضمون کا اس کی طرف سے مالک بنانے کو شامل ہوگا اور دوسرا ضرورۃً بری ہو جائے گا۔ اس مطالبہ کے خلاف جو کفالہ کے مقتضا کے مطابق ہو کیونکہ وہ مضمون کے مالک بنانے کا متقاضی نہیں اور چونکہ کفالہ کا معنی ہے ملانا، اس میں تملک (مالک بنانا) حاصل نہیں ہوتی یہاں تک کہ اگرچہ قاضی فیصلہ کر دے جب تک پوری ادائیگی کی حقیقت نہ پائی جائے۔

کفالۃ کا دوسرا حکم: اصل سے کفیل کے مطالبہ کی ولایت کا ثبوت...... جب کفالات کی تمام قسموں میں کفالت اس کے حکم سے ہو۔ اگر قرض کی کفالت ہو مثلاً تو کفیل سے جب مطالبہ ہو تو وہ مکفول عنہ سے خلاصی کا مطالبہ کر سکتا ہے اور اگر وہ قید ہو جائے تو مکفول عنہ کو قید کر سکتا ہے کیونکہ اسی نے اسے اس (مصیبت) ذمہ داری میں ڈالا ہے اسی کے ذمہ اسے اس سے نکالنا ہے۔ البتہ جب کفالت اصیل کے کہے بغیر ہو تو اس وقت کفیل کے لیے اصیل کے ساتھ لگے رہنے کا حق نہیں جب اس کے پیچھے کوئی پڑا ہو اور نہ قید کا حق جب اسے قید میں بند کر دیا جائے اور نہ کفیل اس وقت تک مال کا مطالبہ کر سکتا ہے جب تک وہ خود ادا نہ کرے اگرچہ کفالت اصیل کے حکم سے ہو اس وجہ سے کہ مطالبہ کی دسترس قرض اور مالک بنانے کے حکم سے ثابت ہوتی ہے اور ان سب کا دارومدار دلائل پہ ہے جو موجود ہیں یہ صورت خریداری کے وکیل کے خلاف ہے کیونکہ وہ موکل سے چیز کی قیمت کا مطالبہ خریداری کے بعد کر سکتا ہے اگرچہ اس نے اپنی طرف سے اس کی قیمت ادا نہ کی ہو کیونکہ وہاں قیمت چیز کے بدلہ میں ہے اور چیز کی ملکیت موکل کے لئے ثابت ہو رہی ہے اس وجہ سے ثمن (قیمت) کی ادائیگی اسی کے ذمہ ہے اس

❶.....فتح القدیر (۳۹۰/۵) اور سابقہ حوالہ جات۔

واسطے وکیل اس کا مطالبہ کرسکتا ہے رہا کفالت کا مسئلہ تو اس میں مطالبے کا حق قرض یا مالک بنانے کی وجہ سے ہے اور وہ ابھی تک موجود ہیں اور جب کفیل نے رقم ادا کردی تو وہ اصیل سے رقم واپس لے سکتا ہے جب کفالت اس کے حکم سے ہو کیونکہ اس وقت دونوں میں قرض دینے اور لینے کا تعلق ہوگا یہاں اصیل قرض لینے والا اور کفیل مال ادا کرنے کی وجہ سے قرض دینے والا ہے اور قرض دینے والا قرض لینے والے سے اپنا قرض واپس لے سکتا ہے۔

چوتھی بحث: کفالت ختم ہونے کا بیان...... یہاں ہم کفالہ کی ہر قسم کے مطابق کفالت ختم ہونے کے طریقوں کو مختصراً بیان کرتے ہیں اگر کفالۃ بالمال ہو تو وہ ❶ دو میں سے ایک طریقے سے ختم ہوتی ہے۔

پہلا طریقہ: قرض دہندہ...... کو مال ادا کرنا، یا جو چیز ادائیگی کے معنی میں ہے خواہ یہ ادائیگی کفیل کی طرف سے ہو یا اصیل کی جانب سے کیونکہ قرض کے مطالبے کا حق ادائیگی کا راستہ ہے جب یہ پایا گیا تو کفالۃ کا مقصود حاصل ہوگا لہٰذا عقد کا حکم ختم ہو جائے گا۔ جب قرض دہندہ کفیل یا اصیل کو مال ہبہ کردے تب بھی کفالت ختم ہو جاتی ہے کفیل یا اصیل پہ قرض کا صدقہ کرنا بھی ہبہ کی طرح ہے اسی طرح اگر قرض دینے والا فوت ہو جائے اور اس کے وارث کفیل یا اصیل ہوں تو تب بھی کفالت ختم ہو جاتی ہے اس لیے کہ میراث کی وجہ سے وہ اپنے ذمہ میں واجب چیز کا مالک بن گیا۔ پھر اگر وارث کفیل ہو تو وہ اپنے ذمہ کی چیز کا مالک ہو گیا۔ اس لیے اصیل سے واپس لے گا جیسے وہ اگر ادائیگی سے اس کا مالک ہوتا، اور اگر وارث خود مکفول عنہ ہو تو کفیل بری ہے گویا اس نے رقم ادا کردی۔

دوسرا طریقہ: بری کرنا یا جو اس کے معنی میں ہے...... قرض دہندہ اگر کفیل یا اصیل کو قرض سے بری الذمہ کردے تو کفالت ختم ہے اتنی بات ہے جب کفیل کو بری کرے گا تو اصیل بری نہیں ہوگا اور جب اصیل کو بری کردے گا تو کفیل بھی بری ہو جائے گا اس واسطے کہ قرض اصیل کے ذمہ تھا نہ کہ کفیل کے۔ اس بناء پر اصیل کو بری کرنا اس کے ذمہ سے قرض کو ساقط کرنا ہے۔

لہٰذا ضرورت کی بنا پر کفیل سے مطالبے کا حق ساقط ہو جائے گا۔ اس لئے کہ جب اصل ساقط ہو جائے تو فرع بھی ساقط ہو جائے گی۔ رہا کفیل کو بری کرنا تو وہ اسے مطالبہ سے بری کرنا ہے نہ کہ قرض سے۔ کیونکہ اس پہ تو کوئی قرضہ نہ تھا اور یہ ضروری ہے کہ کفیل سے مطالبے کا حق ساقط کرنے سے اصیل سے قرض بالکل ساقط ہو جائے کیونکہ فرع کے ساقط ہونے سے اصل ساقط نہیں ہوتی۔

اگر قرض دینے والا کفیل یا مقروض سے کہہ دے: تم میری طرف سے مال کی ادائیگی سے بری ہو، تو وہ بری ہو جائے گا کیونکہ یہ قبضے اور وصولی کا اقرار ہے اس وجہ سے کہ اس نے اس کے بری ❷ ہونے کی انتہاء اپنے آپ کو قرار دیا ہے یہی قبضے اور وصولی کی برأت ہے کفیل اور اصیل دونوں بری ہوں گے کیونکہ قرض کی وصولی سے دونوں بری ہو جائیں گے۔ لہٰذا جب کفالت اصیل کے حکم سے تو کفیل اصیل سے واپس لے سکتا ہے۔ قرض دہندہ اگر کفیل یا مقروض سے کہہ دے تم مال سے بری ہو اور یہ نہ کہے: مجھے ادا کرنے سے تو امام ابو یوسف کے نزدیک سابقہ صورت کی طرح بری ہو جائے گا کیونکہ یہ قبضے کا اقرار ہے اس واسطے کہ برأت کی نیت مال کی طرف عرف و عادت میں ادائیگی کے لیے استعمال ہوتی ہے لہٰذا اسی پہ محمول کی جائے گی۔ اور امام محمد کے نزدیک کفیل بری ہوگا نہ کہ اصیل مثلاً وہ کہتا ہے میں نے تمہیں بری کیا، کیونکہ مال سے بری کرنا کبھی ادائیگی کے ذریعہ ہوتا ہے اور کبھی بری کرنے سے لہٰذا ادائیگی پہ زائد دلیل کی وجہ سے ہی محمول کیا جائے گا جس کا وجود سابقہ صورت میں ہے جو اس کا یہ کہنا ہے "مجھے" کیونکہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا یہ گفتگو ادائیگی کا پتہ دیتی ہے اور یہاں نہیں پائی گئی جب کفیل اور مقروض مال کفالت کسی اور آدمی کے حوالے کردیں کہ تو نے قرض دہندہ کو ادا کرنا ہے اور جس کے حوالے کیا ہے وہ قبول کرے تو کفالت ختم

---

❶...... البدائع (۶/۱۱) مختصر الطحاوی ۱۰۴ الدر المختار (۴/۲۸۵)، مجمع الضمانات ۲۷۴ ❷ یعنی اس ترکیب کا فائدہ یہ ہے کہ مال سے بری ہونا جس کی ابتدا کفیل سے ہوتی ہے اور انتہا قرض دینے والا ہے ہی کفیل سے قبضہ کرنے کے اقرار کا معنی ہے گویا اس نے کہا: تو نے مجھے دے دیا۔

ہوجائے گی اس واسطے کہ حوالہ قرض اور مطالبے سے بری کر دیتی ہے (اسی طرح کفالت صلح سے بھی ختم ہو جاتی ہے) بایں طور کہ کفیل قرض دینے والے سے جس چیز کا دعویٰ کیا گیا ہے اس میں سے کچھ پر صلح کرے اس وقت کفیل اور اصیل دونوں حالتوں میں بری ہو جائیں گے پہلی حالت یوں کہے: میں اور مکفول عنہ باقی ماندہ سے بری ہیں۔

دوسری حالت یوں کہے: برأت کی شرط سے مطلقاً میں نے اتنے پر تم سے صلح کر لی اور ایک حالت میں صرف کفیل بری ہوگا وہ یہ کہ کہے: کہ میں باقی سے بری ہوں۔ ⓫

اگر کفالت بالنفس ہو تو وہ تین طریقوں سے ختم ہوتی ہے: ⓬

الاول...... جو شخص اس ⓭ جان کا مطالبہ کر رہا ہے اس کے حوالے کرنا جہاں سے وہ اسے قاضی کی مجلس تک لیجانے کی طاقت رکھتا ہو مثلاً کسی شہر میں ہو کیونکہ کفیل نے اپنی ذمہ داری نبھا دی اور کفالت بالنفس کا مقصود حاصل ہو گیا جو قاضی کے پاس فیصلے کو ممکن بنانا ہے، سو جب مقصود پورا ہو گیا تو کفالت ختم ہوئی، اگر اسے صحرا یا جنگل میں حوالے کیا تو کفیل بری الذمہ نہیں ہوا، کیونکہ وہ اس صورت میں فیصلہ کرانے کی دسترس نہیں رکھتا لہٰذا مقصد پورا نہ ہوا اسی طرح جب کسی ایسے شہر میں حوالے کیا جہاں نہ قاضی ہے اور نہ اس کے گماشتے (نمائندے) جیسے پولیس وغیرہ کیونکہ اس صورت میں فیصلہ کرنا ممکن نہیں اور اگر بازار یا شہر میں حوالے کیا تو بری ٹھہرا۔ اس واسطے کہ مقصد یہ ہے کہ سپردگی ایسی جگہ ہو جہاں سے قاضی کی مجلس میں حاضر کرنا ممکن ہو سکے اگر کفیل سے یہ شرط طے کی کہ وہ خود مکفول کو مخصوص شہر میں حوالے کرے گا لیکن پھر کسی اور شہر میں سپرد کر دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک بری ہو جائے گا کیونکہ مخصوص شہر میں فیصلہ کرانے کی قدرت ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک جب تک مخصوص جگہ میں سپرد نہیں کرے گا بری نہیں ہوگا کیونکہ شہر کی قید کسی فائدہ مند غرض کے لئے تھی جیسے اس کے مخصوص گواہ ہوں دوسرے نہ ہوں۔

اگر کفیل سے یہ شرط طے کی کہ وہ خود مکفول کو امیر کے پاس حاضر کرے گا لیکن اس نے قاضی کے ہاں حوالے کیا تو بری ہے۔

الثانی...... بری کرنا یعنی حقدار کفیل کو کفالت بالنفس سے بری الذمہ کر دے تو کفالت ختم ہے کیونکہ کفالت کا مقصد جان حوالے کرنے کے ذریعے مطالبے کے حق کو ثابت کرنا ہے اور جب مطالبے کا حق بری کرنے سے ساقط ہوا تو ضرورۃً حق ختم ہو گیا۔

اس حالت میں اصیل بری نہیں ہوگا کیونکہ بری کرنا کفیل کے لیے صادر ہوا ہے نہ کہ اصیل کے لیے اور اگر اصیل کے لیے صادر ہوا تو دونوں بری ہیں۔

الثالث، خود مکفول کی موت...... اصیل مکفول بہ کا اگر انتقال ہو جاتا ہے تو کفیل بالنفس کفالت سے بری ہے اس واسطے کہ وہ اسے حاضر کرنے سے قاصر ہے کیونکہ اصیل سے حاضر ہونا ساقط ہو گیا تو کفیل سے بھی ساقط ہو جائے گا اسی طرح جب کفیل کا انتقال ہو جاتا ہے تو تب بھی کفالت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وہ مکفول کو حاضر کرنے پر قادر نہیں رہا اس کا مال تو وہ اس واجب کے نافذ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا بخلاف کفیل بالمال کے اور اگر مکفولہ مر گیا تو کفالت بالنفس نہیں ختم ہوگی جیسے کفالت بالمال نہیں ختم ہوتی اس واسطے کہ کفیل اپنی ذمہ داری کی بجا آوری پر قادر رہتا اور وصی یا وارث مطالبے میں میت کا قائم مقام ہوتا ہے۔

⓫...... المبسوط (۲۰/۵۸. ۹۱) البدائع ۱۲ فتح القدیر (۵/۴۱۲) مختصر الطحاوی (۲۵) مجمع الضمانات (۲۷۴) ⓬البدائع (۶/۱۱) المبسوط (۱۹/۶۶، ۱۶۵) فتح القدیر (۵/۳۹۳) ۴۱۱) الدرالمختار (۴/۲۶۷) مجمع الضمانات (۲۶۶، ۲۷۴) الکتاب مع اللباب (۳/۱۵۳) ⓭حوالگی اور سپردگی مکفول اور مکفول لہ کو علیحدہ کر دینے سے ثابت ہوتی ہے۔

جن چیزوں کی ضمانت لی گئی ہے......ان کی کفالت دو میں سے ایک طریقے سے ختم ہوتی ہے اول جس چیز کی ضمانت لی ہے اگر وہ موجود ہے تو اسے حوالے کرنا اور اگر ضائع ہوگئی تو اس جیسی یا اس کی قیمت ادا کرنا۔ دوم بری کرنا یعنی کفیل کو کفالت سے بری کرنا۔ مثلاً یوں کہے: میں نے تمہیں کفالت سے بری کیا کیونکہ کفالت اس کا حق ہے لہٰذا اس کے ساقط کرنے سے ساقط ہو جائے گا جیسے قرض ہوتا ہے یا اصیل کو بری کرنا۔

پانچویں بحث: کفیل کا اصیل سے رقم وصول کرنا......اس بحث میں ہم دو جہتوں سے گفتگو کریں گے رجوع کی شرائط، کب اور کتنا مال واپس لے گا۔ رہی رجوع کی شرائط تو وہ مندرجہ ❶ ذیل ہیں۔

کفالۃ مکفول عنہ کی اجازت سے ہو اگر اس کی اجازت نہیں تھی تو وہ ادائیگی نہیں لے سکتا۔ کیونکہ کفیل اس صورت میں نیکی کرنے والا ہوگا جو کچھ بھی اس نے ادا کیا ہے اگر وہ واپس لے سکتا ہوتا نبی صلی اللہ علیہ وسلم میت کی نماز جنازہ حضرت ابوقتادۃ کی ضمانت کی وجہ سے نہ پڑھاتے یہ احناف وشافعیہ کا مذہب ہے۔ ❷

امام مالک اور ایک روایت میں امام احمد فرماتے ہیں: یہ شرط نہیں کہ ضمان مضمون عنہ کی اجازت سے ہو۔ کیونکہ یہ ایسی ادائیگی ہے جو واجب قرض سے بری کر دیتی ہے تو یوں سمجھا جائے گا یہ اس کی ضمانت تھی جس پر قرض واجب تھا جیسے حاکم وہ قرض اس کی عدم ادائیگی کی وجہ سے ادا کر دے۔ ایسا ہی ابن قدامہ کا قول ہے۔ رہے ابوقتادہ تو انہوں نے ادائیگی اور ضمانت کی نیکی کی۔ اس واسطے کہ انہوں نے قصداً میت قرض ادا کیا تاکہ اسے اس کی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں جب کہ آپ کو علم ہے اس نے ادائیگی کے لیے کچھ مال نہیں چھوڑا اور احسان کرنے والا کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا۔ ❸

کفالت صحیح اجازت سے ہو......یعنی ایسے شخص کی جانب سے ہو جس کا اپنے اوپر قرض کا اقرار صادر ہونے کی اہلیت ہو نے لہٰذا بچے کی اجازت معتبر نہیں جسے تصرفات سے ممانعت ہو اور دوسرے کے ذریعے کفیل کے لئے اس کی طرف سے ادائیگی کو واپس لینے کا حق نہیں۔ کیونکہ یہ تعلق قرض لینے کا ہے اور بچے کے قرض لینے سے ضمانت کا کوئی تعلق نہیں۔

۳۔ ضمانت کی نسبت اصیل کی طرف......مثلاً وہ کفیل سے کہے: میری طرف سے ضامن بن جا کیونکہ وہ اگر اپنی طرف نسبت نہیں کرتا تو وہ تعلق ثابت نہیں ہوگا جس پہ قرض دینے کا دارومدار ہے کیونکہ کفالت مکفول عنہ کی نسبت سے قرض لینا ہے (یعنی قرض کا مطالبہ ہے) اور کفیل کی نسبت ادائیگی کے بعد قرض دینا ہے اور مکفول عنہ کو ادا کرنے میں نائب ہے اور مکفول لہ کی نسبت سے جو کچھ مکفول عنہ کے ذمہ میں ہے کفیل سے جو مال اس نے لیا ہے اس کا مالک بنانا ہے اس لئے جو قرض اس نے دیا ہے اسے واپس لے سکتا ہے۔

۴۔ اصیل کا کفیل......یہ ایسا قرض نہ ہو جیسا کفیل نے ادا کیا ہے: کیونکہ جب اس نے قرض ادا کر دیا تو ان میں تبادلہ (مقاصہ) ہوگیا۔ قرض دہندہ اگر کفیل کو مال ہبہ کر دے تو وہ اسے واپس لے سکتا ہے کیونکہ ہبہ مال کی ادائیگی کے معنی میں ہے۔ جب اصیل کو قرض کا ہبہ مل گیا تو کفیل بری ہے کیونکہ یہ اور مال کی ادائیگی برابر ہیں۔ اور اگر قرض دہندہ فوت ہوگیا اور کفیل اس کا وارث بنا تو اصیل سے واپس لے سکتا ہے اور اگر اصیل اس کا وارث بنا تو کفیل بری ہے کیونکہ وارثت ملکیت کا ایک سبب ہے اور جب اصیل مال کا مالک ہوگا تو بری ہوگا جس کی وجہ سے کفیل بھی بری ہو جائے گا اگر قرض دینے والا کفیل کو بری کر دے تو اصیل سے واپس نہیں لے سکتا کیونکہ بری کرنا ساقط کرنا ہے جو کفیل کی نسبت سے صرف مطالبے کے حق کو ساقط کرنا ہے۔

---

❶......البدائع ۱۳ فتح القدير (۴۱۰/۵) المبسوط (۱۷۸/۱۹) ❷المهذب (۳۴۱/۱) مغنى المحتاج (۲۰۹/۲) ❸بداية المجتهد (۲۹۴/۲) المغنى (۴۴۹/۴) القوانين الفقهية (۳۲۵)

اور جب کفیل اصیل کو اس سے جس کا وہ اس کی اجازت سے ضامن بنایا اس سے ہبہ لیا تھا بری کر دے تو جائز ہے اس کے بعد اگر کفیل نے قرض ادا کیا تو واپس نہیں لے سکتا اگر قرض دہندہ کفیل سے کہتا ہے: مجھے مال ادا کرنے سے تم بری ہو تو احناف کے اتفاق سے کفیل اصیل سے واپس لے سکتا ہے کیونکہ یہ قبضے اور وصولی کا اقرار ہے۔ اس اعتبار سے یہ لفظ ادائیگی میں استعمال ہوتا ہے لہٰذا وہ واپس لے گا۔ یعنی یہ برأت صرف پوری طرح ادائیگی سے ہوتی ہے تو یہ اس بات جیسی ہے تم نے مال مجھے دیدیا اور میں نے تم سے وصول کرلیا، جو قبضے کا اقرار ہے البتہ جب یہ کہا: مجھے ادا کرنے سے تم بری ہو تو یہ امام اور یوسف کے نزدیک قبضے کا اقرار ہے گویا اس نے کہا: مجھے مال کی ادائیگی سے تم بری ہو۔

کیونکہ یہ خاص برأت کا اقرار ہے جو کفیل کے ساتھ ہے جو اس سے صادر ہونے والے فعل کے ذریعے ہے۔ مثلاً کہا جائے میں بیٹھا اور اٹھا یہاں وہ فعل پوری ادائیگی ہے اور امام محمد کے نزدیک کفیل مکفول عنہ سے واپس نہیں لے گا اس واسطے یہ اس کی اس بات کے قائم مقام ہے میں نے تمہیں مال سے بری کیا کیونکہ اس میں اسے ادا کرنے کی وجہ سے بری ہونے کا احتمال ہے (یعنی قبضے اور بری کرنے کے ساتھ) جس سے ادنیٰ مقدار جو برأت کفیل سے ثابت ہو جائے گی رہی اس سے زائد (جو ادائیگی ہے) تو اس میں شک ہے لہٰذا شک سے قبضہ ثابت نہیں ہوگا دوسرے کے ذریعے اس وقت کفیل کے لیے مکفول عنہ سے واپسی کا حق نہیں ثابت ہوگا احناف کے ہاں یہ زیادہ وزنی رائے ہے کفیل کا مکفول عنہ سے قرض دہندہ کے یوں کہنے سے میں نے تمہیں بری کیا واپس نہ لینے کا سبب یہ ہے کہ لفظ سے کفیل کے مخصوص ہونے کا فائدہ ہے تو مقروض سے قرض ساقط کرنے کے ساتھ غیر تک اس کا اثر نہیں پہنچے گا اس واسطے یہ لفظ قرض کی ادائیگی کے اقرار کو شامل نہیں ہوگا اس صورت میں اور دوسری صورت تم مال سے بری ہو امام ابو یوسف کے ہاں یہ ہے بری کرنے سے برات کفیل کے فعل سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ قرض دہندہ کے فعل سے ہوگی اس لیے وہ فعل کفیل کی جانب منسوب ❶ نہیں ہوگا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ احناف کے ہاں راجح یہ ہے کہ کفیل قرض دینے والے کے یوں کہنے سے۔ تم بری ہو جو مجھے ادا کرنے یا میں نے تمہیں بری کیا کے بغیر اصیل سے واپس نہیں لے سکتا۔ اس واسطے کہ یہ بری کرنا ہے نہ کہ قبضے کا اقرار ہے۔

کئی کفیلوں کی صورت میں کفیل کا اصیل سے رقم واپس لینا...... مثلاً دو شخص کسی ایک آدمی کے ہزار روپے کے کفیل بنتے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے کا کفیل نہیں ہوا بلکہ ہر ایک نے اپنے ذمہ کی رقم ادا کر دی تو جو کچھ اس نے ادا کیا ہے وہ اپنے ساتھی سے واپسی نہیں لے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے حصے کی رقم ادا کی ہے نہ کہ اپنے ساتھی کی طرف سے۔ البتہ اصیل سے واپس لے سکتا ہے اس واسطے کہ اس کی اجازت سے اس کا کفیل تھا اگر ان میں سے ایک اپنے ساتھی کے ذمہ واجب رقم کا کفیل بن گیا تو جتنی رقم کفیل نے ادا کی ہے اس میں اسی کی بات معتبر ہوگی کہ وہ دوسرے کفیل کی کفالت سے تھی یا اس کی اپنی کفالت سے تھی اس لیے کہ اس سے مال کا مطالبہ دو وجہوں سے ہے۔

اول...... اسی کی اصیل کی طرف سے اپنی کفالت کی وجہ سے دوم اپنے ساتھی کی کفالت کی وجہ سے اور دو میں سے ایک وجہ دوسرے سے بہتر نہیں۔ تو اسے اختیار ہے دونوں میں سے جس کی طرف سے چاہے ادا کرے۔

اگر ہر ایک دوسرے کے ذمہ واجب رقم کا کفیل بن جائے تو جو کچھ بھی ان میں سے ادا کرے گا وہ آدھی رقم اس کی اپنی طرف سے ہوگی جو ہماری مثال میں پانچ سو بنتے ہیں اس سلسلہ میں اس کی یہ بات نا قابل اعتبار ہے کہ اس نے اپنے ساتھی کی طرف سے رقم ادا کی ہے نہ کہ اپنی طرف سے بلکہ اتنی مقدار اس نے اپنی طرف سے ادا کی ہے اس لئے شریک سے واپس نہیں لے گا جیسا اس کی یہ بات قبول نہیں کی جائے گی کہ ادائیگی کے وقت وہ کہے: وہ اپنی طرف سے نہیں اپنے شریک کی طرف سے ادا کر رہا ہے جب تک ادائیگی کی رقم آدھے سے نہ بڑھے اپنے شریک سے واپس نہیں لے سکتا جو ہماری مثال کے مطابق پانچ سو ہیں اگر پانچ سو سے زیادہ ادا کی تو اگر چاہے تو اپنے شریک سے واپس لے سکتا ہے اور اگر چاہے اصیل سے وصول کرے یہی قاعدہ دوسرے اصول پر منطبق ہو سکتا ہے: مثلاً دو شخص ہزار کی کوئی چیز مل کر خریدتے ہیں ہر

❶......المبسوط (۹۳/۲۰) فتح القدیر (۴۱۳/۵) ردالمحتار علی الدر المختار (۲۸۷/۴)

ایک اپنے ساتھی کی قیمت کا ذمہ دار بنتا ہے تو ان میں سے جو بھی ادا کرے گا تو وہ جب تک نصف سے زائد نہ ہوا پنے شریک سے واپس نہیں لے سکتا: شرکۃ مفاوضہ کے دو شریک جب علیحدہ ہو جائیں اور دونوں کے ذمہ قرض ہو تو قرض دینے والا دونوں سے مطالبہ کر سکتا ہے اور ان میں سے جو کوئی ادا کردے جب تک وہ اداشدہ رقم آدھے سے زائد نہ ہوا پنے شریک سے واپس نہیں لے سکتا۔

کفیل اصیل سے کیا واپس لے سکتا ہے...... احناف کے نزدیک جو چیز اس نے ادا کی ہے وہ واپس نہیں لے سکتا بلکہ جس کا ضامن بنا تھا کیونکہ ادائیگی سے وہ اصیل کے ذمہ جو چیز تھی اس کا مالک بن گیا لہٰذا جس سے کفالۃ مکمل ہوا سے واپس لے گا اگر کفالت کسی عمدہ چیز پر تھی اور اس نے اس سے کم ادا کی تو وہ اصیل سے عمدہ واپس لے گا اسی طرح جب نقدی قرض کا کفیل بنا پھر اس کی طرف سے ناپنے والی وزنی چیز یا سامان تجارت ادا کیا تو جس کا کفیل بنا تھا وہ واپس لے گا نہ کہ جو ادا کی ہے۔ یہ صورت قرض ادائیگی کے وکیل کے خلاف ہے کیونکہ وہ موکل (وکیل بنانے والے) سے اداشدہ رقم لے نہ کہ قرض۔ اس واسطے کہ ادائیگی سے وہ قرض کا مالک نہیں بنا بلکہ جو موکل نے ادا کرنا تھا وہ قرض دے دیا۔ لہٰذا جو قرض دیا ہے وہی واپس لے گا رہا یہ مسئلہ کہ صلح کی حالت میں کچھ قرضے پہ صلح کرنا تو جتنے مال پہ صلح کی اتنا واپس لے گا نہ کہ سارا قرض کیونکہ جو کچھ اصیل کے ذمہ تھا یعنی سارا قرض اس کی ادائیگی سے وہ مالک نہیں ہوا اس لئے کہ صلح کو مالک بنانا مقصور کرنا ناممکن ہے کیونکہ وہ سود کا ذریعہ ہے۔ ①

مالکیہ اور شافعیہ کا زیادہ صحیح قول یہ ہے...... کہ کفیل عملی طور پر جو ادا کرے گا وہ اصیل سے واپس لے سکتا ہے کیونکہ کم از کم وہ قرض ہوگا زائد واجب نہیں تھا جس کی ادائیگی میں اسے ثواب ملے گا حنابلہ کا کہنا ہے: کفیل نے جو کچھ ادا کیا اس میں سے کم یا قرض کی مقدار اصیل سے واپس لے گا۔ اگر اداشدہ کم ہو تو جو تاوان اس نے ادا کیا ہے وہ واپس لے گا اس واسطے کہ اس نے یہی چیز صرف کی ہے ایسا ہی صلح کی حالت یا کچھ قرضے سے بری کرانے کی صورت میں کفیل اداشدہ واپس لے گا ② اور اگر اداشدہ کم ہو تو ادا کردہ واپس لے گا یوں ان کا مذہب مالکیہ اور شافعیہ کی طرح ہے۔ ③

کفیل اصیل سے کب واپس لے گا...... کفیل کے لیے جائز نہیں کہ جس مال کا وہ کفیل بنا ہے اصیل کی طرف سے اس کی ادائیگی سے پہلے مطالبہ کرے۔ اس واسطے کہ ادائیگی سے قبل وہ اس کا مالک نہیں ہوا۔ خریداری کے وکیل کے خلاف کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں وہ ادائیگی سے واپس لے سکتا ہے اس کی حیثیت بیچنے والے کی سی ہے اگر کفیل بالمال سے مکفول بہ کا مطالبہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ بھی اصیل کا پیچھا نہ چھوڑے۔ اگر اسے اس کی وجہ سے قید ہو تو اسے قید کرائے یہاں تک کہ چھوٹ جائے اس واسطے کہ اسے جو برائی بھی پہنچی اس کا سبب یہی ہے لہٰذا اسے اسی جیسا بدلہ ملنا چاہیے۔ ④

ضمیمہ: موجودہ دور میں کفیل بننے کی فیس (اجرت) لینا)...... کفالت نیکی کا عقد ہے جس پہ کفیل کو ثواب ملتا ہے کہ بھلائی میں مدد ہے کفیل نے جو ضمانت کی ذمہ داری نبھائی ہے اور مکفول کی درستگی کے لیے جو کچھ صرف کیا ہو اصیل سے واپس لے سکتا ہے، بہتر تو یہی ہے کہ نیکی کسی معاوضہ کے بغیر پوری ہو جس میں شبہ کا احتمال نہیں۔ اگر مکفول لہ پہلے سے کوئی مال بطور ہبہ یا ہدیہ کفیل کو دے تو جائز ہے تا کہ جو نیکی کفیل نے کی ہے اس کا بدلہ ہو جائے لیکن اگر کفیل پیشگی اجرت (فیس) یا بدلے کی شرط لگائے اور مکفول عنہ کو اپنا معاملہ سلجھانا مشکل لگتا ہو تو ضرورت یا عام حاجت کی بنا پر فیس دینا جائز ہے کیونکہ اجرت نہ دینے کی وجہ سے مشاغل بے کار جاتے ہیں۔ جیسے تعلیمی سفر یا کمائی کرنے یا فوج میں بھرتی ہونا ملتوی ہو رہا ہو اس میں جواز کی بنیاد فقہاء کا قول ہے: وہ یہ کہ فقہاء نے ضرورت کے لئے اجرت دینا جائز قرار دیا ہے جس سے نیکی کے کام مثلاً قرآن کی تعلیم دینا دینی شعائر کی مہارت جیسے انہوں نے حق تک رسائی اور ظلم دور کرنے کے لئے بطور رشوت مال دینا جائز

①.....البدائع ۱۵ ② الشرح الکبیر (۳/۳۴۶) مغنی المحتاج (۲/۲۰۹) ③المغنی (۴/۵۵۱) ④الکتاب مع اللباب (۲/۱۵۷)

قرار دیا ہے۔ یا مثلاً شہروں سے دشمن کا نقصان اور خطرہ ہٹانے کے لیے ایسا کیا جائے اور مکفول عنہ کفالۃ کی وجہ سے منفعت کا حقدار ہو جائے گا اور اجرت والی کفالت اس تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ لیکن معاوضے کی شرط لگانے میں

زیادہ قیمت وصول کرنے یا بڑھانے سے بچنا ضروری ہے ہے تا کہ کفالت کی مشروعیت کی بنیاد کی رعایت رکھی جائے جو نیکی ہے۔

گیارہویں فصل: حوالہ.....موضوع کا نقشہ:

حوالہ کے معاملے میں ہم مندرجہ ذیل مباحث کے بارے گفتگو کریں گے۔

بحث اول	......	حوالہ کی تعریف، جواز، رکن اور الفاظ
بحث ثانی	......	حوالہ کی شرائط
بحث ثالث	......	حوالہ کے احکام
بحث رابع	......	حوالہ کا اختتام
بحث خامس	......	محال علیہ کی محیل سے وصولی

گفتگو کا آغاز ہم کرتے ہیں۔

بحث اول.....حوالہ کی تعریف جواز، رکن اور اس کے الفاظ:

حوالہ کی تعریف.....لغت میں حوالہ منتقل ہونے کو کہتے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: حال عن العهد وہ دور سے منتقل ہو گیا یعنی تبدیل ہو گیا۔ اور اصطلاح میں مقروض کی ذمہ داری کے مطالبہ کو التزام کرنے والے کی ذمہ داری کی طرف منتقل کرنا جب کہ کفالہ اس کے بر عکس ہے اس میں مطالبہ میں ملانا ہوتا ہے نہ کہ منتقل کرنا لہٰذا بالاتفاق حوالہ کے بعد مقروض سے مطالبہ نہیں ہوگا۔ آیا قرض منتقل ہوتا ہے یا نہیں؟ اس میں احناف کا اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ منتقل ہو جاتا ہے جیسا کہ اس کی وضاحت ہوئی ہے۔ اسی بنا پر عنایہ کے مصنف نے حوالہ کی تعریف یوں کی ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں حوالہ یہ ہے اصیل کے ذمہ سے محال علیہ کے ذمے اعتماد کے ساتھ قرض منتقل کرنا ❶ احناف کے علاوہ فقہاء نے اس کی تعریف یہ کی ہے: ایسا عقد جو ایک ذمہ سے دوسرے ذمہ تک قرض منتقل کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ ❷

جواز.....قرض منتقل کرنا سنت اور اجماع سے ثابت ہے ماسوائے ان لوگوں کے جنہوں نے قرض کے ذریعہ قرض میں تصرف کرنے سے منع کیا ہے۔ سنت سے اس کا ثبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مالدار کا ٹال مٹول ظلم ہے جب تم میں سے کسی کو کسی مالدار کے پیچھے لگنا پڑے (تا کہ اس سے اپنا حق وصول کرو) تو اس کے پیچھے لگ جائے یعنی حوالے کو قبول کرلے جیسا کہ بیہقی کی روایت ہے اور المعجم الوسیط میں طبرانی کی روایت ہے جس کا قرض کسی مالدار کے حوالہ ہو جائے وہ اس حوالے کو قبول کرلے امام احمد اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے جس کا کسی ❸ مالدار کے حوالہ ہو وہ اسے قبول کرے ❹ ایک روایت میں ہے جب حوالے کیا جائے، جمہور علماء کا اس پہ اتفاق ہے کہ یہ مذکورہ حکم استحبابی

---

❶......فتح القدير مع العنايه (۴۴۳/۵) الدر لمختار (۳۰۰/۴) مجمع الضمانات ۲۸۲ ❷ الشرح الكبير (۳۲۵/۳) مغنى المحتاج (۱۹۳/۲) المغنى (۵۲۸/۴) غاية المنتهى ۱۱۴/۲ ❸ مطل بالدین، اس میں ٹال مٹول کرنا جو مطلت الحدیدۃ سے ماخوذ ہے جب اسے کوٹ کر لمبا کیا جائے۔ ملئی مالدار کو کہتے ہیں۔ جس کا دامن کشادہ ہو اصل میں اسے کہا جاتا ہے۔ ❹ یہ روایت صحاح ستہ امام احمد، ابن ابی شیبہ الطبرانی کی معجم وسط میں بحوالہ حضرت ابو ہریرۃ روایت کردہ ہے یہی روایت امام احمد ابن ماجہ اور ترمذی نے بحوالہ ابن عمران الفاظ میں نقل کی ہے مطل الغنى ظلم واذا احلت على ملى فاتبعه اور بزار نے جابر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں نقل کی ہے مطل الغنى ظلم اذا اتبع احدكم على ملئى فليتبع۔ اس میں ضعیف راوی ہیں۔ نصب الرأية (۵۹/۴) التلخيص الحبير ۲۵۰ مجمع الزوائد (۱۳۰/۴) سبل السلام ۶۱/۳)

ہے لہٰذا حوالے کو قبول کرنا واجب نہیں۔ابوداؤد اور امام احمد کا قول ہے یہ حکم وجوب کے لیے ہے لہٰذا محال پر حوالہ کو قبول کرنا لازم ہے۔ ❶

اجماع.....فی الجملۃ ❷ اہل علم کا حوالہ کے جواز پر اجماع ہے یہ ایسا عقد ہے جو چیزوں کے علاوہ قرضوں میں جائز ہے کیونکہ اس سے منتقل کرنے کا پتہ چلتا ہے اور منتقلی قرضوں میں ہوتی ہے نہ کہ چیزوں میں یعنی حکمی انتقال چیزوں میں نہیں پایا جاتا اس لیے ان میں حوالہ صحیح نہیں۔

حوالہ کا رکن.....احناف کے ہاں حوالہ کا رکن محیل کا ایجاب، محال ومحال علیہ کا مخصوص الفاظ سے جو حوالہ کے الفاظ کہلاتے ہیں قبول کرنا ہے۔

ایجاب یہ ہے کہ محیل قرض دینے والے سے کہے: میں تمہارا قرض فلاں کے حوالے کرتا ہوں اور محال ومحال علیہ سے قبول کرنا یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کہے: میں نے قبول کیا یا میں راضی ہوں یا اسی طرح کے الفاظ کہے: احناف کے ہاں محال علیہ کی رضامندی ضروری ہونے کا سبب یہ ہے کہ حوالہ محال علیہ پر حق کی اس کی ذمہ داری میں منتقلی کا تصرف ہے جو اس کی رضامندی اور قبول سے ہی پورا ہوتا ہے کیونکہ قرض اسی پہ لازم ہوگا اور التزام کے بغیر لزوم نہیں پایا جاتا۔اس کے محیل کا مقروض ہونے سے التزام کی صفت میں کوئی فرق نہیں پڑتا اس واسطے کہ لوگ قرض کی ادائیگی میں سہولت وآسانی سختی وتنگدستی میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

رہی محال کی رضامندی تو وہ بھی ضروری ہے اس واسطے کہ قرض اس کا حق ہے جو محیل کے ذمہ تھا اور وہی قرض حوالہ کے ذریعہ منتقل ہو رہا ہے ذمہ داریاں اچھی طرح ادائیگی اور ٹال مٹول میں جدا جدا ہوتی ہیں اس لیے اس کی رضامندی ضروری ہے ورنہ یہ نقصان ہوگا اسے ایسے شخص کے پیچھے پڑنا پڑے گا جو اسے پورا حق ادا نہیں کرے گا جہاں تک محیل کا تعلق ہے تو صاحب قدوری نے اس کی رضا شرط قرار دی ہے کیونکہ مروت والے لوگ اپنی ذمہ داری کسی اور کے اپنے ذمہ لینے سے ناراض ہوتے ہیں۔زیادات میں پسندیدہ رائے مذکور ہے کہ حوالہ اس کی رضا کے بغیر بھی صحیح ہے اس واسطے کہ محال علیہ سے قرض کا التزام اس کا اپنے حق میں تصرف ہے اور محیل کو اس سے کوئی ضرر نہیں بلکہ اس کا فائدہ ہے۔ ❸

حنابلہ اور ظاہریہ کا قول ہے: صرف محیل کی رضامندی ضروری ہے جہاں تک محالٌ اور محال علیہ ہیں تو ان پر حوالہ کو قبول کرنا لازم ہے اس واسطے کہ ان کے ہاں حدیث میں یہ حکم وجوب کے لیے ہے جیسا کہ ہمیں معلوم ہے ان دونوں کی ❹ رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں۔احناف کے بالکل خلاف حنابلہ نے محال بہ اور محال علیہ کے جاننے کی شرط کو کافی سمجھا ہے۔

اور محال علیہ کی رضامندی کے شرط نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ محیل خود اور اپنے وکیل سے پورا حق لے۔اور محال نے قبضہ کرنے میں اپنی جگہ کھڑا کر دیا ہے تو محال علیہ پہ لازم ہے کہ وہ وکیل کا مال اسے دے دے۔مالکیہ اپنے مشہور اور شافعیہ اپنے اصح قول کے مطابق کہتے ہیں: حوالہ کے صحیح ہونے کے لیے صرف محیل اور محال کی رضا ضروری ہے کیونکہ محیل جہاں سے چاہے حق ادا کرے کوئی مخصوص جہت متعین نہیں اور محال کا حق محیل کے ذمہ میں ہے جو اس کی رضا کے بغیر منتقل نہیں ہوگا اس واسطے کہ ذمہ داریاں ادا اور قضا میں بدلتی رہتی ہیں۔جہاں تک محال ہے تو اس پر حوالہ کی رضامندی لازم نہیں کیونکہ حدیث میں حوالہ کی مشروعیت وجواز کا حکم استحباب کے لئے ہے اس واسطے محال پہ حوالہ کرنے کی قبولیت لازم نہیں۔اور محال علیہ کی رضا بھی شرط نہیں اس واسطے کہ وہ حق وتصرف کا محل ومقام ہے اور حق محیل کا تھا اسے چاہیے کہ وہ اس کے بغیر پوری طرح لے لے۔اور حکم صرف قبضے کو تفویض کرنے کا ہے لہٰذا جس پر تھا اس کی رضامندی ضروری نہیں۔جیسے کوئی انسان دوسرے کو اپنا

❶..... سبل السلام، المغنی(۵۲۷/۴)، العینه ان للشعرانی (۸۰/۲) ❷ المغنی المهذب(۳۳۷/۱) مغنی المحتاج (۱۹۳/۲) بدائع المجتهد (۲۶۴/۲) ❸ البدائع(۱۶/۶) فتح القدیر حواله سابقه مختصر الطحاوی ص ۱۰۲ ردالمحتار (۳۰۱/۴) ❹ المغنی (۵۲۲/۴، ۵۲۷ غایة المنتهی(۱۱۴/۲) کشاف القناع(۳۷۴/۳)

قرض وصول کرنے کے کا وکیل بنائے اور محال علیہ محال کی مخالفت کرے کہ حق اس کا ہے اس واسطے اس کی رضامندی کے بغیر منتقل نہیں ہوگا جیسے بیچنے والا رہا محال علیہ تو حق اس پہ ہے اس لئے اس کی رضا ضروری نہیں جیسے کوئی بکی ہوئی چیز ہوتی ہے ❶ سابقہ بحث سے سوائے احناف کے جمہور فقہاء کے نزدیک حوالہ کی بنیاد چھ ستونوں پہ قائم ہے: محیل (مقروض) محال جسے محتال اور حویل بھی کہا جاتا ہے جو قرض دینے والا اور دائن ہے۔ محال علیہ یا محتال علیہ جس نے محال کے لئے قرض کا التزام کیا ہے محال بہ یا محتال بہ وہ قرض جو محال کا محیل کے ذمہ ہے اور محیل کا قرض محال علیہ کے ذمہ ہے اور ❷ الفاظ حوالہ۔

بحث ثانی حوالہ کی شرائط...... احناف کے ہاں حوالہ کے صحیح ہونے کی چند شرائط ہیں جن کا تعلق محیل، محال، محال علیہ اور محال بہ سے ہوتا ہے۔

محیل میں دو شرطیں ہیں:

اول: عقد کرنے کی اہلیت رکھتا ہو...... یعنی عاقل بالغ ہو اس لیے پاگل اور ناسمجھ بچے کا معاملۂ حوالہ صحیح نہیں کیونکہ عقل ممارست یعنی تصرف کی شرط ہے۔ سمجھدار بچے کا حوالہ نافذ نہیں ہوگا بلکہ اس کے وارث یا سرپرست کی اجازت پہ موقوف (اٹکا) رہے گا اس بنا پر بلوغت نفاذ کی شرط ہے نہ کہ منعقد ہونے کی۔

دوم: محیل کی رضا...... لہٰذا اگر اس سے زبردستی حوالہ کرایا گیا تو صحیح نہیں کیونکہ حوالہ ایسا ابراء (بری کرنا) ہے جس میں تملیک کا معنی پایا جاتا ہے جو زبردستی سے فاسد ہو جاتا ہے جیسے تملیکات ❸ کے دیگر معاملات ہیں مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا اس شرط میں ان سے اتفاق ہے الایضاح میں ابن کمال کا قول ہے: محیل کی رضامندی صرف اس سے واپس لینے کے لئے شرط ہے۔

محال کی شرائط...... محال میں تین شرطیں ہیں:

عقد کا اہل ہو جیسے محیل میں عقلمند ہونے کی شرط ہے اس واسطے کہ اس کا قبول کرنا عقد کا رکن ہے اور بے عقل قبول کرنے والوں میں شامل نہیں بالغ ہو جو نفاذ کی شرط ہے نہ کہ انعقاد کی جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے اگر محال نابالغ ہو تو حوالہ میں اس کے سرپرست کی اجازت کی ضرورت ہے۔ دوم رضامندی لہٰذا اگر محال سے زبردستی اجازت لی گئی تو حوالہ صحیح نہیں جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ مالکیہ اور شافعیہ اس شرط میں ان سے اتفاق کرتے ہیں۔ سوم اس کا قبول کرنا حوالہ کی مجلس میں ہی مکمل ہو جو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک انعقاد کی شرط ہے لہٰذا اگر محال مجلس سے غائب تھا اسے اطلاع ملی اور اس نے اجازت دیدی تو ان کے نزدیک نافذ نہیں ہوگا امام ابو یوسف کے نزدیک یہ نفاذ کی شرط ہے علامہ کاسانی فرماتے ہیں: صحیح طرفین کا قول ہے کیونکہ محال کا قبول کرنا حوالہ ❹ کا ایک رکن ہے۔

محال علیہ کی شرائط...... محال علیہ میں وہی تین شرطیں ہیں جو محال میں ہیں۔

اول عقد کا اہل ہو عاقل و بالغ ہو اس لئے بچے اور پاگل کا حوالہ صحیح نہیں البتہ یہاں بلوغت انعقاد کی شرط سمجھ جاتی ہے لہٰذا بچے کا حوالہ قبول کرنا سرے سے صحیح نہیں۔ دوم رضامندی اگر زبردستی حوالہ قبول کرایا گیا تو صحیح نہیں اور مالکیہ نے محال علیہ کی رضامندی کی شرط نہیں لگائی۔

سوم اس کا قبول کرنا مجلس عقد میں مکمل ہو جو امام ابوحنیفہ اور امام محمد ❺ کے نزدیک انعقاد کی شرط ہے۔

---

❶......بداية المجتهد (۲/۲۹۴) الشرح الكبير (۳/۳۲۵) المهذب (۱/۳۳۸) مغني المحتاج (۲/۱۹۳) ❷مغني المحتاج حواله سابقه فتح القدير (۵/۴۴۳) ❸البدائع: (۶/۱۶) مجمع الضمانات (۲۸۲) ❹سابقه حواله ❺البدائع سابقه حواله

محال بہ کی شرطیں...... علماء کے اتفاق سے محال بہ میں مندرجہ ذیل ❶ دو شرطیں ہیں۔

اول: دین ہو یعنی محال کا محیل کے ذمہ قرض ہو اگر قرض نہ ہو تو یہ عقد وکالت ہو گا جس کے اپنے احکام ہیں حوالہ نہیں۔ اسی پر یہ حکم مرتب ہوتا ہے کہ قائم چیزوں میں حوالہ صحیح نہیں کیونکہ وہ ذمہ میں ثابت نہیں ہوتیں۔

دوم: دین لازم ہو گزشتہ کا حوالہ جو مکاتب پر کتابت کے بدلے ہو صحیح نہیں کیونکہ وہ غیر لازم دین ہے کیونکہ آقا کا اپنے غلام پہ قرض نہیں ہوتا خلاصہ یہ ہوا کہ ہر ایسا قرض جس میں کفالہ صحیح نہیں اس میں حوالہ بھی درست نہیں ہے۔ اسی طرح جب محیل کا قرض محال علیہ کے ذمہ غیر لازم ہو جیسے بچے اور نا سمجھ کا قرض تو اس میں سرپرست کی اجازت کے بغیر حوالہ صحیح نہیں کیونکہ یہ قرض ان دونوں پہ لازم نہیں اس واسطے کہ سرپرست بچے اور نا سمجھ سے قرض دور کر سکتا اور ہٹا سکتا ہے۔ اسی طرح ایسا سودا جس کا اختیار ہے اس کی قیمت لازم ہونے سے پہلے اسے بھی دین غیر لازم شمار کیا گیا ہے۔ رہا محیل کا محال علیہ پر حوالہ سے پہلے دین کا واجب ہونا تو یہ احناف کے ہاں حوالہ صحیح ہونے کی شرط نہیں۔ اس کے بغیر بھی حوالہ صحیح ہے محیل کا محال علیہ کے ذمہ قرض ہو یا نہ ہو خواہ حوالہ مطلق ہو یا مقید۔

مالکیہ کے ہاں محال بہ میں تین شرطیں ہیں:

اول...... جس قرض کو حوالہ کیا گیا اس کا وقت ہو گیا ہو۔

دوم...... محال بہ قرض محال علیہ کے لیے صفت اور مقدار میں برابر ہو یہ جائز نہیں کہ ایک کم یا زیادہ یا ادنی یا اعلی ہو کیونکہ وہ حوالہ سے نکلنے کی طرف نکل جائے گا۔ جواتے قرض کے بدلے قرض میں شامل کر دے گا۔

سوم...... دو دین نہ ہوں یا ایک ان میں سے سلم کا اناج ہو اس واسطے کہ یہ قبضے سے پہلے اناج کی فروختگی ہے۔

احناف کے ہاں حوالہ کی دو قسمیں ہیں...... مطلق اور مقید، مطلق یہ ہے کہ کوئی شخص قرض کو کسی اور کے حوالے کر دے اور سے اس قرض کے ساتھ مقید نہ کرے جو اس کے ذمہ ہے اور جس کے حوالہ کیا ہے وہ قبول کر لے۔ احناف کے علاوہ کسی نے اسے جائز قرار نہیں دیا ہے البتہ شیعہ امامیہ اور زیدیہ کے اپنے راجح قول میں ان سے اتفاق کرتے ہیں۔ احناف کے علاوہ مذاہب ثلاثہ میں حوالہ مطلقہ جس میں مقروض کا محال علیہ کے ذمہ کوئی قرض نہ ہو، محض کفالہ شمار ہوتا ہے جس میں اطراف سے تینوں کی رضامندی ضروری ہے (قرض دہندہ، مقروض اور محال علیہ)

مقید...... کہ جو قرض اس کے ذمہ ہے اس کی قید لگا کر حوالہ کرے یہ حوالہ علماء کے اتفاق سے جائز ہے ❷ دونوں قسمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے جائز ہیں۔ جس کا مال کسی مالدار کے حوالہ کر دیا گیا ہو وہ اس کے پیچھے پڑ جائے البتہ حوالہ مطلقہ بعض احکام میں حوالہ مقیدہ سے مختلف ہے اس کی تفصیل پیش خدمت ہے۔ ❸

ا...... جب حوالہ مطلقہ ہو اور محیل کا محیل علیہ کے ذمہ قرض نہ ہو تو محال محال علیہ سے صرف حوالہ کے قرض کا مطالبہ کر سکتا ہے اور اگر اس کے ذمہ قرض ہو اور حوالہ کو اس طرح کہنے سے مقید نہ کیا ہو: جو میرا قرض تمہارے ذمہ اس کے بدلے میں یہ قرض تمہارے حوالے کرتا ہوں یا جو میرا قرض تمہارے ذمہ ہے تم اسے دے دو گے اور محال علیہ قبول کر لے تو محال علیہ سے دو قرضوں کا مطالبہ ہو سکتا ہے حوالہ کا قرض اور محیل کا قرض محال حوالے کا قرض طلب کرے اور محیل وہ قرض جو اس کے ذمہ ہے جیسے کسی کے پاس ہزار روپے امانت ہیں پھر کسی کے حوالے ہزار کر

---

❶ ......البدائع (۶/۱۶) بدایۃ المجتھد (۲/۲۹۵) الشرح الکبیر (۳/۳۲۸) مغنی المحتاج (۲/۱۹۴) المھذب (۱/۳۳۷) المغنی (۴/۵۳۳) ❷ جو قانون داں ڈاکٹر سنہوری کی رائے۔وسیط (۲۴۰) ❸ البدائع (۶/۱۶) الدر المختار وردالمحتار (۴/۳۰۶) مجمع الضمانات (۳/۲۸)

دیے لیکن ہزار امانت والے کے ساتھ مقید نہیں کیا اور اس نے قبول کر لیا تو محیل ودیعت وامانت لے سکتا ہے اور محال علیہ پر حوالہ کی وجہ سے ہزار روپے ادا کرنا ضروری ہے۔ البتہ جب اس قرض سے جو اس کے ذمہ ہے حوالہ کو مقید کرے تو محیل اس سے ادائیگی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس نے حوالہ کو اس قرض سے مقید کیا ہے تو محال کا حق اس سے جڑا رہے گا اور یہ قرض اس کے پاس بطور رہن رہے گا اگرچہ حقیقتاً رہن نہیں ہے اور جب مال ادا کر دے تو محال علیہ اور محیل میں مقاصہ (تبادل) ہو جائے گا۔

۲......اور اگر حوالہ مقید ہو اور محال علیہ کی اس قرض سے برأت ظاہر ہو گئی ہو جس سے حوالہ مقید ہے۔ مثلاً کسی بکی ہوئی چیز کا ثمن (قیمت) ہو جس چیز کا کوئی حقدار نکل آیا تو حوالہ باطل ٹھہرا، کیونکہ جب اس نے حوالہ قرض کے ساتھ مقید کیا تو حوالہ دین سے مقید ہو گیا۔ اور جب یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ دین نہیں تو یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ حوالہ بھی نہیں۔ البتہ جب حوالہ مطلقہ ہو اور محال علیہ کی قرض سے برأت ظاہر ہو جائے تو باطل نہیں ہوتا۔ کیونکہ حوالے کے ساتھ قرض کا تعلق نہیں بلکہ ذمہ سے تعلق ہے لہٰذا حوالہ کا باطل ہونا ظاہر نہیں ہوا۔

۳......جب حوالہ مقیدہ ہو پھر محیل کا محال علیہ کی محال کو قرض کی ادائیگی سے پہلے انتقال ہو جائے۔ اور محیل کے ذمہ محال کے قرض کے علاوہ اور قرضے بھی تھے اور اس قرض کے علاوہ جو اس کا محال علیہ کے ذمہ تھا اس کا کوئی اور مال بھی نہیں تو احناف کے تینوں آئمہ کے نزدیک محال دوسرے حقداروں سے زیادہ اس کا مستحق نہیں ہوگا۔ اور امام زفر کے نزدیک رہن کی طرح دوسرے حقداروں سے زیادہ مستحق ہوگا۔ ان کے قول کی تردید اس سے کی گئی ہے کہ حوالہ اور رہن میں فرق ہے کہ مرتہن اکیلے رہن چٹی (تاوان) برداشت کرتا ہے تو وہ اپنے فائدہ کے ساتھ خاص ہے۔ جس کی دلیل یہ حدیث ہے" خراج ضمان کے ساتھ ہے" یعنی فائدہ تاوان کی وجہ سے ہے رہا محال تو وہ مال کا تاوان اٹھانے میں مخصوص نہیں۔ لہٰذا اس کے لیے اس سے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں ہوگا اس وقت اس کا حق غرباء کی باہمی تقسیم میں ہوگا۔

اور جب حوالہ مطلقہ ہو تو محال علیہ سے وہ سارا قرض لیا جائے گا جو اس کے ذمہ ہے اور محیل کے حقداروں میں تقسیم کر دیا جائے گا محال اس تقسیم میں شامل نہیں ہوگا۔ کیونکہ حوالہ کا قرض سے کوئی تعلق نہیں۔ چونکہ محال کا حق صرف محال علیہ کے پاس ثابت ہوا۔

حق کا حوالہ......ایک قرض دینے والے سے دوسرے قرض دہندہ کی طرف حق کو منتقل کرنا۔

دوسری تعبیر یہ ہوگی......مقروض کی طرف نسبت میں قرض دہندہ کا قرض دینے والے کی جگہ پر ہونا جب کسی ایسے مالی حق میں جو ذمہ سے متعلق ہو نہ کہ عین سے قرض دہندہ کا قرض دہندہ سے تبادلہ ہو جائے تو یہ حوالہ حوالہ حق کہلاتا ہے اس میں قرض دہندہ محیل ہوتا ہے کیونکہ وہی غیر کے حوالہ کرتا ہے تاکہ اس سے اپنا حق وصول کرے۔

امام احمد، شافعی، ابوداؤد طیالسی، سنن اربعہ کے مصنفین نے یہ روایت نقل کی ترمذی نے اسے صحیح کہا ابن حبان ابن الجارود، حاکم ابن القطان نے بحوالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کی ہے کہ آپ نے یہ فیصلہ فرمایا: الخراج بالضمان خراج فائدہ ونفع کہ مشتری (خریدار) اصل ضمان کی وجہ سے جو اس پر ہے مبیع سے حاصل ہونے والے نفع کا مالک ہے باء سببیت ہے نسائی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خراج بالضمان کا فیصلہ کیا جس کا ضمان نہیں۔ اس کے نفع سے منع کیا بعد میں اس میں کوئی عیب نکلا تو اس عیب سمیت واپس کر دیا جس پر بیچنے والے نے کہا میرے غلام کا نفع۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نفع ضمان کے ساتھ ہے۔ اس روایت کے اور الفاظ بھی ہیں۔ دیکھیں جامع الاصول ۲ / ۲۸۔ ۳۲، نیل الاوطار ۵ / ۲۱۳

یہ حوالہ دین کے مقابلہ میں ہے جس میں قرض دہندہ کی نسبت سے مقروض بدل جاتا ہے یعنی مقروض کے بدلہ مقروض بدل جاتا ہے اس میں محیل مقروض ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے پورے قرض کے لیے دوسرے کے حوالہ کرتا ہے یہ بھی علماء کے اتفاق سے جائز ہے۔ حوالہ حق مذاہب اربعہ میں جائز ہے صرف احناف کے علاوہ نہیں جیسا کہ شریعت وقانون کے بعض اساتذہ نے سمجھ لیا ہے اس واسطے کہ احناف کے ہاں حوالہ

مقیدہ مشروع ہے جو حوالہ حق کو متضمن ہوتا ہے کیونکہ اس میں انسان ایک کے لئے مقروض اور دوسرے کے لئے قرض دہندہ ہوتا ہے چنانچہ اس کا قرض دینے والا اس کے مقروض کے حوالے کرتا ہے تا کہ قرض دہندہ محال، محیل کا قرض اپنے مقروض محال علیہ سے وصول کر لے۔ جو ایک ہی وقت میں حوالہ حق اور حوالہ دین کہلاتا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ احناف کے علاوہ فقہاء صرف حوالہ مقیدہ کو جائز قرار دیتے ہیں جو مطلقا حوالہ ہے اور مقیدہ میں ان کے ہاں دین محال بہ اور دین محال علیہ کا صفت ومقدار میں برابر ہونا ضروری ہے اگر جنس وقدر میں دونوں برابر ہوں تو حوالہ صحیح اور اگر کسی بھی چیز میں اختلاف ہوا تو حوالہ صحیح نہیں۔ رہا حوالہ مطلقہ تو وہ صرف دین کا حوالہ ہے جس میں مقروض اپنے قرض دہندہ کا قرض کسی اور کے حوالہ کر دیتا ہے جس میں قرض دینے والا تو وہی رہتا ہے مقروض بدل جاتا ہے۔

حوالہ مقیدہ کے ضمن میں حوالہ حق کی چند صورتیں یہ ہیں: بیچنے والا اپنے قرض دہندہ کا قرض ثمن کے بدلے مشتری کے حوالہ کر دے اور مرتہن قرض پہ لینے والے کو حوالہ کر دے اور بیوی مہر کے عوض خاوند کے حوالہ کر دے اور حقدار وقف کی عمارت میں اپنے قرض دہندہ کو ناظر ونگران کے حوالہ کر دے جو نفع نگران کے ہاتھ اس کے حق میں لگے گا۔ غنیمت میں اپنا حق پانے والا جمع شدہ غنیمت کو امام کے حوالہ کر دے۔ ان تمام مثالوں میں نیا قرض دہندہ (محال) اصلی قرض دہندہ جو بائع یا مرتہن یا بیوی یا مستحق نفع وقف یا غنیمت پانے والا ہے کی جگہ پر ہو گیا۔

جن لوگوں کو حوالہ حق کے بارے میں احناف کا مسلک سمجھنے میں غلطی لگی ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ احناف حوالہ کو بیع کی قسم نہیں سمجھتے جس میں بیع کے سارے احکام جاری ہوں بلکہ یہ ان کے نزدیک ایک مستقل عقد ہے جو مخصوص غرض کے لیے مشروع ہوا ہے معاملات میں اس کی ضرورت پڑتی ہے الگ سے اس کی شاخ نہیں۔ لیکن اس میں بعض مرتبہ دیگر عقود وتصرفات کے ساتھ مشابہت ہے حوالہ بیع کے مشابہ ہے جب کہ بیع نہیں۔ اور کفالۃ کے مشابہ ہے جب کہ کفالۃ نہیں۔ اور قرض کی وصولی کے مشابہ ہے جبکہ قبضہ نہیں۔ وصولی کا وکیل بننے یا ادائیگی کا وکیل بننے کے مشابہ ہے حالانکہ وکالت نہیں۔ اور آج کل کی زبان میں جسے فتح الاعتماد کہتے ہیں اس کے مشابہ ہے حالانکہ وہ نہیں اس میں نیکی کی بعض علامات ہیں تو بعض معاوضے کی اور ان ملتی جلتی باتوں میں حوالہ نے کئی احکام کی شکل اختیار کر لی ہے۔

جب احناف جس پر قرض ہے اس کے علاوہ کے لئے قرض بیچنے یا تملیک کی اجازت نہیں دیتے تو اس کا کوئی معنی نہیں کہ وہ حوالہ حق کا انکار کرتے ہیں اس واسطے کہ ان کے ہاں قرض دہندہ کا قرض دہندہ سے تبادلہ جس پہ قرض نہ ہو اس کے لئے قرض کی تملیک کا فائدہ نہیں ہوتا اور حوالہ کا تقاضا یہ ہے کہ قرض یا جس چیز کا مطالبہ ہے اسے نئے محل ومقام کی طرف منتقل کرنا ایسا انتقال جو وقتی ہو اور اس میں نقصان نہ ہو (یعنی محال علیہ کے مرنے مفلس ہونے یا حوالہ سے انکار کرنے کی وجہ سے نہ کہ مالک بنانا، محال تو اس وقت مالک بنے گا جب قبضہ کے ساتھ حوالہ نافذ کرنے کے بعد اپنا حق وصول کرے گا۔ اس کی وجہ سے ان کے حوالہ بیع (خرید وفروخت) سے مختلف ہے۔ احناف کے علاوہ کے فقہاء جو حوالہ حق کو جائز قرار دیتے ہیں ان کی دلیل حوالہ کے بارے میں وہ شرعی رخصت ہے جس میں کسی قسم کی قید نہیں۔ خواہ اس کے بعد قرض کی قرض سے بیع ہو یا نہ ہو کیونکہ ان کا لوگوں کا قرض کو قرض کے یا ہبہ کے بدلے اس شخص کے ہاتھ بیچنا جس پر قرض ہے، اختلاف ہے مالکیہ اور شافعیہ چند شرائط سے جائز قرار دیتے ہیں مثلاً عوض پر قبضہ کرنے یا مجلس عقد میں اس کی تعین کرنے کی شرط اور یہ وہ بکنے والی چیز اناج نہ ہو اور ثمن چیز میں سے نہ ہو اور بیع مقروض کے مدمقابل کے علاوہ کوئی شخص کر رہا ہو تا کہ بیع میں مقروض کے لئے اس کے مدمقابل کو اس پر دسترس کے ذریعہ تنگی اور مشکل کا سامان پیدا نہ ہو لہٰذا حوالہ حق ان کے نزدیک قرض کو قرض کے بدلہ بیچنا نہیں۔

حنابلہ اسے ناجائز قرار دیتے ہیں (خلاصہ) یہ ہوا کہ مسلمان فقہاء کے نزدیک حوالہ بیع (سودا) نہیں بلکہ یہ خاص عقد ہے جو اپنی شرائط اور نتائج [1] میں بیع سے جدا ہے مالکیہ اور شافعیہ جو قرض ہبہ کرنے یا مقروض کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ قرض بیچنے کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے حوالہ حق ان دو عقدوں میں کامل واضح عقد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے لیکن ہبہ کی شرائط ثابت ہوں جیسے قبضہ کرنے کی اجازت اور قرض بیچنے

[1] الموسوعة الفقهية في الكويت بحث الحوالہ ۵ ۱۰۰ امدخل نظرية الالتزام في الفقه الاسلامي الاستاذ الزرقاد ۶۴

کی شرائط بھی ثابت ہوں۔

بحث ثالث حوالہ کے احکام: حوالہ پر چند احکام مرتب (1) ہوتے ہیں۔

اول: محیل کا بری ہونا...... جب قبول کرنے سے حوالہ مکمل ہو جائے تو جمہور فقہاء کے ہاں محیل قرض سے بری ہو جاتا ہے اور قرض کی ضمانتیں جیسے رہن یا کفالت وغیرہ منتقل نہیں ہوں گی بلکہ ختم ہو جائیں گی۔ حسن بصری کا قول ہے محیل بری کرنے سے ہی بری ہوگا۔ احناف میں سے امام زفر فرماتے ہیں: حوالہ سے محیل کا بری ہونا ضروری نہیں۔ جیسے حوالہ سے پہلے اس پر حق لازم تھا اس کے بعد بھی برقرار رہے گا انہوں نے حکم کو کفالۃ پر قیاس کیا ہے کیونکہ دونوں اعتماد کے عقد ہیں۔ جو صحیح نہیں اس واسطے کہ حوالہ تحویل سے مشتق ہے جس کا معنی حق کو منتقل کرنا جس میں انتقال کے معنی لازمی ہوں گے اور چیز جب کسی جگہ منتقل ہو جائے پہلی جگہ پر نہیں رہتی اور اعتماد کا معنی حق تک اکثر اور احسن کے اختیار سے سہولت سے پہنچنے کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے رہی کفالت تو یہ ضم سے مشتق ہے ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ سے ملانا۔ کفالہ اور حوالہ میں سے ہر ایک الگ تقاضا ہے جس پر اس کا لفظ دلالت کرتا ہے کیونکہ شرعی معاملات وعقود لغوی معانی کے مطابق استعمال ہوتے ہیں۔ حنفی ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ نقل کی وہ کیفیت جو حوالہ سے مکمل ہو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا قول ہے: مقروض کے ذمہ سے قرض اور مطالبے دونوں کا محال علیہ کے ذمہ میں منتقل ہونا ہے۔ لیکن محال علیہ کے پاس جب قرض ضیاع کا شکار ہو جائے (محال علیہ مر جائے، مفلس ہو جائے یا اور بلا گواہ حوالے کا انکار کر دے صاحبین نے یہ اضافہ نقل کیا ہے زندگی میں مفلس ہو جائے) تو مقروض کے ذمہ میں لوٹ آئے گا اگر قرض دینے والا محال علیہ کو قرض سے بری کر دے تو بری کرنا صحیح ہے اور اگر مقروض کو بری کرے تو صحیح نہیں۔ امام محمد کا قول ہے یہ صرف مطالبے کا منتقل ہونا ہے قرض کا نہیں۔ اصل قرض محیل کے ذمہ میں رہے گا پھر دونوں فریقوں نے اس پر دلائل دیے ہیں اور فریق اول کے دلائل راجح ہیں کیونکہ اگر محیل کو قرض سے بری کر دیا جائے یا قرض اسے ہبہ کر دیا جائے تو تصرف صحیح نہیں اس واسطے کہ قرض محال علیہ کی ضمانت میں آ گیا اور محیل کی ذمہ داری ختم ہوگئی اور حوالہ پر نقل مرتب ہوتی ہے کیونکہ یہ تحویل سے مشتق ہے جو نقل ہے تو جو چیز اس کی طرف منسوب ہے یعنی قرض اس کے منتقل کرنے کا تقاضا کرتی ہے نہ کہ صرف مطالبے کا۔ امام زفر کے نزدیک جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں محال علیہ کے ذمہ میں نہ قرض منتقل ہوتا ہے اور نہ مطالبہ بلکہ مطالبہ میں محال علیہ کی ذمہ داری مقروض کی ذمہ داری کے ساتھ مل جاتی ہے یوں محال علیہ مقروض کا کفیل بن جاتا ہے۔ (2)

دوم محال کا محال علیہ سے قرض کے مطالبے کا اختیار جو اس کے ذمہ ہے اس واسطے کہ حوالہ محال علیہ کے ذمہ کی طرف اس قرض کو منتقل کرنے کا تقاضا کرتا ہے جو اس کے ذمہ میں ہے یہی قرض اور مطالبہ دونوں کو منتقل کرنے کا نام ہے جیسا کہ ہم نے راجح قرار دیا ہے۔

سوم محال علیہ کے لیے محیل کے پیچھے پڑے رہنے کا حق جب محال اس کا پیچھا نہ چھوڑے جب بھی محال اس کا پیچھا کرے تو وہ محیل کے پیچھے لگ جائے تاکہ محال سے نجات پائے اور جب حوالہ اس کے حکم سے ہو اور مطلقہ ہو تو جب اسے قید سے دوچار ہونا پڑے تو بھی اسے (محیل کو) قید کرائے البتہ جب حوالہ اس کی اجازت کے بغیر یا ہو تو اس کی اجازت سے لیکن محیل کا محال علیہ پر اسی جیسا قرض ہو یعنی حوالہ مقیدہ ہو تو محال علیہ محیل کے پیچھے نہیں پڑ سکتا جب اس کا تعاقب کیا جائے اور نہ سے قید کر سکتا ہے جب خود قید میں پڑ جائے۔

بحث رابع حوالہ کا اختتام...... مندرجہ ذیل امور (3) سے حوالہ ختم ہو جاتا ہے۔ (۱) حوالہ کا فسخ ہونا جب حوالہ فسخ ہو جائے تو محال کا یہ حق لوٹ آتا ہے کہ وہ محیل سے مطالبہ کرے فقہاء کی اصطلاح میں فسخ کا مطلب ہے عقد کو مکمل ہونے سے پہلے ختم کر دینا۔ (۲) محال کا حق موت اور

---

(1) بدائع (۱۷/۶) الکتاب مع اللباب (۱۶۰/۲) (2) البدائع (۱۷/۶) فتح القدیر (۴۴۵/۵) مختصر الطحاوی ۱۰۲ الدر المختار (۳۰۰/۴) الشرح الکبیر (۳۲۸/۳) مغنی المحتاج (۱۹۵/۲) المہذب (۳۳۸/۱) المغنی (۵۲۵/۴)
(3) البدائع (۱۸/۶) فتح القدیر (۴۴۷/۵) المبسوط (۵۲/۲۰) الدر المختار (۳۰۴/۴) مجمع الضمانات (۲۸۲)

افلاس وغیرہ سے ضائع ہو جائے ❶ جو احناف کا مسلک ہے اور ان کی دلیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی یہ قول ہے: آپ نے محال علیہ کے بارے میں فرمایا: جب وہ مفلسی میں مرجائے تو قرض محیل کی جانب لوٹ آتا ہے اور چونکہ حوالہ محال لہ کے حق کے ساتھ متقید ہوتا ہے یہی مقصود ہے جس کی حیثیت مبیع (بکی ہوئی چیز) کی سلامتی جیسی ہوگئی توی (ضیاع) امام ابوحنیفہ کے نزدیک دو میں سے ایک سے ہوتا ہے یا محال علیہ مفلسی کے عالم میں مرجائے یا حوالہ کا انکار کردے اور قسم کھالے جبکہ محال کے پاس گواہ بھی نہ ہو۔

اس لئے کہ حق تک رسائی سے عاجزی دونوں کے بارے میں ثابت ہورہی ہے جو حقیقت میں توی ہے صاحبین فرماتے ہیں: توی تیسرے طریقہ سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ محال علیہ اپنی زندگی میں ہی مفلس ہو جائے اور قاضی اس کی حیات میں ہی مفلسی کا اعلان جاری کردے اس کی بنیاد ایک اور قاعدہ پر ہے جو امام ابوحنیفہ اور آپ کے دونوں شاگردوں کے درمیان مختلف فیہ ہے وہ یہ کہ قاضی ان دونوں کے نزدیک اس کی زندگی میں مفلسی کا حکم جاری کرے گا اور امام صاحب کے نزدیک اس کا فیصلہ نہیں کرے گا اس واسطے کہ مال آنی جانی چیز ہے جب توی ثابت ہو جائے تو قرضدار محیل سے واپس لے گا۔

حنابلہ شافعیہ اور مالکیہ کا کہنا ہے......حوالہ مکمل ہو جائے حق منتقل ہو جائے اور محال رضامند ہو جائے تو کبھی محیل کی طرف حق نہیں لوٹے گا۔ خواہ پورا حق وصول کرنا ممکن ہو یا ٹال مٹول مفلسی یا موت وغیرہ کی وجہ سے مشکل ہو اگر حوالہ کے وقت محال علیہ مفلس ہو اور محال کو اس کا علم نہ ہو تو وہ محیل سے واپس نہیں لے سکتا کیونکہ اس نے کھوج میں کوتاہی کی ہے جیسے کوئی دھوکے سے مہنگی چیز خرید لے اگر محال، محال علیہ کی مالداری کی شرط لگائے اور وہ تنگدست نکل آئے تو حنابلہ و مالکیہ کے نزدیک محیل سے واپس لے گا جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے مسلمانوں کی شرطوں کا اعتبار ہوگا ❷ مالکیہ کا بھی یہی قول ہے البتہ ان کے نزدیک اگر محال کو دھوکہ ہوا تو وہ محیل سے واپس لے گا مثلاً کسی نادار مفلس کے حوالہ کردیا ان سب کی دلیل یہ ہے کہ سعید بن المسیب کے دادا کا حضرت علی کے ذمہ قرض تھا جو آپ نے کسی اور کے حوالہ کردیا پھر وہ محال علیہ فوت ہوگیا آپ نے انہیں بتایا تو وہ بولے: اللہ تمہیں دور کرے تم نے ہم پر فضیلت دی۔ تو آپ نے صرف حوالہ کی وجہ سے اسے دور کیا اور یہ نہیں بتایا کہ اس کے لیے رجوع ہے اور چونکہ حوالہ قرض سے برأت کا تقاضا کرتا ہے تو وہ حق کی سلامتی کی شرط سے مطلقاً حاصل ہوگئی لہٰذا مطلقاً برأت کا فائدہ دے گا۔ رہی حدیث عثمان جو احناف کی دلیل ہے تو وہ صحیح نہیں اگر صحیح تو حضرت علی کا قول اس کے مخالف ہے۔ ❸

۳..... محال علیہ کا محال کو مال ادا کرنا یہ بدیہی (فوراً سمجھ میں آجانے والا) امر ہے جب محال علیہ مال ادا کردے گا تو حوالہ ختم ہو جائے گا کیونکہ اس کا حکم ختم ہوگیا۔

۴..... محال فوت ہو جائے اور محال علیہ حوالہ کے مال کا وارث بن جائے کیونکہ وراثت ملکیت کا سبب ہے اس صورت میں محال علیہ قرض کا مالک بن جائے گا امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے نزدیک بخلاف دوسرے فقہاء کے محیل کے مرنے سے حوالہ مقیدہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ جس مال سے اس نے حوالہ کو متقید کیا تھا وہ محیل کے ترکہ میں داخل ہوگیا ہے۔

۵..... محال علیہ کو مال ہبہ کردے اور وہ ہبہ قبول کرلے۔

۶..... محال محال علیہ پر صدقہ کردے اور وہ صدقہ قبول کرلے اس واسطے کہ ہبہ اور صدقہ وراثت یا ادائیگی کے مفہوم میں ہیں۔

---

❶..... توی لغت میں ہلاک اور ضائع ہونے کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں محال کا ایسے طریقے سے قرض حاصل کرنا جس میں کوئی فائدہ نہ ہو مثلاً محال علیہ مفلس ہو جائے۔ ❷ رواہ الترمذی والحاکم عن عمر وبن عوف (نصب الرایہ (۱۱۲/۴) سبل السلام (۵۹/۳) حوالہ گزر چکا ہے۔ ❸ المغنی (۵۲۶/۴) بدایۃ المجتہد (۲۹۶/۲) القوانین الفقہیۃ (۳۲۷) الشرح الکبیر (۳۲۶/۳) المہذب (۳۳۸/۱) مغنی المحتاج (۱۹۵/۲)

۷.....محال، محال علیہ کو بری کردے۔

بحث خامس: محال علیہ کا محیل سے رقم وصول کرنا...... یہاں دو مقامات پر گفتگو ہوگی۔ واپسی کی شرائط، اور جو واپس لینا ہے اس کا بیان۔

رہی واپسی کی شرائط تو وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱.....حوالہ محیل کی اجازت سے ہوا گر اس کی اجازت کے بغیر ہو تو واپس نہیں لے سکتا۔ مثلاً کوئی شخص قرض دہندہ سے کہے: تمہارا فلاں شخص پہ اتنا قرضہ ہے وہ میرے حوالہ کر دو جس پر وہ راضی ہو گیا تو حوالہ جائز ہے لیکن جب محال علیہ مال کی ادائیگی کر دے تو محیل سے (رجوع) واپس نہیں لے سکتا کیونکہ اس وقت وہ نیکی کرنے والا ہوگا اور محال علیہ کے لیے محال کی جانب سے قرض کے مالک بنانے کا مفہوم حاصل نہیں ہوا اس لیے اسے واپسی کا حق حاصل نہیں۔

۲.....حوالہ کا مال ادا کرنا یا جو کچھ ادائیگی کا مفہوم رکھتا ہے جیسے ہبہ صدقہ وغیرہ جب محال علیہ قبول کر لے۔ اسی طرح جب محال علیہ محال کا وارث بن جائے۔ وراثت ملکیت کا سبب ہے اور جب اس کا وارث ٹھہرا تو وارثت میں ملنے والی چیز کا مالک ہو گیا اس سے اسے (رجوع) واپس لینے کا حق ہے اگر محال علیہ کو قرض سے بری کر دیا گیا تو محیل سے واپس نہیں لے گا کیونکہ بری کرنا اس کے حق کو ساقط کرنا ہے محال علیہ جب کسی چیز کا مالک نہیں بنا تو واپس نہیں لے گا۔

۳.....محیل کا محال علیہ کے قرض کی مقدار قرض نہ ہو جو اس نے محال کے لیے حوالہ کیا ہے۔ اگر قرض ہوا تو مقاصہ پیش آئے گا۔[۱]

رہا یہ محال علیہ محیل سے کیا واپس لے سکتا ہے..... تو وہ محال بہ (قرض) واپس لے سکتا ہے، نہ کہ جو اس نے ادا کیا ہے جیسے کفیل کی حیثیت ہوتی ہے اگر اس نے نقدی رقم کی جگہ سامان ادا کیا تو محیل سے نقدی رقم لے گا کیونکہ واپسی کا حق اس کے لئے ملک کے مکمل ہونے کے حکم کی وجہ سے ہے۔ اور یہ کہ وہ حوالہ کے قرض کا مالک ہوگا نہ کہ اداشدہ رقم کا۔ جو قرض ادا کرنے کے وکیل کے خلاف ہے جیسا کہ ہم کفالۃ میں ذکر کر چکے ہیں۔

محیل کا محال سے اختلاف...... اگر محال حوالہ کے مال پہ قبضہ کر لے اور پھر محیل سے اختلاف کرنے لگے، محیل کہہ دے: مجھ پہ تمہارا کچھ بھی نہیں قبضہ میں تم میرے وکیل تھے قبضہ کی ہوئی چیز میری ہے اور محال کہے: نہیں بلکہ میرے جو ہزار تم پہ قرض تھے وہ تم نے حوالہ کیے ہیں۔ تو اس صورت میں محیل کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی۔ اس واسطے کہ محال اس پر قرض کا دعویٰ کر رہا ہے اور محیل اس کا منکر ہے تو اس صورت میں گواہ نہ ہونے کی وجہ سے منکر کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی۔[۲]

سفاتج (ھنڈی) چٹ ہوتی ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص تاجر کو مبلغ قرض دے جو اس کے دوست تک دوسرے شہر میں پہنچادے۔ جس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ راستے کے خطرات سے محفوظ رہے، یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ حقیقت میں یہ قرض ہے جس سے قرض دینے والا راستے کے خطرات میں پرامن رہتا ہے جو قرض کے طریقے سے حاصل ہونے والے نفع کی ایک قسم ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے قرض سے منع فرمایا ہے جس سے کوئی نفع حاصل ہو[۳] اس تصرف کی کراہت اس وجہ سے ہے کہ اگر راہ کے خدشات

---

[۱].....البدائع (۱۹/۶) مجمع الضمانات ۲۸۳۔ [۲]البدائع حوالہ سابقہ فتح القدیر (۴۴۹/۵) الدر المختار ورد المحتار (۳۰۵/۴) [۳] رواہ حارث بن ابی اسامۃ عن علی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ قرض جو نفع کا باعث ہو وہ سود ہے محدثین نے اس روایت کو سوار بن مصعب جو متروک راوی ہے کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے اور بیہقی نے السنن الکبری میں ابن مسعود ابی بن کعب عبداللہ بن سلام اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً نقل کی ہے اور ابن عدی نے الکامل میں جابر بن سمرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہنڈیاں حرام ہیں یہ حدیث بھی ایک راوی کی وجہ سے معلول ہے نصب الرایہ (۶۰/۴) التلخیص الحبیر (۲۴۵)

کے امن کی شرط ہو اگر قرض اس شرط کے بغیر ہو کہ قرض دینے والا قرض کے عقد میں حوالہ کے ذریعہ مال وغیرہ دے گا تو قرض جائز ہے اور بطور امانت دوسرے شہر مال پہنچانے کے لیے دینا بھی جائز ہے۔

بارہویں فصل ...... رہن گروی رکھنا

بحث کا موضوع ...... رہن کے معاملہ پہ گفتگو مندرجہ ذیل سات مباحث میں ہوگی۔

بحث اول ...... رہن کی تعریف، جواز، رکن عناصر اور احوال

بحث دوم ...... رہن کی شرائط: عاقدین کی شرطیں الفاظ مرہون بہ، مرہون، رہن پورا ہونے کی شرطیں، رہن پر قبضہ کسی چیز کو رہن میں رکھنا جائز ہے اور کس کو رکھنا ناجائز ہے قبضہ وغیرہ دیگر شرطیں۔

بحث سوم ...... رہن کے احکام و آثار رہن صحیح اور فاسد

بحث چہارم ...... رہن کی بڑھوتری اور اضافے

بحث پنجم ...... رہن اور قرض میں اضافہ

بحث ششم ...... رہن کا اختتام اور اس کے حالات

بحث ہفتم ...... راہن اور مرتہن کا اختلاف

بحث اول ...... رہن کی تعریف، جواز، رکن اور اس کے عناصر واحوال

رہن کی تعریف ...... لغت میں رہن یا تو ثبوت اور دوام کے معنی میں ہے۔ کہا جاتا ہے: ماء راهن ٹھہرا ہوا پانی حالة راهنه ثابت حالت یا حبس ولزوم کے معنی میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہر متنفس اپنے میں بند ہے۔ ظاہر ہے کہ جس میں دوام وثبوت کا معنی ہے ایک معنی دوسرے معنی کے لئے تبدیل ہو جاتا ہے ظاہر ہے پہلا معنی حبس ہے کیونکہ مادی معنی ہے، بہر حال شرعی معنی لغوی معنی کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور کبھی رہن کا اطلاق مرہون شے پر بھی ہوتا ہے اسے قرض کے لئے سند بنایا جاتا ہے جو مفعول کو مصدر کا نام دیا جانا کہلاتا ہے۔ ❶

شرعاً رہن کا معاملہ ...... کسی چیز کو کسی حق کے بدلے روک کر رکھنا جس سے اس کی ادائیگی ممکن ہو یعنی کسی ایسی چیز کو رکھنا جس کی شریعت کی نظر میں مالی قیمت ہو تا کہ وہ قرض کے بدلے سند ہو سکے اور اس چیز کے ذریعے مکمل یا کچھ قرض وصول کیا جا سکے۔ یا یہ مال کے بدلے سند کا عقد ہے یعنی مال کے عوض سند لینے کا معاملہ اس میں کسی شخص کی ذمہ داری نہیں ہوتی یوں یہ کفالت سے جدا ہو گیا کیونکہ اس میں کفیل کی ذمہ داری کی وجہ سے اعتماد ہوتا ہے کسی مال کے بدلے نہیں جسے قرض دہندہ اپنے قبضے میں لے لے۔ سند کا مطلب یہ ہے کہ اس کی وجہ سے اعتماد ہوتا ہے بس قرض کا بھروسا ہو گیا اور رہن میں رکھی جانے والی چیز کی وجہ سے مضبوط اور قابل ضمانت ہو گیا۔ اور سند کا مالی قیمت والی ہونے کی وجہ سے ناپاک اور ناپاک کرنے والی چیز خارج ہو گئی جس کی نجاست دور کرنا ممکن نہیں اس لئے جائز نہیں کہ وہ قرض کی سند بنے۔

شافعیہ ❷ نے اس کی تعریف یوں کی ہے قرض کے بدلے کسی چیز کو سند بنانا تا کہ جب قرض کی ادائیگی مشکل ہو تو اس سے وصول کیا جا سکے کسی چیز کو رکھنے سے رہن کے منافع سے فائدہ اٹھانے کے عدم جواز کا پتہ چلا اس واسطے کہ وہ تلف اور ضائع ہو جاتے ہیں ان سے اعتماد حاصل نہیں ہوتا۔ ❸ حنابلہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے: ایسا مال جسے قرض کی سند قرار دیا جا سکے تا کہ جس پہ قرض ہے جب وہ ادا نہ کر سکے تو

❶ ...... اللباب (۲/۵۴) الدر المختار (۵/۳۳۹) المبسوط ۲۱/۶۳ ❷ مغنی المحتاج (۲/۱۲۱) حاشیة الشرقاوی علی تحفة الطلاب للانصاری (۲/۱۲۲-۱۲۴) ❸ المغنی (۴/۳۲۶)

اس چیز کے ثمن (قیمت) سے پورا قرض وصول کیا جاسکے مالکیہ ❶ نے اس کی یہ تعریف کی ہے ایسی مال والی چیز جو اس کے مالک سے اعتماد کے لئے قرض لازم میں یا جو لازم ہوجائے گا اس میں لی جائے یعنی یہ ایسا باہمی عقد ہے جو اموال میں سے کسی چیز پر طے ہو جیسے جائیداد، حیوان، سامان یا نفع اس شرط پر کہ یہ نفع ایک وقت یا عمل تک مقرر ہوگا۔ یا قرض سے اس کا حساب ہوگا۔ قرض کا لازم ہونا ضروری ہے جیسے مبیع کا ثمن یا قرض کا بدل یا ضائع ہونے والی چیز کی قیمت یا لازم ہونے والا ہو جیسے کاریگر سے یا عاریت (مانگے) پر لینے والی شے پر اس خوف سے رہن لینا کہ وہ ضائع نہ ہوجائے تو رہن لازم ہونے والی قیمت میں ہوگا مالکیہ کے ہاں لینے سے عملی طور پر حوالے کرنا مراد نہیں اس واسطے کہ ان کے ہاں رہن کے انعقاد کے لئے عملی طور پر حوالہ کرنا شرط نہیں نہ اس کے صحیح ہونے میں اور نہ لازم ہونے میں بلکہ صرف ایجاب وقبول سے منعقد صحیح اور لازم ہوجاتا ہے پھر مرتہن اس کے لینے کا مطالبہ کرے۔

رہن کی عام تعریف...... رہن نیکی کا ایک عقد ہے اس واسطے کہ جو چیز راہن مرتہن کو دیتا ہے وہ کسی چیز ❷ کے عوض نہیں ہوتی اور یہ عینی عقود میں سے ہے جب تک وہ چیز حوالے نہ کردی جائے جس پر عقد ہوا ہے التزام کے لحاظ سے اسے مکمل نہیں سمجھا جاتا۔ اور وہ پانچ قسم کے عقود (معاملات) ہیں ہبہ مانگے پر دینا (اعارۃ) ایداع (امانت رکھوانا) قرض اور رہن، اس کے مکمل ہونے کے لیے قبضہ شرط ہے کیونکہ نیکی اور تبرع ہے اور قاعدہ ہے کہ تبرع قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا اس واسطے قبضہ سے پہلے عقد کو بے اثر سمجھا جائے گا اور تنفیذ عقد کے آثار وعلامات پیدا کرتی ہے۔

رہن کا جواز اور حکم...... رہن قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اگر تم لوگ سفر میں ہو اور تمہیں کاتب نہ ملے تو رہن میں رکھی ہوئی چیز، فقہاء کا اس پہ اتفاق ہے کہ رہن سفر وحضر میں جائز ہے مجاہد اور ظاہر ❸ یہ کا اس میں اختلاف ہے کیونکہ سنت میں اسے مطلقاً جائز کہا گیا ہے۔ اور آیت میں سفر کا ذکر اکثریت کے درجہ میں ہے اس لئے کہ گزشتہ دور میں عموماً سفر میں کاتب نہیں ملتے تھے نیز کاتب کا موجود نہ ہونا شرط نہیں اس واسطے کہ سنت سے مطلقاً اس کا جواز ہے آیت نے لوگوں کی آسان سند کی طرف رہنمائی کردی جو کاتب کی عدم موجودگی میں جو ان کا قرض لکھتا ان کے کام آسکے۔

سنت سے اس کا ثبوت...... امام بخاری اور مسلم بحوالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے اناج خریدا اور لوہے کی زرہ اس کے پاس رہن رکھی ❹ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ایک یہودی کے پاس زرہ رہن رکھی اور اس سے اپنے گھر والوں کے لیے جو لیے ❺ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سواری جب رہن میں ہو تو اس کی سواری کرنا خرچ کے ساتھ ہوگی اور تھن کا دودھ اس کے خرچ کے ساتھ پیا جائے گا جب وہ رہن میں ہو جو سوار ہو یا دودھ پئے اس کے ذمہ خرچ ہے ❻ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے رہن رکھا اس سے زیادہ کسی حق نہیں اس کے لیے اس کا فائدہ اور اسی پر اس کا تاوان ہے ❼ غلق الرهن سے مراد مرتہن کا اسے اپنا حق سمجھنا ہے جب راہن اسے چھڑانے سے عاجز ودرماندہ ہو یعنی رہن کے مالک کی ملکیت ختم نہیں ہوگی اور نہ مرتہن اس کا مستحق ہوگا جب اسے مقررہ وقت میں واپس نہ۔۔لے سکے۔

---

❶......الشرح الصغير (۳۰۳/۳) (۳۲۵) ❷ ردالمحتار (۳۴۰/۵) ❸ المغنی (۳۲۷/۴) المهذب (۳۰۵/۱) البدائع (۱۳۵/٦) بداية المجتهد (۲۷۱/۲) القوانين الفقهية (۳۲۱) الافصاح (۲۳۸/۱) كشاف القناع (۳۰۷/۳) ❹ نصب الراية (۳۱۹/۴) نيل الاوطار (۲۳۳/۵) ❺ رواه احمد والبخاری ونسائی وابن ماجه ❻ رواه الجماعة الا مسلما والنسائی (نيل الاوطار ۲۳۴/۵) ❼ رواه الشافعی والدارقطنی وقال هذا اسناد حسن متصل۔

اس میں جاہلیت کے اس دستور کی تردید مقصود ہے کہ جب راہن مقررہ وقت میں مرتہن کا حق ادا نہ کرسکتا تھا تو مرتہن رہن کا مالک بن جاتا تھا تو صاحب شریعت نے اسے باطل قرار دیا رہن کے مشروع ہونے کی حکمت قرضوں کی ضمانت ہے جیسے کفالت شخص طور پر قرض کی ضمانت ہے رہن مالی قرض کی ضمانت دلاتا اور قرضوں کو آسان کرتا ہے اور قرض دینے والے کو باقی حقداروں میں امتیازی اور افضلیت کا حق دیتا ہے۔

شرعاً رہن کا حکم......رہن بالاتفاق جائز ہے واجب نہیں کیونکہ یہ قرض کی سند ہے اس لیے واجب نہیں جیسے کفالہ واجب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرھان مقبوضة مومنین کی رہنمائی کے لئے ہے ان پر واجب نہیں جس کی دلیل بعد والا ارشاد ہے اگر تمہیں ایک دوسرے سے اطمینان ہو تو جسے امانتدار بنایا گیا ہے وہ ادا کردے اللہ تعالیٰ نے کاتب کی عدم موجودگی میں اس کا حکم دیا اور اس کا کہ لکھنا واجب نہیں۔ جس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اگر تمہیں ایک دوسرے سے اطمینان ہو یہی حال اس کے بدل کا ہے۔ (1)

رہن کا رکن اور اس کے عناصر......رہن کے چار عناصر ہیں:

راہن، مرتہن مرہون، مرہون بہ، راہن، رہن دینے والا مرتہن: رہن لینے والا مرہون اور رہن جو مال قرض کے بھروسے کے لیے دیا جائے، مرہون بہ قرض احناف کے ہاں رہن کا رکن ایجاب وقبول ہے جو راہن اور مرتہن کی طرف سے ہوگا جیسے بقیہ معاملات میں ہوتا ہے لیکن یہ معاملہ قبضے سے مکمل اور لازم ہوگا یعنی تخلیہ تنہائی یا منتقل کرنے سے مثلاً راہن کہے: جتنا تمہارا مجھ پہ قرض ہے اس کے عوض میں یہ شے تمہارے پاس گروی (رہن) رکھتا ہوں یا یہ چیز تمہارے قرض کے عوض رہن ہے اور مرتہن کہے: میں نے رہن رکھ لیا یا قبول کرلیا یا میں راضی ہوں وغیرہ، لفظ رہن کہنا شرط نہیں۔ چنانچہ اگر اس نے کوئی چیز دراہم کے بدلے خریدی اور چیز بائع کے حوالے کرکے کہا اسے پکڑو میں تمہیں ثمن دیتا ہوں تو رہن منعقد ہوجائے گا اس واسطے کہ معاملات میں معانی ومفہوم کا اعتبار ہوتا ہے۔ (2)

احناف کے علاوہ (3) کا قول ہے......رہن کے چار ارکان ہیں: الفاظ، عقد کرنے والا، مرہون، اور مرہون بہ احناف اور دوسرے حضرات میں ہر عقد کے رکن میں اسی طرح کا اختلاف ہے جمہور کا رکن احناف کے رکن کی نسبت زیادہ وسیع ہے کیونکہ احناف کے ہاں رکن: جو کسی چیز کا جزء ہو اور اس کا وجود اس پہ موقوف ہو کیونکہ بعض اجزاء ایسے ہوتے ہیں جس پر وجود موقوف ہوتا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن پہ وجود موقوف نہیں ہوتا اور جمہور کے ہاں رکن یہ ہے: جس پہ چیز کا وجود موقوف ہو اور اس کا تصور اس کے بغیر ممکن نہ ہو خواہ اس کا جزء ہو یا نہ ہو لہٰذا عقد کرنے والا رکن ہے اس واسطے کہ عاقد کے بغیر عقد کا تصور نہیں اگرچہ یہ عقد کا جزء نہیں ہے رہا احناف کے ہاں عقد کرنے والا تو اسے عقد کی شرائط میں شمار کیا جاتا ہے۔

رہن کے احوال......اتفاقی طور پر رہن کے تین احوال ہیں۔ (4)

پہلا......عقد کے ساتھ واقع ہو جو قرض کا سبب ہے مثلاً بیچنے والا خریدار کے سامنے ادھار ثمن کی مستقبل تک مقررہ مدت میں ثمن کے عوض رہن حوالہ کرنے کی شرط لگائے باتفاق مذاہب یہ صحیح ہے کیونکہ اس کی ضرورت پڑتی ہے۔

دوسرا......حق یا قرض کے ہوجانے کے بعد واقع ہو یہ بھی بالاتفاق صحیح ہے اس لئے کہ یہ دین ثابت ہے جس کی سند کی ضرورت پڑتی ہے جس کا ضمان کی طرح لینا جائز ہے جیسے کفالۃ اور آیت فرھان مقبوضة اس کی طرف اشارہ کرتی ہے اس لیے کہ رہن لکھنے کا بدل ہے اور

---

(1)......المغنی (۳۲۷/۴) کشاف القناع (۳۰۷/۳) (2) البدائع (۱۳۵/۶) الدر المختار (۳۴۰/۵) تکملة الفتح (۱۸۹/۸) تبيين الحقائق (۶۳/۶) اللباب (۵۴/۲) (3) الشرح الصغير (۳۰۴/۳) مغني المحتاج (۱۲۱/۲) (4) المغنی (۳۲۷/۴) مغني المحتاج (۱۲۷/۲) المهذب (۳۰۵/۱) کشاف القناع (۳۰۸/۳) حاشية الدسوقي على الدير (۲۴۵/۳)

لکھائی حق واجب ہونے کے بعد ہوتی ہے۔

تیسرا.....حق بیدار ہونے سے پہلے واقع ہو مثلاً جو سوروپیہ تم مجھے قرض دے رہے ہو اس کے عوض میں یہ اپنا سامان رہن رکھتا ہوں تو مالکیہ اور احناف کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ یہ حق کی سند ہے جس کا عقد اس کے وجوب سے پہلے جائز ہے جیسے کفالت ہے یہی عقلی بات ہے ظاہر المذہب میں شافعیہ اور احناف کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ حق سے پہلے اس کی سند لازم نہیں جیسے گواہی ہوتی ہے نیز رہن حق کے تابع لہٰذا اس سے پہلے نہیں ہو سکتا۔

دوسری بحث رہن کی شرائط......رہن کے منعقد ہونے صحیح ہونے اور لازم ہونے کی شرائط ہیں لازم ہونے کے شرائط میں قبضہ ہے۔

مطلب اول: عاقدین کی شرائط......رہن کا عقد کرنے والوں (راہن اور مرتہن) میں مندرجہ ذیل امور شرط ہیں: ❶

اہلیت......احناف کے ہاں وہی اہلیت شرط ہے جو بیع (خرید وفروخت) میں ہے۔ جس کی بیع صحیح ہے اس کا رہن بھی صحیح ہے اس واسطے کہ رہن بیع کی طرح تصرف مالی ہے لہٰذا اس کے عاقدین میں انہی امور کی رعایت رکھی جائے گی جن کی بیع میں بھی رعایت کی جاتی ہے چنانچہ رہن کا عقد کرنے والوں میں عقل یا تمیز کا ہونا شرط ہے اس لیے پاگل ناسمجھ بچے یا بے عقل کا رہن دینا اور لینا جائز نہیں بالغ ہونا شرط نہیں۔ لہٰذا جس بچے کو تجارت کی اجازت ہو اس کا رہن دینا جائز ہے۔ اس واسطے کہ یہ تجارت کے توابع میں سے ہے۔ سمجھدار بچے اور بے وقوف کا رہن صحیح ہے اور اس کے سرپرست کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

احناف کے علاوہ فقہاء کے نزدیک اہلیت بیع اور احسان کی اہلیت جیسی ہوتی ہے لہٰذا جس کی بیع اور تبرع صحیح ہے اس کا رہن بھی صحیح ہے کیونکہ رہن تبرع ہے واجب نہیں۔ اس بنا پر کسی سے زبردستی نہیں لیا جا سکتا، نابالغ بچے پاگل، بے وقوف اور مفلس کا رہن صحیح ہے اور سوائے ضرورت اور ظاہری مصلحت کے رہن کے معاملے سے قاصر کے لئے سرپرست باپ ہو یا دادا وصی ہو یا حاکم رہن دینا صحیح نہیں۔ ضرورت کی مثال کہ وہ گزراوقات کی حاجت کا قرض لینے کے لیے رہن رکھوائے۔ تاکہ جس نفع کا اسے انتظار ہے اس سے اس کی ادائیگی کر دے یا قرض کا وقت ہو جانے کی وجہ سے یا سامان کی کساد بازاری کی وجہ سے یا قرض دینے یا ادھار بیچنے کی وجہ سے رہن لے جو مال ہتھیانے وغیرہ (سے بچاؤ) کی ضرورت ہے۔

اور مصلحت کی مثال یہ ہے جو چیز اس نے خریدی ہے اس کے ادھار سوروپے کے بدلے رہن کی چیز ہو جائے جو نقدی دوسو کے برابر ہے اور ظاہری مصلحت کی وجہ سے جو چیز وہ ادھار بیچ رہا ہے اس کے ثمن پہ رہن رکھ لے۔ جب سرپرست یا وصی رہن دے تو صرف امانت دار کو رہن دے جو مالدار ہو اور رہن کے گواہ رکھ لے اور عرف میں وہ مدت کم ہو اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو رہن جائز نہیں ❷ اور ولی اور وصی کے لیے صحیح نہیں کہ اپنے زیر کفالت کا مال اس قرض کے لیے جو ان دونوں پر کسی اجنبی کا ہے بطور رہن دیں اس واسطے کہ اس میں زیر کفالت کی مصلحت نہیں حنابلہ نے اس حکم کو دو شرطوں سے تعبیر کیا ہے، کہ کسی معتبر کے پاس ہو اور یہ رہن کے معاملہ سے قاصر کا اس میں حصہ ہو یعنی خرچ یا لباس یا اس کی منہدم عمارت کی مرمت یا اس کے چوپائیوں کے گھاس چارہ کی ضرورت ہو ❸ باپ اپنی طرف سے اپنے بیٹے کے لیے رہن رکھوائے اور اپنے لئے اپنے بیٹے کی طرف سے رکھوائے شافعیہ کے ہاں دادا باپ کی طرح ہے کیونکہ دونوں کی شفقت ومہربانی زیادہ ہوتی ہے۔

---

❶......البدائع (۱۳۵/۶)، بدایۃ المجتھد (۲۶۸/۲) حاشیۃ الشرقاری (۱۲۳/۲) ❷ حاشیۃ الشرقاوی (۱۲۳/۲)، مغنی المحتاج (۱۲۲/۲) ❸ المغنی (۳۵۹/۴) کشاف القناع (۳۱۹/۳)

احناف کے ہاں سر پرست اور وصی کا بچے کا مال رہن رکھوانا...... یہاں تین امور ہیں: کم سن کا مال کم سن کے قرض کے عوض رہن رکھوانا یا سر پرست کے قرض کے بدلے رہن رکھوانا۔ اور کم سن کا موقف رہن سے بالغ ہونے کے بعد ہوگا ❶ اور احناف کے علاوہ فقہاء کے نزدیک ہم قاصر کے مال کو رہن رکھوانے کا حکم اس سے پہلے معلوم کر چکے ہیں۔

کم سن یا پاگل کے مال کو ان کے قرضوں کے عوض دین رکھوانا...... سر پرست، وصی یا نگران قاصر (بچہ پاگل وغیرہ) کے مال کو قاصر کے کپڑے اور اس کے کھانے یا اس کے مال تجارت کے لیے لئے گئے قرض میں دین رکھوا سکتا ہے اس واسطے کہ ضرورت کے لئے قرض لینا جائز ہے اور تجارت قاصر کے مال کی بڑھوتری کا باعث ہے اور رہن حق کی ادائیگی کے لئے ہے اس واسطے جائز ہے۔ اگر باپ اور دادا خود قاصر کو قرض دینے والے ہوں یا قرض دہندہ اور مقروض دونوں اس کی زیر کفالت ہوں تو اس کے لئے عقد کی دونوں جانب کی ذمہ داری لینا جائز ہے یوں وہ پہلی حالت میں اپنے زیر تربیت کی جانب سے نائب ہونے کی حیثیت سے رہن دینے والا اور اپنے لحاظ سے رہن رکھنے والا ہوگا۔ اور دوسری حالت میں اپنے زیر نگرانوں میں سے ایک کی طرف سے رہن دینے والا اور دوسرے کی نسبت سے رہن رکھنے والا ہوگا۔ اس واسطے کہ اسے زیادہ شفقت ومہربانی کی وجہ سے دو شخصوں کے قائم مقام کر دیا گیا ہے اور اس کی معاملہ کر دنی دو آدمیوں کے قائم مقام ہوگئی جیسے وہ قاصر کا مال اپنے لیے بیچے۔ چونکہ باپ کی نسبت سے حاکم اور وصی کی شفقت کم ہوتی ہے اس لیے ان کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں اور یہ دونوں تو محض وکیل ہوتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اکیلا شخص خواہ خرید وفروخت ہو یا رہن کا معاملہ ہو عقد کی دونوں جانب کا اختیار نہیں رکھتا۔

۲۔ سر پرست کے قرض کے لیے قاصر کے مال کو رہن میں رکھنا...... امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ باپ، دادا یا وصی کے لئے اپنے لے گئے قرض میں قاصر کا مال قرض دینے والے کے پاس بطور رہن رکھنا جائز ہے اس واسطے کہ سر پرست یا وصی اپنے زیر نگران کے مال کو بطور امانت رکھوا سکتا ہے اور رہن رکھوانا امانت رکھوانے سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ ودیع (جس کے پاس امانت رکھی ہے) امین ہے جو کوتاہی اور دست درازی کے ذریعہ ہی ضامن ہوگا۔ اور مرتہن رہن کے ضائع ہونے سے ضامن ہے اگر چہ بغیر کوتاہی اور دست درازی کے ایسا ہوا ہو۔

قیاس (جو امام ابو یوسف اور امام زفر کی رائے ہے) کا مقتضی یہ ہے کہ سر پرست یا وصی کے لئے اپنے قرضوں میں قاصر کا مال رہن رکھوانا جائز نہیں۔ اس واسطے کہ ان دونوں کو اپنے زیر نگرانی بچوں کے مال کے بدلے اپنے قرضوں کی ادائیگی کا اختیار اور ملکیت نہیں اور ایسا کرنا زبردستی ہے اس لئے ممنوع ہے جیسے حقیقتاً ان کے مال سے قرض کی ادائیگی کرنا۔

جب استحسان کے مطابق عمل کرتے ہوئے رہن رکھوانا جائز ہے پھر وہ قرض دہندہ کے پاس ضائع ہوگیا تو سر پرست اپنے زیر دست تربیت کے لئے قرض اور رہن کی قیمت سے کم مال کا ضامن ہوگا نہ کہ اضافے کا رہا وصی تو وہ تمام حالتوں میں رہن کی قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ باپ دادا تو چھوٹے بچے (بیٹا یا پوتا ہونے کے ناتے) کے مال سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جب کہ وصی کو اس کا کوئی حق نہیں۔ سر پرست خواہ باپ ہو یا دادا کے لیے اختیار ہے کہ وہ اپنے مال کو اس قرض کے بدلے جو چھوٹے بچے کے لئے اس کے ذمہ ہے اپنے چھوٹے بچے کے پاس بطور رہن رکھوائے۔ اور سر پرست اسے چھوٹے کے لیے روک کر رکھے اور یہ رہن رکھوانا وصی کے لئے جائز نہیں۔ اسی طرح مذکورہ صورت کے برعکس بھی سر پرست کے لئے جائز ہے وہ اس طرح کہ وہ کم سن کا مال اپنے پاس اپنے قرض کے عوض رہن رکھوائے اس واسطے کہ اسے زیادہ شفقت کی وجہ سے دو آدمیوں کے قائم مقام کیا گیا ہے اور اس کی بات چیت دو کے برابر ہے یعنی ایجاب وقبول جیسے وہ اپنے بچے کا مال خریدتا ہے جب کہ یہ رہن وصی کے لئے ناجائز ہے کیونکہ وہ محض وکیل ہے اس لئے اسے رہن اور بیع وغیرہ جن میں دو عاقلوں کی ضرورت

❶ ...تبیین الحقائق (۶/ ۷۲) تکملة الفتح (۸/ ۲۰۹) الدر المختار (۵/ ۳۵۲) (۳۶۴)

پیش آتی ہے جیسے بہت سے حقوق والے معاملات میں ہوتا ہے عقد کی دونوں جانبوں کا اختیار نہیں ہوگا۔

۳۔ کم سن کا بالغ ہونے کے بعد رہن کے بارے موقف...... جب کم سن بالغ ہوجائے یا پابندی ختم ہوجائے اور اسے اپنا مال رہن میں دیا ہوا ملے تو وہ رہن کو باطل نہیں کرسکتا۔ یہاں تک کہ قرض ادا کردے کیونکہ سرپرست کا رہن میں تصرف لازم اور نافذ ہے اور اس کا صدور ایسے شخص سے ہوا ہے جسے صادر کرنے کا اختیار ہے خواہ یہ رہن رکھوانا بچے پر قرض کی وجہ سے تھا یا خود سرپرست پر قرض کی وجہ سے یا ان دونوں پر قرض کی بنا پر تھا اگر کم سن کے مال سے جو رہن میں رکھا گیا ہے سرپرست کا قرض ادا کردیا گیا یا راہن کا مال چھڑوانے سے پہلے رہن میں رکھی چیز ضائع ہوگئی تو کم سن بلوغت کے بعد سرپرست کے مال میں بالکل واپسی کا حق رکھتا ہے اور اپنا حق روکنے کا مطالبہ کرسکتا ہے اس واسطے کہ وہ اپنی ملکیت بحال کرنے پر مجبور ہے اور اپنے حقوق کی حفاظت کرنا اس کی مجبوری ہے خواہ سرپرست زندہ ہو یا مرچکا ہو اس صورت میں اس کی حیثیت اس شخص کی سی ہوگی جس نے کسی اور کو اپنا سامان بطور عاریت (مانگے پر) دیا تاکہ مستعیر (مانگے پر لینے والا) تیسرے شخص سے لیے گئے قرض کے عوض رہن رکھ سکے تو عاریت پر دینے والے کے لئے اس کی گنجائش ہے کہ وہ ضرورت کے وقت اپنا رہن مستعیر کا قرض دے کر چھڑوالے اور مستعیر سے قرض سے زیادہ کی چیز واپس لے لے۔

رہن کے اطراف کا متعدد ہونا...... کبھی کبھار کئی راہن اور مرتہن ہوتے ہیں مثلاً دو شخص اپنے ذمہ لئے گئے قرض کے عوض تیسرے شخص کے پاس رہن رکھوائیں یا ایک شخص اپنے لئے لیے گئے قرض کے عوض دو آدمیوں کے پاس رہن رکھوائے تو احناف [1] کے ہاں دونوں حالتوں میں رہن رکھوانا صحیح ہے اس واسطے کہ رہن کے صحیح ہونے میں کوئی رکاوٹ اور مانع نہیں ہے۔ کیونکہ کئی رہن ہونے کی حالت میں بغیر اشاعت مرتہن سے مرہون چیز پہ قبضہ کیا جاسکتا ہے جو ایک کا ایک کے پاس رہن رکھنے کی طرح کا معاملہ ہوگیا اور کئی مرتہن ہونے کی حالت میں رہن کی نسبت پوری مرہون چیز کی طرف ایک ہی دفعہ میں کی گئی ہے اور رہن کا تقاضا قرض کے بدلے مرہون چیز کو روک رکھنا ہے اور روک رکھنا تقسیم نہیں ہوسکتا تو رہن ہر ایک مرتہن کے بدلے روک لیا جائے گا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بخلاف اس صورت کہ جب ایک شخص دو آدمیوں کو ہبہ کرے اس لیے کہ ہبہ سے مقصود مالک بنانا ہوتا ہے اور ایک چیز مکمل طور پر اور مستقل انداز میں الگ الگ شخصوں کا ہبہ متصور نہیں ہوسکتی لہٰذا اس ہبہ کا تقسیم ہونا ضروری ہے تاکہ اس میں موہوب (جسے ہبہ کیا گیا ہے) کی ملکیت تصور کی جاسکے دونوں حالتوں کے مندرجہ ذیل احکام ہیں۔

الف۔ جب متعدد یعنی کئی لوگ رہن رکھوانے والے ہوں...... پورے قرض کے بدلے رہن رکھوانا صحیح ہے اور مرتہن جب تک دونوں راہنوں سے اپنا مکمل قرض وصول نہیں کرلیتا چیز کو روک کر رکھ سکتا ہے۔ جب دونوں میں سے ایک راہن اپنا قرض ادا کردے تو وہ رہن پر قبضہ نہیں کرسکتا، کیونکہ اس صورت میں روک کر رکھنے میں سودا بٹ جائے گا۔

ب۔ جب مرتہن کئی ہوں...... اس صورت میں بھی تو رہن میں رکھی ہوئی چیز مکمل یا بعض ہر ایک کے پاس رہن میں قرض کے عوض رکھوانا صحیح ہے تاکہ راہن جب تک اس کا رہن برقرار ہے اپنا قرض ادا کرسکے۔ اگر راہن نے کسی ایک مرتہن کو قرض ادا کردیا تو پھر وہ چیز ساری کی ساری دوسرے کے پاس رہن ہوجائے گی۔ یہاں تک کہ وہ سارا قرض چکادے اس واسطے کہ وہ چیز بلاتفریق وتقسیم دونوں کے پاس رہن تھی۔ مرہون چیز دونوں مرتہنوں کے پاس روکنے کی کیفیت یہ ہے کہ اگر وہ چیز قابل تقسیم ہے تو ہر مرتہن آدھی آدھی رکھ لے اگر ان میں سے ایک دوسرے کے حوالے کردیتا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ضامن ہوگا صاحبین کا اس میں اختلاف ہے اور اگر وہ چیز ناقابل تقسیم ہو تو دونوں مرتہن باری باری کچھ عرصہ اپنے پاس رکھ لیں تو اس دوران ہر ایک دوسرے کے حق میں عادل کی طرح ہوگا۔ جب مرہون ضائع ہوگیا تو دونوں

---

[1] تبیین الحقائق (۸۷/۶) الدر المختار (۳۵۴/۵) تکملۃ الفتح (۲۱۸/۸) اللباب (۶۳/۲)

مرتہن اپنے اپنے حصے کا قرض چھوڑ دیں گے کیونکہ یہ چیز (ادائیگی) تقسیم ہوسکتی ہے اس ضیاع کی حالت میں راہن نے اگر ایک قرض ادا کر دیا تو جو قرض اس نے ادا کیا ہے واپس لے لے گا۔ اس واسطے کہ دونوں کا مرتہن ہونا باقی ہے جب تک رہن اپنے راہن کے پاس نہیں پہنچتا۔ اس واسطے کہ جب مرہون نا قابل تجزی اور نا قابل تقسیم ہے تو ہر مرتہن دوسرے کے حق میں عادل شخص کی طرح ہے۔

دوسرا مقصد: الفاظ اور صیغہ کی شرائط..... حنفیہ کے ہاں ❶ رہن کے صیغہ اور الفاظ میں شرط یہ ہے کہ وہ کسی شرط پر معلق نہ ہوں اور نہ ہی مستقبل کی طرف مضاف ہوں کیونکہ عقد رہن اس اعتبار سے کہ یہ دین کی وصولی اور ادائیگی کا ذریعہ ہے بیع سے مشابہ ہے لہٰذا یہ تعلیق بالشرط قبول نہیں کرتے اور نہ ہی مستقبل کی طرف اضافت اگر رہن کو معلق کر دیا یا اس کی اضافت کر دی تو یہ فاسد ہوگا بیع کی طرح ❷ اور جب رہن کسی شرط فاسد یا باطل سے مقترن ہو تو رہن صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی کیونکہ رہن مالی معاوضات والے عقود میں سے نہیں زیادات اور بزازیہ میں ہے: رہن شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا کیونکہ یہ ہبہ کی طرح تبرع اور احسان ہے اس لیے کہ راہن مرتہن پر کچھ بھی واجب نہیں کرتا لیکن بدائع ❸ میں ہے کہ بیع کی طرح رہن کو بھی شروط فاسدہ باطل کر دیتی ہے برخلاف ہبہ کے میرے نزدیک اصح بزازیہ اور زیادات والی روایت ہے اس لیے کہ رہن معاوضات میں سے نہیں دین اگر چہ ہلاک ہو کر ساقط بھی ہو جائے پھر بھی رہن صحیح ہے۔ حدایہ میں ہے: رہن عقد تبرع ہے کیونکہ اس کے مقابلے میں مرتہن پر کچھ بھی واجب نہیں ہوتا۔

حنفیہ کے علاوہ باقی ائمہ کے ہاں رہن میں مشروط شرط یا تو صحیح ہوگی یا فاسد اور فاسد یا تو عقد کو فاسد کرنے والی ہوگی یا خود لغو اور باطل ہوگی اور عقد صحیح ہوگا اس کی تفصیل یہ ہے۔

شوافع کے ہاں..... رہن میں مشروط شرائط تین قسم کی ہیں: صحیح شرط وہ یہ کہ رہن میں ایسی شرط لگائی جائے جس کا رہن تقاضا کرتا ہے جیسے جب قرض خواہ زیادہ ہوں تو مرتہن کو ان پر مقدم کرے تا کہ وہ اپنا دین اس سے وصول کر سکے باقی دائنوں پر اسے فضیلت حاصل ہو یا کوئی ایسی شرط لگانا جو عقد کے لیے مفید ہو اور اس پر جہالت کا اثر نہ ہو جیسے گواہ بنانا تو یہ عقد اور شرط صحیح ہیں بیع کی طرح۔

۲۔ باطل یا لغو شرط..... ایسی شرط لگانا جس میں نہ کوئی مصلحت ہو نہ فائدہ جیسے مرہون جانور فلاں چیز نہ کھائے تو شرط باطل ہوگی اور عقد صحیح ہوگا۔

۳۔ عقد کو فاسد کرنے والی شرط..... ایسی شرط لگانا جو مرتہن کو نقصان پہنچائے جیسے یہ شرط لگانا کہ دین کی مدت پوری ہونے کے بعد یا ایک مہینے کے بعد قرض کی ادائیگی کے لیے اسے فروخت نہ کیا جائے یا اسے ثمن مثل سے زیادہ پر فروخت نہ کیا جائے یا ایسی شرط لگانا جو راہن کے لیے نقصان کا باعث ہو اور مرتہن کا اس میں فائدہ ہو جیسے بغیر مدت مقرر کیے منفعت کو مرتہن کے لیے شرط سے قرار دینا اور اس پر کوئی اجرت وغیرہ بھی نہ لینا یا رہن سے حاصل ہونے والی زائد اشیا مرتہن کو دینے کی شرط لگانا تو یہ شرط باطل ہوگی جہالت اور معدوم ہونے کی وجہ سے نیز حدیث میں ہے ہر وہ شرط جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہیں وہ باطل ہے ❸ اور اظہر قول کے مطابق عقد باطل ہو جائے گا کیونکہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے جیسے وہ شرط جو مرتہن کو نقصان پہنچائے اسی طرح عقد اور شرط دونوں فاسد ہو جائیں گے جب رہن کے زوائد، اون، پھر اولاد کو شرط ٹھہرانا کیونکہ یہ چیزیں شرط کے وقت مقدم بھی ہیں اور مجہول بھی اور ظاہر یہ ہے کہ جب رہن کو معلق کیا جائے یا اس کی اضافت مستقبل کی طرف ہو تو رہن بھی فاسد ہو جائے گا اور اس سے ظاہر ہوا کہ شرط فاسد وہ ہے جس سے عاقدین میں سے کسی ایک کا نقصان ہو یا اس میں جہالت ہو اور اظہر یہ ہے کہ جب شرط فاسد ہوگی تو عقد بھی فاسد ہوگا۔

---

❶ البدائع ۶/ ۱۳۵ ❷ الدر المختار ۶/ ۳۴۰ (۳) تکملة فتح القدير : ۸/ ۱۹۰ ❸ اخرجه الشيخان

مالکیہ کے ہاں...... (۱۱) جو شرط مقتضائے عقد کے منافی نہ ہو اور نہ ہی حرام کی طرف لے جانے والی ہو تو ایسی شرط صحیح ہے لیکن جو مقتضائے عقد کے منافی ہو تو وہ شرط فاسد ہے رہن کو باطل کرنے والی ہے جیسے رہن میں یہ شرط لگانا کہ وہ راہن کے قبضہ میں رہے مرتہن اس پر قبضہ نہ کرے یا دین کی مدت پوری ہونے پر دین کے بدلے مرہون کو فروخت نہ کیا جائے یا رہن صرف اسی ثمن پر فروخت کیا جائے جس پر راہن راضی ہے۔

رہ گئی وہ شرط جو حرام اور ممنوع ہے عقد کو فسخ کرنے والی ہے، وہ یہ کہ ایک شخص رہن رکھے کہ اگر وہ اس کا حق ادا کردے مدت مقررہ پر تو فبہا ورنہ رہن مرتہن کا ہوگا تو یہ شرط عقد رہن کو فسخ کرنے والی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے لایغلق الرھن (عدم ادائیگی کی صورت میں) رہن کو ضبط نہ کیا جائے خلاصہ یہ کہ مالکیہ کے ہاں شرط کی دو قسمیں ہیں صحیح اور فاسد۔

حنابلہ کے ہاں...... (۱۲) حکم مالکیہ کی طرح ہے کہ رہن میں شرط کی دو قسمیں ہیں: صحیح اور فاسد صحیح یہ کہ جس میں عقد کے لیے کوئی مصلحت ہو اور وہ مقتضائے عقد کے منافی نہ ہو اور نہ ہی وہ شریعت کی حرام کردہ حرمت کی طرف لے جائے مثلاً یہ شرط لگانا کہ رہن کسی عادل کے پاس یا دو عادلوں کے پاس یا زیادہ کے پاس رہے یا عادل شخص مدت پوری ہونے پر اسے فروخت کردے فاسد یہ کہ جو مقتضائے عقد کے منافی ہو مثلاً دین کی مدت پوری ہونے پر رہن کو فروخت نہ کیا جائے یا اس کے ثمن سے دین وصول نہ کیا جائے یا جب اس کے تلف کا خوف ہو تو اسے فروخت نہ کیا جائے یا جتنے کی بھی چاہیں فروخت کریں یا اسے صرف راہن کی مرضی کے ثمن میں فروخت کیا جائے تو یہ ساری فاسد شرطیں ہیں کیونکہ عقد رہن کے منافی ہیں اس لیے کہ یہ ایسی شرائط ہیں جو دین کی ادائیگی میں عادت کے اعتبار سے رکاوٹ ہیں اور غرض مقصود کے یہ منافی ہیں۔

شرائط فاسدہ میں سے کچھ یہ ہیں...... خیار راہن کے لیے شرط قرار دیا جائے یا رہن اس کے حق میں لازم نہ ہو یا رہن کے لیے وقت مقرر کیا جائے یا ایک دن رہن ہو اور ایک دن نہ ہو یا رہن راہن کے قبضہ میں رہنے کی شرط یا اس سے وہی نفع اٹھائے گا یا اس سے مرتہن نفع اٹھائے گا یا اس پر یہ مضمون ہے یا یہ شرط کے جب مدت دین پوری ہو جائے گی تو اسے راہن کو واپس نہیں کیا جائے گا بلکہ رہن مرتہن ہی کا ہوگا دین کے بدلے یا وہ دین کے بدلے مبیع ہے اور معلق بالشرط رہن صحیح نہیں جیسے بیع یعنی فاسد ہے۔

آیا شرط فاسد سے رہن فاسد ہوگا یا نہیں حنابلہ کے ہاں اس بارے میں مختلف رائے ہیں قاضی ابویعلی نے فرمایا: یہ احتمال ہے کہ اس شرط سے رہن فاسد ہو جائے کیونکہ عاقد نے اپنی ملک خرچ کی ہے اور اس شرط کے ساتھ رہن پر راضی ہے جب اس نے اسے سپرد نہ کیا تو عقد صحیح نہیں رضامندی نہ ہونے کی وجہ سے۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر رہن میں شرط موقت ہو یا ایک دن رہن ہو اور ایک دن نہ ہو تو رہن فاسد ہوگا لیکن اس کے علاوہ اگر کوئی شرط فاسد لگائی تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ رہن فاسد ہو جائے گا اور ایک یہ کہ فاسد نہیں ہوگا ابوخطاب نے عدم فساد کو ترجیح دی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لایغلق الرھن اور آپ نے اس رہن کے بارے میں جس میں فاسد شرط لگائی گئی ہو لیکن اس کے فساد کا حکم نہیں فرمایا: نیز راہن اس شرط کے ساتھ رہن پر راضی ہے اس کے بطلان کے ساتھ بدرجہ اولی وہ راضی ہوگا۔ ایک قول یہ ہے کہ جس میں مرتہن کا حق کم ہو وہ ایک ہی وجہ سے باطل ہے اور جس میں ایسا نہ ہو تو اس میں دو وجہیں ہیں ان کے ہاں معتمد یہ ہے جو مجلۃ الاحکام الشرعیہ دفعہ ۹۶۲ میں ہے کہ فساد شرط کی وجہ سے رہن فاسد نہیں ہوتا بلکہ یہ شرط لغو ہے۔

تیسرا مقصد: مرہون بہ کی شرائط...... مرہون بہ وہ حق جو رہن کے طور پر دیا جاتا ہے حنفیہ کے ہاں اس میں کچھ شرائط ہیں جو یہ ہیں:

---

(۱۱)...... بدایۃ المجتہد ۲/ ۲۷۱ (۱۲) المغنی: ۴/ ۳۸۱۔

پہلی شرط...... وہ حق واجب التسلیم ہو مالک کے لیے: اس لیے کہ جب وہ واجب التسلیم نہیں ہوگا تو وہ محل بھی نہیں ہوگا تا کہ اس کے بدلے رہن بطور وثیقہ رکھا جائے اس لیے کہ حق کا مطالبہ کرنے والے پر کوئی الزام نہیں تا کہ اس کو مضبوط کرنا واجب ہو۔ حنفیہ نے اس شرط کو ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے کہ دین مضمون ہونا چاہیے یعنی دین واجب التسلیم ہو راہن پر اور ہماری عبارت اس سے واضح ہے کیونکہ مرہون بہ حق یا تو رہن ہوگا یا عین ہوگا واجب التسلیم۔

پہلی بات...... اگر دین ہے تو اس کا رہن جائز ہے اس دین کا سبب چاہے جو بھی ہو قرض بیع اتلاف غصب کیونکہ دیون کو ادا کرنا واجب ہے لہٰذا ان کا رہن ایسے حق کی وجہ سے ہے جو واجب التسلیم ہے اور یہ بھی اس میں برابر ہے چاہے دین ایسا ہو کہ قبضہ سے پہلے اس کو تبدیل کرنا جائز ہو یا نہ ہو جیسے رأس المال بیع سلم میں اور بدل صرف مسلم فیہ یہ حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ کے ہاں ہے۔ اور امام زفر کے ہاں اس چیز سے رہن رکھنا صحیح نہیں جس پر قبضہ سے پہلے تبدیلی درست نہیں اس لیے کہ دین ساقط ہو جاتا ہے رہن کی ہلاکت سے جب وہ ہلاک ہو جائے اور یہ اس کی تبدیلی کا نتیجہ ہے جو ہلاکت کی وجہ سے مرتہن کے ذمہ میں واجب ہے۔

بایں معنی کہ عین جو رہن تھا وہ بدل ہو گیا اس دین کا جو جس کے بدلے رہن رکھا گیا تھا، اور ان دیون کو تبدیل کرنا صحیح نہیں جیسا کہ بیع سلم کی بحث میں وضاحت کی اگر ان دیون کے بدلے میں رہن جائز ہو تو گویا ان دیون کا قبضہ سے پہلے تبدیل ہونا لازم آتا ہے جب رہن ہلاک ہو جائے اور یہ شرعاً جائز نہیں اس حالت میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ رہن بطور استیفاء ساقط ہوا ہے کیونکہ استیفاء صرف اسی صورت میں متحقق ہوگا جب رہن اور دین کی جنس ایک ہو اور عام طور پر یہ مختلف الجنس ہوتے ہیں لہٰذا رہن ایسے دین سے رکھنا جائز ہے جس کی تبدیلی ممکن ہو۔

جمہور حنفیہ کی دلیل یہ کہ...... ہلاکت رہن کے وقت ہمیشہ دین کا سقوط بطور استیفاء ہوتا ہے نہ کہ بطور استبدال اور استیفاء کے پائے جانے کے لیے مال میں مجانست کافی ہے اس لیے کہ استیفاء مالیت رہن کے ساتھ تمام ہوتی ہے نہ کہ اس کی صورت کے ساتھ اور تمام احوال مالیت کے اعتبار سے جنس واحد ہیں اور صورت کے اعتبار سے کبھی مجانست ساقط ہو جاتی ہے اور مالی مجانست کے لیے حاجت اور ضرورت ہی کافی ہے جیسے مال کے تلف کی صورت میں جس کا جنسی اعتبار سے کوئی مثل نہ ہو اور رہن میں کبھی حاجت اور ضرورت متحقق ہوتی ہے کیونکہ تمام حالتوں میں لوگ اپنے دین کی توثیق کے محتاج ہیں۔

حنفیہ کے علاوہ باقی ائمہ میں سے امام احمد سے دو روایتیں ہیں دین مسلم کے سلسلہ میں ایک روایت جواز کی ہے اور ایک روایت عدم جواز کی پہلی روایت کے مطابق جب رہن مسلم فیہ کے مقابلے میں ہو پھر دونوں عقد سلم کو فسخ کر دیں تو رہن باطل ہوتا ہے کیونکہ وہ دین ختم ہو گیا جس کے بدلے رہن رکھا گیا تھا اور مسلم الیہ کے ذمہ اور رأس المال کو رب السلم کے سپرد کرنا فوری طور پر واجب ہے، امام مالک اور شوافع کے ہاں: بدل صرف اور رأس المال بیع سلم کا جو ذمہ میں ہو کے لیے رہن رکھنا جائز نہیں کیونکہ مجلس عقد میں قبضہ شرط ہے اور مسلم فیہ میں رہن لینا جائز ہے کیونکہ وہ دین ہے اور آیت مداینہ میں رہن کی اجازت ہے۔

دوسری بات...... اگر مرہون بہ عین ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر عین امانت ہے جیسے ودیعت عاریت اجرت مال شرکت مضاربت وغیرہ تو بالاتفاق اس کے بدلے رہن رکھنا جائز نہیں کیونکہ رہن کا قبضہ تو مضمون ہوتا ہے اس میں اس کا مقابل بھی مضمون ہونا ضروری ہے یعنی رہن بھی مضمون کے ساتھ ہوگا تا کہ قبضہ کی وجہ سے وصولی ہو سکے اور اگر عین بذات خود مضمون ہو وہ ایسی چیز جس کے مثل کا ضمان واجب ہوتا ہے اگر اس کا کوئی مثل ہو لیکن اگر مثل نہ ہو تو پھر اس کی قیمت واجب ہوتی ہے جیسے غاصب کے قبضہ میں مغصوب اور خریدنے کی نیت سے قبضہ کی ہوئی چیز اور شوہر کے قبضہ میں مہر اور بیوی کے قبضہ میں بدل خلع اور دم عمد کا بدل حنفیہ کے ہاں ان کے بدلے میں رہن جائز

ہے اور مرتہن کو اختیار ہے وہ رہن کو روکے رکھے یہاں تک کہ مرہون بہ واپس آ جائے۔ اگر عین کی واپسی سے قبل رہن مرتہن کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے اور عین باقی ہو تو راہن سے کہا جائے کہ عین مرتہن کے سپرد کرو اور اس سے رہن یا عین کی قیمت میں سے کم لے لو کیونکہ مرہون اقل سے مضمون ہوتا ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ نے بھی حنفیہ کی طرح اجازت دی ہے کہ مرہون بہ عین ہو تو وہ بذات خود مضمون ہے۔

شوافع کے ہاں ایسے عین کے بدلے میں رہن رکھنا جو امانت یا مضمون ہو درست نہیں کیونکہ ان کے ہاں مرہون بہ کا دین ہونا شرط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رہن کا ذکر دین کے سلسلہ میں کیا ہے اس کے علاوہ میں ثابت نہ ہوگا نیز اس لیے بھی کہ یہ عین مرہون کے ثمن سے وصول نہیں کیا جائے گا اور بیع کے وقت یہ فرض رہن کے مخالف ہے۔

لیکن اگر عین غیر سے مضمون ہو جیسے مبیع بائع کے قبضہ میں یہ مضمون بغیرہ ہے اور وہ ثمن ہیں اگر مبیع بائع کے قبضہ میں ہلاک ہو گئی تو مشتری سے ثمن ساقط ہو جائے گا لہٰذا اس کے بدلے میں رہن رکھنا صحیح نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نوادر میں روایت ہے اس لیے کہ رہن کا قبضہ وصولی کا قبضہ ہے اور غیر سے مضمون میں استیفاء اور وصولی کا معنی متحقق نہیں ہوتا اس لیے کہا اگر رہن مشتری کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو وہ رہن کے ہلاک ہونے کی وجہ سے کچھ وصول کرنے والا نہ ہوگا اور ظاہر روایت میں ہے۔ مبیع کا قبضہ سے پہلے رہن رکھنا صحیح ہے کیونکہ وہ مضمون ہے اور مشتری رہن کو روک سکتا ہے مبیع پر قبضہ کرنے تک کیونکہ وصولی جو مطلوب ہے وہ معنی کے اعتبار سے متحقق ہے اس لیے کہ قبضہ سے پہلے مبیع اپنی قیمت کے اعتبار سے مضمون نہیں لیکن ثمن کے اعتبار سے مضمون ہے اور مشتری سے ثمن ساقط ہونا مبیع کی ہلاکت کی وجہ سے سپردگی اور قبضہ سے پہلے عوض کی طرح ہے لہٰذا مشتری مبیع کی مالیت کو وصول کرنے والا ہوا اس بناء پر کہ مدیون بہ ایسا حق ہو جس کا سپرد کرنا واجب ہو اس پر درج صورتیں متفرع ہیں۔

۱۔ رہن نقود پر...... اگر کسی مرد نے کسی عوت سے متعین نقود پر شادی کی یا کوئی چیز متعین نقود کی خریدی اور اس کے بدلے رہن رکھا تو امام صاحب اور صاحبین کے ہاں یہ رہن جائز نہیں کیونکہ نقود متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے اور امام زفر کے ہاں جائز ہے کیونکہ ان کے ہاں نقود متعین کرنے سے متعین ہوتے ہیں۔

۲۔ وعدہ شدہ دین یا مرتہن راہن سے جو قرض لے گا اس کے بدلے رہن...... اس شرط کا تقاضا یہ ہے کہ رہن صحیح نہ ہو، کیونکہ عقد رہن کے وقت دین کا وجود ہی نہیں ہوتا کہ وہ واجب التسلیم ہو لیکن حنفیہ اور مالکیہ اس کی اجازت دیتے ہیں لوگوں کی حالت کی وجہ سے استحسانا رہ گئی وہ صورت کہ مرتہن رہن رکھے اس چیز کے بدلے جو مستقبل میں اس پر ثابت ہوگی وعدہ کے بغیر تو اس کا رہن جائز نہیں۔ اور شوافع، حنابلہ کے ہاں ظاہر مذہب میں ان کا رہن درست نہیں یعنی مستقبل کے دین کے بدلے کیونکہ عقد رہن کے وقت یہ حق ثابت نہیں ذمہ میں اور رہن ثبوت دین کے وقت مشروع ہے نہ کے وعدہ کے وقت۔

۳۔ رہن درک...... یعنی استحقاق کے وقت جو مبیع کا درک ہوتا ہے مثلاً کسی شخص نے کوئی چیز فروخت کی اور ثمن پر قبضہ کر لیا اور مبیع مشتری کو سپرد کر دی پھر مشتری کو استحقاق کا خوف ہوا درک سے پہلے اس نے بائع سے ثمن پر رہن رکھا تو جائز نہیں اگر چہ اس کی کفالت جائز ہے۔ اس لیے کہ مبیع کا استحقاق کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا تو اس کا رہن ایسا ہی ہے جیسے ایسی چیز کا رہن جو فوری طور پر سپرد کرنا واجب نہیں بلکہ ایسی چیز جس کا نہ تو فی الحال وجود ہے اور نہ ہی مستقبل میں یہ ضروری ہے۔ ہاں درک کی کفالت جائز ہے کیونکہ کفالت التزام اور مطالبہ کا ضمان ہے افعال کا التزام اور ان کا ضمان مستقبل میں جائز ہے جیسے نذر وغیرہ حنفیہ نے فرمایا رہن بالدرک باطل ہے اور درک کی کفالت جائز ہے [1] رہ گیا رہن وہ تو قرضوں (دیون) کی وصولی کے لیے ہے جب دین ثابت نہیں تو انہیں کیسے وصول کیا جائے گا؟ لہٰذا دین کے ثبوت یا وجوب

---

[1] ..... درک: استحقاق مبیع کی صورت میں مشتری کا بائع پر ثمن کے سلسلہ میں رجوع کرنے کو درک کہتے ہیں۔

سے پہلے کوئی وصولی نہیں نیز رہن میں استیفاء معاوضہ کے معنی میں ہے معاوضات اور تملیکات کو مستقبل کی طرف مضاف کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس میں خطرہ اور دھوکا ہے اور رہن درک اسی قبیل سے ہے گویا اور راہن جو بائع ہے وہ کہہ رہا ہے مشتری مرتہن سے کہ اگر کوئی مستحق نکل آیا تو یہ چیز رہن ہے اس سے ثمن وصول کر لینا حالت درک اور دین موعود میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت معدوم ہے اور دوسری موجود کی طرح ہے یا ثبوت کے درجہ میں ہے اور دوسری صورت کو حنفیہ نے حاجت کی وجہ سے صحیح قرار دیا ہے۔

دوسری شرط...... مرہون بہ سے دین کی وصولی ممکن ہو اگر وصولی اس سے ممکن نہ ہو تو رہن صحیح نہیں کیونکہ رہن رکھنا وصولی ہے جب استیفا نہیں تو رہن اور اس کی غرض بھی نہیں اسی وجہ سے آنے والی چیزوں میں رہن صحیح نہیں۔ [۱]

قصاص بالنفس یا اس سے کم میں رہن جائز نہیں اس لیے کہ یہ ناممکن یا مرہون سے قصاص کا لینا متعذر ہے لیکن دیت (ارش) کے بدلے رہن صحیح ہے اس لیے کہ رہن سے ارش کی وصولی ممکن ہے۔

کفالت بالنفس (ضمانت شخص) یعنی قاضی کی مجلس وغیرہ میں کسی شخص کو حاضر کرنا اس کے بدلے میں بھی رہن جائز نہیں اس لیے کہ جس کی ضمانت دی جا رہی ہے اسے رہن سے وصول کرنا ممکن نہیں مثلاً زید، خالد کا ضامن ہو کہ اگر اس نے ایک سال تک ادائیگی نہ کی تو اس پر وہ ہزار ہوں گے جو خالد پر ہیں پھر خالد نے ایک سال کے لیے رہن رکھا تو یہ رہن باطل ہے اس لیے کہ خالد پر مال واجب نہیں اور مکفول بہ کی وصولی رہن سے ممکن نہیں۔

شفعہ: شفعہ کی وجہ سے مشتری سے رہن لینا جائز نہیں لہٰذا شفیع کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشتری سے کہے مجھے دار مشفوعہ کے بدلے رہن دو کیونکہ حق شفعہ کو رہن سے وصول کرنا ممکن نہیں لہٰذا اس کا رہن بھی صحیح نہیں جیسا کہ شفعہ مضمون نہیں مشتری پر اس وجہ سے کہ اگر مشفوعہ بہ عقار ہلاک ہو جائے تو مشتری پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی۔

۴۔ حرام فعل پر اجرت...... جیسے رونے والی، گانا گانے والی، ناچنے والی کو اجرت پر رہن مثلاً انہیں کوئی شخص اجرت پر لے اور اجرت کے بدلے انہیں رہن دے دے تو یہ رہن صحیح نہیں کیونکہ ان کا اجارہ ہی صحیح نہیں اور اجرت واجب نہیں لہٰذا رہن غیر مضمون چیز کے بدلے میں ہوا لہٰذا رہن صحیح نہیں جیسا کہ وہ منفعت جو ذمہ میں ثابت ہو جس کا اجیر مشترک التزام کرے اس کا رہن صحیح نہیں کیونکہ مال سے منفعت کی وصولی ممکن نہیں۔

تیسری شرط...... مرہون بہ حق معلوم ہو حق مجہول کا رہن صحیح نہیں اگر اس نے دو دینوں میں سے ایک کا رہن رکھا اور دین کو متعین نہ کیا تو یہ رہن صحیح نہیں۔

شوافع اور حنابلہ نے مرہون بہ میں تین شرطیں رکھی ہیں...... دین ثابت اور واجب ہو جیسے قرض اور تلف شدہ چیز کی قیمت یا منفعت ہو جیسے ذمہ کے اجارہ میں عمل جیسے اجیر مشترک جیسے کپڑے سینے یا گھر بنانے کے لیے اجرت پر رکھا یا معلوم بوجھ متعین جگہ تک لے جانا کیونکہ منفعت کی وصولی ممکن ہے مرہون کو فروخت کرے اور اس کے ثمن سے، جب اجیر مستاجر کام نہ کرے تو رہن کو فروخت کر دیا جائے گا اور اس سے اسے اجرت پر لیا جائے گا جو کام کرے اور یہ حنفیہ کے خلاف ہے رہ گیا عین کا اجارہ تو اس کے بدلے رہن رکھنا صحیح نہیں اس لیے کہ مرہون بہ کی وصولی غیر معین سے ممکن نہیں اگرچہ مرہون کو فروخت ہی کیا گیا ہو۔ شوافع کے ہاں دین کی شرط پر ہی مدار ہے اس کا کہ رہن صحیح نہ ہونا چاہیے عاریت پر دی گئی چیزوں اور غصب شدہ چیزوں کا اور حنابلہ نے مضمون عین کے بدلے رہن لینے کی اجازت دی ہے جیسے مغصوب، عاریت، خریدنے کی نیت پر قبضہ کی ہوئی چیز اور عقد فاسد کے ذریعہ قبضہ کی ہوئی چیز اس لیے کہ ان کے ہاں ہر اس دین کا رہن صحیح ہے جو

---

[۱] البدائع: ۶/ ۱۴۳۔

واجب ہویا اس کا انجام وجوب ہو جیسے مدت خیار کے ثمن۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں ایسا دین جو ثابت شدہ نہیں کے بدلے میں رہن رکھنا صحیح نہیں اور وہ موجود دین ہے برخلاف حنفیہ کے اور دین کے مستقر جیسے دین قرض ثمن مبیع اور دین کے غیر مستقر جیسے قبضہ سے پہلے مبیع کے ثمن عین کے اجارہ میں انتفاع سے پہلے اجرت اور دخول سے پہلے مہر وغیرہ میں کچھ فرق نہیں ذمہ میں موجود اجارہ کی اجرت کے مقابلہ میں رہن صحیح نہیں کیونکہ یہ ذمہ میں لازم نہیں۔ اس لیے کہ اس کو مجلس عقد میں قبضہ میں لینا لازم ہے تفرق سے پہلے یہ بیع سلم کے رأس المال کی طرح ہے۔

۲..... دین فی الحال لازم ہو یا مال کے اعتبار سے لازم ہو لزوم بیع کے بعد ثمن کا رہن درست ہے جیسے مدت خیار میں لزوم عقد سے پہلے درست ہے کیونکہ مدت خیار ختم ہونے کے بعد عقد لازم ہو جاتا ہے۔ اور رہن صحیح نہیں دین یا قسطوں کے بدلے میں اور نہ ہی کام سے فارغ ہونے سے پہلے انعام کے بدلے میں کیونکہ یہ دین لازم نہیں ہوا اس لیے کہ مکاتب غلام یا انعام یافتہ شخص اس عقد کو جب چاہے ختم کر سکتا ہے یہ رہن کے معنی وثیقہ کے خلاف ہے۔

۳..... عاقدین کو دین کی مقدار معلوم ہو، اگر دونوں کو یا کسی ایک کو مقدار اور صفت معلوم نہ ہو یا کسی ایک دین کے بدلے میں رہن رکھا تو یہ رہن صحیح نہیں۔

مالکیہ کے ہاں..... رہن مرہون فیہ میں درست ہے اور وہ تمام قسم کے حقوق ہیں بیع قرض وغیرہ، الا یہ کہ بدل صرف اور بیع سلم کے رأس المال میں درست نہیں اور وہ مرہون وغیرہ میں یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ وہ دین ہو لہٰذا امانت کے بدلے میں رہن صحیح نہیں چاہے وہ ودیعت ہو یا مضاربت نیز وہ ذمہ میں ہونا چاہیے لہٰذا کسی متعین چیز یا اس کی منفعت کے بدلے میں رہن رکھنا نیز وہ لازم ہو یا لزوم کی طرف جانے والا ہو لہٰذا بدل کتابت کی قسطوں میں رہن صحیح نہیں۔

چوتھا مقصد: مال مرہون کی شرائط..... مال مرہون جیسے مرتہن حق کی وصولی تک اپنے پاس روک کر رکھ سکتا ہے اگر وہ اس کے حق اور دین کی جنس میں سے ہو تو اسی سے اپنا حق وصول کرے اگر وہ اس کی جنس میں سے نہ ہو تو اسے فروخت کر کے اس کے ثمن سے حق وصول کیا جائے گا اگر بیع سے وصولی ہو سکے جیسے دین نقدی (درہم دینار، ہیرے اور روپے) کی صورت میں ہو اور مرہون بھی قیمی احوال میں سے ہو ورنہ ادائیگی بطور معاوضہ ہوگی مثلاً دین گندم ہو اور رہن نقدی ہو یا مثلی مال ہو نقود کے علاوہ اسی وجہ سے فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرہون میں وہی شرطیں ہوں جو مبیع میں ہیں تاکہ اس کی بیع ممکن ہو اور اس سے دین وصول ہو سکے۔ ❶ حنفیہ کے ہاں بیع حاکم کی اجازت سے مکمل ہوگی جب راہن موجود نہ ہو اور نہ اس کی زندگی اور موت کا پتا ہو اگر وہ حاضر اور موجود ہے تو مرہون فروخت کرنے کے لیے اس پر جبر کیا جائے گا اگر وہ رک گیا تو قاضی اسے فروخت کرے گا یا اس کا نائب اور مرتہن کو اس کا حق دیا جائے گا۔

حنفیہ کے ہاں مرہون کی شرائط..... ❷ کہ وہ مال متقوم ہو معلوم ہو سپرد کرنے پر قدرت ہو اس پر قبضہ ہو جمع شدہ ہو جو مرہون نہیں اس سے فارغ ہو الگ اور ممتاز ہو عقار ہو یا منقولی چیز ہو مثلی ہو یا قیمی ہو میں ان شرائط تشریح کرتا ہوں مرہون بیع کے قابل ہو: یعنی عقد کے وقت موجود ہو اور اسے سپرد کرنا ممکن ہو جو چیز عقد کے وقت موجود نہیں اس کا رہن جائز نہیں اور جو وجود اور عدم کا احتمال رکھتی ہے اس کا بھی درست نہیں جیسے اس سال درخت جو پھل دے انہیں رہن رکھنا یا اس سال بکریاں جو بچے جنیں گی یا اڑتے پرندے کو رہن رکھنا یا بدکے ہوئے جانور وغیرہ کو رہن رکھنا درست نہیں یعنی جن سے دین وصول کرنا اور اسے فروخت کرنا ممکن نہیں۔

پھل یا سبز کھیتی کو پکنے سے پہلے رہن رکھنا..... اکثر فقہاء کے ہاں یہ شرط متفق علیہ ہے اور یہی حنفیہ کی رائے ہے اور شوافع کی بھی

❶..... المغنی: ۴/۳۳۷ ❷ البدائع: ۶/۱۳۵۔

اظہر روایت ہے اور مالکیہ کے ہاں ظاہر روایت ہے جیسا کہ دسوقی نے تحقیق کی ایک صورت میں حنابلہ کے ہاں بھی ان کے ہاں پھل سے پہلے اور سبز کھیتی کاٹنے کی شرط کے بغیر کا رہن رکھنا جائز نہیں کیونکہ اسے فروخت کرنا جائز نہیں لہٰذا اس کا رہن بھی درست نہیں جیسے وہ تمام چیزیں جن کی بیع جائز نہیں۔

ابن قاسم اور ابن ماجشون مالکیہ میں سے اور حنابلہ کے اصح قول کے مطابق یہ صورت اس قاعدہ **مالایصح بیعہ لایصح دفعہ** سے پھل پکنے سے پہلے اور کھیتی کو رہن رکھنا مستثنیٰ ہے اور جانوروں میں سے بدکنے والا جانور کیونکہ بیع کی نہی تو آفت دھو کے وغیرہ سے امن نہ ہونے کی وجہ سے ہے اور یہ وجہ رہن میں نہیں پائی جاتی اس لیے کہ دین تو راہن کے ذمہ میں ہے دھوکا وغیرہ رہن میں کم ہے کیونکہ جب مرہون تلف ہو جائے تو مرتہن کا حق دین سے ضائع نہیں ہوتا بلکہ حق راہن کے ذمہ کی طرف لوٹ آتا ہے لیکن جب مرہون تلف نہ ہو بایں طور کہ کھیتی پک جائے اور پھل تیار ہو جائیں اور بدکا ہوا جانور واپس آ جائے تو مرتہن کی منفعت متحقق ہو جائے گی جب حق کی مدت پوری ہو وہ اسے فروخت کردے اور اس کی بیع کو مرتہن کی مرضی کے مطابق مؤخر کیا جائے اسی بناء پر بعض مالکیہ کے ہاں اور حنابلہ کے ہاں اس چیز کا رہن جائز ہے جس کی بیع رہن کے وقت حلال نہ بھی ہو اور اسے تیار ہونے سے پہلے فروخت نہ کیا جائے گا اگرچہ دین کی مدت پوری ہی ہو جائے۔

۲۔ مال ہو...... جو چیز مال نہیں اس کا رہن صحیح نہیں جیسے مردار حرم اور احرام کا شکار اس لیے کہ یہ شکار حرام ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔

منفعت کا رہن...... مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے ہاں منفعت کا رہن بھی صحیح نہیں مثلاً مہینا یا زیادہ گھر کی رہائش رہن رکھے اس لیے کہ منفعت حنفیہ کے ہاں مال نہیں اور باقی ائمہ کے ہاں اس کو سپرد کرنے کی قدرت نہیں اس لیے کہ عقد کے وقت یہ موجود نہیں پھر جب منفعت پائی جاتی ہے تو فنا بھی ہو جاتی ہے اور دوسری پائی جاتی ہے اسے نہ ٹھہراؤ ہے نہ اس کا ثبوت ہے لہٰذا اسے سپرد کرنا ممکن نہیں اور نہ اس پر قبضہ ممکن ہے اور نہ ہی یہ مدت قرض ہونے تک باقی رہ سکتی ہے اور نہ وصولی کے وقت تک البتہ شوافع کے ہاں ابتداء منفعت کو رہن رکھنا ممتنع ہے البتہ منفعت کو بغیر عقد رہن کے رہن رکھنا جائز ہے جیسے کوئی شخص مر جائے اور منفعت چھوڑ جائے اور اس پر قرض ہو۔

۳۔ متقوم ہو...... یعنی شرعاً اس سے نفع اٹھانا اس طور پر مباح ہو کہ اس سے دین کی ادائیگی ممکن ہو شراب اور خنزیر کو رہن رکھنا: اس شرط کی وجہ سے مسلمان کے لیے شراب اور خنزیر رہن رکھنا جائز نہیں اور نہ ہی یہ دونوں چیزیں مسلم اور ذمی کے ہاں رہن رکھنا جائز ہیں اس لیے کہ رہن دین کی ادائیگی کے لیے ہے اور ارتہان وصولی ہے اور مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ شراب وغیرہ سے دین ادا کرے اور نہ اس سے وصول کرنا اگر کوئی مسلمان شراب یا خنزیر وغیرہ کسی ذمی کافر کے ہاں رہن رکھے تو وہ مسلمان کے لیے اس کا ضامن نہ ہوگا جیسے غصب سے وہ ضامن نہیں ہوتا کیونکہ اس کی مالیت نہیں۔ اگر راہن ذمی ہو اور وہ شراب کو مسلمان کے پاس رہن رکھے تو حنفیہ کے ہاں اس کے ذمہ اس کا ضمان ہے جیسا کہ غصب میں ضمان ہے اس لیے کہ ذمی کی نسبت سے یہ مال ہے۔ اس وقت دونوں دین قصاص اور مقاصہ میں برابر ہیں اہل ذمہ کا شراب اور خنزیر رہن رکھنا اور آپس میں رکھوانا درست ہے اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں ان کے ہاں مال متقوم ہیں جیسے سرکہ اور بکری ہمارے ہاں۔

۴۔ معلوم ہو...... جیسے مبیع میں شرط ہے کہ وہ معلوم ہو۔ مجہول رہن: ہر وہ چیز جس کی بیع جہالت کے ساتھ درست ہے اس کا رہن بھی صحیح ہے۔ اور جس کی بیع جہالت کی وجہ سے درست نہیں اس کا رہن بھی درست نہیں اور مبیع میں مشروط علم وہ ہے جس سے نزاع ختم ہو جائے یا وہ جس سے عام طور پر نزاع نہ ہوتا ہو اگر راہن نے کہا: میں تمہارے پاس یہ منزل مکان جو کچھ اس میں ہے اس کے ساتھ رہن رکھتا ہوں مرتہن نے قبول کر لیا اور راہن نے منزل و مکان سپرد کر دیا تو حنفیہ کے ہاں یہ رہن صحیح ہے کیونکہ اس کی بیع صحیح ہے اس طور پر شوافع اور حنابلہ کے ہاں رہن صحیح نہیں اس طور پر اس کی بیع درست نہ ہونے کی وجہ سے کیونکہ جو کچھ اس میں ہے وہ مجہول ہے اگر راہن نے کہا: ان دو گھروں میں سے

ایک میں رہن رکھتا ہوں تو حنیفہ کے ہاں راہن صحیح ہے کیونکہ اس کی بیع صحیح ہے اور مرتہن کو ایک اختیار کرنے کا خیار ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں تعین نہ ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں اگر راہن نے مرتہن کو دو کپڑے دیئے اور اس سے کہا کہ ان میں سے جو چاہو اپنے دین کے بدلے رہن لے لو اس نے دونوں لے لیے تو ان میں سے کوئی بھی رہن نہ ہوگا جب تک وہ کسی ایک کو متعین نہ کرے اس لیے کہ راہن نے وہ رہن رکھا ہے جیسے مرتہن پسند کرے اور پسند کرنے سے پہلے مرہون معلوم نہیں اور اس کے بعد معلوم ہے لہٰذا رہن درست ہوگا۔ اگر دونوں کپڑے ضائع ہو جائیں تو نصف قیمت ان دونوں کی دین کے بدلے ختم ہو جائے گی اگر ان میں سے کسی ایک کے برابر دین ہو۔

۵ راہن کی ملکیت میں ہو...... یہ صحت رہن کے جواز کی شرط نہیں بلکہ مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں یہ نفاذ رہن کی شرط ہے اسی سے مال غیر کے رہن کا حکم بھی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ پس غیر کے مال کو بغیر اجازت رہن رکھنا صحیح ہے اور ولایت شرعی سے جیسے باپ وصی یہ بچے کے مال کو اس کے دین اور اپنے دین کے بدلے میں رہن رکھ سکتے ہیں اور غیر کے مال کو اس کی اجازت سے رہن رکھنا جائز ہے جیسے کسی انسان سے عاریت کے طور پر لیا ہوا تا کہ مستعیر پر جو دین ہے اس کے بدلے اسے رہن رکھے اگر مالک کی طرف سے رہن کی اجازت نہیں تو یہ رہن موقوف ہوگا اس کی اجازت پر اگر اس نے اجازت دے دی تو نافذ ہوگا ورنہ باطل جیسے بیع۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں غیر کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر رہن رکھنا صحیح نہیں اس لیے کہ اس کی بیع صحیح نہیں اور اس کے سپرد کرنے پر قدرت نہیں اور نہ ہی اسے دین میں فروخت کرنا صحیح ہے اس کا رہن بھی جائز نہیں جیسے اڑتا پرندہ بدکا ہوا جانور اگر اس نے کوئی چیز رہن رکھی اور اسے گمان ہے کہ یہ کسی دوسرے کی ہے پھر معلوم ہوا کہ اس کے باپ کی ہے اور ان کا انتقال ہو چکا ہے اور وہ چیز بطور میراث اس کی ملکیت میں ہے تو حنابلہ کے ہاں اور شوافع کے ہاں ایک صورت میں اس کا رہن صحیح ہے کیونکہ معاملات میں نفس الامر اور حقیقت کا اعتبار ہوتا ہے اور شوافع کے ہاں منصوص یہ ہے کہ یہ عقد باطل ہے کیونکہ عقد تو کیا گیا ہے لیکن عاقد مذاق کر رہا ہے لہٰذا صحیح نہیں لیکن علامہ نووی رحمہ اللہ نے مجموع ۹ / ۲۸۳ پر لکھا ہے کہ اگر کسی نے اپنا موروثی مال اس گمان سے فروخت کیا کہ والد زندہ ہیں اور یہ فضولی ہے اور اس وقت اس کا مردہ ہونا ظاہر ہوا اور صحیح یہ ہے کہ عقد صحیح ہے کیونکہ مالک کی جانب سے ہوا ہے اگر راہن نے کوئی چیز عاریت کے طور پہ لی تا کہ اسے رہن رکھے تو ائمہ مذاہب کے ہاں بالاتفاق جائز ہے اس لیے کہ عاریت کی وجہ سے وہ غیر کی ملکیت کا مالک بن گیا ہے تا کہ اس سے بغیر عوض نفع حاصل کرے یہی عاریت کی نشانی ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ عین مستعارہ سے ایک ہی منفعت حاصل کی جا رہی ہے۔

۶۔ فارغ ہو...... یعنی راہن کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو لہٰذا بغیر پھل کے صرف کھجور کے درخت کو رہن رکھنا صحیح نہیں کیونکہ وہ پھلوں کے ساتھ مشغول ہے اور نہ ہی اگی ہوئی کھیت والی زمین کو بغیر کھیتی کے رہن رکھنا صحیح ہے اور نہ ہی گھر کو جس میں راہن کا سامان ہو بغیر سامان کے رہن رکھنا وغیرہ رہ گیا مشغول چیز جیسے سامان اٹھانے والی گاڑی گھر کا سامان جو مشغول سے متصل نہیں تو اس کا رہن جائز ہے۔

۷۔ اکٹھا ہو...... علیحدہ اور اکٹھا ہونہ کہ متفرق اور غیر سے ملا ہوا لہٰذا پھلوں کو درخت پر بغیر درخت کے رہن رکھنا جائز نہیں اور کھیتی کو بغیر زمین کے کیونکہ انہیں جمع کرنا درخت اور زمین کے بغیر ممکن نہیں۔

۸۔ ممتاز ہو...... مشاع نہ ہو لہٰذا آدھا گھر یا چوتھائی گاڑی وغیرہ کو رہن رکھنا جائز نہیں۔ فارغ جمع شدہ اور ممتاز ہونے کی شرط کی وجہ یہ ہے کہ رہن کے صحیح ہونے کے لیے قبضہ شرط لازم ہے اور ان موانع کی موجودگی میں قبضہ متعذر ہے جب رہن پر قبضہ فارغ جمع شدہ اور ممتاز ہونے کی حالت میں ہو تو اس میں عقد مکمل ہوگا اور لازم ہوگا اور جب تک مرتہن نے قبضہ نہ کیا تو راہن کو اختیار ہے چاہے تو اس کے سپرد کر دے اور چاہے تو رہن سے رجوع کرے، جیسے ہبہ میں ہوتا ہے اس لیے کہ رہن ہبہ کی طرح عقد تبرع ہے اور قبضہ کے بغیر لازم نہیں ہوتا اور اسی سے ظاہر ہو گیا کہ یہ تین شرطیں حقیقت میں وہ عناصر ہیں جن کی موجودگی میں مرہون پر قبضہ ہو سکتا ہے۔

پانچواں مقصد: رہن مکمل ہونے کی شرط مرہون پر قبضہ..... فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رہن میں قبضہ شرط ہے فرمان باری تعالیٰ کی وجہ سے ''فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ'' (البقرۃ ۲/ ۲۸۳) لیکن قبضہ کی تحدید میں اختلاف ہے آیا شرط لزوم ہے یا شرط تمام؟ اور فرق کا فائدہ یہ ہے کہ جو کہتے ہیں شرط لزوم ہے تو ان کے ہاں جب تک قبضہ نہ ہو تو راہن پر رہن لازم نہیں ہوتا اور اسے عقد سے رجوع کا اختیار ہے اور جن کے ہاں شرط تمام ہے تو وہ کہتے ہیں عقد ہی سے رہن مکمل ہو جاتا ہے اور راہن پر قبضہ دینے میں جبر کیا جائے گا الا یہ کہ مرتہن تاخیر کرے اور راہن مفلس ہو جائے یا بیمار ہو جائے یا مر جائے پھر نہیں۔

ا۔ جمہور کے ہاں...... قبضہ صحت کے لیے شرط نہیں بلکہ لزوم رہن کے لیے شرط ہے لہٰذا رہن صرف قبضہ ہی سے لازم ہوگا جب تک قبضہ مکمل نہ ہو تو راہن کے لیے جائز ہے کہ وہ عقد رہن سے رجوع کرلے اور جب راہن نے مرتہن کے سپرد کر دیا اور اس نے قبضہ کرلیا تو رہن لازم ہو جائے گا اور راہن کے لیے جائز نہیں کہ وہ اکیلا اسے قبضہ کے بعد۔ اور ان کی دلیل فرمان باری تعالیٰ ہے، فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ (سورۃ البقرہ ۲/ ۲۸۳) اگر قبضہ کے بغیر لازم ہو تو پھر اس قید کا کوئی فائدہ نہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قبضہ پر معلق کیا ہوا ہے لہٰذا اس کے بغیر مکمل نہیں ہوگا نیز اس لیے بھی کہ رہن عقد تبرع اور نفع کے لیے ہے قبول کا محتاج ہے، قبضہ کا بھی محتاج ہوگا تاکہ عقد ہونے اور رجوع نہ ہونے پر دلیل ہو لہٰذا ہبہ اور قرض کی طرح قبضہ کے بغیر لازم نہیں ہوگا۔

۲۔ مالکیہ کے ہاں...... رہن قبضہ اور جمع کرنے ہی سے مکمل ہوتا ہے اور یہ تمام رہن کے لیے شرط ہے کمال فائدہ کے لیے اور لازم اور صحت کے لیے شرط نہیں جب رہن ایجاب وقبول سے ہوا تو عقد لازم ہے اور مرتہن کے مطالبہ پر راہن پر جبر کیا جائے گا قبضہ دینے کے لیے اگر مرتہن نے مطالبہ میں تاخیر کی یا راہن کے قبضہ میں چھوڑنے پر راضی ہو گیا تو رہن باطل ہے ان کی دلیل ان تمام مالی عقود پر قیاس ہے جو قول سے لازم ہو جاتے ہیں چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے: اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدۃ: ۵/ ۱) رہن بھی عقد ہے اس کی وفا بھی واجب ہے جیسا کہ کفالت کی طرح رہن وثیقہ ہے لہٰذا قبضہ سے پہلے صرف عقد ہی سے لازم ہو جائے گا اور قبضہ کی شرط کی وجہ سے اگر راہن اور مرتہن اس طرح عقد کریں کہ رہن راہن کے قبضہ میں رہے گا تو یہ رہن صحیح نہیں اگر اس کے قبضہ میں رہن ہلاک ہو گیا تو دین ساقط نہ ہوگا اور اگر مرتہن کا ارادہ ہو کہ وہ راہن کے ہاتھ سے قبضہ کرے تاکہ اسے رہن شمار کیا جائے تو اسے قبضہ کا اختیار نہیں کیونکہ فاسد ہونے کے بعد رہن صحیح نہیں ہو سکتا۔

قبضہ کی کیفیت یا کس طرح قبضہ متحقق ہوگا...... فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عقار میں قبضہ متصلاً سپرد کرنے یا تخلیہ یعنی قبضہ کے موانع کو ختم کرنا یا موانع ہٹانے میں قدرت دینا لہٰذا مرتہن اور شی مرہون کو چھوڑ دینا تاکہ اس کا قبضہ اس میں ثابت ہو جائے اور منقولی اشیاء میں قبضہ: حنفیہ کے ہاں ظاہر روایت میں اس میں تخلیہ کافی ہے جب تخلیہ ہو گیا راہن سپرد کرنے والا ہوگا اور مرتہن قبضہ کرنے والا کیونکہ عرف اور شریعت میں تخلیہ کو قبضہ دینا شمار کیا جاتا ہے عرف میں تو اس طرح کہ عقار میں تو یہی طریقہ ہے تو کہا جائے گا یہ زمین یا یہ گھر فلاں کے قبضہ میں ہے تو اس سے تخلیہ ہی سمجھا جاتا ہے اور یہ تصرف کی قدرت ہے اور شریعت میں اس طرح کے بالاجماع بیع میں تخلیہ ہی قبضہ سمجھا جاتا منتقل کیے بغیر یہ رائے تعامل کی طبیعت پر عمل کے لیے بڑی ہی معقول ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں منقولی اشیاء میں صرف تخلیہ کافی نہیں بلکہ ان میں منتقل کرنا اور تحویل شرط ہے جب تک یہ نہ پایا گیا تو مرتہن قابض شمار نہ ہوگا اس لیے کہ آیت میں مطلقاً قبضہ کا ذکر ہے: فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ (البقرۃ: ۲/ ۲۸۳) لہٰذا اس سے حقیقی قبضہ مراد ہوگا اور وہ سوائے منتقل کرنے کے نہیں ہو سکتا، اور تخلیہ سے تو حکمی قبضہ متحقق ہوتا ہے لہٰذا اس کے لیے کافی نہیں پھر رہن کے قبضہ کی وجہ سے مرتہن پر ضمان مرتب ہوتا ہے جو کہ عقد سے پہلے ثابت نہیں لہٰذا اس میں منتقل کرنا ضروری ہے قبضہ کے ذریعہ تاکہ ضمان ہو سکے جیسا کہ غصب میں ہوتا ہے بر خلاف بیع کے اس میں تو ضمان بائع سے مشتری کی طرف منتقل ہوتا ہے اس میں تخلیہ کافی ہے یہ بات یاد رہے کہ رہن اور بیع میں اس فرق کی کوئی

تاثیر نہیں شوافع اور حنابلہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ساتھ متفق ہیں ان کے ہاں: قبضہ سے مراد وہ قبضہ ہے جو بیع میں ہوتا ہے رہن کا قبضہ بیع کا قبضہ ہے اگر عقار ہے یا غیر منقولی اشیاء ہیں جیسے گھر اور زمین تو ان میں قبضہ تخلیہ سے ہوگا اور یہی قبضہ پھول کھیتی وغیرہ پر منطبق ہوا اگر چہ یہ منقول ہیں تو ان کا قبضہ منتقل کرنے یا کھانے سے ہوگا یعنی راہن سے ان کو فعلی طور پر لینا اگر زیور ہے تو اس کا قبضہ منتقل کرنے سے ہوگا اگر درہم اور کپڑے ہیں تو انہیں لے لینے سے انتقال مکمل ہوگا اور اگر کیلی یا وزنی چیز ہے تو ان کا قبضہ کیل اور وزن سے ہوگا اگر گزوں سے ناپی جانے والی چیز ہے تو اس کا قبضہ گزوں سے ہوگا اگر شمار کی جانے والی چیز ہے تو اس کا قبضہ شمار کرنے اور گننے سے ہوگا ان تمام چیزوں میں متعارف عرف دیکھا جائے گا۔

زمین کا رسماً رہن یا جو چیز قبضہ کے قائم مقام ہے......ظاہر ہے کہ رہن کے قبضہ کے مقصد مرتہن کو امین دینا ہے اور اطمینان اور بھروسہ سے فراہم کرنا ہے تاکہ وہ مرہون کو اپنے قبضہ میں روک سکے اور اس سے دین وصول کر سکے اور قبضہ کا مقصد صرف تعبد نہیں یعنی مطلب کو نافذ کرنا بغیر کسی مقصد کے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہ صحیح کہ کوئی چیز قبضہ کے قائم مقام ہو جو کہ دائن کو امین دے انہیں میں سے وہ ہے جو شہری قانون جو عقار میں رسمی رہن کے لیے وضع ہوا ہے اس میں عقاری رجسٹر مقرر ہوا ہے یہ مرہون کی حفاظت اور بقا کا ذریعہ ہے اور مرتہن کی مصلحت کے لیے یہ شرعی قبضہ کے قائم مقام ہے یہ وہی ہے جسے مالکیہ نے رسمی رہن کے سلسلہ میں برقرار رکھا ہے۔

قبضہ کی شرائط:

قبضہ کے لیے درج ذیل شرائط ہیں پہلی شرط......راہن کی اجازت سے قبضہ ہو فقہاء کا اتفاق ہے (۱) اس بات پر قبضہ کے صحیح ہونے کے لیے راہن کی اجازت ضروری ہے اسی سے رہن لازم ہوتا ہے اور راہن کا رہن سے رجوع کا حق ساقط ہوتا ہے، اگر مرتہن تعدی کرتے ہوئے راہن کی اجازت کے بغیر قبضہ کرے تو اس کا حکم ثابت نہ ہوگا اور یہ رہن پر قبضہ نہ کرنے کے درجہ میں ہوگا اگر راہن نے قبضہ کی اجازت دے دی پھر اجازت سے قبضہ سے پہلے رجوع کر لیا تو اجازت کا حکم ختم ہو جائے گا البتہ قبضہ کے بعد اس کا رجوع کوئی اثر نہیں رکھتا۔ اگر مرتہن کوئی چیز بطور غصب قبضہ کی پھر مغصوب منہ نے اسے رہن قرار دیا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ چیز غصب کے ضمان سے رہن کے ضمان کی طرف منتقل ہو جائے گی، لہٰذا مغصوب غاصب کے ہاتھ میں رہن ہوگا امام شافعی کے ہاں: اس طرح جائز نہیں بلکہ وہ ضمان غصب پر ہی باقی رہے گا یہاں تک کہ راہن کے پاس واپس آ جائے پھر وہ قبضہ کی اجازت دے دے اور غاصب غصب کے ضمان سے بری نہ ہوگا مغصوب منہ کے رہن رکھنے سے۔ اور اجازت کی دو قسمیں ہیں: **صریح** اور **دلالۃ**: اذن صریح: یہ کہ راہن کہے: میں تجھے قبضہ کی اجازت دیتا ہوں یا میں قبضہ پر راضی ہوں یا مرتہن کو رہن پر قبضہ کا حکم دیتے ہوئے کہے گا **اقبض** قبضہ کر لو، وغیرہ چاہے مجلس عقد ہی میں قبضہ ہو جائے یا بعد میں اور دلالۃً یا ضمناً اجازت یہ کہ مرتہن مجلس عقد میں مال مرہون پر قبضہ کر لے اور راہن خاموش رہے اور اس پر اعتراض نہ کرے تو اس کا قبضہ درست ہے اس لیے کہ رہن کا ایجاب ارادہ پر دلالت کر رہا ہے جس کا اثر عقد پر ہوگا اور یہ قبضہ ہی سے ہو سکتا ہے لہٰذا ایجاب ضمناً قبضہ کی اجازت ہے مجلس عقد میں نہ کے بعد میں اس لیے کہ مجلس ختم ہونے کے بعد رائے تبدیل ہو سکتی ہے امام زفر نے ہبہ کے قبضہ پر قیاس کیا ہے کہ صراحتاً قبضہ کی اجازت ضروری ہے اور رہن کی مجلس کے بعد قبضہ کرنا جائز نہیں اس لیے کہ ان کے ہاں قبضہ رکن ہے۔

دوسری شرط......عاقدین قبضہ کے وقت عقد کے اہل ہوں بایں طور کہ دونوں عاقل بالغ ہوں اور بچہ ہونے، مجنون ہونے یا بے وقوف ہونے یا مفلس ہونے کی وجہ سے اس پر پابندی نہ ہو اس لیے کہ قبضہ آثار رہن کا قول ہے اس میں وہی واجب ہے جو عقد میں واجب

(۱)...البدائع ۶/۱۳۸۔

ہے۔ یہ شوافع اور حنابلہ کی رائے ہے اور حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ ماذون بچہ کا رہن رکھنا رکھوانا جائز ہے اس لیے کہ رہن تجارت کے توابع میں سے ہے جو تجارت کا مالک ہے وہ رہن کا بھی مالک ہے مطلب یہ کہ عقد رہن اور قبضہ کے لیے بلوغ شرط نہیں مالکیہ بھی حنفیہ کی طرح ہیں۔

اگر عاقدین میں سے کوئی مجنون ہو گیا عقد کے بعد اور قبضہ سے پہلے یا مر گیا تو حنفیہ کے ہاں عقد باطل ہے تمام عقد سے پہلے عاقد کی اہلیت ختم ہونے کی وجہ سے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں رہن باطل نہیں ہوتا ہے جیسے وہ بیع جس میں خیار ہو مجنون کا ولی وغیرہ اس کے قائم مقام ہوگا جیسے مورث میت کے قائم مقام وارث ہوتا ہے اور اسی طرح قیم اور نگران بے وقوف کا قائم مقام ہے اگر اس پر بے وقوفی کی وجہ سے پابندی ہو لیکن اگر اس پر پابندی مفلسی کی وجہ سے ہو تو قیم رہن سپرد نہیں کر سکتا اور اگر اس پر بے ہوشی طاری ہو تو بھی مرتہن رہن پر قبضہ نہیں کر سکتا۔

مالکیہ کے ہاں...... راہن کی موت سے رہن باطل ہو جاتا ہے اسی طرح اس کے مجنون ہونے مفلس ہونے اور ایسا بیمار ہونے کی وجہ سے کہ اس بیماری میں مر جائے اور یہ سب کچھ قبضہ سے پہلے ہو تو رہن باطل ہے مرتہن کے مرنے مفلس ہونے یا جنون وغیرہ کی وجہ سے رہن باطل نہیں ہوتا کیونکہ عقد قول سے تمام ہو گیا اور اسے باقی رکھنے میں مرتہن کے لیے ظاہری نفع ہے لہٰذا اس کا وارث قبضہ میں اس کا قائم مقام ہوگا۔

اگر راہن مرض الموت میں قبضہ سے پہلے مبتلا ہو جائے تو حنفیہ کے ہاں اس کے لیے قبضہ دینا جائز نہیں جب کہ اس کا مال دین سے محیط ہو اور بھی اس سے قرض خواہ ہوں اس لیے کہ اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ بعض قرض خواہوں کو دین ادا کرے اور بعض کو نہ کرے چونکہ اس وقت ان سب کا حق اس کے مال کے ساتھ متعلق ہے الا یہ کہ سارے قرض خواہ راضی ہوں اور یہ مالکیہ کی رائے کے موافق ہے شوافع کے ہاں اصح اور حنابلہ کے ایک قول کے مطابق مریض کو اختیار ہے کہ وہ بعض قرض خواہ کو ادائیگی کے لیے خاص کرے اگرچہ دین سے اس کا مال محیط ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ وہ لینے اور پر واجب کو ادا کر رہا ہے اسے رہن کا قبضہ دینے کی اجازت ہے اور دونوں مذہبوں میں ایک قول یہ بھی ہے کہ سپرد کرنا جائز نہیں۔

تیسری شرط...... رہن کا قبضہ ہمیشہ ہو حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں قبضہ صحیح ہونے کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ قبضہ ہمیشہ کے لیے ہو اگر رہن پر قبضہ کیا پھر اسے مرتہن نے اپنے اختیار سے راہن کو واپس کر دیا یا اسے عاریت کے طور پر ودیعت کے طور پر، اجارہ کے طور پر خدمت کے طور پر، سوار ہونے کے لیے واپس کر دیا تو مالکیہ کے ہاں رہن باطل ہو جائے گا اور حنفیہ کے ہاں باطل نہیں ہوگا البتہ مرتہن کے ضمان سے نکل جائے گا اور مرتہن کو اپنے قبضہ میں لانے کا بھی اختیار ہے لزوم رہن زائل ہو جائے گا اور عقد باقی رہے گا حنابلہ کے ہاں گویا اس پر قبضہ ہو اہی نہیں اگر راہن نے واپس کیا تو اسے مرتہن کی طرف لوٹائے تو عقد سابق کے حکم میں لزوم بھی لوٹ آئے گا حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں عقد جدید کے بغیر رہن نہیں ہوگا۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا عمومی قول فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ (البقرۃ ۲ / ۲۸۳) ہے جس سے قبضہ کا شرط ہونا اور دائمی ہونا سمجھ میں آتا ہے شوافع کے ہاں جس چیز سے انتفاع اسے باقی رکھتے ہوئے ممکن ہو اس میں قبضہ صحیح ہونے کے لیے دائمی قبضہ شرط نہیں لہٰذا مرہون راہن کو عاریت کے طور پر دینے سے قبضہ سے مانع نہیں یا راہن کا مرتہن کی اجازت سے مرہون کو لینا اور سے سواری رہائش یا خدمت کے طور پر استعمال کرنا یہ دین کا وثیقہ باقی رہے گا دار قطنی اور حاکم کی روایت کی وجہ سے رہن پر سواری کی جائے اور اسے دھویا جائے اور بخاری کی حدیث جانور کی پیٹھ اس کے نفقہ سے سواری کے لیے استعمال کی جائے جب کہ وہ رہن ہو نیز رہن میں ابتداء میں قبضہ معتبر ہے ہبہ کی طرح اس کا دوام شرط نہیں لیکن اگر مرہون ایسی چیز ہو کہ اس سے اسے صرف وخرچ کیے بغیر نفع اٹھانا ممکن نہ ہو تو راہن کے لیے اس سے نفع اٹھانے کے لیے واپس لینا جائز نہیں ہمیشہ کے لیے مرتہن کا اس پر قبضہ واجب ہے اس لیے کہ اس کے حق کا ضمان اس کے علاوہ کچھ نہیں یہاں تک کہ اس کا

حق ضائع یا تلف نہ ہوجائے۔

رہن پر سابقہ قبضہ یا جو کچھ مرتہن کے پاس ہے اسے رہن رکھنا......اگر مرہون مرتہن کے ہاتھ میں پہلے سے عاریت ودیعت اجارہ یا غصب کے طور پر موجود ہوتو آیا کیا عقد رہن کے لیے یہی سابقہ قبضہ کافی ہے اور عقد صحیح اور صرف ایجاب وقبول سے ہی لازم ہوجائے گا یا نیا قبضہ رہن کے لیے دوسری دفعہ ضروری ہے؟ اس میں دو رائے ہیں ایک جمہور کی اور ایک شوافع کی۔ جمہور یعنی حنفیہ، مالکیہ، اور حنابلہ کے ہاں: قبضہ سابق ہی رہن کے قبضہ کے لیے کافی ہے اور تجدید قبضہ کی ضرورت نہیں۔ حنفیہ نے ابتداء کے اعتبار سے ہبہ اور رہن کی مناسبت سے فرمایا: اگر مرہون پر عقد کے وقت قبضہ ہوتو یہ قبضہ رہن کے قائم مقام ہوا جب کہ دونوں قبضے مجانس ہوں بایں طور دونوں قوت کے اعتبار سے دونوں مائل ہوں اگر مختلف ہوں تو اعلیٰ ادنیٰ کا نائب ہوگا۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ قبضہ کی دو قسمیں ہیں کما تبین فی الھبۃ، قبضہ امانت اور قبضہ ضمان، امانت کا قبضہ جیسے ودیعت وغیرہ میں اور ضمان کا قبضہ جیسے غصب وغیرہ میں دوسرا پہلے سے قوی ہے جب دونوں قبضے ایک جنس کے ہوں سابقہ اور دوسرا مطلوبہ یعنی ایک ہی نوع کی ہوں بایں طور کہ دونوں قبضے امانت ہوں یا ضمان کے ہوں تو پہلے قبضہ دوسرے کے قائم مقام ہوگا اور قبضہ رہن قبضہ امانت ہے اور یہاں پر ایسی حالت نہیں کہ کوئی قبضہ رہن کے قبضہ سے ادنیٰ ہو اگر دائن کے پاس موجود مال بطور ودیعت عاریت یا اجارہ ہو پھر راہن اسے دائن کے پاس رہن رکھے تو رہن لازم ہوگا تجدید قبضہ کے بغیر اس لیے کہ ودیعت وغیرہ کا قبضہ اور رہن کا متجانس ہیں دونوں امانت کے قبضے ہیں ایک دوسرے کے قائم مقام ہوگا اگر دائن کے پاس موجود مال غصب شدہ ہو پھر راہن غاصب کے پاس اسے کسی دین بیع یا قرض کی وجہ سے اسے کے پاس رہن رکھے تو غصب کا قبضہ نائب ہوگا رہن کے قبضہ کا کیونکہ ضمان کا قبضہ قوی ہے رہن کے قبضہ سے اور اعلیٰ وادنیٰ کے قائم مقام ہوتا ہے۔

مالکیہ کے ہاں بھی سابقہ قبضہ رہن کے نائب ہے اس لیے کہ ان کے ہاں قبضہ کا مقصد جمع کرنا ہے اور وہ موجود ہے اور انہوں نے تصریح کی ہے کہ عین مستاجرہ کو متاجر کے پاس مدت اجارہ ختم ہونے سے پہلے رہن رکھنا جائز ہے اور عقد مساقات کے طور پر عامل کے پاس موجود باغ کو رہن رکھنا۔ حنابلہ کے ہاں بھی اسی طرح ہے کہ جب مرتہن کے پاس عاریت اجارہ ودیعت یا غصب کے طور پر موجود چیز کو رہن رکھا جائے تو یہ صحیح ہے ایجاب وقبول سے یہ لازم ہوگا بغیر کسی اضافہ کے کیونکہ مال مرہون پر قبضہ موجود ہے اور قبضہ ہے ہی ہاتھ کے ثبوت کے لیے۔

۲۔ شوافع اور حنابلہ میں سے قاضی ابویعلی کے ہاں قبضہ تو سابقہ ہی کافی ہے لیکن رہن مقبوض وہ چیز نہ ہوگی جب تک اتنی مدت نہ گزر جائے جس میں قبضہ ہوسکتا ہے اگر منقولی چیز ہے تو اتنی مدت گذرنا جس میں اسے منتقل کرنا ممکن ہو اور اگر مکیلی ہے تو اتنی مدت جس میں کیل ممکن ہے اگر غیر منقولی ہے تو اتنی مدت گذرنا جس میں تخلیہ ہوسکے اور اگر وہ مرتہن سے غائب ہوتو اس وقت تک قبضہ شمار نہیں ہوگا حتی کہ وہ خود یا اس کا وکیل ادائیگی کرلے پھر قبضہ کی مدت گزر جائے اس لیے کہ عقد قبضہ کا محتاج ہے اور قبضہ یا تو فعلی طور پر ہوگا یا اس کا امکان ہوگا اور وہ کسی زمانے ہی میں ہوگا جمہور کہتے ہیں اگر مرتہن کا مال مرہون پر پہلے سے قبضہ ضمان تھا تو رہن کی وجہ سے وہ قبضہ امانت بن جائے گا اس لیے کہ رہن کی وجہ سے ضمان کا سبب ختم ہوگیا لہٰذا ضمان کا اثر سبب کے زائل ہونے کی وجہ سے زائل ہوگیا دلیل یہ ہے کہ مال کو مالک تک پہنچانے کی وجہ سے ضمان کا مقتضیٰ ختم ہوگیا اور ضمان کا سبب غصب یا عاریت تھی جو مستعیر کے قبضہ کو قبضۂ ضمان کہتے ہیں ان کے ہاں اور وہ حنابلہ ہیں اب رہن رکھنے کی وجہ سے مرتہن نہ تو غاصب ہے نہ ہی مستعیر سبب ختم ہونے کی وجہ سے حکم باقی نہیں رہے گا۔

شوافع کے ہاں سابقہ قبضہ اگر ضمان کا تھا تو وہ اسی طرح باقی رہے گا اگر مرتہن کے پاس مال مرہون بطور غصب یا عاریت تھا تو رہن کی وجہ سے وہ غصب سے بری نہیں ہوگا اس لیے کہ دونوں چیزوں میں کوئی منافات نہیں اس لیے کہ قبضہ امانت جس کا مقصد وثیقہ اور پختگی ہے اور قبضہ

ضمان میں کوئی منافات نہیں اس وجہ سے کہ اگر مرتہن مرہون پر تعدی کرے تو رہن باقی رہنے کے ساتھ وہ اس کا ضامن ہوگا جب عقد رہن ضمان کے باوجود ختم اور باطل نہیں ہوتا اور ابتداء ضمان رہن کی وجہ سے بدرجہ اولی ختم نہیں ہوگا۔لیکن غاصب کو وہ چیز ودیعت کردینا اسے غصب سے بری کردیتی اصح قول کے مطابق اس لیے کہ ودیعت اطمینان ہے جو ضمان کے منافی ہے اس وجہ سے کہ اگر ودیعت میں تعدی کرے گا تو امین نہیں رہے گا برخلاف رہن کے۔

قبضہ رہن کا متولی کون......رہن کے قبضہ کا متولی مرتہن یا اس کا وکیل ہے اور یہ صحیح نہیں کہ راہن اس کا وکیل ہو اس لیے کہ قبضہ کا مقصد مرتہن کو امین دینا ہے اور راہن کے قبضہ کی وجہ سے امین باقی نہیں رہے گا اور یہ بات جائز ہے کہ راہن اور مرتہن اس بات پر اتفاق کرلیں کہ رہن کسی دوسرے شخص کے پاس رکھ دیا جائے جسے وہ دونوں منتخب کریں تا کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور اس پر قبضہ کرے اسے عدل کا نام دیا جاتا ہے اسے لیے کہ کبھی تو راہن مرتہن کے پاس رکھنا پسند نہیں کرتا اور کبھی مرتہن اس کے پاس چھوڑنا پسند نہیں کرتا کسی بھی وجہ سے۔

عدل (امین) اس کی تعیین معزول کرنا، اس کے اختیارات اس پر واجبات اور اس کے احکام۔

امین کی تعیین......امین وہ شخص جس پر راہن اور مرتہن رہن رکھنے کے سلسلے میں مطمئن ہوں کہ وہ اس کی حفاظت ونگرانی کرے یہ راہن اور مرتہن دونوں کی جانب سے نائب سمجھا جاتا ہے راہن کی جانب سے تو اس طرح کے راہن نے اسے منتخب کیا ہے اس کی امانت ودیانت پر اعتماد کرتے ہوئے تا کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور مرتہن کی طرف سے اس طرح کہ وہ قبضہ میں اس کا وکیل شمار ہوتا ہے مرتہن کی رضامندی کی وجہ سے بلکہ وہ رہن کو روکنے والا ہے دین کی وصولی تک۔عدل اور امین میں دو صفتیں ہونی چاہیں ایک امانت داری والی صفت اس وجہ سے کہ وہ راہن مالک کا نائب ہے اور اس کے پاس عین مرہون ودیعت ہے اور دوسری ضمان والی صفت اس طور پر کہ وہ مرتہن کا نائب ہے اور مالیت مرہون میں ودیعت ہے اور اس وجہ سے کہ امین راہن اور مرتہن کی جانب سے وکیل ہے لہٰذا اس کے لیے وہی شرائط ہیں جو وکیل کے لیے ہیں لہٰذا وہ ناسمجھ بچہ نہیں ہونا چاہے اور نہ ہی جنون یا بے وقوفی کی وجہ سے اس پر پابندی ہونی چاہے تمام فقہاء کے ہاں جیسا کہ جمہور کے ہاں وہ سمجھدار بچہ نہیں ہونا چاہئے اور مدین مکفول عنہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے پاس رہن رکھا جائے کیونکہ اس صورت میں وہ اپنے لیے کام کرنے والا ہوگا۔

اسی طرح شریک بھی امین نہیں بن سکتا مال مضاربت کا مالک بھی رہن کا امین نہیں بن سکتا۔اگر دونوں اس بات پر اتفاق کرلیں مرتہن کے قبضہ سے پہلے کہ امین راہن ہی ہوگا تو بالاتفاق رہن صحیح نہیں کیونکہ عقد کے حق میں شرط فاسد پائی گئی ہے اور اگر یہ اتفاق مرتہن کے بعد ہو تو شوافع کے ہاں جائز ہے اس لیے کہ ان کے ہاں مرتہن کا دائمی قبضہ ضروری نہیں البتہ جمہور کے ہاں امین صحیح نہیں۔

راہن اور مرتہن کے متعلق کرنے سے امین کی تعین حاصل ہوگی چاہے مرتہن کے قبضہ سے پہلے ہو یا بعد میں اس کہ کبھی اس کی ضرورت راہن کے انکار کی وجہ سے پیش آتی ہے کہ وہ دائن پر مطمئن نہیں ہوتا۔ جب امین رہن پر قبضہ کرلے تو اس کا قبضہ صحیح ہے اور جمہور فقہاء کے ہاں اس سے رہن لازم ہوگا اور اس لیے کہ اس نے ایسے عقد میں قبضہ کیا ہے جس میں وکالت جائز ہے اور امین مرتہن کی جانب سے قبضہ کا وکیل ہوگا رہن کی مالیت کے اعتبار سے اور یہ راہن کی جانب سے بھی وکیل ہے تعین رہن کے سلسلہ میں اور یہ قبضہ امانت ہے۔

اور بعض کے ہاں جیسے ابن ابی لیلیٰ زفر اور قتادہ رحمہم اللہ کے ہاں عادل اور امین کا قبضہ درست نہیں کیونکہ یہ قبضہ تمام عقد کے لیے ہے لہٰذا عاقدین میں سے کسی ایک کا قبضہ ضروری ہے اور وہ مرتہن ہے جیسے ایجاب قبول رہن کے عاقدین کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ دو امینوں کے پاس رہن رکھیں وہ دونوں اس کی حفاظت کریں نہ ایک اگر ایک نے دوسرے کے سپرد کردیا تو وہ اس کے نصف کا ضامن ہوگا یعنی اتنی مقدار میں جس میں اس نے تعدی کی ہے یہ حنابلہ اور شوافع کے ہاں کیونکہ راہن اور مرتہن دونوں کی حفاظت ہی پر راضی ہیں لہٰذا کسی ایک کا اکیلے طور پر

حفاظت کرنا صحیح اور جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اگر رہن تقسیم ہوسکتا ہے تو دونوں کو تقسیم کر کے دے دیا جائے گا ورنہ ہر ایک کو اس پورے کو حفاظت میں رکھنا ضروری ہے کیونکہ دونوں کا اکٹھے اس کی حفاظت کرنے انہیں مشقت میں ڈال دے گا اور صاحبین کے ہاں اگر ایک دوسرے کی حفاظت پر راضی ہو تو جائز ہے۔

امین معزول کرنا...... درج ذیل حالات میں امین معزول ہوگا۔ اقالہ کرنا جب امین رہن کو عاقدین کے سپرد کر دے تو اس کی وکالت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وہ امین ہے اور حفاظت اس کی جانب سے احسان ہے لہٰذا دائمی طور پر وہ اس کے ذمہ لازم نہیں اگر وہ واپس لینے سے انکار کر دیں تو قاضی انہیں واپس لینے پر مجبور کرے یا کسی دوسرے امین کو دے دے۔

۲۔ اس کی ولایت ختم ہونا...... جب عاقدین امین کو معزول کرنے پر اتفاق کر لیں یا اسے تبدیل کرنے پر یا مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہو تو امین معزول ہوگا اس لیے کہ وہ دونوں کی جانب سے وکیل تھا اگر دونوں کا اتفاق نہ ہو سکے تو معاملہ قاضی کے سپرد ہوگا وہ چاہے تو اسے تبدیل کرے یا اسے باقی رکھے۔ رہن فروخت کرے مرتہن کا دین اس کے ثمن سے ادا کرے۔ راہن کا مر جانا اور حنفیہ کے ہاں ظاہر روایت کے اعتبار سے مرتہن کے مرنے کا اعتبار نہیں جب راہن مر گیا اور امین عقد رہن کے بعد متعین ہونا تھا تو امین معزول ہوگا کیونکہ اس حالت میں وہ وکیل ہے اور موکل کی موت کی وجہ سے وکالت ختم ہو جاتی ہے اگر مرتہن مر جائے تو حنیفہ کے ہاں اس کے وارث رہن کو روک سکتے ہیں کیونکہ دین ان کی جانب منتقل ہو گیا ہے اس کے وثیقہ کی وجہ سے لہٰذا روکنے کا حق بھی انہیں ہے۔

لیکن اگر امین کی تعیین عقد رہن میں ہو جائے تو پھر امین نہ راہن کے مرنے سے معزول ہوگا نہ مرتہن کے مرنے سے اس لیے کہ امین کی تعیین رہن کے تابع ہے اور رہن عاقدین میں سے کسی کے مرنے سے باطل نہیں ہوتا لہٰذا امین جو تابع ہے وہ بھی معزول نہ ہوگا حنابلہ اور شوافع کے ہاں راہن کے مرنے سے تو امین معزول ہوگا کیونکہ وہ اس کا وکیل ہے البتہ مرتہن کے مرنے سے معزول نہ ہوگا کیونکہ وہ اس کا وکیل نہیں۔ امین کا مر جانا اگر امین مر جائے تو اس کے ورثاء کو رہن روکنے کا اختیار نہیں ہاں اگر عاقدین راضی ہوں تو الگ بات ہے۔ عادل کا مجنون ہو جانا جب امین مجنون ہو جائے اور اس سے شفاء ممکن نہ ہو تو وہ معزول ہو جائے گا لیکن اگر اس سے شفاء کی امید ہو تو معزول نہ ہوگا۔

۷۔ راہن کا امین کو معزول کرنا...... شوافع اور حنابلہ کے ہاں راہن کے معزول کرنے سے امین معزول ہو جائے گا چاہے اسے عقد رہن میں متعین کیا گیا ہو یا بعد میں کیونکہ وہ اس کا وکیل ہے لیکن مرتہن کے معزول کرنے سے وہ معزول نہیں ہوگا اس لیے کہ یہ اس کا وکیل نہیں جیسے کہ راہن کے مرنے کی صورت میں اس کا حکم ہے۔

حنیفہ کے ہاں...... اگر امین کا تعین رہن کے بعد ہو تو راہن اسے معزول کر سکتا ہے لیکن دوران عقد اس کا تعین ہو تو وہ اسے معزول نہیں کر سکتا، امام مالک کے ہاں: راہن کے معزول کرنے سے امین معزول نہ ہوگا کیونکہ اس کی وکالت رہن کے حقوق میں سے ہو گئی لہٰذا راہن کو اسے ساقط کرنے کا حق نہیں جیسے باقی حقوق ہیں۔

خلاصہ یہ کہ راہن کے مرنے یا اس کے معزول کرنے سے شوافع اور حنابلہ کے ہاں امین معزول ہو جائے گا اس لیے کہ وکالت غیر لازم اور جائز عقد ہے لہٰذا راہن کو اسے باقی رکھنے پر مجبور نہ کیا جائے گا، حنیفہ کے ہاں رہن سے متاخر تعین کی صورت میں تو معزول ہوگا لیکن دوران رہن تعین کی صورت میں معزول نہ ہوگا مالکیہ کے ہاں: وہ معزول نہ ہوگا اور اس بات پر ان کا اتفاق ہے کہ امین مرتہن کے معزول کرنے سے معزول نہ ہوگا اور نہ ہی اس کی موت سے کیونکہ یہ راہن کا وکیل ہے کیونکہ رہن اس کی ملکیت ہے اگر وہ انفرادی طور پر اسے وکیل بنائے تب بھی صحیح ہے غیر کے معزول کرنے سے معزول نہ ہوگا۔

امین کے احکام حقوق وواجبات......امین کے لیے درج ذیل حقوق واجبات ہیں:

۱......امین پر واجب ہے کہ وہ رہن کی حفاظت کرے جیسے اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے خود اس کی حفاظت کرے یا کسی ایسے شخص کے ذریعہ حفاظت کرائے جس سے اپنے مال کی حفاظت کراتا ہے کیونکہ حفاظت میں وہ ودیع کے حکم میں ہے۔

۲......اس پر واجب ہے کہ وہ اسے اپنے قبضہ میں رکھے اور اس کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے کی اجازت کے بغیر کسی ایک یعنی راہن یا مرتہن کے حوالے کرے کیونکہ دونوں نے متفقہ طور پر رہن اس کے قبضہ میں رکھا ہے اور ان کی ایک دوسرے کی حفاظت پر رضامندی نہیں اور مرتہن یا راہن کو بھی یہ اختیار نہیں کہ وہ امین سے رہن لیں اس لیے کہ رہن میں دونوں کا حق ہے۔ راہن کا حفاظت میں اور مرتہن کا وصول میں کوئی ایک بھی دوسرے کے حق کو باطل کرنے کا مالک نہیں۔

اگر امین نے دوسرے کی رضامندی کے بغیر کسی ایک کو رہن دے دیا تو دوسرے کو اختیار ہے وہ واپس امین کے قبضہ میں رکھوائے، اگر واپس کرنے سے پہلے رہن کسی ایک کے قبضہ میں ہلاک ہوگیا تو امین اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اس کی طرف سے تعدی پائی گئی ہے ایک کو دینے کی وجہ سے یعنی دین اور اس کی قیمت میں سے جو کم ہو اس کا ضامن ہوگا یہ حنیفہ اور مالکیہ کے ہاں بالاتفاق ہے اور یہ صورت بھی حکم میں اسی کے مثل ہے کہ دین ختم ہونے سے پہلے امین اجنبی کے سپرد کردے اس کی رضامندی کے بغیر اور جب امین اس کی قیمت کا ضامن ہوگیا تو وہ ان دونوں کو دے گا اور پھر وہ دونوں اس کے پاس رہن رکھیں دین کی ادائیگی تک اور امین کے لیے جائز نہیں کہ وہ بذات خود رہن کی قیمت کو اپنے قبضہ میں رہن رکھے کیونکہ یہی قیمت دینے والا ہے اگر خود رہن رکھ لے گا تو یہ قاضی بھی ہوگا اور جس کے خلاف فیصلہ ہوا وہ بھی ہوگا اور ان دونوں میں منافات ہے جب راہن نے دین ادا کردیا اب وہ امین سے رہن کی قیمت لینا چاہتا ہے تو دیکھیں گے اگر امین نے راہن کے سپرد کرنے کی وجہ سے ضمان دیا ہے تو اب راہن کے لیے اس سے رہن کی قیمت لینا جائز نہیں کیونکہ یہ عین رہن کا بدل ہے اور اس صورت میں امین بھی مرتہن سے ضمان کا رجوع نہیں کرسکتا جب کہ اس نے اسے عاریت یا ودیعت کے طور پر دیا ہو اس لیے کہ امین نے اس ملکیت کو اس کے حوالے کیا ہے جب اس کی قیمت ادا کردی لیکن اگر اس نے اس بطور رہن دیا ہو تو پھر یہ مرتہن پر مضمون ہوگا جیسے خریدنے کی نیت پر کوئی چیز قبضہ میں لینا کیونکہ یہ بطور ضمان ہے۔

۳......امین رہن سے نفع نہیں اٹھا سکتا اور نہ ہی اس میں کسی قسم کا تصرف مثلاً اجارہ عاریت وغیرہ کرسکتا ہے کیونکہ اس کے ذمہ واجب روکنا ہے اسے انتفاع اور تصرف کا حق نہیں اور نہ ہی اسے فروخت کرنے کا اختیار ہے الا یہ کہ عقد رہن میں اسے بیع پر مسلط کیا گیا ہو یا اس کے بعد جب امین فوت ہوگیا تو اس کے ورثاء کے لیے حلال نہیں کہ وہ اسے فروخت کریں اس لیے کہ وہ وکالت میں میراث نہیں اسی طرح بیع میں اس کا وصی بھی قائم مقام نہ ہوگا اس لیے کہ راہن اس کے وصی کی رائے پر راضی نہیں۔ امام ابو یوسف کے ہاں وصی اس کے قائم مقام ہوگا اس لیے کہ وکالت لازم ہے تو اس کا وصی ایسے ہی ہے جیسے عامل مضارب جب مرجائے ان پر رد کیا گیا ہے کہ مضارب کے لیے اپنی زندگی میں وکیل بنانے کی ولایت ہے مالک مال کی اجازت کے بغیر برخلاف امین کے لہٰذا مضاربت میں وصی قائم مقام ہوسکتا ہے جیسے بچے کے مال کا اس کا باپ اگر امین نے رہن کو فروخت کردیا تو رہن شمار نہیں ہوگا اس لیے کہ وہ مشتری کی ملکیت بن گیا اور اس کے ثمن رہن ہوں گے اس لیے کہ یہ اس کے قائم مقام ہیں اور امین رہن سے پیدا شدہ چیز کو فروخت کرسکتا ہے کیونکہ وہ اصل کے تابع ہے اور اسے رہن کے مثل قیمت یا اس سے کم پر جس میں عام طور پر لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں فروخت کرنے کی اجازت ہے اور نقد ادھار امام صاحب کے ہاں اور اسے مدت دین پوری ہونے سے پہلے بھی فروخت کرنے کی اجازت ہے کیونکہ اس کے ثمن رہن ہوں گے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں امین فرق ثمن مثل کے ساتھ نقد فروخت کرسکتا ہے جیسے وکیل جب امین نے فروخت کرکے ثمن پر قبضہ کرلیا تو اس کے پاس ثمن راہن کے ضمان میں رہیں گے کیونکہ وہ مالک ہے اور عدل امین ہے جب تک مرتہن قبضہ نہ کرے۔

۴.....اگر رہن امین کے ہاتھ میں بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو گویا یہ مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہوا اس لیے کہ مالیت رہن کے اعتبار سے امین کا قبضہ مرتہن کے قبضہ کی طرح ہے اور اس صورت میں حنیفہ کے ہاں مرتہن ضامن ہوگا رہن کی قیمت اور دین میں سے جو کم ہو اس کا جب امین نے تعدی کی وجہ سے رہن کی قیمت کا ضمان دے دیا یا اجنبی تعدی کرنے والے نے ضمان ادا کر دیا تو گو امین نے اسے بغیر حق کے دیا تھا اب امین اس کی قیمت کو اپنے قبضہ میں رہن نہیں رکھ سکتا اس لیے کہ اس پر دونوں صورتوں میں یہ واجب ہے اور ایک یا شخص خود فیصلہ کرنے والا بھی ہو اسی کے خلاف فیصلہ بھی ہو یہ نہیں ہوسکتا لیکن راہن اور مرتہن اسے لے لیں پھر اسے اسی امین کے پاس رہن رکھیں یا کسی اور کے پاس شوافع اور حنابلہ کے ہاں اجنبی کی صورت میں تو وہ رہن رہے گا اسی کے پاس۔

اگر رہن کو کوئی مستحق نکل آیا اور رہن امین کے پاس تھا تو اسے مستحق لے لے گا اور رہن باطل ہو جائے گا اور اگر اس کی ہلاکت کے بعد مستحق نکل آیا تو اسے اختیار ہے کہ وہ اب راہن کو قیمت کا ضامن بنائے یا امین کو ضامن بنائے اور امین راہن پر رجوع کرے۔

۵.....حنیفہ کے ہاں بیع پر مسلط امین کے لیے اپنے آپ کو معزول کرنا جائز نہیں الا یہ کہ مرتہن راضی ہو اس کے حق کی رعایت کی وجہ سے اور یہ بیع کی وکالت عقد رہن میں مشروط ہو جب دین کی مدت پوری ہو جائے اور وہ بیع سے انکار کرے تو اسے بیع پر مجبور کیا جائے گا۔ اور اس پر زبردستی اس طرح ہوگی کہ قاضی کچھ مدت تک اسے گرفتار کرے تا کہ وہ فروخت پر تیار ہو اگر قید ہونے کے بعد بھی اس نے انکار کر دیا تو قاضی خود اسے فروخت کرے اس لیے کہ اس حالت میں رہن فروخت کرنا مرتہن کا حق ہے اور اگر عقد رہن کے بعد بیع کا وکیل بنایا تو امین اپنے آپ کو معزول کر سکتا ہے اس لیے کہ مستقل نئی وکالت ہے اس پر وکالت کے احکام منطبق ہوں گے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کے ہاں وہ اپنے آپ کو معزول نہیں کر سکتا شوافع اور حنابلہ کے ہاں تمام حالتوں میں وہ اپنے آپ کو معزول کر سکتا ہے اس لیے کہ وہ علیحدہ وکیل ہے لہٰذا اسے وکالت جاری رکھنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

چھٹا مقصد: جن چیزوں کو رہن رکھنا جائز ہے اور جن کو نا جائز.....سابقہ شرائط کی وجہ سے اور خاص کر قبضہ کی شرط کی وجہ سے یہاں کچھ حالتیں ہیں جو مزید بیان و تفصیل چاہتی ہیں ان میں سے اہم یہ ہیں۔

ا۔ مشاع چیز کا رہن.....فقہاء کا مشاع چیز کے رہن میں اختلاف ہے حنیفہ کے ہاں جائز نہیں جمہور کے ہاں جائز ہے اور اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ آیا مشاع چیز پر قبضہ اور اس سے ملکیت حاصل ہو سکتی ہے یا نہیں حنفیہ کے ہاں مشاع چیز کو رہن رکھنا جائز نہیں چاہے وہ تقسیم ہو سکتی ہو یا نہ شریک کے پاس رکھنا نہ غیر کے پاس صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں رہن فاسد ہے قبضہ کی وجہ سے ضامن ہوگا اس لیے کہ قبضہ تمام عقد اور لزوم عقد کے لیے شرط ہے اس کے جواز اور انعقاد کے لیے شرط نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ رہن سے وصولی کے قبضہ کا ثبوت ہوتا ہے اور مرہون کو ہمیشہ کے لیے روکنے کا استحقاق اور مشاع میں دائمی روکنا مقصود نہیں اس لیے کہ اس کے قبضہ میں مہایات ہے گویا راہن ایک دن اسے رہن رکھ رہا ہے اور ایک دن نہیں لہٰذا یہ صحیح نہیں چاہے تقسیم ہو سکتا ہو یا نہ اگر چہ شریک سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس کے قبضہ میں مہایات پائی جاتی ہے بلکہ اس کا قبضہ یا ایک عام جزو کی ملکیت علیحدہ طور پر متصور نہیں کہ دوسرا جزو مرہون نہیں لہٰذا اس کا قبضہ صحیح نہیں اور شیوع شائع جزو میں تحقیق و ثبوت سے مانع ہے چاہے تقسیم ہو سکے یا نہ برخلاف ہبہ کہ اس میں جو تقسیم نہ بھی ہو سکے ضرورت کی بناء پر اس لیے کہ یہ ملکیت کا فائدہ دیتی ہے اور شیوع اس کے منافی نہیں لہٰذا ممکنہ قبضہ کافی ہے اور یہ حکم چاہے شیوع عقد کے دوران ہو یا بعد میں طاری ہو جب بھی ہو رہن کو فاسد کر دیتا ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے شیوع طاری عقد کو فاسد نہیں کرتا اس لیے کہ بقاء میں بعض چیزیں معاف ہیں جو ابتداء میں نہیں جیسے ہبہ میں شیوع طاری اسے فاسد نہیں کرتا۔ ان پر رد کیا گیا ہے کہ قبضہ سے مانع علت شیوع ہے اور اس میں ابتداء اور انتہاء دونوں برابر ہیں برخلاف ہبہ کے کیونکہ ملکیت شیوع کے منافی نہیں۔

جمہور کے ہاں...... مشاع کا رہن اس کا ہبہ اس کا صدقہ اور اس کا وقف صحیح ہے جیسے کل کا رہن صحیح چاہے شریک سے ہو یا غیر سے چاہے تقسیم ہو سکتا ہو یا نہ اس لیے کہ ہر وہ چیز جس کی بیع درست ہے اس کا رہن بھی درست ہے اور رہن کی غرض یہی ہے کہ جب وصولی ممکن نہ ہو تو مرہون کو فروخت کر کے اس ثمن سے دین وصول کیا جائے اور مشاع بیع کے قابل ہے لہٰذا اس کے ثمن سے وصولی ممکن ہے ان کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کی بیع جائز ہے اس کا رہن بھی جائز ہے چاہے مشاع ہو یا نہ ہو۔

اس کے قبضہ کی تو مالکیہ کے ہاں جس کا راہن مالک ہے اس تمام حصہ پر قبضہ واجب ہے جسے رہن رکھ رہا ہے اور جسے رہن نہیں رکھ رہا تا کہ راہن کا قبضہ مرہون میں تحویل نہ ہو اور رہن باطل ہو جائے اگر غیر مرہون جز دراہن کی ملک میں نہ ہو تو مرہون جزو کا قبضہ کافی ہے اور راہن اپنے حصہ میں رہن میں شریک سے اجازت نہ لے اس لیے کہ شرکا کوئی نقصان نہیں یہ ابن قاسم کا قول ہے البتہ اجازت لینا مندوب ہے دل جوئی کی وجہ سے اور اشہب کے ہاں اجازت لینا واجب ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں عقار مشاع میں قبضہ تخلیہ سے ہوگا اگر چہ شریک اجازت نہ بھی دے اور منقول میں لینے سے قبضہ ہوگا اور اس میں شریک کی اجازت شرط ہے۔ اور اسے شریک کی اجازت کے بغیر منتقل کرنا جائز نہیں اگر وہ انکار کر دے اور مرتہن شریک قبضہ پر راضی ہو تو جائز ہے اور وہ قبضہ میں اس کا نائب ہوگا اور جب مرتہن اور شریک میں جھگڑا ہو جائے تو حکم امین مقرر کر کے اس کے قبضہ میں دے دے یا تو امانت کے طور پر یا اجرت کے ساتھ مرتہن اور شریک میں مہایات جاری ہوئی۔

۲۔ غیر ملی ہوئی چیز اور مشغول کا رہن...... اس میں اختلاف مشاع میں اختلاف کی طرح ہے۔

حنیفہ کے ہاں...... مرہون کے غیر سے متصل چیز کا رہن صحیح نہیں جیسے پھل درخت پر بغیر درخت کے اور کھیتی زمین میں بغیر زمین کے اور درخت زمین میں بغیر زمین کے اور زمین کھیتی اور درختوں والی بغیر ان کے اس لیے کہ مرہون غیر سے متصل ہے لہٰذا اس کے علاوہ اس کو روکنا متعذر رہے یہ مشاع کے رہن کی طرح ہے اسی طرح مرہون کے غیر سے مشغول چیز کا رہن بھی صحیح نہیں جیسے گھر جس میں راہن کا سامان ہو بغیر سامان کے رہن رکھنا اس لیے کہ مرہون غیر سے مشغول ہے اور اس کا روکنا ممکن نہیں یہ مشاع کے رہن کے معنی میں ہے۔

اور جمہور کے ہاں جو مشاع کے رہن کے جواز کے قائل ہیں یہ متصل اور مشغول کے رہن کو جائز قرار دیتے ہیں اس لیے کہ اس کو سپرد کرنا ممکن ہے اور رہ گیا گھر میں موجود سامان تو وہ تصریح اور وضاحت کے بغیر رہن جب داخل نہیں اس لیے کہ وہ گھر کے تابع نہیں۔ حنابلہ کے ہاں گھر اور زمین کے زمین میں وہ چیزیں داخل ہوں گی جو بیع میں داخل ہوتی ہیں جب زمین رہن رکھی تو درختوں کے داخل ہونے میں دو صورتیں ہیں اور جب پھلدار درخت رہن رکھے تو جو پھل ظاہر ہیں وہ درختوں کے ساتھ رہن میں داخل نہیں اور شوافع کے ہاں پھل کسی صورت میں بھی رہن میں داخل نہیں اگر گھر رہن رکھا اس کے اور مرتہن کے درمیان سے نکل گیا اور اس میں عقد رہن کیا پھر راہن نکلا تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں یہ رہن صحیح ہے اور حنیفہ کے ہاں صحیح نہیں جب تک کہ وہ اس سے نکل نہ جائے۔

۳۔ دین کو رہن رکھنا...... مالکیہ دین کے رہن کے جواز کے قائل ہیں باقی نہیں حنیفہ کے ہاں: دین کا رہن جائز نہیں اس لیے کہ وہ مال نہیں اس لیے کہ ان کے ہاں مال صرف عین ہی ہو سکتا ہے اور دین میں قبضہ بھی متصور نہیں کیونکہ قبضہ صرف عین کا ہو سکتا ہے اگر خالد دائن ہو عمر کا سو دینار کا اور عمر دائن ہو خالد کا سو من گندم کا تو عمر کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے گندم کو خالد کے دین کے بدلہ میں رہن رکھے یہ دین کا رہن ہے مدیون کے پاس اس طور پر کہ دائن پر موجود دین اس دین کے بدلے رہن رکھنا ہے جو اس پر ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں بھی حکم اسی طرح ہے کہ مرہون کی شرط یہ ہے کہ وہ عین ہو اور اس کی بیع صحیح ہو اور دین کا رہن صحیح نہیں ہر حالت میں کیونکہ اسے سپرد کرنے کی قدرت نہیں۔ شوافع کے ہاں دین کو رہن رکھنا اس حالت میں ممنوع ہے کہ جب ابتداء سے دین کو رہن رکھا جائے۔ رہ گئی انتہاء کی حالت تو رہن سے کچھ بھی مانع نہیں جیسے مرہون کا ضمان جنایت کے وقت اس کا بدل جنایت کرنے والے کے ذمہ ہے رہن دین کے بدلے اس لیے کہ دین ضرورت کی

وجہ سے رہن بن گیا ہے بقاء کے اعتبار سے یہی وجہ ہے کہ راہن کی لیے ممنوع ہے کہ وہ اسے مرتہن کی رضا کے بغیر بری کر دے لیکن میں کہتا ہوں اس کی کچھ حاجت نہیں کہ رہن کا جو ضمان ذمہ میں ہے اسے دین شمار کیا جائے بلکہ وہ واقع میں دین ہے اس کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے جیسے اس دائن کا حق جو مدین کا ہو اور وہ انتقال کر گیا ہو اور اس کے غیر کے پاس دیون ہوں۔

مالکیہ کے ہاں...... ہر اس چیز کا رہن رکھنا جائز ہے جسے فروخت کیا جا سکتا ہو اور دین بھی اسی میں سے ہے کیونکہ ان کے ہاں اس کی بیع جائز ہے لہٰذا اسے مدین (قرض خواہ) کے پاس یا کسی غیر کے پاس رہن رکھنا درست ہے مدین کے پاس رہن رکھنے کی صورت انہوں نے ذکر کی ہے مدین کے علاوہ کے پاس رہن کی صورت یہ ہے: خالد کا دین ہو عمر کے ذمہ اور عمر کا دین ہو احمد پر اب عمر اپنے اس دین کو جو احمد کے ذمہ ہے اسے خالد کے پاس اس دین کہ بدلے رہن رکھے جو عمر پر ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اسے اس دین کا وثیقہ دے دے جو اس کا احمد پر ہے یہاں تک کہ وہ اپنا دین وصول کرے اس آخری صورت کی صحت کے لیے وثیقہ پر قبضہ کرنا شرط ہے اور اس کے قبضہ پر گواہ بنانا اور پہلی صورت کی صحت کے لیے شرط یہ ہے کہ چاہے دونوں دین قرض ہوں یا بیع وغیرہ دین مرہون کی مدت اور مرہون بہ دین کی مدت اکٹھی ہو یا اس کے بعد ہو بایں طور کہ دونوں دین ایک ہی وقت میں ادا ہوں یا دین راہن کی مدت دوسرے دین کے بعد پوری ہو اور اگر دین مرہون کی مدت قریب ہو یا دین مرہون فی الحال دینا ہو تو اس کا رہن صحیح نہیں اس لیے کہ قرض کی طرف لے جائے گا جو دوسرے قرض کی مثل ہے جب کہ دونوں دین قرض ہوں اور اگر بیع ہوں تو پھر بیع اور قرض جمع ہوں گے اس لیے کہ دین مرہون کی مدت پوری ہونے کے بعد مرتہن کے ہاں رہنا قرض شمار ہوتا ہے جو دین مرہون بہ کے مثل ہے اور اگر دونوں دین بیع ہوں تو دین مرہون کی بقاء قرض شمار ہوگی جو بیع کی طرح ہے اور یہ مالکیہ کے ہاں ممنوع ہے۔

۴۔ **عاریت یا اجارہ پر لیے ہوئے عین کا رہن**...... ائمہ مذاہب کے ہاں مدین کا مال ہو اور وہ اجرت یا عاریت پر ہو تو اس کا رہن جائز ہے حنیفہ کے ہاں: شی مستعار اور مستاجر کا مستعیر اور مستاجر کے پاس رہن رکھنا جائز ہے عاریت اور اجارہ کا قبضہ رہن کے قبضہ کے قائم مقام ہوگا الا یہ کہ ان کے ہاں جب متراہنین رہن پر متفق ہو جائیں تو اجارہ اور عاریت باطل ہو جائیں گے مرتہن کے ہاتھ میں مستاجر اور مستعار باقی نہیں رہیں گے اور رہن صحیح ہے اس لیے کہ ایک ہی عین پر ایک وقت میں اجارہ اور عاریت جمع نہیں ہو سکتے جب رہن پر اجارہ ہو تو رہن باطل ہو جائے گا اور اجارہ درست اس لیے کہ رہن عقد غیر لازم ہے اور اجارہ عقد لازم۔

مالکیہ کی عبارت بھی عین مستاجرہ کی رہن کے جواز کو متضمن ہے اگر موجر نے رہن مستاجر کے پاس چھوڑا اپنے دین کے بدلے تو سابقہ قبضہ رہن کے قبضہ کا قائم مقام ہوگا اور اگر مستاجر کے علاوہ کے پاس رہن رکھے تو جائز ہے جب کہ دائن مرتہن امین کو متعین کرے یا کہ مستاجر کا قبضہ مرتہن کے قبضہ کا بدل ہو جائے اس لیے کہ مستاجر کا قبضہ اس کے اپنے لیے تھا لہٰذا اس کا قبضہ مرتہن کے قبضہ کے قائم مقام نہ ہوگا۔ اور یہ بات یاد رہے کہ زمین کو مزارع کے پاس اور باغ مساقی کے پاس تو اس کا رہن جائز ہے حنابلہ نے بھی اجارہ عاریت ودیعت اور مغصوب چیز کے رہن کو جائز قرار دیا ہے اور اس کا سابقہ قبضہ رہن کے قبضہ کے قائم مقام ہے اور تجدید قبضہ کی ضرورت نہیں شوافع بھی مستاجرہ مستعارہ اور ودیعت وغیرہ کا رہن جائز ہے البتہ اتنا وقت ہونا ضروری ہے کہ اس میں قبضہ ہو سکے اگر اس نے مستاجر اور مستعیر کے پاس رہن رکھے تو رہن باقی رہے گا مرتہن کے قبضہ میں اور اگر مستاجر اور مستعیر کے علاوہ کسی کے پاس رہن رکھے تو اس امین پر اگر مرتہن راضی ہے تو یہ مستاجر اور مستعیر کے پاس اس طور پر کہ وہ امین ہے رہن ہی رہے گا لیکن اگر مرتہن راضی نہیں ان کے امین ہونے پر تو دیکھا جائے گا اگر رہن مستاجر کی اجازت سے ہے تو اجارہ باطل ہوگا اور اگر اس کی اجازت کے بغیر ہو تو دین باطل ہے اور رہ گئی عاریت تو عقد غیر لازم ہے جب شی ءمستعار کو رہن رکھا تو عاریت باطل ہو جائے گی۔

۵۔ شی مستعار کا رہن...... یاد رہے کہ سابقہ حالت میں راہن عاریت کا مالک تھا وہ اپنی ملکیت کو رہن رکھ رہا ہے اور اس صورت میں راہن عاریت کا مالک نہیں وہ مستعار کو رہن رکھ رہا ہے جو غیر کی مملوک ہے فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ غیر کے مال کو عاریت پر لے اور پھر مالک کی اجازت سے اسے رہن رکھے اپنے دین کے بدلے میں اس لیے کہ اس کا مالک اس کے قبضہ میں تبرع کرنے والا ہے اور مالک اپنی ملکیت میں تصرف کرنے میں آزاد ہے اسے عین کی ملکیت کا اثبات اور قبضہ بطور ہبہ کرنا جائز ہے جیسے اسے قبضہ ثابت کرنے بطور عاریت جائز ہے۔

مالک کی رہن کی اجازت کی صورت میں حنفیہ کے ہاں ❶ مستعیر کو اجازت ہے کہ اگر کوئی قید نہ ہو تو وہ جس کے پاس چاہے اسے رہن رکھے اور جس دین اور جس شہر میں چاہے یہی شوافع کی رائے بھی ہے، لیکن اگر اس میں کچھ قیود ہوں اگر اس نے خاص مقدار متعین کی تو اس سے زیادہ کو رہن نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی کم اگر وہ رہن کی قیمت سے کم ہو اس لیے کہ کسی کی اجازت سے تصرف کرنے والا اپنے تصرف میں قیود کا پابند ہے نیز مرہون چونکہ مضمون ہے اور مالک نے اسے مخصوص مقدار میں مضمون ہے نیز قیود لگانے میں اس کی غرض ہے جب مستعار رہن کی قیمت کے برابر ہو یا اس سے زیادہ ہو تو اسے اجازت کے مخالف شمار نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ یہ چیز کی طرف ہے اس لیے کہ مالک جب رہن کو چھوڑ آئے گا تو وہ صرف مقدار کو چھوڑ آئے گا اور اسے ضرر نہیں پہنچے گا رہن کی ہلاکت کے وقت اس لیے کہ اس پر رہن کی کم قیمت کے اعتبار سے ضائع ہوگا۔ اگر وہ اسے دین کی جنس سے مقید کر دے تو اس کے لیے کسی اور جنس کو رہن رکھنا جائز نہیں اس لیے کہ بعض اجناس سے دین کو دوسری بعض کی نسبت ادا کرنا آسان ہے اور اگر اس دائن یا شہر کو مقید کیا تو اس کی قید کی مخالفت کرنا جائز نہیں۔ اگر اس نے ان قیود میں سے کچھ بھی مخالفت کی تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا ہلاکت کی صورت میں اس لیے کہ اس مخالفت کی صورت میں وہ غاصب ہے اور رہن باطل ہے کیونکہ رہن مال مغصوب کا ہوا ہے جب مال عاریت مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو مستعیر کو اس کی قیمت کا ضامن بنائے کیونکہ وہ مخالفت کی وجہ سے غاصب ہے اور ضمان ادا کرنے کی صورت میں وہ اس کا مالک بن گیا قبضہ کے وقت سے اور چاہے تو مرتہن کو ضامن ٹھہرائے کیونکہ مال اس کے ہاتھ میں ہلاک ہوا ہے تو یہ غاصب کا غاصب ہو گیا جب مرتہن ضمان ادا کرے تو پھر وہ راہن پر رجوع کرے گا خلاصہ یہ کہ مخالفت کی صورت میں رہن باطل ہو جائے گا اور مستعیر ضامن ہوگا۔ مالکیہ کے ہاں بھی ❷ اسی طرح ہے جب مستعیر کی قیود کی مخالفت کرے اور عاریت ہلاک یا چوری ہو جائے یا اس میں کمی آ جائے تو تعدی کی وجہ سے مستعیر مطلقاً ضامن ہوگا اور اگر عاریت تلف نہیں ہوئی تو معیر اسے واپس لے لے اور عاریت باطل ہو جائے گی شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❸ مستعیر، معیر کی قیود کا پابند ہے الا یہ کہ ان کے ہاں جب وہ دین کی مقدار متعین کر دے اور وہ اس سے کم رہن رکھے تو وہ مخالف شمار نہیں ہوگا اس لیے کہ زیادہ کی اجازت کم میں معتبر ہے اور کم ہونے کی صورت میں کوئی بھی نہیں اس لیے کہ ان کے ہاں مرتہن کے پاس رہن امانت ہے۔

مستعیر کا عاریت سے نفع اٹھانا...... حنفیہ کے ہاں مستعیر کا عاریت کو رہن رکھنا رہن سے پہلے ودیعت ہے نہ کہ عاریت کیونکہ اسے صرف رہن کی اجازت ہے لہٰذا وہ عاریت سے نفع نہیں اٹھا سکتا نہ رہن رکھنے سے پہلے نہ بعد میں اگر اس نے نفع اٹھایا تو ضامن ہوگا اس لیے کہ اسے صرف ایک خاص طریقے سے نفع کی اجازت ہے اور وہ رھن رکھنا ہے۔ اگر اس نے رہن رکھنے کے علاوہ نفع اٹھایا تو وہ مخالفت کرنے والا ہے لہٰذا ضامن ہوگا اور اگر اس نے رہن رکھنے سے پہلے نفع اٹھایا تو ضمان سے بری ہوگا جونہی رہن رکھے گا اس لیے کہ وہ رہن رکھنے کی وجہ سے معیر کے ساتھ متفق ہو گیا لہٰذا اس اتفاق کی وجہ سے وہ ضمان سے بری ہوگا نیز اس وجہ سے بھی کہ وہ ودیع کی طرح ہے اور ودیع خلاف کے بعد جب اتفاق پر آ جائے تو ضامن نہیں ہوتا اس لیے کہ ودیعت کا مقصد مالک کے لیے حفاظت کرنا ہے اور وہ پائی گئی اور یہ مستعیر کے برخلاف ہے جب کہ وہ مخالفت کرے پھر اتفاق کر لے تو وہ تعدی پائے جانے کی وجہ سے ضمان سے بری نہیں ہوتا۔

❶...... البدائع: ۱۳۶/۶ ❷ الشرح الکبیر ۲۳۹/۳۔ ❸ مغنی المحتاج: ۱۲۹/۲ المغنی: ۳۴۴/۴۔

عاریت کے ہلاک ہونے کے ضمان کی قسم...... جب رہن رکھنے کے لیے مستعیر عاریت کو رہن رکھے اور وہ اس کے قبضہ میں ہلاک ہوجائے رہن رکھنے سے پہلے یا رہن واپس لینے کے بعد تو وہ ضامن نہیں ہوگا اس لیے کہ عاریت کے قبضہ کے ساتھ وہ ہلاک ہوئی نہ کے رہن کے قبضہ کے ساتھ اور عاریت کا قبضہ قبضہ امانت ہے نہ کہ قبضہ ضمان۔ یہ حنفیہ کے ہاں ہے جب کہ مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں عاریت مطلقاً مضمون ہے جیسا کہ عاریت کی بحث میں واضح گیا جب عاریت مرتہن کے پاس ہلاک ہوجائے تو حنفیہ کے ہاں اس کا مالک صرف مضمون کو لے سکتا ہے وہ اس کی قیمت یا دین سے جو کم ہوا گر دین کم ہو تو مالک مستعیر پر رجوع نہیں کرے گا کیونکہ عاریت امانت ہے جو تعدی کے بغیر مضمون نہیں ہوتی۔

مالکیہ کے ہاں...... مالک مستعیر پر عاریت کے دن کی قیمت کے ساتھ رجوع کرے گا شوافع اور حنابلہ کے ہاں جب مرتہن کی تعدی کے بغیر عاریت تلف ہوجائے مستعیر تلف کے دن کی قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ حنابلہ کے ہاں مطلقاً عاریت مضمون ہے اور شوافع اور مالکیہ کے ہاں بعض صورتوں میں۔

معیر کا رہن سے عاریت کو آزاد کرانا...... جب مستعیر نے عاریت کو رہن رکھا تو جمہور (حنفیہ شوافع اور حنابلہ) کے ہاں اس کا مالک جب چاہے راہن سے اسے آزاد کرواسکتا ہے اس لیے کہ عاریت عقد غیر لازم ہے اور مستعیر جب چاہے اسے واپس لے لے اگر چہ وہ وقت سے مقید ہی کیوں نہ ہو جب راہن نے اسے چھڑالیا تو وہ اسے مالک کو لوٹا دے لیکن اگر چھڑانے سے عاجز آ گیا تو اس کا مالک اسے اپنے حق کو حاصل کرنے کے لیے چھڑالے اور جو کچھ اس نے مرتہن کو ادا کیا اس میں وہ مستعیر سے رجوع کرے۔

مالکیہ کے ہاں...... راجح یہ ہے کہ معیر عاریت میں رجوع کرسکتا ہے اگر وہ مطلق ہو جب چاہے لیکن جو عاریت کسی شرط یا عرف سے مقید ہو اس میں رجوع نہیں کرسکتا جیسا کہ عاریت کی بحث میں ذکر کیا۔

رہن کے لیے اجارہ پر لینا...... جب کسی عین کو رہن رکھنے کے لیے عاریت پر لینا درست ہے تو اسی طرح اجارہ پر رہن رکھنے کے لیے لینا بھی درست ہے ❶ اور جب بغیر تعدی ہلاک ہوجائے تو اس پر کوئی ضمان نہیں اس لیے کہ بالاتفاق شئی متاجر امانت ہوتی ہے اجارہ پر لینے والے کے پاس اور مؤجر کے لیے مدت اجارہ ختم ہونے سے پہلے اسے لینا جائز نہیں۔

۶۔ غیر کی ملکیت کو رہن رکھنا...... پہلے یہ بات واضح ہوچکی کے غیر کی اجازت سے اس کی چیز کو رہن رکھنا جائز ہے اور کسی ایک کے لیے جائز نہیں کہ وہ غیر کی ملکیت کو بغیر ولایت کے رہن رکھے جب اسے رہن رکھنے کی ولایت نہیں اور وہ مرہون کو مرتہن کے سپرد کردے تو یہ سپرد کرنا تعدی اور غصب ہے اور احناف کے ہاں یہ رہن اجازت پر موقوف ہے اگر مالک اجازت نہ دے تو رہن باطل ہوگا اور راہن کے غصب کی وجہ سے یہ عین اس کے ضمان میں ہوگی اور یہ راہن کی نسبت سے ہے اور مرتہن کے اعتبار سے حنفیہ کے ہاں ❷ جب رہن مرتہن کے پاس ہلاک ہوجائے پھر ظاہر ہوا کہ یہ تو راہن کا نہیں تھا یعنی مرتہن کو معلوم نہیں تھا کہ یہ راہن کی ملکیت نہیں تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو اس کی قیمت کا راہن کو ضامن بنائے یا مرتہن کو اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک اس کے حق میں تعدی کرنے والا ہے راہن تو اس طرح کہ اس نے بغیر حق کے اس پر غلبہ حاصل کیا اور اسے مرتہن کے سپرد کیا اور مرتہن اس پر قبضہ کرنے اور وصول کرنے کی وجہ سے۔ اگر مستحق (مالک) نے راہن کو ضامن بنایا تو مرتہن اس ضمان کی وجہ سے اپنا دین وصول کرنے والا شمار ہوگا رہن کی قیمت کی بقدر کیونکہ رہن کے قبضہ میں ہلاک ہوا ہے اس لیے کہ راہن اس کا ضامن ادا کرنے کی وجہ سے بغیر حق قبضہ کے وقت سے اس کا مالک بن گیا عقد رہن سے پہلے لہٰذا وہ اپنی ملکیت رہن رکھنے

---

❶......الشرح الکبیر: ۲۳۶/۳ ❷ البدائع: ۱۴۷/۶

والا ہوا پھر مرتہن اپنا دین وصول کرنے والا ہوا جب وہ اس کے پاس ہلاک ہوا جب کہ اس کی قیمت اس کے دین کے کے برابر یا اس سے زیادہ ہو ورنہ اس کی قیمت کی بقدر لیکن اگر مالک نے مرتہن کو ضامن ٹھہرایا ابتداء تو اس ضمان کا مرتہن راہن پر رجوع کرے گا جیسے اپنے دین میں کرتا ہے اور اس کا رجوع مثل یا قیمت کے اعتبار سے ہوگا کیونکہ راہن کی طرف سے اسے دھوکا ہوا ہے اور دھوکے والا اسی کا رجوع کرتا ہے جس کا ضامن ہوا، رہ گیا اس کا دین کا رجوع اس لیے کہ اس کی وصولی دین کی وجہ ہی سے ہے تو وہ ٹوٹ گئی کیونکہ اس نے غیر کی چیز پر قبضہ کیا سوا تھا لہٰذا رہن باطل ہو گیا اس کا حق لوٹ آیا۔

حنابلہ کے ہاں...... ❶ مرتہن کو یا تو غصب کا علم ہوگا یا علم نہ ہوگا اگر اسے علم ہے اور اس نے وہ چیز اپنے پاس رکھی اور اس کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی تو وہ ضامن ہوگا اور اس صورت میں مالک کو اختیار ہوگا چاہے تو مرتہن کو ضامن ٹھہرائے اور اپنے مال سے وہ تاوان دے اور چاہے تو راہن کو ضامن ٹھہرائے۔

اور اس صورت میں راہن مرتہن پر ضمان کا رجوع کرے گا کیونکہ اب ضمان اس پر ہے جب اس کے ذمہ تھا کہ وہ اسے مالک کو واپس کر دے لیکن اس نے ایسا نہ کیا اور اس کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا لیکن اگر مرتہن کو علم نہیں تھا اور اس کے قبضہ میں اس کی تعدی کی وجہ سے وہ ہلاک ہوا تو بھی یہی مذکور حکم ہے لیکن اگر اس کی تعدی کی وجہ سے ہلاک نہ ہوا ہو تو اس میں تین قول ہیں: پہلا قول: وہ ضامن ہوگا اور اس پر ہی ضمان ہوگا کیونکہ وہ غیر کے مال کو روکنے کی وجہ سے تعدی کرنے والا ہے اور مال بھی اسی کے قبضہ میں تلف ہوا ہے لہٰذا جس طرح غصب معلوم ہونے کی صورت میں ضامن ہے اسی طرح یہاں بھی ضامن ہے اور یہ بات یاد رہے کہ حقیقت میں وہ تعدی کرنے والا نہیں اس لیے کہ اس نے راہن کی اجازت سے مال کو روکا اور وہ غصب نہیں جانتا تھا۔

دوسرا قول...... اس پر ضمان نہیں اس لیے کہ مرتہن نے امانت قبضہ کیا ہے لہٰذا ضمان راہن پر ہے۔

تیسرا قول...... مالک کو اختیار ہے جس کو چاہے ضامن قرار دے لیکن ضمان ہوگا راہن ہی پر یہ رائے اولی ہے اور اسی طرح حکم میں اس کے مثل ہے جب رہن کے استحقاق کا فیصلہ راہن کے علاوہ کے لیے کیا گیا ہو اور یہ بات یاد رہے رہن دین کی وجہ سے ہلاک نہ ہوگا بلکہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں امانت ہے۔

۷۔ تعدد رہن...... رہن یا تو بعض چیز کا ہوگا یا کل کا دونوں صورتوں میں رہن متعدد ہو سکتا ہے۔

(الف)...... اگر رہن بعض چیز کا ہو پھر دوسرے بعض کو وہ کسی اور کے پاس رہن رکھے تو اس پر مشاع کے رہن کے احکام جاری ہوں گے جمہور (مالکیہ شوافع اور حنابلہ) کے ہاں مشاع کا رہن جائز ہے اگر کسی عین کے کسی جزو کو مشاع طور پر دین کے بدلے رہن رکھا تو باقی حصہ بھی اس دین کے بدلے رہن رکھنا جائز ہے اور کسی دوسرے دین کے بدلے بھی پہلے مرتہن کے پاس یا کسی اور کے پاس لیکن جب رہن پہلے مرتہن کے علاوہ کسی اور کے پاس ہو تو دوسرے مرتہن کا راضی ہونا ضروری ہے پہلے کے قبضہ میں رہنے پر یا تینوں کے درمیان جب یہ اتفاق ہو کسی امین کے پاس رہن رکھنے میں۔ اور حنفیہ کے ہاں مشاع کا رہن بالکل جائز نہیں ان کے ہاں اس حالت کا تصور نہیں الا یہ کہ عین کو جدا جدا کر دیا جائے اور سے تقسیم کر دیا جائے غیر مشغول سپرد کیا جائے۔

(ب)...... اگر پوری چیز دین کے بدلے رہن ہو اور راہن دوسرے دین کے بدلے بھی اسے رہن رکھنا چاہتا ہو تو حنفیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں دوسرا رہن جائز نہیں، اس لیے کہ اس میں مرتہن کا حق ہے مرہون کی مالیت کے ساتھ لہٰذا غیر اس کے ساتھ اپنا حق متعلق نہیں کر سکتا۔ اگر مرتہن اول رہن ثانی کی اجازت دے دے تو وہ نافذ ہوگا اور اس کا رہن اور مرتہن کا رہن بھی باطل ہو جائے گا اور اگر مرتہن نے اسے مالک کی

---

❶...... المغنی: ۴/۷ ۳۹۔

اجازت کے بغیر رہن رکھا تو اس کا رہن صحیح نہیں اور مالک کو اختیار ہے کہ اس چیز کو مرتہن اول کے قبضہ میں واپس لوٹائے۔ اگر وہ چیز مرتہن ثانی کے قبضہ میں ہلاک ہوجائے اول کے پاس واپس آنے سے پہلے تو حنیفہ کے ہاں مالک کو اختیار ہے چاہے تو مرتہن اول کو ضامن بنائے اور چاہے تو ثانی کو جیسے کہ غیر کی ملکیت کو رہن رکھنے کا حکم ہے۔ اگر اس نے اول کو ضامن قرار دیا تو اس کا رہن جائز ہے اس لیے کہ مرہون کا بدل مرہون ہوگا۔ اور اگر اس نے دوسرے کو ضامن بنایا۔ تو پہلا رہن باطل ہوجائے گا اور یہ ضمان مرتہن اول کے رہن میں ہوگا اور ثانی اول پر ضمان کا رجوع کرے گا کیونکہ اسے دھوکا دیا گیا ہوا ہے۔

مالکیہ کے ہاں...... عین مرہون تو اس وقت رہن رکھنا جائز ہے جب اس کی قیمت دین سے زیادہ ہو اور رہن جدید اس اضافہ کے مقابلہ میں ہے اور دوسرا دین مرہون سے متعلق ہوگا دوسری مرتبہ میں اگر عین کو فروخت کیا گیا تو اس سے دین اول بھی ادا کیا جائے گا اور دین ثانی بھی اور اس سے ظاہرا ہوا کہ دائن اول کا تو اس سے متعلق نہیں لہٰذا رہن ثانی کے نفاذ کے لیے اس کی اجازت بھی ضروری نہیں۔

اور اگر عین امین کے قبضہ میں ہو اور رہن جدید مرتہن اول کے لیے یا کسی اور اجنبی کے لیے ہو تو رہن ثانی امین کی رضامندی کے بغیر مکمل نہیں ہوگا کیونکہ اس کے جدید قبضہ کی وجہ سے۔

اور رہن ثانی اگر کسی اجنبی کے لیے ہو تو آیا مرتہن اول کی رضامندی شرط ہے یا نہیں؟ تو مالکیہ کے ہاں تین قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ: اس کی رضامندی شرط نہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی رضامندی ضروری ہے تیسرا قول یہ ہے کہ اگرچہ مرتہن اول راضی بھی ہو تب بھی یہ جائز نہیں اور اگر عین امین کے قبضہ میں ہو تو اس میں دو قول ہیں: پہلا اور دوسرا۔

اور اگر رہن ثانی کسی اجنبی کے لیے ہو اور دونوں دینوں کی مدت ایک ہی وقت میں ختم ہوتی ہو تو پھر کوئی اشکال نہیں لیکن اگر دونوں کی مدت مختلف ہو اور دین ثانی کی مدت پہلے پوری ہو تو اور بغیر کسی ضرر کے رہن کی تقسیم ممکن ہو تو اسے دونوں دینوں کے بدلے میں تقسیم کردیا جائے گا تو پہلے مرتہن کو اتنی مقدار دیا جائے گا جو اس کے دین کا کافی ہو اور باقی مرتہن ثانی کو دے دیا جائے۔

اگر اس کی تقسیم ممکن نہ ہو تو مرہون کو فروخت کرکے دونوں دین ادا کیے جائیں گے اس طور پر کے پہلے دین کے پہلے پہلے ادا کیا جائے باقی دوسرے دین کے لیے۔

یہ سب صورتیں اس وقت ہیں جب رہن میں اتنا ہو کہ جو دوسرے کے لیے کافی ہو، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر رہن کو فروخت نہ کیا جائے گا الا یہ کہ پہلے کی صورت پوری ہوجائے۔ لیکن اگر دین اول کی مدت پہلے پوری ہو تو رہن کو فروخت کیا جائے گا اور اس سے دونوں دین سابقہ طریقے کے مطابق ادا کئے جائیں گے جب دونوں دین کے لیے اس کی تقسیم بغیر ضرر نہ ہوسکتی ہو۔

اور اگر رہن مرتہن اول کے قبضہ میں ہلاک ہوگیا تو اس زیادہ حصہ کا ضامن نہیں ہوگا اور وہ ہو بھی ان چیزوں میں سے جنہیں چھپایا جاسکتا ہے اور تعدی بھی پائی جائے کیونکہ زیادہ حصہ میں وہ امین ہے۔

۸۔ وارث کا رہن رکھنا مدیون ترکہ کے بدلہ میں...... کبھی وہاں غیر کا حق ہوتا ہے مرہون میں راہن کے علاوہ جو رہن رکھنے سے مانع ہوتا ہے جیسے مرہون کا رہن رکھنا اور دین ترکہ کا رہن رکھنا جیسے کہ غیر کی ملکیت کو رہن رکھے تو وہ مالک کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔

جب وارث ترکہ کے عین میں سے کچھ رہن رکھے اور اس کے ساتھ کسی کے دین کا تعلق ہو جو میت پر ہے تو حنیفہ کے ہاں رہن موقوف رہے گا ترکہ سے دین ادا کرنے تک تاکہ عین مرہون خالص مرتہن کے لیے ہوجائے نیز دین وارث کے مالک ہونے سے ترکہ میں مانع ہے اس اختلاف کے مطابق جو حنیفہ کے ہاں ہے۔ مالکیہ کے ہاں بھی اسی طرح ہے۔ اگر وارث نے اس حالت میں رہن رکھا تو یہ رہن صحیح ہے، لیکن اس کا نفاذ دین ادا کرنے تک موقوف رہے گا اگر دین ادا نہ ہوا تو یہ تصرف ختم ہوجائے گا اس لیے کہ دین ورثاء کے مالک بننے کے لیے

مانع ہے۔

حنابلہ کے ہاں...... اگر وارث نے میت کا ترکہ رہن رکھا یا اسے فروخت کر دیا اور میت پر دین تھا اگر چہ زکوٰۃ ہی ہو تو اس کا رہن اور بیع صحیح ہیں کیونکہ مورث کے مرنے سے ترکہ ان کی طرف منتقل ہو چکا ہے اب اس کا تصرف اس کی ملکیت کے ساتھ ہے، اور اس پر اس کی طرف سے یا اس کے اختیار سے کسی کا حق نہیں آیا اور یہ رہن مرہون کی طرح نہیں جس میں اختیار کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہوتا ہے۔ اور ترکہ میں تو وارث کے اختیار سے کوئی مال متعلق نہیں ہوا، بلکہ شریعت کے حکم سے ہوا ہے اور یہی حکم ہے یہ اس حق میں جو ثابت ہو اور مال سے متعلق ہو بغیر اس کے فعل کے جیسے زکوٰۃ جنایت وغیرہ للہذا یہ رہن سے مانع نہیں۔ رہن صحیح ہے اور اعیان دین کی متحمل ہوں گی اگر رہن تمام ہو گیا پھر وارث نے ترکہ سے متعلق حق کو ادا کیا یعنی جو متوفی پر دین ہے اپنے دوسرے مال ہے اور رہن اپنی حالت پر تھا اس سے حق ادا نہیں کیا تو ترکہ کے قرض خواہ اس شیء مرہونہ میں جھگڑ سکتے ہیں کیونکہ ان کا حق پہلے ہے یہ اس طرح ہے کہ جب وارث ترکہ میں کوئی تصرف کرے پھر جو مبیع اس نے فروخت کی تھی وہ واپس کی جائے کسی عیب کی وجہ سے یا ترکہ کے ساتھ کوئی حق متعلق ہو جو مورث کی وفات کے بعد ہو لیکن کسی سابقہ سبب کی وجہ سے جیسے کوئی جانور اس کے مرنے کے بعد ایسے کنویں میں گر جائے جو اس نے کھودا ہے غیر کی ملکیت میں تو وارث کے تمام تصرفات اس حالت میں درست ہیں لازم نہیں اگر وارث نے اپنے مال سے وہ حق ادا کر دیا تو درست ہے ورنہ اس کے تصرفات فسخ کیے جائیں گے اور یہ بھی دیکھا جائے گا کہ اس صورت میں وارث ہی اس عین کے ساتھ مختص ہوتا کہ غیر وارث کا اس میں حق نہ ہو جیسے وہ رہن رکھ رہا ہے۔

شوافع کے ہاں...... ❶ عین ترکہ میں وارث کا رہن باطل ہوگا اس لیے کہ اس کا تصرف یا تو صحیح ہے یا باطل اور فضولی کا تصرف ان کے ہاں بھی حنابلہ کی طرح صحیح نہیں اور اس کی صحت اور اس رہن کے نفاذ سے وہ دین مانع ہے جو ترکہ سے متعلق ہے۔ دین کا تعلق اگر چہ وارث کے مالک ہونے سے مانع نہیں لیکن مرہون ترکہ کو رہن شرعی شمار کیا جائے گا نہ کے عقد رہن کا نتیجہ۔

اور ان کے ہاں اظہر یہ ہے کہ دین مستغرق اور غیر مستغرق میں فرق نہ کیا جائے اسی وجہ سے یہ وارث کو اس ترکہ میں جس کے ساتھ فریق متعلق ہے تصرف سے روکتے ہیں جیسا کہ راہن کو عین مرہون میں تصرف سے روکتے ہیں دین کی موجودگی میں۔

۹۔ جو چیزیں جلدی خراب ہوں ان کا رہن...... حنابلہ وغیرہ کے ہاں جو چیزیں جلدی خراب ہو جاتی ہیں ان کو دین حالی اور موجل کے بدلے میں رہن رکھنا درست ہے چاہے ان چیزوں کی اصلاح خشک کر کے ممکن ہو یا ممکن نہ ہو جیسے انگور کھجور، اور خربوزہ وغیرہ، اگر وہ خشک کرنے کے قابل ہیں تو راہن کے ذمہ انہیں خشک کرنا ہے اس لیے کہ انہیں خشک کرنا اور ان کی حفاظت اور بقاء راہن کے خرچہ میں ہے اور اگر وہ خشک ہونے والی چیز نہ ہو تو اسے فروخت کر کے اس کے ثمن سے دین ادا کیا جائے گا اگر وہ فوری ادا کرنا ہو یا فساد اور خراب ہونے سے پہلے اس کی مدت پوری ہوتی ہو لیکن اگر خراب ہونے سے پہلے اس کی مدت پوری نہ ہوتی ہو تو اس کے ثمن رہن رہیں گے چاہے رہن میں اسے فروخت کرنے کی شرط ہو یا نہ ہو کیونکہ عرف اس کا تقاضا کرتا ہے شوافع کے ہاں اگر دین موجل کے بدلے رہن رکھا مرہون کے فساد سے پہلے وہ مدت پوری نہ تو اس میں غور کیا جائے گا اگر خراب ہونے کا خوف ہو اور بیع کی شرط ہو تو رہن جائز ہے لیکن اگر مطلق رکھا اور شرط نہ لگائی تو اس میں دو قول ہیں: صحیح یہ ہے کہ اس رہن صحیح نہیں اس لیے کہ دین کی مدت پوری ہونے سے پہلے اس کی بیع ممکن نہیں جیسا کہ بیع نہ کرنے کی شرط لگائی جائے اگر چہ وہ نہ بھی جانتا ہو یا مدت پوری ہونے سے پہلے مرہون فاسد ہوگا اظہر قول کے مطابق رہن صحیح ہے اس لیے کہ فاسد نہ ہونا ہے۔

۱۰۔ عصیر کا رس...... شیرے کا رہن رکھنا صحیح ہے اس لیے کہ اس کی بیع جائز ہے اور اس کا مالیت سے نکلنا صحت رہن سے مانع نہیں۔

---

❶...... نہایۃ المحتاج: ۳۰۲/۳۔

اگر وہ سرکہ بن گیا تو رہن اپنی حالت میں رہے گا اگر قبضہ کے بعد وہ شراب بن جائے تو اس کا گرانا واجب ہے اور لزوم عقد زائل ہو جائے گا اگر اس نے بہا دیا تو عقد باطل ہوگا۔ اور مرتہن کو خیار نہیں کیونکہ اس کا حصہ تلف ہو گیا اور حنابلہ کے ہاں اگر مرتہن کے قبضہ سے پہلے شراب کو سرکہ بنالیا تو عقد رہن باطل ہوگا حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں اور شوافع کے ہاں اصح قول کے مطابق رہن باطل نہیں ہوگا اور وہ اپنی حالت میں ہوگا اس لیے کہ وہ دوام اور بقاء میں کچھ وہ چیزیں معاف ہوتی ہیں جو ابتداء میں نہیں ہوتیں۔ نیز شیرہ ہونے کی حالت میں اس کی قیمت تھی اور اس کا قیمتی ہونا جائز ہے ابن قدامہ نے فرمایا صحت کے زیادہ قریب ہے۔ اس لیے کہ سرکہ بن جانے کی وجہ سے وہ رہن باقی ہے۔

۱۱۔ قرآن کریم کو رہن رکھنا...... حنیفہ، الکیہ اور شوافع کے ہاں قرآن کریم، حدیث، تفسیر اور آثار کی کتابیں رہن رکھنا صحیح ہے، اس میں مرتہن پڑھے گا نہیں اس لیے کہ عقد رہن صرف روکنے کا حق ہے نہ کہ حق انتفاع اگر اس نے مرہون کو استعمال کرلیا اور وہ استعمال کی حالت میں ہلاک ہو گیا تو غاصب ہونے کی وجہ سے ساری قیمت کا ضامن ہوگا۔

حنابلہ کے ہاں صحیح یہ ہے کہ مصحف کا رہن رکھنا صحیح نہیں کیونکہ اس کی بیع صحیح نہیں اور رہن کا مقصد تو رہن کے ثمن سے دین وصول کرنا ہے اور یہ مقصد صرف بیع ہی سے حاصل ہو سکتا ہے اور قرآن کریم کی بیع جائز نہیں۔

لیکن کتب حدیث، تفسیر وغیرہ کا رہن درست ہے اگر چہ کافر کے لیے ہی کیوں نہ ہو لیکن شرط یہ ہے کہ مسلمان امین کے قبضہ ہونا چاہیئے۔

تیسری بحث: رہن کے احکام اور آثار...... احکام رہن سے متعلق دو چیزوں سے بات ہوگی، پہلی چیز رہن صحیح کے احکام دوسری چیز رہن فاسد کے احکام۔ رہن صحیح: جس میں رہن کی تمام شرائط پائی جائیں۔ رہن غیر صحیح: جس میں رہن کی تمام شرائط نہ پائی جائیں۔ رہن غیر صحیح کی حنیفہ کے ہاں دو قسمیں ہیں باطل اور فاسد۔

باطل...... وہ رہن کہ جس میں اصل عقد ہی میں خلل ہو بایں طور کہ عاقد میں عقد کی اہلیت ہی نہ ہو جیسے مجنون اور معتوہ یا محل عقد ہی زائل ہو جیسے غیر مال کو رہن رکھنا یا مرہون بہ مال سے حاصل نہ ہوتا ہو جیسے قصاص اور شفعہ اس کا معنی نہ پایا جاتا ہو جیسے یہ شرط لگانا کہ مرہون کو دین میں فروخت نہ کیا جائے یا مرتہن تمام قرض خواہوں سے ممتاز نہ ہوگا۔

فاسد...... جس میں وصف عقد میں خلل اور خرابی ہو مثلاً مرہون غیر کے ساتھ مشغول ہو یا مرہون بہ غیر سے مضمون ہو جیسے مبیع بائع کے قبضہ میں یہ نوادر کی روایت کے مطابق ہے۔ اور ظاہر روایت میں مبیع کو قبضہ سے پہلے رہن رکھنا صحیح ہے جیسا کہ شرائط کی بحث میں بیان کیا۔ حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات کے ہاں رہن غیر صحیح کی ایک ہی قسم ہے باطل یا فاسد یعنی جس میں رہن صحیح کی تمام شرائط نہ پائی جاتی ہو۔

رہن صحیح کے احکام...... اس میں رہن کے لازم ہونے کا حکم اور دس مقاصد آثار رہن کے متعلق بیان ہوں گے۔

رہن صحیح کا حکم یا لزوم رہن کا حکم...... رہن راہن کی طرف سے لازم ہوتا ہے نہ کہ مرتہن کی طرف سے راہن اسے فسخ کرنے کا مالک نہیں کیونکہ یہ دین کا وثیقہ اور رسید ہے اور مرتہن اسے جب چاہے فسخ کر سکتا ہے اس لیے کہ عقد اسی کی مصلحت کی وجہ سے ہے اور رہن کے آثار تمام فقہاء کے ہاں قبضہ کے بعد مرتب ہوتے ہیں قبضہ کے بغیر مرتہن شئی مرہونہ کے ثمن کے ساتھ خاص نہیں ہوتا اور اس کا دوسرے قرض خواہوں سے امتیاز بھی اس کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔ جمہور کے ہاں قبضہ کے بغیر رہن لازم نہیں ہوتا جب کہ مالکیہ کے ہاں ایجاب اور قبول سے لازم ہو جاتا ہے مذاہب کی تفصیل یہ ہے۔

جمہور کے ہاں یعنی حنیفہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں [1] رہن قبضہ کے بغیر لازم نہیں ہوتا اور قبضہ سے پہلے راہن کو اختیار ہے کہ وہ رہن

---

[1]...... الدر المختار: ۵/ ۳۴۰ المهذب: ۱/ ۳۰۵ المغنی: ۴/ ۳۲۸۔

برقرار رکھے یا اسے فسخ کردے اور ان کی دلیل جیسا کہ پہلے بیان ہوئی اللہ تعالیٰ کا ارشاد: فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ (البقرۃ ۲/ ۲۸۳) رہن یا قبضہ رکھ کر (قرض لے لو) یعنی رہن رکھو اس میں قبضہ بھی ہو اس لئے کہ مصدر فاء کے ساتھ جواب شرط میں امر کے معنی میں ہے یعنی فارھنوا اور کسی موصوف چیز میں اور اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس میں وصف شرط ہو اور چیز کسی صفت کے ساتھ مشروع ہو تو شرعاً وہ اس وصف کے علاوہ نہیں پائی جا سکتی لہٰذا رہن قبضہ کے بغیر لازم نہیں نیز رہن عقد تبرع ہے راہن کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اس کا نفاذ اور جاری رہنا قبضہ سے واجب ہوگا اس لیے کہ رہن کے لیے قبضہ سے پہلے کوئی مظہر خارجی نہیں جیسا کہ ہبہ اور صدقہ کی صورت ہے لہٰذا عقد رہن شرعاً اور اس کے آثار قبضہ کے بغیر نہیں پائے جائیں گے اور یہ قبضہ کے بغیر لازم بھی نہیں ہوگا۔

مالکیہ کے ہاں...... ❶ رہن ایجاب وقبول سے لازم ہو جاتا ہے اور قبضہ سے مکمل ہوتا ہے جب ایجاب قبول ہو گیا تو عقد لازم ہو جائے گا اور اگر چار موانع میں سے کوئی مانع نہ پایا جائے تو راہن کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ شئی مرہون کو مرتہن کے حوالے کرے موانع درج ذیل ہیں: راہن کا عقد ہونے کے بعد اور سپرد کرنے سے پہلے مرجانا، راہن سے قرض خواہوں کا اپنے دین کی ادائیگی کا مطالبہ عام مفلسی اور راہن کا بیمار ہو جانا یا مجنون ہو جانا اور یہ دونوں صورتیں اس کی وفات تک پائی جانا۔

ان کی دلیل جیسا کہ پہلے بیان ہوگئی کہ رہن عقد سے لازم ہوتا ہے اور عقد اور اس کا لزوم دونوں ایجاب قبول سے متحقق ہوتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ......المائدہ: ۵/ ۱

اے ایمان والوں اپنے اقراروں کو پورا کرو۔اور رہن بھی عقد اور اقرار ہے اور امر وجوب کے لیے ہے پس اسے پورا کرنا واجب ہے اس طور پر کہ اس کا لزوم راہن کی جانب سے ہوگا کیونکہ وہی اس کا التزام کرنے والا ہے۔

عقد رہن کے آثار...... جب عین مرہونہ مرتہن کو سپرد کردی جائے اور عقد رہن مکمل ہو جائے تو اس کے مکمل اور سپرد ہونے پر درج ذیل احکام مرتب ہوتے ہیں:

۱...... دین کا مرہون سے متعلق ہونا
۲...... رہن روکنے کا حق
۳...... رہن کی حفاظت
۴...... رہن کے اخراجات
۵...... راہن کا رہن میں تصرف سے منع کرنے
۶...... رہن سے نفع نہ اٹھانا
۷...... رہن کا ضمان
۸...... رہن کا فروخت کرنا یا مرتہن کا دین کی ادائیگی کے لیے مرہون کو فروخت کرنے کا مطالبہ کرنا۔
۹...... مرتہن دائن کا باقی قرض خواہوں سے ممتاز ہونا۔
۱۰...... رہن سپرد کرنا یا دین کی انتہاء پر اسے واپس کرنا۔

پہلا مقصد: دین کا مرہون سے متعلق ہونا......اس میں عام بات یہ ہے کہ رہن کے اجزاء نہیں ہو سکتے جب کسی عین کو دین کے بدلے گروی رکھا تو یہ دین اس عین کے تمام اجزاء سے متعلق ہوگا یا اس کی تمام اکائیوں سے جیسا کہ وہ دین کے تمام اجزاء کے بدلے رہن ہیں جب دین کا کوئی حصہ ادا کر دیا یا معاف ہو گیا تو بھی رہن باقی تمام اجزاء سے متعلق رہے گا اور اسی کو مصری اور شامی قانون میں لیا گیا ہے۔

وہ دین جو رہن سے متعلق ہے وہ ہے جس کے بدلے مال کو رہن رکھا ہے اور باقی دیون مرہون سے متعلق نہیں ہوں گے۔اس تعلق کی

❶...... بدایۃ المجتہد ۲/ ۲۷۰۔

بنیاد پر مرتہن کے لیے حق حبس ثابت ہے وہ تمام مرہون کو روک سکتا ہے یہاں تک کہ اس کا دین سارا ادا کر دیا جائے چاہے مال ایک چیز ہو یا کئی چیزیں یہ مبدایا اصل فقہ کے اعتبار سے متفق علیہ ہے لیکن اس کی تطبیق میں عقد متعدد ہونے یا نہ ہونے کی صورت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ حنفیہ کے ہاں ❶ اتحاد عقد اتحاد صیغہ کی وجہ سے ہوتا ہے جب صیغہ متحد ہو عقد بھی متحد ہو جاتا ہے چاہے رہن ایک دین کے بدلے میں ہو یا کئی دینوں کے بدلے اگر مدین نے دین ادا کر دیا تو مرہون کے مقابلہ میں جو ہے اسے واپس نہیں کیا جائے گا چاہے مرہون ایک ہو یا کئی ہوں اگر راہن نے عین مرہون کے مقابل کو ادا کر دیا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا حتی کہ اگر عقد رہن میں عین مرہونہ کا حصہ دین کے مقابل ذکر بھی کر دیا جائے تو بھی چونکہ عقد ایک ہے مقرر کرنے متعدد نہیں ہوتا۔ اور چاہے راہن زیادہ ہوں یا مرتہن پس جب عقد ایک ہوا تو رہن میں سے کوئی بھی چیز آزاد نہیں ہوگی اس لیے کہ دین تمام دیون کے بدلے میں محبوس ہے یا سارے دین کے مقابلہ میں جب تعدد صیغہ کی وجہ سے عقد متعدد ہو تو پھر رہن میں سے اس کے مقابل کا آزاد ہوگا۔ مالکیہ کے ہاں ❷ عقد متعدد ہوں گے راہن اور مرتہن کے متعدد ہونے کی وجہ سے یا کسی ایک طرف کے تعدد کی وجہ سے اور اس وقت عقد رہن ایک ہوگا جب راہن اور مرتہن ایک ہو جب عقد رہن ایک ہوا تو مرہون باقی ادائیگی کے مقابلہ میں ہوگا اس لیے کہ مرہون کا ہر جز و دین کے ہر جز و کے بدلے میں ہوگا جب رہن متعدد ہوں بایں طور راہن دو ہوں اور مرتہن ایک ہو راہنوں میں سے ایک نے اپنا قرض (دین) ادا کر دیا تو اس کا حصہ اسے واپس کر دیا جائے گا یا راہن ایک ہوا اور مرتہن کئی ہوں پھر راہن نے دو دائنوں میں سے ایک کا حصہ ادا کر دیا تو رہن میں سے اس کا حصہ واپس کیا جائے گا اور یہ بات یاد رہے کہ رہن اگر ایک ہوا اور مرتہن متعدد ہوں یا مرہون ایسی چیز ہو جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو اور دائنوں میں سے ایک نے قرض ادا کر دیا تو پھر رہن کو امین کے قبضہ میں دے دیا جائے گا یا اس کا حصہ مرتہن کے قبضہ میں امانت ہوگا۔

حنابلہ کے ہاں...... ❸ حکم مالکیہ کی طرح ہے کہ عقد متعدد ہوں گے موجب یا مقابل کے متعدد ہونے کی وجہ سے اگر موجب عقد متعدد ہوں اور مقابل ایک ہو تو یہ دو عقد ہوں گے اور اگر موجب ایک ہوا اور مقابل دو ہوں تو بھی دو عقد ہوں اور اگر موجب بھی دو ہوں اور مقابل بھی دو ہوں تو چار عقد بن جائیں گے۔ جب مرتہن اور راہن ایک ہوں تو عقد رہن بھی ایک ہوگا چاہے دین ایک ہو یا کئی جب مدیون نے بعض دین ادا کر دیا یا دیون میں سے کچھ دین ادا کر دیا تو وہ رہن میں سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا۔ جب راہن زیادہ ہوں جو بھی اپنا دین ادا کرے گا تو رہن میں سے اس کا حصہ نکل جائے گا اور جب مرتہن زیادہ ہوں اور راہن دو دائنوں میں سے ایک کا دین ادا کر دے تو رہن میں سے اس کا حصہ نکل جائے گا اور راہن اسے واپس لے لے گا۔ جب راہن اور مرتہن اکٹھے زیادہ ہوں تو یہ چار عقود ہیں تو مرہون میں سے ہر ربع دین کے ربع کے مقابلہ میں ہوگا جب ربع یا اس سے زیادہ ادا کر دے تو رہن میں سے اس کا مقابل اسی مقدار میں چھوٹ جائے گا قاضی ابو یعلی نے فرمایا یہی صحیح ہے۔

شوافع کے ہاں...... ❹ رہن دین کے متعدد ہونے اور اس کی وحدت سے متعدد ہوگا اور غالب یہ ہے کہ دین عاقدین کے متعدد ہونے کی وجہ سے متعدد ہوگا اگر چہ ان کا وکیل ایک ہو برخلاف بیع کے اس میں عاقد کے متعدد ہونے کا اعتبار ہے اگر چہ وکیل ہی ہو اس لیے کہ مال مرہون دین کی سند اور رسید ہے جب دین متعدد ہوئے تو سند اور رسید بھی متعدد ہوں گی اور دائن کا متعدد ہونا غالباً دین کے متعدد ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور بیع عقد ضمان ہے لہٰذا اس میں مباشر کو دیکھا جائے گا۔

ان کے ہاں مدار دین کے متعدد ہونے اور نہ ہونے پر ہے اور دین دائن کے متعدد ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور ان کے تعدد نہ ہونے سے ایک ہوتا ہے یا دین مشترک ہو اگر چہ دائن دو ہوں اس آخری حالت میں شوافع کا مذہب مالکیہ اور حنابلہ سے مختلف ہو جاتا ہے۔

❶......البدائع: ۱۵۳/۶ ❷ للدردیر: ۲۵۷/۳ ❸ المغنی ۳۴۶/۴۔ ❹ المہذب: ۳۰۷/۱

اسی بناء پر اگر ایک شخص نے ایک گھر دو دائنوں کے پاس رہن رکھا پھران میں سے ایک کا دین ادا کر دیا تو جو اس دین کے مقابل مرہون ہے وہ آزاد ہو جائے گا اس لیے کہ دائن متعدد ہونے کی وجہ سے دین متعدد ہو گیا اس شرط کے ساتھ کہ دائنوں میں سے ایک خاص قبضہ کے اعتبار سے اگر اس میں دوسرا کوئی شریک ہو گیا تو رہن میں سے کوئی چیز آزاد نہ ہوگی اس لیے کہ مکمل دین آزاد نہ ہوا۔

اگر کسی نے دو آمیوں سے رہن رکھنے کے لیے مال بطور عاریت رکھا پھر آدھا دین ادا کر دیا تو نصف مال مرہون چھوٹ جائے گا خلاصہ یہ کہ فقہاء کے ہاں بالاتفاق مرہون میں سے کسی چیز کے آزاد ہونے یا نہ ہونے میں عقد رہن کے متعدد ہونے یا نہ ہونے کا دخل ہے الا یہ کہ حنفیہ کے ہاں تعدد کا مدار صیغہ کے اعتبار سے ہے عاقدین کے تعدد اور عدم تعدد کی طرف نظر کئے بغیر اور مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں مدار عاقد کے متعدد ہونے پر ہے اور شوافع کے ہاں دین کے تعدد اور عدم تعدد پر ہے اور ان کے ہاں دین مدین کے متعدد ہونے پر ہے اور ان کا مذہب مالکیہ اور حنابلہ کے قریب ہو جاتا ہے۔

دوسرا مقصد: رہن روکنے کا حق...... روکنے کے حق کا تعلق مرہون سے دین کے تعلق پر مرتب ہے اس لیے کہ یہ تعلق مشروع ہے مرہون سے دین کی وصولی وغیرہ کے لیے اور یہ تعلق مکمل نہیں ہوتا کسی مامون کے پاس رکھنے سے الا یہ کہ اسے روکا جائے اس دین کے بدلے جو مرتہن کے پاس ہے کہ اس کا روکنا مدین کو ادائیگی پر ابھارے مال محبوس کے فروخت ہونے کے خطرہ کی وجہ سے پس دین کا تعلق رہن سے ہے اور مرہون کو روکنا وثیقہ کے عناصر میں سے ہے۔

اسی بناء پر حنفیہ نے کہا[1] رہن کی صحت پر حق مرتہن ثابت ہوتا ہے عین مرہونہ کے روکنے پر ہمیشگی کے ساتھ اور راہن کو دین ادا کرنے سے پہلے قدرت نہ دینے پر اس لیے کہ رہن رسید اور وثیقہ ہے اور وثیقہ روکنے کے بغیر ادائیگی کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

حنفیہ کے ہاں روکنے کا حق ثابت ہوتا ہے مرتہن کے دین کی وصولی کے اثبات پر اس لیے کہ استیفاء کا معنی ہے عین کا مالک ہونا اور قبضہ کا مالک ہونا اس پر اور یہ بات کہ عین مرہون کا مالک ہونا شرعاً ممنوع ہے حدیث صحیح کی وجہ سے راہن کو اس کے مالک سے نہ روکو تو قبضہ کی ملکیت باقی رہے گی اور عقد رہن کا موجب وہ بطور وثیقہ رہے گا یعنی صرف قبضہ کا مالک ہونا نہ کہ عین کا مالک ہونا اس لیے کہ لفظ رہن کا مدلول لغوی اعتبار سے روکنا ہے اور شرعی معانی لغوی معانی کے اعتبار سے ثابت ہوتے ہیں اور یہ بات کہ مرہون عین مالی ہے اور ادائیگی بھی اس کی مالیت سے ہے تو مرتہن کا قبضہ اس کی مالیت کے اعتبار سے ہے پس وصولی کا قبضہ اس کی مالیت کے اعتبار سے ہوگا لہٰذا وہ مالیت دین پر محصور رہے گا اور جو زائد ہوگا وہ مرتہن کے ہاتھ میں امانت ہوگا۔

جمہور (شوافع مالکیہ اور حنابلہ) کے ہاں رہن کا موجب بھی وہی ہے جو تمام وثائق کا موجب ہے وہ یہ کہ اس کے ذریعہ ادائیگی کے طریقہ میں اضافہ ہوتا ہے اس سے مرتہن کا دین کے ساتھ تعلق عین مرہونہ سے ہوتا ہے اور اس کی مالیت سے اس کی ادائیگی کا مطالبہ بیع اور ثمن کے اختصاص سے ہوتا ہے۔

رہ گیا حق حبس تو شوافع کے ہاں یہ عقد رہن کے لیے لازم حکم نہیں راہن رہن واپس لے سکتا ہے اس سے نفع اٹھانے کے لیے ہلاک کیے بغیر جب اس کا فائدہ ختم ہو تو اسے واپس کر دے دلیل حدیث ہے کہ مالک سے رہن کو نہ روکا جائے اسی پر اس کا فائدہ اور نقصان ہے یعنی اسے روکا نہ جائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لام تملیک کے ساتھ اس کی طرف اضافت کی اور اسے صاحب (مالک) قرار دیا ہے پس اس کا تقاضا ہے کہ وہ مالک ہو رہن کا ذات نفع اور روکنے کے اعتبار سے اور ہمیشہ کا روکنا رہن کے وثیقہ ہونے کے منافی ہے کبھی رہن ہلاک ہو سکتا ہے تو دین ساقط ہو جائے گا جیسا کہ حنفیہ کے ہاں یہ تو توہین ہے توثیق نہیں نیز روکنے کی وجہ سے رہن کے نفع کو معطل کرنا ہے یہ تسبیب ہے اور تسبیب شرعاً ممنوع ہے۔

---

[1] ...... المبسوط: ۶۳/۲۱

خلاصہ جمہور کے ہاں عقد رہن میں ہمیشہ کا حق جس مرتہن کے لیے مرہون پر ثابت ہے اور شوافع کے ہاں رہن صرف دین کی ادائیگی کے لیے متعین ہے۔ میرے اندازے کے مطابق جمہور کی رائے بہت درست ہے اس لیے کہ واقع رہن کے ساتھ پر متفق ہے کیونکہ اس کے ذریعہ مدین کو دین کی ادائیگی پر ابھارنا مقصود ہے یہی وجہ ہے کہ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں قبضہ کی شرائط میں جیسا بیان ہوا کہ قبضہ مرہون پر اس وقت تک رہے کہ راہن ادائیگی کردے۔

حنفیہ اور شوافع کے مقتضی عقد رہن کے اختلاف کہ آیا اس پر حق حبس ہے یا یہ بیع کے لیے متعین ہے چند مسائل ہیں۔ ❶

رہن واپس کرنا...... حنفیہ رہن کو فائدہ اٹھانے کے لیے واپس کرنے کی اجازت نہیں دیتے اس لیے کہ یہ عقد رہن کے مقتضی کے خلاف اور منافی ہے اور اس کا مقتضاء مرتہن کے پاس مرہون کو روکنا ہے جب کہ شوافع فائدہ اٹھانے کے لیے واپس کرنے کی اجازت دیتے ہیں اس لیے کہ یہ مقتضائے عقد کے منافی نہیں اور مقتضاء عقد مرہون کا بیع کے لیے ادائیگی دین کے واسطے متعین ہے۔

۲۔ علیحدہ پیدا ہونے والے زوائد...... حنفیہ کے ہاں جو چیزیں الگ پیدا ہوں ان میں بھی حبس ہے کیونکہ یہ بھی اصل کا جزو ہیں جب کہ شوافع کے ہاں ان میں رہن کا حکم نہیں لہٰذا انہیں دین میں فروخت نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ الگ عین ہیں۔

۳۔ مشاع چیز کا رہن...... حنفیہ کے ہاں مشاع چیز کا رہن جائز نہیں اس لیے کہ اس میں حبس دائم متصور نہیں شوافع مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں جائز ہے کیونکہ اس کی بیع جائز ہے اور رہن کا حکم اس کا بیع کے لیے متعین ہونا ہے۔

مرتہن کا دین کی وصولی کا مطالبہ رہن روکنے ساتھ:

حنفیہ کے ہاں...... ❶ مرتہن راہن سے دین کا مطالبہ کرسکتا ہے اگر دین فی الحال ادا کرنا ہو اور ساتھ ساتھ مال مرہون کو روک کر جب مدین ادائیگی دین کا ارادہ کرے تو اسے اختیار ہے کہ وہ مرتہن سے رہن حاضر کرنے کا مطالبہ کرے اور مرتہن پر لازم ہے کہ وہ رہن کو حاضر کرے تاکہ معلوم ہو کہ وہ موجود ہے زائل نہیں ہوا۔ یہ اس وقت ہے جب رہن کا بوجھ نہ ہو اور نہ اس میں مشقت ہو مثلاً وہ عقد رہن کے شہر میں ہو اگر رہن کا بوجھ اور اس میں مشقت ہو تو مرتہن کو رہن حاضر کرنے کا مکلّف نہیں بنایا جائے گا اور اس سے رہن والے شہر سے دوسرے شہر میں مطالبہ ہو اس لیے کہ اس پر اس وقت تخلیہ واجب ہے نہ کہ ایفاء کی جگہ سے منتقل کرنا تاکہ اسے بڑا نقصان نہ ہو اگر مطالبہ اس شہر میں ہو جس میں عقد رہن مکمل ہوا ہے تو وہ اسے حاضر کرے کیونکہ اسے حاضر کرنے میں کوئی بڑا نقصان نہیں اگر کسی عادل شخص کے پاس ہو تو بھی مرتہن کو حاضر کرنے کا مکلّف نہیں بنایا جائے گا اس لیے کہ اس کا حاضر کرنا اس کی قدرت میں نہیں اس لئے کہ عدل رہن کو کسی ایک عاقد کے پاس حاضر کرنے سے روکتا ہے ورنہ وہ ضامن ہوگا اور اس کا لینے والا غاصب ہوگا۔

خلاصہ...... اگر مطالبہ رہن والے شہر میں ہو تو مرتہن کو حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا مطلقاً ورنہ اگر اس کا بوجھ اور اس میں مشقت نہ ہو تو بھی حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اگر اس کا بوجھ ہو تو پھر حاضر کرنے کا حکم نہیں ہوگا ابن عابدین رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں نظر ہے اس لیے کہ مشقت کے موجود ہونے پر حکم ہے اگر اس پر خرچہ ہوتا ہے کسی دوسری جگہ ہونے کی وجہ سے تو اسے حاضر کرنے کا مکلّف نہیں بنایا جائے گا اور اگر اس میں کوئی مشقت نہیں تو پھر اس حاضر کرنے کا مطالبہ ہوگا اور میرے اندازے کے مطابق یہ بہت گہری باریک اور اولی رائے ہے۔

تیسرا مقصد: مال مرہون کی حفاظت...... اس بناء پر کہ حنفیہ کے ہاں حق حبس مرہون کو حاصل ہے تو مرتہن مرہون کی حفاظت کرے گا جیسا کہ اپنے مال کی عام طور پر حفاظت کرتا ہے لہٰذا اسے اپنی حفاظت میں رکھے گا اپنی بیوی اولاد اور خادم کی حفاظت میں اگر یہ دونوں

❶ البدائع: ۶/ ۱۴۸۔

ساتھ رہتے ہوں اوراجیر خاص کی حفاظت میں اس لیے کہ شی مرہون اس کے قبضہ میں امانت ہے لہٰذا اس اعتبار سے یہ ودیعت کی طرح ہے اس کی ایسے ہی حفاظت کرے جیسے ودیعت کی کرنی ہوتی ہے۔

ان کے علاوہ کسی اوراس کی حفاظت کرنا جائز نہیں اگراس نے کسی اور کے پاس ودیعت رکھایا اس کی حفاظت میں کوتاہی کی تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا وہ جتنی بھی ہواور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں ضامن ودیع ہے مرتہن نہیں اور صاحبین کے ہاں دونوں ضامن ہیں مرتہن دینے کی وجہ سے اور ودیع غیر مملوک کو لینے کی وجہ سے لیکن آخر میں ضمان مرتہن پر ہی ہوگا جیسے ودیع کے ودیع میں مرتہن شی مرہون کو ساتھ رکھ کرا گر راستہ پرامن ہو سفر بھی کرسکتا ہے جیسے ودیعت میں۔

چوتھا مطلب: رہن پرخرچ کرنا.....فقہاء کا اس بات پراتفاق ہے کہ رہن کے اخراجات مالک راہن پر ہیں اس لیے کہ شارع علیہ السلام نے اس کے منافع اور نقصانات واخراجات راہن کے ذمہ لگائے ہیں کہ رہن کا مالک نہیں بنتا مرتہن راہن کے لیے اس کے فوائد اور اخراجات ہیں۔لیکن نفقہ واجبہ میں اختلاف ہے اور دورائے ہیں۔

ا۔حنفیہ کے ہاں...... ❶ نفقہ راہن اور مرتہن پر تقسیم ہوگا راہن پر عین کی ملکیت کے اعتبار سے اور مرتہن پر حفاظت کے اعتبار سے اس طور پر کہ ہروہ چیز جومرہون کی بقاء کے لیے ضروری ہے وہ راہن پر ہے اس لیے کہ یہ اس کی ملکیت ہے اور ہروہ چیز جومرہون کی حفاظت کے لیے ضروری ہے تو وہ مرتہن پر ہے اس لیے کہ اس نے اسے روکا ہوا ہے اس پراس کے توابع لازم ہیں۔اسی بناء پر راہن کے ذمہ جانور کا کھانا پینا چرواہے کی اجرت اور درختوں کی سیرابی ان کی شاخ ترائی اوران کے پھل اتارنے اور زمین کی سیرابی اس کی درستگی نہروں کی کھدائی خراج اورعشر وغیرہ نکالنا سب کے اخراجات مالک کے ذمہ ہیں اس لیے کہ مذکورہ تمام چیزیں جو رہن کی بقاء کے لیے ضروری ہیں یہ مملوک کی مؤنت ہے مالک پر، راہن کے لیے جائز نہیں کہ وہ نفقہ اوراخرجات رہن یا اس سے پیدا ہونے والے زوائد کو چھوڑے الا یہ کہ مرتہن راضی ہوتو جو چھوڑ سکتا ہے کیونکہ سارے کے سارے مرہون کے ساتھ مرتہن کا تعلق ہے اوراسے فروخت کرنے باقی پرخرچ کرنے سے اس کے حق میں تعدی ہے جومرتہن کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

اورمرتہن پرحفاظت کی اجرت، چوکیدار یا اس جگہ کی جہاں اس کی حفاظت کررہا ہے اوراسی بناء پرعقدرہن میں رہن کی حفاظت کی اجرت مرتہن پرشرط کے طور پررکھنا جائز نہیں کیونکہ یہ اس پرواجب ہے اورواجب پرکوئی اجرت نہیں ہوتی جب کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ٹھکانے کی اجرت بھی راہن پر ہے اس لیے کہ یہ اس کے باقی رہنے کے لیے ضروری ہے۔

رہ گئے وہ اخراجات جومرہون کے نقصان کے وقت واپس کرنے یا اس کی بیماریوں کے علاج کے اخراجات راہن اورمرتہن دونوں پر ہیں مرتہن پر بقدر ضمان یعنی جو دین کے مقابلہ میں ہے اور باقی جو دین پر زیادہ ہے وہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے ضمان میں داخل نہیں وہ راہن پر ہیں جب کہ اس کی قیمت دین سے زیادہ ہو ورنہ مرتہن پر ہیں۔

۲۔ مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... ❷ رہن کے تمام اخراجات راہن پر ہیں چاہے اس کی بقاء کے لیے ہوں یا اس کی حفاظت اور علاج کے لیے حدیث سابق کی وجہ سے راہن کے رہن کے مالک نہ بنو اسی پراس کے فائدے اور اخراجات ہیں۔پس تمام اخراجات اس کے غرم میں سے ہیں۔

اگرراہن خرچ نہ کرے تو کیا حکم ہے؟

مالکیہ کے ہاں......اگرراہن خرچ نہ کرے رہن پر حالانکہ رہن اخراجات کا محتاج ہو مثلاً جانور کا چارا زمین کی درستگی تو مرتہن خرچ

❶..... الدرالمختار ۵/۳۴۵،۳۴۷۔ ❷ المغنی: ۴/۳۹۲۔

کرے اور جو کچھ بھی وہ خرچ کرے وہ راہن سے لے لے اگر رہن کی قیمت سے زیادہ اخراجات ہو جائیں تو وہ راہن کے ذمہ میں دین ہوں گے رہن کی مالیت یا عین پر نہیں ہوں گے چاہے اس کی اجازت سے خرچ کر یا بغیر اجازت کے اس لیے کہ راہن کے واجبات کو اس نے پورا کیا ہے۔

شوافع کے ہاں......اگر راہن موجود اور مالدار ہو تو قاضی اس پر جبر کرے گا مرہون پر اخراجات کے سلسلہ میں اگر جبر کرنا موجود نہ ہونے یا غریب ہونے کی وجہ سے متعذر ہو تو قاضی اگر راہن کا مال ہو تو اس میں سے خرچ کرے اور تنگ دستی کی صورت میں قاضی قرض لے یا پھر رہن کا ایک حصہ فروخت کر دے رہن کی بقا کے لیے یا پھر مرتہن کو اس پر خرچ کرنے کا حکم دے اور وہ راہن پر دین ہو گے جب مرتہن خرچ کرے تو اگر قاضی کی اجازت سے ایسا کیا یا گواہ بنائے تھے تو پھر راہن سے رجوع کرے اور راہن کی عدم موجودگی میں اس بات پر گواہ بنا لے کہ وہ رجوع کرے گا جو خرچہ کر رہا ہے اس میں۔

حنابلہ کے ہاں......جب مرتہن راہن کی اجازت کے بغیر خرچ کرے حالانکہ وہ اس سے اجازت لے بھی سکتا تھا تو اس صورت میں وہ تبرع کرنے والا ہوگا اس کو رجوع کا کوئی حق نہیں اور اگر اجازت نہ لے سکتا تھا عدم موجودگی وغیرہ کی وجہ سے تو پھر نفقہ مثل اور جو اس نے خرچ کیا ہے اس میں کم لے بشرطیکہ اس نے خرچ کرتے وقت رجوع کی نیت کی ہو قاضی سے اجازت یا گواہ بنانے کی ضرورت نہیں۔

پانچواں مقصد: رہن سے نفع اٹھانا......رہن کو معطل چھوڑ دینا اور اس کی منفعت سے فائدہ نہ اٹھانا تو کسی طرح جائز نہیں کیونکہ یہ تو مال ضائع کرنا ہے دوران رہن اس سے فائدہ اٹھانا واجب ہے لیکن یہ فائدہ کون اٹھائے راہن یا مرتہن؟ میں ہر حالت پر علیحدہ بحث کروں گا راہن کے انتفاع اور مرتہن کے انتفاع کی۔

پہلی بات......راہن کا رہن سے فائدہ حاصل کرنا: یہاں راہن کے انتفاع میں دو رائے ہیں ایک جمہور کی رائے ہے عدم جواز کی اور دوسری شوافع کی رائے ہے اگر مرتہن کو نقصان نہ ہو جائز ہے ان اقوال کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ حنفیہ کے ہاں...... (1) راہن مرتہن کی اجازت کے بغیر رہن سے کسی قسم کا فائدہ حاصل نہیں کر سکتا نہ خدمت نہ سواری نہ لباس پہننا نہ رہائش وغیرہ جیسا کہ مرتہن راہن کی اجازت کے بغیر فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔

پہلی حالت پر ان کی دلیل......کہ مرتہن کے لیے بطور دوام حق حبس ثابت ہے اور یہ واپس کرنے سے مانع ہے اگر راہن نے مرتہن کی اجازت کے بغیر نفع حاصل کیا مثلاً مرہونہ گائے کا دودھ استعمال کیا یا مرہون درخت کے پھل کھا لیے وغیرہ تو ان کی قیمت کا ضامن ہوگا اس لیے کہ اس نے مرتہن کے حق میں۔

تعدی کی ہے اور یہ قیمت رہن میں داخل ہو گی اور اس سے دین متعلق ہوگا اور جب راہن نے مرتہن کی اجازت کے بغیر رہن کو اپنے استعمال کے لیے واپس لے لیا اور مرہونہ سواری پر سوار ہوا یا مرہون کپڑوں کو پہن لیا، مرہونہ گھر میں رہائش اختیار کر لی یا مرہونہ زمین میں کھیتی بوئی تو مرتہن سے رہن کا ضمان ختم ہو جائے گا اور یہ رہن کو غصب کرنے والا شمار ہوگا اور مرتہن کو اس سے زبردستی لے کر دیا جائے گا اور اگر راہن کے قبضہ میں رہن ہلاک ہو گیا تو اسی کا ہلاک ہوا اگر راہن کے رہن سے نفع اٹھانے سے مرتہن کا قبضہ ختم نہ ہو تو وہ اس سے نفع اٹھا سکتا ہے جیسے آلات کو اجرت پر دے دینا۔ مثلاً آٹا پیسنے وغیرہ کے آلات لیکن اس صورت میں جو اجرت لے گا وہ راہن کی ہو گی اس لیے کہ رہن کی بڑھوتری اور زوائد راہن کے ہیں اور جب وہ مرتہن لے لے تو پھر دین میں سے اس کا حساب لگا لیا جائے گا یہ مذہب اس بات پر مبنی ہے کہ جو بھی اضافہ

---

(1) البدائع: ۶/۱۴۶

رہن سے پیدا شدہ ہو چاہے اس سے متصل ہو یا منفصل وہ رہن سے ملحق ہے۔

۲۔ حنابلہ کے ہاں...... حکم حنفیہ ہی کی طرح ہے کہ راہن کے لیے مرتہن کی اجازت کے بغیر یا اس کی رضامندی کے بغیر نفع اٹھانا جائز نہیں نہ اس سے خدمت لے سکتا ہے نہ سوار ہو سکتا ہے نہ اس میں رہائش رکھ سکتا ہے اور اس کے منافع کو معطل کرنا شریعت میں مکروہ ہے جب راہن اور مرتہن کا اتفاق نہ ہو راہن کے فائدہ اٹھانے پر تو گھر کو تالا لگا دیا جائے گا جب تک کہ وہ رہن کو چھڑا نہ لے اس لیے کہ رہن عین کو محبوس کرنے کا نام ہے لہٰذا مالک کے لیے اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں یہ مبیع کی طرح جو بائع کے پاس ثمن کی ادائیگی تک محبوس رہتی ہے یہ مذہب بھی اس بات پر مبنی ہے کہ رہن کے تمام منافع اصل کے ساتھ رہن حنفیہ کی طرح تمام مسائل ہیں۔ [1]

رہن کی اصلاح ودرستگی...... راہن کو رہن کی اصلاح اس سے فساد کو دور کرنے اور اس کے علاج معالجہ سے روکا نہیں جائے گا اگر اس کی ضرورت ہو اسی طرح جفتی کی اگر ضرورت ہو گائے وغیرہ کو وہ بھی کروائی جائے گی۔ [2]

۳۔ مالکیہ...... نے ان دو مذہبوں سے زیادہ سختی کی ہے انتفاع کے سلسلہ میں ان کے ہاں راہن رہن سے کسی صورت میں بھی نفع نہیں اٹھا سکتا اور مرتہن کی انتفاع کی اجازت رہن کو باطل کر دیتی ہے اگرچہ وہ نفع نہ بھی اٹھائے کیونکہ اجازت دینا اپنے حق رہن سے دستبرداری ہے۔

اور اس بات کے باوجود کہ رہن کے منافع راہن کی ملکیت ہیں، تو اسے جازت ہے کہ وہ مرتہن کو رہن سے نفع اٹھانے میں نائب بنائے اور وہ راہن کو حساب دے حتیٰ کہ اگر اس نے رہن کے منافع کو معطل اور بے کار چھوڑ مثلاً گھر کو بند رکھا اور اس سے منافع حاصل نہ کیا تو بعض مالکیہ کے ہاں معطل ہونے کی مدت کی اجرت مثل کا ضامن ہوگا اس لیے کہ اس نے انہیں ضائع کیا ہے۔ اور بعض کے ہاں ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ مرتہن کے ذمہ راہن کے مال کا استغلال (سرمایہ کاری) نہیں اور بعض کی ہاں اگر راہن کو استغلال کا علم ہو اور وہ معطل چھوڑنے پر نکیر نہیں کر رہا تو ضامن نہیں ورنہ ہے۔ [3]

۴۔ شوافع...... جمہور کے خلاف کے قائل ہیں راہن مرہون سے ہر قسم کا انتفاع اور فائدہ حاصلکر سکتا ہے جیسے سوار ہونا، خدمت لینا، رہائش اختیار کرنا، پہننا، سواری یا گاڑی پر بوجھ لادنا اس لیے رہن کے منافع اور اس کی بڑھوتری کا راہن مالک ہے اور ان کے ساتھ دین کا کوئی تعلق نہیں اور دلیل دارقطنی اور حاکم کی روایت رہن پر سواری کی جائے گی اور اس کا دودھ نکالا جائے گا اور بخاری کی روایت ہے پیٹھ پر سوار ہوا جائے گا جب کہ وہ مرہون ہو۔ رہ گئی وہ چیزیں جن سے رہن کی قیمت کم ہو مثلاً عمارت تعمیر کرنا یا درخت لگانا زمین میں تو یہ کام راہن کے لیے مرتہن کی اجازت کے بغیر جائز نہیں اس کے حق کی رعایت کی وجہ سے اور مرتہن کو اجازت ہے کہ وہ اجازت سے راہن کے تصرف سے پہلے رجوع بھی کر سکتا ہے۔ جب مرہون سے نفع اٹھانا مرتہن سے واپس کے لئے بغیر ممکن ہو جیسے اجارہ کے آلات وغیرہ تو نہیں اس سے واپس نہیں لیا جائے گا اور اگر واپس لیے بغیر نفع اٹھانا ممکن نہ ہو مثلاً گھر ہے سواری یا گاڑی ہے تو ضرورت کے وقت یہ واپس لے جائیں اور فائدہ حاصل کرنے کے بعد مرتہن کو واپس کر دی جائیں۔

دوسری بات: مرتہن کا رہن سے فائدہ حاصل کرنا...... حنابلہ کے علاوہ جمہور کے ہاں مرتہن رہن میں سے کسی چیز و قسم کا فائدہ حاصل نہیں کر سکتا اور جو حدیث ہے دودھ دوہنے اور سواری ہونے کے سلسلہ میں تو اسے یہ حضرات چارے وغیرہ کی مقدار خرچ پر محمول کرتے ہیں کہ جب راہن خرچ کرنے سے رک جائے اور اس پر مرتہن خرچ کرے تو اتنی مقدار کے بدلے وہ نفع حاصل کر سکتا ہے۔ جب کہ حنابلہ مرتہن کو رہن سے فائدہ حاصل کرنے کی اجازت دیتے ہیں کہ اگر وہ جانور ہو تو اسے چارہ کھلائے اور اس سے فائدہ حاصل کرے مذاہب کی

---

[1] المغنی ۳۹۰/۴ [2] الشرح الکبیر ۲۴۱/۳ [3] مغنی المحتاج: ۱۳۱/۲

تفصیل یہ ہے۔

حنفیہ کے ہاں...... ❶ راہن کی اجازت کے بغیر مرتہن مرہون سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا نہ خدمت نہ سواری نہ رہائش، نہ لباس پہننا اور نہ کتاب پڑھنا اس لیے کہ مرتہن کو روکنے کا حق ہے نہ کے فائدہ حاصل کرنے کا اگر نفع حاصل کرنے کے دوران وہ ہلاک ہو جائے تو کل قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ اب یہ غاصب ہے۔ اور جب راہن مرتہن کو فائدہ حاصل کرنے کی اجازت دے دے تو بعض حنفیہ کے ہاں مطلقاً جائز ہے اور بعض کے ہاں مطلقاً منع اس لیے کہ یہ سود ہے یا اس میں سود کا شبہ ہے اجازت اور رضامندی نہ سود کو حلال کرتی ہے اور نہ اس کے شبہ کو حلال کرتی ہے ان میں سے بعض تفصیل کرتے ہیں کہ اگر عقد میں انتفاع کی شرط راہن کے لیے لگا دی گئی تو یہ حرام ہے اس لیے کہ سود ہے اگر عقد میں شرط نہ لگائی تو یہ جائز ہے اس لئے کہ راہن مرتہن کے لیے تبرع کرنے والا ہے اور شرط جس طرح صریح ہوتی ہے اسی طرح متعارف بھی ہوتی ہے اور معروف مشروط کی طرح ہے یہ تفصیل روح شریعت سے متفق ہے اور لوگوں کے حالات میں غالب یہ ہے کہ وہ قرض نفع اٹھانے ہی کی غرض سے دیتے ہیں اگر ایسا نہ ہو تو وہ کبھی بھی دراہم نہ دیں اور یہ بمنزلہ شرط ہے کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہے یہی ممنوع ہے شریعت میں جیسا کہ ابن عابدین نے کہا یہ بات یاد رہے کہ دین کے معاملہ میں احتیاط واجب ہے اور ہر وہ قرض جو نفع لائے مشروط یا متعارف تو وہ حنفیہ کے ہاں سود ہے اور ابن نجیم رحمہ اللہ نے اشباہ میں لکھا ہے مرتہن کے لیے مکروہ تحریمی ہے رہن سے نفع اٹھانا اور تاتارخانیہ میں تصریح ہے کہ اگر کسی نے دراہم قرض لیے اور اس نے اپنا گدھا قرض خواہ کو دیا تاکہ وہ دو مہینے اس سے فائدہ اٹھائے اور یہ اس وقت تک اس کا قرض ادا کر دے گا یا اپنا گھر رہائش کے لیے دے دے تو یہ اجارہ فاسدہ ہے اگر اس نے استعمال کیا تو اس پر اجرت مثل ہے اور یہ رہن نہیں اور اسی بناء پر ہم اپنے زمانے کے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ مرتہن کو بطور رہن اپنا گھر رہائش کے لیے دیتے ہیں اور راہن قرض واپس کرنا یہ قرض ہے اور تمام مذاہب کے ہاں ایسا کرنا جائز نہیں اور یہ عقد بیع وفاء میں سے نہیں اس لیے کہ لوگوں کے مقاصد بیع کے نہیں ہوتے۔

۲۔ مالکیہ نے بھی تفصیل کی ہے...... جب راہن مرتہن کو انتفاع کی اجازت دے دے یا مرتہن منفعت کی شرط لگائے تو اگر دین بیع یا شبہ بیع کے قبیل سے ہو تو جائز ہے اور مدت معلوم ہونی چاہیے تاکہ اجارہ کو فاسد کرنے والی جہالت سے نکلا جا سکے اس لیے کہ یہ بیع اور اجارہ ہے اور جائز ہے اور اس جواز کے متعلق دردیر نے فرمایا کہ مرتہن منفعت کو اپنے لیے مفت میں لے لے یا دین سے اس کا حساب کر لے اور باقی دین مکمل لے لے اور اگر دین قرض ہو تو جائز نہیں اس لیے کہ یہ ایسا قرض ہے جو نفع کو کھینچے والا ہے اور قرض کی حالت میں نفع اٹھانا جائز نہیں اگر راہن مرتہن کو نفع میں تبرع کرے یعنی مرتہن کے لیے شرط نہ ہو پھر بھی اس لیے کہ مدیون کا ہدیہ ہے اور اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

خلاصہ...... یہاں پر آٹھ صورتیں ہیں مرتہن کے لیے رہن کی منفعت کی شرط میں سات ان میں سے ممنوع ہیں اور صرف ایک جائز ہے ممنوع میں سے چار صورتیں قرض کی ہیں اور وہ یہ کہ جب منفعت کی مدت متعین ہو یا مجہول ہو یا مشروط ہو یا تبرع کرنے والا ہو اور تین صورتیں ان میں سے بیع میں ہیں وہ یہ کہ اس میں تبرع کرنے والا ہو چاہے مدت متعین ہو یا مجہول یا مشروط ہو اور اس کی مدت مجہول ہو۔ اور جائز صورت یہ ہے کہ جب منفعت عقد بیع میں مشروط ہو اور مدت متعین ہو اور جواز کا محل اس میں شرط ہو کہ مرتہن مفت میں لے یا دین میں سے ادا کر دے اور باقی دین اسی وقت دے دے۔

۳...... شوافع مالکیہ کی طرح ہی کہتے ہیں کہ مرتہن عین مرہونہ سے نفع نہیں اٹھا سکتا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: رہن کو اس کے مالک سے نہ روکا جائے اسی پر اس کی منفعت ہے اور اسی پر اس کا تاوان ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا غنم کا معنی اس کا اضافہ اور

❶ ...... البدائع: ۶ / ۱۴۶۔

عزم کا معنی اس کی ہلاکت اور نقصان اور اس میں کوئی شک نہیں غنم ہی میں سے تمام انتفاع کی صورتیں ہیں یہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے ہے۔ اگر مرتہن قرض کے عقد میں ایسی شرط لگائے جس سے راہن کا نقصان ہو مثلاً مرہون کے زوائد یا اس کا نفع اس کے لیے ہو تو یہ شرط باطل ہے اور اظہر قول میں رہن بھی باطل ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ ہر وہ شرط جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ ہو وہ باطل ہے رہ گیا رہن کا باطل ہونا مقتضی عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے جیسے وہ شرط جس کی وجہ سے مرتہن کا نقصان ہو۔ اگر منفعت مقرر یا معلوم ہو اور رہن بیع میں مشروط ہو اس لیے کہ منفعت کی شرط لگانا مرتہن کے لیے درست ہے اس لیے کہ بیع اور اجارہ ایک سودا میں جمع ہوا ہے اور یہ جائز ہے مثلاً کوئی شخص دوسرے کو کہے میں تمہیں اپنا حصہ ایک سو کا فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ تم اپنا گھر میرے پاس رہن رکھو اور اس کی منفعت ایک سال کے لیے میری ہوگی پس حصے مبیع ہوں گے اور بعض گھر کی منفعت کے مقابلے میں۔

اگر منفعت اٹھانا عقد میں مشروط نہ ہو تو مرتہن رہن سے نفع اٹھا سکتا ہے مالک اور راہن کی اجازت سے اس لیے کہ راہن مالک ہے اور اسے اجازت ہے کہ وہ اپنی ملک میں تصرف کی جس کو چاہے اجازت دے اور اجازت سے اس کا حق مرہون سے ضائع نہیں ہوتا اس لیے کہ اجازت سے اس کے قبضہ سے وہ نہیں نکلتا اور وہ اس کا حساب لگائے۔

۴۔ حنابلہ کے ہاں...... ❶ جانوروں کے علاوہ وہ چیزیں جو قوت اور اخراجات کی محتاج نہیں جیسے گھر اور سامان وغیرہ تو ان چیزوں سے راہن کی اجازت کے بغیر مرتہن کا نفع اٹھانا جائز نہیں کسی بھی صورت میں اس لیے کہ رہن اس کے منافع یہ راہن کی ملکیت کی بڑھوتری ہے غیر کو اس کی اجازت کے بغیر لینا جائز نہیں اور اگر راہن مرتہن کو بغیر عوض ان سے فائدہ حاصل کرنے کی اجازت دے دے اور دین قرض ہو تو جائز نہیں اس لیے کہ یہ قرض ہے جو نفع اٹھا رہا ہے اور یہ حرام ہے امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: گھروں کا قرض خالص سود ہے یعنی گھر جب قرض کے بدلے رہن ہو اور مرتہن اس سے نفع اٹھائے اور اگر رہن مبیع کے ثمن ہوں یا گھر کی اجرت یا دین قرض نہ ہو اور راہن مرتہن کو انتفاع کی اجازت دے تو جائز ہے اگر انتفاع عوض کے ساتھ ہو اور وہ اجرت مثل ہے تو یہ قرض وغیرہ سب میں جائز ہے اس لیے کہ قرض نفع نہیں اٹھایا جا رہا بلکہ اجارہ سے اٹھایا جا رہا ہے اور اگر وہ محابات کرے تو یہ قرض میں جائز نہیں قرض کے علاوہ میں جائز ہے۔

خلاصہ یہ کہ انتفاع اگر عوض سے ہو تو پھر یہ قرض اور دوسرے تمام چیزوں میں جائز ہے اور اگر عوض کے بغیر ہو تو قرض میں جائز نہیں اور اگر مرتہن مالک کی اجازت کے بغیر نفع اٹھائے تو دین سے اسی کو شمار کیا جائے گا اور حیوان اور جانوروں کی صورت میں راہن کی اجازت کے بغیر بھی مرتہن اس کو سواری کے طور پر اس سے دودھ دوہ کر استعمال کر سکتا ہے اپنے نفقہ کی بقدر اور نفقہ میں اعتدال ضروری ہے۔ ان کی دلیل گذشتہ حدیث ہے کہ پیٹھ پر سوار ہو جائے گا خرچہ کر کے اگر وہ مرہون ہو اور دودھ پیا جائے گا خرچہ سے اگر مرہون ہو جو سوار ہو یا پیئے اس پر نفقہ ہے یہ جملہ الظہر یرکب والدر یشرب جملہ خبریہ ہے انشاء کے معنی ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ ......البقرۃ: ۲/۲۳۳

نیز تصرف کرنا معاوضہ ہے اور معاوضہ دونوں بدلوں میں مساوات کا تقاضا کرتا ہے۔

لیکن علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اعلام المعوقین میں فرمایا: دونوں ہدیوں میں مساوات کی ضرورت نہیں اس لیے کہ شارع نے ان میں مساوات کردی ہے اور ہمارے اوپر مشکل ہے سوار ہونے دودھ اور نفقہ میں موازنہ کرنا جمہور اس حدیث پر عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اس حدیث کو اصول اور صحیح آثار رد کرتے ہیں اور اس کے نسخ پر صحیح حدیث موجود ہے کہ بکری کا دودھ مالک کی اجازت کے بغیر نہ دوہا جائے ❷ اور حدیث رہن کو اس کے مالک جس نے رہن رکھا ہے سے نہ روکا جائے اسی کو اس کا فائدہ ہے اور اسی پر اس کا نقصان ہے۔ حنابلہ نے اس کا

---

❶ ...... المغنی: ۴/۳۸۵۔ ❷ اخرجہ البخاری۔

جواب دیا ہے کہ اصل تو سنت ہے اصول اسے کیسے رد کرسکتے ہیں اور رہ گئی ناسخ حدیث تو وہ عام ہے اور رہن والی حدیث خاص ہے لہٰذا خاص اس کو مقید کردے گی۔

میرا خیال ہے حنابلہ نے جو استثناء کیا ہے اسے لیا جائے کیونکہ حدیث صحیح ہے اور اس کے علاوہ جو راجح قول ہے وہ یہ ہے کہ جس پر تمام مذاہب متفق ہوں دلیل یہ ہے کہ حنابلہ کے ہاں: اگر رہن میں یہ شرط لگادی جائے کہ مرتہن سے فائدہ اٹھایا جائے تو یہ شرط فاسد ہے اس لیے کہ مقتضی عقد کے منافی ہے اور بیع میں رہن جائز ہے اس لیے کہ رہن اور اجارہ ہے۔ کما قال الشافعية

چھٹا مقصد: رہن میں تصرف کرنا......رہن تصرف یا تو راہن کی جانب سے ہوگا یا مرتہن کی جانب سے۔

پہلی بات: راہن کا رہن میں تصرف کرنا سپرد کرنے سے پہلے......حنیفہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں قبضہ سے پہلے راہن کا رہن میں تصرف کرنا مرتہن کی اجازت کے بغیر بھی نافذ ہے اس لیے کہ اس صورت میں مرتہن کا حق اس سے متعلق نہیں ہوا اور مالکیہ کے ہاں: چونکہ رہن ایجاب قبول سے لازم ہوجاتا ہے لہٰذا راہن کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ رہن مرتہن کے حوالے کرے مذکورہ بات کے باوجود وہ بھی قبضہ سے راہن کو تصرف کی اجازت دیتے ہیں اگر راہن نے عقد بیع یا قرض میں مشروط رہن کو فروخت کردیا تو اس کی بیع نافذ ہوگی جب کہ مرتہن نے طلب رہن میں تفریط کی ہو اور اس کا دین بلدر رہن رہے گا لیکن اگر اس نے طلب رہن میں تفریط نہیں کی اور خوب مطالبہ کیا تو اس میں تین قول ہیں: پہلا قول ابن الصقار کا ہے کہ مرتہن کو اختیار ہے کہ وہ بیع کو رد کردے اور نافذ نہ ہونے دے اگر مبیع باقی ہو لیکن اگر مبیع بائع کے ہاتھ سے نکل جائے اور اس کے ثمن اس کے پاس رہن ہوں تو بیع نافذ ہوگی۔

دوسرا قول......ابن ابی زید کا ہے کہ بیع نافذ ہے اور ثمن اس کے بدلے میں رہن ہوں گے تیرا قول ابن رشد رحمہ اللہ کا ہے: بیع نافذ ہے اور دین بلدر رہن رہے گا اور اس کے بدلہ میں ثمن رہن نہ ہوں گے اور اگر رہن عقد کے بعد تبرعا ہو اور راہن سے مرتہن کے قبضہ سے پہلے فروخت کردے تو اس کی بیع نافذ ہوگی آیا اس کے ثمن رہن ہوں گے یا نہیں تو اس میں وہی اختلاف ہے جو ہبہ کی بیع میں قبضہ سے پہلے ہے۔

ب: سپرد کرنے کے بعد......جب راہن مرہون کو سپرد کردے تو اس کی ملکیت باقی ہے لیکن اس کے ساتھ مرتہن کے دین کا تعلق ہے تو حنفیہ کے ہاں وہ قرض (دین) کی ادائیگی تک اسے روک کر رکھ سکتا ہے اور جمہور کے ہاں وہ بیع کے لیے متعین ہے دین کے وثیقہ کے طور پر۔ دونوں رائیوں کے مطلق راہن رہن میں مرتہن کی اجازت کے بغیر تصرف کرنے کا مجاز نہیں کیونکہ اس کا حق اس سے متعلق ہے اگر مرتہن اجازت دے دے یا وہ دین ادا کردے یا مرتہن اسے دین سے بری کردے تو بیع جائز ہے اور نافذ ہوگی اور ظاہر روایت کے مطابق دین ادا نہ کرنے کی صورت میں اس کے ثمن رہن ہوں گے وہ اپنے حق حبس یا تعین بیع سے دستبردار ہوگیا مذاہب کی تفصیل یہ ہے۔

ا۔ حنفیہ کے ہاں......❶ جب راہن رہن کو مرتہن کی اجازت کے بغیر فروخت کردے تو بیع موقوف ہے کیونکہ اس کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہے اگر مرتہن نے اجازت دے دی یا راہن نے دین ادا کردیا یا مرتہن نے دین سے بری کردیا تو بیع جائز ہے اور عدم ادائیگی کی صورت میں ثمن رہن ہوں گے اس لیے کہ بدل کے لیے مبدل والا حکم ہے۔ اور اگر مرتہن نے اجازت نہ دی اور فسخ بھی نہ کی تو اصح یہ ہے کہ بیع موقوف رہے گی اور اگر مشتری کو مرہون ہونے کا علم نہ ہو تو اسے اختیار ہوگا یا تو رہن کے چھوٹنے تک صبر کرے یا وہ معاملہ قاضی کی عدالت میں لے جائے فسخ بیع کے لیے۔

ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ......مرتہن کا حق مرہون کی ملکیت سے متعلق ہے جب اس نے بیع کردی تو ثمن مال مرہون کا بدل

---

❶......البدائع ۱۴۶/۶۔

ہو گے اس سے مرتہن کا کوئی نقصان نہیں اس لیے کہ اس کا حق بیع کی وجہ سے ختم نہیں ہوا۔ اور جب راہن مرتہن کی اجازت کے بغیر مکرر بیع کردی مثلاً اسے دوسری مرتبہ فروخت کردیا تو یہ دوسری بیع بھی مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگی جس بیع کی بھی وہ اجازت دے وہ نافذ ہوگی اور دوسری باطل ہوگی۔

اور اگر دوسرا تصرف ہبہ اجارہ یا رہن ہو اور مرتہن اس تصرف کو جائز قرار دے تو پہلی بیع نافذ ہوگی نہ کہ یہ تصرفات، اس لیے کہ ان تصرفات کی اجازت اپنے حق جس کو ساقط کرنا ہے اور اس سے مفاذ بیع کا مانع ختم ہوگیا وہ نافذ ہوگی اور مرتہن کی مصلحت ثمن سے متعلق ہوجائے گی اور رہ گئے یہ تصرفات تو ان کے نفاذ سے مرتہن کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ ان سے اس کا حق تبدیل نہیں ہوگی کہ وہ چیز مرہون کے قائم مقام ہو۔ اگر راہن عاریت اجارہ ہبہ یا دین کا تصرف کرے تو اس کا یہ تصرف بھی مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگا عاریت کی صورت میں تو اس لیے کہ اگر مرتہن اسے رد کردے تو وہ باطل ہوجائے گی اور اگر اجازت دے دے تو نافذ ہوگی اور اس کی اجازت سے عقد رہن باطل نہیں ہوگا اس لیے کہ عاریت عقد غیر لازم ہے راہن اور مرتہن میں سے ہر ایک کو اس کے نفاذ کے بعد بھی واپس کرنے کا اختیار ہے اور اس کا واپس کرنا پہلے کی طرح رہن ہی ہوگا اور اجارہ کی صورت میں اس کا اجازت دینا عقد رہن کو باطل کردیتا ہے کیونکہ اجارہ عقد لازم ہے اگر راہن ان عقود میں سے کوئی عقد مرتہن کے ساتھ کرے تو ان کا حکم بھی مرتہن کی اجازت کا وہی ہے جو غیر کے لیے ہے اگر یہ مشتری ہو یا موہوب لہ ہو یا اس پر صدقہ کیا گیا ہو تو اس سے رہن باطل ہوجائے گا۔ لیکن اگر مرتہن مستعیر ہو تو رہن باطل نہیں ہوگا لیکن اس کا ضمان مرتفع ہوجائے گا عین مرہونہ سے انتفاع کی صورت میں دوران انتفاع اگر وہ ہلاک ہوگئی تو بطور امانت ہلاک ہوگی اگر انتفاع پہلے یا بعد میں ہلاک ہوتی تو رہن کے طور پر ہلاکت تصور ہوگی لیکن اگر وہ اجرت پر لینے والا ہو اگر اس نے اجرت کے لیے تجدید قبضہ کیا تو رہن باطل ہوجائے گا اور اجارہ نافذ ہوگا اس لیے کہ رہن کا قبضہ اجارہ کے قبضہ سے فروتر ہے یہ اس کے قائم مقام نہیں ہوگا اس لیے کہ رہن کا قبضہ انتفاع کے جواز کے لیے نہیں ہوتا اور اجارہ کا قبضہ انتفاع کے جواز کے لیے ہوتا ہے یہ اس سے قوی ہے لہٰذا اس کے قائم مقام نہ ہوگا جب اجارہ کے قبضہ کی تجدید ہوگی اور مقبوض ہلاک ہوگیا تو امانت کے طور پر ہلاک ہوگا تعدی اور کوتاہی کے بغیر ضامن نہ ہوگا اور تعدی میں سے یہ بھی ہے کہ مرتہن رھن کو مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد بھی مالک سے روک کر رکھے۔ ❶

مالکیہ کے ہاں...... ❷ جب راہن مرتہن کی اجازت کے بغیر رہن میں کوئی تصرف کرے مثلاً فروخت کرنا اجارہ ہبہ، صدقہ یا عاریت وغیرہ تو اس کا تصرف مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگا اور مرتہن کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو بیع کو رد کردے یا رہن میں رجوع کرے یا بیع کو نافذ قرار دے اور صرف اجازت ہی سے رہن باطل ہوجائے گا اگرچہ راہن کوئی تصرف نہ بھی کرے اس لیے کہ اجازت رہن سے دستبرداری ہے۔

۳۔ شوافع کے ہاں...... ❸ راہن کا ایسا تصرف جو اس کی ملکیت کو زائل اور ختم کردے وہ جائز نہیں مرتہن کی اجازت کے بغیر جیسے ہبہ بیع وقف وغیرہ اس لیے کہ اگر اسے صحیح قرار دیا جائے تو وثیقہ اور سند فوت ہوجائے گی جیسا کہ راہن کے لیے صحیح نہیں مرہون کو مرتہن کے علاوہ کسی اور کے پاس رہن رکھنا اور نہ ہی مرہون کا اجارہ درست ہے اگر دین فی الفور ادا کرنا ہو یا مدت اجارہ پوری ہونے سے پہلے اس کی مدت پوری ہوتی ہو اس صورت میں تصرف باطل ہوگا اور یہ تصرفات اگر مرتہن کے ساتھ ہوں یا اس کی اجازت سے ہوں تو درست ہیں اور رہن باطل ہوگا البتہ اجارہ کی صورت میں رہن باقی رہے گا اور راہن کے ایسے تمام تصرفات درست ہیں جن سے مرتہن کا نقصان نہ ہو جیسے رہائش اور سواری کرنا وغیرہ اور اس کے لیے اجارہ عاریت وغیرہ اتنی مدت تک کرنا درست ہے جو دین کی مدت سے بعد نہ ہو اس لیے کہ یہ ایسا تصرف ہے

❶ ......بدایۃ المجتہد ۲/۲۷۴۔ ❷ المہذب ۱/۳۰۹۔ ❸ المغنی ۴/۳۶۳

جو رہن کی بیع میں مرتہن کے حق کو خراب نہیں کرنا دین کی مدت پورا ہونے کی صورت میں۔

۴۔حنابلہ کے ہاں......حکم شوافع ہی کی طرح ہے کہ اگر راہن مرتہن کی اجازت کے بغیر کوئی تصرف کرے تو وہ تصرف باطل ہے اس لیے کہ یہ مرتہن کے حق کو باطل کر رہا ہے اور راہن کا تصرف بیع ہو اجارہ ہو ہبہ ہو وقف ہو یا رہن ہو جو بھی ہو اگر مرتہن نے ان تصرفات کی اجازت دے دی تو درست ہو جائیں گے اور رہن باطل ہوگا اور اجارہ کی صورت میں رہن برقرار رہے گا جیسا کہ عاریت کی صورت میں رہن باقی رہتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ راہن کا مرتہن کی اجازت کے بغیر رہن میں کوئی تصرف کرحنفیہ کے ہاں موقوف ہے باقی ائمہ کے ہاں باطل ہے۔

دوسری بات: مرتہن کا رہن میں تصرف کرنا......سابقہ وضاحت میں یہ بات آ گئی کے رہن میں راہن کا حق باقی ہوتا ہے اور وہ اس کی ملکیت ہے اور اس رہن کی مالیت میں مرتہن کا حق ثابت ہوتا ہے اور اسے دین کی ادائیگی کے لیے اسے روکنا جائز ہے۔اسی بناء پر مرتہن کے لیے راہن کی اجازت کے بغیر رہن میں کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں جیسا کہ راہن کا تصرف اس لیے کہ غیر مملوکہ چیز میں یہ تصرف ہے اور حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں اس (مرتہن) کا تصرف فضولی کی طرح موقوف رہے گا اور شوافع وحنابلہ کے ہاں باطل مذاہب کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔حنفیہ کے ہاں......[۱] مرتہن کے لیے جائز نہیں کہ وہ راہن کی اجازت کے بغیر رہن میں تصرف کرے اس وجہ ہے کہ یہ تصرف غیر مملوکہ چیز میں ہے کیونکہ مرتہن کا حق صرف مرہون کو روکنا ہے۔اس کا کسی قسم کا تصرف مثلاً بیع ہبہ،صدقہ،عاریت وغیرہ پر موقوف رہے گا راہن کی اجازت پر اگر اس نے اجازت دے دی تو نافذ ہوگا ورنہ باطل لیکن اگر مرتہن نے اسے اجرت پر دیا بغیر اجازت کے تو اجرت اسی کی ہو گی اور اگر مالک کی اجازت سے ایسا کیا تو اجرت راہن کی ہوگی اور رہن باطل ہو جائے گا[۲] اور اگر مرہون دوران تصرف ہلاک ہو جائے تو اس میں تفصیل ہے(الف) اگر مرتہن نے رہن کو فروخت کیا یا ہبہ کیا یا صدقہ کیا یا عاریت کے طور پر دیا اور ان لوگوں کے پاس شی مرہون ہلاک ہوگئی تو راہن کو اختیار ہے چاہے تو مرتہن سے ضمان لے لے اس کی تعدی کی وجہ سے تو یہ ضمان اسی پر لازم ہوگا وہ کسی دوسرے سے رجوع نہیں کر سکتا اور ضمان ادا کرنے سے ظاہر ہوا کہ تصرف اس نے اپنی ملکیت میں کیا ہے یا پھر ان لوگوں کو ضامن بنائے جو تصرف کر رہے تھے اور ان میں سے کوئی ایک مرتہن پر رجوع نہیں کر سکتا اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے لیے کام کرنے والا ہے چونکہ مشتری موہوب لہ اور متصدق علیہ وغیرہ نے اپنے لیے قبضہ کیا ہے اور اپنے ضمان میں چاہے تعدی کرنے والے کو معلوم ہو یا نہ معلوم ہو دونوں صورتیں برابر ہیں اس لیے کہ آخری حالت میں اس نے ایسا اقدام کیا ہے جو ضمان کا وجوب ہے جیسا کہ مرتہن کی ملکیت میں، ہو اور مستعیر نے بھی اپنے لیے مفت نفع کی خاطر قبضہ کیا ہے۔

ب......اگر مرتہن رہن کو اجارہ پر دیا یا ودیعت رکھا یا رہن رکھا پھر وہ ہلاک ہوگیا تو راہن کو اختیار ہے چاہے تو مرتہن کو ضامن بنائے اور وہ کسی ایک پر رجوع نہیں کر سکتا اور ظاہر ہو جائے گا کہ اس نے اپنے ملک میں تصرف کیا ہے یا متصرف الیہ کو ضامن بنائے لیکن ان میں سے ہر ایک مرتہن پر رجوع کرے اس لیے کہ یہ اپنے لیے عمل نہیں کر رہے تھے بلکہ وہ تو موجر، مودع اور راہن کے لیے کام کر رہے تھے عین کی حفاظت کی خاطر۔اور جب یہ سارے مرتہن کے لیے کام کر رہے تھے تو ضمان کا اس پر رجوع بھی کریں گے لیکن جب ہلاکت متصرف الیہ کی تعدی کی وجہ سے ہو تو یہی تعدی کی وجہ سے ضامن ہوگا اور اسی پر ضمان لازم ہوگا اگر راہن نے مرتہن سے ضمان لیا ہو۔

یاد رہے کہ جب راہن مرتہن یا متصرف الیہ کو ضامن بنائے تو وہ کسی دوسرے کو ضامن نہیں بنا سکتا اس لیے کہ اس کا کسی ایک کو ضامن بنانا

---

[۲]......البدائع ۱۴۶/۶۔ [۱] الدر المختار ۳۴۲/۵

اسے مالک بنانے کے مترادف ہے جب کوئی ایک آدمی مالک بن گیا تو دوسرے کو مالک بنانا درست نہیں نیز اس کی جانب سے کسی ایک کو ضامن بنانا گویا اس بات کو اقرار ہے کہ تعدی کرنے والا یہی ہے دوسرا نہیں لہٰذا اس کے بعد کسی دوسرے کو ضامن بنانا قابل قبول نہ ہوگا۔

۲۔ مالکیہ کی ہاں...... حکم حنفیہ کی طرح ہے یعنی مرتہن راہن کی اجازت کے بغیر تصرف کا مجاز نہیں اور اس کا کوئی بھی تصرف جو راہن کی اجازت کے بغیر ہو وہ راہن کی اجازت پر موقوف ہے فضولی کی طرح۔

لیکن اگر وہ راہن کی اجازت سے تصرف کرے تو اس کا تصرف نافذ ہوگا اور تصرف اگر بیع ہبہ یا اجارہ ہو لمبی مدت کا تو رہن باطل ہو جائے گا لیکن اگر اجارہ کی مدت دین کی مدت سے کم ہو تو رہن باطل نہیں ہوگا اجارہ کی مدت ختم ہونے کے بعد مرتہن اسے واپس کرے گا جیسا کہ اگر عاریت اتنی مدت کی کری جو دین کی مدت سے زیادہ ہو تو بھی رہن باطل ہو جاتا ہے یا کوئی عرف ہی نہ ہو جس کا اعتبار کیا جا سکتا ہو۔

اگر مدت عاریت دین کی مدت پوری ہونے سے پہلے پوری ہو یا مدت پوری ہوتے وقت کی شرط لگائی ہوئی ہو یا کوئی عرف پایا جاتا ہو تو اس حالت میں رہن باطل نہیں ہوگا۔

۳۔ حنابلہ اور شوافع کے ہاں...... ❶ مرتہن کے لیے جائز نہیں کہ وہ راہن کی اجازت کے بغیر رہن میں کوئی تصرف کرے کیونکہ یہ تصرف اس کی ملک میں نہیں لیکن اگر اس نے اقدام کر لیا تو اس کا یہ تصرف باطل ہوگا اور رہن باطل نہیں ہوگا اور اگر اس نے راہن کی اجازت سے تصرف کیا تو اس کا تصرف نافذ ہوگا اور اگر اس میں تملیک ہوئی تو رہن باطل ہو جائے گا ورنہ اگر اجارہ یا عاریت وغیرہ ہوئی تو رہن باطل نہیں ہوگا چاہے وہ تصرف راہن کے لیے کرے یا کسی دوسرے کے لیے اور حنابلہ کے ہاں مرہون میں تصرف کی وجہ سے لزوم رہن ختم ہو جائے گا گویا کہ اس پر قبضہ ہوا ہی نہیں اور جب مرہون مرتہن کے پاس واپس آ گیا تو جس طرح وہ پہلے رہن تھا اسی طرح رہن ہی رہے گا اور شوافع کے ہاں چونکہ یہ رہن کے قبضہ کے دوام کے قائل نہیں رہن رہن ہی رہے گا اگر چہ مرتہن کے علاوہ کسی اور کے پاس ہی کیوں نہ ہو۔

ساتواں مقصد: رہن کا ضمان...... یہاں تین امور کے متعلق بحث ہوگی پہلی چیز مرتہن کے قبضہ کی نوعیت وصفت۔ دوسری چیز حنفیہ اور جمہور کے ہاں ضمان کی کیفیت۔ تیسری چیز رہن کو ہلاک کرنا۔

پہلی چیز: مرتہن کے قبضہ کی نوعیت وصفت...... آیا اس کا قبضہ، قبضہ امانت ہے یا قبضہ ضمان؟ اس میں دو قول ہیں ایک حنفیہ کا دوسرا جمہور کا۔ ❷ حنفیہ کے ہاں ❸ عین مال مرہون کی وجہ سے مرتہن کا قبضہ قبضہ امانت ہے اور اور دین کے مقابلہ میں موجود رہن کی مالیت کے اعتبار سے مرتہن کا قبضہ قبضہ ضمان واستیفاء ہے بایں معنی کہ دین میں سے جو حصہ رہن کی مالیت کے مقابل ہے اس میں تو مرتہن کا قبضہ، قبضہ ضمان واستیفاء ہے جب ہلاکت یا کسی اور وجہ سے مرتہن مرہون کو راہن کو واپس کرنے سے رکے تو گویا وہ رہن سے اتنی مقدار اپنا دین وصل کر چکا ہے اسے اس کے ضمان میں شمار کیا جائے گا اور رہن کی قیمت میں سے جو دین سے زیادہ ہے اسے امانت تصور کیا جائے گا اور وہ امانت کے طور پر ہلاک ہوگا لہٰذا اس کا ضمان تعدی اور تقصیر کی وجہ سے ہوگا ان کے دلائل احادیث ہیں الرھن بما فیہ ❹ رھن اس کے بدلے میں ہلاک ہوگا جس کی وجہ سے رکھا گیا اور جو روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنا گھوڑا رہن رکھا وہ اس کے قبضہ میں مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتہن سے فرمایا تمہارا حق چلا گیا ❺ حنفیہ نے پہلی حدیث پر عمل کیا ہے کہ جب اس کی قیمت میں اشتباہ ہو کہ کسی کو معلوم نہ ہو اس کی کیا قیمت تھی تو وہ دین کے مقابلہ میں ضامن ہوگا۔

الف۔ حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں...... ❻ مرتہن کا قبضہ قبضہ امانت ہے لہٰذا وہ تعدی اور کوتاہی کے بغیر ضامن نہ ہوگا اور رہن

---

❶......الشرح الکبیر ۲۴۲/۳۔ ❷المغنی ۳۳۱/۴۔ ❸البدائع ۱۵۴/۶۔ ❹نصب رایۃ: ۳۲۱/۴۔ ❺ابو داؤد۔ ❻المغنی ۳۹۶/۴۔

کے ہلاک ہونے کی صورت میں دین سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا الا یہ کہ مالکیہ باوجود اس کے کہ مرتہن کے قبضہ کو امانت سمجھتے ہیں لیکن پھر بھی تہمت کی موجودگی میں ضمان کو مستحسن سمجھتے ہیں اور تہمت پر کہ جہاں پر رہن کو چھپایا جا سکتا ہو مثلاً زیور کپڑے کتابیں اسلحہ، کشتی وغیرہ جن کا چھپانا ممکن ہو جبکہ مرہون بھی مرتہن کے پاس ہو کسی امین کے پاس نہ ہو اور وہ اس کے جلنے چوری ہونے یا تلف ہونے پر گواہ بھی قائم نہ کرے۔
لیکن مرہون اگر ایسی چیز ہے جو چھپائی نہیں جا سکتی جیسے عقار اور حیوانات وغیرہ یا رہن کسی امین کے پاس ہو یا وہ تلف کے بعد اس بات پر گواہ قائم کر دے کہ بغیر تعدی اور غفلت کے ہلاک ہوئے ہیں تو پھر مرتہن ضامن نہ ہوگا۔ جمہور کی قبضہ امانت پر دلیل حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث ہے رہن کو اس کے مالک سے روکا نہ جائے اسی کے لیے اس کے فوائد ہیں اور اسی پر اس کا نقصان ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رہن کے نقصان کو راہن کے ذمہ رکھا ہے اور اس میں سے ہلاک ہونا بھی ہے نیز اس لیے بھی کہ جب امانت ہلاک ہو تو اس کا نقصان اسی پر ہے کیونکہ اس کے ذمہ مرتہن کا دین ادا کرنا ہے لیکن جب وہ مضمون ہلاک ہو تو پھر اس کا نقصان مرتہن پر ہے کہ اس کا حق ختم ہو جائے گا پھر یہ بات کہ رہن دین کی سند ہے لہٰذا اس کی ہلاکت سے دین کا ساقط ہونا جائز نہیں اس لیے کہ سقوط وثیقہ کے منافی ہے جیسے کہ مرہون مرتہن کے قبضہ میں راہن کی رضامندی سے آیا ہے پس اس رضا کی وجہ سے وہ امین ہے جیسے ودیع مودع کی نسبت سے۔ اور یاد رہے کہ جمہور کی رائے دلائل کے قوی ہونے کی وجہ سے اقوی ہے حنفیہ کی احادیث کے ضعف کی وجہ سے۔

دوسری چیز: مرتہن کے ضمان کی کیفیت:

حنفیہ کا مذہب...... مرہون کا ضمان اس کی قیمت اور دین میں سے، جو کم ہو وہ ہے اگر قیمت دین سے کم ہو تو وہ قیمت کے اعتبار سے ضامن ہوگا اور اس قیمت کی بقدر ضمان ساقط ہوگا اور جو باقی دین بچ گیا وہ راہن سے مرتہن وصول کرے گا اور اگر دین اور رہن کی قیمت برابر ہو تو مرتہن حکماً دین وصول کرنے والا شمار ہوگا کیونکہ رہن کی قیمت اس کے ذمہ سے متعلق ہے اور اگر رہن کی قیمت دین سے زیادہ ہو تو زیادہ اضافہ مرتہن کے پاس امانت ہے اگر اس کی تعدی وکوتاہی کے بغیر ہلاک ہوا تو ضامن نہ ہوگا ورنہ ہوگا۔ ❶

ضمان کی شرائط...... حنفیہ کے رہن کے ضمان کے لیے تین شرطیں لگائی ہیں۔ ❷

پہلی شرط...... دین کا باقی ہونا ضروری ہے یعنی مرہون کی ہلاکت کے وقت دین موجود ہو یا رہن کے قبضہ کے وقت اس کا وعدہ ہوا گر دین رہن کے ہلاک ہونے سے پہلے ساقط ہو گیا معافی یا ادائیگی کی صورت میں پھر رہن ہلاک ہوا تو وہ راہن پر بغیر کسی چیز کے ہلاک ہوگا اور مرتہن پر کسی قسم کا ضمان نہ ہوگا۔ دوسری شرط قبضہ باقی ہونا یعنی رہن مرتہن یا کسی عادل امین کے قبضہ میں ہلاک ہوا اور قبضہ کی حالت میں رہن کے حکم میں ہوا گر مرہون راہن کے قبضہ میں یا غاصب کے قبضہ میں ہلاک ہوا تو وہ رہن کے طور پر ہلاک نہ ہوگا بلکہ راہن کے ضمان یا غاصب کے ضمان میں ہلاک ہوگا۔

جب راہن نے مرتہن کو نفع اٹھانے کی اجازت دی اور دوران انتفاع وہ ہلاک ہو گیا تو بھی یہ امانت کے طور پر ہلاک ہوگا اور اس کے ہلاک ہونے سے دین میں سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا اس لیے کہ وہ رہن کے قبضہ کے طور پر ہلاک نہیں ہوا ہے کہ عاریت کے قبضہ کے طور پر ہلاک ہوا ہے لیکن اگر نفع اٹھانے سے پہلے یا نفع اٹھانے کے بعد وہ ہلاک ہوا تو یہ رہن کے طور پر ہلاک سمجھا جائے گا اس لیے کہ رہن کے قبضہ کے طور پر ہلاک ہوا ہے۔

اسی طرح اگر ان دونوں میں سے کسی ایک نے کسی دوسرے کی اجازت سے کسی اجنبی کو عاریت کے طور پر دیا اس کے پاس ہلاک ہو گیا

---

❶...... البدائع: ۱۵۵/۶ ـ ❷ ایضاً

تو عاریت کے طور پر ہلاک ہوگا اگر مرتہن نے اسے راہن کے پاس ودیعت رکھا اس کے پاس ہلاک ہوگیا تو دین میں سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا کیونکہ راہن کے پاس واپس آنے کی وجہ سے رہن کا قبضہ ختم ہوگیا۔

تیسری شرط..... رہن سے مقصود مرہون ہو کہ یعنی بلاکت اضافہ یا رہن کی بڑھوتری نہ ہو جو تابع ہو کر رہن میں داخل سے مثلاً بچہ، دودھ، پھل، اون وغیرہ اور ہر وہ اضافہ جو پیدا شدہ اور منفصل ہو۔ اگر بڑھوتری اور ضافہ ہلاک ہوگیا تو امانت کے طور پر ہلاک ہوگا اس لیے کہ اضافہ وزیادتی اصل کے تابع ہو کر اس میں داخل ہو پس مرتہن کا اس پر قبضہ اصل کے تابع ہو کر رہو گا۔

شے مرہون کی قیمت کا کم ہونا...... جمہور حنفیہ کے ہاں نرخ وقیمت کی کمی ضمان رہن میں موثر نہیں اس لیے کہ دین میں سے جو کچھ ساقط ہوگا وہ رہن کے قبضہ کے وقت کی قیمت کے اعتبار سے ہوگا نہ کہ ہلاکت کے وقت کی قیمت کے اعتبار سے اس لیے کہ مرتہن کا قبضہ وصولی ہے لہٰذا قبضہ کے وقت کی قیمت معتبر ہوگی اگر نرخ میں تبدیلی کی وجہ سے اس کی قیمت کم ہوجائے تو اس تغیر کی وجہ سے دین میں سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا۔ ❶

رہن کی قیمت کا کم ہونا..... بعض کے ہلاک یا عیب دار ہونے کی وجہ سے جب رہن زیادہ ہوں ان میں سے بعض ہلاک ہوجائیں یا وہ صحیح وسالم تھے لیکن مرتہن کے پاس اگر عیب دار ہوجائیں تو دین میں سے اتنی مقدار ساقط ہوجائے گی اور باقی رہن ہوگا باقی دین کے بدلہ میں۔ لیکن اگر مرہون ربوی (سودی) مال میں سے ہو باایں طور کہ کیلی یا وزنی ہو اور اس کی جنس کے مقابلہ میں رہن ہو مثلاً سونے کے کنگن سونے کے لہروں (ریوں) کے مقابلہ میں یا چاندی چاندی کے زیور کے مقابلہ میں پھر وہ ہلاک اور ضائع ہوجائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دین میں سے اس کے مثل وزن ہلاک ہوا اگرچہ رہن اور دین عمدگی یا صنعت کے اعتبار سے مختلف بھی ہوں تو اس کی عمدگی کا اعتبار نہ ہوگا یعنی سودی مال میں اس کی جنس کے ساتھ تبادلہ کی صورت میں اس کی عمدگی وغیرہ کو نہیں دیکھا جائے گا لیکن خلاف جنس کے ساتھ رہن رکھا جیسے گندم سونے کے مقابلہ میں تو پھر یہ اس کی قیمت کے اعتبار سے ہلاک ہوگا جس طرح تمام مالوں میں ہوتا ہے۔

۲۔ جمہور کا مذہب کیفیت ضمان میں...... جمہور فقہاء کے ہاں رہن کا ضامن نہ ہوگا جب کہ تعدی اور کوتاہی کے بغیر ہلاک ہوں ❷ البتہ تعدی اور کوتاہی کی وجہ سے ضامن ہوگا اور دین میں سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا تلف کی وجہ سے الا یہ کہ مالکیہ کے ہاں کما تقدم مرتہن ضامن ہوگا اگر اس کے قبضہ اور حفاظت میں مرہون ہو لیکن اگر امین کے قبضہ میں ہو اور وہ چیز ایسی ہو جو چھپائی جاسکتی ہو جیسے زیور اسلحہ، کپڑے، کتابیں، اور چلتے وقت کشتی اور یہ چیزیں مرتہن کے پاس ہوں امین کے پاس نہ ہوں اور وہ ان کی ہلاکت پر گواہ بھی پیش نہ کرسکے کہ تعدی اور ظلم نہیں کیا۔ تو اس وقت قیمت کا ضامن ہوگا وہ جتنی بھی ہو اور رہن مالک تک پہنچانے تک ضمان رہے گا اسے دین کی ادائیگی یا ساقط کرنا ختم نہیں کرے گا اور مرتہن کا دین ساقط ہوجائے گا اگر رہن کے مساوی ہو اور مرہون کی قیمت لگانے کے وقت کے سلسلہ میں ان کے دو قول ہیں ایک قول ضائع ہونے کے دن کی قیمت کا اور دوسرا قول رہن کے دین کی قیمت کا۔ اور ان کے ہاں ضمان کی کیفیت پر ہے کہ دونوں آپس میں رجوع کریں گے دین کی قیمت رہن سے زیادہ ہے تو مرتہن راہن سے رجوع کرے گا اور اگر رہن کی قیمت دین سے زیادہ ہے تو راہن مرتہن پر رجوع کرے گا۔

تیسری چیز: رہن ہلاک کرنے کا حکم...... تمام مذاہب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رہن کو ہلاک کرنے کی وجہ سے ضمان واجب ہوتا ہے اور ضمان کی قیمت مرہون کے قائم مقام ہے اس پر اتفاق ہے اور فریق ثانی جس سے ضمان کا مطالبہ ہوگا اس کی تحدید اور قیمت کے وقت کی تعیین میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

---

❶..... تبیین الحقائق: ۶/ ۹۱۔ ❷ المغنی: ۴/ ۳۹۶۔

حنفیہ کے ہاں...... ❶ جب راہن رہن کو ہلاک یا تلف کر دے تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اگر وہ قیمتی ہو اور مثل کا ضامن ہوگا اگر مثلی ہو اور اس میں ہلاک کرنے اور تعدی کرنے کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور مرتہن خصم اور فریق مخالف ہوگا جو راہن سے ضمان کا مطالبہ کرے گا اس لیے کہ مرہون روکنے کی وجہ سے وہ حقدار ہے اور مرتہن قیمت یا مثل کو بطور رہن اپنے قبضہ میں لے لے گا کیونکہ یہ اصل مرہون کے قائم مقام ہے مدت دین پوری ہونے تک اگر دین فوری طور پر ادا کرنا ہو تو مرتہن سارا دین قیمت سے لے لے گا اور جب مرتہن رہن کو ہلاک یا تلف کرے تعدی اور کوتاہی کرے تو اگر وہ قیمتی ہے تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر مثلی ہو تو مثل کا ضامن اور اس میں قبضہ کے دن کی قیمت معتبر ہوگی اس لیے کہ مرہون قبضہ کے دن سے اس کے ضمان میں داخل ہو گیا ہے اور اگر اسے کوئی اجنبی تلف کر دے تو تعدی کے دن کی قیمت کا ضامن ہوگا جیسا کہ راہن کی تعدی کی صورت میں مقرر ہے اور چاہے مرتہن تلف کرے یا اجنبی یا راہن تو ضمان (مثل یا قیمت) اصل کی جگہ پر رہن ہوگی کیونکہ اس کا بدل ہے اور اس کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے جیسا کہ اصل کے ساتھ تھا اور اجنبی یا راہن کے مطالبہ میں فریق مخالف وہ مرتہن ہوگا شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❷ رہن پر تعدی کرنے والا اس کی قیمت یا مثل کا ضامن ہوگا تعدی کے وقت اور اس کی جگہ یہ رہن ہوگا اگرچہ اس ضمان پر قبضہ نہ بھی کیا ہو اپھر بھی مرتہن دوسرے قرض خواہوں سے ممتاز ہوگا بدل رہن کی مقدار کا متعدی کے ترکہ سے۔ اور بدل رہن کے تقاضا کرنے میں خصم اور مدمقابل وہ راہن ہے چونکہ وہ مالک ہے لیکن وہ قبضہ کرے گا اصل سے جس کے قبضہ میں تھا چاہے مرتہن ہو عادل امین۔ مالکیہ کے ہاں ❸ رہن کی قیمت دی جائے گی اس کے ضمان کے بدلے میں تعدی کی وجہ سے چاہے راہن کی جانب سے ہو یا اجنبی کی جانب سے جب کہ راہن پہلے رہن کے مثل رہن پیش نہ کرے اور تعدی کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا لیکن اگر رہن پر تعدی کرنے والا مرتہن ہی ہو تو وہ اس کے ضائع ہونے کے دن کی قیمت کا ضامن ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ رہن کے دن کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

آٹھواں مقصد: رہن کی بیع...... شے مرہون کی بیع میں پانچ چیزوں کے سلسلہ میں کلام ہوگا اختیاری اور جبری بیع کی ولایت جو چیز جلدی خراب ہو اس کی بیع مرتہن کی ممتاز حیثیت عدم ادائیگی دین کی صورت میں مرتہن کا مالک بننا فروخت کرنے کے بعد رہن کا استحقاق۔

پہلی بات...... شے مرہون کی بیع کی ولایت (الف) اختیاری بیع: فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرہون مرتہن کو سپرد کرنے کے باوجود راہن کی ملکیت ہے جیسا کہ سنت اس پر دلالت کرتی ہے "لایغلق الرھن من صاحبہ" پس مرہون کے فروخت کرنے کی ولایت راہن کو ہے نہ کہ کسی اور کو لیکن مرتہن کا حق اس کے ساتھ متعلق ہے اور اس کے لیے حبس و روکنے کا حق بھی شوافع کے علاوہ جمہور کے ہاں ثابت ہے نیز اس کی مالیت کا راہن سے زیادہ حقدار ہے تو حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں اس کی بیع مرتہن کی اجازت پر موقوف ہے جب تک کہ اس کا حق قائم ہے جب اس کا حق ختم ہو گیا تو اس کے ختم ہوتے ہی بیع نافذ ہو جائے گی جیسا کہ رہن میں تصرف کی بحث میں وضاحت کی۔

اسی بنا پر تمام فقہاء کے ہاں راہن کو مرتہن کی اجازت سے رہن فروخت کرنے کی اجازت ہے اگر راہن فوت ہو جائے تو بیع ولایت اس کے وصی یا وارث کو ہوگی جیسا کہ اس کی زندگی میں ہے کہ بیع میں کسی دوسرے کو وکیل بنا دے مرتہن یا عادل یا کسی اجنبی وغیرہ کو وکیل بنا دے حنفیہ نے ❹ عقد رہن میں مشروط وکالت اور عقد رہن کے بعد ہونے والی وکالت میں فرق کیا ہے ان فرقوں میں سے کچھ یہ ہیں: کہ عقد رہن میں مشروط وکالت کی صورت میں وکیل موکل کے معزول کرنے راہن یا مرتہن کے مر جانے کی وجہ سے معزول نہ ہوگا اور اطلاق کے بعد قید قبول نہیں کرے گا اور اس صورت میں وکیل کو رہن فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا اگر وہ فروخت کرنے سے رک جائے کیونکہ وکالت شرائط رہن میں سے ایک شرط اور وصف بن گئی ہے۔ اس کے لازم ہونے سے لازم ہوگی برخلاف وکالت مفردہ کے ان تمام احکام میں اس لیے کہ یہ معزول کرنے یا راہن اور مرتہن میں سے کسی کے مرنے سے ختم ہو جاتی ہے کیونکہ نہ تو یہ رہن کے اوصاف میں سے ایک وصف ہے اور نہ ہی

---

❶..... اللباب: ۶۰/۲۔ ❷ مغنی المحتاج: ۱۳۶/۲ المغنی ۳۹۶/۴۔ ❸ الشرح الکبیر الدسوقی ۲۴۴/۳۔ ❹ تبیین الحقائق: ۸۱/۶

اس کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے مالکیہ نے ❶ راہن کی بیع کی اجازت کی حالت میں بعض امور کو وضاحت سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں: عادل یا مرتہن کے لیے رہن فروخت کرنا جائز نہیں ہاں اگر راہن اجازت دے تو کر سکتا ہے کیونکہ بیع کی ولایت اسے حاصل ہے جب راہن نے ان میں سے کسی ایک کو بیع کی اجازت دے دی تو یہ اجازت یا تو مطلق ہوگی یا مقید اگر اس نے وقت معین میں دین ادا نہ کرنے کی قید لگائی تو ان میں سے کسی کے لیے وقت سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں بلکہ قاضی کی طرف رجوع واجب ہے تاکہ معلوم ہو دین ادا ہوا یا نہیں۔ لیکن اگر اجازت مطلق ہو اگر وہ عادل ہے تو وہ قاضی کی طرف رجوع کے بغیر بھی فروخت کر سکتا ہے اور اگر مرتہن ہے اور عقد کے بعد اجازت دی ہے تو قاضی کی طرف رجوع کے بغیر بھی فروخت کر سکتا ہے لیکن اگر دوران عقد اجازت دی ہے تو قاضی سے رجوع کے بغیر نہیں فروخت کر سکتا۔ اگر اس میں غبن اور دھوکا نہ ہو تو بیع نافذ ہوگی اگر اس نے اس کی قیمت سے کم پر فروخت کیا تو راہن مشتری سے اسے لے لے۔ اور وہ حنفیہ کی طرح کہتے ہیں کہ رہن کی بیع میں راہن اور مرتہن وکیل کو معزول نہیں کر سکتے جیسا کہ اس کے لیے اپنے آپ کو معزول کرنا جائز نہیں نیز دونوں کے اتفاق کے بغیر وہ معزول نہیں ہو سکتا۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❷ بھی اسی طرح ہے کہ بیع کی ولایت راہن کو ہے مرتہن کی جازت سے وہ یا اس کا وکیل اجازت کے بغیر فروخت نہیں کر سکتے۔ الا یہ کہ وہ ہٹ دھرمی کرے تو پھر اس کی بیع کی اجازت ختم ہو جائے گی اور راہن معاملہ قاضی کے پاس جائے گا اور وہ حکم دے گا کہ راہن کو بیع کی اجازت دو یا پھر راہن کو بری کر و ضرر دفع کرنے کے لیے ورنہ قاضی راہن کو حکم دے فروخت کر کے دین ادا کرنے کا۔

ب: جبری بیع...... یہ بات تو معلوم ہے کہ رہن دین کا وثیقہ اور سند ہے اور رہن کا ہدف اور مقصود مرہون کے ثمن سے دین حاصل کرنا ہے جب راہن مدت دین پوری ہونے پر بھی مرہون کو فروخت کر کے دین ادا نہ کرے اور بیع راہن یا اس کے وکیل کے ذریعہ مکمل ہونی چاہیے اس بناء پر جب دین کی مدت پوری ہو جائے تو مرتہن راہن سے دین کی ادائیگی کا مطالبہ کرے اور اس نے اس کی طلب کا جواب دیا اور ادائیگی کر دی تو بہت اچھا لیکن اگر اس نے ادائیگی نہ کی ٹال مٹول شروع کر دی یا وہ تنگ دست ہے یا اپنے علاقہ میں موجود نہیں تو تمام فقہاء کے ہاں بالاتفاق قاضی اس پر فروخت کرنے کے سلسلہ میں جبر کرے گا۔ حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں قاضی راہن کے وکیل پر فروخت کے سلسلہ میں جبر کرے جب کہ حنابلہ اور شوافع کے ہاں وکیل پر جبر نہ کرے کیونکہ وکیل اپنی وکالت سے دستبردار بھی ہو سکتا ہے لہٰذا اس پر جبر نہ کیا جائے بلکہ اگر راہن غائب ہو یا موجود ہو اور بیع سے انکار کرے تو قاضی خود رہن کو فروخت کرنے میں جبر کرے پہلے تو قاضی موجود راہن سے مرہون کی بیع کا مطالبہ کرے اگر مان لے تو مقصود حاصل ہو گیا اور اگر انکار کرے تو مالکیہ شوافع اور حنابلہ اور صاحبین کے ہاں قاضی خود فروخت کرے اور راہن کو مجبور کرنے یا قید کرنے یا مارنے اور ڈرانے کی ضرورت نہیں۔ ❸

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں...... قاضی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ مرتہن کے دین کے بدلے میں شی مرہونہ کو راہن کی رضامندی کے بغیر فروخت کرے ہاں وہ اسے گرفتار کرے تاکہ وہ خود اسے فروخت کرے۔ ❹ اور جب مال مرہون میں دین کی جنس کا مال موجود ہو تو اس سے دین ادا کیا جائے گا اور اس وقت جبری بیع کی ضرورت نہیں اگر اخراجات کے لیے مرہون کو فروخت کرنے کی ضرورت پیش آئے تو یہ چیزیں راہن کے ذمہ ہیں کیونکہ وہ مالک ہے اور اس کے ذمہ دین ادا کرنا لازم ہے اور بیع ادائیگی نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔

دوسری بات: جو چیز جلدی خراب ہونے والی ہو اس کی بیع...... یہ بات بھی پہلے معلوم ہو چکی کہ پھلوں میں سے جو چیزیں جلدی خراب ہوتی ہیں انہیں رہن رکھنا درست ہے اگر خراب ہونے سے بچنے کے لیے انہیں خشک کیا جا سکتا ہے تو انہیں خشک کر لیا جائے اور اس کے اخراجات راہن کے ذمہ ہوں گے اور اس کی رضامندی ضروری نہیں کیونکہ خشک کرنے کی حفاظت اور بقاء کے لیے ضروری ہے اور یہ

---

❶..... الشرح الکبیر والدسوقی: ۲۵۰/۳۔ ❷ المغنی ۳۶۲/۴۔ ❸ المہذب ۳۰۷/۱۔ ❹ البدائع ۴۸/۶

چیزیں راہن کے ذمہ ہیں لیکن اگر ایسی چیزیں ہیں جو خشک نہیں ہوسکتیں تو مرتہن کے لیئے ضروری ہے کہ وہ قاضی کی اجازت سے ان چیزوں کو فوری طور پر فروخت کردے کیونکہ ان کی حفاظت کی غرض سے ان کا فروخت کرنا ضروری ہے لیکن اگر اس نے قاضی کی اجازت کے بغیر فروخت کیں تو ضامن ہوگا کیونکہ اسے اس پر ولایت حاصل نہیں اگر دین فوری ادا کرنا تھا تو پھر اس کے ثمن سے ادا کردیا جائے گا اور موجل تھا تو وقت پورا ہونے تک ثمن رہن ہوں گے اگر دین کی مدت فساد وخراب ہونے سے پہلے پوری نہ ہو بلکہ ان کے خراب ہونے کے بعد یا ساتھ پوری ہو تو بھی یہ فروخت کرے گا اور ثمن اس کی جگہ یہ رہن ہوں گے چاہے عقد رہن میں بیع کی شرط ہو یا نہ ہو ❶ شوافع نے آخری صورت میں اختلاف کیا ہے وہ یہ کہ مدت ان کے خراب ہونے کے بعد پوری ہو یا ساتھ ہی تو یہ کہتے ہیں کہ اگر رہن میں فروخت کرنے کی شرط تھی اور ثمن اس کی جگہ رکھنے تھے تو پھر تو رہن اور درست ہے اور شرط نافذ ہے اگر اس نے مطلقا عقد کیا تو پھر دو قول ہیں اور یہی حنابلہ کے ہاں دو وجہیں ہیں ایک قول یہ ہے کہ رہن ہی صحیح نہیں یہی شوافع کے ہاں صحیح قول ہے اور حنابلہ کے ہاں اس کے برعکس اصح ہے شوافع کی دلیل یہ ہے کہ رہن کو فروخت کرنا مدت پوری ہونے سے پہلے یہ عقد رہن کا تقاضا نہیں لہٰذا جائز بھی نہیں اور اس صورت میں عقد اپنی حالت پر باقی رہے گا ان کے خراب ہونے تک تو وثیقہ ختم ہوجائے گا۔

تیسری بات: مرتہن کا امتیازی حق ...... امتیازی حق کا معنی یہ ہے کہ مرتہن شے مرہون کے ثمن کا زیادہ مستحق ہے باقی قرض خواہوں کی نسبت قرض کی وصولی میں چاہے راہن زندہ ہو یا مرگیا ہو اور یہ حق مرتہن کے لیے تمام فقہاء کے ہاں ❷ ثابت ہے سوائے ظاہر یہ کے اس وجہ سے کہ مال مرہون کے ساتھ اس کے مال دین کا حق متعلق ہے اور رہن دین کا وثیقہ ہے اور شوافع کے علاوہ جمہور کے ہاں حق حبس کے ثبوت کی وجہ سے اور مرتہن کی اجازت کے بغیر راہن کے تصرفات نہ کرنے کی وجہ سے بالاتفاق تمام فقہاء کے ہاں۔ اور اسی بناء پر جب راہن کا مال دیون ادا کرنے سے کم پڑ جائے اور قرض خواہ اپنے قرضوں (دیون) کا مطالبہ کریں یا مدین پر افلاس کی وجہ سے پابندی لگ جائے اور مال قرض خواہوں کے درمیان تقسیم کیا جانے لگے تو اس وقت سب سے مقدم اور اولی مرتہن ہے مرہون کے ثمن سے اپنے حق کی وصول کے لیے یا اس کے ضمان کی قیمت ہے۔ باقی قرض خواہوں کو اعتراض کا حق نہیں وہ باقی ماندہ ثمن لے سکتے ہیں اس لیے کہ مرتہن کا حق تو عین رہن راہن کے ذمہ سے متعلق ہے یہ عینی حقدار ہے باقی قرض خواہوں کا حق صرف دائن کے ذمہ سے متعلق ہے نہ کہ عین رہن سے لہٰذا مرتہن کا حق قوی اور اقوی ہے اور ان کا حق شخصی ہے یہ اس وقت ہے کہ جب مرہون کے ثمن مرتہن کے لیے کافی ہوں اور ان سے کچھ بچ بھی جائے اور باقی جو بچا ہے اسے باقی قرض خواہوں کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا لیکن اگر مرتہن کے دین سے کچھ باقی بچ جائے تو وہ بھی باقی تمام قرض خواہوں کے باقی دین میں برابر کا شریک ہوگا مرتہن کا دین اگر فوری ہو تو مرہون کے ثمن سے ادا کیا جائے گا اگر موجل ہو تو پھر رہن کو فروخت کردیا جائے گا اور اس کے ثمن رہن رہیں گے مدت پوری ہونے تک۔

چوتھی بات: مرتہن کا عدم ادائیگی کی صورت میں رہن رکھی ہوئی چیز کا مالک بننے کی شرط لگانا ...... جمہور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر مرتہن عقد رہن میں رکھی ہوئی چیز کے بارے میں یہ شرط لگالے کہ جب مدت پوری ہوگئی اور اس نے ادائیگی نہ کی تو شی مرہون دین کے بدلے میں اس کی ہوگی یا وہ مبیع ہوگی دین کے بدلے میں تو یہ شرط فاسد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ: رہن کا مالک اس کے مالک کے علاوہ نہیں بن سکتا یا اس کے بدلے ضبط نہیں ہوسکتا یعنی مرتہن اس کا مستحق اور مالک نہیں بن سکتا اگر وقت مقرر پر ادائیگی نہ ہو امام مالک فرماتے ہیں لایغلق الرھن کا مطلب واللہ اعلم یہ ہے کہ اسے چھڑانے سے منع نہیں کیا جاسکتا کسی چیز سے منع کرنا اور نہی منہی عنہ کے فساد کی دلیل ہے۔ اور ازہری نے کہا غلق الرھن چھڑانے کی سند ہے یعنی ضبط ہونا جب راہن نے رہن واگذار

---

❶ ...الدر المختار: ۵/ ۱۵۷۔ ❷ البدائع ۶/ ۱۵۳۔

کروالیا تو وہ مرتہن کے وثائق سے آزاد ہو گیا عبدالرزاق نے معمر سے روایت کی ہے کہ انہوں غلق الرھن کی تفسیر یہ کی ہے کہ اگر میں تمہیں مال نہ دے سکا تو رہن تمہارا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مرتہن رہن کا مستحق نہیں ہوتا، اگر چہ مقررہ وقت پر دین ادا نہ بھی ہوا گر رہن ہلاک ہو گیا اور مرتہن کا حق ادا نہ ہوا تھا تو یہ راہن کے ذمہ میں ہلاک ہو گا نووی نے منہاج میں اور اس کے شراح نے لکھا ہے: اگر یہ شرط لگائی کہ مرہون وقت پورا ہونے پر مبیع ہو گا تو عقد فاسد ہو گا رہن وقت مقرر کرنے کی وجہ سے اور بیع معلق کرنے کی وجہ سے فاسد ہو گی مرہون وقت پورا ہونے سے پہلے امانت ہے کیونکہ رہن فاسد کے حکم میں ہے اور اس کے بعد مضمون ہے شراء فاسد کے طور پر۔ یہاں حنابلہ میں سے ابوخطاب اور بعض حنفیہ کا قول ہے کہ رہن اس شرط سے فاسد نہ ہو گا کیونکہ حدیث میں ضبط کی نفی ہے اصل کی نفی نہیں جو اس کی صحت کی دلیل ہے نیز اس لیے بھی کہ کبھی راہن اس شرط کے ساتھ راضی بھی ہوتا ہے تو اس کے بطلان کے ساتھ وہ بدرجہ اولی وہ راضی ہو گا۔ ابن قدامہ حنبلی نے رد کیا ہے کہ یہ رہن شرط فاسد کے ساتھ ہے لہٰذا فاسد ہو گا جیسا کہ وقت کی شرط لگانا: اور حدیث میں یہ نہیں کہ یہ ابتداء عقد سے ہے لہٰذا اس میں دلیل نہیں۔

پانچویں بات: رہن کی بیع کے بعد اس کا استحقاق: حنفیہ کے ہاں...... ❶ جب رہن کی فروخت کے بعد معلوم ہو کہ رہن تو راہن کے علاوہ کسی اور کا ہے اب یا تو مبیع استحقاق کے دعویٰ کے وقت موجود ہو گی یا ہلاک اگر موجود ہو تو مستحق چاہے تو اسے واپس لے لے کیونکہ اس کا عین مال پایا گیا اسے حق کے بغیر منع نہیں کیا جائے گا اور اس صورت میں مشتری کو اختیار ہو گا چاہے تو بائع سے رجوع کرے کیونکہ وہ عاقد ہے اور چاہے تو مرتہن سے رجوع کرے جب کہ اس نے ثمن پر قبضہ کیا ہو اس لیے کہ استحقاق کی وجہ سے بیع ختم ہو گئی اور مرتہن کا قبضہ حکمی ختم ہو جائے گا۔ اگر بائع عادل ہو تو وہ راہن پر ثمن کا رجوع کرے اگر چاہے کیونکہ وہ بیع میں اس کا وکیل ہے لہٰذا وکالت کی وجہ سے اس کی ذمہ داری ہے اور عادل نے مرتہن کو جو دیا وہ صحیح ہے لیکن شے مرہون اگر استحقاق کے وقت ہلاک ہو تو مستحق کو اختیار ہے چاہے تو راہن کو قیمت کا ضامن بنائے کیونکہ اس نے اس کے حق کو غصب کیا ہے رہن رکھ کر اور چاہے تو امین کو ضامن ٹھہرائے کیونکہ اس نے اس کے حق میں بیع و سپردگی کر کے تعدی کی ہے اور چاہے تو مشتری کو ضامن بنائے کیونکہ اس کی ملک اس کے قبضہ میں ہلاک ہوئی ہے اگر اس نے راہن کو ضامن بنایا تو بیع نافذ ہو گی اور ادائیگی درست ہے کیونکہ ضمان ادا کرنے کی وجہ سے راہن شئی مضمون کا مالک ہو گیا اور یہ ملکیت تعدی کے وقت سے ہے تو ظاہر ہوا کہ اس نے اپنی ملکیت کو رہن رکھا اور اسے فروخت کرنے کا حکم دیا۔

اگر اس نے بائع کو ضامن ٹھہرایا تو بھی بیع نافذ ہو گی کیونکہ بائع ضمان ادا کرنے کی وجہ سے اس کا مالک ہو گیا تو ظاہر ہوا کہ اس نے اپنی ملک فروخت کی ہے اور اس ضمان کی وجہ سے بائع کو رجوع میں اختیار ہے چاہے تو راہن سے رجوع کرے کیونکہ یہ اس کا وکیل ہے بیع نافذ اور صحیح ہو گی اور چاہے تو مرتہن پر رجوع کرے اس کے ثمن کا قیمت کا نہیں کیونکہ ظاہر ہوا کہ اس نے ثمن بغیر حق کے لیے ہمیں کیونکہ ضمان کی ادائیگی کی وجہ سے عین اس کی ملک میں آ گئی اور اس ملکیت کی وجہ سے اس کی بیع نافذ ہے اور ثمن اس کے ہوئے اور اس نے راہن کے حساب سے ادا کیے تھے، نہ کہ اس کے لیے لہٰذا اس سبب سے یہ اس سے رجوع کر سکتا ہے ادائیگی باطل ہو جائے گی اور مرتہن راہن پر رجوع کرے گا۔ اگر اس نے مشتری کو ضامن ٹھہرایا تو وہ بائع (عدل) سے رجوع کرے کیونکہ وہ اس کو فروخت کرنے والا ہے پھر بائع راہن پر رجوع کرے کیونکہ ذمہ داری اسی کی ہے اور اس سے ادائیگی درست ہے اگر مرتہن تک پہنچ جائے۔

نواں مقصد: مرہون کو سپرد کرنا...... شوافع کے علاوہ جمہور کے ہاں جیسا کہ وضاحت ہو گئی کہ مرتہن کو دین کی وصولی تک مرہون کو روکے رکھنے کا حق ہے تا کہ قرض دار قرض ادا کرنے پر مجبور ہو اور مرہون کو واپس لے لے اس کی ضرورت اور اس سے انتفاع حاصل کرنے کی

---

❶ ...... تکملۃ فتح القدیر: ۸/۲۲۳۔

غرض سے اور اسی طرح مرتہن کو یہ بھی حق ہے کہ وہ دین کی مدت پوری ہونے پر دین کا مطالبہ کرے رہن بھی اس کے قبضہ میں ہو❶ اور مرتہن کے ذمہ مرہون مالک اور راہن کے سپرد کرنا ہے یا تو دین ختم ہونے پر یا پھر عقد رہن ختم ہونے پر ان چند اسباب میں سے کسی سے ختم ہوگا جیسے دین سے بری کرنا ہبہ کرنا دین ادا کرنا یا دین کے بدلہ راہن سے کچھ خریدنا یا راہن کا مرتہن کو حوالہ کرنا وغیرہ۔ اس کے بعد بھی اگر مرہون مرتہن کے قبضہ میں رہا تو شوافع اور حنابلہ❷ کے ہاں ودیعت ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اگر دین ابراء یا ہبہ سے ختم ہوا تو ودیعت باقی رہے گا اگر ان کے علاوہ ہو جیسے ادائیگی یا اس کے بدلے راہن سے کچھ سامان لے لیا یا حوالہ کیا تو پھر استحساناً مرہون مضمون ہوگا جیسا کہ پہلے تھا اگر ہلاک ہوگیا تو قیمت یا دین میں سے جو کم ہوگا اس سے ہلاک ہوگا۔ اور دونوں صورتوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ دین ابراء اور ہبہ کی وجہ سے مدین سے انتہائی اعتبار سے ختم ہوتا ہے اور رہن کا ضمان ختم ہو جاتا ہے اور رہ گیا ادائیگی کی صورت میں تو ساقط نہیں ہوتا بلکہ دائن کے ذمہ اس کا مثل ثابت ہوتا ہے جو دائن کو اس کے مطالبہ سے روکتا ہے اور دونوں دائنوں میں مقاصات ہو جاتا ہے جب دین مدین کے ذمہ موجود ہے تو ضمان بھی قائم رہتا ہے۔

مالکیہ کے ہاں اگر رہن ایسا ہو جو چھپایا جا سکتا ہے جیسے زیور، کتابیں، کپڑے، اسلحہ وغیرہ تو مرتہن پر لازم ہے کہ وہ دین ختم ہونے کی صورت میں اسے واپس لوٹائے ورنہ وہ ضامن ہوگا اس لیے کہ ادائیگی دین کے بعد رہن ودیعت نہیں ہوتا کیونکہ یہ تو ایسا عقد ہے جو مُودع کی منفعت سے مکمل ہوتا ہے اور عقد رہن عاقدین کی منفعت سے مکمل ہوتا ہے جب راہن دین کی ادائیگی کے بعد مرتہن سے مرہون کو طلب کرے تو وہ امانت ہوتا ہے۔ عقد رہن کا ختم ہونا یا اس کی انتہاء چند اسباب کے ذریعہ ہوتا ہے مثلاً بری کر دینا ہبہ کرنا ادا کرنا یا دین کے ساقط ہونے سے پہلے فسخ کرنا وغیرہ اور کبھی اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب عقد رہن کے وقت معلوم ہو کہ دین ہے ہی نہیں میں یہ اسباب بیان کروں گا جب مال مرہون عاقد رہن ختم ہونے سے راہن کی طرف واپس کیا جائے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس حالت میں رہن کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ لیکن مرتہن کے پاس جب مرہون ہو چاہے اس کے پاس دین ہو یا ختم ہو گیا ہو یا ظاہر ہو کہ کوئی دین نہیں یا دونوں تصدیق کر دیں کہ کوئی دین نہیں تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں یہ امانت ہے مالکیہ کے ہاں بھی اسی طرح امانت ہے۔ حنفیہ کے ہاں تصادق کی حالت میں اگر رہن کے ہلاک ہونے کے بعد ہو تو مرتہن پر ضمان ہے۔ لیکن اگر تصادق رہن کی موجودگی میں ہو پھر ہلاک ہو تو اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے بعض کے ہاں رہن ختم ہو گیا اور مال مرہون مرتہن کے پاس امانت ہے اور بعض کے ہاں ضمان باقی ہے۔ پہلی رائے ارجح ہے۔

تصادق کے علاوہ کے حالات میں وہی ہے جو انتہاء دین کے سلسلہ میں بیان کیا۔

مرہون کی سپردگی کب مکمل ہوگی؟ پہلے راہن دین ادا کرے پھر مرتہن مرہون سپرد کرے جیسے بیع میں مبیع اور ثمن میں ہوتا ہے کہ پہلے ثمن ادا کیے جاتے ہیں پھر مبیع سپرد کی جاتی ہے اس لیے کہ مرتہن کا حق دین کی ادائیگی کی وجہ سے متعین ہو گیا اور راہن کا حق سپردگی مرہون میں متعین ہو گیا تو اس ترتیب پر سپردگی مکمل ہوگی راہن اور مرتہن میں برابری کی غرض سے۔ جب راہن بعض دین سپرد کرے تو تمام مذاہب کے ہاں مرہون سارے کا سارا باقی دین کے بدلہ میں رہے گا اس لیے کہ سارا رہن دین کا وثیقہ ہے اور یہ سارے حق کے بدلے میں محبوس ہے اور وہ دین جو موجب رہن ہے وہ جزو جزو نہیں ہوتا لہٰذا یہ دین کے تمام اجزاء کے بدلے میں محبوس ہے اس میں سے کوئی چیز بھی نہیں چھوٹے گی جب تک سارا دین ادا نہ کر دیا جائے چاہے رہن تقسیم ہو سکتا ہو یا نہ ہو سکتا ہو۔

مرہون سپرد کرنے کی جگہ..... حنفیہ کے ہاں رہن کا بوجھ اور اس میں مشقت ہوگی یا نہیں (الف) اگر رہن کا بوجھ وغیرہ ہو اور مرتہن اس شہر میں دین طلب کرے جس میں عقد مکمل نہیں ہوا تو وہ اس کا دین ادا کر دے اور اس سے رہن کا حاضر کروانا ضروری نہیں اس لیے کہ اس پر خرچہ ہوگا اس پر صرف تخلیہ واجب ہوگا نہ کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا کیونکہ اس سے اس کو نقصان ہوگا اور اس کا التزام اس نے عقد میں

❶..... تکملہ فتح القدیر ۱۹۸/۸۔ ❷المغنی: ۳۹۷/۴۔

نہیں کیا۔

ب: اگر رہن میں بوجھ وغیرہ نہ ہو؟...... تو مرتہن کو رہن حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا اس لیے کہ سپرد کرنے کے حق میں تمام جگہیں ایک مکان کی طرح ہیں اور اسی وجہ سے رہن میں ادائیگی کے مکان کی شرط کا بیان کرنا ضروری نہیں اور یہ عقد سلم کی طرح ہے۔ اور یاد رہے کہ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جب مرتہن دین کا مطالبہ اسی شہر میں کرے جس میں عقد مکمل ہوا تھا تو مرتہن کو رہن حاضر کرنے پر محتاج ہوگا چاہے رہن کا بوجھ ہو یا نہ لیکن ابن عابد بن رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تعاقب کیا ہے کہ اس میں نظر ہے کیونکہ مرتہن پر واجب صرف تخلیہ ہے نہ کہ منتقل کرنا اور یہ مؤلفین کے کلام سے متبادر ہے اور بزازیہ میں جو ہے اس کے خلاف ہے: اگر حاضر کرنے میں اسے کوئی مشقت نہ ہو تو اسے حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا لیکن اگر اس سے کوئی مشقت ہو تو وہ کسی دوسری جگہ ہو تو اسے حکم نہیں دیا جائے گا۔

رہن فاسد کے احکام...... رہن صحیح کے احکام کے سلسلہ میں ہم جان چکے کہ وہ مرتہن کا زمین کے ساتھ خاص ہونا ہے دوسرے قرض خواہوں کے مقابلہ میں اور حنفیہ کے ہاں اسے روکنے کا اور اس کے ضمان کا حق ہے۔ اور ائمہ مذاہب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رہن غیر صحیح یا تو باطل ہے یا فاسد اور مرہون کی موجودگی میں اس کے لیے کوئی حکم نہیں مرتہن کے لیے روکنے کا حق ثابت نہیں اور راہن اس سے مرہون کو واپس لے لے اگر وہ روکے اور وہ ہلاک ہو جائے تو وہ غاصب ہوگا اگر وہ مثلی ہے تو اس کے مثلی کا ضامن ہے اگر وہ قیمی ہے تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اگر مرہون مرتہن کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے غیر صحیح عقد کی صورت میں۔ مثلاً مشاع کا رہن حنفیہ کے ہاں، تو ان کے ہاں وہ رہن کے طور پر ہلاک ہوگا یعنی اس کی قیمت اور دین میں سے جو کم ہے یہی اصح رائے ہے اور امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ امانت کے طور پر ہلاک ہوگا اس لیے کہ رہن جب صحیح نہیں تو قبضہ قبضہ امانت ہے اس لیے کہ اس نے مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہے لہٰذا یہ ودیعت کے قبضہ کے مشابہ ہے۔

اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کے قرض خواہ ہوں تو رہن فاسد کا مرتہن اس کا زیادہ حقدار ہے جیسا کہ رہن صحیح میں مالکیہ بھی حنفیہ کے طرح ہیں جب مرتہن عقد فاسد کے طور پر رہن پر قبضہ کرے تو مرتہن اس کا زیادہ حقدار ہے جب مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے عقد فاسد کے طور پر تو اس کی ہلاکت کا حکم رہن صحیح میں ہلاکت کے حکم کی طرح ہے۔

رہ گیا روکنے کا حق تو وہ مرتہن کے لیے ثابت ہے اس کے اختیار کی وجہ سے لیکن اس عقد فاسد کی بناء پر اسے مرہون کے مطالبہ کا حق نہیں۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں: ضمان ہونے یا نہ ہونے میں عقود فاسدہ کا حکم عقود صحیح کی طرح ہے اس لیے کہ عقد صحیح اگر سپردگی بعد ضمان کا تقاضا کرتا ہے جیسے بیع عاریت تو جو فاسد ہے وہ بدرجہ اولی کیونکہ عقد صحیح میں مبیع مضمون ہے اور بیع فاسد میں مقبوض بھی اگر عقد صحیح ضمان نہ ہونے کا تقاضا کرے جیسے رہن ہبہ بلاعوض اور مشاجرہ عین تو فاسد بھی اسی طرح۔ اسی بناء پر جب رہن فاسد ہو جائے جیسے حرام مرہون یا مجہول معدوم یا وہ جس کی ادائیگی پر قدرت نہ ہو یا غیر معین اور مرتہن اس پر قبضہ کر لے تو اگر اس کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس پر کوئی ضمان نہیں اس لیے کہ رہن صحیح مضمون نہیں فاسد بھی اسی طرح ہے۔

چوتھی بحث: رہن کی بڑھوتری اور اضافہ وغیرہ...... رہن مرہون کی بڑھوتری کو شامل ہوتا ہے اور دین مرہون اور اس کے زوائد سے متعلق ہوتا ہے فقہاء کے ہاں اس تفصیل کے مطابق جو ان کے ہاں ہے۔ لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ بڑھوتری اور اضافہ راہن کی ملکیت ہے کیونکہ وہ اصل کا مالک ہے اور یہ اس کی ملکیت کی بڑھوتری ہے۔

ا۔ حنفیہ کے ہاں...... (1) رہن کے ساتھ ہی شامل ہے ہر وہ زیادتی واضافہ جو اصل میں پیدا ہو متصل ہو جیسے پھل دودھ اون وغیرہ اور

(1) اللباب: ۲ / ۶۲

وہ اضافہ جو اس سے منفصل ہو جیسے بچہ وغیرہ یہ سب چیزیں اصل کے ساتھ رہن ہیں کیونکہ اس کے تابع ہیں اور رہن حق لازم ہے اس کی طرف سرایت کرے گا اور وہ اضافہ جو رہن سے پیداشدہ نہیں وہ داخل نہیں جیسے اجرت زمین کا غلہ وغیرہ یہ اصل کے ساتھ رہن نہیں یہ صرف راہن کے ہیں ان کے ساتھ دین متعلق نہیں ہوگا کیونکہ یہ مالک اور مرتہن کے عقد کا نتیجہ ہے مال سے پیداشدہ نہیں لہٰذا عقد سے جو اس کا مستحق ہے خالص اسی کا ہوگا۔یہی مالکیہ اور شوافع کا بھی مذہب ہے۔

۲۔ مالکیہ کے ہاں...... ❶ رہن میں ہر وہ اضافہ داخل رہے جو اس سے پیداشدہ اور متصل ہو جیسے موٹا ہونا خوبصورت ہونا یا متصل ہو لیکن تناسل کے سلسلہ سے ہو جیسے بچہ وغیرہ اور درختوں کی شاخیں وغیرہ کیونکہ یہ جانوروں کے بچوں کی طرح ہیں اور اس طرح کی وہ چیزیں جو رہن سے متصل ہیں اور اس کی تخلیق اور صورت سے ملتی جلتی ہیں، اسی طرح بکری وغیرہ کی اون وغیرہ بھی رہن میں داخل ہے اگر وہ عقد رہن کے وقت اس کی پیٹھ پر ہو ورنہ نہیں، رہ گئی وہ چیزیں جو مرہون سے تخلیق اور صورت کے اعتبار سے نہیں ملتیں تو وہ رہن میں داخل نہیں چاہے اس سے پیداشدہ ہوں جیسے درخت کے پھل کھجور میں دودھ وغیرہ یا اس سے پیداشدہ نہ ہوں جیسے گھروں کا کرایا اور تمام منافع۔

۳۔شوافع کے ہاں...... جو اضافہ متصل ہے وہ رہن میں داخل ہے جیسے موٹا ہونا بڑا ہونا خوبصورتی پھلوں کی نشونما وغیرہ کیونکہ یہ اصل کے تابع ہیں ان سے ان کو ممتاز نہیں کیا جا سکتا اور علیحدہ کا اضافہ اور ممتاز نہ ہونے والی نمو اور بڑھوتری رہن میں داخل نہیں جیسے درختوں کے پھل، اون، بال، دودھ، انڈے، گھر کی اجرت۔حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ حدیث کی وجہ سے کہ راہن سے رہن کو ضبط نہ کیا جائے اس کے لیے اس کا فائدہ ہے اور اسی پر اس کا نقصان ہے۔اور بڑھوتری فائدہ غنم میں سے ہے لہٰذا واجب ہے کہ اسی کا ہو نیز رہن ایک عقد ہے اس سے مرہون کی ذات سے ملکیت زائل نہیں ہوتی لہٰذا متمیز نما۔کی طرف سرایت نہیں ہوگی اجارہ کی طرح۔

۴۔حنابلہ کے ہاں...... رہن کی ہر طرح کی بڑھوتری چاہے اس سے متصل ہو یا منفصل اس سے پیداشدہ ہو یا نہ پیداشدہ ہو اس کا غلبہ ہو یا کچھ اور سب کچھ مرتہن کے قبضہ میں رہن ہوگا یا اس کی نائب کے پاس اور انہیں اصل کے ساتھ فروخت کیا جائے گا اگر ضرورت پیش آئے تو دین کی ادائیگی میں اس لیے کہ مال مرہون کے ساتھ دین کا تعلق عقد کی وجہ سے ثابت ہے لہٰذا اس میں اس کے منافع داخل ہوں گے جیسے بیع میں ہوتا ہے نیز اس لیے بھی کہ علیحدہ بڑھوتری بھی عین مرہونہ سے پیدا ہوتی ہے اس کا حکم بھی متصل کی طرح ہے۔

خلاصہ یہ کہ حنابلہ کی مذہب میں وسعت ہے وہ ہر طرح کے اضافہ کو مطلقا رہن میں داخل کرتے ہیں پھر ان کے قریب حنیفہ کا مذہب ہے اور ان کے قریب مالکیہ کا مذہب ہے پھر ان کے قریب شوافع کا مذہب۔

پانچویں بحث: رہن میں اضافہ کرنا یا دین میں اضافہ کرنا...... رہن میں اضافہ بایں طور کہ راہن شیء مرہون کے ساتھ کوئی اور چیز رکھ دے دین کے بدلے میں مثلاً وہ کسی شخص سے سو روپے ادھار لے اس کے بدلہ میں کپڑے رہن رکھے پھر ان کے ساتھ اور کپڑے یا کوئی کتاب اور دے دے یا کہ وہ پہلے کے ساتھ سو کے بدلے میں رہن ہو تو یہ جمہور کے ہاں جائز ہے کیونکہ اس سے اعتماد اور وثیقہ میں اضافہ ہوتا ہے جو رہن کی غرض ہے۔

امام زفر رحمہ اللہ کے ہاں جائز نہیں کیونکہ یہ دین کے شیوع کی طرف لے جانی والی چیز ہے اس لیے کہ رہن ثانی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے مقابلہ میں دین کا کچھ حصہ ہو وہ پہلے رہن میں سے اس کے بقدر نکل جائے گا اور وہ شائع ہے اور شیوع مفسد رہن ہے ان پر رد کیا گیا ہے کہ دین میں شیوع رہن سے مانع نہیں اور دین کو اصل اور اضافہ پر تقسیم کیا جائے گا قبضہ کے دن کی قیمت کی اعتبار سے رہ گیا دین میں اضافہ وہ اس طور پر کہ راہن مرتہن سے قرض لے اسی رہن پر مثلاً اس نے اس سے ایک ہزار ادھار لیا اور اس کے بدلے ایک قالین رہن رکھی پھر اس

❶ ......بدایۃ المجتھد: ۲/۲۷۲

سے ایک بار اور قرض لیا اس طور پہ کہ وہی قابلین دونوں کے بدلے میں رہن ہوئی تو اس میں فقہاء کی دو رائے ہیں۔

الف۔ ...امام ابوحنیفہ امام محمد حنابلہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے جدید قول کے مطابق دین میں زیادتی و اضافہ جائز نہیں اس لیے کہ یہ دوسرے رہن کا تقاضا کرتا ہے یا پہلے مرہون کے رہن کا اور مرہون کا رہن جائز نہیں کیونکہ پہلا دین اس کے ساتھ کامل طور پہ متعلق ہے۔

ب ...امام مالک امام ابو یوسف ابوثور، مزنی اور ابن المنذر کے ہاں: اضافہ جائز ہے اس لیے کہ اگر وہ رہن میں اضافہ کرے تو جائز ہے تو اسی طرح اگر دین میں اضافہ کیا کیونکہ دین میں اضافہ عقد رہن کو فسخ کرنے والا ہے جو پہلے تھا اور تیار رہن دونوں دینوں کے بدلے میں ہو تو یہ اتفاقاً جائز ہے۔ ❶

چھٹی بحث: انتہاء عقد رہن ...عقد رہن مختلف حالات کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے جیسے ابراء، ہبہ دین ادا کرنا وغیرہ اور وہ صورتیں یہ ہیں:

۱۔ ...مرہون کو مالک کے سپرد کرنا شوافع کے علاوہ جمہور کے ہاں اس سے رہن ختم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دین کا وثیقہ ہے جب اس نے مرہون سپرد کر دیا تو وثیقہ باقی شمار نہیں ہوگا رہن ختم ہو جائے گا جیسا کہ جمہور کے ہاں راہن کی اجازت سے مرتہن عاریت پر دے دے تو ختم ہو جاتا ہے۔

۲۔ ...سارا رہن ادا کرنا جب راہن سارا دین ادا کر دے تو رہن ختم ہو جاتا ہے۔

۳۔ جبری بیع ...جو راہن کی جانب سے قاضی کے حکم سے ہوئی ہو یا راہن کے انکار کی صورت میں قاضی نے خود کی ہو جب ایسا ہو گیا تو رہن ختم۔

رہی اختیاری بیع جو مرتہن کی اجازت سے بائع کرے اگر دین کی مدت پوری ہونے کے بعد ہوئی ہو تو اس کے ثمن کے ساتھ اس کا حق متعلق ہوگا اور اگر مدت پوری ہونے سے پہلے ہوئی ہو تو بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ثمن کے ساتھ حق متعلق ہوگا اور وہ رہن ہو جائیں گے کیونکہ راہن نے مرتہن کی اجازت سے فروخت کی ہے لہٰذا اس میں اس کا حق ثابت ہونا واجب ہے شوافع مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں: اس صورت میں رہن باطل ہو جائے گا اور راہن پر اس کا عوض لازم نہیں آتا اور دین بلا رہن رہے گا۔

۴۔ ...دین سے بری کر دینا جس طرح بھی ہو: چاہے حوالہ کے طور پر ہو یا مرتہن کوئی دوسرا عین اس کے عوض لے لے۔

۵۔ ...مرتہن کی جانب سے رہن فسخ کرنا اگر چہ راہن قبول نہ بھی کرے کیونکہ حق اس کا ہے اور رہن جائز ہے ہر لازم حق نے اور راہن کی جانب سے فسخ کی صورت میں ختم نہیں ہوتا کیونکہ اس کی جانب سے لازم ہے۔

حنفیہ کے ہاں رہن فسخ کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ مرتہن الفاظ کے ذریعہ یا مال مرہون کو راہن کو واپس کرے تو فسخ ہوگا کیونکہ رہن قبضہ سے لازم ہوتا ہے اس فسخ بھی قبضہ سے مکمل ہوگا مال واپس کرے۔

مالکیہ کے ہاں رہن باطل ہو جاتا ہے راہن کے قبضہ میں چھوڑنے سے یہاں تک کہ راہن اسے فروخت کر دے اس طور پر چھوڑنا ایسے ہی ہے جیسے مرتہن سپرد کرنا لہٰذا یہ فسخ کے معنی میں ہے اسی طرح ان کے ہاں رہن مرتہن کی اجرت بیع سے بھی ختم ہو جاتا ہے اور دین بلا رہن رہ جائے گا۔

۶۔ ...مالکیہ کے ہاں قبضہ سے پہلے رہن کے مرجانے یا مفلس ہونے سے بھی رہن باطل ہو جاتا ہے یا قرض خواہ اداء دین کا مطالبہ

---

❶ ...اللباب: ۲/ ۶۲

شروع کر دیں۔ یا حاکم کے پاس معاملہ لے جائیں اور وہ راہن پر پابندی لگا دے یا اس کے مرض اور جنون کی وجہ سے جن میں وہ مر جائے کیونکہ ان کے ہاں صرف ایجاب وقبول سے رہن لازم ہے۔

اور حنفیہ کے ہاں راہن یا مرتہن اگر سپردگی سے پہلے مر جائے تو رہن باطل ہو جاتا ہے اور راہن کے مفلس ہونے سے باطل نہیں ہوتا جبکہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں راہن یا مرتہن کے سپردگی سے پہلے مر جانے سے رہن باطل نہیں ہوتا اور ان میں سے کسی ایک کے مجنون ہونے سے اور نہ ہی راہن کے مفلس ہونے سے اور قبضہ کے بعد کسی کے مرنے سے بالاتفاق رہن باطل نہیں ہوتا۔

۷۔ مرہون کا ہلاک ہونا...... جمہور علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ عقد رہن مال مرہون کے ہلاک ہونے سے ختم ہو جاتا ہے جمہور کے ہاں بھی جو مرہون کو امانت سمجھتے ہیں اور مرتہن کو تعدی اور کوتاہی کے بغیر ضامن قرار نہیں دیتے اور حنفیہ کے ہاں بھی جو اس کے ضمان کے قائل ہیں کیونکہ محل عقد ختم ہو گیا۔

۸۔ مرہون میں کوئی تصرف مثلاً اجارہ، ہبہ، صدقہ کرنا۔ جب راہن یا مرتہن دوسرے کی اجازت سے رہن کو اجارہ پر یا ہبہ یا صدقہ یا کسی اجنبی کو فروخت کر دیں تو رہن ختم ہو جاتا ہے جیسے مرتہن تجدید قبضہ کے اجارہ کرے تو ختم ہو جاتا ہے۔

اور مرتہن کو فروخت کرنے سے حنفیہ کے ہاں رہن ختم نہیں ہوتا کیونکہ مال مرہون کا خلیفہ یعنی ثمن موجود ہیں لہٰذا ثمن اصل کے قائم مقام ہے۔ کما تبین فی بحث التفرق۔

ساتویں بحث: راہن اور مرتہن کا اختلاف

...... اس بحث کا تعلق قاضی وغیرہ کے ساتھ ہے جو راہن اور مرتہن کے اختلاف یا رہن اور مرہون کے اختلاف میں فیصلہ کرے گا۔

الف...... جب راہن اور مرتہن میں دین کی مقدار میں اختلاف ہو جائے راہن کہے میں نے تمہارے پاس اپنا سامان ایک ہزار کے بدلے میں رہن رکھا ہے اور مرتہن کہے نہیں بلکہ دو ہزار کے بدلے میں رکھا ہے تو جمہور (حنفیہ، شوافع اور حنابلہ) کے ہاں راہن کی بات معتبر ہو گی قسم کے ساتھ کیونکہ یہ اس اضافہ کا منکر ہے جس کا مرتہن دعویٰ کر رہا ہے اور بات منکر کی معتبر ہوتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اگر لوگوں کو ان کے دعوؤں کے مطابق حق دیا جائے تو پھر لوگ دوسروں کے مالوں اور جانوں کا دعویٰ کرنا شروع کر دیں گے لیکن قسم مدعیٰ علیہ پر ہے [1] اور یہاں راہن مدعیٰ علیہ ہے اور مرتہن مدعی تو واجب ہے کہ قسم راہن پر ہو ظاہر حدیث مشہورہ کی وجہ سے۔

مالکیہ کے ہاں...... بات مرتہن کی معتبر ہو گی الا یہ کہ جو رہن کی قیمت سے زائد ہے اس میں راہن کی بات معتبر ہو گی کیونکہ مرتہن اگر چہ مدعی ہے لیکن اسے یہاں شبہ ہے یمین نے اپنی جگہ سے منتقل ہونے پر وہ یہ کہ رہن اس کا گواہ ہے کہ وہ مرہون سے زیادہ ہوتا ہے اور مالک کے اصول میں سے ہے شبہ کے اعتبار سے جو زیادہ قوی ہے وہ قسم اٹھائے اور جمہور کے ہاں یہ لازم نہیں اس لیے کہ کبھی راہن کوئی چیز رہن رکھتا ہے اور اس کی قیمت دین سے زیادہ نہیں ہوتی۔

اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب دونوں رہن کی مقدار میں اختلاف کریں راہن کہے: میں نے یہ چیز رہن رکھی ہے اور مرتہن کہے نہیں بلکہ دوسری چیز رکھی ہے تو یہاں راہن کی بات معتبر ہو گی کیونکہ وہ منکر ہے۔

ب...... جب دونوں کا اختلاف ہو جائے عین مرہونہ کے تلف اور ضائع ہونے میں مرتہن کہے ہلاک ہو گیا اور کوئی وجہ نہ بیان کرے تو تمام ائمہ کے ہاں مرتہن کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا اسی طرح اگر ہلاکت کے بعد مقدار مرہون میں اختلاف ہو جائے تو بھی مرتہن کا قول معتبر ہو گا کیونکہ وہ ضامن ہے اگر دونوں کا اختلاف ہو جائے رہن کے دن کی قیمت میں یا اصل رہن میں کہ آیا وہ موجود ہے یا نہیں تو راہن کی بات

---

[1] رواہ مسلم والبخاری.

معتبر ہوگی قسم کے ساتھ۔

ج.....اگر دونوں کا اختلاف ہو مرہون کے قبضہ کے سلسلہ میں آیا قبضہ ہوا یا نہیں تو حنفیہ اور شوافع کے ہاں راہن کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی چاہے مرہون راہن کے قبضہ میں ہو یا مرتہن کے کیونکہ اصل رہن کا نہ الزم ہونا اور نہ قبضہ ہونا۔ حنابلہ کے ہاں قبضہ میں اختلاف کی صورت میں جس کا فی الحال قبضہ ہے اس کی بات معتبر ہوگی اگر راہن کے قبضہ میں ہے تو اس کی بات کیونکہ اصل قبضہ نہ ہونا ہے اگر مرتہن کے قبضہ میں ہے تو اس کا قول کیونکہ ظاہر اس کا قبضہ حق کی وجہ سے ہے۔ اگر دونوں کا اختلاف قبضہ کی اجازت میں ہو جائے راہن کہے تم نے شیء مرہون کو میری اجازت کے بغیر لیا ہے تو لازم نہیں اور مرتہن کہے بلکہ میں نے تمہاری اجازت سے لیا ہے اور اس وقت مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہے تو راہن کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی کیونکہ وہ منکر ہے۔

د.....اگر رہن کی ہلاکت کے وقت میں اختلاف ہو، مرتہن کہے دوران عمل ہلاک ہوا اور راہن کہے دوران عمل ہلاک نہیں ہوا تو حنفیہ کے ہاں مرتہن کا قول معتبر ہے کیونکہ وہ منکر ہے اور گواہ راہن کے ذمہ ہیں۔ ❶

ہ.....حنفیہ کے ہاں اگر مرہون کی نوع میں اختلاف ہو جائے راہن کہے یہ رہن نہیں اور چیز ہے اور مرتہن کہے نہیں بلکہ یہی ہے جو تم نے رہن رکھا ہے تو اس صورت میں مرتہن کا قول معتبر ہوگا کیونکہ اس نے قبضہ کیا ہوا ہے۔ اگر مرہون مبیع کے ثمن میں اختلاف ہو جائے یا اس کی ثمن مثل یا کسی اور ثمن کے ساتھ بیع میں اختلاف ہو جائے تو بھی مرتہن کا قول معتبر ہوگا کیونکہ مبیع ہونے کی وجہ سے مرہون رہن ہونے سے نکل گیا اور ضمان ثمن کی طرف لوٹ آیا راہن زیادہ ضمان کا دعویٰ کر رہا ہے مرتہن اس کا منکر ہے تو اسی کی بات معتبر ہوگی۔

و.....مالکیہ کے ہاں اگر راہن اور مرتہن رہن رکھنے کی کیفیت میں اختلاف کریں راہن نے اسے امین کے پاس رکھا تھا اور مرتہن کہے نہیں میرے پاس رکھا تھا، یا اس کے برعکس تو اسی کا قول معتبر ہوگا جو امین کے پاس رکھنے کا دعویدار ہے اور وہ راہن ہے۔

تیرہویں فصل.....صلح

خاکہ موضوع	.....	بعد صلح کے متعلق درج ذیل مباحث میں گفتگو کی جائے گی۔
پہلی بحث	.....	صلح کی تعریف، صلح کی مشروعیت، انواع اور رکن صلح
دوسری بحث	.....	شرائط صلح
تیسری بحث	.....	حکم صلح
چوتھی بحث	.....	وہ امور جو عقد صلح کو باطل کر دیتے ہیں بعد از بطلان عقد صلح کا حکم۔

پہلی بحث: صلح کی تعریف، صلح کی مشروعیت، انواع اور رکن صلح

صلح کی تعریف.....صلح کا لغوی معنی نزاع ختم کرنا۔

شرعی تعریف.....عقد وضع لرفع المنازعة یعنی وہ عقد ہے جو نزع (جھگڑے) کو ختم کرنے کے لیے وجود میں لایا گیا ہو با لفاظ دیگر حنابلہ کے نزدیک اس کی تعریف یوں بھی ہے: "معاقدة یتوصل بها الی الاصلاح بین المختلفین" ایک معاملہ جو دو اختلاف کرنے والوں کے درمیان گٹھ جوڑ تک پہنچا دے عقد صلح کا وقوع غالب احوال میں غرض حاصل کرنے کے لیے بطور مدارات اس شے

❶.....تکملہ فتح القدیر ۲۳/۷ تبیین الحقائق الزیلعی ۲۹/۵ الدر المختار ۴۹۳/۴ مغنی المحتاج ۱۷۷/۲ حاشیہ الجبری علی الخصب ۷۰/۲

کے کم از کم حصہ پر وقوع ہوگا جسکا دعویٰ کیا گیا ہو اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔ ❶

یہاں صلح سے ہمارا مقصد لوگوں کے درمیان ہونے والے معاملات میں صلح ہے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان صلہ کا ہونا مقصود نہیں اور نہ ہی امام (حکمران، سلطان) اور باغیوں کے درمیان یا زوجین کے درمیان صلح یہاں ہمارا موضوع سخن نہیں۔

صلح کی مشروعیت.....لوگوں کے درمیان صلح کا ہوجانا مستحب ہے اس میں کوئی حرج نہیں کہ حکمران طرفدار (فریقین) کو صلح کا مشورہ دے سکتا ہے البتہ فریقین کو صلح پر مجبور نہیں کرسکتا، ہاں البتہ صلح کی ترغیب دے سکتا ہے کہ حق فریقین میں سے کسی ایک کا ہے بشرطیکہ جب تک یہ ظاہر نہ ہو کہ حق کسی ایک فریق کا ہے اگر واضح ہوجائے کہ حق فلاں فریق کا ہے تو صاحب حق کے لیے حکم ثابت ہوجائے گا صلح کی مشروعیت کتاب سنت اوا جماع امت سے ثابت ہے۔ ❷

کتاب سے......چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے: والصلح خیر اور صلح کر لینا بہتر ہے۔ یہ حکم زوجین کے درمیان صلح کرانے کے بعد آیا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ......النساء ۴/۱۲۸

اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے زیادتی یا بیزاری کا اندیشہ ہو تو ان میاں بیوی کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے
کہ وہ آپس کے اتفاق سے کسی قسم کی صلح کرلیں اور صلح کر لینا بہتر ہے۔

سنت سے.....حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوف حدیث مروی ہے کہ: مسلمانوں کا آپس میں صلح کر لینا جائز ہے البتہ وہ صلح جائز نہیں جو حرام کو حلال کردے یا حلال کو حرام کردے۔ (رواہ ابن حبان وصححہ) ❸ حرام کو حلال کرنے کی مثال جیسے شراب کی حلت پر صلح کر لی یا جتنے دراہم کا دعویٰ کیا ہوا ان سے زائد دراہم پر صلح کر لی حلال کو حرام کرنے کی مثال جیسے اس بات پر صلح کر لی کہ شوہر سوکن سے ہمبستری نہیں کرے گا حالانکہ وہ اس کی دوسری بیوی ہوتی ہے۔ یا اس بات پر صلح کر لی کہ شوہر اسے طلاق نہیں دے گا۔

اجماع سے......صلح کی مشروعیت پر علمائے امت کا اجماع ہے چونکہ معالات میں صلح کا بہت زیادہ فائدہ ہے چونکہ صلح کے ذریعہ نزاع اور اختلاف ختم ہوجاتا ہے ❹ غالب احوال میں صلح کا وقوع نسبتاً کم رتبہ پر ہوتا ہے تاکہ حق کے کچھ حصہ کے پانے کی راہ ہموار ہوجائے۔

صلح کی حکمت......یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان محبت وامن برقرار رہے باہمی افتراق اور اس کے اسباب کا خاتمہ ہوجائے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ایک دوسرے سے بغض مت رکھو ایک دوسرے سے حسد نہ رکھو ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ ایک اور حدیث میں ہے میرے بعد کافر مت بن جاؤ کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ نیز صلح کے معاملہ میں جھوٹ بولنا مباح ہے تاکہ جھگڑا ختم ہوجائے اور لوگوں میں اتفاق رہے بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ وہ آدمی جھوٹا نہیں جو (جھوٹ بول کر) دو آدمیوں کے درمیان صلح کرائے اور اچھی بات کو کسی کی طرف منسوب کرے اور اچھی بات کہے۔

صلح کی انواعصلح مسلمانوں کے درمیان بھی ہوتی ہے اہل حرب کے ساتھ امن وامان کی صلح اہل عدل اور باغیوں کے درمیان صلح، زوجین کے درمیان اختلاف ہونے پر صلح، غیر مال میں دو اختلاف کرنے والوں کے درمیان صلح، مال میں دو جھگڑنے والوں کے درمیان صلح

---

❶ ...المغنی ۴/۴۷۶ غایۃ المنتهی ۲/۱۱۸۔ ❷ المبسوط ۲۰/۱۳۳ مغنی المحتاج ۲/۱۷۷ المغنی ۴/۴۷۶ کشاف القناع ۳/۳۷۸ القوانین الفقهیۃ ۳۳۷۔ ❸ قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح (نصب الرایۃ ۴/۱۱۲ التلخیص الحبیر ۲۴۹ نیل الاوطار ۵/۲۵۴۔ ❹ اسی لیے صلح کے لئے جھوٹ بولنا بھی مباح ہوجاتا ہے۔

یہی صورت یہاں موضوع بحث ہے، مالکیہ نے صلح کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ صلح اسقاط وابراء مطلقا جائز ہے اور صلح علی عوض (معاوضہ لے کر صلح کرنا) یہ صورت بھی جائز ہے البتہ اگر یہ صلح حرام تک پہنچا دے تو جائز نہیں ہوگی، اس نوع کا حکم بیع کا حکم ہے اموال میں صلح کرنے کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ صلح مع اقرار مدعی علیہ...... اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص پر کسی چیز کا دعویٰ کر دے مدعی علیہ اقرار کر دے (یعنی کہے کہ جی ہاں یہ چیز مدعی کی ہے) پھر مدعی علیہ مدعا بہ چیز کے علاوہ کسی اور چیز مثلاً گھر یا کسی قسم کی منفعت جو مدعا بہ سے حاصل نہ ہو پر صلح کر لے جیسے گھر میں رہائش کی منفعت یا مدعا بہ چیز کے کسی جز دپر صلح کرے جیسے گھر کے چوتھائی حصہ پر صلح کرے صلح کی یہ قسم بالاتفاق جائز ہے۔ ❶

یہ صلح اگر مال پر واقع ہو اور مال کے ساتھ کی جائے جیسے چٹائی کے بدلہ میں کپڑا دے دیا تو یہ صلح بیع کے معنی میں ہے۔ چنانچہ بیع مال کے ساتھ مال کا تبادلہ ہے جو عاقدین کی رضامندی سے ہو اگر صلح زمین پر ہوئی ہو تو اس میں شفعہ جاری ہوگا عیب کی وجہ سے واپس ہوئی اس میں خیار شرط بھی ثابت ہوگا عوض یا بدل کی جہالت کی وجہ سے صلح فاسد ہوئی اس میں مقدور التسلیم کی شرط کا بھی اعتبار ہوگا اگر یہ صلح مال پر ہو اور کسی چیز کے منافع کے ساتھ کی جائے تو اس کے لیے اجارہ کا حکم ہوگا چونکہ اس میں اجارہ کا معنی پایا جاتا ہے چنانچہ اجارہ منافع جات کی تملیک کو کہا جاتا ہے معاملات میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے لہٰذا اس میں تعیین وقت کا اعتبار کیا جائے گا مدت اجارہ کے دوران اگر کوئی عاقد مر جائے تو عقد باطل ہو جائے گا۔

۲۔ مدعی علیہ کے انکار کے ہوتے ہوئے صلح...... صلح مع الانکار کا حاصل یہ ہے کہ فی الواقع مدعی کا حق ثابت ہوتا ہے تاہم مدعی علیہ کو اس کا علم نہیں ہوتا مثلاً ایک شخص دوسرے پر کسی چیز کا دعویٰ کرتا ہے لیکن مدعی علیہ اس کا انکار کرتا ہے پھر مدعا بہ میں سے کچھ حصہ کے ساتھ مدعی سے صلح کر لیتا ہے یہ صورت لوگوں کے تنازعات میں اکثر واقع ہوتی ہے یہ صلح مالکیہ، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے جب کہ شافعیہ اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک جائز نہیں ❷ قائلین جواز کے نزدیک شرط یہ ہے کہ مدعی جس چیز کا دعویٰ کرتا ہو اس کے متعلق اس کا اعتقاد ہو کہ یہ اس کا حق ہے اور مدعی علیہ کا اعتقاد ہو کہ اس پر کوئی حق نہیں تاہم مقدمہ کے خاتمہ کے لیے کوئی چیز مدعی کو دے دے۔ ❸

انکار کے ساتھ صلح کی صورت...... مثلاً ایک شخص دوسرے پر گھر کا دعویٰ کر دے کہ اس میں مدعی کا حق ہے جب کہ مدعی علیہ استحقاق کا انکار کر دے اور مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا مدعی علیہ یہ رائے ظاہر کرے کہ اس دعویٰ کے متعلق مال کے ساتھ صلح کر دے تاکہ اس سے لی گئی قسم کا فدیہ ہو جائے اور مقدمہ ختم ہو جائے چنانچہ دونوں فریق مدعا بہ کے متعلق صلح کر لیں باوجودیکہ دعویٰ کے صحیح ہونے کا انکار بھی ہو دعویٰ کے باطل ہونے کا اعتقاد بھی ہو اور مدعی علیہ صلح سے پہلے اور صلح کے بعد انکار پر مصر ہو اور وہ مال کی ایک مقدار صلح میں دے دے۔ ❹

جمہور کا استدلال...... فریق اول کا استدلال عموم آیت سے ہے: وَالصُّلْحُ خَيْرٌ صلح بہتر ہے (النساء ۴/۱۲۸) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے البتہ وہ صلح جو حرام کو حلال کر دے یا حلال کو حرام کر دے یہ عموم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر قسم کی صلح مشروع ہے ہاں البتہ جو دلیل سے مخصوص ہو جائے سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: معاملہ کے فریقوں کو صلح کے لئے واپس

❶......المبسوط ۲۰/۱۳۹ البدائع ۶/۴۰ تکملہ فتح القدیر ۷/۲۴ تبیین الحقائق ۵/۳۰ بدایة المجتهد ۲/۲۹۰ الشرح الكبير ۳/۳۰۹ مغنی المحتاج ۲/۱۷۷ المهذب ۱/۳۳۳ المغنی ۴/۴۸۲ القوانين الفقهية ۲۳۸۔ ❷المراجع السابقه مغنی المحتاج ۱۷۹ المغنی ۴۷۶۔ ❸المغنی ۴/۴۷۸ غاية المنتهى ۲/۲۱۰۔ ❹الافصاح ۱/۱۷۴

لوٹاؤ چونکہ فیصلہ کینہ اور کدورت پیدا ہونے کا باعث ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو صلح انکار کے ساتھ ہو میں اسے جائز قرار دیتا ہوں یعنی یہ صلح مقدمہ اور نزاع کو ختم کر دیتی ہے۔

شافعیہ اور ابن ابی لیلیٰ کی دلیل...... کا حاصل یہ ہے کہ یہ حضرات قیاس کرتے ہیں کہ اگر شوہر نے خلع سے انکار کر دیا پھر کسی چیز پر بیوی کے ساتھ صلح کر دی تو یہ صلح صحیح نہیں ہوگی ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر مدعی اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہو تو وہ مدعی علیہ سے اس کا مال اپنے لئے حلال کروانا چاہتا ہے جب کہ ایسا کرنا حرام ہے اور اگر سچا ہو تو ایسی چیز پر معاوضہ لیتا ہے جو اس کا حق نہیں لہٰذا معاوضہ صحیح نہیں یہ ایسا ہی ہے۔

جیسے کسی دوسرے کے مال کو فروخت کر دے نیز صلح عقد معاوضہ ہے جو کسی ایک جانب کے عوض سے خالی ہوتا ہے لہٰذا یہ باطل ہے جیسے حد قذف پر صلح کرنا باطل ہے گویا مدعی جو مال لے گا وہ اکل مال بالباطل کے قبیل میں سے ہوگا جب کہ اوپر آچکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: البتہ وہ صلح جو حرام کو حلال کر دے یا حلال کو حرام کر دے وہ جائز نہیں اگر مقدمہ ختم کرنے کے لیے مدعی علیہ مال خرچ کرتا ہے تو یہ رشوت ہے۔

یہ مناقشہ ہے چنانچہ فریق اول انکار کے ساتھ صلح کو حدیث کے مفہوم میں داخل ہونے کو تسلیم نہیں کرتا، چونکہ ممنوع تو یہ ہے کہ صلح حرام چیز کو حلال کر دے باوجود یکہ وہ چیز اپنی حرمت پر باقی رہے جیسے مثلاً آزاد آدمی کو غلام بنانے پر صلح کر لی یا بضع حرام کو حلال کر دیا یا شراب وخنزیر پر صلح کر دی نیز جو حق مدعی کے لیے ثابت ہو وہ کسی طرح بھی حاصل کر سکتا ہے۔

رہی بات مدعی علیہ وہ تو مدعی کے دعویٰ کے مقابل دفاع کرتا ہے تاکہ دعویٰ کی مسئولیت سے اجتناب کر سکے، اور جو نزاع اور جھگڑا کھڑا ہو گیا ہے اس کا خاتمہ ہو جائے مدعی علیہ بے عزتی سے اپنے آپ کو بچانا چاہتا ہے اور عدالت میں حاضر ہونے سے اپنی حفاظت کرتا ہے چنانچہ شرفاء اور اصحاب مروت عدالتوں میں جوابدہی کے لیے حاضر ہونے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ایسے امور جن سے ان کی عزت خراب ہو ان سے بچاؤ کا سامان کرنا ان کے لئے نہایت بہتر ہوتا ہے شریعت اپنی حفاظت اپنی عزت کی حفاظت سے منع نہیں کرتی خواہ اس کے لئے مال ہی کیوں نہ لگانا پڑے اور مدعی کا جو حق ثابت ہوتا ہے اس کا عوض لے لیتا ہے لہٰذا شریعت اس کے مانع نہیں برابر ہے مدعی نے جو مال لیا ہے وہ اس کے حق کی جنس میں سے ہو یا نہ ہو۔

۳۔سکوت کے ساتھ صلح...... اس کا حاصل یہ ہے کہ مدعی علیہ نہ ہی اقرار کرتا ہو اور نہ ہی انکار کرتا ہو مثلاً ایک شخص نے کسی دوسرے پر دعویٰ کر دیا دوسرا شخص بغیر اقرار اور انکار کے خاموش رہے پھر مدعی کے ساتھ صلح کر لے یہ صلح جمہور کے نزدیک جائز ہے ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک بھی جائز ہے جب کہ شافعیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ یہاں بھی وہی دلائل ہیں جو اوپر نمبر ۲ کے ذیل میں گزر چکے ہیں شافعیہ کے ہاں سکوت انکار ہے لہٰذا یہاں بھی منکر والا معاملہ ہوگا۔

خلاصہ...... صلح کی تینوں اقسام حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں چنانچہ بدل صلح میں مدعی کی ملکیت ثابت ہو جائے گی اور چیز واپس لینے کا حق جو مدعی علیہ کو حاصل ہوگا وہ ختم ہو جائے گا چونکہ صلح نزاع کے خاتمے کا سبب ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے ولا تنازعوا (الانفال) لہٰذا صلح مشروع ہے۔ سکوت کے ساتھ صلح اور انکار کے ساتھ صلح حنفیہ کے نزدیک مدعی علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ اور مقدمہ بازی کا خاتمہ ہے چونکہ اس کے خیال میں جس چیز پر اس کا قبضہ ہے وہ اس کی ملکیت ہے اور مدعی کے حق میں یہ معاوضہ ہوگا چونکہ وہ اپنے خیال میں اپنے حق کا معاوضہ لے رہا ہوتا ہے لہٰذا ہر ایک کے ساتھ حسب اعتقاد معاملہ کیا جائے گا۔

شافعیہ کے نزدیک صلح کی اقسام...... شافعیہ نے صلح کی دو قسمیں ذکر کی ہیں۔

اول...... وہ صلح وہ مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان جاری ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ صلح اقرار کے ساتھ...... اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے پر کسی حق یا کسی چیز کا دعویٰ کرے مدعی علیہ اس کا اقرار کر لے اور پھر مصالحت کا مطالبہ کرے یہ صلح بالاتفاق جائز ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

ا۔ یہ صلح یا تو کسی چیز معین چیز پر ہوگی جیسے گھر ساز وسامان جانور یا گاڑی وغیرہ اگر صلح ایسی چیز پر ہو جس کا دعویٰ نہ کیا گیا ہو جیسے گھر کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے اقرار کر لیا پھر مدعی علیہ نے کسی معین چیز جیسے کپڑا کے ساتھ صلح کر دی تو یہ شئے مدعابہ کی بیع ہوگی جو مدعی کے ہاتھ سے مدعی علیہ کو دی جارہی ہوگی یعنی مدعی بائع اور مدعی علیہ مشتری ہوگا اور بیع لفظ صلح سے ہوگی اسے صلح معاوضہ کہا جاتا ہے اس میں بیع کے احکام ثابت ہوں گے جیسے شفعہ عیب کی وجہ سے رد کرنا اور قبضہ سے پہلے مصالح علیہ میں تصرف سے منع کرنا اگر مصالح علیہ اور مصالح بہ ہیں علت ربا پائی جارہی ہو تو دونوں پر قبضہ کرنا شرط ہے اسی طرح دوسرے احکام جیسے خیارات شرائط فاسدہ سے صلح کا فاسد ہونا غرر کا حرام ہونا وغیرہ۔

اگر صلح ایسی چیز پر ہو جس کا دعویٰ کیا گیا ہے اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کی منفعت پر جیسے متنازع چیز گھر تھا اور ایک سال گاڑی کے استعمال پر صلح کر لی تو اس صورت میں یہ عقد اجارہ ہوگا اس میں اجارہ کے احکام ثابت ہوں گے چونکہ اجارہ کا معنی اس میں پایا جاتا ہے۔

اگر بعینہ وہ چیز جس کا دعویٰ کیا گیا ہے اس کی منفعت پر صلح ہو مثلاً وہ گھر جس کا دعویٰ کیا گیا ہو اسی میں مدعی پانچ سال تک رہائش رکھے پھر وہ اسے واپس کر دے تو یہ اعارہ ہوگا اس میں عاریت کے احکام ثابت ہوں گے چونکہ یہ صلح عاریت کے معنی میں ہے۔

اگر صلح مدعابہ چیز کے کچھ حصہ پر ہو جیسے گاڑی چوتھائی حصہ پر صلح ہو جائے تو یہ ہبہ ہوگا جو مدعی کو کیا جائے گا اس میں ہبہ کے احکام ثابت ہوں گے چونکہ یہ صلح ہبہ کے معنی میں ہے مثلاً مدعی علیہ کا قبول کرنا شرط ہوگا صلح کی اس قسم کو صلح حطیطہ کہا جاتا ہے چونکہ صاحب حق اپنے حق میں سے ایک جزو کم کر دیتا ہے۔

ب...... یا تو صلح اقرار کے ساتھ ہوگی جو دین پر واقع ہو مثلاً ایک شخص دوسرے پر مال کا دعویٰ کرے مثلاً ایک ہزار دینا، مدعی علیہ اس کا اقرار کرے پھر دونوں صلح کر لیں یہ صلہ لفظ صلح بیع ابراء اور اجارہ کے ساتھ صحیح ہے۔

دین پر صلح کرنے کے لیے شرط ہے کہ عوض لینا جو بصورت عین ہو یا دین ہو یا منفعت ہو جائز ہو ایسے دین پر صلح کرنا جائز نہیں جس کا عوض لینا صحیح نہ ہو جیسے دین سلم۔

دین کے کچھ حصہ پر صلح کرنے کے جواز پر دلیل بخاری و مسلم کی روایت ہے جو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں دین کا مطالبہ کیا اسی اثناء میں ان دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں ان کی آواز سن لی آپ...... گھر سے باہر تشریف لائے اور حجرے کے دروازے کا پردہ ہٹایا حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو آواز دی اور فرمایا: اے کعب عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور فرمایا دین کا کچھ حصہ ساقط کر دو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول میں نے ایسا کر دیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ اور ادا کرو۔

۲۔ انکار کے ساتھ صلح یا سکوت کے ساتھ صلح...... مثلاً ایک شخص دوسرے پر دعویٰ کرے اور مدعی علیہ انکار کر دے یا خاموش رہے پھر مدعی کے ساتھ صلح کر لے پھر اگر صلح بعینہ مدعابہ چیز پر واقع ہو مثلاً گھر کا دعویٰ کیا اور مدعی علیہ گھر پر صلح کرے یعنی گھر مدعی علیہ کو مل جائے تو دونوں صورتوں میں شافعیہ کے نزدیک صلح باطل ہے جب کہ ائمہ ثلاثہ کا اس میں اختلاف ہے اسی طرح اگر مدعابہ کے کچھ حصہ پر صلح واقع ہو تو بھی باطل ہے یہ صلح اس لئے باطل ہے چونکہ مدعی اگر جھوٹا ہو تو وہ مدعی علیہ سے اس کا مال اپنے لیے حلال کرنا چاہتا ہے اور یہ حرام ہے اور اگر سچا ہو

تو اس نے اپنے اوپر حلال مال کو حرام کر دیا لہٰذا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں داخل ہوگی کہ البتہ وہ صلح جو حرام کو حلال کر دے یا حلال کو حرام کر دے۔

دوسری قسم مدعی اور اجنبی کے درمیان صلح: اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے پر دعویٰ کر دے اور مدعی علیہ کے علاوہ کوئی اور شخص آئے اور وہ مدعی کے ساتھ صلح کر دے۔

اس کی چار صورتیں ہیں:

۱...... یہ کہ اجنبی مدعی علیہ کی طرف سے وکالت کا دعویٰ کرتا ہو۔ مثلاً کہتا ہو کہ مدعی علیہ نے مجھے شئے مدعی بہ کے متعلق صلح کرنے کا وکیل بنایا ہے اور وہ ظاہر میں تمہارے لیے اقرار کرتا ہے۔ چنانچہ اجنبی اور مدعی کے درمیان یہ صلح درست ہوگی چونکہ معاملات میں وکالت کا دعویٰ مقبول ہوتا ہے۔

۲...... یہ کہ اجنبی کسی چیز کے متعلق اپنے مال میں سے کسی چیز کے ساتھ صلح کرے یا ذمہ میں موجود دین کے ساتھ صلح کرے مثلاً یوں کہے: مدعی علیہ شئے مدعا بہ کا تمہارے لیے اقرار کرتا ہے اور میں اس کی طرف سے فلاں چیز پر تمہارے ساتھ صلح کرتا ہوں، یہ صلح صحیح ہوگی گویا کہ اجنبی خریداری کے لفظ کے ساتھ خرید رہا ہوتا ہے۔

۳...... یہ کہ مدعی علیہ منکر ہو اور اجنبی کہتا ہوں وہ اپنے انکار میں مبطل ہے چونکہ میرے نزدیک تم سچے ہو لہٰذا مجھ سے میرے لئے صلح کر لو یہ صلح اس معنی میں ہے کہ گویا غاصب سے مغصوب کو خرید اجا رہا ہے اگر اجنبی مدعی علیہ کے قبضہ سے مدعا بہ چیز کو چھڑانے کی قدرت رکھتا ہو تو صلح صحیح ہوگی اور اگر قدرت نہ رکھتا ہو تو صلح صحیح نہیں۔

۴...... یہ کہ مدعی علیہ منکر ہو اور اجنبی یوں نہ کہتا ہو کہ مدعی علیہ اپنے انکار میں مبطل ہے اور وہ مدعی کے ساتھ صلح کرے جو مدعی بہ چیز جو اس کا حق ہو یا مدعی علیہ کا تھا ہو اس سے صلح کر لے یہ صلح صحیح نہیں بلکہ لغو ہے چونکہ اجنبی مدعی علیہ سے ایسی چیز خریدتا ہے جس میں اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔

صلح کے اثرات: صلح اپنے اثر اور نتیجہ کے اعتبار سے چھ صورتوں کو متضمن ہے۔

۱...... صلح کبھی خرید وفروخت کی صورت میں ہوتی ہے جیسے مدعی نے کسی چیز پر دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے کچھ درہم یا دینار دے کر اس کو دعویٰ سے دستبردار ہونے پر آمادہ کر لیا۔ گویا صلح کا عوض سونا یا چاندی ٹھہرے یہ لفظ بیع کے ساتھ صلح ہوئی اسے صلح معاوضہ کہا جاتا ہے۔

۲...... کبھی صلح ہبہ کی صورت میں ہوتی ہے مثلاً کسی شخص کے قبضہ میں کسی اور شخص کی کوئی چیز تھی اصل مالک نے قابض سے یہ طے کیا کہ وہ اپنی شئے کے ایک حصہ سے دستبردار ہو جائے گا بشرطیکہ باقی حصہ اس کو ادا کر دے گا۔

۳...... صلح کبھی اجارہ کی صورت میں ہوتی ہے مثلاً مدعا علیہ کو اس بات پر آمادہ کرلے کہ وہ اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو جائے اور اس کے بدلہ مدعی علیہ کے مکان یا کسی اور سے ایک مدت استفادہ کرے۔

۴...... صلح کبھی عاریت کے معنی میں ہوتی ہے مثلاً مدعا علیہ مدعی کو اس پر آمادہ کرلے کہ وہ اس کو مطلوبہ چیز دے دے گا لیکن مدعی اس کو اپنے مکان یا زمین سے ایک مدت تک نفع اٹھانے کا موقع دے۔

۵...... اور کبھی صلح کا حاصل کسی کو بری الذمہ کرنا ہوتا ہے مثلاً مدعا علیہ کے ذمہ ایک ہزار روپے باقی تھے اور مدعی سے اس شرط پر صلح ہوئی کہ وہ پانچ سو لے لے اور پانچ معاف کر دے۔

۶...... کبھی صلح بیع سلم بن جاتی ہے مثلاً مدعی نے مدعا علیہ پر ایک ہزار روپے باقی رہنے کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے اقرار کرتے ہوئے اس بات پر صلح کرلی کہ وہ ایک مدت کے بعد اس کے بدلہ کپڑے فراہم کر دے گا۔

صلح کا رکن ...... حنفیہ کے نزدیک صلح کا رکن ایجاب وقبول ہے مثلاً مدعیٰ علیہ کہے: میں نے فلاں چیز کے متعلق فلاں چیز کے ساتھ تمہارے ساتھ صلح کر لی دوسرا شخص کہے: میں نے قبول کر لی یا کہے میں رضا مند ہوں یا کوئی ایسا لفظ بول دے جو قبول اور رضا پر دلالت کرتا ہو جب ایجاب وقبول پایا جائے گا صلح تمام ہو جائے گی ❶ جمہور کے نزدیک صلح کے چار ارکان ہیں عاقدین یعنی صلح کرنے والے صیغہ یعنی ایجاب وقبول محل نزاع اور بدل صلح۔

دوسری بحث: صلح کی شروط ...... عقد صلح میں مختلف شرائط کا اعتبار کیا جاتا ہے ان میں سے کچھ صیغہ سے متعلق ہیں اور کچھ مصالح کے ساتھ کچھ مصالح علیہ کے ساتھ اور کچھ مصالح عنہ کے ساتھ متعلق ہیں۔

صیغہ ...... صلح میں شرط ہے کہ صلح کرنے والوں کی طرف سے ایجاب وقبول ہو مثلاً ان میں سے ایک کہے میں نے تمہارے ساتھ فلاں چیز پر فلاں چیز کے ساتھ صلح کی اور دوسرا کہے: میں نے قبول کیا یا کہے ہیں راضی ہوں یا کہے میں نے صلح کر لی بعض صورتوں میں صلح ابراء وغیرہ کے لفظ کے ساتھ بھی صحیح ہے۔

مصالح کی شرائط ...... مصالح میں درج ذیل شرائط پائی جانی ضروری ہیں۔ ❷

۱...... یہ کہ مصالح عاقل ہو مجنون اور بچے کی صلح صحیح نہیں جو سمجھ بوجھ نہ رکھتا ہو چونکہ سمجھ بوجھ نہ ہونے کی وجہ سے تصرف کی اہلیت بھی معدوم ہوگی حنفیہ کے نزدیک بالغ ہونے کی شرط ہیں اس بچے کی صلح بھی صحیح ہے جیسے تصرف کی اجازت دی گئی ہو۔ بشرطیکہ جب اس میں کوئی ظاہری نفع ہو یا ظاہری ضرر اور نقصان نہ ہو شافعیہ کے نزدیک بلوغ شرط ہے لہٰذا بچے کی صلح صحیح نہیں اگرچہ بچہ ممیز ہی کیوں نہ ہو چونکہ بچے کے تصرفات شرعاً غیر معتبر ہیں۔

۲...... یہ مصالح صلح کے ذریعہ بچے کو کوئی نقصان نہ پہنچانا چاہتا ہو برابر ہے بچہ مدعیٰ علیہ ہو یا اس کا ولی اس کی طرفداری کر رہا ہو۔

اگر کسی شخص نے بچے پر دین کا دعویٰ کر دیا پھر بچے کے باپ نے بچے کے مال کے ساتھ مدعی سے صلح کر لی پھر اگر مدعی کے پاس گواہ ہوں اور بچے کے والد نے صلح میں جو چیز دی ہو وہ مدعا بہ کی مثل ہو یا اتنا زائد مال دیا جتنے میں عموماً لوگوں سے غبن ہو جاتا ہے تو یہ صلح جائز ہوگی چونکہ اس صورت میں صلح میں معاوضہ کا معنی پایا جاتا ہے اور بچے کے مال میں سے باپ معاوضہ دینے کا حق رکھتا ہے جو غبن یسر کے ساتھ ہو۔

اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو صلح جائز نہیں ہے چونکہ اس صورت میں صلح بچے کے مال کے ساتھ تبرع کے طور پر واقع ہوگی جب کہ تبرع ضرر محض ہے باپ کو اس کا اختیار نہیں حاصل اگر باپ نے اپنے ذاتی مال میں سے صلح کر دی تو یہ جائز ہے چونکہ اس میں بچے کا کوئی نقصان نہیں بلکہ اس میں تو بچے کا نفع ہے۔

اگر بچے کے باپ نے کسی شخص پر بچے کے دین کا دعویٰ کر دیا مدعیٰ علیہ نے بایں طور صلح کر دی کہ کچھ قرضہ ساقط کر دیا جائے اور کچھ ادا کر دیا جائے چنانچہ اگر باپ کے پاس گواہ ہوں جو مدعا بہ پر گواہی دیں تو پھر صلح جائز نہیں چونکہ چھوٹے بچے کے دین میں سے کمی کرنا تبرع ہے جو جائز نہیں باپ کو اس کا اختیار حاصل نہیں اگر مثل قیمت کے ساتھ صلح کی یا معمولی سی کمی کر کے صلح کی تو صلح جائز ہوگی چونکہ اس صورت میں صلح بیع کے معنی میں ہے باپ خرید وفروخت کا اختیار رکھتا ہے لہٰذا صلح صحیح ہوگی۔

۳...... یہ کہ بچے کی طرف سے صلح کرنے والے کو اس کے مال میں تصرف کا اختیار حاصل ہو جیسے باپ دادا وصی چونکہ صلح مال میں تصرف ہے لہٰذا صلح کا مالک وہی ہوگا جو تصرف کا اختیار رکھتا ہو۔

۴...... یہ کہ مصالح مرتد نہ ہو یہ شرط امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ مرتد کے تصرفات موقوف ہوتے ہیں

---

❶ ...... البدائع ۶/۴۰ تکملۃ فتح القدیر ۷/۲۳ الدر المختار ۴/۴۹۳ ۔ ❷ البدائع ۶/۴۰ الدر المختار ورد المحتار ۴/۴۹۳۔

صاحبین کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے چونکہ ان کے نزدیک یہ قاعدہ مقرر ہے کہ مرتد کے تصرفات نافذ العمل ہیں رہی بات مرتد کی سو بلا اختلاف اس کی صلح جائز ہے۔

مصالح علیہ بدل صلح کی شرائط: بدل صلح جس پر عقد صلح تمام ہو اس میں مندرجہ ذیل شروط کا پایا جانا ضروری ہے۔

ا..... یہ کہ مصالح علیہ (بدل صلح) مال ہو چنانچہ شراب مردار، خون اور حرم کے شکار وغیرہ پر صلح کرنا صحیح نہیں چونکہ صلح میں معاوضہ کا معنی پایا جاتا ہے اور جو چیز بیع میں عوض نہیں بن سکتی وہ بدل صلح بھی نہیں بن سکتی۔

بدل صلح میں یہ کوئی فرق نہیں کہ وہ کوئی چیز ہو یا دین ہو یا منفعت ہو چونکہ معاوضات میں عوض بسا اوقات عین (متعین چیز) بھی ہوتی ہے کبھی دین ہوتا ہے اور کبھی منفعت۔ البتہ بعض احوال میں قبضہ شرط ہے یہ موضوع قدرے بسط و تفصیل کا محتاج ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں..... دعویٰ میں مدعا بہ (وہ چیز جس کا دعویٰ کیا گیا ہو) یا تو معین چیز ہوگی یعنی ایسی چیز ہوگی جو جنس نوع قدر اور صفت کے اعتبار سے متعین ہو سکتی ہو جیسے سامان کپڑے زمین، گھر، جانور مکیلی چیز جیسے گندم، جو، موزونی چیز جیسے لوہا تیل وغیرہ۔

یا مدعا دین ہوگا اس سے مراد ایسی چیز ہے جو تعین کا احتمال رکھتی ہو جیسے نقود، مکیلی اشیاء موزونی اشیاء کپڑے اور ذمہ میں واجب جانور۔

یا مدعا بہ منفعت ہوگی جیسے متعین گھر۔ یا مدعا بہ حق ہوگا معین چیز دین اور منفعت نہیں ہوگا جیسے قصاص اور تعزیز۔

بدل صلح..... یا تو معین چیز ہوگی یا دین ہوگا یا منفعت صلح یا تو مدعیٰ علیہ کے اقرار کے ساتھ ہوگی یا انکار کے ساتھ یا سکوت کے ساتھ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے یہاں ہر حالت کے حکم کا بیان ہے۔

اگر مدعا بہ عین ہو اور صلح اقرار کے ساتھ ہو..... یہ صلح جائز ہے برابر ہے بدل صلح عین ہو یا دین بشرطیکہ جب قدر اور صفت معلوم ہو چونکہ یہ صلح جانبین سے بیع کے معنی میں ہے بدل صلح ثمن کے معنی میں ہوگا یہ اشیاء خواہ عین ہوں یا دین بیوع میں ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

اگر بدل صلح عین ہو جو موجود معین اور مملوک ہو صلح جائز ہے خواہ عین مکیلی چیز ہو یا موزونی یا ان کے علاوہ عروض (سامان) ہو یا جانور۔

اگر بدل صلح دین ہو پھر اگر مکیلی یا موزونی چیز ہو جس کی مقدار اور صفت متعین ہو تو صلح جائز ہے جیسے بیع میں یہ چیزیں جائز ہیں چونکہ یہ اشیاء ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

اگر بدل صلح کپڑے ہوں جو ذمہ میں راجب ہوں تو صلح جائز نہیں جب تک کہ اس میں بیع سلم کی جمیع شرائط نہ پائی جاتی ہو جیسا کہ عقد سلم میں ہمیں معلوم ہو چکا ہے مثلاً مقدار متعین ہو وصف متعین ہو مدت متعین ہو چونکہ کپڑے ذمہ میں دین تبھی بن سکتے ہیں جب سلم کی شرائط پائی جاتی ہوں، یہ مکیلی اور موزونی اشیاء کے بخلاف ہے چونکہ مکیلی اور موزونی اشیاء ذمہ میں مطلقاً ثابت ہوتی ہیں لہٰذا یہ دونوں قسم کی اشیاء ثمن بن سکتی ہیں ان دونوں چیزوں پر مجلس میں قبضہ کرنا شرط نہیں۔

اگر بدل صلح جانور ہو جو ذمہ میں واجب ہو تو صلح جائز نہیں ہے چونکہ جانور سرے سے ذمہ میں دین بن ہی نہیں سکتا لہٰذا ثمن بھی نہیں بن سکتا۔

اگر مدعا بہ دین ہو اور صلح اقرار کے ساتھ ہو:

ا..... اگر مدعا بہ دراہم یا دینار ہو اور صلح کر لی جائے تو معاملہ دو صورتوں سے خالی نہیں ہوگا یا تو صلح خلاف جنس کے ساتھ ہوگی یا جنس کے ساتھ ہوگی۔

پہلی صورت...... اگر بدل صلح متعین مال ہو تو صلح جائز ہے اور عقد بمنزلہ بیع الدین بالعین کے ہوگا اگر بدل صلح دین ہو جو دراہم یا دینار کی صورت میں ہو تو صلح جائز نہیں یہاں تک کہ اتفاق بیع الدین یا الدین تک نہ پہنچتا ہو۔

دوسری صورت...... یعنی صلح دین کی جنس کے ساتھ ہو جیسے دراہم کے متعلق صلح دراہم پر ہوئی اگر صلح قدر اور صفت کے بمثل ہو مثلاً ایک ہزار کھرے دراہم کی صلح ایک ہزار کھرے دراہم پر کی تو اس صلح کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے چونکہ مدعی نے عین حق وصول کرلیا۔

اگر اپنے حق سے کم پر صلح کی مثلاً ایک ہزار دراہم کی صلح پانچ سو ردی دراہم پر کی تو بھی صلح جائز ہے مدعی اپنے بعض حق کو وصول کرے گا اور باقی حق سے مدعی علیہ کو بری الذمہ کردے گا۔

اگر اپنے حق سے زائد پر صلح کی مثلاً ایک ہزار دراہم کی صلح پندرہ سو کھرے دراہم پر صلح کی یہ صلح جائز نہیں ہوگی چونکہ اس صورت میں سود ہے چونکہ ان سب صورتوں میں یہ قاعدہ مقرر ہے۔ کہ جب صلح کا وقوع استحقاق کی جنس پر ہو اور دین کے لین دین سے ہو تو اس میں مدعی کے اپنے حق کو وصول کرنے کا اعتبار ہوگا جب وصولی متعذر ہوگی تو معاوضہ کا اعتبار ہوگا لہٰذا اس میں معاوضہ کی شرائط کا ہونا ضروری۔ ❶

آخری صورت میں عقد کا اعتبار بطور معاوضہ کے ہوگا چونکہ یہ سابقہ صورت کے برعکس ہے چونکہ مدعی کو اپنا بعض حق وصول کرنے والا اعتبار کرنا متعذر ہے کہ بعض حق اس نے وصول کرلیا اور بعض ساقط کردیا۔

بنابریں اگر اپنے حق سے زائد پر صلح کی زائد صفت کے اعتبار سے ہو مقدار کے اعتبار سے نہیں مثلاً ایک ہزار ردی دراہم کے متعلق ایک ہزار کھرے دراہم پر صلح کی تو صلح جائز ہے البتہ عقد صرف کی شرائط کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے گا مثلاً نقدی ہو مجلس میں قبضہ ہو اگر مجلس میں قبضہ ہو گیا تو صلح جائز ہے چونکہ بجنسہ جودت (کھرا ہونے) کی کوئی قیمت نہیں اور اگر قبضہ ہونے سے پہلے عاقدین جدا ہوگئے تو عقد باطل ہوگا چونکہ یہ عقد صرف ہے۔

اگر اپنے حق سے زائد پر صلح زائد صفت کے لحاظ سے ہو مقدار کے لحاظ سے نہیں مثلاً مثلاً دعویٰ ایک ہزار ردی دراہم کا تھا اور صلح پانچ سو کھرے دراہم پر ہوگئی تو ظاہر الروایۃ میں حنفیہ کے نزدیک صلح جائز نہیں ہے چونکہ کھرے ہونے کی صفت کو عوض کا درجہ دیا جارہا ہے جو جائز نہیں چونکہ اموال ربویہ میں جب بجنسہ عقد ہو رہا ہو تو صفت جودت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، چنانچہ شریعت میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جید و ردی برابر ہیں۔ ❷

جب کہ حقیقت میں یہ عقد صرف ہے استیفاء حق (وصولی حق) نہیں۔ چونکہ جو چیز حق میں واجب ہے وہ ردی ہے جید نہیں چنانچہ عقد صرف میں طے شدہ ہے کہ ایک ہزار ردی دراہم کی خرید و فروخت پانچ ہزار کھرے دراہم کے ساتھ جائز نہیں چونکہ یہ سود ہے۔

خلاصہ...... صلح کا وقوع مدعی کے حق کی جنس کی کم مقدار پر واقع ہو اور وہ حق دراہم و دنانیر میں سے ہو جب کہ کچھ حق وصول کرلیا ہو اور باقی سے بری الذمہ کردیا ہو اور جب صلح جنس حق سے زائد پر واقع ہو یا کسی دوسری جنس مثلاً دین یا عین پر واقع ہو تو صلح کو معاوضہ تصور کیا جائے گا۔ ❸

بنابریں اگر مدعی نے دین حالی سے دین مؤجل پر صلح کرلی اور یہ دونوں مقدار میں برابر سرابر ہوں مثلاً ایک ہزار درہم جو فی الحال واجب تھے ایک ہزار ادھار (مؤجل) پر صلح کرلی تو صلح جائز ہوگی گویا دین کو مؤخر کردیا، اگر صلح اس کے برعکس ہو تو یہ بھی جائز ہے گویا مدعی نے اپنا حق

---

❶ تکملۃ فتح القدیر ۸/۴۱۰ المبسوط ۲۱/۱۴۲ تبیین الحقائق ۵/۴۱ الدر المختار ۴/۵۰۰۔ ❷ قال الحافظ الزیعلی عن ھذا الحدیث غریب ومعناہ یوخذ من الحدیث المروی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ (نصب الرایۃ ۴/۳۷) ❸ البدائع ۶/۴۴ تبیین الحقائق ۵/۴۲ الدر المختار ۴/۵۰۰۔

وصول کر دیا اور مدعی کا جو تا خیر کا حق تھا وہ اس نے چھوڑ دیا۔

اگر دین مؤجل ہو اور صاحب دین نے کچھ معجّل (نقدی) پر صلح کر لی مثلاً ذمہ میں ایک ہزار دراہم واجب تھے پانچ سو نقدی پر صلح کر لی تو صلح جائز نہیں چونکہ دین موجل کا مقدار معجّل کا حقدار نہیں ہوتا لہٰذا اسے وصولی حق قرار دینا ناممکن ہے گویا یہ اجل (مدت) کا معاوضہ ہوا لہٰذا جائز نہیں چونکہ اجل مال نہیں ہوتی اور پانچ سو کو ایک ہزار کے بدلہ میں فروخت کرنا بھی جائز نہیں۔ ❶

البتہ اگر دین معجّل ہو (یعنی فی الحال نقدی ادا کرنا ہو) دائن نے ادائیگی کا وقت مقرر دیا مثلاً مدین پر ایک ہزار روپے قرضہ تھا اس کی ادائیگی کا وقت ہو جائے دائن کہے میں نے پانچ سو پر تمہارے ساتھ صلح کر دی کہ تم آج ہی لاؤ چنانچہ مدیون نے اگر آج ہی ادا کر دیئے تو باتفاق حنفیہ بقیہ پانچ سو سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ اگر مدیون نے آج ہی ادا نہ کیے یہاں تک کہ یہ دن گزر گیا تو صلح باطل ہو جائے گی اور ایک ہزار روپیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جوں کا توں مدیون کے ذمہ واجب رہے گا جب کہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مدیون پانچ سو روپے سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ اور اس کے ذمہ صرف پانچ سو باقی رہے گا۔

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ دراصل اس صلح کے ضمن میں دین کے کچھ حصہ کو تعجیل کی شرط کے ساتھ معلق کیا گیا ہے جب کہ برأت کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا درست نہیں جب تعجیل کے ساتھ ادائیگی نہ ہوئی تو صراحۃ شرط فسخ کے بغیر عقد فسخ نہیں ہوگا جب کہ شرط فسخ نہیں پائی گئی لہٰذا دین کے کچھ حصہ کو ساقط کرنا صحیح ہوا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ بعض دین کی معجّل ادائیگی کی شرط حقیقت میں فسخ عقد کی شرط ہے جب تعجیل نہ پائی جائے گویا شرط فسخ کی صراحت کر دی گئی جیسے مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہے: میں نے یہ سامان تمہیں ایک ہزار روپے میں فروخت کیا اس شرط پر کہ تم آج ہی مجھے ایک ہزار دے دو اگر تم ایک ہزار معجّل نہ دو تو ہمارے درمیان بیع باقی نہیں رہے گی۔ چنانچہ اس صورت میں بیع جائز ہے چونکہ تعجیل کی شرط فی الواقع شرط فسخ ہے عقد میں شرط نہیں، اسی طرح مختلف میں صورت میں اس کا اعتبار کیا جائے گا چونکہ ضمنی مفہوم۔

صریح مفہوم کے بمنزلہ ہوتا ہے، لہٰذا یہ صورت ایسی ہوئی گویا مصالح نے کہا اگر تم ایک ہزار معجّل نہیں دو گے تو ہمارے درمیان بیع برقرار نہیں رہے گی۔

مذکور بالا تفصیل سے یہ مفہوم ظاہر ہوتا ہے کہ حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر دائن نے کہا: تمہارے ذمہ میرے جو ایک ہزار ہیں میں ان کی پانچ سو پر اس شرط کے ساتھ صلح کرتا ہوں کہ پانچ سو تم معجّل ادا کرو اگر آج ہی معجّل ادا نہ کیے تو ہزار تمہارے ذمہ واجب رہیں گے۔ پھر اگر مدیون نے معجّل ادائیگی نہ کی تو صلح باطل ہو جائے گی اور مدیون پر باتفاق حنفیہ ایک ہزار واجب الذمہ رہیں گے چونکہ فسخ صلح پر صراحت کر دی گئی ہے۔

اگر اس طور پر صلح ہوئی کہ مدیون دائن کو ایک مہینہ تک پانچ سو روپے دے گا بایں شرط کہ دائن فی الحال پانچ سو ساقط کرے گا اگر ایک مہینے تک پانچ سو نہ دیے تو مدیون پر ایک ہزار واجب الذمہ رہے گا یہ صلح درست ہے چونکہ یہ فی الحال ابراء ہے اور فسخ ابراء کو شرط کے ساتھ معلق کیا گیا ہے۔

اسی طرح اگر دائن نے مدیون سے ایک ہزار روپے پر کفیل لیا اور پانچ سو پر اس کے ساتھ صلح کر دی کفیل پر یہ شرط لگا دی کہ وہ اگر مہینہ کے اختتام تک ادائیگی نہیں کرے گا تو اس پر پورا مال یعنی ایک ہزار واجب الاداء ہوگا یہ صلح اور شرط جائز ہے اگر کفیل نے ادائیگی نہ کی تو اس پر ایک ہزار لازم ہو جائیں گے چونکہ مہینہ کے اختتام تک کفالت کے لیے پانچ سو کی ادائیگی شرط ہے۔

---

❶ تکملہ فتح القدیر ۷/۲

اگر کفیل نے بغیر کسی شرط کے ایک ہزار روپے کی ضمانت دی پھر کفیل سے دائن نے کہا میں پانچ سو روپے تم سے اس شرط پر ساقط کرتا ہوں کہ تم مہینا کے اختتام تک مجھے مال ادا کردو گے اگر ادا نہیں کرو گے تو تمہارے اوپر ایک ہزار واجب الذمہ ہوں گے یہ بھی صحیح ہے، بلکہ یہ شرط پہلی صورت کی بنسبت زیادہ پختہ ہے چونکہ یہاں عدم تعجیل کو ہی فسخ کرنے کی شرط قرار دیا گیا ہے عقد کی شرط نہیں۔

اگر دائن نے اسی شخص سے کہا جس پر ایک ہزار ہوں کہ اگر تم نے مجھے پانچ سو ادا کردیئے تو تم باقی رقم سے بری الذمہ ہو یا کہا: جب تم نے مجھے پانچسو ادا کردیئے تو باقی پانچسو سے تم بری الذمہ ہو یہ صورت جائز نہیں اور مدیون پر ایک ہزار باقی رہے گا چونکہ اس صورت میں برات کو شرط کے ساتھ معلق کردیا گیا ہے مدیون باقی رقم سے بری نہیں ہوگا تاوقتیکہ دائن سے بری نہ کردے۔ ❶

ب..... اگر مدعا بہ (وہ متنازع فیہ چیز جس کے متعلق دعویٰ کیا گیا ہو) دین ہو جو دراہم اور دنانیر کے علاوہ ہو پھر اگر مکیلی چیز ہو مثلاً ایک مد گندم ہو مد کے متعلق صلح کرلی تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو مدعا بہ کی جنس پر صلح ہوگی یا خلاف جنس پر۔ ❷

پہلی صورت...... اگر مدعا بہ کی جنس پر صلح کی ہو تو اس کی مختلف صورتیں ہیں اگر مقدار وصفت میں اپنے حق کے بمثل صلح کی تو صلح جائز ہے اس میں قبضہ شرط نہیں چونکہ دعویدار نے اپنا عین حق وصول کیا ہے اگر دعویدار نے اپنے حق سے کم پر صلح کی یہ کمی مقدار اور صفت میں ہو تو بھی صلح جائز ہے گویا دعویدار نے باقی حق ساقط کردیا اس میں معاوضہ نہیں ہوگا چونکہ اعتبار یہ کیا گیا ہے کہ دعویدار نے اپنے بعض حق کو وصول کرلیا اور باقی حق سے بری الذمہ کردیا قبضہ شرط نہیں۔

اگر دعویدار نے از روئے صفت اپنے حق سے کم پر صلح کی نہ کہ مقدار میں کمی کی تو بھی صلح جائز ہے گویا اس نے عین حق وصول کرلیا اور مدعی علیہ کو صفت سے بری الذمہ کردیا قبضہ شرط نہیں۔

اگر مقدار وصفت یا صرف مقدار کے لحاظ سے اپنے حق سے زائد پر صلح کی تو یہ صلح جائز نہیں ہوگی چونکہ اس میں سود ہے اگر صفت کے لحاظ سے زائد پر صلح کی جب کہ مقدار زائد نہیں تھی مثلاً ایک مد ردی گندم کی ایک مد عمدہ گندم پر صلح کرلی تو یہ جائز ہے اور معاوضہ کا اعتبار کیا جائے گا۔

دوسری صورت...... اگر دعویدار نے اپنے حق کی جنس کے خلاف پر صلح کی پھر اگر بدل صلح دراہم یا دنانیر ہوں تو صلح جائز ہوگی قبضہ شرط ہوگا یہاں تک کہ عاقدین جدا نہ ہوں۔

اگر بدل صلح مکیلی چیز ہو جو بذاتہ متعین ہو تو بھی صلح جائز ہے قبضہ شرط نہیں ہوگا اور اگر بدل صلح ذمہ میں واجب ہو تو بھی صلح جائز ہے لیکن مجلس میں قبضہ شرط ہوگا تاکہ دین کے بدلہ میں دین کی صورت میں جدائی ہوجانے سے احتراز ہوجائے بنابرایں دین کے بدلہ میں دین پر صلح جائز نہیں اگر ایک شخص کسی دوسرے شخص پر ایک مد گندم ہو اور پھر وہ ایک مدت تک دراہم پر صلح کرلے تو یہ صلح جائز نہیں چونکہ اس صورت میں دین کے بدلہ میں دین پر دونوں عاقدین جدا جدا ہوگئے۔ ❸

اگر مدعا بہ جانور ہو جو ذمہ میں واجب ہو...... یعنی قتل خطا، یا قتل شبہ عمد یا مہر یا بدل صلح کی صورت میں جانور ذمہ میں واجب ہو اور دعویدار دراہم ودنانیر کے علاوہ مکیلی یا موزونی چیز پر صلح کرلے۔

تو صلح جائز ہے اور یہ معاوضہ ہوگا قبضہ شرط ہوگا تاکہ دین کے بدلہ میں دین سے عاقدین کا جدا ہونا لازم نہ آئے۔

اگر جانور کی قیمت یا اس سے زائد جتنے میں لوگ دھوکا کھا جاتے ہوں کے ساتھ صلح کی تو بھی صلح جائز ہے چونکہ جانور کی قیمت دراہم اور دنانیر ہیں اور یہ جنس حیوان نہیں گویا یہ صلح معاوضہ کے معنی میں ہوگی لہٰذا خواہ کم ہو یا زائد جائز ہے قبضہ اس میں بھی شرط نہیں۔

---

❶ البدائع ۴۴/۶ تکملہ فتح القدیر ۴۲/۷ تبیین الحقائق ۴۳/۵۔ ❷ البدائع ۴۵/۶ المبسوط ۲۶/۲۱ تبیین الحقائق ۴۲/۵۔

❸ الفوائد البهية في القواعد الفقهية للشيخ محمود حمزة ۱۴۶۔

اسی طرح اگر جانور کی ذمہ میں واجب دراہم پر صلح کر لی اور عاقدین بغیر قبضہ کے جدا ہو گئے تو صلح جائز ہے اگر چہ دین کے بدلہ میں دین سے جدا ہونا لازم آتا ہو چونکہ یہ معنی معاوضہ نہیں ہے بلکہ یہ عین حق کی وصولی ہے چونکہ ذمہ میں واجب جانور اگر چہ دین ہے لیکن یہ دین لازم نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ جس شخص کے ذمہ جانور واجب ہو جب وہ قیمت لائے قبول پر صاحب قبول کو مجبور کیا جائے گا بخلاف بقیہ دیون کے یہ حقیقۃ دین کے بدلہ میں دین سے افتراق نہیں ہے۔ ❶

اگر کوئی منافع بدل صلح قرار پائے..... اگر بدل صلح عین ہو یا دین ہو تو مصالح علیہ کی شرائط میں سے پہلی شرط کے احکام میں نے بیان کر دیئے ہیں رہی یہ بات کہ اگر بدل صلح کوئی منافع ہو مثلاً ایک شخص کے ذمہ سو روپے ہوں اور قرض دہندہ مقروض کے ساتھ صلح کر لے کہ وہ ایک مہینا تک اس کے مکان میں رہائش رکھے گا یا متعینہ ایام تک اس کے جانور پر سواری کریگا یا گاڑی سواری کے لیے رکھے گا یا کھیتی کے لئے اس کی زمین رکھے گا یہ صلح جائز ہے اور صلح معنی اجارہ ہوگی۔ برابر ہے کہ صلح مدعی علیہ کے اقرار کے ساتھ ہو یا انکار کے ساتھ ہو یا سکوت کے ساتھ چونکہ اجارہ عوض کے بدلہ میں منفعت کی تملیک کو کہا جاتا ہے یہاں عوض پایا گیا ہے، اگر اقرار کے ساتھ صلح ہو اس میں معاوضہ کا معنی بالکل ظاہر ہے اگر صلح انکار کے ساتھ ہو تو مقدمہ بازی یا قسم کا معاوضہ ہوگا۔ اسی طرح سکوت کے ساتھ صلح میں بھی معاوضہ مقدمہ بازی یا قسم کا ہوگا چونکہ سکوت حکماً انکار ہوتا ہے۔

جب منافع جات پر ہونے والی صلح اجارہ کے معنی میں ہے تو یہ صلح ان امور کے ساتھ صحیح ہوگی جن کے ساتھ اجارات صحیح ہوتے ہیں اور ان امور کے ساتھ فاسد ہوگی جن کے ساتھ اجارات فاسد ہوتے ہیں۔

یہ مذاہب اربعہ کے اتفاق کے ساتھ ہے۔ ❷

۲۔ بدلہ صلح کی دوسری شرط..... یہ کہ بدل صلح مال متقدم ہو چنانچہ مسلمان کا شراب اور خنزیر وغیرہ پر صلح کرنا صحیح نہیں چونکہ شراب اور خنزیر مال متقوم نہیں ہے البتہ اگر ایسی چیز کو بدلہ صلح قرار دیا گیا جو سرے سے بدل صلح بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی صلح نافذ ہوگی اور بدل صلح کے طور پر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا چونکہ ایسی صورت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صلح کرنے والوں کا ارادہ معاوضہ کا نہیں ہے گویا صلح مصالح کی طرف سے معافی ہوگی۔

۳۔ تیسری شرط..... یہ کہ بدل صلح مصالح (صلح کرنے والے) کی ملکیت ہو اگر ایسے مال پر صلح کر لی جس میں کسی دوسرے کا استحقاق ثابت ہو گیا تو صلح صحیح نہیں ہوگی چونکہ یہ بات ظاہر ہو چکی کہ بدل صلح مصالح کی ملکیت نہیں۔ ❸

۴۔ چوتھی شرط..... یہ کہ بدل صلح معلوم و متعین ہو چونکہ بدل صلح کا مجہول ہونا مفضی الی النزاع ہے جس سے عقد فاسد ہو جاتا ہے۔ ❹

مصالح عنہ کی شرائط..... مصالح عنہ سے مراد مدعا بہ یعنی وہ چیز جو محل نزاع ہے اسے محل صلح سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ محل صلح درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

پہلی شرط..... یہ کہ محل صلح انسان کا حق ہو اللہ تعالیٰ کا حق نہ ہو برابر ہے کہ معین مال ہو یا ذمہ میں دین ہو یا وہ حق مال نہ ہو جیسے قصاص اور تعزیر چنانچہ حد زنا حد سرقہ اور شراب کی حد پر صلح کرنا صحیح نہیں اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی زانی کو پکڑا اور اسے قاضی

---

❶.....البدائع ۶/۳۶۔ ❷البدائع ۶/۴۷ تکملہ فتح القدیر ۷/۳۱ شرح الکبیر ۳/۳۱۰ مغنی المحتاج ۲/۱۷۸ المغنی ۴/۴۸۳۔
❸ البدائع ۴۸۔ ❹ البدائع المرجع السابق والدر المختار ۴/۴۹۳۔

کی عدالت میں لے جانا چاہا، زانی نے کچھ مال دے کر صلح کر لی تو یہ صلح باطل ہے چونکہ حد زنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور دوسرے کے حق پر عوض لینا جائز نہیں یہ صلح یا تو حلال کو حرام کرنے پر ہوگی یا حرام کو حلال کرنے پر۔

اسی طرح حد قذف پر بھی صلح کرنا صحیح نہیں مثلاً ایک شخص نے کسی پر تہمت لگائی قاذف نے مال پر صلح کر لی کہ مقذوف اسے معاف کر دے چونکہ یہ حد ہے جو اللہ کا حق ہے اگر چہ اس میں انسان کا بھی حق ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک اس میں اللہ کا حق غالب ہے۔

اسی طرح جو شخص کسی کے خلاف گواہی دینا چاہتا ہو اس کے ساتھ مال پر صلح کرنا بھی صحیح نہیں اور یہ صلح باطل ہوگی چونکہ گواہ گواہی دینے میں اللہ تعالیٰ کے حق کو ثواب کی نیت سے پورا کر رہا ہوتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کے متعلق صلح کرنا باطل ہے۔ ایسی صلح کی صورت میں عاقد پر مال کو واپس کرنا واجب ہے۔ چونکہ عاقد نے بغیر کسی حق کے مال لیا ہے۔ اگر قاضی کو اس کا علم ہو جائے تو وہ اس کی گواہی کو باطل کر دے چونکہ یہ فسق ہے یا البتہ اگر گواہ توبہ کر لے پھر گواہی قبول ہوگی۔

مذاہب اربعہ کے اتفاق کے ساتھ جان کے قصاص اور اعضاء کے قصاص میں صلح جائز ہے چونکہ قصاص انسان کا حق ہوتا ہے اس صورت میں صلح جائز ہوگی، برابر ہے بدل صلح کوئی متعین چیز ہو یا دین ہو البتہ اگر بدل صلح دین ہو تو مجلس میں قبضہ کرنا شرط ہے، برابر ہے بدل صلح متعین ہو یا مجہول جس میں جہالت فاحشہ نہ ہو مثلاً اگر کپڑے یا جانور یا گھر پر صلح کی تو یہ جائز نہیں چونکہ کپڑوں، جانوروں اور گھروں کی جنس مختلف ہوتی ہے جب کہ نوع کی جہالت فاحش ہوتی ہے لہٰذا جواز ممنوع ہے۔

ضابطہ......اس میں یہ ہے کہ ہر وہ جہالت جو نکاح میں مہر کے صحیح ہونے کے مانع ہو وہ جہالت قصاص میں صلح کے بھی مانع ہوتی ہے اور جو جہالت نکاح میں مہر کے مانع نہیں وہ قصاص میں صلح کے بھی مانع نہیں چونکہ بدل صلح اور بدل مہر میں سے ہر ایک ایسی چیز کا بدل ہوتا ہے جو مال نہیں بنا بریں جو چیز مہر بن سکتی ہے وہ بدل صلح بھی بن سکتی ہے جس چیز کو جہالت کی وجہ سے مہر نہیں بنایا جا سکتا تو ایسی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔ اسی طرح جب قصاص میں بدل صلح غیر صالح ہو تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور دیت واجب ہوگی اور اعضاء کی صورت میں تاوان واجب ہوگا ہاں البتہ صلح اور نکاح میں ایک طرح کا فرق بھی ہے وہ یہ کہ جب قصاص میں شراب یا خنزیر پر صلح کر لی جائے تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور کوئی دوسری چیز واجب نہیں ہوگی اور خون کے دعویدار کی طرف سے صلح معافی کے معنی میں ہوگی جب کہ شراب اور خنزیر کو اگر نکاح میں مہر مقرر کر لیا تو اس کے بجائے مہر مثل واجب ہوگا۔

فرق کی وجہ یہ ہے کہ لفظ صلح معافی سے کنایہ ہے، جب قصاص کی صلح میں مال متقوم کا تذکرہ نہ ہو تو گویا عوض کے بیان سے سکوت کر لیا گیا جب عوض کا ذکر نہیں کیا گیا گویا معاف کر دیا گیا اور معافی کے بعد عوض واجب نہیں ہوتا۔

رہی بات نکاح کی سو اس میں مہر کی معافی کا احتمال نہیں ہوتا چونکہ جب مہر سے سکوت کر لیا جائے تو وہ حکماً واجب ہوتا ہے چونکہ مہر ضروریات نکاح میں سے ہے چنانچہ نکاح مہر کے ساتھ ہی مشروع ہوا ہے چنانچہ جب ایسی چیز کو مہر بنا دیا گیا جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی تو یہ ایسا ہی ہے جیسے عاقد نے مہر مقرر ہی نہیں کیا جب مہر مقرر نہ کیا گیا ہو تو اس صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

رہی بات صلح کی سو جوب مال اس کی ضروریات میں سے نہیں ہے چنانچہ اگر بغیر کسی چیز کے مقرر کرنے کے دعویدار نے اپنا حق معاف کر دیا تو کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔ ❶

قصاص کی بجائے صلح کر لینا جائز ہے برابر ہے بدل صلح خواہ دیت کے بقدر ہو یا دیت سے زائد ہو یا دیت سے کم۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنۡ عُفِیَ لَهٗ مِنۡ اَخِیۡهِ شَیۡءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَاَدَآءٌ اِلَیۡهِ بِاِحۡسَانٍ

❶ تکملہ فتح القدیر ۷/۳۳ تبیین الحقائق ۵/ ۳۵

اور اگر قاتل کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے تو معروف طریقے کے مطابق مطالبہ کرنا حق ہے اور اسے خوش اسلوبی سے ادا کرنا فرض ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ آیت دم عمد کی صلح پر نازل ہوئی ہے شے کا اطلاق قلیل وکثیر دونوں پر ہوتا ہے لہٰذا آیت قصاص کی بجائے صلح کے جواز پر دلالت کرتی ہے خواہ کم مال پر صلح کر لی جائے یا زیادہ پر۔

یہ قتل خطا اور شبہ عمد کی صلح کے برخلاف ہے چنانچہ اگر دیت اور تاوان میں سے اکثر پر صلح کر لی تو جائز نہیں چونکہ دیت اور تاوان شرعی طور پر متعین اور مقرر ہیں اس میں زیادتی نہیں ہو سکتی، جب کہ مقرر کر زیادتی سود ہے لہٰذا جائز نہیں۔ جب کہ بدل صلح جو قصاص کی بجائے ہو تو وہ قصاص کا عوض ہوتا ہے اور قصاص مال نہیں یہاں تک کہ یہ کہا جائے کہ بدل صلح مقررہ مال سے زائد ہو گیا اس میں کوئی شرعی تعین بھی نہیں لہٰذا سود نہیں ہوگا۔ ❶

مجہول چیز پر صلح کرنا...... حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ شرط نہیں کہ جس چیز کے متعلق صلح کی جا رہی ہے وہ معلوم اور متعین ہو چنانچہ مجہول چیز کے متعلق بھی صلح کی جا سکتی ہے برابر ہے مصالح عنہ عین ہو یا دین چنانچہ اگر ایک شخص نے دوسرے پر کسی عین میں دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے اقرار کر لیا یا انکار کیا اور متعین مال پر صلح کر لی تو یہ صلح جائز ہے چونکہ صلح جس طرح بطور معاوضہ صحیح ہے اسی طرح بطور اسقاط بھی صحیح ہے یہ اسقاط حق ہے لہٰذا مجہول میں بھی صحیح ہے جیسے غلام آزاد کرے اور طلاق۔

نیز صلح جب معلومات ہونے کے باوجود بھی صحیح ہے اور بعینہ ادائے حق کا امکان ہوتا ہے تو مجہول چیز کے متعلق صلح کرنا بطریق اولیٰ صحیح ہو گا۔ اگر اس وقت صلح جائز نہیں ہوگی تو مال کا ضائع ہونا لازم آئے گا جب کہ یہاں صلح بیع نہیں بلکہ ابراء ہے جب کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہے کہ میراث کے معاملہ میں دو شخص آپس میں جھگڑ پڑے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میراث کے آپس میں حصے کر لو اور بھائی بندی بحال رکھو اور تم ایک دوسرے کے لیے مال کو حلال کر دو ❷ یہ مجہول چیز کے متعلق صلح ہوئی ہے جیسا کہ ابن قدامہ نے وضاحت کی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مصالح عنہ کی مقدار معلوم ہونی چاہیے اگر مجہول ہوئی تو صلح جائز نہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مجہول چیز پر صلح کرنا صحیح نہیں چونکہ صلح بیع ہے لہٰذا مجہول پر صحیح نہیں۔ ❸

دوسری شرط...... مصالح عنہ صلح کرنے والے کا حق ہو اگر صلح کرنے والے کا حق نہ ہو تو صلح باطل ہوگی۔ ❹

تیسری شرط...... محل صلح میں مصالح (یعنی صلح کرنے والے کا) حق ثابت ہو اگر اس کا حق ثابت نہ ہو تو صلح جائز نہیں ہوگی جیسا کہ مندرجہ ذیل صورتوں میں سے واضح ہوتا ہے۔ ❺

چنانچہ اگر کسی عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی پھر عورت نے بچے کا دعویٰ کر دیا کہ اس کے خاوند کا جو بچہ ہے وہ اس کے بطن سے ہے پھر عورت نے کسی چیز پر نسب کی صلح کر لی تو یہ صلح باطل ہوگی چونکہ نسب بچے کا حق ہے عورت کا حق نہیں لہٰذا معاوضے کی مالک نہیں ہوگی۔

اگر شفیع نے اپنے حق شفعہ کے متعلق خریدار کے ساتھ صلح کر لی اور بدل صلح میں متعین مال لیا کہ وہ خریدار کو گھر سپرد کر دے تو یہ صلح بھی

---

❶......البدائع ۴۹/۶ العنایۃ مع تکملۃ الفتح ۳۴/۷ تبیین الحقائق ۳۶/۵ الدرالمختار ۴۹۷/۴۔ ❷رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ واصلہ فی الصحیحین عن ام سلمۃ۔ ❸البدائع ۴۹/۶ المغنی ۴۹۰/۴ المیزان ۷۹/۲ تبیین الحقائق ۳۲/۵ ❹البدائع ۴۹/۶۔ ❺: البدائع ۴۹/۶ المبسوط ۳۵/۲۱

باطل ہوگی چونکہ محل صلح میں شفیع کا کوئی حق نہیں اس کے لیے تو حق تملک ثابت ہے اس میں صلح کا احتمال نہیں یہ قصاص پر صلح کرنے کے بر خلاف ہے چونکہ یہاں محل حق استیفاء میں ملک ہے۔

اگر کفیل بالنفس نے مکفولہ سے متعین مال پر صلح کرلی کہ وہ اسے کفالت سے بری کردے تو یہ صلح بھی باطل ہے اور کفالت لازم ہوگی چونکہ دائن جو مکفول لہ ہے اس کے لیے جو حق ثابت ہے وہ کفیل کے مطالبہ کا حق ہے اور یہ ولایت مطالبہ ہے جو دائن کی صفت ہے لہٰذا صلح صحیح نہیں اور یہ شفعہ کے مشابہ ہے۔

اگر کسی شخص کا سائبان کھلی گلی میں آگے نکلا ہو یا روشندان وغیرہ باہر کو نکلا ہو یا پرنالہ گلی میں کرتا ہو کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ جھگڑا کرے اور ان چیزوں کو گرانا چاہے تاہم مالک مال پر اس کے ساتھ صلح کرے تو یہ صلح باطل ہوگی چونکہ راستہ تو سبھی مسلمانوں کا حق ہے کسی مخصوص شخص کا حق نہیں فرد کو تو صرف حق مرور حاصل ہوتا ہے جو ولایت مرور (گزرنے کا حق) ہے یہ گزرنے والے کی صفت ہے اس پر صلح کرنا جائز نہیں نیز اس صلح کا کوئی فائدہ بھی نہیں چونکہ اگر فرد واحد کا حق ساقط بھی ہوجائے تو باقی لوگوں کا حق تو پھر بھی باقی رہتا ہے وہ سائبان وغیرہ کو اکھاڑ سکتے ہیں۔

البتہ اگر گلی آگے سے بند ہو اور گلی میں رہنے والوں میں سے کسی نے صلح کرلی تو یہ صلح جائز ہوگی چونکہ اس صورت میں چند لوگوں کو راستہ استعمال کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ گویا گلی کا ہر جزو ہر فرد کی ملکیت ہے لہٰذا صلح جائز ہے اس صلح کا فائدہ بھی ہے کہ گلی کے متعلقین سبھی صلح پر آمادہ ہوسکتے ہیں بخلاف اس صورت کے کہ جب گلی کھلی ہو چونکہ کھلی گلی ہونے کی صورت میں سب لوگوں کی طرف سے صلح کا ہونا ممکن نہیں۔

اگر ایک شخص نے دوسرے پر مال کا دعویٰ کردیا اور مدعی علیہ نے انکار کیا جب کہ مدعی کے پاس گواہ بھی نہ ہوں تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی پھر اگر مدعی علیہ نے صلح کرلی کہ اس سے قسم نہ لی جائے تو یہ صلح جائز ہے اور وہ قسم سے بری الذمہ ہوجائے گا۔

اگر ایک شخص نے دوسرے پر سو روپے کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے سو روپے کا انکار کردیا پھر دونوں نے اس بات پر صلح کرلی کہ اگر مدعی علیہ نے قسم اٹھالی تو وہ بری الذمہ ہوجائے گا چنانچہ مدعا علیہ نے قسم اٹھالی تو یہ صلح باطل ہوگی اور مدعی اپنے دعویٰ پر قائم رہے گا اگر اس نے گواہ پیش کردیئے تو اپنا حق لے سکتا ہے چونکہ اس کا یہ کہنا کہ اگر مدعی علیہ نے قسم اٹھالی تو وہ بری الذمہ ہوگا تعلیق بالشرط ہے اور یہ باطل ہے چونکہ ابراء میں تملیک کا معنی پایا جاتا ہے اور تملیک میں اصل یہ ہے کہ اس میں تعلیق بالشرط کا احتمال نہ ہو۔

اور اگر مدعی کی پاس گواہ نہ ہوں اور وہ مدعی علیہ سے قسم لینے کا ارادہ رکھتا ہو تو یہاں دو صورتیں ہیں۔

الف مدعا علیہ قسم اگر قاضی کی عدالت کے علاوہ کہیں اور اٹھائے تو مدعی کو حق حاصل ہے کہ وہ قاضی کے عدالت میں دوسری بار اس سے حلف لے چونکہ پہلی قسم غیر معتبر ہے۔

ب اگر مدعی علیہ قاضی کی عدالت میں قسم اٹھائے تو مدعی سے دوسری بار قسم نہیں لے سکتا، چونکہ قسم لینے کا حق ایک بار ادا ہوچکا اب دوسری بار واجب نہیں ہوگا۔

اگر اس بات پر صلح کی کہ مدعی قسم اٹھائے گا اور جب قسم اٹھالیگا دعویٰ مدعی علیہ کو لازم ہوجائے گا، اگر مدعی نے اپنے دعویٰ پر قسم اٹھالی تو یہ صلح باطل ہوگی مدعی پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی، چونکہ یہ وجوب مال کی شرط کی تعلیق ہے اور یہ قمار ہونیکی وجہ سے باطل ہے۔❶

اگر کسی شخص نے کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا عورت نے انکار کردیا اور پھر مدعی کے ساتھ مال پر صلح کرلی مال عورت نے اسے دے دیا یہاں تک کہ مدعی نے دعویٰ چھوڑ دیا تو یہ صلح جائز ہے چونکہ نکاح حق ثابت ہے جو مدعی کا حق ہے گویا حق ثابت پر صلح ہورہی ہے اور یہ صلح خلع کے معنی میں ہوگی چنانچہ خلع میں حقوق زوجیت کے بدلہ میں مال لیا جاتا ہے عورت کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ دفع خصومت کے لئے مال خرچ کرے۔❷

❶۔ البدائع ۶/۵۰۔ ❷البدائع ۶/۵۰ تبیین الحقائق ۵/۳۷ الدر المختار ۴/۴۹۶ مجمع الضمانات ۳۸۵

اگر کسی شخص نے عورت سے کہا: میں تمہیں ایک ہزار دوں گا کہ تم میری بیوی ہو جاؤ یہ اتفاق جائز ہے بشرطیکہ عورت گواہوں کی موجودگی میں قبول کر لے گویا یہ صلح نکاح سے کنایہ ہے۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے کہا: میں نے گزشتہ دن ایک ہزار پر تم سے شادی کر لی تھی عورت نے انکار کر دیا اور کہا: نہیں۔ مدعی نے کہا: میں تمہیں ایک سو مزید دوں گا کہ تم میرے لیے نکاح کا اقرار کر لو چنانچہ عورت نے اقرار کر لیا تو یہ صلح بھی جائز ہے اور عورت کو گیارہ سو ملیں گے نکاح جائز ہوگا اور عورت کے اقرار کو صحت پر محمول کیا جائے گا۔❶

اگر کسی عورت نے کسی مرد پر نکاح کا دعویٰ کر دیا مرد نے انکار کیا پھر مرد نے عورت کے ساتھ صلح کر لی اور اسے مال دے دیا یہ صلح جائز نہیں چونکہ فی الواقع یا تو نکاح ثابت ہوگا یا غیر ثابت ہوگا اگر غیر ثابت ہو تو عورت کا مرد کو مال دینا رشوت کے معنی میں ہے چونکہ یہاں مال کے مقابلہ میں ایسی کوئی چیز نہیں جسے مذکور مال کا عوض قرار دیا جاسکے اگر فی الواقع نکاح ثابت شدہ ہو تو اس صلح سے فرقت ثابت نہیں ہوگی چونکہ اس جیسی فرقت کی صورت میں عورت مرد کو عوض دیتی ہے مرد عورت کو نہیں دیتا چنانچہ فرقت میں مرد عورت کو عوض نہیں دیتا چنانچہ عورت جو مال لے گی وہ کسی چیز کا عوض نہیں ہوگی لہٰذا جائز نہیں لیکن اگر مرد نے بھی دعویٰ کر دیا تو صلح جائز ہوگی اور یہ صلح خلع کے معنی میں ہوگی جو مرد کی طرف سے ہوگا چونکہ مرد کا دعویٰ ہے کہ نکاح قائم ہے نیز عورت کی طرف سے مقدمہ کا دفع ہے۔❷

اگر ایک شخص نے کسی دوسرے پر ایک ہزار روپے کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے انکار کر دیا مدعی نے مدعی علیہ کے ساتھ سو روپے پر صلح کر لی کہ وہ ہزار کا اقرار کر لے یہ صلح باطل ہوگی چونکہ مدعی یا تو اپنے دعویٰ میں سچا ہوگا یا جھوٹا ہوگا اگر ایک ہزار کے دعویٰ میں سچا ہو تو ایک ہزار مدعی علیہ پر واجب ہو جائیں گے اور اس پر عوض لینا رشوت کے معنی میں ہوگا اور یہ حرام ہے۔

اور اگر اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہو تو ہزار روپے کا مدعی علیہ کا اقرار مال کے التزام کے معنی میں ہے، اور یہ جائز نہیں ہے۔❸

اگر کسی انسان نے کسی شخص پر ودیعت کا دعویٰ کیا یا عاریت کا دعویٰ کیا یا مال مضاربت یا اجارہ کا دعویٰ کیا، امین نے کہا: میں نے تو وہ تمہیں واپس کر دیا کہے: وہ مال ضائع ہو چکا ہے پھر مدعی اس کی تکذیب کر دے اور کہے: بلکہ تم نے خود دیدہ دانستہ اس مال کو ضائع کیا ہے پھر دونوں مال پر صلح کریں تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صلح باطل ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک صلح صحیح ہوگی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ صلح دعوائے صحیحہ کی پاداش میں واقع ہوئی ہے جو قسم کے دفعیہ کو متضمن ہے لہٰذا صلح صحیح ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ مدعی اس دعویٰ میں خود اپنی مخالفت کر رہا ہے چونکہ ودیع (دیعت رکھنے والا) مالک کا امین ہوتا ہے امین کا قول امانتدار کا قول ہوتا ہے گویا واپسی یا ضائع ہونے کے متعلق خبر دینا فی الواقع مودع کی طرف سے اقرار ہے گو دعوائے استہلاک میں وہ خود اپنی ہی مخالفت کر رہا ہے اور یہ تناقض دعویٰ ہے جو دعویٰ صحیح ہونے کے مانع ہے ہاں البتہ وہ قسم لے لیکن دفع دعویٰ کے لیے نہیں بلکہ تہمت دور کرنے کے لئے جب دعویٰ صحیح نہیں تو صلح بھی صحیح نہیں۔❹

کسی عیب پر صلح کرنا...... اگر کسی شخص نے کوئی چیز خریدی پھر اسے عیب دار پایا پھر بائع نے اس کے ساتھ کسی چیز پر صلح کر لی جو اس نے خریدار کو دے دی یا مبیع کے ثمن میں خاطر خواہ کمی کر دے دیکھا جائے گا کہ مبیع اگر ایسی ہو جو بائع کو واپس کی جاسکتی ہو یا واپسی کے بغیر تاوان عیب کے مطالبہ کا خریدار کو حق ہو تو اس صورت میں صلح جائز ہوگی چونکہ عیب پر صلح کرنا حقیقت میں محل میں ثابت شدہ حق پر صلح ہے۔ محل مبیع کا عیب سے سلامت ہونا ہے۔

اگر خریدار کو مبیع واپس کرنے کا حق نہ ہو اور نہ ہی تاوان عیب لینے کا حق ہو مثلاً خریدار نے مبیع آگے کسی اور کو فروخت کر دی یا اصل سے

❶...... البدائع ۶/ ۵۱۔ ❷البدائع ۶/ ۵۱ تکملۃ فتح القدیر مع العنایۃ ۷/ ۳۵ تبیین الحقائق ۵/ ۳۷ الکتاب مع اللباب ۲/ ۱۶۵۔
❸البدائع ۶/ ۵۱۔ ❹البدائع المرجع السابق

پیدا شدہ منفصل اضافہ ظاہر ہوگیا یا خریدار کے پاس پرانے عیب کے علاوہ کوئی نیا عیب پیدا ہوگیا تو صلح جائز نہیں ہوگی چونکہ یہ مال ہتھیانا ہے جس کے عوض میں کوئی چیز نہیں لہٰذا صلح جائز نہیں ہوگی۔

اگر عیب پر صلح کرلی پھر عیب جاتا رہا مثلاً مبیع جانور تھا اس کی آنکھ میں پھولا پڑ گیا تھا جو جاتا رہا تو صلح بھی باطل ہوگی بائع نے جو چیز بدل صلح میں دی ہے وہ واپس لے سکتا ہے چونکہ مبیع کے سلامت ہونے کی صفت خریدار کو واپس لوٹ آئی اور یوں مشتری کا حق ختم ہوجائے گا۔

اگر خریدار نے مبیع میں عیب کا طعنہ دیا پھر بائع نے خریدار کے ساتھ اس بات پر صلح کرلی کہ وہ اسے عیب مذکور سے بری کردے اور ہر طرح کے عیب سے بھی بری کردے تو یہ صلح جائز ہے چونکہ عیب سے بری الذمہ کرنا حقیقت میں مبیع میں سلامتی سے بری الذمہ کرنا ہے۔

اسی طرح اگر خریدار نے عیب کا طعنہ نہ دیا اور بائع نے خریدار کے ساتھ صلح کرلی کہ مبیع ہر طرح کے عیب سے بری ہے یہ صلح جائز ہوگی چونکہ اگر خریدار نے طعنہ عیب نہ دیا تو اسے مقدمہ بازی کا حق ہے لہٰذا اس حق کو ختم کرنے کے لئے صلح جائز ہے۔

اگر خریدار نے کسی قسم کے عیب مثلاً اندھاپن اور پھوڑے وغیرہ کا عیب کا طعنہ دیا فروخت کنندہ نے صلح کرلی تو صلح جائز ہوگی چونکہ ہر طرح کے عیب سے صلح کرنا جائز ہے اگر کوئی اور عیب ظاہر ہوگیا تو مشتری کو خصومت کا حق حاصل ہوگا چونکہ صلح ایک خاص نوع کے متعلق واقع ہوئی ہے اس نوع کے علاوہ میں اسے مقدمہ بازی کا حق حاصل ہوگا۔❶

مدعی اور اجنبی کے درمیان صلح......اس سے پہلے مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان صلح ہونے پر کلام ہوا ہے اب مدعی اور اجنبی کے درمیان صلح ہونے کا تذکرہ ہوگا چنانچہ اجنبی کی صلح یا مدعی علیہ کی اجازت اور اس کے حکم سے ہوگی یا اس کی اجازت اور حکم کے بغیر ہوگی۔ اگر صلح مدعی علیہ کی اجازت سے ہو: یہ صلح جائز ہے گویا اجنبی مدعی علیہ کی طرف سے وکیل ہوگا۔

بدل صلح اصل مدعی علیہ پر لازم ہوگا وکیل کو لازم نہیں ہوگا برابر ہے کہ صلح اقرار کے ساتھ ہو یا انکار کے ساتھ چونکہ عقد صلح میں حقوق وکیل کی طرف راجع نہیں ہوتے، مال مدعی علیہ کو لازم ہوگا۔ ہاں البتہ اگر وکیل بدل صلح کو اپنے ذمہ لے لے تو اسی پر لازم ہوگا۔ اس صورت میں عقد کفالت اور ضمان کو متضمن ہوگا۔❷

شافعیہ کہتے ہیں......اگر اجنبی نے مدعی سے کہا: مجھے مدعی علیہ نے وکیل نامزد کیا ہے اور وہ تمہارے دعوے کا اقرار کرتا ہے چنانچہ دونوں کے درمیان صلح صحیح ہوگی چونکہ معاملات میں وکالت کا دعویٰ مقبول ہوتا ہے اگر اجنبی نے مدعا بہ چیز کے متعلق اپنے لئے صلح کی اور اپنے مال کے ساتھ صلح کی پھر اجنبی نے مدعی سے کہا کہ مدعی علیہ دعوے کا اقرار کرتا ہے یہ صلح بھی صحیح ہوگی اور اگر مدعی علیہ منکر ہو اور اجنبی کہے: مدعی علیہ کا انکار باطل ہے اور تم سچے ہو میرے نزدیک لہٰذا میرے ساتھ صلح کرلو پھر اگر مدعی بہ کوئی معین چیز ہو تو اس پر مغصوب چیز خریدنے کا حکم لگے گا یعنی اگر مدعی علیہ سے یہ چیز چھڑانے کی قدرت رکھتا ہو تو صلح صحیح ہوگی اگر چھڑانے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو صلح صحیح نہیں ہوگی اگر اجنبی نے یہ بات نہ کہی کہ مدعی علیہ کا انکار باطل ہے تو صلح لغو ہوگی۔❸

اگر صلح مدعی علیہ کی اجازت کے بغیر ہو: صلح کی اس صورت کو دوسرے الفاظ میں فضولی کی صلح کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی پانچ صورتیں ہیں ان میں سے چار صورتوں میں صلح صحیح ہے اور بدل صلح فضولی پر واجب ہوگا اور مدعی علیہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی یہ صورتیں درج ذیل ہیں۔

اول......یہ کہ فضولی ضمان کی نسبت اپنی ذات کی طرف کرے اور مدعی سے کہے: میں نے فلاں شخص پر ایک ہزار روپے کے متعلق

---

❶......البدائع ۶/ ۵۱ المبسوط ۲۱/ ۶. ❷البدائع ۶/ ۵۲ تکملۃ فتح القدیر ۷/ ۳۸ تبیین الحقائق ۵/ ۳۹ الکتاب مع اللباب ۲/ ۱۶۷. ❸مغنی المحتاج: ۲/ ۱۸۱ المھذب ۱/ ۳۳۳.

تمہارے ساتھ صلح کر لی اور اس ہزار کا میں ضامن ہوں یا یہ ہزار روپے میرے ذمہ میں۔

دوم..... یہ مال کی نسبت اپنی طرف کرے اور یوں کہے: یہ ایک ہزار میرے ذمہ واجب ہے۔

سوم..... یہ کہ فضولی بدل صلح کو متعین کر دے اگر چہ بدل کی نسبت اپنی ذات کی طرف نہ کرے گویا یوں کہے یہ ہزار میرے ذمہ ہے یا کہے: یہ سامان میرے ذمہ ہے۔

چہارم: یہ کہ بدل سپرد کر دے اگر چہ اسے متعین نہ کرے اور اپنی ذات کی طرف اس کی نسبت بھی نہ کرے گو یا یوں کہے: میں نے تمہارے ساتھ ہزار لازم پر صلح کر دی پھر ہزار اسے سونپ دے۔

دلیل..... ان چار صورتوں میں صلح کے صحیح ہونے کی دلیل یہ آیت ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ..... الحجرات ۴۹/۱۰

سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کروادو۔

دوسرا فرمان ہے **والصلح خیر** صلح کر لینا بہتر ہے (النساء ۴/۱۲۸) عقلی دلیل یہ ہے کہ ان چار صورتوں میں فضولی تبرع کر کے اپنے ذاتی حق میں تصرف کر رہا ہوتا ہے گویا مدعی علیہ کی طرف سے اپنا مال دے کر صلح کرتا ہے۔

پنجم: اس صورت میں صلح صحیح ہیں اور صلح مدعی علیہ کی اجازت پر موقوف رہے گی اس کی صورت یہ ہے کہ فضولی کہے: میں نے تمہارے اس دعویٰ میں تمہارے ساتھ ایک ہزار پر صلح کی اس صورت میں اگر مدعی علیہ نے صلح کی اجازت دے دی تو صلح نافذ العمل ہوگی اور بدل صلح مدعی علیہ پر واجب ہوگا اجنبی پر نہیں چونکہ بعد میں ملنے والی اجازت بمنزلہ وکالت کے ہے اور وکالت کا یہی حکم ہے اگر مدعی علیہ نے اجازت نہ دی تو صلح باطل ہو جائے گی چونکہ کسی دوسرے انسان پر اپنا تصرف مسلط کرنا جو اس کی اجازت کے بغیر ہو صحیح نہیں عقد میں اصل مدعی علیہ ہے۔ ❶

یہ احکام اجنبی شخص کے خلع پر بھی منطبق ہوتے ہیں:

اگر خلع خاوند یا بیوی کی اجازت سے ہو تو خلع کرنے والے فضولی وکیل تصور ہوگا مال عورت پر واجب ہوگا وکیل پر نہیں چونکہ وکیل تو محض سفیر اور معبر ہے عقد خلع کے حقوق اس کی طرف راجع نہیں ہوں گے خلع صحیح ہوگا۔

اگر خلع بغیر اجازت کے ہو اور فضولی نے بدل خلع کا ضمان اپنے سر لیا ہو اور یوں کہا ہو: اپنی بیوی کے ساتھ مثلاً ایک ہزار پر خلع کر لو جو میرے ذمہ واجب ہوں گے خلع صحیح ہوگا اور مال فضولی پر واجب ہوگا اور وہ اصیل کی طرف رجوع نہیں کر سکتا چونکہ بدل خلع دینے میں وہ متبرع ہے۔

اگر فضولی نے خاوند سے کہا کہ اپنی بیوی کے ساتھ اتنے مال پر خلع کر لو خاوند نے کہا: میں نے خلع کر لیا اس صورت میں خلع عورت کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر عورت نے اجازت دے دی تو خلع صحیح ہوگا بدل خلع عورت پر واجب ہوگا فضولی پر نہیں۔ اگر عورت نے اجازت نہ دی تو خلع باطل ہوگا اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

یہ احکام دم عمد میں فضولی کی طرف سے ہونے والی صلح پر بھی منطبق ہوں گے اسی طرح ثمن میں اگر اجنبی اضافہ کر دے تو یہاں بھی یہ احکام منطبق ہوں گے اگر ثمن میں اضافہ خریدار کی اجازت سے ہو تو فضولی وکیل تصور ہوگا اور زائد ثمن کا ذمہ دار خریدار ہوگا اگر ثمن میں اضافہ خریدار کی اجازت کے بغیر ہو تو اس کی تفصیل حسب سابق ہے جو صلح میں گزر چکی۔ ❷

تیسری بحث: احکام صلح..... صلح کے مختلف احکام ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔ ❸

---

❶ البدائع ۶/۵۲۱ تکملہ فتح القدیر ۷/۴۰ تبیین الحقائق ۵/۴۰۔ ❷ البدائع ۶/۵۲۔ ❸ البدائع ۶/۵۳ تکملہ فتح القدیر ۷/۲۹ المبسوط ۲۰/۱۶۳ تبیین الحقائق ۵/۳۳ الدر المختار مع ردالمحتار ۴/۴۹۴۔

اول...... مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان جھگڑا اور تنازع شرعاً ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد ان کا دعویٰ مسموع نہیں ہوگا یہ حکم ہر قسم کی صلح کو شامل ہوگا۔

دوم...... شفیع کو حق شفعہ ملے گا جب مدعا بہ گھر ہو اور بدل صلح گھر نہ ہو بلکہ نقدی مال ہو یا کوئی اور چیز ہو شفیع کو حق شفعہ اس وقت ملے گا جب مدعی علیہ کی طرف سے صلح اقرار کے ساتھ ہو چونکہ اس صورت میں صلح بمعنی بیع ہوگی اگر صلح مدعی علیہ کے انکار کے ساتھ ہو تو حق شفعہ ثابت نہیں ہوگا چونکہ یہ صلح بمعنی بیع نہیں ہے بلکہ یہ تو محض خصومت اور قسم سے بچنے کا ایک سامان ہے۔

اگر بدل صلح گھر ہو اور صلح مدعی علیہ کے اقرار کے ساتھ ہوئی ہو تو دونوں گھروں (مدعا علیہ اور بدل صلح کے گھروں) میں شفیع کو حق شفعہ حاصل ہوگا۔ چونکہ یہاں صلح جانبین سے بمعنی بیع ہے۔

اگر صلح انکار کے ساتھ ہو تو شفیع کو حق شفعہ بدل صلح والے گھر میں حاصل ہوگا۔ مدعا بہ گھر میں حق شفعہ حاصل نہیں ہوگا چونکہ انکار کے ساتھ صلح میں نسبت مدعی کے معاوضہ تصور ہوگا مدعی علیہ کی نسبت معاوضہ نہیں بلکہ مدعی علیہ کی طرف سے تو محض خصومت کے دفیعہ کا سامان رہے لہٰذا مدعا بہ گھر مدعی علیہ کے حق میں مبیع کے حکم میں نہیں لہٰذا شفیع کے لیے حق شفعہ ثابت نہیں ہوگا۔

سوم...... عیب کی وجہ سے حق رد اور استحقاق کا حکم۔ عیب کی وجہ سے حق رد عقد صلح میں طرفین کو حاصل ہوگا بشرطیکہ اگر صلح اقرار کے ساتھ ہو چونکہ یہ صلح بمنزلہ بیع کے ہے۔

اگر صلح انکار کے ساتھ ہو تو مدعی کو حق رد حاصل ہوگا مدعی علیہ کو حق رد نہیں ملے گا چونکہ یہ صلح مدعی کے حق میں بمنزلہ بیع ہے مدعی علیہ کے حق میں نہیں۔

جب صلح اقرار کے ساتھ ہو تو اس وقت بھی یہ احکام منطبق ہوتے ہیں اور مصالح علیہ میں استحقاق ثابت ہو جائے مدعی علیہ استحقاق کے حصہ کے بقدر عوض مصالح بہ کو واپس لے سکتا ہے چونکہ اقرار کے ساتھ صلح بیع کی طرح ہے، بیع میں استحقاق کے ثابت ہونے کا بھی یہی حکم ہے اگر صلح انکار کے ساتھ ہو یا سکوت کے ساتھ ہو اور پورے متنازع فیہ میں استحقاق ثابت ہو جائے تو مدعی مقدمہ صاحب استحقاق کے ساتھ لڑے گا چونکہ مستحق مدعی علیہ کے قائم مقام ہے عوض مصالح بہ اس شخص کو واپس کیا جائے گا جس سے لیا گیا ہو ❶ چونکہ مدعی علیہ نے مدعی کو بدل صلح اس لئے دیا تھا تاکہ متوقع مقدمہ کا دفیعہ ہو جائے جب استحقاق ثابت ہو چکا تو واضح ہو گیا کہ خصومت میں تو اس کا حق ہے ہی نہیں۔ یوں بالاغرض اس کے قبضہ میں عوض باقی رہ جاتا ہے لہٰذا واپس کرے گا اگر متنازع فیہ کے بعض حصے کا استحقاق ہوا تو اس کے حصہ کے بقدر واپس کرے گا اور خصومت کے معاملہ میں رجوع مستحق پر ہوگا۔

چہارم...... صلح کی دونوں اقسام میں خیار رویت کی وجہ سے حق رد حاصل ہوگا۔ چونکہ خیار مدعی کو حاصل ہوگا لہٰذا وہ اپنے حق کے معاوضہ کو صلح قرار دے سکتا ہے۔

پنجم...... یہ کہ قبضہ سے پہلے بدل صلح میں تصرف کرنا جائز نہیں بشرطیکہ جب بدل صلح منقولی چیز ہو یہ حکم صلح کی دونوں قسموں میں جاری ہوگا چنانچہ مدعی کے لیے جائز نہیں کہ وہ قبضہ سے قبل بدل صلح کو فروخت کرے یا ہبہ کرے اگر زمین (غیر منقول چیز) ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قبل از قبضہ بدل صلح میں تصرف کرنا جائز ہے جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں جیسا کہ عقد بیع میں یہ معروف ہے۔

قصاص پر ہونے والی صلح میں مصالح کے لیے جائز ہے کہ وہ قبضہ سے قبل بدل صلح کو فروخت کردے یا اس سے بری الذمہ ہو جائے جیسے مہر اور خلع میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے چونکہ جواز تصرف کے مانع یہ چیز ہے تاکہ عقد فسخ ہونے سے محفوظ رہے۔ جب کہ قصاص

❶......تکملہ فتح القدیر مع العنایہ ۲۹/۷، المبسوط ۱۴۹/۲۰ تبیین الحقائق ۳۲/۵ اللکتاب مع اللباب ۱۶۴/۲۔

پر صلح کی صورت میں فسخ کا احتمال نہیں ہوتا، چونکہ یہ ایسی چیز ہے جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتی، لہٰذا قصاص کے بدل صلح میں قبل از قبضہ تصرف کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

ششم.....جو شخص صلح کا وکیل ہو وہ بدل صلح کا بھی پابند ہوگا جب کہ مدعی علیہ پابند نہیں ہوگا۔ یہ اسوقت ہوگا جب صلح معاوضہ کے معنی میں ہو یہ ایسا ہی ہے جیسے صلح مدعی کے حق کی جنس کے خلاف پر تمام ہو چونکہ اسوقت صلح بیع کے قائم مقام ہوگی جب کہ بیع کے حقوق وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں۔

خلاصہ.....جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں کہ جب صلح اقرار کے ساتھ ہو اور مدعا بہ چیز کے علاوہ پر صلح جاری ہو تو وہ بیع ہوتی ہے جو لفظ صلح کے ساتھ طے پاتی ہے اس میں بیع کے احکام ثابت ہوں گے جیسے شفعہ عیب کی وجہ سے رد اور قبضہ سے پہلے تصرف کا ممنوع ہونا اور جب مصالح عنہ اور بدل صلح میں علت ربا پائی جائے تو قبضہ کی شرط کا ہونا۔ ❶

چوتھی بحث.....وہ امور جو عقد صلح کو باطل کر دیتے ہیں اور بطلان کے بعد صلح کا حکم

مبطلات صلح.....مختلف چیزوں سے صلح باطل ہو جاتی ہے۔ ❷

۱.....اقالہ، بشرطیکہ قصاص کی صلح کے علاوہ میں ہو، اگر ایک صلح کرنے والے نے دوسرے سے اقالہ کر لیا تو صلح فسخ ہو جائے گی، چونکہ صلح میں مال کے بدلہ میں مال کا معاوضہ کا معنی پایا جاتا ہے۔ لہٰذا صلح میں فسخ کا احتمال ہے جیسے بیع میں فسخ کا امکان ہوتا ہے۔ رہی بات قصاص کی سو قصاص میں صلح محض اسقاط ہے چونکہ قصاص میں صلح دراصل قاتل کو معافی دینا ہے لہٰذا فسخ کا احتمال نہیں جیسے طلاق فسخ کا احتمال نہیں رکھتی۔

۲.....امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر مرتد دار حرب میں چلا گیا یا مر گیا تو صلح باطل ہو جائے گی دراصل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک قاعدہ مقرر ہے کہ مرتد کے تصرفات موقوف ہوتے ہیں یہاں تک کہ اسلام کی طرف لوٹ آئے یا دار حرب میں چلا جائے یا اسے موت آجائے اگر مرتد اسلام کی طرف لوٹ آیا تو اس کے تصرفات نافذ ہوں گے اگر دار حرب میں چلا گیا اور قاضی نے اس کے چلے جانے کا فیصلہ دے دیا یا قتل کر دیا گیا یا طبعی موت مر گیا تو اس کے تصرفات باطل ہو جائیں گے۔

صاحبین کے نزدیک مرتد کے تصرفات نافذ العمل تصور ہوں گے۔

۳.....خیار عیب یا خیار رویت کی وجہ سے مصالح عنہ کو واپس کر دیا گیا چونکہ رد عقد کو فسخ کر دیتا ہے۔

۴.....اگر منافع پر صلح ہو اور صلح کرنے والوں میں سے کوئی ایک مر جائے تو بھی صلح باطل ہو جائے گی چونکہ منافع پر ہونے والی صلح اجارہ کے معنی میں ہوتی ہے اور اجارہ عاقدین میں سے کسی ایک کی موت کے ساتھ باطل ہو جاتا ہے اسی طرح منفعت پر ہونے والی صلح بھی باطل ہو جائے گی۔

بطلان کے بعد صلح کا حکم: جب صلح باطل ہو جائے تو مدعی اصل دعویٰ پر واپس آجائے گا بشرطیکہ صلح اگر انکار کے ساتھ ہو اور اگر صلح اقرار کے ساتھ ہو تو مدعی مدعی علیہ پر صرف مدعا بہ میں رجوع کر سکتا ہے چونکہ جب صلح باطل ہو چکی تو گویا صلح سرے سے ہوئی ہی نہیں لہٰذا معاملہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آئے گا۔

البتہ قصاص میں ہونے والی صلح کی صورت میں مدعی قاتل پر رجوع کرے گا اور اس سے دیت لے گا اس سے قصاص کا مطالبہ نہیں کر سکتا، منافع پر صلح ہونے کی صورت میں جب کوئی ایک عاقد مر جائے اور صلح باطل ہو جائے تو جتنی مدت گزری اس میں حاصل ہونے والے منافع کو منہا کر کے بقیہ منافع کے بقدر مدعی مدعا بہ میں رجوع کرے گا بشرطیکہ صلح اقرار کے ساتھ ہوئی ہو اور اگر صلح انکار کے ساتھ ہوئی ہو تو مدعی

❶.....مغنی المحتاج ۲/۱۷۷ المھذب ۱/۳۳۳۔ ❷البدائع ۶/۵۴ تبیین الحقائق ۵/۳۲ الدر المختار ۴/۳۹۴۔

اصل دعویٰ کی طرف رجوع کرے گا یعنی جتنے حصہ کے بقدر اس کو منافع حاصل نہیں ہوا اسی کے بقدر دعویٰ کرے گا۔ ❶

ترکہ پر صلح یعنی تخارج...... ترکہ میں کسی وارث کے متوقع حصہ پر صلح کر لینا صحیح ہے اور اس میں بیع کے احکام جاری ہوں گے اس صلح کو مخارجہ کہا جاتا ہے، چنانچہ کوئی ایک وارث صلح کر لیتا ہے اور ترکہ کے حصوں سے خارج ہو جاتا ہے اور وہ اپنا حصہ نہیں لیتا وہ ترکہ میں سے من چاہی کوئی چیز لے لیتا ہے یا ترکہ کے علاوہ کوئی اور چیز لے لیتا ہے۔ اگر ترکہ معین اشیاء یا نقدی کی صورت میں ہو تو اس وقت حکم مختلف ہوگا چنانچہ اگر ترکہ معین اشیاء کی صورت میں ہو جیسے زمین، پلاٹس یا تجارتی سامان تو صلح صحیح ہوگی عوض کی مقدار خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ چونکہ یہ بیع ہے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیوی کے ساتھ اسی ہزار دینار پر صلح کی تھی۔

اگر ترکہ نقدی مال یعنی سونا چاندی کی صورت میں ہو تو صلح اسوقت صحیح ہوگی جب مال ترکہ کی جنس کے علاوہ دوسری جنس پر صلح کی جائے مثلاً ترکہ میں سونا تھا اور صلح میں چاندی دے دی یا اس کے برعکس کیا چونکہ یہ ایک جنس کی دوسری جنس کے ساتھ بیع ہے اس میں برابر کا اعتبار نہیں ہوگا البتہ مجلس عقد میں عوضین پر قبض شرط ہوگا چونکہ یہ عقد صرف ہے۔

اگر ترکہ مخلوط ہو یعنی اشیاء عینیہ اور نقدی گڈمڈ ہوں البتہ نقدی ترکہ غالب ہو تو اس صورت میں عرض کا زیادہ ہونا ضروری ہے یعنی ترکہ میں ملنے والے حصہ سے عوض زائد ہو۔ تاکہ عوض اور حصہ میں برابری رہے تاکہ سود لازم نہ آئے سونے اور چاندی کے حصہ کے بقدر عوض اور ترکہ پر قبضہ شرط ہوگا چونکہ اس کے بقدر بیع صرف ہے۔ ❷

خلاصہ...... حنفیہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ ترکہ متعین ہو اور یہ شرط نہیں کہ ترکہ میں حصہ کے بقدر تمامی طور پر تخارج ہو چونکہ یہ عقد بیع ہے مبیع کا متعین ہونا شرط ہے تاکہ سپردگی ممکن ہو پائے چنانچہ یہ لازمی نہیں کہ ثمن مبیع کی قیمت کے مساوی ہوں، لیکن یہ شرط ہے کہ متخارج ترکہ میں ملنے والے اپنے حصہ سے واقف ہو تاکہ غرر لازم نہ آئے، اگر تخارج میں عقد صرف کی صورت بنتی ہو تو قبضہ شرط ہے تاکہ سود لازم نہ آئے۔

چودہویں فصل...... البراء

اس فصل میں چھ بحثیں ہیں۔ ابراء کی تعریف، مشروعیت، ارکان، شرائط محل ابراء، ابراء کی اقسام اور ابراء کا حکم۔

پہلی بحث: ابراء کی تعریف اور اس کی مشروعیت...... ابراء کا لغوی معنی تنزیہ خلاصی اور کسی چیز سے دوری اختیار کرنا ہے۔

اصطلاح فقہ میں ابراء کی تعریف یہ ہے: هو اسقاط شخص حقاله فی ذمة آخر کسی شخص کا حق جو کسی دوسرے کے ذمہ واجب ہو اسے ساقط کرنا ابراء ہے جیسے دائن مدیون کو قرضہ سے بری کر دے اگر حق کسی شخص کے ذمہ میں واجب نہ ہو جیسے حق شفعہ اور حق سکنی تو اس حق سے سبکدوشی ابراء نہیں بلکہ یہ اسقاط محض ہے گویا ہر ابراء اسقاط ہے لیکن ہر اسقاط ابراء نہیں۔

اگر ابراء اسقاط (حق ساقط کرنے) کے معنی کو متضمن ہو تو اس میں ایک اور معنی بھی پایا جائے گا اور وہ معنی تملیک ہے۔ چنانچہ دین کو ساقط کرنے کا یہ معنی ہے کہ دائن مدیون کو دین کا مالک بنا دیتا ہے چنانچہ ہر مذہب میں کسی ایک معنی کو ترجیح دی گئی ہے۔

حنفیہ...... نے معنی اسقاط کو ترجیح دی ہے لیکن اس کے ساتھ تملیک کے معنی کو باقی رکھا ہے اس معنی کے تحت حنفیہ نے اعیان سے ابراء کی صحت کو بھی مرتب کیا ہے چونکہ یہ بھی اسقاط ہے اور اعیان کی ملکیت اسقاط کو قبول نہیں کرتی چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی مملوکہ چیز سے ملکیت کو ساقط کر دے تو اس کی ملکیت ساقط نہیں ہوگی بلکہ اس کی ملک باقی رہے گی مبیع سے ابراء درست نہیں چونکہ ابراء اسقاط ہے اور معین چیز کا اسقاط

❶ ...... البدائع ۶/۵۵ المبسوط ۲۱/۳۴ تبیین الحقائق ۵/۳۳ ردالمحتار ۴/۴۹۵۔ ❷ اللباب شرح الکتاب ۲/۱۷۰ تکملہ ردالمحتار ۵/۲۰۵۔

صحیح نہیں ہوتا مغصوب چیز سے ابراء اس چیز کی ملکیت کا سبب نہیں ابراء تو مغصوب چیز کے ضمان سے ہوتا ہے اور وہ چیز غاصب کے پاس امانت ہوتی ہے البتہ وہ دین جو ذمہ میں ثابت ہو اس سے بری کرنا صحیح ہے جیسے ضائع ہونے والی مغصوب چیز کی قیمت کا ضمان۔ معین اشیاء سے متعلق دعوے سے بری کرنا بھی صحیح ہے ابراء عن الدین کا اقالہ صحیح نہیں چونکہ ابراء ذمہ سے دین کو ساقط کر دیتا ہے ساقط ہونے والی چیز پھر واپس نہیں لوٹتی چونکہ وہ معدوم ہے دین سے بری کرنے کو تبرع کہا جائے گا چونکہ اس میں تملیک کا معنی ہے اگرچہ صورۃ اسقاط ہے۔

مالکیہ...... کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ابراء ملک کی منتقلی ہے گویا ابراء ہبہ کے قبیل میں ہے لہٰذا قبول کے محتاج ہوگا۔ ابن دسوقی نے یہی لکھا ہے۔ ❶

شافعیہ...... کے نزدیک جدید قول کے مطابق مدیون کے ذمہ واجب حق کی تملیک ابراء ہے۔ اگر ابراء معاوضہ کے ضمن میں ہو جیسے خلع تو طرفین کا اس سے آگاہ ہونا شرط ہے ورنہ بری کرنے والے کی آگاہی کافی ہے مجہول چیز سے ابراء باطل ہے بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ اصح یہ ہے کہ ابراء اسقاط ہے۔ ❷

حنابلہ...... کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ابراء اسقاط ہے چنانچہ انسان کے لئے کوئی مانع نہیں کہ وہ اپنا [illegible] ساقط کر دے یا اپنا حق کسی دوسرے کو ہبہ کر دے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قرض خواہوں سے بات کی تھی تاکہ وہ کچھ قرضہ ساقط کر دیں۔ ❸

ابراء کی مشروعیت...... ابراء مندوب ہے خطیب شربینی کہتے ہیں: ابراء مطلوب ہے اس لیے ابراء میں وسعت رکھی گئی ہے بخلاف ضمان کے: چونکہ ابراء احسان نیکی اور صلہ رحمی ہے چونکہ ابراء میں مدیون سے حق کو ساقط کیا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ تنگدست نہ ہو چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ البقرۃ:۲/۲۸۰

اگر مقروض تنگدست ہو تو فراخی تک اسے مہلت دینا ہے اور یہ کہ تم صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھو۔

دوسری بحث: ابراء کا رکن:

حنفیہ...... کے نزدیک ابراء کا رکن فقط ایجاب ہے جو صاحب حق سے صادر ہوتا ہے اور ترک حق اور سبکدوشی پر واضح دلالت کرتا ہے چونکہ ایجاب کے بغیر اس چیز کا وجود نہیں ہوتا، ابراء کے بقیہ عناصر یعنی متعاقدین اور محل یہ اطراف عقد ہیں رکن نہیں۔

جمہور...... کے نزدیک ابراء کے چار ارکان ہیں۔ صاحب حق یعنی مبری مدیون یعنی مبرا صیغہ یعنی ایجاب وقبول اور مبرا منہ بھی محل ابراء (دین عین یا حق) چونکہ رکن وہ چیز ہوتی جس پر کسی چیز کا وجود موقوف ہوتا ہے برابر ہے کہ رکن اس چیز کا جز ہو اور اس میں داخل ہو اور یہ صرف ایجاب ہے یا ایجاب وقبول دونوں۔ یا وہ اس چیز سے خارج ہو جیسے اطراف اور محل۔

کیا ابراء محتاج قبول ہے...... مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ ابراء قبول کا محتاج نہیں صرف ایجاب سے منعقد ہو جاتا ہے چونکہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ابراء اسقاط ہے اسقاطات طلاق اور عتق کی مانند ہوتے ہیں جو محتاج قبول نہیں۔ برابر ہے ابراء لفظ ابراء سے منعقد کیا جائے یا مدیون کو دین ہبہ کر دیا جائے بعض حنفیہ کے نزدیک اگر دین مدیون کو ہبہ کیا جا رہا ہو تو قبول ضروری ہے لیکن حنفیہ کے

---

❶...... حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۹۹/۴ الفروق ۱۱۱/۲۔ ❷المحلی ۳۲۶/۲ مغنی المحتاج ۲۰۲/۲ الاشباہ للسیوطی ۱۵۲۔ ❸کشاف القناع ۳۷۹/۳ المغنی: ۴۸۳/۴۔

نزدیک مشہور اول قول ہے۔

علی الرغم، شافعیہ کے نزدیک ابراء ذمہ میں واجب حق کی مدیون کو تملیک ہے لہٰذا محتاج قبول نہیں چونکہ اس کا مقصد اسقاط ہے۔

ایجاب کی مثال...... مثلاً کوئی یوں کہے: میں نے تمہیں اپنے دین سے بری الذمہ کر دیا یا میں نے تمہیں دین سے خلاص کر دیا یا میں نے تم سے دین کو ساقط کر دیا یا میں نے دین تمہاری ملکیت میں دے دیا یا میں نے نے دین تمہیں چھوڑ دیا وغیرہ ذالک۔ چنانچہ مجلہ کے دفعہ ۱۵۶۱ میں یوں وضاحت کی گئی ہے جب کسی شخص نے کہا: میرا فلاں شخص کے ساتھ کوئی نزاع نہیں اور اس پر کوئی دعویٰ نہیں یا یہ کہا کہ فلاں شخص کے پاس میرا کوئی حق نہیں یا کہا: پھر فلاں شخص کے ساتھ جو دعویٰ ہے وہ میں نے فارغ کر دیا یا چھوڑ دیا یا کہا فلاں شخص کے پاس میرا کوئی حق نہیں یا کہا: میں نے فلاں شخص سے تمام حق وصول کر لیا تو ان سب صورتوں میں ابراء ہوگا۔

مالکیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ابراء محتاج قبول ہے۔ چونکہ ابراء ملک کی منتقلی ہے جیسے ہبہ لہٰذا دین کے ہبہ میں قبول ضروری ہے۔ مجلس عقد میں قبول بالاتفاق ہے البتہ شافعیہ نے اس صورت میں لفظاً علی الفور قبول کی شرط لگائی ہے جب مبرا کو ابراء نفس میں وکیل بنایا ہو۔ اگر چہ وہ حاکم کی طرف سے وکیل ہو بظاہر مالکی مذہب میں قبول کی تاخیر کا جواز ہے چنانچہ اس میں مالکیہ کی عبارت یوں ہے جو شخص ایک زمانے تک اپنا صدقہ قبول کرنے سے خاموش رہا تو اسے حق حاصل ہے کہ اس کے بعد قبول کرے۔

حنفیہ نے ابراء کے قبول پر عدم توقف کا استثناء کیا ہے چنانچہ بیع صرف کے بدلین سے ابراء اور بیع سلم کے راس المال سے ابراء قبول پر موقوف ہے چونکہ ابراء قبضہ واجبہ کے فوت ہونے تک پہنچتا ہے اور قبضہ کا فوت ہونا بطلان عقد کا موجب ہے، جب کہ عقد کو تنہا کوئی عاقد ختم نہیں کر سکتا بلکہ دوسرے عاقد کا قبول کرنا نہایت ضروری ہے اگر دوسرے فریق نے قبول کر لیا تو بری الذمہ ہو جائے گا اگر قبول نہ کیا تو بری بھی نہیں ہوگا جب قبول کے ساتھ ابراء تمام ہو جائے گا تو عقد صرف اور عقد سلم فسخ ہو جائے گا چونکہ مشروط قبضہ متحقق نہیں ہوا۔

البتہ اگر مسلم فیہ یا مبیع کے ثمن سے بری کرنا ہو تو یہ ابراء قبول کے بغیر بھی جائز ہے، چونکہ مسلم فیہ کا قبضہ یا ثمن کا قبضہ شرط نہیں ہوتا دین سے بری کرنا قبضہ کے ساتھ مشروط نہیں بلکہ یہ تو فقط مبری اپنے حق کو ساقط کرتا ہے لہٰذا بری صرف اپنے حق سے بری الذمہ ہو سکتا ہے۔ (1)

رد ابراء...... شافعیہ کا راجح اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ ابراء ایجاب کے ساتھ تمام ہو جاتا ہے اور محتاج قبول نہیں لہٰذا اگر مدیون ابراء کو رد کر دے تو رد نہیں ہوگا۔ چونکہ ابراء حنابلہ کے نزدیک اسقاط ہے جیسے اسقاط قصاص اور اسقاط شفعہ۔ شافعیہ کے نزدیک بھی ابراء کا مقصد اسقاط ہے لہٰذا اس سے بری کرنا صحیح ہے اگر چہ مدیون ابراء کو رد ہی کر دے۔

حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب ہے کہ ابراء رد کرنے سے رد ہو جاتا ہے۔ خواہ مجلس میں رد کیا جائے یا مجلس کے بعد بشرطیکہ جب تک مدیون سے صریح قبول سرزد نہ ہو، چونکہ مالکیہ کے نزدیک ابراء محتاج قبول ہے نیز ابراء میں تملیک کا معنی پایا جاتا ہے چنانچہ حنفیہ کے نزدیک تملیک کے معنی کی رعایت کی گئی ہے اگر چہ ابراء اسقاط ہے اس لیے معنی تملیک کو دیکھتے ہوئے ابراء رد کرنے سے رد ہو جائے گا۔

وہ رد معتبر ہے جو مبرا (مدیون) کی طرف سے صادر ہو یا اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث کی طرف سے صادر ہو حنفیہ نے چار مسائل کو مستثنیٰ کیا ہے جن میں ابراء رد کرنے سے رد نہیں ہوگا۔

اول و دوم...... حوالہ میں ابراء اور راجح قول کے مطابق کفالہ میں ابراء، چونکہ حوالہ اور کفالہ میں ابراء اسقاط محض ہے اس میں مال کی تملیک نہیں۔ اور اسقاط محض رد کا احتمال نہیں رکھتا اور اسقاط، معدوم الاعتبار ہے۔ چنانچہ اگر محال نے محال علیہ کو بری کر دیا اور محال علیہ نے ابراء رد کر دیا تو ابراء رد نہیں ہوگا اسی طرح اگر دائن نے کفیل کو بری کر دیا اور پھر کفیل نے ابراء رد کر دیا تو ابراء رد نہیں ہوگا۔

---

(1)...... البدائع ۵/۲۰۳۔

سوم......اگر مبراء نے ابراء پر پیش رفت کر دی اور مطالبہ کیا کہ مبری سے کہے: مجھے بری کر دو، مبری نے اسے بری کر دیا پھر مبراء نے ابراء رد کر دیا تو رد نہیں ہوگا۔

چہارم......اگر مبراء نے ابراء قبول کر لیا اور پھر اس کے بعد ابراء کو رد کرے تو رد نہیں ہوگا چنانچہ مجلّہ عدلیہ میں دفعہ ۱۵۶۸ کے ذیل میں رد اور قبول کے اعتبار سے حنفیہ کی رائے پر وضاحت کی ہے کہ: ابراء قبول پر موقوف نہیں ہوگا ہاں البتہ رد کرنے سے رد ہو جائے گا چونکہ جب کوئی شخص کسی دوسرے کو بری کر دے تو اس کا قبول شرط نہیں البتہ مدیون نے اسی مجلس میں ابراء کو یوں کہتے ہوئے رد کر دیا: میں قبول نہیں کرتا تو یہ ابراء رد ہو جائے گا یعنی اس ابراء کا کوئی حکم باقی میں رہے گا لیکن قبول کے بعد اگر ابراء رد کیا تو رد نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر محالہ نے محال علیہ کو بری کر دیا یا صاحب طلب (مکفول لہ) نے کفیل کو بری کر دیا اور پھر محال علیہ یا کفیل نے ابراء کو رد کر دیا تو ابراء رد نہیں ہوگا۔

تیسری بحث: ابراء کی شرائط......اس بحث کے ذیل میں مبری (بری کرنے والے) کی شرائط مبرا (بری کیے ہوئے یعنی مدیون) کی شرائط صیغہ ابراء یعنی ایجاب کی شرائط اور محل ابراء کی شرائط کا تذکرہ ہوگا۔

مبری کی شرائط......مبری کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

۱......یہ کہ مبری تبرع کا اہل ہو یعنی عاقل بالغ اور سمجھدار ہو، نا سمجھی کی وجہ سے اس پر پابندی نہ ہو چونکہ ابراء دائن کی طرف سے تبرع ہوتا ہے چنانچہ مدیون کی طرف سے ابراء کے مقابلہ میں کوئی عوض نہیں ہوتا، پابندی کے نہ ہونے کی شرط حنفیہ کے نزدیک صاحبین کے مفتی بہ قول کے مطابق ہے۔

یہ شرط نفاذ ہے چنانچہ محجور علیہ کا ابراء صحیح ہے لیکن قرض خواہوں کی اجازت پر موقوف ہوگا تا کہ ان کے حقوق محفوظ رہیں۔

۲......یہ کہ مبری کو محل ابراء پر دسترس اور لایت حاصل ہو یعنی مبری محل ابراء کا مالک ہو یا ابراء کا موکل ہو یا دائن کی طرف سے وصی ہو۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اعتبار اس چیز کا ہے کہ واقع میں مبری کی ولایت ہو صرف ظن اور گمان میں ولایت نہ ہو چنانچہ اگر مبری نے اپنے باپ کے مال سے بری کر دیا اور اس کا گمان تھا کہ باپ زندہ ہے جب کہ فی الواقع وہ مر چکا ہو تو ابراء صحیح ہوگا چونکہ ابراء اسقاط ہے نیز جس چیز سے بری کیا جارہا ہے فی الواقع وہ اس کی ملکیت ہے جیسے میت مورث کے مال کی خرید فروخت جب کہ مورث کے زندہ ہونے کا گمان ہو۔ اگر ابراء کو تملیک تصور کیا جائے جیسا کہ شافعیہ کا مذہب ہے تو پھر یہ ابراء صحیح نہیں ہوگا۔

۳......رضامندی مبری کی رضا اور اختیار شرط ہے چنانچہ مکرہ کا ابراء صحیح نہیں۔

توکیل برابر......ابراء میں کسی شخص کو وکیل بنانا صحیح ہے بشرطیکہ ابراء کے ساتھ خاص اذن ہو اذن عام کافی نہیں ہوگا۔ حنفیہ کے نزدیک وکیل ابراء آگے کسی اور کو ابراء کا وکیل نہیں بنا سکتا۔

شافعیہ کے نزدیک وکالت ابراء کے صحیح ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ موکل کو دین کی مقدار معلوم ہو اگر چہ وکیل اور مدیون دین کی مقدار سے لاعلم ہو۔

مرض موت میں ابراء......پہلی شرط پر یہ تفریع بیٹھتی ہے کہ مبری مرض الموت میں مبتلا نہ ہو، اگر مریض نے وارث کو بری کر دیا تو ابراء ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اگر چہ دین تہائی ترکہ سے کم ہو اگر مریض نے کسی اجنبی کو بری کر دیا جب کہ دین تہائی ترکہ سے تجاوز کر جائے تو تہائی سے زائد ابراء ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ چونکہ ابراء تبرع کے حکم میں ہے جو وصیت پر مبنی ہے، اگر مریض نے کسی ایک مدیون کو بری کر دیا جب کہ ترکہ دیون کو مستغرق ہو تو اس کا ابراء نافذ نہیں ہوگا چونکہ ترکہ کے ساتھ غرماء کا حق متعلق ہو چکا ہے۔ [1]

---

[1]...... الدرالمختار ۴/ ۴۲۱ تکملہ ابن عابدین ۲/ ۳۲۸ الفتاوی الھندیہ ۴/ ۳۵۵ مر شد الحیران ۱۸۴ الشرح الکبیر ۴/ ۹۸ القیلولی وعمیرہ ۲/ ۳۲۶ کشاف القناع ۴/ ۳۲۹ معنی ۲/ ۲۰۲ الاشباہ والنظائر للیسوطی ۱۵۲۔

دوم مبرا (مدیون) کی شرائط...... بالاتفاق فقہاء کے نزدیک جانب مبرا میں یہ شرط ہے کہ مبرا متعین ہو مجہول نہ ہو اور نہ مبہم ہو ❶ اگر بری کرنے والے نے دو مدیونوں میں سے کسی ایک کو بری کر دیا اور یوں کہا میں نے تم میں سے ایک کو بری کر دیا تو یہ ابراء صحیح نہیں ہوگا، اسی طرح اگر کہا: میں نے اپنے ہر مدیون کو بری کر دیا یا کہا میں نے اپنے مورث کے ہر مدیون کو بری کر دیا تو یہ ابراء صحیح نہیں ہوگا ہاں البتہ اگر کسی معین مدیون کا قصد کر لیا تو ابراء صحیح ہوگا۔ اگر مبری نے کہا: میں نے اپنے ان مدیونوں کو بری کر دیا تو یہ ابراء صحیح ہوگا۔

مدیون کی جہالت کی صورت میں ابراء کے غیر صحیح ہونے کی شافعیہ نے یہ علت بیان کی ہے کہ ابراء میں تملیک کا معنی پایا جاتا ہے، اور مجہول کو مالک بنانا صحیح نہیں اور ابراء مبری کی تملیک ہے اور مبرا کے حق میں اسقاط ہے لہٰذا اول کا معلوم ہونا شرط ہے دوسرے کا معلوم اور متعین ہونا شرط نہیں۔

مجلہ میں دفعہ ۱۵۶۷ کے تحت اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے: جن لوگوں کو بری کیا جا رہا ہو ان کا متعین ہونا لازمی ہے بنا برایں اگر کسی شخص نے کہا: میں نے اپنے سب مدیونوں کو بری کر دیا یا کہا میرا کسی کے پاس کوئی حق نہیں تو یہ ابراء صحیح نہیں ہوگا البتہ اگر کسی نے کہا: میں نے فلاں محلہ کے باسیوں کو بری کر دیا اور اس محلہ کے رہنے والے متعین لوگ ہوں تو یہ ابراء صحیح ہوگا۔

مبرا کو بری کرنا صحیح ہے خواہ وہ حق کا اقرار کرتا ہو یا انکار کرتا ہو بلکہ وہ اگر انکار پر حلف بھی اٹھاتا ہو تب بھی ابراء صحیح ہے چونکہ مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک ابراء محض ایجاب سے منعقد ہو جاتا ہے اور محتاج قبول نہیں نیز ابراء کے صحیح ہونے میں مقروض کی تصدیق کی حاجت نہیں۔

سوم محل ابراء کی شرائط...... محل ابراء (مبرا منہ) میں درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

ا...... شافعیہ کے نزدیک جدید قول کے مطابق محل ابراء معلوم اور متعین ہو مجہول چیز سے بری کرنا صحیح نہیں مجہول سے مراد ایسی چیز ہے جس کی معرفت سہل نہ ہو اگر ایسی مجہول چیز سے بری کیا جس کی جنس مجہول ہو یا صفت مجہول ہو یا مقدار مجہول ہو تو یہ ابراء باطل ہے۔ چونکہ ابراء تملیک ہے جو رضا پر موقوف رہتا ہے جب کہ جہالت کے ساتھ رضامندی معقول نہیں اگر کسی نے دراہم سے دیون کو بری کیا۔

دراہم کی مقدار معلوم نہ ہو تو مدیون تین دراہم سے بری ہو جائے گا چونکہ دراہم جمع کا لفظ ہے جس کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے۔ البتہ فقہاء نے مجہول چیز سے بری کرنے کی یہ تدبیر بتائی ہے کہ اگر دین کی مقدار معلوم نہ ہو کہ آیا وہ پانچ دراہم ہیں یا دس مبری کو چاہیے کہ متوقع مقدار سے زائد سے بری کر دے یعنی پندرہ دراہم سے بری کرے۔

فقہاء نے ابرائے مجہول کے بطلان سے دیت کے اونٹوں سے بری کرنے کو مستثنیٰ کیا ہے چنانچہ اونٹوں سے بری کرنا صحیح ہے اگر چہ اونٹوں کی صفت مجہول ہو چونکہ دیت کے اونٹوں کی عمر اور تعداد متعین ہوتی ہے لہٰذا صفت کے معاملہ میں شہر کے غالب اونٹوں کی طرف رجوع کیا جائے گا فقہاء نے بعد الموت ابراء کو بھی مستثنیٰ کیا ہے کہ بمعہ جہالت کے یہ ابراء صحیح ہے چونکہ یہ ابراء وصیت کے معنی میں ہے جو جہالت کے ساتھ بھی صحیح ہے۔

جمہور یعنی حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ نے یہ شرط عائد نہیں کی جمہور نے مجہول المقدار اور مجہول الصفت چیز سے بری کرنے کو جائز قرار دیا ہے چونکہ ان کے نزدیک ابراء اسقاط حق اور اسقاط محض ہے جیسے اعتاق اور طلاق چنانچہ عتق اور طلاق کی طرح ابراء بھی نافذ ہوگا خواہ محل ابراء معلوم ہو یا مجہول۔ اگر کسی نے مدیون کو دو قرضوں میں سے ایک قرضہ سے بری کیا تو یہ ابراء صحیح ہوگا البتہ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر مدیون نے دائن سے دین کو چھپا دیا کہ اگر دائن کو دین کا علم ہوا تو وہ اسے بری نہیں کریگا جب کہ دائن خود بھی دین کی مقدار سے ناواقف ہو تو اس دین سے بری کرنا صحیح نہیں۔ چونکہ اس ابراء میں مبری کے ساتھ غرر (دھوکا) کا معاملہ کیا جا رہا ہے۔ جب کہ غرر سے احتراز ممکن بھی ہے۔

---

❶...... جامع الفصولین ۱/۱۲۵ الخرشی ۶/۹۹ الاشباه والنظائر للسیوطی ۱۵۲ کشاف القناع ۴/۳۳۷۔

۲..... یہ کہ محل ابراء معین اشیاء میں سے کوئی معین چیز نہ ہو چونکہ عین ذمہ میں ثابت نہیں ہوتی جب کہ ابراء اسقاط ہے اسقاط کو وہی چیز قبول کرتی ہے جو ذمہ میں بطور حق ہو لہٰذا اعیان سے برا باطل ہے۔

چنانچہ اگر کسی شخص نے کوئی کتاب غصب کر لی تو اس سے ابراء صحیح نہیں البتہ دیون سے بری کرنا صحیح ہے اگر چہ دین اعیان میں سے ہو جیسے دیت کے اونٹ۔ حقوق سے بری کرنا بھی صحیح ہے جیسے حق دعویٰ سے بری کرنا اور کفالت سے کفیل کو بری کرنا محال علیہ کو حوالہ سے بری کرنا دراصل ان میں حق کفالت اور حق حوالہ سے بری کرنا ہوتا ہے۔

۳..... یہ کہ محل ابراء (وہ چیز جس سے بری کرنا مقصود ہو) ابراء کے وقت موجود ہو چنانچہ حق کے وجود سے قبل ابراء باطل ہے، مثلاً ایک شخص جو آپ کو قرضہ دینا چاہتا ہے وہ قرضہ سے تمہیں بری کر دے بنا برایں حنفیہ کے نزدیک بیوی خاوند کو مستقبل کے نان نفقہ سے بری الذمہ نہیں کر سکتی اسی طرح قبل از طلاق عدت کے نفقہ سے بھی بری نہیں کر سکتی، چونکہ ابراء اسقاط ہے اور جس چیز کے پائے جانے کی توقع ہو وہ فعلاً ساقط ہوتی ہے لہٰذا وہ اسقاط کو قبول نہیں کرتی۔

فقہاء نے دین کے وجوب حق سے قبل ابراء کے غیر صحیح ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے لا طلاق الا فی ما تملك ولاعتق الا فیما تملك طلاق صرف اسی عورت کو دے سکتے ہو جس کے تم مالک ہو اور اسی غلام کو آزاد کر سکتے ہو جس کے تم مالک ہو ابراء بھی ان دونوں کے معنی میں ہے۔

چہارم: شرائط صیغہ ابراء..... صیغہ ابراء کی چار شرائط ہیں:

۱..... یہ کہ ایجاب منجز ہو کسی شرط کے ساتھ معلق نہ ہو اور نہ ہی زمانہ مستقبل کی طرف منسوب ہو یہ شرط مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک معتبر ہے چونکہ ابراء میں تملیک کا معنی پایا جاتا ہے اور تملیک تعلیق کو قبول نہیں کرتی۔

کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا..... اگر ابراء کو کسی ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا ہے جو بالفعل موجود ہو تو یہ منجز کے حکم میں ہے اور اگر شرط ملائم ہو مثلاً مبری کہے: اگر میرا تمہارے اوپر دین ہو یا کہے: اگر میں مر گیا تو تم بری الذمہ ہو تو یہ شرط بالاتفاق جائز ہے اس کی دلیل ابوالیسر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ اگر وسعت پاؤ تو قرضہ چکا دو ورنہ تم بری الذمہ ہو اس پر تنکیر نہیں کی گئی۔ چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں اگر براء کفالہ یا حوالہ سے ہو اور دائن کفیل سے کہے اگر تم آئندہ کل دین کو پا لو تم کفالت سے بری ہو پھر اگر کفیل نے آئندہ کل دین کو پا لیا تو بری ہو جائے گا۔

اگر ابراء کو مدت پر معلق کیا تو حنیفہ اور حنابلہ کی رائے میں یہ تعلق صحیح ہے چونکہ یہ ابراء وصیت کے معنی میں ہوگا اور دین کے بری کرنے کی وصیت جائز ہے۔

اگر ابراء کو متعارف شرط پر معلق کیا تو حنفی مذہب میں یہ ابراء صحیح نہیں جب کہ بعض حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اگر تعلیق مذکورہ صورتوں کے علاوہ ہو تو جمہور کے نزدیک جائز نہیں چونکہ ابراء میں تملیک کا معنی ہے اور تملیکات تعلق کو قبول نہیں کرتیں البتہ تعلیق اسقاطات محضہ میں مشروع ہے مالکیہ نے مطلقاً تعلیق ابراء کو جائز قرار دیا ہے چونکہ ابراء میں اسقاط کا معنی ہے۔ ❶

تقیید بالشرط..... مذاہب اربعہ کے اتفاق کے ساتھ ابراء کو شرط صحیح کے ساتھ کرنا جائز ہے۔

جب کہ غیر صحیح شرط کے ساتھ مقید کرنا صحیح نہیں چنانچہ اگر کسی نے ابراء میں خیار شرط رکھا تو ابراء صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی اور جب ہر قسم

---

❶..... حدیث حسن رواہ ابو داؤد و الحاکم ورواہ ابن ماجہ عن المسور ۲ تکملہ فتح القدیر ۷/ ۴۱ الدرالمختار ۴/ ۱۷۶ تکملہ ابن عابدین ۲/ ۳۳۰ الفتاوی الھندیہ ۴/ ۳۷۸ البدائع ۶/ ۴۵ الدسوقی ۲/ ۳۰۷ فتح العلی المالک ۱/ ۲۲۹ الاشباہ والنظائر للسیوطی ۱۵۲ کشاف القناع ۳/ ۳۰۵ المغنی ۴/ ۴۸۳ مغنی المحتاج: ۲/ ۶۶

کے حق سے بری کردیا تو ابراء حق خیار کو بھی شامل ہوگا لیکن سقوط خیار کی نسبت سے ابراء صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی جو ابراء تملیک ہونے میں ہبہ سے کم درجہ رکھتا ہے۔

اگر ابراء کی نسبت مستقبل کی طرف کی اگر چہ موت کے علاوہ وقت متعین ہو تو یہ نسبت صحیح نہیں چونکہ ابراء میں اصل تنجیز ہے نیز ابراء بمعنی تملیک ہے اور تملیک نسبت وقت کا احتمال نہیں رکھتی۔

ادائے بعض کی شرط پر ابراء:

الف.....اگر ابراء مطلقا صادر ہو یعنی کوئی شرط ملحوظ نہ رکھی گئی ہو مثلاً مدیون دین کا اعتراف کرے اور دائن کہے: میں نے تمہیں دین یا تہائی دین سے بری کردیا۔ اور باقی مجھے دے دو ابراء بالاتفاق صحیح ہوگا چونکہ یہ ابراء منجز ہے معلق نہیں اور نہ ہی کسی شرط کے ساتھ مقید ہے نیز مبری خوشدلی سے اپنے حق کو ساقط کررہا ہے چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اپنے دین کا آدھا حصہ ساقط کرو۔

ب.....اگر ابراء بقیہ ادائیگی پر معلق ہو تو جمہور فقہاء کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے البتہ مالکیہ کے نزدیک جائز ہے۔

ج.....اگر ابراء بقیہ ادائیگی کے ساتھ مقید مثلاً یوں کہے: میں نے تمہیں پانچسو سے بری الذمہ کردیا بشرطیکہ تم بقیہ پانچ سو مجھے ادا کردو حنیفہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ ابراء جائز ہے چونکہ یہ بعض حق کی ادائیگی ہے اور بعض کا ابراء ہے۔

شافعیہ نے ابراء اور صلح کو جمع کرنے کی شرط لگائی ہے تا کہ ابراء صلح کی نوع بن جائے لیکن یہ ابراء محتاج قبول نہیں اس میں شافعیہ نے لفظ ابراء کی رعایت کی ہے۔

حنابلہ کے نزدیک ابرائے بعض کو بعض حق کی ادائیگی کے ساتھ مقید کرنا صحیح نہیں چونکہ بعض حق ہے بری کرنا بعض حق کی ادائیگی کے مقابلہ میں ہوتا ہے گویا مبری بعض حق کے بدلہ میں بعض حق کا معاوضہ دے رہا ہے۔ یہ تفصیل تب ہے جب بقیہ ادائیگی کی شرط ہو اور اگر تعجیل کی شرط کے ساتھ بعض حق سے بری کیا تو یہ جائز نہیں جیسا کہ شافعیہ کے ہاں حق سے چونکہ یہ جاہلی سود کے مشابہ ہے اگر مدیون نے بلاشرط ادائیگی میں تعجیل کردی اور دائن نے بقیہ حق سے اس کو بری کردیا تو یہ جائز ہے۔ ❶

۲۔ ایجاب شریعت کے منافی نہ ہو...... جیسے بیع صرف میں قبضہ کی شرط سے بری کرنا اور دوران عدت عورت کو حق سکنی سے بری کرنا چھوٹے بچے پر حاصل ولایت سے بری کرنا یہ ابراء صحیح نہیں چونکہ ہر وہ حکم جو شریعت کے تغیر تک پہنچادے وہ باطل ہے نیز رب تعالیٰ کے حکم کو متغیر کرنے کی کوئی شخص طاقت نہیں رکھتا۔

یہ بھی شرط ہے کہ ابراء کسی دوسرے شخص کے حق کو متغیر نہ کرتا ہو جیسے مطلقہ ماں کا اپنے بچے کی پرورش سے برائت ظاہر کرنا چونکہ یہ بچے کا حق ہے جو اس ابراء کے ذریعہ تبدیل کیا جارہا ہے۔

۳..... یہ کہ محل ابراء میں مبری کی سابقہ ملکیت چلی آرہی ہو چونکہ بغیر اجازت کے دوسرے انسان کی ملکیت میں تصرف کرنا صحیح نہیں ہوتا، یہ شرط متفق علیہ ہے اگر دوسرے کی ملکیت میں کوئی فضولی تصرف کردے تو اس کا تصرف موقوف ہوگا ورنہ غیر ملکیت کی بیع ہوگی جو ممنوع ہے۔

اگر سقوط حق یا ادائے حق کے بعد ابراء ہو یعنی دین ادا کر چکنے کے بعد ابراء حنفیہ کے نزدیک صحیح ہے چونکہ ساقط ہونے والی چیز مطالبہ ہے اصل دین ساقط نہیں ہوگا چنانچہ طرفین سے مطالبہ ساقط ہوگا اگر ذمہ میں دو دین واجب الذمہ ہوں تو دونوں دین مقاصد کے طریقہ سے ساقط

---

❶.....رواہ البخاری ومسلم عن زیاد بن ابی حدرد۔

ہوں گے چونکہ دیون بمثلہ ادا کئے جاتے ہیں جب ادا تے دین کے بعد دائن نے مدیون کو بری کر دیا تو مدیون نے جو مال ادا کیا ہو وہ دائن سے واپس لے سکتا ہے، بشرطیکہ جب دائن نے برات اسقاط کی ہو اگر براءت استیفاء کی ہو تو رجوع کا حق نہیں رہے گا برأت کی یہ اقسام عرف سے پہچانی جاسکتی ہیں اسی طرح اگر کسی دوسرے شخص نے مدیون کا قرضہ تبرعاً ادا کر دیا پھر دائن نے مدیون کو اسقاط کے طور پر بری کر دیا تو صاحب تبرع مبری سے مال واپس لے سکتا ہے، یہ حنفیہ کی رائے ہے اور حنابلہ نے ان کی اس میں موافقت کی ہے۔ ❶

۴...... یہ کہ ابراء محل ابراء کے وجوب حق کے بعد ہو یا ابراء کے سبب کے پائے جانے کے بعد ہو چونکہ ابراء ذمہ میں واجب حق کو ساقط کرنا ہے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وجود سبب سے پہلے ابراء غیر صحیح ہے۔ چونکہ جو چیز فعلا ساقط ہو اس کے اسقاط کا کیا معنی یوں ابراء محض ایک وعدہ ہوگا جو لازم نہیں وجود سبب کے بعد ابراء میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ مالکیہ کے علاوہ جمہور نے یہ شرط لگائی ہے کہ ابراء وجود سبب کے بعد ہوگا سبب سے قبل ابراء صحیح نہیں اس کی دلیل سابقہ حدیث ہے کہ جس چیز کا انسان مالک نہ ہو اس کی طلاق اور عتاق نہیں ہوتی ابراء طلاق اور عتاق کے معنی میں ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اس کی مثالیں یہ ہیں مثلاً قضاء اور فیصلہ سے قبل زوجہ کے نفقہ سے ابراء اور جو چیز آئندہ کل خریدنی متوقع ہو اس کے ثمن سے ابراء ان دونوں صورتوں میں ابراء صحیح ہیں چونکہ یہ ابراء وجود سبب سے قبل ہے جو صحیح نہیں۔

شافعیہ کے ہاں اس کی مثال یہ ہے جیسے وہ عورت جس کا خاوند دخول سے قبل مر جائے اور اس عورت کا مہر بھی مقرر نہ ہوا اور وہ دخول سے قبل اپنے مہر سے بری کر دے اسی طرح طلاق سے قبل متعہ (تھوڑا) سا ساز و سامان کپڑے چادر وغیرہ) سے ابراء، چونکہ ان چیزوں کا وجوب نہیں ہوا کہ ان سے بری کر دیا گیا فقہاء نے ایک صورت کو مستثنیٰ کیا ہے اس میں وجوب سے قبل ابراء صحیح ہے اور وہ یہ کہ کوئی شخص دوسرے کی ملکیت میں مالک کی اجازت کے بغیر کنواں کھود دے مالک اس تصرف سے اسے بری کر دے یا کنواں باقی رہنے پر رضامند رہے تو کنواں کھودنے والا کنویں میں گرنے والے سے بری الذمہ ہوگا اگر خریدار نے فروخت کنندہ کو مبیع کے ضمان سے بری کر دیا جو مبیع قبضہ سے پہلے تلف ہو چکی ہو تو ظاہر مذہب میں وہ بری نہیں ہوگا چونکہ خریدار نے فروخت کنندہ کو ایسی چیز سے بری کیا ہے جو ابھی واجب نہیں ہوئی۔ ❷

رہی بات مالکیہ کی سو وجود سبب سے قبل ابراء کے صحیح ہونے کے متعلق ان کے دو اقوال ہیں صحیح قول یہ ہے کہ ابراء صحیح ہوگا جیسے خریداری سے قبل شفیع شفعہ کو ساقط کر دے اس ابراء کے لازم ہونے میں مالکیہ کے دو اقوال ہیں۔

چوتھی بحث: محل ابراء...... محل ابراء تین قسم پر ہو سکتا ہے یا تو اعیان ہوں گی یا دیون ہوں گے یا حقوق۔

ابراء اعیان...... یا تو دعوائے عین سے ابراء ہوگا یا نفس عین سے ابراء ہوگا۔

اگر ابراء دعوائے عین سے ہو تو اس پر کلام ابرائے حقوق میں آئے گا یہ ابراء بالاتفاق صحیح ہے رہی بات نفس عین سے ابراء کی سو اس کا معنی ملکیت اعیان کو ساقط کرنا ہے اور یہ بالاتفاق صحیح نہیں، چونکہ اعیان (معین اشیاء) اسقاط کو قبول نہیں کرتی ہیں لہٰذا ان سے ابراء پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا لہٰذا بری کیا ہوا شخص اعیان کا مالک نہیں بنے گا بلکہ اعیان قابض کی ملکیت میں رہیں گی اور جو شخص بھی انہیں لینے میں کامیاب ہو وہی ان کا مالک ہوگا۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس تعبیر سے مراد یہ ہے کہ ابراء کے بعد حق دعویٰ ساقط ہو جائے گا۔ حنفیہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ حق دعویٰ باقی رہے گا۔

---

❶...... القواعد لابن رجب ۱۲۰۔ ❷ تکملة ابن عابدين ۱۸۲/۲ الدرالمختار وحاشية ابن عابدين ۴۹۵/۴ الدسوقی ۴۱۱/۳ القيلوبی ۳۲۷/۲ القواعد لابن رجب ۱۱۹۔

مالکیہ کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ قیمت عین کا مطالبہ ساقط ہوگا اگر عین ضائع ہو چکی ہو اور اگر موجود ہو تو قبضہ ختم کرنے کا مطالبہ ساقط ہوگا۔

نفس عین (معین چیز) سے ابراء کا حنفیہ کے نزدیک ایک اور اثر بھی ہے کہ جب عین مضمونہ ہو مثلاً غصب شدہ گھر جس کا ضمان دینا ہو تو ابراء کی صورت میں اس کا ضمان ساقط ہو جائے گا برابر ہے کہ عین مضمون ضائع ہو چکی ہو یا باقی ہو ابراء کے بعد عین غاصب کے پاس بطور امانت ہوگی۔ چنانچہ اگر عین موجود ہو تو ابراء دراصل اس کے ضمان سے ابراء ہوگا اور وہ عین امانت تصور ہوگی اور اس کا ضمان تعدی سے لازم آئے گا اور اگر عین ضائع ہو چکی ہو تو ابراء اس کی قیمت سے ہوگا۔

اور وہ معین اشیاء جو امانت ہوں ان سے بری کرنے کی کوئی وجہ نہیں چونکہ امانت میں رکھی اشیاء ذمہ میں واجب نہیں ہوتیں لہٰذا قاضی کے لیے جائز نہیں کہ برأت کے بعد دعویٰ کی سماعت کرے اگر چہ قضاء برأت صحیح ہوگی لیکن دیانۃ معتبر نہیں ہوگی یعنی مالک کے ہاتھ جب چڑھے اس پر قبضہ کرلے۔ رہی بات ان دیون کی وجہ ذمہ میں واجب ہوں ان سے ابراء بالاتفاق صحیح ہے چونکہ ابراء کا دارومدار ذمہ میں پائی جانے والے اشیاء کے اسقاط پر ہے۔

ابراء حقوق :الف.....اگر ابراء حقوق خالصہ سے ہو جیسے کفالہ اور حوالہ تو یہ ابراء بالاتفاق صحیح ہوگا۔

ب.....اگر ابراء خالص حقوق اللہ سے ہو جیسے حد زنا اور حد قذف اور حد سرقہ پھر اگر ابراء حاکم کے پاس قبضہ لے جانے کے بعد ہو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک تو ابراء صحیح نہیں ہوگا۔

ج.....اگر ابراء ایسے حقوق سے ہو جس میں بندے کا حق غالب ہو جیسے تعزیر قصاص دیت اور بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنے کا حق، حق انتفاع خیار عیب کی وجہ سے ملنے والا حق فسخ، مال ضائع ہونے پر تاوان اور ان کے علاوہ دیگر شخصی حقوق جو ذمہ میں ثابت ہوتے ہیں ان سے ابراء صحیح ہے، مدیون کے مرجانے کے بعد اس کو دین سے بری کرنا بالاتفاق صحیح ہے کیا یہ ابراء وارث کے رد کرنے سے رد ہو جائے گا؟ اس میں حنفیہ کے نزدیک اختلاف ہے۔

چنانچہ وہ حقوق جو اسقاط کو قبول نہیں کرتے حنفیہ کے نزدیک ان سے ابراء صحیح نہیں جیسے ہبہ میں رجوع کرنے کا حق وصیت میں رجوع کا حق چونکہ ان حقوق سے ابراء کے جواز میں شریعت کی تغیر ہے جو نا جائز ہے رجوع ہبہ میں جمہور کا اختلاف ہے۔

رویت مبیع کے خیار سے ابراء بھی صحیح نہیں اسی طرح وقف میں حق استحقاق اور حق ارث سے بھی رجوع کرنا صحیح نہیں۔

اب میں بعض مخصوص حقوق سے ابراء کے متعلق بحث کروں گا۔

ا۔ بیوی کے نفقہ سے ابراء...... بالاتفاق بیوی کے نفقہ (خرچہ) سے براءت کرنا صحیح نہیں یہاں تک کہ بیوی کا خرچہ ذمہ میں دین نہ بن جائے اور جب خاوند کے ذمہ میں بیوی کا خرچہ دین بن جائے اس سے ابراء صحیح ہوگا لیکن حنفیہ کے نزدیک وہ خرچہ جس کی بیوی مستحق ہو وہ اسی وقت دین واجب بنے گا جب قاضی کا فیصلہ ہو جائے یا میاں بیوی دونوں اس پر رضامندی کرلیں اگر خرچہ ماہ بماہ کا ہو اور مہینہ کے خرچہ سے ابراء صحیح ہے اسی طرح سال بھر کے خرچہ سے شروع سال میں برات کرنا صحیح ہے جب خرچہ سال بہ سال ہو اور اگر خرچہ یومیہ ہو تو پہلے دن سے خرچ کی برأت کر لینا صحیح ہے۔

۲۔ زوجین کے درمیان مبارات...... زوجین کے درمیان مبارات فسخ زواج ہوتا ہے، اور زواج پر مرتب ہونے والے حقوق کا اسقاط ہوتا ہے، مباراۃ پر حنفیہ کے نزدیک طلاق بائنہ کے ذریعہ زوجہ کی بینونت مرتب ہوتی ہے جیسے خلع مثلاً خاوند بیوی سے کہے میں نے ایک ہزار پر تمہارے ساتھ مباراۃ کرلی عورت کہے: میں نے قبول کرلی یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ بول دے اس کا معنی ہے میں نے تمہارے ساتھ

ایک ہزار روپے پر خلع کر لیا عورت کے ذمہ بدل مباراۃ دینا واجب ہوگا۔

۳۔حق دعویٰ سے ابراء...... دعویٰ سے ابراء یا تو عام ہوگا یا خاص۔ دعویٰ سے ابراء عام جو بمعنی اسقاط ہو یعنی مقدمہ بازی کے حق کو ساقط کرنا ہو تو یہ ابراء بالاتفاق جائز نہیں چونکہ یہ ابراء موجود وغیر موجود دونوں کو شامل ہوگا۔ اور ایسی چیز سے ابراء جس کے وجود کا سبب نہ پایا جائے وہ باطل ہے، لیکن دو شخصوں کے درمیان سابقہ دعاوی سے ابراء جو ابراء عام ہو تو وہ صحیح ہے۔ مثلاً کوئی شخص کہے: میں نے فلاں شخص کو سب دعاوی سے بری کر دیا۔

یا کہے: میرا فلاں شخص کے پاس کبھی کوئی حق نہیں۔ ❶

ابراء خاص جو معین دعویٰ سے ہو وہ بالاتفاق صحیح ہے چنانچہ اس موضوع پر بعد ازں مدعی کا دعویٰ قابل سماع نہیں ہوگا۔

بسا اوقات ابراء ضمناً حاصل ہوتا ہے اور یہ کسی عین سے ابراء ہوتا ہے حنفیہ کے نزدیک یہ ضمان یا دعویٰ ضمان سے ابراء ہوتا ہے جیسا کہ میں نے پہلے بیان کر دیا ہے۔

پانچویں بحث: ابراء کی انواع...... ابراء اسقاط کی مختلف اعتبارات سے مختلف تقسیمات ہیں: چنانچہ شمول اور عدم شمول کے اعتبار سے ابراء کی دو قسمیں ہیں خاص اور عام باعتبار زمانہ کے ابراء کی دو قسمیں ہیں ابراء ماضی اور ابراء مستقبل اور باعتبار صیغہ (ایجاب) کے بھی ابراء کی دو قسمیں ہیں ابراء اسقاط اور ابراء استیفاء۔

پہلی تقسیم: شمول اور عدم شمول کے اعتبار سے ابراء کی تقسیم...... ابراء کی دو قسمیں ہیں: خاص اور عام۔

ابراء عام...... یعنی ہر قسم کی عین دین اور حق سے ابراء حنفیہ کے نزدیک ہر قسم کے حق سے برأت ہو جائے گی اگر چہ حق غیر مالی ہو جیسے کفالت بالنفس قصاص، حد قذف، مال ثمن اور مال اجرت، اسی طرح غیر مالی بدل سے بھی برات ہو جائے گی جیسے مہر جنایت کا تاوان امانت اور عاریت سے بھی برأت ہو جائے گی۔

ابراء خاص...... رہی بات ابراء خاص کی سو یہ حق خاص کو شامل ہوتا ہے جو متعین ہو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ اپنے محل کے ساتھ مختص ہوتا ہے۔ چنانچہ جب دائن نے مدیون کو خاص دین سے بری کیا تو مدیون بری ہو جائے گا، اگر گھر، عین، یا امانت سے بری کیا تو برات ہو جائے گی۔

دوسری تقسیم: باعتبار زمانہ اور اشخاص...... ابراء کا اثر سابقہ تاریخ کو شامل ہوگا ابراء ہو جانے کے بعد والے دیون اور حقوق کو ابراء شامل نہیں ہوگا۔ چونکہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ابراء کے صحیح ہونے کے لیے سبب کا وجود شرط ہے چنانچہ فتاوی قاضی خان میں ہے سابقہ برات بعد میں لاحق ہونے والے دین میں عمل نہیں کرے گی۔

مبرا کے غیر پر ابراء کا اثر جیسے بائع خریدار کو بعض ثمن سے بری کر دے کے متعلق امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی رائے یہ ہے کہ شفیع ابراء سے استفادہ کر سکتا ہے لہٰذا ثمن کی جو مقدار بائع نے خریدار کے لیے ساقط کی ہو وہ شفیع کے حق میں بھی ساقط الاعتبار ہوگی اور بعض ثمن کی کمی اصل عقد کے ساتھ لاحق ہو جائے گی۔

حنابلہ اور شافعیہ کی رائے ہے کہ ابراء صحیح ہے اور ابراء سے صرف خریدار ہی مستفید ہوگا رہی بات شفیع کی سو وہ پورے ثمن دے یا شفعہ چھوڑ دے۔ ❷

---

❶...... المجلة ١٥٦٥۔ ❷فتح القدير والعناية ٥/٢٧١ الدسوقى ٢/٤٩٥ المغنى ٥/٣٢٣

تیسری تقسیم: باعتبار صیغہ کے......حنفیہ کے نزدیک باعتبار صیغہ کے ابراء کی دو قسمیں ہیں:

ا......ابراء اسقاط اور ۲......ابراء استیفاء ❶

ابراء اسقاط......ابراء اسقاط سے دین ذمہ سے ساقط ہوجاتا ہے مثلاً مبری کہے: میں نے ساقط کردیا میں نے کم کردیا یا کہے میں نے برأت اسقاط کردی برات اسقاط کبھی کل دین کی نسبت سے ہوتی ہے اور کبھی بعض دین کی نسبت سے۔

ابراء استیفاء......اس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں مبری اپنا حق وصول کر لینے کا اقرار کرتا ہے مثلاً یوں کہتا ہے کہ میں نے برأت استیفاء کردی اس برأت کے بعد مطالبہ کا حق نہیں رہتا۔

دونوں قسموں میں فرق یہ ہے کہ براۃ اسقاط کی صورت میں مدیون مبری پر رجوع کرسکتا ہے یعنی جو مال ادائیگی میں دیا ہے برات اسقاط کے بعد مدیون واپس لے سکتا ہے جب کہ برات استیفاء میں دائن پر رجوع نہیں کرسکتا اس سے یہ مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کی طلاق کو عورت کے مہر سے بری کرنے پر معلق کیا پھر خاوند نے مہر دے دیا تو تعلیق باطل نہیں ہوگی اور اگر عورت نے برات اسقاط کر دی تو طلاق واقع ہوجائے گی اور خاوند عورت سے مہر واپس لے سکتا ہے۔

دونوں قسموں کے اثر کی نسبت ابراء اسقاط دیون کے ساتھ خاص ہے۔ چونکہ اسقاط میں عبارت واضح ہے جب کہ یہ ابراء اعیان میں صحیح ہیں چونکہ اعیان میں اسقاط صحیح نہیں، جب کہ ابراء استیفاء دین اور عین دونوں میں صحیح ہے چونکہ ادائیگی کا اقرار جس طرح دین میں ہوتا ہے اسی طرح عین میں بھی ہوتا ہے۔

چھٹی بحث: ابراء کا حکم اور ابراء سے رجوع کرنے کا حکم

جب ابراء جملہ شرائط کے ساتھ صادر ہو تو اس کا حکم یعنی اس پر مرتب ہونے والا اثر یہ ہے کہ حق ساقط ہوجائے گا چنانچہ اگر ابراء خاص ہو تو مطالبہ حق جائز نہیں اور جن حقوق کو ابراء شامل ہوگا ان میں مبری کا دعویٰ قابل سماع نہیں ہوگا اگر ابراء عام ہو تو ابراء صادر ہونے کے وقت جمیع حقوق کو شامل ہوگا البتہ ابراء کے بعد جو حقوق وجود میں آئیں ابراء انھیں شامل نہیں ہوگا۔

حنیفہ اور حنابلہ کے نزدیک ابراء ہوجانے کے بعد مبری کا عدول اور رجوع قابل قبول نہیں ہوگا شافعیہ کے نزدیک بھی راجح یہی ہے کہ رجوع قبول نہیں ہوگا۔ چونکہ موہوب چیز سے واہب کی ملکیت زائل ہوجاتی ہے۔ ❷

اسی طرح مالکیہ کے نزدیک قبول کے بعد ابراء سے رجوع کرنا جائز نہیں، جب کہ مالکیہ کے ظاہر مذہب میں قبول شرط ہے ❸ جیسے ہبہ میں رجوع کرنا جائز نہیں۔

حنیفہ نے ابراء کے اثر یعنی عدم سماع دعویٰ سے مندرجہ ذیل مسائل کو مستثنیٰ کیا ہے۔ ❹

ا......ضمان درک کا دعویٰ جو ابراء کی بیع سابق میں ہو چونکہ اگر بیع ابراء سے پیشتر ہو اور اس کے اثر کو شامل ہو تو ضمان درک بیع سے متاخر ہوگا۔ ضمان درک سے مراد: مبیع کو ممکنہ پیش آمدہ حقوق سے سلامت قرار دینا ہے اور اگر بیع میں کوئی حق ظاہر ہوجائے تو اس کا تاوان ادا کرنا ہے۔

سلامت قرار دینا ہے اور اگر مبیع میں کوئی حق ظاہر ہوجائے تو اس کا تاوان ادا کرنا ہے۔

۲......نابالغ کا کوئی حق ظاہر ہوجائے جس کا قبل ازیں کوئی علم نہ ہو جب کہ وصی نے ابراء عام کا اعلان کیا ہو بایں طور کہ وصی نے نابالغ کا

❶......الدر المختار وردالمحتار: ۱۷۶/۴۔ ❷ تکملہ ابن عابدین ۱۸۲/۲ الاشباہ والنظائر للسیوطی ۱۵۲ کشاف القناع ۳۴۶/۴۔ ❸ الفروق ۱۱/۲۔ ❹ تنبیہ ذی الافھام لابن عابدین ۹۱/۲

پورا اتر کہ قبضہ میں لے لیا۔

۳.....وصی کا میت کے لیے دین کا دعویٰ کرنا بعد اس کے کہ وہ اپنے پورے مال کی ادائیگی کا اقرار کر چکا ہو۔

۴.....وارث کا مورث کے لیے دین کا دعویٰ کرنا جب کہ وہ قبل ازیں جمیع مال کا اقرار کر چکا ہو۔

ان مسائل کے استثناء کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ایسا خفاء طاری ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مبری اپنے دعویٰ میں معذور ہوتا ہے جب کہ ابراء عام اس کی طرف سے صادر ہو چکا ہوتا ہے۔

ملحوظ رہے کہ حق دعویٰ کا ساقط ہونا بسبب ابراء صرف حنفیہ کے نزدیک قضاءً ہے دیانۃً نہیں۔ چنانچہ اگر مبری اپنے حق پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو تو قبضہ کرے۔ ❶

شافعیہ کہتے ہیں دینا میں ابراء آخرت میں بھی معتبر ہے ❷ مالکیہ کے دو اقوال ہیں ظاہری قول یہ ہے کہ ابراء مطلقا دنیا و آخرت کے احکام کو شامل ہوگا چنانچہ رب تعالیٰ اس پر کسی سے مواخذہ نہیں لیگا۔

مالکیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ مبرا سے اللہ تعالیٰ کا مطالبہ ساقط نہیں ہوتا۔ ❸

ابراء عام کے بعد سماع دعویٰ......ابراء کے بعد دعویٰ مسموع نہیں ہوگا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، لیکن حنفیہ نے اس موضوع میں تفصیل کی ہے ❹ چنانچہ کہتے ہیں: اگر دین سے ابراء عام ہو تو اس کے بعد دعویٰ مسموع نہیں ہوگا ہاں البتہ ابراء کے بعد کوئی نیا دین ہو تو اس کے متعلق دعویٰ مسموع ہوگا۔

اگر عین (معین چیز) سے ابراء ہو تو اس کے بعد دعویٰ مسموع نہیں ہوگا بشرطیکہ مدعی علیہ منکر ہو چونکہ مدعی کا دعویٰ انکار کے موافق ہوا۔ البتہ اگر مدعی علیہ اقرار کرتا ہو کہ عین (معین چیز) مدعی کی ہے لیکن مدعی علیہ مدعی کے ابراء کا سہارا لیتا ہو پھر اگر عین موجود ہو تو ابراء کے بعد دعویٰ مسموع ہوگا اور اگر عین ضائع ہو چکی ہو تو اس کا ابراء اس ضائع شدہ چیز کے ضمان سے ہوگا لہٰذا ابراء کے بعد دعویٰ قابل سماع نہیں ہوگا جیسے دین میں ابراء کے بعد دعویٰ قابل سماع نہیں۔

ابراء کے بعد اقرار کا اثر......اگر دین سے ابراء عام صادر ہوا ہو تو اس کے بعد دین کے اقرار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جیسا کہ حنفیہ اور مالکیہ نے اس کی وضاحت کی ہے ❺ چونکہ دین ابراء سے ساقط ہو چکا اور جو چیز ساقط ہو جائے وہ اپنے وجود میں دوبارہ نہیں لوٹتی۔

ابراء بالعوض......حنفیہ کے نزدیک عوض لے کر ابراء، مال کے بدلہ میں صلح ہے۔ ❻

شافعیہ نے ابراء میں عوض دینے کو جائز قرار دیا ہے، مثلاً مدیون دائن کو ابراء کے بدلہ میں کچھ ساز و سامان دے دے چنانچہ دائن دیئے گئے عوض کا مالک بن جائے گا۔ اور مدیون دین سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ اگر مدیون نے دائن کو دین کا کچھ حصہ دیا کہ بقیہ دین سے اس کو بری کر دے تو یہ عوض نہیں قرار پائے گا بلکہ دائن نے اپنے کچھ حصہ پر قبضہ کیا ہے جو اس کا حق ہے اور باقی دین مدیون کے ذمہ واجب الاداء ہوگا مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک یہ ابراء باطل ہو جائے گا۔ جیسا کہ صیغہ کی شرائط میں گزر چکا ہے۔ ❼

پندرہویں فصل......استحقاق

اس فصل کے ذیل میں ان امور پر گفتگو کی جائے گی، استحقاق کی تعریف، استحقاق پر مرتب ہونے والا اس کا حکم یعنی فسخ اور رجوع،

---

❶......الدر المختار وردالمحتار ۴/۴۹۵ تکملة ابن عابدين ۲/۱۸۲۔ ❷ حاشية قليوبی وعميره ۲/۳۲۷۔ ❸الدسوقی ۳/۴۱۱۔ ❹اعلام الاعلام للعابدين ۲/۱۰۰۔ ❺ اعلام الاعلام ۲/۱۰۱، الدسوقی ۳/۴۱۱۔ ❻ الدر المختار ۴/۴۹۵۔ ❼حاشية الجمل على شرح المنهج ۳/۳۸۱ طبع احياء التراث۔

معاملات یعنی بیع، مقایضہ، رہن، قسمت، صلح، اجارہ، مساقات، مزارعت وغیرھا میں استحقاق کا حکم، مہر، بدل خلع، وصیت اور وقف میں استحقاق کا حکم، قربانی کے جانور اور ہدی میں استحقاق کا حکم۔ اس فصل میں تین مباحث ہیں:

۱.....استحقاق کی تعریف اور حکم۔

۲.....معاملات میں استحقاق کے اثرات۔

۳.....قربانی کے جانور اور ہدی میں استحقاق کا حکم۔

پہلی بحث: استحقاق کی تعریف اور اس کا حکم:

استحقاق لغت میں..... استحقاق کا لغوی معنی طلب حق ہے۔ سین اور تاء طلب کے لئے آتے ہیں البتہ المصباح میں ہے:

استحق فلان الامر استوجبه فالامر مستحق (اسم مفعول)

یعنی فلاں شخص اس معاملہ کا مستحق ٹھہرا، گویا استحقاق کا شرعی معنی لغوی معنی کے موافق ہے۔

فقہی تعریف..... ظهور كون الشيء حقا واجبا للغير بالفاظ ويقضى له القاضى بملكيته وانتزاعه عن يد حائزة یعنی کسی چیز کی ملکیت پر کسی شخص کا دعویٰ جو پائے ثبوت کو پہنچ جائے اور قاضی اس کی ملکیت کا فیصلہ کردے اور دوسرے کے قبضہ سے نکال کر اس کا حق اسے سونپ دے گویا یوں کہا جائے کہ کسی چیز میں دوسرے شخص کا حق ثابت ہو جانا استحقاق ہے۔

مالکیہ نے استحقاق کی تعریف یوں کی ہے۔ هو رفع ملك شي بثبوت ملك قبله یعنی کسی چیز میں پہلے سے ثابت شدہ ملک کی وجہ سے فی الحال ملک کے اٹھا دینے کا نام استحقاق ہے۔

فسخ عقد کے اعتبار سے استحقاق کی دو قسمیں ہیں۔ ❶

۱۔ **بالکلیہ مبطل ملک**.....اس کا حاصل یہ ہے کہ جس چیز میں استحقاق کا ثبوت ہوا ہے اس میں مدعی کے علاوہ کسی اور کا کوئی حق باقی نہیں رہتا جیسے عتق اور حریت اصلیہ۔ اس قسم کا حکم یہ ہے کہ قاضی کے فیصلہ کے بغیر ہی عقد فسخ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فروخت کنندگان میں سے ہر ایک کو حق حاصل ہے کہ وہ ثمن واپس لے لے، اگر غلام نے گواہ پیش کر دیئے کہ اصلاً آزاد ہے یا یہ کہ وہ فلاں شخص کا غلام تھا اس نے اسے آزاد کر دیا تو خریدار فروخت کنندہ سے ثمن واپس لے سکتا ہے، پھر فروخت کنندہ اپنے بائع پر رجوع کر سکتا ہے۔

۲۔ **انتقال ملکیت**.....یعنی استحقاق سے ملکیت ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ یہ صورت غالب الوقوع ہے۔ مثلاً زید نے دعویٰ کیا کہ خالد کے قبضہ میں فلاں چیز میری ملکیت ہے۔ اس نے دعویٰ پر گواہ بھی پیش کر دیئے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ عقد فسخ ہو جائے گا چونکہ استحقاق کی اس قسم سے خریدار کی ملکیت باطل نہیں ہوتی، بلکہ مستحق کی اجازت یا اس کے فسخ پر موقوف ہوتی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جب تک خریدار فروخت کنندہ سے ثمن واپس نہ لے اس وقت تک عقد فسخ نہیں ہوگا۔ ظاہر الروایۃ میں ہے کہ خریدار اور فروخت کنندہ کی باہمی رضامندی سے عقد فسخ ہو جائے گا۔

خریدار اول اسوقت فروخت کنندہ پر رجوع کرے گا جب خریدار ثانی خریدار اول (بائع ثانی) پر رجوع کرے تاکہ دونوں ثمن یعنی ثمن اور مبیع ملک واحد میں جمع نہ ہوں۔

استحقاق کا حکم قابض کو شامل ہوگا جس چیز کے متعلق دعویٰ کیا گیا ہو قابضین سے لی جائے گی، استحقاق کا حکم اسی طرح قابض کے متعلق کو

---

❶.....الدر المختار ورد المحتار ۴/۱۹۹۔

بھی شامل ہوگا، صاحب الدر کہتے ہیں: حکم استحقاق قابض کو بھی شامل ہوگا اور قابض کے متعلق کو بھی شامل ہوگا۔ اگر وہ اس کا مورث ہی کیوں نہ ہو اس طرح معاملہ دوسرے ورثاء تک بھی متعدی ہوگا۔

مستحق کا حق کو ثابت کرنا...... اگر استحقاق گواہوں سے ثابت ہو جائے تو خریدار فروخت کنندہ سے ثمن واپس لے سکتا ہے، چونکہ گواہ حجت متعدیہ ہوتے ہیں ان کا اثر کافتہ الناس کے حق میں ظاہر ہوتا ہے جبکہ گواہ حجت معتبرہ قاضی کے فیصلہ سے بنتے ہیں یہاں تک کہ سبھی لوگوں کے حق میں قاضی کا فیصلہ ولایت عامہ کے تحت نافذ ہو جاتا ہے۔

البتہ اگر خریدار کے اقرار سے استحقاق ثابت ہو یا مقدمہ کے وکیل سے استحقاق پایۂ ثبوت کو پہنچے تو پھر رجوع کا حق نہیں ہوگا چونکہ اقرار حجت قاصرہ ہے جو صرف مقر کے حق میں موثر ہے اور دوسرے تک متعدی نہیں ہوتی چونکہ اقرار کی صورت میں ولایت معدوم ہے۔ [1]

تناقض دعویٰ...... تناقض دعویٰ سے مراد یہ ہے کہ دعویٰ میں پہلے کلام کچھ ہو اور بعد میں کچھ تناقض کی صورت میں عین اور منفعت میں ملکیت ثابت نہیں ہوگی۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ وہ اس کا بھائی ہے اور پھر اس سے خرچے کا مطالبہ کیا، مدعی علیہ نے کہا: یہ میرا بھائی نہیں ہے پھر مدعی مرگیا اور اپنے پیچھے ترکہ چھوڑا اب مدعی علیہ نے آ کر میراث کا مطالبہ کرنا چاہا اگر مدعی علیہ نے کہا کہ میت میرا بھائی تھا اس کا یہ دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا چونکہ اس کے کلام میں تناقض ہے۔

البتہ اگر کلام اول کسی دوسرے شخص کے لیے کوئی حق ثابت نہ کر رہا ہو تو ملک کا دعویٰ ممنوع نہیں ہوگا مثلاً مدعی کہے: اہل شہر میں سے کسی پر میرا کوئی حق نہیں پھر اہل شہر میں سے کسی پر دعویٰ کر دے تو اس کا دعویٰ صحیح ہوگا۔

اسی طرح تناقض ایسے دعویٰ کے مانع نہیں ہوگا جس کا سبب مخفی ہو جیسے نسب، طلاق، حریت، مثلاً خریدار نے پیک میں لپیٹا ہوا کپڑا خریدا پھر دعویٰ کیا کہ یہ کپڑا میرا ہے جب کہ اس نے کپڑے کا عام اعلان نہ کیا ہو چنانچہ اس کا دعویٰ قبول کیا جائے گا۔

نسب کی مثال...... مثلاً کسی شخص نے غلام فروخت کیا پھر خریدار نے آگے کسی اور کو فروخت کر دیا پھر پہلے فروخت کنندہ نے دعویٰ کر دیا کہ وہ غلام اس کا بیٹا ہے، دعویٰ قبول ہوگا جب کہ پہلی اور دوسری خریداری باطل ہو جائے گی چونکہ نسب کا دارومدار علوق پر ہوتا ہے جو مخفی ہے لہٰذا یہاں تناقض میں مدعی کو معذور تصور کیا جائے گا۔

طلاق کی مثال...... اگر خاوند کے ورثہ کے ساتھ اس کی بیوی بھی خاوند کے ترکہ کی حصہ دار بنے جب کہ ورثاء نے اس عورت کی زوجیت کا اقرار کیا ہو اور پھر اس بات پر گواہ پیش کر دیں کہ خاوند نے اسے طلاق دے دی تھی اور حالت صحت میں تین طلاقیں دی ہیں۔ ورثہ عورت سے ترکہ میں لیے ہوئے حصے کو واپس لے سکتے ہیں۔

حریت کی مثال...... فروخت کنندہ یا خریدار گواہ پیش کر دے کہ فروخت کنندہ نے خرید کردہ غلام کو بیع سے پہلے آزاد کر دیا تھا، مدعی کا قول قبول کر لیا جائے گا چونکہ تناقض عتق کا احتمال رکھتا ہے۔

دوسری بحث، مختلف معاملات میں استحقاق کا حکم

اول...... عقد بیع اور مقایضہ میں استحقاق۔

مقایضہ میں استحقاق کا اثر...... اگر بدل بیع میں استحقاق ثابت ہوا مثلاً گاڑی کے ساتھ گھر خریدا پھر گاڑی میں استحقاق ثابت ہوا اور گھر شفعہ کے ذریعہ لے لیا گیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا اور فروخت کنندہ شفیع سے گھر واپس لے سکتا ہے چونکہ بیع مقایضہ میں استحقاق کی وجہ

---

[1] الدر المختار ۴/۲۰۳۔

سے بیع باطل ہو چکی۔ ❶

بیع میں استحقاق کا اثر......اس میں تفصیل ہے اور مختلف آراء ہیں۔

حنفیہ کی رائے...... ❷ مبیع کے کچھ حصہ میں استحقاق ثابت ہو:

الف.....اگر قبضہ سے پہلے معقود علیہ (خرید کردہ سامان) کے کچھ حصہ میں استحقاق (کسی دوسرے کا حق) ثابت ہو اور صاحب حق (مستحق) نے بیع کی اجازت نہ دی تو بقدر استحقاق بیع باطل ہو جائے گی چونکہ یہ واضح ہو چکا کہ بقدر استحقاق معقود علیہ فروخت کنندہ کی ملکیت نہیں تھا۔ جب کہ مالک کی طرف سے اجازت بھی نہیں ہے۔لہٰذا بیع باطل ہو جائے گی۔ بقیہ معقود علیہ میں خریدار کو خیار حاصل ہوگا اگر اس حصہ کے ثمن سے راضی ہو اگر چاہے تو بیع رد کر دے خواہ بقیہ حصہ میں عیب آئے یا نہ آئے، برابر ہے کہ قبضہ کیے ہوئے حصے کا استحقاق ثابت ہو یا غیر مقبوض حصے کا۔ چونکہ جب مستحق اپنے حصہ کی بیع سے رضامند نہیں ہوا تو خریدار کا صفقہ (سودا) متفرق ہو گیا جب کہ عقد ابھی تمام نہیں ہوا نیز تفریق صفقہ سے خیار واجب ہوتا ہے۔

ب.....اگر معقود علیہ کے کچھ حصہ پر قبضہ کر لیا تھا پھر استحقاق ثابت ہوا یا کل معقود علیہ پر قبضہ کرنے کے بعد استحقاق ثابت ہوا تو استحقاقی حصہ میں بیع باطل ہو جائے گی پھر کل معقود علیہ کو دیکھا جائے گا چنانچہ اگر استحقاق سے بقیہ معقود علیہ میں عیب پیدا ہو جائے مثلاً معقود علیہ شئے واحد تھی جیسے گھر، گاڑی یا جانور وغیرہ تو بقیہ مقعود علیہ میں خریدار کو خیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو اپنے حصہ کے بقدر ثمن سے راضی رہے اگر چاہے تو بیع رد کر دے چونکہ اعیان (معین اشیاء) میں شراکت عیب تصور ہوتا ہے۔

اگر بقیہ حصہ میں استحقاق سے عیب نہ آتا ہو مثلاً معقود علیہ دو چیزوں کی صورت میں ہو جیسے دو جانور، یا معقود علیہ مکیلی چیز ہو جیسے گندم جو وغیرہ یا موزونی ہو جیسے تیل، پٹرول وغیرہ ان میں استحقاق ثابت ہوا تو خریدار کو بقیہ حصہ کے ثمن لازم ہو جائیں گے چونکہ ان اشیاء کی جز و بندی میں کسی کا کوئی نقصان نہیں۔لہٰذا خریدار کو رد بیع کا خیار نہیں حاصل ہوگا۔

خلاصہ......اگر مبیع کے کچھ حصہ میں استحقاق ثابت ہوا تو مشتری پر تفریق صفقہ لازم ہو جائے گا اگر چاہے تو بقیہ مبیع پر قبضہ کر سکتا ہے ورنہ بیع رد کر دے، اگر خریدار نے پوری مبیع پر قبضہ کر لیا ہو اور پھر استحقاق ثابت ہوا اور تجزی سے کسی کا نقصان بھی نہ ہوتا ہو تو اس صورت میں خریدار کو خیار حاصل نہیں ہوگا بلکہ بقیہ حصے کے ثمن ادا کر کے اس پر قبضہ کرے۔

۲۔کل مبیع کا استحقاق......اگر مدعی استحقاق نے کل مبیع میں اپنی ملکیت ثابت کر لی اور اور اس کے حق میں فیصلہ بھی کر دیا گیا تو بیع فسخ نہیں ہوگی بلکہ صاحب استحقاق کی اجازت پر موقوف ہوگی اگر بیع کی اجازت دیدی تو مبیع خریدار کا حق ہوگی اور مستحق فروخت کنندہ سے مبیع کے ثمن وصول کر لے، اس صورت میں بائع وکیل کے درجہ میں ہوگا چونکہ بعد میں ملنے والی اجازت سابقہ وکالت کے حکم میں ہوتی ہے، اور اگر مستحق نے بیع کی اجازت نہ دی بلکہ مبیع پر قبضہ کر لیا تو بیع فسخ ہو جائے گی، ظاہر الروایۃ کے مطابق باہمی رضامندی سے فسخ ہوگی، فروخت کنندہ خریدار کو ثمن واپس کرنے کا پابند ہوگا۔

لیکن اگر موقوف چیز میں استحقاق ثابت ہوا، اور متولی نے موقوف چیز کی وقفیت ثابت کر دی تو بیع حتمی طور پر فسخ ہو جائے گی چونکہ یہ اختیار کسی کو حاصل نہیں کہ وہ موقوف چیز کی بیع کی اجازت دے۔

ثمن واپس لینے کی شرائط......خریدار کے بائع پر ثمن میں رجوع کرنے کی تین شرائط ہیں۔

ا.....یہ کہ استحقاق سے مبیع کی ملکیت منتقل ہو رہی ہو یعنی مستحق مطلق ملک کا دعویدار ہو یا اس کی ملکیت کی تاریخ خریداری کی تاریخ سے

---

❶.....الدر المختار ۲۱۱/۴. ❷ البدائع ۲۸۸/۵، فتح القدیر ۱۷۵/۵.

پہلے کی ہو چنانچہ اگر مستحق نے ایک مہینا سے مبیع میں ملکیت ہونے کا دعویٰ کیا جب کہ خریدار نے مبیع ایک سال قبل خرید رکھی ہو تو اس صورت میں مستحق فروخت کنندہ پر رجوع نہیں کریگا چونکہ استحقاق خریدار کی ملکیت میں پیدا ہوا ہے یہ کہ فروخت کنندہ کی ملکیت میں۔

۲......یہ کہ خریدار اور مستحق آپس میں اس بات پر صلح نہ کریں کہ خریدار حصہ استحقاق کے بقدر مستحق کو ثمن دے یگا اور مبیع پر قبضہ کرلے گا چونکہ اس صورت میں خریدار نے بائع سے ثمن لینے کا حق صلح کر کے خود ہی باطل کر دیا۔ لہٰذا رجوع نہیں کر سکتا۔ ہاں البتہ اگر صلح اس بات پر مکمل ہوئی کہ مبیع خریدار کے پاس رہے گی اور اس کے مقابلہ میں خریدار مستحق کو کوئی چیز دے گا تو اس صورت میں حق رجوع ساقط نہیں ہوگا۔

۳......یہ کہ استحقاق سے قبل فروخت کنندہ نے خریدار کو ثمن سے بری نہ کیا ہو۔ اور اگر فروخت کنندہ نے خریدار کو ثمن سے بری کر دیا ہو تو خریدار کو رجوع کا حق نہیں رہے گا چونکہ خریدار نے بائع کو کوئی چیز نہیں دی اب رجوع کیوں کرے گا۔

قبضہ مبیع سے قبل دعوائے استحقاق کی شرط......مبیع پر قبضہ سے پہلے استحقاق کا دعویٰ قابل سماع نہیں ہوگا یہاں تک کہ فروخت کنندہ اور خریدار فیصلے کے لئے قاضی کے پاس حاضر نہ ہو جائیں، چونکہ خریدار کو ملکیت حاصل ہوتی ہے اور بائع کو قبضہ حاصل ہوتا ہے جب کہ مدعی استحقاق دونوں پر دعویٰ کر رہا ہوتا ہے لہٰذا ان دونوں کے خلاف فیصلے کے لیے شرط یہ ہے کہ خریدار اور فروخت کنندہ دونوں حاضر ہوں۔

اگر مشتری کے قبضہ کے بعد استحقاق مبیع کا دعویٰ کیا گیا تو صرف خریدار کو حاضر کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا فروخت کنندہ کا حاضر ہونا شرط نہیں، البتہ خریدار حق رکھتا ہے کہ مقدمہ میں ثالث کے طور پر فروخت کنندہ کو حاضر کرے، چونکہ فروخت کنندہ کے ساتھ رجوع کا علاقہ تو قائم ہے ❶ رہی بات بیع کے زوائد کی جیسے بچہ، سو اگر مستحق گواہوں سے اپنا حق ثابت کر دے تو بچے کو بھی لے سکتا ہے چونکہ گواہ سبھی لوگوں کے حق میں حجت مطلقہ ہوتے ہیں لیکن قاضی کا فیصلہ اس میں شرط ہے اور اگر استحقاق کا اثبات خریدار کے اقرار سے ہوا ہو یا انکار سے ہوا ہو تو مستحق بچے کا حقدار نہیں ہوگا چونکہ اقرار صرف مقر کے حق میں حجت ہوتا ہے۔ ❷

۳۔ احتباس مبیع کا استحقاق......اگر یہ ظاہر ہو جائے کہ استحقاق مبیع بائع کے علاوہ کسی اور شخص کے پاس رہن یا اجارہ ہونے کی وجہ احتباس میں ہے اور استحقاق گواہوں سے ثابت ہو تو اس میں تفصیل ہے۔

الف......اگر مرتہن اور مستاجر نے بیع کو اجازت دے دی تو رہن اور اجارہ فسخ ہو جائے گا اور مبیع کے ثمن اس کی جگہ رہن ہو جائیں گے، مرتہن حق رکھتا ہے کہ مبیع کو روک لے حتیٰ کہ ثمن پر قبضہ کر لے، مستاجر بھی مبیع کو روک سکتا ہے بقیہ مدت کی اجرت اسے واپس ہو جائے، اگر اجرت پیشگی دی ہو۔ ❸

ب......اگر مرتہن اور مستاجر بیع کی اجازت نہ دیں تو بیع فسخ نہیں ہوگی البتہ مبیع مرتہن یا مستاجر کے قبضہ میں رہے گی، خریدار کو خیار دیا جائے گا کہ انتظار کرے یہاں تک کہ رہن کو خلاصی مل جائے اور اجارہ کی مدت ختم ہو جائے یا چاہے بیع فسخ کر دے اور دیئے ہوئے ثمن واپس لے لے۔

مالکیہ کی رائے ❹ اگر کوئی انسان دوسرے کے پاس کسی چیز کا مستحق ٹھہرے اور مشروع طریقہ سے اس کا استحقاق ثابت ہو تو استحقاق دو صورتوں سے خالی نہیں ہوگا یا تو استحقاق کچھ حصہ میں ثابت ہوگا یا کل میں۔

اگر استحقاق کچھ حصہ میں ثابت ہو تو مستحق بقدر استحقاق خریدار پر رجوع کرے گا اور وہ پوری چیز پر رجوع کا حق نہیں رکھتا۔

اگر استحقاق کل چیز میں ثابت ہو پھر اگر اس میں کوئی تغیر نہ آیا ہو تو مستحق اس پر قبضہ کر سکتا ہے اور خریدار ثمن کے معاملہ میں بائع پر رجوع

---

❶......الدر المختار ۴/۲۰۷۔ ❷ الدر المختار ۴/۲۰۴۔ ❸ انظر المادہ ۵۹۰ و ۷۴۷ من المجلۃ ❹ بدایۃ المجتھد ۲/۳۲۰ الدسوقی ۳/۴۷۰۔

کرے اور اگر ایسا تغیر آ جائے جس سے قیمت مختلف ہو جاتی ہو تو خریداری کے دن کی قیمت سے رجوع کرے گا۔
اور اگر اضافہ کی وجہ سے چیز (مبیع) میں تغیر آ جائے تو دیکھا جائے گا کہ اضافہ اگر بذات خود اسی چیز سے متصل ہو تو مستحق اسے لے سکتا ہے مثلاً جانور فربہ ہو گیا یا جانور سے پیدا ہونے والا بچہ بڑا ہو گیا۔
اگر اضافہ خریدار کی طرف سے ہو مثلاً خریدار نے زمین میں گھر بنا لیا یا گھر میں کمرہ بنا لیا تو مستحق کو اختیار دیا جائے گا چاہے تو اضافہ کی قیمت دے کر کل پر قبضہ کر لے چاہے تو استحقاقی حصہ کے بقدر خریدار سے قیمت وصول کر لے، یا پوری مبیع میں دونوں شریک ہوں۔ چنانچہ مستحق اپنے استحقاقی حصہ کے بقدر اور خریدار بقیہ حصہ کے بقدر شریک ہوگا۔ یہی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے۔
اور اگر نقصان کی وجہ سے مبیع متغیر ہو جائے تو پھر اگر تغیر قابض کی طرف سے سرزد نہ ہوا ہو تو خریدار پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔ اگر خریدار کی طرف سے نقصان ہوا ہو مثلاً اس نے گھر کو گرا دیا اور ملبہ فروخت کر دیا پھر استحقاق ثابت ہوا تو مستحق خریدار سے رجوع کرے گا۔

شافعیہ کی رائے...... (۱) اگر بعض مبیع میں استحقاق ثابت ہوا اور بعض میں استحقاق ثابت نہ ہو تو اس میں خیار صفقہ حاصل ہوگا، حنفیہ کے نزدیک ظاہری قول یہ ہے کہ تفریق صفقہ میں بیع کی تجزی کی جائے گی اور ہر جزو مبیع کو اس کا حکم ملے گا۔ خریدار حصہ مستحق کے بقدر فروخت کنندہ سے ثمن واپس لے۔
اگر کل مبیع میں استحقاق ثابت ہو تو خریدار فروخت کنندہ سے کل ثمن واپس لے، برابر ہے کہ عقد کے وقت استحقاق کا اسے علم ہو یا علم نہ ہو چونکہ مبیع سے خریدار کا قبضہ زائل ہو چکا اور بیع فسخ ہو چکی۔
اگر قبضہ سے پہلے مبیع میں استحقاق ثابت ہوا تو مستحق خرید کردہ چیز کا مطالبہ نہیں سکتا چونکہ حقیقۃ اس پر قبضہ نہیں ہوا اسی طرح اگر منتقل کرنے سے قبل کہ چیز کو فروخت کر دیا اور دوسرے خریدار نے اس چیز کو منتقل کیا تو مستحق پہلے خریدار سے مطالبہ نہیں کر سکتا چونکہ خریدار اول سے حقیقۃ مبیع پر قبضہ نہیں کیا۔ اگر بائع نے مبیع خریدار کے روبرو رکھ دی اور پھر مبیع میں استحقاق نکل آیا تو خریدار اس کا ضامن نہیں ہوگا یعنی اس کے متبادل کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، چونکہ خریدار کے روبرو مبیع کا رکھ دینا بیع صحیح میں قبضہ شمار کیا جاتا ہے نہ کہ بیع فاسد میں۔
اگر خریدار نے ملکیت کا بائع کے حق میں اعتراف کر لیا اور پھر مبیع میں استحقاق ثابت ہوا تو خریدار فروخت کنندہ سے ثمن واپس لے چونکہ خریدار نے بظاہر قبضہ کو دیکھ کر اعتراف کیا ہے۔
اگر خریدار کے اعتراف سے مبیع میں استحقاق ثابت ہو یا قسم سے انکار کرنے کی وجہ سے استحقاق ثابت ہو تو خریدار فروخت کنندہ پر رجوع نہیں کر سکتا چونکہ خریدار نے اعتراف کر کے کوتاہی کی ہے یہ رائے حنفیہ کے موافق ہے۔
اگر گواہوں سے مبیع میں استحقاق ثابت ہو یا خریدار اور فروخت کنندہ نے مدعی کی تصدیق کر دی تو خریدار بائع پر رجوع کرے اور اس سے ثمن واپس لے اگر ثمن باقی ہوں اور اگر ثمن فروخت کنندہ نے خرچ کر دیئے ہوں تو ثمن کا متبادل واپس لے۔

حنابلہ کی رائے...... (۲) اگر بیع میں استحقاق ثابت ہو جائے خریدار بائع پر رجوع کرے گا ثمن اور عمارت یا باغ وغیرہ کے لگانے میں جو خرچہ ہو وہ بائع سے وصول کرے، چونکہ درحقیقت فروخت کنندہ نے خریدار کو دھوکا دیا ہے کہ زمین اس کی ملکیت ہے، البتہ خریدار نے جانور پر جو خرچہ کیا ہو یا زمین کا ٹیکس ادا کیا ہو وہ فروخت کنندہ سے واپس نہیں لے سکتا چونکہ خریدار ضمان کے خرچ کا پابند ہے چونکہ عقد بیع اس بات کا مقتضی ہے کہ مبیع پر خرچہ کرے، مستحق کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ بلا ضمان زمین سے درخت اور عمارت اکھاڑ ڈالے۔
حنابلہ کی عبارت کچھ اس طرح سے ہے، اگر خریدار نے زمین میں عمارت کھڑی کر دی پھر زمین مستحق نے لے لی اور عمارت کو منہدم کر دیا

(۱)...... المهذب ۱/۲۹۹، مغني المحتاج ۲/۴۰، اسنى المطالب ۲/۳۴۹۔ (۲) كشاف القناع ۳/۲۱۶ طبع مكة۔

تو ملبہ خریدار کا حق ہے چونکہ یہ خریدار کا مال ہے، تلف شدہ مالک کی قیمت بائع سے وصول کرے چونکہ فی الواقع بائع نے خریدار کو دھوکا دیا ہے۔ شیخ تقی نے صورت مذکورہ کو اس حالت کے ساتھ مقید کیا ہے کہ جب خریدار کو علم ہو ورنہ دھوکا دہی نہیں ہوگی فی الجملہ یہ رائے خسارہ میں عوض دلانے کی اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔

دوم: عقد رہن میں استحقاق.....حنفیہ کی رائے ❶ رہن رکھ لینے کے بعد اگر مرہون چیز کے کچھ حصہ میں استحقاق ثابت ہو تو بقیہ کو دیکھا جائے گا۔

الف.....اگر بقیہ مرہون رہن رہنے کے قابل ہو تو اس بقیہ حصہ میں رہن فاسد نہیں ہوگا۔

ب.....اگر بقیہ مرہون ایسی ہو کہ ابتداء اس کا رہن رکھنا ممکن نہ ہو تو کل رہن فاسد ہو جائے گا، جیسے رہن شائع میں استحقاق ثابت ہو جائے تو وہ رہن فاسد ہوگا چونکہ جب بعض رہن میں استحقاق ثابت ہوا تو یہ واضح ہو گیا کہ استحقاقی حصہ میں عقد رہن صحیح نہیں تھا جب کہ رہن کا اطلاق تو بقیہ حصہ میں ہوگا اور بقیہ حصہ شائع کے حکم میں ہے لہٰذا رہن فاسد ہوگا چونکہ حنفیہ کے نزدیک شیوع صحت رہن کے منافی ہے۔

مالکیہ کی رائے.....❷ اگر مرہون چیز کے کچھ معین حصہ میں استحقاق ثابت ہو جائے تو بقیہ مرہون پورے قرضہ کے بدلہ میں رہن رہے گی۔ اگر غیر معین رہن میں استحقاق ثابت ہو تو راہن مرتہن کو استحقاقی حصہ کا متبادل دے گا اگر پورے رہن میں استحقاق ثابت ہو اور اگر استحقاق رہن پر قبضہ کرنے سے پہلے ثابت ہو تو مرتہن کو اختیار دیا جائے گا کہ بغیر رہن کے عقد کو نافذ رکھے یا عقد کو فسخ کر دے، اگر قبضہ کے بعد استحقاق ثابت ہو تو دین بغیر رہن کے باقی رہے گا الا یہ کہ اگر دھوکا کی صورت ہو تو مرتہن کو فسخ اور عدم فسخ میں اختیار دیا جائے گا۔ جس شخص نے زمین یا جانور رہن میں رکھا اور پھر زمین یا جانور میں کوئی شخص مستحق ٹھہرا اور زمین یا جانور کو مرتہن کے پاس رہنے دیا پھر اسی اثناء میں رہن تلف ہو گیا تو مرتہن ضامن نہیں ہوگا چونکہ مرہون چیز استحقاق کی وجہ سے رہن ہونے سے خارج ہو گئی اور مرتہن محض امین کے درجہ میں رہا لہٰذا استحقاقی حصہ کا ضامن نہیں ہوگا البتہ بقیہ حصے کا ضامن ہوگا۔

شافعیہ کی رائے.....❸ اگر رہن رکھی ہوئی مبیع میں استحقاق ثابت ہو تو خریدار راہن پر رجوع کرے گا۔ چونکہ مبیع راہن کی ملکیت ہے گویا تمام تر ذمہ داری راہن پر عائد ہوگی اور ضمان اسی کو دینا پڑے گا۔ اگر خریدار کسی تیسرے عادل شخص جس کے پاس رہن بطور حفاظت رکھا گیا ہو پر رجوع کرے تو اس پر رجوع کرنا جائز ہے چونکہ شئے مرہون پر اسی کا قبضہ ہوتا ہے۔

حنابلہ کی رائے.....❹ اگر مرتہن نے رہن پر قبضہ کر لیا پھر اس میں استحقاق پایا تو مرتہن پر لازم ہے کہ رہن مالک کو واپس کر دے رہن سرے سے باطل ہوگا اور اگر رہن مبیع میں استحقاق ثابت ہو تو خریدار راہن پر رجوع کرے گا چونکہ مبیع راہن کی ملکیت ہے لہٰذا ذمہ داری اسی پر عائد ہوگی اس صورت میں تیسرے عادل شخص پر رجوع نہیں کیا جائے گا۔

سوم: استحقاق قسمت.....❺ حنفیہ کی رائے ❻ اگر معین چیز (جیسے گھر وغیرہ) جس میں تقسیم کا عمل ہوا ہو اس میں استحقاق ثابت ہو جائے تو ظاہر مذہب میں تقسیم باطل ہو جائے گی اور یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حقیقت میں تقسیم صحیح نہیں ہوئی، اگر مقسوم شئے کے کچھ حصہ میں استحقاق ثابت ہو تو استحقاقی حصہ میں تقسیم باطل ہوگی۔

مالکیہ کی رائے: ❼ (الف).....شرکائے تقسیم کے قبضہ میں مقسوم چیز کل میں اگر استحقاق ثابت ہو تو تقسیم فسخ ہو جائے گی اور شراکت

---

❶.....البدائع ۶/ ۱۴۱۔ ❷الخرشی ۵/ ۲۸۸ الشرح الکبیر ۳/ ۲۳۸۔ ❸ مغنی المحتاج: ۲/ ۱۳۵۔ ❹المغنی ۵/ ۳۹۷ کشاف القناع ۳/ ۳۳۴۔ ❺ قسمت سے مراد تقسیم ہے یعنی شرکاء کے درمیان مشترک چیز جوان کے حصص کے بقدر تقسیم کر دی جائے اس میں استحقاق ثابت ہو تو اس کا کیا حکم ہے۔ ❻ البدائع ۷/ ۲۴۔ ❼ الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳/ ۵۱۴

داری حسب سابق لوٹ آئے گی۔

(ب).....اگر شرکائے تقسیم میں سے کسی ایک شریک کے حصہ میں نصف یا تہائی حصہ کے بقدر استحقاق ثابت ہو تو مستحق کو اختیار دیا جائے گا کہ بقیہ پر قبضہ کرلے اور رجوع کا حق نہیں ہوگا یا چاہے تو شریک سے رجوع کرے اور استحقاق کے بقدر حصہ لے لے۔

(ج).....اگر استحقاق کسی ایک شریک کے حصہ میں سے چوتھائی کے بقدر ثابت ہو تو مستحق کو اختیار حاصل نہیں ہوگا تقسیم باقی رہے گی اور ٹوٹے گی نہیں مستحق کو استحقاقی حصہ کی نصف قیمت کا حق ہوگا بقیہ نصف کے متعلق شریک پر رجوع نہیں کرے گا۔

شافعیہ کی رائے..... ❶ اگر تقسیم کے بعد تقسیم شدہ مال کے کچھ مشاع حصہ میں استحقاق ثابت ہوا جیسے چوتھائی یا تہائی حصہ تو تقسیم باطل ہو جائے گی بقیہ حصہ میں شافعیہ کے دو اقوال ہیں اظہر قول یہ ہے کہ تقسیم صحیح ہوگی اور خیار ثابت ہو جائے گا چونکہ تقسیم کا مقصد باقی نہیں رہتا، اور وہ یہ ہے کہ ہر شریک کا حصہ دوسرے کے حصے سے ممتاز ہو جائے۔

ب.....اگر دو حصوں میں استحقاق ثابت ہوا جو برابر برابر ہو تقسیم باقی رہے گی چونکہ ہر شریک کو اس کا حق مل چکا۔

ج.....اگر دو حصوں کا استحقاق برابر نہ ہو مثلاً ایک شریک کے ہاں استحقاق کا حصہ زیادہ ہو اور دوسرے کے ہاں کم ہو تو کل میں تقسیم باطل ہو جائے گی چونکہ بقیہ حصہ حق کے بقدر نہیں رہتا بلکہ ایک شریک دوسرے شریک پر رجوع کا حق رکھے گا اور شیوع واپس لوٹ آئے گی۔

حنابلہ کی رائے..... ❷ اگر شرکاء آپس میں تقسیم کرلیں پھر کسی ایک کے معین حصہ میں استحقاق ثابت ہوا تو تقسیم باطل ہو جائے گی چونکہ برابری کا تصور فوت ہو جائے گا یعنی شرکاء کے حصے برابر نہیں رہیں گے لہٰذا تقسیم باطل ہو جائے گی۔

(ب).....اگر دو حصوں میں استحقاق برابر برابر ہو مثلاً دو شریکوں نے آپس میں زمین تقسیم کرلی، پھر کسی معین حصہ میں دونوں کے حق میں برابر برابر استحقاق ثابت ہوا تو بقیہ زمین میں تقسیم باطل نہیں ہوگی جیسا کہ شافعیہ کے ہاں مقرر ہے۔ چونکہ تقسیم کا معنی ہر حصہ کو جدا جدا کرنا ہے جب کہ یہاں بھی ہر حصہ جدا کر دیا گیا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے تقسیم کی ہوئی دو چیزیں ہوں اور ان میں سے کسی ایک میں استحقاق ثابت ہو۔

(ج).....اگر استحقاقی حصہ ایک شریک کے حصہ میں زائد ہو اور دوسرے شریک کے حصہ میں کم ہو یا ایک شریک کا نقصان زیادہ ہو اور دوسرے کا کم ہو جیسے راستے کی دیوار یا پانی کی نالی وغیرہ تو تقسیم باطل ہو جائے گی چونکہ برابری فوت ہے۔

اسی طرح استحقاقی حصہ اگر شرکاء کے حصص میں مشاع ہو تب بھی تقسیم باطل ہو جائے گی چونکہ تیسرا شریک اس تقسیم پر راضی نہیں اور نہ ہی اس پر تقسیم کا حکم بھی لاگو نہیں ہوگا۔

چہارم: استحقاق صلح.....حنفیہ کی رائے ❸ اگر مال پر صلح کرلی پھر مدعی کے پاس مقبوضہ چیز میں استحقاق ثابت ہوا تو صلح درست نہیں ہوگی چونکہ یہ واضح ہو چکا کہ وہ عوض جس پر صلح کی گئی ہے وہ مصالح کی ملکیت نہیں یہ صلح صحیح ہونے کی شرط ہے۔

(ب).....اگر صلح اقرار کے ساتھ ہو۔ اور پھر محل صلح میں استحقاق ثابت ہو تو مدعی علیہ حصہ استحقاقی کے بقدر دیئے ہوئے عوض کو واپس لے سکتا ہے چونکہ یہ صلح مطلق معاوضہ ہے جیسے بیع، اور اگر کل مصالح علیہ میں استحقاق ثابت ہو تو مدعی علیہ کل مصالح علیہ واپس لے سکتا ہے۔

(ج).....اگر صلح سکوت یا انکار کے ساتھ ہو اور متنازع فیہ میں استحقاق ثابت ہو جائے تو مدعی مستحق پر مقدمہ چلائے چونکہ اب مستحق مدعی علیہ کے قائم مقام ہوا۔ مدعی عوض واپس کرے گا چونکہ مدعی نے مقدمہ سے جان چھڑانے کے لئے مال خرچ کیا تھا جب متنازعہ فیہ میں استحقاق ثابت ہو گیا تو معلوم ہوا کہ اس میں خصومت نہیں ہوگی، لہٰذا عوض بغیر کسی غرض کے باقی رہ جائے گا مدعی علیہ واپس لے لے جیسے

---

❶.....مغنی المحتاج ۴/۴۲۵۔ ❷ کشاف القناع ۶/۳۷۶ ط مکۃ۔ ❸ البدائع ۶/۴۸ تکملۃ فتح القدیر مع العنایہ ۷/۲۹۔

مکفول عنہ کفیل کو مال دے تاکہ دائن سے دفاع کرسکے پھر مکفول عنہ بذات خود دین ادا کردے تو وہ کفیل سے مال واپس لے گا چونکہ اب غرض باقی نہیں رہی۔

مالکیہ کی رائے: ❶

الف: مدعی کے قبضہ میں موجود چیز میں استحقاق...... اگر ایک شخص نے دوسرے پر کسی چیز کا دعویٰ کیا جیسے گھوڑے کا دعویٰ کر دیا، مدعی علیہ نے اقرار کیا پھر کسی قیمی چیز جیسے کپڑا کے ساتھ مدعی سے صلح کرلی یا مثلی چیز جیسے گیہوں پر صلح کرلی پھر بدل صلح میں استحقاق ثابت ہوا تو اگر بعینہ وہ چیز ضائع نہ ہوئی ہو تو مدعی اس میں رجوع کرسکتا ہے اگر مقر بہ چیز فوت ہوچکی ہو تو مدعی عوض میں رجوع کرے گا یعنی اگر قیمی ہو تو قیمت لے اور اگر مثلی ہو تو مثلی لے۔

ب...... مدعی علیہ کے قبضہ میں جو چیز ہو اس میں استحقاق پیدا ہو مثلاً ایک شخص نے دوسرے پر گھوڑے کا دعویٰ کیا کہ وہ اس کی ملک ہے مدعی علیہ نے انکار کردیا اور پھر مدعی کے ساتھ کسی قیمی چیز پر صلح کرلی اور وہ چیز مدعی کے سپرد بھی کردی پھر گھوڑے میں استحقاق ثابت ہوا تو مدعی علیہ جو کہ منکر ہے مدعی پر رجوع کرے اور بدل صلح میں جو چیز دی ہے واپس لے، بشرطیکہ وہ چیز فوت نہ ہوئی ہو اور اگر وہ فوت ہوچکی ہو تو پھر اگر قیمی ہو تو قیمت واپس لے اور اگر مثلی ہو تو اس کی مثل واپس لے۔

اور اگر مدعی علیہ کے پاس جو چیز ہو اور صلح اقرار کے ساتھ ہوئی ہو اس چیز میں استحقاق ثابت ہو تو مقر مدعی پر رجوع نہیں کریگا چونکہ اس نے اعتراف کردیا کہ یہ اس کی ملکیت ہے اور اس نے ظلماً یہ چیز ہتھیائی ہے۔

اگر کسی شخص نے کوئی سامان خریدا اور اسے علم ہو کہ یہ چیز فروخت کنندہ کی صحیح ملکیت ہے پھر خریدار کے پاس اس میں استحقاق ثابت ہوا تو وہ بائع پر رجوع نہیں کرسکتا چونکہ خریدار کو اس چیز کا علم ہے کہ مستحق اس چیز کو لینے میں ظالم ہے۔

شافعیہ کی رائے...... ❷ اگر کسی شخص نے دوسرے ساتھ گھر پر صلح کرلی اور بدل صلح میں کوئی معین چیز دی پھر اس چیز میں استحقاق ثابت ہو تو عقد فسخ ہوجائے گا اگر تلف کی وجہ سے واپسی متعذر رہو تو جس قدر اس چیز کی قیمت کم ہوئی ہے اس کے بقدر گھر کے حصہ میں رجوع کرے، یہ ایسا ہی ہے جیسے گھر کو فروخت کردے۔

حنابلہ کی رائے...... ❸ اگر مدعی علیہ نے عوض کے ساتھ گھر پر صلح کرلی پھر عوض میں استحقاق ثابت ہوا تو مدعی گھر میں رجوع کریگا چونکہ اقرار کے ساتھ صلح درحقیقت بیع ہے جب عوض میں استحقاق ثابت ہوچکا تو بیع فاسد ہوگی اور جو اس کا حق تھا اس میں رجوع کرے۔

یہ قصاص پر صلح کرنے کے برخلاف ہے چونکہ قصاص پر صلح بیع نہیں ہوتی چنانچہ اگر کسی عمدہ سامان کے ساتھ قصاص پر صلح کی پھر وہ سامان استحقاق نکلا تو قصاص کا دعویدار اس سامان کی قیمت سے رجوع کرے۔

اگر صلح انکار کے ساتھ ہو اور عوض میں استحقاق ظاہر ہو تو مدعی اپنے دعویٰ کی طرف رجوع کرے چونکہ صلح کا باطل ہونا ظاہر ہوچکا۔

پنجم: اجارہ میں استحقاق:

حنفیہ کی رائے...... ❹ اگر کسی شخص نے اپنا گھر اجرت پر دیا پھر گھر میں استحقاق ثابت ہوا اور مستحق نے اجارے کی اجازت دے دی پھر اگر اجازت منافع حاصل کرنے سے پہلے دی ہو تو اجرت مالک کا حق ہے چونکہ معقود علیہ موجود ہے اور اگر عقد کی اجازت منافع حاصل

---

❶ الشرح الكبير مع الدسوقي ۳/۴۷۰ الشرح الصغير ۳/۶۲۲۶. ❷ اسنی المطالب ۲/۲۱۸. ❸ المغنی ۵/۵۹۳.
❹ البدائع ۴/۱۷۷

کرنے کے بعد ہو تو اجارہ جائز نہیں اور اجرت عاقد کی ہوگی چونکہ اجازت معدوم ہے اس کے بعد عقد باقی نہیں رہے گا۔

اگر اجازت کچھ مدت گزرنے کے بعد ہو تو اجرت ساری کی ساری امام ابو یوسف کے نزدیک مالک کی ہوگی جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ گزری مدت کی اجرت غاصب کی ہوگی اور بقیہ مدت کی اجرت مالک کی ہوگی۔

مالکیہ کی رائے...... ❶ اگر زمین اجرت پر دی اور زمین شبہ کی حالت میں ہو اور اجرت کی مدت سالوں یا مہینوں کے حساب سے ہو جب کہ بعض مدت گزر چکی ہو اور پھر کھیتی کے بعد زمین میں استحقاق ثابت ہو تو مستحق کو اختیار دیا جائے گا چاہے بقیہ مدت کا اجارہ فسخ کردے چاہے بقیہ مدت کی اجازت دے، جو مدت گزر چکی اس کی اجرت میں سے مستحق کو کچھ بھی نہیں ملے گا چونکہ مستاجر غلہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا۔

شافعیہ کی رائے...... ❷ شافعیہ کے مذہب میں بظاہر اجرت پر دی ہوئی چیز کا استحقاق تلف کی بمثل ہے، شافعیہ کے نزدیک گھر کو منہدم کرنے سے اجارہ فسخ ہو جاتا ہے چونکہ قبضہ یا وصولی سے قبل معقود علیہ کی منفعت فوت ہو چکی ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے قبضہ سے پہلے مبیع تلف ہونے سے بیع فسخ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر اجرت پر دی ہوئی چیز معین ہو تو استحقاق سے اجارہ فسخ ہو جائے گا چونکہ معقود علیہ فوت ہو جائے گا۔

حنابلہ کی رائے...... ❸ اگر اجارہ کسی معین چیز کا ہو مثلاً کسی شخص نے سواری کے لیے اونٹ اجرت پر لیا پھر اس اونٹ میں استحقاق ثابت ہوا تو عقد باطل ہو جائے گا مواجر پر متبادل لازم نہیں ہوگا۔ اگر اجارہ ذمہ میں واجب کسی چیز پر واقع ہو پھر اس میں استحقاق نکلے تو عقد باطل ہو جائے گا اور مواجر پر متبادل لازم ہوگا چونکہ معقود علیہ ذمہ میں واجب ہے اور غیر متعین ہے۔

ششم: مساقات اور مزارعت میں استحقاق...... حنفیہ کی رائے ❹ اگر باغ میں استحقاق ثابت ہوا تو کاشتکار اجرت مثل سے رجوع کرے گا بشرطیکہ باغ میں پھل آئے ہوں۔ ورنہ اس کے لئے اجرت نہیں ہوگی۔ اگر باغات میں پھل نہ آئے اور استحقاق ظاہر ہوا تو کاشتکار کو اجرت نہیں ملے گی چونکہ مزارعت کی صورت میں کاشتکاری کے بعد اور اناج نکلنے سے پہلے اگر استحقاق ثابت ہو جائے تو مزارع کے لئے اجرت نہیں ہوتی اسی طرح مساقات بھی ہوگا۔

اگر کھیتی میں غلہ ظاہر ہو جائے تو استحقاق ثابت ہونے پر کاشتکار کھیتی کی قیمت کا حقدار ہوگا۔

مالکیہ کی رائے...... ❺ اگر باغ میں استحقاق ثابت ہو جائے تو عقد مساقات فسخ ہو جائے گا مستحق کو اختیار ہے چاہے عقد فسخ کر دے چاہے کاشتکار کو باقی رکھے چونکہ یہ ظاہر ہو چکا کہ عاقد فی الواقع مالک نہیں ہے اگر عقد فسخ کر دیا تو اناج اور پیداوار مستحق کا حق ہے۔ بنابریں کاشتکار کو اس کے کام کے حساب سے اجرت مثل ملے گی یہاں تک کہ کاشتکار کا نقصان نہ ہو۔

شافعیہ کی رائے...... ❻ اگر کاشتکار کے کام کے بعد یا اس پہلے پھل کا ظہور ہوا جب کہ باغ میں استحقاق ثابت ہوا مثلاً مالک نے باغ کے کچھ درختوں کی وصیت کر دی تھی یا کچھ درختوں میں استحقاق ثابت ہوا تو کاشتکار کو اجرت مثل ملے گی چونکہ کاشتکار کا منافع فوت ہو چکا لہٰذا اسے اس کا متبادل ملے گا۔ یہ تب ہے کہ جب کاشتکار حقیقت حال سے ناواقف ہو اگر حقیقت حال سے واقف ہو تو اسے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

---

❶......الشرح الكبير مع الدسوقي ٣/ ٤٦٣ ـ ❷معني المحتاج ٢/ ٣٥٥ ـ ❸المغني ٥/ ٤٣٢ ـ ❹الدر المختار مع ردالمحتار ٥/ ٢٠١ ـ ❺ الدسوقي ٣/ ٥٤٧ الخرشي ٦/ ٢٦١ بداية المجتهد ٢/ ٢٣١ ـ ❻ معني المحتاج ٢/ ٣٣١

حنابلہ کی رائے...... ❶ اگر کاشتکار نے درختوں کو پانی وغیرہ دیا اور کام کے بعد درختوں میں استحقاق ثابت ہوا تو مستحق درخت بمعہ پھل لے سکتا ہے چونکہ یہ بعینہ اس کا مال ہے پھل میں کاشتکار کا کوئی حق نہیں ہوگا چونکہ کاشتکار نے کاشتکاری کا عمل مالک کی اجازت کے بغیر کیا ہے اس پر اسے اجرت نہیں ملے گی نیز غاصب کو بھی اجرت نہیں ملے گی چونکہ اس نے عامل کو دھوکا دیا ہے اور اس سے کام لیتا رہا ہے ہاں البتہ کاشتکار کی اجرت مثل غاصب کے ذمہ واجب ہوگی۔

ہفتم: عقد نکاح میں استحقاق:

مہر میں استحقاق حنفیہ کی رائے...... ❷ اگر مہر کوئی معین چیز ہو جیسے گھر اور سپرد کرنے سے پہلے اس میں استحقاق ثابت ہو جائے تو مہر کا تقرر صحیح ہوگا اور خاوند پر گھر کی قیمت واجب ہوگی جو مہر میں دے چونکہ استحقاق کی وجہ سے بعینہ گھر کو سپرد کرنا دشوار ہے تاہم مہر مثل واجب نہیں ہوگا۔

اگر نصف گھر میں استحقاق ثابت ہوا تو بقیہ گھر میں عورت کو اختیار دیا جائے گا اگر چاہے تو عیب کی وجہ سے گھر واپس کر دے اور خاوند سے اس کی قیمت کا مطالبہ کرے چونکہ حصہ داری املاک میں عیب تصور ہوتی ہے، اگر چاہے نصف گھر اپنے قبضہ میں رکھے اور بقیہ نصف کی خاوند سے قیمت وصول کرے اور اگر خاوند نے دخول سے قبل طلاق دے دی تو مہر میں بس یہی نصف گھر اسے ملے گا۔

مالکیہ کی رائے...... ❸ اگر مہر پر عورت نے قبضہ کر لیا ہو اور پھر اس میں استحقاق ثابت ہو یا کوئی عیب پایا جائے تو عورت خاوند سے اس کی قیمت وصول کرے مہر مثل کا مطالبہ نہیں کر سکتی جیسا کہ حنفیہ کے ہاں ہے چونکہ اعلیٰ طبقاتی نکاح میں مہر مہر مثل سے دوگنا اور دس گنا زیادہ ہوتا ہے۔ حنبلی مذہب میں یہ بھی ہے کہ عورت مہر مثل لے گی ایک قول یہ بھی ہے کہ قیمت اور مہر مثل میں سے جو کم ہوگا وہ لے گی۔

شافعیہ کی رائے...... ❹ اگر خاوند نے عورت کے ساتھ نکاح مال مغصوبہ یا شراب کے ساتھ کیا تو ظاہری مذہب میں مہر مثل واجب ہوگا چونکہ نکاح صحیح ہے اور جو چیز مہر میں مقرر کی ہے وہ فاسد ہے چونکہ مال مغصوب خاوند کی ملکیت نہیں چونکہ فی الواقع وہ خاوند کے علاوہ کسی اور کا حق ہے جب کہ شراب مسلمان کے حق میں مال نہیں ہوتا۔

حنابلہ کی رائے...... ❺ اگر کسی معین چیز کے ساتھ عورت سے نکاح کیا جیسے گھر، چنانچہ گھر میں استحقاق ثابت ہوا تو عورت اس گھر کی قیمت کی حقدار ہوگی، چونکہ عقد گھر پر واقع ہوا ہے لہٰذا اس کی قیمت واجب ہوگی۔ نیز عورت گھر کی قیمت پر راضی بھی ہے بخلاف اس کے کہ اگر خاوند نے کہا: میں نے تجھ سے اس مغصوب گھر پر نکاح کیا تو عورت مہر مثل کی حقدار ہوگی چونکہ فی الواقع وہ بغیر کسی مہر کے نکاح کرنے پر راضی ہے چونکہ عورت کو اتنا تو معلوم ہے کہ مغصوب گھر پر وہ قبضہ نہیں کر سکتی لہٰذا اس کی مالک بھی نہیں بن سکتی، لہٰذا مہر مقرر کیا ہی نہیں گیا۔

اگر مہر کے کچھ حصہ میں استحقاق ثابت ہو جائے تو عورت کو اس پوری چیز کی قیمت لینے میں اور استحقاقی حصہ کی قیمت بمعہ بقیہ لینے میں اختیار دیا جائے گا چونکہ ملک میں شراکت داری عیب سمجھا جاتا ہے لہٰذا عورت کو مہر کے فسخ کا حق حاصل ہے جس طرح عیب میں فسخ بیع کا حق ہوتا ہے۔

خلاصہ...... جمہور کے نزدیک اگر مہر میں استحقاق ثابت ہوا اور مہر معین چیز ہو تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔
جب کہ شافعیہ مہر مثل کے وجوب کے قائل ہیں۔

❶......المغنی ۳۸۱/۵۔ ❷ البدائع ۲۷۸/۲ فتح القدیر: ۴۵۵/۲۔ ❸ بدایۃ المجتہد ۲۸/۲ الخرشی ۲۹۶/۳۔ ❹ مغنی المحتاج ۲۲۵/۳۔ ❺ المغنی ۵۸۹/۶ غایۃ المنتہی ۶۰/۳۔

۲: استحقاق بدل خلع ..... حنفیہ کی رائے (۱) اگر عورت نے کسی معین چیز پر خلع لیا پھر وہ معین چیز (بدل خلع) میں استحقاق ثابت ہوا تو عورت کو اس کی قیمت لازم ہوگی چونکہ اس معین چیز کو بدل خلع کے طور پر خاوند کو سپرد کرنا متعذر ہے چونکہ اس میں استحقاق ثابت ہو چکا ہے۔

مالکیہ کی رائے ..... (۲) اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ کسی معین قیمی چیز مثلاً کپڑا پر خلع کیا پھر اس کپڑے میں استحقاق پیدا ہوا تو عورت خاوند کو کپڑے کی قیمت دے گی اور خلع کے دن کپڑے کی جو قیمت ہوگی وہ دے گی۔ اگر کسی مثلی چیز پر خلع ہوا ہو تو عورت پر اس کی مثل لازم ہوگا، یہ اس وقت ہے جب میاں بیوی دونوں کو علم نہ ہو کہ بدل خلع حقیقت میں کسی دوسرے کی ملکیت ہے۔ اگر دونوں کو علم ہو تو خاوند کو کچھ نہیں ملے گا اگر بدل خلع قیمی چیز ہو اور استحقاق سے دونوں لاعلم ہوں تو معین قیمی چیز کی قیمت میں رجوع کریں گے، اور جو چیز ذمہ میں واجب ہو اس کی مثل سے رجوع کریں گے اور اگر عورت کو استحقاق کا علم ہو اور خاوند لاعلم ہو پھر اگر بدل خلع کوئی معین چیز ہو تو خلع نہیں رہے گا اور اگر بدل خلع ذمہ میں واجب ہو تو بقدر استحقاق رجوع کرے گا۔

غصب کی ہوئی چیز اور چوری کی ہوئی چیز بھی استحقاق کے حکم میں ہے۔ چنانچہ خاوند اس چیز کی قیمت عورت سے لے گا اگر وہ چیز معین ہو، اور اگر ذمہ میں واجب ہو تو اس کی مثل لے گا۔

شافعیہ کی رائے ..... (۳) اگر خاوند نے کسی معین چیز مثلاً گھر پر خلع کیا پھر وہ چیز قبضہ سے پہلے تلف ہوگئی یا اس میں استحقاق ثابت ہوا تو خاوند عورت کو وہ چیز واپس کردے یا اس چیز کی مشروط صفت مفقود ہو تو وہ چیز واپس کردے اور عورت سے مہر مثل بدل خلع میں لے۔ عورت کے پاس خلع کا عوض ایسا ہی ہوتا ہے جیسے مہر خاوند کے قبضہ میں، یہ ضمان عقد کے حکم میں ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمان ید ہے۔

حنابلہ کی رائے ..... (۴) اگر معین عوض کے ساتھ مرد نے عورت کے ساتھ خلع کیا پھر اس معین عوض میں استحقاق ثابت ہوا اور یہ واضح ہوگیا کہ خلع کا عوض عورت کی ملکیت نہیں تو خلع صحیح ہوگا چونکہ خلع ملک بضع کا معاوضہ ہوتا ہے اور عوض فاسد ہونے سے خلع فاسد نہیں ہوتا جیسے مہر فاسد ہونے سے نکاح فاسد نہیں ہوتا۔ لیکن خاوند عورت سے عوض کی قیمت لے گا۔

ششم: وصیت اور وقف میں استحقاق:

حنفیہ کی رائے: (۵) موصی بہ کے استحقاق کا حکم..... (۶) اگر کسی شخص نے وصیت کی کہ اس کا گھر فروخت کیا جائے اور اس کے ثمن میں ملنے والی رقم مسکینوں پر صرف کی جائے پھر وصی (منتظم وصیت) نے گھر فروخت کردیا اور ثمن پر قبضہ بھی کرلیا پھر گھر میں استحقاق ثابت ہوا (یعنی گھر میں کسی دوسرے شخص کا حق نکلا) تو وصی ضامن ہوگا چونکہ وہی عاقد ہے تمامتر ذمہ داری اس پر عائد ہوگی چونکہ خریدار صرف اسی صورت میں ثمن دینے پر راضی ہوا تھا جب اسے مبیع سپرد کی جاتی حالانکہ مبیع اسے سپرد نہیں کی گئی گویا فروخت کنندہ نے دوسرے کا مال اس کی رضامندی کے بغیر لے لیا۔ لہٰذا اصلی مالک وہ واپس کرنا واجب ہے پھر وصی میت کے ترکہ میں رجوع کرے گا چونکہ وصی ترکہ کا منتظم ہے۔ لہٰذا وکیل کی طرح رجوع کرے گا اور رجوع کل ترکہ میں ہوگا چونکہ میت کی طرف سے دھوکا دیا گیا ہے۔ گویا ضمان میت کے ذمہ میں دین ہوگا اور دین کل ترکہ سے ادا کیا جاتا ہے۔ البتہ اگر فروخت کنندہ قاضی ہو یا میت کا امین ہو تو پھر اس پر ضمان نہیں آئے گا چونکہ ضمان لاگو کرنے کی صورت میں عہدہ قضاء میں رخنہ پڑتا ہے جس سے امت کی مصلحت فوت ہوسکتی ہے۔

---

(۱) فتح القدیر ۳: ۲۰۹۔ (۲) الشرح الکبیر والدسوقی ۲: ۳۴۹۔ (۳) مغنی المحتاج: ۳/ ۲۶۵۔ (۴) المغنی ۷/ ۷۳۔ (۵) فتح القدیر ۵/ ۴۶ تکملۃ الفتح مع العنایۃ ۸/ ۴۹۸۔ (۶) موصی وصیت کرنے والا (میت) موصی لہ جس کے لیے وصیت کی گئی ہو موصی بہ یہ وہ چیز جس کی وصیت کی جا رہی ہو مثلاً گھر وصی وصیت کا منتظم۔

اگر ترکہ ضائع ہوگیا یا ترکہ سے پوری ادائیگی ناممکن ہو تو وصی ترکہ میں رجوع نہیں کریگا نہ ہی ورثہ پر رجوع کرے گا اور اگر مسکینوں پر صدقہ کر چکا ہو تو ان پر بھی رجوع نہیں کریگا چونکہ بیع صرف میت کے لئے واقع ہوئی ہے گویا یہ ایسا ہی ہے جیسے میت پر کوئی دوسرا دین ہو۔

موقوف کے استحقاق کا حکم...... حنفیہ کہتے ہیں اگر کسی شخص نے کوئی چیز پوری کی پوری وقف کردی پھر اس کی جز وشائع میں استحقاق ثابت ہوا تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقف باطل ہو جائے گا چونکہ استحقاق سے یہ ثابت ہو چکا کہ شیوع وقف کے مقارن (ساتھ ملا ہوا) ہے جیسے ہبہ میں ہوتا ہے کہ پوری چیز ہبہ کردی پھر اس کے کچھ حصہ میں استحقاق ثابت ہوا تو شیوع کی وجہ سے ہبہ باطل ہو جائے گا۔

جب غیر استحقاقی حصہ میں وقف باطل ہوا تو موقوف چیز واقف کے پاس واپس لوٹ آئے گی اگر وہ چیز باقی اور موجود ہو اور اگر واقف مر چکا ہو تو ورثہ کو واپس مل جائے گی۔

اگر استحقاقی حصہ معین جز و ہو تو بقیہ حصہ میں وقف باطل نہیں ہوگا چونکہ اس میں شیوع نہیں اسی لیے ابتداء بھی یہ جائز ہے کہ بقیہ حصہ کو شروع سے وقف کرلیا جائے۔

شافعیہ کی رائے...... ❶ اگر ایک شخص نے کسی دوسرے کے لئے معین گھر کے تہائی حصے کی وصیت کی پھر دو تہائی حصوں میں استحقاق ثابت ہوا تو موصی لہ بقیہ تہائی حصے کا حقدار ہوگا چونکہ مقصد موصی لہ کو نفع پہنچانا ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ موصی لہ کو بقیہ کا تہائی حصہ ملے گا اسنوی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے یہ تب ہے جب بقیہ حصہ تہائی کا احتمال رکھتا ہو ورنہ اس کا حق وہی ہوگا جس کا تہائی احتمال رکھتا ہو۔

حنابلہ کی رائے...... اگر کسی شخص نے دوسرے کے لئے کسی معین چیز مثلاً گھر کی وصیت کی پھر گھر کے دو تہائی میں استحقاق ثابت ہوا تو موصی لہ کو بقیہ کا تہائی ملے گا بشرطیکہ یہ حصہ تہائی ترکہ سے نکلتا ہو ورنہ موصی لہ کو تہائی کا تہائی ملے گا یہ صورت متفق علیہ ہے۔

تیسری بحث: قربانی کے جانور اور ہدی کے استحقاق کا حکم:

حنفیہ کی رائے...... ❷ اگر کسی شخص نے قربانی کے لیے بکری خریدی اور اسے ذبح بھی کرلیا پھر دوسرے شخص نے استحقاق پر گواہ پیش کردیئے اگر مستحق نے ذبح شدہ بکری لی تو کسی کی قربانی نہیں ہوگی چنانچہ جب تک قربانی کے ایام باقی رہیں ہر ایک پر واجب ہے کہ الگ سے قربانی کے لئے بکری ذبح کرے۔ اگر قربانی کے ایام گزر چکے ہوں تو ذبح کرنے والے پر واجب ہے کہ متوسط قسم کی بکری کی قیمت صدقہ کرے البتہ خریدی ہوئی بکری کی قیمت کا صدقہ کرنا اس پر واجب نہیں چونکہ استحقاق سے ثابت ہو چکا کہ بکری کا قربانی کے لیے خریدنا اور نہ خریدنا برابر ہے بخلاف اس کے کہ اگر قربانی کے لئے بکری خریدی اور پھر فروخت کردی تو حاصل شدہ قیمت کو صدقہ کرنا واجب ہے چونکہ اس بکری کو قربانی کے لئے خریدنا صحیح تھا چونکہ اس میں ملکیت میں ہیر پھیر نہیں تھی لہٰذا اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے۔

اگر مستحق نے ذبح شدہ بکری ذبح کرنے والے کے لئے چھوڑ دی اور اس سے بکری کی قیمت کا ضمان وصول کرلیا تو یہ جائز ہے یہ ایسا ہے جیسے کسی شخص نے قربانی کے لیے بکری خریدی اور وہ غصب کرلی گئی پھر غاصب نے مالک کی اجازت کے بغیر اپنی طرف سے ذبح کر ڈالی پھر اگر غاصب نے زندہ بکری کی قیمت دے دی تو یہ قربانی کافی ہوگی لیکن گناہ ہوگا چونکہ ابتداء فعل ممنوع واقع ہوا ہے لہٰذا توبہ اور استغفار لازم ہوگا۔ یہ امام زفر کے علاوہ جمہور حنفیہ کا قول ہے۔

مالکیہ کی رائے...... ❸ اگر کسی شخص نے کوئی بکری خریدی پھر ذبح کردی اس کے بعد بکری میں استحقاق ثابت ہوا اور مستحق نے بیع کی اجازت دے دی تو یہ بکری قربانی کے لئے کافی ہوگی چونکہ مستحق کے لئے جو ضمان واجب ہوا تھا وہ ذابح نے ادا کردیا۔

---

❶..... السنی المطالب ۳/ ۶۲. ❷ البدائع ۵/ ۷۶. ❸ الخرشی ۳ ۵۰

شافعیہ کی رائے...... ❶ اگر قربانی کا جانور متعین کر دیا گیا ہو مثلاً قربانی کرنے والے نے یوں کہا: یہ قربانی کا جانور یا معین جانور کی نذر مان لی اور یوں کہا: مجھ پر اللہ کے لئے واجب ہے کہ میں اس گائے کو ذبح کروں تو اس پر واجب ہوگا کہ وہ قربانی کے وقت میں اس جانور کو ذبح کرے اگر یہ متعین قربانی یا نذر کا جانور ہلاک کر دیا گیا اور طبعی موت نہ مرا تو اس پر اس جانور کا متبادل واجب ہوگا جس کی صورت یہ ہے کہ تلف شدہ جانور کی قیمت سے اس کی مثل خریدے اور مطلوبہ وقت میں اسے ذبح کر دے، میرے نزدیک ظاہر یہی ہے کہ استحقاق اتلاف کی مانند ہے، اگر ذمہ میں واجب قربانی کے جانور کی نذر مان لی پھر نذر کا جانور متعین کر دیا مثلاً کہا یہ اونٹ نذر میں ذبح کرے گا چنانچہ اگر معین جانور ضائع ہو گیا تو نذر ذمہ میں جوں کی توں واجب رہے گی چونکہ جس چیز کو اپنے اوپر لازم کر دیا گیا ہو وہ ذمہ میں باقی رہتی ہے۔ معین چیز کی ملکیت اگرچہ زائل ہو جائے وہ پھر بھی ذمہ میں قابل ضمان ہوتی ہے۔

حنابلہ کی رائے...... ❷ اگر کسی شخص نے قربانی کا جانور یا ہدی خریدی پھر اسے معین کر دیا پھر تعیین کے بعد اس میں استحقاق ثابت ہوا تو اس کا متبادل لازم ہوگا اور اگر تعیین سے پہلے استحقاق ثابت ہو تو اس کا متبادل لازم نہیں ہوگا چونکہ تعیین صحیح نہیں تھی۔

سولہویں فصل......مُقاصہ (دین کا ادل بدل)

اس فصل میں چار مباحث ہیں۔ مقاصہ کا معنی اور اس کی مشروعیت محل مقاصہ انواع مقاصہ اور اس کے احکام۔ ❸

پہلی بحث: مقاصہ کا معنی اور اس کی مشروعیت...... مقاصہ کا لغوی معنی مساوات برابری ہے۔

مقاصہ کی فقہی تعریف ابن جزی نے یوں کی ہے **انہا اقتطاع دین من دین** ❹ یعنی دین کو دین سے منہا کرنا مقاصہ ہے۔ مقاصہ کی اس تعریف میں متارکہ معاوضہ اور حوالہ ہوتا ہے۔ دردیر نے مقاصہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

ھی اسقاط مالك من دين علی غريمك فی نظير ماله عليك بشروط ❺

یعنی تمہارا حق جو تمہارے قرض خواہ کے ذمہ واجب الادا ہے اس کو تمہارے اوپر جو اس کا حق ہے اس کے بدلہ میں ساقط کرنا مقاصہ ہے۔

یہ تعریف مقاصہ اتفاقیہ اور غیر اتفاقیہ جو جانب واحد سے کو بھی شامل ہے۔ حنابلہ نے مقاصہ کی یوں تعریف کی ہے کہ:

ان يستوی الدينان جنسًا وصفةً وحلولاً واجلاً وقدرًا

یعنی مقاصہ یہ ہے کہ دو دین جنس، صفت، مدت اور مقدار کی لحاظ سے مساوی ہوں۔ ابن قیم نے ان الفاظ میں تعریف کی ہے:

سقوط احدالدينين بمثله جنسا وصفة ❻

یعنی دو دین میں سے ایک دین کا جنس اور قدر کے لحاظ سے بمثلہ دین کے بدلہ میں ساقط ہو جانا مقاصہ ہے۔

مقاصہ کی صورت یہ ہے مثلاً خالد کا ایک دینار زید کے پاس ہو اور زید کا ایک دینار خالد کے پاس ہو یوں دونوں دین برابر سرابر ہیں پھر ایک کا حق دوسرے کے مطالبہ میں ساقط ہو جاتا ہے۔

مقاصہ بالاتفاق مذاہب میں مشروع ہے اور مشروعیت کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بقیع میں اونٹوں کی خرید و فروخت کرتا ہوں دیناروں کے ساتھ میں بیع کرتا ہوں اور دراہم لیتا ہوں۔ دراہم کے ساتھ بیع کرتا ہوں اور دینار لیتا ہوں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم اس دن کے

---

❶ ......مغنی المحتاج ۲۸۹/۴۔ ❷ كشاف القناع ۹/۳۔ ❸ انظر بحث المقاصه لاستاذ محمد سلام مذكور فی مجلة القانون والاقتصار۔ ❹ القوانين الفقهية ۲۹۲۔ ❺ الشرح الكبير ۲۲۷/۳۔ ❻ اعلام الموقعين ۳۲۱/۱

نرخوں پر لو اور تم اس طرح جدا نہ ہو کہ تمہارے درمیان کچھ باقی ہو چنانچہ حدیث میں اس ثمن کا تبادلہ جائز قرار دیا گیا ہے جو دوسرے ذمہ میں واجب ہو۔ بابرتی عنایہ میں لکھتے ہیں: یہ حدیث استحساناً مقاصہ پر دلالت کرتی ہے اور یہ دین اور عین کے درمیان ہونے والا مقاصہ ہے چونکہ نفس دین کا قبضہ متصور نہیں چونکہ یہ ایسے حکمی مال سے عبارت ہے جو ذمہ میں واجب ہے، جب کہ دین متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا چنانچہ بعینہ دین کا قبضہ بدل کے قبضہ سے ہو جائے گا اور بدل عین کا قبضہ ہے، قیاس تو اس بات کا متقضی ہے کہ دین اور عین میں مقاصہ نہ ہو چونکہ جنس الگ الگ ہے، عقل بھی مقاصہ کے جواز کا متقضی ہے، چونکہ قرضے چکانے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے شافعیہ اور حنابلہ نے تذکرہ کیا ہے کہ تقاصہ دو دیون کے نفس ثبوت سے ہو جاتا ہے، رضامندی کی ضرورت نہیں چونکہ ایک دوسرے سے مطالبہ کار عبث ہے اور اس میں فائدہ نہیں۔ ❶

دوسری بحث: مقاصہ کا محل...... اصل میں مقاصہ دو دیون میں ہوتا ہے مثلاً مدیون کا اسی کے دائن پر کوئی اور قسم کا دین ہو تو وہ دونوں تقاصہ کر لیں چنانچہ مقاصہ (دین کا ادل بدل) عین اور عین کے درمیان میں ہوتا اور نہ ہی عین اور دین کے درمیان ہوتا ہے۔

لیکن حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ مقاصہ دین اور عین کے درمیان ہوتا ہے جیسا کہ اوپر واضح ہو چکا ہے چنانچہ اگر کوئی شخص ایک دینار دس دراہم کے ساتھ خریدے بایں طور کہ دس دراہم دینار کے بائع کے ذمہ دین ہوں اور وہ دینار پر قبضہ کر لے تو نفس عقد سے مقاصہ ہو جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مقاصہ جنس واحد کے دو دین کے درمیان ہوتا ہے دو جنسوں کے دین اور عین میں نہیں ہوتا چونکہ جب دینار کا خریدار دینار پر قبضہ کرے گا تو اس کا قبضہ ثمن کے ضمان کا قبضہ ہوگا جس پر دونوں عاقدوں نے اتفاق کر لیا ہو اور وہ دس دراہم ہیں۔ قبضہ سے خریدار کے ذمہ میں بائع کے لئے دین ثابت ہو جائے گا اور یوں دو دین برابر ہو جائیں گے اگرچہ بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ مقاصہ دو مختلف جنسوں کے دین اور عین میں واقع ہوا ہے چنانچہ یہ صورت اور اس جیسی مزید صورتیں دو دین کے مقاصہ کے قبیل میں سے ہیں یوں کہنا ممکن ہے کہ مقاصہ جبریہ صرف دو دین میں ہوتا ہے۔ ❷

رہی بات مقاصہ اتفاقیہ کی سو وہ دین اور عین میں جائز ہوتا ہے۔

تیسری بحث: مقاصہ کی مختلف اقسام...... مقاصہ یا تو جائز ہوگا یا ناجائز، مقاصہ جائز یا تو جبری ہوگا یا اختیاری (اتفاقی)

اول: مقاصہ جبریہ اور اس کی شرائط...... مقاصہ جبریہ کا حاصل یہ ہے کہ ایسا مقاصہ جو بنفسہ دو دیون جو برابر سرابر ہو جنس صفت، مقدار اور مدت میں برابر ہوں میں منعقد ہو جائے یہ مقاصہ طرفین کی رضامندی پر موقوف نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی کے مطالبہ پر موقوف ہوتا ہے مثلاً ایک شخص نے دوسرے سے نقدی مال بطور قرضہ لیا یا کوئی مثلی چیز لی جو ذمہ میں دین ہو پھر قرضہ لینے والا اپنے دائن کو ثمن معجّل جواز جنس دین ہو کے ساتھ سامان فروخت کرے یوں دونوں دیون میں تقاصہ ہو جائے گا محض دوسرے دین کے ثبوت سے تقاصا ہو جائے گا اور طرفین پر جبراً ہوگا اور ان کی رضامندی پر موقوف نہیں رہے گا اور نہ ہی کسی ایک کے مطالبہ پر موقوف ہوگا۔

جبری مقاصہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے ❸ بشرطیکہ جب شرائط متحقق ہوں اور موانع منتفی ہوں۔ جب کہ مالکیہ مقاصہ جبریہ کو جائز قرار نہیں ❹ دیتے الا یہ کہ اس کا مطالبہ کیا جائے یا دونوں اشخاص اتفاق کر لیں۔ چنانچہ مالکیہ کے نزدیک اکثر تعریفیں مقاصہ اتفاقیہ کی ہوتی ہیں۔

مقاصہ جبریہ کی شرائط...... مقاصہ جبریہ میں چار شرائط کا اعتبار کیا گیا ہے۔ ❺

---

❶ ......تحفة المحتاج ۲/۳۹۶ کشاف القناع ۳/۲۵۳۔ ❷ بحث المقاصہ للاستاذ مدکور ۹۔۱۳۔ ❸ الدر المختار وردالمحتار ۴/۲۵۰ الام الشافعی ۷/۳۸۸، غایة المنتهی ۲/۱۱۴ کشاف القناع ۳/۲۹۶۔ ❹ الحطاب ۴/۲۴۹۔ ❺ ابن عابدین ۴/۲۵۰ کشاف القناع ۳/۲۹۶ غایة المنتهی ۲/۱۱۴ القوانین الفقهیة ۲۹۲ الدسوقی ۳/۲۲۷، فتح العزیز شرح الوجیز ۱۸/۲۴۱، الانوار ۲/۲۸د

ا۔ دو دیون کی تلاقی......تلاقی سے مراد دو دیون کا باہم مقابل اور جمع ہونا یعنی دو اعتبارات سے دو دیون ایک شخص کے پاس جمع ہوں بایں طور ایک شخص دائن ہو اور دوسرے کی بنسبت مدیون ہو۔ چنانچہ مقاصہ اسی وقت متحقق ہوگا جب مقاصہ کرنے والوں میں سے ہر ایک دائن بھی ہو اور مدیون بھی۔

مثال......اگر خریدار کا موکل پر دین ہو تو تلاقی دیون کی وجہ سے مقاصہ واقع ہو جائے گا، جب کہ ولی کے ذمہ واجب دین میں تقاصہ نہیں ہوگا، البتہ چھوٹے بچے کی دایہ کے دین اور اس کے ذمہ واجب دین میں مقاصہ ہوگا دائن اور مدیون کے قرض خواہ کے درمیان مقاصہ نہیں ہوگا چونکہ تلاقی (اجتماع) کی شرط نہیں پائی جاتی۔ مقاصہ جبریہ حوالہ کے ساتھ جمع نہیں ہوتا چونکہ جمہور کے نزدیک حوالہ مدیون کے ذمہ سے دین کو محال علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل کرنے کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ جب مدیون کا دائن پر اس کے دین کے مثل دین ثابت ہو تو مقاصہ جبراً واقع ہو جاتا ہے اس پر دین باقی نہیں رہتا جو دائن دوسرے پر حوالہ کرے اور جب یہ دین حوالہ کے بعد مدیون کے لئے ثابت ہو جائے تو تلاقی معدوم ہونے کی وجہ سے مقاصہ واقع نہیں ہوگا چونکہ دائن مدیون کا دائن نہیں رہتا بلکہ محال علیہ کا دائن ہو جاتا ہے۔

۲۔ دونوں دین میں مماثلت ہو...... ❶ جنس، نوع، صفت، حلول اور اجل میں دونوں دین متحد ہوں، چنانچہ اگر دونوں دیون الگ الگ جنس کے ہوں یا وصف میں تفاوت ہو یا اجل میں تفاوت ہو یا ایک دین حال ہو (یعنی اس کی مدت پوری ہو چکی ہو) اور دوسرا موجل ہو تو حنفیہ کے نزدیک مقاصہ واقع نہیں ہوگا جبکہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اختلاف جنس کی صورت میں مقاصہ صحیح ہے، مثلاً ایک دین عین یعنی سونا یا چاندی ہو اور دوسرا غلہ کی صورت میں ہو یا سامان ہو یا ایک دین سامان ہو اور دوسرا غلہ۔

یہ معلوم ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ظاہر الروایہ میں شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک دراہم اور دنانیر دو مختلف جنسیں ہیں، البتہ بعض حنفی مشائخ کے نزدیک دراہم اور دنانیر مقاصہ میں استحساناً جنس واحد تصور ہوتے ہیں۔ چنانچہ فتاوی ظہیریہ میں ہے۔ اگر جنس مختلف ہو اور دونوں اشخاص تقاصہ کر لیں مثلاً ایک کے دوسرے پر سو دراہم ہوں اور دوسرے کے پہلے پر سو دینار ہوں جب دونوں مقاصہ کریں تو دراہم دیناروں کی قیمت بن جائیں گے یعنی کچھ دیناروں کی قیمت بنیں گے اور باقی دینار، صاحب دراہم کے ذمہ واجب ہوں گے۔

کرنسی نوٹ رائج فلوس کے قائم مقام ہیں لہٰذا ہمارے زمانے میں نقود بعض حنفی مشایخ کی رائے کے مطابق جنس واحد شمار ہوں گے چونکہ روزمرہ کے تعامل اور عرف میں کرنسی نوٹوں کو جنس واحد تصور کیا جاتا ہے۔

جب کہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک کرنسی نوٹوں کو مختلف اجناس سمجھا جائے گا چونکہ ان کے نزدیک دینار اور دراہم دو الگ الگ جنسیں ہیں چنانچہ دو دیون کہ ان میں سے ایک دیناروں کی صورت میں اور دوسرا دراہم کی صورت میں تو ان میں مقاصہ نہیں ہوگا چونکہ جنس مختلف ہیں۔

دو دیون میں صفت کے لحاظ سے مماثلت حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ اس سے ایسی صفات مراد لیتے ہیں جن سے قیمت اور انتفاع میں اختلاف ہو۔

حنفیہ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ دونوں دیون حال ہوں یعنی ان کی ادائیگی کی مدت پوری ہو اگر دیون موجل ہوں یا ایک حال اور دوسرا موجل ہو تو مقاصہ جبریہ واقع نہیں ہوگا۔

جب کہ شافعیہ اور حنابلہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ دونوں دیون حلول میں متفق ہوں اور اجل کی مقدار میں متفق ہوں، اگر ایک دین حال اور

---

❶ دین ذمہ میں واجب ہوتا ہے حنفیہ کے نزدیک دین کا مال ہونا ضروری نہیں مجازاً دین کو مال کہا جاتا ہے دین تو قبضہ کے بعد مال ہوتا ہے بعد میں وہی چیز دین ہوتی ہے جس کی صفت ضبط میں لانا ممکن ہو جیسے مثلی اشیاء۔

دوسرا مؤجل ہو یا دونوں موجل ہوں اور اجل مختلف ہو تو مقاصہ واقع نہیں ہوگا اگر دونوں دیون کی اجل ایک ہو تو حنابلہ کی رائے میں مقاصہ ہو جائے گا اور شافعیہ کے اصح قول کے مطابق بھی۔

مالکیہ کہتے ہیں...... اگر دونوں دیون کی مدت پوری ہو چکی ہوں یعنی حال ہوں تو مقاصہ جائز ہے اور اگر دیون حال نہ ہو مقاصہ جائز نہیں۔ یا اگر ایک حال ہو دوسرا موجل اگر چہ جنس مختلف ہو مثلاً ایک سونا ہو اور دوسرا چاندی پھر اگر دونوں دیون سونا کی صورت میں ہوں یا دونوں چاندی ہوں تو مقاصہ جائز ہے بشرطیکہ دیون حال ہوں مؤجل نہ ہوں اگر ایک ان کی مدت پوری ہو چکی ہو اور دوسرا مؤجل ہو تو اس میں مالکیہ کے دو قول ہیں مشہور قول جواز کا ہے یہ تفصیل اسوقت ہے کہ اگر دیون نقود میں سے ہوں اور گر دیون غلہ کی صورت میں ہوں پھر اگر بطور قرض ہوں تو مقاصہ جائز ہے برابر ہے مدت پوری ہو چکی یا نہیں اور اگر دیون بیع کی صورت میں واجب ہوئے ہوں تو مقاصہ جائز نہیں برابر ہے مدت پوری ہو چکی ہو یا نہیں چونکہ یہ قبضہ سے پہلے بیع کرنا ہے اگر دونوں دیون بصورت سامان ہوں تو مقاصہ جائز ہے بشرطیکہ جنس متفق ہو اور صفت بھی ایک ہو برابر ہے مدت پوری ہو چکی یا پوری نہ ہو۔

فقہاء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ دونوں دیون کھوٹے اور کھرے ہونے میں برابر ہوں اور اگر کھوٹا کھرا ہونے میں تفاوت ہو تو مقاصہ واقع نہیں ہوگا۔

حنفیہ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ دونوں دیون قوت اور ضعف میں برابر ہوں چنانچہ عورت کے نفقہ کا دین اس دین کے برابر نہیں ہوسکتا جو خاوند کا بیوی کے ذمہ واجب ہو الا یہ کہ دونوں آپس میں رضامند ہو جائیں۔ بخلاف بقیہ دیون کے چونکہ بیوی کے خرچے کا دین قوت میں ادنی درجے کا ہے جب کہ مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ نے قوت اور ضعف میں مماثلت کی شرط نہیں لگائی۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے یہ شرط بھی عائد کی ہے کہ رواج، مندی پڑنے، ارزانی اور گرانی میں بھی مماثلت ہو چنانچہ اگر ایک طرف سے دراہم صحیح ہوں اور دوسری طرف سے کھوٹے ہوں تو مقاصہ نہیں ہوگا۔

اختلاف سبب...... دو دیون میں ہونے والے مقاصہ میں یہ شرط نہیں کہ دونوں دیون کا سبب واحد ہو مثلاً ایک دین کا سبب قرضہ ہو اور دوسرے دین کا سبب ثمن مبیع یا اجرت ہو چنانچہ اس صورت میں بھی مقاصہ ہو جائے گا اگر چہ سبب مختلف ہو۔

مقاصہ میں یہ شرط بھی نہیں کہ ہر دین کا سبب جائز ہو اور ممنوع نہ ہو۔ چنانچہ اگر ایک دین کا سبب بیع ہو جو جائز سبب ہے اور دوسرے دین کا سبب غصب ہو جو غیر جائز سبب ہے تب بھی مقاصہ واقع ہوگا۔

۳۔ انتفاء ضرر...... مقاصہ جبریہ میں یہ شرط ہے کہ مقاصہ پر کسی عاقد کا نقصان اور ضرر مرتب نہ ہوتا ہے۔ اگر دونوں کا یا کسی ایک عاقد کا ضرر ہوتا ہو تو مقاصہ واقع نہیں ہوگا چنانچہ حنابلہ کہتے ہیں کہ خاوند کے ذمہ عوت کا واجب نفقہ اور عورت پر واجب دین میں تنگدستی کی حالت میں مقاصہ نہیں ہوگا چونکہ عورت کا نفقہ ادائے قرض سے مقدم ہوتا ہے اور اس مقاصہ کی صورت میں مدیون کا ضرر ہے ہے لہذا مقاصہ صحیح نہیں ہوگا۔

اسی طرح میت کی تجہیز و تکفین دین پر مقدم ہوتی ہے چنانچہ ترکہ میں سے اگر کوئی چیز میت کے دائن کو کسی نے فروخت کی جو جنس دین میں سے ہو اس صورت میں مقاصہ واقع نہیں ہوگا تا کہ میت کے حق کی رعایت رہے اور مدیون کو ضرر لاحق نہ ہو۔

وہ دین جس کی رہن کے ساتھ توثیق کی گئی ہو دوسرے دیون پر مقدم ہوگا چنانچہ راہن نے مرہون چیز مرتہن کے علاوہ کسی اور دائن کو فروخت کر دی تا کہ مرتہن کے دین کو ادا کر دے رہن کے ثمن دین کے ہمثل ہوں تو اس میں مقاصہ واقع نہیں ہوگا اس میں تو اس شخص کا ضرر ہے جس کا حق عین کے ساتھ متعلق ہو۔

جیسا کہ مدیون کا ذاتی نقصان ہوتا ہے اور عین کے ساتھ جس کا حق متعلق ہو اس کا ضرر ہے اس لئے مقاصہ نہیں ہوگا، اسی طرح بقیہ قرض خواہوں کا حق کے ساتھ تعلق بھی مقاصہ کے مانع ہوگا۔ امام ابوحنیفہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک قاضی غرماء کے مطالبہ پر دیوالیہ مدیون پر پابندی لگا سکتا ہے اور ثمن مثل سے کم پر بیع کرنے سے اسے روک سکتا ہے اسی طرح تصرف اور اقرار سے بھی روک سکتا ہے تا کہ غرماء کا نقصان نہ ہو۔

خلاصہ......اگر کسی ایک دین کے ساتھ کسی دوسرے شخص کا حق متعلق ہو تو مقاصہ جائز نہیں۔ مثلاً مدیون نے غیر مرتہن دائن کے دین کی ادائیگی کے لئے رہن فروخت کیا۔ غرماء کے حق کے ساتھ تعلق کی مثال یہ ہے مثلاً دیوالیہ مدیون کسی قرض خواہ کو ذمہ میں موجود ثمن کے ساتھ جنس دین کو فروخت کر دے۔

دائن جو طالب بیع ہو کا حق......اگر مجور علیہ مدیون نے کسی دائن کے دین کی ادائیگی کے لئے بیع کی جب کہ دعویدار نے بائع مدیون کو دین دے رکھا ہو جو از قسم ثمن ہو تو بائع کے دین اور خریدار کے دین میں جبری مقاصہ واقع ہوگا چونکہ اس مدیون پر پابندی نہیں اور جس مدیون پر پابندی نہ ہو اس کا تصرف نافذ ہوتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں کہ مدیون بعض دائنین کو ادائیگی کر دے اور بعض کو نہ کرے۔ مجور علیہ مدین اپنے مجور علیہ مال کو فروخت کرنا چاہے تو اس میں بھی کوئی مانع نہیں۔ اگر خریدار دائن کے علاوہ کوئی اور ہو تو مبیع کے ثمن کے ساتھ مقاصہ بھی کر سکتا ہے۔

۴۔ **مقاصہ میں کوئی شرعی ممانعت نہ ہو**......مقاصہ جبریہ میں آخری شرط یہ ہے کہ مقاصہ پر کوئی شرعی ممانعت مرتب نہ ہوتی ہو۔ مثلاً جیسے بیع سلم کے راس المال پر قبضہ کرنے سے پہلے عاقدین کا جدا ہو جانا قبضہ سے پہلے مسلم فیہ میں تصرف کرنا عقد صرف کی صورت میں بدلین پر مجلس میں قبضہ نہ کرنا، اموال ربویہ میں ہاتھوں ہاتھ قبضہ نہ کرنا وغیرہ ذالک۔

دوم: مقاصہ اتفاقیہ......یہ مقاصہ طرفین کی باہمی رضامندی سے طے پاتا ہے بشرطیکہ اس پر کوئی شرعی ممانعت مرتب نہ ہوتی ہو برابر ہے کہ دونوں دیون کی جنس متحد ہوں یا غیر متحد، اوصاف خواہ متحد ہوں یا غیر متحد، برابر ہے کہ ایک حق دین کی صورت میں ہو اور دوسرا عین کی صورت میں۔

سوم: غیر جائز مقاصہ......مذکورہ بالا شرائط میں سے کوئی شرط اگر نہ پائی جائے تو مقاصہ جائز نہیں ہوگا منجلہ غیر جائز مقاصہ کی ایک صورت یہ ہے کہ مقاصہ میں کسی حکم شرعی کی مخالفت لازم آتی ہو تو مقاصہ جائز نہیں ہوگا یہ صورت بیع صرف کی بعض صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ بیع سلم کے راس المال اور مسلم فیہ میں بھی ظاہر ہوتی ہے ان صورتوں میں بھی ظاہر ہوتی ہے جن میں شبہۃ الربا ہو اگر چہ طرفین کی رضامندی سے تقاضا ہو رہا ہو۔

ا......**عقد صرف**......❶ عقد صرف میں متصارفین کے دو دیون میں مجلس برخاست ہونے کے بعد اگر مقاصہ واقع ہو تو مقاصہ باطل ہوگا، چونکہ عقد صرف باطل واقع ہوا ہے لہٰذا مقاصہ بھی باطل ہوگا چونکہ مقاصہ کرنے والوں میں سے کسی کے ذمہ دین ثابت نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ بقیہ صورتوں میں مقاصہ صحیح ہوگا برابر ہے کہ سابق دین میں ہو یا دین لاحق میں یا ایسے دین سے مدین کے لئے ثابت ہو جو کسی ضمان کے قبضہ کی صورت میں مجلس میں دائن پر ثابت ہوا ہو۔

الف......اگر دو شخص دین سابق کے ساتھ عقد صرف کریں اور عقد کو اس دین کی طرف منسوب کر رہے ہوں تو یہ جائز ہے مثلاً ایک شخص

---

❶ ......المبسوط ۱۴/ ۱۹ فتح القدير مع العناية ۵/ ۳۷۹ البدائع ۵/ ۲۰۶ الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۲۴۹

کے دوسرے پر دس دراہم ہوں مدیون ان دس دراہم کے بدلہ میں ایک دینار دائن کو فروخت کرے چنانچہ جب عقد کو اس دین کی طرف منسوب کیا تو نفس عقد کے ساتھ مقاصہ ہو جائے گا اور مقاصہ عاقدین کے ارادے پر موقوف نہیں ہوگا۔ جواز کی وجہ یہ ہے کہ دینار کے ثمن دراہم قرار دیئے گئے ہیں ان پر قبضہ ضروری نہیں اور نہ ہی قبضہ سے ان کی تعین ضروری ہے یہ بالا جماع جائز ہے چونکہ قبضہ سے تعیین اس لئے ضروری ہوتی ہے تا کہ ربانسیہ سے احتراز ہو جائے، جب کہ ساقط ہو جانے والے دین میں سود نہیں ہوتا، سود تو اس دین میں ہوتا ہے جو معرض خطر میں ہوا سی لیے اگر ذمہ میں موجود دراہم جو دین ہوں کی بیع صرف ذمہ میں موجود دینار جو دین ہوں کے ساتھ صحیح ہے چونکہ یہاں سود کا خطرہ نہیں۔

ب..... اگر مدیون نے دس دراہم جو دائن کے ہوں سے ایک دینار فروخت کیا اور اس میں کوئی قید نہ لگائی گویا مطلقاً مدیون نے دائن کو ایک دینار دے دیا پھر دس درہم جو ثمن ہو کا دس درہم دین کے ساتھ مقاصہ کر لیا تو یہ استحساناً جائز ہے (1) چونکہ قبضہ سے پہلا عقد فسخ ہو چکا اور دوسرا عقد صرف منعقد ہوا جو دین کی طرف منسوب ہے چونکہ جب عاقدین نے عقد کا موجب تبدیل کر دیا تو گویا دونوں نے عقد فسخ کر دیا یہ ایسا ہی ہے جیسے بیع صرف کے پہلے ثمن سے۔

زائد کے ساتھ از سر نو بیع کر لی جائے یعنی مقاصہ عقد اول کے فسخ کو متضمن ہے۔ اور فسخ عقد اقتضاء ثابت ہوگا یہ دو صورتیں دین سابق کے مقاصہ کی ہیں۔

ج..... اگر دین عقد صرف کو لاحق ہو جائے جیسے مثلاً ایک شخص نے ایک دینار دوسرے کو دس دراہم کے ساتھ کو فروخت کیا اور دینار کے خریدار نے دینار کے بائع کو مجلس صرف ہی میں دس دراہم کے ساتھ کپڑا فروخت کیا اور کپڑا اسے سپرد کر دیا پھر اسی مجلس میں دس کے ساتھ دس دراہم کا مقاصہ کر لیا تو اصح روایت کے مطابق مقاصہ جائز ہوگا چونکہ عقد اول اقتضاءً فسخ ہو جائے گا۔

د..... اگر بیع صرف عین اور مطلقاً دین کے ساتھ طے پائے پھر مجلس صرف ہی میں مدیون کا دائن کے ذمہ دین ثابت ہو جائے تو بلا حاجت رضا مندی کے مقاصہ جبریہ واقع ہوگا یہ ایسا ہی ہے جیسے دائن نے مدیون سے کسی چیز کے ثمن کے بمثل قرضہ لیا یا کوئی چیز غصب کی چونکہ قبضہ متحقق ہو چکا۔

ملحوظ رہے کہ ان مذکورہ صورتوں میں سوائے پہلی صورت کے مجلس عقد صرف کے اختتام سے قبل مقاصہ کا وقوع لابدی ہے اگر مجلس ختم ہو گئی تو مقاصہ باطل ہو جائے گا چونکہ عقد صرف باطل ہو جائے گا۔

۲۔ سلم کے راس المال کا مقاصہ..... حنفیہ (جیسا کہ بدائع کے علاوہ جملہ کتب حنفیہ میں ہے) شافعیہ اور حنابلہ کا اس پر اتفاق (2) ہے کہ سلم کے راس المال کا کسی دوسرے مطلق دین کے ساتھ مقاصہ جائز نہیں ہے برابر ہے کہ دین کسی مقدم عقد سے واجب ہو یا عقد سلم سے موخر کسی عقد سے اگر چہ مسلم الیہ اور رب سلم تقاصہ پر اتفاق بھی کر لیں چونکہ مقاصہ قبضہ سے پہلے سلم کے دین میں تصرف ہے اور یہ صحیح نہیں۔ چونکہ سلم کے جمیع راس المال پر مجلس میں قبضہ کرنا شرط ہے۔

۳۔ مسلم فیہ میں مقاصہ..... مسلم فیہ میں مقاصہ جائز نہیں جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب (3) الاصل میں وضاحت کر دی ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے دوسرے کے ساتھ گندم کے ایک مد میں بیع سلم کی پھر دوسرے شخص نے پہلے کے ساتھ بھی ایک مد گندم میں بیع سلم کی دونوں نے ایک ہی مدت مقرر کر دی خواہ ان کی صفت واحد ہو یا مختلف مقاصہ صحیح نہیں ہوگا چونکہ در حقیقت یہ ایسی چیز کی بیع ہے جس پر قبضہ نہیں کیا گیا، چنانچہ دونوں نے قبضہ نہیں کیا بلکہ ایک دوسرے پر دین ہے صرف رأس المال لے سکتے ہیں۔

---

(1)..... امام زفر نے یہاں بھی قیاس اپنایا ہے کہ یہ تقاصا جائز نہیں چونکہ بدل صرف پر قبضہ نہیں ہوا قبضہ سے پہلے تبادلہ ہو گیا۔ (2) تبیین الحقائق ۴/ ۱۴۰ الانوار ۱/ ۲۶۵، کشاف القناع ۳/ ۲۹۶۔ (3) المبسوط ۱۲/ ۱۶۸۔

اور اگر ان میں سے پہلا عقد سلم ہو اور دوسرا قرض ہو تو فی الحال یہ برابر نہیں ہوں گے۔

اور مقاصہ صحیح نہیں ہوگا چونکہ مقاصہ مساوات سے عبارت ہے جب کہ ان دونوں میں مساوات نہیں چونکہ ایک دین معجل ہے اور دوسرا مؤجل اور معجل مؤجل سے بہتر ہوتا ہے اور اگر سلم کی مدت پوری ہو جائے تو ایک دین دوسرے کے برابر ہو جائے گا اور اگر ان میں سے ایک قرضہ ہو اور دوسرا سلم پھر بھی ان دیون میں مقاصہ نہیں ہوگا اگرچہ عاقدین مقاصہ پر رضامند ہوں۔

۴۔ اقالہ کے بعد رأس المال...... اگر سلم کے رأس المال میں اقالہ ہو جائے تو اس کا حکم مسلم فیہ کا حکم ہے چنانچہ اوپر گذر چکا ہے کہ مسلم فیہ میں مقاصہ جائز نہیں چونکہ مسلم فیہ منقول کی جانے والی مبیع ہے قبضہ سے پہلے اس میں تصرف جائز نہیں اور اگر دونوں نے سلم کا اقالہ کرلیا تو خریدار کے لئے جائز نہیں کہ وہ رأس المال کے ساتھ مسلم الیہ سے کوئی چیز خریدے یہاں تک کہ رأس المال پر قبضہ نہ کرے [1] چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے یا تو مسلم فیہ لو یا اپنا رأس المال [2] یعنی اگر عقد سلم فسخ کر دیا جائے۔ نیز رأس المال مبیع کے مشابہ ہو گیا لہٰذا قبضہ سے پہلے اس میں تصرف کرنا حلال نہیں۔

۵۔ شبہۃ الربا...... ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر وہ معاملہ اور عقد جس میں شبہۃ الربا (سود کا شائبہ) پایا جائے وہ حرام ہے چنانچہ ہر وہ قرضہ جو کسی قسم کا نفع لائے وہ حرام سود ہے۔ نیز سد ذرائع کا اصول ائمہ کے درمیان متفق علیہ ہے اس کا بھی یہی تقاضا ہے اگرچہ اس قاعدہ کی حدود اور تطبیقات میں ائمہ کا اختلاف ہے چنانچہ اگر مقاصہ میں سود کا شائبہ پایا جائے تو مقاصہ ناجائز ہوگا۔

شبہۃ الربا کی مثالوں میں سے بیوع الآجال ہیں جیسا کہ مالکیہ نے تذکرہ کیا ہے مثلاً دس سیر غلہ دس دراہم کے ساتھ فروخت کیا اور اس کی مدت مقرر کر دی اس کے بعد بائع غلے سے نفع اٹھاتا رہا پھر خریدار نے بائع کو بیس سیر غلہ اس جنس کا دس دراہم کے ساتھ فروخت کیا اور دس دراہم کا دس دراہم کے ساتھ مقاصہ کرلیا یہ مقاصہ جائز نہیں چونکہ خریدار نے دس سیر غلہ میں بیع سلم کی تھی پھر بائع کو بیس سیر غلہ واپس کیا جب کہ ثمن کے بدلہ میں ثمن رہے چنانچہ یہ ایسا قرضہ ہے جس نے نفع لایا۔

چوتھی بحث: مقاصہ کے احکام...... حکم سے مراد شے پر مرتب ہونے والا اثر یا اس کا مقتضاء ہے۔

جب کہ مقاصہ کا مقتضی اسقاط ہے۔ لیکن مقاصہ اسقاط محض نہیں بلکہ مقاصہ اسقاط بالعوض ہے اور عوض ایسا اسقاط ہے کہ جس ادائیگی کا معنی پایا جاتا ہے۔ اور عوض دوسرے شخص کا اپنے حق کو ساقط کرنا ہے جیسے ابراء پر طلاق۔ چنانچہ طلاق اور ابراء اسقاط ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے مقابلہ میں ہے۔ چنانچہ مقاصہ اسقاط ہے لیکن اس میں معاوضہ کا معنی پایا جاتا ہے مالکیہ کہتے ہیں کہ مقاصہ کا مقصد معاوضہ اور ابراء ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں: مقاصہ میں وفاء یعنی ادائیگی کا معنی ہے بلکہ ان کے نزدیک تو ادائیگی مقاصہ کے طریقے سے ہوتی ہے۔

مقاصہ جبراً اسقاط ہے یہاں تک کہ حنفیہ کی رائے کے مطابق وہ مقاصہ بھی جو باہمی رضامندی سے ہو۔

ساقط بالمقاصہ نفس دین ہے یا مطالبہ...... حنفیہ کے علاوہ جمہور کہتے ہیں: مقاصہ دونوں دیون کو ساقط کر دیتا ہے بشرطیکہ دونوں دین مساوی ہوں اگر ایک دین دوسرے سے زائد ہو تو اقل مقدار کے بقدر دونوں دیون ساقط ہو جاتے ہیں۔ دونوں مدیون بری الذمہ ہو جاتے ہیں اور یہ برأت اسقاط ہوتی ہے براۃ مطالبہ نہیں ہوتی۔

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ مقاصہ سے اصل دین ساقط نہیں ہوتا مقاصہ سے فقط مطالبہ ساقط ہوتا ہے جب کہ دین ذمہ میں مشغول ہوتا ہے اگر مطالبہ دین صحیح نہ ہو تو وہ اس حق کے مشابہ ہوگا جس کا دعویٰ پرانا ہونے کی وجہ سے قابل سماعت نہیں ہوتا حنفیہ کی رائے پر یہ نتیجہ مرتب ہوتا

---

[1] البدایۃ مع فتح القدیر ۵/۳۴۵ (۲) ھذا اخر رواہ عبدالرزاق عن ابن عمرو ابن ابی شیبۃ عن عبداللہ بن عمرو ورزی ابوداؤد وابن ماجہ عن ابی سعیدالخدری (نصب الرایۃ ۴/۵۱) [2] شرح الرسالہ ۲/۱۴۰

ہے کہ مقاصہ کے بعد دین سے برأت صحیح ہے دین کا ہبہ بھی صحیح ہے اس دین میں کمی کرنا بھی صحیح ہے فی الواقع یہ رائے غریب ہے عدالت اس کی رعایت نہیں کرتی چنانچہ جو شخص اپنے قرض خواہ کے ساتھ دین کا مقاصہ کر لیتا ہے تو اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ ادائے دین کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا ہے۔

اگرچہ عین دین سے بہتر اور افضل ہوتی ہے چونکہ دین معرض ضیاع میں ہوتا ہے یہ چیز دین میں ہمیشہ ظاہر رہتی ہے اس دین میں ظاہر ہوتی جسے اس کا مالک عین کے ذریعہ ادا کرتا ہے یوں اس ادائیگی سے دین ختم ہو جاتا ہے اگر ہم یہ کہیں کہ ادا کنندہ کے ذمہ میں دین کی ادائیگی ثابت رہتی ہے تو اس وقت دو متماثل دیون پائے جاتے ہیں جو تلاقی میں ہوتے ہیں یوں اصل دین ساقط نہیں ہوگا اس سے تو صرف مطالبہ ساقط ہوگا۔ ❶

نقض مقاصہ..... اگر جملہ شرائط کی رعایت کے ساتھ مقاصہ مکمل ہو جائے تو پھر مقاصہ کا توڑنا ممکن نہیں رہتا۔ نہ ہی فسخ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی اور طریقہ سے توڑا جا سکتا ہے چونکہ جو چیز ساقط ہو جاتی ہے وہ واپس نہیں لوٹتی، چنانچہ دین جب ساقط ہو جاتا ہے تو پھر اس کا سقوط نہیں ٹوٹتا۔

البتہ مقاصہ صحیح واقع ہونے کے بعد کبھی کبھی ایسے حالات پیش آ جاتے ہیں جن کی وجہ سے کوئی ایک دائن اس حالت میں ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے مقاصہ ہونے والے دین میں سے اپنے حق کو پوری طرح وصول نہیں کیا چنانچہ جس مقدار میں اس کا حق نہیں تھا اس میں مقاصہ ٹوٹ جاتا ہے۔

پہلی حالت کی مثال یہ ہے مثلاً اگر ایک شخص پر بطور قرضہ ایک ہزار دینار ہوں پھر مقروض قرض دہندہ کو حالت صحت میں کوئی معین چیز مثلاً قالین ایک ہزار دینار میں فروخت کر دے اور ایک ہزار دینار ادھار رہوں پھر مقروض بیمار پڑ جائے اور اتنے میں ادھار کی مدت پوری ہو جائے درحالیکہ مقرض پر دیون ہو تو مقاصہ واقع ہو جائے گا۔ اگر مقروض مر جائے درحالیکہ اس کے ذمہ دیون ہوں تو قرض خواہ خریدار کے ساتھ برابر کے حصہ دار ہوں گے۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ مقاصہ مقروض کی زندگی میں کل ثمن میں واقع ہوا تھا چونکہ اس کی زندگی میں غرماء کو اس پر اعتراض کا حق نہیں تھا چونکہ یہ واضح نہیں تھا کہ آیا وہ مرض الموت میں ہے یا نہیں۔ جب وہ اسی مرض میں مر گیا تو واضح ہو گیا کہ غرماء کا حق اس کے مال کے ساتھ اسی وقت سے متعلق ہو گیا تھا جب سبب پایا گیا اور سبب مرض الموت ہے۔ چنانچہ خریدار اپنے دین میں سے اتنی ہی مقدار وصول کر پائے گا جو اسے غرماء کے ساتھ حصہ میں ملے گی چنانچہ مقروض کی زندگی میں جو مقاصہ صحیح واقع ہوا تھا وہ باطل ہو جائے گا ہاں البتہ خریدار کے حصہ سے زائد مقدار میں مقاصہ باطل ہوگا۔

دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ اگر وکیل کے ذمہ خریدار کا دین ہو اور ثمن برابر ہوں، چنانچہ اگر وکیل فروخت کردہ چیز کو سپرد نہ کرے یہاں تک کہ وہ چیز ضائع ہو جائے تو مقاصہ باطل ہو جائے گا چونکہ سپردگی سے پہلے جب مبیع ضائع ہو گی تو سرے سے بیع ہی فسخ ہو چکی اور اس درجہ میں پہنچ گئی کہ گویا بیع ہوئی ہی نہیں۔

سترہویں فصل ...... اکراہ

خاکہ موضوع:...... اکراہ کے متعلق چار مباحث میں گفتگو ہوگی۔

پہلی بحث ...... حقیقت اکراہ اور اس کی دو اقسام

---

❶:..... بحث المقاصہ لاستاذ سلام مد کور فی مجلة القانون الغدد الرابع السند ۲۹ ۳۴۳.

دوسری بحث ...... اکراہ کی شرائط
تیسری بحث ...... تصرفات حسیہ میں اکراہ کا اثر
چوتھی بحث ...... تصرفات شرعیہ میں اکراہ کا اثر
ترتیب مذکورہ کے مطابق ابحاث کی تفصیل ہوگی۔

پہلی بحث: اکراہ کی حقیقت اور اس کی دو اقسام:

حقیقت اکراہ......اکراہ کا لغوی معنی کسی شخص کو زبردستی ایسے کام پر مجبور کرنا جس سے وہ راضی نہ ہو، اکراہ محبت اور رضامندی کے منافی ہے۔ اسی لیے محبت اور اکراہ کو اس آیت میں ملا کر ذکر کیا گیا ہے:

وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ ......البقرۃ ۲/۲۱۶

ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو ممکن ہے تم کسی چیز کو پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لیے شر ہو۔

فقہاء کی اصطلاح میں اکراہ کی تعریف یہ ہے:

حمل الغير على ان يفعل مالا يرضاه ولا يختار مباشرته لو ترك ونفسه

کسی دوسرے شخص کو ایسے کام پر مجبور کرنا جس سے وہ راضی نہ ہو اور نہ ہی وہ اپنے اختیار سے اسے کرتا ہو اگر اپنے تئیں چھوڑنا چاہے تو چھوڑ نہ سکے علامہ سرخسی نے مبسوط میں اکراہ کی اسطرح تعریف کی ہے **فعل يفعله الا نسان بغيره فينتفي به رضاه او يزول به اختياره** (اکراہ ایسا فعل ہے جسے کوئی انسان کسی دوسرے شخص کے ذریعہ انجام دیتا ہے اس سے اس کی رضا منتفی ہو جاتی اور اور اس کا اختیار جاتا رہتا ہے۔

رضا سے مقصود دل لگی اور رغبت سے کسی فعل کو انجام دینا ہے اختیار سے مقصود کسی فعل کو سرانجام دینے یا ترک کرنے کی ترجیح ہے۔

اکراہ کی اقسام......حنفیہ کے نزدیک اکراہ کی دو قسمیں ہیں:

۱......اکراہ ملجی یا اکراہ کامل اور تام ۲......اکراہ غیر ملجی یا اکراہ قاصر، ناقص۔

اکراہ ملجی: وہ اکراہ ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے انسان کے پاس قدرت اور اختیار باقی نہیں رہتا مثلاً جان کی ہلاکت یا کسی فرد کی ہلاکت کی دھمکی دی جا رہی ہو۔ اکراہ ملجی کا حکم یہ ہے کہ اس سے رضا معدوم ہو جاتی ہے اور اختیار فاسد ہو جاتا ہے۔

اکراہ غیر ملجی......ایسے اکراہ کو کہتے ہیں جس میں جان یا اعضاء کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو البتہ قید وغیرہ کی دھمکی ہو یا ایسی ضرب کی دھمکی ہو جس سے جان کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو، اس اکراہ کا حکم یہ ہے کہ اس سے رضا معدوم ہو جاتی ہے اور اختیار فاسد ہو جاتا ہے۔ ❶

اکراہ کی تیسری قسم......حنفیہ کے نزدیک اکراہ کی تیسری قسم بھی ہے جسے اکراہ ادبی کہا جاتا ہے یہ وہ اکراہ ہے کہ اس سے رضا تمام طور پر معدوم ہو جاتی ہے اور اختیار معدوم نہیں ہوتا جیسے مثلاً باپ دادا یا اولاد یا بھائی بہن کو قید و حبس میں رکھنے کی دھمکی۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ استحساناً شرعی اکراہ ہے قیاساً نہیں۔ حنفیہ میں سے ابن ہمام نے یہی لکھا ہے۔

شافعیہ کی رائے......یہ ہے کہ اکراہ کی صرف ایک ہی قسم ہے اور وہ اکراہ ملجی ہے۔ رہی بات اکراہ غیر ملجی کی سوا ئے اکراہ نہیں کہا

---

❶ ......البدائع ۷/۱۷۵ تکملة فتح القدير ۷/۲۹۲ تبيين الحقائق ۵/۱۸۱ دار الحكام ۲/۲۶۹ الدر المختار وردالمحتار ۵/۸۸، الو سيط فى اصول الفقه الا سلامى للمو لف ۱۸۵ الشرح الصغير ۲/۵۴۶

جاتا ہے۔شافعیہ کہتے ہیں: اکراہ ڈرانے دھمکانے سے ثابت ہو جاتا ہے مثلاً ضرب شدید حبس طویل اور اتلاف مال وغیرہ۔ اکراہ کا اثر احوال مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے ایسی دھمکی سے اکراہ ثابت نہیں ہوتا جس کی مستقبل میں مدت مقرر کر دی گئی ہو جیسے مثلاً کوئی شخص کہے: میں کل ضرور تمہاری پٹائی کروں گا استحقاقی سزا کی دھمکی سے بھی اکراہ ثابت نہیں ہوتا مثلاً کہا ایسا کرو ورنہ میں تم سے قصاص لوں گا شافعیہ کے نزدیک اکراہ کی شرط یہ ہے کہ مکرہ (اکراہ کرنے والا) جو دھمکی دے رہا ہو اسے کر گزرنے کی قدرت رکھتا ہو اسے یہ قدرت خواہ ولایت عامہ سے حاصل ہو یا ظلم وغلبہ سے حاصل ہو جب کہ مستکرہ (مجبور) بھاگ کر یا کسی اور طریقہ سے اس سے دفاع نہ کر سکتا ہو اور قوی گمان ہو کہ اگر مستکرہ نے وہ فعل انجام نہ دیا تو مکرہ جس امر کی دھمکی دے رہا ہے وہ کر گزرے گا بغیر کسی حق کے مستکرہ کا تصرف نافذ نہیں ہوگا۔ لیکن اس کے مباشر ہونے کی وجہ سے جنایت قتل کا اس سے قصاص لیا جائے گا۔)❶

دوسری بحث اکراہ کی شرائط...... اکراہ کے متحقق ہونے کے لئے گیارہ شرطیں ہیں اور وہ درج ذیل ہیں۔

اول:...... یہ کہ مکرہ (مجبور کرنے والا) جس بات کی دھمکی دے رہا ہو اس کے کر گزرنے پر قادر بھی ہو ورنہ اس کی دھمکی محض گیدڑ بھبھکی ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: اکراہ صرف سلطان کی طرف سے ہو سکتا ہے چونکہ غیر سلطان جس بات کی دھمکی دے رہا ہو اس کے کر گزرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں...... اکراہ سلطان اور غیر سلطان دونوں سے ہو سکتا ہے چونکہ ضرر اور نقصان سلطان کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی لاحق ہو سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف درحقیقت وقت وزمانے پر مبنی ہے دلیل وحجت کا اختلاف نہیں۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے کی رعایت کرتے ہوئے فتوی دیا اور پھر صاحبین کے زمانہ میں حالات تبدیل ہو گئے اور انھوں نے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق فتویٰ دیا بغدادی کہتے ہیں: اکراہ ایسے شخص سے بھی ثابت ہو جاتا ہے جو دھمکی کو کر گزرنے پر طاقت رکھتا ہو خواہ اکراہ سلطان کی طرف سے ہو یا غیر سلطان کی طرف سے۔

دوم...... مستکرہ (مجبور) کا ظن غالب ہو کہ تعمیل نہ کرنے پر جبر کرنے والا واقعی جس بات کی دھمکی دے رہا ہے کر گزرے گا اور مجبور بھاگ کر یا بائے فریاد کر کے جان چھڑانے سے عاجز ہو۔

سوم...... یہ کہ جس امر پر مجبور کیا جا رہا ہو وہ جان یا عضو یا مال کی ہلاکت کو متضمن ہو یا کسی شخص کی اذیت کو متضمن ہو جیسے بیوی والدین یا کسی اور عزیز کو قید وحبس میں رکھنے کی دھمکی ہو یا اس امر کی وجہ سے غم لاحق ہوتا ہو اور حسب حال رضا معدم ہو چنانچہ بعض لوگ سخت باتوں سے غمزدہ ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ ضرب مبرح سے غمزدہ ہوتے ہیں۔

چہارم...... مستکرہ کو جس کام پر مجبور کیا جا رہا ہو وہ اکراہ سے قبل اس کام سے باز رہتا ہو جیسے اپنے مال کو فروخت کرنا، غیر کے مال کو تلف کرنا شراب پینا اور زنا کرنا۔

پنجم...... دھمکی مجبور پر اس کام سے زیادہ خطرناک ہو جس پر اسے مجبور کیا گیا ہو چنانچہ اگر کسی شخص کو طمانچے مارنے کی دھمکی دی گئی یا وہ اپنا مال تلف کرے اس میں لامحالہ طمانچے کھالینا مال تلف کرنے سے ادنی درجے کی دھمکی ہے۔

ششم...... جس کام پر مستکرہ کو مجبور کیا جا رہا ہو اس کام کے کرنے سے مستکرہ کو خلاصی ملتی ہو۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی دوسرے سے کہا: اپنے آپ کو قتل کرو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا جمہور کے نزدیک یہ اکراہ نہیں ہے حنابلہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ چونکہ اس کام کے کرنے

❶...... تحفة الطلاب للانصاری ۲۷۲ بظاہر مالکیہ اور حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے جو شافعیہ کی ہے۔

سے یعنی اپنے آپ کو قتل کرنے سے جان کو خلاصی نہیں ملتی اس صورت میں مستکرہ کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس بات پر اقدام کرے جس پر اسے مجبور کیا گیا ہے۔

ہفتم..... یہ کہ دھمکی عاجل ہو اگر دھمکی آجل یعنی کچھ مدت کے بعد کی ہو تو اکراہ متحقق نہیں ہوگا چونکہ مہلت ملنے کی صورت میں مستکرہ استغاثہ اور عدالت کے ذریعہ خلاصی پا سکتا ہے۔

یہ شرط حنفیہ، شافعیہ اور بعض حنابلہ کے نزدیک معتبر ہے مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ شرط نہیں کہ دھمکی عاجل ہو بلکہ شرط یہ ہے کہ خوف فی الحال ہو یہ تعبیر میرے نزدیک زیادہ راجح ہے۔

ہشتم..... مستکرہ کو جس امر پر مجبور کیا گیا ہو وہ اس میں مکرہ کی مخالفت نہ کرتا ہو چاہے اس فعل کے غیر سے یا زیادتی سے یا کمی سے۔ اگر ان تین احوال میں مستکرہ کی مخالفت کی گئی تو گویا مستکرہ یہ فعل خوشی سے بجالایا حقیقت میں یہ اکراہ نہیں ہوگا یہ شافعیہ اور مالکیہ کی رائے ہے۔

چنانچہ اگر کسی شخص کو مجبور کیا گیا کہ وہ بیوی کو طلاق دے اس نے اپنا گھر فروخت کر دیا یا اسے ایک طلاق رجعی پر مجبور کیا گیا تھا اور اس نے تین طلاقیں دے دیں یا اسے تین طلاقوں پر مجبور کیا گیا تھا اور اس نے ایک طلاق دی تو یہ تینوں صورتیں شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک واقع ہو جائیں گی چونکہ یہ اکراہ نہیں ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ کمی میں مخالفت ہو مثلاً ایک شخص کو کسی کام پر مجبور کیا گیا اس نے وہ کام کمی کے ساتھ بجالایا تو وہ شخص مکرہ غیر مختار ہوگا البتہ اگر زیادتی کر دی یا جس کام پر اسے مجبور کیا گیا تھا اس کے خلاف کوئی دوسرا کام کر دیا تو فاعل مکرہ نہیں ہوگا بلکہ مختار ہوگا جیسے شافعیہ اور مالکیہ نے کہا ہے۔

نہم..... شافعیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ جس کام پر مجبور کیا جا رہا ہو وہ کام معین ہو یعنی وہ شئے واحد ہو چنانچہ اگر کسی شخص کو بیوی کی طلاق پر مجبور کیا گیا تو یہ اکراہ ہوگا اور اگر دو بیویوں میں سے کسی ایک کی طلاق یا زید یا عمرو میں سے کسی ایک کو قتل کرنے پر مجبور کیا گیا تو یہ اکراہ نہیں ہوگا۔

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ نے یہ شرط عائد نہیں کی۔ چنانچہ اگر کسی شخص کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی دو بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق دے تو وہ مکرہ کہلائے گا۔

دہم..... یہ کہ جس کام پر مجبور کیا جا رہا ہو وہ کام کسی دوسرے ناحق کام کا واسطہ اور سبب نہ ہو چنانچہ اگر خاوند نے بیوی کو طلاق کی دھمکی دی کہ اگر بیوی نے خاوند کو دین سے بری نہ کیا تو وہ اسے طلاق دے دے گا۔ یہ اکراہ نہیں ہوگا بعض فقہاء کہتے ہیں یہ اکراہ ہوگا چونکہ خاوند بیوی کی لئے سلطان ہے لہٰذا اکراہ ہوگا۔

یہ شرط متاخرین شافعیہ کے ہاں معتبر ہے اور اس میں حنفیہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے جب کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شرط عائد نہیں کی۔

یازدہم..... یہ کہ مستکرہ کو جس کام پر مجبور کیا جا رہا ہو وہ کام مستکرہ پر حق نہ ہو مثلاً دیوالیہ شخص کو مال فروخت کرنے پر مجبور کیا گیا یا قاتل عمد کو قصاص کی دھمکی دی گئی یا ایلاء کی قسم کھانے والے کو طلاق کی دھمکی دی گئی ان سب صورتوں میں اکراہ نہیں ہوگا چونکہ جس کام پر مستکرہ کو مجبور کیا جا رہا ہے وہ مستکرہ پر واجب و مستحق ہوتا ہے۔

خلاصہ..... شافعیہ اور حنابلہ تین شرائط میں متفق ہیں:

۱..... مکرہ قدرت رکھتا ہو۔

۲..... مستکرہ اپنا دفاع کرنے سے عاجز ہو۔

۳.....یہ کہ مستکرہ کو ضرر کثیر کا اندیشہ ہو جیسے قتل، شافعیہ نے یہ شرط بھی عائد کی ہے کہ اکراہ بغیر کسی حق کے ہو۔

تیسری بحث: تصرفات حسیہ میں اکراہ کا اثر......وہ کام جس کو کرنے یا چھوڑنے پر مستکرہ کو مجبور کیا جا رہا ہو وہ یا تو امور حسیہ میں سے ہوگا یا امور شرعیہ میں سے ہوگا پھر دونوں صورتوں میں یا تو وہ امر معین ہوگا یا اختیاری ہوگا۔

معین حسی تصرفات سے دو حکم تعلق رکھتے ہیں:

۱.....بنسبت آخرت کے۔

۲.....بنسبت دنیا کے۔

حسی تصرفات میں آخرت کے احکام تصرف کی نوع کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں تصرف حسی کی تین اقسام ہیں: مباح، مرخص فیہ (جس میں رخصت ہو) اور حرام۔

۱۔ حسی تصرف جو اکراہ کی وجہ سے مباح ہو......جیسے مردار، خون اور خنزیر کا گوشت کھانا، شراب پینا اس کا حکم اکراہ کی اقسام کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے چنانچہ اگر اکراہ ملجی ہو مثلاً جان یا عضو کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو یہ افعال مباح ہوں گے چونکہ اللہ تعالیٰ نے ضرورت کے موقع پر ان افعال کو مباح قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ......الانعام ۶/ ۱۱۹

ہاں البتہ اگر تم اس ممنوع فعل کو کرنے میں اضطراری حالت میں پہنچ جاؤ۔

اگر مستکرہ اس ممنوع فعل سے باز رہا یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا تو عنداللہ اس کا مواخذہ ہوگا چونکہ اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا ہے جب کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ......البقرۃ ۲/ ۱۹۵

اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

اگر اکراہ غیر ملجی یعنی ناقص ہو مثلاً حبس و قید یا معمولی مار پٹائی کی دھمکی دی گئی ہو تو اس فعل کا اقدام اس کے لئے مباح نہیں ہوگا اور اسے رخصت نہیں ملے گی بلکہ اس فعل کے اقدام پر گناہ گار ہوگا چونکہ اس صورت میں اللہ کے حق کو اپنے حق پر مقدم کرنا واجب ہے۔

خلاصہ......یہ جملہ تصرفات صرف اکراہ ملجی کی صورت میں مباح ہوں گے۔

۲۔ حسی تصرفات اکراہ کی وجہ سے جس میں رخصت دی گئی ہے......جیسے ایمان پر پوری طرح دل مطمئن ہو اور محض زبان سے کلمہ کفر جاری کر دیا جائے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر دی جائے یا صلیب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی جائے یا کسی مسلمان کا مال ضائع کر دیا جائے چنانچہ یہ امور مباح نہیں ہوں گے لیکن اکراہ تام کی صورت میں ان کو کرنے کی رخصت ہے اگر مستکرہ ان امور کو کرنے سے باز رہا یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا تو اسے عنداللہ جہاد کا ثواب ملے گا اگر اکراہ ناقص ہو تو پھر یہ امور سرے سے قابل رخصت نہیں۔ اگر امور صادر ہو گئے تو فاعل کافر قرار پائے گا اگرچہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو یہ حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب ہے۔

جبکہ شافعیہ حنابلہ، اور ظاہریہ نے اکراہ ناقص کی صورت میں کلمہ کفر کی رخصت دی ہے چونکہ ابتدائے اسلام میں کفر پر مجبور کرنے کے جو اکثر واقعات پیش آئے ان میں اکراہ ناقص تھا اس لحاظ سے یہ رائے راجح ہے۔

اکراہ تام کی صورت میں زبان سے کلمہ کفر جاری کرنے کی رخصت پر دلیل یہ آیت ہے:

---

❶.....البدائع ۷/ ۱۷۶ تبیین الحقائق ۵/ ۱۸۵ الدر المختار ۵/ ۹۲ تکملة فتح القدیر ۷/ ۱۹۸ الکتاب مع اللباب ۴/ ۱۱۰

مَنۡ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اِيۡمَانِهٖۤ اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَ قَلۡبُهٗ مُطۡمَـئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ وَ لٰـكِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡكُفۡرِ صَدۡرًا فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ‌ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۰۶﴾ النحل ۱۶/۱۰۶

جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرے وہ نہیں جسے زبردستی (کلمہ کفر کہنے پر) مجبور کر دیا گیا ہو جب کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو بلکہ وہ شخص جس نے اپنا سینہ کفر کے لئے کھول دیا ہو تو ایسے لوگوں پر اللہ کی طرف سے غضب نازل ہوگا اور ان کے لئے زبردست عذاب تیار ہے۔

یہی جمہور اور ظاہریہ کا مذہب ہے۔

مالکیہ......صرف قتل کی دھمکی پر کلمہ کفر زبان سے جاری کرنے کو مباح قرار دیتے ہیں اگر کسی عضو کو تلف کرنے کی دھمکی ہو تو کلمہ کفر کو زبان سے جاری کرنے کو مباح قرار نہیں دیتے۔

ملاحظہ......کلمہ کفر سے باز رہنا افضل ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ مسیلمہ کذاب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابہ کو گرفتار کر لیا ان میں سے ایک صحابی سے کہا: محمد کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ صحابی نے جواب دیا: وہ تو اللہ کے رسول ہیں۔ مسیلمہ (ملعون) نے کہا: میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ صحابی نے جواب دیا: اور تم بھی (یعنی تم بھی اللہ کے رسول ہو) مسیلمہ نے اس صحابی کو چھوڑ دیا مسیلمہ نے دوسرے صحابی سے کہا: تم محمد کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ انھوں نے جواب دیا: وہ اللہ کے رسول ہیں مسیلمہ نے کہا: میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ صحابی نے جواب دیا: میں بہرہ ہوں بات نہیں سن سکتا۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب نے تین بار یہی بات دہرائی صحابی نے بھی تین بار یہی جواب دیا۔ چنانچہ مسیلمہ نے اس صحابی کو قتل کروا دیا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ کی خبر ہوتی تو فرمایا: رہی بات پہلے شخص کی سو اس نے اللہ تعالیٰ کی رخصت پر عمل کیا۔ رہی بات دوسرے کی سو اس نے حق کا بول بالا کیا۔ یہ حق گوئی اسے مبارک ہو۔ ❶

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اکراہ کے وقت گستاخی کرنے کی رخصت اس حدیث سے ثابت ہے کہ کفار نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے پر مجبور کیا، پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے پوچھا: اے عمار! تمہارے پیچھے کیا حالات ہیں، عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حالات بہت برے ہیں کفار نے اس وقت تک مجھے نہیں چھوڑا جب تک میں نے آپ کی شان میں گستاخی نہ کر لی اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کفار تمہیں پھر مجبور کریں تو تم بھی میری گستاخی کر لو۔ ❷

اگر مستکرہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے سے باز رہا تو عند اللہ ماجور ہوگا اس کی دلیل حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے آپ رضی اللہ عنہ کو مشرکین نے گرفتار کر کے اہل مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا اہل مکہ آپ رضی اللہ عنہ کو سخت اذیت پہنچاتے اور مطالبہ کرتے کہ ہمارے معبودان کا تذکرہ خیر کرو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دو آپ رضی اللہ عنہ ان کے معبودان باطلہ کو گالیاں دیتے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کرتے جب کفار ہر طرح سے مایوس ہو گئے تو انہیں قتل کرنے پر سب نے اتفاق کر لیا آپ رضی اللہ عنہ نے قتل ہونے سے قبل دو رکعتیں نماز پڑھنے کی مہلت مانگی چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت مختصر سی دو رکعتیں پڑھی تا کہ کفار کو یہ گمان نہ ہو کہ آپ رضی اللہ عنہ موت کے ڈر کی وجہ سے لمبی نماز پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے کفار سے یہ مطالبہ کیا کہ میں سجدہ کرتا ہوں مجھے سجدہ کی حالت میں قتل کر دیا جائے تاہم کفار نے انکار کر دیا پھر آپ رضی اللہ عنہ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی: اے میرے اللہ! میں تو صرف دشمن کے منحوس چہرے دیکھ رہا ہوں (کوئی ہمنوا نہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام پہنچائے لہٰذا) تو ہی میرا اسلام حضور

❶...... تفسیر القرطبی ۱۰/۱۸۹ التلخیص الحبیر ۳۸۱۔ ❷ رواہ الحاکم والبیھقی وابن ابی شیبہ وابونعیم وعبدالرزاق واسحاق بن راھویہ وقال الحاکم علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ (نصب الرایۃ ۴/۱۵۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچادے پھر فرمایا: یااللہ ان کفار کی تعداد شمار کرے اور ان کا بالکلیہ صفایا کردے اور ان میں سے کسی کو باقی نہ رکھ پھر یہ شعر پڑھا:

ولست ابالی حین اقتل مسلما　　　علی ای جنب کان فی اللہ مصر عی

جب مجھے اسلام پر قتل کیا جارہا ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں خواہ جس پہلو کے بل اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے پچھاڑا جائے۔

چنانچہ کفار نے جب آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا اور پھر آپ رضی اللہ عنہ کو سولی پر لٹکا دیا تو آپ رضی اللہ عنہ کا چہرہ قبلہ کی طرف مڑ گیا آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ سید الشہداء ہے اور جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ [1]

یہ واقعہ اس بات پر دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی سے باز رہنا افضل ہے۔ [2]

رہی بات کسی مسلمان کے مال کو تلف کرنے کی بات سو اکراہ تام میں اس کی رخصت ہے چونکہ ضرورت کے موقع پر دوسرے کا مال مباح ہوتا ہے جیسے مخمصہ کی حالت میں دوسرے کا مال جان بچانے کے لئے کھالینا مباح ہے چنانچہ اکراہ میں بھی ضرورت درپیش ہے۔ البتہ رخصت کا اثر ضروری مواخذہ کے سقوط میں ظاہر ہوگا اصل حرمت پھر بھی باقی رہتی چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر حرام ہے اس کا مال اس کی جان اور اس کی عزت حرام ہے [3] اکراہ تام میں اتلاف مال سے مراد مال کو جلانا وغیرہ شافعیہ، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے۔

مالکیہ اور ظاہریہ کی رائے ہے کہ مال جلانے میں رخصت نہیں ہے چونکہ اس میں بندے کا حق متعلق ہے، چونکہ شارع نے دوسرے کو ضرر پہنچانے کو حرام قرار دیا ہے [4] چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لاضرر ولاضرار یعنی نہ ضرر پہنچانا چاہیے اور نہ ہی ضرر پہنچانے کے درپے ہونا چاہیے۔ [5]

اسلام پر مجبور کرنا اگرچہ شرعاً ممنوع ہے اگر اسلام کا وقوع ہوا تو معتبر ہوگا اور مستکرہ کے ساتھ مسلمان جیسا معاملہ کیا جائے گا چونکہ یہ اکراہ مستکرہ کی اصلاح کے لیے ہے اور دین حق کی سربلندی کے لیے ہے اس لیے اس کا اثر معتبر ہوگا۔

۳۔ **حرام حسی تصرف جو اکراہ کی وجہ سے نہ مباح ہے اور نہ ہی اس میں رخصت ہے**...... یہ وہ اکراہ ہے کہ جس میں ناحق کسی مسلمان کو قتل کرنا ہو یا اس کے کسی عضو کو تلف کرنا ہو اگرچہ انگلیوں کے پور ہی کیوں نہ ہوں چونکہ قتل حرام محض ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ الا بالحق ......الاسراء ۱۷/۳۳

کسی جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام کردیا ہے ہاں البتہ کسی حق کے ساتھ۔

نیز ظلم زیادتی حرام ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۸﴾ الاحزاب ۳۳/۵۸

---

[1] ......روی قصۃ القتل احمد والبخاری وابوداؤد والنسائی عن ابی ہریرۃ قال الزیلعی القول ہو سید الشہداء الخ حدیث غریب لان المعروف ان حمزۃ رضی اللہ عنہ سید الشہداء کما روی الحاکم: البدائع ۱۷۶ تکملۃ فتح القدیر ۲۹۹ تبیین الحقائق ۱۸۶ الدرالمختار ۹۳ الکتاب مع اللباب الحاکم۔ [2] الموافقات ۱/۳۲۵ اصول الفقہ المؤلف ۱/۱۱۳ الشفاء للقاضی عیاض ۲/۲۲۲۔ [3] رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ الاربعین النوویۃ ۷۶۔ [4] تکملۃ فتح القدیر ۷/۳۰۲ الدرالمختار ۳/۹۵ والمراجع السابقہ۔ [5] رواہ ابن ماجہ والدارقطنی وغیرہما عن ابی سعید الخدری (مجمع الزوائد ۴/۱۱۰ سبل السلام ۳/۸۴)

اور جولوگ مومن مرد اور مومن عورتوں کو ایسے کام کی تہمت سے جوانہوں نے نہ کیا ہو ایذاء پہنچائیں تو اپنے نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھا۔ حرمت برابر ہے خواہ اکراہ تام ہو یا اکراہ ناقص۔

اس کی ایک مثال والدین کو مارنے کی بھی ہے خواہ والدین کو کم مارے یا زیادہ چنانچہ اکراہ کی وجہ سے والدین کو مارنا مباح نہیں بلکہ حرام ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا ......الاسراء ۱۷/۲۳

والدین کو اف مت کہو اور نہ ہی انھیں ڈانٹو۔

ظاہر ہے جب اف سے منع کیا گیا ہے تو مار پٹائی سے بطریق اولی منع کیا گیا ہے۔

اسی طرح زنا مباح نہیں اور نہ ہی اکراہ کی وجہ سے اس کی رخصت ہے اگر مستکرہ نے زنا کر دیا تو گناہ گار ہوگا چونکہ زنا کی حرمت عقلاً ثابت ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ۝ الاسراء ۱۷/۳۲

زنا کے قریب بھی مت جاؤ چونکہ زنا بے حیائی اور بہت برا راستہ ہے۔

اکراہ کی صورت میں عورت کو بھی زنا کی رخصت نہیں دی گئی اگر چہ زنا تام ہو علامہ کاسانی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

خلاصہ...... کفر، قتل اور زنا کسی صورت میں بھی مباح نہیں مباشر گناہ گار ہوگا اگر چہ کلمہ کفر کو زبان پر لانے میں رخصت ہے رخصت اور اباحت میں واضح فرق ہے چنانچہ رخصت کی صورت میں فی ذاتہ فعل مباح نہیں ہوگا البتہ صرف مسئولیت اٹھائی جاتی ہے جب کہ اباحت کی صورت میں فی ذاتہ شے مباح ہوتی ہے گناہ اور دنیوی مسئولیت اٹھالی جاتی ہے۔

دنیوی احکام...... یعنی انواع ثلاثہ میں دنیوی احکام درج ذیل ہیں۔

نوع اول...... اس نوع میں درج ذیل امور پر گفتگو ہوگی۔

۱۔ شراب نوشی پر اکراہ...... اگر اکراہ تام ہو تو بالاتفاق شراب نوشی کی وجہ سے مستکرہ پر حد شراب جاری نہیں ہوگی چونکہ حد اس لیے ہوتی ہے تا کہ مستقبل میں مباشر اس فعل شنیع سے باز رہے جب کہ مستکرہ کی شراب نوشی جنایت نہیں بلکہ شراب نوشی اس کے لیے مباح ہے۔

اکراہ کی وجہ سے جو شخص شراب پی لے اور پھر اسے نشہ چڑھ جائے تو جمہور کے نزدیک اس کے تصرفات نافذ نہیں ہوں گے چونکہ حالت اختیار میں شرابی کے تصرفات سزا کے طور پر نافذ العمل ہوتے ہیں تا کہ اس پر جتنی زیادہ سختی ہو اچھا ہے۔

اگر اکراہ ناقص ہو تو حنفیہ کے نزدیک مستکرہ پر حد جاری کی جائے گی چونکہ اس صورت میں شراب نوشی حرام اعتبار ہوگا اور شراب نوشی کا حکم لاگو ہوگا۔

جبکہ جمہور فقہاء کے نزدیک اکراہ ناقص کی صورت میں شراب پینے پر حد نہیں ہوگی چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کو خطا نسیان اور وہ معاملہ جس پر انھیں مجبور کر دیا گیا ہو معاف فرما دیے ہیں۔ [1]

۲۔ اکراہ بر سرقہ...... یعنی چوری پر اکراہ چنانچہ اگر اکراہ تام ہو تو مستکرہ چور پر کوئی گناہ نہیں حدیث سابق کی وجہ سے حد نہیں ہوگی نیز حدود شبہات سے ختم ہو جاتی ہیں۔ اور اگر اکراہ ناقص ہو تو بعض فقہاء کے نزدیک گناہ اور حد ختم نہیں ہوگی۔ چونکہ چوری کے فعل میں کوئی ضرورت

---

[1] ......رواه الطبرانی فی الکبیر عن ثوبان وابی الدرداء واخرجه ابن ماجة وابن حبان والحاکم عن ابن عباس مرفوعاً رواه ابن ماجة ایضاً عن ابی ذر ورواه ابونعیم عن ابن عمر.

نہیں جب کہ جمہور فقہاء کے نزدیک گناہ اور حد نہیں ہوگی اس کی دلیل سابقہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ......الخ۔ اس حدیث میں موجب اکراہ سے مطلقاً معافی ہے خواہ اکراہ تام ہو یا ناقص۔

نوع دوم...... اس میں دو بحثیں ہیں۔

ا۔ کفر پر اکراہ...... اگر اکراہ تام ہو تو مستکرہ کے کافر ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور نہ ہی مستکرہ کی بیوی کفر کی وجہ سے بائنہ ہوگی اس پر فقہاء کا اتفاق ہے البتہ مالکیہ کے نزدیک اگر قتل کی دھمکی نہ ہو اور مستکرہ کفر کا اقدام کر بیٹھے تو مالکیہ کے نزدیک وہ کافر ہو جائے گا چونکہ قتل کے علاوہ باقی امور کفر میں کم خطرہ رکھتے ہیں۔

اگر اکراہ ناقص ہو اور مستکرہ نے کلمہ کفر زبان سے جاری کر دیا تو شافعیہ حنابلہ اور ظاہریہ کے نزدیک مستکرہ مرتد نہیں ہوگا چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ......النحل ۱۶/۱۰۶

مالکیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اکراہ ناقص کی صورت میں مستکرہ کے کافر ہونے کا حکم لگایا جائے گا اور وہ مرتد ہو جائے گا اس پر مرتد کے احکام لاگو ہوں گے چونکہ حقیقت میں وہ مکرہ نہیں اس نے کفر کا اقدار محض غم دور کرنے کے لیے کیا ہے یہاں کفر کی ضرورت نہیں لیکن نص کو سامنے رکھتے ہوئے پہلی رائے زیادہ راجح ہے۔

یہ اختلاف صلیب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے اور بت کو سجدہ کرنے میں بھی جاری ہوگا۔

اگر مسلمان کو کفر پر مجبور کیا جائے تو مسلمان کافر نہیں ہوگا اور اگر کافر کو اسلام پر مجبور کیا جائے تو وہ مسلمان کہلائے گا دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ ایمان حقیقت میں تصدیق ہے اور کفر تکذیب ہے اور ان دونوں چیزوں کا تعلق دل سے ہے جب کہ اکراہ کا تعلق دل سے نہیں لہٰذا حالت اختیار میں زبان کو دل کی دلیل قرار دیا گیا ہے جب کہ کفر پر اکراہ کی حالت میں زبان کو دل کی دلیل قرار نہیں دیا گیا چونکہ ایمان قلبی چیز ہے، البتہ اسلام پر اکراہ کی صورت میں یہ احتمال ہوگا کہ مستکرہ کے دل میں کفر ہو لیکن جانب اسلام کو حق کی سربلندی کی وجہ سے ترجیح ہوگی اور حق کی سربلندی واجب ہے [1] چنانچہ آپ علیہ السلام کا فرمان ہے اسلام کی شان بلند ہے اور اس پر کسی اور دین کو بلندی نہیں دی گئی۔ [2]

ملاحظہ...... جمہور علماء کے نزدیک حربی کو اسلام پر مجبور کرنا جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ذمی اور مستامن (اجازت نامہ لے کر دارالاسلام آنے والے) کو بھی اسلام پر مجبور کرنا جائز ہے جب کہ جمہور علماء کے نزدیک ان دونوں کو مجبور کرنا جائز نہیں۔ اس اختلاف کے دلائل فقہ کی مطول کتابوں میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں البتہ ذمی کے معاملہ میں جمہور کا مذہب راجح ہے اور میرے نزدیک حربی کے معاملہ میں راجح یہ ہے کہ اسے اسلام پر مجبور نہیں کیا جائے گا جیسا کہ علماء کی ایک بڑی جماعت کی یہی رائے ہے نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ......البقرۃ ۲/۲۵۶

دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ [3]

۲۔ اتلاف مال پر اکراہ...... اگر کسی شخص نے دوسرے آدمی کو کسی کے گھر یا اثاثہ جات کے جلانے پر مجبور کیا پھر اگر اکراہ تام ہو تو

---

[1] ......البدائع ۶/۱۷۸ بحث الاکراہ للاستاد البر دیسی ۶۱ تکملۃ فتح القدیر ۷/۳۰۷ المغنی ۸/۱۴۵ الکتاب مع اللباب ۴/۱۱۴۔ [2] اخرجه الدارقطنی عن عائذ بن عمرو المزنی وفیه مجهولان رواه الطبرانی والبیهقی عن عمر ورواه نهشل عن معاذ وروی عن ابن عباس موقوفا (نصب الرایة ۲/۲۱۳ سبل السلام ۴/۶۷۔ [3] راجع آثار الحرب فی الفقه الاسلامی الطبعة الثانیة للمولف ۷۸۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ضمان مکرہ (مجبور کرنے والے) پر ہوگا بعض شافعیہ کے نزدیک بھی یہی ہے۔ چونکہ مستکرہ کا ارادہ معدوم ہے وہ تو مکرہ کا صرف آلہ کار ہے اور بالاتفاق ضمان آلہ پر نہیں ہوتا۔

مالکیہ، ظاہریہ اور بعض شافعیہ کے نزدیک ضمان مستکرہ (مجبور) پر ہوگا چونکہ مستکرہ اس حالت میں مضطر ہے جیسے حالت اضطرار میں دوسرے کا کھانا کھانا جائز ہے اور ضمان مضطر پر ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی ضمان مستکرہ پر ہوگا۔

شافعیہ کے نزدیک راجح اور حنابلہ کا ایک قول یہ ہے کہ ضمان مکرہ اور مستکرہ دونوں پر ہوگا چونکہ حقیقتاً مباشر مستکرہ ہے اور مکرہ بالواسطہ مباشر ہے لہٰذا ضمان میں دونوں برابر ہوں گے لیکن اصح قول کے مطابق بالآخر ضمان مکرہ پر لاگو ہوگا۔

د اگر اکراہ ناقص ہو تو حنفیہ، مالکیہ، ظاہریہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ضمان مستکرہ پر ہوگا چونکہ اکراہ ناقص سے اختیار بالکلیہ سلب نہیں ہوتا لہٰذا مستکرہ مکرہ کا محض آلہ کار نہ ہوا لہٰذا تلف مال کا فعل مستکرہ سے صادر ہوا ضمان بھی اسی پر واجب ہوگا۔ ❶

نوع سوم...... اس میں بھی دو بحثیں ہیں۔

ا۔ قتل پر اکراہ...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ قتل پر اکراہ گناہ ہے اگر اکراہ تام ہو اور مستکرہ نے کسی کو قتل کر دیا تو اس کے قصاص میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام محمد، داؤد ظاہری اور ایک روایت میں امام احمد اور ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مستکرہ پر قصاص نہیں ہے بلکہ مکرہ (مجبور کرنے والے) پر قصاص ہوگا اور مستکرہ پر صرف تعزیر ہوگی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

غفرت عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ

چنانچہ کسی چیز سے معافی درحقیقت اس چیز کے مقتضاء سے معافی ہوتی ہے۔ لہٰذا جس امر پر اکراہ کیا گیا ہو اس کا مقتضی معافی ہے نیز مستکرہ تو بس آلہ کار ہے جب کہ فی الواقع قاتل مکرہ ہے اور مستکرہ سے قتل کی صورت وجود میں آئی ہے لہٰذا مستکرہ آلہ کے مشابہ ہوا اس واسطے مستکرہ پر قصاص نہیں ہوگا۔

امام زفر اور ابن حزم ظاہری کہتے ہیں...... مستکرہ سے قصاص لیا جائے گا چونکہ حساب اور مشاہدہ و حقیقتاً قتل مستکرہ سے پایا گیا ہے نیز مستکرہ نے ایسے فعل کا ارتکاب کیا ہے جو اس پر حرام تھا رہی بات مکرہ کی سو وہ تو متسبب ہے تسبب کی وجہ سے قصاص نہیں ہوتا امام طحاوی نے یہ رائے راجح قرار دی ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نہ مستکرہ سے قصاص لیا جائے گا اور نہ ہی مکرہ سے چونکہ قصاص لینے میں شبہ آ گیا ہے چونکہ مکرہ حقیقۃ قاتل نہیں وہ تو قتل کا سبب ہے حقیقتاً قاتل تو مستکرہ ہے اور جب قصاص مستکرہ پر واجب نہیں تو بطریق اولیٰ مکرہ پر بھی واجب نہیں البتہ مکرہ پر دیت واجب ہوگی اور مستکرہ پر کچھ نہیں ہوگا۔

مالکیہ اور شافعیہ کا راجح قول اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ مستکرہ اور مکرہ دونوں سے قصاص لیا جائے گا چونکہ حقیقت میں مستکرہ کی طرف سے قتل پایا گیا ہے اور مکرہ قتل کا متسبب ہے اور متسبب مباشر کے حکم میں ہوتا ہے۔

پہلی رائے بقیہ آراء سے زیادہ راجح ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اگر اکراہ ناقص ہو تو مستکرہ پر قصاص واجب ہے

---

❶ البدائع ۱۷۹/۲ اللباب شرح الکتاب ۱۱۲/۴ تکملۃ فتح القدیر ۳۰۲/۷ تبیین الحقائق ۱۷۶ المحلی لابن حزم ۳۸۱/۸ الاشباہ والنظائر للسیوطی ۱۷۹ فواعد الاحکام ۱۳۲/۲ تھیب الفروق ۲۰۳/۲ کشاف القناع ۹۸/۴ الشرح الکبیر الدردیر وحاشیۃ الدسوقی ۳۴۴/۳ القواعد لابن رجب حنبلی ۲۸۶۔

اوراس میں کوئی اختلاف نہیں چونکہ اکراہ ناقص سے اختیار سلب نہیں ہوتا لہٰذا اکراہ ناقص وجوب قصاص کے مانع نہیں ہوگا۔

رہی بات حالت اکراہ میں دیت کی......سوحنفیہ کے نزدیک اس کے وجوب میں دوآراء ہیں راجح رائے یہ ہے کہ دیت مستکرہ پر واجب ہوگی۔

اگر مستکرہ کو مورث کے قتل پر مجبور کردیا گیا اوراس نے مورث کو قتل کردیا تو امام زفر کے علاوہ ائمہ حنفیہ کے نزدیک مستکرہ وراثت سے محروم نہیں ہوگا۔

اگر مستکرہ نے کسی انسان کا ہاتھ کاٹ دیا تو اکراہ علی قتل پر مذکورہ بالا اختلاف اس میں بھی جاری ہوگا۔

اگر مظلوم نے مستکرہ کو ہاتھ کاٹنے یا قتل کرنے کی اجازت دے دی تو مستکرہ کے لیے ارتکاب مباح نہیں ہوگا چونکہ یہ جنایات اجازت سے مباح نہیں ہوتیں، اگراس حالت میں ہاتھ کاٹ دیا گیا تو ضمان کسی پر نہیں ہوگا چونکہ مظلوم نے ہاتھ کاٹنے کی اجازت دے دی البتہ قتل کی صورت میں اجازت کا اعتبار نہیں اور دیت مکرہ پر واجب ہوگی ظاہر الروایۃ میں یہی ہے ایک اور روایت کے مطابق دیت واجب نہیں ہوگی۔ ❶

ا......اکراہ علی زنا کا وقوع یا تو عورت پر ہوگا یا مرد پر ہوگا۔

اگر عورت کو زنا پر مجبور کیا گیا تو عورت پر جمہور فقہاء کے نزدیک حد نہیں ہوگی برابر ہے کہ اکراہ خواہ تام ہو یا ناقص۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۳ النور ۲۴/۳۳

اوراپنی باندیوں کو دنیا کا سازوسامان حاصل کرنے کے لیے بدکاری پر مجبور نہ کرو اور جو کوئی انہیں مجبور کرے گا تو ان کو مجبور کرنے کے بعد اللہ ان باندیوں کو) بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ جس عورت کو زنا پر مجبور کیا گیا اس کے ذمہ گناہ نہیں ہوگا جب گناہ نہیں تو حد بھی نہیں ہوگی۔

اگر کسی مرد کو زنا کرنے پر مجبور کیا گیا خواہ اکراہ تام ہو یا ناقص تو حنابلہ کے نزدیک مختار مذہب یہ ہے کہ حد زنا کرنے والے پر ہوگی چونکہ زنا آلہ تناسل کے انتشار کے بغیر نہیں ہوتا اور خوف کے ہوتے ہوئے آلہ تناسل میں انتشار پیدا نہیں ہوتا جہاں انتشار پایا جائے گا وہاں وہاں فعل میں دل کی رضامندی بھی پائی جائے گی چنانچہ جب زنا پر مجبور کئے ہوئے شخص کی طرف سے دلی رضامندی ہوئی تو اس پر حد واجب ہوگی۔

لیکن فی الواقع طبعی انتشار اختیار کی دلیل نہیں ہے۔ چونکہ طبعی انتشار عورت کے مقابلہ میں ہوجاتا ہے۔ چنانچہ سوئے ہوئے شخص کا آلہ تناسل بھی منتشر ہوجاتا ہے حالانکہ اس کا اختیار نہیں ہوتا۔

شافعیہ کہتے ہیں مستکرہ علی زنا پر حد واجب نہیں خواہ اکراہ تام ہو یا ناقص چونکہ اکراہ کی خواہ جون سی صورت بھی ہو وہ شبہ کی باعث ہے جب کہ حدود شبہات سے ختم ہوجاتی ہیں۔

رہی بات حنفیہ کی سو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ مستکرہ پر زنا پر حد واجب ہے پھر فرمایا: اگر اکراہ تام ہو یعنی اپنے زمانہ کے عرف کے مطابق امام رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اکراہ تام صرف سلطان کی طرف سے ہوسکتا ہے تو حد واجب نہیں ہوگی، اگر اکراہ غیر سلطان کی طرف سے ہو تو حد واجب ہوگی صاحبین کہتے ہیں: اکراہ تام کی صورت میں حد واجب نہیں ہوگی خواہ اکراہ تام سلطان کی طرف سے ہو

❶......البدائع ۷/۱۸۰ مجمع الضمانات ۲۰۴ اللباب شرح الکتاب ۴/۱۱۲ مختصر الطحاوی ۴۰۹.

غیر سلطان کی طرف سے صاحبین کی رائے جمہور حنیفہ کے نزدیک زیادہ راجح ہے اور آخر میں یہی رائے امام ابوحنیفہ ؒ کی بھی تھی۔

اگر اکراہ ناقص ہو تو امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے نزدیک حد واجب ہوگی چونکہ اکراہ ناقص سے اختیار سلب نہیں ہوتا لہٰذا حالت زنا میں زانی مختار ہوگا اس پر حد جاری کی جائے گی۔

خلاصہ..... حنیفہ اکراہ تام کی صورت میں حد کو واجب قرار ہیں دیتے اور اکراہ ناقص کی صورت میں واجب قرار دیتے ہیں۔

مالکیہ..... کہتے ہیں اگر مرد اور عوت دونوں کو زنا پر مجبور کیا گیا ہو تو حد واجب ہوگی اگر عورت رضامند ہو اور شادی شدہ نہ ہو تو گویا اس نے رضامندی سے اپنا حق ساقط کر دیا اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق باقی رہا اور اللہ تعالیٰ کا حق اکراہ سے ساقط ہو جاتا ہے بعض مالکیہ کے نزدیک اگر قتل کی دھمکی ہو تو حد واجب نہیں ہوگی اگر دھمکی قتل کے علاوہ کی ہو تو حد واجب ہوگی یہی قول مفتی یہ ہے اور مالکیہ کے مذہب میں مشہور یہ ہے کہ مرد عورت دونوں پر حد ہوگی۔

حنابلہ کے مذہب میں بھی مکرہ علی الزنا پر حد جاری کی جائے گی۔ بظاہر شافعیہ کا مذہب راجح ہے چونکہ حدود شبہات سے ٹل جاتی ہیں۔ ❶

دو چیزوں پر اکراہ..... اوپر جو بھی مذکور ہوا یہ تب ہے جب فعل مکرہ علیہ تصرف حسی ہو اور معین ہو اور اگر جس کام پر مستکرہ کو مجبور کیا جا رہا ہو وہ مخیر فیہ (یعنی دو چیزوں میں سے کسی ایک کے کرنے میں اختیار دیا گیا) تو اخروی حکم کے اعتبار سے فعل مخیر فیہ مباح ہوگا اور اس میں رخصت ہوگی لیکن مستکرہ پر واجب ہے کہ وہ ہلکے درجہ کے فعل کو اختیار کرے مثلاً اگر کسی شخص کو مجبور کیا گیا کہ وہ یا تو مردار کھائے یا مسلمان کو قتل کرے وہ مردار کھائے مسلمان کو قتل نہ کرے قتل کی اسے رخصت نہیں دی جائے گی اگر مستکرہ نے قتل کا ارتکاب کر لیا اور مردار کھانے سے باز رہا تو گناہگار ہوگا۔ اسی طرح اگر مسلمان کے مال ضائع کرنے یا مسلمان کو قتل کرنے پر مجبور کیا گیا تو وہ ان دو اختیارات میں سے اس فعل کو اختیار کرے جس کی شناعت اخف اور ہلکی ہو یعنی مسلمان کو قتل نہ کرے اس کا مال ضائع کرے۔

اگر قتل یا زنا میں سے کسی ایک امر پر مجبور کیا گیا یعنی ان دو میں سے کسی ایک کو اختیار کرے اسے ان میں سے کسی امر کے کرنے کی رخصت نہیں دی جائے گی اگر قتل کر دیا تو گناہ گار نہیں ہوگا۔

اگر قتل یا کفر پر مجبور کیا گیا تو اسے کلمہ کفر کے زبان سے جاری کرنے کی رخصت ہوگی بشرطیکہ ایمان پر اسکا دل مطمئن ہو۔

رہی بات دنیوی حکم کے اعتبار سے تو تخییر کے اعتبار سے تعین کی حالت میں حکم مختلف ہوگا۔ چنانچہ اگر کسی کو مجبور کیا گیا کہ یا تو وہ مردار کا گوشت کھائے یا مسلمان کو قتل کرے اس نے مردار نہ کھایا اور مسلمان کو قتل کر دیا تو حنیفہ کے نزدیک مستکرہ پر قصاص آئے گا۔ چونکہ مباح کو اختیار کر کے ضرورت کا دفیعہ اس کے لیے ممکن تھا، گو اس نے اپنے اختیار سے فعل قتل کا ارتکاب کیا۔

اگر کفر یا قتل پر مجبور کیا گیا اور مستکرہ نے قتل کر دیا اور زبان سے کلمہ کفر جاری نہ کیا تو اس صورت میں قیاس کا تقاضا ہے کہ اس پر قصاص واجب ہو چونکہ اس نے حرام کو ایسے فعل پر ترجیح دی ہے جس میں اسے رخصت حاصل تھی، جب کہ استحسان کا مقتضی یہ ہے کہ اس پر قصاص نہ ہو بلکہ اس پر دیت واجب ہو بشرطیکہ اسے علم نہ ہو کہ کلمہ کفر زبان سے جاری کرنے کی اسے رخصت حاصل ہے۔ ❶

چوتھی بحث: تصرفات شرعیہ میں اکراہ کا اثر (یعنی قولی یا قانونی تصرفات میں اکراہ کا اثر)

..... میں اولاً معین تصرفات شرعیہ کو بیان کروں گا۔

معین تصرفات شرعیہ یا تو از قبیل انشاء ہوں گے یا از قبیل اقرار، تصرفات انشائیہ کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جو فسخ کا احتمال نہیں

---

❶ البدائع ۷/ ۱۸۰ تکملة فتح القدير ۷/ ۳۰۶ مختصر الطحاوی ۴۱۰ الدر المختار ۵/ ۹۵ تبيين الحقائق ۵/ ۱۸۹۔

رکھتے دوسری قسم جو فسخ کا احتمال رکھتے ہیں۔

وہ تصرفات جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے جیسے طلاق، نکاح، ظہار، قسم، قصاص کو معاف کر دینا، بعض حنفیہ نے ان کی تعداد بیس تک بتائی ہے جب کہ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ ان کی تعداد پندرہ ہے۔ ❶

وہ تصرفات جو فسخ کا احتمال رکھتے ہیں جیسے بیع، اجارہ وغیرہ۔

اول: وہ تصرفات جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے..... یعنی وہ تصرفات جو لازم ہو جاتے ہیں اور رد نہیں کیے جا سکتے۔ چنانچہ حنفیہ کی رائے ہے کہ تصرفات شرعیہ جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے ان پر اکراہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا، ان میں رضا بھی شرط نہیں یہ تصرفات اکراہ کے ساتھ بھی نافذ ہو جاتے ہیں۔ چونکہ یہ تصرفات فسخ کو قبول نہیں کرتے لہٰذا لازم ہیں چنانچہ اگر کسی شخص کو طلاق یا نذر یا قسم یا ظہار یا نکاح یا رجعت یا ایلاء یا ایلاء سے رجوع کرنے یا قصاص سے معاف کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس کا یہ تصرف (یعنی وہ کام جس پر اسے مجبور کیا گیا ہے) واقع ہو جائے گا چونکہ ان تصرفات میں جدل وہزل (ہنسی مزاح اور سنجیدگی) برابر ہیں جب کہ اکراہ ہزل کے معنی میں اس طرح ہے کہ اس میں تصرف کا قصد صحیح نہیں ہوتا، اس میں اصل حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ یہ کہ جب مشرکین نے آپ رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرلیا اور انھیں قسم دینا چاہی کہ وہ جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للہ کی مدد نہیں کریں گے انھوں نے مجبور (حالت اکراہ) میں قسم اٹھالی پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشرکین کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ پورا کرو ہم ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں گے۔

مصنف عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر نقل کیا ہے ❷ کہ آپ رضی اللہ عنہ نے مکرہ کی طلاق کو جائز قرار دیا ہے (یعنی مکرہ کی طلاق ہو جاتی ہے) چنانچہ اس کی تائید اس آیت کے عموم سے بھی ہوتی ہے فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ اگر خاوند نے (تیسری) طلاق دے دی تو اس کے بعد بیوی اس کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ (البقرۃ ۲/ ۲۳۰) الآیۃ

خلاصہ..... یہ تصرفات صحیح ہیں اور مستکرہ کی طرف سے لازم ہو جائیں گے۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور ائمہ کی رائے ہے کہ اکراہ ان تصرفات میں اثر کرے گا اور اکراہ ان تصرفات کو فاسد کر دیتا ہے چنانچہ مکرہ کی طلاق واقع نہیں ہوگی، اکراہ میں ہونے والا نکاح بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچے گا یہی راجح ہے۔

جمہور کا استدلال یہ ہے کہ حالت اکراہ میں کلمۂ کفر جاری کرنے پر اللہ تعالیٰ نے کوئی اثر مرتب نہیں کیا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ ..... النحل ۱۶/ ۱۰۶

البتہ جس شخص کو مجبور کیا گیا ہو در حالیکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو۔

احادیث میں ثابت ہے کہ حضرت حنساء بن خزام انصاریہ رضی اللہ عنہ ثیبہ خاتون تھیں ان کے والد نے ان کا نکاح کرا دیا جسے وہ ناپسند کرتی تھیں پھر وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس کی شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح رد کر دیا۔ ❸

اس کی تائید ایک اور واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ ایک نوجوان لڑکی کی شادی اس کے باپ نے اپنے بھتیجے کے ساتھ زبردستی کرادی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکی کے نکاح کا اختیار لڑکی کو سونپ دیا۔ ❹

---

❶..... الدر المختار ردالمحتار ۵/ ۹۲ ❷ اخرجه عبد الرزاق فی مصنفه عن ابن عمر (نصب الراية ۳/ ۲۲۲ ❸ رواه البخاری عن حسناء بنت خزام نصب الراية ۳/ ۱۹۱ ❹ اخرجه النسائی واحمد عن عائشة وقال البيهقی هذا مرسل (سبل السلام ۳/ ۱۲۲ نصب الراية ۳/ ۹۲،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اغلاق میں نکاح نہیں ہوتا❶ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اغلاق کی تفسیر اکراہ سے کی ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، نسیان اور وہ امر جس پر انہیں مجبور کر دیا گیا ہو کو معاف فرما دیا ہے نیز یہ تصرفات اکراہ کے ہوتے ہوئے صحیح نہیں ہوتے یہاں تک کہ ان پر لوگوں کے حقوق کا زوال مرتب نہ ہوتا ہو اور اس میں ان کی رضا شامل نہ ہو۔

بنابرایں شافعیہ کہتے ہیں کہ مستکرہ کی طلاق، عتاق، بیع، اجارہ، نکاح، رجعت وغیرہ جیسے تصرفات صحیح نہیں ہوتے چونکہ اکراہ کا حکم متعلق بہ ہے کہ حکم کے معدوم ہونے سے ختم ہوتا ہے جیسے طلاق کا واقع ہونا اور بیع ونکاح کا صحیح ہونا۔

البتہ شافعیہ کے نزدیک مستکرہ قاتل پر قصاص کا حکم لاگو ہوگا اور قصاص کا حکم عموم سے مستثنیٰ ہے چونکہ قتل کو مباح قرار دینے کی کوئی گنجائش نہیں اور خون کی تعظیم واجب ہے اور اس کی حرمت لابدی ہے۔❷

رہی یہ حدیث کہ تین چیزوں کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مزاح بھی سنجیدگی ہے وہ یہ ہیں نکاح، طلاق اور رجعت❸ اس حدیث سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے جب کہ راجح یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، رہی بات حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سو وہ بقول ابن حزم حدیث مکذوب ہے۔

رہی بات ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کی سو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس کے خلاف ابن عمر کا دوسرا اثر نقل کیا ہے جسے عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ ثابت اعرج کے قصہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مکرہ کی طلاق کو جائز قرار نہیں دیا۔ اسی طرح مکرہ کی طلاق کے عدم جواز کی تائید ابن عمر کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جو سنن بیہقی صحیح بخاری اور مؤطا امام مالک میں روایت کی گئی ہے۔

رہی بات احناف کے استدلال یعنی عموم آیت فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ (البقرہ ۲/۲۳۰) کی سو یہ استدلال دوسری آیت کے معارض ہے اور وہ یہ ہے وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ (البقرہ ۲/۲۲۵) مستکرہ تو اپنی بیوی کو کبھی طلاق نہ دیتا بلکہ حدیث اغلاق (اکراہ) میں طلاق نہیں ہوتی۔ آیت طلاق کے اطلاق کو مقید کر رہی ہے یہاں تک کہ حنفیہ کے مذہب کے مطابق بھی جو حدیث کے ظنی ہونے کے قائل ہیں ظنی قطعی کو مقید نہیں کرتا چونکہ یہ آیت حدیث مشہور کے ساتھ مقید ہے اور وہ یہ ہے تین آدمی مرفوع القلم ہیں بچہ یہاں تک کہ جوان ہو جائے سویا ہوا شخص یہاں تک کہ بیدار ہو جائے اور مجنون یہاں تک کہ اسے افاقہ ہو جائے❹ یوں دلیل ظنی ہوگئی اور اس کے بعد خبر ظنی کے ساتھ مقید ہوگئی۔❺

دوم: **وہ تصرفات جو فسخ کا احتمال رکھتے ہیں**...... اگر کسی انسان کو کسی ایسے تصرف پر مجبور کیا گیا جو فسخ کا احتمال رکھتا ہو خواہ اکراہ تام ہو یا ناقص البتہ اس تصرف میں رضامندی شرط ہو جیسے بیع وشراء ہبہ، اجارہ وغیرھا۔ چنانچہ جمہور حنفیہ کے نزدیک اکراہ ان تصرفات کو فاسد کر دیتا ہے یعنی تصرفات نافذ لیکن فاسد ہوں گے اس صورت میں خریدار قبضہ کرنے سے مبیع کا مالک بن جائے گا۔ فساد کا سبب یہ ہے کہ رضامندی ان تصرفات کے نفاذ کی شرط ہے جبکہ اکراہ رضامندی کو معدوم کر دیتا ہے جب شرط منتفی ہوگی مشروط بھی منتفی ہوگا مشروط نفاذ ہے۔ لہٰذا تصرف فاسد ہو جائے گا۔ بنابرایں مستکرہ کی بیع اجارہ اور ہبہ فاسد ہوگا البتہ اکراہ زائل ہونے کے بعد مستکرہ کو اختیار ہوگا چاہے تصرف کو نافذ کرے یا فسخ کرے، چونکہ رضامندی ان تصرفات کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔

---

❶......رواہ ابوداؤد وابن ماجہ والحاکم وقال علی شرط مسلم۔ ❷تخریج الفروع علی الاصول ۱۴۹۔ ❸رواہ الطبرانی عن ثوبان ورمز الیسوطی لصحتہ (راجع الفتح الکبیر ۳۵/۲) ❹ رواہ احمد واصحاب السنن الاربعۃ الا الترمذی وصححہ الحاکم واخرجہ ابن حبان عن عائشۃ ورواہ بعضھم عن علی وعمر وابن عباس وابی ہریرۃ وغیرھم (مجمع الزوائد ۶/ ۲۵۱ سبل السلام ۳/۱۸۰۔ ❺ البدائع ۷/۱۸۲ تکملۃ فتح القدیر ۷/۳۰۳ تبیین الحقائق ۵/۱۸۸ الدرالمختار ۵/۹۶ مجمع الضمانات ۲۰۶ المحلی ۸/۱۸۳ وغیرہ

مالکیہ اور حنفیہ میں سے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اکراہ کی وجہ سے یہ تصرفات موقوف ہوں گے چونکہ رضا صحت عقد کے لئے شرط ہے انعقاد عقد کے لئے شرط نہیں حتیٰ کہ زوال اکراہ کے بعد مستکرہ نے اگر عقد کی اجازت دے دی تو عقد صحیح ہو جائے گا اگر عقد فاسد ہوتا تو پھر جائز نہ ہوتا۔ چونکہ فاسد اجازت سے جائز نہیں ہوتا اور فساد اجازت سے رفع نہیں ہوتا جیسے بیوع فاسدہ لہٰذا مستکرہ کا تصرف فضولی کی بیع کے مشابہ ہوا جب بیع موقوف ہوئی تو قبضہ سے ملکیت کا فائدہ نہیں دے گی۔

خلاصہ...... امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا مذہب ہے کہ اکراہ عقد کو فاسد کر دیتا ہے باطل نہیں کرتا پھر اگر اکراہ کے بعد مستکرہ نے عقد کی اجازت دے دی تو تو عقد صحیح ہوگا اور لازم ہوگا۔ جب کہ امام زفر عقد کو غیر نافذ قرار دیتے ہیں جیسے فضولی کا عقد۔ اور زوال اکراہ کے بعد مستکرہ کی اجازت پر موقوف ہوگا فاسد نہیں ہوگا چونکہ عقد فاسد فسخ کے قابل ہوتا ہے ملحوظ رہے کہ امام زفر کی دلیل قوی تر ہے اور راجح ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک امام ابوحنیفہ اور صاحبین کی رائے قابل اعتماد ہے۔ ❶

باقی فقہاء کہتے ہیں کہ یہ تصرفات اکراہ کے ساتھ باطل غیر صحیح ہوتے ہیں ❷ مثلاً اکراہ کی حالت میں بیع خواہ اکراہ تام ہو یا ناقص۔ ملاحظہ ہو کہ مستکرہ کی بیع کے متعلق علما کے چار مذاہب ہے۔

الف...... امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا مذہب ہے کہ مکرہ کی بیع فاسد ہے، ان کی دلیل بیع کی عموم نصوص ہیں اس میں کوئی فرق نہیں کہ بیع سبب جہالت کی وجہ سے فاسد ہو یا سود کی وجہ سے باطل ہو یا کسی اور وجہ سے باطل ہو یا اکراہ کی وجہ سے فاسد ہو چونکہ رضامندی نہیں پائی جاتی البتہ زوال اکراہ کے بعد مستکرہ کو حق حاصل ہے چاہے عقد کی اجازت دے یا نہ دے۔

اگر بیع کی اجازت نہ دی تو مبیع واپس کی جائے گی، اگر چہ مبیع مختلف ہاتھوں پر چڑھ گئی ہو مثلاً خریدار نے مبیع آگے کسی اور کو فروخت کر دی یا اس میں کوئی تصرف کر دیا اکراہ کے علاوہ بقیہ بیوع فاسدہ کو اجازت لاحق نہیں ہوگی چونکہ بیوع فاسدہ کا فساد حق شرع یعنی سود وغیرہ کی وجہ سے ہے جیسے مثلاً دوسرے خریدار نے مبیع میں تصرف کر دیا تو اس کا تصرف نافذ ہو جائے گا اور اصلی بائع کو فسخ کا حق نہیں چونکہ دوسرے خریدار کا حق مبیع کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے جب کہ بندے کا حق اللہ کے حق پر مقدم ہوتا ہے چونکہ اللہ بے نیاز ہے اور بندہ محتاج ہے۔

۲...... حنفیہ میں سے امام زفر کا مذہب یہ ہے کہ مستکرہ کی بیع موقوف ہے۔

۳...... مالکیہ کا مذہب ہے کہ مستکرہ کی بیع غیر لازم ہے یعنی مکرہ کو خیار حاصل ہوگا چاہے عقد نافذ کرے یا فسخ کرے یہ رائے امام قدوری حنفی کی بیان کردہ رائے کے موافق ہے۔

۴...... شافعیہ حنابلہ اور ظاہریہ کا مذہب ہے کہ مستکرہ کی بیع باطل ہے۔

اقرار پر اکراہ کا اثر...... میں نے تصرفات انشائیہ کا تذکرہ کر دیا ہے اور اب میں اقرارات کا تذکرہ کروں گا۔ جب بغیر کسی حق کے کسی شخص کو کسی چیز کے اقرار پر مجبور کیا گیا تو اس اقرار کے متعلق دو مذہب ہیں۔

۱...... حنفیہ، شافعیہ حنابلہ ظاہر کا مذہب یہ ہے کہ اقرار لغو ہے اور اس پر اثر مرتب نہیں ہوگا برابر ہے کہ مقر بہ ان تصرفات میں سے ہو جو فسخ کا احتمال رکھتے ہوں جیسے بیع اجارہ وغیرہ یا فسخ کا احتمال نہ رکھتے ہوں جیسے طلاق اور رجعت۔

حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ اقرار خبر ہے جو صدق و کذب کا احتمال رکھتی ہے۔ ہاں البتہ حالت اختیار میں اقرار صحیح ہے چونکہ انسان کی ذات پر تہمت نہیں جب کہ حالت اکراہ میں اقرار صحیح نہیں چونکہ دھمکی کی وجہ سے جانب کذب راجح ہوگی۔

---

❶...... راجع المدخل الفقهي للاستاذ الزرقاء ۳۶۴. ❷ البدائع ۱۸۲/۷ تکملة فتح القدير ۲۹۳/۷ الكتاب مع اللباب ۱۰۸/۴ تبيين الحقائق ۱۸۲/۵ الدر المختار و ردالمحتار ۸۹/۵ المحلى ۳۸۰/۸

حنفیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے میری امت کو خطا، نسیان اور وہ امر جس پر انھیں مجبور کیا جائے معاف فرمادیا ہے۔ حدیث میں اکراہ میں عموم ہے لہٰذا ہر وہ تصرف جس پر انسان کو مجبور کیا جائے وہ مرفوع القلم ہوگا۔ جب کہ اقرار بھی ایک تصرف ہے، لہٰذا اس کا حکم اکراہ کے وقت مرفوع ہوگا۔ لہٰذا اقرار پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔

۲..... مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ بغیر کسی حق کے مستکرہ کا قرار غیر لازم ہوگا یعنی زوال اکراہ کے بعد مکرہ کو اختیار حاصل ہوگا خواہ اقرار کو نافذ کرے یا رد کردے۔

مالکیہ کا مستدل یہ ہے کہ مستکرہ کا اقرار اس کی طلاق کی مانند ہے ان دونوں تصرفات میں یہ قدر مشترک ہے کہ ہر ایک تصرف میں رضا معدوم ہوتی ہے۔ جس طرح مستکرہ کی طلاق نہیں ہوتی اسی طرح مستکرہ کا اقرار بھی معتبر نہیں۔

اگر مکرہ نے زنا یا شراب نوشی یا چوری یا قذف یا قتل کا اقرار کیا یہ اقرار لغو شمار ہوگا۔ مکرہ پر حد اور قصاص اکثر فقہاء کے نزدیک قائم نہیں کی جائے گی ان فقہاء میں مالکیہ بھی ہیں۔ چونکہ اکراہ ایک طرح کا شبہ ہے جب کہ حال یہ کہ حدود شبہات سے ٹل جاتی ہیں۔ ❶

ان تصرفات شرعیہ میں اکراہ کا اثر جن میں اختیار حاصل ہو..... ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تصرفات شرعیہ یا تو قابل فسخ ہوں گے یا قابل فسخ نہیں ہوں گے رہی بات ان تصرفات شرعیہ کی جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے اور اکراہ کی وجہ سے ان میں اختیار حاصل ہو تو ان کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

اول: شافعیہ کی رائے..... یہ ہے کہ وہ چیز جس پر مجبور کیا جا رہا ہو شافعیہ اس کی تعیین کی شرط لگاتے ہیں اختیار و تخییر کے ہوتے ہوئے اکراہ نہیں ہوگا اور وہ تصرفات جن میں اختیار دیا گیا ہو اور وہ فسخ کو قبول نہ کرتے ہوں وہ نافذ العامل ہوں گے۔

دوم: جمہور ائمہ کی رائے..... یہ ہے کہ وہ تعیین مکرہ علیہ وہ چیز جس پر اکراہ کیا جا رہا ہو، کی شرط نہیں لگاتے تخییر کے ساتھ اکراہ باقی رہے گا اور تصرفات شرعیہ مخیّر فیہا جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے میں اکراہ کا اثر مرتب ہوگا جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

چنانچہ اگر کسی انسان کو مجبور کیا گیا کہ وہ بیوی مدخول بہا کو طلاق دے یا غیر مدخول بہا کو طلاق دے اور دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے تو شافعیہ کے نزدیک اکراہ معتبر نہیں ہوگا طلاق واقع ہو جائے گی چونکہ اختیار پر قرینہ پایا گیا ہے۔

بقیہ ائمہ کے نزدیک اکراہ معتبر ہوگا لیکن انھوں نے طلاق واقع ہونے میں تفصیل کی ہے یعنی اکراہ کے مرتب ہونے میں تفصیل کی ہے چنانچہ حنفیہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی چونکہ ان کے نزدیک تصرفات قولیہ جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے ان میں اکراہ کا اثر نہیں ہوگا۔

مالکیہ کا قابل اعتماد مذہب یہ ہے کہ طلاق لازم نہیں ہوگی، زوال اکراہ کے بعد مستکرہ کو طلاق کی اجازت کا حق ہوگا۔

حنابلہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی چونکہ حنابلہ کے نزدیک تخییر تعیین کی مانند ہے۔

رہی بات تصرفات شرعیہ مخیّر فیہا کی جو فسخ کا احتمال رکھتے ہیں سو ان کے متعلق بھی فقہاء کی دو آراء ہیں۔

اول..... شافعیہ کی رائے ہے کہ جو اس بات کے قائل ہیں کی تخییر کے ہوتے ہوئے اکراہ نہیں ہوتا۔

دوم باقی ائمہ کی رائے جو کہتے ہیں کہ تخییر کے ہوتے ہوئے اکراہ کے مانع کوئی چیز نہیں۔

مثلاً اگر کسی شخص کو دو مملوک عمارتوں میں سے کسی ایک کے فروخت کرنے پر مجبور کیا گیا اس نے دو میں سے ایک عمارت فروخت کر دی تو شافعیہ کے نزدیک بیع نافذ ہوگی چونکہ یہاں اکراہ معدوم ہے۔

---

❶ ..... البدائع ۷/۱۸۹ تکملۃ فتح القدیر ۷/۲۶۵ تبیین الحقائق ۵/۱۸۲ الدرالمختار ۵/۸۹ مجمع الضمانات ۲۰۶ الشرح الکبیر للدردیر ۳/۳۹۷، المغنی ۸/۱۹۶ حاشیۃ الباجوری ۲/۴۔

باقی ائمہ کے نزدیک اکراہ کا اثر مرتب ہوگا جیسے تعیین کی حالت میں اکراہ کا اثر مرتب ہوتا ہے بنابراین دوعمارتوں میں سے ایک عمارت کی بیع حنابلہ اور ظاہریہ کے نزدیک باطل ہوگی جب کہ جمہور حنفیہ کے نزدیک بیع فاسد ہوگی، مالکیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع موقوف ہوگی۔ان سب کے دلائل گزر چکے ہیں۔[1]

اٹھارہویں فصل......حجر (پابندی)

حجر کے بارے میں چار مباحث کے متعلق گفتگو ہوگی۔

اول......حجر کی تعریف، مشروعیت اور قانون سازی میں حجر کی حکمت۔

دوم......اسباب حجر

سوم......رفع حجر کے بیان میں

چہارم......ترکہ کے ساتھ دین کا تعلق

پہلی بحث: حجر کی تعریف، مشروعیت، حجر کی قانون سازی کی حکمت اور حجر کی دواقسام:

اول: حجر کی تعریف: حجر کا لغوی معنی......رکاوٹ، منع، تضییق یعنی تنگی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے حجر علیہ حجرا، یعنی فلاں شخص کو تصرف سے روک دیا اسی لیے حرام کو بھی حجر کہا جاتا ہے۔چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔وَيَقُولُونَ حِجْرًا مَّحْجُورًا یعنی حرام ہے۔عقل کو بھی حجر کہا جاتا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝ الفجر ۸۹/۵

اس میں قسم ہے عقلمند کے لیے۔

چونکہ عقل بڑے مفاسد سے انسان کو روکتی ہے اور عاقبت نااندیشی سے باز رکھتی ہے حطیم کو بھی حجر کہا جاتا ہے چونکہ حطیم کعبہ کے آگے رکاوٹ ہے۔[2]

حجر کی شرعی تعریف......هو منع الانسان عن التصرف فی ماله[3] انسان کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دینے کا نام حجر ہے۔حجر کی فقہاء کے نزدیک مختلف تعریفیں ہیں جو قریب المعنی ہیں ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

حنفیہ نے حجر کی تعریف یوں کی ہے[4] **هو المنع من لزوم العقود والتصرفات القولية** یعنی معاملات اور تصرفات قولیہ کے لزوم سے رک جانا حجر ہے۔چنانچہ مجور نے کوئی عقد یا کوئی قولی تصرف کر دیا تو وہ نافذ نہیں ہوگا، اور اس پر حکم مرتب نہیں ہوگا۔چنانچہ قبضہ سے مالک نہیں بنے گا۔حجر (بندش، رکاوٹ) کا تصور تصرفات قولیہ میں ہوتا ہے کہ وہ نافذ العمل نہیں ہوں گے۔جب کہ افعال میں حجر کا تصور نہیں چونکہ جب فعل کا وقوع ہو جاتا ہے تو اس کا زوال اور خاتمہ ممکن نہیں ہوتا بخلاف قول کے، چنانچہ قول کے انعقاد اور نفاذ کو شرعا روکا جا سکتا ہے حنفیہ نے حجر کی ایک اور دقیق تعریف بھی کی ہے **الحجر عبارة عن منع مخصوص متعلق بشخص مخصوص عن تصرف مخصوص اوعن نفاذ** یعنی حجر مخصوص رکاوٹ اور بندش سے عبارت ہے جو مخصوص شخص سے متعلق ہوتی ہے اور مخصوص تصرف سے روکا جاتا ہے

---

[1]......المراجع السابقه فی بحث الا کراہ فی التصرفات القابلة للفسخ مغنی المحتاج ۳/۲۸۹ الشرح الکبیر للدردیر حاشیه الدسوقی علیه ۲/۳۶۷، بحث الاکراہ للبردیسی القسم الثانی ۶۰۔ [2] جس پر پابندی ہو اسے فقہی اصطلاح میں مجور کہا جاتا ہے۔ [3] تبیین الحقائق ۵/۲۰۳ الدر المختار ورد المحتار ۵/۱۰۸۔ [4] الدر المختار ۵/۹۹ تبیین الحقائق ۵/۱۹۰ اللباب ۲/۶۶

تا کہ وہ نافذ نہ ہو۔ چونکہ مجور کا عقد موقوف ہوتا ہے۔ ❶

چنانچہ چھوٹے بچے یا مجنون پر اگر حجر (بندش) لگایا جائے تو اس کا تصرف سرے سے غیر نافذ ہوتا ہے۔ گویا اس کے تصرف میں ضرر محض ہے، جیسے بیوی کو طلاق دینا بسا اوقات مجور کا تصرف اس کے ولی کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے جیسے بیع وشراء اگر مجور سرے سے ناسمجھ اور لایعقل ہو تو اس کا تصرف باطل ہے۔

افعال پر حجر غیر مفید ہے چنانچہ بچہ یا مجنون دوسرے کا کوئی مال اگر تلف کر دے تو وہ ضامن ہوگا اگر اس کا مال ہوا تو ثمن اس کے مال سے لیا جائے گا، ادائیگی کا مطالبہ ولی (سرپرست) یا وصی سے کیا جائے چونکہ ضمان کا تعلق خطاب وضع سے ہے اور وہ تکلیف یا تمیز میں شرط نہیں ہے لیکن بچے اور مجنون پر حدود اور قصاص جاری ہیں ہوگا چونکہ ان کے فعل میں قصد صحیح نہیں ہوتا بلکہ قتل کی صورت میں ان پر دیت واجب ہوگی، چونکہ ان سے قتل خطا سرزد ہوسکتا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک حجر کی تعریف..... **الحجر صفة حكمية توجب منع موصوفها من نفوذ تصرفه فيما زاد على قوته اوتبرعه بما زاد على ثلث ماله** یعنی حجر صفت حکمیہ (یعنی اس کا حکم شریعت سے ہے) ہے جو مجور کے نفاذ تصرف کے مانع ہے جو تصرف اس کی خوراک تبرع اور ثلث مال سے زائد ہو۔

حجر، بچے، مجنون، سفیہ (بیوقوف) اور مفلس وغیرھم کو شامل ہے چنانچہ یہ لوگ خرید وفروخت اور تبرع کے تصرف سے باز رکھے گئے ہیں اور یہ تصرف ان کی خوراک سے زائد ہو ان کا تصرف ولی کی اجازت پر موقوف ہے۔

حجر کی اس تعریف کا دوسرا حصہ مریض الموت کو بھی شامل ہے چنانچہ مرض الموت میں حجر خرید وفروخت کے مانع ہے اور تہائی مال سے زائد کے تبرع کے بھی مانع ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک حجر کی تعریف..... **الحجر فانه المنع من التصرفات المالية** یعنی حجر مالی تصرفات سے روک دینے کا نام ہے یہ رکاوٹ خواہ شریعت کی طرف سے ہو جیسے بچے، مجنون اور بیوقوف کو مالی تصرف سے روک دینا، خواہ یہ رکاوٹ حاکم وقت کی طرف سے ہو جیسے خریدار کو اس کے اپنے مال میں تصرف سے روک دیا جائے یہاں تک کہ وہ فی الحال واجب ادائیگی کا سامان کرے جیسے طلاق اور اقرار کا تصرف، البتہ واجب مالی عبادت جیسے حج نافذ ہوگی لیکن مستحب مالی عبادت نافذ نہیں ہوگی، جب کہ بچے اور مجنون کا تصرف سرے سے صحیح نہیں خواہ وہ تصرف اموال، ذمہ، احوال شخصیہ جیسے نکاح اور طلاق سے ہو یا اس کے علاوہ۔

دوم: حجر کی مشروعیت کی دلیل..... قرآن کریم میں تین آیتیں ایسی ہیں جو اصولی طور پر حجر کی مشروعیت پر دلیل ہیں:

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَ اكْسُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۝

اور ناسمجھ (یتیموں) کو اپنے وہ مال حوالے نہ کرو جن کو اللہ نے تمہارے لیے زندگی کا سرمایہ بنایا ہے ہاں ان کو ان میں سے کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے مناسب انداز میں بات کرلو۔ النساء ۴/۵

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو منع فرمادیا ہے کہ بے وقوفوں کو ان کا مال نہ دیں چونکہ انہیں مال دینا ضائع کرنے سے مترادف ہے لہٰذا آیت میں دلیل ہے کہ بے وقوفوں کو مال دینا ممنوع ہے چنانچہ بے وقوفوں پر پابندی (حجر) کا یہی معنی ہے۔

وَ ابْتَلُوا الْیَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ.....النساء ۴/۶

یتیموں کا امتحان لیتے رہو یہاں تک کہ حد نکاح کو پہنچ جائیں پھر اگر تم ان کے اندر سمجھداری محسوس کرو تو ان کے اموال ان کے سپرد کردو،

---

❶ ردالمحتار ۵/۹۹۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یتیموں کا امتحان لیتے رہو تا کہ ان کا مال محفوظ رہے مثلاً کچھ مال دے کر ان کو جانچا جا سکتا ہے کہ آیا وہ سمجھداری کے ساتھ تصرفات کر سکتے ہیں یا نہیں اگر سن بلوغ سے پہلے ان میں سمجھداری آ جائے تو اموال ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔

فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ...... البقرۃ ۲/ ۲۸۲

وہ شخص جس کے ذمہ حق ہو وہ اگر ناسمجھ ہو یا کمزور ہو یا املاء کرانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو عدل وانصاف سے اس کا ولی املاء کرائے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سفیہ کی تفسیر مبذر یعنی فضول خرچ سے کی ہے اور ضعیف کی تفسیر بچے سے کی ہے کبیر کی مختل یعنی مبہوت الحواس سے اور جو املاء کی استطاعت نہیں رکھتا اس سے مراد مغلوب العقل ہے، اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی کہ ان لوگوں کے اولیاء ان کے نائبین ہیں لہٰذا ان لوگوں پر حجر اور پابندی کی دلیل ہوئی، احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر حجر لگا دیا تھا اور ان پر موجود قرضہ کے چکانے کے لئے ان کا مال فروخت کر دیا تھا❶ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فضول خرچی کی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما پر پابندی لگا دی تھی۔❷

حجر کی قانون سازی کی حکمت...... حجر اور پابندی میں انسان کی ذلت نہیں بلکہ یہ تو انسان کے لئے رحمت، مصلحت، حفاظت اور ایک تعاون ہے بلکہ محجور علیہ کے لیے حجر تو سراسر رحمت ہے چونکہ جب اس کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں انھیں پورا کرنے کے لئے اسے پوری طرح مال دستیاب ہوتا ہے لہٰذا حجر میں تو زندگی درماندگی کا شکار نہیں ہوگی اور نہ ہی محجور کی مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے، اس کی مشقت بڑھتی ہیں بلکہ اس کی معاشی حالت بہتری کی راہ پر گامزن ہو جاتی ہے جس سے اس کی حالت بہتر ہونے کی توقع ہے۔ حجر تو مال کو للے تللوں میں خرچ کرنے سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے لایعنی اور غیر ضروری امور میں مال کو بہانے سے بچانے کا ذریعہ ہے۔

حجر میں فرد اور معاشرہ کی مصلحت اور دفع ضرر کا باعث ہے چونکہ اثنائے حجر میں محجور کو مختلف تجربات اور مشقوں سے گزرنا پڑتا ہے، تجارتی معاملات اس کے سامنے ہوتے ہیں جن سے وہ عبرت حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ وہ معاشرے پر بوجھ نہیں بنتا، حجر تو یتیم کی رشد وہدایت کے لئے ممد ومعاون ہے تا کہ وہ کل سفینۂ حیات کو دریا کہ بہاؤ سے بچا کر ساحل پر لا سکے، نیز دوران حجر اس کا مال پھلتا پھولتا رہتا ہے اور نہایت ضروری امور میں اس میں سے خرچ کیا جاتا ہے جب کہ وہ امور جو غیر ضروری ہوں ان میں خرچ ہونے سے اس کا مال بچا رہتا ہے۔ چنانچہ محجور علیہ اگر چھوٹا بچہ ہو یا مجنون ہو یا معتوہ (ناسمجھ) ہو تو وہ مال کو خرچ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، اور نہ ہی اس کی صحیح رضامندی مقصود ہو سکتی ہے قصد واختیار بھی معلوم نہیں ہو سکتا، لہٰذا ایسے شخص کے تصرفات پر پابندی ہوگی تا کہ اس کا مال محفوظ رہے۔

اور اگر محجور علیہ مغفل ہو تو وہ نفع بخش تصرفات تک رسائی نہیں حاصل کر سکتا بلکہ وہ خرید وفروخت میں دھوکا ہی کھاتا رہے گا اور اگر محجور علیہ مدیون ہو تو قرض خواہوں کے حقوق کی رعایت لابدی ہے تا کہ ان کا نقصان نہ ہو اور قرض دہندگی کی بری خبر لوگوں میں نہ پھیلے ورنہ لوگ قرضہ حسنہ دینے سے باز رہیں گے جو ایک برائی ہے۔

اسی لیے حجر مشروع ہے تا کہ محجور علیہ کی مصلحت کا خیال رکھا جا سکے اور مال، اسراف اور فضول خرچی سے محفوظ رہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ...... الاسراء ۱۷/ ۲۷

فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہوتے ہیں۔

---

❶ رواہ الدارقطنی والبیہقی والحاکم وصححه عن کعب بن مالک (نیل الاوطار ۵/ ۲۴۴) ❷ رواہ الشافعی فی مسندہ عن عروۃ بن الزبیر (نیل الاوطار ۵/ ۲۴۵)

اللہ تعالیٰ نے یتیموں اور مسکینوں کے اولیاء (سرپرستوں) کو حکم دیا ہے کہ عدل وانصاف کے ساتھ ان کے معاملات انجام دیں چونکہ بسا اوقات ایک شخص اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ کر مر جاتا ہے جو اس کے بعد دوسروں کی معاونت کی محتاج ہوتی ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ النساء ۴/۹۔۱۰

اور وہ لوگ یتیموں کے مال میں خرد برد کرنے سے ڈریں جو اگر اپنے پیچھے کمزور بچے چھوڑ کر جائیں تو ان کی طرف سے فکرمند رہیں۔ لہٰذا وہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی سیدھی بات کہا کریں یقین رکھو کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور انہیں جلد ہی ایک دہکتی آگ میں داخل ہونا ہوگا۔

امام احمد نسائی اور ابوداؤد وغیرھم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ......الاسراء ۱۷/۳۴

یتیم کے مال کے قریب بھی مت جاؤ ہاں البتہ اچھے طریقہ سے۔

تو لوگ یتیموں کے اموال سے بالکلیہ الگ ہوگئے یہاں تک کہ یتیموں کا بچا ہوا کھانا خراب ہو جاتا اور گوشت بدبودار ہو جاتا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ......البقرہ ۲/۲۲۰

اگر تم یتیموں کے ساتھ رل مل جاؤ تو وہ تمہارے بھائی ہیں اللہ تعالیٰ فسادی اور راستباز میں امتیاز رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یتیموں کو ان کے اموال سونپنے سے پہلے ان کے امتحان کو واجب قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ......النساء ۴/۶

یتیموں کا امتحان لیتے رہو یہاں تک کہ جب وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں اور تم ان میں سمجھداری محسوس کرو تو انھیں ان کے اموال دے دو۔

قرآن کریم نے بے وقوف کو اسی کا مال دینے سے منع فرمایا ہے تاکہ اس کی مصلحت رہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ ......النساء ۴/۵

بے وقوفوں کو ان کے اموال مت دو۔

مدیون پر حجر سنت سے ثابت ہے تاکہ دائنین کا نقصان نہ ہو چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک فضول خرچ پر پابندی لگا دی تھی تاکہ اس کا مال ضائع ہونے سے محفوظ رہے دار قطنی نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر حجر لگا دیا تھا اور ان کا مال ادائے قرض کے لئے فروخت کر دیا تھا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں عروہ بن زبیر سے روایت ذکر کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن جعفر پر فضول خرچی کی وجہ سے پابندی لگا دی تھی۔

چہارم: مصلحت کے پیش نظر حجر کی تقسیم...... مصلحت مقصودہ کے اعتبار سے حجر کی دو اقسام ہیں۔ ❶

اول: محجور علیہ کی مصلحت کے پیش نظر حجر...... جیسے مجنون، بچے، سفیہ (بے وقوف) اور فضول خرچ پر حجر چنانچہ ان پر پابندی ان پر ظلم نہیں بلکہ شریعت نے ان کی ذاتی مصلحت کو پیش نظر رکھا ہے۔

دوم: غیر کی مصلحت کے پیش نظر حجر...... جیسے دیوالیہ شخص پر حجر تاکہ قرض خواہوں کا حق محفوظ رہے، مریض الموت کا حجر تاکہ اس

❶......مغنی المحتاج ۲/۱۶۵ ،کشاف القناع ۳/۴۰۴۔

کے ورثہ کا حق محفوظ رہے، راہن کا حجر تا کہ مرہونہ چیز میں مرتہن کا حق محفوظ رہے، اس قسم میں مجور علیہ کے علاوہ کسی اور شخص کی مصلحت کے لئے حجر مشروع ہوا ہے۔

دوسری بحث: اسباب حجر...... حجر کے بہت سارے اسباب ہیں منجملہ ان میں سے کچھ متفق علیہ ہیں جیسے صغر (بچپن) جنون، بے وقوفی، فقدان اہلیت۔ کچھ اسباب مختلف فیہ ہیں جیسے سفاہیت، غفلت، دین، اختلاف کا سبب قصور اہلیت کی وجہ سے نہیں بلکہ ان مجورین اور دوسرے لوگوں سے ضرر کا دفعیہ مقصود ہے رق یعنی لامی کی وجہ سے حجر متفق علیہ ہے چنانچہ مجور غلام دوسرے کے مال میں تصرف نہیں کر سکتا ہاں البتہ مالک اگر اجازت دے تو تصرف کر سکتا ہے چونکہ غلام ملکیت کی اہلیت نہیں رکھتا۔

سبب مختلف ہونے کی وجہ سے تصرفات میں حجر کے اثرات بھی مختلف ہو جاتے ہیں اختلاف درج ذیل مقاصد میں ظاہر ہوتا ہے۔

پہلا مقصد: چھوٹے بچے کے تصرفات میں حجر کا اثر...... صغر یعنی بچپن ایسا عارض ہے جس سے ہر انسان کو گزرنا پڑتا ہے، بچپن کی ابتداء ولادت سے ہوتی ہے اور انتہاء سن بلوغت پر ہوتی ہے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ وہ ایتام جو حد بلوغت کو نہ پہنچے ہوں ان پر حجر (پابندی) لگانا واجب ہے [1] اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ...... النساء ۴/۶

عقلی وجہ یہ ہے کہ یتیم بچوں میں تصرف کی اہلیت معدوم ہوتی ہے چونکہ ان میں قوت ادراک معدوم ہوتی ہے چنانچہ فقہانے بچے کے تصرفات کے حکم میں اختلاف کیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اول: بچے کے تصرفات کے حکم یا بچے کے حجر کے اثرات کے متعلق فقہاء کی آراء...... بچے پر لگائے گئے حجر کے متعلق فقہاء کے مختلف مذاہب ہیں۔ چنانچہ حنفیہ اور مالکیہ نے ممیز بچے (وہ بچہ جو نفع نقصان میں امتیاز کر سکتا ہے اور غیر ممیز بچے کے فرق کو ضروری سمجھا ہے جب کہ شافعیہ اور حنابلہ نے اس فرق کو ضروری نہیں سمجھا۔

حنیفہ اور مالکیہ...... کہتے ہیں [2] بچہ یا تو ممیز ہوگا یا غیر ممیز۔ غیر ممیز بچہ وہ ہوتا ہے جس کی عمر کے سات سال مکمل نہ ہوئے ہوں اور ممیز وہ بچہ ہے جس کی عمر کے سات سال مکمل ہو چکے ہوں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب ان کی عمر سات سال ہو جائے۔ [3]

تصرفات یا تو قولی ہوں گے یا فعلی

تصرفات فعلیہ...... جیسے غصب اور اتلاف ان تصرفات پر بچے یا مجنون کے حجر کا کوئی اثر نہیں ہوگا لہٰذا بچے اور مجنون نے جو چیز تلف کر دی ان پر اس کا تاوان ہوگا جب کہ افعال پر حجر نہیں ہوتا حجر تو اقوال پر ہوتا ہے۔ [4]

تصرفات قولیہ...... اگر غیر ممیز سے صادر ہوں تو اس کے جملہ تصرفات باطل ہوں گے چونکہ غیر ممیز میں تصرف کی اہلیت مفقود ہوتی ہے اس میں عقل اور تمیز نہیں ہوتی لہٰذا غیر ممیز کی رضا اور قصد معتبر نہیں برابر ہے کہ تصرف اس کے نفع میں ہو یا اس کے نقصان میں یا ضرر و نفع کے بین بین ہو غیر ممیز کا عقد، اقرار اور طلاق صحیح نہیں جیسے مجنون کے یہ تصرفات صحیح نہیں۔

---

[1]...... بدایة المجتهد ۲/۷۵۔ [2] الدر المختار ۵/۱۰۱ تبیین الحقائق ۵/۱۹۱ تکملة الفتح ۷/۳۱۰ البدائع ۷/۱۷ اللباب ۲/۶۷ الشرح الكبير ۳/۲۹۴ الشرح الصغير ۳/۳۸۴ القوانين الفقهية ۳۲ بداية المجتهد ۲/۲۷۸۔ [3] رواه احمد وابو داؤد والحاكم عن عبدالله بن عمرو۔ [4] چونکہ اقوال کا نفاذ ہو جاتا ہے جب کہ اقوال کا رد ہو سکتا ہے۔ (الهداية مع تكملة الفتح ۷/۳۱۱)

اگر تصرفات ممیز سے صادر ہوں تو اس کی تین اقسام ہیں:

الف..... وہ تصرف جس میں ممیز (نفع ونقصان میں امتیاز کر لینے والا بچہ) کا نفع ہی نفع ہو جیسے ہبہ یا وصیت قبول کرنا، یہ تصرف ولی یا وصی کی اجازت کے بغیر بھی نافذ ہو جائے گا چونکہ اس میں نفع ہے نقصان نہیں۔

ب..... وہ تصرف جس میں نقصان محض ہو۔ جیسے ممیز اپنے مال میں سے تبرع کر دے یا کسی کو قرضہ دے دے یا کوئی چیز عاریۃً دے دے یا بیوی کو طلاق دے دے اس کا یہ تصرف باطل ہوگا اور ولی کی اجازت سے صحیح نہیں ہوگا چونکہ اجازت باطل کو لاحق نہیں ہوتی حنفیہ کے مرتب کردہ فقہی قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر بچے اور معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی اس قاعدہ کی تائید میں حنفیہ ایک حدیث بھی روایت کرتے ہیں جو صحیح نہیں۔ ❶

ج..... وہ تصرف جو نفع ونقصان میں بین بین ہو جیسے خرید وفروخت اجارہ، استیجارہ، نکاح۔ چنانچہ یہ تصرف ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا بشرطیکہ ممیز خرید وفروخت کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو کہ بیع کی صورت میں چیز سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں اور خریداری کی صورت میں چیز ملکیت میں آتی ہے نیز بچہ ہنسی مذاق نہ کر رہا ہو چونکہ تصرف نقصان کا بھی احتمال رکھتا ہے اگر ولی نے اجازت دے دی اگر ولی نے اجازت نہ دی تصرف باطل ہو جائے گا ولی ایسے تصرف کی اجازت نہیں دے سکتا جس میں غبن فاحش ہو اور ولی کو اختیار بھی حاصل ہوگا اگر تصرف میں بہتری سمجھے تو اجازت دے دے چاہے فسخ۔

۲: شافعیہ اور حنابلہ..... کہتے ہیں بچے کے مالی تصرفات باطل ہیں خواہ بچہ ممیز ہو یا غیر ممیز البتہ شافعیہ کہتے ہیں ممیز کے تصرفات صحیح نہیں اگر چہ اس کا ولی اجازت بھی دیدے ممیز بچے کی اجازت ہدیہ پہنچانے میں اور احرام باندھنے میں معتبر ہے اس کی عبادت بھی صحیح ہے ممیز برائی کو مٹا سکتا ہے اس پر اسے بالغ جیسا ثواب ملے گا جیسے اس کا اسلام معتبر ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صغرسنی میں اسلام قبول کیا تھا۔

حنابلہ کہتے ہیں..... ممیز کا تصرف ولی کی اجازت سے صحیح ہو جاتا ہے جس تصرف کی اسے اجازت دی گئی ہو اس میں حجر اٹھا لیا جائے گا اور جن تصرفات میں اسے اجازت دی گئی ہو ان میں اس کا اقرار بھی صحیح ہے۔

دو مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ بچہ اگر مال یا جان کو ہلاک کر دے تو اس پر ضمان ہوگا یہ دو مذاہب حنفیہ اور مالکیہ کے ہیں۔

خلاصہ..... حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بچے اور مجنون کے معاملات نافذ نہیں ہوں گے نہ ہی ان کا اقرار نافذ ہوگا شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اقرار صحیح نہیں۔

دوم: بچے کو اس کا مال سپرد نہ کرنا..... علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بچے کو اس کے اموال سپرد نہیں کئے جائیں گے یہاں تک کہ اس میں سمجھداری پیدا ہو جائے ❷ چونکہ اللہ تعالیٰ نے بچے کو مال سپرد کرنے کی دو شرطیں مقرر کی ہیں (۱) بلوغ (۲) سمجھداری۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ......النساء ۶/۴

یتیموں کا امتحان لیتے رہو یہاں تک کہ جب تم ان میں سمجھداری محسوس کرو تو انہیں ان کے اموال سپرد کر دو۔

چنانچہ حکم دو شرطوں پر معلق ہے جو ان کے بغیر ثابت نہیں ہوگا۔

چنانچہ بچہ یا تو سمجھداری کے ساتھ بالغ ہوگا یا بغیر سمجھداری کے۔

❶.....نصب الرایۃ ۴/۱۶۱۔ ❷ المغنی ۴/۴۵۷ المہذب ۱/۳۳۰ البدائع ۷/۱۷۰ بدایۃ المجتہد ۲/۲۷۷

ا۔ اگر سمجھداری کے ساتھ بالغ ہو......یعنی مال کو راست بازی کے ساتھ استعمال کرنے کی صلاحیت اس میں موجود ہو تو اسے مال دے دیا جائے گا اور حجر کو ہٹا دیا جائے گا❶ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ......(النساء ۴/۶)

سنن ابی دواؤد میں ہے یتیمی بلوغ کے بعد نہیں ہوتی جب یتیم یا بچے کو مال دیا جائے تو اس پر گواہ بنا لیے جائیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ......النساء ۴/۶

جب تم بچوں کو ان کے اموال سپرد کرو تو ان پر گواہ بنالو۔

کیا حجر ختم کرنے کے لئے قاضی کے حکم کی ضرورت ہے۔

جمہور کہتے ہیں...... بچے کا حجر حاکم کے حکم کے بغیر بھی اٹھایا جاسکتا ہے بشرطیکہ بچہ بالغ ہو چکا ہو چونکہ بچے پر حجر حاکم کے فیصلہ کے بغیر عائد کیا گیا تھا۔

لہٰذا حجر قاضی کے حکم کے بغیر بھی ختم کیا جاسکتا ہے جیسے مجنون پر پابندی اٹھائی جاسکتی ہے شافعیہ کے نزدیک ایک اور سبب بھی ہے وہ یہ کہ بچہ دیکھ بھال کا محتاج ہوتا ہے اور امتحان لینے کے محتاج ہوتا ہے جیسے بے وقوف سے حجر کو اٹھانا جب کہ جمہور کی رائے راجح ہے چونکہ اس میں آسانی ہے۔❷

مالکیہ...... کہتے ہیں بچہ یا تو لڑکا ہوگا یا لڑکی۔ اگر لڑکا ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں:

اول...... یہ کہ اس کا باپ زندہ ہوگا، اس صورت میں بلوغ کے ہوتے ہی بغیر قاضی کے حکم کے حجر اٹھ جائے گا الا یہ کہ بچے میں سفاہت کے اثرات نمایاں ہوں یا اس کا باپ خود ہی حجر لگائے رکھے۔

دوم...... یہ کہ بچے کا باپ وفات پا گیا ہو اور بچے کا نگران وصی ہو اس صورت میں بچہ حجر سے نہیں نکلے گا ہاں البتہ اس میں سمجھداری ہو تب۔ اگر باپ نے وصی قائم کر رکھا ہو تو اسے اختیار حاصل ہوگا کہ وہ قاضی کی اجازت کے بغیر بھی اس کی ترشید (معنی آرہا ہے) کا حکم لگا سکتا ہے چونکہ بچے پر حجر اصالۃ ثابت ہوا ہے لہٰذا معاملہ قاضی کے پاس لے جانا ضروری نہیں اگر وصی قاضی کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو تو وصی بچے کی ترشید کا فیصلہ قاضی کی اجازت کے بغیر نہیں کرسکتا جیسا کہ ابن جزی نے تذکرہ کیا ہے۔ البتہ دردیر نے جو لکھا ہے وہ راجح ہے وہ یہ کہ باپ کا وصی ہو یا قاضی کا وصی تو ترشید قاضی کے حکم کی محتاج نہیں۔ ترشید کا معنی یہ ہے کہ وصی عادل لوگوں کے سامنے کہے: تم گواہ رہو کہ میں نے فلاں سے حجر اٹھا لیا اور اس کے تصرف کو بحال کر دیا چونکہ میرے نزدیک اس بچے میں سمجھداری آچکی ہے اور اس کے تصرف میں بہتری آگئی ہے۔

سوم...... بچہ اس حالت میں بالغ ہوا کہ نہ اس کا باپ ہو اور نہ وصی ایسے بچے کو اصطلاح میں مہمل کہا جاتا ہے ایسے بچے کو رشد پر محمول کیا جائے گا الا یہ کہ اس کی سفاہت واضح ہو جائے۔

خلاصہ...... جس بچے کا باپ زندہ ہو یا وصی مختار موجود ہو تو اس کا حجر فرمان حاکم کا محتاج نہیں البتہ وہ بچہ جس کا باپ زندہ ہو وہ ترشید کا محتاج نہیں جب کہ وصی والا بچہ ترشید کا محتاج ہے اگر وصی معین ہو جسے قاضی نے مقرر کیا ہو تو ابن جزی کی رائے کے مطابق قاضی کے حکم کا محتاج ہوگا ابن دردیر کی تحقیق کے مطابق حکم قاضی کا محتاج نہیں۔

---

❶......المهذب ۱/۳۳۱ مغني المحتاج ۲/۱۶۶ المغني ۴/۴۵۷ البدائع ۵/۱۵۴ تبيين الحقائق ۵/۱۹۵ بداية المجتهد ۲/۲۷۷۔

❷المرجع السابق، الشرح الكبير والدسوقي ۳/۲۹۶ الشرح الصغير ۳/۳۸۳ بداية المجتهد ۲/۲۷۷ القوانين الفقهية ۳۲۱۔

اگر لڑکی ہو...... اگر لڑکی کا باپ زندہ ہو اور اگر باپ نے ترشید نہ کی ہو تو حجر چار امور کی وجہ سے اٹھایا جائے گا۔ بلوغ سے، حسن تصرف سے عدول کی گواہی سے اور خاوند کے ہمبستری کر لینے سے۔ باپ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ رخصتی سے پہلے لڑکی کی ترشید کر سکتا ہے مثلاً یوں کہے: میں نے تمہیں سمجھدار پایا ہے اس لیے میں نے تم سے پابندی اٹھالی یوں حجر اٹھ جائے گا اور لڑکی کے تصرفات نافذ ہو جائیں گے اگر چہ عدول اس کی صلاحیت حال کی گواہی نہ دیں۔

اگر لڑکی کا وصی ہو خواہ مختار وصی ہو یا قاضی کا مقرر کردہ تو اس صورت میں پانچ امور کے ساتھ حجر اٹھایا جائے گا۔ بلوغ حسن تصرف، گواہوں کی گواہی، رخصتی اور ترشید سے وصی حجر اٹھالے۔ حجر اٹھانے کے لئے قاضی کے فیصلے کی ضرورت نہیں بنابرایں مالکیہ کا مذہب جمہور کے مذہب کے قریب قریب ہے چونکہ بچے سے حجر کو اٹھانا قضائے قاضی کے محتاج نہیں الا یہ کہ بچہ قاضی کی ولایت تلے ہو اس صورت میں قاضی کی ترشید کی ضرورت ہے جیسے وصی والد بچہ وصی کی ترشید کا محتاج ہے۔

خلاصہ...... بچے سے حجر دو چیزوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا یہ شافعیہ کے علاوہ جمہور کا مذہب ہے (۱) ولی تجارت کی اجازت دے دے (۲) بچہ سمجھداری کے ساتھ بالغ ہو جب کہ شافعیہ کے نزدیک صرف ایک چیز سے حجر اٹھایا جائے گا اور وہ بلوغ ہے۔

ب...... اگر بچہ ناسمجھی کی حالت میں بالغ ہو: اس صورت میں مال بچے کو سپرد نہیں کیا جائے گا بلکہ سفاہت (ناسمجھی اور بیوقوفی) کی وجہ سے اس پر حجر رہے گا۔ اس پر جملہ مذاہب کا اتفاق ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ......النساء ۴/۶

یتیموں کا امتحان لیتے رہو یہاں تک کہ حد نکاح کو پہنچ جائیں پھر اگر تمہیں ان میں سمجھداری محسوس ہو تو ان کے اموال ان کے سپرد کر دو۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ...... فرماتے ہیں ❶ وہ لڑکا جو نا سمجھی کے ساتھ بالغ ہو جائے اس پر حسب سابق حجر جاری رہے گا تاوقتیکہ پچیس سال کی عمر کو پہنچ جائے پھر اسے مال سپرد کیا جائے گا پچیس سال کا ہونے پر اگر چہ اس میں سمجھداری نہ آئے تب بھی مال اسے دے دیا جائے گا چونکہ اتنی عمر گزرنے کے بعد اس پر حجر کا باقی رکھنا انسانیت کی تذلیل ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ......الاسراء ۱۷/۳۴

یتیم کے مال کے قریب بھی مت جاؤ ہاں البتہ اچھے طریقہ سے یہاں تک کہ یتیم (عمر کی) پختگی کو پہنچ جائے۔

چنانچہ ۲۵ سال کی عمر کو جو لڑکا پہنچ جاتا ہے وہ عمر کی پختگی کو پالیتا ہے بلکہ اس عمر میں تو دادا بھی بن جاتا ہے نیز مال سے اسے تادیباً روکا گیا تھا اس کے بعد غالب احوال میں تادیب نہیں ہوئی لہٰذا مال نہ دینے میں کوئی فائدہ نہیں لہٰذا اسے مال دے دینا لازمی ہے۔

صاحبین اور باقی ائمہ...... کہتے ہیں ❷ اگر لڑکا بلوغت کے بعد بھی ناسمجھ رہا تو مال اسے نہیں دیا جائے گا اس پر پابندی برقرار رہے گی یہاں تک کہ اس میں سمجھداری آ جائے اگر چہ آٹھ سال کی عمر کو کیوں نہ پہنچ جائے ان کی دلیل سابقہ آیت ہے:

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ ......(النساء ۴/۶)

اللہ تعالیٰ نے مال سپرد کرنے کی دو شرطیں رکھی ہیں بلوغت اور سمجھداری جو حکم دو شرطوں پر معلق ہو وہ ان کے بغیر نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ ......النساء ۴/۵

---

❶ ......البدائع ۷/۱۷۱ تکملة فتح القدیر ۷/۳۱۶ تبیین الحقائق ۵/۱۹۵ اللباب ۲/۶۹۔ ❷ بدایة المجتهد ۲/۲۷۷ القوانین الفقهية ۳۲۱ الشرح الکبیر ۲/۲۹۸ المهذب ۱/۳۳۱ مغنی المحتاج ۲/۱۶۶ المغنی ۴/۴۵۷ کشاف القناع ۳/۴۴۰

بے وقوفوں کو اموال مت دو۔

سوم بلوغ...... بلوغ یا تو طبعی علامات سے ثابت ہوتا ہے یا عمر سے۔ طبعی علامتوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔

حنفیہ...... کہتے ہیں ❶ لڑکے کا بلوغ احتلام سے ثابت ہوتا ہے یا انزال منی سے یا کسی عورت کو حاملہ کر دینے سے۔ احتلام سے مراد نیند یا بیداری میں منی کا نکل جانا ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا ......النور ۲۴/۵۹

جب بچے حلم (بلوغت/احتلام) کو پہنچ جائیں تو انھیں بھی اجازت حاصل کرنی چاہیے۔

حدیث میں ہے:

رفع القلم عن ثلاثة منها عن الصبی حتی یحتلم

یعنی تین اشخاص مرفوع القلم ہیں ان میں سے ایک بچہ بھی ہے یہاں تک کہ حد احتلام (بلوغ) کو پہنچ جائے۔

ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سن کر یاد کی ہے کہ احتلام (بلوغت) کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔

جب بلوغ احتلام سے متحقق ہو جاتا ہے تو انزال سے بطریق اولی متحقق ہوگا۔ چونکہ احتلام نزول ماء کا عادۃ سبب ہوتا ہے۔ اسی طرح عورت کو حاملہ کرنا بھی انزال کے بغیر متحقق نہیں ہوتا۔

لڑکی کے بالغ ہونے کی علامت حیض ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے اللہ تعالیٰ کسی حائضہ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں فرمائے (رواہ الخمسة الا النسائی) یا عورت حاملہ ہو جائے۔

چنانچہ حمل بھی بلوغ کی علامت ہے چونکہ حمل عورت کے انزال کی دلیل ہے لہٰذا جس وقت عورت حاملہ ہوئی اس وقت سے اس کے بالغ ہونے کا حکم لگایا جائے گا لڑکے کے بالغ ہونے کی کم از کم عمر ۱۲ (بارہ) سال ہے اور لڑکی کے بالغہ ہونے کی کم از کم عمر ۹ (نو) سال ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہی مختار ہے۔

اگر طبیعی علامات سے بلوغ ثابت نہ ہوا تو عمر سے بلوغ کی تعین کی جائے گی چنانچہ لڑکا یا لڑکی اگر پندرہ سال کی عمر کو پہنچ گئے تو مفتی بہ قول کے مطابق سن بلوغ کو پہنچ گئے یہ مراہقت کی عمر ہوتی ہے یعنی اس میں اگر لڑکا یا لڑکی بالغ نہ بھی ہوں تو کم از کم بلوغت کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ...... فرماتے ہیں: لڑکا اسوقت بالغ ہو جاتا ہے جب اس کی عمر کے اٹھارہ (۱۸) سال پورے ہو جائیں اور لڑکی کے سترہ (۱۷) سال پورے ہو جائیں۔ چونکہ وہ عمر جس مین بلوغ اور احتلام سے مایوسی ہوتی ہے اور شریعت نے اس پر حکم کو معلق کیا ہے وہ یہی عمر ہے۔

مالکیہ کا مذہب...... ❷ بلوغ کی علامتیں سات ہیں جو دو جنسوں کے درمیان مشترک ہیں اور دو علامتیں عورت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ چنانچہ حیض اور حمل عورت کا ساتھ مخصوص ہے انزال منی مطلقاً خواہ نیند میں ہو یا بیداری میں، زیر ناف کھردرے بال، بالوں کی روئیں، بغلوں کی بو، ناک کے بانسہ کی پختگی اور گمبھیر آواز۔ یہ علامتیں لڑکے اور لڑکی میں مشترک ہیں اور اگر یہ علامتیں ظاہر ہو جائیں تو بلوغ ثابت ہو جائے گا۔ زیر ناف بال اگنے کی دلیل ترمذی کی حدیث ہے جسے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بوڑھے مشرکین کو قتل کر دو اور وہ لڑکے جن کے زیر ناف بال نہیں اگے انھیں زندہ رکھو اگر بلوغ کی کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو بلوغ ۱۸

❶......البدائع ۷/۱۷۱۔ الدر المختار ۵/۱۰۷ تبیین الحقائق ۵/۲۰۳ تکملة الفتح ۷/۳۲۳۔ ❷ الشرح الکبیر ۳/۲۹۲

سال کی عمر مکمل ہونے سے ثابت ہو جائے گا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ لڑکی کے ساتھ ہمبستری کرنے سے بلوغ ثابت ہو جائے گا۔

شافعیہ کا مذہب...... ❶ بلوغ یا تو پندرہ قمری سال پورے ہونے سے ثابت ہوتا ہے یا احتلام سے بوقت امکان منی نکلنے سے۔ وقت امکان نو سال کا مکمل ہونا ہے بلوغ زیر ناف کھر درے بال اگنے سے بھی ثابت ہوتا ہے جب کہ بغلوں کے بال اور داڑھی بلوغ کی دلیل نہیں چونکہ پندرہ سال سے کم عمر میں ان کا ہونا نادر ہے۔ عورت کے لیے مزید دو علامتیں اور ہیں۔ حیض اور حمل۔

خلاصہ...... شافعیہ کے نزدیک بلوغ پانچ چیزوں سے ثابت ہوتا ہے۔ تین چیزوں میں مرد عورت دونوں مشترک ہیں وہ یہ ہیں: انزال، بالوں کا اگنا اور عمر، دو علامتیں عورت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ حیض اور حمل۔

پندرہ سال کی تحدید پر شافعیہ کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ کہ میں غزوہ احد کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت میری عمر چودہ (۱۴) سال تھی تاہم آپ نے مجھے اجازت مرحمت نہیں فرمائی، نیز آپ نے مجھے بالغ نہیں سمجھا، پھر غزوہ خندق کے موقع پر مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی آپ نے مجھے اجازت مرحمت فرمائی اور مجھے بالغ سمجھا۔ ❷

حنابلہ کا مذہب بھی شافعیہ کے مذہب جیسا ہے۔ ❸

چہارم: رشد (سمجھداری)...... جمہور فقہاء یعنی حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک رشد سے مراد صلاح مال ❹ ہے اگر چہ مکلّف فاسق ہی کیوں نہ ہو یعنی مالی پیداوار بڑھانے اور خرچ کرنے کی مہارت اور تجربہ رکھتا ہو اسے حفاظت سے رکھ سکتا ہو اور اس کے اصلاح حال کی سوجھ بوجھ رکھتا ہو۔ پھر اچھی طرح سے اسے خرچ کر سکتا ہو نفع اور نقصان میں تمیز کر سکتا ہو۔ مصلحت کے علاوہ مال خرچ نہ کرتا ہو، فضول خرچی میں مال کو ضائع نہ کرتا ہو۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ...... النساء ۴/۶

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں یعنی اموال میں وہ راستبازی سے کام لیتے ہو سو جو شخص مصلحت میں مال خرچ کرتا ہو اس میں رشد پایا جائے گا چنانچہ ناسمجھ پر حجر اسی لیے لگایا جاتا ہے تاکہ اس کا مال محفوظ رہے۔

شافعیہ...... کہتے ہیں ❺ رشد اور سمجھداری سے مراد صلاح دین اور صلاح مال (یعنی مال اور دین کی درستی) ہے دین کی درستی یہ ہے کہ معاصی کا ارتکاب نہ ہو جس سے عدالت ساقط ہو جائے اور مال کی درستی یہ ہے کہ مال کی حفاظت کرتا ہو اور فضول خرچی سے گریز کرتا ہو ایسا حرام کام نہ کرتا ہو جس سے عدالت مجروح ہو جائے اس کی معصیت طاعت پر غالب نہ ہو تبذیر سے گریز کرتا ہے اور غبن فاحش سے دور رہو حرام کام میں مال خرچ نہ کرتا ہو، اگر بچہ غیر رشید (ناسمجھ) بالغ ہو جائے دین اور مال کی درستی نہ رکھتا ہو تو اس کا حجر بدستور رہے گا لہٰذا اب بھی اس کے مال میں وہی تصرف کرے گا جو شخص بلوغ سے قبل تصرف کرتا رہا۔

شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ صدقات وخیرات کھانے پینے اور پہننے میں جو مال خرچ کرے وہ تبذیر کے زمرے میں نہیں آئے گا۔

ولی دین اور مال کے معاملہ میں بچے کی رشد اور سمجھداری کا امتحان لیتا رہے۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى ...... النساء ۴/۶

---

❶...... مغنی المحتاج ۲/۱۶۶، المهذب ۱/۳۳۰۔ ❷ رواه ابن حبان واصله فی الصحیحین وقد رواه الجماعة۔ ❸ المغنی ۴/۳۵۹ کشاف القناع ۳/۴۳۲۔ ❹ البدائع ۷/۱۷۰ الدر المختار ۵/۱۰۵ بداية المجتهد ۲/۲۷۸ المغنی ۴/۴۶۷ کشاف القناع ۳/۴۳۳۔ ❺ مغنی المحتاج ۲/۱۶۸، المهذب ۱/۳۳۱۔

تیموں کا امتحان لیتے رہو۔

دین میں امتحان کا طریقہ یہ ہے کہ عبادات میں اس کی حالت کا مشاہدہ کیا جائے اور ممنوعات سے اس کے اجتناب کو دیکھا جائے نیز آیا کہ شبہات سے بچتا ہے یا نہیں اہل خیر کے ساتھ مل بیٹھتا ہے یا نہیں۔

مال میں اس کا امتحان اسی طرح حسب حال لیا جائے چنانچہ تاجر کے بیٹے سے خرید وفروخت اور تجربہ کے متعلق پوچھا جائے نیز خریدار نے جو چیز طلب کی ہے اس پر زائد مال کے متعلق پوچھا جائے، کسان کے بیٹے سے زراعت کے متعلق سوال کرے کاشتکاروں پر خرچ کرنے کے متعلق پوچھے پیشہ ور سے اس کے پیشہ اور صنعت کے متعلق سوال کرے اسی طرح عورت سے سوت کاتنے اور روئی کی حفاظت کے متعلق سوال کرے وغیر ذالک۔

دو یا دو سے زائد بار امتحان لینا شرط قرار دیا گیا ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ بلوغ کے بعد امتحان لیا جائے۔

پنجم: محجور علیہ کا ولی......ولی: شرعی سرپرستی کا مالک ہوتا ہے جو سرپرستی کے تحت دوسرے کے مال میں تصرف کرتا ہے اور اس کا تصرف کسی کی اجازت پر موقوف نہیں ہوتا۔ ائمہ مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ محجور علیہ بچے کا ولی باپ ہوگا اگر باپ زندہ ہو۔ باپ کے علاوہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

حنفیہ......کہتے ہیں ❶ وہ ولی جس کو محجور علیہ کے مال میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہو وہ بچے کا باپ ہے، پھر اس کے مرنے کے بعد وصی پھر وصی کا وصی۔ پھر بچے کا دادا پھر دادے کا وصی پھر وصی کا وصی، پھر والی پھر قاضی یا قاضی کا وصی، یہ ترتیب شفقت پر مبنی ہے، چنانچہ باپ کی شفقت بقیہ سب لوگوں کی شفقت سے اوپر ہوتی ہے باپ کے وصی کی شفقت دادا کی شفقت سے اوپر ہوتی ہے چونکہ وصی باپ کا مقرر کردہ اور اس کا پسندیدہ شخص ہوتا ہے دادا کی شفقت قاضی کی شفقت سے اوپر ہوتی ہے۔

مذکور بالا کے علاوہ بقیہ عصبات مثلاً بھائی چچا وغیرہم محجور علیہ کے مال پر نگرانی کا حق نہیں رکھتے اور نہ ہی نابالغ کے لئے تجارت کی اجازت رکھتے ہیں۔ اولیاء کی یہ ترتیب مال کے متعلق ہے، جب کہ نکاح کے معاملہ میں اولیاء کی ایک اور ترتیب ہے۔

مالکیہ......کہتے ہیں ❷ محجور علیہ کا ولی وہ شخص ہوگا جو بالغ ہونے کے بعد بے وقوف نہ رہے اور یہ سمجھدار (رشید) باپ یا اس کا وصی ہو سکتا ہے وصی کے بعد حاکم، اگر حاکم نہ ہو تو ولایت کا حق عام مسلمانوں کو حاصل ہوگا، چنانچہ ولایت مالیہ کا حق دادا، بھائی اور چچا کو حاصل نہیں ہوگا الا یہ کہ باپ ان میں سے کسی کو وصی مقرر کرے۔

شافعیہ......کہتے ہیں ❸ بچے کا ولی اس کا باپ ہے پھر دادا پھر وصی پھر قاضی پھر قاضی کا نائب ہے چونکہ حدیث میں ہے: جس شخص کا کوئی ولی نہ ہو سلطان اس کا ولی ہے ❹ عصبات یعنی بھائی اور چچا کو ولایت حاصل نہیں جیسے ماں کو ولایت حاصل نہیں انہیں ولایت مال اور ولایت نکاح حاصل ہوگی میرا رجحان اس رائے کے ساتھ ہے چونکہ باپ کے وصی کی شفقت دادا کی شفقت سے زیادہ نہیں ہوتی جب کہ وصی قرابتدار نہ ہو۔ چنانچہ خون اور رشتہ داری کا تعلق رعایت اور حفاظت کے لئے زیادہ حقدار ہوتا ہے اور نابالغ کے معاملات کو اس تعلق کے ساتھ بحسن خوبی اہتمام میں لایا جا سکتا ہے۔

حنابلہ......کا مذہب بتمامہ ❺ مالکیہ کے مذہب جیسا ہے کہ ولایت باپ کو حاصل ہوگی اور اس کے بعد وصی کو پھر حاکم کو، لیکن اگر کسی

---

❶......الدر المختار ۱۲۲/۵ تبیین الحقائق ۲۲۰/۵ البدائع ۱۵۵/۵۔ ❷الشرح الکبیر ۲۹۹/۳ الشرح الصغیر ۲۸۹/۳۔ ❸مغنی المحتاج ۱۷۳/۲ المہذب ۳۲۸/۱۔ ❹رواہ الترمذی وحسنہ والحاکم صححہ ❺ المغنی ۴۷۱/۴ کشاف القناع ۴۳۴/۳

شخص پر بعد از بلوغ حجر باقی رہے تو اس صورت میں ولایت حاکم کو حاصل ہوگی چونکہ حجر حاکم کے حکم کا محتاج ہوتا ہے۔

ششم: قاصر (نابالغ مجنون وغیرہ) کے ولی کے تصرفات...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ولی بچے کے مال میں وجوباً تصرف کرے گا اور مصلحت کے خلاف نہیں کرسکتا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ الاسراء١٧/ ٣٤

یتیم کے مال کے قریب بھی مت جاؤ ہاں البتہ اچھے طریقہ کے ساتھ۔

دوسرا فرمان ہے:

وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ

اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو وہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون معاملات بگاڑنے والا ہے اور کون سنوارنے والا علماء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ مالدار یتیم کا مال نہ کھائے البتہ فقیر ولی معروف طریقہ سے کھا سکتا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ

جو شخص مالدار ہو وہ یتیم کا مال کھانے سے اجتناب کرے اور جو (ولی) فقیر ہو وہ معروف طریقہ سے کھائے۔ شیخین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ یتیم کا ولی اگر فقیر ہو تو اس کی نگرانی وغیرہ کے بدلہ میں معروف طریقے سے اس کا مال کھائے۔ ایک اور روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے پاس مال نہیں جب کہ میری پرورش میں ایک یتیم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسراف سے بچ کر یتیم کا مال کھاؤ فضول خرچی سے اجتناب کرو مال جمع کرنے میں مت لگے رہو۔ ❶

تحقیق مصلحت میں مذاہب کی تفصیل:

حنفیہ کہتے ہیں...... ❷ ولی بچے کے مال میں تبرعات کا اختیار نہیں رکھتا، چونکہ تبرعات میں بچے کا نقصان محض ہے بچے کے مال کو قرضہ کی مد میں نہیں دے سکتا اور نہ اس کی وصیت کرسکتا ہے اور نہ ہی اس کے مال کو صدقہ میں دے سکتا ہے بچے کی بیوی کو طلاق بھی نہیں دے سکتا۔ بلاعوض بچے کے مال کو ہبہ بھی نہیں کرسکتا۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہبہ بالعوض بھی نہیں کرسکتا چونکہ ہبہ بالعوض ابتداء تو ہبہ ہوتا ہے اور انجام کار معاوضہ ہے۔

جب کہ ولی ہبہ کا اختیار نہیں رکھتا، البتہ قاضی یتیم کے مال کو قرضہ پر دے سکتا ہے چونکہ یہ حفظ دین کے قبیل میں سے ہے، ولی ہبہ، صدقہ اور وصیت جو بچے کے لیے کئے گئے ہوں کو قبول کرنے کا اختیار رکھتا ہے چونکہ یہ تصرف نفع محض ہے چنانچہ حدیث میں ہے لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو دوسروں کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچانے والا ہو۔ ❸

ولی قاصر (نابالغ محجور علیہ) کے مال کو استحساناً عاریت پر دے سکتا ہے اور ودیعت بھی کرسکتا ہے، چونکہ تصرف تجارت کے توابع میں سے ہے، اور ولی اس کا اختیار رکھتا ہے جیسے ولی ذاتی دین کے بدلہ میں نابالغ کے مال کو رہن پر رکھ سکتا ہے چونکہ عین مرہون مرتہن کے پاس ہوتی ہے ہاں البتہ مرہون چیز اگر ہلاک ہوگئی تو جس قدر مرہون قابل ادائیگی ہوگا اس مقدار کا ولی ضامن ہے۔

ولی یہ اختیار بھی رکھتا ہے کہ نابالغ کے مال کو اس کی قیمت سے زائد رقم کے ساتھ فروخت کرے اور کم قیمت کے ساتھ اس کے مال کے بدلہ میں کوئی چیز خرید ے۔ جیسے ولی مثل قیمت کے ساتھ فروخت کا اختیار رکھتا ہے اور اتنی کم قیمت کے ساتھ بھی کہ جتنے میں عموماً لوگ دھوکا کھا

❶......رواه ابوداؤد والنسائي واحمد وابن ماجة عن عبد الله بن عمروؓ. ❷البدائع ٥/١٥٣ تكملة الفتح ٨/٤٩٩ مجمع الضمانات ٤٠٨. ❸رواه القضاعي عن جابر بن عبد الله وهو حديث حسن.

جاتے ہیں۔ولی مثل قیمت اوراتنی زائد قیمت جس میں عادۃ لوگ دھوکا کھاجاتے ہیں کے ساتھ خریداری بھی کرسکتا ہے۔

ولی یہ بھی اختیار رکھتا ہے کہ مجور علیہ کو اجرت مثل سے زائد اجرت پر مزدوری پر لگادے یا اجرت مثل کے ساتھ بھی اور اتنی کم اجرت کے ساتھ بھی مزدوری پر لگا سکتا ہے جتنی میں عادۃ لوگ دھوکا کھاجاتے ہیں۔ولی نابالغ کے لئے کوئی چیز اجرت پر لے سکتا ہے کم اجرت کے ساتھ بھی اجرت مثل کے ساتھ بھی اور اتنی زائد اجرت کے ساتھ بھی جتنی میں عادۃ لوگ دھوکا کھاجاتے ہیں۔اگر دوران اجارہ نابالغ بالغ ہوجائے تو اسے خیار حاصل ہوگا چاہے اجارہ کو نافذ رکھے چاہے اسے باطل کردے۔جب کہ اجارۂ مال میں اسے اختیار حاصل نہیں ہوگا۔چونکہ باپ کو بحسب مصلحت اختیار حاصل ہوتا ہے اور اس کا تصرف نافذ ہوتا ہے۔

ولی نابالغ کے مال کو ساتھ لے کر سفر بھی کرسکتا ہے اس کے مال کو مضاربت پر لگا سکتا ہے۔خرید فروخت میں وکیل بھی بنا سکتا ہے اسی طرح اجارہ اور استجارہ میں بھی نابالغ کی طرف سے وکیل نامزد کرسکتا ہے چونکہ یہ معاملات بیع کے توابع میں سے ہیں۔

نابالغ کی زمین عادل ولی مثل قیمت یا اس سے زائد قیمت کے ساتھ فروخت کرسکتا ہے،البتہ وصی فروخت نہیں کرسکتا الا یہ کہ دین کی ادائیگی کا کوئی چارہ کار نہ ہو یہی قول مفتی بہ ہے وصی کی بیع قاضی کی اجازت سے نافذ ہوجاتی ہے قاضی بیع کو رد بھی کرسکتا ہے۔

باپ اور دادا بچے کے مال کو اپنے لئے خرید سکتے ہیں یا اپنے مال کو بچے کے ساتھ فروخت کرسکتے ہیں۔بشرطیکہ قیمت میں غبن فاحش نہ ہو بیع قاضی کی اجازت سے نافذ ہوجاتی ہے اگر فسخ بیع میں بچے کی بھلائی ہو تو قاضی بیع فسخ بھی کرسکتا ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وصی کے لئے خرید وفروخت کرنا جائز نہیں۔جب کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ خرید فروخت میں بچے کی بھلائی ہو ورنہ جائز نہیں بھلائی کی تفسیریوں کی گئی ہے مثلاً وہی سامان جو کسی اجنبی سے دس روپے میں مل سکتا تھا وصی نے نابالغ بچے سے پندرہ روپے میں خرید لیا۔

مالکیہ...... کہتے ہیں ❶ ولی بچے کے مال میں مصلحت کے ساتھ تصرف کرسکتا ہے باپ اپنے مجور علیہ بیٹے کے مال کو مطلقاً فروخت کرسکتا ہے۔خواہ مال منقولی ہو یا غیر منقولی باپ سے کسی حال میں بھی بیع کے سبب کے اظہار کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا چونکہ باپ کا تصرف مصلحت پر محمول ہے۔باپ ہبہ بالعوض کا اختیار بھی رکھتا ہے۔

رہی وصی کی بات سو وہ مجور کی زمین فروخت نہیں کرسکتا الا یہ کہ کوئی ایسا سبب پیش آجائے جو بیع کا متقاضی ہو جیسے مالکیہ کے ہاں وصی ہبہ بالعوض کا اختیار بھی نہیں رکھتا۔چونکہ اگر موہوب چیز ہلاک ہوگئی تو اسے ہبہ کے دن کی قیمت لازم ہوگی اور یہ یتیم کے لیے باعث ضرر ہے۔

اسی طرح حاکم وصی کی طرف بوقت ضرورت مجور کا مال فروخت کرسکتا ہے جیسے خرچہ یا ادائے دین کے لئے۔اصول کے لحاظ سے یہ مذہب حنفیہ کے مذہب کے مترادف ہے۔

مالکیہ نے مجور کی زمین کو گیارہ اسباب کی بنا پر فروخت کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

(۱)......واضح اور نمایاں حاجت پیش آجائے جیسے خرچہ اور دین کی ادائیگی بشرطیکہ زمین فروخت کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو۔

(۲)......اگر خوف ہو کہ ظالم حکمران بچے کی زمین کو غصب کرلے گا یا ظلم وتعدی کرے گا اور پیداوار لے جائے گا۔

(۳)......کوئی ظاہری مصلحت پیش آجائے مثلاً مثلی قیمت سے زائد قیمت کے ساتھ فروخت کردے۔

(۴)......یہ کہ بچے پر بے جا ٹیکس عائد کردیا گیا ہو اور اس کی زمین اس غرض سے فروخت کی جائے کہ اس کے بدلہ میں ایسی زمین خریدی جائے گی جس پر ٹیکس نہ ہو۔

---

❶......الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۲۹۹۔۳۰۲،الشرح الصغیر ۳/ ۳۹۰ القوانین الفقھیۃ ۳۲۲۔

(۵)...... یہ کہ بچے کی زمین میں شراکت داری ہو اس کا حصہ اس لیے فروخت کیا جائے تا کہ بلاشرکت غیرے زمین خریدی لی جائے۔

(۶)...... یہ کہ زمین کی زرخیزی نہ ہونے کے برابر ہو یہ زمین فروخت کرنے کوئی زرخیز زمین خریدنا مقصود ہو۔

(۷)...... یہ کہ زمین دین ودنیا کے برے پڑوسیوں میں جکڑی پڑی ہو یا پڑوسی ذمی ہوں، فروخت کر کے اچھے نیک وصالح پڑوسیوں کے پاس زمین خریدنا مقصود ہو۔

(۸)...... یہ کہ زمین مشترک ہو اور قابل تقسیم نہ ہو یوں شریک اپنا حصہ فروخت کر دے یوں شریک کے ساتھ نابالغ کا حصہ بھی فروخت کرنا پڑے۔

(۹)...... زمین کے بنجر ہونے کا خوف ہو جب کہ زمین کی بحالی کے لئے بچے کے پاس مال بھی نہ ہو۔

(۱۰)...... زمین بنجر ہو تاہم بچے کے پاس آبادی کاری کے لیے مال بھی ہو لیکن آبادکاری کی نسبت فروخت میں بہتری ہو۔

(۱۱)...... یہ کہ اڑوس پڑوس کے لوگ ہجرت کر جائیں اور صرف نابالغ کا مکان باقی رہ جائے لہٰذا وحشت سے نجات حاصل کرنے کے لیے اس کی زمین اور مکان فروخت کرنا جائز ہے۔

شافعیہ...... ❶ مصلحت کے پیش نظر ولی وجوباً تصرف کرسکتا ہے، لہٰذا ولی مال کی حفاظت کرے تا کہ محفوظ رہے مال کو آمدنی پر لگائے تجارت میں لگائے تا کہ اخراجات سے اس کا مال ختم نہ ہو جائے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا...... النساء ۴/۵

جولوگ بے توف ہوں ان کو ان کا مال نہ دو جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں نگران مقرر کیا ہے۔

چنانچہ آیت میں لفظ فیھا آیا ہے منھا نہیں آیا اس میں یہ نکتہ ہے کہ اصل سرمایہ سے یتیم پر خرچ نہیں کرنا بلکہ اصل سرمایہ سے حاصل ہونے والے منافع کو خرچ کرنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص کسی یتیم کا سرپرست ہو وہ اس کے مال کو تجارت میں لگائے، مال کو یونہی نہ چھوڑے رکھے کہ صدقات ہی مال کو ہڑپ کر جائیں ❷ عمدہ میٹریل سے نابالغ یتیم کے لیے مکان بنائے، اور آمدنی سے اس کے لئے جائیداد خریدے، ولی بچے کے مال کو لے کر سفر کرسکتا ہے بشرطیکہ راستہ پرامن ہو اور سفر میں کوئی مصلحت بھی ہو۔ ایسی چیز نہ خریدے جو جلدی خراب ہوتی ہو اگرچہ نفع بخش ہو۔

بچے کی جائیداد صرف دوصورتوں میں فروخت کرسکتا ہے اور حاجت شدیدہ کی صورت میں جیسے خرچہ کی ضرورت پڑ گئی یا بچے کے کپڑوں کی ضرورت پڑ گئی بایں طور کہ آمدنی کافی نہ ہوتی ہو کوئی قرضہ دینے والا بھی نہ ہو اور قرضہ لینے میں کوئی بہتری بھی نہ ہو یا زمین کے بنجر ہونے کا خوف ہو۔

۲...... کسی ظاہری مصلحت کے پیش نظر مثلاً اچھی خاص قیمت کے ساتھ زمین فروخت ہو رہی ہو جب کہ خریدار کم قیمت میں اس جیسی زمین خرید سکتا ہو، یا یہ کہ اس زمین پر بھاری ٹیکس عائد ہو جب کہ پیداوار اتنی نہ ہو۔

ولی نابالغ کا مال کسی دوسرے سامان کے ساتھ مبادلہ فروخت کرسکتا ہے، اگر مصلحت دیکھے تو ادھار بھی فروخت کرسکتا ہے۔ مثلاً پہلی صورت میں منافع ہو اور دوسری صورت میں مناسب زائد مال مل رہا ہو یا ولی کو چور ڈاکو کا خطرہ ہو اگر ادھار پر مال فروخت کرے تو اس پر گواہ بنا لے اور ثمن کے بدلہ میں رہن رکھے، اگر ولی نے ایسا نہ کیا تو ضامن ہوگا، اصح قول کے مطابق بیع باطل ہو جائے گی، نابالغ کا مال ودیعت پر نہ

---

❶...... مغنی المحتاج ۲/۱۷۴، المهذب ۱/۳۲۸۔ ❷ رواہ الترمذی عن عبداللہ بن عمرو بن العاص۔

رکھے، بلا حاجت مال قرضہ پر بھی نہ دے یتیم کے مال میں بڑھوتری کے درپے رہے چونکہ ولی نابالغ کا قائم مقام ہوتا ہے اچھے طریقے سے اس پر خرچ کرے اس کے کھانے پینے اور پہنے کا انتظام کرے جو اس کے مالدار اور تنگدست ہونے کے لحاظ سے مناسب ہو اگر کنجوسی کی تو گناہ گار ہوگا اور اگر اسراف سے کام لیا گناہ گار بھی ہوگا اور ضامن بھی۔

اگر بچے نے بلوغ کے بعد باپ پر یا دادا پر مال فروختگی کا دعویٰ کیا یا بغیر مصلحت کے زمین فروخت کرنے کا دعویٰ کیا باپ اور دادا کی قسم کے ساتھ تصدیق کی جائے گی چونکہ وفور شفقت کی وجہ سے ان پر زیادتی کی تہمت نہیں لگائی جاسکتی، اگر وصی یا قاضی پر دعویٰ کر دیا تو بچے کی تصدیق کی جائے گی چونکہ ان میں باپ دادا جیسی شفقت نہیں ہوتی اگر ولی نابالغ کے مال کو اپنے مال کے بدلہ میں فروخت کرے پھر اگر ولی باپ یا دادا ہو بیع جائز ہوگی چونکہ ان پر زیادتی کی تہمت نہیں ہوتی، اگر ولی باپ یا دادا کے علاوہ کوئی اور ہو تو بیع جائز نہیں۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وصی یتیم کے مال میں سے کچھ بھی نہ خریدے۔ ❶

حنابلہ: کا مذہب بھی شافعیہ جیسا ہے ❷ بچے اور مجنون کے ولی کی لیے جائز نہیں کہ وہ ان کے مال میں بغیر کسی مصلحت کے تصرف کرے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ......الاسراء ۱۷/ ۳۴

یتیم کے مال کے قریب بھی مت جاؤ ہاں البتہ اچھے طریقہ کے ساتھ۔

اگر ولی نے تبرعاً مال دے دیا مثلاً ہبہ کر دیا یا صدقہ کیا یا محابات کر دی مثلاً زائد مال کیساتھ خریداری کر لی یا نقصان کے ساتھ مال فروخت کر دیا تو ضامن ہوگا، چونکہ ولی نے افراط سے کام لیا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے ان دونوں کے علاوہ کسی اور کے مال میں تصرف کرے ولی حاکم کی اجازت کے بغیر بھی بچے اور مجنون پر خرچ کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

ولی، وصی یا حاکم کے لیے صحیح نہیں کہ وہ بچے یا مجنون کے مال میں سے کوئی چیز اپنے لئے خریدے یا اپنی کوئی چیز انہیں فروخت کر دے ان کے مال میں سے کوئی چیز اپنے لئے رہن رکھے چونکہ ایسا کرنا باعث تہمت ہے، البتہ یہ تصرف باپ کر سکتا ہے چونکہ اس میں وفور شفقت ہوتی ہے۔

ولی پر واجب ہے کہ وہ نابالغ کے مال کی زکوٰۃ دے، ولی نابالغ اور مجنون کے خلاف اقرار نہیں کر سکتا چونکہ یہ اقرار علی الغیر ہوگا، ولی تجارت کے لئے ان کا مال لے کر سفر کر سکتا ہے۔

ولی بلا اجرت تجارت کرے گا اور نفع سارے کا سارا نابالغ کا ہوگا۔ چونکہ نفع اسی کے مال کی پیدائش ہے نابالغ اور مجنون کے مال کو تجارت میں لگانا ویسے پڑا رہنے سے افضل ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یتیموں کے اموال میں تجارت کرو تا کہ ان کا مال صدقہ نہ کھا جائے ولی کسی امانتدار شخص کو مضاربت پر دے سکتا ہے اور بضاعت پر بھی لگا سکتا ہے البتہ حاصل ہونے والا سارے کا سارا منافع نابالغ کا ہوگا۔

ولی مالدار شخص کو ادھار پر مال فروخت کر سکتا ہے، مصلحت کے پیش نظر مال قرضہ پر بھی دے سکتا ہے۔ مثلاً سفر کی حاجت درپیش ہو! مال کی لوٹ کھسوٹ کا خوف ہو یا غرق کا خوف ہو، اگر بغیر رہن اور کفیل کے ہو، اگر رہن نہ رکھنے یا کفیل نہ بنانے کی وجہ سے مال ضائع ہو گیا تو ولی ضامن نہیں ہوگا چونکہ بظاہر سلامتی ہے۔

ولی نابالغ کے مال کو ودیعت پر رکھ سکتا ہے، امانتدار اور مالدار کو قرضہ پر دے سکتا ہے چونکہ یہ امر اس کے لئے زیادہ حفاظت کا باعث ہے اور اگر بغیر تفریط کے مال تلف ہو گیا تو ولی پر ضمان نہیں ہوگا، وصی اور حاکم اپنے لئے قرضہ نہیں رکھ سکتا جیسے اپنے لئے کسی چیز کو خرید نہیں سکتا،

---

❶ ......رواه الطبراني ورجاله رجال الصحيح عن صله بن زفر عن ابن مسعود (مجمع الزوائد ۲۱۴/۴ ❷ كشاف القناع ۴۳۵/۳۔

اپنے لئے فروخت بھی نہیں کرسکتا چونکہ اس میں تہمت ہے رہی بات باپ کی سووہ یہ تصرفات کرسکتا ہے چونکہ اس میں تہمت معدوم ہے۔

ولی بالعوض مال کو ہبہ کرسکتا ہے عوض قیمت کے بقدر ہو یا زائد ہو۔ اس کے علاوہ محابات تصور ہوگی جو صحیح نہیں مزید اعتماد اور بھروسہ کے لئے رہن رکھ سکتا ہے۔

ولی نابالغ کے لئے زمین خرید سکتا ہے تاکہ اس کی آمدنی بڑھا سکے۔ اسی طرح اہل شہر کے رواج کے مطابق نابالغ کے لئے مکان بھی بنا سکتا ہے۔

ولی کو چاہیے کہ نابالغ کو خطاطی، تیراندازی، ادب اور دوسرے نفع بخش فنون سکھادے دیگر ہنر وغیرہ بھی سکھا سکتا ہے۔

ولی اگر مصلحت دیکھے تو نابالغ کی زمین کو فروخت بھی کرسکتا ہے اگرچہ بقدر مثل سے زائد قیمت نہ ملتی ہو، مصلحت کی مختلف انواع ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

۱..... نان نفقہ کپڑے یا دین کی ادائیگی کی حاجت ہو جس کا بچے کے لئے کوئی چارہ کار نہ ہو۔

۲..... زمین کے غرق یا بنجر ہونے کا خوف ہو۔

۳..... زمین کی فروختگی میں نابالغ کا فائدہ ہو۔

۴..... زمین ایسی جگہ ہو جہاں بھرپور نفع نہ اٹھایا جاسکتا ہو، مثلاً غیر آباد علاقہ میں ہو بیچ کر کسی آباد جگہ زمین خریدنا مقصود ہو۔

۵..... ولی سمجھتا ہو کہ کوئی خاص چیز ارزاں نرخوں سے مل رہی ہو اور اس کی خریداری زمین فروخت کرنے کے بغیر نہ سکتی ہو۔

۶..... یہ کہ زمین ایسی جگہ ہو جہاں نابالغ کا نقصان ہو رہا ہو جیسے پڑوسی بہت برا ہو وغیرہ۔

ہفتم: **نابالغ کو تصرفات میں اذن**..... اذن کا لغوی معنی اعلام (یعنی اعلان) ہے اسی سے اذان ہے جو نماز کے وقت کا اعلان ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ ..... التوبہ ۹/۳

اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمام انسانوں کے لئے یہ اعلان کیا جاتا ہے۔

دوسری جگہ فرمان ہے:

وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ ..... الحج ۲۲/۲۷

لوگوں میں حج کا اعلان کردو۔

اذن کی شرعی تعریف..... تجارت میں حجر کو اٹھالینا۔ اور تصرف میں چھوٹ دے دینا نابالغ پر ولی کو تصرف سے روکنے کا جو اختیار حاصل ہوا سے ساقط کردینا اذن ہے۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ تصرفات میں ممیز کا امتحان لیا جائے تاکہ اس کی رشد اور سمجھداری کا علم ہوجائے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى ..... تیمیوں کو آزماتے رہو۔ النساء ۴/۶

نابالغ کا امتحان تصرفات کی تفویض سے کیا جاتا ہے اگر تاجر کا بیٹا ہو تو خرید وفروخت میں تجربہ سے امتحان لیا جائے، اگر کسان کا بیٹا ہو تو زراعت کھیتی باڑی کے ذریعہ اس کا امتحان لیا جائے، اگر اہل پیشہ میں سے ہو پیشہ کے ذریعہ امتحان لیا جائے، عورت کا امتحان امور خانہ داری میں لیا جائے گا۔ (۱)

---

(۱)..... المغنی ۴/۴۷۸۔

تجارت کے متعلق نابالغ کو ولی کے اذن دینے اور تصرفات میں اذن کے اثرات میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

۱۔شافعیہ..... کہتے ہیں تجارت میں اسے اذن دینا جائز نہیں، البتہ اسے مال سپرد کیا جائے گا اور تجربہ کاری کے متعلق اس کا امتحان لیا جائے جب عقد کا ارادہ کریگا تو ولی عقد کریگا چونکہ نابالغ کے تصرفات اور معاملات باطل ہوتے ہیں چونکہ نابالغ میں عقل کی کمی ہوتی ہے اس کے لئے عقلاء کے احکام ثابت نہیں ہوں گے۔ البتہ سفیہ کا امتحان لیا جائے گا جب اس کی رشد اور سمجھداری ظاہر ہو جائے تو عقد کر سکتا ہے چونکہ وہ مکلف ہے۔

۲۔حنفیہ اور مالکیہ...... کہتے ہیں: جب ولی نابالغ میں سمجھداری محسوس کرے تو اسے تجارت کی اجازت دے سکتا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے: وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى (النساء ۴/۶) مہارت اور تجربہ کا پتہ تبھی لگ سکتا ہے جب تصرف کا اختیار نابالغ کو سپرد کیا جائے حنابلہ کی راجح روایت بھی یہی ہے، حنابلہ کے نزدیک اگر ولی کی اجازت کے بغیر تصرف کر دیا تو صحیح نہیں ہوگا۔ جب کہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ تصرف نافذ نہیں ہوگا۔ یہ راجح اور معقول رائے ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک کبھی اذن صریح ہوتا ہے مثلاً ولی یوں کہے: میں نے تمہیں تجارت کی اجازت دے دی، اور کبھی اذن دلالۃً ہوتا ہے۔ مثلاً ولی نے نابالغ کو خرید و فروخت کرتے دیکھا اور اس پر سکوت اختیار کر لیا۔ چونکہ ولی کا سکوت رضامندی کی دلیل ہے۔ اگر اس کا سکوت معتبر نہ ہوتا تو اس کے ساتھ کیا گیا معاملہ باعث ضرر ہوتا۔

حنابلہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں...... دلالۃً اذن ثابت نہیں ہوتا چونکہ ولی کا سکوت رضامندی اور عدم رضامندی دونوں کو احتمال رکھتی ہے۔ ❶

اذن کے اثرات..... حنفیہ کہتے ہیں اذن حجر کا اٹھا لینا ہے توکیل نہیں۔ اذن عام ہوگا، اگرچہ کسی ایک نوع کے ساتھ مخصوص ہو۔ اذن وقت کے ساتھ مخصوص نہیں ہوگا نوع کے ساتھ مخصوص نہیں ہوگا جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہوگا۔ چونکہ اذن اسقاط ہے اور اسقاطات تقیید کو قبول نہیں کرتے، اگر ولی نے تجارت میں اجازت دے دی تو جملہ تصرفات میں اس کا نفاذ ہوگا نابالغ ماذون خرید فروخت مضاربت، رہن، اجارہ، استجارہ، سب معاملات کر سکتا ہے البتہ ہبہ، صدقہ، قرضہ کفالت جیسے تصرفات جو از قسم تبرع ہیں نہیں کر سکتا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ماذون کے لئے جائز ہے کہ وہ غبن فاحش کے ساتھ تصرف کرے چونکہ اذن سے اس کی اہلیت درجہ کمال کو پہنچ چکی ہو جس شخص کو کامل اہلیت حاصل ہو وہ جملہ افعال تجارت انجام دے سکتا ہے اگرچہ غبن فاحش ہی کے ساتھ کوئی معاملہ کر گزرے۔

صاحبینؒ کہتے ہیں...... نابالغ کا غبن فاحش کے ساتھ تصرف جائز نہیں چونکہ غبن فاحش کا حصہ بمنزلہ تبرع کے ہے اور نابالغ ماذون تبرع کا اہل نہیں ہوتا، میرے نزدیک یہ رائے راجح ہے چونکہ غبن فاحش میں نابالغ کا ضرر محض ہے۔

مالکیہ کا مذہب معاوضات مالیہ میں ماذون کے نفاذ تصرفات نہ کہ تبرعات میں حنفیہ جیسا ہے، ہاں البتہ صاحبینؒ کہتے ہیں کہ وہ تصرف جو غبن فاحش پر مشتمل ہو وہ نافذ نہیں ہوتا حنابلہ کہتے ہیں: اذن توکیل کی طرح ہے حجر اذن سے انہی امور سے ختم ہوگا ولی جن کی اجازت دے گا۔ چنانچہ اگر ولی نے سو روپے کی تجارت میں اجازت دی اس سے زیادہ میں اجازت نافذ نہیں ہوگی۔ اگر کسی مخصوص نوع میں تجارت کی اجازت دی تو اذن اسی نوع کے ساتھ مقید ہوگا جیسے مضاربت تخصیص سے خاص ہو جاتی ہے۔

---

❶..... الدر المختار ۵/۱۰۸، تبیین الحقائق ۵/۲۰۳، البدائع ۷/۱۹۶، الشرح الکبیر ۳/۲۹۴، الشرح الصغیر ۳/۳۸۴، المغنی ۴/۴۶۸، کشاف القناع ۳/۵۰۲۔

بقدر اذن ممیز ماذون کا اقرار صحیح ہے چونکہ اقرار سے حجر اٹھالیا گیا ہے۔

ولایت پر ولی کی اجرت...... اگر ولی مالدار ہو تو مجور کے اموال کی دیکھ بھال پر وہ اجرت لینے کا حقدار نہیں ہوگا۔ اور اگر فقیر ہو اور اموال کے انتظام وانصرام میں اس کا وقت لگتا ہو تو اعتدال کے ساتھ ولی کے لئے اجرت لینا جائز ہے۔ اجرت کی تعین حسب عرف کی جائے گی، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۖ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ...... النساء ۶/۴

جو شخص مالدار ہو وہ یتیم کے مال سے اجتناب کرے اور جو شخص فقیر ہو وہ قاعدہ کے مطابق کھائے۔

دوسرا مقصد: مجنون کے تصرفات میں حجر کا اثر...... مجنون وہ ہوتا ہے جس کی عقل زائل ہو چکی ہو اگر ہر وقت جنون طاری رہے تو اسے جنون مطبق کہا جاتا ہے۔ اگر کبھی افاقہ ہو جاتا ہو اور کبھی جنون طاری ہو جاتا ہو تو اسے جنون متقطع کیا جاتا ہے۔

چنانچہ بوقت جنون مجنون غیر ممیز بچے کے حکم میں ہوگا، جملہ ولایت اور اختیارات سلب ہو جائیں گے جیسے ولایت نکاح وصیت وقضاء دین، ود نیا کے متعلق اس کے اقوال باطل ہوں گے جیسے اسلام اور معاملات چونکہ قصد معدوم ہے۔

مجنون کے تبرعات جیسے صدقہ، ہبہ وغیرہ غیر معتبر ہوں گے جملہ معاملات اور تصرفات باطل جیسے خرید وفروخت، اقرار، طلاق چونکہ مجنون مفقود الاہلیت ہے، البتہ مجنون کے افعال معتبر ہوں گے جیسے عورت کو حاملہ کر دیا، دوسرے کا مال ضائع کر دیا، چنانچہ بچے کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اگر کسی نفس پر جنایت کر دی یا کوئی عضو ضائع کر دیا تو اس کا تاوان لازم ہوگا۔

اگر کسی وقت کامل افاقہ ہو جائے تو اس وقت کے تصرفات معتبر صحیح اور نافذ ہوں گے اگر افاقہ ناقص ہو مثلاً بعض باتیں وہ سمجھ نہ پاتا ہو تو اس کے تصرفات ولی کی اجازت پر موقوف ہوں گے اگر تصرفات نفع ونقصان دونوں کا احتمال رکھتے ہوں اور اگر تصرفات میں ضرر ہی ضرر ہو تو وہ باطل ہوں گے اگر تصرفات میں نفع ہی نفع ہو تو نافذ ہوں گے یہ تفصیل حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ہے۔

تیسرا مقصد: معتوہ کے تصرفات میں حجر کا اثر:

معتوہ...... وہ شخص ہوتا ہے جو کم سمجھ مخلوط الکلام اور تدبیر سے نابلد ہو۔ برابر ہے کہ پیدائشی ہی ایسا ہو یا کسی بیماری کی وجہ سے ایسا ہو۔

اگر عتہ (ناسمجھی) شدید ہو اور معتوہ غیر ممیز ہو تو وہ مجنون اور غیر ممیز بچے کے حکم میں ہے، اس کے سبھی تصرفات باطل ہوں گے کتب فقہ میں معتوہ کو مجنون کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے۔ ❶

اگر عتہ خفیف یعنی ہلکے درجہ کا ہو اور معتوہ ممیز ہو تو اس کا ایسا تصرف جو اس کے لئے باعث ضرر ہو تو وہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک باطل ہوگا البتہ نفع بخش تصرف صحیح ہوگا۔ اور وہ تصرف جو نفع اور نقصان میں دائر ہو وہ ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا جیسے ممیز بچے کا اسی قسم کا تصرف ولی کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔ ❷

چوتھا مقصد: سفیہ پر حجر کے اثرات...... باتفاق مذاہب سفیہ پر حجر لگایا جائے گا۔ جیسے بچے اور مجنون پر حجر لگایا جاتا ہے سفیہ پر حجر حنفی مذہب میں مختار اور مفتی بہ ہے۔

---

❶ البدائع ۷/ ۱۷۰ تبیین الحقائق ۵/ ۱۹۱ تکملۃ الفتح ۷/ ۳۱۰ الدر المختار ۵/ ۱۰۰ اللباب ۲/ ۶۶ الشرح الکبیر ۳/ ۲۹۲ الشرح الصغیر ۳/ ۳۸۲ مغنی المحتاج ۲/ ۱۶۵ المھذب ۱/ ۳۲۸ کشاف القناع ۳/ ۴۳۰۔ ❷ الدر المختار ورد المحتار ۵/ ۱۰۰ تکملۃ الفتح ۷/ ۳۱۱۔

سفیہ......وہ شخص ہوتا ہے جو فضولیات میں اپنا مال خرچ کرتا ہو جو حکمت اور شریعت کے سراسر اخلاف ہو، مالکیہ نے سفہ کی تفسیر یوں کی ہے۔ معصیت میں مال صرف کرنا جیسے شراب، جوا، لہو ولعب وغیرہ، اور اگر خرید وفروخت میں خرچ بھی کردے تو غبن فاحش ہو اور کوئی مصلحت بھی نہ ہو یا نفسانی خواہشات میں صرف کرتا ہو۔ جیسے بے جا اشیاء خور ونوش ملبوسات اور سواری وغیرہ۔ یا مال کو بالکلیہ ضائع کرتا ہو مثلاً دریا برد کرتا ہو یا یونہی زمین پر پھینکتا ہو۔ سفہ کی تعریف اور احکام میں مذاہب میں اختلاف ہے۔

ا۔ حنفیہ کا مذہب...... ❶ سفہ تبذیر مال اور شریعت وعقل کے مقتضی کے خلاف مال کے ضائع کرنے کو سفہ کیا جاتا ہے۔ اگرچہ کسی بھلائی کے کام میں مال خرچ کیا جائے جیسے مسجد میں بنانے میں، تبذیر خرچے میں اسراف کرنے کے مترادف ہے مثلاً بغیر کسی غرض کے تصرفات یا کسی ایسی غرض میں مال خرچ کرنا جو متدین عقلاء کے نزدیک غرض صحیح نہ ہو جیسے گانے بجانے والوں کو مال دے دیا، اور تجارت میں غبن فاحش ہو گیا۔

سفیہ......خفیف العقل جو بغیر کسی غرض کے اپنا مال تلف کرتا ہو اور کوئی مصلحت بھی نہ ہو اس کا حکم مختلف فیہ ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں آزاد عاقل بالغ پر سفہ کی وجہ سے حجر نہیں لگایا جائے گا اور نہ ہی دین فسق اور غفلت کی وجہ سے حجر لگایا جائے گا۔ سفیہ پر حجر نہیں لگایا جائے اس کا تصرف جائز ہوگا۔ اگرچہ مبذر ہو اور بے غرض اور بے مصلحت مال خرچ کرتا ہو چونکہ اس کی ولایت سلب کرنے میں آدمیت کی تذلیل ہے، اور اسے جانوروں سے ملانے کے مترادف ہے۔ لہٰذا ادنیٰ ضرر کے دفعیہ کے لئے بڑے درجے کا ضرر قابل برداشت نہیں ہوگا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اٰتُوا الْیَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ......النساء ۴/ ۲

یتیموں کو ان کے اموال سونپ دو اور گندے مال کو عمدہ مال سے مت بدلو۔

اس سے مراد بلوغ ہے۔ ❷

البتہ اگر لڑکا غیر رشید بالغ ہو تو مال سے نہیں سونپا جائے گا یہاں تک کہ پچیس سال کی عمر کا ہو جائے اس عمر کے بعد اگر اس نے تصرف کیا تو تصرف نافذ ہوگا چونکہ اہلیت موجود ہے۔

چنانچہ پچیس سال کی عمر میں آدمی دادا بھی بن جاتا ہے۔ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ یہ غیر مفتی بہ قول ہے صاحبین کہتے ہیں: سفیہ مدیون اور مغفل پر حجر لگایا جائے گا فاسق پر حجر نہیں لگایا جائے گا صاحبین کا قول مفتی بہ ہے صاحبین اور دوسرے ائمہ کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ ...... الآیة

اگر سفیہ کو مال دینا مباح ہوتا ہے پھر اس سے ممانعت نہ کی جاتی۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے وقوفوں سے مال لے لو۔ رواہ الطبرانی باسناد صحیح

سفیہ پر پابندی اس کی مصلحت کی رعایت کے لئے ہوتی ہے تاکہ انجام کار فقر وفاقہ کی نوبت پیش نہ آئے اور مجبور معاشرہ پر بوجھ نہ بنے نیز ضرر کا دفعیہ واجب ہے حدیث میں ہے لاضرر ولاضرار یعنی کسی کو ضرر دینا اور انتقام کے طور پر ضرر پہنچانا روا نہیں۔

صاحبین کے قول کی بنا پر سفیہ مجور کا حکم ممیز بچے کے حکم کی طرح ہے یعنی ان تصرفات میں جو فسخ کا احتمال رکھتے ہوں جیسے خرید وفروخت یہ اس کے تصرفات ولی کی اجازت پر موقوف ہوں گے۔ اگر حجر کے بعد خرید وفروخت کی تو بیع نافذ ہوگی۔

❶......البدائع ۷/ ۱۶۹ الدر المختار ۵/ ۱۰۲ تبیین الحقائق ۵/ ۱۹۵ تکملۃ الفتح ۷/ ۳۱۰ اللباب ۲/ ۲۸۔ ❷ لیکن یہ آیت ولاتوتوا السفهاء اموالکم سے مقید ہے۔

البتہ وہ تصرفات جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے جیسے نکاح طلاق وغیرہ سو یہ تصرفات صحیح ہوں گے، اگر سفیہ نے ایک یا چار عورتوں سے نکاح کرلیا تو نکاح صحیح ہوگا چونکہ نکاح ضروریات اصلیہ میں سے ہے نیز یہ تصرفات ہزل (ہنسی مذاق) سے بھی باطل نہیں ہوتے پھر اگر نکاح مہر مثل کے ساتھ ہو تو مہر لازم ہوگا اور مہر مثل سے زائد مال ساقط ہوگا۔ پھر اگر رخصتی سے قبل طلاق دے دی تو مقرر شدہ مہر کا نصف واجب ہوگا۔

تہائی مال کی مقدار کے بقدر وصیت صحیح ہوگی بشرطیکہ وصیت کی جہت خیر و بھلائی ہو جیسے فقراء پر خرچ کرنے کی وصیت کردی مساجد، ہسپتال یا مدارس تعمیر کرنے کی وصیت کردی، چونکہ وصیت مرنے کے بعد نافذ ہوتی ہے۔

حدود اور قصاص کا اقرار صحیح ہوگا حجر لگنے کے بعد مال کا اقرار صحیح نہیں ہوگا، سفیہ پر بیوی بچوں اور ذوی الارحام کا خرچہ واجب ہے اس کے مال کی زکوٰۃ نکالی جائے گی، چونکہ سفیہ سے انسانوں کے حقوق باطل نہیں ہوتے۔

سفیہ کی عبادات صحیح ہیں فرض حج بھی انہی عبادات میں سے ہے، البتہ قاضی زادراہ سفیہ کے حوالے نہ کرے بلکہ کسی معتبر حاجی کو دے جو دوران سفر اس پر خرچ کرتا رہے۔ تاکہ سفیہ حج کے علاوہ کہیں اور نہ خرچ کردے۔

ملاحظہ ہو کہ سفیہ اور مدیون پر حجر قاضی کے فیصلہ سے ثابت ہوگا بخلاف صغر جنون اور عتہ کے چنانچہ ان میں قضائے قاضی کی ضرورت نہیں۔

۲۔ مالکیہ کا مذہب...... ❶ سفیہ وہ ہوتا ہے جو فضول مواقع میں اپنا مال خرچ کرتا ہو یا تو شہوات میں مال خرچ کرتا ہو یا اسے مصالح کی پوری طرح معرفت نہ ہو اگرچہ دین میں راستباز ہو سفہ غیر شرعی موقع میں مال خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے۔ سفیہ پر حجر باپ کے حقوق میں سے ہے بشرطیکہ سفہ قریب البلوغ میں ہو۔ اگر سفہ بالغ ہونے کے بعد طاری ہو جو ایک سال سے زائد رہے تو اس صورت میں حاکم کے حکم سے حجر لگایا جائے گا۔

سفیہ کے تصرفات کا حکم...... سفیہ مہمل جس کا کوئی ولی اور نگران نہ ہو حجر سے پہلے کے تصرفات نافذ سمجھے جائیں گے۔ اور نفاذ بغیر اجازت کے ہوگا، برابر ہے کہ سرے سے سفیہ ہو یا سفہ طاری ہوا ہو۔

اگر سفیہ غیر محقق یعنی مجہول السفہ ہو تو بالاتفاق اس کا تصرف نافذ ہوگا، البتہ سفیہ بچہ اور بالغہ لڑکی جو سفیہ ہو ان کے تصرفات مردود ہوں گے، یہاں تک کہ بچہ بالغ ہو جائے اور لڑکی حیض سے مایوس ہو جائے یہ چالیس سے ساٹھ سال کی عمر تک ہوتا ہے، یا رخصتی کے بعد ایک سال گزر جائے۔

سفیہ مجور کی وصیت صحیح ہوتی ہے اور نافذ ہوتی ہے جیسے بیوی کو اس نے طلاق دے دی تو طلاق نافذ ہوگی، ہبہ، صدقہ، اور عطیہ لازم نہیں ہوگا اگر حد و قصاص کا اقرار کیا تو لازم ہوگا۔

وہ سفیہ جو مجور بالعوض ہو اس کے تصرفات اس کے ولی کی صواب دید پر موقوف ہوں گے یعنی اس کا تصرف ممیز بچے کے تصرف کی طرح ہے، ولی مجور پر دو جو با خرچ کرے گا۔

۳۔ شافعیہ کا مذہب: ❷ سفیہ...... تبذیر یعنی فضول خرچی کو کہا جاتا ہے۔ یعنی مال کا برا تصرف۔ ❸ مثلاً معاملہ میں غبن فاحش کے ساتھ مال ضائع کردینا یا مال دریا آگ وغیرہ میں پھینک دینا اگرچہ مال تھوڑا ہی ہو یا معصیت میں خرچ کیا اگرچہ معصیت گناہ صغیرہ ہو۔ چونکہ ایسا قلت دین کی وجہ سے ہے۔ اصح قول یہ ہے کہ صدقات وخیرات اشیائے خورد ونوش ملبوسات جو سفیہ کے حال کے لائق نہ ہوں میں

---

❶ ..... الشرح الكبير وحاشية الدسوقي ۲۹۶/۳، الشرح الصغير ۳۸۷/۳ بداية المجتهد ۲۷۹/۲ القوانين الفقهية ۳۲۱۔ ❷ مغني المحتاج ۱۶۸/۲ المهذب ۳۳۲/۱۔ ❸ تبذیر اور اسراف میں اعتباری فرق ہے واقع حقوق سے جہل تبذیر ہے اور مقادیر حقوق سے جہل اسراف ہے۔

مال صرف کرنا تبذیر نہیں اگر چہ مال زیادہ خرچ کرے چونکہ امور خیر میں مال صرف کرنے کی غرض ثواب ہے اور امور خیر میں خرچ کرنا اسراف نہیں جیسے اسراف میں کوئی خیر نہیں۔ نیز مال تو اسی لئے حاصل کیا جاتا ہے تا کہ اس سے نفع اٹھائے اور لذت حاصل کرے۔

سفیہ پر حجر لگانے کے لئے قاضی کا حکم ضروری ہے قاضی کے علاوہ باپ یا دادا کا حکم نہیں چلے گا چونکہ سفیہ پر حجر محل اجتہاد ہے مسنون ہے کہ قاضی سفیہ کے حجر پر گواہ بنا لے، اگر سفیہ میں رشد اور سمجھداری لوٹ آئی تو حجر کا حکم قاضی کے فیصلہ سے اٹھے گا جیسے حجر کا ثبوت قاضی کے حکم سے ہوتا ہے۔

سفیہ کا ولی قاضی ہے چونکہ باپ وغیرہ کی ولایت زائل ہو جاتی ہے لہٰذا سفیہ پر اسی شخص کو ولایت حاصل ہوگی جس کی نظر ورعایت میں عموم ہو۔

سفیہ کے تصرفات ولی کی اجازت سے صحیح ہوتے ہیں جیسے نکاح، طلاق، رجعت اور خلع وغیرہ ظہار، ایلاء، نسب سے انکار، لعان اور استلحاق بھی صحیح ہوں گے۔

سفیہ کا مالی تصرف صحیح نہیں اگر چہ ولی کی اجازت سے ہو چونکہ سفیہ کی عبارت کا کوئی اعتبار نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے بچے کو اجازت دی جائے چنانچہ مجور کی خرید فروخت، ہبہ صحیح نہیں، سفیہ کا اقرار صحیح نہیں، خواہ حجر سے پہلے ہو یا بعد جیسے بچے کا اقرار صحیح نہیں۔ اور جس طرح مال تلف کرنے کا اقرار صحیح نہیں ہوتا، البتہ حد اور قصاص کا اقرار صحیح ہے چونکہ ان دونوں چیزوں کا تعلق مال سے نہیں ہوتا، اور تہمت سے بھی دور ہیں۔ اگر حد سرقہ کا اقرار کیا ہو تو سفیہ کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر قصاص کے مدعی نے معاف کر دیا تو مال لازم نہیں ہوگا۔ چونکہ مال غیر کے اختیار سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ اقرار سے۔

عبادات واجبہ کا حکم مطلقاً اور مستحبہ بدنیہ عبادات میں سفیہ کا حکم رشید (سمجھدار) جیسا ہے۔ چونکہ جملہ شرائط سفیہ میں پائی جاتی ہیں۔ رہی بات مالی مندوب عبادات کی جیسے نفلی صدقات ان میں رشید کی طرح نہیں ہوگا، البتہ زکوٰۃ اپنے تئیں زکوٰۃ نہیں بانٹے گا ہاں البتہ اگر ولی متعین کر دے کہ فلاں شخص کو دو تو اس صورت میں سفیہ کا اپنے تئیں زکوٰۃ دینا صحیح ہے جیسے ممیز بچے کا زکوٰۃ دینا صحیح ہے بشرطیکہ اس کا تصرف ولی یا ولی کے کسی نائب کی موجودگی میں ہو۔ چونکہ اگر اس پر کڑی نظر نہ رکھی گئی تو مال تلف کر دے گا یا مصرف کے متعلق جھوٹ بول دے گا۔

سفیہ نے جو نذر مانی ہوا سے پورا کرنا صحیح ہے، اگر سفیہ نے فرض حج کے لیے احرام باندھا تو ولی راستے کا خرچہ کسی باوثوق شخص کو دے جیسا حنفیہ کہتے ہیں۔ اگر حجر کے بعد سفیہ نے نفلی حج کے لئے احرام باندھا یا نفلی عمرہ کا احرام باندھا اور اس کا خرچہ معتاد خرچے سے زائد ہو گیا تو ولی اسے ان عبادات سے روک سکتا ہے اگر مصلحت سمجھے تو اجازت بھی دے سکتا ہے شافعیہ کا مذہب ہے کہ احرام باندھنے کے بعد اگر اسے حج کے عمرہ سے روکا گیا تو وہ محصر کے حکم میں ہوگا، لہٰذا حلال ہو جائے چونکہ آگے بڑھنا اس کے لئے ممنوع ہے، یہ روزے رکھ کر حلال ہوگا چونکہ مال اس کے ہاتھ میں نہیں دیا جائے گا، اور اگر حج کے راستے میں اسے روکا گیا جب کہ راستے میں اگر مزدوری وغیرہ کے مواقع میسر ہوں جس سے وہ زائد اخراجات پیدا کر سکتا تو اس صورت میں اسے منع کرنا جائز نہیں چونکہ حج یا عمرہ مال زائد دینے کے بغیر بھی اس کے لئے ممکن ہے۔

۴۔ **حنابلہ کا مذہب**...... سفیہ وہ شخص ہوتا ہے جو سوجھ بوجھ کے ساتھ اچھی طرح تصرف نہ کر سکتا ہو۔ اس پر حجر لابدی ہے جیسا کہ سبھی ائمہ کا مذہب ہے اور حجر حاکم کے حکم سے لگایا جائے۔ جس شخص پر حاکم حجر لگائے اس کا اظہار ضروری ہے اور گواہ بنانا بھی ضروری ہے شافعیہ کا بھی یہی موقف ہے سفیہ کا ولی اس کا باپ باپ کے بعد اس کا مقرر کردہ وصی، اور اگر دونوں نہ ہوں تو حاکم ہوگا اگر مجور چھوٹا بچہ ہو تو حجر اس پر بدستور جاری رہے گا۔

محجور علیہ کے تصرفات......محجور علیہ کا نکاح ولی کی اجازت اور بغیر اجازت کے بھی صحیح ہے جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے، چونکہ اس میں مصلحت ہے، البتہ نکاح مہر مثل کی ساتھ مقید ہوگا مہر مثل سے زائد مہر نہیں رکھا جائے گا چونکہ زائد مہر محض تبرع ہے جب کہ سفیہ تبرع کا اہل نہیں نکاح تب کرے گا جب سفیہ کو احتیاج ہو اگر سفیہ کو نکاح کی ضرورت نہ ہو تو اس کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں چونکہ نکاح ایسا تصرف ہے جس میں مال بھی خرچ ہوتا ہے لہٰذا خرید فروخت کی طرح ولی کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں۔

سفیہ کی طلاق صحیح نہیں چونکہ طلاق مالی تصرف نہیں جیسے بیوی کے ساتھ خلع صحیح ہے چونکہ جب مال کے بغیر بیوی کو طلاق دینا صحیح ہے تو خلع بطریق اولی صحیح ہوگا لیکن بدل خلع سفیہ کو نہیں دیا جائے گا، بلکہ اس کا ولی قبضہ کرے گا۔

سفیہ کا ظہار، ایلاء، لعان کے ذریعہ نسب کی نفی اور نسب کا اقرار صحیح ہے۔

سفیہ کی وصیت صحیح ہے جیسا کہ سبھی فقہاء کا موقف ہے چونکہ وصیت میں سفیہ کی مصلحت ہے اور وہ مال کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے۔

سفیہ کا حد اور قصاص کا اقرار صحیح ہے اسی طرح زنا، سرقہ، شرب خمر، قذف، قتل عمد قطع ید وغیرھا کا اقرار بھی صحیح ہے۔ اگر مالک قصاص نے سفیہ کو معاف کر دیا تو درست اور صواب یہ ہے کہ سفیہ پر مال (دیت) واجب نہیں ہوگا۔ جیسا کہ شافعیہ کا مذہب ہے چونکہ سفیہ اور مقرلہ نے معافی پر اتفاق کر لیا۔

سفیہ کا اقرار دین صحیح نہیں اور ایسے حق کا اقرار بھی صحیح نہیں جو موجب دین ہو جیسے قتل خطایا قتل شبہ عمد کا اقرار۔ چنانچہ دوران حجر سفیہ نے جو اقرار کیا ہو وہ اس پر لازم نہیں ہوگا چونکہ مصلحت کی بنا پر اس پر پابندی لگی ہوئی ہے لیکن حنابلہ کا ظاہر یہ مذہب ہے کہ اقرار حجر اٹھا لینے کے بعد لازم ہوگا۔

دوسرے کا مال تلف کرنے کے متعلق سفیہ کا وہی حکم ہے جو بچے اور مجنون کا حکم ہے۔ سفیہ کے تبرعات (نفلی صدقات) صحیح نہیں، جیسے ہبہ، وقف وغیرہ، جیسے بقیہ فقہاء کہتے ہیں چونکہ تبرع میں ضرر ہے اور سفیہ تبرع کا اہل بھی نہیں سفیہ کی شرکت، حوالہ، اور کفالہ صحیح نہیں چونکہ یہ مالی تصرفات نہیں لہٰذا خرید اور فروخت کی طرح صحیح نہیں ہیں۔

ولی کی اجازت کے بغیر سفیہ کی بیع وشراء باطل ہیں، چونکہ مال کی حفاظت کے لئے اس پر حجر عائد کیا گیا ہے اگر ولی سفیہ کو بیع وشراء کی اجازت دے دے تو کیا بیع وشراء صحیح ہوگی، اس کی دو صورتیں ہیں۔

۱......صحیح ہے چونکہ بیع وشراء عقد معاوضہ ہے لہٰذا ولی کی اجازت سے خرید وفروخت کا مالک ہوگا جیسے اجازت سے نکاح کا مالک ہوتا ہے حنابلہ کے نزدیک یہی قول راجح ہے۔

۲......سفیہ کی بیع وشراء صحیح نہیں، چونکہ سفیہ پر اس لئے حجر لگایا گیا تا کہ تبذیر اور تصرف بد سے اسے روکا جائے اگر اسے بیع وشراء کی اجازت دے دی گئی تو ایسے تصرف کی اجازت دی گئی جس میں کوئی مصلحت نہیں لہٰذا بیع وشراء صحیح نہیں پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ صورت شافعیہ کے نزدیک زیادہ صحیح ہے۔

سفیہ پر شرعی واجبات لازم ہوں گے جیسے بیوی کا خرچہ خادم کا خرچہ، وہ دینی فرائض جو مال سے متعلق ہوں وہ بھی اس پر واجب ہوں گے، جیسے زکوٰۃ لیکن سفیہ اپنے تئیں زکوٰۃ نہیں بانٹے گا بلکہ بانٹنے کا کام ولی انجام دے گا جیسے دیگر مالی تصرفات سفیہ کی ہر بدنی عبادت کی نذر صحیح ہے جیسے حج، روزہ نماز وغیرہ چونکہ سفیہ کے بدن پر حجر تو نہیں لگایا گیا البتہ مالی عبادت کی نذر صحیح نہیں ہوگی جیسے صدقہ اور قربانی وغیرہ۔

اگر سفیہ نے فرض حج کے لئے احرام باندھا اس کا احرام صحیح ہوگا جیسے دوسری عبادات صحیح ہیں البتہ سفر خرچ کسی باوثوق شخص کو دیا جائے گا جو

راستے میں اس پر خرچ کرتا رہے گا یہاں تک سفیہ حج سے واپس لوٹ آئے بقیہ فقہاء کا بھی یہی مؤقف ہے۔ اگر حج نفلی ہو اور اس کے اخراجات اتنے ہی آتے ہوں جتنے گھر بیٹھے بیٹھے یعنی حالت حضر کے ہوں یا اس سے زائد ہوں تاہم دوران سفر سفیہ کو مزدوری کے مواقع بھی میسر ہوں تو ولی اسے حج سے نہیں روک سکتا، چونکہ حج شروع کرنے سے واجب ہو جاتا ہے۔ اگر سفر خرچ زائد ہو اور دوران سفر مزدوری کے مواقع بھی میسر نہ ہوں تو ولی نفلی حج سے اسے حلال کرالے چونکہ اس صورت میں سفیہ کا ضرر اور نقصان ہے دس روزے رکھ کر حلال ہو (یعنی احرام کھولے) یہ ایسا ہی ہے جیسے محصر شافعیہ کا بھی یہی موقف ہے۔

سفیہ کے ولی کے تصرف کا حکم یہی ہے جو بچے اور مجنون کے ولی کے تصرف کا حکم ہوتا ہے۔

خلاصہ.....سفیہ کے تصرفات جو از قسم خرید وفروخت ہوں وہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ولی کی اجازت پر موقوف ہوں گے جب کہ شافعیہ کے نزدیک باطل ہوں گے اگرچہ ولی کی اجازت سے ہوں حنابلہ کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر باطل ہوں گے جب کہ راجح یہ ہے کہ اگر ولی نے اجازت دے دی تو تصرفات نافذ ہوں گے۔

پانچواں مقصد: مغفل پر حجر کے اثرات:

مغفل.....غفلت والے شخص کو کہا جاتا ہے جس سے بیوع (خرید وفروخت کے معاملات) میں دھوکا ہو جائے جب کہ نفع بخش تصرفات کی سوجھ بوجھ بھی نہ رکھتا ہو، چونکہ مغفل میں تجربہ نہیں ہوتا اور وہ قلب سلیم کا مالک بھی نہیں ہوتا، البتہ مغفل سفیہ سے اس معنی میں مختلف ہے کہ مغفل اپنے مال کو تباہ وبرباد نہیں کر رہا ہوتا، اور نہ ہی اللے تللوں میں خرچ کرتا ہو، جب کہ سفیہ اس کے برعکس ہوتا ہے، وہ بالقصد اپنے مال کو تباہ کر رہا ہوتا ہے اور محض خواہشات اور ہوائے نفس میں خرچ کرتا ہو، مغفل معتوہ بھی نہیں ہوتا یہ مخلوط الکلام ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مغفل پر پابندی نہیں لگائی جائے گی، جب کہ صاحبین کے نزدیک پابندی لگائی جائے گی، صاحبین کا قول مفتی بہ ہے یہی باقی فقہاء کی رائے ہے اس میں مغفل کی بہتری ہے مغفل کے تصرفات کے احکام سفیہ جیسے ہیں۔ (۱)

سفیہ اور مغفل پر حجر کی ابتداء اور انتہاء.....امام محمد بن حسن اور ابن قاسم مالکی (۲) کہتے ہیں: سفیہ اور مغفل سے جس وقت سفہ اور غفلت کی علامتیں ظاہر ہوں اس وقت سے ان پر حجر لگایا جائے گا جب یہ علامتیں ختم ہو جائیں اس وقت حجر بھی ختم ہو جائے گا حجر حکم قاضی پر موقوف نہیں چونکہ وجود اوعدماً سبب کے ساتھ مسبب بھی گھومتا ہے یعنی یہاں جہاں سبب پایا جائے گا مسبب بھی وعلی علیہ۔

بنابریں سفیہ اور مغفل کی علامتیں جب ظاہر ہوں اسی وقت سے ان کے تصرفات غیر صحیح شمار ہوں گے، اور دونوں محجور علیہ کہلائیں گے۔

امام ابویوسف اور جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ سفیہ اور مغفل کا حجر بحکم قاضی ثابت ہوگا چونکہ سفہ اور غفلت ایسے امور ہیں جو غیر محسوس ہیں جیسے جنون اور عتہ، ان پر تو تصرفات سے استدلال کیا جاتا ہے۔ جب کہ یہ امور تو تقدیری اور اجتہادی ہیں جو مختلف ہوتے ہیں، لہٰذا قاضی کے حکم کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ اس رائے کے مطابق میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ حجر قضائی سے پہلے کے تصرفات نافذ العمل ہوں گے۔ چونکہ ان میں کسی کا نقصان نہیں۔

چھٹا مقصد: فاسق پر حجر کا بیان:

مذاہب اربعہ..... (۳) کا اس پر اتفاق ہے کہ صرف فسق کی وجہ سے فاسق پر حجر نہیں لگایا جائے گا چنانچہ اگر سفیہ فسق کا ارتکاب کرتا

---

(۱).....الدر المختار ۱۰۲/۵ تبیین الحقائق ۱۹۸/۵ البدائع ۱۶۹/۷ ردالمحتار ۱۰۳/۵ الشرح الکبیر ۲۹۷/۳ (۲) (۳) الدر المختار ۱۰۲/۵ اللباب مع الکتاب ۷۵/۲ القوانین الفقہیۃ ۳۲۰ الشرح الکبیر ۲۹۲/۳ مغنی المحتاج ۱۷۰/۲ کشاف القناع ۴۴۰/۳

ہو اور بالغ ہونے کے بعد تبذیر کا وصف جاتا رہے اور اس کے تصرفات میں بہتری ہو تو اس پر حجر نہیں لگایا جائے گا چونکہ فاسق اپنے نفس اور اپنی اولاد پر ولایت رکھتا ہے نیز حجر کی مشروعیت اس لئے ہے تاکہ اسراف اور تبذیر سے مجور کو دور رکھا جائے، نیز اسلاف نے فاسقین پر حجر نہیں لگایا۔

فسق اصلی (جو بچپن سے ہو) اور فسق طاری (جو بلوغ کے بعد ہو) حجر کے عدم جواز میں برابر ہیں۔شافعیہ کے ہاں بھی اصح یہی ہے۔

ملاحظہ: حجر علی الغائب......حنفیہ اپنے اصول کے برخلاف کہتے ہیں کہ غائب شخص پر حجر صحیح ہے لیکن جب تک اسے حجر کا علم نہ ہو حجر اس کے حق میں غیر مؤثر ہوگا۔ ❶

ساتواں مقصد......مصلحت عامہ کے پیش نظر حجر:

حنفیہ نے اس کی وضاحت کی ہے کہ مصلحت عامہ کے لیے حجر جائز ہے چونکہ خاص ضرر کو عام ضرر کے دفیعہ کے لیے برداشت کیا جاسکتا ہے، چنانچہ جاہل طبیب پر پابندی لگائی جاسکتی ہے لاپرواہ مفتی اور مفلس کرایہ دار پر بھی پابندی لگائی جاسکتی ہے۔ مثلاً جاہل طبیب لوگوں کو مہلک ادویات دیتا ہو جن کا ازالہ ہی ناممکن ہو اور ان کی تاثیر مریضوں پر شدید تر ہوتی ہے تو ایسے طبیب پر پابندی لگائی جاسکتی ہے۔

لاپرواہ مفتی جو لوگوں کو باطل حیلے سکھاتا ہو مثلاً عورت کو بائنہ کرنے کے لئے مرتد ہونے کا حیلہ، زکوۃ ساقط کرنے کا حیلہ سکھاتا ہو اور حرام کو حلال قرار دینے میں اور حلال کو حرام قرار دینے میں اسے کوئی پرواہ نہ ہو یا افتاء کے شعبہ سے ہی نابلد ہو تو اس پر پابندی لگائی جاسکتی ہے مفلس مکاری جو لوگوں سے دنا دن کرائے وصول کرتا ہو جب کہ نقل وحمل کے وسائل جیسے اونٹ گھوڑے ٹرک کی گاڑی وغیرہ اس کے پاس نہ ہوں (کمیاب ہوں) جیسے اس کے پاس مال نہیں وہ ان کرایوں سے وسائل نقل وحمل خریدنا چاہے اور لوگ بھروسہ کر کے اسے کرایہ دیتے رہیں جب کہ مال ماخوذ اپنی ضروریات میں صرف کرتا ہوں جب بار برداری اور نقل کا وقت آئے تو یہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے یوں لوگوں کا مال ضائع ہو جائے ایسے مکاری (کرایہ لینے والے) پر بھی پابندی لگائی جاسکتی ہے۔

چنانچہ ان جیسوں لوگوں پر پابندی لگائی جاسکتی ہے چونکہ عام ضرر کا دفعیہ واجب ہو اگرچہ اس میں خاص آدمی کا ضرر اور نقصان ہے۔ان حالات میں حجر مناسب سزا ہے تاکہ یہ لوگ مفاسد سے باز رہیں چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ان تین شخصوں پر حجر جاری کرتے تھے چونکہ جاہل طبیب لوگوں کے بدن کو نقصان پہنچاتا ہے لاپرواہ مفتی دین کے لئے نقصان دہ ہے اور مکاری لوگوں کے اموال کے لئے نقصان دہ ہے۔

لیکن حجر سے مراد حجر حقیقی نہیں جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے بلکہ حجر سے مراد ممانعت حسی ہے کہ ان لوگوں کو ان کے کام سے روکا جائے گا۔ چنانچہ اگر حجر کے بعد مفتی نے درست فتوی دیا تو جائز ہے طبیب نے دوائی فروخت کی جو نفع بخش ثابت ہوئی اس کی بیع نافذ ہوگی، چونکہ یہ ممانعت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قبیل سے ہے تاکہ جاہل طبیب کی ادویات سے لوگوں کی صحت خراب نہ ہو لاپرواہ مفتی سے دین خراب نہ ہو اور مفلس مکاری لوگوں کے اموال کو ضائع نہ کرے۔

آٹھواں مقصد......مرض الموت میں مبتلا مریض پر حجر:

مرض الموت...... سے مراد وہ مرض ہے جو اطباء کی رائے کے مطابق موت کا سبب بن جائے۔

یا اس مرض سے موت واقع ہو جائے اگرچہ غالب احوال میں موت واقع نہ ہوتی ہو، یعنی دارومدار اس پر ہے کہ مرض کی وجہ سے اکثر

---

❶......الدر المختار ورد المحتار ۵/۱۰۶۔

موت واقع ہوجاتی ہے اگر چہ غالباً نہ ہو۔❶

مجلہ احکام عدلیہ (م ۱۵۹۵) میں مرض الموت کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ یہ ایسا مرض ہے جو مرد یا عورت کو اعمال معتادہ سے عاجز کردے شروع مرض سے ایک سال گزرنے سے قبل موت متصل ہوگی بشرطیکہ حالت شدیدہ نہ ہو اگر مرض میں حالت شدیدہ ہوجاتی ہو تو بوقت شدت سے مرض الموت سمجھی جائے گی جو شخص مرض الموت میں مبتلا ہو اسے مریض کہا جاتا ہے مریض کا متضاد صحیح (صحتمند اور تندرست) ہے اور صحیح وہ ہوتا ہے جو مرض الموت میں مبتلا نہ ہو اگر چہ کسی دوسرے مرض میں مبتلا ہو لہٰذا اپاہج، مفلوج اور مسلول کا مرض اگر طویل ہوجائے اور صاحب فراش نہ ہو تو وہ صحیح کے حکم میں ہے۔

بنابرایں مالکیہ کہتے ہیں مریض کی دو قسمیں ہیں❷ ایک وہ مریض جس پر موت کا خوف نہ ہو جیسے برص کا مریض مجذوم، آشوب چشم کا مریض وغیرہ ان پر حجر نہیں ہوگا۔

دوسرا وہ مرض جس پر موت کا غالباً وعادۃً خوف ہو جیسے شدید بخار، شدید پیچش، اور نمونیا وغیرہ۔ میری رائے کے مطابق ہر زمانہ کے لحاظ سے مرض الموت کا اعتبار کیا جائے گا چنانچہ ماضی میں پیچش کا مرض خطرناک اور لاعلاج سمجھا جاتا تھا ہمارے زمانہ میں نئی نئی دریافتوں کی وجہ سے سہل العلاج مرض ہے۔

ائمہ مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ مریض الموت پر حجر جائز ہے تا کہ ورثہ کے حقوق محفوظ رہیں مالکیہ نے تصریح کی ہے کہ وہ شخص جس کی موت کا قوی امکان ہو جیسے میدان جنگ میں لڑنے والا فوجی اور قتل کے لیے قید کیا ہوا شخص بھی مریض الموت کے حکم میں ہے۔ حاملہ عورت جب اس کے حمل کو چھ ماہ گزر جائیں اور ساتویں ماہ میں داخل ہوجائے، موسم طوفان میں سمندر میں سفر کرنے والے میں اختلاف ہے اصح یہ ہے کہ وہ مریض الموت کے حکم میں نہیں۔ صرف مریض الموت کے تبرعات پر حجر ہوگا جو ایک تہائی ترکہ سے زائد ہوجائیں، جیسے ہبہ صدقہ، وصیت، وقف، بیع محابات، (محابات کا ذکر وصیت میں آئے گا) وہ بیع جو غبن پر مشتمل ہو یعنی مریض الموت کے تبرعات کا حکم وصیت کی طرح ہے اور اس کے تبرعات ایک تہائی میں نافذ ہوں گے، تہائی سے زائد تبرعات ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوں گے اگر مرض سے صحتیاب ہوگیا تو اس کے تصرفات صحیح ہوں گے، یہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے۔ اگر اس کے دیون کل ترکہ کو مستغرق ہوں تو اس کے سبھی تصرفات پر پابندی ہوگی پھر تہائی کو نہیں دیکھا جائے گا تا کہ قرض خواہوں کے حقوق محفوظ رہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں..... مریض کا تبرع تہائی میں سے نافذ نہیں ہوگا البتہ اگر تبرع میں دیا ہوا مال ایسا ہو جو تغیر سے محفوظ ہو جیسے زمین گھر وغیرہ تو تبرع نافذ نہیں ہوگا اگر چہ تہائی سے کم ہی ہو۔

مالکیہ نے نزدیک بقدر ضرورت سے زائد میں مریض الموت کا تصرفات جائز نہیں یعنی کھانے پینے، اور علاج معالجے کا تصرف کر سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔

معاوضات مالیہ کے تصرفات جیسے خرید فروخت، قرض، مضاربت، مساقات اور اجارہ وغیرہ کرسکتا ہے، ہاں البتہ اگر محابات پر کوئی تصرف مبنی ہو تو وہ نہیں کرسکتا۔

اگر مریض مرگیا تہائی مال میں سے تبرعات کا تصرف نافذ ہوگا اور اگر زندہ رہا تو کل مال سے تصرف نافذ ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں..... مریض کے خاص ضروری تصرفات بذاتہ نافذ ہوں گے اور کسی کی اجازت پر موقوف نہیں ہوں گے جیسے ضروری اخراجات جو کھانے پینے، پہننے اور سکنی سے متعلق ہوں ذوی الارحام کا خرچہ علاج معالجہ کا خرچہ آپریشن وغیرہ کا خرچہ لازم ہوگا۔ مریض الموت

---

❶..... الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۳/۳۰۶ ❷ القوانین الفقہیۃ ۳۲۲۔

شادی کر سکتا ہے، چونکہ بسا اوقات اسے بیوی کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی خدمت کرے گی اور اس کا دل بہلائے گی بشرطیکہ نکاح مہر مثل کے ساتھ ہو، اگر مہر مثل سے زائد ہوا تو وہ تبرع ہے جو وصیت کے حکم میں ہے۔

مریض اجنبی کے لئے قرضے کا اقرار کر سکتا ہے اپنے کسی وارث کے لئے بھی کر سکتا ہے۔ اور اگر اقرار اجنبی غیر وارث کے لئے ہو تو وہ صحیح ہے اور ورثہ کے اجازت کے بغیر نافذ ہو جائے گا البتہ حالت صحت کے دیون مقدم ہوں گے۔

نواں مقصد: بیوی پر حجر...... مالکیہ اور ایک روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ: کہتے ہیں ❶ شادی شدہ آزاد عورت پر حجر لگایا جائے گا تا کہ تصرف میں خاوند کے لئے بہتری رہے ایسے تصرف میں حجر ہوگا بلا عوض ہو جیسے ہبہ، کفالہ وغیرہ جو تہائی سے زائد ہو، اسے مریض الموت پر قیاس کیا گیا ہے تہائی سے زائد تبرع نافذ ہوگا یہاں تک کہ خاوند یا تو سبھی کو رد کر دے یا اس میں سے جتنا چاہے مالکیہ کے نزدیک یہی مشہور ہے۔

بنا برھذا عورت کے جمیع تبرعات نافذ ہوں گے اگر خاوند کو اس کے تبرع کا علم نہ ہو یہاں تک کہ طلاق سے عورت بائن ہو جائے یا خاوند کو علم ہو اور اس پر خاموش رہے۔ یا دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے۔

اگر عورت تہائی سے زائد تبرع کر دے تو خاوند کو اختیار حاصل ہے چاہے تبرع کو نافذ کر دے چاہے رد کر دے گویا خاوند کو عورت کے تبرعات پر اختیار حاصل ہے معتمد قول کے مطابق خاوند کا رد موقوف ہوگا جب کہ اشہب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خاوند کا رد ابطال ہے۔

عورت تہائی کے بعد تبرع نہیں کر سکتی الا یہ کہ دو مرتبہ تبرع کرے جو نصف سے بڑھ جائے، رہی بات عورت کے واجبات کی جو اس کے والدین کے خرچہ کے طور پر اس پر واجب ہوں تو ان کے حوالے سے عورت پر حجر نہیں ہوگا ابن قاسم کے نزدیک اگرچہ اس نفقہ میں خاوند کا ضرر ہو تب بھی حجر نہیں ہوگا جب کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت بھی ہے کہ اگر ثلث سے زائد تبرع میں خاوند کا ضرر ہو تو عورت پر حجر ہوگا۔

عورت اپنا سارا مال اپنے خاوند کو ہبہ کر سکتی ہے ہبہ کی صورت میں کسی کو اعتراض کا حق نہیں عورت اپنے جمیع مال میں تصرف کا حق رکھتی ہے۔

اس مذہب کی دلیل بہت ساری احادیث ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کسی عورت کے لئے جائز ہیں کہ وہ اپنے مال سے عطیہ کرے ہاں البتہ اپنے خاوند کی اجازت سے عطیہ کر سکتی ہے جو خاوند اس کی عصمت اور ناموس کا مالک ہوتا ہے۔ ❷

جمہور (حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کہتے ہیں ❸ سمجھدار عورت اپنے پورے مال میں تصرف کا اختیار رکھتی ہے خواہ تبرع از قسم معاوضہ ہو یا محض تبرع ہو، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ آنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ......النساء ۴/ ۶

اگر تمہیں ان میں سمجھداری محسوس ہو تو ان کے اموال نہیں دے دو۔

بظاہر یہ آیت حجر اٹھا لینے کی دلیل ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کرو اگرچہ صدقہ میں تمہیں اپنے زیورات ہی کیوں نہ دینے پڑیں ❹ چنانچہ صحابیات صدقات کرتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے صدقات قبول فرماتے تھے، آپ سوال نہیں کرتے تھے اور نہ ہی تفصیل پوچھتے تھے، یہ راجح رائے ہے چونکہ عورت کے مالی حقوق خاوند کے مالی حقوق سے جدا اور مستقل ہیں یہ شریعت مطہرات کے مفاخر میں سے ہے کہ عورت کو تصرف اور اختیار کی پوری اہلیت سونپی ہے۔

ملحق: کیا عورت خاوند کے مال سے تھوڑا بہت صدقہ کر سکتی ہے...... اس ضمن میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دو

---

❶......الشرح الکبیر ۳/ ۳۰۷، الشرح الصغیر ۳/ ۴۰۲ القوانین الفقھیة ۳۲۳ المغنی ۴/ ۴۶۴ کشاف القناع ۳/ ۴۰۵ ❷رواہ الخمسة الترمذی عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده (نیل الاوطار ۶/ ۱۸) ❸ المغنی ۴/ ۴۶۴۔ ❹ رواہ الترمذی عن زینب امراة عبدالله بن مسعود

روایتیں ہیں جو اسلاف کی آراء میں اہمیت کی حامل ہیں۔

اول.....عورت خاوند کی اجازت سے صدقہ کر سکتی ہے اور یہ جائز ہے، حنبلی مذہب میں یہ روایت مشہور ہے، اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت اپنے خاوند کے گھر سے جو کچھ خرچ کرتی ہے اس حال میں کہ تباہ و برباد نہ کرتی ہو جو خرچ کرے گی اس کا اسے اجر و ثواب ملے گا عورت کو اس کی کمائی کا ثواب ملے گا خزانچی کو بھی اس کا ثواب ملے گا یہ ایک دوسرے کا ثواب کم نہیں کریں گے ❶ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں اجازت کا تذکرہ نہیں کیا چونکہ عادۃ چشم پوشی برت لی جاتی ہے گویا صراحۃ اجازت ہے۔ جیسے مہمان کے سامنے کھانا پیش کر دینا ہی صراحۃ اجازت کے قائم مقام ہے۔

لیکن اگر خاوند منع کرتا ہو یا خاوند بخیل ہو اور اس کی رضامندی میں شک کرتا ہو تو اس صورت میں خاوند کے مال میں سے صدقہ کرنا عورت پر حرام ہے جیسے عورت کے کھانے سے خاوند پر صدقہ کرنا حرام ہے چونکہ عادۃ عورت کے کھانے سے صدقہ نہیں کیا جاتا۔ غلام اور خادم عورت کے قائم مقام ہے چنانچہ خادم اپنے مالک کے گھر سے ایک دو روٹیاں صدقہ کر سکتا ہے۔

دوم.....دوسری روایت کے مطابق عورت کے لیے جائز نہیں کہ خاوند کے مال سے صدقہ کرے۔ اس کی دلیل حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ عورت اپنے گھر سے خاوند کی اجازت کے بغیر کوئی چیز خرچ نہ کرے عرض کیا: گیا اے اللہ کی رسول! کھانا (غلہ) بھی نہیں خرچ کر سکتی؟ آپ نے فرمایا: یہ تو ہمارا افضل مال ہے۔ ❷

نیز یہ مالک کی اجازت کے بغیر تبرع ہے جو جائز نہیں۔

تبصرہ.....ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں پہلی رائے صحیح ہے چونکہ اس کی تائید میں بہت ساری صحیح روایات ہیں جو خاص کا درجہ رکھتی ہیں چنانچہ خاص عام پر مقدم ہوتا ہے۔ جب کہ ابو امامہ باہلی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ضعیف ہے بیوی کو غیر پر قیاس نہیں کیا جائے گا، چونکہ عرف عادت میں عورت اپنے خاوند کے مال میں سے خرچ کرتی رہتی ہے۔ اور اس کے مال میں صدقہ بھی کرتی ہے گویا عرفی اذن حقیقی اذن کے قائم مقام ہے گویا خاوند نے عورت کہہ دیا ہوتا ہے کہ کام کرو۔

دسواں مقصد: مدیون پر حجر اور اس کے اثرات:

اول: تفلیس اور مفلس کی تعریف.....تفلیس کا لغوی معنی لوگوں میں کسی شخص کے مفلس ہونے کا اعلان ہے مفلس، فلوس سے ماخوذ ہے اور فلوس نہایت گھٹیا قسم کے مال کو کہا جاتا ہے تفلیس کی شرعی تعریف یہ ہے حاکم کا مدیون کو مفلس قرار دینا بایں طور کہ اسے مال میں تصرف کرنے سے روک دے تا کہ قرض خواہوں کا حق محفوظ رہے فلس مال نہ ہونے کو کہا جاتا ہے۔ عرف میں مفلس اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے پاس مال نہ ہو، شریعت میں مفلس اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے مال سے دیون کی ادائیگی نہ ہو سکتی ہو یا وہ شخص جس کے مال کا دیون نے احاطہ کر لیا ہو۔ یعنی وہ شخص جس کے پاس مال تھوڑا ہو اور اس پر دین زیادہ ہو لہٰذا وہ شخص بھی مفلس ہے جس کے پاس مال ہو لیکن دیون میں مصروف ہو گویا وہ معدوم المال ہوتا ہے۔ یا آخر کار اس کا مال دیون میں صرف ہو جاتا ہے یا ایسے شخص کو مفلس اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی گزر بسر کے لیے حقیر چیز تصرف میں لا سکتا ہے جیسے فلوس وغیرہ۔ ❸

بالفاظ دیگر مفلس کو ہم جدید اصطلاح میں دیوالیہ کہہ سکتے ہیں۔

---

❶.....رواه الجماعة (نيل الاوطار ۶/ ۱۵) ❷رواه سعيد بن المنصور فی سننه وفی معناه احاديث۔ ❸ بداية المجتهد ۲/ ۲۸۰ القوانين الفقهية ۳۱۸ الشرح الكبير ۳/ ۲۶۱ مغنی المحتاج ۲/ ۱۴۶۔

دوم: کیا مدیون مفلس (دیوالیہ) پر حجر......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ❶ دین کے معاملہ میں مفلس پر میں حجر نہیں لگاؤں گا چونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے چنانچہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مفلس مدیون پر حجر نہیں لگایا جائے گا جیسے ان کے نزدیک سفیہ پر حجر نہیں لگایا جائے گا چونکہ حجر لگانے میں اس کی تذلیل ہے یہ دائن کے ضرر سے بڑھا ہوا ضرر ہے لہٰذا مفلس کے تصرفات فافذ ہوں گے جبراً اس کا مال فروخت نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کے دیون کی سلامتی کا حکم دیا جائے گا۔ اگر ادائیگی میں پیش رفت کی تو اس کی کسی چیز کے ساتھ تعرض نہیں کیا جائے گا اور اگر ادائیگی میں کوتاہی کی اسے قید کیا جائے گا یہاں تک کہ دیون کی ادائیگی کی کوئی راہ نکل آئے۔ یا وہ خود اپنے تئیں مال فروخت کردے، مدیون کو قید وحبس میں رکھنا اس لیے مشروع ہے تاکہ اس کے ظلم کا دفعیہ ہوجائے چونکہ دین کی ادائیگی اس پر واجب ہے اور ٹال مٹول ظلم ہے قاضی کو یہ اختیار نہیں کہ جبراً مدیون مفلس کا مال فروخت کرے چونکہ یہ بھی ایک قسم کا حجر ہے جو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں۔

خلاصہ......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حاکم مفلس پر حجر نہیں لگا سکتا اور نہ ہی اس کا مال فروخت کرسکتا ہے، بلکہ اسے قید کرے یہاں تک کہ دیون ادا کرے یا جیل میں مرکھپ جائے۔

البتہ حنفیہ کے نزدیک صاحبین کا قول مفتی بہ ہے یہی جمہور کا قول ہے، وہ یہ ہے کہ مفلس مدیون پر مالی تصرفات کے حوالے سے حجر لگانا جائز ہے۔ تاکہ دائنین کے حقوق محفوظ رہیں۔ ان کی دلیل دارقطنی اور حاکم کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر حجر لگادیا تھا اور ان پر جو دین تھا اس میں ان کا مال فروخت کردیا تھا اور پھر قرض خواہوں میں تقسیم کردیا۔ چنانچہ مال کے سات حصے کئے گئے اور قرض خواہوں کو پانچ حصے دیے، پھر فرمایا: تمہارے لیے بس یہی ہے بعض تفصیلات میں مذاہب کا اختلاف بھی ہے جس میں سے ایک اختلاف یہ بھی ہے کہ آیا حجر قاضی کے فیصلہ سے ہوگا یا بغیر قاضی کے فیصلہ کے۔

سوم: مدیون پر حجر قاضی کے فیصلہ پر موقوف ہے:

ا۔ مالکیہ کا مذہب......وہ مفلس جس پر دین محیط ہو اس کی تین صورتیں ہیں۔ ❷

پہلی صورت تفلیس سے قبل: یعنی مفلس (دیوالیہ) سے مال چھین کر دائنین کو دینے قبل دائنین کو حق حاصل ہے کہ وہ مفلس کو بغیر عوض کے تصرف سے منع کریں اور اس کا تصرف باطل کردیں برابر ہے کہ اس کا دین حال ہو (یعنی جس کی ادائیگی کی مدت پوری ہوچکی ہو) یا مؤجل ہو دائنین ایسے تصرفات سے مفلس کو روک دیں جن سے ان کی مصلحت کا نقصان ہوتا ہو جیسے تبرع ہبہ صدقہ، وقف، کفالہ، قرض اقرار دین ایسے شخص کے لیے جس میں مدیون کے بھاگنے کی تہمت ہو مثلاً بیوی یا بیٹے کے لئے اقرار کردیا۔ البتہ اگر موضع تہمت نہ ہو تو پھر اقرار معتبر ہوگا مذکور بالا کے علاوہ تصرفات جیسے خرید وفروخت وغیرہ نافذ ہوں گے۔

دوسری صورت......یہ کہ معاملہ قاضی کی عدالت میں پیش نہ کیا گیا ہو بلکہ قرض خواہ مدیون کی تلاش میں ہو اور وہ چھپ گیا ہو قرض خواہوں کو حق حاصل ہے کہ وہ اس کے اور اس کے مال کے درمیان حائل ہوجائیں اور تبرعات سے اسے روک دیں بیع وشراء کے مالی تصرفات اور نکاح سے روک دیں بلکہ اس کے مال کو دیون کے حصہ جات کے بقدر آپس میں تقسیم کرلیں۔

تیسری صورت......حاکم (قاضی) مدیون کے مفلس ہونے کا حکم صادر کردے اور مدیون سے مال چھین کر غرباء کو دے چونکہ مدیون ادائے دیون سے عاجز آچکا ہے۔

---

❶......بدایۃ المجتہد ۲/۲۸۰ القوانین الفقہیۃ ۳۱۸ الشرح الکبیر ۳/۲۶۱ مغنی المحتاج ۲/۱۴۶ المغنی ۴/۴۰۸ کشاف القناع ۳/۴۰۵۔ ❷الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۳/۲۶۱ الشرح الصغیر ۳/۳۴۵ بدایۃ المجتہد ۲/۲۸۰ القوانین الفقہیۃ ۳۱۸

یہ صورت صرف اسی حالت میں متحقق ہوسکتی ہے جب دائنین مطالبہ کر رہے ہوں اور دین کی ادائیگی کی مدت پوری ہو چکی ہو دین مؤجل کی پاداش میں مدیون کو مفلس قرار دینا صحیح نہیں یہ بھی شرط ہے کہ دین اس کے مال سے زیادہ ہو چنانچہ جب قاضی مدیون کو مفلس قرار دے سبھی غرماء اس کے مال میں شریک ہوں گے۔

مدیون کو مفلس قرار دینے پر چار امور مرتب ہوتے ہیں جن میں حجر کا معنی متحقق ہوتا ہے مفلس مدیون تبرعات سے روک دیا جاتا ہے، معاوضات مالیہ سے روک دیا جاتا ہے، ایک بیوی سے زیادہ بیویاں رکھنے سے روک دیا جاتا ہے اور اس کا مال دائنین کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

دائنین مفلس مدیون کو سفر تجارت سے روک سکتے ہیں خواہ ادائے دین کی مدت پوری ہو چکی یا پوری نہ ہوئی ہو۔

۲۔ جمہور کا مذہب...... ❶ مفلس مدیون پر بغیر قضائے قاضی کے حجر نہیں لگایا جائے گا گویا قبل از قضا کے تصرفات نافذ العمل ہوں گے جب مدیون پر حجر لگا دیا گیا تو وہ سبھی تصرفات سے روک دیا جائے گا جن سے دائنین کا نقصان ہوتا ہو مثلاً تبرعات، معاوضات مالیہ، حالت حجر میں دین کا اقرار، حاکم اس کا مال فروخت کر دے گا اور حاصل ہونے والی رقم قرض خواہوں میں بانٹ دے گا۔

حنفیہ نے مدیون پر حجر لگانے کی دو شرطیں عائد کی ہیں یہ صاحبین کا قول ہے جو مفتی بہ ہے وہ دیون جن کی ادائیگی کی مدت پوری ہو چکی ہو وہ مدیون کے مال سے زائد ہوں یہ کہ قرض خواہ حجر کا مطالبہ کرتے ہوں۔

مہر مثل کے ساتھ مفلس کا نکاح، طلاق خلع، رجعت، مطالبہ قصاص، اسقاط قصاص اگر چہ مفت ہو صحیح ہے۔ حجر سے پہلے مدیون نے جو مبیع خرید رکھی ہو اسے عیب اور اقالہ کی وجہ سے رد کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ رد میں کوئی مصلحت ہو۔ شافعیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ مدیون جس چیز کا مالک ہوگا اس پر حجر موثر ہوگا۔

مدیون کے مال میں سے اس پر اس کی بیوی بچے اور ذوی الارحام پر خرچ کیا جائے گا چونکہ مدیون کی حاجت اصلیہ قرض خواہوں کے حق پر مقدم ہوگی۔

مدیون کے حجر اور سفیہ کے حجر میں فرق...... حنفیہ نے ان دونوں کے درمیان مختلف فروق بیان کئے ہیں۔ ❷

۱...... سفیہ پر حجر ایسی علت کی وجہ سے لگایا جاتا ہے جو اس میں پائی جاتی ہے اور وہ سفیہ کا اختیار بد ہے، قرض خواہوں کے حقوق کے پیش نظر سفیہ پر حجر نہیں لگایا جاتا جب کہ مدیون پر حجر دائنین کی مصلحت کے پیش نظر لگایا جاتا ہے۔ دونوں پر حجر بحکم قاضی ہوگا۔

۲...... مدیون محجور نے اگر حالت حجر میں دین کا اقرار کیا تو زوال حجر کے بعد اس کا اقرار نافذ ہوگا جب کہ سفیہ محجور کا اقرار بالدین جائز نہیں ہے۔ نہ ہی حالت حجر میں اور نہ حجر کے بعد۔ فرق کی یہ دو صورتیں شافعیہ حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں بھی معتبر ہیں۔

مفلس کا حجر مریض الموت کے حجر سے قوی تر ہوتا ہے چونکہ مریض الموت دوران مرض تہائی مال میں تصرف کر سکتا ہے ورثہ کا مال سے تعلق موت کے بعد ہوتا ہے رہی بات مفلس کے حجر کی سو اس کا تعلق غرماء کے حقوق سے ہے۔ ❸

مفلس مدیون کا سفر...... مدیون کو سفر سے روکنے کی متعلق فقہاء کی دو رائیں ہیں۔

۱...... حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں ❹ دائنین مدیون کو سفر سے روکنے کا حق نہیں رکھتے یہ تب ہے جب دیون کی مدت پوری نہ ہوگی ہو۔ اگر

---

❶...... تبیین الحقائق ۱۹۹/۵، الدر المختار ۱۰۳/۵، الکتاب مع اللباب ۷۳/۲، تکملۃ الفتح ۳۲۷/۷، مغنی المحتاج ۱۴۷/۲، المہذب ۳۲۰/۱، المغنی ۴۰۹/۴، کشاف القناع ۴۰۷/۳ ❷ ردالمحتار ۱۰۳/۵، تبیین الحقائق ۱۹۶/۵۔ ❸ مغنی المحتاج ۱۴۸/۲، المہذب ۳۲۱/۱ ❹ البدائع ۱۷۳/۷، تکملۃ الفتح ۳۲۹/۷، اللباب ۷۴/۲، المہذب ۳۹۱/۱، مغنی المحتاج ۱۵۷/۲

مدت پوری ہو جائے تو پھر اسے سفر سے روک سکتے ہیں۔

۲..... مالکیہ کہتے ہیں ❶ دائن مدیون کو سفر تجارت سے روکنے کا حق رکھتا ہے بشرطیکہ مدت پوری ہو چکی ہو یا مدیون کے سفر کے دوران پوری ہوتی ہو۔ اگر چہ دین مدیون کے مال کو محیط نہ بھی ہو۔

اگر دین مؤجل ہو یا دوران سفر دین کی مدت پوری نہ ہوتی ہو تو دائن مدیون کو سفر سے روکنے کا حق نہیں رکھتا۔

حنابلہ کا یہ قول مالکیہ کے موافق ❷ ہے کہ اگر مدیون مسافت قصر سے زائد سفر کرنا چاہتا ہو تو دائن اسے روکنے کا حق رکھتا ہے بشرطیکہ سفر سے واپس آنے سے قبل دین کی مدت پوری ہو جاتی ہو اگر سفر سے واپس لوٹنے کے بعد مدت پوری ہوتی ہو تو دائن اسے روکنے کا حق نہیں رکھتا۔ البتہ حنابلہ کہتے ہیں اگر سفر جہاد ہو تو دائن مدیون کو روکنے کا حق رکھتا ہے الا یہ کہ دائن مدیون سے کفیل لے یا رہن رکھے چونکہ سفر جہاد میں شہادت کا قوی امکان ہوتا ہے۔ لہٰذا حق فوت ہونے کا اندیشہ ہے۔

خلاصہ..... پہلی رائے حنفیہ اور شافعیہ کی ہے۔ کہ اگر دین موجل ہو تو دائن مدیون کو روکنے کا حق نہیں رکھتا، دوسری رائے مالکیہ اور حنابلہ کی ہے اس رائے میں سختی کے ساتھ دائن کی حق کی حفاظت کی گئی ہے۔

پنجم: مفلس پر حجر کے اثرات اور احکام حجر..... حجر پر درج ذیل آثار اور احکام مرتب ہوتے ہیں۔

ا۔ مدیون کے عین مال سے غرماء کا تعلق حق اور مالی تصرف سے ممانعت ❸..... مستحب ہے کہ قاضی حجر پر گواہ بنالے تا کہ لوگوں کو مفلس مدیون کا حال معلوم ہو جائے اور اس کے ساتھ معاملات کرنے سے باز رہیں اگر معاملہ کریں بھی تو دیکھ بھال کر کریں۔ جب اس پر حجر لگا دیا جائے تو غرماء کے دیون کا ⓫ س کے مال کے ساتھ تعلق ہو جاتا ہے لہٰذا مدیون کے مال میں اس کا ایسا تصرف نافذ نہیں ہوگا جو دائنین کو نقصان پہنچائے۔ چنانچہ مفلس کے تبرعات جیسے ہبہ اور صدقہ وغیرہ باطل ہو جائیں گے مفلس قرار دیے جانے کے بعد اس کے اقرار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ لیکن مالکیہ کہتے ہیں: مفلس کا وہ اقرار جو اجنبی کے حق میں ہو قبول کیا جائے گا۔ البتہ اس کا اقرار موضع تہمت میں ہو تو قبول نہیں ہوگا جیسے بیٹے بھائی یا بیوی کے حق میں اقرار کر دیا تو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس کا اقرار اسی مجلس میں قبول کیا جائے گا جس مجلس میں اسے مفلس قرار دیا گیا۔ معاوضات مالیہ جیسے بیع شراء باطل ہوں گے انکار بطلان حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک ہے چونکہ مال کے ساتھ غرماء کا حق متعلق ہو چکا ہے نیز مدیون مفلس بحکم القاضی مجور ہے لہٰذا اس کا تصرف صحیح نہیں ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں ثمن مثل یا مثل قیمت کے ساتھ مفلس کی خرید و فروخت صحیح ہے اور اگر بیع غبن کے ساتھ ہو تو دائنین کی اجازت پر موقوف ہوگی لہٰذا اگر ثمن مثل سے کم کے ساتھ بیع ہوئی اسے بیع سے روکا جائے گا۔ ❹

مالکیہ کہتے ہیں: اگر تصرف مالی واقع ہوا تو باطل نہیں ہوگا بلکہ حاکم اور غرماء کی صوابدید پر موقوف ہوگا۔

مفلس مجور کے وہ تصرفات جو اس کے ذمہ میں متعلق ہوں جیسے بیع سلم یا ذمہ میں واجب کسی چیز کی بیع صحیح ہیں۔ چونکہ ان تصرفات میں غرماء کا ضرر اور نقصان ہیں: وہ تصرت جو مال سے متعلق نہ ہوں وہ بھی صحیح ہیں جیسے نکاح، طلاق، خلع، قصاص، اسقاط حق قصاص خواہ مفت میں یا بمقابلہ دیت۔

حجر سے پہلے واجب حق یا مال کا اقرار صحیح ہے ایسے حقوق کا اقرار صحیح نہیں جو حجر کے بعد مال سے متعلق ہو۔

---

❶..... الشرح الكبير ۲۶۲/۳ الشرح الصغير ۴۳۸/۳ ❷ المغنی ۴۵۵/۴ كشاف القناع ۴۰۵/۳۔ ❸ ردالمحتار ۱۰۵/۵ تكملة الفتح ۲۲۸/۷ الشرح الكبير ۲۶۵/۳ الشرح الصغير ۳۵۲/۳ القوانين الفقهية ۳۱۸ مغنی المحتاج ۱۴۷/۲ المهذب ۳۲۱/۱ كشاف القناع ۴۱۱/۳ المغنی ۴۰۹/۴۔ ❹ المهذب ۳۲۱/۱ مغنی المحتاج ۱۴۸/۲ المغنی ۴۴۰/۴ كشاف القناع ۴۱۱/۳۔

۲۔ دیون مؤجلہ کی مدت کا پورا ہونا...... جیسے کہ حنفیہ کے نزدیک موت سے دیون کی مدت پوری ہو جاتی ہے اسی طرح تفلیس سے بھی دیون موجلہ کی مدت پوری ہو جاتی ہے مالکیہ کی مشہور روایت بھی یہی ہے۔ (۱)

شافعیہ کا ظاہری قول اور حنابلہ کا راجح قول (۲) یہ ہے کہ مفلس قرار دینے سے دین موجلہ کی مدت پوری نہیں ہوتی چونکہ اجل (مدت) مدیون کا حق ہے جو مفلس قرار دینے سے ساقط نہیں ہوتا ہے جیسے بقیہ حقوق ساقط نہیں ہوئے مفلسی اور موت میں یہ فرق ہے کہ میت کا ذمہ باطل ہوتا ہے۔ بنا بریں وہ دائنین جن کے دیون مؤجل ہوں وہ ان غرماء کے ساتھ مال میں شریک نہیں ہوں گے جن کے دیون کی مدت پوری ہو چکی ہو بلکہ موجود مال ان غرماء میں تقسیم کیا جائے گا جن کے دیون کی مدت پوری ہو چکی ہو جب کہ دین موجل تا مدت ذمہ میں باقی رہے گا اگر غرماء نے مال تقسیم نہ کیا یہاں تک کہ دین مؤجل کی مدت بھی پوری ہو گئی تو وہ بھی غرماء کے ساتھ شریک ہوگا۔

۳۔ مدیون کی ملازمت اور حبس احتیاطی...... فقہاء کا ملازمت مدیون (یعنی مدیون کے ساتھ لگے رہنے) کے جواز میں اختلاف ہے البتہ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ مدیون کو غرماء کے مطالبہ پر بحکم قاضی قید میں رکھنا جائز ہے۔

ملازمت...... امام ابوحنیفہ اور صاحبین کہتے ہیں (۳) دائنین کو حق حاصل ہے کہ وہ مدیون کے ساتھ لگے رہیں۔ مدیون جہاں بھی جائے وہ بھی اس کے ساتھ ہوں جب گو واپس آئے اگر دائنین کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے تو داخل ہو جائیں۔ ورنہ دروازے پر بیٹھے انتظار کرتے رہیں جب باہر نکلے پھر ساتھ چمٹ جائیں۔ لیکن اسے تصرف، مزدوری، سفر سے نہ روک سکتے، اسے کسی مخصوص جگہ میں قید بھی نہیں کر سکتے۔ چونکہ یہ حبس بیجا ہے بلکہ وہ جہاں جائے اس کے ساتھ ہوں ایسا کرنے سے مدیون ادائیگی پر مجبور ہوگا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے صاحب حق ملازمت اور مطالبہ کا حق رکھتا ہے۔ (۴)

امام زفر، مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں (۵) جب حاکم کے پاس مدیون کا تہی دست ہونا ثابت ہو چکا تو اب اس سے مطالبہ اور ملازمہ کا حق کوئی نہیں رکھتا، بلکہ اسے آزاد چھوڑا جائے گا تا کہ مال کما سکے چونکہ جب اس کی تنگدستی ثابت ہو گی تو مالداری تک اسے مہلت دی جائے گی۔ جیسے دین موجل میں ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ...... البقرۃ ۲/۲۸۰

اگر تنگدست ہو تو اسے مالداری تک مہلت ہوگی۔

اور اوپر جو حدیث بیان کی گئی ہے اس میں کلام ہے جیسا کہ ابن منذر نے کہا ہے۔ یا اس حدیث کو موسر (مالدار) پر محمول کیا جائے گا چنانچہ ایک شخص نے پھلوں کو فروخت کر دیا تھا پھر کسی آفت کی وجہ سے پھلوں میں شدید نقصان آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غرماء سے فرمایا: جو تم پاؤ وہی لے لو اور تمہارے لیے بس یہی ہے (۶) یہی راجح قول ہے۔

مدیون کو حبس میں رکھنا...... شریعت میں یہ اصول مقرر ہے کہ اگر مدیون مالدار ہو تو دیون کی ادائیگی اس پر واجب ہے اگر تنگدست ہو تو آسودگی اور کشائش تک اسے مہلت دی جائے گی۔ اور اگر اس کے پاس مال ہو دائن کو ویسے ہی ٹال دیتا ہو تو حاکم اسے حبس میں رکھے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مالدار شخص کی ٹال مٹول ظلم ہے اس کی شکایت اور اسے سزا دینا حلال ہو جاتا ہے (۷) اس حدیث کی

---

(۱)...... الشرح الصغیر ۳/۳۵۲۔ القوانین الفقهية ۳۱۸ بداية المجتهد ۲/۲۸۲، الشرح الكبير ۳/۲۶۵۔ (۲) المغنی المحتاج ۲/۱۴۷ المغنی ۴/۴۳۵ (۳) تبيين الحقائق ۵/۲۰۰ تكملة الفتح ۷/۳۲۹ البدائع ۷/۱۷۳۔ (۴) رواه بهذا للفظ ابن عدی فی الكامل عن ابی عتبة الخولانی ورواه الدارقطنی عن مكحول (نصب الراية ۴/۱۶۶) (۵) مغنی المحتاج ۲/۱۵۶ المغنی ۴/۴۴۹ كشاف القناع ۳/۴۰۶ الشرح الصغير ۳/۳۷۰۔ (۶) رواه مسلم والترمذی۔ (۷) رواه الخمسة الاالترمذی اخرجه البيهقی وابن حبان وصححه عن عمر وبن شريد۔

روشنی میں مدیون کو حبس میں رکھنا جائز ہے لیکن چند شرائط کے ساتھ جن کی فقہاء نے وضاحت کی ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں...... قاضی کو اختیار ہے کہ مدیون خواہ مرد ہو یا عورت کو ہر ایسے دین کے بدلہ میں حبس وقید میں رکھے جو کسی بھی عقد کی پاداش میں لازم ہوا ہو جیسے مہر، کفالہ، جب کہ مدیون مالدار ہو یا قاضی پر اس کا حال مشتبہ ہو اور تنگدستی و مالداری میں سے کسی ایک حالت پر حجت قائم نہ ہو جب قاضی نے مدیون کو دو یا تین مہینے تک حبس میں رکھا اور اس عرصے کے دوران اس کے مال کا اتا پتا نہ چلا تو اسے رہا کر دیا جائے گا اگر مدیون نے اپنی تنگدستی پر گواہ قائم کر دیئے تو قاضی اسکا راستہ چھوڑ دے یعنی رہا کر دے چونکہ آیت میں ہے:

فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ ...... البقرة ۲/ ۲۸۰

محبوس کو دین کی وجہ سے مارا نہ جائے اور نہ ہی اسے خوفزدہ کیا جائے اسے بیڑیاں نہ پہنائی جائیں ننگا نہ کیا جائے، دائن کے سامنے تذلیل کے لیے کھڑا نہ کیا جائے اور نہ ہی اس پر جرمانہ کیا جائے۔ ❶

حبس کی تین شرائط ہیں جو دین مدیون اور دائن میں ہوں۔

(اول)...... یہ کہ دین کی مدت پوری ہو چکی ہو دین مؤجل میں مدیون کو حبس نہیں کیا جائے گا چونکہ حبس تو اس ظلم کا دفیعہ ہے جو ادائے دین کی تاخیر کی صورت میں دائن کو لاحق ہوتا ہے جب کہ دین مؤجل کی صورت میں یہ ظلم نہیں ہوتا۔

(دوم)...... مدیون میں تین شرائط کا اعتبار کیا گیا ہے ادائے دین کی قدرت ہو اگر مدیون بیچارہ ہو ہی تنگدست اور سفید پوش تو اسے حبس نہیں کیا جائے گا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ ...... البقرة ۲/ ۲۸۰

۲...... مدیون ٹال مٹول کر رہا ہو یعنی ادائیگی کا وقت ہو چکا ہو اور مدیون خوامخواہ تاخیر کر رہا ہو، اس کی دلیل سابقہ حدیث ہے مطل الغنی ظلم یعنی مالدار شخص کی ٹال مٹول ظلم ہے مدیون کو اس ظلم کے دفیعہ کے لیے حبس میں رکھا جائے گا۔ حبس سزا ہے اگر مدیون کی طرف سے ٹال مٹول کی صورت پیش نہ ہو تو اسے قید میں نہیں رکھا جائے گا۔

۳...... یہ کہ مدیون والدین کے علاوہ کوئی اور شخص ہو۔ چنانچہ والدین اور اصول کو حبس میں نہیں رکھا جائے گا اسی طرح اولاد کو بھی حبس کیا جائے گا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ...... لقمان ۳۱/ ۱۵

دنیا میں والدین کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آؤ۔

وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ...... الاسراء ۱۷/ ۲۳

والدین کے ساتھ حسن سلوک رکھو۔

والدین کو قید وحبس میں رکھنا حسن سلوک نہیں ہے البتہ اگر والد اپنی اس اولاد کا خرچہ نہیں دیتا جس کا خرچ اس پر واجب ہو تو تعزیراً حبس میں رکھا جائے گا۔ اسی طرح چھوٹے بچے کا ولی اگر ادائے دین میں تاخیر کا سبب بن رہا ہو تو ولی کو بھی حبس میں رکھا جائے گا۔

(سو) یہ کہ دائن (صاحب حق) قاضی کی عدالت میں جس مدیون کا مطالبہ کرتا ہو، اگر دائن حبس کا مطالبہ نہیں کرتا تو مدیون کو حبس میں نہیں رکھا جائے گا چونکہ دین اسی کا حق ہے اور حبس وسیلہ حق ہے۔ اور حق کی تگ ودو مطالبہ حق سے ہوتی ہے۔

---

❶...... البدائع ۷/ ۱۷۳ تکملة الفتح ۷/ ۳۲۹، تبیین الحقائق ۵/ ۱۹۹۔

محبوس کن امور سے باز رہے گا......اپنی روزمرہ کی مصروفیت کے لیے باہر نہیں جا سکتا، دینی اور دنیوی مہمات میں نہیں جا سکتا ہے جیسے جمعہ اور نماز باجماعت، عید، جنازہ کے ساتھ چلنا، عیادت مریض، ملاقات، ضیافت، وغیرہ۔ تاکہ دین کی ادائیگی ممکن ہو جائے۔ البتہ قریبی رشتہ داروں کی ملاقات سے نہیں روکا جائے گا تصرفات شرعیہ جیسے خرید وفروخت، ہبہ، صدقہ اور اقرار وغیرہ سے بھی نہیں روکا جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں......❶ اگر مدیون مستور الحال ہو تو اسے قید میں رکھا جائے گا، یا یہ کہ اس کی ظاہری حالت سے اس کا مالدار ہونا معلوم ہوتا ہو مثلاً فاخرانہ لباس پہنتا ہو سواری کے لیے اعلیٰ قسم کی گاڑی استعمال کرتا ہو اور اس کے پاس خادم بھی ہو اسے قید میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ اس کی سفید پوشی ثابت ہو جائے یا کوئی ضامن پیش کر دے پھر اسے چھوڑ دیا جائے گا۔

اگر مدیون نے قرض خواہ سے وعدہ کر لیا کہ دو دن کے اندر اندر قرضہ ادا کر دے گا تو اسے مہلت دی جائے گی اور اگر کفیل (ضامن) نے کفالت قبول کر لی تو مدیون کو قید نہیں کیا جائے گا۔

اگر مدیون بظاہر مالدار ہو اور ادائیگی کا وعدہ کرتا ہو اسے مہلت دی جائے گی یا اگر مدیون اپنا مال اور سامان تجارت فروخت کرنے کے لیے مہلت طلب کرے اسے مہلت دی جائے گی۔ اگر کفیل پیش کر دیا فبہا ورنہ قید میں رکھا جائے گا۔ حاکم سامان تجارت فروخت کرنے کا اختیار نہیں رکھتا بخلاف مفلس کے، چونکہ مفلس کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دیا جاتا ہے، عورت کسی امانتدار عورت کے پاس قید کی جائیگی اور دادا پوتے کے حق میں محبوس کیا جا سکتا ہے۔

اگر مجہول الحال مدیون یا بظاہر تنگدست مدیون نے گواہوں کی گواہی سے اپنی تنگدستی ثابت کر دی کہ اس کے پاس نہ ظاہری مال ہے نہ خفیہ اور اس نے قسم بھی اٹھالی کہ اس کے پاس مال نہیں۔ اسے آسودگی تک مہلت دی جائے گی، قید میں نہیں رکھا جائیں گا قبل ازیں اس سے مطالبہ نہیں، ادائے دین کے لئے قرض لینا بھی اس کے لیے ضروری نہیں۔ مجہول الحال کو قید سے حاکم اپنی صوابدید پر رہا کر سکتا ہے مثلاً قید میں پڑے پڑے اسے اتنا عرصہ گزر جائے کہ اگر اس کے پاس مال ہوتا تو ظاہر کر دیتا۔ البتہ اگر مدیون بظاہر مالدار لگتا ہو تو بغیر گواہوں کے قید سے رہا نہیں کیا جائے گا گواہ یہ گواہی دیں گے کہ اس کے پاس مال نہیں ہے۔ اگر مدیون کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ مالدار ہے اسے تاوقت قید میں رکھا جائے گا حتیٰ کہ دین ادا کر دے یا کوئی ضامن پیش کر دے۔

شافعیہ اور حنابلہ......اگر مالدار شخص سے ادائے دین کا مطالبہ کیا گیا ہو اور وہ انکار کرتا ہو جب کہ اس کے پاس ظاہری مال ہو جو جنس دینی ہو تو اسی سے دین کی وصولی عمل میں لائی جائے گی۔ اگر مال دین کی جنس میں سے نہ ہو تو حاکم جبراً اس کا مال فروخت کر دے اور اگر مال ایسی جگہ ہو جہاں حاکم کی ولایت نہ ہو اور مدیون نے مال کو پوشیدہ رکھا ہو جب کہ مال متعین ہو اور قرض خواہ جس کا مطالبہ بھی کرتا ہو تو حاکم اسے حبس کر دے اولا اس پر حجر لگائے یہاں تک کہ وہ مال ظاہر کر دے اگر مدیون کو حبس سے عبرت نہ ہو اور حاکم اسے مارنے پیٹنے کی رائے رکھتا ہو تو وہ یہ بھی کر سکتا ہے۔

اگر کوئی مدیون تنگدستی کا دعویٰ کرتا ہو اور دائن اس کی تصدیق نہ کرتا ہو اسے حبس میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ گواہ پیش کرے جو اس کی تنگدستی کی گواہی دیں، اگر اس کی تنگدستی ثابت ہو چکی تو اسے مہلت دینا واجب ہے اس کے ساتھ لگے رہنا جائز نہیں جو آیت میں ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ......البقرۃ ۲/۲۸۰

اگر مدیون تنگدست ہو تو اسے سہولت تک مہلت دینا ہے۔

---

❶ ......الشرح الصغیر ۳/۳۶۸ الشرح الکبیر ۳/۲۷۸ القوانین الفقهية ۳۱۸.

اگر ثابت ہو جائے کہ مدیون ادائیگی دین کی قدرت رکھتا ہے اس کے باوجود وہ دیون ادا نہ کرتا ہو تو حکمران اسے حبس میں رکھے ❶ چنانچہ حدیث ہے مالدار شخص کی ٹال مٹول سے اس کی شکایت اور حبس حلال ہو جاتا ہے حاکم کو یہ اختیار نہیں کہ مدیون کو قید سے رہا کر دے یہاں کہ اس کا معاملہ واضح ہو جائے کہ وہ تنگدست ہے اس وقت اسے رہا کرنا واجب ہے یا مدیون دین ادا کر دے یا قرض خواہ اسے بری الذمہ کر دے۔ اس صورت میں اسے چھوڑ دیا جائے، ہاں البتہ خود قرض خواہ اسے رہائی دینے میں راضی ہو اگر مالدار مدیون کو بالاصرار حبس میں رکھا گیا اور وہ دین بھی ادا نہ کرتا ہو تو حاکم اس کا مال فروخت کر دے اور دیون ادا کرے۔

جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں کہ مدیون کو محنت مزدوری پر مجبور نہیں کیا جائے گا، چنانچہ حدیث گزر چکی ہے کہ جو کچھ تم پاؤ لے لو اور تمہارے لئے بس یہی ہے جیسے ہدیہ صدقہ یا قرضہ قبول کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا۔

۴۔ مجور علیہ مدیون کا مال فروخت کرنا اور ثمن غرماء کے درمیان تقسیم کرنا.....فقہاء کا اس پر اتفاق ہے ❷ کہ مفلس مجور علیہ مدیون کا مال فروخت کیا جائیگا اور حاصل شدہ رقم قرض خواہ دائنین کے درمیان تقسیم کر دی جائے گی اور تقسیم دیون کے حصص کے بقدر ہوگی مستحب یہ ہے کہ حجر کے فوراً بعد مال فروخت کیا جائے تا کہ زمانہ حجر طویل نہ ہو اور مدیون جلد از جلد بری الذمہ ہو جائے، حق صاحب حق کو مل جائے نیز جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر حجر لگایا تو ادائیگی دین کے لیے آپ نے ان کا مال فروخت کر دیا اور حاصل شدہ ثمن غرماء کے درمیان تقسیم کر دیئے۔

اگر دیون مدیون کے مال کی جنس میں سے ہو تو قاضی پر واجب ہے کہ مال فروخت کر دے اور حاصل شدہ رقم دائنین کے درمیان تقسیم کر دے۔

قاضی کے لیے مستحب ہے کہ مال فروخت کرتے وقت مدیون کو حاضر کر دے یا اس کا وکیل حاضر ہو چونکہ اس میں چند فوائد ہیں۔ وہ اپنے سامان کو ضبط میں لا سکے گا اچھے طریقے سے اپنے سامان کی پہچان کرواسکے گا مدیون کا دل مطمئن رہے گا، سامان کے خریدنے میں رغبت ہوگی، جیسے غرماء کو حاضر کرنا مستحب ہے چونکہ خرید فروخت انہی کے لیے تو ہو رہی ہے بسا اوقات غرماء خود کسی چیز میں رغبت ظاہر کرتے ہیں اور اسے خرید لیتے ہیں اور ثمن بڑھا دیتے ہیں نیز ان کا دل مطمئن رہے گا اور اس میں تہمت سے دوری بھی ہے بسا اوقات کوئی قرض خواہ بعینہ اپنا مال پاتا ہے جو لے لیتا ہے۔

ہمارے زمانہ میں بولی لگا کر مال نیلام کیا جائے اور ہر چیز کو اس کے متعلقہ بازار میں فروخت کیا جائے اور بیع ثمن مثل کے ساتھ کی جائے۔

بیع میں اولاً ان اشیاء کو فروخت کیا جائے جو جلدی خراب ہو جاتی ہیں جیسے پھل اور سبزیاں، پھر ان چیزوں کو فروخت کیا جائے جن کے ساتھ کوئی حق متعلق ہو جیسے مرہون، پھر جانور فروخت کیے جائیں چونکہ جانوروں کو چارے کی ضرورت ہوتی ہے نیز جانور کے ہلاک ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ پھر منقولی اشیاء فروخت کی جائیں چونکہ ان کے چوری ہونے کا خدشہ ہے پھر کپڑے فروخت کیے جائیں پھر زمین البتہ عمارت (مکان) زمین سے پہلے فروخت کیا جائے زمین کو اس لیے مؤخر کیا جائے چونکہ زمین کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہیں ہوتا اور چوری ہونے سے بھی محفوظ ہے۔ نیز زمین پناہ حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اس لئے زمین کی فروختگی میں ضرر شدید ہے تبھی تو زمین اشد ضرورت کے وقت فروخت کی جائے گی۔ مالکیہ کے نزدیک زمین دو ماہ کی تاخیر کے بعد فروخت کی جائے۔

---

❶ .....ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کسی معین جگہ مدیون کو حبس میں رکھنا واجب نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ وہ تصرف سے باز رہے اسے کسی بھی جگہ حبس میں رکھا جا سکتا ہے۔ کشاف القناع ۳/ ۴۰۸۔ ❷ تکملة الفتح ۷/ ۳۲۸ تبيين الحقائق ۵/ ۱۹۹، الشرح الصغير ۳/ ۳۵۷ الشرح الكبير ۳/ ۲۶۹ مغنى المحتاج ۲/ ۱۵۰ المهذب ۱/ ۳۲۲، كشاف القناع ۳/ ۴۲۰ المغنى ۴/ ۴۴۱، بداية المجتهد ۲/ ۸۷۔

ملاحظہ رہے کہ امام ابوحنیفہ کے ساتھ صاحبین کا اختلاف ہے چنانچہ امام نے نزدیک قاضی مدیون کا ساز و سامان اور زمین فروخت کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

مفلس کے لیے ساز و سامان کا مجموعہ باقی رکھا جائے گا جس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو جیسے ضرورت کے کپڑے جیسے شافعیہ کے نزدیک تقسیم کے دن کا خرچہ مدیون کے لئے رکھا جائے گا جو اس کی بیوی بچوں اور ذوی الارحام کے لیے کافی ہو حنفیہ کے نزدیک ان لوگوں پر قبل از تفلیس مدیون کے مال سے خرچ کیا جائے گا اگرچہ حجر کے بعد، مالکیہ کے نزدیک مدیون کے پاس اشیاء خورونوش چند ایام کے لیے چھوڑی جائیں گی، حنابلہ کے نزدیک اتنا مال چھوڑا جائے گا کہ غرماء کے درمیان مال تقسیم کرنے سے فراغت ہو جائے چنانچہ حنابلہ کا مسلک شافعیہ جیسا ہے۔ مدیون کے لیے وہ ہتھیار چھوڑے جائیں گے جن کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو، جیسے عالم کے لیے کتابیں چھوڑ دی جاتی ہیں جب کہ مالکیہ نے کتابوں اور جمعہ کے کپڑوں کی بیع کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ ان کی قیمت زیادہ ہو چونکہ ان کے نزدیک علم تو وہ ہے جو دلوں میں محفوظ ہوتا ہے البتہ علامہ عدوی کہتے ہیں: اب یادداشیں نہایت کمزور ہو چکی ہیں لہٰذا اب علم کا دارومدار کتابوں پر ہے۔

مدیون کے پاس اتنا مکان باقی چھوڑا جائے گا جس میں وہ خود اور اس کا خادم رہ سکے، چونکہ مکان کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوتا لہٰذا لباس اور خوراک کی طرح مکان نہیں فروخت کیا جائے گا۔

لیکن شافعیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ مکان اور سواری فروخت کی جائے گی چونکہ کرائے سے مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے، مالکیہ کہتے ہیں: مفلس کے خادم کو مزدوری پر لگایا جائے گا اور دوسری اشیاء فروخت کی جائیں گی۔

۵۔ دائن مفلس کے پاس بعینہ اپنا مال پائے تو کیا واپس لے سکتا ہے..... یہ پانچواں حکم یا اثر ہے جو مفلس پر حجر لگانے پر غیر حنفیہ کے ہاں مرتب ہوتا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں..... ❶ جو شخص مفلس قرار دیا گیا یعنی قاضی نے اس کے مفلس ہونے کا حکم جاری کیا اس کے پاس کسی شخص کا مال جوں کا توں موجود ہو وہ مال فروخت کیا جائے گا اور حاصل شدہ رقم میں صاحب مال دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا۔ یعنی مال کا مالک اس مال کا حقدار نہیں ہوگا بلکہ اس مال میں دوسرے غرماء کا بھی حق ہے۔ اگر سامان پر قبضہ سے پہلے مدیون مفلس قرار دیا گیا یا قبضہ کے بعد مفلس قرار دیا گیا لیکن فروخت کنندہ کو اس کی خبر نہیں تھی تو مالک اپنا مال واپس لے سکتا ہے اور قبل از قبضہ کی صورت میں ثمن کے بدلہ میں اسے حبس بھی کروا سکتا ہے۔

اس پر حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ افلاس عقد معاوضہ میں انسان کو عین مال سپرد کرنے سے عاجز کر دیتا ہے، جب کہ عقد قابل فسخ نہیں ہے لہٰذا حق فسخ ثابت نہیں ہوگا استحقاق تو ثمن میں ثابت ہوا ہے یا وہ دین ہے جو ذمہ میں واجب ہے۔ اور جب خریدار نے عین بیع پر قبضہ کر لیا تو دین اور عین کا تبادلہ ثابت ہو گیا۔

جمہور کہتے ہیں..... ❷ جب قاضی کسی شخص کو مفلس قرار دے دے اور قرض خواہوں میں سے کسی ایک نے بعینہ اپنا مال پا لیا تو اسے بیع فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا بیع فسخ کر کے اپنا مال لے لے چونکہ خریدار مبیع کے ثمن ادا کرنے سے عاجز آ گیا نیز جب عوض کی ادائیگی دشوار ہو تو فسخ عقد جائز ہے۔

جیسے مسلم فیہ کی سپردگی اگر متعذر ہو جائے تو بیع سلم کو فسخ کر دینا جائز ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی

---

❶ .....الدرالمختار ۵/ ۱۰۶ تکملة الفتح والعناية ۷/ ۳۳۰ تبيين الحقائق ۵/ ۲۰۱۔ ❷ بداية المجتهد ۲/ ۲۸۳ الشرح الصغير ۳/ ۳۷۳ الشرح الكبير ۳/ ۲۸۲ المهذب ۱/ ۳۲۲، مغني المحتاج ۲/ ۱۵۷ المغني ۴/ ۴۰۹۔

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی ایسے شخص کے پاس بعینہ اپنا مال پایا جسے مفلس قرار دیا گیا ہو تو وہ دوسرے کی نسبت اس مال کا زیادہ حقدار ہے۔ ❶

حنفیہ کہتے ہیں...... یہ حدیث خصاف کی روایت کے معارض ہے وہ یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو مفلس قرار دیا گیا اور اس کے پاس کسی نے اپنا سامان پایا تو وہ دوسرے غرماء کے ساتھ یکساں شریک ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خریدار نے اس صورت میں قبضہ کیا ہو کہ بائع کو خیار شرط حاصل ہو۔

جمہور کی رائے قوی ہے چونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ہے اور حنفیہ کی بیان کردہ تاویل بعید ہے، جب کہ اگر بائع کو خیار شرط حاصل ہو اس صورت میں تو حدیث کی ضرورت ہی نہیں چونکہ بائع کو ایسے ہی اپنا سامان واپس لینے کا حق ہے حنفیہ نے ایک اور تاویل بھی کی ہے اگر سامان ودیعت یا عاریت یا لقطہ ہو لیکن یہ تاویل بھی صحیح نہیں چونکہ حدیث میں مفلس کا لفظ آیا ہے۔

اس موقع پر کچھ ایسے امور بھی ہیں جو مالک سامان کے رجوع سے متعلق ہیں ان میں سے اہم یہ ہیں۔

اول۔ کیا رجوع کا خیار علی الفور ہوگا یا علی التراخی...... اس میں شافعیہ اور حنابلہ کی دو آراء ❷ ہیں، اصح روایت یہ ہے کہ رجوع کا خیار علی الفور ہوگا جیسے خیار عیب علی الفور حاصل ہوتا ہے اگر خیار میں تاخیر ہوئی تو اس سے غرماء کو ضرر پہنچے گا۔

دوم۔ کل معاوضات میں رجوع کا حق...... شافعیہ کہتے ہیں ❸ صاحب مال کو بھی معاوضات محضہ میں رجوع کا حق حاصل ہوگا جیسے بیع، اجارہ، قرض، بیع سلم ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا عموم ہے جو چند سطریں اوپر گزری ہے۔ چنانچہ مالک مکان نے مفلس کو گھر اجرت پر دیا مفلس نے قبضہ نہیں کیا تھا کہ اس پر حجر لگا دیا گیا تو مواجر گھر واپس لے لے اور اجارہ کو فسخ کردے۔

یہاں منفعت کو مبیع کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے، اگر مفلس کو دراہم بطور قرض دیئے یا بطور بیع سلم کے کے پاس المال کے دیئے پھر مسلم فیہ کی سپردگی کی مدت پوری ہوگئی اور ادھر مفلس پر حجر لگا دیا گیا جب کہ دراہم چند شروط جو بعد میں آرہی ہیں کے ساتھ باقی ہوں تو رب سلم رجوع کرسکتا ہے۔

رہی بات غیر معاوضات کی جیسے ہبہ اور معاوضات غیر محضہ جیسے نکاح اور دم عمد کی صلح سو ان میں رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔

سوم۔ رجوع کی شرائط...... بیع کی صورت میں رجوع کی شافعیہ کے نزدیک چند شرائط ہیں۔ ❹

۱..... رجوع کی وقت ثمن کی مدت پوری ہو چکی ہو۔ ثمن مؤجل نہ ہو چونکہ مؤجل کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

۲..... یہ کہ افلاس کی وجہ سے ثمن کا حاصل کرنا متعذر (دشوار) ہو اگر مدیون افلاس (دیوالیہ اقرار دینے) کی نفی کررہا ہو باوجود مالدار ہونے کے ثمن دینے سے انکار کرتا ہو یا بھاگ گیا ہو یا مالداری کی حالت میں مرجائے اور وارث ادائیگی سے انکار کرتا ہو تو اصح قول کے مطابق بیع فسخ نہیں ہوگی، چونکہ بحکم قاضی حق وصول کرنا ممکن ہے۔

اگر غرماء ثمن دے کر مال کا فدیہ دیں تو بائع پر لازمی نہیں کہ وہ اسے قبول کرے شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بائع فسخ کا حق رکھتا ہے چونکہ فدیہ میں احسان جتلانا ہے نیز عین مال کے ساتھ بائع کا حق متعلق ہے مالکیہ کہتے ہیں اس صورت میں بائع رجوع کا حق نہیں رکھتا چونکہ رجوع تو اس لیے ہوتا ہے تاکہ ثمن میں ہونے والے نقصان کی تلافی ہوجائے، جب پورے ثمن اسے مل رہے ہیں تو اسے رجوع کا حق نہیں رہے گا یہ

---

❶..... حديث صحيح رواه الجماعة عن ابی هريرة (نيل الاوطار ۵/۲۴۲) ❷مغنی المحتاج ۱۵۸/۲ المغنی ۴/۴۱۰۔ ❸ مغنی المحتاج ۱۵۸/۲۔ ❹المرجع والمكان السابق

ایسا ہی ہے جیسے کسی عیب دار چیز سے عیب ختم ہو جائے۔ ❶

۳.....مبیع خریداری کی ملکیت میں باقی رہے، اگر خریدار کی ملکیت ختم ہوگئی خواہ حساً جیسے خریدار مر گیا یا حکماً ملکیت ختم ہو جائے مثلاً وقف کردے فروخت کردے یا ہبہ کردے تو اب رجوع کا حق نہیں رہے گا چونکہ مبیع مفلس مدیون کی ملکیت سے نکل چکی ہے۔

مذکورہ بالا شرائط سے واضح ہوا کہ شافعیہ کے نزدیک رجوع کی نو (۹) شرطیں ہیں۔ ❷

۱.....یہ کہ رجوع معاوضہ محضہ میں ہو جیسے بیع۔

۲.....حجر کا معلوم ہوتے ہی رجوع کرے۔

۳.....یوں کہتے ہوئے رجوع کرے میں نے بیع فسخ کردی اس میں حکم قاضی کی حاجت نہیں۔

۴.....یہ کہ عوض پر قبضہ نہ ہوا اگر کچھ عوض پر قبضہ ہو گیا بقیہ میں رجوع ثابت ہوگا۔

۵.....یہ کہ عوض کی سپردگی یا وصولی افلاس (دیوالیہ قرار دینے) کی وجہ سے ہو۔

۶.....یہ کہ عوض ذمہ میں دین ہو اور عین ہو تو وہ بھی غرباء کو پیش کی جائے گی۔

۷.....دین کی مدت پوری ہو چکی ہو۔

۸.....مبیع مفلس کی ملکیت میں باقی ہو۔

۹.....مال کے ساتھ حق لازم متعلق نہ ہوا ہو جیسے خریدار نے رہن رکھ دیا ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں..... ❸ بائع پانچ شرائط کے ساتھ سامان کو واپس لے سکتا ہے جب کہ کشاف القناع میں دو اور شرطوں کا اضافہ کیا ہے۔

(اول).....یہ کہ بعینہ سامان باقی ہو، اس میں سے کچھ بھی تلف نہ ہوا ہو۔ اگر کچھ تلف ہو گیا مثلاً پھلدار درخت میں سے کچھ پھل تلف ہو گیا تو رجوع کا حق باقی نہیں رہے گا اور بائع غرماء کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا۔ مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں: بقیہ میں رجوع جائز ہے یہ شرط شافعیہ کے نزدیک آٹھویں شرط ہے۔

(دوم).....یہ کہ مبیع کے ساتھ متصل اضافہ نہ ہوا ہو جیسے فربہی مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ شرط مانع نہیں ہے۔

(سوم).....یہ کہ بائع نے بعض ثمن پر قبضہ نہ کیا ہو۔ اگر کچھ ثمن پر اس نے قبضہ کیا ہو تو رجوع کا حق ساقط ہو جائے گا۔ یہ شافعیہ کے نزدیک چوتھی شرط ہے اس شرط پر دونوں مذہب متفق ہیں۔ مالکیہ کہتے ہیں: صاحب سامان کو اختیار حاصل ہوگا۔ اگر چاہے تو ثمن کے جس حصہ پر قبضہ کیا ہے اسے واپس کردے اور پھر پورے سامان کو واپس لے یا چاہے تو غرماء کے ساتھ برابر کا حصہ دار رہے اور رجوع نہ کرے۔

(چہارم).....یہ کہ سامان کے ساتھ کسی دوسرے شخص کا حق متعلق نہ ہو چنانچہ اگر خریدار نے سامان کو رہن میں رکھ دیا یا ہبہ کر دیا تو بائع واپس نہیں لے سکتا یہ ایسا ہی ہے جیسے بیع کی ہو یہ شافعیہ کے نزدیک نویں شرط ہے اس شرط میں شافعیہ، حنابلہ، اور مالکیہ میں اختلاف ہیں۔

(پنجم).....یہ کہ مفلس زندہ ہو، اگر مر گیا ہو تو بائع غرماء کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا برابر ہے بائع کو مرنے سے پہلے مفلس کے دیوالیہ ہونے کا علم ہوا اور اس پر حجر لگا دیا گیا ہو اور پھر وہ مرا ہو یا مرنے کے بعد دیوالیہ ہونے کا اسے علم ہوا ہو۔ یہ بھی مالکیہ کی رائے ہے اس شرط کی

❶.....الشرح الكبير ۲۸۳/۳ الشرح الصغير ۳۷۳/۳ مغنی المحتاج: ۱۵۹ المغنی ۴/ ۴۱۱۔ ❷ مغنی المحتاج ۱۶۰/۲۔
❸ المغنی ۴/ ۴۱۳ كشاف القناع ۴۱۴/۳

دلیل ابوبکر بن عبدالرحمٰن کی حدیث ہے۔ اگر خریدار مر گیا تو سامان کا مالک غرماء کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا❶ شافعیہ کہتے ہیں: بائع کو فسخ کا حق حاصل ہوگا اور اپنا سامان واپس لے سکتا ہے، ان کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث ہے۔

(ششم)..... سامان برابر خریدار کی ملکیت میں رہے، بیع، ہبہ یا وقف کے ذریعہ کبھی اس کی ملکیت سے نکلنے نہ پائے۔

(ہفتم)..... یہ کہ بائع تاوقت رجوع زندہ رہے۔

مالکیہ کے نزدیک بائع کے مفلس پر عین مال کے رجوع کرنے کی تین شرائط ہیں۔❷

اول..... یہ کہ مفلس پر جو ثمن واجب ہوں غرماء ان کا فدیہ نہ دیتے ہوں اگر اپنے مال کا فدیہ دیں یا بائع کو ثمن کی ضمانت دیں در مالکیہ غرماء قابل اعتماد ہوں یا بائع کو باعتماد کفیل دیں تو اس صورت میں وہ عین مال نہیں لے سکتا۔

دوم..... یہ کہ عین مال کا لینا ممکن ہو اور وصولی بھی ممکن ہو، اگر لینا ممکن نہ ہو جیسے بیوی کی ملک بضع تو اس صورت میں میں رجوع نہیں کرسکتا، چنانچہ عورت کے خاوند کو جب مفلس قرار دیا گیا اور عورت مہر کا مطالبہ کرے تو وہ دوسرے غرماء کے ساتھ برابر کی شریک ہوگی چونکہ عورت ملک بضع میں رجوع نہیں کرسکتی البتہ قبل از دخول اگر خاوند کو مفلس قرار دیا جائے تو وہ فسخ نکاح کا حق رکھتی ہے۔

سوم..... یہ کہ عین مال بحالہ باقی ہو اس میں تغیر نہ آئے یا بوقت عقد کی حالت پر باقی نہ رہے اگر عین مال میں تغیر آ جائے تو صاحب مال غرماء کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا۔ چنانچہ اگر مبیع گندم تھی وہ پیس لی گئی یا زمین میں بودی گئی یا آٹا تھا گوندھ لیا گیا اور اس کی روٹیاں بنادی گئیں تو بائع رجوع نہیں کرسکتا یا چمڑا تھا اس کا جوتا بنا دیا گیا یا جانور تھا ذبح کر دیا گیا یا تازہ کھجوریں تھیں وہ چھوہارے بن گئیں یا مبیع کو کسی دوسری چیز کے ساتھ مخلوط کرلیا گیا، اور اب الگ کرنا ناممکن ہو جیسے مثلاً شہد گھی یا تیل کے ساتھ گڈمڈ کر دیا یا عمدہ قسم کی گندم ردی یا گھن زدہ گندم کے ساتھ ملا دی گئی یا ایک قسم کا تیل دوسری قسم کے تیل کے ساتھ مخلوط کر دیا گیا ان صورتوں میں بائع اپنی چیز واپس نہیں لے سکتا۔

اگر مبیع اسی جیسی چیز کے ساتھ خلط کرلی گئی یا چمڑے کو دباغت دے دی گئی یا کپڑے کو رنگ کر دیا گیا، یا سوت کات لی گئی یا کسی آسمانی آفت سے چیز میں عیب پیدا ہوگیا یا خریدار کے ذاتی فعل سے چیز میں عیب پیدا ہوگیا یا اجنبی کے فعل سے عیب پیدا ہوا یا وہ چیز اپنی پہلی حالت پر لوٹ آئی تو اس کا مالک اسے واپس لے سکتا ہے۔

اگر چیز میں عیب برقرار رہے اور اپنی پہلی حالت پر واپس نہ آئے تو وہ اس چیز کو لے سکتا ہے اور نقصان میں غرماء کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا یا اس چیز کو چھوڑ دے اور جمیع ثمن میں غرماء کے ساتھ برابر کا شریک رہے۔

چہارم: مفلس خریدار کے پاس مبیع میں اضافہ کر دیا..... اگر مفلس کے پاس مبیع میں اضافہ ہو جائے تو کیا اصل مالک اسے واپس لے سکتا ہے، اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: اضافہ متصل ہو..... جیسے فربہی اور بڑھوتری پر کتابت قرآن سیکھ لینا وغیرہ اس صورت میں یہ اضافہ مالکیہ کے نزدیک رجوع کے مانع نہیں ہے، ہاں البتہ اگر غرماء مبیع کے ثمن دے دیں، شافعیہ کے نزدیک یہ اضافہ رجوع کے مانع ہوگا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی ایک روایت ہے۔ حنابلہ کے نزدیک، راجح ہے چونکہ ان کی کتب کا اسی پر اتفاق ہے۔❸

دوسری صورت: اضافہ منفصل ہو..... جیسے پھل اور بچہ جو بیع کے بعد خریدار کے پاس پیدا ہوا مذاہب ثلاثہ کے نزدیک یہ اضافہ

---

❶ ..... رواہ مالک فی المؤطا وابوداؤد وهو مرسل وقد سنده ابوداؤد من وجه ضعيف (نيل الاوطار ۲۴۲/۵) ❷ الشرح الكبير ۲۸۳/۳ الشرح الصغير ۳۷۴/۳۔ ❸ الشرح الكبير ۲۸۳/۳ مغنی المحتاج ۱۶۱/۲ المهذب ۳۲۳/۱ المغنی ۴۱۹/۴ كشاف القناع ۴۱۶/۳ القوانين الفقهية ۳۲۰

رجوع کے مانع نہیں چنانچہ بائع اصل واپس لے گا اضافہ واپس نہیں لے گا، چونکہ اضافہ خریدار کا حق ہے، نیز شارع نے صاحب مال کو اصل میں رجوع کا حق دیا ہے لہٰذا، اسی پر اکتفا کیا جائے گا۔ ❶

تیسری صورت رنگ کے سبب اضافہ ہو......اگر ایک شخص نے کسی دوسرے سے کپڑا خریدا اور پھر اسے رنگ کر دیا پھر وہ شخص مفلس قرار دیا گیا تو بلا اتفاق مذاہب ثلاثہ میں یہ اضافہ اصل کپڑے میں رجوع کے مانع نہیں چونکہ عین مال میں اسے رجوع کا حق حاصل ہے مفلس اضافہ میں کپڑے کے مالک کے ساتھ شریک ہوگا گویا اضافہ مفلس کا حق ہے۔ ❷

ایک اور احتمال میں حنابلہ کے نزدیک اگر مبیع کی قیمت بڑھ جائے تو رجوع کا حق نہیں رہے گا چونکہ مبیع کے ساتھ مفلس کا اضافہ متصل ہو گیا ہے لہٰذا فربہی کی طرح رجوع ممنوع ہے۔

چوتھی صورت: عمارت یا باغ یا زراعت کا اضافہ:

مالکیہ کہتے ہیں...... ❸ جس شخص نے مفلس کے پاس بغیر اپنا مال پایا جب کہ مال میں اضافہ ہو چکا ہو مثلاً زمین میں عمارت بنا ڈالی یا باغ لگا دیا تو اس صورت میں رجوع ممنوع ہوگا صاحب مال غرماء کے ساتھ مال میں برابر کا شریک ہوگا۔

شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں ❹ اگر زمین میں عمارت یا درخت لگانے کے اور بائع نے رجوع کو اختیار کیا تو اگر غرماء اور مفلس زمین کو معات اور باغ سے فارغ کرنے پر متفق ہوں تو انھیں یہ اختیار حاصل ہوگا چونکہ یہ انکا حق ہے۔ جب زمین عمارت اور درختوں سے فارغ ہو جائے تو بائع اسے واپس لے سکتا ہے چونکہ بائع نے بعینہ اپنا مال پا لیا ہے، جو گڑھے پڑ گئے ہوں انھیں ہموار کرنا واجب ہے اور اکھاڑنے سے مفلس کا جو نقصان ہوا ہے اس کا تاوان بھرنا بھی واجب ہے۔ اگر غرماء زمین کو فارغ کرنے سے انکار کریں تو مجبور نہیں کئے جائیں گے، ایک قول یہ بھی ہے کہ بائع تعمیر اور باغ کی قیمت دے کر مالک بن جائے اسے یہ بھی حق ہے کہ باغات اکھاڑ دے اور جو نقصان ہو اس کا ضمان دے چونکہ مفلس کا سارا مال مبیع کے حکم میں ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ بائع زمین واپس لینے کا حق نہیں رکھتا عمارت اور درخت مفلس کا حق ہوں گے۔ چونکہ رجوع کی صورت میں مفلس اور غرماء کا نقصان ہے ضرر ضرر سے ختم نہیں ہوتا۔ رجوع تو دفع ضرر کے لیے مشروع ہوا ہے چنانچہ بائع کا ضرر مفلس اور غرماء کے ضرر ختم ہی ہوگا۔ اس صورت میں بائع غرماء کے ساتھ برابر حصے کا شریک ہوگا۔ اسی لیے مذاہب ثلاثہ کا اس حالت میں عدم رجوع پر اتفاق ہے۔

اگر خریدار نے زمین کاشت کی پھر وہ مفلس قرار دیا گیا تو بائع کے لئے شافعیہ کے نزدیک زمین میں رجوع کرنا جائز ہے چونکہ بائع نے عین مال پا لیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے مبیع گھر ہو اور اس میں خریدار کا سامان پڑا ہو۔ اس وقت اگر کھیتی کاٹ لی گئی تو اسے منتقل کرنا واجب ہے اگر فصل نہ کاٹی گئی ہو تو کٹائی اسے چھوڑے رکھنا جائز ہے۔ چونکہ خریدار نے زمین میں فصل بوئی ہے جب ملکیت ختم ہو جائے تو کٹائی تک کھیتی کو چھوڑنے رکھنا جائز ہے لیکن زمین کی مشغولیت کی کوئی اجرت نہیں ہوگی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص زمین میں کاشتکاری کرے پھر زمین کو فروخت کر دے۔

---

❶......المراجع السابقه كشاف القناع ۴۱۸/۳۔ ❷ الشرح الكبير ۲۸۳/۳ مغنی المحتاج ۱۶۴/۲ المهذب ۳۲۵/۱، المغنی ۱۷/۴ كشاف القناع ۴۱۸/۳۔ ❸ بداية المجتهد ۲۸۵/۲۔ ❹ مغنی المحتاج ۱۶۲/۲ المهذب ۳۲۵/۱ المغنی ۴۲۶/۴ كشاف القناع ۴۳۲۷/۲

پنجم: مبیع میں تغیر آ جائے...... مثلاً ایک شخص نے گندم خریدی اور پیس ڈالی یا زمین میں بودی، یا آٹا خریدا اور اسکی روٹی پکا ڈالی۔ یا تیل خریدا اور اس کا صابن بنا ڈالا یا کپڑا خریدا اور اس کی قمیص بنا ڈالی یا سوت خریدا اور اس کا کپڑا بنا دیا یا لکڑی خریدی اور اس کے کھڑکیاں دروازے بنا لئے یعنی کوئی بھی چیز خریدی اور اس میں ایسا کام کیا جس سے اس کا نام ہی بدل گیا پھر خریدار مفلس قرار دیا گیا تو مذاہب ثلاثہ میں بائع کو رجوع کا حق نہیں رہے گا البتہ شافعیہ کے نزدیک بشرطیکہ قیمت زیادہ ہو جائے اور اگر قیمت زیادہ نہ ہو تو بائع رجوع کر سکتا ہے اور مفلس کو کچھ نہیں ملے گا۔ ❶

ششم: مبیع کا کسی دوسری چیز کے ساتھ مخلوط ہو جانا...... اگر کسی شخص نے تیل خریدا اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا تیل ملا لیا یا گندم خریدی اور اس کے ساتھ کوئی ایسی چیز ملا لی جسے جدا کرنا ناممکن ہو تو بالا تفاق مذاہب ثلاثہ میں بائع کا حق رجوع ساقط ہو جائے گا۔ البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر چیز اپنی مثل کے ساتھ مخلوط ہو جائے تو بائع کو رجوع کر حق حاصل ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں...... اگر مبیع اپنی مثل کے ساتھ مخلوط ہوئی تو مبیع کے بقدر بائع مخلوط کو ہی واپس لے اگر مبیع کے ساتھ اس سے عمدہ چیز مخلوط ہوئی تو بائع کو رجوع کا حق نہیں ہے گا بلکہ بائع غرماء کے ساتھ ثمن میں برابر کا شریک ہوگا۔ ❷

ہفتم: مبیع میں نقص آ جائے...... یعنی عین مبیع تو باقی ہو لیکن اس کی کوئی صفت باقی نہ رہے جس کی وجہ سے اس کی مالیت کم پڑ جائے مثلاً مبیع میں عیب آ گیا جیسے لاغر ہو گیا یا بیمار ہو گیا یا کپڑا تھا جو بوسیدہ ہو گیا تو بالا تفاق مذاہب ثلاثہ میں یہ نقص رجوع کے مانع نہیں ہوگا چونکہ صفت کے مفقود ہونے سے مبیع عین مال ہونے سے نہیں نکلتی۔ لیکن شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بائع کو اختیار حاصل ہوگا چاہے تو جمیع حق کے بدلہ میں ناقص مبیع لے لے چاہے غرماء کے ساتھ برابر کا حصہ دار ہو چونکہ ثمن سامان کی صفت کے مقابلہ میں نہیں ہوتے۔

مالکیہ کے نزدیک بائع کو نقصان کی نسبت اختیار ہوگا چاہے مبیع لے اور غرماء کے ساتھ شریک ہو یا مبیع کو چھوڑ دے اور کل ثمن میں غرماء کے ساتھ شریک ہو یہی مذہب شافعیہ کا اس صورت میں ہے کہ کوئی اجنبی کسی چیز کے کچھ حصہ کو تلف کرے۔ ❸

تیسری بحث: مجورین سے حجر اٹھانا...... شریعت میں یہ اصول مقرر ہے کہ حکم سبب یا علت کے ساتھ گھومتا ہے اگر سبب موجود ہے تو حکم بھی موجود ہوگا اگر سبب موجود نہیں تو حکم بھی موجود نہیں ہوگا۔ چنانچہ حجر بھی کسی سبب کی بناء پر لگایا جاتا ہے جب حجر کا سبب ختم ہو جائے تو مسبب بھی ختم ہو جاتا ہے مسبب سے مراد حجر ہے تفصیل گزر چکی ہے یہاں مختصر بیان کیا جائے گا۔

سفیہ...... میں جب رشد (سمجھداری) ظاہر ہو جائے اور اس میں حرص مال کی علامتیں پیدا ہو جائیں تو حجر اٹھا لیا جائے گا۔ لیکن راجح قول کے مطابق قاضی کے حکم کے سوا کوئی چارہ کار نہیں البتہ امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ اور ابن قاسم کا اس میں اختلاف ہے چونکہ سفیہ پر حجر بحکم قاضی ہوگا لہٰذا حجر کا خاتم بھی بحکم قاضی ہوگا۔

مغفل...... سے بھی اسی طرح حجر اٹھا لیا جائے گا جب اس میں حسن تدبیر اور بیدار مغزی کی نشانیاں ظاہر ہو جائیں اور حسن وخوبی سے تصرف کرے اس میں بھی قاضی کا حکم ضروری ہے اور مذکور بالا اختلاف اس میں بھی ہے۔

مجنون...... سے حجر قاضی کے حکم کے بغیر اٹھا لیا جائے گا چنانچہ جب مجنون شفایاب ہو گیا اور اس کی عقل عود کر آئی تو حجر اٹھالیا

---

❶ الشرح الكبير ۲۸۳/۳ الشرح الصغير ۳۷۴/۳ مغنی المحتاج ۱۶۳/۲ المهذب ۳۲۵/۱، المغنی ۴۱۶/۴ ❷ الشرح الكبير والصغير ومغنی المحتاج المكان السابق المغنی ۴۱۵/۴ المهذب ۳۲۶/۱. ❸ الشرح الكبير والصغير المكان السابق المهذب ۳۲۴/۱ المغنی ۴۱۴/۴ القوانين الفقهية ۳۲۰

جائے گا۔

معتوہ.......کے قوائے عقلیہ جب اچھی طرح کام کرنے لگیں اور اس کی مخبوط الحواسی ختم ہو جائے تو حجر اٹھالیا جائے گا۔

بچہ: اگر غیر ممیز ہو تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک سات سال پورے ہونے پر بعض تصرفات سے حجر اٹھالیا جائے گا اگر چہ ممیز ہو تو اس سے دو چیزیں حجر کو اٹھا دیتی ہیں۔ ❶

اول.....شافعیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک ولی کی اجازت جواز روئے تجارت ہو حجر کو اٹھا دیتی ہے اور ان تصرفات سے حجر اٹھایا جائے گا جو نفع ونقصان میں دائر ہوں شافعیہ کے نزدیک حجر کا خاتمہ میں ہوگا اگر چہ تجارت کی اجازت ہو۔

دوم.....عقلمندی کے ساتھ بلوغ بچے کے حجر کو ختم کر دیتا ہے ولی کی ترشید اور حکم قاضی کی ضرورت نہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں......اگر بچے کا باپ زندہ ہو تو بلوغ سے بغیر حکم قاضی حجر ختم ہو جائے گا۔ اگر باپ کی طرف سے وصی مقرر ہو تو ترشید سے حجر کا خاتمہ ہوگا: اگر وصی قاضی کی طرف سے مقرر ہو تو قاضی کی ترشید سے حجر ختم ہوگا۔ یہ ابن جزی مالکی کی رائے ہے جب کہ دردیر کی رائے کے مطابق وصی ترشید کی معاملہ میں اذن قاضی کا محتاج نہیں۔

مشہور مذہب کے مطابق لڑکی باپ کی ولایت (سرپرستی) میں برابر رہے گی یہاں تک کہ اس کی شادی ہو جائے اور اس کا خاوند دخول بھی کرلے سمجھداری بھی محسوس ہو جائے یا عادل گواہ اس کے مال کے محفوظ ہونے کی گواہی دے دیں یا لڑکی کا باپ قبل از دخول یا بعد از دخول اس کی ترشید کرے قاضی کا وصی صرف گواہوں کی گواہی سے ترشید کر سکتا ہے۔

مفلس......جب غرماء کے درمیان اس کا مال تقسیم کر دیا جائے تو کیا حجر ختم ہو جائے گا یا خاتمہ کے لیے حکم قاضی کی ضرورت ہے؟ چنانچہ شافعیہ اور حنابلہ نے اس میں دو صورتیں ذکر کی ہیں۔

اول......مفلس کا مال تقسیم کرتے ہی اس پر سے حجر اٹھ جاتا ہے چونکہ جس علت کے کارن اس پر حجر لگایا گیا تھا وہ علت جاتی رہی لہٰذا تبعاً حجر بھی ختم ہو جائے گا جیسے جنون کے ختم ہوتے حجر ختم ہو جاتا ہے۔

دوم.....حجر قاضی کے حکم سے ختم ہوگا چونکہ حجر کا ثبوت حاکم کے حکم سے ہوا لہٰذا اس کا اختتام بھی حاکم کے حکم سے ہوگا۔ جیسے مبذر پر حجر کا خاتمہ حاکم کے حکم سے ہوتا ہے۔ جب کہ مجنون کے حجر کا حکم مختلف ہے چونکہ وہ بذاتہ ثابت ہوا لہٰذا علت کے زائل ہونے سے ختم ہو جائے گا۔

چوتھی بحث: ترکہ کے ساتھ دین کا تعلق......اس بحث میں تین امور تفصیل طلب ہیں۔

ا۔ کیا موت سے دیون مؤجل کی مدت پوری ہو جاتی ہے......

جمہور علماء ائمہ مذاہب کے نزدیک موت کی وجہ سے دیون مؤجلہ کی مدت پوری ہو جاتی ہے ❷ جیسے حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک تفلیس سے دیون موجلہ کی مدت پوری ہو جاتی ہے۔ امام زہری کہتے ہیں: یہ طریقہ جاری رہا ہے کہ موت کی وجہ سے دین کی موت پوری ہو جاتی ہے ❸ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ادائے دین کے بعد ورثہ کے لیے میراث کو مباح کیا ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ موت سے دین مؤجل کی مدت پوری نہیں ہوتی۔

اگر دین کی موت سے مدت پوری نہ ہو تو پھر دین یا تو میت کے ذمہ میں باقی رہے گا یا ورثہ کے ذمہ میں رہے گا یا مال کے ساتھ متعلق ہوگا۔ میت کے ذمہ میں دین کا باقی رہنا جائز نہیں چونکہ میت سے مطالبہ متعذر ہے۔ ورثہ کے ذمہ بھی نہیں رہتا چونکہ ورثہ دین کے پابند نہیں مال ترکہ کی مختلف اشیاء کے ساتھ دین کا تعلق بھی جائز نہیں چونکہ اس میں میت کے لئے ضرر ہے۔ اور اس میں ورثہ کا کوئی نفع بھی نہیں ہے۔

---

❶.....البدائع ۷/۱۷۱ المغنی ۴/۴۵۷۔ ❷بدایۃ المجتهد ۲/۲۸۲ المغنی ۴/۴۳۵ المهذب ۱/۳۲۷ منار السبیل ۱/۳۵۴۔
❸المهذب ۱/۳۲۷۔

میت کا ضرر اس طرح ہے کہ اس کا ذمہ دین کے ساتھ مشغول رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی طرف سے دین ادا کر دیا جائے چنانچہ حدیث ہے مؤمن کا نفس اس کے دین کی ساتھ معلق رہتا ہے یہاں تک کہ ادا نہ کر دیا جائے ❶ صاحب دین کا ضرر اس طرح ہے کہ اس کا حق تاخیر میں پڑ جائے گا بسا اوقات عین تلف بھی ہو جاتی ہے اور یوں اس کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ ورثہ کا ضرر اس طرح ہے کہ وہ اشیائے ترکہ سے نفع نہیں اٹھا سکتے اور ان میں تصرف بھی نہیں کر سکتے۔

نیز موت سے حقوق باطل نہیں ہوتے بلکہ موت تو انتقال حقوق کا معین وقت ہے اور ورثہ کے لیے ایک علامت اور نشان ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس شخص نے کوئی حق یا مال چھوڑا وہ ورثہ کا حق ہے۔ ❷

۲۔ ترکہ کے ساتھ تعلق دین کی کیفیت...... اکثر علماء کی رائے ہے ❸ کہ دین میت کے ذمے جوں کا توں باقی رہتا ہے۔ اور دین کا عین مال کے ساتھ اس طرح تعلق ہوتا ہے جیسے غرماء کے حقوق کا تعلق بوقت حجر مفلس کے مال سے ہوتا ہے۔ یا جس طرح دین کا تعلق مرہون سے ہوتا ہے چونکہ اس میں میت کی زیادہ احتیاط ہے۔ چنانچہ ایسے دیون سے پہلے ورثہ اموال میں تصرف نہیں کر سکتے۔ شافعیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ دین مستغرق اور غیر مستغرق رہن ترکہ میں برابر ہے چنانچہ ورثہ کا تصرف نافذ نہیں ہوگا۔

بنا بر ایں اگر کسی شخص نے اپنا سامان فروخت کیا ہے خریدار ثمن ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو شافعیہ کے نزدیک بائع اپنے مال کا زیادہ حقدار ہوگا جیسے حالت افلاس میں بائع زیادہ حقدار ہوتا ہے۔ شافعیہ کی دلیل ابن ابی ذئب کی حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مر گیا یا مفلس قرار دیا گیا تو سامان کا مالک سامان کا زیادہ حقدار ہوگا۔

حنابلہ، حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں صاحب سامان غرماء کے ساتھ یکساں شریک ہوگا ان کی دلیل ابی بکر بن عبدالرحمٰن کی حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص مر گیا یا مفلس قرار دیا گیا اور اس کے کسی قرض خواہ نے اپنا مال بعینہ پالیا تو سامان کا مالک غرماء کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا۔

۳۔ کیا دین ورثہ کو ترکہ منتقل ہونے کے مانع ہے...... اس مسئلہ میں شافعیہ اور حنابلہ کی دو آراء ہیں، ان دونوں میں سے صحیح روایت یہ ہے کہ دین انتقال ترکہ کے مانع نہیں چونکہ دین کا ترکہ کے ساتھ جو تعلق ہے وہ مرہون کے ساتھ مرتہن کے تعلق سے زیادہ ہیں اور دائن کا حق مفلس کے مال کے ساتھ ہے۔ چنانچہ رہن کی صورت میں راہن کی ملک ختم نہیں ہوتی اور مال سے مفلس کی ملکیت بھی ختم نہیں ہوتی لہٰذا دین انتقال ملک کے مانع نہیں۔

اگر ورثہ نے ترکہ میں تصرف کر دیا مثلاً فروخت کر دیا تو ان کا تصرف صحیح ہوگا اور دین کی ادائیگی لازمی ہوگی۔ اگر ادائیگی دشوار ہو تو تصرف فسخ ہو جائیگا البتہ ترکہ کے زوائد جیسے پیداوار بچہ ورثہ کا حق ہوں گے چونکہ زوائد ورثہ کی ملکیت میں پیدا ہوئے ہیں۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وارث ترکہ کو روک سکتا ہے اور اپنے مال سے دین ادا کر سکتا ہے چونکہ وارث مورث کا خلیفہ ہوتا ہے۔

اگر میت یا مفلس کا مال غرماء کے درمیان تقسیم کر دیا گیا پھر کوئی اور قرض خواہ ظاہر ہوا تو وہ غرماء پر رجوع کرے گا اور وہ بقدر دین غرماء کے ساتھ شریک ہوگا چونکہ ظاہری حکم پر تقسیم ہوتی ہے اور تقسیم ظاہر کے خلاف ہوئی تو تقسیم کا توڑنا واجب ہوگا۔

دوسری رائے مرجوح ہے کہ دین انتقال ترکہ کے مانع ہے چونکہ آیت میں ہے:

---

❶...... رواہ احمد والترمذی وابن ماجه والحاکم عن ابی هریرة وهو حدیث صحیح۔ ❷ رواہ احمد وابن ماجه عن ابی کریم (الجامع الکبیر ۳/۱۷۸) ❸ شرح السراجیه ۴ بدایة المجتهد ۲/۲۸۴ القوانین الفقهیة ۳۱۹ مغنی المحتاج ۲/۱۴۴ المغنی ۴/۴۳۶ المهذب ۱/۳۲۷۔

مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ......النساء ۴/ ۱۱

یعنی وصیت اور دین کے بعد ترکہ ورثہ میں تقسیم ہوگا۔

آیت میں دین اور وصیت کے بعد ترکہ وارث کا حق قرار دیا گیا ہے اس سے قبل ورثہ کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی، اگر ورثہ نے تصرف کر دیا تو تصرف صحیح نہیں ہوگا۔ چونکہ وہ غیر کی ملک میں تصرف کریں گے ہاں البتہ غرماء تصرف کی اجازت دیں تو تصرف صحیح ہوگا۔

چوتھی قسم: ملکیت اور اس کے توابع:

اس قسم کے ضمن میں دو ابواب میں ملکیت کی بحث آئے گی، پہلا باب ملکیت کے متعلق ہے اس میں ایک تمہید اور چھ فصلیں ہیں۔

پہلی فصل	......	ملکیت اور ملک کی تعریف کے بیان میں
دوسری فصل	......	تملک کے لئے مال کی قابلیت اور عدم قابلیت
تیسری فصل	......	ملک کی مختلف انواع
چوتھی فصل	......	ملک ناقص کی مختلف انواع
پانچویں فصل	......	ملک تام کے مختلف اسباب
چھٹی فصل	......	طبیعت ملک یعنی کیا ملکیت خاصہ شریعت اسلامیہ میں مطلق ہے یا مقید

دوسرا باب ملکیت کے توابع کے بیان میں ہے، بارہ فصلوں میں اس کی بحث ہوگی۔

تمہید.....ملکیت اور اس کی خصوصیات ایسی مہتم بالشان چیز ہے جس پر ماضی اور حال میں تمام تر اقتصادی ڈھانچہ کھڑا رہا ہے اور اب بھی کھڑا ہے ملکیت ہی عصر حاضر کے دو عالمی اقتصادی نظاموں کے درمیان اختلاف کا محور اور مرکز ہے میری مراد سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کا نظام ہے۔ اسی لیے ملکیت اور اس کے توابع کا شماران مسائل میں ہوتا ہے جو زبردست اہمیت کے حامل ہیں اور ساری دنیا کی توجہ اپنی طرف مرکوز کی ہوئی ہے۔

اس موضوع میں تحقیق کرنے والا مختلف نقطہ ہائے نظر سے موجودہ نظامہائے معیشت وملکیت کے بلند اہداف اور اسلام کے نظام ملکیت میں مشابہت پائے گا، خواہ مرکزیت فرد و جماعت کی مصلحت ہو یا علاقائی وملکی مصلحت ہو۔ اسی سے مسئلہ ملکیت کی رسہ کشی کا وہ عقدہ بھی حل ہو جاتا ہے جس کی اسلام نے ضمانت دے رکھی ہے لیکن اجتماعی ملکیت کی مصلحت مختلف اور کڑی قیودات کے ساتھ مقید ہے۔ چنانچہ اسلام مصلحت عام کا رہن ہے اور حصہ داری اور ملکیت کا زبردست دافع ہے۔

محقق اختلاف اور فقہی جہات کے پیش نظر یہ بھی پائے گا کہ قومی اموال جیسے پٹرول اور معدنیات ملک کے عوام کا حق ہوتے ہیں فرد واحد کی ملکیت نہیں ہوتے بلکہ ملکی حق ہوتے ہیں اور حکومت ان اموال کی منتظم ہوتی ہے۔ چنانچہ جس طرح معاملات اور مالی میدان میں جدید اصول وقواعد قویم فقہی احکام سے ماخوذ ہیں، نقصان ومعاوضہ میں مساوات وعدل کی اساس پر تلف شدہ اشیاء کا ضمان وتاوان، حق ملکیت کی رعایت، عزت مال اور جان کی حفاظت وغیرہا اس امر کی کھلی دلیل ہیں کہ بنیادی اسلامی اصول کتنی زبردست علوشان کے حامل ہیں۔ واللہ الموفق الی سواء السبیل۔

نظریات فقہیہ کی بحث میں ملکیت کی تعریف اسباب اور انواع کا تذکرہ گزر چکا ہے، وہاں ملکیت کا ضمناً تذکرہ ہوا ہے اور یہاں اصالۃً تذکرہ کا ہوگا اور یہ کہ اسلام میں فردی ملکیت مطلق ہے یا مقید؟ پھر میں اس کے متعلقات کو ذکر کروں گا اس کا بیان بارہ فصلوں میں ہوگا اور یہی دوسرے باب کا موضوع ہے، فصول کا اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے:

(پہلی فصل) احکام اراضی
(دوسری فصل) احیاء موات
(تیسری فصل) معدنیات، سرحدوں اور جائیدادوں کے بیان میں
(چوتھی فصل) حقوق ارتفاق
(پانچویں فصل) زمین کی پیدوار کے معاملات، مزارعت، مساقات اور مغارست
(چھٹی فصل) اتفاق قسمت
(ساتویں فصل) غصب اور اتلاف
(آٹھویں فصل) صائل (بپھرے جانور) سے دفاع
(نویں فصل) لقطہ اور لقیط
(دسویں فصل) مفقود
(گیارہویں فصل) مسابقہ اور مناضلہ (گھوڑ دوڑ وغیرہ)
(بارہویں فصل) شفعہ

ملحق......اسلام میں اقتصادی نظام کے اثرات اور نشانات۔

پہلا باب......ملکیت اور اس کی خصوصیات

اس باب میں چھ فصلیں ہیں۔

پہلی فصل: ملکیت اور ملک کی تعریف:

ملکیت اور ملک......انسان اور مال کے درمیان علاقہ جسے شریعت نے مقرر کررکھا ہے اور وہ مال کو انسان کے ساتھ مخصوص کردیتا ہے۔ انسان مال میں ہر طرح کے تصرفات کرتا ہے جب تک کہ کوئی مانع نہ پایا جائے۔ جس طرح اس علاقہ پر ملک کا اطلاق ہوتا ہے اسی طرح مملوک چیز پر بھی ملک کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ بولا جاتا ہے یہ چیز میری مِلک ہے یعنی میری مملوک ہے مجلّہ (م ۱۲۵) میں یہی تعریف مقصود ہے برابر ہے کہ وہ معین چیز ہو یا منافع ہو، اسی معنی کے لحاظ سے حنفیہ کا یہ قول سمجھ میں آجاتا ہے کہ منافع اور حقوق ملک ہوتے ہیں مال نہیں ہوتے بنا بر ایں ملک حنفیہ کے نزدیک مال سے اعم ہے۔ یعنی ہر مال ملک ہے لیکن ہر ملک مال نہیں۔

ملک کا لغوی معنی......انسان کا اپنے مال کو احاطہ اور تصرف میں لانا یعنی مال میں تصرف کرنے میں انفرادیت، فقہاء نے ملک کی مختلف تعریفیں کی ہیں جو قریب المعنی ہیں۔ ان میں سے مشہور تعریف یہ ہے۔

ملک......"اختصاص بالشیء یمنع الغیر منه ویمکن صاحبه من التصرف فیه ابتداء الا لمانع شرعی"
ملک ایسی اختصاصی کیفیت کا نام ہے جو صاحب شئی کے سوا، دوسروں کو انتفاع اور تصرف سے روکتی ہے اور صاحب شیء کو تصرف کا حق دیتی ہے الا یہ کہ کوئی شرعی مانع نہ ہو۔❶

❶......فتح القدیر ۵/۷۴ الفروق للقرافی ۳/۲۰۸۔

چنانچہ جب کوئی شخص کسی چیز کو اپنے احاطہ اور دسترس میں شرعی طریقہ سے لاتا ہے تو وہ چیز اس شخص کے ساتھ مخصوص ہو جاتی ہے، اسی اختصاص کے پیش نظر مالک اس چیز سے نفع اٹھا سکتا ہے اور اس میں تصرف کر سکتا ہے ہاں البتہ کوئی شرعی مانع ہو جیسے جنون، عتہ، سفہ، بچپن، وغیرہ تو پھر تصرف نہیں کر سکتا۔ جس طرح اختصاص دوسرے شخص کو تصرف سے روکتا ہے الا یہ کہ شرعی طور پر کوئی گنجائش اگر موجود ہو تو دوسرا شخص بھی اس میں تصرف کر سکتا ہے۔

مثلاً دوسرے کو حق ولایت، وصیت اور وکالت حاصل ہو۔ جب کہ ولی، وصی یا وکیل کا اس شے میں ابتداءً تصرف نہیں پایا جاتا بلکہ تصرف نیابت کے طور پر ہوتا ہے گویا نابالغ اور مجنون فی الواقع مالک ہوتے ہیں اہلیت کی کمی یا فقدان کی وجہ سے وہ تصرف نہیں کر سکتے، جب مانع یا عارض ختم ہو جوتا ہے تو تصرف کا حق انھیں دوبارہ مل جاتا ہے۔

دوسری فصل......تملک ❶ کے لیے مال کی قابلیت اور عدم قابلیت:

دراصل مال اپنی طبع کے اعتبار سے تملک کے قابل ہوتا ہے البتہ بسا اوقات کوئی ایسا عارض پیش آ جاتا ہے جو مال کو ہر حالت میں یا بعض احوال میں تملک کے قابل نہیں رہنے دیتا۔ مال کی قابل تملک ہونے کے اعتبار سے تین اقسام ہیں۔

۱۔ **وہ مال جو تملیک اور تملک کو کسی حال میں قبول نہیں کرتا**...... اس سے مراد وہ مال ہے جو عامۃ الناس کے نفع کے لئے مخصوص ہوتا ہے جیسے شارع عام، پل، قلعے، گلیاں، دریا، عجائب گھر، قومی لائبریریاں عوامی باغیچے اور گارڈنز وغیرھا چنانچہ یہ اشیاء نفع عامہ کی وجہ سے تملک خاصہ کے قابل نہیں ہوتیں البتہ جب ان اشیاء کی یہ حالت زائل ہو جاتی ہے تو اپنی اصلی حالت پر واپس لوٹ آتی ہیں۔ اور وہ قابلیت تملک ہے۔ چنانچہ جب شارع عام کی ضرورت ختم ہو جائے اور ویران پڑی ہو تو وہ قابل تملک ہو جاتی ہے۔

۲۔ **وہ مال جو صرف شرعی نقطہ نظر سے قابل تملک ہو**...... جیسے وقف شدہ اموال، بیت المال کی املاک چنانچہ وقف شدہ مال کی خرید و فروخت، ہبہ وغیرہ نہیں کیا جائے گا ہاں البتہ اگر موقوفہ مال انہدام کے قریب ہو اور اس کے اخراجات آمدن سے زائد ہو تو محکمہ اوقاف کے لیے جائز ہے کہ اس کی تبدیلی کا اعلان کر دے۔

بیت المال کی املاک یا وزارت مالیات کی خرید و فروخت صحیح نہیں ہاں البتہ اگر حکومت وقت خرید و فروخت میں کوئی بہتری سمجھے تو فروخت کر سکتی ہے۔ مثلاً حکومت کو اس کے ثمن کی ضرورت ہو یا دو گنے ثمن کے ساتھ املاک فروخت ہو رہی ہوں چونکہ سرکاری اموال حکومت کی تحویل میں اسی طرح ہوتے ہیں۔

جس طرح یتیم کا مال وصی کے پاس ہوتا ہے۔ تاہم یتیم کے مال میں وصی بوقت ضرورت اور مصلحت کو دیکھ کر تصرف کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنے آپ کو مسلمانوں کے مال کے لئے ایسا ہی منتظم مقرر کرتا ہوں جیسے وصی یتیم کے لئے مقرر ہوتا ہے۔

۳۔ وہ مال جس کا تملک اور تملیک مطلقاً جائز ہے: اس میں کوئی قید نہیں یہ وہ اموال ہیں جو مذکورہ بالا دونوں اقسام کے علاوہ ہیں۔

تیسری فصل......ملک کی انواع

ملک کی دو قسمیں ہیں:

۱......ملک تام ۲......اور ملک ناقص۔

---

❶...... کسی چیز کو اپنی ملک میں لینا تملک ہے یعنی مال میں ملک بننے کی صلاحیت کا نام تملک ہے۔

ملک تام......وہ ہے جس میں اصل شیٔ کا بھی مالک ہو اس کی منفعت کا بھی مالک ہو بایں طور کہ مالک کے لئے اس چیز کے جملہ حقوق شرعیہ ثابت ہوں۔

ملک تام کی اہم خصوصیات: ملک تام مطلق اور دائمی ہوتی ہے اور یہ محدود زمانے کا ساتھ مقید نہیں ہوتی جب تک ملک کا محل باقی رہتا ہے ملک بھی باقی رہتی ہے ملک تام قابل اسقاط نہیں ہوتی، چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کی مملوکہ چیز غصب کر لی اور مغضوب منہ (مالک) نے کہا کہ میں اپنی ملک کو ساقط کرتا ہوں تو اس کی ملکیت ساقط نہیں ہوگی بلکہ اس کی ملک میں رہے گی ہاں البتہ ملک قابل انتقال ہوتی ہے چونکہ یہ بات جائز نہیں کہ کوئی چیز بغیر مالک کے ہو، انتقال کا طریقہ یہ ہے کہ ملک یا تو خرید و فروخت کے عقد سے منتقل ہوتی ہے یا میراث سے یا وصیت سے۔

مالک کو ملک تام کے استعمال تصرف اور حصول آمدنی کا پورا حق حاصل ہوتا ہے وہ اپنی ملک کو فروخت کر سکتا ہے، ہبہ کر سکتا ہے وقف کر سکتا ہے اور اس کی وصیت بھی کر سکتا ہے عاریت اور اجارہ پر دے سکتا ہے۔ چونکہ مالک چیز کی اصل اور اس کی منفعت دونوں کا مالک ہوتا ہے۔
اگر مالک اپنی ملک کو تلف کر دے تو اس پر ضمان نہیں ہوتا، چونکہ فرد واحد مالک بھی ہو اور ضامن بھی ہو ایسا تصور ناممکن ہے لیکن دیانۃً اس سے مواخذہ ہوگا چونکہ مال کو تلف کرنا حرام ہے بسا اوقات قضاءً بھی مواخذہ ہوتا ہے چنانچہ اگر مالک کا سفیہ ہونا ثابت ہو جائے تو اس پر حجر لگایا جاتا ہے۔

ملک ناقص......وہ ہے کہ آدمی صرف اصل چیز یا صرف اس کی منفعت کا مالک ہو، ملک منفعت کو حق انتفاع بھی کہا جاتا ہے۔ ملک منفعت کبھی منتفع (نفع اٹھانے والے کے لئے) حق شخص ہوتی ہے عین مملوکہ نہیں ہوتی جیسے موصی لہ تا حیات شیٔ کی منفعت کا مالک ہوتا ہے۔
کبھی حق عینی ہوتا ہے قطع نظر شخصی نفع کے اسے حق ارتفاق کہا جاتا ہے یہ صرف زمین میں حاصل ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل حقوق ارتفاق کے تحت آیا جاتی ہے۔

چوتھی فصل: ملک ناقص کی انواع......ملک ناقص کی تین اقسام ہیں:

۱۔ **فقط ملک عین**......اس کا حاصل یہ ہے کہ عین (رقبہ، اصل چیز) کسی شخص کی مملوک ہو اور اس کے منافع کسی دوسرے شخص کے مملوک ہوں، مثلاً ایک شخص نے عرصہ تین سال کی لئے کسی دوسرے شخص کو زمین کاشتکاری کے لئے دے دے یا رہائش کے لئے مکان دے دے۔ چنانچہ جب مدت پوری ہوگی عین (اصل چیز) موصی کی ملکیت ہوگی اور موصی لہ محدود مدت تک کے لئے منفعت کا مالک ہوگا۔ چنانچہ اس حالت میں مالک عین سے نفع نہیں اٹھا سکتا اور اس کی منفعت میں تصرف بھی نہیں کر سکتا، بلکہ مالک پر تو واجب ہے کہ عین نفع اٹھانے والے کی سپرد کرے اگر مالک سپردگی سے انکار کرے تو اس پر جبر کیا جائے گا۔
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقط عین کی ملکیت دائمی ہوتی ہے جو بالآخر ملکیت تامہ پر منتہی ہوتی ہے، جبکہ منافع کی ملکیت کبھی مؤقت ہوتی ہے چونکہ حنفیہ کے نزدیک منافع وراثت میں منتقل نہیں ہوتے یا منافع دائمی ہوتے ہیں جیسے وقف۔

۲۔ **منفعت شخصی کی ملک یا حق انتفاع**...... ❶ ملک ناقص کی اس قسم کے ذیل میں ملک منفعت کے پانچ اسباب ہیں وہ یہ ہیں

---

❶......حنفیہ کے نزدیک ملک منفعت اور حق انتفاع میں کوئی فرق نہیں چنانچہ منتفع بذات خود نفع اٹھا سکتا ہے اور اسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ کسی دوسرے کو منفعت کا مالک بنا دے چنانچہ جو شخص غرماء کے سکنی کے لئے گھر وقف کرے تو طالب کے لئے فقط حق سکنی ہوگا۔ یہی رائے قانوناً معمول بہ ہے مالکیہ کے نزدیک ان دونوں میں فرق ہے چنانچہ ملک منفعت ایسا اختصاصی حق ہے کہ صاحب حق بذاتہ اس سے نفع اٹھا سکتا ہے اور غیر کو بھی نفع کے لئے دے سکتا ہے جب کہ حق انتفاع شخصی انتفاع کی محض رخصت ہے۔ الفروق القرافی ۱/۱۸

اعارہ، اجارہ، وقف، وصیت اور اباحت۔

اعارہ......یعنی کسی چیز کو عاریت دینا، جمہور حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بغیر عوض کے کسی چیز کی۔
منفعت کا مالک بنا دینا اعادہ ہے مستعیر (عاریۃ لینے والے) بذات خود مستعار چیز سے نفع اٹھا سکتا ہے اور وہ عاریت پر دوسرے کو بھی دے سکتا ہے۔ البتہ اجرت پر نہیں دے سکتا چونکہ اعارہ عقد غیر لازم ہے یعنی مالک کسی وقت بھی واپس لے سکتا ہے جب کہ اجارہ عقد لازم ہے چنانچہ ضعیف پر قوی کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی، نیز مستعار کے اجارہ میں اصلی مالک کا ضرر اور نقصان ہے۔
شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بلا عوض منفعت کو مباح کر دینا اعارہ ہے، چنانچہ مستعیر مستعار چیز کو عاریت پر آگے نہیں دے سکتا۔

اجارہ......عوض لے کر منفعت کی تملیک اجارہ ہے مستاجر بذات خود اجرت پر لی ہوئی چیز سے نفع اٹھا سکتا ہے اور اس کے علاوہ دوسرا شخص بھی منفعت یا بالعوض نفع اٹھا سکتا ہے بشرطیکہ منفعت مختلف نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر موجر نے یہ شرط لگا دی کہ مستاجر بذات خود نفع اٹھائے تب بھی مستاجر نفع اٹھانے کے لئے چیز دوسرے کو دے سکتا ہے البتہ اگر منفعت کی صورت مختلف ہو تو اصل مالک سے اجازت لینا ضروری ہے۔

وقف......عین کو کسی بھی انسان کی تملیک سے روک دینا اور سکی منفعت کو موقوف علیہ پر خرچ کرنا چنانچہ وقف موقوف علیہ کو منفعت کی تملیک کا فائدہ لیتا ہے، موقوف علیہ بذات خود بھی موقوف سے نفع اٹھا سکتا ہے اور دوسرا شخص بھی نفع اٹھا سکتا ہے بشرطیکہ واقف اسے اجازت دے۔

منفعت کی وصیت......جس چیز کی وصیت کی گئی ہو (یعنی موصی بہ) وصیت اس کی منفعت کی ملک کا فائدہ دیتی ہے موصی لہ بذات خود موصی بہ سے نفع اٹھا سکتا ہے عوض اور بغیر عوض کے دوسرا بھی نفع اٹھا سکتا ہے، بشرطیکہ موصی نے آمدنی وپیداوار کی اجازت دی ہو۔

اباحت......کسی چیز کے ہلاک کرنا یا استعمال کرنے کی اجازت، جیسے کھانا یا پھل لینے کی اجازت، منافع عامہ سے نفع اٹھانے کی اجازت جیسے سڑکوں، گلیوں سے گزرنے کی اجازت، باغیچوں میں بیٹھنے کی اجازت، مدارس، اسکولوں اور ہسپتالوں میں داخل ہونے کی اجازت، اذن خاص جیسے ذاتی گاڑی میں کسی کو سواری کرنے کی اجازت یا گھر میں رہائش کی اجازت۔

اباحت اور ملک میں فرق......ملک انسان کو مملوکہ چیز میں تصرف کا پورا پورا اختیار دیتی ہے بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو۔ جب کہ اباحت کسی چیز سے نفع اٹھانے کا حق ہے جو بموجب اذن ہوتا ہے اذن (اجازت) یا تو مالک کی طرف سے ہوتا ہے، جیسے گاڑی میں سوار ہونا یا شریعت کی طرف سے ہوتا ہے جیسے مرافق (مصالح) عامہ سے نفع اٹھانا مثلاً راستے، دریا، چراگاہیں وغیرہ۔ چنانچہ مباح شے منتفع کی نہ مملوکہ ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی منفعت مملوکہ ہوتی ہے جب کہ ملک اس کے برعکس ہے۔

حقِ منفعت کی خصوصیات یا انتفاع شخصی......ملک ناقص یا انتفاع شخصی کی اہم امتیازی خصوصیات درج ذیل ہیں۔
۱......ملک ناقص زمان ومکان کی قید کو قبول کرتی ہے جب کہ ملک تام اس کے برعکس ہے چنانچہ جو شخص مثلاً اپنی گاڑی کرائے پر دے یا مکان کرائے پر دے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ انتفاع کی مدت مقرر کر دے مثلاً ایک مہینہ جگہ بھی متعین کر دے مثلاً کہے گاڑی شہر میں چلاؤ صحراء میں نہ چلاؤ صرف منتفع سواری کر سکتا ہے دوسرا نہیں کر سکتا۔
۲......حنفیہ کے نزدیک حق انتفاع وراثت میں منتقل نہیں ہوتا۔ جب کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حق انتفاع وراثت میں منتقل ہوتا ہے چونکہ

وراثت ہی وہ مال ہے بوقت موت منتقل ہوتا ہے جو موجود ہے جب کہ حنفیہ کے نزدیک منافع مال نہیں ہوتے۔ جب کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک منافع مال ہیں چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی غریب کے لئے اپنے گھر کے سکنی کی وصیت کی اور سکنی کی مدت ایک سال مقرر کردی، مدت پوری نہیں ہوئی تھی کہ غریب مرگیا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک غریب کے ورثہ کو سکنی کا حق ملے گا۔

۳.....مالک پر واجب ہے کہ جس چیز سے نفع اٹھایا جائے وہ منتفع کو سپرد کردے اگر چہ وہ جبراہی سپرد کرے پھر یہ چیز منتفع کے پاس بطور امانت ہوگی۔ ملک خاص کی طرح اس کی حفاظت کرے گا اگر چیز ہلاک ہوجائے تو تعدی اور تقصیر کی وجہ سے ضامن ہوگا۔

۴.....اگر منتفع چیز سے مفت نفع اٹھا رہا ہو تو چیز کے اخراجات منتفع پر واجب ہوں گے، جیسے عاریت کی صورت میں اخراجات مستعیر پر آتے ہیں اور اگر انتفاع عوض کے ساتھ ہو جیسے اجارہ میں ہوتا ہے تو چیز کے مالک پر اخراجات ہوں گے۔

۵.....جب منتفع چیز سے نفع اٹھالے تو اس پر واجب ہے کہ چیز مالک کو سپرد کرے ہاں البتہ اگر منتفع کا نقصان ہو مثلاً فصل ابھی کٹائی کے لئے تیار نہ ہوئی ہو۔

حقِ منفعت کی انتہاء.....حق منفعت حق مؤقت ہوتا ہے، لہٰذا مندرجہ ذیل امور میں سے کسی ایک کے ساتھ ختم ہوجاتا ہے۔

۱.....مقررہ مدت ختم ہوجائے تو حق منفعت بھی ختم ہوجاتا ہے۔

(۲.....جس چیز سے نفع اٹھایا جائے رہا ہو وہ ضائع ہوجائے یا اس میں استعدر عیب آجائے کہ قابل انتفاع ہی نہ رہے۔ جیسے رہائشی مکان کا گرجانا، زمین کا بنجر ہوجانا اور مالک شئے کی تعدی سے عیب آیا ہو تو اس پر متبادل چیز کا دینا واجب ہے۔

۳.....حنفیہ کے نزدیک منتفع کا مرجانا چونکہ احناف کے نزدیک منافع وراثت میں منتقل نہیں ہوتے۔

۴.....اگر منفعت عاریت یا اجارہ کے طور پر ہو اور چیز کا مالک مرجائے تو بھی حق منفعت منتہی ہوجاتا ہے۔ چونکہ عقد اعارہ تبرع ہے۔ اور تبرع متبرع کی موت سے ختم ہوجاتا ہے۔ نیز اجرت پر دی ہوئی چیز کی ملکیت ورثہ کو منتقل ہوجاتی ہے یہ حنفیہ کے نزدیک ہے شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں اعارہ عقد غیر لازم ہے لہٰذا معیر یا اس کے وراثت کے لئے جائز ہے کہ وہ عاریت سے رجوع کرلیں۔ برابر ہے عاریت مطلق ہو یا مؤقت ہو۔ مالکیہ کہتے ہیں: اعارہ موقتہ عقد لازم ہوتا ہے چنانچہ اگر کسی نے معین جگہ تک کے لئے جانور سواری کے لئے دیا تو اس سے پہلے مالک جانور واپس نہیں لے سکتا۔

اس تفصیل سے یہ بھی ظاہر ہوچکا کہ اعارہ معیر یا مستعیر کی موت سے ختم نہیں ہوجاتا اسی طرح اجارہ بھی عاقدین میں سے کسی ایک کی موت سے منتہی نہیں ہوتا۔ چونکہ اجارہ عقد لازم ہے جیسے بیع عقد لازم ہے۔

البتہ اگر منفعت وصیت یا وقف کے طور پر ہو تو حق منفعت موصی کی موت سے ختم نہیں ہوتا۔ چونکہ وصیت کی ابتداء ہی موصی کی موت کے بعد ہوتی ہے۔

اس طرح واقف کی موت سے بھی موقوف کی منفعت ختم نہیں ہوتی چونکہ وقف علی التابید ہوتا ہے۔

۳.....منفعت عینی کی ملک یا حقِ ارتفاق:

حقِ ارتفاق.....اموال غیر منقولہ یعنی زمین مکان وغیرہ کے ایسے نفع کا نام ہے جو کسی دوسرے کے مملوکہ اموال غیر منقولہ سے متعلق ہوں، حق ارتفاق دائمی ہوتا ہے اس میں مالک کی طرف نظر نہیں ہوتی، جیسے حق شرب، حق مجری، حق مسیل، حق مرور، حق جوار، حق علو۔

حق شرب......یعنی درختوں اور کھیتوں کو سیراب کرنے کا حق یا یوں کہیے کہ حق شرب: کھیتی سیراب کرنے کے لیے پانی کے مخصوص حصہ کی نوبت ہے۔

حق شفہ بھی حق شرب کے ساتھ ملحق ہے، حق شفہ سے مراد انسان، حیوان اور گھریلو استعمال کا حق چنانچہ، پانی عموما ہونٹوں سے پیا جاتا ہے اور شفہ کا معنی ہونٹ ہے۔

اس اعتبار سے پانی کی چار اقسام ہیں۔❶

الف......عام دریاؤں کا پانی جیسے نیل، دجلہ، فرات (سندھ، جہلم) وغیرہا، ہر شخص ان دریاؤں سے نفع اٹھا سکتا ہے خود بھی پی سکتا ہے، اپنے چوپایوں کو پلا سکتا ہے، زمین بھی سیراب کر سکتا بشرطیکہ کسی دوسرے کا اس میں ضرر نہ ہو چنانچہ حدیث ہے لوگ تین چیزوں میں برابر شریک ہوتے ہیں: پانی، گھاس اور آگ دوسری حدیث ہے لاضرر و لا ضرار۔

ب......نہروں اور نالیوں کا پانی جو کسی شخص کا مملوک ہوتا ہے ہر شخص اس پانی کو پینے کا حق رکھتا ہے، چوپایوں کو پلا سکتا ہے، مالک کے سوا دوسرا شخص اپنی کھیتوں کو سیراب نہیں کر سکتا۔ ہاں البتہ مالک کی اجازت سے سیراب کر سکتا ہے۔

ج......چشموں، کنوؤں اور حوض وغیرہ کا پانی جو کہ کسی شخص کی ملک ہوتا ہے دوسری قسم کے پانی کی طرح اس میں پینے کا حق ثابت ہوتا ہے جب کہ حق شرب ثابت نہیں ہوتا، اگر پانی کا مالک لوگوں کو پینے سے روکے یا چوپایوں کو نہ پینے دے تو اس کے ساتھ قتال کرنا جائز ہے یہاں تک کہ ضرورتمند اپنی حاجت پوری کرے۔

د......مخصوص برتنوں میں محفوظ کیا ہوا پانی، جیسے گھڑوں، گھریلو حوضوں، پن چکیوں اور پائپوں میں محفوظ کیا ہوا پانی، پانی کی اس قسم سے نفع مالک کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں اٹھا سکتا، چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کی خرید فروخت سے منع فرمایا ہے ہاں البتہ جو پانی پاس اٹھا رکھا ہو اس کی خرید فروخت جائز ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص جاں بلب ہو وہ کسی طرح بھی پانی حاصل کر سکتا ہے خواہ اسے لڑائی کرنی پڑے۔ چونکہ اضطراری کیفیت دوسرے کے حق کو باطل نہیں کرتی۔

حق فجری......ایک شخص کی زمین پانی سے دور ہے وہ اس جگہ سے پانی بہا کر اپنے کھیت کی سیرابی کے لئے پانی اپنی زمین تک لاتا ہے اسی حق کو حق فجری کہا جاتا ہے پڑوسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے پڑوسی کو پانی لے جانے سے روکے، ورنہ پڑوسی جبرا پانی لے جا سکتا ہے تاکہ اس کے ضرر کا دفیعہ ہو سکے۔

حق مسیل......فاضل اور استعمال شدہ پانی کے اخراج کا حق مسیل ہے یا غیر شفاف پانی جو گھریلو استعمال کے لائق نہ ہو اسے عام مصرف مثلاً سیرابی کھیت کے لئے لے جانا، یا بارش کے پانی یا گھریلو استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا حق حق مسیل ہے، مسیل اور فجری میں یہ فرق ہے کہ فجری ضرورت کے پانی کو زمین میں لانا ہے اور مسیل زمین یا گھر سے پانی کی نکاسی ہے مسیل کا حکم حق فجری کے حکم جیسا ہے چنانچہ حق مسیل سے روکنے کا کوئی شخص اختیار نہیں رکھتا ہاں البتہ اگر کسی کا ضرر ہو تو وہ روک سکتا ہے۔

حق مرور......حق مرور سے راستے سے گزرنے کا حق مراد ہے تاکہ انسان اپنے مکان یا زمین تک پہنچ سکے، برابر ہے کہ راستہ شارع عام کی شکل میں ہو جو کسی کی ملک نہیں ہوتی یا مخصوص کسی کی ملک ہو چنانچہ شارع عام میں ہر انسان کو حق مرور حاصل ہوتا ہے جب کہ طریق خاص چند اشخاص کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔

حق جوار......جوار کا معنی پڑوسی ہے۔ پڑوسی کی دو قسمیں ہیں:

---

❶......البدائع ۱۸۸/۶، تکملة فتح القدير ۱۴۴/۸ القوانين الفقهية ۳۳۹ نهاية المحتاج ۲۵۵/۴ المغنی ۵۳۱/۵۔

ا.....جوار علوی (بالائی پڑوسی) ۲.....جوار جانبی (پہلو کا پڑوسی)

حق جوار میں دو طرح کے حقوق ہوتے ہیں۔

ا۔حق تعلیٰ...... بالائی منزل کے لوگوں کو اپنی تحتانی منزل کی چھت پر اپنے مکان کو قائم رکھنے کا جو مستقل حق حاصل ہوتا ہے اسی کو حق تعلیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲۔جوار جانبی کا حق...... یہ وہ حق ہے جو دو پڑوسیوں میں سے ہر ایک کو دوسری حاصل ہوتا ہے چنانچہ جس شخص کو حق تعلیٰ حاصل ہو وہ بالائی منزل پر اپنا حق برقرار رکھ سکتا ہے گویا یہ حق بالائی منزل والے کے لئے دائمی ہوتا ہے یہ حق زمین کے منہدم ہونے سے یا تحتانی منزل کے منہدم ہونے سے ختم نہیں ہوتا، صاحب تعلیٰ کو ہمیشہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ خود یا اس کے ورثہ بالائی منزل کو تعمیر کر سکتے ہیں۔ بالائی منزل اور تحتانی منزل کے مالکان اپنے اپنے حصہ میں ایسا تصرف نہیں کر سکتے جس سے دوسرے کا نقصان ہو۔ اگر تحتانی منزل منہدم ہو جائے تو اس کے مالک پر ضروری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو جلد از جلد اسے تعمیر کرے اگر تعمیر سے انکار کرے گا تو اس پر جبر کیا جائے گا، اگر تحتانی منزل والا یوں ہی چھوڑے رکھے تو بالائی منزل والا تعمیر کرے پھر تحتانی منزل کے مالک سے اخراجات وصول کرے۔

جس شخص کو جوار جانبی حاصل ہو اس کے لیے صرف ایک حق ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ یہ دونوں پڑوسی ایک دوسرے کو ضرر نہ پہنچائیں یعنی ایسا ضرر جس سے کوئی پڑوسی اپنی ملک سے نفع نہ اٹھا سکے۔

چنانچہ جواز کی جملہ انواع میں ضرر ممنوع ہے البتہ وہ تصرفات جن کا معاملہ بالائی پڑوسی کے لئے قابل اشکال ہو اور معلوم نہ ہو کہ آیا اس سے ضرر لاحق ہوگا یا نہیں۔ جیسے دروازہ کھولنا، یا کھڑکی کھولنا یا بالائی منزل پر بھاری بوجھ رکھنا جس سے چھت متاثر ہوتی ہو سو اس قسم کا تصرف حنفیہ کے درمیان مختلف فیہ ہے، امام ابوحنیفہ کہتے ہیں پڑوسی کی اجازت کے بغیر اس قسم کا تصرف جائز نہیں، چونکہ مالک کے اپنی ایسی ملک میں تصرفات جس کے ساتھ دوسرے کا حق متعلق ہو اس میں اصل ممانعت ہے چونکہ صاحب تصرف کی ملک خالص نہیں لہٰذا وہ صرف ایسا تصرف کر سکتا ہے جس میں دوسرے کا نقصان نہ ہو ہاں البتہ دوسرے پڑوسی کی اجازت سے تصرف کر سکتا ہے حنفیہ کے نزدیک یہی رائے مستفتیٰ بہ ہے۔

صاحبینؒ کہتے ہیں...... پڑوسی کے تصرف میں اصل اباحت ہے چونکہ بالائی منزل والا اپنے ہی ملک میں تو تصرف کرتا ہے، جب کہ مالک تصرف کرنے میں آزاد ہوتا ہے بشرطیکہ تصرف سے دوسرے کا نقصان نہ ہو اس صورت میں اس کا تصرف ممنوع ہوگا۔ اور اس کے علاوہ تصرف اپنی اباحت پر باقی رہے گا❶ میرے نزدیک یہ رائے معقول ہے اور واجب الاتباع ہے۔ گویا جوار جانبی کا ایک ہی حق ہے وہ اپنی ملک میں تصرف کا مباح ہونا ہے بشرطیکہ اس تصرف پر ضرر فاحش مرتب نہ ہوتا ہو۔ اگر ضرر ہو تو تعدی کرنے والے پر ضمان آئے گا۔ برابر ہے کہ ضرر براہ راست ہو یا بالواسطہ، یہی مالکیہ کی رائے ہے اور باقی مذاہب بھی یہی ہیں۔❷

حقوق ارتفاق کے متعلق تین امور:

ا: حق ارتفاق اور حق انتفاع شخصی میں فرق...... حق ارتفاق اور حق انتفاع میں مندرجہ ذیل فروق ہیں۔

ا...... حق ارتفاق دائمی ہوتا ہے جو ہمیشہ اموال غیر منقولہ زمین اور مکان کے متعلق ہوتا ہے اس سے زمین کی قیمت کم پڑ جاتی ہے جب کہ

---

❶ فتح القدير ۵/۵۰۳، ردالمحتار على الدر المختار ۴/۳۷۳، البدائع ۶/۲۶۴، البحر الرائق ۷/۳۳، تبيين الحقائق ۴/۱۹۶

❷ المنتقى على المو طا ۶/۴۰ القوانين الفقهية ۳۴۱ نيل الاوطار ۵/۲۶۱۔

حق انتفاع منقولہ وغیرہ منقولہ دونوں طرح کے اموال سے تعلق رکھتا ہے جیسے زمین وقف کردی، اجرت پر دے دی، مکان کرائے پر دے دیا، یا کتاب عاریۃ دے دی یا گاڑے کرائے پر دے دی۔

۲.....حق ارتفاق زمین کے ساتھ مقرر رہتا ہے البتہ حق جوار شخص سے متعلق ہوتا ہے اور زمین سے بھی، جب کہ حق انتفاع معین شخص کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔

۳.....حق ارتفاق دائمی ہوتا ہے جو عقار (زمین) کے تابع ہوتا ہے اگرچہ املاک متعدد ہوں، جب کہ حق انتفاع شخصی مؤقت ہوتا ہے۔

۴.....حق ارتفاق وراثت میں بھی منتقل ہوتا ہے حتیٰ کہ حنفیہ کے نزدیک بھی، چونکہ حق ارتفاق زمین کے تابع ہوتا ہے، جب کہ حق انتفاع کا وراثت میں منتقل ہونا فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہے۔

دوم حقوق ارتفاق کی خصوصیات.....حقوق ارتفاق کے احکام عامہ بھی ہیں اور خاصہ بھی۔

احکام عامہ..... یہ ہیں کہ جب حقوق ارتفاق ثابت ہوجاتے ہیں تو وہ اس وقت تک باقی رہتے ہیں۔

جب تک ان کی بقا پر غیر کا ضرر مرتب نہ ہو۔ اگر حقوق ارتفاق پر دوسرے کا ضرر یا اذیت مرتب ہو تو اس کا ازالہ واجب ہے چنانچہ عام راستہ میں گندے پانی کے بہاؤ کو روکا جائے گا اگر منتفعین کو ضرر پہنچ رہا ہو تو حق شرب سے روک دیا جائے گا اسی طرح اگر شارع عام میں گاڑی کے چلنے پر ضرر مرتب ہو تو گاڑی کو چلنے سے روکا جائے گا مثلاً گاڑی حد سے زیادہ رفتار سے چلائی جارہی ہو چنانچہ حدیث ہے **لاضـــرر ولا ضـــرار** یعنی نہ کسی کو ضرر پہنچاؤ اور نہ انتقام کے لئے ضرر کے درپے رہو نیز راستے سے گزرنے کا حق (حق مرور) سلامتی کے ساتھ مقید ہے اور اس ضرر سے احتراز بھی ممکن ہے چونکہ ضرر قدیم نہیں ہوتا۔

احکام خاصہ.....کو میں عنقریب حقوق ارتفاق کی بحث میں ذکر کروں گا۔

سوم.....حقوق ارتفاق کے اسباب:

حقوق ارتفاق کے متعدد اسباب ہیں:

ا۔ اشتراک عام.....حق ارتفاق کا ایک سبب عمومی قسم کی شرکت ہے جو شہریوں کو سرکاری املاک میں حاصل ہوتی ہے جیسے سڑکیں، دریا مصارف عامہ۔ چنانچہ ان املاک کے قریب جو زمین بھی ہوگی اس کے لیے یہ حقوق ثابت ہوں گے مرور کا حق سیرابی کا حق ضرورت سے زائد پانی کی نکاسی کا حق وغیرھا چونکہ یہ منافع لوگوں کے درمیان مشترک ہوتے ہیں اور ان سے منافع حاصل کرنا ان کے لئے مباح ہوتا ہے بشرطیکہ دوسرے منتفعین کو ضرر لاحق نہ ہو۔

۲۔ معاملات میں شرط لگا دینا.....جیسے مثلاً فروخت کنندہ خریدار پر شرط لگا دے کہ اسے حق مرور حاصل ہوگا، یا اس کی کوئی دوسری مملوکہ زمین کے لئے حق شرب ہوگا یوں شرط لگا دینے سے یہ دونوں حقوق ثابت ہوں گے۔

۳۔ تقادم.....حق ارتفاق حاصل ہونے کا تیسرا سبب تقادم یعنی قدیم اور نامعلوم زمانہ سے کسی عمل کا جاری اور ثابت رہنا ہے مثلاً ایک شخص کو ایسی زمین وراثت میں ملتی ہے جو قدیم زمانہ سے پڑوسی کی زمین سے سیراب کی جاتی تھی یا اس کا فاضل پانی پڑوسی کی زمین میں بہایا جاتا تھا، یہ بھی بجائے خود حق ارتفاق کے ثابت ہونے کا ذریعہ ہے لیکن یہاں بھی یہی شرط ملحوظ ہوگی کہ دوسرے کے لئے باعث ضرر نہ ہو چونکہ بظاہر یہ حق سبب مشروع سے ثابت ہوا ہے اس لئے لوگوں کو احوال کے پیش نظر صلاح اور نفع پر محمول ہوگا۔

پانچویں فصل.....ملک تام کے اسباب:

ملک تام کے اسباب اور مصادر چار ہیں:

١.....مباح چیز کو اپنی تحویل میں لے لینا ٢.....عقد و معاملہ

٣.....خلیفہ یا نیابت ٤.....اور مملوکہ چیز سے حاصل شدہ اضافہ یا توالد۔ جب کہ سول قانون میں

ملک تام کے اسباب چھ ہیں:

١.....منقول وغیرہ منقول املاک جو ملک نہ ہوں انھیں اپنی تحویل میں لینا۔

٢.....میراث اور تصفیہ ترکہ۔ ٣.....وصیت ٤.....منقولی وغیر منقولی املاک کے ساتھ التصاق

٥.....عقد و معاملہ ٦.....تقادم وحیازہ۔ ❶

یہ اسباب اسباب شرعیہ کے ساتھ متفق ہیں ❷ البتہ تقادم اور حیازہ یعنی مدت طویل سے غیر کی ملک کو اپنے قبضہ میں رکھنا اس اتفاق سے مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ اسلام نے تقادم کو ملک کا سبب قرار نہیں دیا، بلکہ یہ تو محض سماع دعویٰ کے مانع ہے ❸ جب کہ فی الواقع جو شخص غیر کی ملکیت پر ہاتھ ڈالے گا وہ شرعاً اس کا مالک نہیں بنے گا۔

اسلام نے تقادم کا اعتبار بھی نہیں کیا بایں طور کہ تقادم ترک مطالبہ کے ذریعہ مسقط حق ہے چنانچہ تقادم کی وجہ سے حقوق کا ثبوت وسقوط عدالت وخلق کے منافی ہے۔ تقادم کے ناحق ہونے میں اتنی بات ہی کافی ہے کہ غاصب اور چور مالک بن جائیں گے البتہ مدونہ میں ہے کہ حیازہ یعنی غیر کی ملکیت پر قبضہ کرنے سے امام مالک کے نزدیک ملکیت ساقط ہو جاتی ہے لیکن یہ رائے مالکیہ کی مشہور رائے کے خلاف ہے۔ لیکن حیازہ کی مدت کی کوئی تحدید نہیں کی البتہ ایک مرسل حدیث جو سعید بن مسیب سے مروی ہے اس سے حیازہ کی تحدید ہو سکتی ہے کہ زید بن اسلم نے مرفوع حدیث بیان کی کہ جو شخص اپنے فریق کے مقابلہ میں دس سال تک کسی چیز پر قبضہ کرلے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔ ❹

البتہ التصاق اور اضافہ جو سیلاب بارش، ریت کے گرداب جو تیز ہوا کے سبب ہو جائیں وہ شرعاً مانع نہیں چونکہ یہ اضافہ ساویہ ہے یہ اس اصول میں داخل ہیں التولد من المملوك اضافہ کا تعلق ملک سے ہوتا ہے۔

ا۔ مباح کو تحویل میں لینا.....مباح: وہ مال ہوتا ہے جو کسی معین شخص کی ملک میں داخل نہیں ہوتا اور اس کے مالک بننے میں کوئی شرعی مانع نہ ہو جیسے پانی، گھاس، لکڑی، جنگل کے درخت۔ خشکی وتری کا شکار مباح کو تحویل میں لینا درج ذیل امور سے ممتاز ہے۔

یہ کہ مباح کی ملکیت کا سبب باعث ملکیت ہو یعنی انشائی ہو اور مباح کسی دوسرے کی ملکیت نہ ہو جب کہ ملکیت کے دوسرے اسباب جیسے عقد، میراث وغیرہا تو یہ ملکیت کے اسباب حادثہ ہیں اور یہ سبب ناقل ہیں۔

ب۔ مباح کو تحویل میں لینا سبب فعلی ہے قولی نہیں۔ یعنی مباح پر ملکیت بالفعل اور قبضہ سے متحقق ہوگی لہٰذا یہ ملکیت ہر شخص کی درست ہوگی اگرچہ اس کی اہلیت ناقص ہو جیسے بچہ، مجنون اور مجور علیہ غیر ہو۔ جب کہ ناقص الاہلیت کا عقد صحیح نہیں ہوتا یا موقوف ہوتا مباح کو اپنی تحویل میں سے کی دو شرطیں ہیں۔

(اول).....یہ کہ اس نے مباح کو حاصل کرنے میں سبقت کی ہو چونکہ جس کا پہلے قبضہ ہوگا وہی اس کا مالک ہوگا۔

---

❶.....راجع الفصل الثانی من حق الملكية اسباب كتب الملكية ٧/٨٢٨۔ ❷ مجله ماده ١٢٤٨۔ ❸ فقہاء نے تقادم کی تجدید ٣٣ سال سے کی ہے مجلہ ١٦٦١ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے یہ تحدید حقوق خاصہ کے متعلق ہے اراضی میں دس سال اوقات اور اموال میں ٣٦ سال۔ (٤).....دیکھئے بحث الحيازه التقادم فی الفقہ الاسلامی الد کتور محمد عبد الجواد ١٨۔

(دوم)......اس نے مالک بننے کے ارادہ سے مباح کو حاصل کیا ہو اگر اس کی طرف سے ادنا نہ پایا گیا تو وہ مالک نہیں بنے گا۔ مثلاً جیسے کوئی پرندہ کسی کی گود میں آن پڑے تو وہ اس کا مالک نہیں بنے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے شکار پکڑنے کے لیے جال پھیلایا اور بیچ میں کوئی شکار نہیں کیا تو شکاری مالک بن جائے گا اور اگر جال خشک کرنے کے لیے پھیلایا ہو اور بیچ میں کوئی شکار پھنس گیا تو شکاری مالک نہیں بنے گا۔ چونکہ امور کو وجود قصد سے ملتا ہے۔

اول: احیاء موات (مردہ زمین کو زندہ کرنا)......یعنی بنجر اور غیر آباد زمین کو استعمال اور منفعت کے قابل بنانا احیاء موات ہے موات وہ زمین کہلاتی ہے جو کسی کی ملکیت نہ ہو اور اس سے کسی طرح بھی نفع نہ اٹھایا جاتا ہو شہر سے خارج ہو سو جو زمین کسی کی ملکیت میں ہو یا شہر کے اندر واقع ہو یا شہر سے باہر واقع ہو لیکن اہل شہر کے استعمال میں ہو تو وہ موات نہیں ہوگی۔

احیاء (آبادکاری) ملک کا فائدہ دیتی ہے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس شخص نے مردہ کو زندہ کیا وہ اس کا حق ہے برابر ہے کہ حاکم وقت کی اجازت سے زمین آباد کی ہو یا اس کی اجازت کے بغیر۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کہتے ہیں کہ احیائے ارض کے لئے حاکم وقت کی اجازت ضروری ہے۔ احیاء ارض سے مراد یہ ہے کہ زمین کو قابل انتفاع بنانا مثلاً تعمیر، باغات، کھیتی باڑی یا ہل وغیرہ کے قابل بنا دی یا زمین میں کنواں کھود دیا فقہی اصطلاح میں احیائے ارض کے عمل کو تحجیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ احیاء کی مدت تین سال مقرر کی گئی ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا ہے کہ حد بندی کرنے والے کے لئے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں''۔

دوم: شکار کرنا......صید غیر مملوک مباح چیز پر قبضہ کرنا صید ہے یا تو بالفعل شکار پر قبضہ کرنے سے شکار مکمل ہوتا ہے مثلاً شکار پکڑ لیا۔ یا قبضہ حکمی کر لیا مثلاً پرندہ یا جانور یا مچھلی پر اس طرح گرفت مضبوط کر لی کہ وہ بھاگ نہ سکیں جیسے مثلاً مچھلی کے لیے حوض بنا لیا، جال ڈال دیا یا شکار پکڑنے والے جانوروں نے شکار کو گھیرے میں لے لیا۔

شکار انسان کے لئے حلال ہے، البتہ حج اور عمرہ کا احرام اگر باندھ رکھا ہو تو اس حالت میں کیا ہوا شکار حلال نہیں ہوتا۔ یا شکار حرم مکہ یا حرم مدینہ کا ہو وہ بھی حلال نہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ......المائدہ ۹۶/۵

تمہارے لیے سمندر کا شکار حلال کر دیا گیا اور سمندر کا کھانا بھی جو تمہارے لیے سامان معیشت ہے
اور مسافر کے لیے بھی تمہارے اوپر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے جب تک تم حالت احرام میں رہو۔

شکار ملکیت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے لیکن قبضہ حکمی میں تملک کا قصد اور ارادہ شرط ہے جب کہ حقیقی قبضہ میں یہ شرط نہیں۔ چونکہ قاعدہ ہے کہ امور کا وجود قصد و ارادہ سے ہوتا ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے جال پھیلا رکھا ہو اور اس کی نیت جال سکھانے کی ہو اتفاقاً کوئی شکار اس میں پھنس جائے تو جو شخص پر شکار پر پہلے قبضہ کر لے گا وہی اس کا مالک ہوگا۔ چونکہ جال کے مالک کی نیت شکار کرنے کی نہیں تھی اگرچہ شکار اس کی ملک میں پھنسا ہے اگر مالک نے جال شکار کرنے کے قصد و ارادہ سے پھیلایا ہو اور شکار پھنس جائے اور پھر کوئی دوسرا شخص شکار نکال لے تو وہ غاصب شمار ہوگا اگر کسی شخص کی زمین میں پرندے نے گھونسلا بنا لیا تو جس نے پہل کر لی وہی پرندوں کا مالک ہوگا، ہاں البتہ اگر مالک زمین نے محض اسی غرض کے لیے زمین تیار کی ہو تو وہی مالک سمجھا جائے گا۔

اگر پرندہ کسی شخص کے مکان میں داخل ہوا، مالک مکان نے گھر کا دروازہ بند کیا تو پرندے کا وہی مالک ہوگا۔ اسی طرح اگر شکار گڑھے یا کنویں میں گرا تو جس نے پہل کر لی وہی اس کا مالک ہوگا البتہ اگر مالک نے گڑھا اسی نیت سے کھودا ہو تو وہی مالک ہوگا۔

سوم: گھاس اور جھاڑیوں پر قبضہ......گھاس کو عرب میں الکلاء کہا جاتا ہے، اس سے مراد وہ سبزہ ہونا ہے جو خود بخود زمین سے اُگ

جاتا ہے۔اور جانوروں کے چرنے کے کام آتا ہے۔

جھاڑیوں سے مراد وہ سرکنڈے ہیں جو جنگلات اور غیر مملوکہ زمین میں اگ جاتے ہیں۔

گھاس کا حکم...... یہ ہے کہ وہ کسی کی ملک نہیں اگر چہ مملوکہ زمین میں اگا ہو بلکہ گھاس سبھی لوگوں کے لیے مباح ہے سبھی کاٹ سکتے ہیں اور اپنے جانوروں کو چرا سکتے ہیں۔ مالک زمین روکنے کا حق نہیں رکھتا چونکہ گھاس مباح الاصل ہے مذاہب اربعہ میں یہی راجح ہے چونکہ حدیث ہے لوگ تین چیزوں میں برابر شریک ہیں پانی گھاس اور آگ۔ ❶

جھاڑیاں...... جھاڑیاں بھی مباح مال ہیں اگر چہ مملوکہ زمین میں ہوں۔ ہر شخص کو جھاڑیوں پر قبضہ کا حق حاصل ہے۔ان سے روکنے کا حق کسی کو نہیں۔ جب کوئی شخص کسی جھاڑی پر قبضہ کرلے اور اور کاٹ کر اپنے پاس محفوظ کرلے وہی اس کا مالک ہوگا لیکن چونکہ عصر حاضر میں جنگلات ملکی اور قومی سرمایہ سمجھے جاتے ہیں اس لیے حکومت وقت جنگلات کاٹنے سے روکنے کا اختیار رکھتی ہے۔ چونکہ جنگلات میں مصلحت عامہ ہے اور قومی آمدنی کا ایک ذریعہ ہے۔ البتہ اگر درخت یا جھاڑیاں مملوکہ زمین میں ہوں تو وہ مباح نہیں بلکہ مالک زمین کی مالک ہیں۔ مالک کی اجازت کے بغیر ان کو کاٹنا جائز نہیں چونکہ زمین درخت لگانے کے لئے بھی آباد کی جاتی ہے بخلاف گھاس کے۔

معدنیات اور کنز کو تحویل میں لینا...... معادن یا معدنیات سے مراد وہ مال ہے جو اصل خلقت وطبع سے زمین کے اندر موجود ہو۔ جیسے سونا چاندی، پیتل، لوہا، سیسہ وغیرہ۔

کنز...... سے مراد وہ مال ہے جو کسی شخص نے زمین میں دبا دیا ہو خواہ جاہلیت میں یا اسلام میں کنز کو خزانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

معدنیات اور کنز دونوں کے لیے حنفیہ کے نزدیک رکاز کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ زمین کے اندر موجود مال کو رکاز کہا جاتا ہے۔ برابر ہے کہ وہ مال اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے زمین میں موجود ہو جیسے لوہے اور پیتل کی ڈلیاں یا لوگوں نے رکھا ہو جیسے مدفون خزانہ حدیث میں رکاز کا حکم واحد ہے کہ رکاز میں خمس (یا نچواں حصہ بطور زکوٰۃ) ہے۔ ❷

معدنیات کا حکم...... معدنیات پر قبضہ کر کے ان مالک بننے میں فقہاء کا اختلاف ہے چنانچہ معدنیات کے مالک بننے کے متوقع فقہاء کی دو آراء ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں...... معدنیات کی جملہ انواع قبضہ کرنے سے ملک نہیں بنتیں جیسے زمین کی ملکیت کے تابع ہونے میں ملک میں بنتیں بلکہ معدنیات سرکاری مال ہوتی ہیں حکومت وقت حسب مصلحت جیسے چاہے ان میں تصرف کرے، چونکہ زمین اسلامی فتوحات سے حکومت کی ملک بن جاتی ہے۔ نیز مصلحت بھی اسی حکم کی متقضی ہے مالکیہ کا یہی مشہور قول ہے۔ ❸

حنفیہ کہتے ہیں...... زمین کا مالک بننے سے آدمی معدنیات کا بھی مالک بن جاتا ہے چونکہ انسان جب زمین کا مالک بنتا ہے تو اس کے جمیع اجزاء کا مالک بنتا ہے۔ چنانچہ زمین اگر کسی شخص کی ملکیت ہو تو معدنیات بھی اس کی ملکیت ہوں گی اگر سرکاری زمین میں معدنیات ہوں تو سرکاری ہوں گی اگر غیر مملوکہ زمین میں ہوں تو جس نے معدنیات کو پالیا اسی کی ملک ہوں گی۔ چونکہ معدنیات زمین کے تابع ہو کر مباح ہیں ❹ یہ ساری تفصیل معادن اور اقتطاع کی بحث میں آیا چاہتی ہے۔

معدنیات میں سرکاری حق ہونے کے اعتبار سے دو آراء ہیں۔

---

❶......البدائع ۶/ ۱۹۳۔ ۲/ ۱۶ مجلہ۔ ❷ رواہ الجماعۃ عن ابی هریرۃ (نیل الاوطار ۴/ ۱۴۷) ❸ القوانین الفقهیة ۱۰۲ الشرح الکبیر مع الدسوقی ۱/ ۴۸۶۔ ❹ الدر المختار وردالمحتار ۱/ ۶۱ / ۶۲ / ۱ المغنی ۳/ ۲۸۔

حنفیہ کہتے ہیں......معدنیات میں خمس (پانچواں حصہ) ہے چونکہ حنفیہ کے نزدیک رکاز کا اطلاق معدنیات اور خزانہ دونوں پر ہوتا ہے بقیہ چار حصے پانے والے کے ہوں گے۔ یہ حکم ان معدنیات کا ہے جو ٹھوس ہوں اور آگ میں پگھلائی جاتی ہوں جیسے سونا، چاندی، لوہا، پیتل اور سیسہ وغیرہ البتہ وہ معدنیات جو ٹھوس ہوں اور آگ پر پگھلائی نہیں جاتیں جیسے الماس (ہیرا) یاقوت، عقیق وغیرہ، اور وہ معدنیات جو مائع ہیں مثلاً تیل، پٹرول، تارکول وغیر، تو ان میں حکومت کے لیے کچھ بھی۔ واجب نہیں، چونکہ جواہرات (ہیرا وغیرہ) پتھر اور مٹی کے مشابہ ہیں اور تیل تارکول وغیرہ پانی کے مشابہ ہیں۔ ان میں حکومت کے لیے کوئی حصہ واجب نہیں، ہاں البتہ پارے میں حکومت کے لیے خمس واجب ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں......معدنیات میں حکومت وقت کے لیے کچھ بھی واجب نہیں۔ نہ خمس نہ کچھ اور البتہ معدنیات میں زکوٰۃ واجب ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: چوپائے کا مارا ہوا ہدر ہے کنویں میں گر کر مرنے والا ہدر ہے، کان میں دب کر مرنے والا ہدر ہے جب کہ رکاز میں خمس ہے [1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکاز میں خمس کو واجب قرار دیا ہے رکاز اہل جاہلیت کا دفینہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معدنیات میں کوئی چیز واجب قرار نہیں دی چونکہ حدیث کے الفاظ یوں ہیں المعدن جبار جبار کا معنی ہے اس میں کوئی چیز ہیں شافعیہ زکوٰۃ کے عمومی دلائل کی وجہ سے زکوٰۃ کو واجب کرتے ہیں۔ جبکہ معادن (کانیں) ان جگہوں کو کہا جاتا ہے جس سے زمین کے جواہرات، سونا، چاندی وغیرہ نکالے جاتے ہیں۔

کنز (دفینہ) کا حکم......کنز سے مراد لوگوں کا دفن کیا ہوا مال ہے برابر ہے کہ جاہلیت میں دفن کیا ہو یا اسلام میں۔ تاہم اس کی دو قسمیں ہیں:

۱......جاہلی ۲......اسلامی۔

اسلامی......وہ دفینہ جس پر کوئی ایسا نشان یا علامت ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دفینہ ظہور اسلام کے زمین میں گاڑا گیا ہے مثلاً مال پر کلمہ شہادت کندہ ہو یا کوئی آیت لکھی ہو یا کسی مسلمان خلیفہ کا نام لکھا ہوا۔

جاہلی......وہ مال جس پر ایسی کوئی علامت پائی جائی جو اس کے قبل از اسلام ہونے پر دلالت کرے مثلاً بت کی تصویر بنی ہو یا کسی جاہلی بادشاہ کا نام لکھا ہو وغیرہ۔

مشتبہ......وہ دفینہ جس پر کوئی ایسی علامت نہ ہو جس سے اس کے اسلامی یا جاہلی ہونے کا پتہ چلتا ہو چنانچہ ایسے کنز کے بارے میں متقدمین حنفیہ کی رائے ہے کہ یہ جاہلی ہے جب کہ متاخرین کی رائے ہے کہ یہ اسلامی ہے۔ اگر ایسا کنز ملے جس میں اسلامی اور جاہلی دونوں طرح کی علامتیں موجود ہوں تو وہ اسلامی ہوگا چونکہ بظاہر وہ کسی مسلمان کی ملک ہے جو ختم نہیں ہوتی۔

اسلامی کنز مالک کی ملکیت میں رہتا ہے اس کی ملکیت سے نکلتا نہیں، جس شخص کو ملے وہ اس کا مالک نہیں ہوگا۔ بلکہ دفینہ لقطہ کے حکم میں ہوگا اس کا اعلان اور تشہیر واجب ہے اگر مالک مل گیا تو اسے دے دیا جائے گا اگر مالک نہ ملے تو فقراء پر صدقہ کر دیا جائے گا فقیر کے لیے حلال ہے کہ اس سے نفع اٹھائے۔ یہ حنفیہ کی رائے ہے۔ [2]

جب کہ مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ نے پانے والے کے لیے اس سے نفع اٹھانا جائز قرار دیا ہے البتہ اگر بعد میں مالک ظاہر ہو گیا تو مال اسے سونپنا ضروری ہے اگر مال باقی نہ رہا ہو تو اس کا ضمان واجب ہے۔

---

[1] رواه الائمة الستة فى كتبهم عن ابى هريرة (النصب الراية ٢/ ٢٨٠ شرح مسلم ١١/ ٢٢٦. [2] فتح القدير ٣/ ٣٠٧ البدائع ٦/ ٢٠٢ المبسوط ١١/ ٣ الدر المختار ٣/ ٣٥١.

رہی بات جاہلی کنز کی سوائمہ مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کا خمس (پانچواں حصہ) بیت المال یعنی سرکاری خزانہ میں جمع کرنا واجب ہے۔ بقیہ چار خمس کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ چار خمس پانے والے کا حق ہے خواہ مملوکہ زمین سے پائے یا غیر مملوکہ زمین سے۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر غیر مملوکہ زمین یا وہ زمین جو احیاء کے ذریعہ مملوک ہوئی (یعنی نو آباد ہو) تو اس سے ملنے والا دفینہ پانے والے کا حق ہے اور اگر مملوکہ زمین سے ملے تو وہ اس شخص کا حق ہے جس نے سب سے پہلے اس زمین کو آباد کیا ہو اگر وہ موجود نہ ہو تو اس کے ورثہ کا حق ہے اگر ورثہ بھی معلوم نہ ہوں تو بیت المال کا حق ہے۔

چنانچہ سوریہ کے سول قانون ۸۳۰ میں کنز کے تین حصے مالک زمین کا حق ایک حصہ دریافت کنندہ کا حق اور پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہے۔

۲: **ملکیت کو منتقل کرنے والے معاملات**...... جیسے خرید و فروخت ہبہ، وصیت وغیرہ وہ اہم عقود میں جو روزمرہ زندگی میں عام الوقوع ہیں اور اقتصادی ترقی انہی معاملات کے مرہون منت ہے ان کے علاوہ ملکیت کے اسباب کا وقوع روزمرہ زندگی میں بیت قلیل ہے۔

وہ عقد جو ملکیت کے لئے سبب مباشر کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں دو اور صورتیں بھی داخل ہیں۔

اول...... وہ عقود جو جبر انعقاد پذیر ہوں اور حقیقی مالک کے نائب کی حیثیت سے صادر ہوئے ہیں جیسے ادائیگی دیون کے لیے مدیون کے اموال کو فروخت کرنا ذخیرہ اندوزی میں رکھا گیا مال فروخت کرنا چنانچہ عقد بیع کے طور پر خریدار اموال کا مالک بن جائے گا۔ ❶

دوم...... جبراً ملک کو کشید کر لینا اس کی دو صورتیں ہیں۔

شفعہ...... حنفیہ کے نزدیک شفعہ شریک یا جار ملاحق کے حق کو خریدار پر جبر کرتے ہوئے لے لینا ہے جمہور نے شفعہ کو شریک پر مقصور رکھا ہے۔

ب...... مصالح عامہ کے پیش نظر کسی چیز کی ملکیت حاصل کرنا مثلاً مسجد کی توسیع یا سڑک کی توسیع کے لئے مالک زمین سے جبراً زمین خرید لبنا یوں مالک اس قسم کی ملکیت پر تعمیرات کا حق رکھتا ہے۔

بنابریں وہ عقد جو ملکیت کا سبب بنے اس کا وجود یا تو رضامندی سے ہوگا یا جبراً ہوگا پھر یا تو صریح ہوگا جیسے مدیون کی بیع یا فرضی ہوگا جیسے شفعہ۔

۳...... خلیفہ (نیابت) خلیفہ سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کا نائب بن جائے اور منوب عنہ کے اموال کی ملکیت نائب کو منتقل جائے یا ایک چیز کسی دوسری چیز کے قائم مقام ہو جائے خلیفہ کی دو قسمیں ہیں ایک شخص کا دوسرے کا خلیفہ بننا یہ صورت میراث کی ہے۔ ایک چیز کا دوسری چیز کا خلیفہ ہونا اور یہ صورت تضمین کی ہے۔

میراث...... میراث مالک بننے کا ایک جبری سبب ہے چنانچہ وارث شریعت کے حکم سے ترکہ کا مالک بن جاتا ہے۔

تضمین...... یعنی کسی دوسرے شخص کی کوئی چیز تلف کرنے پر متلف کو ضامن بنانا تضمین ہے۔

یا مالک سے کوئی چیز غصب کر لی گئی پھر وہ ضائع ہو گئی یا گم ہو گئی اور غاصب کو اس کا ضامن قرار دیا گیا۔ اس صورت میں دیت، جنایات کا تاوان بھی داخل ہے۔

۴۔ **مملوک سے پیدا شدہ اضافہ**...... یعنی اصل مملوک چیز سے جو پیدا ہو وہ مالک اصل کی ملک ہے، چونکہ اصل کا مالک فرع کا

❶...... نیل الاوطار ۳۱۸/۵۔

مالک بھی ہوتا ہے۔ برابر ہے کہ اضافہ مالک کے فعل سے پیدا ہو یا اصل کے طبع سے پیدا ہو۔ چنانچہ اگر کسی نے زمین غصب کر لی اور اس میں فصل کاشت کی تو حاصل شدہ پیداوار جمہور کے نزدیک غاصب کا حق ہے حنابلہ کا اس میں اختلاف ہے چونکہ فصل بیج کی پیداوار ہے اور اسی کا ماحاصل ہے اور بیج غاصب کی ملکیت ہے البتہ غاصب پر زمین کا کرایہ واجب ہوگا اور کاشتکاری کی وجہ سے زمین کا جو نقصان ہوگا غاصب اس کا بھی ضامن ہوگا درختوں کے پھل، جانور کا بچہ اور بھیڑوں کی اون اصل مالک کا حق ہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں......فصل مالک زمین کا حق ہے، حنابلہ کی دلیل رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مالکان کی اجازت کے بغیر ان کی زمین میں فصل کاشت کی تو فصل میں سے اسے کچھ بھی نہیں ملے گا اور اس کے لیے فصل کا خرچ ہوگا۔ ❶

چھٹی فصل......ملکیت کی طبیعت وحقیقت

کیا ملکیت خاصہ قانون اسلام میں مطلق ہے یا مقید...... بیع (خرید وروخت) معاملات اور مالک بننے کے حقوق کا ایک منظم قانون ہے چنانچہ باہمی معاملہ کی صورت میں شریعت نے قیود کے ضمن میں کچھ اہداف مقرر کیے ہیں، بیع کو قیود یا شرائط کے ساتھ معلق کرنے کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے حقوق محفوظ رہیں، ایک کی ملکیت ناحق کسی کو منتقل نہ ہو دھوکا دہی ملاوٹ غش، غبن، ایسی جہالت جو مفضی الی النزاع ہو سے مکمل اجتناب ہو وہ طریقہ بھی معاملات میں کارفرما رہے جس سے دوسروں کے مال کو ہڑپ کرنے کی نوبت پیش آتی ہو یہ وہ عوامل ہیں جو عقد کو فاسد یا باطل کر دیتے ہیں شریعت اسلام میں یہی امر باعث حرمت ہے۔

اسی نقطہ نظر سے یہ امر اس اہمیت کا حامل ہے کہ ہم سوال کریں آیا کہ ایک شخص اپنے تصرفات اور عمل ومعاملہ کے میدان میں قیود وشرائط سے آزاد ہے یا حق ملکیت کو حاصل کرنے میں قیود وشرائط ہیں؟

تمہید...... عصر حاضر میں ساری دنیا میں دو متعارض اقتصادی نظاموں کی سیادت ہے:

ا......سرمایہ دارانہ نظام ٢......اور اشتراکی نظام۔

سرمایہ دارانہ نظام...... یہ نظام اموال میں ملکیت خاصہ کا معترف ہے خواہ اموار پیداواری ہوں یا غیر پیداواری اس نظام میں یہ شرط نہیں کہ سبھی اموال افراد کی ملکیت ہیں، بلکہ حکومت یا اس کے کسی ادارہ کے لئے جائز ہے کہ ان اموال میں سے کچھ کو اپنی ملکیتی تحویل میں لے لے، جیسا کہ یہ شرط نہیں کہ ملکیت خاصہ کا حق مطلق ہے بلکہ حق ملکیت پر منفعت عامہ کے پیش نظر بعض قیود کا عائد کرنا جائز ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد افراد کی اقتصادی آزادی پر استوار ہے اور حکومتیں افراد کی اقتصادی ترقی میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی مجاز نہیں۔

چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے سائے تلے پر محرک رو بہ سیل ہے کہ حصول زر کا اگلا درجہ کیسے ممکن الوصول ہے۔

تاہم تقسیم دولت کی حوالے سے یہ نظام غیر متوازن ہے اس کی پاداش میں معاشرہ دو طبقوں میں بٹ جاتا ہے ایک طبقہ سرمایہ داروں اجارہ داروں کا طبقہ ہے اور دوسرا مزدوروں کسانوں کا طبقہ ہے۔ اس نظام معیشت میں دولت چند افراد تک مرکوز ہو کر رہ جاتی ہے جو صنعتی اور تجارتی اجارہ دار ہوتے ہیں، یوں نتیجتاً اقتصادی استقرار کے ضمن میں سرمایہ دارانہ نظام بری طرح ناکام ہے اور عام انسانوں کی زندگی میں بہتری کا ضامن نہیں۔

---

❶......رواہ الخمسة الا النسائي وقال البخاري: هو حديث حسن

اشترا کی نظام......اس نظام کی بنیاد اس اصول پر رکھی گئی ہے کہ تمام وسائل پیداوار یعنی زمین اور کارخانے وغیرہ انفرادی ملکیت سے نکال کر حکومت کی تحویل میں دے دیئے جائیں اور انفرادی ملکیت کا سرے سے وجود ہی نہ رہے اور فرد کو اقتصادی آزادی حاصل نہ ہو۔ ہاں البتہ فرد کی ملک میں صرف اتنا مال ہو جو معاشرہ اسے عطا کر دے جس سے اس کا نظام زندگی استوار رہے۔

چنانچہ ملکیت خاصہ بالکلیہ لغو نہیں ہو جاتی اس نظام میں گھریلو ساز وسامان، نقود وغیرہ کی ملکیت کا اعتراف کیا جاتا ہے ان اموال کی ملکیت بطریقہ میراث دوسرے تک منتقل ہو سکتی ہے۔

رہی بات وسائل پیداوار کی ملکیت کی سو وہ اشترا کی ملکیت ہوگی جو حکومتی تحویل میں رہے گی بایں ہمہ وسائل پیداوار کی ملکیت خاصہ روس میں بالکلیہ لغو نہیں ہوتی۔ چنانچہ روسی قانون نے چھوٹے پیمانے پر بعض معاشی حقوق زمینداروں اور اور اہل حرفت کو سونپ رکھے ہیں کہ وہ شخصی طور پر اپنا کام جاری رکھ سکتے ہیں۔ لیکن اس میں یہ شرط رکھی گئی ہے کہ ایک حد تک ان کی ملکیت رہے اس سے آگے بڑھنے نہ پائے۔

اشترا کی نظام کا اصل مقصد یہ ہے کہ اجتماعی طور پر یکسانیت رہے اسی لیے ہر فرد کی حاجت پوری کرنے میں یہ نظام متہم رہا ہے جب کہ ایک انسان کو مادی سطح پر سہولت کی فراہمی اس نظام کا منشور ہے یہ الگ بات ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام سے جان چھڑانے کی لیے اس نظام کو متعارف کرایا گیا لیکن بارش سے بھاگا پرنالے کے نیچے کی مثل کا مصداق بنا۔

اس نظام پر نقد وتبصرہ کرنے والوں کا کہنا ہے کہ یہ نظام فرد کے طبعی مقدس حق کو کالعدم کر دیتا ہے اور وہ مقدس حق ملکیت کا حق ہے ۱۹۸۹ء میں یہ نظام روس میں اپنی ناکامی کی حد کو پہنچ گیا، اور مغربی نظام معیشت روس میں متعارف ہوا۔

اسلامی معاشی نظام......اسلامی معاشی نظام مذکورہ بالا دونوں نظاموں کے کے درمیان معتدل نظام ہے، یہ نظام بذاتہ قائم ہے کسی دوسرے نظام معیشت سے مستعار نہیں لیا گیا، یہ اجتماعی نظریئے کا حامل نظام ہے جو اسی کے ساتھ خاص ہے یہ نظام قیمت انسان کا معترف ہے جیسے معاشرتی حقوق کی پاسداری کا ضامن ہے یہ متوازن نظام معیشت ہے بلکہ یہ نظام فرد کو جماعت کے ساتھ منسلک کرتا ہے اور جماعت کو فرد کے ساتھ یہ کوئی فردی نظریہ نہیں جو سرمایہ دارانہ نظام تک لے جائے اور کوئی مجموعاتی افکار کا حاصل بھی نہیں جو کہ مارکسیت تک پہنچا دے، یہ نظام فرد کو کھلی چھٹی بھی نہیں دیتا اجتماعی یا حکومتی سطح پر ایسے اجتماعی اور معاشی روابط کا حامل ہے جو فرد اور جماعت کے درمیان قائم رہے ہیں اس کی اساس کینہ پروری اور عداوت نہیں۔

بنا بر ایں اسلامی معاشی نظام فرد کو حق تملک سے سرفراز کرتا ہے اور فرد کو انتفاع اور پیدوار کا حق عطا کرتا ہے، تادم واپسیں فرد کو اپنی ملک میں بھر پور تصرف کا حق دیتا ہے تاہم اسلامی نظام کی حدود مقرر ہیں، ان قیود کا دائرہ اتنا تنگ بھی نہیں کہ اشترا کیت بن جائے اور اتنا زیادہ وسیع بھی نہیں کہ اس کے ڈانڈے سرمایہ دارانہ نظام سے مل جائیں۔ چنانچہ اسلامی نظام معیشت سود اور ذخیرہ اندوزی سے باز رکھتا ہے اور حرام آمدنی کی راہوں کو مسدود کرتا ہے گویا اسلامی نظام معیشت میں اشترا کیت اور سرمایہ داررانہ نظامہائے معیشت کی اچھائیاں جمع ہیں۔ اور جو ان دونوں نظاموں میں بڑائیاں ہیں اسلامی نظام معیشت ان سے کنارہ کش ہے۔

یہ کہنا کسی طرح روا نہیں کہ اسلامی نظام معیشت سرمایہ دارانہ نظام ہے یا اشترا کی نظام ہے چونکہ ان دونوں نظاموں کا مفہوم واضح اور نمایاں ہے جب کہ اسلامی نظام معیشت کی اپنی خصوصیات ہیں جو معاشی زندگی میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

اسلامی ایک ایسا نظام حیات ہے بذاتہ قائم ہے یہ اپنا وجود برقرار رکھنے میں کسی نئے مذہب یا نئے نظام یا قدیم نظام کا محتاج نہیں در اصل یہ نظام زندگی اور فطرت ظاہر وباطن کے درمیان ربط ہے یوں جانبین کی کارکردگی ظہور میں آتی ہے جس سے پاک وصالح تہذہب پروان

چڑھتی ہے جس کا تعلق انسانی عقل اور روح سے پیوستہ ہے چنانچہ اسلامی فرد اور معاشرہ کے حقوق اور قواعد مقرر ہیں تاہم جب اشتراکیت میں بعض ایسے امور کی رعایت رکھی گئی ہے جو اسلام کے مقرر کردہ اجتماعی تکافل کے ہم آہنگ ہیں اس یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسلامی نظام معیشت اشتراکی مارکسی نظام ہے جبکہ دونوں کے درمیان بعد المشرقین ہے۔

اسلام کی نظر میں مال اور ملکیت کی حیثیت......حنفیہ کے نزدیک مال کا اطلاق ہر ایسی چیز پر ہوتا ہے جس کی طرف طبعاً انسان مائل ہوتا ہو اور ضرورت کے لئے اسے ذخیرہ کرنا ممکن ہو جمہور کے نزدیک ہر وہ چیز جس کی قیمت ہو اور قیمت سے اسے فروخت کیا جاتا ہو تلف کی صورت میں متلف پر اس کا ضمان لازم ہوتا ہو اگرچہ وہ چیز قلیل ہی کیوں نہ ہو عادۃً لوگ اسے پھینکتے نہ ہوں جیسے فلس پیسہ۔ یہ تعریف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ ❶

چنانچہ پہلی تعریف کے مطابق حقوق مجردہ اور منافع مال نہیں ہوں گے البتہ اجرت پر دی ہوئی چیز کی منفعت مال ہوگی دوسری تعریف کے مطابق منافع مال ہوں گے اور وراثت میں منتقل ہوں گے۔

ملک......ایسا اختصاصی اختیار ہے جو اپنے صاحب کو تصرف سونپتا ہے بشرطیکہ کوئی مانع موجود نہ ہو۔ ❷

مال حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ملک ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ......المائدہ ۵/ ۱۲۰

آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہے۔

عروہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں گواہی دیتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ملک ہے انسان اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جس شخص نے بنجر زمین آباد کر لی وہی اس کا زیادہ حقدار ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان مالک بننے میں اللہ تعالیٰ کے اوامر اور قیود کا پابند ہے جب کہ بھی لوگ مالک بننے میں برابری کا حق رکھتے ہیں زمین سے حاصل ہونے والے اموال کا مالک بننا ان کا حق ہے فردی ملکیت کا حق۔ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ مال فی ذاتہ مقصود نہیں بلکہ مال تو منافع جات سے مستفید ہونے کا وسیلہ ہے۔ ❸

بالخصوص اس امر کا تذکرہ ضروری ہے کہ تاریخ اسلام میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ مالدار سے مال چھین کر کسی فقیر محتاج کو دے دیا جائے اگرچہ محتاج فاقوں مر رہا ہو۔

بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو خرچ کرنے کی ترغیب دیتے تھے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرچ کرنے کا کسی کو حکم نہیں دیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب سے متاثر ہو کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا سارا مال لے آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا آدھا مال لے آئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک کی تیاری کا جملہ سامان فراہم کیا اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا۔

ملکیت کی قید بندی......بعض مصنفین کہتے ہیں: جب مال اللہ تعالیٰ کی ملک ہے اور سبھی لوگ اللہ کے بندے ہیں، وہ زندگی جس میں لوگ عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مال میں اسے کھپاتے ہیں وہ بھی اللہ کی دی ہوئی ہے اور اللہ کا مال ہے۔ لہٰذا یہ بات ضروری قرار پائی کہ مال سے سبھی لوگ نفع اٹھائیں اگرچہ مال کسی معین شخص کے نام کے ساتھ مربوط ہو چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

❶ ... الاشباہ والنظائر للسیوطی ۲۵۸۔ ❷ المدخل الفقهي الاستاذ الزرقاء ج ۱/ ۲۲۰۔ ❸ اشتراكية الاسلام للمرحوم الدكتور مصطفى السباعي ۷۷

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا......البقرة ٢/ ٢٩

وہی اللہ ہے جس نے تمہارے سے جو کچھ زمین میں ہے پیدا کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مال میں ایک قسم کا اجتماعی (وظیفہ فنڈ) مقرر ہے جس کا ہدف معاشرتی خوشحال ہے گویا نظریہ اسلام کے مطابق شخص ملکیت اجتماعی وظیفہ ہے۔ ❶

ہمارے استاذ شیخ محمد ابوزہرہ کی رائے یہ ہے کہ ملکیت کے وظیفہ اجتماع ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں لیکن اس کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ ملکیت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، حکام کا اس میں دخل نہیں چونکہ حکام ہمیشہ عادل نہیں رہے۔ ❷

میرے نزدیک تعبیریوں ہے کہ اسلام واضح بے غبار راستہ ہے اور یہ تاثر اشتراکت کا حربہ ہے جو اسلام کی حمات حاصل کرنا چاتا ہے یوں تملک میں انسانی فطرت جو آزاد ہے کا نقص لازم آتا ہے اور ملکیت کے اسلامی نظریہ کی حقیقت سمجھنے میں کجی واقع ہوئی ہے چنانچہ ملکیت خاصہ اسلام میں حق محفوظ ہے الا یہ کہ غیر کا حق نہ مارا جائے یا معاشرتی مصلحت کے خلاف نہ ہو چنانچہ حق ملکیت اجتماعی وظیفہ نہیں جو مالک کو جماعت کا محض مؤظف نہیں البتہ مالک اجتماعی وظیفہ کا صاحب ہے جیسے مالک فردی صفت کا حق رکھتا ہے چنانچہ اگر حق کو اجتماعی وظیفہ اعتبار کیا جائے تو صاحب حق محض تنخواہ دار ہو کر رہ جائے گا یا جماعت کا وکیل ہوگا اور مصلحت خاصہ فوت ہو جائے کی حقیقت میں یہ تاثر نوائے حق کو اکارت کرنے کی ایک ناکام کوشش ہے ملکیت کو لغو قرار دینا انسانی فطرت کے خلاف ہے اور انسانی شعور کے متقارم ہے۔

بالفاظ دیگر یوں کہیے کہ اسلام ملکیت خاصہ کے مانع نہیں اور نہ ہی اسلام ملکیت کو کھلی چھٹی دیتا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ......النساء ٤/ ٢٩

اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ ہاں البتہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو جائے۔

وَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾ الذاریات ٥١/ ١٩

تمہارے مال میں سائل اور نادار کا حق ہے۔

وَ اللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ......النحل ١٦/ ٧١

اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت بخشی ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ......المائدہ ٥/ ٥٤

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مسلمان مسلمان حرام ہے اس کی جان اس کا مال اور اس کی آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے ❸ ایک اور حدیث میں ہے تمہاری جانیں تمہارے اموال ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے یہ دن اس شہر میں اور اس مہینہ میں ❹ ایک اور حدیث ہے کسی مسلمان کا مال حلال نہیں مگر اس کی الی رضامندی سے۔ ❺

قرآن وحدیث سے ملکیت کا ثبوت...... ان آیات اور حادیث کی روشنی میں معلوم ہوا کہ افراد کی ملکیت پر تعدی اور ظلم حرام ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایک بالشت کے برابر بھی ظلما کسی کی زمین ہتھیائی اللہ تعالیٰ سات زمینوں تک طوق بنا کر

---

❶......انظر مقام الشیخ للازسر محمور شلتوت فی جریدة الجمهوریة ٢٢ دسمبر ١٩٦١ء۔ ❷ التكافل الاجتماعی فی الاسلام ٢٣۔ ❸ رواه مسلم وغيره عن ابی هريرة رضی الله عنه ❹ رواه مسلم وابوداؤد والنسائی عن جابر بن عبدالله (جمع الفوائد لابن سليمان لارودانی ١/ ٤٧٤) ❺ اخرجه الدارقطنی فی سننه (مجمع الزوائد ٤/ ١٧١ الضابر آية ٤/ ١٦١ سبل السلام ٣/ ٦٠ نيل الاوطار ٨/ ١٥٢

اس پر ڈال دیں گے۔ ❶

اسلام نے چوری، غصب، سلب، غش اور بیجا ٹکس پر سزائیں مقرر کی ہیں اور جو ملکیت ناجائز ہو حکومت وقت کا فریضہ بنتا ہے کہ اپنا اختیار استعمال کر کے اصل مالک کو ملکیت لوٹائی جائے برابر ہے کہ ملکیت منقولی ہو یا غیر منقولی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض والیوں سے ایسی ملکیتیں واپس کروائیں جو انھوں نے اپنی تحویل میں لے رکھی تھیں اور مالداری کا ذریعہ بنا رکھی تھیں چونکہ ملکیت طیبات اور مباحات کے ساتھ مقید ہے، اور وہ ملکیت جو حرام سبب مثلاً رشوت، چوری، ڈاکہ، سود یا غش ناپ تول میں کمی کرنے سے آئے تو وہ شرعی طور پر مالک بننے کا سبب صالح نہیں ہے۔

ملکیات خاصہ میں بھی حکومت دخل انداز ہو سکتی ہے تاکہ مصلحت عامہ متحقق رہے چونکہ اگر کھلی چھوڑ دی جائے گی تو عامۃ الناس کا نقصان ہونے لگے گا جیسے جاگیروں کی ملکیت میں یہ برائی عیاں ہے اسی لیے عادل حکمران کے لیے ضروری ہے کہ جب کوئی شخص ابتداء غیر آباد زمین کو آباد کرنا چاہے تو اس پر ایسی قیود کا نفاذ کر دیا جائے تاکہ وہ حد سے تجاوز نہ کر سکے اور کسی دوسرے کو میلی آنکھ سے اس کی طرف دیکھنے کی جرات نہ ہو بشرطیکہ جب اس میں عام مسلمانوں کی بہتری ہو۔ چنانچہ فقہاء نے صراحت کی ہے حاکم وقت مصلحت عامہ کے پیش نظر اباحت ملکیت سے روک سکتا ہے چنانچہ اولوالامر کی اطاعت واجب ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ ......النساء ۴/۵۹

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول اور اصحاب اختیار کی اطاعت کرو۔

اولوالامر سے مراد امراء، ولاۃ اور حکمران طبقہ ہے۔ چنانچہ ابن عباسؓ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے طبری کہتے ہیں اولوالامر سے مراد درست بات کرنے والے لوگ ہیں۔

ملکیت میں اہل اختیار کی دخل اندازی کی ایک مثال وہ ہے جو محمد باقر نے اپنے والد حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ انھوں نے فرمایا: ایک انصاری کے باغ میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے کھجوروں کے چند درخت تھے، حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ باغ میں داخل ہوئے جس سے انصاری کو اذیت پہنچی انصاری نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درختوں کے مالک سے فرمایا: یہ درخت فروخت کر دو، مالک نے انکار کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درخت کاٹ دو اس نے انکار کر دیا فرمایا: ہبہ کر دو تمہیں ان جیسے درخت جنت میں ملیں گے، مالک نے اس سے بھی انکار کر دیا اس پر آپ نے فرمایا: تم ضرر پہنچانے کے درپے ہو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: جاؤ اور اس کی کھجوروں کے درخت اکھاڑ ڈالو ❷ یہ واقعہ اس بات پر کھلی دلیل ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ملکیت کا احترام نہیں کیا جو تعدی اور ظلم کے باعث ہو دوسری حدیث ہے **لاضرر ولاضرار** ❸ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک اور حدیث روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک پڑوسی اپنے پڑوسی کو دیوار میں لکڑی رکھنے سے نہ روکے ❹ اسی لیے اسلام میں حق شفعہ کو مشروع قرار دیا گیا ہے تاکہ ضرر کا دفیعہ ہو اور مصلحت عامہ متحقق رہے۔

دوسری مثال......اس کی دوسری مثال امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں روایت کی ہے کہ ضحاک بن خلیفہ نامی ایک شخص مدینہ میں عریض نامی وادی سے پانی کی نال نکال کر اپنی زمین تک لانا چاہتا تھا اور درمیان میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی زمین پڑتی تھی، ضحاک نے اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بات کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور حکم دیا کہ اسے اپنی زمین سے

---

❶......متفق علیه (نیل الاوطار ۵/۷/۳۱۷) ❷انظر الاحکام السلطانیه لابی یعلی ۲۸۵۔ ❸رواه مالک فی الموطا قدسر غیر مرة ❹رواه مسلم ومالک واحمد وابن ماجة بل رواه الجماعة الاالنسائی۔

پانی کی نالی گزرنے دو، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اجازت نہ دی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اپنے بھائی کو ایسی چیز سے کیوں منع کرتے ہو جو اس کے لئے نفع بخش ہے حالانکہ اس میں تمہارا بھی نفع ہے تم اول وآخر اپنے کھیت کو بھی سیراب کرو گے اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں محمد بن مسلمہ نے کہا: اللہ کی قسم میں پانی نہیں گزرنے دوں گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم اسے ضرور پانی گزارنے دو اگر چہ وہ تمہارے پیٹ پر سے گزارے پھر ضحاک کو حکم دیا کہ پانی گزار کر لے جاؤ چنانچہ ضحاک نالی بنا کر پانی لے گیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرر سے روک دینا کافی نہیں بلکہ مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں ایسا نظام قائم رہنے دے جو اس کے لیے مفید ہو جب تک اس میں ضرر نہ آنے پائے۔ نظام ملکیت کو ایک قاعدہ کے ذیل میں بیان کرنا ممکن ہے الضرورات تبیح المحظورات ضرورت محظور (ممنوع) کو مباح کر دیتی ہے نیز مصلحت عامہ اور سد ذرائع کا قانون ہے کہ ایسا ذریعہ جو حقوق اللہ کے مانع ہو تسلط ظلم سرکشی، تبذیر، اسراف، فساد، جھگڑا، ذخیرہ اندوزی اموال کی بے جا نکاسی کا سبب بنے یا جس سے مصلحت امر مفلوج ہوتی ہے ہو اس سے ہر ممکن اجتناب کیا جائے اور ایسا اقدام کیا جائے جس کی پاداش میں مصلحت عامہ کو فروغ ملتا ہے۔

ملکیت کی قیود...... ملکیت کی تین قیود ہیں:

۱..... یہ کہ ملکیت اتنے دائرہ میں ہو جو ضرر کے مانع ہو۔

۲..... ہر چیز فردی ملکیت کے قابل نہیں ہوتی۔

۳..... ملکیت خاصہ پر حکومت وقت کے کچھ حقوق مقرر ہیں۔

پہلی قید: دوسروں کو ضرر نہ پہنچے...... ملکیت پر مقررہ حقوق کی بنیاد دو چیزیں ہیں۔

۱..... ملکیت سے دوسرے کو ضرر نہ پہنچے چونکہ اسلام میں ہر حق میں یہ قید ملحوظ ہے کہ اس میں دوسرے کا ضرر نہ ہو۔

۲..... اگر ملکیت میں دوسرے کا ضرر نہ ہو دوسرے کا نفع ہو۔ (1)

علماء کے نزدیک ضرر کی چار قسمیں ہیں۔ (2)

۱: **ضرر مؤکد الوقوع**...... اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص اپنی ملک میں تصرف کرنا چاہتا ہے اور اس کے استعمال حق میں دوسرے کا ضرر ہو تو اسے ضرورت روکا جائے گا چونکہ اسے تصرف سے روکنے میں ضرر خاص ہے اور ضرر عام سے بچنے کے لئے ضرر خاص کو برداشت کرنا پڑے گا اور اگر ضرر خاص افراد تک محدود ہو تو صاحب حق کا اعتبار بطریق اولی ہوگا۔

۲: **ضرر غالب الوقوع**...... اس کا حاصل یہ ہے کہ جب مالک فعل بجالائے تو اس کے فعل سے بہت زیادہ ضرر واقع ہوتا ہو، یہ صورت مذکور بالا صورت کے ساتھ ملحق ہے یعنی ضرر کا خاتمہ ضروری ہے چونکہ احکام عملیہ میں غلبہ ظن یقین کے قائم مقام ہوتا ہے۔

۳: **ضرر کثیر غیر غالب**...... اس کا حاصل یہ ہے کہ فعل پر مفسدہ اور خرابی کا ترتب فی نفسہ کثیر ہو لیکن اس کے وقوع کا غالب گمان نہ ہو۔ اس صورت میں فقہاء کا اختلاف ہے چنانچہ مالکیہ اور حنابلہ کا عمل اس فقہی قاعدہ پر ہے کہ دفع مضار جلب مصالح پر مقدم ہوتا ہے یعنی جس چیز میں ضرر بھی ہو اور نفع بھی تو اس کے ضرر سے اجتناب کیا جائے گا اور نفع کے عدم کو برداشت کیا جائے گا ضرر فعل کا احتمال ہی فعل کی ممانعت کے لئے کافی ہے حنفیہ اور شافعیہ کی یہ رائے ہے کہ دراصل فعل مشروع ہے اور محض ضرر کا احتمال متوقع ضرر کی دلیل نہیں بن سکتا لہٰذا محض ضرر کے احتمال کی وجہ سے حق ممنوع نہیں ہوگا۔

---

(1)..... التكافل الاجتماعي للاستاذ محمد ابوزهره ٢٤۔ (2) المصدر السابق ٦٣۔

۴: ضرر قلیل...... یہ کہ حق کے استعمال پر جو ضرر مرتب ہو رہا ہو وہ نادر الوقوع ہو یا وہ ضرر بنفسہ قلیل ہو چنانچہ اس کے قلیل ہونے کی وجہ سے اس کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی چونکہ دار و مدار حق ثابت کی اصل پر ہوتا ہے لہٰذا حق ثابت سے صرف اسی صورت میں عدول کیا جائے گا جب اس کے استعمال پر ضرر کثیر مرتب ہوتا ہو۔

دوسری قید: بعض حالت میں ملکیت خاصہ کی ممانعت:

ہر قسم کا مال فردی ملکیت کے قابل نہیں ہوتا...... چنانچہ مال کی تین اقسام ایسی ہیں جو فردی ملکیت کے قابل نہیں ہوتیں بلکہ وہ سرکاری ملکیت کے قابل ہوتی ہیں ❶ ان کے علاوہ بقیہ مرافق جیسے مزروعت (زرعی پیداوار) اور مصنوعات سوان کی ملکیت اور تصرف کا اختیار افراد کے پاس ہوسکتا ہے مال کی یہ تین انواع حسب ذیل ہیں:

اول...... وہ اموال جنکا نفع عمومی (قومی) ہوتا ہے جیسے مساجد، مدارس، اسکولز، سڑکیں، دریا، اوقاف وغیرھا۔ چنانچہ یہ اموال کسی فردی ملکیت نہیں ہوتے بلکہ سبھی مسلمانوں کے حقوق ان سے وابستہ ہوتے ہیں۔

دوم...... وہ اموال جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے موجود ہوں جیسے معدنیات پٹرولیم، پانی گھاس، آگ وغیرھا۔ چنانچہ ان اشیاء کو انسان نے ایجاد نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ان کو وجود ملا ہے چنانچہ معدنیات سب کی سب حکومت کی ملکیت ہوتی ہیں اور انھیں قومی مفاد میں استعمال کیا جاتا ہے، مالکیہ کے نزدیک یہی رائے راجح ہے ظاہری ٹھوس اور بہنے والی معدنیات کے متعلق حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے ظاہری معدنیات جیسے نمک، پٹرولیم، الکحل وغیرہ۔ رہی بات جامد معدنیات کی وہ زمین کی ملکیت کے ماتحت ہیں۔

حنفیہ کے ہاں اس کی تفصیل ہے جو ان کی کتب سے معلوم کی جاسکتی ہے البتہ حنفیہ کے ہاں اتنی بات مقرر ہے کہ اس قسم کے اموال میں حکومت کا ایک بڑا حصہ ہے۔ حنابلہ کی رائے ابن قدامہ حنبلی کے اس بیان سے ظاہر ہوتی ہے فی الجملہ ظاہری معدنیات جنہیں حاصل کرنے میں مشقت اور اخراجات نہ اٹھانے پڑتے ہوں اور لوگوں کو ان کے حصول کے لیے چندہ نہ جمع کرنا پڑتا ہو جیسے نمک پانی، آگ، تارکول، الکحل، یاقوت پتھر کی پنڈیاں، مٹی وغیرہ، سو زمین آباد کرنے سے ان چیزوں کا انسان مالک نہیں بنتا کسی ایک شخص کی ان اشیاء پر اجارہ داری بھی جائز نہیں چونکہ ایسا کرنے میں مسلمانوں کا ضرر ہے اور انھیں تنگی میں ڈالتا ہے۔ ❷

سوم...... وہ اموال جن کی ملکیت افراد سے حکومت کو منتقل ہوتی ہے یا حکومت کو ان اموال پر ولایت حاصل ہوتی ہے۔

(اول)...... جیسے وہ مال جو بیت المال میں جمع کر دیا جاتا ہے جیسے ضائع شدہ اموال یا وہ اموال جنکا کوئی وارث نہ ہو چونکہ بیت المال اس شخص کا وارث ہوتا ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو (دوم) جیسے زرعی خراجی زمین جو فتوحات سے مسلمانوں کو مل گئیں جیسے شام، مصر، عراق، اور فارس کی زمین یا یہ زمینیں معدنیات کی طرح حکومت کی ملکیت ہیں ان زمینوں پر قبضہ اختصاصی ہوگا جو صرف انتفاع کی حد تک معتبر ہوگا اور یہ قبضہ ملک تام کا قبضہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ جب مسلمانوں کی اکثر زمینیں خراجی ہیں تو ان کی کاشتکاری کی ملکیت مالک مطلق نہیں ہوگی۔ چنانچہ ارباب اختیار بوقت ضرورت قابضین سے واپس لے سکتے ہیں اور اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو انھیں معاوضہ بھی دے سکتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں یہ ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں زمین کے ایک ٹکڑے کی حد بندی کی تھی جو مسلمانوں کے اونٹوں کے چرنے میں کام آتی تھی ❸ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کے اس ٹکڑے کو مسلمانوں کے لئے مشاع قرار دیا تھا۔

---

❶...... انظر التكافل الاجتماعی للاستاذ ابی زهرة ۲۹۔ ❷ المغنی ۵/ ۵۲۰ (۲) رواه احمد وابن حبان عن ابن عمر وابوداؤد عن الصعب بن جثامة (جامع الاصول ۳/ ۳۳۱ مجمع الزوائد ۴/ ۱۷۱ نيل الاوطار ۵/ ۳۰۸)❸ الاموال لابی عبید ۲۹۴ الملکية الضروريه وتحديدها فی الاسلام ۱۰۸۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ربذہ اور شرف مقام کی زمینوں کی حد بندی کی تھی اس علاقہ کے رہنے والے حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ آپ نے ہماری زمینوں کی حد بندی کی (یعنی سرکاری تحویل میں لے لیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تھوڑی دیر کے لیے سر جھکا لیا پھر فرمایا: مال تو اللہ تعالیٰ کا ہے، انسان اللہ کے بندے ہیں اللہ کی قسم اگر مجھے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ساز وسامان مہیا نہ کرنا ہوتا میں ایک مربع بالشت زمین کی بھی حد بندی نہ کرتا اس اثر سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی منافع کے پیش نظر آپ رضی اللہ عنہ نے زمین سرکاری تحویل میں لی تھی اور جب مصلحت عامہ کا سوال آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے مالکان کی شکایت نہیں سنی۔ مثلاً پانی، بجلی، پٹرولیم کی کمپنیاں، بحری اور بری اڈے یہ ایسے اجتماعی منافع ہیں جن کے لئے حکومت مصلحت عامہ کے پیش نظر ملکیت خاصہ کو تحویل میں لے سکتی ہے۔

تیسری قید: افرادی ملکیت میں حکومت کے حقوق:

اموال اور افرادی ملکیات میں سرکاری حقوق ہوتے ہیں چونکہ اسلام ارتکاز دولت کو مکروہ سمجھتا ہے کہ دولت پر اژدھا بن کر بیٹھ جاؤ اور حقوق ادا نہ کرو لہٰذا اغنیاء کے مال میں ضرورتمندوں کا حصہ واجب ہے معاشرہ میں برابری برقرار رہے اور دولت گھومتی رہے۔ اسی طرح اہم امور جس سے امت کا اقبال وابستہ ہو ان کی محافظت بھی مالداروں پر واجب ہے چنانچہ مالداروں کے اموال میں یہ حقوق مختصراً ذیل میں ❶ بیان کئے گئے ہیں۔

ا۔ زکوۃ...... اسلام میں لازمی قانون ہے جو اغنیاء پر واجب ہے، حکومت کے ذمہ واجب ہے کہ وہ سرمایہ داروں سے زکوۃ کی وصولی کو یقینی بنائے حکومت جبر کا اختیار بھی رکھتی ہے چنانچہ زکوۃ حقیر صدقہ نہیں جیسا کہ بعض کالم نگاروں نے سمجھا ہے، فقیر کو زکوۃ دینا اس کی تذلیل نہیں بلکہ زکوۃ تو حق مستقیم ہے جو دیانتاً اور قانوناً واجب ہے زکوۃ اموال نامیہ (بڑھنے والے اموال) سے لی جائے گی چنانچہ ماضی میں مسلمانوں کے عرف میں اس کی چار اقسام ہیں۔

جانور...... اونٹ، گائے، بکری، جو سال کے اکثر حصہ میں چرتے رہے ہوں، جانوروں کا نقصان اور مقدار زکوۃ قرآن وسنت میں معروف ہے۔

ب: نقدین...... سونا چاندی، ان کی زکوۃ ۵ء۲ (اڑھائی) فیصد کی شرح سے ادا کرنا واجب ہے عصر حاضر میں سونا چاندی کی جگہ کا غذی کرنسی نے لے لی ہے۔

ج۔ اموال تجارت...... یعنی جو مال خرید وفروخت کے لئے رکھا ہو اس میں بھی اڑھائی فیصد کی شرح سے زکوۃ واجب ہے۔

د۔ غلہ، جانور اور پھل...... چنانچہ اگر زمین آلات کے ساتھ سیراب کی جاتی ہو تو اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) واجب ہے اور اگر آلات کے بغیر زمین سیراب کی جاتی ہو مثلاً بارانی ہو تو اس میں عشر واجب ہے۔

۲۔ ملکی دفاعی مہم...... اگر امت کی دفاع کی حاجت پیش آجائے یا جہاد فی سبیل اللہ ہو رہا ہو جب کہ سرکاری خزانے میں اتنا مال نہ ہو جو اس ضرورت کو پورا کر سکتا ہو تو سرکار پر واجب ہے کہ ضرورت پوری کرنے کے لئے لوگوں پر مناسب ٹیکس لاگو کرے چنانچہ کثیر علماء نے اس کی صراحت کی ہے جیسے امام غزالی، قرافی، شاطبی، ابن حزم، عز بن عبد السلام اور ابن عابدین۔ ❷

---

❶...... انظر اشتراكية الاسلام للساعى ١٢١ التكافل الاجتماعى فى الاسلام للاستاذ ابوزهره ٧٩. ❷ انظر اصول الفقه للمولف ٢/٦٥٧ الاعتصام ١/١٢١ الفروق ١/١٤١ المستصفى ١/٢٣١ حاشية ابن عابدين ٢/٤٢ المحلى ٦/١٥٦

۳۔ فقراء کی کفایت...... حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ طبقہ اغنیاء سے فقراء کی دادرسی کرائے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مالدار مسلمانوں پر ان کے اموال میں اتنی مقدار فرض کی ہے جس سے فقراء کی ضروری پوری ہو سکے، چنانچہ جب فقراء بھوکے ہو جاتے ہیں یا پہننے کے لیے ان کے پاس کپڑے دستیاب نہیں ہوتے تو ان کا سہارا مالدار لوگ ہی ہوتے ہیں۔ خبردار! اللہ تعالیٰ مالداروں سے سخت حساب لے گا اور (نافرمانی کی صورت میں) انھیں دردناک عذاب دے گا۔ ❶

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بھی جگہ کے رہنے والے لوگوں میں سے اگر کوئی آدمی صبح کو بھوکا اٹھے (یعنی رات کو وہ بھوکا سویا رہا) تو اس بستی میں رہنے والوں سے اللہ تعالیٰ کا ذمہ ختم ہو جاتا ہے۔ ❷

ایک اور حدیث ہے ”مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہے“ ❸ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا: کاش وہ بات جو مجھے بعد میں معلوم ہوگی اگر مجھے پہلے معلوم ہو جاتی ہے تو میں مالداروں کے زائد از حاجت اموال لے لیتا جو فقراء میں بانٹ دیتا ابن حزم نے کتاب المحلی میں لکھا ہے ہر علاقہ کے مالداروں پر فرض ہے کہ وہ اس علاقہ کے فقراء کی ضروریات کو پورا کریں اگر مالدار لوگ ادائیگی زکوۃ میں کوتاہی کریں تو حاکم وقت انھیں مجبور کر کے زکوۃ وصول کرے البتہ مسلمانوں کے بھی اموال میں حاکم وقت جبر نہیں کر سکتا چنانچہ فقراء کے لیے اتنا انتظام کرنا ضروری ہے جس سے ان کی خوراک گرمی، سردی کے کپڑوں اور سر چھپانے کے لیے مکان کا سامان ہو سکے۔ ❹

۴۔ قریبی رشتہ داروں پر خرچ کرنا...... انسان کے قریبی رشتہ دار اگر محتاج ہوں تو ان پر ان کا خرچہ واجب ہے، جن رشتہ داروں کا خرچہ واجب ہے ان میں باپ دادا اور اولاد ہے۔ رہی بات بھائیوں چچاؤں، پھوپھیوں، ماموؤں اور خالاؤں کی سو ان پر خرچ کرنے میں مذاہب کا اختلاف ہے چنانچہ حنفیہ نے ہر ذی رحم محرم جیسے چچا بھائی، بھانجا، پھوپھی، بھتیجا، ماموں کا خرچہ واجب قرار دیا ہے۔ جب کہ حنابلہ نے ہر اس قریبی رشتہ دار کا نفقہ واجب قرار دیا ہے جسے وارثت سے حصہ ملتا ہو خواہ ذی الفروض میں آتا ہو یا عصبات میں البتہ حنابلہ کے نزدیک ذوی الارحام جیسے چچا کی بیٹی، ماموں اور خالہ کا خرچہ واجب نہیں۔

۵۔ صدقۃ الفطر...... اسلام نے مالداروں پر ان کے اموال میں صدقہ فطر بھی واجب قرار دیا ہے چنانچہ ایک شخص کو اپنا، اپنی بیوی کا نابالغ اولاد اور خادم کا صدقہ فطر ادا کرنا پڑتا ہے۔

۶۔ قربانی...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر سال ایک بار قربانی کرنا واجب ہے جمہور ائمہ کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ ہے۔

۷۔ نذر اور کفالت...... جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے مال کی نذر مان لے تو اس پر واجب ہے کہ نذر پوری کرے، اسی طرح بعض گناہوں کے ارتکاب پر کفارہ بھی واجب ہوتا ہے مثلاً کفارہ یمین، کفارہ ظہار، کفارہ رمضان اور دوران حج کسی ممنوع امر کا ارتکاب۔

ان کے علاوہ بھی انفاق فی سبیل اللہ کے مختلف مواقع ہیں جیسے اوقاف، غنائم اسی سے اسلام میں تکافل اجتماعی کا معنی متحقق ہوتا ہے۔ اسلام نے کچھ اور قیود بھی عائد کی ہیں، حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ ان قیود کی کماحقہ پاسداری کی جائے۔ چنانچہ حصول معاش میں ربا، چور بازاری، سٹہ، دھونس، دھاندلی، تدلیس، جوا، اجارہ داری، اور ناپ تول سے کلی اجتناب کیا جائے۔

---

❶ رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر۔ ❷ رواہ الحاکم واحمد وفی اسنادہ اصبغ بن زید وکثیر بن مرۃ الاول مختلف فیہ والثانی قال فیہ ابن حزم انہ مجہول واخرجہ ابن ابی شیبۃ والبزار۔ ❸ رواہ الترمذی عن فاطمۃ بنت قیس۔ ❹ المحلی ۶/ ۴۵۲۔

خلاصہ...... اسلام میں ملکیت شخصیہ پر بہت ساری قیود عائد کی گئی ہیں ان میں سے کچھ قیود الزامی قانون کی حیثیت رکھتی ہیں اور کچھ اخلاقی اور دینی حیثیت کی ہیں چونکہ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے اس میں رخنہ نہیں اسلام کے قوانین مربوط اور روزہ مرہ زندگی کے ہم آہنگ ہیں حتیٰ کہ عبادات ایک دوسری سے مکمل ہوتی ہیں۔ جب ان قیود کی رعایت کی جائے گی اس کے نتیجہ میں شاندار زندگی اور اعلیٰ معاشی نظام وجود میں آئے گا واللہ الموفق۔

دوسرا باب...... ملکیت کے توابع

یہ بارہ (۱۲) فصلوں پر مشتمل ہے۔

پہلی فصل...... احکام اراضی:

وہ زمینیں جو اسلامی قبضہ میں چلی آرہی ہیں یا تو وہ مسلمانوں کو فتوحات سے حاصل ہوئی ہوں گی، یا زمانہ قدیم سے مسلمان اس میں آباد چلے آرہے ہوں گے، میں ان دونوں انواع سے درج ذیل اجمال کے تحت بحث کروں گا۔

(اول)...... ان اراضی کے احکام جن کا قبضہ فتوحات سے حاصل کیا گیا۔

(دوم)...... داخلی اراضی کے احکام۔

اول: ان زمینوں کے احکام جن کا قبضہ فتوحات سے حاصل کیا گیا:

وہ زمینیں جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں ان کی تین اقسام ہیں:

۱...... وہ زمین جو عنوۃ وقہراً مسلمانوں کی ملکیت میں آئی۔

۲...... وہ زمین جس کے اہالی (اہل کی جمع) کے عام معافی کے تحت جلاوطن کردیا گیا اور وہ زمین مسلمانوں کی ملکیت بن گئی۔

۳...... وہ زمین جس کا قبضہ صلح سے حاصل کرلیا گیا۔

۱۔ وہ اراضی جو عنوۃ فتح ہو...... مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق اراضی کی ملکیت محض اس پر غلبہ حاصل کرنے سے فاتحین کو منتقل ہوجاتی ہے یہی حنابلہ، شیعہ، امامیہ اور زیدیہ کا قول ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ فاتحین کے غلبہ کی وجہ سے محاربین کی ملکیت زائل ہوگئی اور زمین مباح کے حکم میں ہوگئی لہٰذا جو پہلے اس پر قبضہ کرے گا وہی اس کا مالک ہوگا۔

شافعیہ کے نزدیک اراضی اور منقول اشیاء کی ملکیت غلبہ پانے اور باہمی رضامندی سے آپس میں تقسیم کرنے سے حاصل ہوجاتی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اراضی کی ملکیت تبھی منتقل ہوگی جب اراضی کو دارالاسلام کے ساتھ ضم کیا جائے اور اس زمین کو دارالاسلام کا جزو قرار دیا جائے۔

وہ غیر آباد (بنجر) زمین جو عنوۃً یا صلحاً فتح ہو اس کی ملک بالاتفاق احیاء (آباد کرنے سے) حاصل ہوجاتی ہے: ❶

۱...... غلبہ پانے کے بعد مالک زمین کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

---

❶... الخرشی ۱۲۸/۳، تأسیس النظر الدبوسی ۵۷ مغنی المحتاج ۲۳۴/۴ المهذب ۲۴۱/۲ القواعد لابن رجب ۱۸۹، المغنی ۴۲۲/۸، مفتاح الكرامة ۷ ـ البحر الزخار ۲۱۵/۲ ـ الام ۱۰۳/۴ مخطوطه الروضة للنووی ۲۴۲/۲ المحلی ۲۴۱/۷۔

۲.....چنانچہ جمہور صحابہ، شافعیہ اور ظاہریہ کا یہ مذہب ہے❶ کہ اراضی کی ملکیت مالکان سے مسلمانوں کو منتقل ہو جاتی ہے جیسے مال غنیمت کی ملکیت منتقل ہو جاتی ہے اور جیسے خمس کی ملکیت منتقل ہو جاتی ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ ......الانفال ۸/۴۱

جان لو جو چیز بھی تمہیں غنیمت میں ملے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول کا حق ہے۔

مال غنیمت وہ ہوتا ہے جو اہل حرب سے عنوۃ اور غلبہ پا کر چھین لیا جائے۔

بقیہ چار حصے مجاہدین اور غازیوں کے ہوں گے، ہاں البتہ اگر غازیان و مجاہدین خوشدلی سے مال غنیمت چھوڑ یں خواہ عوض لیں یا نہ لیں تو حاکم وقت مال کو مسلمانوں کے مصالح کے لیے محکمہ اوقاف کی تحویل میں دے سکتا ہے۔

مالکیہ کا مشہور قول اور امامیہ کہتے ہیں یہ اراضی مسلمانوں کے لیے وقف ہوں گی، یعنی محض غلبہ پا لینے سے مسلمانوں کے لیے وقف ہو جائے گی امام کے حکم وقف کی ضرورت نہیں۔ یہ زمین کسی ایک خاص فرد کی ملکیت نہیں، اس کا خراج مسلمانوں کے مصالح فوجیوں کی تنخواہوں، پل و مساجد کی تعمیر وغیرہ میں صرف کیا جائے گا۔ ہاں البتہ حاکم وقت اگر کسی وقت اس زمین کو تقسیم کرنے میں مصلحت سمجھے تو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر سکتا ہے۔

حنابلہ کی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول مشہور روایت یہ ہے کہ امام اپنی رائے میں جو بہتر سمجھے۔ خواہ تقسیم کرے یا وقف کر دے، البتہ اجرت کی طرح خراج دائمی ہوگا اور زمین عشر خراجی ہوگی عشر تو پیداوار پر ہوگا اور خراج زمین کے مالکانہ حقوق پر حنفیہ اور زیدیہ یہ کہتے ہیں❷ حاکم وقت کو مکمل اختیار حاصل ہوگا، چاہے مسلمانوں کے درمیان زمین کو تقسیم کر دے جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین میں کیا۔ امام چاہے تو اصل مالکان ہی کو برقرار رکھے ان پر جزیہ مقرر کر دے اور زمینوں پر خراج مقرر کر دے۔ گویا یہ زمین خراجی ہوگی اور اس کے مالکان ذمی ہوں گے ابن عابدین کہتے ہیں: ضرورت کے وقت غازیوں کے درمیان تقسیم کر دینا بہتر ہے اور مالکان کے پاس رہنے دینا بھی اچھا ہے تا کہ مستقبل میں مسلمانوں کے کام آ سکے۔

دلائل......مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا ہے کہ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اموال غنیمت نمازیوں کے درمیان تقسیم کرنا جائز ہے۔ اس کی دلیل آیت کا عموم ہے:

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ

جان لو تمہیں جو چیز بھی غنیمت میں ملے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ رسول قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے۔ الانفال ۸/۴۱

یعنی غنیمت کا پانچواں حصہ ان لوگوں کا حق ہے جو آیت میں ذکر کئے گئے ہیں۔ اور بقیہ چار حصے غازیوں کا حق ہے ائمہ کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

سنت قولی اور فعلی میں بھی اس کی دلیل موجود ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس قریہ میں بھی تم جاؤ اور اس میں تم قیام کرو اس میں تمہارا حصہ مقرر ہے۔ اور جو قریہ بھی اللہ اور رسول کی نافرمانی کرتا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے۔ پھر وہ تمہارا حق ہے❸ حدیث میں قریہ اولیٰ سے مراد فئی یعنی غنیمت ہے اور قریہ ثانیہ سے مراد وہ مال جو عنوۃ چھینا جائے اسی سے خمس نکالا جائے گا اور بقیہ غازیوں کا حق ہے۔ حدیث کے آخری جملہ پھر وہ تمہارا حق ہے کا یہی معنی ہے۔

---

❶......الخرشی ۳/۱۲۸ المدونہ ۳/۲۷، الحطاب ۳/۲۰۶ القوانین الفقہیۃ ۱۴۸ الکافی للکلینی ۱/۲۶۲ مفتاح الکرامۃ ۴/۲۳۹، الشرح الرضوی ۳۱۰ الروضۃ البہیۃ ۱/۲۲۲. ❷المبسوط ۱۰/۱۵ دار الحکام ۱/۲۸۵ فتح القدیر ۴/۳۰۳ حاشیۃ ابن عابدین ۳/۳۱۶، البحر الزخار ۲/۴۱۲ ❸رواہ احمد ومسلم وابو داؤد رشرح مسلم ۱/۶۹ الاموال لابی عبید ۵۷

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت فعلی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین عنوۃ فتح کی جو غانمین کے درمیان تقسیم کردی اسی طرح آپ نے بنی قریظہ اور بنونضیر کے اموال بھی غازیوں کے درمیان تقسیم کردی ابن قیم نے زادالمعاد میں یہی ذکر کیا ہے۔ ❶

رہی بات مدینہ کی سووہ قرآن کے ذریعہ فتح ہوا اہل مدینہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور انھیں اپنی زمینوں پر برقرار رکھا گیا، جبکہ مکہ کی سرزمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنوۃ فتح کی اور پھر غازیوں کے درمیان تقسیم نہیں کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر مجھے آخری آدمی کے معدوم ومفلس ہونے کا خوف نہ ہوتا کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہوگا تو جو قریہ (بستی) بھی فتح ہوتا اسے میں اسی طرح تقسیم کردیتا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین خیبر و تقسیم فرمادیا تھا لیکن میں بستیوں کو میں لوگوں کے لیے بچا کر رکھتا ہوں تاکہ وہ خود تقسیم کریں ❷ حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بعض بستیوں کے متعلق یہ رائے تھی کہ ان کی زمینیں تقسیم نہ کی جائیں۔

کیا امام کے لیے تقسیم لازمی ہے یا اسے اختیار حاصل ہے:

ا شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ غانمین میں اراضی کی تقسیم واجب ہے جس طرح بقیہ اموال کی تقسیم واجب ہے۔ چونکہ قرآن وسنت کا مقتضی یہی ہے۔ چنانچہ عقار اور منقول میں کوئی فرق نہیں۔ نیز آیت غنیمت وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ...... الآیۃ کا مقتضی بھی یہی ہے۔ آیت کی رو سے تقسیم واجب ہے نیز اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بھی موجود ہے جو مجمل کے قائم مقام ہے۔ ❸

رہی بات آیت سورۂ حشر کی: مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ...... کی سووہ فئی کے متعلق ہے یعنی ان اموال کے متعلق ہے جو بغیر جنگ کے مسلمانوں کو مل جائیں۔

اگر امام غازیوں میں اراضی تقسیم نہ کرے تو ان سے اجازت ضرور لے تاکہ وہ خوش ہو کر تقسیم سے دستبرداری ظاہر کریں جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے موقع پر غازیوں کو خوش کیا اور قیدیوں کو چھوڑ دینے کے متعلق ہر ایک سے اجازت لی خیبر اور بنوقریظہ کی اراضی میں بھی ہی کیا ❹ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتح عراق کے بعد معاوضہ اور بغیر معاوضہ کے دونوں طرح سے غازیوں کو خوش کیا اور ان سے اجازت لی یوں اراضی غنیمت ہو جانے کے بعد وقف ہو جائے گی اور مصالح عامہ میں استعمال ہوگی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ کو ان کے حصہ اراضی کا معاوضہ دیا بنوبجل کی ایک خاتون کو اس کے باپ کے حصہ کا معاوضہ دیا۔ چونکہ غلبہ سے جو زمین فتح کرلی جائے اس میں غانمین کا حق ثابت ہو جاتا ہے اور امام ثابت شدہ حق کو باطل کرنے کا اختیار نہیں رکھتا جیسے منقول میں غانمین کے ثابت شدہ حق کو امام باطل نہیں کرسکتا سو جو حصہ دار دلی رضامندی سے اپنا حصہ نہ چھوڑے وہ اس کا حقدار ہے۔ ❺

(ب)...... مالکیہ کا مشہور قول اور امامیہ کا مذہب یہ ہے کہ اراضی پر محض غلبہ پا لینے سے مباح ہو جاتی ہیں یعنی غلبہ اباحت کا اثر طبعی ہے، امام کی حاجت اس میں نہیں ہے اور نہ ہی مجاہدین کی رضامندی اور خوشدلی کی ضرورت ہے۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مفتوحہ اراضی کو وقف کردیا تھا جیسے مصر، شام اور عراق۔

ج: حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں...... یہ اصول مقرر ہے کہ اراضی میں امام کو پورا اختیار حاصل ہے وہ چاہے تقسیم کردے یا وقف کردے

---

❶...... شرح مسلم ۱۲/۹۱، عینی بخاری ۵/۴۶، سنن ابی داؤد ۳/۲۱۷ زادالمعاد ۲/۸ نیل الاوطار ۸/۱۲۔ ❷ اخرجہ البخاری ۴/۸۶ یعنی یہ ممکن ہے کبھی لوگ تقسیم میں حاضر ہوں گے جو باقی بچ جائیں گے یعنی غیر حاضر ہوں گے ان کو تو کچھ بھی نہیں ملے گا لہٰذا بعد میں تقسیم کرلیں تاکہ سب کو ملے۔ ❸ بدایۃ المجتہد ۱/۳۸۸ مجمع الزوائد ۵/۳۴۰ ❹ رواہ البخاری والبیہقی وغیرھما۔ ❺ مغنی المحتاج ۳/۲۳۴ شرح المجموع ۱۰/۳۰۴۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا حق استعمال کیا اور اراضی کو حکومت اسلامیہ کے لیے وقف قرار دیا، یعنی اراضی کے مالکانہ حقوق حکومت کے پاس رہیں گے اور حقوق منفعت کاشتکاروں اور آبادکاروں کے ہوں گے۔

فریق ثانی کے دلائل......وہ فقہاء جو اس بات کے قائل ہیں کہ زمین وقف کرنے میں امام کو اختیار ہے ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

سورۃ انفال کی آیت وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ......الانفال ۸/۴۱

اور سورت حشر کی آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ......الحشر ۵۹/۶

ایک موضوع میں وارد ہوئی ہیں، البتہ آیت حشر کی سورت انفال کی آیت کی تخصیص کرتی ہے یعنی انفال کی آیت زمین اور منقول دونوں کے لئے ہے جبکہ آیت حشر نے زمین کے علاوہ غنیمت کی تخصیص کردی رہی بات زمین کی سو آیت حشر نے زمین امام کا حق قرار دیا ہے کہ امام جو بہتر سمجھے اس میں تصرف کرے یا وقف کردے یا اصل مالکان کو آباد رہنے دے اور ان پر جزیہ مقرر کردے چونکہ آیت انفال موجب تخمیس (مال کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنے کو واجب قرار دیتی) ہے جبکہ آیت حشر اموال غنیمت کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کو واجب قرار دیتی ہے اسطرح دونوں آیتوں کو جمع کرنا ممکن ہے، چنانچہ اکثر اصولیین کے نزدیک دلائل کا جمع کرنا نسخ سے اولی ہے یعنی آیت حشر آیت انفال کے لئے ناسخ ہے جیسے بعض کا قول ہے، اس سے بہتر یہ ہے کہ دونوں آیتوں کو جمع کرلیا جائے۔ ❶

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت انفال پر عمل کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیت فئ پر عمل کیا تاہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فعل رد نہیں ہوا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بیان اباحت کے لیے تھا یا وجوب کے طور پر تھا تاہم اس میں اختیار ہوگا اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وجوب کی ایک اور صورت آیت سے مستنبط کی ہے ❷ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آیت حشر تا قیامت معمول بہا رہے گی ❸ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ کی قسم ہر مسلمان کا اس مال میں حق ہے خواہ اس میں سے اسے عطا کیا جائے یا منع کیا جائے یہاں تک کہ عدن میں ایک چرواہے کا بھی اس میں حق ہے۔ ❹

بنابریں حشر کی آیت تمام مومنین کو شامل ہے، اس آیت نے آخری مسلمان کو پہلے کے ساتھ حق میں شریک کردیا ہے چنانچہ آخری مسلمان کو تبھی حصہ مل جائے گا جب اراضی مسلمان کے درمیان تقسیم نہ کی گئی ہو۔ مالکیہ کے نزدیک اراضی کے وقف کا یہی معنی ہے۔ وقف کا یہ معنی ہیں کہ اراضی کے مالکانہ حقوق ہی منتقل ہوجائیں بلکہ اس زمین کی خرید وفروخت جائز ہے جیسا کہ امت کا اس پر عمل ہے چنانچہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ اراضی میراث میں منتقل ہوتی ہے جب کہ وقف میراث ہیں منتقل نہیں ہوتا۔ ❺

۲......رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ساری بستیاں تقسیم نہیں کیں حالانکہ آپ نے عنوۃ مکہ فتح کیا ❻ مکہ میں اموال بھی تھے آپ نے اموال تقسیم نہیں کیے، آپ نے قریظہ وبنی نضیر کو بھی زیرنگوں کیا آپ نے سرزمین خیبر کے علاوہ اور کوئی زمین تقسیم نہیں کی۔ گویا امام کو اختیار حاصل ہے چاہے تو تقسیم کرے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین تقسیم کی، چاہے تو تقسیم نہ کرے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے علاوہ کی اراضی کو تقسیم نہیں کیا۔ ❼

---

❶......المقدمات المهدات لابن رشد ۱/۲۷۱۔ ❷مخطوط الدرة اليتيمة فى الغنيمة الشيخ الفزارى ۱۰۲۔ ❸رواه ابو داؤد فى سننه ۳/۱۹۵۔ ❹رواه ابن ابى شيبة والبيهقى (سنن البيهقى ۶/۳۵۱) ❺المنتقى على المؤطا ۳/۲۲۳، زادا لمعاد ۲/۶۹۔ ❻الرواية فى معناه اخرجه مسلم بداية المجتهد ۱/۳۸۸۔ ❼ القسطلانى شرح البخارى ۵/۲۰۲ زادالمعاد ۲/۶۹، الخراج لابى يوسف ۶۸ القياس لابن تيميه ۴۰

۳.....حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل پر صحابہ کا اجماع ہے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے سواد عراق کو فتح کیا تو ساری زمین مالکان کے قبضہ میں رہنے دی اور لوگوں پر جزیہ مقرر کیا اور اراضی پر خراج مقرر کیا، اس وقت صحابہ کی موجودگی میں آپ رضی اللہ عنہ نے کیا اور آپ نے آیت حشر سے استدلال کیا تھا، یہ منقول نہیں کہ آپ کے فعل کا کسی صحابی نے انکار کیا ہو گویا یہ صحابہ کا اجماع ہے، شروع شروع میں جن صحابہ نے اختلاف کیا بھی جیسے بلال رضی اللہ عنہ اور سلمان رضی اللہ عنہ تو بعد میں انھوں نے بھی موافقت ظاہر کر دی۔ ❶

۴۔ عقلی دلیل......اس کا حاصل یہ ہے کہ جب مفتوحہ اراضی کا ایک بڑا حصہ غانمین میں تقسیم کر دیا جائے تو بعد میں آنے والوں کے لیے کیا بچے گا؟ سرکاری خزانہ اپنے اخراجات کہاں سے پورے کرے گا جو مسلمانوں کے مصالح میں صرف ہوتے ہیں؟ اسی لیے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سورۃ حشر کی آیات تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس مال فئی میں ان لوگوں کو بھی تمہارا شریک بنا دیا ہے جو تمہارے بعد آئیں گے سو اگر میں اس مال کو تقسیم کر دوں تو بعد میں آنے والوں کے لیے کوئی چیز نہیں بچے گی۔ اگر میں زندہ رہا تو مقام صنعاء کا چرواہا بھی اس مال سے اپنا حصہ حاصل کرے گا درحالیکہ اس کا چہرہ خون آلود ہوگا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا: مجھے بتاؤ سرحدوں کی حفاظت کے لئے ایسے لوگوں کا ہونا ازحد ضروری ہے جو پابندی سے اپنی ڈیوٹی بجالائیں مجھے بتاؤ یہ بڑے بڑے ملک جیسے شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ اور مصران میں ہمہ وقت لشکروں کا موجود رہنا ازبس ضروری ہے، لامحالہ ان کی تنخواہوں کا انتظام بھی ضروری ہے، سو اگر میں اراضی اور اموال کو تقسیم کر دوں تو فوجیوں کے اخراجات کہاں سے آئیں گے؟ تمام صحابہ نے جواب دیا: آپ کی رائے ہی درست اور صواب ہے لہٰذا آپ جو کچھ فرما رہے ہیں یہی بہتر ہے۔ ❷

تقسیم اراضی میں ایک اور خرابی بھی ہے کہ اگر غانمین میں اراضی تقسیم کر دی جائیں تو سپاہی کھیتی باڑی میں مشغول ہو جائیں گے، جہاد چھوڑ بیٹھیں گے یوں آناً فاناً امت اسلامیہ کمزوری کے دہانے پر جا کھڑی ہوگی (جیسا آج ہم دیکھ رہے ہیں) اور بجائے خودداری کے طمع میں مبتلا ہو جائیں گے بلکہ اس سے تو معیشت عامہ فنا ہو کر رہ جائے گی۔ اگر زمین مالکان کے پاس رہنے دی جائے تو اس کے فوائد طویل ہوں گے اور مالکان کھیتی باڑی میں مشغول رہیں گے بخلاف اہل عرب کے جو کھیتی باڑی سے غیر مانوس ہیں اور شہروں میں رہنا ان کا شیوہ نہیں۔

ان دلائل کی روشنی میں یہ خلاصہ نکالا جا سکتا ہے کہ تقسیم اراضی کا اختیار امام کو حاصل ہے چاہے اراضی غانمین میں تقسیم کر دے چاہے مالکان کے پاس رہنے دے اور ان پر خراج لاگو کرے۔

راجح یہی ہے کہ غنیمت اور فئی بمعنی واحد ہیں چنانچہ ان دونوں کا معنی واحد یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو دشمن سے چھینی جائے چاہے مال ہو یا زمین، لغت بھی اسی معنی کی مقتضی ہے چنانچہ تقسیم اور عدم تقسیم میں امام کو مکمل اختیار حاصل ہوگا۔

۲۔ وہ زمین جس کے اہالی کو ڈرا دھمکا کر جلاوطن کر دیا جائے..... یہ اراضی کی دوسری قسم ہے۔ فقہاء کے ہاں یہ قسم فئی سے تعبیر کی جاتی ہے اور فئی وہ مال ہوتا ہے جو دشمن سے بغیر جنگ کے حاصل ہو جائے اور گھوڑے (ٹینک) وغیرہ دوڑانے کی نوبت نہ آئے جیسے جزیہ اور تجارتی ٹیکس۔ ❸

اس زمین کا حکم......اس زمین پر غلبہ پا لینے اور قبضہ لے لینے سے اس کی ملکیت بیت المال کو منتقل ہو جاتی ہے اور یہ سرکاری املاک میں شامل ہو جاتی ہے فقہاء اسے وقف سے تعبیر کرتے ہیں یعنی یہ زمین امت اسلامیہ کی ملکیت ہوگی، اس زمین میں جو بھی آباد ہو خواہ معاہدہ

---

❶......انظر الخراج لابی یوسف ۲۷، ۳۵ شرح السیر الکبیر ۲۵۴/۳ القسطلانی ۲۰۰/۵، الاموال ۵۸۔ ❷شرح السیر الکبیر ۲۵۴/۳ الخراج لابی یوسف ۲۴، الاموال ۵۷ فتوح البلدان ۲۷۵۔ ❸بدایۃ المجتہد ۳۸۹/۱ المہذب ۲۳۷/۲ نہایۃ المحتاج ۱۰۵/۵، احکام اہل الذمہ لابن القیم ۱۰۶

ہو یا مسلمان ہو اس سے ٹیکس (خراج) لیا جائے گا یہ زمین وقف اس لئے ہوگی چونکہ یہ غنیمت نہیں اس کا حکم فئی کا سا حکم ہوگا سبھی مسلمانوں کی ملک ہوگی ہمارے فقہاء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں البتہ شافعیہ اور حنابلہ کا ایک قول ہے کہ اگر امام مصلحت سمجھے تو وقف قرار دے راجح اس کے برخلاف قول ہے۔ ❶

منقولی فئی: فئی میں حاصل ہونے والے وہ اموال جو منقولی ہوں تو جمہور کے نزدیک وہ بھی موقوف ہوں گے اور مسلمانوں کے مصالح میں صرف کئے جائیں گے یعنی امام کو اختیار ہوگا جہاں مصلحت سمجھے وہاں صرف کردے شافعیہ کے نزدیک فئی کا خمس نکالا جائے گا جیسے غنیمت کا خمس نکالد جاتا ہے چونکہ آیت حشر مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مطلق ہے جب کہ آیت انفال وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ مقید ہے مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا تا کہ دونوں آیتیں جمع ہو جائیں اور حکم متحد رہے اور حکم متحد یہ ہے کہ حربیوں سے مال چھینا جائے اگر چہ سبب قتل اور عدم قتل مختلف ہو۔ ❷

البتہ جمہور کا مذہب راجح ہے۔ ان کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بنی نضیر کے اموال مال فئی تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر جنگ کے عطا فرمایا۔ یہ اموال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھے، آپ نے ان میں سے اپنی ازواج کو سال بھر کے اخراجات دے دیتے اور جو باقی بچتا وہ (جنگ کے) گھوڑوں اور اسلحہ کی تیاری میں صرف کرتے تھے۔ ❸

حدیث میں یہ جو آیا کہ اموال بنی نضیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھے، اس سے جمہور کے مذہب کی تائید ہوتی ہے کہ مال فئی سے خمس نہیں نکالا جائے گا جبکہ معروف یہ ہے کہ فدک اور عوالی (بنو نضیر کے مدینہ کے اموال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھے اور آپ کے بعد ائمہ (خلفاء) کے لیے تھے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ......الحشر ۵۹/۶

اور اللہ نے اپنے رسول کو ان کا جو مال بھی فئی کے طور پر دلوایا۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ......الحشر ۵۹/۷

اللہ اپنے رسول کو دوسری بستیوں سے جو مال بھی فئی کے طور پر دلا دے تو وہ اللہ کا حق ہے اور رسول کا۔

مراد یہ ہے کہ مال فئی غنیمت کی طرح تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ......الحشر ۵۹/۷

تا کہ وہ مال انہی لوگوں کے درمیان گردش کرتا نہ رہ جائے جو تم میں سے دولتمند ہیں۔

اگر امام مال فئی مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنا چاہے تو تقسیم کا کام منظم طریقہ سے انجام دینے کے لیے محکمہ حساب مقرر کرے اور مناسب طور پر ماہوار یا سالانہ وظائف مقرر کرے۔ ❹

۳۔ وہ زمین جو صلح سے فتح ہو

صلح سے فتح کی گئی زمین میں یا تو یہ طے پایا گیا ہوگا کہ زمین مسلمانوں کا حق ہوگی اور مسلمان ہی اس پر قابض ہوں گے یا یا طے پایا ہوگا

❶......فتح القدیر ۴/۳۵۳ الخراج ۲۳ الشرح الکبیر للدردیر ۲/۱۷۵ القوانین الفقہیة ۶۶ الاحکام السلطانیة للماوردی ۱۳۳ مغنی المحتاج ۳/۹۹، الشرح الکبیر للمقدسی ۱۰/۵۴۲ کشاف القناع ۳/۷۵۔ ❷زاد المعاد ۳/۲۲۰ القوانین الفقہیة ۱۴۸ مغنی المحتاج ۳/۹۳۔ ❸شرح مسلم ۱۲/۷، قال النووی: یہ بنی نضیر کے عمدہ اموال تھے۔ ❹البحر الزخار ۵/۴۴۲، المہذب ۲/۲۴۸

کہ زمین مالکان ہی کے پاس رہنے دی جائے، جیسے یمن اور حیرہ کی زمینیں۔

پہلی صورت......یعنی صلح میں یہ طے پایا ہو کہ زمین مسلمانوں کے قبضہ میں رہے گی تو اس صورت میں زمین مسلمانوں کے لیے وقف ہو جسے عنوۃً فتح کی گئی زمین، یہ زمین اسلامی ملک کہلائے گی، جیسے کسی زمین کے اہالی کو جلاوطن کر دیا جائے۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر کی سرزمین فتح کی تو اہل خیبر کے ساتھ صلح کی کہ وہی زمین آباد کریں اور انہیں پیداوار کا نصف حصہ ملے گا اور بقیہ نصف مسلمانوں کا حق ہوگا۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین نصف پھلوں اور نصف غلہ کی شرط پر بٹائی پر دی۔ ❶ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے ساتھ ان کی جلاوطنی پر صلح کی، انہیں یہ رعایت بھی دی گئی کہ اونٹوں پر اسلحہ کے علاوہ دیگر ساز وسامان لاد کر لے جاسکتے ہیں۔ ❷

اس نوعیت کی زمین پر خراج مقرر کیا جائے گا، اگر کوئی مسلمان اس زمین کو خریدے گا تو وہ بھی خراج دینے کا پابند ہوگا۔ چونکہ خراج اس زمین سے حاصل شدہ منافع کی اجرت ہے، یہ حکم فقہاء کے ہاں متفق علیہ ہے۔ ❸

دوسری صورت......یعنی زمین مالکان کے پاس ہی رہے۔ چنانچہ بموجب صلح زمین ان کی ملک ہوگی۔ اس میں فقہاء کا اتفاق ہے۔ مسلمان صلح کی جملہ شرائط کے نفاذ کے پابند ہوں گے، بشرطیکہ جب تک یہ لوگ صلح پر قائم رہیں۔ البتہ زمین کا خراج لاگو کیا جائے گا اور خراج کی مد سے حاصل ہونے والا مال سرکاری خزانہ میں جمع ہوگا۔ ❹ یہ خراج جزیہ کے حکم میں ہوگا، چنانچہ اگر اس زمین کے مالکان اسلام قبول کرلیں تو جمہور ائمہ اور شیعہ امامیہ کے نزدیک جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ ❺ اس کی دلیل وہ خط ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عمال کو لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا "جس خراجی زمین کے لوگ اسلام قبول کرلیں ان پر خراج نہیں ہوگا۔"

جبکہ حنفیہ اور شیعہ زیدیہ کے نزدیک خراج ساقط نہیں ہوگا چونکہ ان کے نزدیک خراج میں مؤنۃ اور عقوبت کا معنی پایا جاتا ہے۔ ❻

اہل صلح کے علاقہ کو دارِعہد یا دار الصلح سے تعبیر کیا جائے گا۔ یہ شافعیہ اور بعض حنابلہ کے نزدیک ہے۔ جبکہ جمہور کے نزدیک یہ علاقہ دارالاسلام سے تعبیر کیا جائے گا اور اس کے اہالی ذمی ہوں گے۔ ان سے جزیہ لیا جائے گا۔

دوم......داخلی اراضی کے احکام

یعنی کسی ملک (اسلامی) کی داخلی اراضی کے احکام کیا ہیں؟ ذیل میں اس کا تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

اراضی کی دو قسمیں ہیں۔

۱......مملوکہ زمین　　　　۲......مباح زمین

پھر مملوکہ زمین کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱......آباد　　　　۲......غیر آباد

---

❶......رواہ البخاری والبیہقی وابوداؤد وسنن البیہقی ❷ الشرح الکبیر لابن قدامہ ۱۰/۵۴۲۔ ❸ المدونہ ۳/۲۶، المنتقی ۳/۲۱۹، الخرشی ۳/۱۴۹ کشاف القناع ۲/۷۵، المحرر ۲/۱۷۹، احکام اہل الذمہ صفحہ ۱۰۶، مفتاح الکرامۃ ۴/۱۴۹ ❹ الخراج صفحہ ۶۳، تبیین الحقائق ۳/۲۷۴، حاشیۃ ابن عابدین ۳/۵۳، حاشیۃ الدسوقی ۲/۱۷۵، القوانین الفقہیۃ صفحہ ۱۴۸ الام ۴/۱۰۳ وغیرہا۔ ❺ لباب اللباب صفحہ ۷۳، سنن البیہقی ۹/۱۴۱، المحرر ۲/۱۷۹، مفتاح الکرامۃ ۴/۲۳۹۔ ❻ التلویح علی التوضیح ۲/۱۵۲، المنتزع المختار ۱/۵۷۵

مباح زمین کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱.....وہ مباح زمین جو ملکی منافع کے لیے ہو۔ جیسے لکڑیاں کاٹنے کے لیے زمین، جانوروں کے لیے چراگاہ۔

۲.....وہ زمین جو ملکی منافع کے لیے نہ ہو اور یہ غیر آباد (موات) زمین ہے جو سرکاری ملکیت سمجھی جاتی ہے۔ غالباً اسے خالصہ سرکار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

آباد زمین سے مراد وہ زمین ہے جس سے رہائش اور زراعت وغیرہ کا نفع اٹھایا جائے۔ بنجر زمین سے مراد وہ زمین ہے جس کا پانی منقطع ہو گیا ہو قابل رہائش بھی نہ ہو اس سے کوئی اور آمدنی بھی متوقع نہ ہو، عربی میں اس قسم کی زمین کو الارض الخراب، کہا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم ہر قسم کی زمین کا اجمالی حکم بیان کریں گے۔

۱.....آباد مملوکہ زمین کا یہ حکم ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر اس زمین میں کسی کو بھی تصرف کرنے کا حق نہیں۔

۲.....بنجر زمین جس کا پانی منقطع ہو چکا ہو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ زمین بدستور مالک کی ملکیت میں رہے گی، اگرچہ اس زمین کو بنجر رہتے رہتے طویل مدت گزر جائے اس زمین کی خرید وفروخت ہبہ، اجارہ سب جائز ہے، وراثت میں بھی منتقل ہوگی یہ حکم تب سے جب مالک زمین معروف ہو اور اگر مالک معروف نہ ہو تو پھر یہ زمین لقطہ کے حکم میں ہے۔

گھاس......رہی بات مملوکہ زمین میں اگی ہوئی گھاس کی سو یہ گھاس عامۃ الناس کے لئے مباح ہے کسی کی ملک نہیں۔ ہاں البتہ اگر مالک زمین کاٹ کر اسے سنبھال لے تو اس کی ملک ہوگا۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لوگ تین چیزوں میں برابر شریک ہیں پانی، گھاس اور آگ میں [1] چنانچہ اگر مالک زمین نے گھاس کاٹ کر اپنی تحویل میں لے لے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا چونکہ مالک مباح چیز پر مستولی ہو چکا اور اسے اپنے پاس محفوظ کر لیا لہٰذا اس کی ملک ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس شخص نے کسی ایسی چیز کی طرف سبقت کی جس کی صرف کوئی مسلمان بھی سبقت کر سکتا ہو تو وہ اس کا حق ہے۔ [2]

غیر مملوکہ چراگاہیں اور غیر مملوکہ جھاڑیاں اور گھنے درخت جنگلات مچھلیاں، پرندے، وغیرہ بھی گھاس کے حکم میں ہیں۔

رہی بات مملوکہ جنگلات میں لکڑیوں اور بانسوں کی سو انھیں مالک کی اجازت کے بغیر کوئی بھی نہیں کاٹ سکتا۔ چونکہ یہ مالک زمین کی ملک میں جو اس کی مملوکہ زمین میں اُگے ہیں اگرچہ مالک نے اپنے فعل سے انھیں اگایا نہیں چونکہ جنگلات کی ملکیت سے مقصود لکڑا اور پانی کی ملکیت ہوتی ہے لہٰذا جنگل کی ملکیت سے لکڑی کا بھی مالک ہوگا بخلاف گھاس کے چونکہ گھاس مقصود نہیں بلکہ مقصود تو زمین میں کھیتی باڑی ہے۔ [3]

مسئلہ......اگر مملوکہ زمین سے گھاس اگایا جائے مالک گھاس کی دیکھ بھال کرتا ہو پانی سے سیراب کرتا ہو یعنی گھاس کے اگنے میں مالک کے عمل کو دخل ہو تو وہ بالخصوص اس کی ملکیت ہوگا۔ بغیر اجازت کے اسے کوئی بھی نہیں کاٹ سکتا۔

۳۔ارض موات (بنجر، غیر آباد زمین) کا حکم۔ بنجر زمین کی دو قسمیں ہیں:

اول.....وہ زمین جو اہل علاقہ کے مصالح کے لیے استعمال کی جاتی ہو مثلاً مویشیوں کی چراگاہ، لکڑیاں چننے، مردوں کے لئے قبرستان، بچوں کے کھیل کے میدان وغیرہ کے لئے کام آتی ہو، خواہ شہر کے اندر ہو یا باہر یہ زمین اہل شہر کا حق ہے موات (بنجر) نہیں ہوگی امام کے لئے

---

[1] ......مر تخریجه غیر مرة۔ [2] رواه ابوداؤد عن سمره بن مضرس وصححه فی المختاره وقال البغوی لا اعلم بها الاسناد غیر هذاالحدیث (نیل الاوطار ۵/۳۰۲) تاہم کشمیر اور شمالی علاقہ جات میں کاٹنے سے قبل ہی گھاس کو ملک سمجھا جاتا ہے گویا مالک پہلے ہی سے استیلاء کا دعویدار ہوتا ہے اس لیے گھاس مالک کی ملک تصور ہوگا۔ [3] البدائع ۶/۱۹۲۔

جائز نہیں کہ یہ زمین کسی کو جاگیر کے طور پر دے دے چونکہ جاگیر دینے کی صورت میں اہل شہر کا ضرر ہے البتہ اس زمین سے اہل شہر اور شہر کے علاوہ دوسرے لوگ بھی نفع اٹھا سکتے ہیں اہل شہر دوسروں کو روکنے کے مجاز نہیں چونکہ یہ زمین اہل شہر کی ملکیت نہیں۔

شہر کے قریب ہونے کے لئے حد فاصل یہ مقرر کی گئی ہے کہ اس جگہ آخری مملوکہ زمین سے آواز سنائی دیتی ہو اگر آواز سنائی نہ دے تو وہ غیر آباد زمین ہے (یعنی موات کے حکم میں ہے) یہ زمین شہر میں شامل نہیں ہوگی جبکہ وہ زمین جس سے نمک، تیل اور تارکول وغیرہ نکلتا ہو وہ اموات کے حکم میں نہیں ہوگی بلکہ وہ مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت ہے یہ زمین جاگیر میں کسی کو دینا جائز نہیں بلکہ یہ مسلمانوں کا اجتماعی حق ہے۔

دوم۔ وہ زمین جو کسی بستی یا شہر کے زیر استعمال نہ ہو وہ غیر آباد زمین ہے جسے فقہاء کی اصطلاح میں موات کہا جاتا ہے۔

اموات (غیر آباد یا بنجر زمین) وہ زمین ہوتی ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو، اس سے نفع بھی اٹھایا نہ جاتا ہو، یا تو اس میں پانی کی سہولت ختم ہوگئی ہو یا پانی کا زیادہ غلبہ ہو یا ریت کے ریگ پڑے ہوں نیز یہ زمین کسی مسلمان یا ذمی کی ملکیت نہ ہو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کی مطابق بستی سے یہ زمین اتنی دور ہو کہ بستی کے کنارے پر کوئی شخص کھڑا ہو کر آواز دے تو اس زمین تک آواز نہ پہنچتی ہو۔

ظاہر الروایہ میں مذکور بالا آخری شرط کا اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ اہل شہر کا اس زمین کو اپنے استعمال میں نہ لانا ہی کافی ہے اگر چہ شہر کے قریب ہی کیوں نہ ہو حنفیہ کے نزدیک یہی قول مفتی بہ ہے اگر زمین کسی کی مملوکہ ہو تو وہ موات نہیں ہوگی اور اگر اس زمین کا مالک معروف نہ ہو تو وہ لقطہ کے حکم میں ہوگی امام اپنی رائے کے مطابق اس میں تصرف کرسکتا ہے۔

احیاء ارض..... یعنی زمین کو تعمیر، باغ، کھیتی، باڑی وغیرہ کے قابل بنانا احیاء ارض ہے اگر پتھروں یا مٹی وغیرہ کے ساتھ زمین کی حدود مقرر کر لی جائیں تو اس سے پتھر رکھنے والا مالک نہیں بنے گا چونکہ یہ احیاء ارض نہیں بلکہ حد بندی ہے ہاں البتہ آئمہ کے نزدیک بالاتفاق دوسرے کی بنسبت یہ شخص اس زمین کا زیادہ حقدار ہوگا۔ ❶

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس شخص نے کسی ایسی چیز کی طرف سبقت کی جس کی طرف کسی مسلمان سبقت نہ کی ہو تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے کہ منیٰ اونٹوں کے بٹھانے جگہ ہے اور محل اقامت ہے جو شخص اس کی طرف سبقت کرجائے اسی کا حق ہے۔ ❷

جس شخص نے پتھر لگا کر زمین کی حد بندی کر دی اور پھر تین سال تک زمین آباد نہ کی تو حاکم وقت زمین اس سے لے کر کسی اور کو دے دے چونکہ پتھر لگانا زمین کو آباد کرنا نہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ پتھروں سے حد بندی کرنے والے کے لئے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں ❸ نیز عرصہ تین سال میں ضرورت اس امر کی تھی کہ زمین کو تیار کرکے احیاء کے قابل بنایا جائے۔

احیاء موات کے لئے حاکم وقت سے اجازت لینا ضروری ہے..... اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔

ابوحنیفہ و مالکیہ...... کہتے ہیں ❹ احیاء موات کے لئے حاکم وقت یا اس کے کسی نائب سے اجازت لینا ضروری ہے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: آدمی کا حق صرف اسی چیز میں ہے جو اس کا امام اسے خوشدلی سے دے دے ❺ اگر حاکم وقت اجازت نہ دے تو گویا

❶......تکملة فتح القدير ١٣٨ البدائع ١٩٥ الدرالمختار ٣٠٧ المراجع السابقه الشرح الكبير ٧٠/٤ مغنى المحتاج ٣٦٦/٢ المغنى ٥١٨/٥ المهذب ٤٢٥/١۔ ❷رواه احمد واصحاب السنن ابوداؤد والترمذى وابن ماجه والبيهقى عن عائشةِ رضى الله عنها وقال الترمذى حديث حسن (نيل الاوطاو ٢٢/٨) ❸رواه ابويوسف فى كتاب الخراج عن سعيد بن المسيب (نصب الراية ٢٩٠/٤ الخراج لابى يوسف ٦٥) ❹البدائع ١٩٤/٦ تكملة فتح القدير ١٣٦/٨ الدرالمختار ٣٠٩/٥ الشرح الكبير للدردير ٦٩/٤۔ ❺رواه الطبرانى من حديث معاذ بن جبل وفيه ضعف (نصب الراية ٢٣٠/٣)

خوشدلی سے اس نے یہ چیز نہیں دی لہٰذا آباد کار زمین کا مالک بھی نہ ہوگا۔

صاحبین، شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: آباد کرنے سے آدمی زمین کا مالک بن جاتا ہے، اگرچہ امام نے اجازت نہ دی ہو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے جس شخص نے غیر آباد زمین آباد کی اور ظالم شخص کی کاشت کا کوئی حق نہیں۔ ❶

اس حدیث میں آباد کار کے لئے ملک ثابت کی گئی ہے اور امام کی اجازت کی شرط ذکر نہیں کی گئی، نیز مردہ زمین کو زندہ کرنا مباح فعل ہے، آباد کار جب اس پر قبضہ کرلے گا وہ اس کا مالک بن جائے گا امام کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص شکار پکڑ لے تو وہ اس کا مالک بن جاتا ہے۔

ارض موات میں کنویں اور نہر کی بھی حریم ہوگی...... جب کوئی شخص بیابان میں کنواں کھودے یا نہر کھودے جو غیر آباد زمین میں ہوتو کھدائی احیاء موات تصور ہوگی لیکن کنویں اور نہر کی حریم ہوگی یا نہیں۔

چنانچہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ کنویں اور نہر کی حریم ہوتی ہے دوسرے لوگوں کے لئے آباد کاری کے ذریعہ تجاوز کرنا جائز نہیں چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنویں کی حریم قرار دی ہے جیسا کہ آیا جاتا ہے۔

البتہ کنویں کی حریم کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ چشمے کی حریم ہر طرف سے پانچ سو ذراع (ہاتھ) ہے اس کی دلیل حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چشمہ کی حریم پانچ سو ذراع ہے اور کنویں کی حریم چالیس ذراع ہے۔ ❷

کنویں اور نہر کی حریم میں اختلاف ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ کنواں جس سے ہاتھ (ڈھول وغیرہ) کے ساتھ پانی نکالا جائے اس کی حریم چالیس ذراع ہے۔

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کنواں کھودے تو اس کے آس پاس کا چالیس ذراع کا رقبہ حریم ہوگا جو مویشیوں کے بیٹھنے کی جگہ ہوگی۔ ❸

جس کنویں سے اونٹ وغیرہ سے پانی نکالا جاتا ہو اس کی حریم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چالس ذراع ہے ان کی دلیل حدیث سابق ہے عقلی دلیل یہ ہے کہ بئر ناضح کی ضرورت چالیس ذراع سے پوری ہوجاتی ہے۔

صاحبین کے نزدیک بئر ناضح (جس کنویں سے اونٹ کے ساتھ پانی نکالا جائے) کی حریم ساٹھ ذرائع ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ بئر عطن کی حریم چالیس ذرائع ہے اور بئر ناضح کی حریم ساٹھ ذراع ہے عقلی دلیل یہ ہے کہ بسا اوقات جانوروں کو پانی پلانے کے لئے کنویں کے پاس زیادہ جگہ کی ضرورت پیش آتی ہے جو ساٹھ ذراع سے پوری ہوجاتی ہے۔

نہر کی حریم کی تحدید میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی نزدیک نہر کے عرض (چوڑائی) کے نصف کی برابر نہر کی حریم ہوگی یہی قول مفتی بہ ہے امام محمد کے نزدیک نہر کی کل چوڑائی (عرض) کے بقدر نہر کی حریم ہوگی۔ ❹

حریم کا فائدہ یہ ہے کہ جو شخص حریم کے اندر کنواں کھودنا چاہے اسے کھودنے سے روکا جائے گا چنانچہ حریم کا مالک تجاوز کردہ کنویں کو پاٹ سکتا ہے یا کھودنے والے سے ضمان لے لے پھر اسے پاٹ دے۔

---

❶......روی عن عائشة وسعيد بن زيد وجابر وعبد الله بن عمرو وفضاله بن عبيد ومروان بن الحكم وعمر وبن عوف وابن عباس وحديث عائشة رواه البخارى وغيره۔ ❷قال الزيلعى عن هذا الحديث: غريب (نصب الراية ٢٩٢/٤۔ ❸رواه ابن ماجة والطبرانى عن عبد الله بن مغفل واسناده ضعيف لان فيه اسماعيل بن اسلم رواه احمد عن ابى هريرة(نصب الراية ٢٩١/٤ سبل السلام ٨٥/٣)۔ ❹ البدائع ١٩٥/٦ تكمله فتح القدير ١٣٩/٨، الشافى ٣٠٨/٥

مالکیہ کہتے ہیں۔حریم وہ ہے جس کے متاثر ہونے سے ہر کنویں کے پانی کا نقصان ہوتا ہے مزید یہ کہ وہ کنویں جو مویشیوں کے پانی پینے یا سیرابی کے لیے ہو اس کی حریم اتنی ہو کہ آنے جانے والی کو تنگی نہ ہو۔ ❶

شافعیہ کہتے ہیں: غیر آباد زمین میں کھودے گئے کنویں کی حریم اتنی ہے کہ جتنی جگہ پر پانی نکالنے والا اونٹ بآسانی کھڑا ہو سکے اور کنویں سے بیل سہولت کے ساتھ آجا سکیں۔شافعیہ کے نزدیک نہر کی حریم وہ جگہ ہے جہاں کنویں سے مٹی، کیچڑ وغیرہ نکال کر ڈالی جاتی ہے حریم کی مقدار میں اہل بستی کے عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔ ❷

شافعیہ نے حدیث سابق سے استدلال کیا ہے کہ جس شخص نے کنویں کھودا اس کے آس پاس کی حریم چالیس ذراع ہے دوسری دلیل سعید بن المسیب کی مرسل حدیث ہے تازہ کھودے ہوئے کنویں کی حریم پچیس ۲۵ ذرائع ہے اور پرانے کنویں کی حریم پچاس ۵۰ ذراع ہے اور کھیتی باڑی میں استعمال ہونے والے کنویں کی حریم تین سو ذراع ہے۔ ❸

حنابلہ کہتے ہیں......تازہ کھودے ہوئے کنویں کی حریم پچیس ۲۵ ذراع ہے اور پرانے کنویں کی حریم پچاس ذراع ہے ان کی دلیل ابن مسیب کی مذکور بالا حدیث ہے ❹ احیاء الموات کے ذیل میں اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

دوسری فصل......احیاء الموات

زمینوں کی اصلاح اور ان میں عمارت تعمیر کرنا......خاکہ بحث اس موضوع پر کلام درج ذیل عبارت میں ہوگا۔

پہلی بحث......احیاء الموات کی تعریف، مشروعیت اور اس کی ترغیب۔

دوسری بحث......موات میں سے کونسی زمین میں احیاء کو قبول کرتی ہیں۔

تیسری بحث......احیاء کا طریقہ اور کیفیت اور روکنا۔

چوتھی بحث......شرائط۔

پانچویں بحث......اس کے احکام زمین کا مالک ہونا اور ملکیت کی مقدار یعنی حریم۔

پہلی بحث: احیاء الموات کی تعریف، مشروعیت اور اس کی ترغیب

احیاء موات کی تعریف......احیاء لغوی معنی کے اعتبار سے کسی چیز کو زندہ کرنا یعنی کسی چیز میں قوت حساسہ اور بڑھنے والی قوت پیدا کرنا اور موات وہ چیز جس میں روح نہ ہو یا ایسی زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو یا غیر آباد زمین اور مختصراً یہ کہ وہ زمین جو آباد نہ کی گئی ہو اور احیاء موات سے مراد بڑھنے والی زندگی کا سبب بننا، عمارت کر و تعمیر کرو زندگی کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور اس کے غیر آباد رہنے کو موت کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور اس کی زندگی اس کی تعمیر ہے۔

اور شرعاً احیاء: بنجر زمین کو عمارت، درخت لگا کر اور ہل وغیرہ چلا کر درست کرنا۔

اور موات: وہ زمین جس میں نہ عمارتیں اور آبادی ہو اور نہ پانی ہو نہ اس کا کوئی مالک ہو اور نہ کوئی اس سے نفع اٹھا سکے ❺ یا حنفیہ کے ہاں ایسی زمین جس پر زراعت کرنا پانی نہ ہونے کی وجہ سے متعذر رہو یا پانی اس پر بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے ناممکن ہو اور وہ کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور آبادی سے دور ہو یا وہ خاص طور پر احیاء کے لیے دیئے گئے ہوں۔ ❻

---

❶......الشرح الكبير وخاشية الدسوقى ۶۷/۴۔ ❷ المهذب ۱/۴۲۴، مغنى المحتاج ۲/۳۶۳۔ ❸ رواه ابو داؤد فى مراسيله عن الزهرى عن سعيد بن المسيب واخرجه الدارقطنى والخلا باسنادهما عن سعيد بن المسيب عن ابى هريرة (نصب الراية ۲۹۲/۴) ❹ المغنى ۵۴۰/۵۔ ❺ القوانين الفقهيص ۳۳۹۔ ❻ تبيين الحقائق ۳۴/۶

شوافع کے ہاں موات کی تعریف: جو آباد نہ ہو اور آباد زمین کی حریم ہو چاہے آبادی کے قریب ہو یا دور ہو۔

تمام تعریفوں کا مضمون وخلاصہ...... جو احیاء موات میں غالب ہے زرعی زمینوں کی اصلاح یا انہیں زراعت کے قابل بنانا زراعت سے مانع اشیاء مثلاً پتھر کانٹے وغیرہ اس سے اٹھانا اور پانی نکالنا، اور زراعت کے قابل مٹی کا اضافہ کرنا اور اسکے گرد باڑ وغیرہ لگانا اور اس میں مضبوط عمارتیں وغیرہ بنانا۔

شریعت میں احیاء مطلق وارد ہے اور جو چیز اس طرح ہو تو اس میں عرف کی طرف رجوع واجب ہے اس لیے کہ وہ شریعت کے مطلق احکام کی وضاحت کرتا ہے، جس چیز سے عرف میں احیاء حاصل ہوتا ہے وہ پانچ چیزیں ہیں: زمین کو سفید کرنا، زراعت کے لیے صاف کرنا، زمین پر باغ یا دیوار بنانا اور اس میں گہری خندق کھودنا کہ اس میں اترا ہوا شخص بنا کے بغیر معلوم نہ ہوسکے اور پانی نکالنا۔ ❶

مشروعیت...... غیر آباد زمین کو آباد کرنے کی مشروعیت سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، بہت ساری احادیث ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں: جس نے غیر آباد زمین آباد کی تو وہ اسی کی ہے ❷ جس نے غیر آباد زمین آباد کی وہ اسی کی ہے اور ظالم کا کوئی حصہ نہیں ❸ جس نے ایسی زمین آباد کی جو کسی کی نہ ہو تو وہ اس کا حقدار ہے ❹ جس زمین کی طرف کسی مسلمان نے سبقت نہ کی ہو اس کی طرف جس نے سبقت کی وہ اسی کی ہے صحابی فرماتے ہیں تو جلدی جلدی نکلنے اور زمینوں پر نشانات لگانے لگے ❺

یہ احادیث احیاء موات کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں جن کا نہ کوئی مالک ہو اور نہ کوئی ان سے نفع اٹھاتا ہو پھر اسے کسی آدمی نے سیراب کیا اس میں کھیتی باڑی کی درخت لگائے عمارت بنائی یا اس پر نشان لگا دیئے اور اسے آباد کیا عروہ فرماتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اور عام فقہاء نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ غیر آباد زمین کو جو آباد کرے وہ اس کا مالک ہے اگر چہ شرائط میں اختلاف ہے۔ نیز احادیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ شریعت نے زمین آباد کرنے کی ترغیب دی ہوئی ہے کیونکہ لوگوں کی ضرورت ہے زراعت، تعمیرات اور وہ چیز جن کی انہیں اقتصادی طور پر ضرورت ہے اور جس سے ثروت حاصل ہو۔

دوسری بحث: وہ غیر آباد زمین جو آباد کرنے کے قابل ہے...... ہر زمین آباد ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی بلکہ بعض آبادی کو قبول کرتی ہیں اور بعض نہیں اور اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ وہ زمین جس کا نہ کوئی مالک ہو اور نہ ہی اس میں آبادی اور نفع اٹھانے کے آثار ہوں اسے آباد کرنے سے وہ مالک ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ زمین جن کا کوئی مشہور مالک ہو اس نے خریدی ہو یا اسے عطیہ وغیرہ کے طور پر ملی ہو تو اس سے اس کی ملکیت منقطع نہ ہو تو کسی دوسرے کا اسے آباد کرنا جائز نہیں اس کے مالکوں کے علاوہ زمین کی باقی اقسام میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ❻

پہلی قسم...... جس زمین کا مالک بنا تھا احیاء کی وجہ سے پھر اسے چھوڑ دیا کہ اس کی آبادی کے نشانات ختم ہوئے اور وہ دوبارہ موات بن گئی تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں۔ ❼ اسے آباد کرنے والا اس کا مالک نہ ہوگا اس لیے کہ احادیث میں اس آباد کرنے کی اجازت ہے کہ وہ زمین مملوک نہ ہو نیز جتنے بھی مال ہیں انہیں چھوڑنے کی وجہ سے ملکیت ختم نہیں ہوتی، حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں: اس زمین کو دوبارہ جو آباد کرے گا وہ اس کا مالک ہو جائے گا کہ اس کا متعین مالک معلوم نہ ہو اور بستی سے دور ہو اس طور پر کہ اگر ایک شخص بلند آواز والا اس بستی کی آبادی کے کنارے پر کھڑا ہو کر خوب زور سے چیخے اور اس کی آواز اس جگہ پر سنائی نہ دے، اور امام محمد کے ہاں اگر اسلام

❶ ...... سبل السلام: ۸۲/۳۔ ❷ رواہ احمد والترمذی۔ ❸ ایضاً۔ ❹ نصب الرایۃ (۲۸۸/۴)۔ ❺ ایضاً۔ ❻ المغنی: ۵۱۳/۵۔
❼ المہذب: ۳۶۲/۲۔

میں مالک بنا ہے تو وہ موات نہیں اور اگر اس کا مالک معلوم نہ ہو تو وہ مسلمانوں کی ہے اور ظاہر روایت ہی مفتی بہ ہے کہ شہر کے فوائد ومنافع اس سے متعلق نہ ہوں۔

مالکیہ کے ہاں...... دوبارہ زندہ کرنے والا اس کا مالک بن جائے گا کیونکہ احادیث عام ہیں مثلاً جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا وہ اسی کی ہے نیز اس زمین کی اصل یہ ہے کہ یہ مباح ہے لہٰذا اگر چھوڑ دی گئی اور وہ دوبارہ موات بن گئی تو وہ مباح ہوگی۔

دوسری قسم...... وہ زمین جس میں زمانہ جاہلیت کے آثار پائے جاتے ہیں جیسے روم قوم ثمود اور اس طرح دوسرے آثار وغیرہ تو ائمہ اربعہ کے ہاں احیاء سے مالک بن جائے گا ❶ اور یہی شوافع کے ہاں اظہر ہے اس لیے کہ جاہلیت کی ملکیت کی کوئی حرمت نہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے زمین اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹ آئی اور پھر اس کے بعد وہ تمہاری ہے یعنی پرانی اور ویران زمین جو اسلام میں کسی کی ملکیت میں نہ ہو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری رائے یہ ہے کہ اسے آباد کرنے سے مالک نہیں بنے گا کیونکہ یہ موات ہے ہی نہیں۔

تیسری قسم...... وہ زمین جو زمانہ اسلام میں کسی مسلمان یا ذمی وغیرہ کی ملک میں رہی ہیں لیکن ان کا مالک معلوم نہیں تو حنفیہ، مالکیہ کے ہاں اور ایک روایت میں امام احمد کے ہاں اسے آباد کرنے سے مالک بن جائے گا کیونکہ آباد کرنے کے سلسلہ میں احادیث عام ہیں نیز اس لیے بھی کہ یہ ارض موات ہے اس میں کسی متعین قوم کا حق نہیں تو یہ اس زمین کے مشابہ ہوگئی جس پر کسی مالک کی ملکیت جاری نہیں ہوئی۔

شوافع کے ہاں: یہ ضائع شدہ مال ہے اور اس کا معاملہ حاکم کے سپرد ہے کہ وہ اس کے مالک کے معاملہ ہونے تک اس کی حفاظت کرنے یا اسے فروخت کر کے اس کی رقم کی حفاظت کرے اور بیت المال کے لیے اسے قرض لے لے یعنی ایسی زمین کو آباد کرنے والا مالک نہیں ہوگا اور حنابلہ کے ہاں صحیح یہ ہے کہ احیاء سے مالک نہیں بنے گا، ایسی زمین میں احیاء کا کوئی اثر نہیں اور یہ مال فئی ہوگا اس مال کی طرح جسے دشمن خوف کی وجہ سے چھوڑ جائے یعنی اسے عام ضروریات میں صرف کیا جائے گا۔ ❷

خلاصہ...... یہ کہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں احیاء سے مالک نہیں بنے گا حنفیہ اور مالکیہ اس کے احیاء کے جواز کے قائل ہیں۔

احیاء کے قابل زمین کے متعلق مذاہب کی آراء کی وضاحت...... مناسب معلوم ہوتا ہے ہر مذہب کی رائے کو علیحدہ بیان کرنا قابل احیاء زمین کے متعلق۔

ا۔ حنفیہ کا مذہب...... ❸ ارض موات: وہ زمین جو شہر سے دور ہو اور وہ کسی کی ملکیت میں بھی نہ ہو اور نہ کسی کا اس پر خاص حق ہو شہر میں موجود زمین بالکل موات نہیں اور اسی طرح وہ زمین جو شہر سے باہر ہے لیکن اس کا فائدہ شہر سے متعلق ہے مثلاً اہل شہر اس سے لکڑیاں لاتے ہیں ان کی چراگاہیں ہیں تو آبادی کے قریب جو زمینیں ہیں انہیں آباد (احیاء) کرنا جائز نہیں اس لیے کہ یہ آبادی کے منافع میں سے ہے اور اس کے تابع ہے اور اسے بستی والوں کی چراگاہ اور کھیتیاں کھانے کے لیے چھوڑا جائے گا کیونکہ ان کی ضرورت ثابت ہے لہٰذا یہ موات نہیں راستہ اور نہر کی طرح غیر مملوکہ زمین میں جو اہم بات ہے وہ یہ کہ اہل شہر وبستی کے فوائد اس سے متعلق نہ ہوں چاہے وہ شہر آبادی کے قریب ہو یا دور ہو یہی ظاہر روایت ہے اور ائمہ ثلاثہ کا قول بھی اور یہی حنفیہ کے ہاں مفتی بہ ہے۔

۲۔ مالکیہ کا مذہب...... ❹ ارض موات جو احیاء کے اختصاص سے خالی ہو یا وہ کسی عمارت کی حریم ہو جیسے لکڑیاں چننے کی جگہ یا اہل شہر کی چراگاہ تو جب اس کی عمارت درخت وغیرہ ختم ہو جائیں یا اس میں پانی ہو جائے تو اس سے اس شخص کی ملکیت ختم نہ ہوگی جس نے اسے قابل کاشت بنایا تھا الا یہ کہ کافی لمبا عرصہ پر بنجر پڑی رہے اور اس کے بعد کوئی اسے آباد کرے تو پھر وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ اور اس میں

---

❶ الشرح الکبیر: ۶۶/۴۔ ❷ المغنی: ۵۱۴/۵۔ ❸ البدائع: ۱۹۴/۶۔ ❹ الشرح الکبیر: ۶۶/۴۔

برابر ہے کہ وہ آبادی کے قریب ہو یا دور اتنی بات ہے کہ اسے آباد کرنے کے لیے حاکم کی اجازت ہونا اولیٰ ہے۔

۳۔ شوافع کا مذہب...... ❶ موات کی تعریف وہ زمین جو نہ آباد ہوا اور نہ آبادی کی حریم ہو چاہے آبادی کے قریب ہو یا دور یا وہ زمین جو اسلامی شہروں میں کبھی آباد نہ کی گئی ہو اور نہ بطور حریم کے اس کا کوئی مالک ہو اور حریم وہ جگہ جس کی ضرورت ہو فائدہ اٹھانے میں مثلاً گھوڑ دوڑ اونٹ ریس اور تیراندازی وغیرہ کی جگہ۔

۴۔ حنابلہ کا مذہب...... ❷ موات وہ زمین جس کا نہ تو کوئی مالک ہو، نہ اس میں پانی ہو نہ عمارت اور نہ اس سے نفع اٹھایا جاتا ہو یا وہ زمین کسی کے اختصاص اور معصوم ملک سے خالی ہو اور ملک معلوم چاہے مسلمان کی ہو یا کافر کی لیکن جو جگہ آبادی کے قریب ہو اور اس کی ضروریات مثلاً راستے، پانی گندگی ڈالنے مٹی وغیرہ ڈالنے کے لیے ہو تو اسے آباد کرنا جائز نہیں اور گاؤں کی ضروریات سے متعلق مثلاً اس کا فناء بکریاں چرانے کی جگہ لکڑیاں اکٹھے کرنے کی جگہ راستے پانی وغیرہ کی ضرورت ہو قریب اور بعید ہونے کی تحدید عرف سے ہوگی خلاصہ کہ یہ کہ تمام مذاہب اصل کے اعتبار سے قریب قریب ہیں اور شرائط کے اعتبار سے مختلف ہیں۔

تیسری بحث: آباد کرنے کی کیفیت اور طریقہ

غیر آباد زمین کو آباد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کھیتی باڑی کی اس میں لوگوں کی عادت کے موافق صلاحیت پیدا کر دینا جیسا کہ شوافع نے لکھا ہے لیکن اس موضوع پر مذاہب کی آراء ہیں۔

حنفیہ کے ہاں...... ❸ موات کو عمارت بنا کر درخت لگا کر ہل چلا کر یا دیوار بنا کر یا نہر کھود کر یا بیج ڈال کر نہریں کھود کر سیراب کر کے یا نشانات لگا کر یا اس سے پانی روک کر اس کی درستگی کی جائے تو یہ احیاء ہے۔ امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر آباد کرنے والے نے صرف نہر کھودی اور زمین کو سیراب نہ کیا یا اس کے برعکس کیا تو اس کا یہ کام تحجیر ہوگا احیاء نہ ہوگا۔

مالکیہ کے ہاں...... ❹ آباد کرنے عمارت بنا کر درخت لگا کر کھیتی باڑی کر کے ہل چلا کر اور اس میں پانی چلا کر ہوگا یعنی سات چیزوں میں سے ایک چیز۔

پہلی..... کنویں یا چشمہ کے ذریعہ پانی جاری کرنے سے مالک ہو جائے اور اسی طرح جس زمین میں کھیتی باڑی کر دے۔

دوسری..... زمین سے پانی نکالے کہ وہ پانی سے بھری ہوئی تھی۔

تیسری..... عمارت تعمیر کرنا۔

چوتھی..... درخت لگانا۔

پانچویں..... ہل وغیرہ چلانا۔

چھٹی..... درخت قبضہ کی نیت سے کاٹنا۔

ساتویں..... پتھر وغیرہ توڑ کر زمین برابر کرنا۔

شوافع کے ہاں...... ❺ وہ آباد کرنے جس سے مالک بن جائے یہ غرض کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتا ہے اور اس میں عرف کو دیکھا جائے گا کیونکہ عرف عام طور پر عادت کی تمثیل کرتا ہے اس لیے کہ شریعت سے اسے مطلق رکھا ہے اور لغت میں اس کی کوئی تعریف نہیں لہٰذا عرف کی طرف رجوع ہوگا۔ جیسے مبیع اور موہوب کے قبضہ میں اور چوری میں حفاظت کی کے لئے عرف کی طرف رجوع ہوتا ہے اور عرف ہر چیز میں اس کی حیثیت کے اعتبار سے ہوتا ہے پس مقصود حاصل کرنے کا ضابطہ ہے پر اگر غیر آباد جگہ کو رہائش بنانا چاہتا ہے تو اس میں یہ شرط ہے

❶ مغنی المحتاج ۳۶۱/۴ ❷ المغنی ۵۱۳/۵ ❸ تبیین الحقائق ۳۶/۶ ❹ الشرح الصغیر ۹۳/۴ ❺ المهذب ۴۲۴/۱

کہ اس جگہ کو اینٹوں پتھروں یا بانس وغیرہ کے ذریعہ متعین کر لے اس جگہ کے عرف کے اعتبار سے اور معتمد یہ ہے کہ صرف نشانات لگا دینا عمارت بنائے بغیر کافی نہیں بلکہ عمارت بنانا ضروری ہے اور کچھ حصہ پر رہائش کے لیے چھت ڈالنا بھی شرط ہے اور دروازہ لگانا اس لیے کہ عمارت میں عرف یہی ہے کہ ان کے دروازے ہوتے ہیں لہٰذا زمین رہائش کے اہل ان چیزوں کے بغیر نہیں ہوتی یعنی عمارت بنانا چھت ڈالنا اور دروازہ لگانا اگر آباد کرنے کا مقصد جانوروں وغیرہ کے لیے جگہ بنانا ہے جیسے پھل اور غلہ کے لیے محفوظ مکان وغیرہ تو عرف کے اعتبار سے صرف عمارت کا نشان لگانا کافی ہے اس پر چھت بنانا شرط نہیں اس لیے کہ چھت نہ ہونے کا عرف ہے اور دروازہ لگانا ضروری ہے عمارت کے ساتھ ساتھ اگر احیاء موات کا مقصد زراعت کرنا ہے تو پر اس کے گرد مٹی جمع کرنا زمین برابر کرنا چھوٹی نالیاں نکال کر پانی لانا یا کنواں اور قنات وغیرہ کھودنا جبکہ عام بارش کافی نہ ہوتی ہو اور عملی طور پر کھیتی باڑی کرنا شرط نہیں جیسا کہ گھر میں رہائش اختیار کرنا شرط نہیں اگر آباد کرنے کا مقصد باغ بنانا ہے تو زمین کے گرد مٹی جمع کرنا زراعت کی طرح شرط ہے اور نشانات لگانا جیسا کہ عملی طور پر عرف ہو اور پانی مہیا کرنا اور کچھ درخت لانا بھی شرط ہے یہ احیاء نشانات لگانے زمین برابر کرنے پانی جاری کرنے اور درخت لگانے سے ہوگا۔

حنابلہ کے ہاں ❶ احیاء ارض...... اس طرح کہ اس کے گرد مضبوط دیوار لگا دے چاہے اس کا ارادہ عمارت بنانے کا ہو یا زراعت کا بکریوں کے لیے باڑے کا ہو لکڑیاں اکٹھی کرنے وغیرہ کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے زمین پر دیوار لگا دی تو وہ اسی کی ہے ❷ اس لیے کہ دیوار مضبوط پردہ اور رکاوٹ ہے لہٰذا یہ احیاء ہوگا۔

اور دیوار ہی کی طرح ہے کہ اگر زمین میں کھیتی باڑی پانی کے بغیر نہ ہو سکتی ہو تو وہ پانی نہر یا کنویں کے ذریعہ اس میں جاری کر دے یا اس میں کنواں کھود دے جس سے پانی بہتا ہو لیکن اگر پانی نہ نکلتا ہو تو پھر یہ تحجیر کرنے والا ہے جو آبادی شروع کرے گا اور حائط ہی کی طرح ہے کہ اس میں درخت لگا دے یا جس زمین میں زراعت ممکن نہ ہو اس سے دوسروں کو روک دے خلاصہ یہ کہ احیاء یا تو مضبوط دیوار کے ذریعہ یا پانی جاری کرنے اور درخت لگانے کے ذریعہ ہوگا۔ صرف کھیتی باڑی کرنے اور ہل چلانے سے آباد نہیں ہوگی اس لیے کہ اس سے بقاء مراد نہیں ہوتی برخلاف درختوں کے جیسا کہ جس زمین کو آباد کرنا چاہتا ہے اس کے گرد خندق کھودنے سے احیاء نہیں کہلاتی۔

کیا پتھر رکھنے سے حیاء اور آبادی ہوگی...... تحجیر اور تحویط یہ کہ زمین کے ارد گرد پتھر کانٹے وغیرہ لگا کر رکھنا فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس سے زمین آباد نہیں ہوگی لیکن اس طرح کرنے والا اس کا زیادہ مستحق ہے۔ حنفیہ کے ہاں ❸ اگر کسی شخص نے زمین کے ارد گرد پتھر رکھے تو وہ صرف اس سے اس کا مالک نہیں ہوگا اس لیے کہ صحیح قول کے مطابق یہ احیاء نہیں اس لیے کہ احیاء یہ ہے کہ اسے زراعت کے قابل بنانے اور تحجیر تو علامت ہے اور حجر سے مشتق ہے اور یہ لوگوں کو پتھر کی علامت رکھ کر روکنا ہے یا اس میں موجود گھاس کانٹے وغیرہ کاٹنا اور انہیں زمین کے ارد گرد رکھنا یا اس میں موجود کانٹوں وغیرہ کو جلانا اور یہ ساری چیز مفید ملک نہیں لہٰذا زمین مباح ہمارے گی ہاں پتھر وغیرہ رکھنے والا اس کا زیادہ مستحق ہے دوسروں سے اس سے تین سال تک وہ زمین نہیں لی جائے گی اگر اس مدت میں بھی اس نے اسے آباد نہ کیا تو حاکم اس سے لے کر کسی دوسرے کو دے دے گا اور تین سال مدت مقرر کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے ماخوذ ہے کہ پتھر رکھنے والے کا تین سال کے بعد کوئی حق نہیں۔ ❹

لیکن یہ حکم دیانۃً ہے اور قضاءً یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے نے تین سال گذرنے سے پہلے اس کو قابل کاشت بنا دیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا کیونکہ اس کی طرف سے سبب ملک متحقق ہو گیا ہے۔ مالکیہ کے ہاں ❺ احیاء پتھر وغیرہ رکھنے اس کا گھاس چرانے بکریوں کے لیے کنواں

❶.....المغنی ۵/۵۳۸۔ ❷ابوداؤد۔ ❸الدر المختار ۵/۳۰۷۔ ❹نصب الرایۃ ۴/۲۹۰۔ ❺الشرح الکبیر ۴/۷۰ المہذب ۱/۴۲۵۔

کھودنے یا اس سے پانی پلانے سے حاصل نہیں ہوگا۔ الا یہ کہ کنواں کھودتے وقت اپنی ملکیت کی وضاحت کرے اگر ایسا کر دیا تو یہ احیاء ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❶ اگر اس نے موات کے گرد پتھر لگا کر اُسے آباد کرنا شروع کیا لیکن مکمل نہ کیا یا زمین پر پتھر وغیرہ کے ذریعہ علامات لگائیں یا لکڑیاں اس میں گاڑ دیں یا کانٹے وغیرلگا دیے یا چھوٹی دیوار لگا دی تو وہ اس کا مالک نہیں ہوگا اس لیے کہ ملکیت احیاء سے حاصل ہوگی اور یہ احیاء نہیں لیکن دوسرے لوگوں سے یہ زیادہ اس کا مستحق ہوگا ابوداؤد کی حدیث کی وجہ سے کہ جس نے اس کی طرف دوسرے کسی مسلمان سے سبقت کی تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ اگر کسی دوسرے نے اسے آباد کر دیا تو وہ اس کا مالک ہوگا اگر متحجر کا احیاء مکمل نہ ہوا اور عرفا مدت لمبی ہوگئی مثلاً تین سال تو اس سے کہا جائے گا یا تو اسے آباد کر کے مالک بن جاؤ یا پھر اسے چھوڑ دو آباد کرنے والے کے لیے اس لیے کہ یہ لوگوں کے مشترک حق میں تنگی ڈالنا ہے کہ وہ آباد کرنے پر قادر نہیں اگر پتھر رکھنے والے نے کسی عذر کی بنا پر مہلت مانگی تو اسے دو ماہ یا تین ماہ یا اس سے کم مہلت دی جائے گی جو حاکم مناسب سمجھے لیکن اگر اسے کوئی عذر نہ ہو تو اسے مہلت نہ دے۔ شوافع اور حنابلہ، حنفیہ کی طرح ہیں۔

چوتھی بحث: احیاء کی شرائط..... یہاں آباد کرنے والے کے لیے آباد کی جانے والی زمین کے لیے اور احیاء کو جاری کرنے کے لیے شرائط ہیں۔

پہلا مقصد: آباد کرنے والے کے لیے شرائط..... محی وہ ہے جو آباد کرے اور ملکیت واختصاص کے اسباب اختیار کرے اور ہر وہ جو مال کا مالک بن سکتا ہے اس کے لیے احیاء جائز ہے اس لیے کہ شکار کی طرح ہے ملکیت کا فعل ہے۔ جمہور (حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ) کے ہاں آباد کرنے والے کا مسلمان ہونا شرط نہیں۔ احیاء کے اعتبار سے مسلمان اور ذمی میں کوئی فرق نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عام ہے جس نے غیر آباد زمین کو آباد کیا تو وہ اسی کی ہے نیز اس لیے بھی کہ احیاء اسباب ملک میں سے ملکیت کا ایک سبب ہے اس میں مسلمان اور ذمی مشترک ہیں جیسا کہ تمام اسباب ملکیت میں ہوتا ہے۔

شوافع کے ہاں..... آباد کرنے والے کا مسلمان ہونا شرط ہے اور ذمی ارض موات کا مالک نہ ہوگا اگر چہ امام نے اسے اجازت بھی دی ہو اس لیے کہ احیاء استعلاء ہے اور دار الاسلام میں ان کا استعلاء ممتنع ہے۔

اگر ذمی نے زمین آباد کی تو اس سے چھین لی جائے گی اور اسے کسی قسم کی اجرت نہیں دینا پڑے گی اور اگر اس سے کسی مسلمان نے لے لی اور سے آباد کیا تو وہ اس کا مالک ہوگا اگر چہ امام نے اجازت نہ بھی دے اس لیے کہ ذمی کے فعل کا کوئی اثر نہیں۔

دوسرا مقصد: آباد کی جانے والی زمین کی شرائط..... اس زمین کی ملکیت اس کے فوائد اور جگہ کے اعتبار سے کچھ شرطیں ہیں

۱۔ کہ وہ زمین کسی کی ملکیت نہ ہو نہ مسلمان کی نہ ذمی کی اور اس میں کسی کا کوئی اختصاص نہ ہو اور یہی معنی ہے فقہاء کے قول کاان تکون الارض عادیا کہ پرانی ویران ہو کہ اسلام میں اس کا کوئی مالک نہ ہو گویا کہ قوم عاد کے عہد سے یہ زمین خراب اور ویران ہے اور یہ شرط فقہ کے اعتبار سے متفق علیہ ہے۔ ❷

۲۔ اہل شہر کے فوائد کے لیے استعمال نہ ہو چاہے قریب ہو یا دور جیسے لکڑیاں اور چراگاہ، اور قصہ گوئی کی مجلس گھڑ دوڑ اور اونٹ دوڑ اور تیر اندازی کنویں کا حریم سڑکیں اور راستے وغیرہ کے لیے استعمال نہ ہو اور یہ مذاہب میں متفق علیہ ہے۔

۳۔ شوافع کے ہاں زمین اسلامی شہروں میں ہو اگر دار الحرب میں ہو تو مسلمان اسے آباد کر سکتا ہے اگر اس سے مسلمانوں کو روکا نہ جاتا ہو اگر وہ اس سے روکیں یا مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیں تو پھر غلبہ کے ذریعہ مسلمان اس کا مالک نہ ہوگا ❸ جمہور کے ہاں دار الحرب اور دار الاسلام میں کوئی فرق نہیں کیونکہ احادیث عام ہیں اور نیز اس لیے بھی کہ دار الحرب کو آباد کرنے والا غلبہ کی وجہ سے مالک بن جاتا ہے، جیسے کہ ان کے

---

❶ الشرح الکبیر ۷۰/۴ المهذب ۴۲۵/۱۔ ❷ الدر المختار: ۶۳/۵۔ ❸ مغنی المحتاج ۳۶۲/۴

سارے مالوں پر۔❶

تیسرا مقصد: احیاء کی شرائط جس سے ملکیت ثابت ہوتی ہے...... جس احیاء سے ملکیت ثابت ہوتی ہے اس میں دو شرطیں ہیں بعض کے ہاں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں...... ❷ احیاء امام اور حاکم کی اجازت سے ہو۔ دلیل حدیث ہے آدمی کے لیے اس کے امام کی اجازت کے بغیر جائز نہیں جب اس نے اجازت نہ دی تو اس کا نفس اس پر خوش نہیں نیز اس لیے بھی کہ یہ زمینیں کافروں کے قبضہ میں تھیں پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں تو یہ فئی ہیں اور امام فئی کی تقسیم کے ساتھ خاص ہے جیسے غنیمت اور قاتل کا اما ل سلب کر دینا نبی علیہ السلام کے ارشاد من قتل قتیلا فله سلبه کی وجہ سے اور آپ علیہ السلام کا یہ تصرف من حیث الامت اور سیاست ہے نہ کہ بطور شرع اور نبوت۔

مالکیہ کے ہاں...... اگر زمین آبادی کے قریب ہو تو حاکم کی اجازت کی ضرورت ہے اور اگر دور ہو تو ضرورت نہیں اور اس میں بھی اجازت صرف مسلمان کے لیے ہوگی اور ذمی کے لیے احیاء قریبہ میں اجازت نہیں اور ذمی کے لیے جزیرۃ العرب مکہ ومدینہ اور جو جزیرۃ العرب میں داخل جگہیں ہیں وہاں پر احیاء جائز نہیں۔

صاحبین شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... جس نے مردہ زمین زندہ کی تو وہ اس کا مالک ہے اگرچہ امام اور حاکم نے اپنے اجازت نہ بھی دی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت پر اکتفاء کرتے ہوئے جس نے مردہ زمین کو آباد کیا وہ اسی کی ہے اور یہ حکم بطور شرع اور نبوت ہے نیز یہ کہ یہ مال مباح ہے جیسے لکڑیاں چننا اور شکار کرنا اس کی طرح آباد کرنے والے سبقت کی ہے اور اس کی تائید بخاری شریف میں موجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جس نے آبادی زمین جو کسی کی نہ ہو تو وہ اس کا حقدار ہے اس سے ظاہر ہے کہ حاکم اجازت شرط نہیں لیکن اجازت لینا مستحب ہے۔

۲ حنفیہ کے ہاں تحجیر کی حالت میں شرط یہ ہے کہ وہ اسے زیادہ سے زیادہ تین سالوں میں آباد کرلے اگر ان میں اس نے آباد نہ کیا تو حاکم اس سے لے کر کسی دوسرے کو دے دے اس لیے کہ ابتداء کرنا اور کام شروع کرنا اس کی تعمیر کو چاہتا ہے اور اس سے نفع مسلمانوں کو عشر یا خراج کی صورت میں حاصل ہوگا پس جب مقصود حاصل نہ ہوا تو پھر اس کے قبضہ میں چھوڑنے کا کوئی فائدہ نہیں اور تین سال کی مدت مقرر کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ماخوذ ہے کہ پتھر اور باڑ لگانے کا تین سال کے بعد کوئی حق نہیں۔ نیز یہ مدت معقول بھی ہے زمین کی اصلاح ودرستگی اور اس کی تدبیر کے لیے لیکن یہ حکم بطور دیانت ہے اور قضاء اگر کسی نے اس مدت کے گذرنے سے پہلے کسی اور نے اسے آباد کر دیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا نہ کہ پہلا۔ شوافع اور حنابلہ کا مذہب حنفیہ کے مذہب کے قریب ہے۔

پانچویں بحث: احیاء موات کے احکام

زمین آباد کرنے پر اس کا مالک بننا عشر وخراج مقرر ہونا، حریم معہود کا مالک نہ ہونا اور حریم موات کا مالک ہونا وغیرہ احکام مرتب ہوتے ہیں۔

پہلا مقصد: آباد کی جانے والی زمین کا مالک ہونا...... کیا احیاء الموات کی وجہ سے حق انتفاع کا مالک ہو جاتا ہے یا زمین کا مالک ہوتا ہے مطلقاً جو حق تصرف استعمال اور حق انتفاع کا مالک ہوتا ہے۔ فقیہی ابو القاسم احمد بلخی رحمہ اللہ نے فرمایا احیاء موات سے صرف نفع اٹھانے کا حق حاصل ہوتا ہے ملکیت کا نہیں مباح جگہ پر بیٹھنے والے پر قیاس کرتے ہوئے کہ اس کو فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے جب وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تو اس کا حق باطل ہو گیا اور عام فقہاء کے ہاں احیاء سے مطلق ملکیت کا حق ثابت ہوتا ہے حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہ جس نے مردہ زمین آباد کی تو وہ اسی کی ہے اس میں لام تملیک کے ذریعہ آباد کرنے والے کا حق ثابت کیا ہے، اور چھوڑنے سے اس

❶ المغنی ۵/ ۵۱۵۔ ❷ البدائع ٦/ ١٩٤۔

کی ملکیت ختم نہیں ہوتی یہی تعین حق ہے آباد کرنے والے کے لیے اسی بناء پر حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ اگر آباد کرنے والے نے آباد کرنے کے بعد اسے چھوڑ دیا اور کسی اور نے اس میں زراعت کی تو پہلا اس کا زیادہ حقدار ہے اصح قول کے مطابق۔

دوسرا مقصد: آباد کی جانے والی زمین کا وظیفہ..... آباد کی جانے والی زمین میں دوسرا حق حکومت کا ہے لیکن اس زمین پر واجب عشر ہے یا خراج؟ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: اگر مسلمان نے اسے آباد کیا اور وہ زمین اگر عشری زمینوں میں سے ہو تو اس میں عشر واجب ہے اور اگر خراجی زمینوں میں سے ہے تو اس میں خراج واجب ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: اگر اسے عشری پانی سے سیراب کیا یعنی بارش اور بڑی نہر کے پانی سے تو وہ عشری زمین ہے اور جسے خراجی پانی سے سیراب کیا جیسے ایسی نہر سے اسے سیراب کیا جسے غیر مسلموں نے کھودا ہو تو وہ خراجی ہے اسی رائے کو صاحب ہدایہ نے لیا ہے۔

عشری زمین کی پانچ قسمیں ہیں:

۱.....عرب کی زمین۔

۲.....ہر وہ زمین جس کی بسنے والوں نے خوش دلی سے اسلام قبول کیا ہو۔

۳.....وہ زمین جو زبردستی لی گئی ہو جنگ وغیرہ کر کے اور غانمین میں تقسیم کر دی گئی ہو۔

۴.....مسلمان جب اپنے گھر کو باغ وغیرہ بنا دے۔

۵.....مسلمان جب حاکم کی اجازت سے مردہ زمین کو آباد کرے تو یہ بھی عشری زمین کے تابع شمار ہوگی یا اسے عشری پانی سے سیراب کیا گیا ہو۔ اور عشری پانی، بارش کا پانی اور عشری زمینوں کو لگنے والا پانی۔

خراجی زمینیں

۱.....عراق کے تمام دیہات، اور ہر وہ زمین جو جنگ کر کے فتح کی گئی ہو اور اس کے رہنے والوں کے قبضہ میں چھوڑ دی جائے اور حاکم ان پر احسان کرے اور اگر وہ اسلام نہ لائیں تو ان پر جزیہ مقرر کر دیا جائے اور خراج چاہے وہ اسلام لائیں یا نہ لائیں حنفیہ کے ہاں یہ حکم ہے۔

۲..... اسی طرح اگر حاکم نے انہیں جلاوطن کر دیا اور ان کی جگہ دوسروں کو آباد کیا۔

۳.....مسلمان یا ذمی موات کو آباد کریں اور اسے خراجی پانی سے سیراب کریں اور ذمی جب اپنے گھر کو باغ بنا دے۔ حنابلہ کے ہاں جس نے جنگ کے ذریعہ فتح کی ہوئی زمین کو آباد کیا تو اس پر خراج نہیں جیسے مصر اور عراق کی زمینیں۔ البتہ اگر انہیں ذمی نے آباد کیا تو پھر مطلقاً خراجی ہیں بالاتفاق۔

تیسرا مقصد: آباد کرنے والے اور حریم کی قید..... حریم وہ ہے جس کی ضرورت ہو مکمل نفع اٹھانے کے لیے معمور سے یا عامر کے لئے جس کی ضرورت ہو جیسے کنویں کی حریم گھر کا صحن، راستہ، پانی کا راستہ بستی ودیہات کے منافع مثلاً اجتماع کی مجلس لکڑیاں چننے کی جگہ چراگاہ، گھڑ دوڑ، اونٹ بٹھانے کی جگہ، راکھ وغیرہ ڈالنے کی جگہ۔ تمام فقہاء کے ہاں بالاتفاق حریم پہلے بنانا اور غیر آباد جگہ کو بعد میں آباد کرنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ حریم آبادی کے تابع ہے یہ مالک نہ ہوگا اس لیے کہ اگر ہم اسے جائز قرار دے دیں تو پھر ہم آبادی والوں کی ملکیت کو باطل کرنے والے ہوں گے۔ اسی طرح جائز نہیں بستیوں کے درمیان کی جگہوں کو آباد کرنا مثلاً راستے شارع عام اور بازاروں میں بیٹھنے کی جگہوں کو اس لیے کہ مذکورہ اشیاء موات نہیں بلکہ آبادی میں سے ہیں نیز اس لیے بھی کہ اگر ہم اس کی ملکیت جائز قرار دیں تو پھر ہم لوگوں کے املاک اور راستوں میں تنگی پیدا کرنے والے ہوں گے۔ خلاصہ یہ کہ مملوکہ چیز کا احیاء جائز نہیں اور ایک اور اعتبار سے آباد کرنے والے کے لیے ایک

اضافی ملکیت ہے جسے شریعت نے برقرار رکھا ہے اور وہ زمین کی حریم ہے جسے اس نے آباد کیا ہے پس اسے آباد کرنے کی وجہ سے جو منافع ضروری ہیں مثلاً گھر کا صحن پانی کا راستہ، کنویں کا حریم وغیرہ بنانے کی اجازت ہے۔ اور وہ دوسروں کو اس سے روک سکتا ہے حریم کے متعلق اس کی اصل مشروعیت اور حقدار کے بارے میں بات ہوگی۔

حریم کی مشروعیت......حریم کی مشروعیت میں اصل یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنویں کے لیے حریم قرار دی اور چشمے کے لیے بالا جماع حریم ہے اس لیے کہ آپ علیہ السلام نے ہر زمین کے لیے حریم رکھا ہے۔

حریم کی مقدار......فقہاء کے نزدیک مقدار حریم قریب قریب ہیں۔

حنفیہ کے ہاں...... جاری چشمے کی حریم: اصح یہ ہے کہ چشمے کی حریم پانچ سو ذراع ہے ہر جانب سے اور ذراع چھ قبضے کا ہے اور ہر قبضہ چار انگل کا ہوتا ہے اور ذراع کہنی سے انگلیوں تک ہے۔ زھری کا قول ہے چشمہ کا حریم پانچ سو ذراع ہیں ہر جانب سے اسی بنا پر حریم والے کے علاوہ کو اس کی مسافت میں کنواں وغیرہ کھودنے سے منع کیا جائے گا اس لیے کہ یہ اس کی ملکیت ہے اور وہ تعدی کرنے والے اور کنواں کھودنے والے کو ضامن بنائے۔

۲۔ کنویں کی حریم...... کنویں کی حریم کنویں کے اردگرد اونٹ بٹھانے اور ہاتھ سے پانی نکالنے اور اونٹ کے ذریعہ پانی نکالنے کے اعتبار سے مختلف ہے۔ بئر عطن یعنی اوپر بٹھانے کے اعتبار سے کنویں کی حریم ہر جانب سے چالیس ذراع ہیں بالاتفاق حنفیہ کے ہاں جیسا کہ اس پر بعض احادیث دلالت کرتی ہیں لیکن ہیں غریب امام زیلعی نے اسی طرح فرمایا ہے۔

اور بئر ناضح کی حریم بھی چالیس ذراع ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اور صاحبین کے ہاں ساٹھ ذراع ہیں صحیح یہ ہے کہ اس کی حریم ہر جانب سے بقدر ضروری ہے۔

۳۔ قناۃ کی حریم...... یعنی زمین کے نتیجے پانی چلنے کی جگہ نالی اس کی حریم کی لیے کوئی مقدار مقرر نہیں کہ اس کو منضبط کیا جاسکے پس اس کی حریم مٹی وغیرہ ڈالنے کی بقدر ہے اور امام محمد سے روایت ہے کہ قناۃ بھی کنویں کی طرح ہے حریم کے اعتبار سے اور بھی کئی آراء ہیں اور ان میں سے میرے نزدیک۔ اولیٰ یہ ہے کہ اس کی حریم حاکم کی رائے پر ہے اس لیے کہ شریعت میں اس کی کوئی تصریح نہیں۔

۴۔ نہر کی حریم...... اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ کے ہاں: غیر کی ملکیت میں نہر کی کوئی حریم نہیں۔

صاحبینؒ کے ہاں: دونوں جانب سے اس کے لیے حریم ہے اس لیے کہ حریم کا استحقاق حاجت وضرورت کی وجہ سے ہے، اور نہر والا اس کا محتاج ہے جس طرح چشمے اور کنویں والا اس لیے کہ وہ نہر کی دونوں جانب چلنے کا محتاج ہے جیسا کہ کھدائی کے وقت مٹی ڈالنے کی جگہ کا محتاج ہے پھر صاحبین کا اس کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نہر کا نصف بطن ہر جانب ہے یعنی نصف نہر۔ اور امام محمد کے ہاں ہر جانب سے نہر کا پورا بطن یعنی پورا عرض حنفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ مٹی وغیرہ ڈالنے کے لیے جتنی ضرورت ہے اتنی حریم نہر کے لیے ہے۔ جب کہ وہ ارض موات میں اسے جاری کرے اور اسی بناء پر اگر کسی دوسرے کی زمین میں نہر ہو تو امام ابوحنیفہ کے ہاں اس کی حریم نہیں جب کہ وہ صرف دعویٰ کر رہا ہو کہ اس کی نہر ہے اس لیے کہ ظاہراً اس کی گواہی نہیں دے رہا، زمین والے کا ساتھ دے رہا ہے اس لیے کہ یہ اس کی زمین کی جنس میں سے ہے اور بات اس کی معتبر ہوگی ظاہر ہے جس کی گواہی دے رہا ہو الا یہ کہ وہ اس پر گواہ پیش کردے اس لیے کہ یہ خلاف ظاہر کو ثابت کرنے کے لیے ہیں۔

صاحبینؒ کے ہاں اس کے لیے چلنے کا راستہ اور مٹی ڈالنے کی جگہ ہے اس لیے کہ نہر کے لیے یہ ضروری ہے گویا ظاہر اس کے ساتھ ہے۔

ثمرۂ اختلاف...... درخت لگانے کی ولایت زمین والے کو ہے امام صاحب کے ہاں اور صاحبین کے ہاں نہر والے کو ہے۔ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حریم نہر والے کے لیے ہے جب کہ زیادہ نہ ہو۔

۵۔ **درخت کی حریم**...... جو درخت ارض موات میں لگائے جاتے ہیں ان کی حریم ہر جانب سے پانچ ذراع ہیں کہ غیر اس کی حریم میں درخت نہیں لگا سکتا، اس لیے کہ وہ پھل توڑنے کے لیے حریم کا محتاج ہے اور اس میں پھل رکھنے کے لیے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کی حریم پانچ ذراع مقرر کی ہے۔ ❶

مالکیہ کے ہاں: حریم کی مقدار یہ ہے...... کنویں کی حریم زمین سے متصل جگہ اور یہ کنویں کے بڑے یا چھوٹے ہونے کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے اسی طرح زمین کی سختی اور نرمی کے اعتبار سے اور یہ زمین کے باطن کو بھی شامل ہے دوسرا اس کا حقدار نہیں کہ وہ ایسا کنواں کھودے جو اس کے پانی کو ختم کردے یا اور اسے لے جائے یا اس کو تبدیل کردے نجاست وغیرہ پہنچا کر جیسا کہ ظاہری زمین کو بھی شامل ہے عمارت اور درخت کے اعتبار اور گھر کی حریم اس کے داخل ہونے اور نکلنے کے اعتبار سے اور ان کے رہنے والوں کی مٹی ڈالنے اور پرنالہ وغیرہ کے لیے۔

فدان کی حریم...... اس کے کنارے، نکلنے اور داخل ہونے کی جگہ ہے۔ (فدان یعنی قصبہ)

گاؤں کی حریم...... لکڑیاں چننے اور چراہ گاہ کی جگہ ہے۔

درخت کی حریم...... جس میں عرفاً مصلحت ہو پس درخت والا منع کرسکتا ہے اسے جو اس کے قریب کوئی کام کرنا چاہے جس سے اسے نقصان ہو مثلاً عمارت بنانا درخت لگانا، کنواں کھودنا وغیرہ۔

شوافع کے ہاں...... حریم کی مقدار میں عرف کو دیکھا جائے اس لیے کہ منصوص احکام میں بھی عرف وعادت کا لحاظ ہے اور حریم جیسا کہ گذر انفع اٹھانے کے لیے جتنی جگہ کی ضرورت ہے اگرچہ اصل نفع اس کے بغیر ہی حاصل ہوسکتا ہو۔ چنانچہ آباد ہونے والے گاؤں کی حریم قصہ گوئی کی مجلس کی جگہ گھوڑے باندھنے کا اصطبل، اونٹ بٹھانے کی جگہ اور راکھ کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ اسی طرح بکریاں چرانے کی جگہ پانی کا راستہ اور بچوں کے کھیلنے کی جگہ۔

موات میں کھودے ہوئے کنویں کی حریم...... پانی نکالنے کے لیے کھڑے ہونے والے کی جگہ حوض، تالاب، جو ہڑ اور جانوروں وآدمیوں کو پلانے کے لیے جگہ ہے۔

پانی پینے والے کنویں کی حریم...... پانی پینے کی جگہ ہے۔

نہر کی حریم...... مٹی وغیرہ ڈالنے کی جگہ عرف کے اعتبار سے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث کی وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو کنواں کھودے تو اس کے لیے چالیس ذراع اس کے اردگرد ہیں اس کی بکریوں کے لیے۔

گھر کی حریم...... راکھ ڈالنے کی جگہ کوڑا کرکٹ اور برف پھینکنے کی جگہ اور دروازہ کی طرف سے گذرنے کی جگہ۔

قنات کے کنواں کی حریم...... اتنی جگہ کہ اگر اس میں دوسرا کنویں کھودا جائے تو اس کا پانی ختم ہوجائے یا پانی ختم ہونے کا خوف ہو اور وہ گھر جو دوسرے گھر کے ساتھ بنائے جاتے ہیں ان کی کوئی حریم نہیں اور ہر ایک اپنی ملکیت میں تصرف کرے اگر کسی نے تعدی کی تو وہ ضامن ہوگا۔ حرم مکی کے موات کا احیاء بھی جائز ہے جیسا کہ اس کا آباد کرنے والا اس کی خرید وفروخت کا مالک ہے۔ عرفات، مزدلفہ اور منی کا نہیں ان کا احیاء جائز نہیں کیونکہ عرفات کے ساتھ وقوف کا تعلق ہے اور شعائر حج کی ادائیگی اس اور دوسری جگہوں کے ساتھ اور عام حقوق کی طرح جس

---

❶...... ابو داؤد۔

ضرح راستہ،صحرا میں عیدگاہ،اور پانی کی جگہیں۔

حنابلہ کا مذہب: پرانا کنواں...... کہ جس کا پانی ختم ہوگیا ہو پھر دوبارہ اسے کھودا اس کی تعمیر کی یا اس کا پانی منقطع کردیا تو آباد کرنے والا اس کا اور اس کی حریم کا مالک ہوگا اور اس کی حریم پچاس ذراع ہے ہر جانب سے اور نیا کنواں اس کی حریم پرانے کنویں کا نصف یعنی پچیس ذراع ہے ہر جانب سے اور اس پر دلیل وہ روایت ہے جو ابوعبید رضی اللہ عنہ نے اموال میں سعید بن میسب سے نقل کی ہے کہ پرانے کنویں میں سنت حریم پچاس ذراع ہیں اور نئے کنویں میں پچیس ذراع اور کھیتی کے کنویں کی حریم تین سو ذراع ہیں۔ چشمہ اور قنات کی حریم پانچ سو ذراع ہیں یعنی ہاتھ، اطلاق کے وقت یہی ذہن میں آتے ہیں اور نہر کی حریم جس کی نہر محتاج ہے مثلاً مٹی ڈالنے کی جگہ اور جس کے مالک بننے سے اس کے مالک کو نقصان ہو اگرچہ زیادہ جگہ کیوں نہ ہو اسی طرح اس میں داخل ہونے کی جگہ۔

درخت کی حریم...... اس کی ٹہنیوں کی لمبائی کی مقدار۔

کھجور کی حریم...... اس کی چھال کی مقدار۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی روایت دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاس کھجور کی حریم کا جھگڑا پیش ہوا تو آپ نے اس کی ٹہنیوں میں سے ایک ٹہنی کا حکم دیا اس سے ناپا گیا تو وہ سات یا پانچ ذراع نکلی اسی کے ساتھ آپ نے فیصلہ فرمایا: زرعی زمین کی حریم اتنی مقدار ہے جتنی کی سیراب کرنے جانور باندھنے، کانٹے ڈالنے اور پانی اگر اضافی ہو اس کو چھوڑنے وغیرہ کی جگہ۔ اس لیے کہ یہ تمام مذکورہ چیزیں اس کے منافع میں سے ہیں۔

گھر کی حریم...... مٹی کوڑا کرکٹ، برف، پانی، پرنالہ اور دروازہ سے گذرنے کی جگہ ہے اس لیے کہ یہ ساری وہ چیزیں ہیں جن کا فائدہ اس کے رہائشی اٹھاتے ہیں اور خوف سے بنائے ہوئے گھر میں جو غیر کی ملکیت میں ہو کوئی حریم نہیں کسی جانب سے بھی اس لیے کہ حریم تو فائدہ اٹھانے کے لیے ہے اور غیر کی ملکیت سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا اس لیے کہ اس کا مالک اس کا زیادہ حقدار ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنی ملکیت میں تصرف کرے اور عادت کی اعتبار سے اس سے نفع اٹھائے اگر کسی نے عادت سے تعدی کی تو اسے منع کیا جائے گا تعدی سے اسی بناء پر اگر کسی نے اپنی زمین میں کنواں کھودا اور اس نے پڑوسی کے کنویں کے پانی کو خشک کردیا تو اس کنویں کے پانی کو روکنا واجب ہے حنابلہ کے ہاں اور حنفیہ کے ہاں اس پر کچھ نہیں اس لیے کہ زمین کے نیچے موجود پانی کسی کی ملکیت نہیں اور اس کی جملہ میں تصریح ہے۔ (م ۱۲۸۸)

تیسری فصل...... معدنیات، حمیٰ اقطاع کے احکام:

اس میں دو بحثیں ہیں۔ پہلی۔ حمی، دوسری اقطاع اور یہ معدنیات کے احکام کو متضمن ہے۔

پہلی بحث: حمی...... اس کا معنی، اس کی اصل، مشروعیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا امام جو حمی بنادے۔

پہلی بات: حمیٰ کی اصلیت اور معنی...... جاہلیت میں عرب کے رئیس جب کسی سرزمین میں ٹھہرتے تو کتے کو بلند جگہ پر چڑھا کر بھونکاتے تو جہاں تک ہر جانب سے اس کی آواز پہنچتی تو وہ اسے اپنے لیے بطور حمی (چراگاہ) رکھ لیتا اس میں کوئی دوسرا جانور نہیں چرا سکتا تھا، ہاں وہ دوسروں کے ساتھ چرا سکتا تھا اور شرعاً یہ جائز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں لوگوں پر تنگی ہے اور انہیں ایسی چیز سے روکنا ہے جس میں ان کا حق انتفاع ہے۔ حمی محمی کے معنی میں مصدر ہے اور اس سے اسم مفعول مراد ہے۔ یا اس سے حمایت

اور تحجیر مراد ہے اور شرعاً اس کا معنی ہے کہ حاکم اور امام ارض موات میں اپنے لیے چراگاہ خاص کرلے اور لوگوں کو اس میں موجود گھاس وغیرہ چرانے سے منع کردے ان کے علاوہ وہ اس کے ساتھ خاص مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر نہ کہ اپنے لیے مالکیہ نے شرعی حمی کی تعریف یوں کی ہے کہ حاکم ایک خاص جگہ کو غیر کی حاجت کے لیے حمی بنالے۔

دوسری بات......اس کی مشروعیت: کسی ایک کے لیے بھی جائز نہیں کہ موات کو حمی بنالے تاکہ احیاء موات سے وہ مانع ہو اور اس میں موجود گھاس وغیرہ چرانے سے۔ صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور اس کے رسول کے علاوہ کسی کی لیے حمی نہیں۔ ❶

تمام مذاہب میں بالاتفاق اور شوافع کے ہاں بھی امام اور حاکم کے لیے جائز ہے کہ وہ مجاہدین کے گھوڑوں اور جزیہ کی بکریوں اور صدقہ کی اونٹوں اور کمزور بکریوں کے لیے حمی مقرر کرے، دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے گھوڑوں کے لیے (مدینہ سے بیس فرسخ) دور نقیع میں حمی بنائی ❷ اور اس کی تائید عبداللہ بن زبیر والی روایت بھی کرتی ہے کہ اہل نجد میں سے ایک اعرابی (دیہاتی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی اے امیر المومنین ہم اپنے شہروں کے لیے زمانہ جاہلیت میں قتل وقتال کرتے تھے، اور اسلام میں ہم نے امن کیا کیا ہمارے لیے اس میں حمی ہے؟ تو عمر رضی اللہ عنہ نے گردن مبارک اوپر اٹھائی اور اپنی مونچھوں کو تاؤ دینے لگے اور آپ کو جب کوئی چیز ناپسند ہوتی تو اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا کرتے تھے جب اعرابی نے اس حالت کو دیکھا تو دوبارہ گویا ہوا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مال تو اللہ کا مال ہے اور بندے اللہ کے بندے ہیں اگر ہمارے پاس جہاد کے لیے گھوڑے نہ ہوتے تو میں زمین میں ایک بالشت بھی حمی نہ بناتا۔ ❸

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھ تک خبر پہنچی ہے کہ آپ ہر سال چالیس گھوڑے حمی میں رکھتے تھے۔ اور امام بخاری نے فرمایا ہم تک خبر پہنچی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نقیع کو حمی بنایا اور عمر رضی اللہ عنہ نے شرف اور ربذہ کے مقام کو حمی بنایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اسلم سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام ھنیا کو حمی کا رکھوالا بنایا اور اس سے کہا اے ھنی! مسلمانوں کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ اور مظلوم کی بددعا سے بچو اس لیے کہ مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے اور اس میں تیس اونٹ اور چالیس بکروں کو داخل کرو اور ابن عوف اور ابن عفان کے اونٹوں سے اس کو بچاؤ اس لیے کہ اگر ان کے اونٹ مرگئے تو یہ کھجور کھیتی کی طرف متوجہ ہوجائیں گے (کیونکہ امیر ہیں) حریمہ اور غنیمہ والوں کی اگر بکریاں مرگئیں تو وہ گواہ لے کر آئیں گے اور کہیں گے: اے امیر المؤمنین! ہم انہیں چھوڑ دیں پانی اور گھاس سونے اور چاندی سے مجھ پر آسان ہے اور اللہ کی قسم وہ سمجھتے ہیں کہ میں نے ان پر ظلم کیا وہ ان کے شہر ہیں جاہلیت میں ان پر لڑتے تھے اور اسلام میں وہ ان پر اسلام لے آئے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر وہ مال نہ ہوتا جس پر ہم جہاد میں سوار ہوتے ہیں تو میں ان کے شہروں میں کبھی بھی حمی نہ بناتا ❹ ابن قدامہ نے فرمایا ❺ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اس لیے کہ جو چیز مسلمانوں کے مصالح کے لیے ہو تو اس میں حاکم وائمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہوتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے اللہ تعالیٰ نے جو لقمہ اپنے نبی کو کھلایا تو اس میں سے بعد والوں کے لیے بھی لقمہ رکھا۔ رواہ احمد

مالکیہ نے شرعی حمی کی چار شرطوں کے ساتھ اجازت دی ہے۔

۱......لوگوں کو اس کی ضرورت ہو اگر ضرورت نہ ہو تو حمی بنانا جائز نہیں۔

۲......حمی تھوڑی ہو گو زیادہ نہ ہو تھوڑی وہ جس سے لوگوں کو تنگی نہ ہو اور زیادہ وہ جس سے لوگوں کو تنگی ہو۔

۳......حمی خالی جگہ پر ہو جہاں نہ عمارت ہو نہ درخت ہوں۔

---

❶......رواہ البخاری۔ ❷ رواہ احمد و البخاری۔ ❸ رواہ البخاری۔ ❹ ایضاً۔ ❺ المغنی: ۵/۵۳۰۔

۴.....حمی کا مقصد اور غرض عام لوگوں کی مصلحت ہو مثلاً جہاد اور اس میں استعمال ہونے والی جانوروں کا چرنا صدقہ کے جانور یا کمزور مسلمانوں کے جانور وغیرہ۔

حاکم کا نائب، حاکم کی طرح ہے، اگر چہ اس کو حاکم نے اجازت نہ بھی دی ہو برخلاف اقطاع کے اس لیے کہ سلطان کے نائب کو اقطاع دینے کی سلطان کی اجازت کے بغیر اجازت نہیں اس لیے کہ اقطاع سے تملک اور ملکیت حاصل ہوتی ہے اس میں اجازت ضروری ہے برخلاف حمی کے۔

تیسری بات: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور امام کی حمی کا حکم..... یہ ہے کہ کسی کو بھی اسے توڑنے یا تبدیل کرنے کا اختیار نہیں جبکہ ضرورت وحاجت باقی ہو کیونکہ یہ منصوص علیہ کی طرح ہے اور جو اس میں سے کسی کو آباد کرے وہ مالک نہ ہوگا اگر ضرورت ختم ہو جائے تو پھر اس بارے میں شوافع اور حنابلہ کے ہاں دو وجہیں ہیں:

ایک وجہ..... میں جائز ہے کیونکہ سبب زائل ہو گیا۔

دوسری وجہ..... جائز نہیں اس لیے کہ جس کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو وہ نص ہے اسے اجتہاد سے توڑنا جائز نہیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور حاکم حمی بنائے پھر خود اس کو تبدیل کر دے یا کوئی اور حاکم اسے تبدیل کر دے تو جائز ہے۔ اگر حاکم کے بعد کوئی شخص اسے آباد کرے تو شوافع اور حنابلہ کے اس بارے میں دو قول ہیں: ایک وہ مالک نہ ہوگا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمی کا مالک نہیں ہوتا۔

دوسرا قول مالک ہوگا اس لیے کہ امام کی حمی اجتہاد ہے اور زمین کا آباد کر کے مالک ہونا نص ہے اور نص اجتہاد پر مقدم ہوتی ہے۔

دوسری بحث: اقطاع.....اقطاع کی تعریف مشروعیت، اقسام اور ان کا حکم۔

پہلی بات: اقطاع کی تعریف..... بعض غیر آباد (موات) زمینیں بعض خاص لوگوں کو دینا چاہے وہ معدنیات ہوں یا زمین ہو پس یہ بعض لوگ اس کے زیادہ مستحق ہوں گے دوسری کی نسبت بشرطیکہ اس موات کا کوئی مالک نہ ہو۔ یا اقطاع یہ کہ امام کا اللہ تعالیٰ کے مال سے کسی کو اہل اور مستحق دیکھ کر دینا اور اکثر اقطاع کا استعمال زمین میں ہوتا ہے اور یہ کہ اس میں سے نکال کر اسے دے جو اس کی حفاظت کر سکتا ہو یا تو اسے مالک بنا دے یا پھر عمری کر دے یا اس کے منافع کو ایک مدت کے لیے اس کو دے دے۔

دوسری بات: مشروعیت..... امام اور حاکم کے لیے جائز ہے کہ وہ ارض موات میں سے ایک حصہ کسی کو ملکیتی طور پر دے دے تا کہ وہ اسے آباد کرے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرموت میں ایک حصہ زمین الگ کیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ اسے اپنے لیے رکھیں ❶ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کے گھوڑے کی رفتار کی بقدر جگہ دی انہوں نے گھوڑا دوڑایا کھڑے ہونے کی جگہ تک پھر اپنے کوڑا پھینک کر فرمایا اس کو الگ کر لو جہاں تک کوڑا پہنچے ❷ عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنیہ یا مزینہ کے لوگوں کے لیے ایک قطع زمین بطور اقطاع دیا ❸ اور روایت ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے لیے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پانچ صحابہ کرامؓ زبیر، سعد، ابن مسعود، خباب اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کے لیے۔ نافع ابی عبد اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کو کہا گیا کہ بصرہ میں ہمارے لئے زمین قبول کر لیں جو خراجی نہیں اور نہ ہی اس سے مسلمانوں میں

---

❶.....رواه الترمذی۔ ❷ رواه احمد وابوداؤد۔ ❸رواه سعيد بن منصور فی سننه۔

سے کسی ایک کو نقصان ہوتا ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو وہ مجھے بطور اقطاع دے دیں میں اس میں جو وغیرہ بوؤں گا اپنے اونٹوں کے لیے تو ایسا کر دیں تو فرماتے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا جیسا یہ کہتے ہیں اگر ایسا ہی ہے تو پھر وہ جگہ ان کو دے دو اسی طرح جائز ہے معدنیات کو سرمایہ کاری کے لیے دینا نہ کہ ذاتی ملکیت کے لیے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کو قبیلہ کے معادن دیئے جلس اور غور کے اور قدس میں سے جو جگہ زراعت کی صلاحیت رکھتی تھی اور کسی مسلمان کا حق نہیں دیا۔

تیسری بات: اقطاع کی اقسام: اقطاع کی تین قسمیں ہیں...... اقطاع تملیک، اقطاع استغلال اور اقطاع ارفاق، پھر اقطاع تملیک تقسیم ہوتی ہے فوات اور آباد اور معادن کی طرف اور اقطاع استغلال کی دو قسمیں ہیں، عشر، خراج۔

اقطاع موات کا حکم...... حاکم کے لیے تمام آئمہ کے ہاں بالاتفاق جائز ہے کہ وہ آباد کرنے کے لیے اقطاع فوات والا معاملہ کرے اور شہروں کی تعمیر ہو اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کما تقدم اور ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم نے اس طرح زمین دیں جب امام اور حاکم کسی کو بطور اقطاع زمین دے دے تو مالکیہ کے ہاں وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے اگرچہ اس میں کوئی تعمیر آبادی نہ بھی کرے وہ اسے فروخت کر سکتا ہے، ہبہ کر سکتا ہے اور وہ اس سے وارث ہوگا یہ احیاء نہیں بلکہ تملیک جمہور کے ہاں اقطاع موات کا مالک نہیں ہوگا اس لیے کہ اگر وہ اس کا مالک ہو تو پھر اس کا واپس کرنا جائز نہ ہوتا بلکہ یہ صرف تحجیر والے کی طرح ہے جس نے آبادی شروع کی ہو لہٰذا یہ اس کا زیادہ مستحق ہوگا اگر اس مدت میں اس کو آباد کر دے حنفیہ کے ہاں اس کی زیادہ سے زیادہ مدت تین سال ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی وجہ سے کہ پتھر لگانے والے کے لیے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں حاکم کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اتنی مقدار میں بطور اقطاع دے جتنی وہ آباد کر سکتا ہو اس لیے کہ اس مقدار سے زیادہ دینا لوگوں کے مشترک حق میں تنگی کرنا ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں اس سے مسلمانوں کو نقصان ہوگا۔ اگر امام اور حاکم نے جتنا علاقہ وہ آباد کر سکتا تھا اس سے زیادہ دے دیا پھر معلوم ہوا کہ وہ اسے آباد نہیں کر سکتا تو امام اس سے واپس لے لے جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ سے آباد نہ کر سکنے کی صورت میں واپس لے لیا تھا عقیق میں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیا ہوا تھا یہی مراد ہے مصلحت سے۔ جس کی وجہ سے اقطاع جائز ہے اس لیے کہ حکم علت کے ساتھ لگتا ہے، حنابلہ کے ہاں حاکم کو اجازت ہے کہ وہ کسی کو آباد جگہ بطور تملیک دے دے اور انتفاع کے لیے مصلحت کی وجہ سے اسی طرح مال خراج سے بھی اقطاع جائز ہے جیسا کہ مال جزیہ سے جائز ہے۔

مالکیہ کے ہاں...... حاکم وہ زمینیں جو زبردستی فتح کی گئی ہیں مثلاً مصر، شام، اور عراق کی زمینیں انہیں بطور اقطاع ملکیت کے دینا صحیح نہیں اس لیے کہ یہ ان کے ہاں وقف ہے صرف نفع اٹھانے کے لیے پیسے سکتا ہے رہ گئی وہ زمین جو زیارات کے قابل نہیں اگرچہ درخت وغیرہ لگانے کے قابل ہو تو وہ عقار نہیں بلکہ موات ہے اسے اقطاع کے طور پر ملک کے لیے دے سکتا ہے۔ اور وہ زمین جو صلح کے طور پر لی گئی ہو تو حاکم اسے کسی کو اقطاع کے طور پر نہیں دے سکتا کیونکہ وہ اس کے مالکوں کی ملکیت میں ہے۔

۲۔ آباد زمین کو اقطاع کے طور پر دینے کا حکم...... شوافع اور حنابلہ کے ہاں آبادی میں موجود مسجد وغیرہ کے لیے دینا اور بازاروں میں بیٹھنے کی جگہ اور وسیع راستے بطور انتفاع کے اقطاع کے طور پر دینا جائز ہے اور وہ اس کا مالک نہیں ہوتا بلکہ اس سے اس وقت تک نفع اٹھائے گا جب تک لوگوں کو تنگی نہ ہو اور گذرنے والوں کو نقصان نہ ہو جس نے مذکورہ اشیاء بطور اقطاع لیں تو ان جگہوں پر وہ دوسروں سے زیادہ مستحق ہے بیٹھنے کا اس لیے کہ امام کو نظر اور اجتہاد کی اجازت ہے جب وہ قطعہ اراضی دے دے گا تو اس کا قبضہ اس پر ثابت ہو جائے گا دوسروں کے لیے اس جگہ بیٹھنا جائز نہیں جس طرح اس جگہ یہ ہے پہلے بیٹھنے والے کا حق ہے۔ صرف فرق ایک ہے کہ ایسی جگہ پر پہلے بیٹھنے والا جب اپنا سامان اٹھا کر وہاں سے منتقل ہو جائے تو اس کا استحقاق ختم ہو جاتا ہے کیونکہ وہ چیز زائل ہو گئی جس کی وجہ سے یہ مستحق ہوا تھا اور اقطاع

میں اس کا استحقاق زائل نہیں ہوتا چاہے سامان منتقل کرنے یا نہ کرے چاہے بیٹھے یا نہ بیٹھے اس لیے کہ یہ امام کے اقطاع کی وجہ سے مستحق ہوا ہے لہٰذا نہ بیٹھنے سے اس کا زائل نہ ہوگا۔

راستے وغیرہ میں بیٹھنے والا اپنے اوپر چٹائی اور چادر وغیرہ کے ذریعہ سایہ کرسکتا ہے ضرورت کی بناء پر اور اس میں کسی کو نقصان نہ ہو لیکن راستے میں کوئی عمارت وغیرہ بنانے کی اسے اجازت نہیں اور نہ مسجد میں کیونکہ اس میں تنگی ہے اور وسیع راستے میں بیٹھنے والے کا اس طرح بیٹھنا کہ جس سے اس کے پڑوسی کو معاملات کرنے والے نظر نہ آئیں جائز نہیں یا اس کے پڑوسی پر کیل، وزن، لینا دینا مشکل ہو کیونکہ حدیث ہے نہ ضرر پہنچے نہ ضرر پہنچایا جائے۔

۳۔ **معدنیات کے اقطاع اور ملکیت کا حکم**..... معدن کی تعریف، معدن اور رکاز اور کنز میں فرق معدن کی اقسام اس کی ملکیت کا حکم اور مذاہب میں اس کا قطع زمین سے کھود کرید کر جو کچھ نکلتا ہے وہ یا تو معدن ہے یا رکاز یا کنز (خزانہ)۔

معادن کی تعریف..... وہ چیزیں جو زمین کے اندر اپنی خلقت کے اعتبار سے پائی جائیں جیسے سونا، چاندی، پیتل، لوہا اور سیسہ وغیرہ معدنیات ہیں۔

رکاز اور کنز..... وہ مال جو کسی نے زمین میں دفن کیا ہو یا کسی ایسے اثر کی وجہ سے دب جائے جو اللہ کی طرف سے جیسے زلزلہ اور سخت قسم کی ہوا وغیرہ کے ذریعے جو شہروں کو مع مال و دولت تباہ و برباد کردے۔ معدن اور رکاز میں فرق معدن زمین کا حصہ ہوتا ہے، اور رکاز زمین کا حصہ اور جز نہیں ہوتا بلکہ اسے کسی انسان نے دفن کیا ہوتا ہے۔

معادن کی اقسام..... حنفیہ کے ہاں معدن کی کئی قسمیں ہیں۔

۱..... وہ معدنیات جو پگھل سکتی ہیں ان سے برتن زیور وغیرہ بنایا جاتا ہو یہ سونا، چاندی، لوہا، پیتل اور سیسہ ہیں۔

۲..... جو پگھلانے سے نہ پگھلیں۔ جیسے ہیرا، یاقوت، بلور، عقیق، فیروز، سرمہ، ہڑتال وغیرہ۔

۳..... بہنے والی معدنیات، جیسے تیل، پٹرول معدنی تیل وغیرہ۔

شوافع اور حنابلہ نے معدنیات کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ظاہری اور باطنی۔

الف: ظاہری معدنیات..... وہ ہیں جو ظاہر ہوں اور زمین کے ساتھ ملی ہوئی نہ ہوں جن کے نکالنے اور ان تک پہنچنے میں مشقت نہ اٹھانی پڑے جیسے تیل پٹرول نمک سرمہ، فاسفورس وغیرہ

ب: باطنی معدنیات..... وہ معدنیات جو نکالنے میں مشقت و پریشانی کا باعث ہوں جیسی سونا، چاندی، لوہا، پیتل اور سیسہ وغیرہ۔

معادن کا حکم حنفیہ کے ہاں..... ❶ معدنیات والی زمین مثلاً جہاں نمک ہو تیل ہو یا وہ چیزیں ہوں جن سے مسلمان مستغنی نہ ہوں یہ زمین ارض موات نہیں لہٰذا امام کے لیے جائز نہیں کے وہ بطور اقطاع کسی کو دے دے اس لیے کہ عام مسلمانوں کا اس میں حق ہے اور اقطاع میں ان کا حق باطل ہوتا ہے جو کہ جائز نہیں ان کی ملکیت اور زکوٰۃ کا حکم آرہا ہے۔ حنفیہ معدن اور کنز وغیرہ میں زکوٰۃ کی مقدار میں فرق نہیں کرے اور رکاز ان دونوں کو خشکی کے اعتبار سے شامل ہے اور یہاں سمندر معادن بھی ہیں۔

پہلی بات: معدن..... معدن اگر دار الاسلام میں غیر مملوکہ زمین میں پایا جائے اور وہ پگھل سکتا ہو جیسے سونا چاندی، لوہا، پیتل اور سیسہ وغیرہ چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ تو اس میں بیت المال کے لیے خمس ہوگا جیسے غنیمت میں واجب ہے اور باقی چار خمس اس کے ہیں جو اس پر

---

❶..... البدائع ۲/۶۵۔۶۸

مطلع ہوا چاہے وہ جو بھی ہو الّا یہ کہ حربی مستامن نہ ہو ورنہ اس سے سارا واپس لیا جائے گا۔

ان کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے رکاز میں خمس ہے ❶ رکاز معدن کا حقیقی نام ہے اور کنز پر اس کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے اس لیے کہ عرب کہتے ہیں جب کوئی شخص رکاز پائے یعنی سونے کا ٹکڑا جو معدن سے نکالے تو کہتے ہیں ارکز الرجل امام ابو یوسف نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رکاز میں خمس ہے، کہا گیا رکاز کیا ہے اے اللہ کے رسول!؟ تو آپ نے فرمایا: جو چیز اللہ تعالیٰ نے زمین کے پیدا کرتے وقت اس میں پیدا کی ❷ ان کے ہاں یہ نص اس بات پر دلیل ہے کہ رکاز کا اطلاق معدن پر ہوتا ہے اور مال مدفون پر بھی۔

ب.....اگر معدن ایسا ہے جو پگھلانے سے نہیں پگھلتا۔ جیسے ہیرا، یاقوت اور تمام قیمتی پتھر تو ان میں خمس نہیں اور یہ سارے کے سارے پانے والے کے ہیں اس لیے کہ یہ زمین کی جنس میں سے ہیں جیسے مٹی، پتھر الا یہ کہ یہ روشن ہیں اور پتھروں میں خمس نہیں۔

ج.....اور معدن اگر مائع ہو جیسے تیل وغیرہ تو بیت المال کے لیے اس میں کچھ نہیں اور یہ سارے کا سارا پانے والے کا ہے اس لیے کہ یہ پانی کی طرح ہے اور اس سے غلبہ کا ارادہ نہیں ہوتا، اور یہ غنیمت کی طرح بھی نہیں جن میں خمس واجب ہوتا ہے، رہ گیا عقیق تو اس میں خمس ہے اس لیے کہ یہ غیر کے ساتھ جڑتا ہے اگر چہ اکیلا نہیں جڑتا لہٰذا یہ چاندی کے مشابہ ہے۔

د.....اگر معدن مملوکہ زمین میں پائی جائے یا کسی کے گھر دکان وغیرہ میں پائی جائے تو حنفیہ کے ہاں اس بات میں کوئی خوف نہیں کہ چار خمس مالک کے ہوں گے اگر چہ کوئی اور ہی اس کی زمین میں پائے اس لیے کہ معدن زمین کے تابع ہیں کہ یہ زمین کے اجزاء میں سے ہے جو اس میں پیدا کی گئی ہے۔

اور رہ گیا خمس تو وہ بیت المال کے لیے ہے جب کہ وہ پگھلانے سے پگھل سکے صاحبین کے ہاں، حدیث متقدم کی وجہ سے کیونکہ فی الرکاز الخمس میں مملوکہ اور غیر مملوکہ زمین کی قید نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اس میں خمس نہیں۔

دوسری بات: کنز: (الف).....اگر اسلامی ہو بایں طور کہ اس پر اسلام کی علامت ہو جیسے مصحف، دراہم جن پر ”لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ لکھا ہوا ہو اور وہ غیر مملوکہ زمین میں پائی جائے جیسے پہاڑ وغیرہ تو وہ لقطہ کی طرح ہے۔ اسے پانے والے پر اس کی تشہیر کرنا واجب ہے پھر اگر فقیر ہے تو اس سے انتفاع اٹھائے اگر امیر ہو تو صدقہ کردے۔

(ب).....اگر وہ غیر اسلامی ہو مثلاً اس پر جاہلیت کی علامت ہو یا کسی گھوڑے وغیرہ کی علامت ہو تو بیت المال کے لیے خمس ہوگا اور باقی چار خمس پانے والے کے لیے ہیں بغیر کسی اختلاف ہے۔

(ج).....اگر خزانہ مملوکہ زمین میں ہو تو بغیر کسی اختلاف کے اس میں خمس واجب ہے حدیث سابق کی وجہ سے کہ فی الرکاز الخمس باقی مالک کے لیے ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کا ہے امام ابوحنیفہ اور محمد کے نزدیک امام ابو یوسف کے ہاں پانے والے کا ہے کیونکہ غنیمت ہے وہ اس تک غیر کے علاوہ پہنچا ہو۔

(د).....اگر کنز دار الحرب میں ملے اور ملے بھی غیر مملوکہ زمین سے تو وہ پانے والے کا ہے اور اس میں خمس نہیں اس لیے کہ یہ مال ہے اس نے لیا ہے تو زبردستی اور غلبہ پا کر نہیں لیا اگر مملوکہ زمین میں پایا جائے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں اس میں بیت المال کے لیے خمس ہے اور باقی مالک کا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ پانے والے کے لیے ہے اس لیے کہ مباح ہے اور اس کی طرف اس کا ہاتھ پہلے بڑھا ہے جیسا کہ دار الاسلام کے لیے ہے۔

---

❶..... رواہ احمد والائمہ الستتة۔ ❷ نصب الرایة ۲/ ۳۸۰۔

تیسری بات: سمندر سے نکلا ہوا خزانہ...... جیسے موتی، مرجان، عنبر اور وہ تمام زیور جو سمندر سے نکلتے ہیں امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس میں بیت المال کے لیے کچھ نہیں یہ سارے کا سارا پانے والے کے لیے ہے۔ دلیل وہ روایت ہے کہ ابن عباس سے عنبر کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ ایسی چیز ہے جسے سمندر نے باہر پھینکا ہے اس میں خمس نہیں نیز اس لیے بھی کہ کفار کا قبضہ سمندر کے اور ثابت نہیں جس سے موتی اور عنبر نکلتی ہے اور سمندر سے نکلی ہوئی چیز بطور غلبہ نہیں لی گئی لہٰذا غنیمت نہیں اس میں خمس بھی نہیں عنبر مشہور خوشبو ہے امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سمندر سے نکلنے والے تمام جواہرات اور زیورات میں بیت المال کے لیے خمس ہے اور باقی اسے پانے والے یا نکالنے والے کا ہے دلیل یہ کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک عامل کو خط لکھا تھا جس نے موتی پائے تھے ان میں خمس ہے، نیز کفار زمین کے مالک ہیں بری اور بحری طور پر ان کے اموال میں سے جو کچھ بھی انہیں ملے گا وہ غنیمت ہے اور غنیمت میں قرآن کریم کی تصریح کے مطابق خمس ہے یہ رائے اتباع کے زیادہ لائق ہے اس زمانے میں ابوعبیدہ نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں ان میں بعض وہ ہیں جو امام ابوحنیفہ اور امام احمد سے منقول ہیں اور ان میں سے عمر رضی اللہ عنہ کا قول عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ سمندری معدن خشکی کی معدن کی طرز میں اگر نصاب کو پہنچ جائیں تو ان میں زکوۃ ہے۔

معادن مالکیہ کے ہاں...... معدن رکاز نہیں، رکاز صرف کنز ہے اور معدن جو کچھ سونا چاندی وغیرہ زمین سے نکلے۔ مالکیہ کا مذہب جدید طرز حکومت کے ساتھ معدن کے سلسلہ میں متفق ہے۔

پہلی بات...... معدن کی ملکیت اور اس میں واجب معدن کی ملکیت کی تین قسمیں ہیں۔ اگر غیر مملوکہ زمین میں پایا جائے تو یہ بادشاہ اس کے نائب کا ہے اور نفع اٹھانے کے لیے جس کو بھی مسلمانوں میں سے دے دے تو دے سکتا ہے ملکیت کے اعتبار سے نہیں یا اسے بیت المال میں رکھے عام نفع ومصلحت کے تحت اور جس کی زمین میں پائی جائے اسے کچھ بھی نہیں ملے گا اگر کسی کی مملوکہ زمین میں معدن پایا جائے اور مالک متعین ہو تو یہ بھی بادشاہ ہی کا ہے مشہور قول کے مطابق اور کہا گیا ہے کہ زمین والے کی ہے۔

اگر مملوکہ زمین میں: ہو اور مالک متعین نہ ہو مثلاً صلح یا لڑائی سے لی گئی زمین اس میں بھی معتمد قول یہ ہے کہ حاکم اور امام کا ہے اور کہا گیا ہے جس نے اسے فتح کیا اس کا ہے۔ خلاصہ یہ کہ تمام معدنیات چاہے جامد ہوں یا مائع اور سائل مالکیہ کے ہاں وہ حکومت کی ہے اس لیے کہ کبھی شریر لوگوں کے قبضہ میں معدنیات آ جاتی ہیں اگر یہ امام کی نہ ہوں تو پھر فتنہ ہی فتنہ ہو۔

معدن میں زکوۃ واجب ہے اور وہ ربع عشر ہے یہ بھی جب ہے کہ وہ نصاب کے بقدر ہو ورنہ اس میں کچھ بھی واجب نہیں اور معدن کی زکوۃ میں سال گذرنا شرط نہیں بلکہ ملتے ہی زکوۃ ادا کرے کھیتی باڑی کے عشر کی طرح۔

دوسری بات...... رکاز اور وہ کنز ہے اس کا حکم پائے جانے والی زمین کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے اور اس کی چار صورتیں ہیں۔

پہلی کہ کنز جنگلوں وغیرہ سے ملے اور وہ جاہلیت کے مدفون میں سے ہو تو یہ اسے پانے والے کا ہوگا اور اس میں بیت المال کے لیے مطلقاً خمس ہے چاہے سونا ہو یا اور کچھ تھوڑا ہو یا زیادہ۔

دوسری کہ مملوکہ زمین میں پایا جائے تو یہ پانے والے کا ہوگا اور کہا گیا ہے کہ مالک زمین کا ہوگا۔

تیسری کہ ایسی زمین سے ملے جو لڑائی کی ذریعہ فتح کی گئی ہو تو یہ پانے والے کا ہوگا اور کہا گیا ہے فتح کرنے والوں کا ہے۔

چوتھی کہ ایسی زمین سے ملے جو صلح کے ذریعہ فتح کی گئی ہو اس کے لیے بھی کہا گیا ہے کہ پانے والے کا یا صلح کرنے والوں کا ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب وہ مسلمانوں کا نہ ہو لیکن اگر مسلمانوں کا ہو تو پھر لقطہ کے حکم میں ہے ایک سال تک اس کی تشہیر کرے اگر مالک معلوم نہ ہو تو پھر بیت المال کے لیے خلاصہ یہ کہ رکاز میں بیت المال کے لیے خمس ہے اور باقی اگر زمین مملوکہ نہ ہو تو پانے والے کا اور اگر مملوکہ ہو تو مالک کا

پھر اس کے ورثاء کا اور مالک بھی اصل ہو جس نے اسے آباد کیا ہو خرید کر یا یہ کے ذریعہ مالک نہ بنا ہوا۔

معادن شوافع اور حنابلہ کے ہاں :ا.....ان کے ہاں بھی معدن رکاز نہیں، معدن جو زمین میں پیدا ہوا ہو، اور زمین کی جنس سے نہ ہو اور یہ زمین کا جزء ہے اور رکاز: جاہلیت کے دفینے یا کفار کے دفن کئے ہوئے خزانے اور یہ دونوں قسموں میں فرق کرتے ہیں ایک معدن ظاہری اور وہ وہ ہے جو بغیر عمل کی ظاہر ہو جائے اور اسے حاصل کرنے میں کسی قسم کی مشقت نہ اٹھانی پڑے بلکہ صرف اسے حاصل کرنے میں کام کرنا پڑے جیسے تیل پیٹرول، نمک وغیرہ۔ اور دوسری قسم معدن باطنی جس کے نکالنے میں کام اور مشقت اٹھانی پڑے جیسے سونا، چاندی، لوہا، پیتل اور سیسہ وغیرہ۔

۲۔ظاہری معدنیات......ان کو بطور اقطاع کسی بھی آدمی کو دینا جائز نہیں نہ تملیکاً نہ نفع اٹھانے کے اعتبار سے بلکہ یہ تمام لوگوں کا ہے تمام اس سے نفع اٹھائیں اور اور ارض موات میں اگر پایا گیا تو پانے والا اس کا مالک نہ ہوگا شوافع کے ہاں اور حنابلہ کے ہاں اس لیے کہ چیزیں لوگوں کے درمیان مشترک ہیں چاہے مسلمان ہوں یا کافر جیسے پانی اور گھاس جیسا کہ حدیث میں ہے لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں پانی گھاس اور آگ میں نیز یہ زمین کے اجزاء میں سے بھی نہیں لہٰذا زمین آباد کرنے والا ان کا مالک نہ ہوگا جیسے خزانے کا مالک نہیں ہوتا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بطور اقطاع نمک کی کان دی تو ایک شخص کہنے لگا اے اللہ کے رسول! یہ تو پانی کی طرح جس میں اقطاع نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر نہیں۔

باطنی معدنیات......شوافع اور حنابلہ کے ہاں صرف کھودنے اور ظاہر کرنے کی وجہ سے اس کا مالک نہیں ہوگا ظاہری معدنیات کی طرح اس لیے کہ زمین کو آباد کرنا تو عمارت کی تعمیر کے لیے ہے بغیر عمل کے تکرار کے اس سے نفع اٹھانا ہے، اور معدنیات کو کھودنا تکرار عمل اور تخریب سے ہوگا لہٰذا صرف ظاہر کرنا ملکیت کا سبب نہیں۔

۳۔جس نے ارض موات کو آباد کیا پھر اس کا مالک ہوگا اس میں باطنی معدنیات مثلاً سونا چاندی وغیرہ ملے تو شوافع کے ہاں وہ اس کا مالک ہے، اس لیے کہ زمین کو آباد کرنے کی وجہ سے وہ زمین کے تمام اجزاء کا مالک ہو گیا اور زمین کے اجزاء میں سے معدنیات بھی ہیں برخلاف کنز کے وہ تو وہاں سے نکالنے اور منتقل کرنے کے لیے ودیعت ہوں گے ہیں۔ حنابلہ کے ہاں جس نے ارض موات کو آباد کیا تو وہ اس کا مالک ہو گیا تو وہ جامد معدنیات کا بھی مالک ہے اس لیے کہ وہ زمین کے تمام اجزاء کا مالک ہے اور یہ معدنیات بھی زمین ہی میں سے ہیں لہٰذا اس کی ملکیت میں تابع ہو کر داخل ہے رہ گئے مائع معدنیات مثلاً مٹی کا تیل، تارکول وغیرہ تو ان کے ہاں ظاہر روایت یہ ہے کہ زمین کو آباد کرنے والا اس کا مالک نہیں ہوگا اس لیے کہ لوگ ان میں شریک ہیں حدیث کی وجہ سے کہ لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں پانی گھاس اور آگ میں۔

۴.....جیسے غیر آباد زمین میں ظاہری یا باطنی معدنیات پانے میں اولیت حاصل ہو تو جو کچھ اس نے پایا ہے اس میں وہ اس کا زیادہ حقدار ہے مالک نہیں بنے گا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو کسی ایسی چیز کی طرف آگے بڑھ گیا جس کی طرف کوئی مسلمان نہیں بڑھا تو وہ اس کی ہے۔ رواہ ابوداؤد

خلاصہ......ظاہری معدنیات شوافع اور حنابلہ کے ہاں حکومت و ریاست کی ہیں اور باطنی معدنیات بھی حکومت کی ہیں انہیں ظاہر کرنے والا ان کا مالک نہیں البتہ ارض موات کو آباد کرنے والے کی زمین میں اور باطنی معدنیات ظاہر ہوں تو شوافع کے ہاں وہ ان کا مالک ہے اور حنابلہ کی ہاں صرف ٹھوس اور جامد معدنیات کا مالک ہے مائع کا نہیں۔

۶.....معدنیات اگر سونا چاندی ہوں تو ان میں شوافع کے ہاں ربع عشر واجب ہے اور حنابلہ کے ہاں تمام میں ربع عشر ہے۔

ے۔۔۔ اور خزانہ (کنز) جو جاہلیت کا دفینہ ہے تو اس میں بیت المال کے لیے خمس واجب ہے اور باقی اگر مملوکہ زمین میں پایا گیا تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں مالک زمین کا ہے ورنہ جس کو ملا ہے اسی کا ہے اور اگر ارض موات میں پایا جائے تو وہ پانے والے کا ہے اور اگر خزانہ اسلامی ہو اور اس کا مالک معلوم ہو تو وہ اسی کا ہے ورنہ یہ لقطہ کے حکم میں ہے اور اسی طرح جب اس کا اسلامی یا جاہلیت کا ہونا معلوم نہ ہو تو یہ بھی مالک کا ہوگا اگر معلوم ہو ورنہ لقطہ ہے۔

چوتھی فصل۔۔۔۔۔۔نفع اٹھانے کے حقوق (حقوق الارتفاق)

اس سلسلہ میں دو بحثوں میں بات ہوگی۔ پہلی بحث: حق ارتفاق کی تعریف، اس میں اور حق انتفاع میں فرق اس کا فقہی وصف اور اس کے عام احکام۔ دوسری بحث: حقوق ارتفاق کی اقسام۔

پہلی بحث پہلی بات: حق ارتفاق کی تعریف۔۔۔۔۔۔ارتفاق لغت میں کسی چیز سے نفع اٹھانے کو کہتے ہیں اور شرعی اعتبار سے یہ ملک ناقص (ملک منفعت) کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، یہ عینی حق ہے اور عقار پر مقصور ہے دوسرے کی عقار کی منفعت جو پہلے کی مملوک نہ ہو جیسے پڑوسی کی زمین سے پانی گذارنا یا متعین مصرف میں مصروف پانی کو پھیرنا یا غیر کی زمین سے گذرنے کا حق یا دوسرے کے گھر پر عمارت تعمیر کرنا (حق تعالی) چاہے وہ زمین جس سے نفع اٹھایا جارہا ہے وہ عمومی ملکیت کی ہو یا کسی کی خاص ملکیت میں ہو اور قطع نظر اس سے کہ مالک عقار کون ہے اسی وجہ سے حق ارتفاق کو عینی حق کہتے ہیں، اگر دو عقار کسی ایک مالک کی ہوں تو حق ارتفاق ثابت نہیں۔

دوسری بات: حق ارتفاق اور حق انتفاع میں فرق۔۔۔۔۔۔ان دونوں حقوق میں سے ہر حق حق عینی ہے شخصی نہیں لیکن ان دونوں میں چند فرق ہیں۔

۱۔۔۔ حق ارتفاق عقار کے لیے ثابت ہے اور حق انتفاع آدمی کے لیے مقرر اور ثابت ہے گذرنے کا حق ایک زمین سے دوسری طرف یہ دوسری زمین کے لیے ثابت و مقرر حق ہے اس سے ہر مالک نفع اٹھائے گا اس سے نفع اٹھانا کسی ایک آدمی پر مقصور نہیں اور رہ گیا حق انتفاع تو یہ صرف نفع اٹھانے والے شخص کے ساتھ خاص ہے جب وہ مر گیا تو اس کا حق ختم ہوگیا، برابر ہے چاہے دو زندوں کے درمیان ہو جیسے اجارہ اور عاریت یا ایک زندہ اور مردہ کے درمیان ہو جیسے وصیت اور وقف۔

۲۔۔۔ حق ارتفاق ہمیشہ زمین (عقار) کے لیے ثابت مقرر ہے اور حق انتفاع کبھی عقار سے متعلق ہوتا ہے جیسے زمین عاریت کے طور پر لی جائے اور کبھی منقولی اشیاء سے متعلق ہوتا ہے جیسے کتاب عاریت پر لی جائے۔

۳۔۔۔ حق ارتفاق دائمی ہے کسی وقت ختم نہیں ہوتا اور بالاتفاق تمام مذاہب کے ہاں اس میں میراث جاری ہوتی ہے اور حق انتفاع یہ مؤقت ہوتا ہے وقت کے ساتھ اور نفع اٹھانے والے مرنے سے ختم ہو جاتا ہے جیسے زمین کا نفع اٹھانے والا موصی لہ کے مرنے سے ختم۔

تیسری بات: فقہی وصف۔۔۔ حنفیہ کے ہاں حق ارتفاق مال نہیں بلکہ یہ مالی حق ہے مالک کو اس سے نفع اٹھانا جائز ہے چونکہ یہ مال نہیں اس لیے حنفیہ کے ہاں اسے علیحدہ طور پر زمین سے الگ فروخت کرنا جائز نہیں بلکہ یہ زمین کے تابع ہو کر فروخت کیا جاتا ہے اس کا ہبہ یا صدقہ کرنا جائز نہیں اس لیے کہ یہ تملیک ہے اور حقوق مجردہ تملیک کا احتمال نہیں رکھتے اسی طرح اس پر صلح جائز نہیں ایسے دعوی میں جو مال یا قصاص وغیرہ سے متعلق ہو اس لیے کہ صلح بیع کے معنی میں ہے اور ان کی بیع جائز نہیں۔ اور عقد نکاح میں اسے مہر بنانا جائز و درست نہیں اس لیے کہ اس میں تملیک ہوتی ہے اور حق ارتفاق تملیک کو قبول نہیں کرتے بلکہ اس حالت میں مہر مثل واجب ہے۔ جیسا کہ اسے بدل خلع بنانا درست نہیں بایں طور کہ عورت اس پر خلع کرلے اس لیے کہ عوض دینا تملیک ہے اور حق ارتفاق میں تملیک نہیں اس صورت میں عورت پر لیا ہوا مہر

واپس کرنا واجب ہے۔ چونکہ یہ مالی حق ہے اس لیے اس میں میراث میں جاری ہونا ممکن ہے کیونکہ حنفیہ کے ہاں بعض اموال میں اور بعض حقوق مثلاً خیار عیب وغیرہ میں میراث جاری ہوتی ہے اور اس سے نفع اٹھانے کی وصیت کرنا بھی صحیح ہے جیسے کسی شخص کو وصیت کرنا کہ وہ حق شرب سے ایک معلوم مدت اپنی زمین کو سیراب کرے اور وراثت کی طرح وصیت بھی اموال اور حقوق میں صحیح ہے لیکن جب موصی لہ مر جائے گا تو وصیت باطل ہو جائے گی اور حق ارتفاق کے علاوہ زمین فروخت کرنا صحیح ہے اور زمین فروخت کرنے میں حق ارتفاق مثلاً حق شرب (پانی کی باری) داخل نہیں ہوگی الا یہ کہ وہ اس کی وضاحت کرے یا ایسی بات کرے جو اس پر دلالت کرتی ہو مثلاً بائع یوں کہے کہ میں نے زمین اس کے حقوق ومنافع کے ساتھ فروخت کی یا اس کے اراد گرد جو بھی تھوڑا بہت ہے۔

چوتھی بات......حق ارتفاق کے عام احکام: حق ارتفاق کے عام اور خاص دو طرح کے احکام ہیں احکام خاصہ تو ارتفاق کی اقسام کے ساتھ بیان ہوں گے اور اس کے عام احکام درج ذیل ہیں:

۱......واجب ہے کہ اس کا استعمال کسی دوسرے کو نقصان نہ پہنچائے اس قاعدے **لاضرر ولاضرار** نہ ضرر پہنچے نہ ضرر پہنچایا جائے پر عمل کرتے ہوئے لہٰذا گزرنے والا غیر کی زمین کو نقصان نہ پہنچائے کیونکہ یہ جائز نہیں اسی طرح جو حق شرب کے ذریعہ اپنی زمین کو سیراب کر رہا ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ پانی میں اتنا اسراف کرے کہ اس سے نفع اٹھانے والوں کو نقصان ہو۔

۲......حقوق ارتفاق یا تو عام املاک میں ثابت ہوں گے یا خاص املاک میں عام املاک مثلاً بڑی نہریں نیل، دجلہ، فرات یا راستے اور عام نفع کی چیزیں پل وغیرہ جو کسی ایک کے ساتھ خاص نہیں ان میں امام ابوحنیفہ کے علاوہ باقی ائمہ کے ہاں حق ارتفاق کی اجازت کے بغیر سب لوگوں کے لیے ثابت ہے۔ اور رہ گئی خاص املاک جو کسی ایک فرد کی ہوں یا کئی افراد کی ہوں ان میں مالک کی اجازت کے بغیر حق ارتفاق ثابت نہیں۔

۳......جب حق ارتفاق کا سبب معلوم نہ ہو تو اس سے نفع اٹھانے والے کو نفع اٹھانے دیا جائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ یہ قدیم ہے جو کسی شرعی سبب سے مشروع ہوا ہے اس قاعدے پر عمل کرتے ہوئے البتہ یہ شرط ہے کہ اس سے کسی دوسرے کو نقصان نہ ہو رہا ہو جیسے پاخانہ وغیرہ کی لائن جس سے پڑوسی کے کنویں میں پانی خراب ہو رہا ہو یا کھلا راستہ جو پڑوسی کی عورتیں گذرنے کے لیے ہو تو پھر منشاء ضرر کو زائل کرنا واجب ہے ایک دوسرے قاعدے پر عمل کرتے ہوئے جو پہلے کے لیے قید ہے اور وہ ہے **الضرر لایکون قدیما** ضرر قدیم نہیں ہو سکتا۔

دوسری بحث: حقوق ارتفاق کی اقسام......حنفیہ کے ہاں اہم قسم کے حقوق ارتفاق چھ قسموں میں منحصر ہیں اور وہ یہ ہیں حق شرب (پانی کی باری) حق طریق حق مجری (پانی بہنے کی جگہ گذرگاہ) حق مسیل (پانی بہنے کی جگہ) حق تعلّی اور حق جوار حنفیہ کے ہاں ان کے علاوہ دوسرے حقوق انتفاق جاری کرنا جائز نہیں اس لیے کہ ان کے جاری کرنے میں ملکیت میں قیود و پابندی ہوتی ہے اور اس میں اصل یہ ہے کہ قید قبول نہ کرے مالکیہ کے ہاں ان مذکورہ ہی میں حقوق ارتفاق محصور نہیں بلکہ ارادہ سے نئے حقوق جاری کرنا جائز ہے مثلاً ایک شخص زمین کے ایک کنارے میں عمارت تعمیر کرنے یا درخت لگانے یا متعین بلندی کے برابر بلند نہ کرنے کا التزام کرے۔

پہلا قصد: حق شرب......کا معنی پانی کی اقسام ہر قسم کی ملکیت کا حکم پانی سے نفع اٹھانے کے عام احکام اور نہر کھودنی۔

پہلی بات: حق شرب کا معنی......رب لغوی اعتبار سے پانی کے حصہ اور باری کو کہتے ہیں: صالح علیہ السلام نے فرمایا:

هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ الشعراء، ۲۶/۱۵۵

اس کا اطلاق پانی کے زمانے پر بھی ہوتا ہے اور فقہاء اسے دو معنوں میں استعمال کرتے ہیں، ایک پانی کا حصہ جو کھیتی اور درختوں سیراب کرنے کے لیے ہوتا ہے یہ اکثر فقہاء کے ہاں اور کبھی اس کا استعمال پانی کی باری پر بھی ہوتا یا اس زمانے پر جس میں درخت اور کھیتی سیراب کی

جاتی ہے اور کے ساتھ حق شفعہ بھی ملحق ہے اور وہ حق شرب (شین کے پیش کے ساتھ) وہ پانی جو انسانوں یا حیوانوں کو پینے کے لیے خاص ہو اور اس کا مقصد انسان اور اس کے جانوروں کے پانی پینے کی حاجت پوری کرنا ہے۔

دوسری بات: **حق شرب اور حق شفعہ کے اعتبار سے پانی کی اقسام**..... ان دونوں حقوق کے اعتبار سے پانی کی چار قسمیں ہیں خاص برتنوں میں محفوظ پانی، چشموں اور کنوؤں کا پانی، نہروں اور خاص نالیوں کا پانی، عام نہروں کا پانی۔

پہلی قسم: **خاص برتنوں میں محفوظ وجمع شدہ پانی**..... یہ وہ پانی ہے جیسے اس کے مالک نے کسی برتن وغیرہ میں جمع کیا ہو جیسے مثلاً پانی کا حوض، جو ہڑ وغیرہ اور انہیں میں سے ہیں شہروں میں موجود پانی کے ٹینک جو مشترک ہوتے ہیں پانی کی حفاظت کے لیے اور یہ پانی جس نے محفوظ کیا اسی کی ملکیت میں ہوتا ہے، غالبہ پانے کی وجہ سے جیسا کہ تمام مباح چیزوں کا انسان مالک بن جاتا ہے جمع اور محفوظ کرنے کی وجہ سے، اس پانی سے مالک کی اجازت کے بغیر کسی کو نفع فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں نیز اس کا مالک اسے فروخت بھی کر سکتا ہے اور جس طرح کا چاہے اس میں تصرف کر سکتا ہے ① نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ الا یہ کہ اس میں جو نکال لیا گیا ہو (تو وہ فروخت کیا جا سکتا ہے) اس حدیث سے خاص کیا گیا ہے وہ پانی جو زیادہ ہو قیاس کے ذریعہ سے کہ لکڑیوں کو جب محفوظ کر لیا جائے تو اسے فروخت کرنا جائز ہے اس حدیث کی وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو لکڑیاں فروخت کرنے کا حکم فرمایا تا کہ وہ بھیک نہ مانگے باوجود اس کے کہ یہ پانی مالک کی ملکیت ہے لیکن مضطر جسے پیاس کی وجہ سے ہلاکت کا خطرہ ہو اس میں سے پینا اور اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے لینا جائز ہے اگر چہ بزور بازو ہی لے تا کہ ہلاکت سے بچے اور پانی بھی مالک کی ضرورت سے زیادہ ہو بایں طور کہ اس کی جان بچانے کی لیے کافی ہو اور مضطر کو اور پانی ہی کہیں سے نہ ملے ہاں قیمت ادا کرنا اس پر واجب ہے اس لیے کہ اضطرار غیر کے حق کو باطل نہیں کرتا یا یہ کہ مضطر کا کسی چیز کو لینا ضمان کے منافی نہیں اور بزور بازو لینے میں اسلحہ کے علاوہ اس سے زور آزمائی کرے۔ مثلاً لاٹھی وغیرہ سے اس لیے کہ اس نے معصیت کا ارتکاب کیا ہے۔ گویا یہ اس کے لیے تعزیر ہے۔

دوسری قسم: **چشموں اور کنوؤں کا پانی**..... وہ پانی جسے آدمی اپنے لیے نکالے۔ حنفیہ کے ہاں ② اس کا حکم یہ ہے کہ یہ اس کی ملکیت نہیں بلکہ فی نفسہ یہ مباح ہے اور اس میں نکالنے والے کا خاص حق ہے چاہے یہ مباح زمین میں ہو یا مملوک زمین میں اس لیے کہ اصل کے اعتبار سے پانی تمام لوگوں کے لیے مباح ہے نبی علیہ السلام کے ارشاد کی وجہ سے کہ لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں پانی گھاس اور آگ میں اسی وجہ سے اس میں حق شفعہ ثابت ہے نہ کہ حق شرب پہلا کسی خاص شخص سے مختص نہیں بلکہ یہ مستحق کا ہے اور دوسرے لوگوں کا وہ اس سے اپنی ضرورت کے مطابق اپنے پینے اور جانوروں کے پینے اور گھریلو استعمال کے لیے لے سکتے ہیں۔

اگر مالک انکار کر دے تو ضرورتمند اس سے جبراً لے سکتا ہے اگر طاقت کا استعمال کرنا پڑے اور اس سے وہ اسلحہ کے ساتھ لڑ سکتا ہے اس لیے کہ کنویں میں پانی مباح ہے کسی کی ملکیت نہیں صرف اتنی شرط ہے کہ ضرورتمند کو اس کے قریب اور پانی نہ ملتا ہو اور محتاج کے حق پر دلیل یہ ہے کہ ایک قوم سفر کر رہی تھی وہ ایک پانی پر پہنچے انہوں نے ان پانی والوں سے اپنے پینے اور اپنے جانوروں کے پینے کے لیے جو ہلاک ہونے کے قریب تھے پانی مانگا تو انہوں نے انکار کر دیا انہوں نے اس کا تذکرہ عمر رضی اللہ عنہ سے کیا تو آپ نے فرمایا: ان سے کیوں اسلحہ سے لڑائی نہ کی۔ ③

یہ بات یاد رہے کہ ان دونوں قسموں کا حکم تقریباً قریب قریب ہے فرق یہ ہے کہ پہلی قسم مالک کی مملوک ہے اور دوسری قسم کسی کی مملوک نہیں۔ نیز مضطر پہلی صورت میں بغیر اسلحہ کے لڑ کر پانی لے سکتا ہے اور دوسری صورت میں اسلحہ استعمال کرنا جائز ہے اور اس قسم میں حق ارتفاق

---

① البدائع ۶/۱۸۸۔ ② البدائع ۶/۱۸۸۔ ③ الخراج لابی یوسف، ص: ۹۷۔

کی صفت بہت واضح طور پر ظاہر ہوگئی ہے۔

شوافع کے ہاں اصح قول کے مطابق ارض موات یا اپنی خاص زمین میں کنواں کھودنے والا اس کا مالک ہے کیونکہ یہ اس کی ملکیت کی بڑھوتری ہے جیسے پھل دودھ وغیرہ نیز شوافع کے ہاں مالک کی ضرورت سے جو زائد پانی ہے اسے کھیتی باڑی اور درختوں کی سیرابی کے لیے صرف کرنا لازم نہیں اور پینے سے اور جانوروں کو پلانے سے جو زائد پانی ہے اسے دوسرے لوگوں کے پینے اور جانوروں کے پلانے کے لیے صرف کرنا واجب ہے صحیحین میں روایت ہے کہ زائد پانی سے اس لیے نہ منع کروتا کہ گھاس سے روکو یعنی جانور کو پانی کے قریب چرنے سے۔ نہ روکو اس لیے کہ جب پانی سے روک دیا تو گھاس سے خود بخود روک دیئے جائیں گے اور مراد اس سے مباح کنویں کا نفع ہے یعنی کسی کو یہ اختیار نہیں کہ اس پر غلبہ پالے اور لوگوں کو روکے یہاں تک کہ اسے برتن میں نہ بھرے۔

تیسری قسم......خاص نہروں کا پانی یہ وہ پانی ہے جو نہروں یا چھوٹی چھوٹی نالیوں میں ہو اور بعض لوگوں کی ملک میں ہو اس کا حکم دوسری قسم کی طرح ہے ❶ اس میں ہر ایک کے لیے حق شفعہ ثابت ہے نہ کہ حق شرب ہر انسان کو اختیار ہے کہ وہ ان سے خود اور اپنے جانوروں کا نفع اٹھائے اگر چہ تھوڑا ضرر ہی ہو اس لیے کہ زیادہ ضرر کو کم ضرر سے زائل کیا جاتا ہے لیکن کسی کو یہ اختیار نہیں کہ مالک کی اجازت کے بغیر وہ اپنے زرعی زمین یا درختوں کو سیراب کرے مالک کو اختیار ہے کہ وہ دوسروں کو زمین اور درخت سیراب کرنے سے روکے اس لیے کہ اس پانی اس کا خاص حق ہے اور احناف کے ہاں مالک کے لیے جائز نہیں کہ وہ صرف حق شرب کو فروخت کرے مثلاً ایک دن یا زیادہ دونوں کی پانی کی باری فروخت کردے اس لیے کہ یہ نام ہے حق شرب اور سیراب کرنے کا اور حقوق اکیلے بیع وشراء کے متحمل نہیں اگر کسی نے زمین حق شرب کے ساتھ فروخت کی تو زمین کے تابع ہونے کی وجہ سے جائز ہے اس لیے کہ کبھی چیز کو غیر کے تابع کرنا جائز ہے اگر چہ مستقل طور پر علیحدہ اسے فروخت کرنا جائز نہ ہو نیز زمین کی بیع میں شرب بغیر وضاحت کے داخل نہیں ہوتی یا ایسے الفاظ ذکر کرے جو اس پر دلالت کریں مثلاً میں نے زمین اس کے حقوق اور منافع کے ساتھ فروخت کی البتہ حنفیہ محفوظ اور معلوم مقدار پانی کی پینے کے لیے بیع کی اجازت دیتے ہیں اسی طرح مالکیہ شوافع اور حنابلہ مملوک پانی کی زمین کی علاوہ فروخت کی اجازت دیتے ہیں البتہ مالک کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ بغیر ثمن کے خرچ کرے البتہ اس پر خرچ کرنے کے لیے زبردستی کرنا جائز نہیں الا یہ کہ کچھ لوگوں کو سخت پیاس ہو اور موت کا خطرہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ انہیں پانی پلائے اور روکنے پر وہ اس سے قتال کریں۔ شوافع نے تصریح کی ہے کہ جو پانی فروخت کیا جائے اس کی مقدار کیل یا وزن کے اعتبار سے ہونا شرط ہے۔

چوتھی قسم: عام نہروں کا پانی......وہ پانی عام نہروں میں بہے اور کسی کی ملکیت میں نہ ہو یہ تمام لوگوں کا ہے جیسے دریائے نیل، دجلہ، فرات اور اس طرح کی بڑی نہریں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ان نہروں پر کسی کی ملکیت نہیں نہ پانی میں اور نہ پانی بہنے کی جگہ میں بلکہ یہ تمام لوگوں کا حق ہے، ہر ایک کو ان سے نفع اندوز ہونے کا حق ہے خود پینے اور جانوروں کو پلانے کھیتی اور درخت سیراب کرنے اس سے نالیاں نکالنے اور اپنی زمین کی طرف پانی لانے کے لیے آلات نصب کرنا اور اس طرح کے دوسرے وسائل اختیار کرنے کا سب کو حق ہے اور حاکم کسی کو بھی کسی طرح کا نفع اٹھانے سے منع نہیں کر سکتا جب کہ نہر کسی دوسرے یا عام لوگوں کے کسی کے فعل سے نقصان نہ پہنچے جیسا کہ راستوں اور عام منافع کے استعمال کا حکم ہے۔

جب نقصان ہو تو مسلمانوں میں سے ہر ایک کو اسے روکنے کا اختیار ہے اور اسے تصرف سے روکنے کا تا کہ ضرر زائل ہو۔ اس لیے کہ یہ عام مسلمانوں کا حق ہے اور ان کے حق میں تصرف کا مباح ہونا ضرر کے منتفی ہونے کے ساتھ مشروط ہے جیسا کہ عام منافع کے انتفاع میں اس

❶......البدائع: ۶/۱۸۹ المهذب: ۱/۴۲۷۔

لیے کہ نہ ضرر پہنچے اور نہ ضرر پہنچایا جائے اور اس بات کی دلیل کہ یہ نہریں کسی کی بھی ملکیت میں نہیں اور ان تمام لوگوں کو مشاع طور پر حق ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں پانی گھاس اور آگ میں۔ اور ایک روایت میں ہے نمک لوگوں کی ان اشیاء میں شرکت شرکت اباحت ہے نہ کہ شرکت ملک کیونکہ اسے ذخیرہ نہیں کیا گیا یہ اس سے نفع اٹھانے میں برابر ہیں اور پانی بھی عام ہے لہٰذا ان کے لیے حق شرب ثابت ہے۔

تیسری بات: حق شرب اور پانیوں سے انتفاع کے عام احکام..... پانیوں سے نفع اور ہونے کے کچھ عام احکام ان نہروں والا نفع اندوز ہونے سے روک سکتا ہے اپنے اوپر سے ضرر ونقصان دور کرنے کے لیے حدیث نبوی لاضرر ولاضرار پر عمل کرتے ہوئے اور ضرر میں سے ہے کہ پڑوسی کی زمین کی طرف غیر معتاد طریقے سے پانی بہایا جائے اگر اس نے تعدی کی تو اس پر ضمان ہوگا حنفیہ نے کہا ہے کہ وہ شخص جو اپنی زمین کو پانی سے بھر دے پھر اس سے پانی نکل کر پڑوسی کی زمین کو غرق کر دے یا عام طریقے سے وہ اپنی زمین کو سیراب کرے اور اس سے پڑوسی کی زمین کو نقصان پہنچے تو یہ شخص ضامن نہ ہوگا۔ اس لیے کہ یہ سبب تو بنا ہے لیکن تعدی کرنے والا نہیں اور اگر سیرابی غیر معتاد طریقے سے ہو تو پھر یہ ضامن ہوگا اسی پر فتویٰ ہے۔ ❶

۲..... نفع اٹھانے والے پر واجب ہے کہ وہ اگر عام راستہ پائے تو اس سے پانی گذار کرلے جائے اور اگر عام راستہ نہ ہو تو پھر خاص راستے والے پر واجب ہے کہ وہ اسے پانی گذارنے کی اجازت دے یا پانی کے ذریعہ اس کی حاجت پوری کرے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے جبکہ ضحاک بن خلیفہ رضی اللہ عنہ نے شکایت کی تھی وہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی زمین سے پانی گذار کر لے جانا چاہتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا بخدا یہ پانی ضرور ضرور گذاریں گے۔ اگرچہ آپ کے پیٹ پر سے گذار کر لے جانا پڑے۔ ❷

۳..... حق شرب میں وراثت جاری ہوگی اور اس سے نفع اٹھانے کی وصیت کرنا بھی جائز ہے۔ حتیٰ کہ حنفیہ کے ہاں بھی وراثت جاری ہوگی جو حقوق اور منافع کی وراثت کے قائل نہیں۔ اور زمین کے تابع کر کے اسے فروخت کرنا بھی جائز ہے البتہ مستقل طور پر علیحدہ کر کے حنفیہ کے ہاں فروخت کرنا جائز اور صحیح نہیں۔ کما اوضحت سابقا اس لیے کہ اس کی مقدار معلوم نہیں اور مجہول چیز کی بیع جائز نہیں اس لیے کہ اس میں ضرر اور ظلم ہے نیز اس لیے بھی کہ حنفیہ کے ہاں حقوق مال متقوم نہیں ظاہر روایت میں لہٰذا انفرادی طور پر ان کی بیع ہبہ اجارہ صدقہ صحیح نہیں اولیٰ یہ ہے کہ حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات کی رائے پر عمل کیا جائے جو حقوق اور منافع میں تصرف کے جواز کے قائل ہیں اس لیے کہ لوگوں کے عرف میں یہ مال متقوم ہے۔

۴..... اگر پانی کسی ایک شخص کی ملکیت ہو تو اسے اس سے جس طرح چاہے نفع اٹھانے کا حق ہے۔ اور اگر پانی کسی مشترک جماعت یا بہت سے لوگوں کا ہو وہ آپس میں انصاف کے ساتھ تقسیم کرتے ہوں یا تو مہایات نے طور پر باری باری بایں طور کہ ایک ایک خاص مدت میں پانی استعمال کرے یا وہ نالیاں وغیرہ نکال کر استعمال کرتے ہوں اور اس کی مساحت تمام کے لیے مناسب ہو۔ یہی شوافع کی بھی رائے ہے اور تقسیم میں برابری کے تقاضا کی وجہ سے اگر ایک قوم کے درمیان نہر مشترک ہو اور وہ حق شرب میں لڑ پڑیں تو پھر ان کے درمیان شرب ان کی زمینوں کی مساحت کے اعتبار سے ہوگی کمایینت اس لیے کہ مقصود زمین سیراب کر کے نفع اٹھانا ہے لہٰذا ان کا حق اسی کی بقدر مقرر ہوگا برخلاف راستے کے اس لیے کہ اس کا مقصد تو گذرنا ہے اور وہ تنگی اور کشادگی کی وجہ سے مختلف نہیں ہوتا اور گھر کے وسیع یا تنگ ہونے کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ مقصود صرف چلنا ہے۔ نیز برابری وعدل کا تقاضا یہ ہے کہ تقسیم کی تبدیلی وغیرہ تمام کی رضامندی سے ہو لہٰذا کسی شریک کو یہ جائز نہیں،

❶..... الدر المختار ۳۱۷/۵۔ ❷ تنویر الحوالک لشرح المؤطا مالک: ۱۸/۲۔

کہ وہ ان کی رضامندی کے بغیر نہر سے نالی نکالے یا اس پر پن چکی لگائے یا پانی نکالنے کا آلہ لگائے یا پل لگائے یا نہر کا منہ کشادہ کرے یا پہلے نالیوں کے ذریعہ پانی تقسیم تھا اب اسے دنوں کے ذریعہ تقسیم کرنا یا اپنے حصہ کو کسی دوسری اپنی زمین کی طرف لے کر جائے جس میں حق شرب نہیں یہ سب اس لیے کہ قدیم کو اپنے قدیم پہ چھوڑا جاتا ہے کیونکہ اس میں حق ظاہر ہے نیز دوسروں کو ضرر سے روکنا ہے جب کہ ان کاموں کے ذریعہ انہیں ضرر اور نقصان ہے۔ ⓫

۵.....حنفیہ کے ہاں زمین کے بغیر بھی حق شرب کا دعویٰ کرنا استحساناً درست ہے اس لیے کہ یہ مرغوب چیز ہے اور اس سے نفع اٹھایا جاتا ہے اور اس کا بغیر زمین کے بھی مالک بنا جا سکتا ہے وراثت اور وصیت کے طور اس لیے کہ کبھی زمین حق شرب کے بغیر فروخت کر دی جاتی ہے اور حق شرب ہی باقی رہتا ہے لہٰذا جب کو اس پر غلبہ پانا چاہے تو اپنے اوپر سے ظلم دور کرنے کے لیے اور اپنا حق ثابت کرنے کے لیے گواہوں سے اسے ثابت کرنا صحیح ہے۔

۶.....بارش، سیلاب اور چھوٹی نہروں کے پانی سے لوگ نفع اٹھائیں جس میں بہت سے لوگ ہوں بایں طور کے سب سے اوپر والا پہلے اپنی زمین کو سیراب کرے پھر اس کے قریب والا پھر اس سے قریب والا اسی طرح آخر تک سیراب کریں دلیل حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ والی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوریں سیراب کرنے کے لیے سیلاب کے پانی کا فیصلہ فرمایا کہ اوپر والا نیچے والے سے پہلے سیراب اور پانی اپنے کھیتوں کی انتہاء تک پہنچائے پھر وہ پانی چھوڑے اپنے سے نیچے والے کی طرف اسی طرح کریں یہاں تک کہ باغات ختم ہو جائیں یا پانی ختم ہو جائے۔ ⓬

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور انصار میں سے ایک صحابہ رضی اللہ عنہ مین حرۃ کی زمین میں ایک چھوٹی نہر کے سلسلہ میں اختلاف ہوا جس سے کھجوریں سیراب کی جاتی تھیں انصاری کہنے لگے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو کہ پانی چھوڑ دو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا تو دونوں جھگڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اپنی زمین سیراب کرو پھر پانی اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ، تو انصاری کہنے لگے، کیا اس وجہ سے کہ یہ آپ کے چچا کے بیٹے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا، اور آپ نے فرمایا: اے زبیر اپنی زمین کو سیراب کرو یہاں تک کہ تمام زمین انتہاء تک سیراب ہو جائے ⓭ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی۔

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ......النساء: ۴/ ۶۵

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے روایت کی ہے کہ انہیں خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہروز اور مذہب کے سیلاب کے بارے میں فرمایا پانی اپنے باغات وغیرہ کے سیراب کرنے کے لیے روکو پھر اوپر والا نیچے والے کے لیے چھوڑے۔ ⓮

چوتھی بات: نہریں کھودنا......الکری کا معنی ہے نہر کی زمین سے مٹی نکالنا، اسے کھودنا اور اس کے منہ کو درست کرنا، اور اسی سے ملحق ہے پل وغیرہ کی درستگی۔ اور کھودنے کا خرچہ نہروں کی اقسام کے اعتبار سے ہے اور نہروں کی تین قسمیں ہیں۔ ⓯

پہلی قسم......وہ عام نہریں جو کسی کی ملکیت میں نہیں ہیں جیسے فرات، نیل وغیرہ ان کے کھودنے اور درست کرنے کا خرچہ بیت المال سے ہوگا اور اس میں بھی خراج اور جزیہ وغیرہ سے صدقات اور عشر وغیرہ سے نہیں اس لیے کہ یہ عام مصلحت کے لیے ہیں لہٰذا اس کا خرچہ بیت المال کے ساتھ خاص ہوگا حدیث نبوی پر عمل کرتے ہوئے الخراج بالضمان ⓰ اگر بیت المال میں کچھ بھی نہ ہو تو حاکم لوگوں کو نہر کی درستگی

⓫الدر المختار ۵/ ۳۱۵۔ ⓬رواہ ابن ماجۃ۔ ⓭متفق علیہ۔ ⓮ تنویر الحوالک: ۲/ ۲۱۷۔ ⓯ تکملہ فتح القدیر ۸/ ۴۶۱۔ ⓰رواہ الخمسۃ۔

پر مجبور کرے اگر چہ وہ اس سے رکیں، ضرر دور کرنے اور عام فائدہ کی غرض سے اسی طرح کے ایک مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم اسے چھوڑ دو تو تم اپنی اولاد کو فروخت کرو۔ اور وہ امیر اور مالدار جو خود نہر درست نہیں کر سکتے ان کے ذمہ اس کا خرچہ ہوگا جیسا کہ لشکر تیار کرنے میں ہوتا ہے۔ اور جو لوگ کام کر سکتے ہیں انہیں کام پر مجبور کیا جائے گا اور ان کا خرچہ امیروں پر ہوگا۔

دوسری قسم...... وہ عام نہر جو چند لوگوں کے درمیان مشترک اور مملوک ہو یہ من وجہ عام ہے اور من وجہ خاص ہے اس کی درستگی کا خرچہ اس کے رہنے والوں پر ہوگا اس لیے کہ حق بھی ان کا ہے اور اس کا فائدہ بھی خاص طور پر ان کی طرف لوٹتا ہے لہٰذا اس کی درستگی ان کے ذمہ ہے کیونکہ فائدہ اٹھانے والے پر ضمان ہے اور جو ان میں سے انکار کرے تو اسے خرچ کرنے پر مجبور کیا جائے گا وہ عام ضرر جو شرکاء کو ملحق ہو رہا ہے اس کو دور کرنے کے لیے۔ اور مملوک اس طور پر کہ مقاسم اور تقسیم کے تحت داخل ہو، عام اور خاص، خاص وہ تیسری قسم ہے جس میں خاص گروہ شریک ہو اور عام جو ایک غیر محدود جماعت کی ملک میں ہو۔

تیسری قسم...... وہ مملوک نہر جو خاص گروہ کی ہو اس کا خرچہ بھی اس کے شرکاء پر ہے۔ اس لیے کہ اس کا نفع بھی انہیں کی طرف لوٹتا ہے، لیکن اگر یہ سارے اسے ٹھیک کرنے سے رک جائیں تو ان پر حاکم زبردستی نہیں کرے گا، جیسا کہ اپنے گھر اور زمین کی اصلاح نہ کرنے والا اگر بعض انکار کریں اور بعض نہ کریں تو کہا گیا ہے کہ انکار کرنے والے پر زبردستی کی جائے گی اس لیے کہ نفع سب کا ہے اور کہا گیا ہے کہ زبردستی نہ کی جائے گی اس لیے کہ زبردستی کرنے میں اس کا نقصان ہے اور شرکاء سے نقصان دور کیا جا سکتا ہے اس کے حصہ کو خرید کر جب کہ قاضی کے حکم سے درستگی واصلاح کی گئی ہو۔

شرکاء کس طرح کھودیں اس میں اختلاف ہے، جب نہر کی درستگی کی ضرورت ہو ایسی جگہ جہاں سے اوپر کچھ نہ ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مشترک کے کھودنے کا خرچہ اوپر والے شرکاء پر ہے جب ایسے شخص کی زمین سے متجاوز ہو جائیں جس کے کھودنے کی ضرورت نہیں تو وہ کھودنے کے اخراجات سے بری ہو جائے گا اس لیے کہ کھودنے کا مقصد سیراب کرنے کا نفع اٹھانا ہے، اور وہ اوپر والے کو حاصل ہو گیا اس پر دوسرے کا نفع لازم نہیں۔

صاحبینؒ کے ہاں کھودنا تمام شرکاء پر ہے شروع سے آخر تک شرب اور زمینوں کے حصص کے اعتبار سے اس لیے کہ اوپر والے کا نیچے والے میں حق ہے کیونکہ اضافی پانی بہانے میں وہ اس کا محتاج ہے اور یہ رائے میرے اندازے کے مطابق معقول ہے اور حنفیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ درستگی جب نہر کے اوپر سے ہو تو اس کے اخراجات تمام شرکاء پر ہیں کیونکہ اس کی درستگی پر تمام کا نفع موقوف ہے۔

دوسرا مطلب: حق شفعۃ...... حق شفعہ حق شرب کے ساتھ ملحق ہے اور ان کے احکام ایک ہی طرح کے ہیں کچھ فرق کے ساتھ۔ حق شفعہ کا معنی وہ پانی سے انسان کے پینے اور گھریلو استعمال مثلاً کھانا پکانا غسل وغیرہ کا فائدہ اٹھانا ہے نیز جانوروں کو بلانا تاکہ ان کی پیاس بجھ جائے یا انسان کی ضرورت ہے پانی خود استعمال کرنے جانوروں کو بلانے اور گھریلو فوائد حاصل کرنے کا نام ہے۔ اس کے احکام پانی کی اقسام کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہیں۔ اور پانی کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم...... سمندروں کا پانی ان میں ہر ایک کو حق شفعہ اور زمین کو سیراب کرنے کا حق ہے وہ جس طرح بھی فائدہ اٹھائیں اس لیے کہ یہ کسی کی ملکیت میں نہیں اور سمندر سے فائدہ اٹھانا ایسے ہی ہے جیسے سورج چاند اور ہوا سے فائدہ اٹھانا۔

دوسری قسم...... بڑی نہروں (دریاؤں) کا پانی جیسے فرات، دجلہ، نیل سیحون اور جیحون وغیرہ کا پانی اس میں بھی تمام لوگوں کو مطلق حق شفعہ ہے اور زمینوں کو سیراب کرنے کا حق ہے کیونکہ یہ اصل کے اعتبار سے مباح ہیں ہر انسان کو ان سے پینے اور سیراب کرنے کا حق ہے جبکہ

لوگوں کو اس سے نقصان نہ ہو اس لیے کہ ان سے ضرر دور کرنا واجب ہے نیز مباح چیز سے نفع اٹھانا اسی وقت جائز ہے جب اس سے کسی ایک کو نقصان نہ ہوتا ہو جیسے بند خراب کرنا اور اس کا منہ توڑنا جس سے بستیاں اور زمینیں غرق ہو جائیں۔

تیسری قسم...... چھوٹی مملوکہ نہروں کا پانی جو کسی خاص قوم کے درمیان مشترک ہو فقہاء کے ہاں اسے ماء المقاسم" کہتے ہیں اس میں بھی ضرورت کی بناء پر بھی حق شفہ ثابت ہے اس لیے کہ پانی میں اصل لوگوں کا شریک ہونا ہے کیونکہ آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں پانی گھاس اور آگ میں نیز ہر جگہ پر پانی پہنچانا مشکل ہے اور لوگ اس کے محتاج ہیں اگر انہیں اس سے منع کر دیا جائے تو پھر عظیم حرج ہوگا۔

لیکن اگر پانی کسی مملوکہ نہر یا کنویں کا ہو کسی مملوکہ زمین میں تو زمین والا اپنی زمین میں داخل ہونے سے انہیں منع کر سکتا ہے، جب کہ کہیں قرب وجوار میں پانی موجود ہو۔ اگر کہیں پانی موجود نہ ہو یا تو وہ اسے پانی خود نکال کر دے دے یا پھر اسے چھوڑ دے کہ وہ خود اس سے پانی نکال دے اس شرط کے ساتھ کہ کنویں یا نہر کی کسی جانب ٹوٹنے نہ پائے اس لیے کہ مضطر کے لیے نہر کنویں یا حوض وغیرہ میں ضرورت کے وقت حق شفہ ہے اگر زمین کے مالک نے اسے روک دیا وہ خود یا اس کا جانور پیاس کی حالت میں ہو تو اسے اجازت ہے کہ وہ اسلحہ کے ساتھ اس سے لڑے تا کہ ایسے آپ کو ہلاک ہونے سے بچائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سابقہ ارشاد کی وجہ سے ھلا وضعتم فیھم السلاح۔

نیز مالک زمین اسے حق شفہ سے روک کر اس کا اتلاف کر رہا ہے جب کہ یہ اس کا حق ہے اس لیے کہ کنویں اور نہر وغیرہ کا پانی مباح ہے کسی کی ملکیت نہیں۔ اصح یہ ہے کہ لوگ اس پانی سے لے سکتے ہیں اور اسے وضو غسل اور کپڑے دھونے کے لیے لے جا سکتے ہیں، اس لئے کہ ان سے روکنا دنائت ہے آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ عمدہ امور کو پسند فرماتے ہیں اور غیر مہذب اور ناشائستہ چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں اور اصح یہ ہے کہ دختوں اور سبزیوں وغیرہ کے لیے پانی لے جانے سے مالک زمین روک سکتا ہے" اسی طرح جب تمام پانی پر حق شفہ ہو۔ مثلاً چھوٹی چھوٹی نالیاں نکالی ہوتی ہوں اور اس پر زیادہ جانور رہوں تو اکثر فقہاء کے ہاں مالک کو روکنے کا حق ہے اس لیے کہ اس سے اسے نقصان ہوگا۔

چوتھی قسم...... برتنوں میں محفوظ پانی یہ جمع کرنے والے کی ملک میں ہے اس سے کوئی بھی نفع اٹھانے کا حقدار نہیں الا یہ کہ مالک اجازت دے دے لیکن وہ شخص جو مضطر ہو اور پیاس کی وجہ سے اسے ہلاکت کا خوف ہو اور سے اس محفوظ پانی کے علاوہ پانی نہ ملتا ہو تو اسے اختیار ہے کہ وہ ملک سے پانی لے لے اگر چہ طاقت کا استعمال ہی کرنا پڑے لیکن اس میں اسلحہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں جب کہ پانی مالک کی ضرورت سے زیادہ ہو۔

تیسرا مقصد: حق مجری (پانی بہا کر لے جانے کا حق) اس کی تعریف اور احکام:

تعریف...... یہ دور کی زمین کے مالک کا حق ہے اپنی زمین کی طرف اسے سیراب کرنے کے لیے پانی لے جانا کبھی تو پانی بہانے کی جگہ زمین والے کی اپنی ہوتی ہے اور کبھی زمین والے کی ہوتی ہے اور کبھی دونوں کی ہوتی ہے اور کبھی بہت سے لوگوں کے درمیان مشترک ہوتی ہے۔

اس کے احکام...... شریعت میں جو عام حکم ہے وہ یہ ہے کہ زمین والے کو اپنی زمین سے پڑوسی کو پانی گذارنے سے منع کرنا جائز نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گزشتہ ارشاد پر عمل کرتے ہوئے کہ جب پڑوسی کو زمین سے پانی گذارنے سے منع کیا تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ پانی گذارے گا اگر چہ تمہارے سینے پر ہی سے گذار کر لے جائے اسی طرح مالک زمین کو یہ اختیار نہیں کہ وہ پانی گذارنے کی جگہ کو تبدیل

کر لے الا یہ کہ تمام لوگ راضی ہوں اور ان سب کو اس کی تبدیلی میں حق ہے اور اس سے پانی لے جانے سے روکنا اسے گہرا کرنا اس کی کناروں کو مضبوط کرنا سب کا حق ہے جیسا کہ مالک زمین کو اس کی اصلاح درستگی کے مطالبہ کا حق ہے۔

جب مجری ایک جماعت کے درمیان مشترک ہو تو ان میں سے کسی ایک کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اسے بند کرے، ہاں اگر سب اس بات پر رضامند ہوں کہ ہر ایک اپنی باری پر بند کرے تو یہ الگ بات ہے اگر وہ بند کرنے سے روکیں تو پھر سے کسی چیز کے ذریعہ اپنی زمین پانی لے جانے کی اجازت ہے۔ ❶

تمام شرکاء کی رضامندی کی دلیل قاعدہ ہے کہ خاص ضرر عام ضرر کو دور کرنے کے لیے برداشت کیا جائے گا حق مجری اگر کسی کی زمین میں قدیم سے ہو تو اس کو اپنی حالت پر چھوڑا جائے گا اس قاعدے قدیم اپنی حالت پر رہے گا پر عمل کرتے ہوئے اور ہمیشہ رہے گا الا یہ کہ مالک زمین کو نقصان ہو رہا ہو تو ہو اس قاعدے ضرر قدیم نہیں ہوتا پر عمل کیا جائے گا۔

اگر نیا پانی گذارنے کا راستہ بنانا چاہیں اگر وہ عام راستہ ہے تو پھر سلطان کی اجازت سے اسے بنایا جائے گا ضرر دور کرنے اور عام مصلحت کے تحقیق کے لیے۔

اگر کسی کی مملوکہ زمین ہو تو پر مالک کی اجازت سے بنایا جائے اگر اس سے کوئی ضرر نہ ہو تو پھر مالک اسے منع نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے:

والله يمرن به ولو على بطنك

چوتھا مقصد: حق مسیل......تعریف اور احکام: حق مسیل، ضرورت سے زائد پانی کے تصرف کا حق یا بے فائدہ پانی کو دوسرے عام راستے کی طرف لے جانا کسی سطحی، یا پوشیدہ راستہ کے ذریعہ چاہے زمین میں ہو یا گھر اور فیکٹری کا اس میں اور حق مجری میں فرق یہ ہے کہ حق مجری صحیح پانی کو زمین کے لیے لانا اور حق مسیل غیر مفید پانی کو زمین گھر وغیرہ سے دور کرنا۔

مسیل کبھی تو منتفع بہ کا مملوک ہوتا ہے اور کبھی مالک زمین کا ہوتا ہے اور کبھی عام راستہ ہوتا ہے جب پڑوسی کی زمین سے مسیل بنانا متعین ہو جائے تو اس کے مالک کو اس سے روکنا یا جھگڑا کرنا جائز نہیں الا یہ کہ اس پر واضح ضرر ہو اور یہ حق ہمیشہ رہے گا اگرچہ اس زمین کی صفت تبدیل ہو جائے مثلاً پہلے زمین زرعی تھی اب وہ گھر یا فیکٹری بنا دی گئی۔ اگر حق مسیل قدیم ہو تو وہ اپنے مال پر باقی رہے گا جب کہ عام یا خاص مصلحت کو نقصان نہ ہو تو اس وقت اس کا ازالہ واجب ہوگا اس لیے کہ ضرر کو زائل کیا جائے گا'' اور ضرر کے قدیم ہونے سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔

اس لیے کہ ضرر قدیم نہیں ہوتا مسیل کی درستگی کے اخراجات نفع اٹھانے والے پر ہوں گے جب کہ اس کی ملکیت میں ہو اور اگر عام زمین میں ہو تو درستگی کے اخراجات بیت المال پر ہوں گے۔

پانچواں مقصد: حق مرور (گذرنے کا حق)......تعریف اور احکام، حق مرور، یہ ہے کہ انسان اپنی مملوکہ زمین یا گھر میں کسی راستے سے گزر کر پہنچے چاہے عام راستہ ہو یا خاص۔

اس کا حکم راستے کی اقسام کی اعتبار سے مختلف ہے:

۱......اگر راستہ عام ہو تو پھر ہر انسان کو اس سے نفع اٹھانے کا حق ہے، اس لیے کہ یہ مباحات میں سے ہے چاہے گذریں یا اس سے کوئی راستہ بنائیں یا چبوترہ نکالیں نیز جانور کھڑے کرنا گاڑیاں کھڑی کرنا خرید وفروخت کے لیے جگہ بنانا اس میں صرف دو شرطیں ہیں: پہلی شرط سلامتی ہو اور کسی دوسرے کا کوئی نقصان نہ ہو اس لیے کہ ''لاضرر ولا ضرار'' دوسری شرط اس میں حاکم کی طرف سے اجازت ہو۔ اگر

---

❶......البدائع: ۶/ ۱۹۰۔

گذرنے والا نقصان پہنچائے یا دوسرے نفع اٹھانے والوں کو نقصان ہو مثلاً گذرنے سے روک دے اگر چہ اس کے اس فعل سے نقصان نہ ہو تو امام ابوحنیفہ کے ہاں حاکم کی اجازت سے جائز ہے اور صاحبین کے ہاں اجازت شرط نہیں جیسا کہ میں حق تعلی میں بیان کروں گا شوافع اور حنابلہ کے ہاں بھی حاکم کی اجازت شرط نہیں۔

مالکیہ کے ہاں اگر کسی نے مسلمانوں کے راستے میں کوئی عمارت بنائی یا اپنی ملک سے راستہ میں کسی چیز کا اضافہ کیا تو بالاتفاق اسے اس سے روکا جائے گا۔شوافع کے ہاں راستہ میں ایسا تصرف کرنا جس سے گذرنے والوں کو تکلیف ہو جائز نہیں اس لیے کہ اس میں تمام مسلمانوں کا حق ہے اس میں روشندان یا دو دیواروں پر چھت بنانا جائز نہیں جس سے تمام لوگوں کو نقصان ہو۔اگر راستہ خاص ہو تو اس سے نفع اٹھانے کا حق اس کے مالک رہنے والے یا اس میں مشترک لوگوں کو ہے اور کسی غیر کو اختیار نہیں کہ وہ اس میں دروازہ یا راستہ بنائیں اور جب شارع عام میں رش ہو تو اس خاص راستے سے گزرنے کا تمام لوگوں کا حق ہے اس کے مالکوں کو اسے بند کرنے یا ختم کرنے کا حق نہیں عام لوگوں کے حق کے احترام کی وجہ سے۔اسی طرح اس راستے والوں میں سے کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس سے غیر معروف طریقے سے نفع اٹھائیں ہاں اگر سارے راضی ہوں پھر ایسا کیا جا سکتا ہے یہاں تک کہ ان میں سے کسی ایک سے خریدنے والے کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ ان کی اجازت کے بغیر اسی طرح کوئی کمرہ یا چبوترہ یا نالہ بنائے۔

چھٹا مقصد: حق تعلی کی تعریف اور مالک اعلیٰ اور اسفل کے اس میں تعریف کا حکم:

حق تعلی...... یہ ہمیشہ کا اقرار یا اوپر والے طبقہ کا نیچے والے طبقہ سے ربط اور تعلق اور اس کی چھتوں سے فائدہ اٹھانا جیسا کہ آج کل مشترک منزلوں میں ہوتا ہے۔یہ حق اوپر والے کے لیے ہمیشہ سے ثابت ہے اور اوپر والے کے لیے حق بقاء اور قرار ہے نیچے والوں پر اور حنفیہ کے ہاں وہ اس کی چھت کا مالک نہیں ہوگا اس کا حق اس کا منہدم ہونے یا نیچے والی منزل کے منہدم کرنے سے ختم نہیں ہوتا اور یہ حق برقرار رہتا ہے اور اس میں وراثت بھی جاری ہوگی۔

مالکیہ کے ہاں...... جو چھت ان دو منزلوں کے درمیان ہوتی ہے وہ نیچے والی کی ہے لہٰذا اگر وہ منہدم وغیرہ ہو جائے تو اس کا بنانا اور اس کی درستگی نیچے والے پر ہے۔اور اوپر والے کو اس پر بیٹھنا جائز ہے جس طرح حنفیہ کے ہاں ہے۔

شوافع کے ہاں...... یہ چھت دونوں کے درمیان مشترک ہے جیسے کہ دیوار دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہوئی ہے کیونکہ اس سے فائدہ حاصل کرنے میں دونوں شریک ہیں اس لیے کہ یہ نیچے والے کے لیے پردہ ہے اور اوپر والے کے لیے زمین ہے اور اوپر والا اس پر سہارا لے سکتا ہے اور ان میں سے کسی ایک اس میں کیل لگانے یا روشندان کھولنے کی اجازت نہیں ہاں اگر ایک دوسرے کو اجازت دے دے تو یہ الگ بات ہے اور اوپر والا عادی طریقے سے اس سے نفع اٹھا سکتا ہے اور جب مشترک چیز منہدم ہو جائے تو ایک دوسرے کو اس کی تعمیر پر مجبور پر نہیں کر سکتا اس لیے کہ ضرر ضرر سے زائل نہیں ہوتا،اور حنفیہ کے ہاں مستقل طور پر علیحدہ حق تعلی فروخت نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اس کا فروخت کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ یہ مال نہیں اور حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات کے ہاں اس کو مستقل طور پر فروخت کرنا جائز ہے اس لیے کہ منافع ان کے ہاں مال ہیں یہی رائے معقول اور عقلاً عرفاً اور فقہاً صحیح ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا صاحبینؒ سے تصرف کے حوالے سے اختلاف ہے علوم سفل والے مسئلہ میں۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مالک کے اپنی ملک میں تصرف اگر اس سے غیر کا حق متعلق ہو تو ممنوع ہے اس لیے کہ یہ ایک ایسے محل میں تصرف ہے جس کے ساتھ غیر کا

حق متعلق ہے لہٰذا پڑوسی کے لیے اپنی ملکیت میں تصرف کرنا اس کی رضا مندی کے بغیر درست نہیں اگر چہ اس تصرف سے نقصان نہ بھی ہوتا ہو اسی بناء پر نیچے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی عمارت میں تبدیلی کرے مثلاً کیل لگانا روشندان کھولنا یا دیوار بلند کرنا وغیرہ۔ ہاں اگر اوپر والا اجازت دے دے اسی طرح اوپر والا ایسی عمارت نہیں بنا سکتا جس سے نچلی منزل کمزور ہو۔

صاحبینؒ کے ہاں...... پڑوسی کے تصرف میں اصل اباحت ہے اس لیے کہ یہ اپنی ملکیت میں تصرف ہے اور ملکیت مطلق تصرف کا تقاضا کرتی ہے جس طرح مالک چاہے الا یہ کے اس کی وجہ سے دوسرے کو نقصان ہو، تو اس صورت میں مالک کو اس سے منع کیا جائے گا اور اس بناء پر نچلی منزل والے کو اجازت ہے کہ ایسا کرے جس سے اوپری منزل کو نقصان نہ ہو۔

یہی رائے معقول ہے اور میرے اندازے میں اصح یہی استحسان اور حنفیہ کے ہاں مفتی بہ ہے۔

ساتواں مقصد: حقِ جوار...... تعریف، پڑوسی کا اپنی ملکیت میں تصرف کرنا۔ حق جوار سے مراد قریب کی جوانب کا حق ہے جو حدود کے ملنے اور اڑوس پڑوس ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے پڑوسیوں میں سے ہر ایک کو اپنے پڑوسی کی عقار سے نفع اور فائدہ اٹھانے حق ہوتا ہے جب کہ پڑوسی کو ضرر فاحش لاحق نہ ہو۔

جس چیز سے پڑوسی کو تکلیف ہو اس سے بچنا دیانۃً واجب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ رہے ❶ اس کے ساتھ ساتھ فقہاء کی آراء ہیں پڑوسی کو ضرر نہ پہنچانے کے سلسلہ میں۔ ❷

امام ابوحنیفہ، شوافع اور ظاہریہ کے ہاں...... مالک کو اختیار ہے وہ اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور اپنی ملکیت میں تصرف کرنے میں آزاد ہے اگر چہ دوسرے کو ضرر ہی ہو اسے جو چاہے راستے بنائے جو دیواریں چاہے گرا دے اور جہاں چاہے کنویں کھودے جس قسم کی چاہئے فیکٹریاں کھولے اور جس قسم کے رہائش مکانات اور تجارتی مرکز بنائے۔

شوافع کے جدید قول کے مطابق مشترک دیوار میں دو شریکوں میں سے کسی ایک کو یہ اختیار نہیں کہ وہ دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر شہتیر رکھے اور نہ ہی اس میں کیل لگا سکتا ہے نہ روشندان وغیرہ نکال سکتا ہے، جس سے دوسرے شریک پر تنگی ہو اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی سامان رکھ سکتا ہے اس لیے کہ یہ اور دوسرے اس دیوار سے فائدہ اٹھانے میں اجنبی ہیں اس لیے کہ مالک کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا اور نہ اس پر تنگی کی جائے گی بلکہ اس سے وہ فائدہ اٹھا سکتا ہے اگر چہ مالک منع ہی کر رہا ہو۔

صاحبینؒ کے ہاں مالک کا اپنی عقار وغیرہ کا تصرف مقید ہے اس شرط کے ساتھ کہ اس سے پڑوسی کو کوئی بڑا نقصان نہ ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لاضرر ولا ضرار نہ ضرر پہنچے نہ ضرر پہنچایا جائے، حنفیہ کے ہاں یہی مفتی بہ ہے۔

واضح ضرر یہ ہے کہ جو پڑوسی کی عمارت کے گرنے کا سبب بنے یا جس سے اس کی عمارت کمزور ہو یا پڑوسی کو ہمیشہ اکیلے کوئی تکلیف پہنچے یا جس کی وجہ سے وہ حق انتفاع سے محروم ہو جائے یعنی ضروریات اصلیہ سے وہ رک جائے مثلاً اس کے گھر کے درمیان کوئی فیکٹری، پن چکی، حمام، تنور یا ایسی دیوار وغیرہ بنائے جن کی وجہ سے روشنی اس کے گھر میں داخل نہ ہو سکے۔

جب یہ کام وہ کرنا چاہئے تو اسے روکا جائے گا یا اس کو ختم کرنے کا اسے کہا جائے گا نیز اس سے پڑوسی کا جو نقصان ہوگا اس کا یہ ضامن ہوگا چاہے مباشر ہو یا صرف سبب سے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں...... مالک کا استعمال اور تصرف اس شرط سے مقید ہے کہ اس کے ذریعے دوسروں کو نقصان نہ ہو اگر چہ

❶......مسلم۔ ❷ البدائع ۶/۲۶۴۔

نیت وارادہ سے ہوا گر اس کے تصرف میں کوئی ظاہری مصلحت نہ ہو یا وہ دوسروں کے ضرر کے درپے ہو تو اسے روکا جائے گا اس لیے کہ مسلمان کو نقصان پہنچانے سے رکنا ضروری ہے۔

لیکن مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ کوئی آدمی اگر اپنی عمارت بلند کرنا چاہے جس سے پڑوسی کے گھر سورج کی روشنی نہ جا سکے تو اسے منع نہیں کیا جائے گا لیکن اگر اس سے ہوا بند ہو جائے تو اسے روکا جائے گا اور مالکیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پیدا ہونے والے مختلف قسم کے نقصان سے اسے روکا جائے گا۔ مثلاً روشندان یا ایسا طاقچہ بنانا جس سے پڑوسی کے گھر میں نظر پڑے تو اسے بند کرنے اور پردہ لٹکانے کا حکم دیا جائے گا یا کوئی شخص اپنے گھر میں حمام یا لوہار کا کام یا کوئی ایسی فیکٹری بنانا چاہے جس کے دھویں وغیرہ سے پڑوسی کو نقصان پہنچے تو اس سے اسے روکا جائے گا ہاں اگر وہ دھواں زائل کرے تو پھر منع نہیں کیا جائے گا اسی طرح اگر اس کے گھر کا پانی پڑوسی کے گھر یا اس کی چھت پر پہنچے یا اس کی گھر میں پانی جاری ہو جائے اور اس سے پڑوسی کی دیواروں کو نقصان پہنچے وغیرہ۔

خلاصہ...... یہ کہ فقہ اسلامی میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مالک کو ایسا تصرف کرنے کی اجازت ہے جس سے پڑوسی کو نقصان نہ ہو۔ نیز اگر کوئی چیز پڑوسی سے پہلے کی ہو تو اسے چھوڑا جائے گا جب کہ اس سے کوئی نیا نقصان نہ ہوتا ہو۔

پانچویں فصل......زمین کی سرمایہ کاری کے عقود

مزارعت مساقات: مغارسہ:

پہلا عقد: مزارعت...... مزارعت کی تعریف، اس کی مشروعیت، رکن، صفت عقد شرائط، انواع واقسام، اس کا حکم، مزارعت کا ختم ہونا اور فسخ کی صورتیں۔ اور اس میں پانچ بحثیں ہیں۔

پہلی بحث: مزارعت کی تعریف، مشروعیت، رکن اور عقد کی نوعیت:

پہلی بات: مزارعت کی تعریف...... مزارعت باب مفاعلہ سے ہے زرع سے ماخوذ ہے اگانا اور شرعاً بعض پیدوار پر عقد کرنا مالکیہ نے اس کی تعریف کی ہے۔ پیداور میں شرکت، اور حنابلہ نے تعریف کی زمین کسی شخص کو دینا جو اس میں کھیتی باڑی کرے اور کام کرے اور پیداوار ان دونوں میں مشترک ہو۔ اسے مخابرہ بھی کہتے ہیں یہ خبار سے ہے یعنی نرم زمین اور محاقلہ بھی کہتے ہیں اور اھل عراق اسے قراح کہتے ہیں۔

شوافع نے یوں تعریف کی ہے...... زمین میں کام کرنا اس سے نکلنے والی بعض پیداوار پر بیج عامل کی طرف سے ہو۔ مزارعت بھی مخابرہ ہے لیکن اس میں بیج مالک کی طرف سے ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ...... مزارعت زرعی زمین میں سرمایہ کاری ہے جو مالک زمین اور دوسرے آدمی کے درمیان ہوتی ہے جو کام کرتا ہے اس شرط پر کہ اس سے حاصل شدہ منافع دونوں کے درمیان حصص کے اعتبار سے مشترک ہے۔

دوسری بات: مزارعت کی مشروعت...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر مزارعت کو جائز قرار نہیں دیتے بالفاظ دیگر مزارعت فاسد ہے اور ثلث یا ربع پر مزارعت ان کے ہاں باطل ہے [1] اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی مزارعت کو جائز نہیں قرار دیتے

[1]......العنایۃ ۸/۳۲

شوافع کے ہاں مساقات کے تابع ہو کر جائز ہے ضرورت کی وجہ سے، اگر کھجوروں کے درمیان خالی زمین ہو تو مساقات کے ساتھ اس میں مزارعت جائز ہے بشرطیکہ عامل ایک ہی ہو اور درختوں کو علیحدہ سیراب کرنا مشکل ہو اور خالی زمین کو تعمیر کرنا مشکل ہو اور وہ کھیتی باڑی کرتا ہے تا کہ کھجوروں کو سیراب کیا جائے اور زمین کو ہل چلایا جائے اصح یہ ہے کہ یہ شرط ہے کہ دونوں عقدوں میں عاقدین الگ الگ عقد نہ کریں بلکہ دونوں کا اکٹھا عقد ہو نیز مزارعت کو مساقات سے پہلے نہ کیا جائے اس لیے کہ یہ تابع ہے اور تابع متبوع سے مقدم نہیں ہوتا۔

اور مخابرہ شوافع کے ہاں مساقات نے تابع ہو کر بھی جائز نہیں اس لیے کہ اس کی مشروعیت ثابت نہیں۔ ❶

مزارعت کی عدم مشروعیت پر امام ابوحنیفہ، زفر اور شافعی رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے۔ ❷ مخابرہ مزارعت ہی ہے نیز مزارع کو جو اجرت ملتی ہے وہ زمین سے نکلنے والی پیداوار ہے یا تو وہ عقد کے وقت معدوم ہوتی ہے یا مجہول ہوتی ہے اس لیے کے کبھی کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ جہالت اور محل عقد کا معدوم ہونا یہ عقد اجارہ کو فاسد کرنے والا ہے۔

رہ گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل خیبر سے معاملہ کرنا کما سیأتی وہ خراج مقاسمہ ہے جیسے ثلث یا ربع غلبہ پر بطریق احسان اور صلح اور یہ جائز ہے۔

اس کے ساتھ بہت سارے شوافع فقہاء کے ہاں مزارعت مستقل طور پر جائز ہے اہل خیبر سے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ کی وجہ سے اور مخابرہ مزارعت کے معنی میں ہے صاحبین امام مالک، امام احمد اور داؤد ظاہری کے ہاں یہی جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ مزارعت جائز ہے۔ دلیل یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے زمین سے نکلنے والی پیداوار کھیتی اور پھل کے ایک حصہ پر مزارعت کی۔ نیز یہ مال اور عمل کا عقد شرکت ہے، لہٰذا مضاربت کی طرح جائز ہے حاجت اور ضرورت پوری کرنے کے لیے کیونکہ کبھی صاحب مال اچھی طرح زراعت نہیں کرسکتا اور عامل اچھی طرح کرسکتا ہے اب اس کے تعاون سے خیر اور سرمایہ کاری ہوتی ہے۔

حنفیہ کے ہاں عمل اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اس لیے کہ یہ لوگوں کی ضرورت بھی ہے اور اس پر لوگوں کا عمل بھی ہے یہی راجح ہے اور یہ شرکت اور اجارہ کے مشابہ ہے اور یہ پیداوار میں مالک زمین اور مزارع کے درمیان طے شدہ مثلاً نصف یا ثلث میں شرکت ہے۔ زمین میں پیداوار کے اعتبار سے یہ عقد اجارہ ہے اور اس میں اجرت ایک متعین حصہ ہے لیکن یہ شرکت سے ممتاز ہے کہ مالک کا حصہ زمین ہی سے نکلنے والا حصہ ہوتا ہے اور عام منافع میں سے نہیں ہوتا۔

اور یہ زرعی زمین کی اجرت معلومہ سے ممتاز ہے اس لیے کہ اگر اجرت ایک متعین مقدار ہو مثلاً گندم یا چاول تو یہ عقد مزارعت نہیں بلکہ عام اجارہ ہے۔

تیسری بات: رکن مزارعت اور صفت عقد..... حنفیہ کے ہاں عقد مزارعت کا رکن ایجاب اور قبول ہے بایں طور کہ مالک زمین عامل سے کہے میں تمہیں یہ زمین بطور مزارعت اتنے حصہ پر دیتا ہوں اور عامل کہے میں نے قبول کرلیا یا میں راضی ہو گیا یا وہ ایسا کام کرے جو قبولیت اور رضا پر دلالت کرے جب یہ چیز پائی گئی تو عقد مکمل ہو جائیں گے۔ ❸

اس کے اطراف تین ہیں مالک زمین، عامل، اور محل عقد، جو زمین کی منفعت اور عامل کے عمل کے درمیان دائر ہے اور یہ حنفیہ کے ہاں ابتداءً اجارہ ہے، اور انتہاءً شرکت ہے اگر بیج عامل کی جانب سے ہو تو معقود علیہ زمین کی منفعت ہوگی اور اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہو تو معقود علیہ عامل کی منفعت ہوگی۔ حنابلہ کے ہاں مزارعت اور مساقات میں لفظ قبول کی ضرورت نہیں بلکہ صرف کام شروع کر دینا قبولیت کے لیے کافی ہے۔

---

❶ المہذب: ۱/۳۹۹۔ ❷ مسلم۔ ❸ البدائع ۱۷۶/۶۔

مزارعت کی صفت...... یہ حنفیہ کی ہاں باقی شرکتوں کی طرح عقد غیر لازم ہے۔

مالکیہ کے ہاں زمین میں بیج ڈالنے اور نرم کرنے سے لازم ہوجاتا ہے نیز مالکیہ کے ہاں معتمد یہ ہے کہ شرکت اموال صیغہ سے لازم ہوجاتی ہیں۔

حنابلہ کے ہاں عقد مزارعت اور مساقات دونوں غیر لازم عقد ہیں ہر ایک کو فسخ کا اختیار ہے اور متعاقدین میں سے کسی ایک کے مرجانے کی وجہ سے عقد باطل ہوجاتا ہے۔

دوسری بحث: شرائط: مزارعت...... حنفیہ میں سے صاحبین نے مزارعت میں چند شرائط لگائی ہیں کچھ عاقد میں کچھ کھیتی میں کچھ پیداوار میں کچھ زمین میں اور محل عقد، آلات زراعت اور مدت مزارعت میں۔

عاقد کی شرائط...... دوعام شرطیں ہیں:

۱...... عاقد عاقل ہو لہٰذا مجنون اور ناسمجھ بچے کی مزارعت جائز وصحیح نہیں اس لیے کہ تصرفات کی اہلیت کے لیے عقل شرط ہے رہ گیا بلوغ تو وہ مزارعت کے جواز کے لیے حنفیہ کے ہاں شرط نہیں لہٰذا ماذون بچے کی مزارعت اجارہ کی طرح جائز ہے اور مزارعت بھی بعض پیداوار کا اجارہ ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں باقی عقود کی طرح مزارعت میں بھی بلوغ شرط ہے۔

۲...... اگر عاقد مرتد نہ ہو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں۔ اس لیے کہ مرتد کے تصرفات ان کے ہاں موقوف ہیں لہٰذا فی الحال درست نہیں، البتہ صاحبین کے ہاں یہ شرط نہیں وہ مرتد کی مزارعت کو نافذ قرار دیتے ہیں۔ اور مرتدہ کی مزارعت احناف کے ہاں بالاتفاق درست ہے۔

کھیتی کی شرائط...... کہ معلوم ہو بایں کہ واضح کر کے جو بونا ہے اس لیے کہ مزدور کی حالت کھیتی کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتی ہے کمی اور زیادتی کے اعتبار سے اس لیے کے کچھ کھیتی زمین میں زیادہ ہوتی ہے اور کچھ کم ہوتی ہے اور استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ زمین میں کیا بویا جائے یہ شرط نہیں اس لیے کہ یہ عامل کے سپرد ہے جو چاہے بوئے۔

مزدور کی شرط...... کہ وہ زراعت کے عمل کے قابل ہو کہ عمل کی وجہ سے اس میں اضافہ ہو۔

پیداوار کی شرائط...... چند شرائط ہیں اگر نہ پائی گئی تو عقد فاسد ہوجائے گا۔

۱...... پیداوار معلوم ہو عقد کے وقت اس لیے کہ یہ اجرت کی طرح ہے اور اس کا مجہول ہونا عقد کو فاسد کردیتا ہے۔

۲...... پیداوار عاقدین کے درمیان مشترک ہو اگر کسی ایک کے لیے خصوصی شرط لگادی گئی تو عقد فاسد ہوجائے گا۔

۳...... پیدوار کی مقدار معلوم ہو جیسے نصف ثلث ربع وغیرہ اس لیے کہ مقدار کا بیان نہ کرنا ایسی جہالت کی طرف لے جاتا ہے تو جو مفسد عقد ہے۔

۴...... پیداوار عاقدین کی درمیان مشاع حصہ ہو اگر کسی ایک کے لیے معلوم مقدار شرط لگادی گئی مثلاً چار من یا بیج کی بقدر تو عقد صحیح نہیں کیونکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ صرف اتنی ہی مقدار پیدوار ہو اسی طرح یہ شرط لگانا کہ پانی کے قریب کی پیدوار کسی ایک کی ہوگی تو بھی عقد صحیح نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے صرف اسی جگہ پر پیداوار ہو۔ اسی طرح یہ شرط لگانا بھی درست نہیں کہ چارہ ایک کا ہوگا اور دانے دوسرے کے اس لیے کہ کبھی کھیتی کو کوئی آفت لاحق ہو کہ دانے بالکل نہ ہوں یا چارہ اور پتے ہی نہ ہوں۔

مالکیہ نے عاقدین میں پیدوار کی تقسیم برابر شرط قرار دی ہے شوافع اور حنابلہ احناف کی طرح تفاوت کو جائز قرار دیتے ہیں۔

زمین کی شرطیں...... مزارعت والی زمین میں درج ذیل شرطیں ہیں:

۱..... کہ وہ زراعت کے قابل ہو اگر زمین بنجر ہو تو عقد جائز نہیں اس لیے کہ عقد تو بعض پیداوار پر ہے اور بنجر زمین کا اجارہ جائز نہیں تو مزارعت بھی جائز نہیں۔

۲..... زمین معلوم ہو اگر مجہول ہو تو عقد صحیح نہیں اس لیے کہ یہ منازعت کی طرف لے جانے والا ہے۔

۳..... زمین عامل کے لیے فارغ کردیا جائے اور اسے خالی سپرد کی جائے وہ اس طرح کے مالک زمین کی طرف سے عامل اور زمین میں تخلیہ ہو اگر کام مالک زمین کے لیے شرط قرار دیا یا دونوں پر تو مزارعت صحیح نہیں۔ کیونکہ تخلیہ نہیں پایا گیا۔

محل عقد کی شرط...... مزارعت میں معقود علیہ مقصود بھی ہو عرف اور شرع کے اعتبار سے یعنی زرعی اعمال عرف و شرعاً اس حیثیت سے کہ یہ دو چیزوں میں سے ایک کا اجارہ ہے یا تو عامل کے عمل کی منفعت مثلاً بیج مالک زمین کی طرف سے ہو یا زمین کی منفعت مثلاً بیج عامل کی طرف سے ہو اگر دونوں چیزیں مزارعت میں جمع ہوں تو عقد مزارعت فاسد ہو جائے گا اسی طرح اگر کام غیر زرعی ہو تو بھی عقد فاسد ہو جائے گا۔ جیسے درخت کاٹنا انہیں منتقل کرنا اور راستوں کے کناروں کو پتھروں سے درست کرنا اس لیے کہ یہ اعمال مزارعت میں سے نہیں۔

زرعی آلات کی شرط...... کہ وہ آلہ مثلاً جانور ہو یا جدید کوئی آلات ہوں جو عقد کے تابع ہوں مقصود نہ ہوں اگر انہیں مقصود قرار دیا تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

مدت مزارعت کی شرط...... کہ مدت معلوم ہو مزارعت مدت بیان کرنے بعد ہی درست ہوگی اس لیے کہ یہ بعض پیداوار پر اجارہ ہے اور مدت مجہول ہونے کے ساتھ اجارہ درست نہیں ہوتا اور مدت بھی متعارف ہو اگر اتنی مدت رکھی جس میں عامل کام مکمل نہیں کرسکتا یا عاقدین اس میں زندہ نہیں رہ سکتے تو عقد فاسد ہو جائے گا اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ زراعت مدت بیان کرنے کے بغیر بھی درست ہے اور یہ پہلی زراعت پھر ہوگا عقد۔

خلاصہ یہ کہ صاحبین کے ہاں آٹھ شرطوں کے ساتھ مزارعت صحیح ہے۔

۱..... عاقدین کی اہلیت
۲..... مدت عقد کی تعیین مفتی بہ یہ ہے کہ شرط نہیں
۳..... زمین کا زراعت کے قابل ہونا
۴..... عامل اور زمین میں تخلیہ
۵..... پیداوار عاقدین کے درمیان مشترک ہو
۶..... بیج کس کے ذمہ ہے اس کا بیان
۷..... عاقدین میں سے ہر ایک کا حصہ بیان کرنا
۸..... بیج کی جنس معلوم ہونا تاکہ اجرت معلوم ہو اس لیے اجرت پیداوار کی ایک جزو ہے۔

لہٰذا اس کا بیان ضروری ہے تاکہ معلوم ہو کہ پیداوار کس نوعیت کی ہوگی اس لیے کہ بس اوقات ایسا بیج ہوتا ہے جو بہت زیادہ کام کے بعد ہی پیداوار دیتا ہے استحسان یہ ہے کہ بیج کی جنس بیان کرنا شرط نہیں خلاصہ: مدت کی مقدار بیان کرنا حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول کے مطابق شرط نہیں اور مالکیہ اور شوافع کے ہاں شرط ہے۔

مالکیہ کے ہاں مزارعت کی شرائط...... مالکیہ نے مزارعت کے لیے تین شرطیں لگائی ہیں۔

۱..... زمین کا ایسا کرایا نہ لگایا جائے جو ممنوع ہے تاکہ زمین یا اس کا بعض حصہ بیج کے مقابلہ میں نہ آئے یا طعام، یا اگر زمین میں کھیتی اگے ہی نہیں جیسے شہد پیدا تو ہو لیکن طعام کے علاوہ ہو مثلاً روئی، وغیرہ، یا لکڑیاں یعنی صحت مزارعت کے لیے اس کا کرایہ سونا چاندی یا سامان تجارت یا جانور ہونا ضروری ہے، اور بیج عامل اور مالک زمین دونوں کا ہو اگر بیج کسی ایک کا ہو اور زمین دوسرے کی ہو تو مزارعت فاسد ہوگی۔

یہ شرط لگانے کا سبب سنت میں زمین کی پیداوار سے کرایہ رکھنا منع ہونا ہے۔

۲......دونوں شریک برابر ہوں پیداوار وغیرہ میں مثلاً زمین کے مقابل بیج کے علاوہ جانور وغیرہ پر۔ اور ان دونوں کے درمیان منافع کی مقدار مثلاً زمین کی اجرت سو ہو تو بیج کے علاوہ جو جانور وغیرہ اس کے مقابل ہو وہ بھی سو کا ہو اور منافع دونوں کے درمیان نصف نصف ہو تو صحیح ہے ورنہ فاسد اور شرکت لازم ہونے کے بعد کسی ایک کا عمل یا منافع میں اضافہ کرنے میں احسان جائز ہے۔

۳......دونوں بیج نوع کے اعتبار سے مماثل ہوں مثلاً گندم، جو وغیرہ اگر کسی ایک کا بیج دوسرا ہوا تو مزارعت فاسد ہوگی۔ امام مالک اور ابن القاسم کا مذہب یہ ہے کہ دونوں بیجوں کا خلط حقیقۃً اور حکماً خلط ہوں شرط نہیں بلکہ جب دونوں کے بیجوں کی پیداوار ہو مستقل طور پر تو شرکت صحیح ہے اس سے ظاہر ہوا کہ مالکیہ دونوں عاقدوں کی طرف سے بیج پیش کرنے کی شرط لگاتے ہیں اور نوع کے اعتبار سے برابری اور نفع میں تماثل اور دونوں عینی چیز پیش کریں جیسے زمین اور اس کے مقابلہ میں حیوان اور عمل ہو اور مزارعت زمین کی پیداوار پر نہ ہو بلکہ دوسرے عوض کے بدلہ میں ہو اور یاد رہے کہ یہ شرائط سخت ہیں مزارعت موجود پر یہ منطبق نہیں ہوتی۔

شوافع کے ہاں مساقات کے تابع جو مزارعت ہے اس میں عاقدین کا پھل اور کھیتی میں برابر ہونا شرط نہیں بلکہ عامل کی لیے نصف پھل کی شرط لگانا صحیح ہے اسی طرح ان کے ہاں کسی خاص جگہ کا کرایہ، زمین کی پیداوار سے لگانا درست نہیں اور یہ کہتے ہیں مزارعت زمین کی پیدوار سے ہے اور بیج مالک کی طرف سے حنابلہ کے ہاں زمین کی پیدوار پر مزارعت جائز ہے اور پیداوار اور نتیجہ میں برابری شرط نہیں اور ان کے ہاں بھی بیج مالک کی جانب سے ہونا شرط ہے اور امام احمد سے روایت ہے کہ عامل کی طرف سے بھی اگر بیج ہو تو جائز ہے اسی طرح ہر ایک کا حصہ بیان کرنا بھی شرط ہے اگر حصہ مجہول ہوا تو مزارعت فاسد ہو جائے گی جیسا کہ ان کے ہاں بیج کی جنس اور مقدار معلوم ہونا شرط ہے اس لیے کہ مزارعت عمل پر عقد ہے لہٰذا نامعلوم جنس اور مقدار پر درست نہیں جیسے اجارہ۔

خلاصہ......حنفیہ کے ہاں کسی ایک کی جانب سے بیج کا ہونا جائز ہے اور مالکیہ کے ہاں دونوں کی جانب سے اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں بیج مالک زمین کی طرف سے اور عمل عامل کی طرف سے ہونا شرط ہے۔

تیسری بحث: مزارعت کی صورتیں......صاحبین کی ہاں مزارعت کی چار صورتیں اور حالتیں ہیں۔ تین صورتوں میں مزارعت درست ہے اور ایک میں باطل۔ ❶

پہلی صورت......زمین اور بیج ایک کا ہو اور عمل اور جانور دوسرے کا ہو تو مزارعت جائز ہے اور اس صورت میں مالک زمین عامل کو اجرت پر لینے والا ہوگا اور جانور ہل جوتنے کے لیے جو ہے وہ عمل کا آلہ ہے۔

دوسری صورت......زمین ایک کی ہو جانور بیج اور عمل دوسرے کا ہو تو بھی مزارعت جائز ہے اور عامل زمین کو اجارہ پر لینے والا ہوگا۔

تیسری صورت......زمین، جانور، اور بیج ایک کا ہو اور کام ایک کا تو بھی مزارعت جائز ہے اس صورت میں مالک زمین عامل کو اجارہ پر لینے والا ہوگا۔

چوتھی صورت......زمین اور جانور ایک ہو بیج اور کام ایک کا تو یہ مزارعت فاسد ہے ظاہر روایت میں اس لیے کہ اگر اس عقد کو اجارہ زمین شمار کیا جائے تو اس کے مالک پر جانور کی شرط مفسد اجارہ ہے اس لیے کہ جانور کو زمین کے تابع کرنا ممکن نہیں منفعت مختلف ہونے کی وجہ سے اس لیے کہ حیوان کی منفعت زمین کی منفعت کی جنس سے نہیں اس لیے کہ زمین تو بڑھوتری اور اگانے کے لیے ہے اور جانور کام اور زمین

❶......البدائع ۶/۱۷۹۔

پھاڑنے کے لیے۔

اور اگر اس عقد کو اجارہ عامل قرار دیا جائے تو اس پر بیج کی شرط لگانا مفسد عقد ہے اس لیے کہ وہ اس کے تابع نہیں۔ اسی بناء پر اگر آلات زراعت جانور اور عمل مالک زمین کے لیے شرط قرار دیا جائے تو مزارعت فاسد ہو جائے گی جیسا کہ کل پیداوار کسی ایک عاقد کے لیے شرط لگا دیتا یا گاھنا، کاٹنا، اٹھانا، اور حفاظت کرنے کی شرط عامل کے ذمہ لگا دینا بھی مفسد عقد ہے اس لیے کہ زراعت کی اصلاح اس سے متعلق نہیں۔

چوتھی بحث.....مزارعت صحیحہ اور فاسد کا حکم:

پہلی بات: حنفیہ کے ہاں مزارعت صحیحہ کا حکم.....حنفیہ کے ہاں مزارعت صحیح ❶ کے درج ذیل احکام ہیں:

۱.....عمل مزارعت میں ہر وہ چیز جو زراعت کی اصلاح کے لیے مثلاً بیج کا خرچ حفاظت کی اجرت، وغیرہ تو یہ مزارع پر ہے اس لیے کہ عقد اسے شامل ہے۔

۲.....ہر وہ چیز جو کھیتی کے اخراجات میں سے ہے مثل کھاد جھاڑیاں، کاٹنا، کھانا تو یہ عاقدین پر ہے حصص کے اعتبار سے اور مالکیہ کے ہاں: یہ چیزیں عامل کے ذمہ ہیں ہل چلانے اور کھیتی بونے کے بعد کھیتی جس کی محتاج ہوتی ہے مثلاً سیراب کرنا اس سے جڑی بوٹیاں تلف کرنا کاٹنا اور اسے گھانے کے لیے منتقل کرنا اور اسے صاف کرنا تو یہ کیل کے اعتبار سے دونوں پر تقسیم ہوگا۔ ❷

۳.....زمین سے نکلنے والی پیداوار عاقدین کے درمیان بحساب شرط تقسیم ہوگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں ❸ اگر زمین سے کچھ بھی پیدا نہ ہو تو عاقدین کے لیے ایک دوسرے پر کچھ بھی نہ ہوگا عامل کے لیے تو اس وجہ سے کہ وہ بعض پیداوار پر اجرت پر مثل ہے اور وہ پائی نہیں گئی اور یہ مزارعت فاسدہ کے برخلاف ہے کہ اس میں عامل کے لیے اجرت مثل واجب ہے اگر زمین سے کچھ بھی پیدا نہ ہو اور فرق یہ ہے کہ عقد صحیح میں مقررہ بعض پیداوار ہے جب وہ نہ پائی گئی تو کچھ بھی واجب نہیں اور مزارعت فاسدہ میں تو اجرت مثل واجب ہوتی ہے ذمہ میں نہ کہ پیداوار۔ پس پیداوار کا نہ ہونا ذمہ میں واجب کے مانع نہیں۔

۴.....جیسا کہ پہلے گذرا کہ حنابلہ کے ہاں عقد مزارعت غیر لازم ہے اور مالکیہ کے ہاں بیج کی وجہ سے لازم ہو جاتا ہے اور حنفیہ کے ہاں بیج والے کی جانب سے غیر لازم اور دوسرے عاقد کی جانب سے لازم ہے، اور اسے فسخ کرنا جائز نہیں سوائے عذر کے کما سیاتی اگر بیج والا عمل سے رک گیا تو اس پر جبر وزبردستی نہیں کی جائے گی لیکن جس کی طرف سے بیج نہیں وہ رک گیا تو حاکم اسے عمل پر مجبور کرے گا اس لیے کہ عقد کے ذریعہ اسے کوئی نقصان نہیں اور عقد لازم ہے اجارہ کی طرح ہاں اگر وہاں کوئی ایسا عذر ہو جس سے اجارہ فسخ کیا جا سکتا ہے تو اس سے مزارعت بھی فسخ ہو جائے گی اور عاقدین میں فرق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بیج والا عقد کو اپنی ملکیت تلف کرنے کے بغیر نافذ نہیں کر سکتا لہٰذا اس کا شروع کرنا اس کے حق میں لازم نہیں اس لیے کہ کسی انسان کو اپنی ملکیت تلف کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا رہ گیا دوسرا عاقد اس کی طرف سے ملکیت کا اتلاف نہیں لہٰذا اس کا شروع کرنا اس کے حق کو لازم کرتا ہے۔

۵.....ہل جوتنا اور سیراب کرنا اگر اس پر اتفاق ہو جائے یا شرط لگائی جائے تو جس پر وہ شرط ہے اسے اسی کا پورا کرنا واجب ہے۔ لیکن اگر کسی کے لیے بھی شرط نہ ہو تو اس عاقد کو مجبور کیا جائے گا جس کو معتاد طریقے سے یہ کام کرنے ہوتے ہیں اگر زمین آسمان کے پانی سے سیراب ہوتی ہے تو کسی ایک کو بھی سیراب کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا ورنہ معتاد طریقے پر ہوگا اگر عامل نے مزارعت صحیحہ میں زمین سیراب نہ کی جس کی وجہ سے کھیتی ضائع ہو گئی تو اس وجہ سے وہ ضامن ہوگا کیونکہ کام اس کے ذمہ واجب تھا اور امانت کا ضمان دے گا کوتاہی کی وجہ سے اس لیے کہ زمین اس کے قبضہ میں امانت تھی اور مزارعت فاسدہ میں ضامن نہ ہوگا۔

❶.....البدائع ۶/۱۸۱۔ ❷التاج والاکلیل: ۳/۱۷۷۔ ❸نصب الرایۃ ج۴/۱۱۲۔

۶.....پیداوار میں مذکورہ شرط پر اضافہ کرنا اور اس میں کمی کرنا درست ہے اس میں قاعدہ یہ ہے کہ جب اس میں نیا عقد کرنے کا احتمال ہو تو اس میں اضافہ بھی درست ہے اور اگر نہ ہو تو نہیں۔ اور کمی دونوں صورتوں میں جائز ہے جیسا کہ عقد بیع میں ثمن میں اضافہ۔

اگر عامل، مالک زمین کے حصہ میں اضافہ کرے کاٹنے کھانے کے بعد اور بیج بھی عامل کی طرف سے ہو تو یہ جائز نہیں اس لیے کہ اجرت عمل مزارعت کی انتہاء کی وجہ سے مکمل ہوگئی اور معقود علیہ یعنی منفعت کی وصولی ہوگئی تو اب یہ جائز نہیں اس لیے کہ کاٹنے کے بعد عقد کرنا جائز نہیں لہٰذا اضافہ بھی جائز نہیں اگر اس صورت میں مالک زمین کی طرف سے عامل کے لیے اضافہ ہو تو یہ جائز ہے اس لیے کہ یہ کمی ہے اس اجرت میں جس کا وہ مستحق ہے اور اس میں معقود علیہ کا قائم رہنا ضروری نہیں۔

اگر بیج زمین والے کی طرف سے ہو اور وہ کاٹنے کے بعد عامل کے حصہ میں اضافہ کرے تو اس میں مالک کی جانب سے زیادتی واضافہ جائز نہیں اس لیے کہ معقود علیہ کی وصولی ہوگئی اور مزارع کی جانب سے اس صورت میں اضافہ جائز ہے کیونکہ یہ اپنی اجرت میں کمی ہے۔

لیکن اگر اضافہ دونوں کی جانب سے ہو کھیتی کاٹنے سے پہلے تو یہ جائز ہے۔

۷.....اگر عاقدین میں سے کوئی ایک مر جائے کھیتی پکنے سے پہلے تو اسے پکنے تک چھوڑا جائے گا اور مزارع پہ کچھ بھی نہ ہوگا کیونکہ عقد اجارہ مدت کے باقی ہونے کی وجہ سے باقی ہے۔

خلاصہ.....زمین والا دو چیزوں کا التزام کرتا ہے۔

۱.....زمین کو فائدہ اٹھانے کے حقوق کے ساتھ سپرد کرنا۔

۲.....زرعی آلات کی درستگی اور عامل مزارع مالک کے مقابلہ میں دوسری دو چیزوں کا التزام کرتا ہے اور وہ دونوں پر ہے کہ زراعت کی طرف توجہ اور عادت خرچ ہونے والا نفقہ اور معروف کام مثلاً بیج بونا، زمین کھودنا، سیراب کرنا وغیرہ زمین کی حفاظت اور کھیتی کی حفاظت۔

شوافع کے ہاں مزارعت کا حکم.....یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ شوافع کے ہاں مزارعت جائز نہیں ہاں مساقات کے ساتھ جائز ہے اور مخابرہ (یعنی بیج عامل کی طرف سے ہو) مساقات کے تابع ہو کر جائز نہیں اگر انفرادی طور پر مزارعت کی تو غلہ مالک کا ہوگا اس لیے کہ یہ اس کی ملک کی بڑھوتری ہے اور مالک کے ذمہ عامل کی اجرت مثل اور جانور اور آلات کی اجرت ہوگی اور غلہ کو طرفین عاقدین کے لیے اجرت قرار دینا اور ایک دوسرے یہ اجرت نہ ہونا جب بیج مالک کی طرف سے ہو تو دو صورتوں میں حاصل ہوگا ایک یہ کہ مالک عامل کو نصف بیج مشاع جیسے نصف ربع پر اجرت پر لے اور عامل زمین میں کام کرے اور پیداوار کو دونوں کے درمیان ملکیت کے اعتبار تقسیم کیا جائے یہ اجارہ ااور عاریت ہے۔ دوسری یہ کہ مالک عامل کو نصف مشاع پر اجرت پر لے اور نصف زمین کا مشاع نفع ہوتا کہ وہ آدھا بیج آدمی زمین پر کاشت کرے پس یہ دونوں شریک ہوں گے نصف نصف میں اور کسی پر دوسرے کی اجرت نہ ہوگی اس لیے کہ عامل اپنے حصہ کے اعتبار سے زمین کی منفعت کا مستحق ہوا اور مالک اپنے حصہ کے اعبار سے کھیتی کا مستحق ہوا❶ یہ اجارہ ہے اگر بیج عامل کی طرف سے ہو اور وہ مالک سے ایک متعین مشاع حصہ زمین کا نصف بیج کا بدلے اجرت پر لے یا نصف زمین نصف بیج کے بدلے لی اور باقی نصف میں تبرعا کام کرے تو وہ دونوں بقدر ملکیت غلبہ کے مالک ہوں گے بیج اور زمین کے نفع کے اعتبار سے۔

دوسری بات: حنفیہ کے ہاں مزارعت فاسدہ کا حکم.....مزارعت فاسدہ کے بھی احکام ہیں۔❷

---

❶.....مغنی المحتاج: ۲/۳۲۵۔ ❷البدائع ۶/۱۸۲

۱.....مزارع پر اعمال مزارعت میں سے کوئی چیز بھی واجب نہیں اس لیے کہ عقد کا ایجاب ہی درست نہیں۔

۲.....پیداوار ساری کی ساری بیج والے کی ہوگی چاہے وہ مالک زمین ہو یا مزارع اس لیے کہ پیداوار اس کی ملکیت کی بڑھوتری کے سبب ہوئی ہے نہ کے شرط کی وجہ سے اس حکم میں مالکیہ اور حنابلہ بھی۔

حنفیہ ❶ کے ساتھ متفق ہیں وہ یہ کہ جب عقد فاسد ہوگیا تو کھیتی بیج والے کی ہوگی۔

۳.....اگر بیج مالک زمین کا ہوتو مزارع مزارعت کے فاسد ہونے کی وجہ سے اجرت مثل کا حقدار ہوگا، اور اگر بیج عامل کا ہوتو اس کے ذمہ مالک زمین کی اجرت ہوگی کیونکہ دونوں حالتوں میں عقد اجارہ ہے۔ پہلی حالت میں ساری پیداوار مالک زمین کے لیے حلال ہے اس لیے کہ اس کی ملکیت کی بڑھوتری ہے بیج اور زمین اور دوسری حالت میں ساری پیداوار مزارع کے لیے حلال نہیں وہ صرف ایسے بیج اور زمین کی اجرت کی بقدر لے سکتا ہے اور زیادہ کو صدقہ کردے۔

۴.....کھیتی باڑی کرنے کے باوجود اگر زمین سے پیداوار حاصل نہ ہو مزارعت فاسدہ میں تو اجرت مثل واجب ہوگی اس لیے کہ مزارعت عقد اجارہ ہے اور اجارہ فاسدہ میں حقیقت کے اعتبار سے استعمال میں اجرت واجب ہوتی ہے رہ گئی مزارعت صحیحہ تو اگر زمین سے پیداوار نہ ہوتو دونوں میں کسی پر بھی کچھ واجب نہیں ہوتا۔ مزارعت صحیحہ کے احکام میں فرق بیان کردیا ہے نمبر ۳ پر۔

۵.....مزارعت فاسدہ میں مقررہ مقدار کے مطابق اجرت مثل واجب ہوگی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: طرفین کی رضامندی اور بقدر ممکن جانبین کی رعایت پر عمل کرتے ہوئے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جہاں تک پہنچ سکے اجرت مثل مکمل دی جائے گی اس لیے کہ یہ وصول شدہ منافع کی قیمت سے اندازلگاتے ہیں اور اس نے منافع عقد فاسد سے وصول کیا ہے اس پر قیمت واجب ہوگی اس لیے کہ اس کا مثل کوئی نہیں۔

مالکیہ کے ہاں مزارعت فاسدہ کا حکم: اگر مزارعت فاسد ہو اور اس کا فاسد ہونا کام شروع کرنے سے پہلے معلوم ہوگیا تو اسے فسخ کرنا واجب ہے اگر کام شروع کرنے کے بعد معلوم ہوا تو فسخ نہیں کیا جائے گا البتہ پیداوار دونوں شریکوں کے درمیان تقسیم ہوگی زمین عمل اور بیج کے اعتبار سے الا یہ کہ ان میں سے دو چیزیں ایک کی ہوں تو پھر پیداوار ساری اسی کی ہوگی اور دوسرے کو اجرت ملے گی اگر زمین یا عمل ہو اور اگر بیج ہوتو اس کا مثل ملے گا۔ ❷

پانچویں بحث: مزارعت کی انتہاء اور اس کے فسخ کے حالات

.....کبھی مزارعت مقصود حاصل ہونے کے بعد ختم ہوتی ہے اور کبھی مقصود حاصل ہونے سے پہلے اور یہ حنفیہ کے نزدیک درج ذیل حالات میں ہے۔

۱۔ مدت مزارعت کا ختم ہونا.....عقد کی مدت ختم ہونے پر مزارعت ختم ہوجاتی ہے پس جب مدت ختم ہوئی تو عقد ختم ہوگیا یہی معنی ہے انفساخ عقد کا ❸ البتہ جب عقد میں مقررہ مدت یا مدت مزارعت ختم ہوجائے اور کھیتی ابھی تک پکی نہیں تو مزارع اپنا کام جاری رکھے یہاں تک کہ کھیتی پک جائے اور سے کاٹ لیا جائے دونوں جانب کی مصلحت کی رعایت بقدر امکان کرنے کی وجہ سے جیسا کہ اجارہ میں ہوتا ہے اس حالت میں عامل کے ذمہ زمین کی اجرت ہوگی کھیتی کاٹنے تک جیسا کہ اجارہ میں ہوتا ہے اس لیے کہ اس زمین سے نفع لیا ہے کھیتی کاٹنے اور گھانے تک اور اس وقت کھیتی کا خرچ حفاظت کا خرچ اور نہروں کی کھدائی کا کرایہ دونوں پر ہوگا بقدر حصص، اس لیے کہ عقد ختم ہوگیا مدت ختم ہونے کی وجہ سے اور یہ چیزیں عقد باقی رہنے کی صورت میں عامل پر تھیں جب عقد ختم ہوگیا تو یہ اخراجات دونوں پر واجب ہوں گے اس لیے کہ کھیتی دونوں کا مشترک مال ہے۔ برخلاف اس صورت کے کہ جب متعاقدین میں سے کوئی ایک کھیتی پکنے سے پہلے مرجائے تو کھیتی

❶.....الشرح الصغیر ۴۹۸/۳۔ ❷شرح مجموع الامیر ۱۷۸/۲۔ ❸ البدائع ۱۸۴/۶

اپنی حالت پر چھوڑ دی جائے گی پکنے تک اس میں کام اور اخراجات عامل پر ہوں گے اس لیے کہ اس صورت میں حنفیہ استحساناً عقد اجارہ کو باقی رکھتے ہیں کیونکہ مدت اجارہ باقی ہے پس عامل کام جاری رکھے گا یا اس کے وارث جن پر کام کی ذمہ داری ہے رہ گئی مدت ختم ہونے کی حالت تو اس حالت میں عقد کو باقی رکھنا ممکن نہیں چونکہ مدت ختم ہوگئی۔

۲۔ عاقدین میں سے کسی ایک کا مرنا...... عاقدین میں سے کسی ایک کے مرجانے کی وجہ سے عقد مزارعت ختم اور فسخ ہو جاتا ہے ❶ جیسا کہ اس سے اجارہ فسخ ہو جاتا ہے چاہے کھیتی باڑی شروع کرنے سے پہلے مرے یا بعد میں اور چاہے کھیتی پک گئی ہو یا نہ پکی ہو بلکہ ابھی کچی ہو یہ حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے جبکہ مالکیہ اور شوافع کے ہاں مزارعت ختم نہیں ہوتی اجارہ کی طرح لیکن اگر مالک زمین مر گیا اور کھیتی پکی ہوئی نہیں تو عامل اس کا وارث کام کرتا رہے گا اس لیے کہ عقد عامل پر لازم واجب ہو گیا ہے کہ وہ کھیتی تیار ہونے تک اس میں کام کرے اور عقد ضرورتاً باقی ہے اس لیے کہ عقد مزارعت تو عاقدین میں سے ایک کے مرنے سے ختم ہو گیا پھر باقی سالوں کا عقد ختم ہو جائے گا ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے اس لیے کہ کھیتی کاٹنے اور گھانے تک دونوں طرفوں کی رعایت تھی لہٰذا عامل یا اس کا وارث کام کرے گا۔

۳۔ عذر کی وجہ سے عقد فسخ کرنا...... جب عقد فسخ ہو جائے لازم ہونے سے پہلے تو مزارعت ختم ہو جائے گی اور حنفیہ کے ہاں طے شدہ ہے کہ صرف بیج کے التزام سے مزارعت لازم نہیں اور مالکیہ کے ہاں جب تک عامل عمل شروع نہ کرے تو مزارعت لازم نہیں ہوتی جب تک مزارعت کا کام شروع نہ کرے تو اسے فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ اور حنفیہ کے ہاں مزارعت لازم ہونے کے بعد بھی کئی اعذار کی فسخ کی جاسکتی ہے چاہے مالک زمین کی طرف سے ہو یا عامل کی طرف سے اور اعذار درج ذیل ہیں۔ ❷

ا...... مالک زمین مقروض ہو جائے اور زمین فروخت کرنے کی ضرورت ہو جس کی مزارعت پر اتفاق ہو گیا تھا اور اس کے پاس اس کے علاوہ مال بھی نہ ہو تو اس گراں بار قرض کی وجہ سے فروخت کرنا درست ہے اور اس عذر کی وجہ سے عقد فسخ ہو جائے گا جیسا کہ عقد اجارہ میں ہوتا ہے اس لیے کہ عقد باقی رکھنا نقصان کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا ضرر برداشت کرنا لازم نہیں پس قاضی پہلے زمین کو قرض خواہ کو فروخت کرے پھر عقد کو فسخ کرے صرف عذر کی وجہ سے فسخ نہ کرے، اور یہ اس وقت ہے جب فسخ کرنا ممکن ہو مثلاً زراعت سے پہلے یا کھیتی پکنے کے بعد اور کاٹنے کے تمام تک پہنچ گئی ہو۔ اگر فسخ کرنا ممکن نہ ہو بایں طور کہ کھیتی پکی ہوئی نہ ہو اور کاٹنے کے درجہ میں نہ ہو تو پھر قرض میں زمین فروخت نہ کی جائے گی اور نہ ہی پکنے تک عقد فسخ کیا جائے گا اس لیے کہ فروخت کرنے میں عامل کے حق کو باطل کرنا ہے اور پکنے تک انتظار میں صاحب دین کے حق میں تاخیر ہے لہٰذا بیع کو مؤخر کیا جائے گا دونوں جانب کی مصلحت کی رعایت رکھتے ہوئے کیونکہ بطریقہ اولی ہے پھر یہاں حنفیہ کے ہاں عقد مزارعت او زعامل کے کام کے بعد فسخ ہونے کی وجہ سے عامل کے لیے عوض کی تین صورتیں ہیں قضاءً۔

پہلی صورت...... زمین میں ہل چلانے اور نہریں کھودنے کے بعد جب عقد فسخ ہو تو عامل کے لیے اس کے عمل کے بدلے میں کوئی چیز نہیں، اس لیے کہ اس کے کام منافع ہیں جو مالک زمین پر عقد کے بغیر متقوم نہیں اور عقد پیداوار کی وجہ سے متقوم ہوتا ہے اور پیداوار ہوئی نہیں لیکن عامل کو راضی کرنا دیانۃً واجب ہے۔

دوسری صورت...... جب زمین میں کھیتی پیدا ہوگئی اور ابھی تک کٹی نہیں تو زمین قرض کی وجہ سے فروخت نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ کھیتی کاٹ نہ لی جائے اس لیے کہ فروخت کرنے میں مزارع کے حق کو باطل کرنا ہے قرض کی ادائیگی میں تاخیر باطل کرنے سے ہلکی اور آسان ہے۔

---

❶...... البدائع: ۶/ ۱۸۴۔ ❷ البدائع ۶/ ۱۸۳

تیسری صورت...... جب عامل کھیتی باڑی کر چکے ابھی تک کھیتی اگی نہیں اور عقد فسخ کرنے کا مالک نے ارادہ کر دیا اور مالک زمین کو گراں بار قرض نے دبوچ لیا تو کیا زمین فروخت کی جا سکتی ہے؟ اس صورت میں مشائخ حنفیہ کا اختلاف ہے بعض کے ہاں فروخت کرنے کا اختیار ہے اس لیے کہ بیج والے زمین میں کوئی عین چیز قائم نہیں، اس لیے کہ بیج تو ہلاک ہوتا ہے اور ہلاک شدہ چیز مال نہیں لہٰذا زمین فی الحال فروخت کی جائے گی اور بعض کے ہاں اسے فروخت کرنے کا اختیار نہیں اس لیے کہ بیج مال کی بڑھوتری ہے استھلاک نہیں پس مزارع کا عین مال قائم ہے لہٰذا کھیتی پکنے تک زمین فروخت نہیں کی جائے گی جیسا کہ اگنے کے بعد فروخت نہیں کی جاتی شاید یہ صورت صاحب ہدایہ کی پسندیدہ ہے۔

۲...... مزارع پر عذر لاحق ہونا مثلاً بیمار ہو جانا اس لیے کہ یہ عمل سے عاجز کر دینے والی چیز ہے اور سفر کیونکہ اس کی بھی ضرورت ہے ایک پیشہ چھوڑ کر دوسرا پیشہ اختیار کرنا ایسی کسب و کمائی طلب کرنے کے لیے جو معیشت مضبوط بنائے اور عمل سے مانع جیسے جہاد میں چلے جانا جیسا اجارہ میں یا چوری کے ذریعہ خیانت وغیرہ۔ آیا یہ عقد فسخ کرنے کے لیے قاضی کا فیصلہ ضروری ہے یا رضا مندی سے فسخ ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں بھی حنفیہ کی دو رائیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق فسخ کے لیے قاضی کا فیصلہ یا رضا مندی ضروری ہے کیونکہ مزارعت اجارہ کی طرح ہے لہٰذا قاضی کا فیصلہ یا باہمی رضا مندی ضروری ہے۔ اور راجح روایت کے مطابق مزارعت کو بغیر قاضی کے فیصلہ اور باہمی رضا مندی کے بھی فسخ کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا عقیدہ: مساقات اور معاملہ...... مساقات کی تعریف، اس کی مشروعیت، رکن، مورد، مساقات اور مزارعت میں فرق مساقات کی شرائط، مساقات صحیح اور فاسد کا حکم اور انتہاء مساقات۔

پہلی بحث: مساقات کی تعریف، مشروعیت، رکن، مورد، مساقات اور مزارعت میں فرق:

پہلی چیز: مساقات کی تعریف...... لغوی اعتبار سے مساقات باب مفاعلہ سے ہے سقی سے ماخوذ ہے اہل مدینہ اسے معاملہ کا نام دیتے ہیں عمل کی وجہ سے اور مساقات کا نام زیادہ مشہور ہے چونکہ اس میں سیراب کرنا زیادہ پایا جاتا ہے۔ اور شرعاً یہ عقد ہے کہ دوسرے کو درخت دیئے جائیں وہ ان کی دیکھ بھال کرے اور پھل ان دونوں میں مشترک ہو یا یہ نام اس عقد کا جس میں بعض پیداوار پر عمل کی وجہ سے عقد ہو بالفاظ دیگر ایسے شخص کو درخت دینا جو درختوں کی اصلاح و درستگی کرے معلوم پھلوں کے عوض یہ شوافع کے ہاں صرف کھجور یا انگور میں درست ہے تا کہ وہ انہیں سیراب کرے اور ان کی دیکھ بھال کرے اور پھل دونوں میں تقسیم ہو۔ ❶

دوسری چیز: مساقات کی مشروعیت...... حنفیہ کے ہاں مساقات مزارعت کی طرح ہے حکم اختلاف اور ممکنہ شرائط کے اعتبار سے چنانچہ امام ابوحنیفہ اور امام زفر کے ہاں جائز نہیں پھل کے عوض مساقات ان کے ہاں باطل ہے اس لیے کہ بعض خارج پر اجارہ ہے اور یہ ممنوع ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کی زمین ہو تو وہ اس کی زراعت کرے اسے ثلث ربع یا مقررہ طعام پر کرائے پر نہ دے ❷

صاحبینؒ اور جمہور علماء (جن میں امام مالک شافعی اور احمد بن حنبل بھی ہیں) کے ہاں چند شرائط کے ساتھ مساقات جائز ہے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں اہل خیبر کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مساقات کرنے سے، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کے خیبر کے ساتھ مساقات کی پھل اور کھیتی کے ایک حصہ پر (رواہ الجماعۃ)۔ نیز لوگوں کو اس کی ضرورت بھی ہے اس لیے کہ درختوں کا مالک کبھی ان کی صحیح دیکھ بھال نہیں کر سکتا یا اس کام کے لیے فارغ نہیں ہو سکتا اور جو شخص صحیح دیکھ بھال بھی کر سکتا ہے اور فارغ بھی

❶...... البدائع ۱۸۵/۶۔ ❷ متفق علیہ

ہے وہ درختوں کا مالک نہیں ہوتا لہٰذا پہلا عامل کا محتاج ہے اور عامل کام کا۔

حنفیہ کے ہاں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل آپ کی ازواج مطہرات کا خلفاء راشدین اہل مدینہ کا عملاً اسی پر ہے اور مساقات کی اباحت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے ❶ ابن جزی مالکی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ جائز ہے اور دو ممنوع اصلوں سے مستثناء ہے اور وہ ہیں اجارہ مجہول اور مَالَمْ یخلق (جو چیز پیدا نہیں ہوئی) اس کی بیع ❷

تیسری چیز مساقات کا رکن..... حنفیہ کے ہاں مساقات کا رکن مزارعت کی طرح ایجاب وقبول ہیں ایجاب درخت والے کی طرف سے اور قبول عامل اور مزارع کی طرف سے اور معقود علیہ صرف عامل کا عمل ہے دونوں کے درمیان نہیں برخلاف مزارعت کے مالکیہ کے ہاں صرف تلفظ ہی سے لازم ہوجاتی ہے عمل کے بغیر ہی اور حنابلہ کے ہاں یہ مزارعت کی طرح ہے قبول میں الفاظ کی ضرورت نہیں بلکہ قبول کے لیے کام شروع کردینا ہی کافی ہے جیسے وکیل اور شوافع کے ہاں قبول کے الفاظ کا تلفظ ضروری ہے عمل کی تفصیل کی ضرورت نہیں اور مطلق کو ہر علاقہ کے عرف غالب پر محمول کیا جائے گا۔ ❸

حنابلہ کے علاوہ جمہور کے ہاں یہ عقد لازم ہے عقد طے پاجانے کے بعد کسی کو فسخ باہمی رضامندی کے بغیر اختیار نہیں۔

چوتھی چیز..... مساقات کا مورد (ذریعہ آمدنی) حنفیہ کے ہاں مساقات کا ذریعہ آمدنی پھل دار درخت ہیں ❹ چنانچہ کھجور، درخت، انگور، برسیم کی طرح کی گھاس اور بینگن وغیرہ میں مساقات صحیح ہے، اس لیے کہ اس کا جواز ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے اور ضرورت تمام کو شامل ہے متاخرین حنفیہ نے غیر پھلدار درختوں جیسے حور کے درخت اور صفطاف کے درخت اور لکڑیوں کے لیے درختوں میں بھی مساقات کی اجازت دی ہے اس لیے کہ ان کو سیراب کرنے اور ان کی حفاظت کی بھی ضرورت ہے اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو مساقات جائز نہیں۔

مالکیہ کے ہاں مساقات کا مورد ❺ کھیتی جیسے چنا فاصولیا اور درخت پھلدار جڑوں والے جیسے انگور کھجور سیب اور انار وغیرہ دو شرطوں کے ساتھ ایک یہ کہ پھل پکنے اور فروخت سے کے قابل ہونے سے پہلے مساقات ہو بشرطیکہ وہ خراب نہ ہوتے ہوں اگر خراب ہوتے ہیں جیسے کیلے اور انجیر تو ان میں مساقات جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ مدت معلوم ہو اگرچہ کئی سال ہی کیوں نہ ہو اور بہت زیادہ لمبی مدت رکھنا مکروہ ہے اور دو سال سے زیادہ مدت کے لیے مساقات جائز نہیں اور وہ مدت ہے جس میں عادت کے اعتبار سے جڑیں تبدیل ہوجاتی ہوں درختوں اور جگہوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس لیے کہ اس میں نقصان ہے یہ اجارہ پر قیاس کرتے ہیں جیسا کہ دو سالوں میں سیراب کرنے والے حصہ میں اختلاف ہوجائے ایک سال ایک کرے دوسرے سال دوسرا۔ اور ابن القاسم کے ہاں مساقات کی صحت کے لیے شرط یہ ہے کہ مساقات کے الفاظ سے اس عقد کو منعقد کیا جائے اجارہ کے لفظ سے منعقد نہ کرے اور ان کے ہاں ان درختوں وغیرہ میں بھی صحیح ہے جن کی جڑیں مضبوط نہ ہوں جیسے ککڑی خربوز اور کھیتی چار شرطوں کے ساتھ دونوں مذکورہ ہیں اور تیسری یہ کہ زمین سے پیدا ہونے کے بعد عقد چوتھی یہ کہ مالک انہیں نہ سنبھال سکتا ہو اور پھل میں خاص حصہ میں شرط یہ ہے پورے باغ کے پھلوں میں سے ہو خاص درخت یا خاص وزن کے ساتھ درست نہیں جیسا کہ ربع ثلث کم یا زیادہ کا علم ہونا شرط ہے۔ حنابلہ کے ہاں مساقات ❻ صرف پھلدار رکھائے جانے والے درختوں میں صحیح ہے غیر پھلدار درخت میں درست نہیں جیسے صفصاف، حور وغیرہ گلاب وغیرہ شوافع کے ہاں ❼ مذہب جدید میں مساقات کے ذرائع آمدنی صرف کھجور اور انگور ہیں۔ کھجور تو صحیحین کی روایت سابق عامل اہل خیبر کی وجہ سے اور انگور کھجور کی طرح ہیں کیونکہ یہ اس کے معنی میں ہیں دونوں پر زکوۃ واجب ہے۔ اور قدیم مذہب میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام پھلدار درختوں میں مساقات کو جائز قرار دیا ہے۔

---

❶..... المغنی ۳۷۴/۵۔ ❷ القوانین الفقهية ص ۲۷۹۔ ❸ البدائع ۱۸۵/۶۔ ❹ البدائع ۱۸۶/۶۔ ❺ بداية المجتهد ۲۴۳/۲۔ ۲۴۶۔

❻ كشاف القناع ۵۲۳/۳۔ ❼ مغنی المحتاج: ۳۲۳/۲

پانچویں چیز: مزارعت اور مساقات میں فرق...... حنفیہ کے ہاں مساقات مزارعت ہی کی طرح ہے صرف چار چیزوں میں فرق ہے۔

۱..... مساقات میں جب عاقدین میں سے کوئی عقد نافذ کرنے سے رک جائے تو اس پر زبردستی کی جائے گی اس لیے کہ عقد باقی رکھنے میں کوئی نقصان نہیں برخلاف مزارعت کے اس لیے کہ بیج والا اگر ڈالنے سے پہلے رک جائے تو اس پر جبر نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ جاری رکھنے میں اس کو نقصان ہے نیز مساقات جمہور کے ہاں عقد لازم ہے غیر الحنابلہ اور مزارعت بیج بونے سے پہلے لازم نہیں ہوتی حنابلہ کے ہاں وکالت، مضاربت، مساقات، مزارعت۔ ودیعت اور جعالہ عقود جائزہ ہیں طرفین سے ہر ایک کو فسخ کا اختیار ہے۔

۲..... جب مدت مساقات ختم ہو جائے تو عقد بلا اجرت جاری رہے گا، اور عامل بلا اجرت کام کرے گا درخت والے کے لیے۔

پھل پکنے تک عامل کام کرتا رہے گا لیکن اس پر اجرت نہیں ہوگی، اس لیے کہ حنفیہ کے ہاں درختوں کا اجارہ نہیں نیز کام سارا عامل کے ذمہ ہے جبکہ مزارعت میں عامل زمین کی اجرت مثل دے کر کام جاری رکھے گا اس لیے کہ زمین کا اجارہ جائز ہے اور اس میں کام کرنا بھی زراعت میں ملکیت کے اعتبار سے پس کام عامل اور مالک زمین پر ہوگا، اور جب اجرت مالک زمین کے لیے عامل پر واجب ہے تو عامل پر مالک زمین کے حصہ میں مدت ختم ہونے کے بعد عمل واجب نہیں اگر پھلدار درخت کا مالک کوئی اور نکل آیا تو عامل اجرت مثل اس سے لے گا اس لیے کہ اس کی اجرت عین بن گئی یعنی درخت کا جزو بن گئی جب عین بن گئی اور کوئی مستحق نکل آیا تو منافع کی قیمت پر رجوع کرے گا اور اگر کھجوروں نے پھل نہ دیا تو کسی چیز کا رجوع نہیں کرے گا رہ گئی مزارعت اگر زراعت کے بعد زمین کا کوئی مستحق نکل آیا تو عامل پیداشدہ کھیتی کی قیمت کے اعتبار سے رجوع کرے گا اور اگر زراعت کرنے سے پہلے عمل کے بعد کوئی مستحق نکل آیا تو مزارع کے لیے کچھ بھی نہ ہوگا۔

۴..... مساقات میں مدت بیان کرنا استحساناً شرط نہیں بلکہ عادۃ اس کے وقت کے علم پر اکتفاء کیا جائے گا اس لیے کہ پھلوں کے پکنے کا وقت معلوم ہوتا ہے بہت کم تفاوت ہوتا ہے برخلاف کھیتی کے اس کا کاٹنا کبھی مقدم ہوتا ہے کبھی متاخر بیج جلدی یا تاخیر سے بونے کے اعتبار سے۔ اور مزارعت میں اصل مذہب کے اعتبار سے مدت متعین کرنا شرط ہے لیکن مفتی بہ قول یہ ہے کہ شرط نہیں۔ حنفیہ اور شوافع کے ہاں مساقات ابتداء اجارہ ہے اور انتہاء کے اعتبار سے شرکت حنابلہ نے مساقات کو مضاربت کے ساتھ ملحق کیا ہے۔

دوسری بحث: مساقات کی شرطیں...... مساقات میں مزارعت کی جو شرائط ممکن ہیں وہ ہی شرط ہیں پس مساقات میں بیج کی جنس بیج والا زمین کا زراعت کے قابل ہونے اور مدت کا بیان شرط نہیں اور باقی مزارعت کی آٹھ شرطوں کا مساقات میں پایا جانا ممکن ہے یعنی عاقدین کی اہلیت عامل کے حصے کا بیان اس کے اور درختوں کے درمیان تخلیہ پیداوار میں شرکت اور آخری شرط میں یہ شرط بھی ہے کہ مشروط حصہ عمال کا جزو شائع ہو ❶ مساقات کی شرائط کی تشریح اس طرح ممکن ہے۔ ❷

۱۔ **اہلیت عاقدین**...... بایں طور کے دونوں عاقل ہوں لہٰذا بے وقوف کا عقد جائز نہیں اور بلوغ حنفیہ کے ہاں شرط نہیں بقیہ ائمہ کے ہاں شرط ہے۔

۲۔ **محل عقد**...... یعنی ایسا درخت ہو جس پر پھل ہوں اختلاف مورد مساقات میں بیان ہو چکا ہے اور محل عمل معلوم درخت ہیں۔

۳۔ **عامل کے سپرد کرنا**...... یعنی عامل اور معقود علیہ درختوں کے درمیان تخلیہ اگر دونوں پر عمل کی شرط لگالی تو مساقات فاسد ہو جائے گی لعدم التخلیہ۔

۴..... کہ حاصل ہونے والے پھل: دونوں کے درمیان مشترک ہوں اور ان میں سے ہر ایک کا حصہ مشاع اور معلوم مقدار کے اعتبار سے

---

❶..... ردالمحتار ۵/ ۲۰۱۔ ❷ البدائع ۶/ ۱۸۵۔

ہو اگر کسی ایک کے لیے پیداوار کو شرط ٹھہرا دیا تو مساقات فاسد ہوجائے گی اسی طرح اگر متعین حصہ یا حصص کی مقدار مجہول ہوئی تو بھی مساقات فاسد اور حنفیہ کے ہاں مساقات کی مدت بیان کرنا استحسانا شرط نہیں متعارف پر عمل کرتے ہوئے اور مساقات پہلے سال کے پہلے پھل پر ہوگی اور برسم نمائی میں یہ پہلے ہوگی جیسے پھلدار درختوں میں اگر اس سال کچھ پیداوار نہ ہوئی تو مساقات فاسد ہوجائے گی۔

اگر مدت اتنی ذکر کردی کہ عادت اس مدت میں پھل تیار نہیں ہوتے تو مساقات فاسد ہوگی کیونکہ مقصد پھل میں شرکت فوت ہوگئی اگر عقد صحیح ہو اور درخت متفق علیہ مدت میں پھل نہ دے تو کسی کے لیے کچھ نہیں اور عقد صحیح باقی رہے گا اور اگر اتنی مدت ذکر کی جس میں پھل تیار ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی تو عقد صحیح ہے کیونکہ مقصود فوت ہونے کا یقین نہیں اگر پھل۔ مقررہ مدت میں تیار ہوگئے تو انہیں بحسب شرط تقسیم کردیا جائے گا اور اگر مقررہ وقت میں تیار نہ ہوئے تو مساقات فاسد ہوجائے گی اور عامل کے لیے اجرت مثل ہوئی فساد عقد کی وجہ سے اس لیے کہ غلطی مدت مقرر کرنے میں ظاہر ہوگئی۔

جمہور کے ہاں مساقات کے ارکان.....شوافع حنابلہ اور مالکیہ نے مساقات کے پانچ ارکان ذکر کئے ہیں اور وہ عاقدین موردالعمل پھل عمل اور صیغہ ہیں۔ ❶

پہلا رکن: عاقدین.....عاقل بالغ جو اپنے لیے تصرف کرسکتا ہے اس کا مساقات کرنا درست ہے اس لیے کہ مساقات عقد معاوضہ یا معاملہ ہے مال پر جیسے مضاربت بیع کی طرح اس میں اہلیت مطلوب ہے اور ولی بچے مجنون اور بے وقوف کی طرف سے اس عقد کو کرے گا کیونکہ اسے ان پر ولایت حاصل ہے مصلحت کے وقت اس کی احتیاج ہے۔

دوسرا رکن: مورد مساقات.....یعنی جس پر عقد مساقات کا صیغہ وارد ہو وہ شوافع کے ہاں کھجور اور انگور ہیں اور حنابلہ کے ہاں پھلدار درخت جو لگایا گیا ہو اور عامل کو معلوم ہو اور اس کی اصلاح ایک معلوم حصہ پھلوں کے عوض ہو۔

تیسرا رکن پھل..... عاقدین کے ساتھ پھل خاص کرنا شرط ہے لہٰذا بعض حصہ کی دوسرے کے لیے ان کے علاوہ جائز نہیں اور ان دونوں کا اس میں شریک ہونا شرط ہے لہٰذا سارا پھل ایک کے لیے مشروط کرنا جائز نہیں اور دونوں کے حصہ کا معلوم ہونا بھی شرط ہے اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہوں یعنی جیسے مضاربت کی طرح مشاع ہوں۔ شوافع کے ہاں اظہر اور یہی حنابلہ کا مذہب ہے کہ مساقات پھل لگنے کے بعد درست ہے پکنے سے پہلے اگر کھجور کے چھوٹے درخت لگانے پر مساقات کی کہ درخت دونوں کے ہوں گے تو یہ جائز نہیں اس لیے کہ مساقات اصل ثابت کے علاوہ پر نہیں ہوا۔ نیز درخت لگانا مساقات کے اعمال میں سے نہیں اگر درخت لگے ہوئے ہوں اور مالک عمل پر ایک حصہ پھل شرط قرار دے اگر اتنی مدت مقرر کی جس میں غالباً پھل آجاتا ہے جیسے پانچ سال تو عقد صحیح ہے اور کافی مدت پھل نہ ہونا اس کے لیے نقصان نہیں جیسے پانچ سال کے لیے مساقات کرنا پھل پانچویں سال ہونا غالب ہوتے ہیں اگر اس مدت میں درخت پھل نہ دے تو عامل کسی چیز کا مستحق نہیں جیسے پھلدار کھجوروں پر مساقات ہو اور پھر وہ پھل نہ دیں اگر اتنی مدت مقرر کی جس میں غالباً درخت پھل نہیں دیتے تو مساقات درست نہیں کیونکہ یہ عوض سے خالی ہے اور یہ بالاتفاق ہے۔

چوتھا رکن عمل.....مساقات میں شرط ہے کہ عمل صرف عامل کرے اور قبضہ بھی عامل کا ہو تاکہ عامل جب چاہے عمل کرسکے اگر مالک کے عمل کو بھی عامل کے ساتھ شرط قرار دیا یا باغ مالک کے قبضہ میں رہا یا دونوں کے تو عقد صحیح نہیں مساقات فاسد ہوجائے گی۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ عامل پر ایسی چیز کی شرط نہ لگائی جائے جو اعمال مساقات میں سے نہ ہو جیسے کنواں کھودنا اگر ایسی شرط لگائی عقد صحیح نہ ہوگا اس لیے کہ مجہول عوض کا اجارہ ہے اور عقد میں عقد کی شرط ہے۔ شوافع کے ہاں یہ بھی شرط ہے کہ مدت مقررہ کے ساتھ عمل معلوم ہو یعنی سال یا زیادہ اور کم سے کم

---

❶ .....مغنی المحتاج ۲/ ۳۲۳، ۳۲۸۔

یہ کہ اتنی مدت ہو جس میں درخت باقی رہتے ہیں مطلق مدت یا ہمیشہ کے لیے یا اتنی مدت جس میں درخت غالباً پھل نہ دیتے ہوں مقرر کرنے سے عقد صحیح نہ ہوگا اس لیے کہ شوافع کے ہاں مساقات عقد لازم ہے اس میں اجارہ کی طرح مدت مقرر کرنا مطلوب ہے اگر مدت اتنی ہو کہ جس میں درخت پھل عادۃ نہ دیتے ہوں تو عقد صحیح نہیں کیونکہ عوض سے خالی ہے جیسے غیر پھلدار درخت پر مساقات اور پھل پکنے کی مدت مقرر کرنا صحیح نہیں جہالت کی وجہ سے۔ اور حنابلہ کے ہاں مزارعت اور مساقات میں مدت مقرر کرنا مطلوب نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ مدت مقرر نہیں فرمائی تھی اور خلفاء راشدین بھی آپ کے بعد آپ کے طریقہ پر چلتے رہے نیز مساقات اور مزارعت ان کے ہاں عقد جائز غیر لازم ہے عاقدین میں سے ہر ایک جب چاہے اسے فسخ کرسکتا ہے ابن قدامہ حنبلی نے اس کو اختیار کیا ہے کہ یہ عقد لازم ہے لہٰذا مدت مقرر کرنا واجب ہے اجارہ کی طرح اور اکثر مدت مقرر نہیں بلکہ جتنی مدت پر دونوں متفق ہو جائیں اور اس میں درخت باقی رہ سکتے ہوں صحیح ہے اگر چہ لمبی ہی کیوں نہ ہو اور کم از کم مدت جس میں پھل تیار ہو جائیں اس سے کم پر جائز نہیں اس لیے کہ مقصود پھل میں اشتراک ہے اور اس کم مدت میں وہ نہیں پایا جاسکتا ہے۔

پانچواں رکن: صیغہ.....مثلاً ساقیتک علی ھذا النحل بثلث اوربع ثمرہ اوسلمتہ الیک لتتعھدہ اواعمل فی نخیلی یاتعھد نحیلی بکذا من ثمرہ اگر مساقات اجارہ کے لفظ سے کی تو شوافع کے ہاں اصح قول کے مطابق یہ درست نہیں اس لیے کہ لفظ اجارہ دوسرے عقد میں صریح ہے اور حنابلہ کی ہاں مساقات معاملہ مثالحہ اور لفظ اجارہ سے بھی درست ہے جیسے کہ مزارعت لفظ اجارہ سے درست ہے اس لیے کہ مطلوب معنی ہوتا ہے اگر ایسا لفظ استعمال کیا جو اس پر دلالت کرتا ہو تو عقد صحیح ہے بیع اور معاطاۃ کی طرح اور شوافع کے ہاں قبول بھی لفظ کے اعتبار سے بولنا ضروری ہے اور سمجھ میں آنے والے اشارہ کے ذریعہ اعمال کی تفصیل کے بغیر عقد میں انہیں لانا ضروری نہیں اور مطلق کو ہر علاقے میں عرف غالب پر محمول کیا جائے گا اس میں عرف ہی مرجع ہے۔ حنابلہ کے ہاں مساقات وغیرہ قبول لفظ کے محتاج نہیں بلکہ کام شروع کر دینا ہی کافی ہے جیسے وکالت میں ہوتا ہے۔

تیسری بحث: مساقاتِ صحیحہ اور فاسدہ کا حکم.....جب مساقات کی شرائط مکمل ہو گئیں تو وہ صحیح ہوگی اور اگر ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو فاسد ہوگی۔

پہلا مقصد: مساقات صحیحہ کا حکم.....فقہاء کے ہاں صحیح مساقات کے لئے احکام ہیں اور حنفیہ کے [1] ہاں اس کے احکام یہ ہیں۔

۱.....اعمال مساقات میں سے ہر وہ چیز جس کی ضرورت ہو درختوں انگوروں برسیم اور بینگن وغیرہ کو سیرابی نہر کی درستگی حفاظت، شاخ تراشی وغیرہ تو یہ عامل کے ذمہ ہے اس لیے کہ یہ چیزیں معقود علیہ کے توابع میں سے ہیں۔ اور ہر وہ چیز جس کے درخت محتاج ہیں اور نفقہ وغیرہ جیسے گوبر اور زمین کو پھیرنا کاشنا وغیرہ تو یہ عاقدین پر بقدر حصص ہوگا اس لیے کہ عقد اس کو شامل نہیں۔

۲.....کہ حاصل ہونے والی پیداوار دونوں کے درمیان طے شدہ شرط کے تناسب سے تقسیم ہو۔

۳.....اگر درختوں پر پھل نہ ہو تو دونوں کے لیے کچھ بھی نہیں۔

۴.....عقد جانبین کی طرف سے لازم ہے کوئی ایک بھی نافذ کرنے سے روکنے یا دوسرے کے رضامندی کے بغیر فسخ کرنے کا مجاز نہیں الا یہ کہ کوئی عذر ہو برخلاف مزارعت کے اس لیے کہ مزارعت حنفیہ کے ہاں بیج والے کی طرف سے لازم نہیں۔

۵.....مالک زمین کو عامل پر جبر کرنے کا حق ہے الا یہ کہ عذر ہو۔

۶.....شرط پر زیادتی بھی جائز ہے اور اس سے کمی بھی جائز ہے مزارعت میں مقرر شدہ قاعدے کی رو سے کہ ہر وہ جگہ جہاں انشاء عقد کا

---

[1].....البدائع ۱۸۷/۶۔

احتمال ہو وہ اضافہ کا بھی احتمال رکھتا ہے ورنہ نہیں اور کمی کرنا دو جگہوں پر جائز ہے پس جب پھل کی موٹائی نہ رکے کھجور میں تو طرفین سے زیادتی جائز ہے اس لیے کہ اس حالت میں زیادتی جائز ہے اگر پھل کی بڑھوتری رک جائے تو عامل کی طرف سے مالک زمین کے لیے اضافہ جائز ہے۔

اور مالک زمین کی طرف سے عامل کے لیے اضافہ جائز نہیں اس لیے کہ عامل کی طرف سے اضافہ اجرت میں کمی ہے اور اس میں انشاء عقد کا احتمال شرط نہیں اور زمین والے کی جانب سے اضافہ اجرت میں اضافہ ہے اور محل اس اضافے کا محتمل نہیں۔

۷.....عامل غیر کو مساقات کے لیے دینے کا مالک الا یہ کہ مالک زمین اس کو سپرد کرے کہ اپنی رائے پر عمل کرو اگر عامل نے مخالفت کی اور دوسرے کو درخت مساقات کی لیے دے دیئے تو پھل مالک درخت کے لیے ہوں گے اور عامل اول کے لیے کوئی اجرت نہ ہوگی اور عامل ثانی کے لیے اول پر اجرت مثل ہوگی۔

مالکیہ کے ہاں مساقات صحیحہ کے احکام......زیادہ تر حنفی مذہب کے موافق ہیں ان کے ہاں باغ میں کام کرنا تین قسم پر ہے ایک جو چیز پھل سے متعلق نہیں عامل کے لیے عقد میں لازم نہیں اور اس پر شرط قرار دینا جائز نہیں۔ دوسری جس چیز کا تعلق پھلوں سے ہو اور وہ بعد میں بھی باقی رہے جیسے کنواں کھودنا چشمہ وغیرہ بنانا پھل محفوظ کرنے کے لیے گھر بنانا درخت لگانا وغیرہ یہ بھی عامل کے ذمہ لازم نہیں اور نہ ہی اس پر شرط قرار دینا جائز ہے تیسری جس کا تعلق پھلوں سے ہے اور وہ باقی نہیں رہتی تو یہ عامل کے ذمہ ہے عقد کی وجہ سے جیسے پیوند کاری شاخ تراشی سیرابی اور عامل ہی پر ہیں تمام آلات جانوروں وغیرہ کا خرچہ جو عرفاً درختوں کے لیے لازم ہوتا ہے اور عامل کے ذمہ باغ کی دیواروں کو مضبوط کرنا اور باقی جاری ہونے کی جگہوں کی درستگی نہیں ہاں اس کے ذمہ لگانا جائز ہے اس لیے کہ یہ آسان ہیں رہ گیا عامل کا حق تو اسے پھلوں کا ایک حصہ ملے گا جیسے ثلث نصف وغیرہ یا جس پر اتفاق ہو جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ سارا پھل ہی عامل کے لیے ہو اور جب درخت پھل نہ دے تو عاقدین میں سے کسی پر ایک دوسرے کے لیے کچھ بھی نہیں اس لیے کہ پھل سماوی آفت کی وجہ سے نہیں ہوئے نہ کہ فساد عقد کی وجہ سے۔ اور ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے یہ جائز نہیں کہ کوئی اور نفع اپنے لیے شرط رکھے جیسے درہم و دینار۔ شوافع اور حنابلہ مالکیہ کے ساتھ عمل کے لازم ہونے کی تحدید اور عامل کے حق میں ہیں عمل کے متعلق ان کا کہنا ہے ہر وہ چیز جو ہر سال مکرر ہوتی ہے وہ عامل پر ہے اور جو مکرر نہیں ہوتی وہ رب المال پر ہے۔ پس عامل کے ذمہ ہے وہ کام جو پھلوں کی اصلاح کے لیے ہے اور ان میں اضافے کا باعث ہے جو ہر سال عمل میں مکرر ہوتا ہے اور اس سے اصل کی حفاظت کا قصد نہیں ہوتا جیسے سیراب کرنا نہر اور کنویں کی صفائی یعنی پانی جاری ہونے کی نالی کی صفائی اور درختوں کے لیے جمع ہونے والے پانی کی جگہ کی درستگی اور زیادہ کھجور کو اپنی جگہ پر رکھنا گھاس پھوس اور جڑی بوٹیاں تلف کرنا اور انگور کی بیل چڑھانے کے لیے لکڑیاں وغیرہ لگانا پھل کی حفاظت اور اسے اتارنا اور خشک کرنا اور وہ چیز جس سے اصل اور درخت کی حفاظت مقصود ہوتی ہے اور سال میں ہر مرتبہ وہ کام نہیں ہوتا جیسے باغ کی چار دیواری بنانا نئی نہر کھودنا اور نہر میں سے جو گر گئی اس کی اصلاح کرنا اور دولاب وغیرہ کی درستگی یہ مالک کے ذمہ ہے اور مالک ہی کے ذمہ خراجی زمین کا خراج ہے اس سے یہ ظاہر ہوا کہ پھل اتارنا مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں عامل کے ذمہ ہے جبکہ حنفیہ کے ہاں مالک اور عامل دونوں کے ذمہ ہے بقدر حصص مساقات جانبین سے عقد لازم ہے اجارہ کی طرح شوافع حنفیہ اور مالکیہ (یعنی جمہور کے ہاں) اور حنابلہ کے ہاں لازم نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والے واقعے میں جو مسلم شریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: ہم تمہیں اس پر برقرار رکھتے ہیں جب تک چاہیں اور رہ گئی مزارعت یہ حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں لازم نہیں اور بیج بونے کے بعد مالکیہ کے ہاں لازم ہے۔

اس بناء پر کہ مساقات عقد لازم ہے اور شوافع کے ہاں مزارعت اس کے تابع ہے اگر عامل کام مکمل کرنے سے پہلے بھاگ گیا اور مالک

نے کام مکمل کر دیا تو عامل کا حق باقی رہے گا جیسے کہ اجنبی کا تبرع کرنا دین کی ادائیگی میں اور اگر مالک نے کام میں تبرع نہ کیا تو حاکم وقت جب اس کے پاس کیس پہنچے تو اجرت طلب کرے گا عامل سے اور اجیر عامل کے مال سے کام پورا کرے گا اگر دوری کی وجہ سے مالک حاکم تک نہیں پہنچ سکتا یا مالک کی طلب نہیں تو مالک اپنے کام پر گواہ بنالے یا خرچ پر گواہ بنالے اگر اسے واپس لینے کا ارادہ ہو اس لیے کہ عذر کے وقت گواہ بنانا حاکم کی طرح ہے اور گواہی میں رجوع کی ضرورت کو وضاحت سے ذکر کرے حنابلہ کہتے ہیں: اگر عامل بھاگ گیا تو رب المال کو عقد فسخ کرنے کا اختیار ہے اس لیے کہ مساقات عقد جائز ہے لازم نہیں۔

عامل کے قبضہ کی نوعیت...... عامل کا قبضہ مساقات، مزارعت اور درخت وغیرہ لگانے میں امانت ہے جب وہ پھلوں میں سے یا زراعت اور درختوں میں سے کسی چیز کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے بغیر کوتاہی اور ظلم کے تو اس کی بات کی قسم کے ساتھ تصدیق ہوگی اسی طرح اگر مالک اسے خیانت کی تہمت لگائے اور وہ انکار کرے تو اسی کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ امین ہے۔

دوسرا مقصد: مساقات فاسدہ کا حکم...... شرعاً جو شرائط مساقات میں مطلوب ہیں ان میں سے کسی بھی شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے مساقات فاسد ہو جاتی ہے اور عقد فاسد ہو جاتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں فساد مساقات کی اہم صورتیں یہ ہیں۔

۱...... یہ شرط لگا دینا کی پیداوار خارج سارے کا سارا ایک کا ہوگا اس لیے کہ شرکت نہیں پائی گئی تو مساقات فاسد ہے۔

۲...... پھلوں کا ایک متعین حصہ عاقدین میں سے کسی ایک کے لیے شرط قرار دیا جیسے آدھا قنطار یعنی (۵۰ رطل) انگور یا کھجوریں وغیرہ یا پھلوں کے علاوہ متعین حصہ شرط قرار دینا جیسے کچھ نقدی وغیرہ۔ وجہ یہ ہے کہ مساقات پھلوں میں شرکت کا نام ہے۔

۳ مالک کے لیے عمل میں شرکت کی شرط لگا لینا حالانکہ عامل اور پھلوں میں تخلیہ ضروری ہے اور عامل کا اصل کام اس عقد میں عمل ہے۔

۴...... پھل اتارنا عامل کے ذمہ لگا دینا اس لیے کہ حنفیہ کے ہاں مساقات میں اس کی گنجائش نہیں نیز لوگوں کا اس پر تعامل بھی نہیں اس لیے کہ اصل یہ ہے کہ ہر وہ کام جو پھل پکنے سے پہلے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جیسے سیراب کرنا پیوند اور حفاظت وغیرہ تو یہ عامل پر ہے اور جو پکنے کے بعد کے کام میں مثلاً اتارنا اور پھر حفاظت کرنا تو یہ عاقدین پر ہے۔

۵...... یہ شرط لگانا کہ تقسیم کے بعد اٹھانا اور حفاظت کرنا عامل کے ذمہ ہے اس لیے کہ یہ مساقات عمل میں سے نہیں۔

۷...... ایسا عامل پر شرط رکھنا جس کی منفعت مدت مساقات ختم ہونے کے بعد باقی رہے جیسے درخت لگانا، زمین جوتنا، انگور کی بیلوں پر لکڑیاں لگانا وغیرہ اس لیے کہ نہ ہی عقد اس کا تقاضا کرتا ہے اور نہ ہی یہ اعمال مساقات میں سے ہے۔ اتنی مدت پر اتفاق کر لینا جس میں معمول کے مطابق پھل نہیں لگتے اس عامل کا نقصان ہے اور مقصود بھی فوت ہوتا ہے جو کہ خارج میں شرکت ہے جیسا کہ اگر پھل پک چکیں پھر مساقات کی جائے تو یہ فاسد ہے کیونکہ عامل تو عمل کی وجہ سے مستحق ہوتا ہے اور پکنے کے بعد تو عمل کا کوئی اثر نہیں۔

۸...... شریک کے ساتھ مساقات کرنا بایں طور کہ ایک باغ دو آدمیوں کے درمیان نصف نصف پر مشترک ہو تو ایک دوسرے کو مساقات پر دے دے کہ اسے دو ثلث ملے گا اور شریک مساقی کو ثلث اس لیے کہ مساقات اجارہ کی طرح ہے اور ایک شخص کا اجیر اور شریک ہونا جائز نہیں یعنی اپنے شریک سے اجرت پر لینے والا ہونا اس لیے کہ شریک کو عمل کے لیے اجرت پر لینا شرکت میں درست نہیں اس لیے کہ اجیر کا عمل متاجر کی خالص ملک میں ہونا چاہیے جب اس نے کام کیا تو وہ شریک سے کسی اجرت کا مستحق نہ ہوگا اور عامل کا عمل اپنے لیے ہوگا اور یہ فساد کا حکم حنابلہ نے دو وجوہ کے درمیان اختیار کیا ہے کہ جب عامل کی لیے عمل کے قابل میں کچھ بھی نہ ہو۔ اور شوافع نے اس عقد کو جائز قرار دیا ہے جب عامل اپنے حصہ سے زیادہ کی شرط رکھے یعنی شوافع اور حنابلہ اس صورت کی جو جائز قرار دیتے ہیں اور وہ حالت یہ ہے کہ جب اتفاق

ہو جائے عامل کے عمل کا مقابلہ میں زیادہ دینے کا۔ بایں طور کہ درخت دونوں کے درمیان نصف نصف ہوں اور عامل کے لیے دو ثلث پھل شرط لگا دیئے جائیں تا کہ سدس اس کے عمل کا عوض ہو، اگر اس کے حصہ کی مقدار یا اس سے کچھ کم شرط لگائی تو یہ درست نہیں، اس لیے کہ یہ وہ اپنے حصہ کا ملکیت کی وجہ سے مستحق ہے پس یہ اتفاق اس طرح کہ شریک دوسرے شریک سے کہے: میں تمہیں اپنے حصہ پر مساقات کے لیے دیتا ہوں یا مطلقاً رکھے تو یہ عقد درست نہ ہوگا۔ حنفیہ کے ہاں ❶ فساد مساقات یہ درج ذیل احکام مرتب ہوتے ہیں۔

۱.....عامل کو عمل پر مجبور نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ عمل پر مجبور کرنا عقد کا حکم ہے اور یہ عقد ہی صحیح نہیں۔

۲.....پھل سارے کی سارے مالک درخت کے ہوں گے اس لیے کہ اسی کی ملکیت کی یہ بڑھوتری ہے اور عامل کچھ بھی نہیں لے گا اس لیے کہ وہ تو عقد میں شرط کی وجہ سے مستحق ہوا تھا اور عقد ہی صحیح نہیں۔

۳.....جب مساقات فاسد ہے تو عامل کو اجرت مثل ملے گی کالاجارۃ الفاسدہ۔

۴.....امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں اجرت مثل مقررہ مقدار کے برابر ملے گی زیادہ نہیں جب کہ امام محمد کے ہاں اجرت مثل ملے گی جہاں بھی پہنچ جائے۔

دوسرے مذاہب کے مطلق عقد کے فاسد ہونے کا اثر...... مالکیہ کے ہاں ❷ جب مساقات فاسد ہوگئی اگر کام شروع کرنے سے پہلے اس کا علم ہو گیا تو اسے فسخ کیا جائے اور اگر کام شروع کرنے کے بعد معلوم ہوا تو دوران عمل ہی فسخ کیا جائے اور اجرت مثل واجب ہے اس صورت میں اگر عاقدین مساقات سے اجارہ فاسدہ کی طرف آ جائیں یا بیع فاسد کی طرف اس لیے کہ اس میں عامل کے لیے عمل کی اجرت ہے چاہے کم ہو یا زیادہ لہٰذا فسخ میں اسے کوئی نقصان نہیں۔

اجارہ فاسدہ کی طرف پھرنے کی مثال...... کسی متعین چیز کی یا تجارتی سامان کی باغ والے کی طرف سے عامل کے لیے شرط لگانا اس لیے کہ اس صورت میں مالک عامل کو اجارہ پر لینے والا ہو جائے گا کہ اس باغ میں اس اضافہ اور پھلوں کے کچھ حصہ کے عوض کام کرو یہ اجارہ فاسد ہے اس میں عامل کو اجرت مثل ملے گی اس میں اس اضافہ کا حساب لگایا جائے گا اور عامل کو پھلوں میں سے کچھ نہ ملے گا اگر چہ کام مکمل ہونے کے بعد ہی ہو اور اگر اضافہ عامل کی طرف سے مالک کے لیے ہو تو عاقدین بیع فاسد کی طرف پھر گئے وہ پھلوں کو پکنے سے پہلے فروخت کرنا گویا کہ عامل نے متعین حصہ خرید اور اضافہ مالک کو دیا اور اپنے عمل کی اجرت لہٰذا اس کے لیے اجرت مثل واجب ہے جو کچھ مال کو زیادہ لے لے اور پھل اسے نہیں ملیں گے اور اگر عاقدین مساقات سے کسی دوسرے عقد کی طرف نہیں نکلے بایں طور کہ فساد کسی نقصان سے ہوا ہو یا کوئی شرط نہ پائی گئی یا کوئی رکاوٹ ہوگئی یا دھوکہ ہو گیا جیسے مختلف باغوں میں مساقات تو مساقات مساقات مثل پر چلتی رہے گی جیسے ایسے پھل پر مساقات کہ جو فروخت کے قابل نہیں اور دوسرے ایسے جو ہیں تو اب عقد مجہول پھلوں کی مجہول عمل کے ساتھ بیع ہے یا جیسے مالک کے ذمہ بھی عامل کے ساتھ کام کرنے کی شرط لگانا پھلوں کے بدلے میں یا مفت میں یا چھوٹے باغ میں آلات استعمال اور جانور وغیرہ کی شرط مالک کے لیے لگانا کیونکہ بسا اوقات یہ اس کے لیے کافی ہوگا تو یہ ایسا ہو گیا جیسے عامل نے تمام کام مالک کے ذمہ لگا دیا۔

البتہ بڑے باغ میں جانور کی شرط مالک پر لگانا درست ہے، یہ ساری تفصیل ابن قاسم کے ہاں ہے اور ابن ماجشون کے ہاں فساد کی تمام صورتوں میں یہ اجارہ مثل کی طرف لوٹے گا۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... جب پھل کام کے بعد مالک کے علاوہ کسی اور کے نکلے یا ان کا کوئی مستحق نکل آیا تو عامل کو مساقات کی اجرت مثل ملے گی اس لیے کہ اس نے اس کے منافع کو عقد فاسد کے ساتھ ضائع کیا ہے لہٰذا اس کے بدل کے ساتھ مالک پر رجوع کرے

---

❶ البدائع ۱۸۸/۶۔ ❷ بدایۃ المجتہد ۲۴۸/۲۔

گا، اور جب مساقات فاسد ہوگئی تو عامل کو عمل کے بدلہ میں اجرت مثل ملے گی اور پھل سارے کا سارا درختوں والے کا ہوگا اس لیے کہ یہ اس کی ملک کی بڑھوتری ہے اور مساقات فاسد ہو جائے گی عاقدین کے حصہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے یا مجہول حصہ شرط کرنے کی وجہ سے یا معلوم درہم یا پھل میں سے متعین مقدار یا مالک پر عمل کی شرط لگانا یا عامل کا مساقات والے درختوں سے ہٹ کر دوسرے درختوں پر کام کرنا۔

خلاصہ..... یہ کہ تمام فقہاء کے ہاں بالاتفاق مساقات فاسدہ کو جب اس کا فساد کام شروع کرنے سے پہلے معلوم ہو فسخ کرنا واجب ہے۔ اگر عامل نے کام شروع کر دیا پھر فساد پر مطلع ہوا تو جمہور کے ہاں اس کے لیے اجرت مثل واجب ہے جیسا کہ مالکیہ کے ہاں اگر متعاقدین کی دوسرے عقد کی طرف نکل جائیں تو اجرت مثل واجب ہوتی ہے اور اگر دوسرے عقد کی طرف نہ نکلیں تو مساقات، مساقات مثل پر جاری رہے گی۔

چوتھی بحث: انتہاء مساقات..... حنفیہ کے ہاں مزارعت کی طرح مساقات بھی تین امور میں سے کسی ایک سے ختم ہو جائے گی متفق علیہ مدت ختم ہونے سے، عاقدین میں سے کسی ایک کے مرنے اور عقد فسخ کرنے کی وجہ سے چاہے صراحتاً اقالہ کے ذریعہ ہو یا کسی عذر کی بنا پر جیسے اجارہ فسخ ہوتا ہے۔ عذروں میں سے یہ کہ عامل چور مشہور ہو اس سے پھل چوری کرنے یا ٹہنیاں توڑنے کا خوف ہو کیونکہ اس سے مالک زمین کا نقصان ہے جس کا اس نے التزام نہیں کیا لہٰذا فسخ کیا جائے گا اور اعذار میں یہ بھی ہے کہ عامل بیمار ہو جائے کہ عمل نہ کر سکے اس لیے کہ اس کے ذمہ لازم کرنے سے زیادہ اس کا نقصان ہے جب کہ اس نے اس ضرر کا التزام نہیں کیا لہٰذا عذر قرار دیا جائے گا عامل کے سفر کو عذر قرار دینے میں دو روایتیں ہیں صحیح یہ ہے کہ مرض کی طرح اسے بھی عذر قرار دیا جائے لہٰذا اگر صرف عامل پر عمل کی شرط ہو تو عذر ہے اور اگر عقد مطلق ہے تو عذر نہیں۔

جب عامل مر گیا تو اس کے ورثاء کے ذمہ ہے کہ وہ پھلوں کی دیکھ بھال کریں پکنے تک اگر چہ مالک درخت اسے ناپسند ہی کرے کیونکہ دونوں جانب کی رعایت ضروری ہے اگر مالک مر گیا تو عامل اپنا کام جاری رکھے اگر چہ مالک کے ورثاء اسے پسند نہ بھی کریں اور اگر دونوں عاقد مر جائیں تو جاری رکھنے میں عامل کے ورثاء کو اختیار ہے اگر عامل کے ورثاء انکار کر دیں تو پھر مالک زمین کے ورثاء کو اختیار ہے۔

جب مدت مساقات ختم ہو جائے اور پھل پکے نہیں بایں طور کہ کچے ہیں تو پکنے تک مساقات استحساناً باقی رہے گی اور عامل کو اختیار ہوگا چاہے چھوڑ دے چاہے کام کرے لیکن اس پر اجرت نہ ہوگی یعنی عامل پر مالک کے لیے اس کے حصہ کی پکنے تک اجرت نہ ہوگی اس لیے کہ درختوں کا اجارہ درست نہیں اور مساقات میں کام تمام عامل کا ہوگا اور مزارعت میں عامل پر زمین کی اجرت مثل واجب ہوتی ہے اس لیے کہ زمین کا اجارہ جائز ہے اور مساقات میں عمل سارا عامل کا ہوگا اور مزارعت میں عاقدین پر اگر عامل عمل سے انکار کر دے تو مالک یا اس کے وارثوں کو اختیار ہے تین چیزوں کے درمیان یا تو وہ بحسب شرط پھل تقسیم کر لیں یا عامل کو اس کے حصے کے پھلوں کی قیمت دے دیں اور یا پھلوں پر پکنے تک خرچہ کریں پھر عامل سے اس کے پھلوں کی بقدر خرچہ میں رجوع کر لیں، اس لیے کہ عامل کو اس کے علاوہ نقصان دینا درست نہیں۔

لیکن علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ عامل پر صرف اس کے حصہ کے خرچہ میں رجوع کیا جائے گا اور اس میں اشکال ہوتا ہے ہونا یہ چاہیے کہ سارے اخراجات میں رجوع ہو اس لیے کہ عامل عمل کی وجہ سے استحقاق رکھتا ہے اور عمل سارا اسی کے ذمہ ہے اگر اس کے حصہ میں صرف رجوع کیا جائے تو یہ رجوع لیا جائے اعامل کے اس استحقاق کی طرف جو بعض مدت میں بدعمل ہے مالکیہ کے ہاں مساقات عقد وراثت ہے مالک کے ورثاء کے لیے کہ وہ ایک امین لائیں جو عمل کرے اگر وہ خود امین نہ ہوں اور مالک کے ذمہ کام ہے اگر عامل کے ورثاء انکار کر دیں اس کے ترکہ سے کام کرنے سے اور مساقات کے عقد کو فسخ نہ کیا جائے گا اگر عامل چور، ظالم یا عمل سے عاجز ہو اور عامل کے ذمہ دوسرا شخص اجرت پر لینا ہے جو کام کرے یا وہ اپنے حصہ کے پھلوں میں سے کسی کو اجرت پر لے اگر اس کے لیے کوئی چیز نہ ہو۔ اس لیے کہ ان کے ہاں

مساقات عقد لازم ہے اعذار کی وجہ سے فسخ نہیں کیا جا سکتا اور عاقد دوسرے کی رضامندی کے بغیر عقد ہونے کے بعد فسخ نہیں کر سکتا۔ شوافع کے ہاں مساقات عذروں کی وجہ فسخ نہیں کی جائے گی اگر عامل کی خیانت ظاہر ہو تو اس پر ایک نگران مقرر کیا جائے گا تاکہ کام مکمل ہو اس لیے کہ اس پر عمل واجب ہے اگر نگران کے باوجود بھی وہ خیانت سے باز نہ آئے تو پھر اس کا قبضہ بالکلیہ طور پر ختم کر دیا جائے گا اور عامل کے مال سے کسی کو اجیر بنایا جائے گا جو کام مکمل کرے۔ شوافع ہاں مدت ختم ہونے سے مساقات ختم ہو جاتی ہے جب مدت ختم ہو گئی مثلاً اس سال پھر اس کے بعد پھل لگے تو عامل کا اس میں کوئی حق نہ ہوگا اس لیے کہ یہ پھل اس عقد کے ختم ہونے کے بعد لگے ہیں۔ اگر پھل ظاہر تو ہو لیکن مکمل تیار نہ ہوئے مدت ختم ہونے سے پہلے تو ان کے ساتھ عامل کا حق متعلق ہوگا اس لیے کہ یہ مدت ختم ہونے سے پہلے پیدا ہوئے ہیں اور عامل پر کام مکمل کرنا واجب ہوگا۔ عامل کے مرنے کی وجہ سے مساقات فسخ ہو جائے گی اگر کسی متعین چیز پر ہو اور دوران مدت مالک کے مر جانے کی وجہ سے عقد فسخ نہیں ہوگا بلکہ عامل کام مکمل کرے اور اپنا حصہ لے لے۔ لیکن جب مورث مساقات کرے پھر وہ بھی مر جائے تو عقد فسخ ہوگا۔ اس لیے کہ کوئی وارث خود عامل نہیں جب عامل مساقات اپنے ذمہ لازم کر لے پھر کام مکمل ہونے سے پہلے مر جائے اور ترکہ چھوڑے وارث اس عمل کو اس سے مکمل کرے اس لیے کہ یہ مورث پر واجب حق ہے ترکہ سے دوسرے حقوق کی طرح ادا کرے اور وارث پر لازم ہے کہ وہ خود یا اسی کے مال سے اس کو مکمل کروائے اور مالک کے ذمہ اسے عمل کرنے کی قدرت دینا ہے جب کہ وارث مساقات کا کام جانتا ہو اور امین ہو ورنہ حاکم اس کے ترکہ سے عامل اجرت پر لے اگر عامل نے ترکہ نہ چھوڑا ہو تو اس پر فرض نہیں اس لیے کہ اس کا ذمہ موت کی وجہ سے ختم ہو گیا اس سے ظاہر ہوا کہ شوافع کے ہاں عاقدین میں سے کسی کے مرنے سے مساقات ختم نہیں ہوتی اگر مالک یا عامل مر گیا تو عامل کام جاری رکھے اور کام مکمل ہونے سے پہلے عامل کی خیانت، بھاگ جانے، گرفتار ہونے اور بیمار ہونے سے مساقات ختم نہیں ہوتی ہاں خیانت کی صورت میں اس پر نگران مقرر کیا جائے گا جو اس کی نگرانی کرے اور گرفتاری وغیرہ کی صورت میں حاکم اس پر اور اس کے حساب سے اجرت پر مقرر کرے اگر مالک اور عامل کا طے شدہ پھلوں میں اختلاف ہو جائے تو ہر ایک اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے اور دوسرے کے دعویٰ کی نفی کے لیے حلف اٹھائے گا اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے دعویٰ کا منکر ہے جب دونوں حلف اٹھالیں گے تو عقد فسخ ہو جائے گا اور پھل سارا مالک کا ہوگا اور عامل کے لیے اجرت مثل ہوگی۔ حنابلہ کے ہاں ❶ مساقات مزارعت کی طرح عقد جائز ہے دونوں کو فسخ کا اختیار ہے اگر پھل لگنے کے بعد فسخ کیا تو پھل دونوں کے درمیان طے شدہ تناسب سے تقسیم ہوگا اور عامل کے ذمہ مکمل کرنا ہوگا۔ اور عامل کی مدت سے مساقات فسخ نہیں ہوتی اس لیے کہ اگر عامل مر گیا تو اس کا وارث ملک اور عمل میں اس کا قائم مقام ہوگا، اس لیے کہ یہ حق ہے جو مورث کے لیے ثابت ہے لہٰذا یہ وارث کا ہوگا۔ اگر وارث نے عمل کرنے سے انکار کر دیا تو اس پر جبر نہیں کیا جائے گا اور حاکم اس کے ترکہ سے اجیر رکھے گا جو عمل کرے اگر ترکہ نہ ہو یا اس سے اجارہ پر لینا مشکل ہے تو عامل کے حصہ کو فروخت کر کے کام مکمل کروائے گا۔ اگر عامل نے عقد فسخ کر دیا یا پھل پیدا ہونے سے پہلے بھاگ گیا تو اس کے لیے کچھ بھی نہیں، اس لیے کہ وہ اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہے جیسے مضارب عامل منافع حاصل ہونے سے پہلے فسخ کر دے اور انعام والا عامل کام مکمل کرنے سے پہلے فسخ کر دے لیکن اگر مالک پھل لگنے سے پہلے اور عامل کے کام شروع کرنے کے بعد مساقات فسخ کر دے تو اس کے ذمہ عامل کی اجرت مثل ہے برخلاف مضاربت کے اس لیے کہ مضاربت میں منافع خود مال سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ عمل سے پیدا ہوتا ہے اور اس کے عمل سے نفع حاصل نہیں ہوا اور مساقات میں پھل درخت سے پیدا ہوتے ہیں اور عامل نے درختوں پر عمل کیا ہے جو پھل میں مؤثر ہے لہٰذا پھل حاصل ہونے میں اس کے عمل کی تاثیر ہے اور اس کا ظاہر ہونا فسخ کے بعد ہے۔

اگر عامل مر گیا اور مساقات اس کی ذات کے ذمہ تھی، یا مجنون ہو گیا یا اس کی بے وقوفی کی وجہ سے اس پر پابندی لگ گئی تو مساقات فسخ ہو جائے گی۔ اگر مالک مر گیا یا مجنون ہو گیا یا اس پر سفاہت کی وجہ سے پابندی لگ گئی تو عقد فسخ کر دیا جائے گا خلاف الشافعیہ اور حالت عذر

❶ المغنی [illegible]

میں حنابلہ کے ہاں عدم فسخ کے باوجود اگر عامل عاجز آ گیا عمل سے تو اس کے ساتھ ایک اور ملا دیا جائے گا اور اس کا قبضہ نہیں چھوڑا جائے گا کما قرر الشافعیہ اس لیے کہ عمل کی وجہ سے استحقاق ہے اور اس کا قبضہ باقی رکھنے میں کوئی نقصان نہیں اور اگر وہ بالکل ہی عاجز آ گیا تو مالک اس کی جگہ پر کسی اور کو رکھے گا اور دونوں حالتوں میں اجرت اس پر ہوگی اس لیے کہ اسی کے ذمہ کام مکمل کرنا تھا، باقی مذاہب کی طرح حنابلہ کے ہاں بھی مدت مساقات ختم ہونے کی وجہ سے عقد ختم ہو جائے گا لیکن اگر مالک اتنی مدت تک مساقات کرے جس میں غالبا پھل پیدا ہو سکتے ہیں اور اس سال پھل نہ ہوئے تو عامل کو کچھ بھی نہیں ملے گا مضاربت کی طرح۔

تیسرا عقد: درخت لگانا (مغارسہ یا مناصبہ) اس کی تعریف اور حکم فقہاء کے ہاں:

پہلی بات: مغارسہ کی تعریف...... یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو اپنی زمین دے تا کہ وہ اس میں درخت لگائے۔ ❶

شوافع نے یہ تعریف کی ہے...... اپنی زمین اس کے سپرد کرے تا کہ وہ اپنے پاس سے اس میں درخت لگائے اور درخت ان کے درمیان تقسیم ہوں ❷ اہل شام کے ہاں اسے مناصبہ یا مشاطرہ کہتے ہیں، اس لیے کہ درخت لگانے کو عام طور پر منصوب کہتے ہیں نیز خارج ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا۔

دوسری بات مغارسہ کا حکم...... فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہے کہ اس میں زمین اور درخت مالک اور عامل کے درمیان تقسیم ہوتے ہیں آدھے آدھے جمہور اس سے منع کرتے ہیں اور مالکیہ چند شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دیتے ہیں اگر شرکت صرف درختوں میں ہو تو یہ حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں جائز ہے مالکیہ کے ہاں جائز نہیں اور شوافع کے ہاں دونوں صورتیں منع ہیں ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے حنفیہ کے ہاں ❸ جس نے خالی زمین دی چند معلوم سالوں کے لیے اس میں درخت لگائے جائیں بایں طور کہ زمین اور درخت مالک اور درخت لگانے والے کے درمیان نصف نصف ہوں گے تو یہ تین وجہوں سے جائز نہیں۔

پہلی وجہ یہ کہ شرکت کی شرط ایسی چیز میں لگائی جا رہی ہے جو شرکت سے پہلے بھی موجود ہے یعنی زمین نہ کہ عامل کے عمل کی وجہ سے اور یہ قفیز طحان کے معنی میں ہے جو ممنوع ہے ❹ اس وجہ کے متعلق صاحب ھدایہ نے فرمایا یہ سب سے اصح ہے اس لیے کہ جیسے صاحب عنایہ نے فرمایا یہ مشتمل ہے اس صورت کے کہ کوئی کسی کو کپڑے رنگنے کے لیے اجیر رکھے اس طور پر کہ آدھا رنگا ہوا کپڑا رنگساز کا ہوگا اور یہ مفسد عقد ہے اور شرکت فاسد ہے۔

دوسری وجہ فساد یہ کہ مالک نے نصف زمین تمام درختوں کے عوض قرار دے دی اور نصف خسارہ عامل کے عمل کے بدلے پس عامل آدھی زمین مجہول درختوں کے عوض خریدنے والے ہو جو عقد کے وقت معدوم ہیں لہٰذا عقد فاسد ہو گیا اس وجہ کو ابن عابدین (علامہ شامی) رحمہ اللہ نے ترجیح دی ہے اس لیے کہ مغارسہ کا قبضہ طحان کے معنی میں ہونا نقصان دہ نہیں یہ تو مزارعت اور مساقات کے معاملہ میں بہت پایا جاتا ہے اسی وجہ سے امام اعظم نے ان کے فاسد ہونے کو اختیار کیا اور صاحبین نے قیاس کو ترک کر دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خیبر سے مساقات پر استدلال کرتے ہوئے یہی اولیٰ ہے اور یہ شرائط فاسد ہے۔

تیسری وجہ فساد یہ کہ مالک نے ایک شخص کو اجرت پر رکھا تو وہ اس کی زمین کو درختوں کا باغ بنا دے اپنے آلات کے ذریعہ اس شرط پر کہ آدھا باغ اس کا ہوگا جو اس کے عمل کا نتیجہ ہے اور یہ مفسد عقد ہے اس لیے کہ یہ اجارہ ہے مجہول اجرت پر اور دھوکا ہے پس یہ اجارہ فاسدہ ہے۔

---

❶ القوانين الفقهية ص ٢٨١۔ ❷ مغني المحتاج: ٣٢٤/٢۔ ❸ تكملة الفتح: ٤٩/٨۔ ❹ دار قطني نيل الاوطار ٢٩٢/٥۔

جب مغارست فاسد ہوگئی تو تمام پھل اور درخت مالک زمین کے ہوں گے اور درخت لگانے والے کو درخت لگانے کے دن کی قیمت اور عمل کی اجرت مثل دی جائے گی حنفیہ کے ہاں مغارست کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ مالک اپنی آدھی زمین فروخت کر دے آدھے درختوں کے عوض اور مالک عامل کو مثلاً تین سال کے لیے اجرت پر لے لے تھوڑی سی چیز کے عوض تا کہ وہ اس کے حصہ کام کرے اور حنفیہ نے اسی طرح تصحیح کی ہے جیسا کہ فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ اگر اشتراک صرف درختوں اور پھلوں میں ہو زمین کے علاوہ تو صحیح ہے اور شوافع کی عبارت مغارست کے حکم میں یہ ہے کہ مغارست صحیح نہیں اس لیے کہ زمین میں اس سے حاصل ہونے والی میں سے بعض کے عوض مغارست جائز نہیں اس لیے کہ درخت لگانا مساقات کے اعمال میں سے نہیں پس اس کے ساتھ ملانا اسے فاسد کر دیتا ہے اور اس کی تحقیق اجارہ سے ممکن ہے رہ گئی مساقات درختوں میں اس میں عقد اجارہ ممکن نہیں تو مساقات حاجت کی وجہ سے جائز ہے اور پیدا ہونے والے درخت عامل کے ہوں گے اور رب الارض کے لیے عامل پر اجرت مثل ہے الخ۔

حنابلہ کی عبارت ❶ جب مالک عامل کو زمین دے کہ زمین اور درخت دونوں کے درمیان مشترک ہوں گے تو یہ معاملہ ایک ہی وجہ سے فاسد ہے اس لیے کہ انہوں نے اصل درخت اور زمین میں اشتراک کو شرط قرار دیا ہے تو یہ فاسد ہے جیسا کہ وہ درخت یا کھجور دے کہ اصل اور پھل دونوں کے درمیان مشترک ہوں تو یہ فاسد ہے یا مزارعت میں شرط رکھے کہ زمین اور غلہ دونوں کے درختوں ہوگا تو ان صورتوں میں عامل کے لیے اجرت مثل ہوگی۔ لیکن اگر اس نے مساقات کی کہ درخت لگانے میں اس نے کام کیا وہ ہوئے تو پھر عامل کے لیے معلوم حصہ پھلوں کا ہوگا یہ درست ہے اس لیے کہ اس صورت میں عامل کا کام زیادہ ہے اور حصہ کم۔

یہ جمہور کے اقوال ہیں جو مغارست کے عدم جواز کے قائل ہیں عاقدین کے حقوق کی حفاظت کی وجہ سے نیز درختوں کے پیدا ہونے میں جو بہت زیادہ جہالت ہے اس کی وجہ سے اور اصل میں اشتراک کی وجہ سے جیسا کہ مضاربت میں دونوں شریکوں کا راس المال میں شریک ہونا نیز درخت لگانا مساقات کے اعمال میں سے نہیں سنت نبوی کے مطابق جیسا کہ چھوڑے درختوں پر اتنی مدت کے لیے مساقات کرنا جس میں درخت پھل نہ دیتے ہوں جائز نہیں۔ مالکیہ کے ہاں ❷ درخت بڑھانے کا عمل یا تو اجارہ سے مکمل ہوتا ہے وہ یہ کہ عامل مالک کے لیے درخت لگانے معلوم اجرت پر یا انعام سے مکمل ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ درخت لگائے، اسے بھی پیدا ہونے والے درختوں میں سے حصے ملے گا یا درخت لگانا اور مغارست درست ہے پانچ شرطوں کے ساتھ۔

۱..... کہ عامل زمین میں مضبوط جڑوں والے درخت لگانے نہ کہ کھیتی سبزیاں وغیرہ۔

۲..... کہ دونوں درخت کی قسم پر متفق ہوں اور درخت متقارب ہوں کہ پھل دینے کی مدت قریب ہو اگر ایسا نہ ہوا تو جائز نہیں۔

۳..... کہ ان کی مدت کئی سال نہ ہو اگر پھل دینے کی مدت سے زیادہ مدت مقرر کی تو یہ جائز نہیں اگر پھل دینے کی مدت سے کم ہو تو جائز ہے اگر برابر ہو تو اس میں دو قول ہیں۔

۴..... عامل کا زمین اور درختوں میں حصہ نہ ہو اگر اس کا ان میں سے کسی ایک میں خاص حصہ ہوا تو جائز نہیں الا یہ کہ درختوں کے ساتھ وہ زمین بھی چھوڑے۔

۵..... یہ کہ درخت لگانا وقف کی زمین پر نہ ہو کیونکہ درخت لگانا بیع کی طرح ہیں ملاحظہ ہو کہ مغارسہ مساقات اور مزارعت میں مالکیہ کے ہاں دو ہی چیزیں مانع ہیں پہلی چیز: کوئی ایک اپنے لیے کوئی چیز خاص نہ کرے دوسری چیز: ادھار یا سلم کی شرط لگانا کہ میں تمہیں سو دینار قرض دیتا ہوں تم درخت لگاؤ یا اکھاڑو۔

خلاصہ..... مغارسہ اس وقت صحیح ہے جب عامل کے لیے متعین حصہ پھل کا مقرر ہو جیسا کہ حنابلہ نے ذکر کیا اور صحیح ہے مغارست جب

---

❶..... المغنی ۵/ ۳۸۰۔ ❷ القوانین الفقهية ص ۲۸۱.

عامل درخت لگائے اس شرط پر کہ درخت اور پھل دونوں کے درمیان ہوں گے جیسا کہ حنفیہ نے وضاحت کی نیز عقد مغارسہ کو صحیح کرنا زمین اور درخت میں شرکت کے ساتھ عقد بیع اور اجارہ کے ذریعہ بھی ممکن ہے کما لقدم وذکراء لحنفیہ۔

مالکیہ نے چند شرائط کے ساتھ مغارسہ کی اجازت دی ہے اور شوافع اسے بالکل ناجائز کہتے ہیں ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے۔

چھٹی فصل ...... تقسیم (اتفاق القسمۃ)

اس میں دو قسمیں ہیں ایک اعیان کی تقسیم دوسری منافع کی تقسیم اور ان میں سے ہر ایک مال مشترک میں ہوتی ہے۔

پہلی قسم: اعیان کی تقسیم...... اسے قسمت رقاب بھی کہتے ہیں اور اس میں چھ مباحث ہیں۔ پہلی بحث: قسمت کی تعریف مشروعیت رکن اور صفت۔ دوسری بحث: قسمت کی قسمیں۔ تیسری بحث: قسمت کی شرطیں۔ چوتھی بحث: قسمت کی کیفیت۔ پانچویں بحث: تقسیم کرنے والا۔ چھٹی بحث: قسمت کے احکام۔

پہلی بحث: قسمت کی تعریف مشروعیت رکن اور صفت:

پہلی بات: تعریف القسمۃ...... لغت میں قسمت سے جدا کرنے کو کہتے ہیں یا تفریق کرنا اور شرعاً اس کی بہت ساری تعریفیں ہیں جو فقہاء کے ہاں قریب قریب ہیں۔

حنفیہ کے ہاں...... مشاع حصوں کو متعین جگہ جمع کرنا یا مخصوص جگہ جمع کرنا ❶ اور مجلہ میں دفعہ (۱۱۴) یہ یہ تعریف کی ہے کہ قسمت مشاع حصے کی تعیین کرنا یعنی کسی مقیاس کے ذریعے بعض سے بعض کو بعض سے تبدیل کرنے کا اس لیے کہ شی مقسوم کے تمام اجزاء میں ہر شریک کا حصہ اور ملکیت منتشر ہے جب تقسیم ہوگئی تو ایک کا مملوک حصہ دوسرے کے حصہ میں واقع ہوگیا تو مبادلہ دونوں شریکوں کے درمیان مکمل ہوگیا ہر ایک کا اپنے نصف حصہ سے نزول کی وجہ سے۔ اور مبادلہ کا معنی رضامندی سے تقسیم کرنے میں تو واضح ہے اور جبراً تقسیم میں قاضی کی طلب سے ہے ان کی رضامندی مبادلہ کو متضمن ہے پس تقسیم میں مبادلہ کا معنی پایا جاتا ہے اس لیے کہ ان میں سے ایک کو جو دوسرے کا ملا ہے وہ بعض دوسرے کا ہے اس نے اس سے عوض میں لے لیا تو یہ من وجہ مبادلہ ہے اور من وجہ افراز وجدائی افراز تو کیلی اور وزنی چیزوں میں ظاہر ہے تفاوت نہ ہونے کی وجہ سے اور مبادلہ غیر کیلی اور وزنی چیزوں میں ہے تفاوت کی وجہ سے اور مبادلہ میں اجبار جائز ہے جیسے دائن کے مال کو فروخت کرنے میں۔

مالکیہ کے ہاں...... بھی احناف کی طرح ان کی تعریف ہے کہ شریک کے مشاع حصے کی تعیین اور اگرچہ یہ تعیین کسی خاص تصرف کی وجہ سے ہو یعنی میں ذات میں شرکت باقی رکھتے ہوئے اور یہ تعریف ان کے ہاں قسمت کی تینوں قسموں کو شامل ہے مہایات، مراضات اور قرعہ ❷ شوافع اور حنابلہ کے ہاں بڑی واضح تعریف ہے بعض حصوں کو بعض سے ممتاز کرنا اور الگ کرنا حصوں کو کیل وغیرہ سے الگ کرنا۔

دوسری بات: تقسیم کی مشروعیت...... تقسیم کے جواز پر علماء کا اجماع ہے اس لیے کہ اس کی مشروعیت اور جواز قرآن اور سنت دونوں سے ثابت ہے قرآن کریم میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ القمر ۲۸

اور ان کو آگاہ کردو کہ ان میں پانی کی باری مقرر کردی گئی ہے ہر (باری والے کو اپنی) باری پر آنا چاہیے۔

---

❶ ... الدر المختار ۵: ۱۰۵ـ۱۔ ❷ الشرح الصغیر ۳: ۳۵۹۔

(یہ آیت مہایات منافع) کی تقسیم کے جواز پر دلالت کر رہی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ ......النساء ۴/۸

ہر ترکہ کی تقسیم کے بارے میں ہے اور غنیمت کی تقسیم کے بارے۔

میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ ......الانفال: ۸/۴۱

اور جان رکھو کہ جو چیز تم (کفار سے) لوٹ کر لاؤ اس میں سے پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کا الخ۔

اور یہ خمس چار حصوں میں سے جن کے مستحق مجاہد ہیں تقسیم کے بغیر واضح اور معلوم نہیں ہوتا۔

سنت...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر، حنین کی غنیمتیں غانمین کے درمیان تقسیم کی گئیں۔

اور وراثت تقسیم کی جو اس کی اباحت پر دال ہے۔ نیز لوگوں کی ضرورت بھی تقسیم کی تائید کرتی ہے تاکہ شرکاء میں سے ہر ایک مستقل طور پر اپنے حصے میں تصرف پر قادر ہو اور بری مشارکت اور زیادہ ہاتوں سے چھٹکارہ پائے۔

تیسرا باب تقسیم کا رکن وغیرہ...... وہ فعل اور عمل ہے جس سے جدائی اور حصص میں امتیاز حاصل ہو جیسے فانیاہ وغیرہ اور اس کا سبب شرکاء کی طلب یا بعض کا اپنی ملکیت سے مخصوص طور پر نفع حاصل کرنا اگر طلب نہ کریں تو تقسیم درست نہیں اور اس کے لازم ہونے کی شرط کسی ایک شریک کا طلب کرنا ہے جس سے تقسیم کی وجہ سے نفع فوت نہ ہو یعنی متعارف چیز کا فائدہ ضائع نہ لہٰذا باغ حمام اور چھوٹا گھر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔❶

چوتھی بات تقسیم کی صفت...... فقہاء کے ہاں تقسیم کی صفت دو وصفوں میں دائر ہے جدائی اور امتیاز بیع اور مبادلہ۔ حنفیہ کے ہاں تقسیم مطلق دو وصفوں کو شامل ہے ایک افراز یعنی عین حق اور دوسرا مبادلہ یعنی عوض حق اور اس کا سب کہ یہ مبادلہ کے معنی کو شامل ہے کہ ہر شریک دوسری کا بعض لے رہا ہے اور بعض اس کا اپنا ہے لہٰذا اپنی باقی حق کا عوض ہے رہا ہے پس تقسیم من وجہ مبادلہ ہے اور من وجہ افراز ہے۔

افراز غالب اور ظاہر مثلیات یعنی مکیلات موزونات اور جو ان کے حکم میں ہیں ان میں پایا جاتا ہے یعنی ذراع عدد متقارب جیسے اخروٹ انڈے کیونکہ ان کے اجزاء میں تفاوت نہیں یہاں تک کہ ہر ایک شریک دوسرے کی عدم موجودگی اپنا حصہ وصول کر سکتا ہے۔ اور مبادلہ عام طور پر قیمیات جیسے حیوانات، گھر، تجارتی سامان وغیرہ میں پایا جاتا ہے کیونکہ اس کے افراد میں تفاوت ہے اور یہی وجہ سے ایک شریک دوسرے کی عدم موجودگی میں اپنا حصہ نہیں لے سکتا ہاں اگر اشیاء مشترکہ ایک جنس کی ہوں تو جبرا بھی تقسیم جائز ہے یعنی کسی ایک شریک کی طلب پر بھی قاضی تقسیم پر مجبور کرے گا اس لیے کہ اس میں افراز کا معنی پایا جاتا ہے اور مبادلہ میں جبر درست ہے۔ اور اگر مشترک اشیاء مختلف اجناس کی ہوں تو جبری تقسیم جائز نہیں قاضی تقسیم پر مجبور نہیں کرے گا کیونکہ عدل متعذر ہے اس وقت رضامندی سے تقسیم درست ہے کیونکہ شرکاء کا اس میں حق ہے۔ مالکیہ کے ہاں رضامندی کی تقسیم جو بغیر قرعہ کے مکمل ہو جاتی ہے جیسے بیع اور قرعہ کی تقسیم شرکاء کے مشاع حق میں امتیاز نہ کہ بیع اور تقسیم مہایا منافع میں جیسے اجارہ۔

شوافع کے ہاں تقسیم...... حصص میں جدائی اور حقوق کی تمیز ہے الا یہ کہ تقسیم میں عوض ہو تو یہ بیع ہے۔

مثلاً مشترک زمین کی ایک جانب کنواں یا درخت ہو تو تقسیم ممکن نہیں تو قرعہ کے ساتھ تقسیم میں جسے وہ ملے وہ کنویں اور درخت کی قیمت دے دے اور جب حصص کے اعتبار سے تقسیم ہو تو یہ تقسیم بھی بیع ہو گی قیمت کے اعتبار سے جیسے زمین کی قیمت اس کے اجزاء کے اعتبار سے

---

❶......الدر المختار ۵/۱۷۸۔

پیداوار اور پانی وغیرہ قریب ہونے کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے اور زمین ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہو اور زمین کا ثلث دوسرے حصے کے دوثلث کے برابر ہو عمدگی کی وجہ سے پس ایک ثلث کو ایک سہم اور دوثلث کو ایک سہم قرار دیا جائے گا اور یہ انتہائی باریک اور دقیق وعمیق رائے ہے جو میں نے مذاہب سے پہچانی ہے۔

حنابلہ کے ہاں تقسیم حقوق کی علیحدگی اور حصص کا امتیاز ہے بیع نہیں اس لیے کہ یہ لفظ تملیک کی محتاج نہیں اور اس میں شفعہ واجب نہیں ہوتا اور اس میں اجبار کا بھی دخل ہے اور قرعہ نکلنے سے لازم ہو جاتی ہے اور ایک کا حصہ دوسرے کے بقدر لگایا جاتا ہے جب کہ بیع میں ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی جائز نہیں نیز یہ بیع سے منفرد ہے اپنے نام اور احکام کے اعتبار سے یہ بیع نہیں باقی عقود کی طرح۔

فائدہ اختلاف..... جب یہ بیع نہیں تو پھلوں کو اندازے سے تقسیم کرنا بھی جائز ہے اور کیلی چیز کو وزن سے اور وزنی چیز کو کیل سے اور قبضہ سے پہلے جدائی وغیرہ اور اگر ہم اسے بیع قرار دیں تو یہ احکام اس کے برعکس ہو جائیں گے لیکن جب قسمت میں رد عوض ہے جو ایک شریک کو دوسرے شریک سے حاصل ہوا ہے تو رد والے کے مقابلے میں یہ بیع ہے اور باقی میں افراز خلاصہ یہ کہ حنابلہ کے ہاں قسمت افراز ہے الا یہ کہ تقسیم میں رد ہو تو پھر بیع ہے۔

دوسری بحث: تقسیم کی قسمیں..... مذاہب فقہیہ میں تقسیم کی کئی قسمیں ہیں ہر مذہب میں اپنے امتیاز سے غور وفکر ہے حنفیہ کے ہاں ❶ قسمت (تقسیم) کی دو قسمیں ہیں۔

۱..... جبری تقسیم وہ ہے جسے قاضی کروائے شرکاء میں سے کسی ایک کی طلب پر اگر قاضی یا اس کا نائب قرعہ سے تقسیم کرے تو بعض شرکاء کو حصص نکلنے کے بعد انکار کی گنجائش نہیں۔

۲..... باہمی رضامندی سے تقسیم: وہ ہے جسے شرکاء باہمی رضامندی سے کریں یہ عقود میں سے ایک عقد شئی ہوتی ہے اس کا رکن ایجاب وقبول ہے باقی عقود کی طرح اس کا محل عین مشترک ہے جس کی تقسیم پر اتفاق جائز ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں:

ا۔ تفریق وافراز..... یعنی ہر شریک کا مال مشترک میں سے متعین حصہ جیسے بڑا گھر دو یا تین شریکوں کے درمیان تقسیم کرنا ان میں سے ہر ایک نصف یا ثلث کے ساتھ مختص ہے اور یہ ہر اس چیز میں ہو سکتی ہے جس کے ٹکڑے کرنے سے دوسرے شریکوں کو نقصان نہ ہو جیسے کیلی وزنی اور عددی چیزیں چاہے تقسیم رضامندی سے ہو یا جبری۔

۲۔ تقسیم جمع..... یہ کہ ہر شریک کا حصہ علیحدہ عین میں جمع سے ہو جیسے مشترک چیز روئی ہو شریکوں کے درمیان اب یہ دونوں تقسیم کریں گے کہ ایک مقدار ایک کی ہوگی اور دوسری مقدار دوسرے کی اور یہ ایک جنس میں جائز ہے اور دو مختلف جنسوں میں جائز نہیں پس یہ مثلیات یعنی مکیلات موزونات اور معدوات متقاربہ میں جائز ہے جیسے گندم اور دو جنسوں میں جائز نہیں جیسے گندم اور جو، سوئی اور لوہا، اخروٹ اور کیلے، موتی اور یاقوت وغیرہ میں اونٹ کے افراد گائے بکری اور وہ چیز جو ایک جنس کے ضمن میں آتی ہے ان میں جائز ہے اور قلیل تفاوت معلوم ہوگا۔ گھوڑے اور اونٹ گائے اور بکری وغیرہ میں اختلاف جنس کی وجہ سے جائز نہیں کہ ایک کو ضرر ہو۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بہت سے گھر اور زمینیں تقسیم جمع سے تقسیم کرنا جائز نہیں نقصان کی وجہ سے اس لیے کہ ایک گھر اور دوسرے گھر ایک زمین دوسری زمین میں بہت بڑا تفاوت پایا جاتا ہے۔ اختلاف تعمیر اور جگہ کے امتیاز سے لہٰذا ان میں دو مختلف جنس کا حکم معتبر ہوگا۔ اور صاحبینؒ کے ہاں گھروں اور زمینوں کی تقسیم جمع کرنا صحیح ہے اور تقسیم سے جو فرق آئے گا اسے پورا کر دیا جائے گا اور گھر اور زمین یا گھر اور دکانیں جو مشترک ہوں وہ تقسیم جمع کے طریقے پر بالاتفاق حنفیہ کے ہاں تقسیم نہ کی جائیں گی بلکہ ہر ایک کو علیحدہ تقسیم کیا جائے گا اختلاف

❶..... البدائع ۷/۱۹۔۲۲۔

جنس کی وجہ سے۔ مالکیہ کے ہاں: تقسیم اعیان کی دوقسمیں ہیں قسمت مرضات اور قسمت قرعہ۔

باہمی رضامندی سے تقسیم...... یہ کہ ہر ایک اس پر راضی ہو کہ وہ مشترک چیز میں بلاقرعہ لے لے یہ بیع کی طرح ہے جو کسی چیز پر راضی ہوگیا تو وہ اس کا مالک ہوگیا اب بغیر رضامندی کے واپس نہیں کرسکتا جیسے اقالہ اور غبن کی وجہ سے رد نہیں کرسکتا الا یہ کہ ان کے درمیان قیمت لگانے والا ہو اور متحد الجنس اور مختلف الجنس میں یہ صحیح ہے۔

قرعہ سے تقسیم...... یہ کہ مشاع حق میں امتیاز کرنا یہ بیع نہیں، غبن کی وجہ سے واپس کرسکتا ہے اور مقوم کا ہونا ان کے درمیان ضروری ہے انکار کرنے والے پر جبر کیا جائے گا۔ شوافع کے ہاں: تقسیم کی تین قسمیں ہیں اس لیے کہ اگر شی مقسوم کے حصے صورۃ اور قیمۃ برابر ہوں تو یہ پہلی قسم ہے۔ اگر کسی چیز کے رد کی ضرورت نہ ہو تو یہ دوسری قسم ورنہ تیسری قسم۔

۱۔ افراز: (یا تقسیم اجزاء یا تقسیم متشابھات)...... یہ کہ شرکاء میں سے ہر ایک کے حق کو جدا جدا اور الگ کرنے یہ حق میں امتیاز کرنا ہے بیع نہیں اور یہ ان چیزوں میں ہوگی جن میں نقصان نہ ہو مثلیات جیسے دانے دراھم اور ایک بنیاد والے گھر ایک طرح کی زمین وغیرہ میں اور اس میں جبر بھی ہوگا اور شریک کی طلب کی وجہ سے دوسرے شریک پر تقسیم کرنا لازم ہے اس لیے کہ اس میں اس کا کوئی ضرر نہیں اور کیلی چیزوں میں کیل، وزنی چیزوں میں وزن گز والی چیزوں میں گز اور عددی چیزوں میں عدد کافی ہوگا جب کہ حصص برابر ہوں پھر اس کے بعد حصص میں قرعہ ڈال کر ہر ایک شریک کے حصے کو متعین کر دیا جائے گا۔

۲۔ سہم برابر کرنے کی تقسیم...... وہ یہ کہ مختلف قیمت کے حصص کو برابر کرنا تا کہ شرکاء میں برابری ہو جائے جیسے وہ زمین جس کے اجزاء کی قیمت پیداواری صلاحیت کے اور پانی قریب ہونے کے اعتبار سے مختلف ہو یا جنس مختلف ہو جیسے بعض باغ میں کھجوریں ہوں اور بعض میں انگور اگر زمین شریکوں کے درمیان نصف نصف ہو اور اس کے ثلث کی قیمت باقی کے دوثلث کے برابر ہو تو ثلث کو ایک حصہ شمار کیا جائے گا اور ثلثان کو ایک حصہ پھر قرعہ ڈالا جائے گا۔ اور اس میں اجبار چلے گا پہلی قسم کی طرح شریک کی طلب یہ دوسرے شریک پر تقسیم لازم۔ اور اگر عمدہ کو الگ اور ردی کو الگ تقسیم کرنا ممکن ہو تو پھر شریک پر تعدیل برابری کے لیے زبردستی نہ کی جائے گی۔ اس تقسیم میں ایک قیمت والی منقولات کی مختلف صفت والی کی تقسیم میں شریکوں پر جبر کیا جائے گا جیسے ایک قسم کے کپڑے، جیسا کہ ان پر جبر کیا جائے گا دو چھوٹی دکانوں میں جو عین اور ذات کے اعتبار سے متماثل ہوں کیونکہ تقسیم کی ضرورت ہے برخلاف بڑی دکانوں کے یا چھوٹی دکانیں جو مختلف صفت کی ہوں، یا مقاصہ مختلف ہوں وغیرہ۔

۳۔ رد کرنے کی تقسیم...... وہ یہ کہ اجنبی کے مال کو مقوم میں سے واپس کیا جائے جیسے مشترک زمین کی ایک جانب میں کنواں یا درخت ہوں ان کی تقسیم ممکن نہ ہو تو قرعہ کے ذریعہ تقسیم کرکے کنویں اور درخت کی قیمت واپس کی جائے اگر کنویں اور درخت کی قیمت ایک ہزار ہو اور اس کا حصہ نصف ہو تو لینے والا پانچ سو واپس کرے گا اور اس میں اجبار نہیں پہلی قسم افراز حق ہے اور آخری دوقسمیں بیع ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ شوافع کے ہاں تقسیم کی دو بڑی قسمیں ہیں جبری تقسیم، اور باہمی رضامندی کی تقسیم۔

حنابلہ کے ہاں...... احناف کی طرح تقسیم کی دوقسمیں ہیں۔

۱۔ باہمی رضامندی سے تقسیم...... تمام شرکاء کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں اور وہ جس میں نقصان ہو اور ایک سے دوسرے کو لے کر واپس کرنا جیسے چھوٹے گھر، حمام دکانیں وغیرہ اس میں اجبار نہیں اگر ایک نے بعض کو بعض کے مقابلہ میں تقسیم کا مطالبہ کیا تو دوسرے پر جبر نہ ہوگا اس لیے کہ ہر عین اپنے نام اور صورت سے مختص ہے یہ شوافع کی رد والی صورت کے مشابہ ہے۔ دلیل یہ کہ حنابلہ کہتے ہیں جس چیز کی

تقسیم اجزاء کے اعتبار سے ممکن نہ ہو یا برابری نہ ہو سکتی ہو تو تمام شرکاء کی رضامندی کے بغیر اس کی تقسیم درست نہیں اور رضامندی کی تقسیم کا حکم بیع کی طرح ہے جیسے شوافع کہتے ہیں اس لیے کہ صاحب مال نے اس کے عوض اپنا مال خرچ کیا جو اس کے شریک کے حق سے حاصل ہوا اور یہ بیع ہی تو ہے اور بیع زد کے مقابلہ میں محصور ہے اور افراز باقی میں جیسا کہ قسمت کی صفت میں ہے جب یہ تقسیم بیع ہے تو اس میں وہ چیز جائز نہ ہوں گی جو بیع میں جائز نہیں ہوتیں اور رکنے والے پر جبر نہیں ہوگا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث **لاضرر ولا ضرار** کی وجہ سے۔

۲۔ جبری تقسیم...... جس چیز میں شریکوں کو نقصان نہ ہو اور نہ کسی ایک کو ہو اور عوض میں واپس نہ کی جائے جیسے وسیع زمین بڑا باغ اور گھر بڑی دکان چاہے برابر اجزاء ہوں یا نہ ہوں۔ اگر اس کی تقسیم میں کچھ رکھے بغیر سہم برابر ہوں تو ہوگی اگر تعدیل ممکن نہ ہو تو اس کے ساتھ کچھ رکھ کر برابری ممکن ہو تو اس پر جبر نہیں اس لیے کہ یہ معاوضہ ہے تو تمام معاوضات کی طرح اس میں بھی جبر نہ ہوگا۔ اور اس کی مثالوں میں سے یہ کہ ایک جنس کی کیلی یا وزنی چیز کی تقسیم جیسے زیتون کا تیل وغیرہ دودھ، سرکہ کھجور، انگور وغیرہ اور تمام دانے اور پھل کیلی اور جب ایک شریک مذکورہ چیزوں میں سے کسی کی تقسیم چاہے اور دوسرا شریک انکار کرے تو اس پر جبر کیا جائے گا اگرچہ وہ مالک حصہ کا ولی ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ وہ شرکت میں حاصل ہونے والے ضرر کو زائل کرنے کا ضامن ہے اور شریکوں کے لیے نفع کے حصول کا تاکہ حصص کے اعتبار سے تصرف ممکن ہو یا سرمایہ کاری ممکن ہو۔

تیسری بحث: تقسیم کی شرائط...... اس بحث میں دو مقصد میں پہلا باہمی رضامندی کی تقسیم کی شرائط اور دوسرا جبری تقسیم کی شرائط۔

پہلا مقصد: باہمی رضامندی سے تقسیم کی شرائط...... حنفیہ نے اس میں درج ذیل شرائط لگائی ہیں۔

ا۔ تقسیم کنندہ گان کی اہلیت...... اور وہ صرف عقل ہے پس مجنون اور ناسمجھ بچے میں تقسیم درست نہیں اس لیے کہ تقسیم نفع اور نقصان کے درمیان دائر ہے اور اس میں بیع کا معنی پایا جاتا ہے اس میں وہی شرائط ہیں جو بیع میں ہیں اور حنفیہ کے ہاں بلوغ شرط نہیں لہٰذا سمجھدار بچے کی تقسیم ولی کی اجازت سے جائز ہے جیسا کہ اسلام ذکورۃ اور حریت آزاد ہونا تقسیم کے جواز لیے شرط نہیں پس ذمی عورت، مکاتب اور ماذون غلام کی تقسیم جائز ہے۔

۲۔ ملکیت اور ولایت: ان کے علاوہ تقسیم جائز نہیں، ملکیت...... یہ کہ تقسیم کرنے والا تقسیم کے وقت اس عین کا مالک ہو اور شرکاء میں رضامندی سے تقسیم کرے اگر مملوک نہ ہو قاسم کا تو تقسیم جائز نہیں اس لیے کہ تقسیم بعض حصوں کو الگ کرنے کا نام ہے اور بعض کے مبادلہ کا نام ہے اور یہ سب کچھ مملوک چیز کے علاوہ میں جائز نہیں اسی بناء پر حنفیہ کے ہاں مشترک قرض کو قبضہ سے پہلے تقسیم کرنا درست نہیں اس لیے کہ قبضہ کے علاوہ وہ اس کا مالک نہیں اس لیے کہ دین معدوم کے حکم میں ہے اور اس کا وجود اعتباری ہے اور مقسوم میں عین ہونا شرط ہے اس بناء پر فضولی کی تقسیم اجازت قولی یا فعلی پر موقوف ہے۔ رہ گئی ولایت وہ مالی قرابت کی ولایت ہے بایں طور کہ تقسیم کرنے والا بچے مجنون اور معتوہ کے مال کا ولی ہو اور وہ باپ یا اس کا وصی دادا اور اس کا وصی ہے اس ولایت میں قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ جیسے بیع کی ولایت ہے تو اسے تقسیم کرنے کی بھی ولایت حاصل ہے ورنہ نہیں اور ان کو بیع کی ولایت حاصل ہے لہٰذا انہیں تقسیم کی بھی ولایت حاصل ہے۔ والدہ کا وصی اور بھائی اور بچے کا وصی صرف منقولی اشیاء کو تقسیم کر سکتے ہیں زمین کو نہیں اس لیے کہ اسے بیع منقول کی ولایت ہے عقار کی نہیں میت کا وصی موصی لہ یہ تقسیم نہیں کرے گا ولایت نہ ہونے کی وجہ اسے ورثاء بھی تقسیم نہیں کر سکتے، انہیں بھی ولایت نہیں اس لیے کہ موصی لہ بھی ورثاء کی طرح ایک فرد ہے اسی طرح بعض ورثاء بعض کی تقسیم نہیں کر سکتے اس لیے کہ ولایت حاصل نہیں۔

۳۔ شرکاء یا ان کے نائبوں کا حاضر ہونا...... غائب پر تقسیم درست نہیں اگر شرکاء نے ایک کی عدم موجودگی میں تقسیم کی تو قسمت

نوٹ جائے گی یہ رضامندی کی صورت میں ہے البتہ قاضی کی تقسیم کی صورت میں نافذ ہوگی۔

۴۔ شرکاء کا تقسیم پر راضی ہونا...... جب وہ اہل رضا میں سے ہوں یا ان کی رضا ہو جو ان کے قائم مقام ہیں اگر رضامندی نہ پائی گئی تو تقسیم درست نہیں اگر ورثاء میں بچہ ہو اور اس کا کوئی وصی نہ ہو یا بڑا غائب ہو وہ تقسیم کرلیں تو یہ تقسیم باطل ہے اس لیے کہ تقسیم میں بیع کا مفہوم ہے اور رضامندی کی تقسیم حنفیہ کے ہاں بیع کے مشابہ ہے جیسے بیع رضامندی کے بغیر درست نہیں اسی طرح تقسیم بھی درست نہیں اگر شریک رضامندی کا اہل نہیں جیسے بچہ اور مجنون تو اس کا ولی یا وصی اس کے قائم مقام ہوگا، اگر بچے کا کوئی ولی یا وصی نہ ہو تو حاکم کے حکم پر تقسیم موقوف ہوگی حاکم کی طرف سے بچے کے لیے ولی قائم ہوگا جس کی موجودگی میں تقسیم ہوگی ❶ شوافع بھی اسی کے قائل ہیں جس کے حنفیہ قائل ہیں۔

دوسرا مقصد: جبری تقسیم کی شرائط...... جبری تقسیم کی شرائط درج ذیل ہیں:

پہلی شرط...... کسی ایک شریک یا سب کا مشترک چیز کی تقسیم کا قاضی کے سامنے مطالبہ کرنا: بغیر طلب کے تقسیم کرنا جائز نہیں اس لیے کہ یہ دوسروں کی ملکیت میں تصرف کرنا ہے اور یہ شرعاً منع ہے ❷ جب ایک شریک مطالبہ کرے اور دوسرا انکار کرے تو شے مشترک شرکاء کے درمیان زبردستی تقسیم کی جائے گی اگر تقسیم کے قابل ہو نقصان دور کرنے کی غرض سے جیسے شفعہ کا مالک ہونا یہ شفیع کے نقصان کو دور کرنے کی غرض سے ہے۔ اگر وہ قابل تقسیم نہیں تو پھر شرکاء اس سے باری باری نفع اٹھائیں بطور مہایات۔ خلاصہ یہ کہ طلب کے وقت تقسیم واجب ہے الا یہ کہ طلب کرنے والا نقصان کا درپے ہو تو تقسیم واجب نہیں۔ دوسری شرط: تقسیم پر کسی قسم کا ضرر و نقصان نہ ہو اور تقسیم تفریق میں ہو کا اس لیے کہ اگر تقسیم میں ضرر ہو تو مال سے مطلوب منفعت حاصل نہ ہوگی اور یہ شرط مال کی طبیعت کو واضح کرتی ہے اس اعتبار سے مال کی دو قسمیں ہیں۔ ❸

(الف)...... اگر مال ایسا ہو کہ اس کے اجزاء اور ٹکڑے کرنے سے کوئی نقصان نہ ہو بلکہ اس میں شریکوں کا نفع ہو جیسے مکیلی موزونی اور عددی متقارب تو تقسیم تفریق جبری جائز ہے اور قاضی انکار کرنے والے پر جبر کرے طرفین کی مصلحت کی وجہ سے۔

(ب)...... اگر تقسیم کی وجہ سے نقصان ہو اور اگر وہ نقصان ہر ایک شریک کا ہوتا ہو تو پھر مال مشترک میں جبری تقسیم جائز نہیں جیسے موتی یاقوت، ایک کپڑا، چراغ، کمان، قرآن کریم، خیمہ، باغ، حمام، گھر، چھوٹی دکان، گھوڑا، اونٹ، بکری اور گائے وغیرہ اس لیے کہ نقصان دونوں شریکوں کا ہوگا اور قاضی ضرر پر جبر کا مالک نہیں۔ اگر کسی ایک شریک کو نقصان ہوتا ہو جیسے مشترک زمین اور اس میں سے ایک حصہ کم ہو اور دوسرے کا زیادہ اگر زیادہ والا طلب کرے تو تقسیم واجب ہے شیوع ختم کرنے اور ضرر روکنے کی غرض سے وہ اپنے حصہ سے نفع اٹھائے گا اس لیے کہ غیر کے ضرر کی وجہ سے حق باطل نہیں کیا جا سکتا، اگر کم حصے والا تقسیم طلب کرے تو اس میں دو رائے ہیں ایک تو حاکم شہید کی رائے مختصر الکافی میں کہ مال مشترک تقسیم کیا جائے گا اس لیے کہ اکثر حصے والے کا کوئی نقصان نہیں بلکہ اس میں اس کا نفع ہے اور کم حصے والے اپنے نقصان پر راضی ہے تقسیم طلب کرنے کی وجہ سے لہٰذا تقسیم پر جبر کیا جائے گا۔ اور ایک رائے قدوری کی ہے: کہ تقسیم نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ طلب تقسیم میں کم حصے والا متعنت ہے اس لیے کہ اس کے حق میں تقسیم ضرر محض ہے لہٰذا اس کی طلب کا اعتبار نہیں اور جبری تقسیم طلب کے بغیر مشروع نہیں یہ اصح رائے ہے۔ اگر ہر ایک شریک کا حصہ کم ہو تو قاضی ان کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہیں کرے گا اس لیے کہ تقسیم میں جبر منفعت کی تکمیل کے لیے ہے اور اس میں وہ فوت ہو رہی ہے اور رضامندی سے اس وجہ سے جائز ہے کہ حق ان دونوں کا ہے اور وہ اسے خوب پہچانتے ہیں۔

شوافع کا مذہب بھی جبری تقسیم میں حنفیہ کے مذہب کے قریب ہے کہ اگر تقسیم کی وجہ سے نقصان زیادہ ہو اور اس سے فی الحال حاصل

---

❶...... الدر المختار ۵/۱۸۰۔ ❷ الدر المختار ۵/۱۷۹۔ ❸ البدائع ۷/۱۹۔۲۱۔

ہونے والا نفع باطل ہو رہا ہو بالکلیہ جیسے جواہرات اور عمدہ کپڑے تو حاکم تقسیم سے منع کرے گا بلکہ وہ اس سے باری باری نفع اٹھائیں گے۔

اور اگر بالکل نفع باطل نہ ہوتا ہو مثلاً نفع ٹوٹ ہو جیسے تلوار توڑی جائے یا مقصود نفع باطل ہوتا ہو جیسے حمام اور پن چکی وغیرہ تو نہ انہیں تقسیم سے منع کیا جائے اور نہ انہیں تقسیم پر مجبور کیا جائے اس لیے کہ اس میں مال ضائع ہو رہا ہے اگر وہاں دو آدمیوں میں مشترک مال ہو ایک کا حصہ کم ہو جیسے گھر کا دسواں حصہ یا حمام یا زمین کا اور دوسرے کا زیادہ ہو یعنی باقی سارا تو کم والے پر جبر کیا جائے گا دوسرے کی طلب کرنے کی وجہ سے اس کے برعکس نہیں۔ حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے کہ اگر مال تقسیم کے قابل ہے تو حاکم جبر کرے اور اس میں نقصان نہ ہوتا ہو اور اگر نقصان ہے تو جبر نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لاضرر ولاضرار شوافع اور حنابلہ کے ہاں تقسیم سے مانع ضرر وہ ہے کہ اس کی وجہ سے ہر شریک کے حصہ کی قیمت کم ہو جائے چاہے اس سے نفع اٹھائیں یا نہ اس لیے کہ قیمت کا کم ہونا ضرر ہے اور ضرر ممنوع ہے شرعاً۔

مالکیہ کے ہاں...... اگر مشترک چیز ایسی ہے جو تقسیم کا بلا ضرر احتمال رکھتی ہے جیسے زمین وغیرہ تو ان کو کرنے والے پر زبردستی ہوگی اور اگر مال مشترک تقسیم کے قابل نہیں جیسے دکان، چھوٹا گھر، تلوار وغیرہ تو پھر انہیں فروخت کیا جائے گا اور اس کے ثمن شریکوں کے درمیان حصص کے اعتبار سے تقسیم کئے جائیں گے اور شرکاء میں سے انکار کرنے والے کو تقسیم پر مجبور کیا جائے گا چار شرطوں کے ساتھ۔

۱...... کہ فروخت کرنے والے کا حصہ کم ہو جائے اگر وہ علیحدہ فروخت کرے شریک کے حصہ سے اگر کم نہ ہو تو پھر اس پر جبر نہیں کیا جائے گا کیونکہ ضرر نہیں جیسا کہ قابل تقسیم میں جبر نہیں۔

۲... بیع توڑنے والا اپنے شریک کے نقصان کا التزام نہ کرے۔

۳... فروخت کرنے والا اپنے علیحدہ حصے کا مالک نہ بنے اگر اکیلا مالک بن سکتا ہے اور اس نے بیع کا ارادہ کیا اور دوسرے نے انکار کر دیا تو بیع پر مجبور نہیں کیا جائے گا اسی بناء پر اگر دو شریک مال مشترک کے مالک ہو گئے وارثت کی وجہ سے یا خریدنے کی وجہ سے تو اس میں انکار کرنے والے پر اجبار کرنا جائز ہے۔

۴... مال مشترک کرائے پر نہ ہو یا تجارت کے لیے نہ خریدا گیا ہو اگر غلہ کے لیے رکھا گیا ہے یا اسے نفع کے لیے خریدا گیا ہو اگر تجارت ہی کے لیے تو بیع سے رکنے والے پر جبر نہیں کیا جائے گا۔

تیسری شرط...... تقسیم عادلانہ ہو ظالمانہ نہ ہو اس لیے کہ تقسیم بعض حصص کو جدا کرنے اور بعض کو بعض کے بدلے میں دینے کا نام ہے اور مبادلہ میں رضا ضروری ہے اگر اس میں ظلم ہوا تو رضا نہ پائی گئی اور نہ ہی کامل طور پر حصے جدا ہوئے کیونکہ کسی بھی جزو میں شرکت باقی ہے لہٰذا دوبارہ تقسیم کی جائے گی۔ ❶

چوتھی شرط...... تقسیم جمع میں مال مشترک ایک جنس کا ہو جیسے مثلاً گندم روئی، اخروٹ وغیرہ اگر مختلف جنس ہوں جیسے گندم اور جو، روئی اور لوہا، اخروٹ اور کیلے، موتی اور یاقوت اور جانور گھوڑا اور اونٹ وغیرہ تو تقسیم جمع جائز نہیں اس لیے کہ تقسیم جمع اتحاد جنس کی وجہ سے مقصود حاصل کرنے کا سبب ہے اور وہ نفع کی تکمیل ہے اور اختلاف جنس کی صورت میں نفع فوت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بہت سے گھر زمینیں اور انگور کی بیلیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تقسیم جمع سے تقسیم نہیں کی جائیں گی اس گھر گھر اور زمین زمین میں بہت بڑا فرق ہے لہٰذا ان میں دو جنسوں کا اعتبار ہوگا لہٰذا ان میں تقسیم تفریق ہوگی۔ اور صاحبین کے ہاں ان میں بھی تقسیم جمع ہوگی اس ہے کہ صورت اور رہائش کے اعتبار سے یہ جنس واحد ہیں اگرچہ اختلاف مقاصد کے اعتبار سے یہ متعدد اجناس ہیں۔

اور تفاوت میں برابری ممکن ہے قیمت کے اعتبار سے اور مصلحت کو دیکھے۔ ائمہ حنفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ دو کمروں کو تقسیم جمع سے تقسیم

---

❶...... البدائع: ۷/ ۲۶۔

کیا جائے گا سوائے وہ متصل ہوں یا الگ الگ۔ یہ متقدمین حنفیہ کا مذہب تھا البتہ ہمارے زمانے میں گھروں اور کمروں وغیرہ میں کافی تفاوت ہے لہٰذا اب تقسیم جمع نہیں ہوگی بلکہ تقسیم تفریق ہوگی۔

چوتھی بحث: تقسیم کی کیفیت وطریقہ..... حنفیہ نے تقسیم کا طریقہ وضاحت سے بیان فرمایا ہے تقسیم کرنے والا اس طریقہ کو اختیار کرے گا اور میرے خیال میں یہ صرف اجتہاد سے متعین کیا گیا ہے جو زمانے کے اعتبار سے تبدیل ہوسکتا ہے۔

۱..... تقسیم کرنے والا زمین کو ناپے تاکہ جغرافیائی نقشہ محفوظ رہے اور باقی کے پاس لے جائے اور عمارت کی قیمت لگائے تاکہ ہر شریک اپنا حصہ پہچان سکے۔

۲..... ہر حصے کو دوسرے سے جدا کرے علیحدہ طور پر تاکہ امتیاز اور افراز مکمل طور متحقق ہو اور ہر شریک کا حصہ دوسرے کے حصہ سے مانع ہو۔

۳..... حصہ داروں کے نمبر مقرر کئے جائیں اور ہر ایک کے حصہ پر سہم لکھا جائے۔

۴..... حصہ داروں کے نام الگ الگ کاغذوں پر لکھے اور انہیں کہیں برتن وغیرہ میں سنبھال لے پھر بطور استحسان کے درمیان قرعہ ڈالے دلوں کو تسلی دینے کے لیے اور کسی ایک کی طرف میلان کی تہمت سے بچنے کے لیے جس کا نام پہلے نکلا اسے وہ سہم ملے گا جس پر اول لکھا ہوا ہے اور دوسرے کو دوسرا سہم دیا جائے گا اسی طرح کیا جائے اگر سہم کی مقدار متحدہ ہو۔ اگر سہام مختلف ہوں بایں طور کہ تین کے درمیان ہوں ایک کے دس حصے دوسرے کے پانچ اور تیرے کا ایک تو قاسم سولہ (۱۶) حصے بنائے اور تینوں کے نام لکھے اب اگر دس سہم والے کا نام پہلے نکل آیا تو وہ اسے پہلا سہم اور نو اس کے ساتھ ملے ہوئے دے دے تاکہ اس کے سہم بعض بعض کے ساتھ ملے ہوئے ہوں اسی طرح تقسیم مکمل کرے۔ قرعہ ڈالنا حنفیہ کے ہاں مندوب ہے اگر قاسم ہر شریک کا حصہ بغیر قرعہ کے متعین کرے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ اس کا عمل قضاء ہے جو ہر شریک پر لازم کرنے کا مالک ہے۔

۵۔ تقسیم کا آلہ..... مجلّہ میں دفعہ (۱۱۴۷) پر اس کی تصریح ہے کہ مال مشترک اگر کیلی ہو تو کیل کے ساتھ اگر وزنی ہو تو وزن کے ساتھ اگر عددی ہو تو عدد کے ساتھ اگر گزوں سے ناپا جانے والا ہو تو گزوں کے ساتھ تقسیم ہوگی اور دفعہ (۱۱۴۸) میں تصریح ہے صحن اور زمینیں ذراع سے ناپی جاتی ہیں ہیں لہٰذا یہ گزوں سے ہی تقسیم ہوں گی اور جس زمین پر درخت اور عمارتیں ہوں وہ قیمت کے اعتبار سے تقسیم ہوگی۔

نقدی سے تقسیم برابر کرنا..... شوافع اور حنابلہ نے تقسیم کو قیمت اور نقود سے برابر کرنے کی اجازت دی ہے غیر مثلی اموال میں جو جدائی اور افراز قبول نہیں کرتے جیسے زمین جس کے اجزاء قیمت کے اعتبار سے مختلف ہوں یہ مالکیہ کا بھی مذہب ہے احناف جبری تقسیم تفریق میں نقود داخل کرنے کی اجازت نہیں دیتے جب تک شرکاء کی رضامندی نہ ہو اس لیے کہ تقسیم مشترک چیز میں ہو رہی ہے اور وہ زمین ہے کہ نقود اگر دو آدمیوں میں گھر مشترک ہو اس کی تقسیم کا ارادہ ہو اور اس کی ایک زمین قرار دی جائے گی اور جس کے حصہ میں عمارت ہے اسے مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ درھم دے اس لیے کہ تقسیم مبادلہ ہے اس میں رضامندی سے درھم داخل کرنا جائز ہے قاضی کے جبر سے نہیں الا یہ کہ متعذر ہو پھر ضرورت کی وجہ سے درھم سے برابری ہوئی۔

تقسیم کا نمونہ..... فقہاء نے تقسیم کے اہم حالات کی وضاحت کی ہے اور وہ گھروں زمین اور عمارت وغیرہ کی تقسیم کی کیفیت ہے اسی طرح گھر اور صحن گھر اور دکان، نچلی منزل اور اوپر والی منزل اور راستہ وغیرہ کی۔

پہلا مقصد: گھروں کی تقسیم...... حنفیہ کا اتفاق ہے ❶ ہے کہ اگر مشترک گھر دو شہروں میں ہوں تو انہیں تقسیم میں جمع نہیں کیا جائے گا ہر شہر کے گھر کو علیحدہ تقسیم کیا جائے گا۔ البتہ اگر مشترک گھر ایک شہر میں ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں انہیں بھی علیحدہ تقسیم کیا جائے گا اس لیے کہ گھر مختلف اجناس ہیں متاصہ جگہ اور پڑوسی مسجد کے قریب اور پانی اور بازار کے قریب ہونے کی وجہ سے مختلف ہیں لہٰذا تقسیم جمع میں تعدیل ممکن نہیں بلکہ تقسیم تفریق ہوگی اور بعض حصوں کو بعض کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا الا یہ کہ وہ راضی ہوں پر حنفیہ کے ہاں صحیح ہے صاحبین کے ہاں اس تقسیم میں قاضی جیسے مناسب سمجھے اس طرح تقسیم کرے اگر تقسیم جمع قرین مصلحت ہے تو وہ کرے اور اگر تقسیم تفریق مناسب ہو تو وہ کرے اس لیے کہ گھر والوں کی رائے میں جنس واحد ہیں نام اور صورت کے اعتبار سے اور رہائش کے اعتبار سے لہٰذا معاملہ قاضی کے سپرد ہے کہ وہ اصلح کو اختیار کرے تقسیم میں۔

اور یہ اختلاف امام صاحب اور صاحبین کا ایک گھر کی تقسیم میں جاری ہے امام صاحب کے ہاں تقسیم جمع رضامندی کے بغیر نہیں اور صاحبین کے ہاں معاملہ قاضی کے سپرد ہے جس میں مصلحت اور تعدیل ہو اس صورت کو اختیار کرے۔

رہ گئے کمرے تو حنفیہ کے ہاں بالاتفاق وہ تقسیم جمع سے تقسیم ہوں گے چاہے برابر ہوں یا نہ ہوں کیونکہ سکنی میں برابر ہیں۔ شوافع کے ہاں مختلف عمارتوں والے گھر قیمت کے ساتھ تقسیم ہوں گے کیونکہ جگہ اور عمارت سے غرض مختلف ہوتی ہے، مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے کہ گھر رضامندی سے تقسیم ہوں گے سہم کے اعتبار سے قیمت سے برابری کی جائے گی۔ حنفیہ کے ہاں بالاتفاق حمام، کنواں، پن چکی اور مشترک باغ شرکاء کی رضامندی کی بغیر تقسیم نہیں کئے جائیں گے ہر شریک سے نقصان روکنے کی وجہ سے۔

دوسرا مقصد: زمین اور عمارت کی تقسیم...... اگر مال مشترک ایسی زمین ہو جس پر عمارتیں ہوں تو اس کی تقسیم کی کیفیت میں حنفیہ کے تین قول ہیں۔ ❷

۱...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں زمین ناپ کر تقسیم کی جائے گی اس لیے کہ ناپی جانے والی چیزوں میں یہی اصل ہے پھر جس کے حصہ میں عمارت یا عمدہ زمین آئی ہے اس سے دراہم لے کر دوسرے کو دیئے جائیں گے تاکہ برابر ہو جائیں بس درھم تقسیم میں ضرورت کی وجہ داخل ہوں گے اس لیے کہ تقسیم تقاضی میں جبر ہوتا ہے اور اس میں اصل مذہب حنفیہ کے مطابق دراہم داخل نہیں ہونے اور یہاں ضرورت سے داخل ہوں گے اس لیے کہ تقسیم تقاضی میں جبر ہوتا ہے اور اس میں اصل مذہب حنفیہ کے مطابق دراہم داخل نہیں ہونے اور یہاں ضرورت کی وجہ سے داخل ہوئے ہیں جیسے بڑے بھائی ولایت چھوٹے بھائی پر کہ اسے اس پر مالی ولایت نہیں لیکن جب اس کی شادی کرائے گا تو مہر مقرر کرنے کا مالک ہوگا شادی کی ضرورت کی وجہ سے اور یہ رائے شوافع کی بھی ہے۔

۲...... امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: زمین اور عمارت قیمت کے اعتبار سے تقسیم ہوں گے اس لیے کہ برابری تقسیم کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

۳...... امام محمد کے ہاں شریک دوسرے شریک سے عمارت کے مقابلہ میں زمین لے لے گا اور جو زیادہ ہوگا وہ واپس کر دیا جائے گا اس لیے کہ صحن عمارت کی قیمت کے برابر نہیں۔

تیسرا مقصد: گھر اور خالی زمین گھر اور دکانیں...... حنفیہ کے ہاں جب مال مشترک گھر اور خالی زمین ہو یا گھر اور ساتھ دکان ہو تو قاضی ان دونوں کو علیحدہ تقسیم کرے تقسیم تفریق نہ کہ تقسیم جمع اس لئے کہ یہ مختلف اجناس ہیں یا مختلف اجناس کے حکم میں ہیں اور گھروں کی مثل زراعت کے لیئے خالی زمین بھی ہے اور زمین کو ناپ کر اور گھروں کو قیمت کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا۔

---

❶ البدائع: ۷/ ۱۹۔ ❷ تکملۃ الفتح: ۸/ ۱۸۵۔

چوتھا مقصد: سفل اور علو......جس چیز کی تقسیم کی جاری ہے اس میں بعض حصے نیچے ہے اور بعض اس کے اوپر یا اس کے اوپر غیر کا حصہ ہے یا اوپر کا بعض حصہ ہے نیچے کا نہیں کہ سفل غیر کا یہ سب کچھ ایک گھر کی مانند ہیں یا دو کی اوپر اور نیچے کی منزلوں کی علیحدہ علیحدہ قیمت لگائی جائے گی اور قاضی کے واسطے سے قیمت سے اس کی تقسیم ہوگی اور اس کے علاوہ کسی چیز کا اختیار نہیں ہوگا اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک ایسی چیز کی صلاحیت رکھتا ہے جس کی دوسرا نہیں رکھتا۔ پس یہ دو جنسوں کے مشابہ ہوگئے اور یہ قیمت کے اعتبار سے تقسیم کا تقاضا کرتا ہے تاکہ برابری محقق ہوسکے یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے جسے مشائخ نے اختیار کیا ہے اور اس پر فتویٰ ہے۔ شیخین کے ہاں اسے ذراع (گز) سے تقسیم کیا جائے گا کیونکہ سفل اور علو گزوں سے ناپ جانے والے ہیں پھر اس کی تقسیم میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک نیچے سے دو گز اوپر سے اور امام ابویوسف کے ہاں ایک گز ایک گز کے بدلے میں پھر فرمایا ہر ایک اپنے زمانے کی عادت کے موافق۔

حنابلہ کے ہاں: اگر دو شریکوں کے درمیان ایسا گھر ہو کہ جس کے اوپر نیچے منزلیں ہوں اس میں سے ایک تقسیم طلب کرے ایک کا علو ہو اور ایک کا سفل تو اس میں اجبار نہیں کیا جائے گا یا ایک شریک سفل کی تقسیم چاہے اوپر کی نہ یا اس کے برعکس تو بھی اس میں اجبار نہیں اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک علیحدہ رہائش گاہ ہے نیز ان میں سے ایک کو تقسیم سے نقصان ہوگا۔ اور اگر ان میں سے ایک اوپر اور نیچے کی منزل کی تقسیم چاہے اور اس میں ضرر بھی نہ ہو اور عوض بھی نہ لوٹایا جاتا تو تقسیم کو قبول کرنا واجب ہے اور روکنے والے کو مجبور کیا جائے گا اور قیمت کے اعتبار سے برابری ہوگی کیونکہ یہ احوط ہے اور یہی حنفیہ کے ہاں مفتی بہ بھی اور ایک ذراع نیچے کا دو ذراع اوپر کے مقابلے میں نہیں رکھے جائیں گے نہ اس کے برعکس اور نہ ایک ذراع ایک ذراع کے بدلے میں الّا یہ کہ دونوں شریک تقسیم پر راضی ہوں۔

پانچواں مقصد: راستہ کی تقسیم:

راستے کی تقسیم میں کئی مشکلات ہیں ان میں سے پہلی چیز: راستے کا چلنا اور اس طرح کے فوائد......اگر تقسیم کرنے والوں نے شریکوں کے درمیان مشترک گھر کو تقسیم کیا اور میں سے ایک کے حصہ میں پانی یا راستہ دوسرے کی ملک میں ہو اور اس فائدے پر تقسیم میں تفریق نہ ہوں۔

(الف)......اگر راستہ اور پانی دوسرے کے حصہ کی طرف موڑنا ممکن ہو یعنی کسی اور ذریعہ سے اس سے مستغنی ہو تو پھر اس سے پھرنا واجب ہے اس کے بعد اسے اس میں چلنا اور دوسرے کے حصہ میں سے پانی گذارنا جائز نہیں اس لیے کہ ضرر کے بغیر تقسیم ممکن ہے۔

(ب)......اگر اس سے ہٹنا ممکن نہ ہو تو تقسیم فسخ ہوجائے گی کیونکہ حصص میں اختلاط کی وجہ سے یہ مختلف ہے لہٰذا نئے سرے سے تقسیم ہوگی۔

دوسری چیز......راستہ ختم کرنے میں شرکاء کا اختلاف اگر شرکاء راستہ ختم کرنے میں دوران تقسیم اختلاف کریں تو حاکم اس معاملہ میں غور کرے۔

(الف)......اگر ہر ایک کے حصہ میں راستہ کھولنا درست ہو تو حاکم مشترک راستہ تقسیم کیے بغیر تقسیم کردے اور وہ راستہ ختم کردے منفعت مکمل کرنے اور ہر اعتبار سے جدائی محقق کرنے کے لیے۔

(ب)......اگر نیا راستہ بنانا درست نہ ہو تو مشترک راستہ ان کے درمیان تقسیم کردے تاکہ راستے کے علاوہ کی منفعت حاصل ہوسکے۔

تیسری چیز......راستے کی چوڑائی میں شرکاء کا اختلاف، جب شرکاء راستے کی چوڑائی کی مقدار میں اختلاف کریں تو حاکم اس معاملہ پر غور کرے۔

(الف)......[illegible] کے راستے میں راستے کی چوڑائی دروازے کی چوڑائی اور بلندی جتنی ہوگی تاکہ ہر ایک اپنے حصہ میں چھجا بناسکے

اگر دروازے کے اوپر ہو نہ کہ اس کے علاوہ اس لیے کہ یہ مقدار داخل ہونے کے لیے کافی ہے اور چلنے کے لیے۔

(ب)......اور زمین کی طرف راستے میں اتنا عرض ہونا چاہے جس میں جانور چل سکیں کیونکہ اس چلنے میں کفایت ہوتی۔

چوتھی چیز......راستے کا حصص کے تابع ہونا تقسیم کنندگان کے سہام کے برابر راستہ ملحق ہوگا جیسا کہ تقسیم سے پہلے تھا اس لیے کہ تقسیم راستے کے علاوہ ہوگی لہٰذا راستہ مشترک ہی رہے گا جیسے پہلے تھا۔

پانچویں چیز......راستے کے حصہ میں تفاوت: شرکاء کا اس بات پر اتفاق جائز ہے کہ راستہ میں حصص کے اعتبار سے تفاوت ہیں اگر چہ ان کے سہام گھر اور زمین کے برابر ہوں مثلاً راستہ اثلاثا تقسیم ہو اور گھر برابر برابر اس لیے کہ رضامندی سے تقسیم میں تفاوت اموال ربویہ کے علاوہ میں جائز ہے۔

پانچویں بحث: تقسیم کرنے والا......اس کی تعیین شرائط اجرت اور تقسیم کرنے والوں میں تعدد۔

پہلی بات: تقسیم کرنے والے کی تعیین......قاسم وہی مقرر کیا جائے جو تقسیم کو جانتا ہو اور شرکاء بذات خود رضامندی سے تقسیم کرانا چاہتے ہوں الا یہ کہ ان میں بچہ ہو تو پھر قاضی کی ضرورت ہے اس لیے کہ انہیں بچے پر ولایت حاصل نہیں کبھی تو اس کی طرف سے وہ وکیل متعین کریں یا قاضی وکیل متعین کرے قاضی یا حاکم کے لیے مندوب ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے قاسم متعین کرے اسے بیت المال سے وظیفہ دیا جائے تا کہ وہ بغیر اجرت کے تقسیم کیا کرے یہی اولی اور پسندیدہ ہے اس لیے کہ اس میں لوگوں کے لیے نرمی ہے اور یہ تہمت سے دور ہے نیز اس لیے بھی کہ تقسیم کرنا قضاء کی قسم ہے اس لیے کہ اس کے ذریعہ خصومت ختم ہوئی ہے اور اس کا نفع تمام لوگوں کو ہے تو اس کی کفایت ان کے مال سے ہونی چاہیے الغرم بالغنم۔

اگر ہمیشہ کے لیے قاسم متعین نہ کیا تو قاضی قاسم مقرر کرے جو اجرت مثل پر تقسیم کرے حصہ داروں کے حساب سے اس لیے کہ اس کا نفع انہیں ہی ہوتا ہے اور اجرت مثل اس لیے کہ وہ اجرت مثل سے زیادہ پر زبردستی نہ کرے جیسا کہ قاضی لوگوں کو ایک ہی قاسم پر مجبور نہیں کر سکتا اس لیے کہ اگر متعین کرے تو وہ بھی زیادہ لے گا زبردستی اور قاضی کئی تقسیم کرنے والوں کو مشترک نہیں چھوڑے گا تا کہ وہ زیادہ اجرت نہ لیں جس سے لوگوں کا نقصان ہو اگر وہ نقیب ونگران ہوں تو جائز ہے اس لیے کہ حاکم نگران مقرر کر سکتا ہے اور گرانی روک سکتا ہے۔

حنفیہ نے قاسم کے لیے استحساناً وندباً کچھ شرائط مقرر کی ہیں جو یہ ہیں۔

۱......عادل امین اور تقسیم جاننے والا ہو اس لیے کہ اگر وہ عادل نہیں خائن یا تقسیم کے معاملات نہیں جانتا تو اس سے تقسیم میں ظلم کا خوف ہے جو کہ جائز نہیں۔

۲......قاضی کی طرف سے متعین ہو اس لیے کہ اس کے علاوہ کی تقسیم غائب اور بچے پر نافذ نہ ہوگی نیز اس میں امانت کی شرائط جمع ہیں۔

۳......حصص کو برابر کرنے میں مبالغہ کرے اور سہام کی برابری میں تا کہ سہام میں نقص نہ ہو اور مناسب یہ ہے کہ قاسم شریکوں کے درمیان کوئی حق مثلاً راستہ پانی وغیرہ کو تقسیم کے بغیر نہ چھوڑے الا یہ کہ ممکن نہ ہو اور مناسب یہ ہے کہ قاسم بعض کے حصے بعض کے ساتھ ضم نہ کرے الا یہ کہ وہ ملانے پر راضی ہوں۔

۴......تقسیم کے بعد قرعہ ڈالے لوگوں کے دل موہ لینے کے لیے اور سنت وارد ہونے کی وجہ سے نیز قرعہ تہمت کو دور کرنے والا ہے۔

شوافع اور حنابلہ نے قاضی کی طرف سے متعین قاسم کے لیے سات شرطیں لگائی ہیں: اسلام، بلوغ، عقل، آزادی، مرد ہونا، عادل ہونا، ماپنے اور ریاضی کا علم۔ اس لیے کہ ان کا علم تقسیم کے آلات میں سے ہے، اور شوافع نے سننے اور دیکھنے کی بولنے اور یاد رکھنے کی بھی شرط

لگائی ہے اس لیے کہ ان کا ہونا ضروری ہے اس لیے کہ قسم کو ان حصہ داروں پر ولایت ملزمہ حاصل ہے اور جس میں یہ شرائط وافر مقدار میں نہ پائی جائیں وہ اہل ولایت نہیں۔ اگر قاسم کافریا فاسق اور جاہل ہوتو شرکاء کی رضامندی کے بغیر تقسیم لازم نہ ہوگی۔ یہ سب اس وقت قاضی کی طرف سے قاسم متعین ہوا اور اگر اپنی رضامندی سے شرط کا قاسم مقرر کریں تو اس کے لیے سابقہ شرائط نہیں سوا کے مکلّف ہونے کے کیونکہ یہ ان کا وکیل ہے۔

تیسری بات: زیادہ تقسیم کرنے والے......ایک قاسم یا زیادہ کے ذریعہ تقسیم کرانا جائز ہے مالکیہ کے ہاں قرعہ سے تقسیم میں ایک قاسم بھی کافی ہے اس لیے کہ اس کا اہم کام قرعہ کا نتیجہ بتانا ہے جیسے قیافہ شناس ڈاکٹر اور مفتی کا کام ہے۔

مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اگر تقسیم میں قیمت نہ لگائی ہوتو ایک قاسم بھی کافی ہے کیونکہ اس کی تقسیم حاکم کے حکم کی طرح ہے اور اگر تقسیم میں قیمت لگائی ہوتو پھر متعدد قاسم ہونا ان فقہاء کے ہاں ضروری ہیں دو سے کم کی تقسیم جائز نہیں اس لیے کہ قیمت لگانا قیمت کی گواہی ہے اور گواہی کے لیے دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔

چوتھی بات: قاسم کی اجرت......فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر قاضی کی طرف سے قاسم مقرر ہوتو اس کی اجرت بیت المال سے ہوگی اگر اس میں وسعت ہو اس لیے کہ تقسیم قاضی کی عمل کی جنس میں سے ہے نیز اس کا نفع تمام لوگوں کو عام ہے اور اگر قاسم شرکاء کی مرضی سے آیا ہوا اجرت پر تو امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے ہاں اجرت شرکا پر تعداد کے اعتبار سے تقسیم ہوگی یا عدد روس کے اعتبار سے اس لیے کہ اجرت عمل کی مقابلہ میں ہے اور عمل حصص کو الگ الگ کرنا ہے اور تمیز کرنا ایک ہی عمل ہے اس لیے کہ کم کی زیادہ سے تمیز بعینہ زیادہ سے کم کی تمیز ہے پس حکم اصل تمیز کے ساتھ متعلق ہوگا اور قاسم کم حصے کی تمیز میں بھی اسی طرح تھکے گا جس طرح زیادہ کی تمیز میں جب عمل میں تفاوت نہیں تو اجرت میں بھی تفاوت نہ ہوگا صاحبین شوافع اور حنابلہ کے ہاں اجرت کی تقسیم حصص کی بقدر ہوگی اس لیے کہ کثیر میں عمل قلیل سے زیادہ ہے نیز اجرت نفقہ کی طرح ہے جو ملک کا محتاج ہے اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کیل کرنے والے اور وزن کرنے والے کی اجرت حصوں کے اعتبار سے ہے اجماعاً اور اسی طرح باقی کاموں مثلاً چرواہے کی اجرت بوجھ اٹھانے والے کی اور حفاظت وغیرہ کی میری رائے کے مطابق یہ زیادہ اولی اور اصح ہے اس لیے کہ لوگوں کے لیے اس میں نرمی ہے۔

چھٹی بحث: تقسیم کے احکام......تقسیم کے اثبات کے لیے کچھ خاص احکام ہیں اور کچھ عام۔

پہلا مقصد: تقسیم کے عام احکام......اعیان کی تقسیم کے عام احکام درج ذیل ہیں پہلی بات: تقسیم کا لازم ہونا: تقسیم عقود لازمہ میں سے بالاتفاق فقہاء کے ہاں ❶ اس کو توڑنا جائز نہیں لیکن بعض مذاہب میں لزوم کے سلسلہ میں تفصیل ہے حنفیہ کے ہاں ❷ تقسیم تمام ہونے کے بعد جبری اور رضامندی والی دونوں تقسیمیں لازم ہوجاتی ہیں جب مکمل ہوجائیں تو ان سے رجوع جائز نہیں البتہ تقسیم مکمل ہونے سے پہلے تو جبری تقسیم میں تو لازم ہے اگر قاضی ایک قوم میں مشترک مال تقسیم کرے اور تمام سہام قرع سے نکالے تو انہیں رجوع کرنے کا اختیار نہیں اسی طرح تقسیم مکمل نہ ہوتو بھی ہوا نہیں رجوع کا حق نہیں۔ رہ گئی تقسیم تراضی تو اس کے مکمل ہونے سے پہلے شرکاء کو رجوع کا اختیار ہے اس لیے کہ یہ تقسیم تمام سہام مکمل ہونے کے بعد ہی مکمل ہوتی ہے جیسا کہ تمام عقود میں ہوتا ہے۔

ہاں اگر تمام سہام نکل آئے ہوں اور ایک رہ گیا ہوتو رضامندی کی تقسیم میں بھی رجوع کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ سہم متعین ہوگیا اس کا بھی۔ مالکیہ کے ہاں مطلقاً تقسیم لازم ہوجاتی ہے کہ جو کچھ تقسیم میں نکلا وہ لازم ہے کسی ایک توڑنے کا اختیار نہیں اسی طرح رضامندی والی تقسیم میں بھی لازم ہے جو فسخ کا ارادہ کرے تو اسے فسخ کا اختیار نہیں ❸ شوافع کے ہاں جبری تقسیم بغیر رضامندی کے بھی اور ہوجاتی ہے اور یہ بات

❶......البدائع ۲۷/۷ ❷ ایضاً۔ ❸ الشرح الصغیر: ۶۷۶/۳

معلوم ہے کہ افزار اور تعدیل میں اجبار ہے اور رضامندی کی تقسیم رد ہے صرف ارجح یہ ہے کہ اس میں قرعہ نکلنے کے بعد رضامندی ضروری ہے اور قاسم کا علم شرکاء کی رضا کی بغیر لازم نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ جب ابتداء میں رضا ضروری ہے اسی طرح انتہاء میں بھی ضروری ہے۔

حنابلہ کے ہاں...... جبری تقسیم لازم ہے اور رضا والی تقسیم میں دو جہیں ہیں لیکن راجح یہ ہے کہ جب قرعہ نکل آیا تو تقسیم لازم ہے اس لیے کہ قاسم حاکم کی طرح ہے اور اس کا قرعہ حاکم کے قرعہ کی طرح ہے اس لیے کہ سہم برابر کرنے میں وہ مجتہد ہے جیسے حاکم حق کی طلب میں مجتہد ہے۔

دوسری بات: تقسیم میں خیار کا ثبوت...... حنفیہ کے ہاں (1) تقسیم کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تقسیم جس میں انکار کرنے والے پر جبر نہیں جیسے مختلف اجناس کی تقسیم ایک وہ جس میں انکار کرنے والی پر جبر ہوگا مثالی چیزوں میں جیسے کیلی، عددی اور وزنی چیزیں، ایک وہ قسم جو غیر مثلیات میں انکار کرنے والے پر جبر ہو جسے ایک قسم کے کپڑے، گائے بکری وغیرہ خیار تین قسم کے ہیں۔ خیار شرط، خیار عیب، خیار رؤیت۔

۱..... مختلف اجناس کی تقسیم میں تمام اختیارات ثابت ہیں اس لیے کہ یہ من کل وجہ مبادلہ ہے بیع کی طرح۔

۲..... مثلی چیزوں کی تقسیم میں صرف خیار عیب ثابت ہے خیار رؤیت اور خیار شرط ثابت نہیں کیونکہ ان کے اثبات میں کوئی فائدہ نہیں۔

۳..... غیر مثلی قیمی چیزوں کی تقسیم میں جیسے ایک قسم کے کپڑے گائے بکری وغیرہ میں صرف خیار عیب ثابت ہے۔ رہ گیا خیار شرط اور خیار رویت اس کے ثبوت میں دو روایتیں ہیں صحیح ان میں سے جس پر فتویٰ ہے وہ یہ کہ یہ بھی ثابت ہیں۔

خلاصہ...... یہ کہ مختلف اجناس کی تقسیم میں تینوں خیار ثابت ہیں اور مثلی چیزوں میں صرف خیار عیب ثابت ہے اور غیر مثلی میں بھی خیار عیب ہی ثابت ہے۔ مالکیہ کے ہاں ارجح یہ ہے کہ تقسیم مرضات میں خیار عیب ثابت ہے اس لیے کہ یہ بیع کی طرح ہے۔ حنابلہ کے ہاں اگر کسی ایک شریک کے حصہ میں بھی عیب نکل آیا اور تقسیم سے پہلے اسے معلوم نہ تھا تو اسے تقسیم فسخ کرنے کا اختیار ہے یا عیب کا بدلہ لینے میں رجوع کرے اس لیے کہ اس کے حصہ میں نقصان آیا ہے۔

شوافع نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ آواز کی صورت میں غلط یا صیف کی حالت میں لوٹ جائے گی اور تقسیم رد اور تعدیل جو بیع ہے اس لیے اس میں خیار عیب ثابت ہے۔

تیسری بات: تقسیم کے اثرات...... درج ذیل احکام تقسیم پر مرتب ہوتے ہیں۔

۱..... ہر شریک کا حصہ مستقل طور پر متعین ہو جاتا ہے اور وہ اپنے حصے کا تقسیم کے بعد مستقل طور پر مالک ہوتا ہے۔

۲..... شریک ان تمام تصرفات کا مالک ہو جاتا ہے جو ملکیت میں ثابت ہوتے ہیں یعنی بیع اجارہ رہن تعمیر، تخریب وغیرہ کا۔

۳..... تقسیم میں شفعہ ثابت نہیں ہوتا اس لیے کہ حق شفعہ مبادلہ محضہ میں ثابت ہوتا ہے اور تقسیم ایک اعتبار سے مبادلہ ہے لہٰذا شفعہ کی محتمل نہیں۔

اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم تمام مذاہب کا متفق علیہ ہے۔ (2)

چوتھی بات: تقسیم توڑنا...... تقسیم اقالہ یا رضامندی سے فسخ کرنے سے ٹوٹ جائے گی اور درج ذیل حالات میں حنفیہ کے ہاں تقسیم توڑنا واجب ہے۔ میت پر دین ہونا۔

جب تقسیم مکمل ہو جائے پھر میت کے ذمہ قرض نکل آئے جو پورے ترکہ کا احاطہ کیے ہوئے ہو تو تقسیم فسخ ہوگی۔

---

(1) البدائع ۷/۲۸۔ (2) المھذب: ۲/۳۰۶۔

جبکہ میت کا اس کے علاوہ اور کوئی مال نہ ہوالا یہ کہ ورثا قرض ادا کردیں یا غرماء معاف کردیں یا ترکہ میں اتنا کچھ باقی ہو جس سے قرض ادا کیا جاسکتا تو پھر تقسیم برقرار رہے گی۔اور فسخ پر دلیل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ النساء:۴/۱۱

نیز جب قرض نے ترکہ کا احاطہ کیا ہوا ہو تو اس سے ظاہر ہوا کہ ورثاء کی اس میں ملکیت ہی نہیں بلکہ یہ میت کی ملک ہے، جس سے غرماء کا حق متعلق ہے اور غیر کی ملکیت کا شی مقسوم سے متعلق ہونا صحت تقسیم سے مانع ہے۔

اور اگر قرض ترکہ کو محیط نہ ہو تو بھی غرماء کا حق وصولی قدر دین میں ترکہ میں ثابت ہے جو نفاذ تقسیم سے مانع ہے یہ رائے میرے نزدیک ارجح ہے دائنین کے حقوق کی رعایت کی وجہ سے۔حنابلہ کے ہاں ظہور دین کی وجہ سے تقسیم نہیں ٹوٹے گی اس لیے کہ دین کا ترکہ سے متعلق ہونا صحت تصرف سے مانع نہیں اس لیے کہ وہ ورثاء کی رضا کے بغیر متعلق ہے اس لیے شوافع کے ہاں: جب میت پر قرض ظاہر ہو تو تقسیم چونکہ حق کی تمیز کا نام ہے اس سے لیے ٹوٹے گی نہیں اگر اسے بیع قرار دیں تو اس کے ٹوٹنے کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت کے مطابق ٹوٹ گئی کیونکہ مال کے ساتھ غیر کا تعلق ہے۔اور ایک روایت میں نہیں ٹوٹے گی جب وارث ادا کردیں۔

۲۔ دوسرا وارث ظاہر ہونا: یا موصی لہ کا ظاہر ہونا...... جب تقسیم مکمل ہوگئی پھر کوئی وارث ظاہر ہوا یا موصی لہ تو تقسیم ٹوٹ گئی اس لیے کہ وارث اور موصی لہ شریک ہیں باقی ورثاء کے ساتھ اور جبری تقسیم اصح قول قول کے مطابق نہیں ٹوٹے گی اس لیے کہ اس وقت تقسیم محل اجتہاد ہے اور قضاء قاضی جب محل اجتہاد سے مل جائے تو وہ نافذ ہوتی ہے ٹوٹتی نہیں۔

۳۔ غبن فاحش کا ظہور...... تقسیم ہونے کے بعد جب غبن فاحش ظاہر ہو جائے اور وہ وہ ہے جو قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت نہ آئے مثلاً مال کی قیمت ایک ہزار لگائی جائے جو پانچ سو کے مساوی نہیں تو جبری تقسیم بھی بالاتفاق حنفیہ کے ہاں فسخ کی جائے گی اس لیے کہ قاضی کا تصرف عدل کے ساتھ مقید ہے اور وہ پایا نہیں گیا اور رضا والی تقسیم بھی اصح قول کے مطابق ٹوٹ جائے گی اس لیے کہ اس کے جواز کی شرط معادلہ تھی جو پائی نہیں گئی اس کا ختم کرنا بھی واجب ہے یہی حنفیہ کے ہاں معتمد اور مفتی بہ ہے کما ذکرابن عابدین اگر مدعی استیفاء حق کا اقرار نہ کرے تو غبن فاحش کا دعویٰ مسموع ہوگا اور اگر اقرار کرے تو پھر مسموع نہ ہوگا اور غبن یسیر کے متعلق دعویٰ مسموع نہ ہوگا اور نہ گواہ قبول ہوں گے غبن فاحش یا ظلم سے تقسیم کا توڑنا فقہاء کے درمیان اتفاقی مسئلہ ہے۔

۴۔ مال مقسوم میں غلطی ہونا...... جب تقسیم کے بعد ایک شریک دعویٰ کرے کہ اس کے حصہ کی کوئی چیز اس کے شریک کے حصہ میں غلطی سے چلی گئی ہے اور وہ اقرار کرے یا اپنے حق کی وصول پر گواہ قائم کرے تو اس کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کی جائے گی الا یہ کہ گواہ ہوں (یعنی خصم اقرار کرے یا انکار کرے) اس لیے کہ وہ فسخ تقسیم کا دعویٰ کررہا ہے تقسیم ہونے کے بعد دلیل کے بغیر اس کی تصدیق نہیں ہوگی اور نہ ہی اس میں تناقض ہے کیونکہ اس نے امین کے فعل پر اعتماد کیا ہے پھر غلطی ظاہر ہوتی ہے۔اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں شرکاء حلف اٹھائیں گے جو ان میں سے انکار کرے تو اس کے اور مدعی کے حصہ کو جمع کیا جائے گا پھر بقدر حصص ان میں تقسیم کردی جائے گی اس لیے کہ انکار اس کے حق میں حجت ہے۔

اگر اس نے وصولی کا اقرار نہ کیا تو سب شرکاء حلف اٹھائیں گے اور تقسیم فسخ ہو جائے گی کیونکہ تقسیم سے حاصل شدہ اختلاف مقدار مبیع میں اختلاف کی طرح ہے اگر اس نے کہا مجھے فلاں جگہ ملی ہے جو میرے سپرد نہیں کی گئی اور اپنی وصولی پر وہ گواہ بھی پیش نہیں کررہا اور شریک اس کی تکذیب کررہا ہے تو دونوں حلف اٹھائیں گے اور تقسیم فسخ ہو جائے گی کیونکہ نفس تقسیم میں اختلاف ہے۔

اس لیے کہ تقسیم کی مقدار میں اختلاف ہوا ہے یہ مبیع کی مقدار کے اختلاف کے مشابہ ہے، اور اگر اس نے کہا میں نے اپنا حق وصول کرلیا

ہے پھر کہے بعض حصہ لیا ہے تو یہاں س کے خصم کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کیونکہ یہ اس پر غصب کا دعویدار ہے اور وہ منکر ہے تو قول منکر کا معتبر ہوتا ہے۔ غلطی کے دعویٰ میں تقسیم توڑنے اور گواہ سے اثبات اور محل اتفاق ہے فقہاء کے ہاں البتہ شوافع کے ہاں: اگر گواہوں سے ثابت کرے غلطی وغیرہ کو تو جبری اور رضامندی والی دونوں تقسیمیں ٹوٹ جائیں گی اور اگر افراز نہ ہو بایں طور کہ تعدیل یا رد ہو تو تقسیم نہ ٹوٹے گی اس لیے کہ یہ بیع ہے اور اگر یہ ثابت نہ ہو تو پھر مدعی شریک کو حلف دے۔

۵۔ مال مقسوم میں کسی کا استحقاق...... اگر مال مقسوم میں مستحق نکل آئے یعنی کوئی اور شریک بھی ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں حنفیہ کے ہاں یہ بات معلوم ہونے کے باوجود کہ استحقاق یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی پوری یا بعض ملکیت کا دعویٰ کرے اور اس کا دعویٰ ثابت ہو اور قاضی اس کی ملکیت کا فیصلہ دے دے اور دوسرے کا قبضہ ختم کرادے جیسے مشتری اور مقسوم لہ۔

(الف)..... اگر مستحق سارے تقسیم شدہ میں شائع ہو جیسے خمس ربع تو بالاتفاق حنفیہ کے ہاں تقسیم فسخ ہو جائے گی کیونکہ افراز اور تمیز کا معنی متحقق نہیں ہوا۔

(ب)..... اگر مستحق بعض متعین ہو کسی ایک شریک کے حصہ میں تو بالاتفاق حنفیہ کے ہاں تقسیم فسخ نہیں ہوگی اس لیے کہ استحقاق جب ایک متعین جزو یہ ہے تو یہ ظاہر نہ ہوا کہ مستحق مال میں شریک ہے لہٰذا تقسیم باطل نہ ہوئی لیکن مستحق اس حصہ کی بقدر رجوع کرے اس حصے والے سے اور واپس لے گا۔

(ج)..... اگر مستحق بعض مشاع ہو کسی ایک کے حصہ میں تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں جبری تقسیم فسخ نہیں ہوگی بلکہ مستحق منہ کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو دوسرے شریک کے حصہ میں رجوع کرلے یا اس کو فسخ کردے اس لیے کہ استحقاق سے ظاہر ہوا کہ تقسیم استحقاق شدہ حصہ میں درست نہیں تھی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تقسیم فسخ ہوگی اس لیے کہ استحقاق کی وجہ سے ظاہر ہوا کہ شرکاء کا کوئی اور شریک بھی ہے اگر وہاں اور شریک ہوتا تو تقسیم صحیح نہ ہوتی جیسے بعض مسئلہ میں شوافع اور حنابلہ کے ہاں: اگر کسی ایک کے حصہ میں کسی معین چیز کا استحقاق ہوا بایں طور کہ اس کے ساتھ ایک ہی خاص ہے یا اسے دوسرے سے زیادہ ملا تو تقسیم باطل ہو جائے گی اس لیے کہ ایک دوسرے کا محتاج ہے تعدیل نہ پائے جانے کی اور اگر بعض مستحق دونوں شریکوں کے درمیان برابر تقسیم ہو گیا ہو مثلاً دونوں نے زمین تقسیم کرلی پھر ان دونوں کے حصہ سے کو ایک متعین حصہ کا مستحق نکلا تو تقسیم باطل نہ ہوگی باقی زمین میں اس لیے کہ تقسیم نام ہے ہر ایک کے حق کو الگ الگ کرنے کا اور افراز پایا گیا۔ اور اگر وہ متاع ہو دونوں کے حصہ میں یا ایک کے حصہ میں تو اس میں تقسیم باطل ہو جائے گی شوافع کے ہاں باقی میں نہیں ہوگی اور حنابلہ کے ہاں سب میں باطل ہوگی اس لیے کہ مستحق تیسرا شریک ہے اور مال اس کی عدم موجودگی میں تقسیم ہوا نہ اس کی اجازت تھی اور پر رضا والی تقسیم اور جبری دونوں میں برابر ہے نیز تقسیم کا مقصد حق میں تمیز کرنا ہے یہ حاصل نہ ہوا، یہ امام ابو یوسف کی رائے ہے جیسے پہلے گذرا۔

دوسرا مقصد: اثبات کے خاص احکام...... یہاں تقسیم سے متعلق خاص احکام ہیں جو متقاسمین کے درمیان جب وہ بعض امور میں نزاع کریں اسے ختم کرنے کے لیے ہیں مثلاً حدود کے متعلق اختلاف غبن کی قیمت کے متعلق یا بعض حق دوسرے شریک کے قبضہ میں رہ جانے وغیرہ کے متعلق۔

پہلی بات: حدود میں اختلاف...... جب حد بندی میں دونوں اختلاف کریں ہر ایک اس بات کا دعویٰ کرے کہ اس کا گھر دوسرے کی حدود میں ہے اور وہ اختلاف تقسیم کے بعد ہو ہر ایک اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کردے تو ہر ایک کے لیے اس حصہ کا فیصلہ کردیا جائے گا جو اس کے شریک کے حصہ میں ہے اس لیے کہ یہ خارج ہے اور خارج کے گواہ قبضہ والے پر راجح ہوتے ہیں۔ اگر ایک گواہ قائم کرے کہ اس کا گھر دوسرے کے قبضہ میں ہے جو اسے تقسیم میں ودتھا اور دوسرا انکار کرے تو گواہوں کی وجہ سے اس کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے گا! اگر وہ

دونوں گواہ نہ پیش کرسکیں تو دونوں حلف اٹھائیں گے اور تقسیم فسخ ہوگی۔

دوسری بات: غبن کی قیمت میں اختلاف...... جب تو دونوں غبن کی قیمت میں اختلاف کریں اب وہ یسیر ہوگا یا فاحش۔

(الف)......اگر غبن یسیر ہے یعنی جو قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت آتا ہے تو دعویٰ کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا چاہے تقسیم رضامندی سے ہوئی ہو یا قاضی کے فیصلے سے اس لیے کہ اس قسم کے غبن سے بچنا مشکل ہے اور غبن یسیر کی مثلاً یہ کہ کپڑے سامان وغیرہ کی قیمت دس درہم اور ماہرین میں سے بعض لگاتے میں بعض ۱۰ تو اس کو ایک ہی غبن شمار کیا جائے گا۔

(ب)......اگر غبن فاحش ہے یعنی جو قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت داخل نہ ہو بایں طور کہ دس درہم والے سامان کی قیمت ماہرین آٹھ یا سات لگاتے ہیں اور کوئی ایک بھی دس نہیں لگاتا اب اگر تقسیم قاضی کے فیصلہ سے ہوئی ہے تو فسخ ہو جائے گی اس لیے کہ فریقین میں رضا نہیں پائی گئی اور قاضی کا تصرف عدل کے ساتھ مقید ہے اور وہ پایا نہیں گیا اور اگر تقسیم رضامندی سے ہوئی تھی تو بعض حنفیہ کے ہاں دعویٰ مسموع نہیں ہوگا اس لیے کہ تقسیم بیع کے معنی میں ہے اور اس میں مالک کی جانب سے غبن کا دعویٰ اسے نہیں توڑ سکتا، اگر بیع مالک کے علاوہ مثلاً والد یا وصی کی ہو وہ غبن فاحش سے ٹوٹ جائے گی اور اصح یہ ہے کہ اس کا دعویٰ مسموع ہوگا اور رضامندی والی تقسیم بھی اجباری تقسیم کی طرح فسخ ہوگی۔ غبن فاحش سے اس لیے کہ تقسیم کے جواز کی شرط معاملہ ہے جو پایا نہیں گیا اس کا ختم کرنا واجب ہے۔

تیسری بات: حصہ وصول کرنے میں اختلاف...... تقسیم کنندگان شرکاء جب تقسیم کے بعد اختلاف کریں بعض شرکاء اپنا حصہ وصول کرنے سے انکار کریں اور دعویٰ کریں کہ اس کا بعض حصہ شریک کے قبضہ میں ہے اور دوسرا انکار کرے۔

(الف)......اگر دو تقسیم کرنے والے یا زیادہ اس بات کی گواہی دے دیں کہ مدعی نے اپنا حق وصول کر لیا ہے تو شیخین کے ہاں ان کی گواہی قبول ہوگی اس لیے کہ یہ دونوں غیر کے فعل پر گواہی دے رہے ہیں جو قبضہ ہے نہ کہ اپنے فعل پر اس لیے کہ ان کا فعل صرف تمیز کرنا ہے اور اس پر شہادت کی ضرورت نہیں اور امام محمد نے فرمایا: ان دونوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اس لیے کہ یہ دونوں اپنے ذاتی فعل پر گواہی دے رہے ہیں جو کہ تمیز اور امتیاز ہے۔

(ب)......اگر ایک قاسم حق وصول کرنے کی گواہی دے تو اس کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی اس لیے کہ ایک آدمی کی گواہی دوسرے پر قبول نہیں کی جاتی۔

دوسری قسم: منافع کی تقسیم (مہایات)......اس میں پانچ بحثیں ہیں:

پہلی بحث	......	تقسیم مہایات کی تعریف اور مشروعیت
دوسری بحث	......	محل مہایات
تیسری بحث	......	صفت مہایات
چوتھی بحث	......	مہایات کی قسمیں
پانچویں بحث	......	اتفاق کے بعد جس تصرف کا ہر شریک مالک ہوتا ہے۔

پہلی بحث: مہایات کی تعریف ومشروعیت:

تعریف......مہایات لغوی اعتبار سے باب مفاعلہ سے ہے اور ھیئۃ اچھی اور عمدہ شکل کا ہوتا ہے۔ ہر ایک شریک ایک حالت پر راضی ہوتا ہے اور اسے اختیار کرتا ہے یا شریک ثانی عین سے اسی حالت میں نفع اٹھائے جس حالت پر شریک اول نے نفع اٹھایا۔ یہ لغت میں دوشر

یکوں کی موافقت اور رضا مندی کو کہتے ہیں اور فقہی طور پر مہایات منافع کی تقسیم کو کہتے ہیں ❶ مالکیہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ ہر شریک دوسرے شریک کے ساتھ خاص ہو کسی متحد چیز میں جیسے گھر یا متعدد ہوں جیسے دو گھر یا کسی ایک چیز کی متحد منفعت سے یا معلوم زمانہ میں اور اسی بناء پر زمانہ متعین کرنا شرط ہے اس لیے کہ اس کے ذریعہ نفع کی مقدار معلوم ہوتی ہے ورنہ مہایات فاسد ہو جاتی ہے۔

دوسری بات: مشروعیت...... مہایات استحساناً حاجت کی وجہ سے جائز ہے اس لیے کبھی اجتماعی طور پر نفع اٹھانا متعذر ہوتا ہے اور اس کا محل مشترک عین چیزوں کا منافع ہے جس سے عین باقی رکھتے ہوئے نفع اٹھانا ممکن ہو۔ اور یہ شریکوں کی موت یا کسی ایک کی مدت کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا، اگر عین کی کوئی ایک تقسیم چاہے تو باطل ہو جاتا ہے۔ اور عین کی تقسیم مہایات سے اولی ہے اس لیے کہ منافع کو ایک زمانے میں ہمیشہ کے لیے جمع کرنا اولیٰ ہے اور مہایات منافع کو پے در پے تعاقب سے جمع کرنا ہے وقتی صفت کے ساتھ اگر دو شریکوں میں سے کوئی ایک تقسیم طلب کرے اور دوسرا مہایات تو قاضی پہلے کی بات پر عمل کرتے ہوئے تقسیم کرے۔

مہایات کی مشروعیت پر قرآن وسنت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے۔ قران کریم میں فرمان باری تعالیٰ ہے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے لیے مہایات کی تقسیم کے سلسلہ میں:

هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ الشعراء: ۲۶: ۱۵۵

یہ اونٹنی ہے (ایک دن) اس کی پانی پینے کی باری ہے اور ایک معین روز تمہاری باری ہے۔ یہی مہایات ہے۔ اور سنت میں بہت سے واقعات ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں ستر اونٹوں میں سے ہر ایک اونٹ تین آدمیوں کے درمیان تقسیم کیا اور وہ اس پر پے در پے سوار ہوتے تھے۔ ❷

دوسری بحث: محل مہایات...... مہایات کا محل منافع ہیں عین نہیں اس لیے کہ یہ منفعت کی تقسیم ہے عین کی نہیں پس اس کا محل نفع ہوگا عین نہیں ہوگا۔ اسی بناء پر اگر دو شخص اس بات پر اتفاق کرلیں کہ ان میں سے ایک گھر کی ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف رہائش اختیار کرے گا یا ایک اوپر والی منزل میں دوسرا نیچے والی منزل میں رہائش اختیار کرے گا تو یہ صحیح ہے اسے اس کے اجارہ کی بھی اجازت ہے اور اس کے غلبہ کی بھی اسی طرح مشترک زمینوں میں بھی مہایات جائز ہے۔ البتہ اگر کھجور یا کسی درخت میں جو دو آدمیوں میں مشترک ہو مہایات کریں اس طور پر کہ ہر ایک پھل کا ایک حصہ لے گا تو یہ جائز نہیں یا مشترک بکریوں میں مہایات کریں کہ ہر ایک ان میں سے متعین عدد لے لے اور اس کے دودھ سے نفع اٹھائے تو یہ جائز نہیں، اس لیے کہ مہایات منافع کی تقسیم کا نام ہے پھل اور دودھ عین ہیں لہٰذا یہ مہایات کا محل نہیں بن سکتے، اور یہ فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے۔ ❸

شوافع کے ہاں ذمہ میں موجود قرضوں کو تقسیم کرنا جائز نہیں اگر چہ رضا مندی ہی سے کیونکہ نہ ہوا اور ہر وہ جوان میں سے کچھ لے گا تو وہ اس کے ساتھ خاص نہ ہوگا اور مجلہ میں دفعہ (۱۱۷۵) پر تصریح ہو کہ مہایات مثلیات میں نہیں چلتی بلکہ قیمیات میں جاری ہوتی ہے تاکہ عین باقی رکھتے ہوئے اس سے انقطاع ممکن ہو۔

تیسری بحث: صفت مہایات...... مہایات کے لازم ہونے میں فقہاء کی دو رائے ہیں ایک مالکیہ کے علاوہ جمہور کی کہ یہ لازم نہیں اور ایک مالکیہ کی کہ مہایات لازم ہے ان کی عبارتیں یہ ہیں: حنفیہ نے فرمایا ❹ مہایات رضا مندی کے ساتھ زمانہ یا مکان کے اعتبار سے عقد غیر لازم ہے اگر دو شریکوں میں سے ایک حاکم سے مہایات طلب کرے اور دوسرا تقسیم تو دوسرے کی طلب پر عمل ہوگا اس لیے کہ عین کی تقسیم منفعت کی تقسیم سے اقوی ہے اس لیے کہ پہلی صورت میں منافع پے در پے جمع ہوتے ہیں جبکہ دوسری صورت میں ایک ہی وقت میں

---

❶ ...... ردالمحتار ۵/ ۱۸۹۔ ❷ سیرۃ ابن ھشام ۱/ ۶۱۳۔ ❸ البدائع ۷/ ۳۲۔ ❹ البدائع ۷/ ۳۲۔

دوام کے ساتھ جمع ہوتے ہیں۔اسی بناء پر مہایات عقد جائز ہے فسخ کا محتمل ہے جیسے سارے جائز عقود میں ہوتا ہے یہ فسخ کیا جائے گا چاہے بغیر عذر ہی کے ہو اور مہایات کسی ایک یا دونوں کی موت سے باطل نہیں ہوتی برخلاف اجارہ کے اس لیے کہ اگر مہایات کو باطل قرار دیا جائے تو قاضی دوبارہ اسے کرے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں جیسے توڑنے اور باطل کرنے میں کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ ہر ایک کو فسخ کا اختیار ہے دوسرے کی رضامندی کے بغیر۔اور جبری مہایات عقد لازم ہے جیسا کہ ابن عابدین (علامہ شامی) نے وضاحت کی ہے بلاعذر اسے توڑنا جائز نہیں جب تک صلح نہ کرلیں۔

شوافع کے ہاں مہایات عقد غیر لازم ہے شریکین میں سے ہر ایک ہر وقت رجوع کا حق ہے اور اس میں قاضی کی طرف ہے اس نہیں حنابلہ کے ہاں بھی اسی طرح ہے کہ مہایات لازم نہیں جب کوئی ایک شریک رجوع کرے تو مہایات ٹوٹ جائے گی اور مہایات معاوضہ ہے بیع کی طرح اس میں جبر نہیں اگر کوئی ایک تقسیم چاہے تو اسے اس کا اختیار ہے اور مہایات ٹوٹ جائے گی جیسے احناف نے کہا: البتہ مالکیہ کہتے ہیں مہایات اجارہ کی طرح لازم ہے یہ عقود لازمہ میں سے ہے کسی ایک کو فسخ کا اختیار نہیں اگر کسی ایک چیز پر دونوں راضی ہوجائیں جو صحیح ہو تو اسے رضامندی کے بغیر فسخ نہیں کرسکتے اگر زیادہ کیا تو سب کی رضامندی ضروری ہے۔

چوتھی بحث مہایات کی قسمیں......مہایات کی دو قسمیں میں ایک رضامندی اور جبر کے اعتبار سے دوسرے زمانے اور مکان کے اعتبار سے۔

پہلی تقسیم: جبری اور رضامندی والی مہایات......اس اعتبار سے مہایات کی دو قسمیں ہیں رضا کے ساتھ اور جبری۔

۱۔رضامندی والی مہایات......یہ کہ دو آدمی اس بات پر اتفاق کریں کے وہ مشترک میز سے اس کیفیت کے ساتھ نفع اٹھائیں گے بطور تاکید یا باری باری زمانے کے اعتبار سے یا جگہ کے اعتبار سے اور یہ بالاتفاق فقہاء کے ہاں جائز ہے۔

۲۔جبری مہایات......وہ ہے جو قاضی کے ذریعہ سے مکمل ہو جبری طور پر اس بناء پر کہ ایک شریک طلب کرے تو قاضی ان کے درمیان جبراً مہایات کرے یا باری باری متعین مدت مقرر کرے یا مکان کے اعتبار سے کہ مال مشترک کی منفعت وہ حاصل کریں۔یہ حنفیہ کے ہاں جائز ہے شرکاء کے درمیان برابری محقق کرنے کی غرض سے اور ان کی مصلحت کے مدنظر اور قاضی ان پر جبر کرے اصح قول کے مطابق اس لیے کہ لوگ عدل کے محتاج ہیں اور وہ تقسیم بالقضاء ہے مجلّہ میں دفعہ (۱۱۸۱) پر تصریح ہے جبری مہایات کے حوالے سے متعدد اور مشترک اشیاء کے شرکاء میں سے جب کوئی ایک مہایات طلب کرے اور دوسرا رو کے اگر اعیان مشترکہ ایک منفعت والی ہیں تو مہایات جبری ہوئی اگر مختلف منفعت والی میں تو کوئی جبر نہیں۔مثلاً دو گھر مشترک میں ایک شریک ایک میں رہنا طلب کرے اور دوسرا دوسرے میں یا دو جانوروں میں کہ ایک ایک استعمال کرے اور دوسرا اس کا شریک انکار کرے تو مہایات جبری ہوگی لیکن اگر ایک مہایات طلب کرے اور دوسرا حمام کا اجارہ یا ایک گھر میں رہائش اور دوسرا زمین میں کھیتی باڑی کرتا تو یہ مہایات رضامندی سے ہوگی اور اگر دوسرا انکار کرے تو اس پر جبر نہیں۔

شوافع حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں مہایات میں انکار کرنے والے پر جبر نہیں اس لیے کہ یہ معاوضہ ہے اور معاوضہ میں جبر نہیں ہوتا جیسے بیع میں نیز اس لیے بھی کہ منفعت میں ہر ایک کا حق فی الفور ہے اس میں دوسرے کی رضامندی کے بغیر تاخیر جائز نہیں جیسے دین یعنی جمہور کے ہاں جبری مہایات جائز نہیں۔مالکیہ کے ہاں قرعہ کے ذریعے منافع کی تقسیم جائز ہے اور شوافع کے ہاں، جب اس پر متفق ہو یا اور باری میں اختلاف کریں تو پھر قرعہ ڈالا جائے گا۔

دوسری تقسیم: زمان اور مکان کے اعتبار سے......اس اعتبار سے مہایات دو قسموں پر تقسیم ہوتی ہے مہایات زمانیہ، مکانیہ۔

پہلے زمانے کی طرف راجح ہوتی ہے اور دوسری جگہ اور مکان کی طرف اور مہایات کی مالکیہ کے ہاں دو قسمیں ہیں مہایات زمانیہ اور مہایات اعیانیہ اور پہلی یہ کہ شریکین میں سے ہر ایک عین سے ایک برابر مدت تک نفع اٹھائیں کہ ایک شخص ایک مہینہ گھر میں رہائش اختیار کرے اور دوسرا دوسرے مہینے رہائش اختیار کرے اور دوسری قسم یہ کہ وہ عین کو تقسیم کرلیں کہ ہر ایک ایک محدود مدت میں اس سے نفع حاصل کرے کہ ایک، ایک گھر میں رہائش رکھے اور دوسرا دوسرے گھر ایک مدت تک یا ایک ایک گھوڑے پر سوار ہو اور دوسرا دوسرے پر مدت معینہ میں۔

ا۔ مہایات زمانیہ، **پہلی چیز تعریف**..... شریکوں میں سے ہر ایک پے در پے عین مشترک سے برابر نفع برابر مدت تک اٹھائیں یا حصص کے اعتبار سے بایں طور کہ دو آدمی مہایات کریں کہ وہ مشترک زمین میں زراعت کریں کے ایک اس سال اور ایک دوسرے سال یا گھر کی رہائش باری باری یہ ایک سال یہ دوسرے سال یا کتاب استعمال کریں یہ ایک ہفتہ اور دوسرا دوسرا ہفتہ۔ مجلّہ میں دفعہ (۱۸۷) پر تصریح ہے کہ عین میں مہایات جائز نہیں لہٰذا مشترک درختوں کی پھلوں میں مہایات درست نہیں اور نہ ہی حیوانات کے دودھ اون میں کہ ایک شریک اس درخت کے لئے پھل لے لے اور دوسرا اتنے یا مشترک بکریوں کے ریوڑ کے دودھ میں یا اون ایک رکھ لے اور دودھ دوسرا وغیرہ۔

دوسری بات: مشروعیت..... یہ جائز ہے فرمان باری تعالیٰ ہے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی حکایت کے سلسلہ میں:

هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ الشعرا:۲۶/۱۵۵

یہ اونٹنی ہے (ایک ان) اس کی پانی پینے کی باری ہے اور ایک متعین اور تمہاری باری ہے۔

وَ نَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ القمر:۵۴/۲۸

نیز لوگوں کی ضرورت بھی ہے۔

تیسری بات: مہایات کی کیفیت اور فقہی صورت..... حنفیہ کے ہاں مہایات زمانیہ اعیان کی تقسیم کی طرح ہے من وجہ افراز من وجہ مبادلہ اس لیے کہ نفع اٹھانے والا گو شریک کے حصہ کا قرض لینے والا ہے پس اس میں من وجہ مبادلہ پایا گیا شرکاء کے حصص کی منفعت اس کی باری میں دوسرے حصہ سے مبادلہ ہے اس بناء پر مہایات میں مدت ذکر کرنا اور اس کی تعین کرنا۔ مثلاً اتنے دن اتنے مہینے لازم ہے۔ حنابلہ کے ہاں مہایات معاوضہ ہے اس میں جبر درست نہیں جیسے بیع میں اور شوافع نے تصریح کی ہے کہ جو زائد حصہ سے فائدہ اٹھانے وہ اس زائد حصہ کی اجرت ادا کرے اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ مہایات مبادلہ ہے اور مجلّہ میں دفعہ (۱۱۷۸) پر تصریح ہے کہ مہایات زمانی مبادلہ کی ایک قسم ہے الخ۔

چوتھی بات: تعین مدت..... مہایات زمانیہ میں مدت متعین کرنا شرط ہے برخلاف مہایات مکانیہ کے اس لیے کہ زمانے کی تعین سے نفع کی مقدار معلوم ہوتی ہے اور اس سے منافع معلوم ہو جاتے ہیں اور زمانہ معلوم بیان کرنے کے بغیر معلوم نہیں ہوتے اور اس لیے کہ یہ مہایات زمانہ کے ساتھ ساتھ مقید ہے رہ گئی مہایات مکانیہ تو وہ مکان کے ساتھ مقید ہے اور منفعت کا مکان معلوم ہے اور سابقہ دفعہ میں یہ بات آ چکی کہ مہایات مبادلہ کی ایک قسم ہے۔

مالکیہ نے مدت کی مقدار میں تفصیل کی ہے زمانہ شرط قرار دینے کے بعد اور دھوکا نہ ہو، فرمایا: منقولات میں تھوڑی مدت کے لیے بھی مہایات درست ہے اور مدت کثیر جائز نہیں پس جانوروں اور کپڑوں وغیرہ میں لمبی مدت کے لیے مہایات درست نہیں اور زمین گھر وغیرہ میں لمبی مدت بھی مہایات درست نہیں پس ایک ایک مدت تک گھر میں رہے اور دوسرا دوسری مدت اور ایک ایک سال کھیتی کرے اور دوسرا دوسرے سال اور غیر مملوکہ زمین عاریت میں مہایات کرنا جائز نہیں اگرچہ مدت کم ہی کیوں نہ ہوں اس لیے کہ کبھی معیر اعادہ میں رجوع کر سکتا ہے تو دوسرے کا حق فوت ہوگا جس نے نفع نہیں اٹھایا۔

۲۔مہایات مکانیہ: پہلی بات تعریف...... یہ کہ ہر شریک مال مشترک میں سے بعض کو اپنے حصہ کی نسبت سے مخصوص کرے اور نفع ایک ہی وقت میں مکمل ہو پس گھر کے مہایات میں منفعت جمع ہوتی ہے گھر کے ایک جزو میں ایک کے لیے اور دوسرے میں دوسرے کے لیے۔

دوسری بات: مشروعیت...... مہایات مکانیہ بھی جائز ہے کیونکہ یہ بھی تقسیم کی ایک قسم ہے اعیان کے مثل اگر دو شریک اس طور پر مہایات کریں کہ ایک نیچے والی منزل میں رہے اور ایک اوپر والی میں تو یہ جائز ہے تو منفعت کی تقسیم مہایات مکانیہ کے اعتبار سے بھی جائز ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ کرمہایات زمانیہ لوگوں کی حاجت وضرورت کی وجہ سے جائز ہے جب شریکوں کا اجتماع متعذر ہو عین واحد سے نفع حاصل کرنے میں تو مکانیہ بھی اسی طرح ہے۔

تیسری بات: محل...... مہایات مکانیہ اس مال مشترک میں جاری ہوئی ہے جو تقسیم کو قبول کرتا ہو جیسے بڑے گھر اور رہ گئی وہ چیزیں جو تقسیم قبول نہیں کرتیں جیسے گاڑیاں جانور کتاب چھوٹا گھر تو ان میں مہایات مکانیہ ممکن نہیں بلکہ ان میں مہایات زمانیہ متعین ہے۔

گھروں میں مہایات...... اسی بناء پر ظاہر روایت کے مطابق گھر میں مہایات جائز ہے چاہے زمانی ہو یا مکانی استعمال شخصی یا حصول منفعت کے لیے ہو اس لیے کہ ظاہر یہ ہے کہ زمین میں تبدیلی نہیں ہوتی اور اس لیے بھی کہ مہایات مکانیہ تمام حصہ داروں کے حصوں کو الگ کرنا ہے اور مہایات زمانیہ باری اور پے در پے سے انتفاع سے مکمل ہوتی ہے تو یہ قرض کی طرح ہے اور ہر ایک اپنی باری میں دوسرے کا وکیل شمار ہوتا ہے۔

جانوروں میں مہایات...... جانوروں مثلاً دو سواریوں میں کہ ایک ایک پر ایک مدت سواری کرے اور دوسرا دوسری مدت سواری کرے تو یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جائز نہیں نہ استعمال نہ حصول منفعت کے لیے اس لیے کہ جانوروں میں تبدیلی ہو سکتی ہے اور استعمال سواروں کے اعتبار سے اور ماہر ہونے کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ جبکہ صاحبین کے ہاں مہایات استعمال جائز ہے جانوروں وغیرہ میں جیسے دو جانوں میں حصول منفعت کے لیے جائز ہے اور ایک جانور میں جائز نہیں اس لیے کہ برابری دو جانوروں میں ممکن ہے وقت متحد ہونے کے ساتھ اور ایک جانور میں برابری ممکن نہیں اس سے کہ حیوان میں تغیر ہونا ظاہر ہے اس پر مختلف اسباب تغیر کے ہونے کی وجہ سے اس لیے کہ دوسرے وقت میں جانور کی کوشش کے پہلے وقت سے کم ہوگی۔ اور مجلہ میں دفعہ (۱۱۷۷) پر تصریح ہے کہ حیوان مشترک میں باری باری استعمال کے اعتبار سے مہایات جائز ہے اور اسی طرح دو جانوروں میں بھی کہ ایک ایک کو استعمال کرے اور دوسرا دوسرے کو یہ صاحبین کی رائے ہے اور یہ مالکیہ سے متفق ہیں منافع کو عین کے ساتھ تقسیم کرنے میں۔

چوتھی بات: اس کی کیفیت اور فقہی صورت...... مہایات مکانیہ تمام حصوں کو جدا جدا کرنا ہے اور یہ مبادلہ نہیں اگر مبادلہ ہوتا تو پھر یہ صحیح نہ ہوتی اس لیے کہ ایک جنس میں مبادلہ ادھار ہے اور سود ہونے کی وجہ سے یہ جائز نہیں۔ اس لیے کہ حنفیہ کے ہاں اتحاد جس ہی ادھار والی صورت میں سود ہونے کے لیے کافی ہے۔

پانچویں بات: مدت...... مہایات مکانیہ میں مدت کا ذکر اور اس کی تعین شرط نہیں برخلاف مہایات زمانیہ کے اس لیے کہ زمانیہ وقت کی بیان کی محتاج ہے تاکہ منافع معلوم ہوں رہ گئی مکانیہ تو یہ وقت بیان کرنے کی محتاج نہیں اس لیے کہ منفعت کا مکان معلوم ہے پس منافع معلوم ہیں، لیکن مالکیہ کہتے ہیں کہ عین کے منافع کی تقسیم میں مدت بیان کرنا ضروری ہے۔

چھٹی بات: ختم ہونا...... مہایات مکانیہ بھی، مہایات زمانیہ کی طرح شریکین کے مرنے سے ختم نہیں ہوتی اور نہ کسی ایک کے مرنے

سے، اس لیے کہ اگر اسے باطل قرار دیا جائے تو نئے سرے سے اسے کرنا ہوگا اور اس میں کوئی فائدہ نہیں، اس لیے کہ ہر فریق فسخ کا اختیار ہے جب چاہے اور اگر مال مشترک فروخت کر دیا جائے تو پھر یہ رضامندی سے ختم ہو جائے گی۔

پانچویں بحث: شریک کا تصرف کا مالک ہونا...... جب مہایات مکمل ہو جائے تو اس میں سے ہر ایک اس چیز کے استعمال کا مالک جیسے چاہے اور چاہے مہایات مکانیہ ہو یا زمانیہ زمانیہ میں رہائش اختیار کرنا اور سوار ہونا وغیرہ اور مکانیہ میں رہائش جائز ہے۔

اور مہایات مکانیہ میں ہر ایک حصول منفعت کا حق دار ہے اس چیز سے یعنی اسے اجارہ عاریت وغیرہ پر دے سکتا ہے چاہے یہ عقد میں مشروط ہو یا نہ ہو چاہے ایک گھر میں مہایات ہو یا کئی گھروں میں اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک منفعت کا مالک ہے تو اس میں وہ تصرف کا مالک ہے تملیک وغیرہ کے ذریعہ اور مہایات زمانیہ میں اپنی باری میں شریک اپنے حصہ سے حصول منفعت کے لیے نہیں استعمال کر سکتا بالاتفاق حنفیہ کے ہاں جب یہ شرط نہ لگائیں اور اگر حصول منفعت کی شرط لگائیں تو اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔

(الف)...... قدوری میں ہے: وہ مالک نہیں اس لیے کہ مہایات زمانیہ میں اعارہ کا معنی پایا جاتا ہے اور عاریت کو اجرت پر نہیں دیا جا سکتا یہی راجح ہے۔

(ب)...... امام محمد نے اصل میں فرمایا: ایک گھر میں رہائش اور حصول منفعت کے لیے مہیا کرنا جائز ہے تو ہر ایک شریک کو دوسرے کسی کو اجارہ پر دینا جائز ہے حنفیہ اس کی تاویل کرتے ہیں کہ غلہ استغلال نہیں اس لیے کہ غلہ تو عین نتیجہ ہے اور مہایات منافع کی تقسیم ہے نہ کہ اعیان کی۔

ساتویں فصل...... غصب اور اتلاف

علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے فرمایا[1] اصل کے اعتبار سے جنایت کی دو قسمیں ہیں ۱۔ جانوروں اور جمادات پر جنایت ۲۔ اور آدمی پر جنایت۔ پھر جانوروں اور جمادات پر جنایت کی دو قسمیں ہیں غصب اور اتلاف، یہ دو قسمیں یا ان پر دلالت کرنے والی چیز یعنی دشمنی کی بنیاد پر ضمان اور عوض مالی جیسے اسباب میں سے کسی ایک سبب سے قبضہ کرنا جو غیر کے مال یا حق میں ہو اور اسی کے ساتھ ملحق ہے حملہ کرنے والے کو دور کرنے کی بحث اس لیے کہ اسی کی وجہ سے اتلاف اور ضمان ہوتا ہے پس کلام دو بحثوں میں ہوگا ایک غصب اور اس کے احکام سے متعلق اور دوسری اتلاف اور اس کے احکام کے متعلق۔

پہلی بحث: غصب اور اس کے احکام...... اس میں دو مقصد ہیں، پہلا مقصد غصب کی حرمت، تعریف اور اس کے ضابطہ وقاعدہ میں فقہاء کا اختلاف، دوسرا مطلب ومقصد، غصب کے اخروی اور دنیاوی احکام پہلا گناہ اور مؤاخذہ ہے جب کہ دوسرا شے مغصوب جب تک موجود ہو اسے واپس لوٹانا ہے اور تیسرا ہلاکت کی صورت میں مغصوب کا ضمان پس اس میں درج ذیل موضوع ہیں۔

۱...... ضمان کی کیفیت۔

۲...... ضمان واجب ہونے کا وقت۔

۳...... کسی وجہ سے غاصب ضمان سے نکل سکتا ہے۔

۴...... عین مغصوب کا متغیر ہونا یا کسی دوسری چیز کے ساتھ اختلاط ہونا۔

۵...... مغصوب کا نقصان۔

---

[1] ...... البدائع ۷/ ۱۴۳۔

۶.....مغصوب میں اضافہ اور اس پر تعمیر، درخت لگانے اور زراعت وغیرہ کرنے کا حکم دے۔
۷.....مغصوب کے منافع۔
۸.....غاصب اور مغصوب منہ کا اختلاف۔
۹.....غاصب الغاصب۔

پہلا مقصد: غصب کا حرام ہونا غصب کی تعریف اور اس کے ضابطہ میں فقہاء کے اختلاف کا اثر:

پہلی بات: غصب کا حرام ہونا.....قرآن کریم سنت رسول اور اجماع سے ثابت ہے ❶ قرآن کریم میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ النساء:۴/۲۹

مؤمنو: ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ ہاں اگر آپس میں رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ حاصل ہو جائے تو وہ جائز ہے)
نیز

وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا
مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ البقرۃ:۲/۱۸۸

اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو (رشوۃ) حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا
کچھ حصہ ناجائز طور پر نہ کھا جاؤ اور (اسے) تم جانتے بھی ہو۔

سنت میں.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: کہ تمہارے خون اور مال تم پر حرام ہیں اس دن اور اس شہر اور اس مہینے کی طرح ❷ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کسی مسلمان کا مال اور کسی رضامندی کے بغیر جائز نہیں ❸ جس شخص نے کسی کی ایک بالشت زمین ظلماً لی تو قیامت کے دن اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا ❹ ادائیگی تک جس نے جو چیز لی وہ اسی کے ذمہ ہے ❺ اور اسی طرح کی دوسری احادیث مبارکہ۔ نیز مسلمانوں کا اجماع ہے غصب کے حرام ہونے پر اور یہ کبیرہ گناہ اگر چہ اسی مغصوب نصاب سرقہ تک نہ بھی پہنچے۔

دوسری بات: غصب کی تعریف.....لغوی اعتبار سے غصب، کسی چیز کو ظلماً لینے کو کہتے ہیں اور شرعاً اس کی دو مختلف حقیقتیں ہیں فقہاء حنفیہ وغیرہم کے ہاں۔

حنفیہ کے ہاں غصب، قیمتی محترم مال کو مالک کی اجازت کے بغیر اس طرح لینا کہ مالک کا قبضہ ختم ہو جائے۔ اخذ المال یہ غصب اور غیر غصب کو شامل ہے۔ متقوم سے غیر متقوم یعنی شراب اور خنزیر نکل گئے محترم سے احتراز ہے حربی کے مال سے کہ وہ محترم نہیں اور مال کی اجازت کے بغیر سے وہ مال نکل گیا جو ماذون فیہ ہے جیسے وجوب اور وہ مال جو مبادلہ سے مکمل ہوتا ہے عقود میں سے کسی عقد کی وجہ سے اور آخری ازالۃ ید المالک حنفیہ کے ہاں اس کا ہونا غصب کے معنی کے تصور کے لیے ضروری ہے حنفیہ کے ہاں مغصوب سے حاصل ہونے والے زوائد مثلاً اولاد اور پھل وغیرہ مضمون نہیں اسی بناء پر خدمت لینا اور بوجھ اٹھانا غصب ہے کیونکہ یہ مالی تصرف ہے اور چٹائی پر بیٹھنا غصب نہیں اس لیے کہ چٹائی بچھانا مالک کا کام ہے اور اس پر بیٹھنا استعمال ہے جس سے مالک کا قبضہ زائل نہیں ہوتا۔

اور تعریف میں دو قیدیں اور زیادہ کرنے انتہائی ضروری ہیں اور وہ دو یہ کہ اعلانیہ طور پر غصب ہوتا کہ اس سے چوری نکل جائے جو

❶ .....المغنی: ۵/۲۲۰۔ ❷ نصب الرایۃ ۴/۱۶۹۔ ❸ متفق علیہ۔ ❹ سبل السلام: ۳/۶۷۔ ❺ ایضاً۔

پوشیدہ طور پر ہوتی ہے اور دوسری قید کہ اگر اس کے قبضہ میں نہ ہو تو اس کا قبضہ محصور ہو جائے تو اب تعریف ہوگی:

اخذ مال متقوم محترم علی سبیل المجاهرة بغیر اذن المالك علی وجه یزیل یدالمالك ان كان فی یده اویقصر یده ان لم یكن فی مده

تا کہ یہ تعریف مستاجر مرتھن اور ودیع کے ہاتھ کے سے لینے کو بھی شامل ہو جائے ان سے لینا اگر چہ مالک کے قبضہ سے نہیں لینا لیکن پھر بھی اس کی وجہ سے غاصب مالک کے قبضہ کو محصور کر دینا ہے اس کے مال کہ اس نے اس کے مال میں تصرف کو مقید کر دیا تو وہ اب تصرف پر قادر شمار نہیں ہوگا۔

۲..... مالکیہ نے تعریف یوں کی ہے ❶ کہ مال لینا جبراً اور ظلماً لڑائی کے بغیر پس اخذ المال یعنی اس پر حاوی ہونا یہ غصب اور غیر غصب مثلاً ودیع سے یا مدین سے مال لینے کو شامل ہے اور المال سے مراد اعیان مادیہ ہیں تو اس سے تعدی نکل گئی یعنی منافع یہ استیداء جیسے گھر کی رہائش اور سواری پر سوار ہونا وغیرہ اور قھرا سے چوری وغیرہ نکل گئی اس لیے کہ لیتے وقت اس میں قہر نہیں ہوتا اگر چہ بعد میں ہوتا ہے جیسا کہ اس سے اختیار سے لی گئی چیز نکل گئی جیسے شے مستعار اور موھوب اور تعدیا سے وہ نکل گیا جو قہراً تو لیا گیا ہے لیکن کسی حق کی بنیاد پر جیسے قرض ٹال مٹول کرنے والے قرض خواہ یا غاصب سے وصول کرنے اور زبردستی زکاۃ لینا اس سے جو اس کی ادائیگی نہ کر رہا ہو وغیرہ اور بلا خرابہ کا مقصد یہ ہے کہ لڑائی کے بغیر تا کہ جو چیز لڑائی کر کے لی گئی ہے وہ نکل جائے اس لیے کہ اس کی حقیقت غصب کی حقیقت سے مختلف ہے۔

اس تعریف سے ظاہر ہوا کہ مالکیہ کے ہاں غصب خاص ہے اور تعدی عام ہے اس لیے کہ تعدی اموال فروج نفوس اور بدنوں میں بھی ہوتی ہے اور تعدی نفوس اور ابدان یہ جنایات قصاص اور دعاء کے تحت داخل ہے اور غصب کی چیز کی ذات کو لینا ہے اور تعدی منفعت کو لینا ہے۔

اموال میں تعدی کی چار قسمیں ہیں ❷ پہلی قسم..... کسی چیز کی ذات کو لینا اور یہ غصب ہے دوسری قسم منفعت کو لینا نہ کہ ذات کو یہ بھی غصب کی ایک قسم ہے اس میں مطلقاً کرایہ واجب ہوتا ہے۔

تیسری قسم..... کسی چیز کو تلف کر کے ہلاک کرنا جیسے حیوان کا قتل یا کپڑے کو جلانا یا پھاڑنا، درخت کاٹنا، شیشہ توڑنا، کھانا ضائع کرنا، درہم اور دینار وغیرہ ضائع کرنا۔

چوتھی قسم..... تلف کا سبب بننا کسی کی دکان کھول کر چھوڑ دینا پھر اس سے چوری ہو جائے یا پرندے کا پنجرہ کھول دینا اور پرندہ اڑ جائے یا جانور کی رسی کاٹنا جس سے وہ بھاگ جائے یا ہواؤں والے دن آگ چلانا جس سے کوئی چیز جل جائے یا چلایا کنواں کھودنا اور اس میں کسی انسان یا جانور کا گرنا یا کسی رسید کو پھاڑ دینا جس کی وجہ سے اس میں درج حقوق ضائع ہو جائیں۔ مذکورہ کاموں میں سے جو بھی یہ کام کرے گا تو وہ اس ہلاک شدہ اور تلف شدہ چیز یا اس کے سبب بننے کی وجہ سے ضامن ہوگا چاہے عمداً ہو یا خطاء۔

۳۔ شوافع اور حنابلہ نے غصب کی تعریف یوں کی ہے..... کسی غیر کے حق پر ظلماً غلبہ پانا یہ تعریف مال متقوم منافع اور تمام اختصاصات کو شامل ہے جیسے احیاء موات کا حق اور مال غیر متقوم جیسے ذمی کی شراب اور وہ چیز جو مال نہیں جیسے کتا، گوبر اور مردار کی کھال وغیرہ داخل ہیں البتہ حربی کافر کا مال لینا یہ حق ہے۔

تیسری بات: غصب کے ضابطہ میں فقہاء کے اختلاف کا اثر..... فقہاء نے غصب کے قاعدہ میں جس سے غصب متحقق ہو اختلاف کیا ہے اور اس بارے میں دو رائے ہیں۔

---

❶..... الشرح الكبير للدردير ۳/۴۴۲، ۴۵۹ ❷ القوانين الفقهية ص: ۳۳۱۔

ا.....امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں ❶ غصب یہ ہے کہ مالک کا قبضہ مال منقول سے زائل کرنا غلبہ پا کر مال میں کوئی تصرف کرے یعنی غصب دو چیزوں کے بغیر متحقق نہیں ہوتا ایک غاصب کا قبضہ ثابت کرنا یعنی مال لینا اور دوسرا مال کا قبضہ زائل کرنا یعنی نقل اور تحویل کے ساتھ اور اس بارے میں ان کی عبارت یہ ہے کہ غصب دو وجہوں سے متحق ہوتا ہے ظالم کے قبضہ کے اثبات اور حق قبضے کا ازالہ۔ ❷

۲.....جمہور کے ہاں ان میں فقہاء ثلاثہ اور حنفیہ میں سے امام محمد اور امام زفر کے یہاں: غصب صرف غلبہ پانے سے متحقق ہوتا ہے یعنی غیر کے مال پر اس کی اجازت کے بغیر قبضہ کا ثبوت: اور مالک کے قبضہ زائل ہونے کی شرط نہیں اور غلبہ پانے اور غیر کے مال کو لینے سے مراد حسی اور بالفعل غلبہ پایا اور بر مال لینا نہیں بلکہ مالک اور اس کے مال کے درمیان حائل ہو جانا کافی ہے اگر چہ جس جگہ یہ اس نے رکھا تھا وہیں باقی ہو۔

اس اختلاف کا اثر زمین کے غصب میں ظاہر ہوگا اور مغصوب کے زوائد اور منافع ہیں جیسے حنفیہ اور دوسروں کے اختلاف کا اثر مال متقوم اور غیر متقوم میں ظاہر ہوتا ہے۔

ا۔عقار غصب کرنا......امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں غصب صرف منقول اشیاء میں متصور ہے ❸ اس لیے کہ مالک کا قبضہ زائل ہونا منتقل کرنے اور تبدیل کرنے سے غصب کا معنی متحقق ہوتا ہے۔اور یہ صرف منقولات میں پایا جاتا ہے رہ گئی عقار یعنی زمین گھر وغیرہ تو ان میں غصب کا وجود متصور نہیں اس لیے کہ انہیں منتقل کرنا وغیرہ ممکن نہیں اگر کسی نے زمین غصب کی پھر وہ کسی ساوی آفت سے مثلاً سیلاب وغیرہ سے ہلاک ہوگئی اس کے قبضہ میں تو ان کے ہاں وہ ضامن نہیں ہوگا اس لیے کہ غصب ازالہ ید سے متحقق نہیں ہوا اس لیے کہ زمین اپنی جگہ سے منتقل نہیں ہوتی یہ ایسا ہی ہے جیسے وہ مالک اور اس کے سامان کے درمیان حائل ہو گیا پھر سامان تلف ہو گیا لیکن اگر وہ ہلاک ہو غاصب کے فعل سے مثلاً وہ اسے گرادے تو پھر ضامن ہوگا اس لیے کہ عقار میں اگر چہ غصب متحقق نہیں لیکن اتلاف کا اعتبار ہوگا۔

امام محمد اور زفر حنفیہ میں سے اور مذاہب ثلاثہ کے ائمہ کے ہاں......عقار یعنی زمینوں اور گھروں کے غصب کا اعتبار ہے اور اس کے غاصب پر ضمان ہے اس لیے کہ ان کے ہاں غصب کے معنی کا پایا جانا کافی ہے یعنی غاصب کا قبضہ کی چیز پر ثابت کرنا مثلاً رہائش سامان وغیرہ رکھنا اور اسی پر ضمناً مالک کے قبضہ کا ازالہ بھی مرتب ہوتا ہے کیونکہ دو کا قبضہ محال ہے ایک ہی محل میں ایک ہی حالت میں اور اسی طرح امام محمد اور زفر کے ہاں ان دونوں کا مبدا بھی متحقق ہوتا ہے یعنی مالک کا قبضہ زائل ہونا اور غاصب کا قبضہ ثابت ہونا اور ان دونوں معنوں کا متحقق ہونا غصب کا معنی ہے۔لہٰذا امین بھی منقولی اشیاء کی طرح ہوگئی غصب کے تصور کے لیے وصفوں کے تحقق کی وجہ سے۔

اس لیے کہ جو اتلاف میں ضامن ہو لازم ہے کہ وہ غصب میں بھی ضامن ہو عقار اور منقولی اشیاء برابر طور پر مضمون ہیں اور جو بیع میں ضامن ہو وہ غصب میں بھی ضامن ہوگا نیز غصب سے مطلوب بطور ظلم نفع اٹھانا ہے اور یہ عقار کے غصب میں بھی پایا جاتا ہے جیسے منقول میں پایا جاتا ہے۔اس سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تاکید کرتا ہے کہ جو شخص ظلماً کسی کی ایک بالشت زمین غصب کرے تو اللہ تعالیٰ سات زمین اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالیں گے یہ حدیث عقار میں بھی غصب متحقق ہونے پر دلالت کرتی ہے اس لیے کہ آپ نے اسے غصب سے تعبیر فرمایا ہے یہی رائے راجح ہے۔

زوائد مغصوب اور ساوی بڑھوتری......امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے ہاں مغصوب کے زوائد اگر بلا تعدی ہلاک ہو جائیں غاصب کے قبضہ میں تو وہ ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس کا قبضہ امانت کا ہے۔چاہے وہ زوائد منفصل ہوں جیسے بچہ دودھ پھل یا متصل ہوں جیسے موٹاپا اور خوبصورتی وغیرہ اس لیے کہ ان کے غصب کا قبضہ ثابت کرنا غیر کے مال پر اس طرح کے مالک کا قبضہ زائل ہو جائے اور ان زوائد پر مالک کا

---

❶.....البدائع ۷/۱۴۳۔ ❷ تبیین الحقائق ۵/۲۲۴۔ ❸ البدائع ۷/۴۵۔

قبضہ ثابت ہی نہیں یہاں تک کہ غاصب اسے زائل کرے اور اگر غاصب نے اس میں تعدی کی کہ اسے تلف کردیا یا کھالیا یا فروخت کردیا یا مالک نے مانگا اس نے نہ دیا تو ضامن ہوگا اس لیے کہ تعدی اور منع کرنے کی وجہ سے وہ غاصب ہوگیا اور مالکیہ کے ہاں اگر زیادہ کی واضافہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہو اور متصل ہو جیسے موٹا پا اور بڑا ہونا تو یہ غاصب پر مضمون نہیں اور اگر اضافہ کا فیصلہ ہوا گرچہ غاصب کے استعمال کے بغیر ہی وہ پیدا ہوا ہو جیسے دودھ اون اور درخت کے پھل تو پھر غاصب ضامن ہوگا اگر وہ تلف ہو جائیں یا خود انہیں ہلاک کرے اور ان کا واپس کرنا واجب ہے مقصود داخل کے ساتھ۔ حنفیہ میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور شوافع وحنابلہ کے ہاں زوائد مغصوب غاصب کے قبضہ میں ضامن ہوں گے چاہے متصل ہوں یا منفصل ان میں سے جو چیز بھی غاصب کے قبضہ میں تلف ہوگی وہ ضامن ہوگا اس لیے کہ ظالم کا قبضہ ثابت ہے اس لیے کہ اصل کو روکنے کی وجہ سے ان زوائد پر اس کے قبضہ کا سبب ہے اور اصل پر اس کا قبضہ ممنوع ہے۔

۳۔ مغصوب کے منافع حنفیہ کے ہاں غاصب مغصوب شدہ چیز کے منافع کا ضامن نہیں مثلاً جانور پر سواری گھر میں رہائش وغیرہ چاہے انہیں استعمال کرے یا اسی طرح چھوڑے رکھے اس لیے کہ منفعت ان کے پاس مال نہیں نیز اس لیے بھی کہ غاصب کے پاس پیدا شدہ منفعت مالک کے پاس موجود نہ تھی اس میں غصب کا معنی متحقق نہ ہوا کیونکہ مالک کا قبضہ زائل نہ ہوا۔ اور یہ تین جگہوں کے علاوہ ہے جن میں اجرت مثل واجب ہوتی جو متاخرین حنفیہ کے اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے وہ یہ کہ مغصوب وقف ہو یا یتیم کا مال ہو یا وہ سرمایہ کاری کے لیے مالک نے رکھا ہوا گر شے مغصوب غاصب کے استعمال کی وجہ سے کم ہو جائے تو اس نقصان کا غاصب ضامن ہوگا۔ رہ گیا مغصوب سے حاصل شدہ غلہ تو غاصب کے لیے وہ حلال نہیں طرفین کے نزدیک اس لیے کہ غیر کی ملکیت سے ان کے ہاں نفع اٹھانا حلال نہیں امام ابویوسف اور امام زفر کے ہاں اس کے لیے حلال ہے۔

مالکیہ کے ہاں مشہور قول کے مطابق...... غاصب مغصوب سے حاصل ہونے والی سرمایا کاری کا ضامن ہوگا چاہے مغصوب عقار ہو یعنی زمین گھر کہ ان میں رہائش رکھے یا زراعت کرے یا کرائے پر دے یا منقول ہو حیوان وغیرہ اس کا کرایا اور استعمال اور جو چیز استعمال کے بغیر پیدا ہوئی اس کا ضامن نہ ہوگا اگر چہ وہ اسے معطل رکھے۔

یہ کسی چیز کے عین کے غصب کی صورت میں ہے لیکن اگر غاصب منفعت کا غصب کرے تو پھر اس پر مثل کرایا لازم ہوگا خلاصہ یہ کہ غاصب صرف اس کے اس غلبہ کا ضامن ہوگا جو اس نے استعمال کیا اور تعدی کرنے والا اس غلہ کا بھی ضامن ہوگا جو اس نے معطل چھوڑا مثلاً گھر کو تالا لگا دیا اور زمین بے کار کردی اور سواری قید کردی وغیرہ۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں غاصب مغصوب کی منفعت کا ضامن ہوگا اور اس پر اجرت مثل ہے چاہے اس نے منافع حاصل کیا ہو یا نہ کیا اور چاہے مغصوب عقار ہو یا منقول مثلاً کتاب، جانور وغیرہ اس لیے کہ منفعت مال متقوم ہے تو عین مغصوبہ کی طرح اس کا ضمان بھی واجب ہے یہ رائے عدالت اور عصر حاضر کے مادی ظروف کے اعتبار سے متفق علیہ ہے اور ہر چیز کی قیمت لگائے چاہے وہ ادبی ہو یا ذہنی۔

۴۔ غیر متقوم چیز کا غصب...... حنفیہ کے ہاں [1] مسلمان کی شراب یا خنزیر غصب کرنے والا ان کے ہلاک ہونے کی صورت میں ضامن نہیں ہوگا چاہے غاصب مسلمان ہو یا ذمی، اس لیے کہ شراب مسلمان کے حق میں مال منقول نہیں اس کا زمین پر بہا دینا واجب ہے اسی طرح خنزیر بھی منقول نہیں لیکن اگر غاصب نے سرکہ بنالیا پھر اس کو ہلاک کیا تو سرکہ کا ضامن ہوگا اس لیے کہ غصب اپنے وجود کے اعتبار سے وجوب ضمان کے سبب کے ساتھ منعقد نہیں ہوا، اگر اس نے اسے ہلاک کیا تو اس وقت ضمان کا سبب پایا گیا وہ سرکہ کا تلف کرنا ہے جو مغصوب منہ کا مملوک ہے پس ضامن ہوگا اسی طرح مردار کی کھال کو جب غاصب دباغت دے دے تو بھی ضامن ہوگا اور اس پر دباغت کی وجہ سے جو

[1] البدائع: ۷/۱۴۷

اضافہ ہوا ہے وہی واجب ہے اس لیے کہ یہ دباغت کی وجہ سے مال منقول بن گیا۔ ذمی کی شراب اور خنزیر جب غصب کر کے ہلاک کر دے تو ضامن ہوگا چاہے غصب کرنے والا مسلمان ہو یا ذمی اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں ان کے ہاں مال ہیں شراب ان کے ہاں ہمارے سرکہ کی طرح ہے اور خنزیر ان کے ہاں ہماری بکری کی طرح ہے اس لیے کہ ان کے لیے وہ احکام ہیں جو مسلمانوں کے لیے ہیں اور ان پر وہ چیزیں ہیں جو مسلمان پر واجب ہیں اور ہمیں انہیں اپنے دین پر چھوڑنے کا حکم ہے اور اسی وجہ سے وہ اپنی بیع پر برقرار ہیں لیکن مسلمان پر شراب کی قیمت واجب نہ ہوگی اگر چہ وہ مثلیات میں سے ہے اس لیے کہ مسلمان کو اس کا مالک بننا ممنوع ہے اور غیر مسلم کو مثل سپرد کرنا جائز ہے اس لیے کہ اس کا شراب کا ملک بننا صحیح ہے اور بیع سے مالک ہونا وغیرہ رہ گیا مردار اور خون اگر چہ ذمی ہی کا کیوں نہ ہو غصب کی وجہ سے اس کا ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں مال نہیں اور اہل ادیان میں سے کوئی بھی ان کے قول کا قائل نہیں جیسا کہ جان بوجھ کر تسمیہ چھوڑنے والے کا ضامن نہیں اسی طرح مسلمان اگر کسی عیسائی سے صلیب غصب کرے پھر وہ ہلاک ہو جائے تو ضامن ہوگا کیونکہ وہ اس پر برقرار ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: جو شخص کسی مسلمان کے آلات لہو لعب جیسے طبل مزمار دف وغیرہ توڑے تو وہ ضامن ہوگا کیونکہ یہ اموال ہیں اور ان سے لہو لعب کے علاوہ بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اگر ان کھیل تماشوں میں استعمال کریں تو یہ حلال نہیں جیسے گانے گانے والی جب ان پر گائے اور ضامن ہوگا ان آلات کا خالی لکڑی کے اعتبار سے یعنی قیمت کا ضامن ہوگا ضائع ہونے پہلی کا۔ صاحبین کے ہاں: آلات لہو لعب اور کھیل تماشے کا ضامن نہیں ہوگا اس لیے کہ اشیاء گناہ کے لیے تیار کی گئی ہیں لہٰذا ان کا قیمتی ہونا باطل ہے شراب کی طرح نیز شرعاً ان کا ضائع کرنا واجب ہے اور ضائع کرنے والے نے شریعت کے حکم کی تعمیل کی لہٰذا اس پر کوئی ضمان نہیں جیسے حاکم کی اجازت سے یہ کام کرے (اسی پر فتویٰ ہے)۔

مالکیہ کے ہاں...... بھی حنفیہ ہی والا حکم ہے یعنی مسلمان کی شراب خنزیر اور کھیل تماشے گانے کے آلات اور بتوں کو توڑنے کی وجہ سے ضامن نہیں ہوگا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید فروخت حرام قرار دی ہے ❶ نیز اس لیے بھی کہ ان کی کوئی قیمت نہیں اور جس کی کی قیمت نہ ہو اس میں ضمان بھی نہیں۔ ہاں ذمی کی شراب غصب کرنے والا تعدی کی وجہ سے ضامن ہوگا نیز غیر مسلموں کے ہاں وہ مال محرم ہے وہ اس سے ثروت حاصل کرتے ہیں اور جب شراب سرکہ بن جائے اور وہ مسلمان کی ہو تو اس مالک کو اختیار ہے چاہے تو سرکہ لے لے یا اس کے مثل شراب لے لے اگر اس کی مقدار معلوم ہو ورنہ اس کی قیمت رہ گئی غیر مسلم کی شراب تو اسے اختیار ہے چاہے تو غصب کے دن کی قیمت لے لے یا سرکہ لے لے مالکیہ کے ہاں مفتی بہ یہی ہے اور اگر شی مغصوب مردار کی دباغت دی ہوئی یا غیر دباغت کھال ہو یا پالتو کتا ہو جیسے شکاری کتا جانوروں اور دیکھ بھال کا کتا اور انہیں غاصب تلف کر دے تو قیمت کا ضامن ہوگا اگر چہ کتے اور جلد کی بیع جائز نہیں۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں شراب اور خنزیر کا ضامن نہیں ہوگا چاہے تلف کرنے والا مسلمان ہو یا ذمی اور چاہے وہ کسی مسلمان کی ہو یا ذمی کی اس لیے کہ اس کی قیمت نہیں خون، مردار اور تمام نجس چیزوں کی طرح اور جس چیز سے نفع اٹھانا حرام ہو اس کے بدل کا ضامن نہیں ہوتا اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیع حرام قرار دی اور اس کے گرانے کا حکم دیا اور جس چیز کی بیع اور ملک ہونا حلال نہ ہو اس میں ضمان نہیں۔ اسی طرح ان کے ہاں بتوں اور لہو لعب (گانے وغیرہ) کے آلات کے ضائع کرنے پر بھی ضمان نہیں البتہ شوافع کے ہاں صرف لکڑی گھڑی ہوئی کی قیمت کا ضامن ہوگا جیسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب کہ وہ کسی مباح منفعت کی صلاحیت رکھتی ہو لیکن اگر اس کی قیمت نہ ہو تو تلف کرنے والے پر کچھ بھی نہیں لیکن ذمی کی شراب اگر غاصب کے پاس موجود ہو تو اس پر واپس کرنا واجب ہے اس لیے کہ وہ اس کے پینے پر مقرر ہیں لیکن اگر مسلمان کی غصب کی تو حنابلہ کے ہاں واپس کرنا واجب نہیں بلکہ بہا دینا اور گرا دینا واجب ہے اس لیے کہ اس کے سنبھالنے پر وہ مقرر نہیں اور اسے مسلمان کو واپس کرنا حرام ہے جب کہ سرکہ بنانے والا نہ ہو اس لیے کہ اس میں حرام چیز میں تعاون ہے۔

❶... بخاری مسلم۔

شوافع نے تفصیل کرتے ہوئے فرمایا محترم شراب تو واپس کی جائے گی اور جو محترم نہیں وہ گرادی جائے گی۔

اگر کسی غاصب نے شیرہ غصب کیا پھر اس سے سرکہ بنالیا تو شوافع کے ہاں اصح یہ ہے کہ سرکہ مالک کا ہوگا۔ اور غاصب پر شیرہ میں جو کمی آتی ہے اس کا تاوان ہوگا جب کہ سرکہ شیرہ میں قیمت سے کم ہو اور حنابلہ کے ہاں شیرہ کا مثل واجب ہے اگر کسی نے مردار کی کھال غصب کی اور پھر اسے دباغت دے دی تو شوافع کے ہاں اصح یہی ہے کہ کھال بھی شراب کی طرح ہے جو سرکہ بنادی ہو لہٰذا جب اس کے ہاتھ میں کھال ضائع ہوگئی تو ضامن ہوگا اور حنابلہ کے ہاں اگر نجس مردار کی کھال غصب کی تو غاصب پر واپس کرنا لازم نہیں اگر چہ دباغت پھر ہو اس لیے کہ ان کے ہاں دباغت سے وہ پاک نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کی قیمت ہے اور نہ ہی اس کا فروخت کرنا صحیح ہے۔

دوسرا مطلب: غصب کے احکام.....غصب کے تین حکم ہیں

۱.....گناہ جسے معلوم ہو غیر کا مال ہے۔

۲.....شیءمغصوبہ جب تک موجود ہے اسے واپس کرنا۔

۳.....اگر ہلاک ہوجائے تو اس کا ضمان ہے۔

پہلا حکم گناہ.....وہ آخرت میں مواخذہ کا استحقاق ہے جب غاصب یہ جانتے ہوئے غصب کرکے کہ یہ غیر کا مال ہے اس لیے کہ یہ گناہ ہے اور گناہ کا عمداً جان بوجھ کر ارتکاب کرنا مواخذہ کا موجب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے ایک بالشت کسی کی زمین غصب کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے سات زمینوں کا طوق پہنائیں گے نیز مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں ❶ غاصب کو قید خانہ میں بند کیا جائے گا اور مار پٹائی کی جائے گی اگر وہ وہ سمجھدار بچہ ہو یا بڑا ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اگر چہ مغصوب منہ اسے معاف بھی کردے حاکم کے اجتہاد سے فساد ختم کرنے کے لئے اور اس کی حالت کی اصلاح کے لیے اور ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ کے لیے رہ گیا ناسمجھ بچہ یا پاگل مجنون تو اسے تعزیر نہیں لگائی جائے گی شوافع نے بھی اسی طرح تصریح کی ہے کہ غاصب کو تعزیر لگائی جائے گی اللہ تعالیٰ کے حق کی وجہ سے اور یہ تعزیر امام لگائے گا۔ اگر غصب لاعلمی کی حالت میں ہوا بایں طور کہ اس چیز کو اپنی ملکیت سمجھتا رہا تو نہ اسے گناہ ہے ورنہ اس پر مؤاخذہ ہے اس لیے کہ یہ خطا ہے اور شرعاً خطا پر مواخذہ نہیں فرمان باری تعالیٰ ہے:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا البقرة۲/۲۸۶

اے ہمارے ہمارا مواخذہ نہ کرنا اگر ہم سے بھول اور خطا ہوجائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میری امت سے خطا نسیان اور جس چیز پر وہ مجبور کئے جائیں اٹھالیے گئے ہیں ❷ لیکن اس صورت میں بھی آخری دو حکم باقی رہیں گے۔

۱.....عین جب تک موجود ہو اسے واپس کرنا۔

۲.....اگر ہلاک ہوجائے تو ضمان ادا کرنا۔

دوسرا حکم: شے مغصوبہ کو موجودگی کی صورت میں واپس کرنا.....اس میں چند صورتوں میں بات ہوگی: وجوب رد کا سبب واپس کرنے کی شرط جگہ اور خرچہ اور جس چیز سے مالک رد کا مستحق ہے ❸ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شے مغصوبہ کا واپس کرنا واجب ہے جب تک وہ موجود ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

على اليد مااخذت حتى تؤديه

اور تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا سامان نہ حقیقتہً لے نہ مذاق میں جب تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کی لاٹھی لے تو اسے واپس

❶ القوانين الفقهية ص ۳۲۹. ❷ رواه ابن ماجه. ❸ البدائع ۱۴۸/۷

کرے ❶ اور واپس غصب کی جگہ پر کرے کیونکہ قیمت جگہوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے واپس کرنے کا خرچ غاصب پر ہے اس لیے کہ یہ واپس کرنے کی ضرورتوں میں سے ہے جب اس پر واپس کرنا واجب ہے تو جو کچھ اس کی ضروریات میں سے ہے وہ بھی واجب ہے اور مالک شیءِ مغصوب کو پانے والا شمار ہوگا جب کہ اس کا قبضہ اس پر ثابت ہوا اس لیے کہ غصب کی وجہ سے اس کا قبضہ ختم ہو گیا تھا جب اس کا قبضہ ثابت ہو گیا تو وہ اس کے قبضہ میں آ گئی اور غاصب کا قبضہ اس سے ختم ہو گیا الا یہ کہ وہ دوبارہ غصب کرے۔

واپس کرنے کی وجہ سے غاصب ضمان بری ہو جائے گا چاہے مالک کو واپسی کا علم ہو یا نہ ہو اس لیے کہ قبضہ ثابت ہونا جیسی چیز ہے یہ علم اور لاعلمی سے مختلف نہیں ہوتی۔

تیسرا حکم: اگر شیءِ مغصوب ہلاک ہو جائے تو اس کا ضمان......اس بارے مختلف حیثیتوں سے بات ہوگی جن کی تفصیل یہ ہے۔

ا۔ **کیفیت ضمان**......جب مغصوب ہلاک یا تلف یا ضائع ہو جائے غاصب کے پاس اور حنفیہ کے ہاں ❷ وہ منقولی چیز ہو یا عقار ہو غیر حنفیہ کے نزدیک چاہیے اس کے اپنے فعل سے ہو یا کسی اور کے فعل سے تو اس پر اس کا ضمان ہے یعنی اس کا عوض ہے لیکن اگر بلا کت کسی دوسرے کی تعدی کی وجہ سے ہو کسی سماوی آفت کی وجہ سے نہ ہو تو غاصب ضمان میں اس سے رجوع کرے گا اس لیے کہ اس پر اس چیز کا ضمان لازم ہو گیا جسے وہ واپس کر کے بری ہو سکتا تھا، اور اس بارے میں ان کی عبارت: غاصب ضامن ہے مغصوب کا چاہے وہ اللہ کے حکم سے تلف ہوئی ہو یا مخلوق میں سے کسی کی وجہ سے ❸ ضمان کی کیفیت اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ بالاتفاق علماء کے ہاں ضمان مثل واجب ہوگا جب وہ مال مثلی ہو اور قیمت واجب ہوگی اگر وہ قیمتی ہو اور جب مثل کا پایا جانا متعذر ہو تو قیمت واجب ہوگی ضمان مثلی کی دلیل فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ......البقرۃ ۲/ ۱۹۴

جو تم پر ظلم کرے تو تم اسے بدلے میں اتنا ہی بدلہ دو:

وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ......النحل: ۱۶/ ۱۲۶

وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ......الشوریٰ ۴۲/ ۴۰

نیز اس لیے بھی کہ مثل اصل تلف شدہ چیز کے زیادہ قریب ہے پس یہ لازم کرنا زیادہ عدل اور نقصان کو پورا کرنے والا ہے اور ضمان میں اصل کے قریب ہونا ممکنہ حد تک نقصان کے عوض واجب ہے۔ رہ گیا قیمت کے ذریعے ضمان اس لیے کہ مثل کے ذریعہ ضمان صورت اور معنی کے اعتبار سے جب متعذر ہے تو پھر مثل معنوی یعنی قیمت واجب ہوگی کیونکہ یہ اس کے قائم مقام ہے اس سے مثل حاصل ہو جائے گا اور اس کا نام بھی اس کی خبر دیتا ہے۔ مال مثلی وہ مال ہے جس کا مثل بازاروں میں پایا جاتا ہو بلا کسی تفاوت کے یا اس کے آحاد آپس میں مماثل ہوں یا اجزاء اس طور پر کے بعض دوسرے بعض کے بغیر کسی فرق کے قائم مقام ہوں اور اموال مثلی چار ہیں: مکیلات موزونات، عددی متقارب اور بعض ذراع۔ مکیلات وہ چیزیں ہیں جو کیل کے ذریعے فروخت ہوتی ہوں جیسے: گندم جو اور بعض سیال اشیاء جو آج کل لیٹر کے حساب سے فروخت ہوتی ہیں جیسے پٹرول ڈیزل وغیرہ۔ موزونات: وہ چیزیں جو وزن کے ذریعے فروخت ہوتی ہیں: جیسے گھی تیل اور شکر و چینی وغیرہ۔ ذراعیات وہ چیزیں جو گزوں سے پیائش کر کے فروخت کی جاتی ہوں جیسے سوتی، اونی اور ریشمی کپڑے کے تھان۔

عددی متقارب......وہ چیزیں ہیں جن کے احاد میں فرق نہ ہو اگر ہو تو کم ہو جیسے انڈا، اخروٹ اور وہ مصنوعات جو فیکٹریوں میں بنتی ہیں جیسے گلاس، مٹی اور بلور کے برتن کاپیاں قلم اور مطبوعہ چیزیں وغیرہ۔

قیمتی......وہ اشیاء جن کا مثل باراروں میں نہ ہو یا پایا تو جائے لیکن قیمت کے اعتبار سے ان میں کافی فرق ہو یا اس کے افراد میں

---

❶ ...نیل الاوطار ۵/ ۳۱۶۔ ❷ المبسوط: ۸/ ۵۰۔ ❸ القوانین الفقهية ص: ۳۳۱

تفاوت ہو کہ بعض بعض کے قائم مقام نہ ہو سکیں فرق کی وجہ سے جیسے گھر زمینیں، عمارتیں، درخت حیوانات فرش پر بچھائی جانے والی چیزیں اور مخطوطات وغیرہ ❶ اور تین حالتوں میں قیمت واجب ہوگی۔

۱..... جب چیز غیر مثلی ہو جیسے جانور گھر وغیرہ ان میں سے ہر ایک کی قیمت دوسری سے مختلف ہے صرف مختلف کی وجہ سے۔

۲..... جب کوئی چیز غیر جنس سے مخلوط ہو جیسے گندم جو کے ساتھ۔

۳..... جب چیز تو مثلی ہو لیکن اس کا ملنا متعذر ہو اور یہ تعذر یا تو حقیقی اور حسی ہوگا جیسے بازار میں مثل کا نہ پایا جانا تلاش کے باوجود اگر چہ گھروں میں باقی جاتی ہو یا تعذر حکمی ہوگا کہ ثمن مثل سے زیادہ میں ملتی ہو یا تعذر شرعی ہوگا ضامن کی نسبت جیسے شراب جو ذمی کی مسلمان پر واجب ہوا اگر چہ خمر مثلیات میں سے ہے لیکن مسلمان کے لیے اسے خرید کر مالک بننا حرام ہے۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ ضمان میں اصلی واجب تو ضرر کو بعینہ ختم کرنا ہے جیسے دیوار یا باغ کی درستگی اور عین مغصوبہ کو واپس کرنا جب تک وہ موجود ہو اور جب تک خمر موجود ہو اسے واپس کرنا اس لیے کہ حنفیہ کے ہاں سرکہ کے لیے اسے رکھنے کی گنجائش ہے نیز تلف شدہ چیز کو ممکنہ حد تک صحیح صورت میں دینا جیسے ٹوٹی ہوئی چیز کو صحیح کرے دینا اگر عین کا واپس کرنا مشکل ہو تو عوض واپس کرنا واجب ہے مثلیات میں مثل قیمت میں قیمتی چیز۔

۲۔ وجوب ضمان کا وقت..... عوض کی قیمت کے اندازے اور ضمان کے واجب ہونے کے وقت کے سلسلہ میں فقہاء کی آراء قریب قریب ہیں، حنفیہ کے ہاں ❷ مختار قول کے مطابق اور مالکیہ کے ہاں ❸ غصب کے دن کی قیمت لگائی جائے گی اس لیے کہ ضمان غصب کی وجہ سے واجب ہوا ہے لہٰذا مغصوب کی قیمت غصب کے دن کی لگائی جائے گی اور نرخ تبدیل ہونے کی وجہ سے یہ تبدیل نہیں ہوگی اس لیے کہ ضمان کا سبب تبدیل نہیں ہوا جیسا کہ محل ضمان تبدیل نہیں ہوا لیکن مالکیہ نے ذات کے ضمان اور غلہ کے ضمان میں فرق کیا ہے پہلے میں غلبہ پانے کے دن کا ضامن ہوگا اور غلہ میں سرمایہ کاری کے دن کا ضامن ہوگا رہ گئی تعدی یعنی نفع غصب کرنے والا منفعت کے فوت ہوتے ہی ضامن ہوگا اگر چہ اسے استعمال نہ بھی کیا ہو شوافع کے ہاں ❹ اصح یہ ہے کہ وقت غصب سے شہر غصب میں مثل کے متعذر ہونے کے وقت کی آخری قیمت ضمان میں واجب ہوگی اگر تلف کے وقت مثل موجود نہ ہو تو اکثر کے ہاں غصب سے تلف تک کی قیمتیں واجب ہوگی چاہے نرخ تبدیل میں یا مغصوب رہ گیا قیمتی مال تو اس کی جو غصب سے تلف تک سب سے زیادہ قیمت ہے اس کی ضامن ہوگا۔

حنابلہ کے ہاں اگر مغصوب مثلیات میں سے ہے اور مثل مفقود ہو گیا تو مثل منقطع ہونے کے دن کی قیمت واجب ہوئی اس لیے کہ جب مثل منقطع ہو گیا اس وقت قیمت ذمہ میں واجب ہوئی لہٰذا اسی وقت سے قیمت کا اعتبار ہوگا جیسے مقوم کا تلف اگر مغصوب قیمتی ہو اور تلف ہو جائے تو غصب سے واپس کرنے تک کی جو سب سے زیادہ قیمت ہوگی وہ واجب ہے جب کہ تغیر مغصوب میں چھوٹا بڑا ہونے میں ہو موٹا اور دبلا وغیرہ ہونے میں ہو جن کی وجہ سے قیمت کم زیادہ ہوتی ہے اس لیے کہ یہ معانی فی الحال مغصوب ہیں جن کی وجہ سے اس میں زیادتی ہوئی ہے اور اضافہ مالک کا ہے جو غاصب پر مضمون ہے اور اگر قیمت میں اضافہ نرخ تبدیل ہونے کی وجہ سے ہوا ہو تو اضافہ کا ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ اس سبب سے قیمت نقصان کا ضامن نہیں جب کہ عین مغصوب کو واپس کرے لہٰذا تلف کی وجہ سے بھی ضامن نہ ہوگا۔

۳..... کن چیزوں کی وجہ سے غاصب ضمان سے بری ہوگا: چار چیزوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے غاصب ضمان سے نکل جائے گا۔ پہلی چیز..... عین شئی مغصوبہ مالک کو واپس کرنے کی وجہ سے۔

دوسری چیز..... مالک کو ضمان ادا کرنے یا اس کے قائم مقام ادا کرنے کی وجہ سے کیونکہ اصلا یہی مطلوب ہے۔

---

❶ الدر المختار: ۵/ ۱۳۰۔ ❷ مجلہ مادۃ: ۴۲۱۔ ❸ البدائع ۷/ ۱۵۱، بدایۃ المجتہد ۲/ ۳۱۲۔ ❹ المہذب: ۱/ ۳۶۸۔

تیسری چیز......ضمان سے بری کر دینا یا تو صراحۃً جیسے: میں تمہیں ضمان سے بری کرتا ہوں تم سے ضمان ساقط کرتا ہوں یا آپ کو ہبہ کرتا ہوں وغیرہ جو صریح کے قائم مقام ہیں۔ وہ یہ کہ مالک دو غاصبوں میں سے ایک کو بری کر دے اور دوسرے کو ضامن بنا دے اس لیے کہ ایک کو بری کرنا اور دوسرے کو ضامن قرار دینا ضمناً دوسرے کو بھی بری کرنا ہے۔

چوتھی چیز......غاصب کا شئے مغصوب کو مالک یا اس کے جانور کو کھلا دینا اور اسے معلوم بھی ہو کہ یہ اسی کا طعام ہے یا غاصب بطور امانت مالک کے سپرد کرے مثلاً ودیعت رکھے ہبہ کرے اجارہ کے طور پر دے یا اسے سفید کرنے یا سینے کے لیے دے اور مالک کو معلوم ہو کہ یہ ایک کا مال مغصوب ہے یا اس طور پر دے کہ اس کا بدل اس کے ذمہ ثابت ہو جیسے قرض اور مالک جانتا ہو کہ یہ اس کا مال ہے اگر مالک کو معلوم نہیں تو غاصب بری نہیں ہوگا یہاں تک کہ غصب کی صفت تبدیل نہ ہو۔ ❶

کیا ضمان کی وجہ سے غاصب مغصوب کا مالک ہوگا: حنفیہ کے ہاں ❷ غاصب ضمان ادا کرنے کے بعد سے مغصوب کا مالک ہوگا وقت غصب سے تاکہ بدل اور مبدل ایک ملک میں جمع نہ ہو جائیں اور اس ملکیت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر غاصب نے ضمان ادا کرنے سے پہلے شیء مغصوب میں کوئی تصرف مثلاً بیع ہبہ یا صدقہ وغیرہ کیا تو اس کا یہ تصرف نافذ ہوگا جیسے شراء فاسد میں مشتری کا تصرف نافذ ہوتا ہے یا جیسے کوئی شخص عین کو غصب کر کے غائب کر دے اور مالک کو قیمت کا ضمان دے دے تو غاصب اس کا مالک بن جائے گا اس لیے کہ مالک سارے بدل کا مالک ہو گیا ہے اور مبدل نقل کے قابل ہے تو غاصب مالک ہوگا تاکہ دو بدل ایک شخص کی ملکیت میں جمع نہ ہو جائیں۔ لیکن امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی رائے ہے کہ غاصب کے لیے مغصوب سے نفع اٹھانا حلال نہیں بایں طور کہ وہ اسے خود کھالے یا کسی دوسرے کو کھلا دے ضمان ادا کرنے سے پہلے اور جب اس میں بڑھوتری حاصل ہو تو استحساناً اس کو صدقہ کر دے اور اسی پر یہ ہے کہ مغصوب سے حاصل شدہ منافع وغلہ مثلاً گاڑی پر سوار ہونا اس کے لیے حلال نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغصوب سے مالک کی رضامندی سے پہلے نفع اٹھانا حلال نہیں قرار دیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی سند سے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انصار میں سے کسی کے ہاں بطور مہمان تھے انہوں نے آپ کے سامنے بھنی ہوئی بکری پیش کی آپ نے اس سے ایک لقمہ لیا آپ اسے چبا رہے تھے لیکن وہ حلق سے اندر نہیں جاری تھی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ بکری مجھے بتا رہی ہے کہ میں حق پر ذبح نہیں کی گئی تو انہوں نے کہا یہ بکری ہمارے پڑوسی کی ہے ہم نے اس لیے ذبح کر دی کہ ہم اسے ثمن پر راضی قرار دے دیا باوجود حاجت وضرورت کے اگر وہ حلال ہوتی تو ان کے لیے اس کو حلال قرار دیتے۔ ❸

مالکیہ کے ہاں غاصب کو مغصوب میں تصرف سے روکا جائے گا تاکہ رھن کفالت وغیرہ کی وجہ سے مالک کا حق ضائع نہ ہو اور موہوب لہ کو اس مین سے کوئی چیز کھانا جائز نہیں نہ اس میں رہائش رکھنا لیکن اگر مغصوب غاصب کے پاس تلف ہو جائے تو ان کے ہاں غاصب کا اس سے نفع اٹھانا جائز ہے اس لیے کہ اب اس کی قیمت واجب ہوگئی ہے اس کے ذمہ۔ بعض محققین نے مغصوبہ بکریوں کے گوشت کو جب غاصب فروخت کرے قصابوں کو ان سے خریدنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اس لیے کہ اس کی ذبح ہونے کی وجہ سے قیمت غاصب کے ذمہ میں واجب ہوگئی الا یہ کہ جو اس سے بچے گا اور تقویٰ اختیار کرے گا تو وہ اپنے دین اور عزت میں محفوظ ہو گیا۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... قیمت ادا کرنے سے غاصب شیء مغصوبہ کا مالک نہیں ہوگا اس لیے کہ بیع سے اس کا مالک بننا صحیح نہیں کیونکہ سپردگی پر اسے قدرت نہیں لہٰذا ضمان سے بھی وہ مالک نہیں بن سکتا جیسے اتلاف سے تلف شدہ چیز کا مالک نہیں بن سکتا۔ اسی بنا پر غاصب کے ہر قسم کے تصرفات باطل ہیں اور درست نہیں حدیث کی وجہ سے کہ من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھورد جس نے

❶......البدائع ۷/۱۵۱۔ ❷ المبسوط ۱۱/۱۵۔ ❸ نصب الرایۃ ۴/۱۶۸۔

کوئی ایسا عمل کیا اس میں ہمارا حکم نہ ہو تو وہ مردود ہے لہٰذا اسے فروخت کرنا اجارہ کرنا جائز نہیں جیسے کہ اس کے لیے اسے تلف کرنے اور اپنے استعمال میں لانا مثلاً کھانا، پہننا، سوار ہونا، بوجھ لادنا، رہائش اختیار کرنا وغیرہ حلال نہیں حدیث کی وجہ سے کہ تمہارے خون اور مال اور عزتیں تمہارے اوپر حرام ہیں۔

۴۔شئ مغصوبہ کا غاصب کے پاس تبدیل ہونا......حنفیہ کے ہاں کبھی شی مغصوب غاصب کے پاس بذات خود یا غاصب کے فعل کی وجہ سے تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ تبدیلی کبھی وصف میں ہوتی ہے یا نام اور ذات میں اور ان تمام تبدیلی کے حالات میں مغصوب موجود ہوتا ہے۔❶

(الف)......جب مغصوب بذات خود تبدیل ہو جائے جیسے انگور تھے وہ کشمش بن گئے یا تر کھجوریں تھیں وہ چھوہارے بن گئے تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو عین لے لے یا غاصب کو قیمت کا ضامن بنائے۔

(ب)......اگر مغصوب غاصب کے کسی فعل کی وجہ سے تبدیل ہو کسی زیادتی کے ساتھ جیسے کپڑے کو رنگ دے یا ستو کو گھی میں ملا دے یا شئ مغصوب غاصب کی ملکیت سے مختلف ہو جائے بایں طور کہ امتیاز کرنا مشکل ہو جیسے گندم گندم سے مل جائے یا جدا کرنا ممکن تو ہو لیکن اس میں تنگی ہو جیسے گندم جو کے ساتھ مل جائے تو مالک کو اختیار دینا واجب ہے چاہے تو غاصب سے مغصوب کی قیمت تبدیل ہونے سے پہلے کی لے لے اور چاہے تو سارا کچھ غاصب سے لے لے اور جو کچھ اس میں زیادہ ہے اس کی قیمت غاصب کو دے دے اس لیے کہ اس اختیار میں جانبین کی رعایت ہے یہ مالکیہ کا بھی مذہب ہے ❷ شوافع کے ہاں اگر اس اضافہ کا الگ کرنا ممکن ہے مثلاً رنگ اور گھی تو غاصب کو اس پر مجبور کیا جائے گا اور اگر ممکن نہ ہو تو اب اگر مغصوب کی قیمت زیادہ نہیں ہوئی تو غاصب کے لیے کچھ بھی نہیں اور اگر اس کی وجہ سے قیمت کم ہوئی ہے تو غاصب پر نقصان کی دیت لازم ہے اس لیے کہ کمی اس کے فعل کی وجہ سے لازم ہوتی ہے اور اگر اس کی قیمت میں اضافہ ہوا ہے تو غاصب اور مالک اس میں اثلاثاً شریک ہوں گے دو ثلث مغصوب منہ کے ذمہ اور ایک ثلث غاصب کے اگر ان میں سے کسی ایک کی ملکیت میں کمی آتی ہو نرخ کم ہونے یا زیادہ ہونے کی وجہ سے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

حنابلہ کے ہاں...... شوافع کی طرح ہے الا یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ غاصب کو کپڑے سے رنگ اتارنے پر مجبور نہ کیا جائے گا اس لیے کہ اس صورت میں اس کی ملکیت کا اتلاف ہے اگر کوئی نقصان اس میں آ گیا تو غاصب نقصان کا ضامن ہوگا اس لیے کہ اس کی تعدی کی وجہ سے یہ حاصل ہوا ہے لہٰذا وہ ضامن ہوگا اور اگر اس میں اضافہ ہوا تو مالک اور غاصب بقدر ملکیت اس میں شریک ہوں گے اس چیز کو فروخت کیا جائے گا اور دونوں ملکیتوں کے حساب سے ثمن تقسیم ہوں گے اسی سے ظاہر ہے کہ فقہاء نقصان کی صورت میں متفق ہیں اور زیادتی کی صورت میں غاصب کے حق پر۔

(ج)......اگر شے مغصوب کی ذات یا نام میں تبدیلی آ جائے غاصب کے فعل کی وجہ سے بایں طور کہ اس کے اکثر منافع مقصودہ زائل ہو جائیں مثلاً جیسے کوئی بکری غصب کرے پھر اسے ذبح کر کے بھون دے یا پکالے یا گندم غصب کرے اور اس کا آٹا پسوا دے یا لوہا غصب کرے اور اس سے تلوار بنوا لے یا پیسے غصب کرے اور اس کے برتن بنوائے تو اب مالک کی ملکیت مغصوب سے زائل ہو گئی اور غاصب اس کا مالک ہو گیا اور وہ بدل کا ضامن ہوگا مثلی میں مثل کا اور قیمتی میں قیمت کا لیکن بدل ادا کرنے تک اس سے نفع اٹھانا اس کے لیے حلال نہیں اس لیے کہ بدل ادا کرنے سے پہلے نفع اٹھانے کی اجازت دینا غصب کے دروازے کو کھولنے کے مترادف ہے لہٰذا مالک کو بدل ادا کر کے راضی کرنے سے پہلے نفع اٹھانا حرام ہے فساد کے مادہ کو ختم کرتے ہوئے۔ مالکیہ کے ہاں بھی اسی طرح ہے جیسے تیسری تفریع میں بیان ہوا شوافع

❶ ...... فتح القدیر ۷/۳۷۵۔ ❷ الشرح الکبیر: ۳/۴۵۴۔

اور حنابلہ کے ہاں مالک کا حق اس کی ملکیت سے ختم نہیں ہوتا اور اسے اختیار ہے کہ وہ اسے لے لے اور اگر اس میں نقصان ہو تو نقصان کی دیت لے لے اور حنابلہ کے مذہب کے مطابق اضافہ کی صورت میں غاصب کے لیے کچھ بھی نہ ہوگا سونے اور چاندی کو غصب کر کے درھم اور دینار یا برتن بنانے کی صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی شوافع اور حنابلہ کی طرح مالک کی ملکیت زائل نہ ہوگی اور غاصب کے لیے کچھ بھی نہ ہوگا اس لیے کہ عین ہر اعتبار سے باقی ہے ان کا نام بھی باقی ہے اور سونے چاندی سے متعلق چاروں احکام یعنی ثمنیت وزنی ہونا سود جاری ہونا اور ان پر زکوٰۃ واجب ہونا باقی ہیں لہٰذا ان سے مالک کا حق ختم نہیں ہوا۔ صاحبین اس مسئلے میں اپنی اصل سابق پر ہیں وہ یہ کہ غاصب مالک ہوگا اور اس پر ان کا مثل واجب ہوگا اس لیے کہ اس نے ان میں معتبر صنعت کی ہے لہٰذا مالک کا حق ہلاک کے حکم میں ہے اور اصل نام اور معنی کے اعتبار سے متغیر ہے کیونکہ بننے سے پہلے اسے تبرڈلی کہتے تھے اب اسے درہم دینار یا برتن کہتے ہیں۔

۵۔ **مغصوب کا نقصان**...... مغصوب اگر غاصب کے ہاتھ میں کم ہو جائے چاہے معنوی طور پر یا حسی طور پر تو یہ حنفیہ کے ہاں چار صورتوں کو شامل ہے جو درج ذیل ہیں۔

(الف)..... نقصان بازاروں میں نرخ گرنے کی وجہ سے ہو اور اس پر ضمان نہیں اگر شے مغصوب کو غصب کی جگہ پر واپس کیا اس لیے کہ نرخ کم ہونا مادی نقصان نہیں ہے مغصوب کا کہ عین میں سے کوئی جزو فوت ہوا ہو بلکہ یہ خواہشات ورغبات کے کم ہونے کی وجہ سے ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوا ہے اس میں بندوں کا دخل نہیں۔

(ب)..... نقصان کسی مرغوب وصف کے نہ ہونے کی وجہ سے ہو جیسے جانور کا ضعیف ہونا یا اس کی قوت سماعت اور بصر زائل ہونا یا شل ہونا لنگڑا ہونا یا اندھا ہونا یا اعضاء میں سے کسی عضو کا گر جانا تو جو مال سودی نہیں ان میں نقصان کا ضمان غاصب پر ہے اور مالک عین مغصوب کو لے لے کیونکہ عین اپنی حالت پر باقی ہے لیکن اگر شیء مغصوب سودی اموال میں سے ہو جیسے گندم کا بدبودار ہونا چاندی کے برتن کا ٹوٹنا تو مالک صرف شیء مغصوب کو لے سکتا ہے اور اس کو اس کے علاوہ نقصان کی وجہ سے کچھ لینا جائز نہیں اس لیے کہ اموال ربویہ (سودی) میں نقصان کا ضمان نہیں اصل لوٹانے کے ساتھ اس لیے کہ یہ ربا (سود) کی طرف لے جانے والی چیز ہے۔

(ج)..... نقصان عین میں کسی مرغوب چیز کی وجہ سے ہو مثلاً جوانی کے بعد بڑھاپا، بھاگنا پیشہ بھول جانا تو ان تمام حالتوں میں نقصان کا ضمان واجب ہوگا۔

(د)..... نقصان عین میں سے کسی جزو کے زائل ہونے کی وجہ سے ہو جیسے کپڑے کا جل جانا تو تمام حالتوں میں ضمان واجب ہوگا لیکن اگر نقصان کم ہو جیسے کپڑا تھوڑا جلا ہو تو مالک غاصب سے صرف نقصان کی بقدر ضمان لے سکتا ہے کیونکہ عین باقی ہے۔ اور اگر نقصان زیادہ ہو جیسے زیادہ پھٹا ہوا ہو کپڑا کہ اس سے حاصل ہونے والا عام نفع باطل ہو جائے تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو لے لے اور عیب کی وجہ سے نقصان کا ضمان لے لیے اور چاہے وہ غاصب کے پاس چھوڑ دے اور ساری قیمت لے لے اس لیے کہ من وجہ وہ ہلاک ہو گیا ہے اور کم زیادہ کے درمیان فرق کا قاعدہ یہ ہے کم نقصان یہ کہ منفعت میں سے کوئی چیز فوت نہ ہو بلکہ صرف منفعت کا نقصان ہو اور فاحش: جس سے عین کا بعض حصہ فوت ہو جائے اور جنس منفعت بھی بعض عین اور بعض منفعت باقی رہے۔ مجلّہ میں دفعہ ۹۰۰ میں تقدیر بیان کی کہ یسیر وہ ہے جو شیء مغصوب کی ربع قیمت تک نہ پہنچے اور فاحش وہ ہے جو ربع قیمت یا اس کے زائد ہو جب نقصان کا ضمان واجب ہوگا تو پھر عین کی قیمت غصب کے دن کی لگائی جائے گی پھر کی کی قیمت لگائی جائے گی اس فرق کو غاصب پورا کرے گا۔ اگر عقار مغصوب ہوا گرچہ آفت سماوی کی وجہ سے ہلاک ہونے سے حنفیہ کے ہاں اس میں ضمان نہیں البتہ اس پر غاصب کے فعل سے لاحق ہونے والا نقصان یا اس کے رہائش اختیار کرنے زمین پر زراعت کرنے کی وجہ سے ضمان ہوگا۔ کما ذکرت سابقا۔

حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات کے ہاں...... مغصوب کے نقصان کا ضامن نہیں ہوگا اور نہ ہی نرخ میں زیادتی کا جب نرخ کم ہو جائیں جیسے حنفیہ کے ہاں ہے: اس لیے کہ نقصان لوگوں کی رغبت کے فتور کی وجہ سے ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی چیز نہیں اور مغصوب کا عین اور نہ ہی اس کی صفت میں کمی آتی ہے لیکن شوافع اور ابوداؤد کے ہاں اگر قیمت نرخ کم ہونے کی وجہ سے کم ہو جائے تو غاصب پر نقصان کا ضمان ہوگا۔

رہ گیا وہ نقصان جو ذات مغصوب یا اس کی صفت میں ہو تو وہ مضمون ہوگا چاہے وہ نقصان کسی سماوی آفت کی وجہ سے ہو یا غاصب کے فعل کی وجہ سے۔ البتہ مالکیہ کے ہاں مشہور قول کے مطابق اگر نقصان کسی آفت سماویہ کی وجہ سے ہو تو مالک صرف ناقص ہی حالت میں لینے کا مختار ہے یا پھر غاصب سے یوم غصب کی پوری قیمت وصول کرے صرف نقصان کی قیمت نہیں لے سکتا اور اگر نقصان غاصب کی جنایت کی وجہ سے ہو تو مالک کو اختیار ہے چاہے غاصب سے غصب کے دن کی قیمت لے لے یا شیء مغصوب لے لے اور نقصان کی قیمت جنایت کے دن کی لے لے یہ ابن القاسم کے ہاں۔ اور سحنون کے ہاں غصب کے دن کی قیمت لے اور اشہب رحمہ اللہ نے سماوی آفات اور غاصب کی جنایت میں فرق نہیں کیا۔

۶۔ مغصوب میں اضافہ...... یہ بات ہم جان چکے ہیں کہ مغصوب میں اضافہ متصل ہو یا منفصل تو اس کا ضامن نہیں ہوگا شیخین کے ہاں کیونکہ مالک کا قبضہ زائل نہیں ہوا اس سے اور زوائد کا ضامن ہوگا مطلقاً امام محمد امام شافع اور احمد کے ہاں اس لیے کہ وہ عین مملوکہ سے پیدا ہوا ہے اور مالکیہ کے ہاں صرف زوائد متصلہ کا ضامن ہوگا نہ متصلہ کا اور زوائد متصلہ یہ ہیں۔

غصب شدہ زمین پر عمارت بنانا زراعت کرنا درخت لگانا...... ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ غاصب پر شیء مغصوب کو مالک تک واپس پہنچانا لازم ہے اور جو کچھ اس میں بنایا ہے مثلاً عمارت زراعت یا درخت وغیرہ جو لگائے ہیں ان کو ختم کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ظالم کے لیے کوئی حق نہیں مذاہب کی تفصیل یہ ہے:

ا۔ حنفیہ کے ہاں...... ❶ جو شخص دروازوں وغیرہ میں استعمال ہونے والی لکڑی غصب کرے اس پر عمارت تعمیر کرے اور عمارت کی قیمت اس لکڑی سے زیادہ ہو تو مالک کی ملکیت اس سے زائل ہو جاتی ہے اور غاصب پر اس کی قیمت لازم ہو جاتی ہے اس لیے کہ اب یہ دوسری چیز بن گئی اور اس کے اکھاڑنے میں غاصب کی عمارت کا نقصان ظاہر ہے جس میں مالک کا بھی کوئی فائدہ نہیں اور مالک کا نقصان ضمان سے پورا ہوگا اور اسلام میں ضرر نہیں لیکن اگر اس لکڑی کی قیمت عمارت سے زیادہ ہو تو مالک کی ملکیت زائل نہیں ہوگی اس لیے کہ اس مالکے ضرر کو اختیار کیا ہے جو اعون الشرین ہے کما هو القاعدة قاضی زادہ نے تکملہ فتح القدیر میں اس فرق پر رد کیا ہے اور فرمایا کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ لکڑی کی قیمت عمارت سے زیادہ ہو یا کم اس لیے کہ مالک کا نقصان قیمت سے پورا کیا جا رہا ہے اور غاصب کا ضرر ضرر محض ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قیمت سے پورا ہونے والا ضرر ضرر محض سے کم ہے لہٰذا ضرر اعلیٰ کا ارتکاب نہیں کیا جائے گا جب کہ ضرر ادنیٰ پر عمل ممکن ہے اور اس مسئلہ ساجہ میں یہ قاعدہ کی اشد ضرر اخف سے زائل ہو سکتا ہے پر عمل کیا جائے گا۔

رہ گیا صحن والا مسئلہ...... اگر کسی نے زمین غصب کی اور اس میں درخت لگائے یا عمارت تعمیر کی اور صحن کی قیمت زیادہ تھی تو غاصب کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ درخت اکھاڑ دے اور عمارت گرا دے اور زمین فارغ اور خالی مالک کے حوالے کرے اس لیے کہ زمین حقیقتاً حنفیہ کے ہاں غصب نہیں ہوتی اس لیے اس میں مالک کا حق باقی ہے جیسے پہلے تھا غاصب نے اسے مشغول کر دیا تو اسے فارغ کرنے کا حکم دیا جائے گا اس لیے کہ ظالم کا کوئی حق نہیں اور اگر عمارت کی قیمت زیادہ ہو تو غاصب مالک زمین کو زمین کی قیمت دیدے اور زمین لے لے اور اگر درخت

❶ ...... الدر المختار ۱۳۵/۵۔

اکھاڑنے میں زمین میں کمی آئی ہو یا عمارت گرانے میں تو مالک غاصب کو ملبہ اور اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت دے دے دوطرف کی مصلحت کی رعایت اور ضرر دفع کرتے ہوئے زمین کی قیمت لگائی جائے بغیر درختوں اور عمارت کے اور پھر درختوں اور عمارت جو اکھیڑنے اور گرانے کے مستحق ہیں کی قیمت لگائی جائے پھر وہ فرق کا ضامن ہو اور جب غاصب نے زمین پر کھیتی کی اب اگر زمین اس کی ملکیت ہو اور اگر اس کے مالک نے اسے زراعت کے لیے تیار کیا ہوا ہو تو معاملہ مالک اور غاصب کے درمیان زراعت کا ہوگا اور عرف سے دونوں کے حصہ میں فیصلہ کیا جائے گا نصف ربع وغیرہ اور اگر اس نے اجارہ کے لیے رکھی ہوئی ہو تو پیداوار زراعت کرنے والے کی ہوئی اور اس پر زمین کی اجرت مثل ہوگی اگر مذکورہ صورتوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو غاصب پر زراعت سے جو زمین میں نقصان آیا ہے ہوگا لیکن زمین اگر وقف کی ہو یا یتیم کی ہو تو عرف کا اعتبار ہوگا اگر اس کے لیے نفع بخش ہو اور اگر عرف نفع بخش نہ ہو تو پھر اجرت مثل ہوگی ان کا قول ہے جو نفع للوقف ہے اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

۲۔ مالکیہ کے ہاں

الف۔عمارت......جس نے زمین غصب کی یا لکڑی وغیرہ اس پر عمارت بنائی یا اس سے عمارت بنائی تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو عمارت گرادے یا اسے باقی رکھے اور غاصب کو سامان کی قیمت دے دے اکھیڑنے اور گرانے کی اجرت نکالنے کے بعد چونے رنگ وغیرہ کی قیمت نہیں دے گا۔ یہ مالک کی مصلحت کو ترجیح دیتے ہیں اور جس نے لکڑیاں غصب کیں اور ان پر عمارت بنائی تو مالک انہیں لے لے اگر چہ دیواریں گر ہی جائیں یہی شوافع کا قول ہے۔

ب۔درخت لگانا......جس نے زمین غصب کی اور اس پر درخت لگائے تو اسے اکیڑنے کا حکم نہیں دیا جائے گا بلکہ مالک اسے اکھیڑنے کی اجرت نکال کر قیمت دے دے عمارت کی طرح۔ اگر کسی نے درخت غصب کئے اور اپنی زمین میں لگائے تو اسے اکھیڑنے کا حکم دیا جائے گا۔

ج......اگر مغصوبہ زمین میں کھیتی باڑی کردی اگر مالک نے زراعت کے لیے زمین لی ہو تو اس اختیار ہے چاہے تو کھیتی اکھیڑ دے یا غاصب کے لیے چھوڑ دے اور کرایہ لے لے لیکن اگر زراعت ہونے کے بعد لیا تو اس بارے اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ اسے اختیار ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ صرف کرایہ لے سکتا ہے اور کھیتی مزارع کی ہوگی۔

۳۔شوافع کے ہاں......غاصب کو عمارت گرانے اور زمین سے درخت اکھیڑنے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر اس سے کوئی نقصان ہوا تو اس کی دیت ادا کرے گا اور زمین جیسے تھی اسی طرح واپس کی جائے اور مدت غصب کی اجرت مثل دی جائے گی اگر اس کی مثل کے لیے اجرت ہو اس لیے کہ ظالم کے لیے کوئی حق نہیں اگر مالک قیمت ادا کرکے مالک بننا چاہتا ہو یا اسے اجرت پر باقی رکھنا چاہتا ہو تو اصح قول کے مطابق یہ چیزیں غاصب لازم نہیں ہیں اس لیے کہ بغیر دیت کے بھی اکھیڑنا ممکن ہے اور اگر مالک زمین میں بیج چھوڑنے پر راضی ہو تو غاصب اس کو نکال نہیں سکتا، جیسے غاصب مغصوبہ گھر سے رنگ اتارنے کا مالک نہیں جب مالک اس کے چھوڑنے پر راضی ہو خلاصہ یہ کہ مالک کو حق ہے کہ وہ غصب کے آثار بغیر ضرر کے زائل کرے۔

۴۔حنابلہ کے ہاں......بھی حکم شوافع کی طرح عمارت اور درخت لگانے میں حدیث پر عمل کرتے ہوئے، رہ گئی زمین پر زراعت کی صورت تو اس میں وہ مالک کو اختیار دیتے ہیں کھیتی پکنے تک چھوڑ دے اور زمین کی اجرت اور غاصب کی جانب سے نقصان کی دیت لے لے اور اسے نفقہ دے دے حدیث کی وجہ سے جو کسی کی زمین میں کھیتی کرے ان کی اجازت کے بغیر تو کھیتی میں سے اس کا کچھ نہیں اس کے لیے

صرف نفقہ ہے اور ایک اور حدیث میں ہے اپنی کھیتی لے لو اور نفقہ خرچہ واپس کر دو۔ یہ درمیانی رائے ہے اور تطبیق کے اعتبار سے قابل ہے۔

۵۔ شیء مغصوب کے غلہ و منافع کا ضمان ...... یہ بات پہلے مغصوب کے منافع کے بیان میں آ گئی ہے کہ شیء مغصوب کا غلہ یعنی اجارہ سے حاصل ہونے والی اجرت وغیرہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں حلال نہیں غاصب کے لیے اس لیے کہ منافع سبب خبیث سے حاصل ہوا ہے اور یہ غیر کی ملکیت میں تصرف ہے اور اس کو صدقہ کرنا ضروری ہے۔ امام ابو یوسف اور امام زفر کے ہاں: غاصب کے لیے نفع حلال ہے جب اس کا ضمان دے دے اس لیے کہ شیء مغصوب ضامن ادا کرنے کی وجہ سے اس کی مملوکہ ہے قاعدہ ہے کہ جو چیزیں مضمون نہیں ضمان ادا کرنے کی وجہ سے آدمی اس کا مالک بن جاتا ہے اور یہ غصب کے وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ رہ گئے عقار کی رہائش کے منافع اور گاڑی پر سواری جانور پر سواری اور کپڑے پہننا زمین میں زراعت کرنا تو حنفیہ کے ہاں ضامن نہیں ہوگا صرف تین حالتوں میں ضمان ہوگا شیء مغصوب وقف ہو یا یتیم کا مال ہو یا سرمایہ کاری کے لیے رکھا ہوا مال ہو اس لیے کہ منفعت حنفیہ کے ہاں مال متقوم نہیں اور عقد اجارہ ہونے ہی سے متقوم ہوتی ہے نیز اس لیے بھی کہ شیء مغصوب اگر ہلاک ہو جائے تو غاصب ضامن ہوگا حدیث کی وجہ سے کہ استفادہ کی بنیاد ذمہ داری ہے یعنی نقصان نُفع ساتھ ساتھ یعنی جو نفع اٹھائے گا اسی کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اس وقت قاضی کے ذمہ صرف شیء مغصوب کو واپس کروانا ہے جب تک وہ موجود ہو اور ہلاک ہونے کی صورت میں اس کا مثل یا قیمت۔

حنفیہ کے علاوہ باقی ائمہ کے ہاں مغصوب کے منافع کا ضامن ہوگا اس لیے کہ منافع مال متقوم ہیں اعیان کی طرح نیز تمام اموال میں غرض منفعت ہی تو ہے جیسا کہ عز بن السلام نے فرمایا: الا یہ کہ مالکیہ کے ہاں اموال کے منافع زمین اور گھروں کے استعمال سے ضامن ہوگا اور ترک کی حالت میں ضامن نہ ہوگا یہ اس وقت ہے جب کسی چیز کی ذات غصب کرے لیکن اگر صرف نفع غصب کیا مثلاً دروازے کو تالا لگا دیا سواری روکے رکھی تو صرف اس کی وجہ سے ضامن ہوگا اگر چہ استعمال نہ بھی کرے شوافع اور حنابلہ کے ہاں غصب اور تعدی کی وجہ سے ان تمام اموال کے منافع کا ضامن ہوگا جن کی وجہ سے مال اجارہ پر لیا جاتا ہے چاہے غاصب منافع استعمال کرے یا نہ کرے۔

۶۔ غاصب اور مالک کا اختلاف ...... یہاں بہت ساری صورتیں ہیں مالک اور غاصب کے اختلاف کی جن کا ضمان کے تحمل میں اثر ہے اگر ہم غاصب کی بات کی تصدیق کریں تو وہ ضمان سے بری ہو جائے گا اور اگر مالک کی تصدیق کریں تو غاصب پر ضمان لازم ہوتا ہے فقہاء کا کلام اس بارے میں تفصیلی ہے جس کی ہم یہاں تلخیص پیش کرتے ہیں۔

الف۔ حنفیہ کے ہاں ...... جب غاصب کہے کہ شیء مغصوب میرے ہاتھ میں قدرتی طور پر ہلاک ہوئی ہے اور مالک اس کی تصدیق نہیں کرتا اور غاصب کے پاس گواہ بھی نہ ہو تو قاضی غاصب کو گرفتار کرے اتنی مدت کہ جس میں اس کی عادت ظاہر ہو سکے پھر اس پر ضمان کا فیصلہ کرے اس لیے کہ حکم اصلی غصب کا یہی ہے کہ عین مغصوبہ کو واپس کیا جائے رہ گئی قیمت تو وہ اس کا بدل اور خلیفہ ہے اگر اصل سے اور جب اصل ہو تو قیمت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا جو کہ خلیفہ ہے۔

اگر مالک اور غاصب کا اختلاف ہو جائے اصل غصب یا مغصوب کی جنس نوع مقدار صفت یا وقت غصب کی قیمت میں اختلاف ہو جائے تو ان سب حالتوں میں غاصب کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ اس لیے کہ مالک اس پر ضمان کا دعویدار ہے اور غاصب منکر ہے تو بات اسی کی معتبر ہوگی اس لیے کہ شریعت میں منکر پر قسم ہوتی ہے۔ اگر غاصب دعویٰ کرے مغصوب واپس کرنے کا مالک کو اور مالک کہے کہ مغصوب میں عیب پیدا ہوا ہے تو غاصب کی تصدیق گواہوں کے بغیر اس لیے کہ گواہ مدعی پر ہوتے ہیں۔ اگر دونوں کے گواہوں میں تعارض ہو گیا مالک نے گواہ قائم کئے کہ جانور اور گاڑی غاصب نے تلف کر دی سواری کر کے اور غاصب نے گواہ قائم کئے مالک کو واپس کرنے کا تو مالک کے گواہ قبول ہوں گے اور غاصب پر مغصوب کی قیمت ہوگی اس لیے کہ غاصب کے گواہ مالک کے گواہوں کا دفاع نہیں کر سکتے اس لیے کہ اس نے

مغصوب کو واپس کرنے پر گواہ قائم کیے ہیں اور یہ جائز تو ہے لیکن ہوسکتا ہے اس نے دوبارہ غصب کیا ہو اور ضائع کر دیا ہو۔

ب۔ مالکیہ کے ہاں...... بھی حنفیہ کی طرح ہی حکم ہے یعنی اگر غاصب اور مالک میں مغصوب کے تلف ہونے میں اختلاف ہو جائے یا اس کی جنس صفت یا مقدار میں اور کسی ایک کے پاس بھی گواہ نہ ہوں تو غاصب کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ۔

ج۔ شوافع اور حنابلہ...... کے ہاں اگر غاصب اور مالک میں شیءِ مغصوب کی قیمت کے متعلق اختلاف ہو جائے مثلاً غاصب کہے اس کی قیمت دس روپے ہے اور مالک کہے بارہ روپے ہے تو غاصب کی تصدیق کی جائے گی قسم کے ساتھ اس لیے کہ اصل اضافہ کا ذمہ سے بری ہونا ہے اور مالک پر گواہ ہیں۔ اور اگر دونوں مغصوب کے ضائع ہونے میں اختلاف کریں مالک کہے وہ باقی ہے غاصب کہے ضائع ہو گیا ہے تو غاصب کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی اس لیے کہ تلف پر گواہ قائم کرنا متعذر ہیں۔ اسی طرح اگر شیءِ مغصوب کی مقدار وغیرہ میں اختلاف ہو جائے اور کسی ایک کے پاس بھی گواہ نہ ہوں تو مالک کا قول معتبر ہوگا اس لیے کہ اصل واپس نہ کرنا ہے اسی طرح اگر مغصوب میں کسی عیب کے متعلق اختلاف ہو جائے تلف ہونے کے بعد غاصب کہے وہ مریض تھا یا اندھا تھا اور مالک اس کا انکار کرے تو مالک کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی اس لیے کہ اصل یہ ہے کہ عیبوں سے پاک ہو یہ حنفیہ کی رائے کے موافق ہے۔

خلاصہ یہ کہ غاصب کی تصدیق کی جائے گی جب مغصوب کے تلف اور باقی ہونے میں یا اس کی مقدار اور قیمت میں یا اس کی صفت وغیرہ میں اختلاف ہو اور مالک کی تصدیق ہوگی جب اختلاف واپس کرنے میں ہو دونوں کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی۔ اسی طرح ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے غاصب اور مالک کے دعویٰ کی صورت میں۔

۹۔ غاصب الغاصب...... کسی نے کسی کی کوئی چیز غصب کی پھر اس سے کسی اور نے غصب کر لی اور اس کے پاس وہ ہلاک ہوگئی تو ائمہ اربعہ کے ہاں مالک کو اختیار ہے چاہے تو پہلے غاصب کو ضامن قرار دے کیونکہ غصب اسی نے کیا ہے اور مالک کا قبضہ اسی نے زائل کیا ہے اور چاہے تو دوسرے غاصب یا تلف کرنے والے سے ضمان لے چاہے اسے غصب کا علم ہو یا نہ ہو اس لیے کہ دوسرے غاصب نے پہلے غاصب کا قبضہ زائل کیا ہے جو کہ مالک کے حکم میں ہے کہ وہ اس کے مال کی حفاظت کر رہا ہے اور مالک کو واپس کرنے پر قادر ہے نیز اس کا قبضہ غیر کے مال پر اس کی اجازت کے بغیر ثابت ہوا ہے اور جہالت ضمان کو ساقط نہیں کرتی، نیز تلف کرنے والے نے شیء کو تلف کیا ہے اور یہ تقاضا ہے اس کا جو قانونی طور پر معروف ہے کہ یعنی حق مالک کا ہے مغصوب میں اور اس کے خواص میں سے ہے عین مغصوبہ کو تلاش کرنا چاہے جس کے قبضہ میں وہ عین پائی جائے۔ اگر مالک نے پہلے کو ضامن قرار دیا جب کہ شیءِ مغصوب دوسرے غاصب کے پاس ہلاک ہوئی تھی تو غاصب اول دوسرے پر رجوع کرے گا ضمان کا اس لیے کہ یہ ضمان کی قیمت دینے کی وجہ سے مالک ہوگیا حنفیہ کے ہاں شیءِ مغصوب کا غصب کے وقت سے تو دوسرا پہلے کی ملکیت کو غصب کرنے والا ہوا اور پہلے غاصب کا رجوع کرنا دوسرے پر اس سب کی وجہ سے ہے کہ وہ مال کا نقصان ہے اس کے ہلاک ہونے کی وجہ سے۔

اگر مالک نے دوسرے غاصب یا تلف کرنے والے سے ضمان لیا تو یہ کسی ایک پر ضمان میں رجوع نہیں کرے گا اور ضمان اس کے ذمہ میں ثابت ہوگا اس لیے کہ وہ اپنے فعل کا ضامن ہوا ہے اور وہ مالک کا قبضہ زائل کرنا ہے یا اسے ہلاک کرنا ہے۔ اور مالک کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ کچھ ضمان ایک سے لے لے اور کچھ دوسرے سے الا یہ کہ حنفیہ ابتداءً اس اختیار کی حالت کو مستثنیٰ کرتے ہیں اور وقف شدہ شیءِ مغصوب کو جب غصب کیا جائے اور غاصب ثانی پہلے سے زیادہ مالدار ہو تو متولی و منتظم وقف صرف دوسرے کو ضامن بنائے گا۔

حنفیہ کے ہاں راجح یہ ہے کہ مالک جب کسی ایک غاصب کو ضامن بنائے تو دوسرا ضمان سے بری ہو جائے گا اگر وہ دوسرے کو بھی ضامن بنانا چاہے تو اسے اس کا اختیار ہے۔ جب دوسرا غاصب پہلے غاصب کو واپس کر دے تو وہ ضمان سے بری ہو جائے گا اور اگر مالک کو واپس

کر دے تو دونوں بری ہو جائیں گے۔

غاصب اور جس کے ساتھ وہ رھن وغیرہ کا تصرف کرے.....حنفیہ کے ہاں مالک کو اختیار ہے کہ وہ غاصب اول کو یا مرتہن کو یا مستاجر کو یا مستعیر کو یا غاصب اول سے خریدنے والے کو یا جس ودیع کے پاس غاصب اول نے ودیعت رکھی کو ہلاک ہونے کی صورت میں ضامن بنائے اگر غاصب اول کو ضامن قرار دیا تو ضمان اسی پر ہوگا اور وہ کسی سے کسی چیز کا رجوع نہیں کرے گا لیکن اگر اس نے ضمان مرتہن وغیرہ سے لیا تو یہ غاصب اول پر رجوع کریں گے کیونکہ یہ اس کے لیے کام کر رہے تھے اور مشتری جب ضامن بنے گا تو وہ ثمن کا رجوع غاصب پہ کرے گا اس لیے کہ بائع استحقاق مبیع کی صورت میں ضامن ہوتا ہے اور قیمت واپس کرنا عین واپس کرنے کی طرح ہے رہ گیا عاریت کے طور پر لینے والا غاصب سے اور موہوب وغیرہ تو ضمان انہیں پر ہوگا اگرچہ وہ غصب سے ناواقف ہی کیوں نہ ہوں اس لیے کہ وہ اپنے لیے کام کر رہے تھے۔

شوافع کے ہاں......غاصب کے قبضہ پر مرتب قبضہ ضمان کا قبضہ ہے اگرچہ وہ غصب سے لاعلم ہوں اس لیے کہ انھوں نے غیر کی ملکیت پر قبضہ کیا ہے غیر کی اجازت کے بغیر اور لاعلمی ضمان کو ساقط نہیں کرتی بلکہ صرف گناہ نہیں ہوتا لہٰذا ان میں سے جس سے چاہے مالک مطالبہ کر سکتا ہے لیکن غاصب سے لینے والے پر ضمان غصب معلوم ہونے کی صورت میں ہوگا تا کہ اس پر غصب کا معنی صادق آئے اور اگر انہیں معلوم نہیں تو پھر اصل غاصب کا قبضہ ضمان کا ہے اگر وہ لاعلم ہوں غصب سے تو ان کا قبضہ قبضہ امانت ہوا جیسے ودیع مضارب وغیرہ تو اس صورت میں صرف غاصب پر ضمان ہوگا لینے والے پر نہیں اس لیے کہ یہ غاصب کے ساتھ معاملہ نائب ہونے کی حیثیت سے کر رہے ہیں اور موہوب لہ پر ضمان ثابت ہے اگرچہ اس کا قبضہ کا نہیں لیکن چیز مالک بننے کے لیے لی جاتی ہے اور اسی پر غصب معلوم نہ ہونے کا حالت میں حنفیہ اور شوافع کے ہاں ضمان عاریت کی طور پر لینے والے اور موہوب لہ اور متصدق پر ہوگا صرف رہ گیا ودیع اور مضارب تو ان میں سے ہر ایک میں سے بہذا ضمان غاصب پر ہوگا اور حنفیہ اور شوافع کے ہاں غاصب یا آخذ کے ضامن بننے میں کوئی اختلاف نہیں۔

• **مال مغصوب کا خرچہ**......دوران غصب مغصوب کا نفقہ اور خرچہ غاصب پر ہوگا اس کے ظلم و تعدی کی وجہ سے مالکیہ کی کتابوں میں ہے جو کچھ غاصب مغصوب پر خرچ کرے جیسے جانور کا چارہ زمین کو سیراب کرنا اور اس کی اصلاح اور درختوں کی دیکھ بھال وغیرہ جو چیزیں مالک کے لیے ضروری تھیں تو یہ نظیر ہیں اس سرمایہ کاری کی جو غاصب نے حاصل کی مغصوب قبضہ میں ہوتے وقت اگرچہ اس نے ظلم کیا ہے لیکن اس پر ظلم نہیں کیا جائے گا اگر نفقہ نفع کے برابر ہے تو یہ واضح ہے اور اگر نفقہ زیادہ ہو نفع سے تو غاصب زائد کی صورت میں رجوع کا حقدار نہیں جیسے کہ مغصوب سے نفع نہ ہونے کی صورت میں تو ظلم کی وجہ سے نفقہ میں رجوع نہیں کر سکتا اور اگر اس کا نفع زائد ہو نفقہ سے تو مالک غاصب پر رجوع کرے گا حنابلہ اس بات میں منفرد ہیں کہ غاصب کو نفقہ دیا جائے گا زمین کے غصب اور اس پر زراعت کی صورت میں اور مالک کو اختیار ہے کہ وہ پیداوار رکھ لے اور غاصب کو اس کا نفقہ دے دے حدیث مذکورہ پر عمل کرتے ہوئے جو کسی قوم کی زمین پر ان کی اجازت کے بغیر زراعت کرے تو اس کے لیے پیداوار زمین سے کچھ بھی نہیں اور اس کے ذمہ اس کا نفقہ ہے اور دوسرا اختیار یہ ہے کہ مالک پکنے تک کھیتی زمین میں رہنے دے اور غاصب سے زمین کی اجرت اور نقصان کی دیت لے لے۔

دوسری بحث: مال ضائع کرنا اور اس کا حکم......اس بحث میں تین مطلب ہیں اور ملحقات ہیں اتلاف مالی سے بحث ہوگی جو غصب کے بعد یا اس کے ساتھ ہوتی ہے اس لیے یہ اس کا حکم ضمان کے اعتبار سے لیتا ہے۔

پہلا مقصد......اتلاف کی تعریف اور اس کا ضمان کا سبب ہونا۔ دوسرا مقصد اتلاف کے ذریعہ ضمان واجب ہونے کی شرط۔ تیسرا

مقصد..... ضمان کی کیفیت و ماہیت: ان کی تفصیل یہ ہے۔

پہلا مقصد: اتلاف کی تعریف اور اس کا ضمان کا سبب ہونا: اتلاف..... یہ کہ کسی چیز کو منفعت مطلوبہ سے نکالنا یہ موجب ضمان سبب ہے اس لیے کہ یہ تعدی اور ضرر ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ..... البقرۃ: ۲، ۱۹۴

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لاضرر ولاضرار فی الاسلام کہ اسلام میں کا اصول یہ ہے کہ نہ ضرر پہنچے اور نہ ضرر پہنچایا جائے جب غصب پر ضمان واجب ہے تو اتلاف پر بطریق اولیٰ واجب ہے اس لیے کہ ضرر محض اور تعدی ہے۔

اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ اتلاف مباشرۃ ہو مثلاً محل تلف کو بغیر کسی واسطے کہ نقصان پہنچانا، یا بطور سبب ہو وہ یہ کہ ایسا کام کرنا ایسی جگہ جو تلف کا سبب بنے۔ جیسا کہ اتلاف کے ضمان میں فرق نہیں پڑتا عمداً ہو یا خطاءً اور نہ ہی بلوغ اور عدم بلوغ اور تمیز یا عدم تمیز ہے پس تلف کرنے والا چاہے عمداً کرے یا خطاءً ائمہ اربعہ کے ہاں وہ ضامن ہے اسی طرح جمہور فقہاء کے ہاں بڑا چھوٹا پاگل سویا ہوا سب ضامن ہیں، البتہ مالکیہ نے سمجھدار اور ناسمجھ بچے میں فرق کیا ہے سمجھدار بچہ نقصان پورا کرے گا اگر اس کے پاس مال ہو اور اگر مال نہ ہو تو اس کا پیچھا کیا جائے گا۔ رہ گیا ناسمجھ بچہ تو تلف کرنے کی صورت میں اس پر کچھ نہیں جیسے عجماء پر اور اسی طرح مجنون بھی ہے ہاں مالکیہ کے ہاں معتمد یہ ہے کہ بغیر کسی فرق کے سمجھدار ناسمجھ کے تو نقصان پورا کرنے کے لیے سب پر ضمان ہے۔ البتہ بعض صورتوں میں فقہاء کرام سبب بننے کی تقدیر میں اختلاف کرتے ہیں۔ کچھ یہ ہیں۔

پہلی بات: دروازہ کھولنا یا جانور کی رسی کھولنا..... جس شخص نے دکان کا دروازہ کھولا پھر اسے اسی طرح کھلا چھوڑ دیا مال کسی نے چوری کر لیا یا چور کو بتایا یا ظالم کو بتایا یا کسی نے پنجرہ کا دروازہ کھولا اور پرندہ اڑ گیا یا جانور کی رسی کھول دی وہ بھاگ گیا یا اصطبل کا دروازہ کھولا گھوڑے نکل گئے یا کشتی کی رسی کھول دی وہ غرق ہو گئی یا ہوا سے گئی ان تمام مثالوں میں امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں سبب بننے والا ضامن نہیں اس لیے کہ صرف کھولنا وغیرہ اتلاف نہیں نہ مباشرۃ نہ تسببا اس لیے کہ تلف میں ایک اور عنصر کارگر ہے وہ چوری، اڑنا بھاگنا اور غرق ہونا وغیرہ ہے چور مباشر ہے پرندہ اور جانور جس نے بھاگنا اختیار کیا پانی اور ہوا غرق کرنے اور ضائع کرنے کے سبب ہیں پس صرف دروازہ کھولنا اور رسی وغیرہ کھولنا سبب محض نہیں لہٰذا ان کے لیے حکم بھی نہیں۔

مالکیہ حنابلہ اور امام محمد بن حسن کے ہاں یہ سبب بننے والا ضامن ہے اس لیے کہ وہ اتلاف کا متسبب ہے اور طبعی اور عادی طور پر ضرر کا ہونا متوقع ہے یہی رائے منطقی اعتبار سے درست ہے اور مجلہ میں دفعہ ۹۲۲ پر اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

شوافع نے اس معاملہ میں تفصیل کی ہے جس نے پنجرے کا دروازہ کھولا اور پرندے کو اڑنے پر ابھارا تو وہ اس حالت میں ضامن ہوگا اس لیے کہ اس نے اسے اڑنے پر مجبور کیا ہے لیکن اگر اس نے صرف دروازہ کھولا اظہر یہ ہے کہ اگر وہ اسی حالت میں اڑ گیا تو ضامن ہوگا اس لیے کہ اس کا فی الحال اڑنا اس کے فرار کرنے کی خبر دیتا ہے اگر پرندہ رکا رہا پھر بعد میں اڑا تو یہ ضامن نہیں ہوگا اس لیے کہ بعد میں اڑنا اس کے اختیار سے ہے یہی تفصیل جانور کی رسی اور اصطبل کا دروازہ کھولنے پر منطبق ہوتی ہے اسی طرح اگر وہ کسی برتن وغیرہ میں موجود سامان یا گھاس وغیرہ کی رسی کھولے اور جانور اسے فی الحال کھالے تو یہ ضامن ہوگا اور اگر کسی نے دکان کا دروازہ کھولا اس سے کسی نے چوری کر لی یا چور کی رہنمائی کی اس نے چوری کر لی تو اس پر کوئی ضمان نہیں کیونکہ اس سے ایسا سبب نہیں بنا جس سے ضمان معلق کرنا ممکن ہو اور اگر کشتی کی رسی کھولی وہ غرق ہو گئی اگر فی الحال غرق ہوئی تو ضامن ہوگا اس لیے کہ یہ اس کے فعل سے تلف ہوئی اور اگر ٹھہری رہی پھر غرق ہوئی اب اگر ہوا کی وجہ سے ہوئی تو ضامن نہیں ہوگا اس لیے کہ اس کے فعل سے غرق نہیں ہوئی اور اگر کسی نئے سبب سے ہلاک نہ ہوئی تو اس میں دو رائے ہیں ایک یہ کہ

ضامن نہ ہوگا دوسرے یہ کہ ضامن ہوگا۔

دوسری بات: گھی کا برتن کھولنا......اگر کسی شخص نے گھی تیل وغیرہ کے برتن کا منہ کھولا جو کچھ اس میں تھا وہ بہہ گیا تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں: اگر تیل اور گھی وغیرہ پگھلے ہوئے تھے اور بہہ گئے تو ضامن ہوگا اور اگر گھی وغیرہ جامد تھا پھر سورج سے پگل کر بہہ گیا تو ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ مائع چیز بہتی ہے اپنی طبیعت کے اعتبار سے جب بھی اسے سوراخ ملے کہ عادۃً اس کا روکنا مشکل ہوتا ہے پس رسی کھولنا اس کا اتلاف ہے رہ گئی جامد چیز تو وہ اپنی طبیعت کے اعتبار سے نہیں بہتی اگر وہ سورج کی حرارت کی وجہ سے بہہ جائے تو برتن کھولنے والا اتلاف کا سبب نہیں ہوگا اور نہ ہی مباشر مالکیہ، حنابلہ اور امام محمد بن حسن کے ہاں: جو شخص کسی کا مشکیزہ کھولے اور اس میں مائع تیل ہو وہ بہہ جائے تو ضامن ہوگا یا جامد چیز کی رسی کھول دی پھر سورج کی حرارت سے گرم ہو کر وہ بہہ گئی یا برتن سیدھا تھا ہوا نے اسے الٹا دیا یا زلزلہ نے اور اس میں جو کچھ تھا وہ فی الحال بہہ گیا یا تھوڑا تھوڑا ہو کر بہہ گیا تو ان تمام صورتوں میں وہ ضامن ہوگا، شوافع نے تفصیل کی ہے: کہ اگر برتن زمین پر پڑا ہوا ہو کھولنے سے جو کچھ اس میں وہ نکل کر تلف ہو جائے تو ضامن ہوگا اگرچہ وہ سورج کی تپش سے ہوا سے یا وقت گزرنے سے بہہ جائے تب بھی ضامن ہوگا اس لیے کہ یہ اتلاف اس کے فعل کی وجہ سے ہوا ہے چاہے مالک موجود ہو یا نہ ہو اور یہ روکنا ممکن تھا لیکن اس نے نہیں روکا۔

اور اگر برتن کسی چیز پر نصب تھا اس نے کھول دیا اب اگر کھولنے کی وجہ سے وہ گر گیا اور جو کچھ اس میں تھا وہ نکل گیا یا نیچے سے ابلنے کی وجہ سے تو ضامن ہوگا اور اگر ہوائی وجہ سے یا زلزلہ کی وجہ سے گرا یا کسی پرندے وغیرہ کی وجہ سے تو ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ تلف اس کے فعل سے حاصل نہیں ہوا۔

تیسری بات: خوف......اگر حاکم نے کسی عورت کی طرف مجلس قضاء میں بلانے کے لیے کسی کو بھیجا اس کا بچہ خوف کی وجہ سے گر گیا اور اس عورت کی عقل ماؤف ہوگئی تو امام ابوحنیفہ اور ابن حزم کے ہاں اس میں کسی پر کوئی ضمان نہیں اس لیے کہ سبب نتیجہ سے متصل نہیں اور جمہور فقہاء کے ہاں حاکم دیت کا ضامن ہوگا حادثہ عمر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اس بارے میں جنایات میں تفصیلی بات ہوگئی ہے۔

چوتھی بات: روکے رکھنا اور حائل ہونا......جس شخص نے مالک کو اپنے مال سے روکے رکھا یہاں تک کہ مال تلف ہو گیا یا جانوروں سے روکے رکھا اور وہ مر گئے تو جمہور حنفیہ کے ہاں اگر مال منقول ہے تو ضامن ہوگا اور اگر عقار ہے تو ضامن نہ ہوگا یہ رائے تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی ہے جو عقار کے غصب کے قائل نہیں اور امام محمد کے ہاں عقار میں بھی جاری ہوتا ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں......جو بھی یہ عمل کرے گا وہ ضامن ہوگا کیونکہ یہی سبب ضمان ہے شوافع کے ہاں اگر سبب بننے والے کا ارادہ مالک کو ملکیت سے روکنا ہو تو ضامن ہوگا یہی حائل ہونے کی ابتداء ہے کہ کسی شخص اور اس کے مال کے درمیان حائل ہو جائے کہ وہ چیز تلف ہو جائے اگرچہ مالک کو ملکیت سے منع کرنے کا ارادہ نہ ہو اور وہ ضامن نہ ہو اس لیے کہ اس نے مال میں تصرف نہیں کیا بلکہ مالک میں تصرف کیا ہے؟ اس سے ظاہر ہوا کہ مالک اور اس کی ملکیت کے درمیان حائل ہونا اسباب ضمان میں سے چوتھا سبب ہے۔ جمہور فقہاء کے ہاں اور حنفیہ کے صرف منقول میں۔

دوسرا مقصد: اتلاف کی وجہ سے ضمان واجب ہونے کی شرطیں......اتلاف کے سبب سے ضمان ہونے کی شرطیں یہ ہیں۔

۱.....تلف ہونے والی چیز مال ہو لہٰذا مردار کے تلف اور اس کی کھال، خون، مٹی، کتا، نجس گوبر وغیرہ کو تلف کرنے پر ضمان نہیں۔

۲.....متلف علیہ کی نسبت سے وہ منقول ہو اور متقوم وہ ہے جس سے حالت اضطرار کے علاوہ نفع اٹھانا جائز ہو چنانچہ مسلمان کی شراب

اور خنزیر کے تلف پر ضمان نہیں چاہے تلف کرنے والا مسلمان ہو یا ذمی اس لیے کہ مسلمان کے حق میں شراب اور خنزیر کی کوئی قیمت نہیں اس لیے کہ شرعاً اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں لہٰذا ان کی کوئی قیمت نہیں۔رہ گئیں غیر مسلم ذمی کی شرابیں اور خنزیر تو چاہے مسلمان یا ذمی نقصان کرے ضامن ہوگا مسلمان کے ذمہ قیمت لازم ہوگی اور غیر مسلم کے ذمہ مثل لازم ہوگا حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں شوافع اور حنابلہ کے ہاں ضامن نہیں اس لیے کہ خون مردار اور تمام نجس چیزوں کی طرح ان کی کوئی قیمت نہیں اور جس سے نفع اٹھانا حرام ہو اس کا بدل نہیں ہوتا جیسا کہ غصب غیر متقوم میں بیان ہوا جمہور فقہاء اور ان میں صاحبین بھی ہیں کے ہاں بتوں کو توڑنے گانا گانے کے آلات جیسے مزمار رباب اور باجا وغیرہ موسیقی کے آلات توڑنے پر ضمان نہیں کیونکہ ان کی کوئی قیمت نہیں اس لیے کہ ان سے نفع اٹھانا حرام ہے اور اس کے مقابل میں کوئی چیز نہیں آسکتی لہٰذا ان کی کوئی قیمت نہیں الخ۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں......صرف لکڑی کے اعتبار سے ضامن ہوگا اس لیے کہ یہ آلات جس طرح لہو فساد کے لیے استعمال ہوتے ہیں اسی طرح دوسرے اعتبار سے یہ نفع کے قابل بھی ہیں لہٰذا یہ مال متقوم ہیں۔

اسی طرح وہ احوال جو مباح ہیں اور کسی کی ملک میں نہیں۔ان کو تلف کرنے پر ضمان نہیں کیونکہ یہ قیمتی نہیں اس لیے کہ قیمت ہوتی ہے کسی چیز کے عزیز ہونے اور اہمیت والی ہونے کی وجہ سے اور یہ صورت حفاظت اور غلبہ پانے سے حاصل ہوتی ہے۔اسی طرح فاسق اور گمراہ لوگوں کی کتابیں جلانے پر بھی ضمان نہیں اس لیے کہ یہ جھوٹ پر مشتمل ہوتی ہیں اور ان کی وجہ سے لوگوں کا عقیدہ اور وحدت پارہ پارہ ہوجاتی ہے لہٰذا ان کا ضائع کرنا اور انہیں مٹانا واجب ہے اور ان کا جلانا زیادہ اولیٰ ہے آلات لہو کے ختم کرنے سے اس لیے کہ ان کتابوں کا نقصان دوسری چیزوں سے زیادہ ہے اور اس میں ضمان نہیں جس طرح شراب کے برتن اور مٹکے توڑنے میں ضمان نہیں اور صحابہ کرام ان تمام مصاحف کو جلادیا تھا جو ایک خط کے مصحف کے علاوہ تھے یعنی حضرت عثمان کے مصحف کے علاوہ جب انہیں خطرہ ہوا امت میں اختلاف کا تلاوت اور لہجہ میں فرق کی وجہ سے۔

۳۔تلف اور ضرر دائمی ہو......پس اگر چیز اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ آئی تو اس پر ضمان نہ ہوگا مثلاً مریض کا علاج کروادیا یا اس مدت میں جانور کے دانت پیدا ہوگئے اس لیے کہ نقصان جو اس کے پاس ہوا تھا وہ ختم ہوگیا تو نقصان ہوا ہی نہیں اور نقصان کی وجہ سے متعدی سے جو کچھ لیا گیا تھا وہ واپس کیا جائے گا اس لیے کہ ظاہر ہوگیا نقصان موجب ضمان نہ تھا اس لیے کہ شرط وجوب نہ پائی گئی وہ دائمی طور پر نفع اٹھانے سے عاجز آجانا ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے صاحبین کے ہاں جنایت کرنے والے پر کامل دیت ہے اس لیے کہ جنایت دیت کی موجب ہے جو واقع ہوئی اور جو دانت وغیرہ پیدا ہوئے اللہ تعالیٰ کی جدید نعمت ہے۔

۴۔تلف شدہ چیز ضمان کی اہل ہو......اگر کسی کے جانور نے کوئی مال ضائع کردیا تو ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ جانوروں سے جو نقصان پہنچا اس کا کوئی بدل نہیں۔اور مالکیہ کے ہاں تمیز وغیرہ کوئی شرط نہیں وجوب ضمان کے لیے۔

۵۔ضمان واجب کرنے میں کوئی فائدہ ہو......تاکہ صاحب حق وصول کرکے اپنے حق تک پہنچے اگر ضمان میں کوئی فائدہ نہ ہو یعنی اگر صادر حکم کے نفاذ پر قدرت نہ ہو تو ضمان نہیں۔اسی بناء پر مسلمان پر حربی کا مال ضائع کرنے پر کوئی ضمان نہیں اور نہ ہی دارالحرب میں حربی کے ذمہ ضمان ہے جب وہ مسلمان کا مال ضائع کردے اس لیے کہ حاکم شہر کو دوسرے شہر کے افراد پر حکم کا اختیار اور ولایت حاصل نہیں اور نہ ہی ان کا مال محترم ہے۔یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے مال کے محترم ہونے کی شرط لگائی ہے پس حربی کا مال شریعت کی نظر میں مباح ہے جو اسے لے گا وہ غاصب شمار نہ ہوگا❶ اسی طرح اگر کوئی عادل جب باغی کا مال تلف کردے تو اس پر ضمان نہیں اور باغی کردے عادل کا مال تلف تو اس پر بھی

❶......نہایۃ المحتاج: ۴/۱۱۱۔

ضمان نہیں کیونکہ ضمان وصول کرنے کا امکان نہیں حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات نے قید لگائی ہے کہ عادل اور باغی لوگوں کے اوپر ضمان دوران لڑائی نہیں۔ شوافع نے اضافہ کیا ہے اس شرط پر کہ مال پر قبضہ ثابت ہو لہٰذا ضامن نہیں ہوگا اگر پرندہ دور سے دیکھ کر بھاگ جائے اور پنجرے سے نکل جائے اور مشتری قبضہ سے پہلے مبیع کے تلف ہونے کی وجہ سے ضامن نہیں ہوگا۔

رہ گئی شرائط جو سبب کی وجہ سے تلف ہونے پر ضمان کے لیے ضروری ہیں وہ تین ہیں جیسے حنفیہ نے ذکر کیا۔

۱۔ تعدی...... سبب بننے والے کی طرف سے تعدی ہو یعنی حق سے تجاوز یا جس کی شریعت نے گنجائش دی ہوئی ہے مثلاً کوئی شخص کنواں کھودے عام راستے میں حاکم کی اجازت کے بغیر یا کسی غیر کی ملکیت میں ظلماً یا ضرر لاحق ہونے کی احتیاطیں اور تدابیر اختیار نہ کرے اگر چہ اجازت ہی سے ہو اس میں اگر کوئی انسان جانور وغیرہ گر جائے تو کھودنے والا ضامن ہوگا اور اسی کی مثل اگر ہوا والے دن کوئی شخص آگ روشن کرے اور اس کے ذریعہ کسی کا مال ضائع ہو جائے یا کسی کا برتن کھولے اور اس میں کوئی مائع چیز ہو جو بہہ جائے یا رسید کو پھاڑ دے جس سے حقوق ضائع ہو جائیں یا پرندے کا دروازہ کھول دے اور وہ اڑ جائے امام صاحب اور امام ابو یوسف کے ہاں یا راستہ راستے میں بوجھ اٹھا کر جا رہا ہو اور وہ کسی پر گرے اور تلف ہو جائے تو ان تمام صورتوں میں ضامن ہوگا۔

۲۔ عمداً...... یعنی یہ کام جان بوجھ کر اپنے ارادہ اور قصد سے کرے مثلاً کسی کی پانی کی باری کو تلف کر دے بایں طور کہ وہ غیر کے پانی سے اپنی زمین کو سیراب کرے یا اپنے پڑوسی کی زمین میں جانے والے پانی کو روک دے اور اس کی کھیتی خشک ہو جائے یا کسی کا کپڑا کپڑے اور اس میں سے سامان گر جائے اور ضائع ہو جائے تو ضامن ہوگا لیکن اگر عمداً ایسا نہ کرے جیسے کوئی جانور کسی سے بدک کر بھاگ جائے اور ہلاک ہو جائے تو کوئی ضمان نہیں اس لیے کہ ایسا عمداً نہیں ہوا حقیقت یہ ہے کہ تعمد سے مراد تعدی ہے چاہے وہاں قصد وارادہ ہو یا نہ ہوا گر پاگل کسی کے جانور کے پاس پہنچے وہ بدکے سوار یا بوجھ گر جائے اور ضائع ہو جائے تو وہ ضامن ہوگا اگر چہ یہاں نقصان کا ارادہ تو نہیں لیکن تعدی ہے اور قاعدہ ہے مستبب تعدی کے بغیر ضامن نہیں ہوتا اور مباشر ضامن ہوتا ہے اگر چہ تعدی نہ بھی ہو۔

۳۔ کہ سبب نتیجہ تک پہنچا دے...... عادت کے اعتبار سے کوئی دوسرا سبب اس میں داخل نہ ہو بالفاظ دیگر سبب اور مسبب کے درمیان کسی اور شخص کا فعل نہ ہو یا تلف کی دوسرے کے فعل سے نہ ہوا گر کوئی دوسرا عنصر اس میں داخل ہو گیا تو پھر فعل کی نسبت مباشر کی طرف ہوگی۔ یعنی مباشر اور مسبب دونوں شریک ہو گئے تو مباشر ضامن ہوگا اگر وہ سبب انفرادی طور پر عادۃ تلف پر اثر انداز نہ ہو جیسے کسی نے ظلماً کسی جگہ پر کنواں کھودا پھر کھودنے والے کے علاوہ کوئی آیا اور اس نے کسی انسان یا حیوان تو اس میں دھکیل دیا تو ضمان کھودنے والے پر نہ ہوگا ہاں اگر خود کوئی انسان یا جانور اس میں گر کر ہلاک ہو گیا تو یہ کھودنے والا ضامن ہوگا اور اگر سبب ایسا ہے جو انفرادی طور پر اثر انداز ہو سکتا ہے تو پھر متسبب اور مباشر دونوں ہوں گے ضمان میں جیسے کوئی مالک کی اجازت سے اس کے جانور کو بھگائے اور وہ کسی انسان کو روند ڈالے تو ضمان دونوں پر ہوگا اس لیے کہ یہاں سبب انفرادی طور پر مؤثر ہے کما اوضحت فی الجنایات۔

اور ضامن کوئی شرط نہیں کہ وہ بالغ ہو عاقل ہو فقہاء کے ہاں اس لیے کہ بچہ اور پاگل بھی اموال تلف کرنے کی وجہ سے ضامن ہوں گے۔ اور ضرورت کی حالت بھی ضمان معاف ہونے کا سبب نہیں پس جو شخص اضطرار کی حالت میں کسی دوسرے کا مال کھالے تو اس پر ضمان ہے باوجود اس کے کہ جان بچانے کے لیے کھانا اس کے لیے مباح ہے کیونکہ قاعدہ ہے اضطرار غیر کے حق کو باطل نہیں کرتا اسی طرح جہالت اور لاعلمی بھی معافی کا سبب نہیں اس بات کا معلوم ہونا کہ تلف شدہ مال غیر کا ہے یہ وجوب ضمان کے لیے شرط نہیں اگر کسی نے اپنی ملکیت سمجھتے ہوئے مال تلف کیا پھر ظاہر ہوا کہ یہ غیر کا مال تھا تو وہ ضامن ہوگا اس لیے تلف کا وجود اس کے علم پر موقوف نہیں کہ غیر کا مال ہو خلاصہ یہ کہ اگر اتلاف میں علم بھی ہو تو پھر ضمان کے ساتھ ساتھ اخروی گناہ بھی ہوگا اور اگر جہالت کی وجہ سے ہو تو پھر صرف ضمان واجب ہوتا ہے اور گناہ نہیں

ہوتا اس لیے کہ خطاء میں شرعاً مواخذہ نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور نسیان کو اور جس پر مجبور کئے جائیں اٹھالیا ہے۔ ❶

تیسرا مقصد: ضمان کی کیفیت و ماہیت...... مال اتلاف میں وہی واجب ہے جو غصب میں واجب ہے یعنی اگر وہ چیز مثلی ہے تو مثل واجب ہوگا اور اگر قیمی ہے تو تلف کے دن کی قیمت واجب ہوگی اس لیے کہ اتلاف کا ضمان تعدی کا ضمان ہے اور تعدی صرف مثل سے مشروع ہے لہٰذا ممکنہ حد تک مثل پر عمل کرنا واجب ہے اور تعذر کے وقت مثل معنوی یعنی قیمت پر جیسا کہ غضب میں ہوتا ہے۔

آٹھویں فصل: حملہ آور سے دفاع...... اور دفاع کرنے والے کے فعل کا ضمان اور دفاع شرعی اس میں چار بحثیں ہیں: دفاع کی مشروعیت، اس کے مراحل، حکم، شرائط، آیا یہ حق ہے یا واجب ہے اور فعل کا ضمان۔

پہلی بحث: دفاع کی مشروعیت مراحل اور حکم...... جب کوئی شخص کسی دوسرے پر تعدی اور ظلم کرے اس کے نفس مال یا غیرت پر ڈاکہ ڈالے یا اس پر حملہ کرے اس کا مال یا جان لینے کا ارادہ رکھتا ہو یا اس کی بیوی سے زنا کا ارادہ کرے یا اس پر کوئی جانور حملہ کرے تو جس پر حملہ کیا جارہا ہے تو وہ جتنی طاقت رکھتا ہے اس کی بقدر اس ظلم کو روکے اور دوسروں کے لیے لازم ہے کہ وہ اس کے دفاع میں تعاون کریں اور اگر چور کسی قافلہ پر ڈاکہ ڈالیں تو قافلہ والوں کے علاوہ کے ذمہ ہے کہ وہ اہل قافلہ کا دفاع کریں: اور دفاع کرنے والا ممکنہ حد تک ہلکی صورت اختیار کرے اگر ظالم کو بات چیت اور لوگوں کو مدد کے لیے پکار کر روکنا ممکن ہو تو پھر اسے مارنا حرام ہے اور اگر ہاتھ کے ذریعہ مارنے سے دفاع ممکن ہے تو کوڑا استعمال کرنا حرام ہے اور اگر کوڑے سے دفاع ممکن ہے تو عصا استعمال کرنا حرام ہے اور اگر کوئی عضو کاٹ کر دفاع ممکن ہو تو قتل کرنا حرام ہے اگر قتل کے بغیر دفاع ممکن نہیں تو قتل کرنا حلال ہے اس لیے کہ یہ دفاع کی ضروریات میں سے ہے اگر کو تلوار لے کر اس پر حملہ آور ہو تو دفاع کرنے والے کے لیے اسے قتل کرنا جائز ہے اس لیے کہ وہ قتل کے علاوہ دفاع پر قادر نہیں اس لیے کہ اگر وہ لوگوں کو مدد کے لیے پکارے گا اس سے پہلے کہ کوئی مدد کے لیے آئے وہ قتل کیا جاسکتا ہے کیونکہ اسلحہ کا اثر فوری ہے۔

خلاصہ...... یہ کہ دفاع کرنے والے کو یہ معلوم ہو کہ حملہ آور چیخنے اور اسلحہ سے ہٹ کر مارنے سے باز آجائیں گے تو وہ ایسا ہی کرے ورنہ اس کے لیے اسلحہ استعمال کرنا جائز ہے قتل اور اسلحہ کا استعمال ضرورت کی بنیاد پر ہے اس قاعدہ الضرر لایزال بالضرر کسی ضرر کا اس کے مثل ضرر اختیار کر کے ازالہ نہ کیا جائے سے یہ صورت مستثنیٰ ہے اور اثقل کے استعمال کی ضرورت نہیں جب اسہل سے مقصود حاصل ہوسکتا ہو اور یہ بات معلوم ہے کہ ضرورت بقدر ضرورت ہی متیقن ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر دفاع کرنے والا بھاگ کر یا کسی قلعہ وگروہ سے مدد طلب کر کے بچ سکتا ہے اور اس پر ایسا کرنا واجب ہے جیسا کہ شوافع حنابلہ اور مالکیہ نے بھی اس کی وضاحت کی ہے اور اس صورت میں حملہ آور کو قتل کرنا حرام ہے اس لیے کہ جس پر حملہ ہورہا ہے اور اھون کو اختیار کرنے خلاصی پانے کا حکم ہے اور یہ بات واضح ہے کہ بھاگ وغیرہ جانا اسہل ہے لہٰذا اشد کی طرف نہ جائے ❷ عز بن عبدالسلام نے فرمایا جب حملہ آور حملہ سے رک جائے تو اسے قتل کرنا حرام ہے ❸ دفاع کی مشروعیت کی دلیل قرآن، سنت اجماع میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

چنانچہ قرآن کریم میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

البقرۃ: ۲ ۔ ۱۹۴

تقویٰ کا حکم اس بات پر دلیل ہے کہ ابتداءً مماثلت کا خیال رکھا جائے اور بتدریج اخف سے اوپر کی طرف جایا جائے اور سنت میں بہت

❶......رواہ ابن ماجہ۔ ❷ البدائع ۷/۹۳۔ ❸ قواعد الاحکام: ۱/۱۹۵

ساری احادیث ہیں: ان میں سے جو دین کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے جو اپنے خون کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے جو مال کے دفاع میں مارا گیا ہو شہید ہے، جو اہل وعیال کے دفاع میں مارا گیا وہ شہید ہے ❶ اس حدیث میں دلیل ہے دین، خون، مال اور عزت کی خاطر اور دفاع کرنے کی اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دفاع کرنے والے کو شہید قرار دیا تو یہ اس بات پر دلیل ہے کہ اس کا قتل وقتال کرنا جائز ہے، رہ گیا دوسرے کا دفاع کرنا تو اس کی اساس وبنیاد محترم چیزوں کی حفاظت سے مثلاً جان مال وغیرہ اگر تعاون نہ ہو تو پھر لوگوں کے جان ومال ضائع ہو جائیں اس لیے کہ ڈاکو مثلاً اگر کسی شخص کا انفرادی طور پر مال لیں اور دوسرا اس کا تعاون نہ کرے تو پھر وہ ہر ایک کا ایک ایک کر کے مال لے لیں گے اسی طرح دوسروں کا بھی جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اپنے بھائی کی مدد کر چاہے ظالم ہو یا مظلوم صحابہ نے عرض کی اگر وہ ظالم ہو تو اس کی کیسے مدد کریں تو آپ نے فرمایا اسے ظلم سے روکو یہی اس کی مدد ہے ❷ نیز آپ کا ارشاد ہے جس شخص کے سامنے کسی مسلمان کو ذلیل کیا جا رہا ہو وہ قدرت اور طاقت ہونے کے باوجود اس کی مدد نہ کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کے سامنے اسے ذلیل کریں گے ❸ اور ایک حدیث میں ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کا فتنوں میں تعاون کرنے والے ہیں۔ ❹

دفاع کا شرعی حکم...... مباح ہے پس دفاع کی تمام صورتیں اور حالتیں فقہاء کے ہاں مباح ہیں پس دفاع کرنے والے سے دونوں اعتبار یعنی دینی اور جنایت کے اعتبار سے کوئی مسئولیت نہیں الا یہ کہ وہ حدود شرع سے تجاوز کرے کہ اس کا کام جرم بن جائے اور اس پر قصاص ہوگا اور دفاع کرنے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ قتل کے ذریعہ دفاع جب کہ گواہوں سے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس کے علاوہ وہ نہیں ہٹتا۔ مثلاً گواہ گواہی دیں کہ حملہ آور اسلحہ سے لیس ہو کر ہی آتا ہے اور اس پر بھی آیا ہے اور اسے مارا ہے اس سے صرف دفاع کرنے والے کی بات قابل قبول نہ ہوگی کہ حملہ آور نے اس کے گھر پر حملہ کیا ہے اور قتل کے علاوہ اس سے دفاع ممکن نہ تھا جیسا کہ گواہوں کی بات معتبر نہ ہوگی جب وہ کہیں ہم نے حملہ آور کو گھر میں داخل ہوتے دیکھا ہے جب تک اسلحہ کا تذکرہ نہ کریں اگر کوئی بھی گواہ موجود نہ ہو تو پھر مالکیہ کے ہاں دفاع کرنے والے کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی۔

دوسری بحث: حملہ آور کے دفاع کی شرائط...... دفاع کے لیے چار شرطیں ہیں: جمہور فقہاء کے ہاں وہاں پر تعدی ہو اور حنفیہ کے ہاں تعدی ایسی ہو کہ اس جرم کا بدلہ دیا جا سکتا ہو۔ پس اگر والد نے اپنے بچے کو ادب سکھانے کی خاطر سزا دی یا شوہر یا استاد نے تو یہ تعدی نہیں اور جلاد کا فعل بھی اعتداء شمار نہیں ہوتا بچے پاگل اور حیوان کا حملہ بھی حنفیہ کے ہاں جرم نہیں۔ اگر کسی شخص نے حملہ آور اونٹ وغیرہ کو قتل کر دیا تو حنفیہ کے ہاں ہر حالت میں قیمت کا ضامن ہوگا اس لیے کہ تلف ہونے کی صورت میں حالت ضرورت میں ضمان ہوتا ہے اور ان کے ہاں قاعدہ ہے: اضطرار غیر کے حق کو باطل نہیں کرتا اور جانور کا نقصان رائیگاں ہے اور جمہور کے ہاں نہ تاوان ہے نہ ضمان دفع کرنے والے پر جبکہ وہ قتل کرنے یا مارنے کے بغیر نہ بچ سکتا ہو، اس لیے کہ دوران دفاع اس کا قتل کرنا جائز ہے اور اس کے شر کو دفع کرنے اور حملہ آور انسان پر قیاس کرتے ہوئے جبکہ انسان کے نفس کی عزت وحرمت مال سے زیادہ سے نیز حرم کے شکار پر قیاس کرتے ہوئے کہ اگر وہ حملہ کر دے تو اس کا خون رائیگاں ہے اور یہ مضطر کی اس حالت سے مختلف ہے، جس میں وہ غیر کے کھانے کی طرف مضطر ہو اس لیے کہ طعام نے مضطر کو اتلاف کی طرف مجبور نہیں کیا اور اس سے ایسی چیز صادر نہیں ہوئی جو اس کی عظمت کو زائل کر دے حنفیہ کے علاوہ کا مذہب جانور بچے مجنون کے حملہ کی صورت میں معقول ہے۔

۲...... اسی وقت تعدی اور ظلم ہو صرف دھمکی نہ ہو۔

۳...... اس کے علاوہ کوئی طریقہ ممکن ہی نہ ہو دفاع کا اگر کوئی اور طریقہ ممکن ہو جیسے لوگوں کو مدد کے لیے پکارنا تو پھر قتل نہ کرے ورنہ یہ

---

❶...... رواہ اصحاب السنن الاربعہ. ❷ رواہ البخاری. ❸ مسند احمد. ❹ ایضاً.

تعدی کرنے والا ہوگا۔

تیسری بحث: آیا حملہ آور سے دفاع مباح ہے یا واجب ہے......اس بحث میں کلام تفصیل کا تقاضا کرتا ہے دفاع کے تمام حالات میں علیحدہ طور پر۔

نفس (جان) سے دفاع کا حکم......جب کوئی شخص کسی پر حملہ کرے اس کی جان لینے یا اعضاء میں سے کوئی عضو کاٹنے کا ارادہ کرے چاہے کوئی انسان ہو یا جانور تو امام ابوحنیفہ مالکیہ اور شوافع کے ہاں دفاع کرنے والے پر اپنے نفس کا دفاع واجب ہے الا یہ کہ شوافع وجوب دفاع کو مقید کرتے ہیں اس سے کہ حملہ آور کافر یا جانور ہو اس لیے کہ کافر کو امن دینا دینی اعتبار سے ذلت ہے اور جانور انسان کے بدلے ذبح کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر حملہ آور مسلمان ہو تو اس کو امن دینا جائز ہے بلکہ مسنون ہے ابوداؤد کی روایت ہے آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے جو اچھا ہے وہ بنو یعنی ہابیل اور قابیل میں سے یہ صحابہ کے سامنے مشہور بات تھی کسی ایک نے اس پر انکار نہیں کیا شوافع کے ہاں کسی دوسرے کا دفاع کرنا ایسا ہی ہے جیسے اپنا کرنا مالکیہ نے وجوب دفاع کو مقید کیا ہے کہ ڈرانے کے بعد ہو اگر ممکن ہو مثلاً اسے کہے میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ تم مجھے چھوڑ دو وغیرہ اب اگر نہ رو کے تو پھر قتل کرنا جائز ہے۔

دفاع واجب ہونے کی دلیل یہ ہے: فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ......البقرة: ۲/۱۹۵

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ......الحجرات: ۴۹/۹

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠......البقرة: ۲/۱۹۴

وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ......الشوریٰ ۴۲/۴۰

اور اس لیے بھی کہ انسان پر اپنے نفس کی حفاظت کے لیے بھوک کی حالت میں کھانا واجب ہے تو نفس کا دفاع بھی واجب ہے حنابلہ کے ہاں اور ان کی رائے سنت سے متفق ہے کہ حملہ آور کو روکنا جائز ہے واجب نہیں چاہے حملہ آور چھوٹا ہو یا بڑا یا پاگل: کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فتنے کے دور کے بارے میں ارشاد ہے اپنے گھر میں رہو اگر تمہیں سورج کی روشنی چہرے پر پڑنے کا خطرہ ہو تو اپنے چہرہ کو ڈھانپ لو اور ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ فتنے کے وقت اللہ تعالیٰ کے مقتول بندے ہو قاتل نہ بنو' اور صحیح روایت سے ثابت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے غلاموں کو دفاع سے روک دیا تھا حالانکہ وہ چار سو تھے اور آپ نے فرمایا جو پھینک دے وہ آزاد ہے نیز یہ کہتے ہیں کہ کھانے کی طرف مجبور آدمی سے یہ مختلف ہے اس کے ذمہ کھانا لازم ہے اور قتل میں شہادت ہے اور دوسرے کے نفس کو زندہ کرنا ہے اور کھانے میں صرف اپنے نفس کو زندہ کرنے کے لیے کسی دوسر کے کو نقصان پہنچائے بغیر۔

چوتھی بحث: فعل کا ضمان......فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دفاع کرنے والا جب حملہ آور کو قتل کر دے تو اس سے کوئی مسئولیت نہیں نہ دیت نہ قصاص کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے اپنی تلوار نکالی پھر اس سے کسی کو مارا اور وہ خود مر گیا تو اس کا خون رائیگاں ہے نیز حملہ کرنے والا باغی ہے اور جس پر حملہ کیا گیا وہ اپنے واجب حق کو ادا کر رہا ہے اپنی جان کے دفاع اور شر کو دور کر کے البتہ حنفیہ چند لوگوں کو مستثنیٰ کرتے ہیں کہ حملہ آور اگر بچہ پاگل یا جانور ہو تو پھر اس کے ذمہ دیت ہوگی قصاص نہیں اور بچے، پاگل کی طرف سے دیت دے اور جانور کی قیمت۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ وہ قیمت دے حیوان کی فقط اور اس پر بچے اور مجنون کی دیت نہیں۔

جانور کے حوالے سے حنفیہ کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جانوروں سے جو نقصان پہنچے اس کا کوئی بدل نہیں رہ گیا بچے

اور پاگل کا فعل تو اسے جرم اور بغاوت نہیں کیا جا سکتا تو اس سے نفس کی عصمت زائل نہیں ہوگی اور نہ ہی دفاع کرنے والے کی لیے شرائط پائی جا رہی ہیں کیونکہ شرط یہ ہے کہ وہاں پر تعدی اور دشمنی پائی جائے اور دفاع تو جرائم کے دفعیہ کے لیے مشروع ہے اور یہاں کوئی جرم نہیں۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں...... بچے اور مجنون کا فعل جرم شمار ہوتا ہے اس دلیل سے کہ ان دونوں پر تلف کی صورت میں ضمان واجب ہوتا ہے، البتہ ان سے سزا ختم ہے اور رہ گیا جانور کا فعل تو وہ جرم نہیں اور جس چیز کو وہ تلف کر دے تو اس پر ضمان واجب نہیں ہوتا جب کہ شرط یہ ہے کہ جرم ہو اعتداء کے ساتھ۔

خلاصہ...... یہ کہ امام ابوحنیفہ دفاع کی حالت میں وجود کو نہیں دیکھتے بچے پاگل اور حیوان کے حملہ کی صورت میں بلکہ ضرورت کی بنیاد پر دفاع کا حق دیتے ہیں یعنی ضمان یا عوض واجب ہوتا ہے رہ گئے امام ابو یوسف تو وہ دفاع کی حالت میں وجوب کے قائل ہیں جب بچہ پاگل حملہ کریں جیسا کہ حنفیہ کے علاوہ کی رائے ہے اور جب جانور حملہ کرے تو ضرورت کی بنیاد پر دفاع کرے اور اس کے تلف کی صورت میں قیمت واجب ہے۔

رہ گئے جمہور فقہاء تو حالت دفاع میں تمام مذکورہ حالتوں میں تو آخر کو دیکھتے ہیں کہ انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنے نفس کا دفاع کرے اور مال کا ہر اعتداء کے وقت اگر اس نے بذات خود تعدی کی تو پھر حملہ آور کا خون حلال نہیں ہوگا لیکن اس کے ذمہ تعدی کو روکنا واجب یا جائز ہے اختلاف سابق کے پیش نظر پس تعدی کو روکنے کا مطالبہ حملہ آور کے خون کو حلال قرار دیتا ہے۔ اور تعدی ذاتی نہ ہو تو اس وقت یہ شرط نہیں کہ تعدی ذاتی اعتبار سے جرم ہو۔

حنابلہ کے ہاں جس نے کسی انسان کے ہاتھ کو کاٹا اور اس سے الگ کر دیا اس کے دانت گر گئے تو اس پر کوئی ضمان نہیں یعنی اس سے دیت کا مطالبہ نہیں ہوگا مالکیہ کے علاوہ باقیوں کے ہاں دلیل عمران بن حصین کی روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ کاٹا اور اس کے ہاتھ کے ساتھ اس کے دانت گر گئے وہ معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تو آپ نے فرمایا تم میں سے ایک دوسرے بھائی کا ہاتھ اس طرح کاٹتا ہے جس طرح سانڈ کاٹتا ہے تمہارے لیے کوئی دیت نہیں ❶ اور یعلی بن امیر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے میرا ایک مزدور تھا اس نے ایک شخص کو قتل کر دیا ایک نے دوسرے کے ہاتھ کو منہ سے کاٹا اس کی انگلی جدا ہوگئی اور دوسرے کے دانت گر گئے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے اس کے دانتوں کو رائیگاں قرار دیا اور آپ نے فرمایا کہ کیا وہ اپنا ہاتھ تمہارے منہ میں چھوڑ دیتا تم ایسے کاٹتے ہو جیسے سانڈ کاٹتا ہے ❷ مالکیہ کے ہاں ان کے مثل میں ضمان واجب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے دانتوں کے توڑنے میں پانچ اونٹ دیت ہیں لیکن یحییٰ بن یعمر اور ابن بطال نے فرمایا کہ اگر امام مالک کو یہ حدیث پہنچتی تو آپ اس کی مخالفت نہ کرتے۔ ❸

عزت کے دفاع کا حکم...... اگر کوئی فاسق کسی کی بیوی کی عزت لوٹنے کا ارادہ کرے تو تمام فقہاء کے ہاں بالاتفاق اس پر واجب ہے کہ وہ عورت اپنے نفس کا دفاع کرے اگر ممکن ہو اس لیے کہ کسی مرد کو قدرت دینا حرام ہے اور دفاع چھوڑنے میں اس کو قدرت دینا ہے، اور وہ اس شخص کو قتل کر دے اگر قتل کر دیا تو اس کا خون رائیگاں جائے گا جب کہ قتل کے بغیر دفاع ممکن نہ ہو اسی طرح مرد پر بھی واجب ہے جب وہ غیر کو اس طرح کا ارادہ کرتے ہوئے دیکھے اپنی بیوی سے کہ وہ اس کا دفاع کرے اگر چہ قتل ہی کیوں نہ کر دے اور اپنے نفس پر خوف نہ کرے اس لیے کہ عصمت و ناموس اللہ کی زمین پر محترم ہیں کسی بھی حالت میں مباح نہیں چاہے مرد کی اپنی عزت ہو یا کسی اور کی اور دفاع کرنے والے سے نہ قصاص ہے نہ دیت ظاہری حدیث کی وجہ سے جو اپنے اہل کے دفاع میں مارا گیا تو وہ شہید ہے نیز امام احمد نے حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص نے بنو ھذیل میں ایک شخص کی بیوی کا ارادہ کیا اس نے اسے پتھر مار کر قتل کر دیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ اب کبھی

❶......رواه احمد واصحاب الكتب الستة. ❷رواه الجماعة. ❸ المغني: ۸/۳۳۳.

ایسا نہیں کرے گا اور اس لیے بھی کہ جب اپنے نفس سے دفاع کرنا جائز ہے تو اپنی بیوی کا دفاع بھی جائز واجب ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی شخص کو اپنی بیوی سے زنا کرتے ہوئے پائے اور اسے قتل کردے تو تمام فقہاء کے ہاں اس کے ذمہ نہ قصاص ہے نہ دیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن ناشتہ فرمار ہے تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اس کے پاس تلوار تھی خون سے لت پت وہ آیا اور عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ گیا اور کھانا شروع کردیا چند لوگ آئے اور کہنے لگے اے امیر المؤمنین اس شخص نے ہمارے ساتھی کو اپنی بیوی کے ساتھ قتل کردیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ کیا کہتے ہیں تو اس نے کہا: کہ میں نے تلوار سے اس کی بیوی کی ران پر تلوار ماری اگران دونوں کے درمیان اور کوئی ہوتا تو میں اسے بھی قتل کردیتا تو عمر نے ان سے کہا کیا کہتا ہے یہ تو کہنے لگے اس نے تلوار ماری۔

جس سے اس کی بیوی کی ران کٹ گئی اور وہ تلوار اس مرد کے درمیان میں پہنچ گئی اور اس کے دو ٹکڑے ہوگئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر یہ دوبارہ حملہ کریں تو تو بھی کر۔ (1)

اگر عورت خود اطاعت کرنے والی ہو تو بھی اس پر ضمان نہیں اگر مکرہ ہو تو پھر اس شخص پر قصاص ہے اور گواہوں کا ہونا ضروری ہے اور حنابلہ سے گواہوں کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت کے مطابق چار گواہ ہونے چاہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا اس شخص کے بارے میں جو کسی کے گھر میں داخل ہوا اور وہ اس کی بیوی کے ساتھ ہو اور عورت نے اسے قتل کردیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر چار گواہ اس کے ساتھ ہوں تو ٹھیک ورنہ وہ اس کی دیت دے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادۃ نے فرمایا اے اللہ کے رسول آپ کا کیا خیال ہے کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پاؤں اور اسے ڈھیل دے دوں یہاں تک کہ چار گواہ ہو جائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں (2) ایک اور روایت میں ہے کہ دو گواہ کافی ہیں اس لیے کہ گواہ صرف عورت کے پاس اس کی موجودگی کے لیے شرط ہیں اور یہ بات دو گواہوں سے ثابت ہو جاتی ہے اور چار گواہوں کی ضرورت زنا کے لیے ہے اور اس میں اثبات زنا کی ضرورت نہیں، اگر گواہ نہ ہوں تو شوہر عورت کے زنا کا علم ولی سے ثابت کرائے تو پھر ولی کی بات معتبر ہوگی قسم کے ساتھ حنابلہ کے ہاں۔

گھروں کے اندر جھانکنا...... اگر کوئی شخص گھر والوں کی اجازت کے بغیر کسی کے گھر میں سوراخ کرکے یا دروازہ وغیرہ توڑ کر داخل ہونے کی کوشش کرے اور گھر والا کوئی کنکر یا لکڑ وغیرہ سے اسے مارے اور اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اس سے کوئی مسئولیت نہیں نہ قصاص نہ دیت یہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اگر تمہارا اجازت کے بغیر کوئی تم کو جھانکے اور تم نے کوئی کنکری اسے ماردی اور اس کی آنکھ پھوٹ گئی تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔

اور آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے جو شخص کسی کے گھر میں جھانکے بغیر ان کی اجازت کے تو ان کے لیے حلال ہے کہ وہ ان کی آنکھیں پھوڑ دے اور ایک روایت میں ہے: جو کسی قوم کے گھر میں جھانکے اور اس کی آنکھ انہوں نے پھوڑی نہ دیت ہے نہ قصاص (3) یہ اس وقت ہے جب کسی ہلکی چیز جیسے کنکر وغیرہ سے مارے لیکن اگر صاحب اہلبیت کسی ایسی چیز سے مارے جس سے عام طور پر آدمی مرجاتا ہے جیسے مارنے والا پتھر یا بڑا لوہا وغیرہ تو قصاص لازم ہے یا معافی کی صورت میں دیت اس لئے کہ اسے دیکھنے والی آنکھ ضائع کی جائے جو اس سے متعدی نہ ہو۔ اگر ناظر کسی چھوٹی چیز سے دفاع نہ کرسکے جیسا کہ حملہ کی صورت میں تو اسے سخت چیز سے مارنا جائز ہے یہاں تک کہ قتل کردے۔ چاہے دیکھنے والا راستے میں ہو یا جہاں کہیں بھی ہو، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں نہ جھانکنے کی حکمت بیان کی ہے کہ اجازت دیکھنے کے لئے مقرر کی گئی ہے حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں: اس حالت میں جانی سے پوچھا جائے گا اس پر قصاص یا دیت واجب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آنکھ میں نصف دیت ہے اس لیے کہ صرف دیکھنے سے جنایت کرنا حلال نہیں ہوتا جیسا کہ کوئی کھلے دروازے سے جھانکے

---

(1)......اخرجه سعيد بن منصور۔ (2) فتح الباري: ۲/ ۱۵۴۔ (3) البخاري۔

جیسا کہ اس کے گھر میں داخل ہو اور اس میں دیکھے یا اس کی بیوی کے قریب ہو سوائے جماع کے تو اس کے لیے آنکھ پھوڑنا جائز نہیں تو خالی دیکھنے سے تو بدرجہ اولی جائز نہیں۔ اور یہ ملاحظہ ہو کہ دونوں رائیوں میں اختلاف گھر کے باہر سے دیکھنے کے بارے میں ہے اگر کوئی شخص اپنا سر اندر داخل کر کے دیکھے اور گھر والا پتھر مار دے تو اجماعاً اس پر کوئی ضمان نہیں۔

مال سے دفاع کا حکم...... جمہور فقہاء کے ہاں مال کا دفاع کرنا جائز ہے واجب نہیں چاہے مال تھوڑا ہو یا زیادہ جب کہ بغیر حق کے لے لے اور دفاع کرنے والے پر کوئی قصاص نہیں جب کہ وہ اسہل سے شروع کرے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی اے اللہ کے رسول! آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے کہ اگر ایک شخص میرا مال لینا چاہے تو آپ نے فرمایا اسے مال مت دو (اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: اپنے مال کے لیے قتال کرو) انہوں نے عرض کی اگر وہ مجھ سے قتال کرے؟ تو آپ نے فرمایا: اس سے قتال کرو انہوں نے عرض کی اگر وہ مجھے مار ڈالے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم شہید ہو پھر صحابی نے عرض کی اگر میں اسے قتل کر ڈالوں تو آپ نے فرمایا: وہ آگ میں جائے گا تو علماء نے فرمایا کہ اگر اسے قتل کر دیا تو قاتل پر کوئی ضمان نہیں کیونکہ اس کی جانب سے تعدی نہیں اور حدیث عام ہے کم مال اور زیادہ کے لیے مال سے دفع اور جان وعزت کے دفاع میں وجوب اور عدم وجوب میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ مال اباحت سے اور اجازت سے مباح ہو جاتا ہے جب کہ نفس مباح کرنے سے مباح نہیں ہوتا۔

بعض مالکیہ کے ہاں...... اگر مال کم ہو تو اس کا دفاع کرنا جائز نہیں لیکن سابقہ احادیث اور ان کا عموم قلیل اور کثیر میں فرق پر رد کرتی ہیں کما تقدم: اور بعض علماء کے ہاں مال کا دفاع کرنا واجب ہے اور یہ مالکیہ کی رائے۔

شوافع نے مال کی اقسام میں فرق کیا ہے...... جس مال میں روح نہیں اس کا دفاع واجب نہیں اس لیے کہ اس کی اباحت دوسروں کے لیے بھی جائز ہے اور جس میں روح ہے تو اس کا دفاع تلف کی صورت میں واجب ہے جبکہ نفس یا عزت کا خطرہ نہ ہو کیونکہ روح کی حرمت ہے حتی کہ اگر کسی اجنبی کو دیکھے کہ وہ اپنے جانور کو حرام طریقے سے تلف کر رہا ہے تو اصح قول کے مطابق دفاع اس پر واجب ہے اسی طرح وہ مال جس کے ساتھ غیر کا حق مثلاً رہن اجارہ وغیرہ متعلق ہو کا دفاع بھی واجب ہے۔ اگر مٹکا گر گیا اور اس سے توڑنے کے بغیر دفاع ممکن نہیں تو اس صورت میں ضامن ہوگا اس لیے کہ نہ اس کا ارادہ ہے نہ اختیار تو دفاع کرنے والا ایسا ہے جیسے دوسرے کا کھانا کھانے کے لیے کوئی مجبور ہوا سے کھائے اور اس کا ضمان دے دے۔

نویں فصل...... لقطہ اور لقیط

لقطہ لغوی اعتبار سے بغیر تلاش وطلب کے اچانک کوئی چیز پالینا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فالتقطہ آل فرعون** (القصص: ۸/۲۸) تو فرعون کے لوگوں نے اس کو اٹھالیا۔ یہ اس لغوی معنی کے اعتبار سے عام ہے ہر اس چیز کو شامل ہے جسے انسان اٹھائے چاہے وہ بچہ ہو یا مال اور جانور وغیرہ۔

الا یہ کہ حنفیہ وغیرہ نے اپنی فقہی مباحث میں لقطہ اور لقیط اور ضالہ میں فرق کیا ہے اسی وجہ سے میں نے لقیط کے معنی اور اس کے احکام اور لقطہ کے معنی اور اس کے احکام ذکر کیے ہیں اور میں بیان کروں گا لقطہ کی دونوں قسمیں یعنی اموال کا اٹھانا جانور کا اٹھانا اور میں ختم کروں گا بحث لقطہ کے ساتھ کیا کیا جائے کی پہچان پر اور کلام دو بحثوں میں ہوگا۔

پہلی بحث: لقیط کی حقیقت اور اس کے احکام...... لقیط لغوی اعتبار سے ہر وہ چیز جو زمین سے اٹھائی جاتی ہے اور عرفاً راستہ اور

زمین پر پڑا ہوا نومولود بچہ جس کا باپ معلوم نہ ہو اسے پرورش کے خوف یا شک کی تہمت سے بچنے یا زنا وغیرہ کی تہمت یا کسی اور وجہ سے پھینک دیا گیا ہو۔

احکام لقیط......حنفیہ کے ہاں راستہ سے بچہ اٹھانا مندوب اور اعمال میں سے افضل ہے اس لیے کہ اس پر زندہ کرنے کے احکام جاری ہوتے ہیں اور اگر بچہ کی ہلاکت کا خوف ہو نہ اٹھانے کی وجہ سے تو پھر اٹھانا فرض کفایہ ہے جیسا کہ وہ کسی لڑائی وغیرہ میں پایا جائے کیونکہ حفاظت کا مقصود حاصل ہو رہا ہے۔ اور باقی ائمہ کے ہاں بچہ کا اٹھانا فرض کفایہ ہے اور اگر ہلاکت کا خوف ہو تو فرض عین ہے یہاں اور بھی فروعی احکام ہیں جو لقیط سے متعلق ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ ❶

ا۔ اٹھانے والا بچہ کا زیادہ حقدار ہے دوسروں سے......اگر چاہے تو اس کی تربیت پر تبرع واحسان کے طور پر خرچ کرے اور اگر چاہے تو حاکم کے پاس معاملہ لے جائے تا کہ وہ اس کی تربیت پر بیت المال وغیرہ سے خرچ کرنے کا حکم دے اس لیے کہ بیت المال تمام مسلمانوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے ہے یہ اس وقت ہے جب لقیط کے پاس مال نہ ہو اور اگر اس کا مال ہو بایں طور کہ بچہ مال کے ساتھ ملے تو پھر خرچہ لقیط کے مال سے ہوگا اس لیے کہ وہ اس کا محتاج نہیں لہٰذا بیت المال میں اس کا حق ثابت نہیں ہوگا اور یہ حکم تمام فقہاء کے ہاں متفق علیہ ہے ❷ اگر اٹھانے والا اپنے مال سے اس پر خرچ کرے اب اگر قاضی کے اجازت سے ایسا کیا تو پھر بچہ کے بالغ ہونے کے بعد اس پر رجوع کر سکتا ہے اور اگر قاضی کے حکم کے بغیر ایسا کیا تو پھر یہ احسان کرنے والا ہوگا اور بچہ کے بالغ ہونے کے بعد اس سے رجوع نہیں کر سکتا۔ اور لقیط بھی امانت ہونے کے اعتبار سے لقطہ کی طرح ہے۔

۲۔ لقیط پر ولایت قاضی کی ہے......یعنی حفاظت تعلیم، تربیت، نکاح اور اس کے مال میں تصرف کے اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کی وجہ سے کہ سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو ❸ اور اٹھانے والے کو اس کی شادی اور اس کے مال میں تصرف کی اجازت نہیں۔ جب حاکم لقیط کی شادی کروائے تو اس کا مہر بیت المال میں سے ہوگا ہاں اگر لقیط کا اپنا مال ہو تو پھر اس کے مال ہی میں سے ہوگا اسی طرح بیت المال سے لقیط کی ضروریات یعنی نفقہ کپڑا علاج معالجہ کروایا جائے گا اور یہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ نیز بیت المال اس قسم کے محتاجوں ہی پر خرچ کرنے کے لیے رکھا گیا ہے جیسے وہ شخص جس کا کوئی مال نہ ہو نیز اس کی میراث بھی بیت المال کے لیے ہے اس لیے کہ الخراج بالضمان یعنی بیت المال پر اس کی میراث دیت اور دوسری چیزیں ہیں۔

۳۔ لقیط آزاد اور مسلمان شمار ہوگا......اس لیے کہ انسان میں اصل آزادی ہے اور اصل یہ ہے کہ جو جیسا ہو اس کو اس پر برقرار رکھا جائے جب تک اس کو تبدیل کرنے والی کوئی چیز نہ ہو اور اس لیے بھی کہ دارالاسلام آزادی کا دار ہے جو اس میں ہوگا وہ اصل عام کی وجہ سے آزاد ہی شمار ہوگا اس لیے کہ یہ حکم غالب ہے اور معاملہ ظاہر ہے اور وہ دارالاسلام کے تابع ہونے کی وجہ سے مسلمان بھی شمار ہوگا اور اسی بناء پر اگر مسلمان لقیط کسی اسلامی ملک میں پایا جائے تو وہ مسلمان ہوگا اگر وہ مر گیا تو اسے غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی اور اسے مسلمانوں کے مقبرہ میں دفن کیا جائے گا اگر کوئی ذمی یا مسلمان کسی بیعہ کنیسا یا کسی ایسی آبادی میں پایا گیا جس میں مسلمان نہیں تو ظاہر کی وجہ سے وہ ذمی قرار دیا جائے گا اور اگر کوئی ذمی کسی اسلامی ملک میں پایا گیا تو وہ مسلمان ہوگا کیونکہ اعتبار جگہ کا ہے ابن سماعۃ سے نوادر میں روایت ہے کہ پانے والے کو دیکھا جائے گا کہ وہ مسلمان ہے یا ذمی اور جگہ کا اعتبار نہیں ہوگا اس لیے کہ اٹھانا اور قبضہ میں رکھنا جگہ سے قوی ہے اس دلیل سے کہ والدین کے تابع ہونا دار کے تابع ہونے سے اوپر ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ لقیط مسلمان ہی ہوگا پانے والے یا جگہ کے اختیار سے علامہ کاسانی نے فرمایا کہ صحیح یہ روایت ہے کہ جب کوئی مسلمان بچہ کسی اسلامی ملک میں پایا جائے تو وہ دار کے تابع ہو کر مسلمان شمار ہوگا اور اگر اسے کوئی کافر

---

❶......المبسوط ١٠/ ٢٠٩ ـ ❷ المغنی: ٥/ ٣ع ٦٨ ـ ❸ نصب الرایة ٣/ ١٦٧ ـ

دارالسلام میں پائے تب بھی وہ مسلمان شمار ہوگا اور اگر کوئی مسلمان یا ذمی اسے کنیسا میں پائے تو وہ ذمی ہوگا ❶ اب تین قول ہو گئے:

۱.....مکان کا اعتبار ہوگا۔

۲.....پانے والے کا۔

۳.....مکان اور پانے والے دونوں کا اور تیسرا قول حنفیہ کے ہاں اصح ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں......اگر لقیط دارالاسلام میں پایا جائے تو وہ مسلمان ہے اور اگر دارالکفار میں پایا جائے اگر وہاں کوئی مسلمان رہائش پذیر نہ ہو جیسے قیدی یا تاجر تو وہ کافر ہوگا لیکن اگر وہاں مسلمان بھی رہائش پذیر ہوں تو وہ اصح قول کے مطابق مسلمان شمار ہوگا اسلام کے غلبہ کی وجہ سے احمد اور دارقطنی کی روایت ہے:

الاسلام یعلو ولا یعلیٰ علیہ

۴۔نسب کا حکم......لقیط مجہول النسب شمار ہوگا اگر کسی شخص نے لقیط کے نسب کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ صحیح ہے اور اس سے اس کا نسب ثابت ہوگا اور اسی بناء پر اگر اٹھانے والا یا کوئی اور یہ دعویٰ کرے کہ لقیط اس کا بچہ ہے تو اس کا دعویٰ بغیر گواہوں کے قبول ہوگا جب کہ قیاس کا تقاضا ہے کہ گواہوں کے بغیر اس کا دعویٰ مسموع نہ ہو قیاس کی وجہ تو ظاہر ہے کہ وہ ایک ایسے معاملہ کا دعویٰ کر رہا ہے جو عدم اور وجود دونوں کا احتمال رکھتا ہے لہٰذا کسی ایک جانب کو دوسری پر ترجیح کے لیے کسی مرجح کا ہونا ضروری ہے اور یہ گواہوں ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے اور گواہ ہیں نہیں۔اور استحسان کی وجہ یہ کہ دعویٰ اقرار ہے جس سے لقیط کو فائدہ ہوگا اس لیے کہ نسب کی وجہ سے اسے شرف و بزرگی حاصل ہوتی ہے اور نہ ہونے کی وجہ سے عار ہے اور اس طرح کے معاملات میں مدعی کی تصدیق کے لیے گواہوں کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اگر کوئی ذمی اس کے نسب کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ قبول ہوگا اور نسب بھی اس سے ثابت ہوگا لیکن شمار وہ مسلمان ہوگا اس لیے کہ دعویٰ نصب میں وہ چیز قبول ہوتی ہے جو لقیط کو نفع پہنچائے نہ کہ نقصان اور اس کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اس کا کافر ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ اس کی ماں مسلمان ہو مثلاً تو بیٹا دین کے اعتبار جو عمدہ ہو والدین میں سے اس کے ساتھ ملحق ہوتا ہے، اگر دو آدمی یہ دعویٰ کریں کہ ان کا بیٹا ہے اور ان دونوں کے پاس گواہ نہ ہو اور ان میں سے ایک مسلمان دوسرا ذمی ہو تو مسلمان اولیٰ ہے ثبوت نسب کے اعتبار سے کیونکہ یہ لقیط کے لیے نفع بخش ہے اور اگر دونوں دعویٰ کرنے والے مسلمان اور آزاد ہوں اور ان میں سے ایک بچہ کے جسم پر کسی علامت کا ذکر کرے تو حنفیہ کے ہاں وہ زیادہ حقدار ہے بچہ کا اس لیے کہ علامت کا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کے پاس تھا تو ظاہر ہے کہ یہ اسی کا ہے لہٰذا اسے ترجیح ہوگی دلیل عزیز مصر کی بیوی کے متعلق ان کے اہل میں سے جو خبر ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں:

إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَ إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ یوسف ۱۲/۲۶،۲۷

یعنی اگر اس کی قمیص آگے کی طرف سے پھٹی ہوئی ہے تو عورت سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے اور اگر قمیص پیچھے کی طرف سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ جھوٹی ہے اور یوسف سچے ہیں اور اگر ان میں سے کوئی بھی علامت بیان نہ کرے یا دونوں گواہ پیش کر دیں تو دونوں کا بیٹا ہونے کا حکم دیا جائے گا اس لیے کہ دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے سے اولیٰ نہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس طرح کے مسئلہ میں روایت ہے کہ انہوں فرمایا کہ یہ دونوں کا بیٹا ہے دونوں کا وارث ہے اور وہ دونوں اس کے وارث ہیں اگر ایک گواہ پیش کرے اور دوسرا علامت بیان کرے تو گواہوں والا اولیٰ ہے اس لیے کہ اس نے اپنی جانب کو مرجح سے ترجیح دی ہے۔شوافع کے ہاں اگر لقیط کے بارے میں دو دعویٰ کریں اور کسی کے پاس گواہ نہ ہوں

---

❶.....البدائع ۶/۱۹۸۔

تو بچہ کو قیافہ شناس کے پاس لے جایا جائے اور جس کا وہ کہے اسی کا اسے بیٹا سمجھا جائے اس لیے کہ اس کا الحاق کرنا نسب میں اثر رکھتا ہے شبہ کے موقع پر اور اگر کوئی عورت پر دعویٰ کرے کہ لقیط اس کا بچہ ہے اور وہ عورت شادی شدہ نہ ہو تو اس کا دعویٰ صحیح نہیں اس لیے کہ اس میں تو دوسرے پر نسب ثابت کرنا ہوتا ہے جو کہ شوہر ہے اور یہاں جائز نہیں اور اگر اس کا شوہر ہے اور وہ اس کی تصدیق کر رہا ہے اس دعویٰ میں یا دایا اس کی گواہی دیتی ہے یا دو گواہ اس کی گواہی دیتے ہیں تو پھر اس کا نسب ثابت ہوگا اس سے۔

اگر لقیط کا دعویٰ دو عورتیں کریں اور ایک گواہ قائم کرے تو وہ اولیٰ ہے اگر دونوں گواہ پیش کر دیں تو وہ ان دونوں کا بیٹا ہوگا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ان میں سے کسی کا بھی نہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں ایک روایت میں ان دونوں کا بیٹا ہے اور ایک روایت میں کسی ایک کا بھی ان میں سے نہیں۔

دوسری بحث: لقطہ اور اس کے احکام اقسام وغیرہ......اس بحث میں تین مقصد ہیں:

پہلا مقصد: لقطہ کا معنی اور احکام......لقطہ لام پر پیش اور قاف پر زبر یا سکون ابن مالک نے لقطہ میں چار لغتیں نقل کی ہیں:

۱......لقاطہ

۲......لقطہ لام پر پیش اور کاف پر سکون

۳......لقطہ لام پر پیش اور قاف پر زبر

۴......لقطہ لام پر اور قاف پر زبر اور تاء نہیں آخر میں۔ خلیل بن احمد کے ہاں قاف کے زبر کے ساتھ یہ صفت ہے اور اسم فاعل میں مبالغہ ہے یعنی اٹھانے والا الھمزۃ لمزۃ کی طرح اور قاف کے جزم کے ساتھ اسم مفعول میں مبالغہ ہے ضحکہ کی طرح جس سے ہنسا جائے اور ھزاہ کی طرح یعنی جس سے مذاق کیا جائے اور گرے پڑے مال کو لقطہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ غالبا لوگوں کی طبیعتیں اس کے اٹھانے کی طرف جلدی کرتی ہیں کیونکہ وہ مال ہے۔

اور شرعاً جیسا کہ ابن قدامہ حنبلی نے کہا: وہ مال جو مالک سے ضائع ہو گیا ہو اور اسے کوئی غیر اٹھا لے اور اسی کے مثل حنفیہ کی کتب میں سے تاتارخانیہ میں بھی ہے وہ مال جو پایا جائے اور اس کا مالک معلوم نہ ہو اور یہ حربی کے مال کی طرح مباح نہیں احکام: لقطہ کے مندوب ہونے اور ضمان ہونے کے اعتبار سے کچھ احکام ہیں:

۱۔ مندوب ہونے کے اعتبار سے حکم......اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے شوافع اور حنفیہ کے ہاں اٹھانا افضل ہے اس لیے کہ مسلمان پر واجب ہے کہ وہ مسلمان بھائی کے مال کی حفاظت کرے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى......المائدہ ۵/ ۲

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ بندے کی مدد کرتے رہتے ہیں جب تک بندہ کسی بھائی کی مدد میں ہو پس اٹھانا مال کی حفاظت کا ذریعہ ہے پھر اس کے مالک کو واپس کر دے اس لیے کہ کبھی یہ غیر امین شخص کے ہاتھ میں آ جاتا ہے اور وہ اسے لیتا ہے رہ گیا امانتدار وہ اسے مالک تک پہنچانے کی کوشش میں ہوتا ہے اور برے ہاتھوں کو اس سے روکتا ہے اگر کسی کو اپنی امانت پر اطمینان نہ ہو اور وہ اس کے مباح ہونے سے ڈرتا ہو تو اس کا اٹھانا مکروہ ہے اور اگر اسے خیانت کا علم ہو اور واپس کرنے کا ارادہ نہ ہو تو اٹھانا حرام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے جیسے امام احمد نے جریر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ: گری پڑی چیز کو گمراہ کے علاوہ کوئی نہیں اٹھاتا اگر وہ اس کی تعریف نہ کرے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں اٹھانا مکروہ ہے ابن عمر اور ابن عباس کے ارشاد کی وجہ سے نیز اس میں اپنے آپ کو حرام پر پیش کرنا ہے۔ یہ عام حکم ہے پھر تمام علماء نے اپنے اپنے مذہب کے مطابق تفصیلی احکام بیان کئے اور ان میں سے اہم حنفیہ کا مذہب اور ان کے مثل شوافع کا ہے یہ

حضرات کہتے ہیں کہ جس شخص کو اپنی امانتداری پر اعتماد ہو اور کسی فاسق کے پا چلے جانے کی وجہ سے لقطہ کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو اسے اٹھانا مستحسن ہے اور اگر ضائع ہونے کا خوف نہ ہو تو اٹھانا مباح ہے اور اگر اسے اپنی خیانت کا خوف ہو تو پھر اٹھانا حرام ہے جیسا کہ حدیث سابق میں گذرا۔

۲۔ **ضمان کے اعتبار سے حکم**...... حنفیہ کے ہاں لقطہ اٹھانے والے کے ہاتھ میں امانت ہے وہ ضامن نہیں الا یہ کہ اس پر تعدی کرے یا طلب کے وقت مالک کو نہ دے تو ضامن ہوگا اوپر والا حکم بھی اس وقت ہے جب اٹھانے والا کہے کہ میں نے حفاظت کی غرض سے اسے اٹھایا ہے تا کہ مالک تک پہنچادوں، اس لیے کہ اس طور پر لینے میں شرعاً اجازت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لقطہ پائے تو وہ عادل شخص کو گواہ بنالے یہ امر ہے وجوب کا تقاضا کرتا ہے اور اس لیے بھی کہ اگر گواہ نہ بنائے گا تو ظاہر یہ ہے کہ اپنے لیے اس نے لیا ہے اور گواہی کے لیے اتنا کہنا کافی ہے کہ جس کو تم لقطہ تلاش کرتے دیکھو اسے میرے پاس بھیجنا اسی طرح امانت ہوگا جب لقطہ کا مالک اور اٹھانے والا ایک دوسرے کی تصدیق کردیں کہ اس نے اس لیے اٹھایا تھا تا کہ مالک کے لیے حفاظت کرے اگر اٹھانے والے نے گواہ نہ بنایا اور نہ ہی ایک دوسرے کی تصدیق کریں اٹھانے والا کہے میں نے مالک کے لیے اٹھایا تھا اور مالک اس کی تکذیب کرے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں اس کا ضامن ہوگا اسلیے کہ ظاہر یہ ہے کہ اس نے اپنے لیے اٹھایا ہے نہ کہ مالک کے لیے مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں لقطہ امانت ہے لیکن لقطہ پر گواہ بنانا شرط نہیں بلکہ صرف مستحب ہے اگر اٹھانے والا گواہ نہ بنائے تو ان کے ہاں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ضامن نہیں ہوگا اس لیے کہ لقطہ ودیعت ہے لہٰذا گواہ نہ بنانا۔ امانت سے ضمان کی طرف نہیں لے جاتا، اس پر دلیل حضرت سلمان بن بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث ہے اگر اس کا مالک آ گیا تو صحیح ورنہ وہ تمہارے پاس ودیعت ہے [1] رہ گیا گواہ نہ بنانا تو اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن خالد اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا لقطہ کی تعریف کا نہ کہ گواہ بنانے کا [2] اور یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ ضرورت کے وقت بیان میں تاخیر کرنا جائز نہیں اگر گواہ بنانا واجب ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے جب ان سے لقطہ کا حکم دریافت کیا گیا تھا پس اس وقت حضرت عیاض کی حدیث میں جو گواہ بنانے کا حکم ہے جس سے حنفیہ استدلال کرتے ہیں وہ ندب واستحباب پر محمول ہوگا۔ [3]

(الف)...... امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی رائے کے مطابق ظاہر روایت میں اگر کسی شخص نے لقطہ اٹھایا پھر اسے اسی جگہ واپس چھوڑ دیا تو اس پر کوئی ضمان نہیں اس لیے کہ اس نے ثواب کی نیت اور تبرع کی غرض سے لیا تھا تا کہ اس کے مالک کو واپس کردے اور جب اس نے اپنی جگہ پر واپس چھوڑ دیا تو اس نے عقد تبرع فسخ کردیا تو ایسا ہوگیا گویا اس نے بالکل اٹھایا ہی نہیں اور یہ بھی اس وقت ہے جب مالک تصدیق کر دے کہ اس نے حفاظت کے لیے اٹھایا اٹھانے والا گواہ بنالے پھر وہ ضائع ہوجائے لیکن اگر اس نے گواہ نہ بنایا تو ضامن ہوگا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ضمان واجب نہیں چاہے گواہ بنائے یا نہ بنائے اور بات اٹھانے والے کی معتبر ہوگی قسم کے ساتھ کہ اس نے حفاظت کی غرض سے مالک کے لیے اٹھایا تھا۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو شخص لقطہ اپنی جگہ واپس چھوڑ دے اس پر کوئی ضمان نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے اس شخص کو جسے اونٹ ملا تھا فرمایا: جہاں سے پایا وہ اس کو چھوڑ دو لیکن مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ ملتقط لقطہ کا ضامن ہوگا جب اسے واپس اپنی جگہ پر چھوڑ دے یا کسی دوسرے کو دے دے حفاظت کے لیے شوافع اور حنابلہ کے ہاں: جب کوئی انسان لقطہ اٹھائے پھر اسے اپنی جگہ پر واپس چھوڑ دے تو ضامن ہوگا اس لیے کہ یہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے اس کی حفاظت لازم ہے جب وہ ضائع ہوگیا تو اس کا ضمان لازم ہے جیسا کہ ودیعت کو ضائع کردے پس جمہور کے ہاں لقطہ کو اپنی جگہ پر چھوڑنے سے ضمان لازم ہوتا ہے۔

---

[1] ..... رواہ مسلم۔ [2] رواہ البخاری ومسلم۔ [3] المبسوط: ۱۱/۱۲

(ب)......اور اٹھانے والا ضامن ہوگا اگر لقطہ کو قاضی کی اجازت کے بغیر دوسرے کو دے دے اس لیے کہ اس کی حفاظت اس کے ذمہ واجب تھی کیونکہ اٹھانے کی وجہ سے حفاظت کا التزام اس نے کر دیا۔

(ج)......اگر لقطہ اٹھانے والے کے ہاتھ میں ہلاک ہوگیا اب اگر اس نے لقطہ پر گواہ بنایا تھا بایں طور کہ لوگوں سے کہا میں نے لقطہ پایا ہے جو اس کو تلاش کرے اس میرے پاس بھیجنا تو یہ ضامن نہیں ہوگا اور اگر گواہ نہ بنایا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ضامن ہوگا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ضامن نہیں ہوگا اگر اس نے مالک کو واپس کرنے کی غرض سے اٹھایا ہو اور وہ اپنے اس فعل پر حلف اٹھائے گا اگرچہ مالک اس کی تصدیق نہ بھی کرے۔

(د)......اگر اٹھانے والا اقرار کرے کہ اس نے لقطہ اپنے لیے اٹھایا تھا تو ضمان سے بری نہ ہوگا مالک کو واپس جب تک نہ کر دے اس لیے کہ ظاہر ہے اس نے غصب کیا ہے تو اس پر واجب مالک کو واپس کرنا ہے [1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ادائیگی کرنے تک اٹھانے والے پر ہی ضمان ہے۔

دوسرا مقصد: لقطہ کی قسمیں...... لقطہ کی دو قسمیں ہیں ایک حیوان کے علاوہ لقطہ اور وہ وہ مال ہے جس کا مالک معلوم نہ ہو اور دوسرا حیون کا لقطہ اور وہ اونٹ، گائے، بکری اور جانور ہیں جو گم ہو گئے ہوں۔

حیوان لقطہ کا حکم...... حنفیہ اور شوافع کے ہاں اسے اٹھانا جائز ہے حفاظت اور مالک تک پہنچانے کی غرض سے لوگوں کے مال کی حفاظت اور ضائع ہونے سے بچانے کی غرض سے تاکہ کسی خائن کے ہاتھ نہ لگ جائے اور امام احمد کے ہاں: گم شدہ جانور اور مال وغیرہ کو اٹھانا مکروہ ہے جیسا کہ صحاح ستہ میں زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سونے اور چاندی کے لقطہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اس کی رسی اور اس برتن کو جس میں نفقہ ہوتا ہے کی تشہیر کرو پھر ایک سال تک اس کی تشہیر کرو اگر تم نے اس کی تشہیر نہ کی تو پھر اسے خرچ کرو اور وہ تمہارے پاس ودیعت ہوگا اگر زمانے میں کبھی بھی اس کو تلاش کرتے ہوئے مالک آ گیا تو اس واپس کرو اور گم شدہ اونٹ کے بارے میں ایک شخص نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: تمہیں اونٹ سے کیا غرض اسے چھوڑ دو اس لیے کہ اس کے ساتھ اس کے جوتے اور پانی ہے وہ پانی پر آتا ہے اور درخت کھاتا ہے جب تک کہ مالک اسے پا نہ لے اور بکری کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اسے لے لو کیونکہ وہ تمہارے لیے یا تمہارے بھائی کے لیے یا پھر بھیڑئے کے لیے ہے [2] مطلب یہ کہ اونٹ کا لقطہ جائز نہیں اور باقی اموال کا لقطہ جائز ہے اور امام ابوداؤد احمد اور ابن ماجہ نے جریر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے گائے چھوڑنے کا حکم فرمایا کہ وہ دوسری گائیوں کے ساتھ مل جائے اور فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: گم شدہ چیز کو صرف گمراہ ہی اٹھاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کی گم شدہ چیز جلانے والی آگ ہے یعنی جب اس کا مالک بنے گا تو وہ اسے آگ کی طرف لے جائے گی اور مسلم، احمد اور ترمذی میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے لقطہ کے بارے میں حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی تشہیر کرو اگر کوئی آ جائے اس کے بارے میں اس کی عمر رسی وغیرہ کو بیان کرے تو اسے دے دو ورنہ اس سے خود نفع اٹھاؤ پہلے فریق نے ان احادیث کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ حکم سابقہ زمانے سے متعلق ہے جب اہل اصلاح و امانت کا غلبہ تھا کسی خائن کا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکتا تھا رہ گیا ہمارا زمانہ تو اس زمانے میں کثرت خیانت کی وجہ سے اٹھانا حفاظت اور مالک تک پہنچانے کی غرض ہوتا ہے یہ سب کچھ حج کے لقطہ کے علاوہ ہے اس لیے کہ علماء کا اجماع ہے اس کا اٹھانا جائز نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور مکۃ المکرمہ کا لقطہ بھی جائز نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم فتح مکہ کے موقع پر فرمایا کہ اس کا لقطہ حلال نہیں سوائے تشہیر کرنے

---

[1]...... البدائع: ٦/ ٢٠١۔ [2] نصب الرایۃ ٤/ ٤٦٨

والے کے اور اس کی گری پڑی چیز جائز نہیں سوائے وضاحت کرنے والے کے۔

لقطہ کا کیا جائے.....وہ یہ کہ اٹھانے والا اس کی تشہیر کرے جیسا کہ بخاری اور مسلم مین حضرت خالد الجھنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے لقطہ کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک سال تک اس کی تشہیر کرو نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لقطہ حلال نہیں جو کوئی چیز پائے تو ایک سال تک اس کی تشہیر کرے ❶ تشہیر سے متعلق کلام میں تشہیر کی کیفیت تشہیر کی مدت تشہیر کی جگہ تشہیر کے اخراجات جس چیز کی گمشدہ چیز کو ضرورت ہے لقطہ واپس کرنے کی شرط اور اس کی ملکیت کا حکم بیان کیا جائے گا۔

لقطہ کی تشہیر کی کیفیت.....لقطہ کی تعریف وتشہیر کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے بارے میں جب پائے اعلان کرے عام لوگوں کے جمع ہونے کی جگہوں پر مثلاً بازاروں میں مساجد کے دروازوں پر قہوہ خانوں وغیرہ میں اور تشہیر اس کے بعض اوصاف ذکر کر کے کی جائے۔ مثلاً اس کی جنس ذکر کی جائے اور کہے کسی کی نقدی یا کپڑے گم ہوئے ہیں وغیرہ یا اس کی رسی وغیرہ کا تذکرہ کردے جس سے وہ باندھا جاتا ہے اس کے تفصیلی اوصاف بیان نہ کرے اس لیے کہ اگر اس کے اوصاف بیان کردے گا تو سننے والا اس کو صفات سے جان لے گا اور اس کی صفت پھر ملکیت پر دلیل نہ ہوگی جمہور کے ہاں اٹھانے والے پر اس کی تشہیر واجب ہے کیونکہ ظاہراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امر فرمایا ہے زید بن خالد رضی اللہ عنہ کو کہ ”عرفها سنة“ ایک سال تک تشہیر کرو یہ وجوب کا تقاضا کرتا ہے اس لیے کہ ظاہری امر وجوب کے لیے ہے جیسا کہ علماء اصول کے ہاں مشہور ہے۔

اکثر شوافع کے ہاں.....جس کا ارادہ حفاظت اور مالک کو واپس کرنے کا ہو اس پر تشہیر واجب نہیں شریعت نے تشہیر واجب کی ہے ملکیت کے ارادہ سے جب اٹھایا لیکن معتمد ان کے ہاں بھی یہی ہے کہ تشہیر واجب ہے اس بات پہ ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ لقطہ کا اعلان اور تشہیر واجب ہے۔ اور اٹھانے والا خود تشہیر کرے یا کسی سے کروائے۔

۲۔ تشہیر کی مدت.....علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ گم شدہ بکری پانے والا جو آبادی سے بہت دور ہو وہ اسے کھا سکتا ہے کیونکہ بکری کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ تمہاری ہے یا تمہارے بھائی کی یا بھیڑیئے کی۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ آیا وہ مالک کے لیے قیمت کا ضامن ہوگا یا نہیں؟ جمہور علماء کے ہاں وہ قیمت کا ضامن ہے اس لیے کہ مسلمان کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں۔ اور امام مالک کے ہاں ضامن نہیں ہوگا ظاہر حدیث کی وجہ سے۔ بکری کے علاوہ باقی جانوروں میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ وہ ایسی جگہ پر تشہیر کرے جس کی اہمیت ہو اور وہ ایک سال تک تشہیر کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سال تک تشہیر کا حکم دیا ہے۔

اور بخاری ومسلم میں جو ابی بن کعب کی رویات ہے لقطہ کی تشہیر کے متعلق تین سال کی یا چار اور دس سال کی تو یہ بعض روایت کی غلطی کی وجہ سے ہے جیسا کہ محقق ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق کی ہے۔ یا یہ تقوی والے پر محمول ہے رہ گئی حقیر وکم چیز تو شوافع کے ہاں اصح یہ ہے کہ جو چیز ایک دینار یا درہم کے برابر ہو تو اس کی ایک سال تک تشہیر نہ کی جائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد کی وجہ سے کہ درہم سے کم چیز سے نفع اٹھانے میں کوئی حرج نہیں اور جمہور کے ہاں اس کی مقدار وہ ہے جس سے چور کا ہاتھ نہ کاٹا جاتا ہو اور وہ چوتھائی دینار ہے اور حنفیہ کے ہاں دس درہم بلکہ اتنا عرصہ اس کی تشہیر کرے جس پر گمان ہو کہ گم کرنے والا اب اسے تلاش نہیں کر رہا یہی مالکیہ کے ہاں راجح ہے۔ اور امام ابوحنیفہ سے ایک روایت میں ہے اگر چیز کی قیمت دس درہم سے کم ہو تو وہ اس کا ضامن ہے اپنی رائے کی مطابق تشہیر کرے اگر دس درہم یا اس سے زیادہ کی ہو تو پھر ایک سال تک تشہیر کرے البتہ اتنی بات ہے کہ یہ روایت حنفیہ کے ہاں ظاہر روایت نہیں طحاوی رحمۃ اللہ

❶.....نصب الراية ۴۶۶/۳۔

علیہ نے فرمایا: اگر کوئی لقطہ پائے تو ایک سال تک اس کی تشہیر کرے چاہے وہ نفیس چیز ہو یا خسیس ظاہر روایت میں اور حنفیہ کی ظاہر روایت حنابلہ کا ظاہر مذہب ہے۔

رہ گئی کم چیز تو فقہاء کے ہاں اس کے لینے اور استعمال کرنے میں بغیر تشہیر کوئی حرج نہیں بلکہ مباح ہے جیسے ایک کھجور، روٹی کا ٹکڑا، کپڑے کا ٹکڑا وغیرہ، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور پانے والے پر جب اس نے وہ کھالی انکار نہیں کیا بلکہ فرمایا، اگر تم اس کے پاس نہ بھی جاتے پھر بھی وہ تمہارے پاس آتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھجور دیکھی اور فرمایا اگر مجھے اس کے صدقہ کی ہونے کا خوف نہ ہوتا تو میں اسے کھالیتا اور یہ بات یاد رہے کہ ایک سال تک تشہیر کی جو مدت ہے یہ اس وقت ہے کہ جب لقطہ ایسی چیز ہو جو خراب ہو کر ضائع نہ ہو جائے لیکن اگر وہ خراب ہونے والی چیز ہے تو اسے صدقہ کردے یا خود استعمال کرلے۔

حنفیہ کے ہاں...... اور شوافع کے ہاں اٹھانے والے کو اختیار ہے چاہے تو اسے فروخت کردے اور اس کی تشہیر کے بعد اس کے ثمن کا مالک بن جائے یا فی الحال مالک بن جائے اور کھالے پھر تاوان دے دے۔

۳۔ تشہیر کی جگہ...... لقطہ کی تشہیر بازاروں، مساجد کے دروازوں اور لوگوں کے جمع ہونے کی جگہوں پر کرے اس لیے کہ مقصد اس کی خبر کی اشاعت ہے اور اظہار ہے تاکہ اس کے مالک کو معلوم ہو جائے اور مسجد میں اس کی تعریف نہ کرے اس لیے کہ مسجد اس کام کے لیے نہیں بنائی گئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو کسی شخص کو گمشدہ چیز مسجد میں تلاش کرتے اور اعلان کرتے ہوئے دیکھے تو اسے کہے اللہ تعالیٰ آپ کو واپس نہ کریں اس لیے کہ مساجد اس لیے نہیں بنائی گئی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لقطہ پانے والے کو مسجد کے دروازے پر تعریف کرنے کا حکم دیا۔

اور شوافع نے مسجد حرام میں اعلان کرنے کی اجازت دی ہے کیونکہ وہاں گم شدہ چیزوں کا اعلان کرنا جائز ہے، اس لیے کہ تعریف واعلان مصلحت مالک کی وجہ سے ہے اس لیے کہ اٹھانے والا اس کا مالک نہیں بن سکتا باقی مسجد حرام کے علاوہ جو لقطہ کی تشہیر کرے باقی مساجد میں تو وہ متہم ہے کہ وہ اس کا مالک بننا چاہتا ہے اور میری رائے یہ ہے کہ مساجد میں لاؤڈ اسپیکر پر لقطہ وغیرہ کا اعلان کرنا اوقات نماز کے علاوہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ضرورت ہے اس چیز کی شہروں کے زیادہ اور رہائشی لوگوں کے اضافہ کی وجہ سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اعلان لکھ کر مساجد کے دروازوں پر لگا دیا جائے تشہیر کا مقصد حاصل ہو جائے گا اور یہ صورت ہمارے زمانہ میں مانوس ہے جیسا کہ اخبار وغیرہ کے ذریعہ تشہیر ممکن ہے۔

شوافع نے سال کے دوران تشہیر کے طریقے بیان کیے ہیں کہ سال کے شروع میں ہر دن صبح شام دو مرتبہ اعلان کرے پھر ہر دن ایک مرتبہ پھر ہر ہفتہ میں ایک دو مرتبہ پھر ہر مہینے میں ایک دفعہ۔ ❶

۴۔ تشہیر کے اخراجات...... اگر لقطہ کی تشہیر میں اخراجات کی ضرورت ہو جیسے اخباروں میں اعلان کی اجرت ہمارے زمانے میں تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ خرچہ اٹھانے والے پر ہوگا، اس لیے کہ یہ اجرت تشہیر کرنے والے پر واجب ہے تو اسی پر ہوگی جیسے کہ ملکیت کی غرض سے اٹھائے اس لیے کہ اگر وہ خود تعریف کرے تو مالک پر کوئی اجرت نہیں تو جب کسی کو اجرت پر لے تو بھی مالک پر کچھ نہیں ہوگا۔

مالکیہ کے ہاں...... اگر اٹھانے والے نے اپنی طرف سے لقطہ پر کچھ خرچ کیا تو مالک کو اختیار ہے کہ چاہے تو اس کا خرچہ ادا کردے یا پھر لقطہ ہی کو اس کے حوالے کردے شوافع کے ہاں چونکہ تعریف ملتقط پر واجب ہے جو کہ معتمد ہے ملتقط کے ذمہ تعریف کے اخراجات نہیں اگر اس نے حفاظت اور مالک تک پہنچانے کی غرض سے اسے اٹھایا ہو بلکہ یہ اخراجات قاضی بیت المال یا مالک پر قرض لے کر کرے گا لیکن اگر اس نے لقطہ اپنی ملکیت کے لیے اٹھایا تو پھر تعریف کا خرچہ اس کے ذمہ لازم ہوگا چاہے پھر وہ اس کا مالک بنے یا نہ بنے یہ رائے معقول ہے۔

---

❶ ...... البداء: ۶/ ۲۰۲۔

گم شدہ جانور یا مال جو خرچہ کا محتاج ہوتا ہے تو مالکیہ کے ہاں: ملتقط مالک سے اخراجات میں رجوع کرسکتا ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں وہ اس کی حفاظت میں تطوع کرنے والا ہے لہٰذا نفقہ کے سلسلہ میں مالک پر رجوع نہیں کرسکتا البتہ شوافع کے ہاں اگر رجوع کا ارادہ رکھتا ہے تو پھر حاکم وقت سے اجازت لے لے اگر حاکم موجود نہ ہو تو لقطہ پر گواہ بنالے، حنفیہ کے ہاں بھی اسی طرح ہے کہ اگر اٹھانے والے نے حاکم کی اجازت کے بغیر خرچ کیا تو وہ تبرع اور احسان کرنے والا ہے اس لیے کہ اسے اس بات پر ولایت نہیں کہ وہ مالک کے ذمہ دین اس کی اجازت کے بغیر لے لے اور اگر حاکم کی اجازت سے خرچ کیا تو وہ مالک پر قرض ہوگا اس لیے کہ قاضی کو غائب کے مال پر ولایت حاصل ہے مصلحت کی رعایت کی خاطر اگر معاملہ قاضی کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ دیکھے اگر جانور کا کوئی نفع ہے اور وہاں کوئی مستاجر ہے تو وہ اسے اجرت پر رکھ لے اور اس کی اجرت میں سے اس پر خرچ کرے اس لیے کہ اس کے اجارہ میں مالک کی رعایت ہے اور اگر جانور ایسا ہے کہ اس کا کوئی نفع نہیں بطور اجارہ اور یہ خوف ہو کہ نفقہ اس کی قیمت کو گھیر لے گا تو قاضی اسے فروخت کرکے اس کے ثمن کی حفاظت کا حکم دے دے۔ اور اگر اصلح یہ معلوم ہو کہ فروخت نہ کیا جائے، بلکہ اس پر خرچ کیا جائے تو اسے خرچ کی اجازت دے دے اور نفقہ مالک پر قرض ہوگا جب مالک حاضر ہوا تو اٹھانے والے کو اختیار ہے کہ خرچ وصول کرنے تک اسے اپنے پاس روکے رکھے اور اگر وہ نفقہ دینے سے انکار کرے تو قاضی اسے فروخت کرکے اٹھانے والا خرچہ ادا کرے۔ ❶

۵۔ مالک تک لقطہ پہنچانے کی شرط...... لقطہ واپس مالک کو دینے کی شرط یہ ہے کہ وہ کوئی علامت ذکر کرے جس سے دوسروں میں امتیاز ہو جائے یا دو گواہوں سے ثابت کردے کہ وہ اس کا ہے جب اس نے ثابت کردیا کہ وہ اس کا ہے یا امتیاز کرنے والی علامت ذکر کی اس کا عدد وزن وغیرہ تو پھر اٹھانے والے کے لیے حلال ہے کہ وہ اسے دے دے اور چاہے تو اس پر کفیل لے لے اس لیے کہ علامت کی بناء پر لوٹانے کا شریعت میں حکم ہے اور یہ بالاتفاق علماء کے ہاں ہے لیکن یہ بات کہ آیا قضاء صرف علامت ذکر کرنے کی وجہ سے ملتقط پر جبر کیا جائے گا واپس کرنے کے لیے یا وہ گواہوں سے ثابت کرے؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے ❷ حنفیہ اور شوافع کے ہاں: بغیر گواہوں کے ملتقط کو مجبور نہیں کیا جائے گا لقطہ واپس کرنے پر اس لیے کہ وہ مدعی ہے لہٰذا گواہوں کا محتاج ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اگر لوگوں کو ان کے دعووں کی وجہ سے حق دے دیا جائے تو پھر لوگ لوگوں کے مال اور جانوں کا دعویٰ کریں گے لیکن گواہ مدعی پر ہیں اور قسم جو انکار کردے اس پر ❸ نیز اس لیے بھی کہ لقطہ غیر کا مال ہے لہٰذا ودیعت کی طرح صرف وصف بیان کرنے کی وجہ سے واپس کرنا واجب نہیں لیکن ملتقط کے لیے حلال ہے کہ وہ درست علامات پائے جانے کی صورت میں لقطہ دے دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے کہ اگر اس کا مالک آجائے اور اس کی علامت وغیرہ بیان کردے تو اسے دے دو ورنہ وہ تمہارا ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں...... اگر مذکورہ صفات مالک بیان کردے تو ملتقط کو واپس کرنے پر مجبور کیا جائے گا چاہے اس کی صداقت کا ظن غالب ہو یا نہ ہو اور گواہوں کی ضرورت نہیں ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہ اگر کوئی آکر تمہیں اس کی تعداد اور رسی وغیرہ کی خبر دے تو اسے دے دو اور زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ کی حدیث سابق کی وجہ سے کہ اس میں صرف صفات بیان کرنے کا تذکرہ ہے اور گواہوں کا اس حدیث میں ذکر نہیں اگر یہ شرط ہوتی تو پھر اس حدیث کو اس سے خالی ہونا درست نہ ہوتا اور آپ اس کے علاوہ سپرد کرنے کا حکم نہ دیتے نیز لقطہ پر گواہ قائم کرنے متعذر ہیں اس لیے کہ وہ غفلت اور سستی کی حالت میں ضائع ہوتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گواہ مدعی پر ہیں اس صورت میں ہے جب کوئی انکار کرے اور یہاں کوئی منکر نہیں یہ رائے راجح اور حق ہے۔

۶۔ لقطہ کے مالک ہونے کا حکم...... ایک سال تشہیر کے بعد لقطہ کے حکم میں ہمارے فقہاء کا اختلاف ہے اور اس میں دو رائے

---

❶ ...... البدائع ۲۰۳/۶۔ ❷ فتح القدیر: ۴۳۱/۴۔ ❸ نصب الرایۃ: ۹۵/۴

ہیں: ایک رائے یہ کہ فقیر اس کا مالک بن سکتا ہے امیر نہیں اور ایک رائے مطلقاً مالک بننے کی ہے۔

حنفیہ کے ہاں...... ❶ اگر اٹھانے والا مالدار ہو تو لقطہ سے نفع اٹھانا اس کے لیے جائز نہیں اسے فقراء پر صدقہ کردے چاہے وہ فقراء اس کے رشتہ دار ہوں یا اجنبی اور چاہے اس کے والدین اور بیوی بچے ہوں اس لیے کہ یہ غیر کا مال ہے رضامندی کے بغیر اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں قرآن کریم اور سنت کی نصوص مطلق میں۔ مثلاً فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ......البقرة: ۲/۱۸۸

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝۱۹۰ البقرة ۲/۱۹۰

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کسی مسلمان کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر جائز نہیں اور حدیث ابوہریرہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے لقطہ حلال نہیں جو کوئی چیز اٹھائے تو ایک سال اس کی تشہیر کرے اگر مالک آجائے تو اسے واپس کردے اگر نہ آئے تو صدقہ کردے اور حضرت عیاض بن حمار المجاشعی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جو شخص لقطہ پائے تو اس پر ایک عادل گواہ بنالے نہ اسے چھپائے اور تشہیر کرے اگر مالک مل جائے تو اسے واپس کردے ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کا مال ہے جسے چاہے دے۔

لیکن اگر اٹھانے والا فقیر ہو تو لقطہ سے نفع اٹھانا اس کے لئے جائز ہے بطور صدقہ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس کو صدقہ کردو صدقہ کے بعد اگر اس کا مالک آجائے تو اسے اختیار ہے چاہے تو صدقہ برقرار رکھے تو اسے ثواب ملے گا چاہے تو ملتقط سے ضمان لے لے اور چاہے تو جس فقیر کو صدقہ کیا گیا ہے اگر وہ اس کے پاس ہو اس سے لے لے جو بھی ضامن بنے دوسرے پر رجوع نہیں کرسکتا۔

جمہور فقہاء کے ہاں لقطہ کا مالک بننا جائز ہے اور یہ تمام مالوں کی طرح ہوگا چاہے وہ امیر ہو یا غریب کیونکہ صحابہ کرام کی ایک جماعت سے جن میں عمر، ابن مسعود، عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں سے روایت ہے اور نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد جو حضرت خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اگر مالک نہ ملے تو اس کو خرچ کرو ایک روایت کے الفاظ میں آپ کا اس سے معاملہ اور ابی بن کعب کی روایت میں اسے خرچ کرو اور اسی سے نفع اٹھاؤ اور یہ حدیث صحیح ہے۔

اور حنفیہ کی روایت جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے وہ ثابت نہیں اور نہ ہی وہ کسی معتبر کتاب میں منقول ہے اور حدیث عیاض میں ان کا دعویٰ کے جو چیز اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو اس کا کوئی مالک نہیں ہوتا صرف صدقہ کی مستحق ہے اس پر کوئی برہان و دلیل نہیں اس کا بطلان ظاہر ہے اس لیے کہ تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کی ملک ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اٰتٰىكُمْ ؕ ......النور: ۲۴/۳۳

البتہ مالک بننے کے طریقہ میں جمہور کا اختلاف ہے حنابلہ کے ہاں: جب تشہیر مکمل ہو جائے تو لقطہ اٹھانے والے کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے میراث کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے: جب اس کا مالک آجائے ورنہ وہ مالک کی طرح ہے اور آپ کا ارشاد اسے خرچ کرو اگر ملکیت مالک بننے پر موقوف ہوتی تو آپ ضرور بیان فرماتے۔

مالکیہ کے ہاں...... جب مالک بننے کی نیت کرے گا تو مالک بن جائے گا یعنی تملیک کی تجدید کرے کیونکہ ایجاب نہیں ہے شوافع کے ہاں کہ وہ مالک ہو جائے گا ایسے الفاظ سے جو تملیک پر دلالت کرتے ہوں مثلاً جو کچھ میں نے پایا ہے میں اس کا مالک ہوں، اس لیے کہ اس کا مالک بننا بدل کی وجہ سے ہے لہٰذا تملیک اختیار کرنے کا محتاج ہے جیسے کہ شفیع شفعہ کا اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے سوائے اہل ظاہر کے کہ جب ملتقط لقطہ میں سے کچھ کھالے تو وہ اس کا ضامن ہے۔

---

❶......المبسوط: ۱۱/۴۔

حل اور حرم کا لقطہ......جمہور فقہاء کے ہاں جو احکام لقطہ سے متعلق مذکور ہوئے ہیں یہ مکہ مکرمہ اور دوسرے تمام شہروں کے لقطہ کو شامل ہیں اس لیے کہ لقطہ امانت ہے حل اور حرم کی وجہ سے اس کا حکم مختلف نہیں ہوگا ودیعت کی طرح نیز جو احادیث اس بارے میں ہیں ان میں بھی حل اور حرم کی تعریف نہیں، رہ گئی وہ حدیث جو مکہ کے لفظ کے ساتھ خاص ہے تو اس کا مقصد بعض لوگوں کے رحم کو دور کرنا ہے کہ مکہ کے لقطہ کی تعریف کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ غرباء کی جگہ ہے اس لیے اس میں فائدہ نہیں شوافع کے ہاں صریح یہ ہے کہ حرم کے لقطہ کی تشہیر بھی ہمیشہ واجب ہے اس لیے کہ حرم کا لقطہ مالک بننے سے حلال نہیں ہوتا صحیحین کی حدیث کی وجہ سے کہ یہ شہر اسے اللہ تعالیٰ نے حرمت دی ہے اس کا لقطہ وہی اٹھائے جو اس کی تشہیر کرے اور بخاری کی روایت میں ہے حرم کا لقطہ صرف تشہیر والے کے لیے جائز ہے اور شوافع کے ہاں اس میں سال کی قید بیان نہیں فرمائی تو مراد یہ ہے کہ ہمیشہ اس کی تشہیر کرتا رہے ورنہ تخصیص کا فائدہ نہیں اور معنی یہ ہے کہ حرم مکہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بخشا ہے کہ یہ لوگوں کے بار بار آنے کی جگہ سے ہوسکتا ہے کبھی اس کا مالک آجائے یا اس کی طلب کے لیے کسی کو بھیجے تو اس کا مال بھی یہاں محفوظ ہے جیسے دیت یہاں سخت ہے۔

دسویں فصل......مفقود کے بیان میں

اس فصل میں کلام مفقود کے معنی کیفیت اور حالت کا اعتبار اور قاضی کے اس کے مال اور اہل کے لیے مقرر کرے اور موت کے وقت کا حکم وغیرہ۔

مفقود کون......وہ شخص جو اپنے شہر سے غائب ہو اور اس کا کوئی اتا پتا نہ ہو اور غائب ہوئے اتنا زمانہ گذر جائے کہ یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ زندہ ہے یا مردہ۔

کیسے اس کی زندگی اور موت کا معلوم کریں......مفقود اپنے حق کے اعتبار سے زندہ سمجھا جاتا ہے اور غیر کے حق میں مردہ۔ حنفیہ کے ہاں اس کے لیے بھی حقوق ثابت ہیں ایجابی نہیں۔ پس اس کی نسبت اس کے مال کا کوئی وارث نہ ہوگا اور اس کی بیوی بائنہ نہ ہوگی گویا کہ وہ زندہ ہے۔ اور غیر کی نسبت سے وہ اپنے اقارب کا وارث نہ ہوگا گویا کہ مردہ ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے مفقود کے لیے وصیت کی اور موصی مر گیا تو موصی بہ مستحق نہ ہوگا بلکہ وراثت میں اس کا حصہ موقوف رہے گا یا وصیت میں یہاں تک کہ اس کے زندہ یا مردہ ہونے کا پتا چل جائے حضرات حنفیہ کی شوافع نے موافقت کی ہے کہ بیوی کو نکاح فسخ کرنے کا حق نہیں اور وہ انتظار کرے گی کہ موت کی وفات کا پتا چل جائے امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: جب چار سال گزر جائیں تو قاضی مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کردے اور وہ عدت وفات گذارے پھر جہاں چاہے شادی کرے کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ نے مفقود کے بارے میں اسی طرح فیصلہ فرمایا تھا۔

قاضی کی مفقود کے مال اور اہل کے متعلق صلاحیت......حنفیہ کے ہاں درج ذیل ہیں۔

۱...قاضی ایک امین مقرر کرے جو مفقود کے مال کی حفاظت کرے اور نگرانی کرے اس کے پھلوں وغیرہ کی اور اس کی طرف عائد حقوق وصول کرے جیسے بچہ اور مجنون کے مال پر نگران ہوتا ہے۔

۲......جس مال کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو اسے فروخت کرکے ثمن کی حفاظت کرے کیونکہ فروخت کرنا حفاظت کے مقتضیات میں سے ہے اگر اس کی کچھ ودیعتیں ہوں تو انہیں ودیع کے پاس رہنے دے تاکہ وہ ان کی حفاظت کرے اس لیے کہ اس کا قبضہ نائب ہونے کی حیثیت سے ہے۔

۳ مفقود کے مال میں سے اس کی بیوی پر خرچ کرے اگر نکاح باقی ہونے کا علم ہو اسی طرح اس کے مال میں سے اس کی چھوٹی اولاد

مذکرومرنث پرخرچ کرے اور اسی طرح محتاج اور اپاہج اولاد پر بھی خرچ کرے اگر اس کا کوئی مال نہ ہو صرف ودیعت ہو اور وہ درھم دینار کھانے اور کپڑے ہوں تو ان میں سے خرچ کرے۔

اور اگر اس کا مال درہم دینار کھانا اور کپڑے کے علاوہ ہو مثلاً سامان تجارت ہو یا عقارات ہوں تو قاضی ان میں سے ان پرخرچ نہ کرے کیونکہ سوائے فروخت کرنے کے خرچ کرنا ممکن نہیں اور قاضی کو بھی غائب کی زمین مکانات اور سامان تجارت فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہاں والد کو سامان فروخت کرنا جائز ہے نفقہ کے لئے اس لیے کہ والد کو بیٹے کے مال میں تصرف کرنے کا فی الجملہ اختیار ہے۔ برخلاف قاضی کے رہ گئی زمینیں اور مکانات تو والد کو بھی فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہاں قاضی کی اجازت ہو تو پھر فروخت کرسکتا ہے۔

مفقود کی موت کا کب حکم لگایا جائے گا اور اس کا کیا اثر ہے...... جب مفقود پر کافی عرصہ گزر جائے اس کی ولادت سے اس طور پر کے اس کی ہم عمر اس مدت تک یقیناً زندہ نہیں رہ سکتے تو اس کی موت کا حکم لگایا جائے گا اس کے اور اس کی بیویوں کے درمیان تفریق ہو جائے گی اور اس کا مال اس کے زندہ ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا اور وہ کسی کا وارث نہیں ہوگا وہ مدت جو ہم مقرر کرتے ہیں مفقود کی زندگی کے لیے ظاہر روایت میں اس کی تحدید نہیں بلکہ ہم عمروں کے مرنے سے اندازہ لگایا جاتا ہے اور حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی مدت ایک سو بیس سال نقل کی ہے اس کی ولادت سے لے کر اور زیادہ مناسب نوے سال ہے۔

گیارہویں فصل......مسابقہ اور مناضلہ

پہلی بحث: سبق، مسابقہ، یارھان......اس میں مسابقہ کی تعریف اور مشروعیت اور جواز مسابقہ کی شرائط بیان ہوں گی۔

مسابقہ کی تعریف اور مشروعیت: السبق...... با کے سکون کے ساتھ سبق کا مصدر ہے آگے بڑھنا اور باء کی حرکت کے ساتھ وہ مال جو گھڑ دوڑ کرنے والوں کے درمیان طے ہو یعنی انعام ورھن یا خطر مقدمین کی اصطلاح میں یعنی وہ چیز جس کی وجہ سے سبقت لی جاتی ہے جو آگے بڑھ گیا وہ لے لے گا۔ اور سباق یہ کہ ایک ساتھی دوسرے سے آگے بڑھ جائے گھڑ دوڑ وغیرہ میں۔ مسابقہ اور مقابلہ سنت اور اجماع کی رو سے جائز ہے سنت میں تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سدھائے ہوئے گھوڑے اور نہ سدھائے ہوئے گھوڑے کے درمیان مقابلہ کیا اور مسابقہ کے جواز پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ البتہ مسابقہ میں تین امور ممنوعہ سے بچنا ضروری ہے۔

قمار، جانور کو تکلیف دینا اور ایک ہی شخص کا عوض معوض لینا اور یہ اس وقت ہے جب دونوں مقابلہ کرنے والے عوض پیش کریں تا کہ جیتنے والا اسے لے لے۔ مسابقہ کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ مسابقہ بغیر عوض اور مسابقہ مع عوض۔ مسابقہ بغیر عوض یہ مطلقاً جائز ہے بغیر کسی متعین قید کے جیسے دوڑنے کشتیوں، پرندوں، خچروں، گدھوں اور ہاتھیوں وغیرہ میں مقابلہ دوڑنے کا۔ اسی طرح کشتی اور پتھر اٹھانا تا کہ طاقت معلوم ہو سکے یہ بھی جائز ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوڑ میں میرا مقابلہ کیا تو میں ان سے آگے بڑھ گئی پھر کچھ عرصہ کے بعد پھر مسابقہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بڑھ گئے اور فرمایا یہ اس کے بدلہ میں ہے۔ اسی طرح سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے ایک انصاری صحابی کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں تو حضرت سلمہؓ جیت گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ کے ساتھ کشتی کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پچھاڑ دیا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے وہ پتھر اٹھا رہے تھے تا کہ ان میں سے زیادہ طاقت والا کون ہے معلوم ہو سکے تو آپ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی بقیہ مسابقہ کی اقسام کو انہی پر قیاس کرو۔

۲۔ مسابقہ بعوض......تو حنفیہ کے ہاں چار چیزوں کے علاوہ میں جائز نہیں۔

۱...... تیراندازی ۲...... گھڑ دوڑ خچر اور گدھا وغیرہ کی دوڑ

۳...... اونٹ اور بیل وغیرہ ۴...... اور انسانوں کا دوڑنا اور کشتی۔

پہلی تین چیزیں چونکہ آلات حرب ہیں جن کے سیکھنے کا حکم ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَعِدُّوْا لَہُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ ...... الانفال: ۸/۶۰

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قوت کی تشریح الرمی یعنی پھینک کر مارنے سے کی ہے اور آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے صرف تین چیزیں سامان تفریح ہیں آدمی کا اپنے گھوڑے کی تادیب اپنی بیوی سے کھیل کود اور اپنی کمان سے تیراندازی یہ چیزیں حق ہیں۔

رہ گئی دوڑ نے یا کشتی میں دلیل تو وہ حدیث ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوڑ لگائی تھی۔ اور رکانہ کو پچھاڑا تھا نیز اس لیے بھی کہ قدموں پر چلنا اور پچھاڑنا جہاد میں دشمنوں کو مارنے اور اپنی شان وشوکت اور ٹھاٹ باٹھ جہاد میں ظاہر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ شوافع کے ہاں مسابقہ اور مناضلہ تیروں پر بالا جماع سنت ہے اور ان پر عوض لینا بھی حلال ہے اس لیے کہ اس میں جہاد کی تیاری کی ترغیب بھی ہے۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں صرف تیراندازی گھڑ دوڑ اور اونٹوں وغیرہ کی ریس پر عوض کے ساتھ مسابقہ کرنا جائز ہے یعنی اسلحہ کی ٹریننگ اور گھوڑا چلانے کی مشق وغیرہ میں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مسابقہ جائز نہیں سوائے گھڑ دوڑ اونٹوں کی دوڑ اور تیراندازی کے یہ تمام چیزیں آلات قتال وجہاد ہیں تو ہر وہ چیز جو جہاد کے لئے نفع بخش ہو اس میں مسابقہ جائز ہے۔

رہ گیا قدموں سے دوڑنا اور کشتی میں پچھاڑنا تو یہ عوض کے ساتھ جائز نہیں اس لیے کہ لڑائی میں اس کا کوئی نفع نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکانہ کے ساتھ کشتی کرنا ضرورت کی بنا پر تھا جیسا کہ ابوداؤد کی مراسیل میں ہے اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ آپ کی قوت دیکھ کر اسلام لے آتے وہ اسلام لے آیا تھا۔

جب مسابقہ عوض کے بغیر مطلقاً جائز ہے اونٹوں اور دوسرے جانوروں، کشتیوں اور پرندوں میں جلدی خبر پہنچانے کے حوالے سے تو دوڑنے اور پتھر اٹھانے اور کشتی میں بھی بغیر عوض جائز ہے۔

مسابقہ جائز ہونے کی شرطیں ...... مسابقہ جو عوض کے ساتھ ہو اس کے جواز کی کئی شرائط ہیں ان میں سے اہم یہ ہیں:

۱...... مسابقہ ایسی چیزوں میں ہو جو جہاد کے لیے نفع بخش ہو اور حنفیہ کے ہاں وہ چار چیزوں اور قسموں میں ہے تیراندازی گھڑ دوڑ اونٹ کی ریس اور دوڑنا اور جمہور کے ہاں پہلی تین چیزوں میں۔

۲...... عوض مسابقہ کرنے والوں میں سے کسی ایک کی طرف سے ہو یا کسی تیرے شخص کی طرف سے ہو مثلاً ایک دوسرے سے کہے اگر آپ مجھ سے سبقت لے لو تو میرے ذمہ آپ کے لیے فلاں چیز ہے اور اگر میں سبقت لے گیا تو آپ پر کچھ نہیں یا منتظم یا کوئی تیسرا شخص کہے تم میں سے جو سبقت لے گیا اس کے لیے بیت المال سے یا میری جانب سے فلاں چیز ہے اس لے کہ ان حالات میں حرام قمار (جوا) نہیں پایا جاتا یہ تو عوض دینا ہوتا ہے بطور بدلہ یا بعالہ انعام یا جہاد کے فنون کی تیاری کے لیے۔

اگر عوض دونوں جانب سے ہو تو یہ رھان ہے اور یہ حلال نہیں الا یہ کہ ان میں کوئی تیسرا شخص داخل ہو جائے مثلاً دونوں اس بات پر متفق ہو جائیں کہ ان میں سے ہر ایک دس میرے یا ایک دس میرے اور دوسرا آٹھ میرے مخصوص کرلیں اور وہ کسی تیسرے شخص کو دے دیں کہ اگر اس کا گھوڑا یا اونٹ ان کے اونٹ کے وغیرہ کے برابر ہو اور یہ اس وقت ہے جب وہ سبقت لے جائے ان دونوں سے اگر دونوں سے سبقت لے گیا تو یہ مال وہ لے لے گا اور اگر کسی ایک سے سبقت لے گیا تو اس پر کچھ نہیں ہوگا اور ان میں سے کوئی ایک کچھ بھی نہیں لے گا دلیل نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنا گھوڑا دو گھوڑوں کے درمیان داخل کر دے اور اسے سبقت پر اطمینان نہ ہو تو یہ قمار نہیں اور جو دو گھوڑوں میں گھوڑا داخل کرے اور اسے سبقت کا اطمینان ہو تو یہ قمار اور جوا ہے۔ مطلب یہ کہ تیسرا گھوڑا جو داخل کیا جا رہا ہے مسابقہ میں وہ باقی دو گھوڑوں کے برابر کا ہو اگر وہ ان سے کمزور یا زیادہ طاقت ور ہے تو یہ درست نہیں اس لیے کہ حدیث میں بالکل واضح ہے کہ جب تیسرے کو سبقت کا اطمینان ہو تو یہ جوا ہے اور اگر سبقت کا اطمینان نہیں تو یہ جوا نہیں۔

اگر عوض دونوں جانبوں سے ہو بغیر کسی محلل کے تو یہ گھڑ دوڑ وغیرہ حرام ہے جیسے دو شخص کہیں کہ ہم میں سے جو بھی سبقت لے جائے تو دوسرے پر اس کے بدلہ فلاں چیز ہے تو یہ حرام قمار میں سے ہے۔

پس اس طرح مسابقہ کی چار صورتیں بنتی ہیں تین تو ان میں سے حلال ہیں اور ایک ان میں حرام ہے اس کے لیے جوئے اور قمار کا حکم ہے۔ حلال صورتیں یہ ہیں:

پہلی صورت..... عوض بادشاہ کی طرف سے یا کسی امیر یا کسی تیسرے شخص کی طرف سے ہو تو یہ جائز ہے اتفاقاً۔

دوسری صورت..... کہ عوض ایک جانب سے ہو کہ جیتنے والا اسے لے لے اور یہ بھی بالاتفاق جائز ہے۔

تیسری صورت..... کہ عوض مسابقہ کرنے والوں کی طرف سے ہو اور ان کے ساتھ ایک محلل بھی ہو کہ اگر وہ جیت جائے تو عوض لے لے اور اگر کوئی دوسرا سبقت لے جائے تو اس پر کوئی تاوان نہ ہو اس لیے کہ اس میں قمار نہیں بلکہ جہاد کے لیے قوت حاصل کرنا ہے اور یہ جمہور کے ہاں جائز ہے اور امام مالک اس کو جائز قرار نہیں دیتے کیونکہ ہو سکتا ہے وہ جیت جائے جس نے عوض پیش کیا ہوا ہے۔

حرام صورت...... اور اتفاقاً حرام صورت یہ کہ ہر ایک کی طرف عوض ہو کہ اگر وہ جیت گیا تو اسے عوض ملے گا اور اگر نہ جیتا تو دوسرے ساتھی کو اس کے مثل تاوان دے گا تو یہ حرام ہے اس سے ظاہر ہوا کہ حرام مسابقہ وہ ہے جس میں طرفین سے لینے دینے کا احتمال ہو بایں طور کہ جیتنے والا لے لے اور ہارنے والا تاوان دے یہی قمار اور جوئے کا مفہوم ہے جو حرام ہے۔

۳: **مسابقہ کے جواز کی تیسری شرط:**...... مسابقہ ان چیزوں میں ہو جن میں یہ احتمال ہو کہ ان میں سے ایک بڑھ جائے گا اور دوسرا رہ جائے گا اور اگر یہ معلوم ہو کہ وہ دوسرے سے بڑھ جائے گا تو جائز نہیں اس لیے کہ اس صورت میں تحریض ابھارنے کے معنی نہیں پائے جاتے تو یہ رھان ہو گیا کہ بغیر نفع کے مال کا التزام کرنا شرط ہوا۔

۴۔ مشروط مال معلوم ہو اور ابتداء اور انتہاء معلوم ہو اور گھوڑے وغیرہ متعین ہو کما قرر شافعیہ اس سے ظاہر ہوا کہ آج کل جو مسابقہ ہوتا ہے جس میں رھان پایا جا رہا ہے اور تیسرا کوئی شخص نہیں ہوتا حرام ہے۔

دوسری بحث: مناضلہ: تیر اندازی کا مقابلہ:

اس کی تعریف، اقسام، لزوم حکم اور شرائط: مناضلہ کی تعریف اور مشروعیت..... لغت میں غلبہ پانا اس کا معنی ہے ازھری نے کیا: نضال تیروں میں مقابلہ رھان گھوڑوں میں مقابلہ اور سباق گھوڑوں اور تیر اندازی دونوں میں مقابلہ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ (یوسف ۱۲/۱۷) اسی بنا پر گھوڑوں وغیرہ میں مسابقہ اسلحہ میں سے ہے۔ اس مسابقہ اور مناضلہ کے موضوع پر تصنیف میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی آگے نہیں بڑھا جیسا کہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مناضلہ یا تیر اندازی اسلحہ سیکھنے کی مشق اور ہدف پر درست نشانہ بازی کے ذریعہ اپنا تفوق ظاہر کرنا مخصوص مال پر مناضلہ اور مسابقہ تمام صحت مند مسلمانوں کے لیے سنت اور جائز ہے بالاجماع کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ الانفال:۸/ ۶۰

کفار کے مقابلہ کے لیے جس قسم کی طاقت بھی ہو اسے تیار کرو مسلم شریف میں عقبہ بن عاصر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قوۃ کی تفسیر الرمی سے کی ہے اور فرمایا:

الا ان القوۃ الرمی ثلاث مرات

کہ قوت پھینک کر مارنے میں ہے تیراندازی میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیراندازی پر ابھارا ہے۔ مسند احمد اور بخاری میں سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنو اسلم کے افراد کے پاس سے گزر رہے تھے اور وہ تیراندازی کر رہے تھے بازار میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تیراندازی کرو کیونکہ آپ کے والد بھی تیراندازی کیا کرتے تھے تیراندازی کرو میں فلاں قبیلہ کے ساتھ ہوں سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں تو ایک گروہ نے ہاتھ روک لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کیا ہو گیا تیراندازی نہیں کرتے؟ تو وہ کہنے لگے ہم کیسے تیراندازی کریں آپ ان کے ساتھ ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیراندازی کرو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔ امام احمد اور اصحاب سنن نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں لے جائیں گے ایک اس کے بنانے والے کو جس نے نیکی کے ارادہ سے اسے بنایا دوسرا وہ جو اسے اللہ کے راستے میں دے، اور تیسرا وہ جو اسے اللہ کے راستے میں چلائے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیراندازی کرو اور گھوڑوں پر چڑھو، تیراندازی کرنا گھوڑوں پر سوار ہونے سے بہتر ہے اور فرمایا کہ ہر وہ چیز جس سے انسان کھیلے وہ باطل ہے سوائے تین چیزوں کے اپنی کمان سے تیراندازی کرنا، اپنے گھوڑے کو سدھانا اور اپنی بیوی سے لاڈ پیار کرنا اس لیے کہ یہ چیزیں حق میں سے ہیں۔

مناضلہ کی اقسام...... تیراندازی صحیح ہے چاہے تیروں کمانوں یا پتھر پھینک کر پتھر پھینکنے کے آلہ سے ہاتھ سے یا منجنیق سے اور ہر وہ چیز جو لڑائی میں کام آئے جیسے کھینچ کر تیراندازی وغیرہ یا تلواروں اور نیزوں کے ذریعہ کھیلنا۔ اور درست نہیں مسابقہ گیند کی تمام اقسام میں عوض کے ساتھ اور بندق بیر جیسے پھل یا بلور کے ذریعہ جسے سوراخ وغیرہ میں پھینکا جاتا ہے میں عوض کے ساتھ پانی میں تیرنے پر شطرنج پر انگوٹھی پر ایک پاؤں پر کھڑے ہونے میں اور ہاتھ میں کیا ہے طاق عدد میں جفت میں اور سارے کھیل کے اقسام میں عوض پر مسابقہ جائز نہیں کیونکہ یہ چیزیں جہاد کے لیے نفع بخش نہیں یہ اس صورت میں ہے جب عوض کے ساتھ مسابقہ ہو لیکن اگر بغیر عوض ہو تو مباح ہے جیسا کہ شوافع کے ہاں قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مسابقہ گھڑ دوڑ اور دوسرے جانوروں اور دوڑنے اور تیراندازی باری اور اسلحہ کے استعمال کے ساتھ میں کوئی اختلاف نہیں اس لیے کہ اس میں جہاد کی مشق ہے اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا اور امام احمد اور شیخین نے روایت کی ہے کہ حبشی نیزوں کے ساتھ مسجد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھیل رہے تھے۔

عقد مسابقہ اور مناضلہ کی صفت...... شوافع کے ہاں اظہر یہ ہے کہ یہ دونوں عقد جب مال مشروط پر مکمل ہو جائیں تو لازم ہو جاتے ہیں طرفین میں سے کسی ایک کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ جب وہ مال کا التزام کرلے اور ان کے درمیان کوئی محلل داخل ہو جائے اور اسے فسخ کردے جیسا کہ عقود لازمہ کی حالت ہے۔ اور اسے شروع کرنے سے پہلے ترک کرنا درست نہیں اور نہ اس کے بعد الا یہ کہ طرفین عقد اول کو فسخ کردیں اور نیا عقد شروع کریں۔

مناضلہ کا حکم...... مناضلہ اور مسابقہ کا حکم ایک ہے ان میں سے تین صورتیں حلال ہیں اور چوتھی صورت حرام ہے اس لیے کہ یہ قمار اور جوا ہے اور وہ یہ کہ مناضلہ کرنے والے اس بات پر عہد کرلیں کہ ہر ایک دوسرے کو متعین عوض دیں اگر کامیاب ہو، اگر عوض حاکم وقت کی

جانب سے بیت المال سے ہو یا کسی بااثر شخص کی جانب سے ہو یا مناضلہ کرنے والوں میں سے کسی ایک یا دونوں کی جانب ہو جائز ہے امام کہے یا رعیت میں سے کوئی ایک کہے اس طرح تیراندازی کرو جو کامیاب ہو گیا اسے بیت المال سے اتنا ملے گا یا میرے اوپر اتنا ہے یا ان میں ایک کہے میں اس طرح تیراندازی کروں گا اگر تم جیت گئے تو میرے ذمہ اتنا ہے اور اگر میں جیت گیا تو میرے لیے تمہارے اوپر کچھ نہیں لیکن اگر دونوں ایک دوسرے پر عوض شرط قرار دیں تو مناضلہ کسی تیسرے شخص کے داخل ہونے کے بغیر جائز نہیں اور اس کی تیراندازی قوۃ اور تعداد میں برابر ہونی چاہیے وہ ان دونوں کا مال لے لے اگر غالب ہو اور اس پر تاوان نہ ہو۔

مناضلہ کے صحیح ہونے کی شرطیں...... درج ذیل مناضلہ کے صحیح ہونے کی شرطیں ہیں:

۱...... تیراندازی کی تعین ہدف کی تعین جس جگہ ٹھہر کر تیراندازی کریں گے اس کی تعین اور مسافت کی تحدید اور نشانہ کی لمبائی چوڑائی موٹائی اور زمین سے اونچائی وغیرہ کی مقدار کی تعین اور تیروں کی تعداد وغیرہ تا کہ درست نشانہ وغیرہ کا عمل منضبط ہو سکے اس لیے کہ مناضلہ مسابقہ کی طرح ہے اس میں بھی درست اور غلط کا امکان شرط ہے۔

۲...... اسلحہ کی جنس ایک ہو مثلاً پستول، بندوق اور مدفع وغیرہ اور مختلف جنس کے اسلحہ سے مناضلہ صحیح نہیں اگرچہ دونوں اس پر راضی ہی کیوں نہ ہوں۔

۳...... درستگی کی مقدار اور مارنے کی صفت کا بیان یعنی آخری حد نیزہ تیر وغیرہ جبکہ نضال تیروں وغیرہ سے ہو کہ دونوں مناضلہ کرنے والے صرف آخری حد تک پہنچا دیں یا ہدف تک پہنچا کر اسے پھاڑ ڈالیں۔

۴...... مال کی مقدار معلوم ہو اور محلل (تیسرا شخص) موجود ہو اگر حرام صورت ہو۔

۵...... پہلے کون تیراندازی کرے گا اس کی وضاحت اس لیے کہ ان دونوں میں ترتیب شرط ہے تا کہ درست اور غلطی کرنے والے میں اشتباہ نہ ہو جیسا کہ اگر دونوں اکٹھے تیراندازی کریں اگر وضاحت نہ کی تو عقد فاسد ہوگا۔

بارہویں فصل......شفعہ

شفعہ کے متعلق درج ذیل آٹھ مباحث میں بات ہوگی:

پہلی بحث	......	شفعہ کی تعریف اس کی دلیل اور حکمت رکن عنار، سبب، حکم اور صفت۔
دوسری بحث	......	محل شفعہ یعنی کس چیز میں شفعہ ثابت ہے اور کس میں نہیں۔
تیسری بحث	......	شفیع شفعہ کے مراتب، شفعاء کا تعدد، بعض شفعاء کا نہ ہونا اور بعض کا اپنا حق ساقط کرنا۔
چوتھی بحث	......	شفعہ کے احکام۔
پانچویں بحث	......	شفعہ کی شرطیں۔
چھٹی بحث	......	طلب شفعہ۔
ساتویں بحث	......	مشتری کے ہاتھ میں ہونے والے تصرفات شئی مشفوع میں۔
آٹھویں بحث	......	شفعہ ساقط کرنے والی چیزیں اسی ترتیب پر اس سلسلہ میں بحث ہوگی۔

پہلی بحث: شفعہ کی تعریف: دلیل اور حکمت، رکن، عناصر، حکم اور صفت:

پہلی بات: شفعہ کی تعریف..... شفعہ لغت میں شفع سے ماخوذ ہے اس کا معنی ملانا زیادہ کرنا اور تقویت دینا ہے آپ کہتے ہیں شفعت الشی ملانا شفعہ کو۔ شفعہ بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ شفیع جس چیز کا مالک ہوتا ہے اسے اس حق اور حصہ کے ساتھ ملاتا ہے اور اس میں اضافہ کرتا اور اس سے تقویت حاصل کرتا ہے، اور شفیع اپنی ملکیت میں منفرد ہوتا ہے اور شفعہ کی وجہ سے مبیع کو اپنی ملکیت سے ملا لیتا ہے لہٰذا شفعہ طاق کی ضد ہے۔

اور فقہی اصطلاح میں...... وہ فروخت شدہ عقار کے حق کا مالک ہونا مشری پر جبر کرتے ہوئے جو کچھ اس نے دیا ہے مثلاً ثمن اور نقصان وغیرہ داخل یا پڑوس کے شریک کے ضرر کو دفع کرنے کے لیے اور یہ حنیفہ کے ہاں ہے ❶ کیونکہ ان کے ہاں شریک اور پڑوسی دونوں کے لیے شفعہ ثابت ہے۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں..... شریک کا استحقاق جو کچھ عوض کے بدلہ میں دوسرے شریک نے کیا ہے عقار میں اس کے ثمن یا قیمت دے کر بالفاظ دیگر قہری حق کا مالک ہونا ہے جو قدیم شریک کا جدید شریک پر ثابت ہوتا ہے جو عوض دے کر مالک ہوا ہے ❷ اور یہ اس لیے کہ جمہور کے ہاں شفعہ کا حق صرف شریک کو ہے پڑوسی کو نہیں۔

اور اس بات کو مد نظر رکھیں کہ مذاہب اربعہ میں شفعہ صرف عقار میں محصور ہے البتہ ظاہر یہ منقول میں بھی اس کی اجازت دیتے ہیں جیسے حیوان وغیرہ میں۔ ❸

دوسری بات: اس کی دلیل اور مشروعیت کی حکمت..... شفعہ کی مشروعیت کی دلیل سنت اور اجماع سے ثابت ہے: سنت میں بہت ساری احادیث ہیں: ان میں سے حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چیز تقسیم نہ ہوئی تھی اس میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا: اور جب حد بندی ہو جائے اور راستے الگ الگ ہو جائیں تو پھر شفعہ نہیں ❹ ان میں سے ایک دوسری حدیث بھی ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی کہ پڑوسی شفعہ کا زیادہ حقدار ہے کہ وہ اس کی نگرانی کرتا ہے جب کہ وہ موجود نہ ہو اور ان کا راستہ ایک ہو اور ان احادیث میں سے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے گھر کا پڑوسی دوسروں سے گھر کا زیادہ حقدار ہے۔ اور ان میں سے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ پڑوسی شفعہ کا زیادہ حقدار ہے۔

اور اجماع...... ابن منذر نے فرمایا: اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ شریک کے لیے شفعہ اس زمین وغیرہ میں ثابت ہے جو تقسیم نہ کی گئی ہو یعنی زمین گھر اور باغ وغیرہ اور اس بات کی مخالفت اصم کے علاوہ کسی نے نہیں کی اس لیے کہ اصم کے ہاں شفعہ ثابت نہیں اس لیے کہ اس میں ملکیت والوں کا نقصان ہے اگر مشتری کو یہ معلوم ہو کہ جو کچھ وہ خرید رہا ہے وہ اس سے لے لیا جائے گا تو وہ اسے خریدے ہی گا نہیں اور شریک خریدنے سے رکا ہوا ہے اور مالک کا نقصان ہوا ہے مطلب یہ کہ شفعہ میں ابتداء عقد میں تصرف کی آزادی میں تصادم ہے اور اس پر رد کیا گیا ہے کہ ان کا قول کوئی حیثیت نہیں رکھتا، احادیث اور ان سے پہلے منعقد اجماع کے مقابلہ میں۔

حکمت...... اجنبی آدمی کی مداخلت کے ضرر کو دور کرنا جو دائمی طور پر آئے گا سوء معاشرت اور سوء معاملہ کی وجہ سے اور دن کی روشنی اور غبار اور جانور باندھنے اور بچوں کے کھیلنے وغیرہ میں رکاوٹ کی وجہ سے خاص کر جبکہ وہ ضدی اور جھگڑالو ہو اور کبھی حکمت یہ بھی ہوتی ہے کہ تقسیم کے اخراجات کے ضرر کو دور کیا جائے جیسا کہ مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں ہے۔ جو کچھ بھی ذکر کیا گیا یہ نقصان کے مظاہر ہیں اور اسلام میں ضابطہ ہے کہ لا ضرر ولا ضرار یعنی نہ ضرر پہنچے نہ ضرر پہنچایا جائے جیسا کہ عمدہ معاشرت شریک اور پڑوسی کی مصلحت کی رعایت کا تقاضا کرتی ہے اور مصلحت کی رعایت شرعاً مطلوب ہے اور یہ چیزیں جیسے شرکت یا منافع میں اختلاط کی صورت میں پائی جاتی ہیں اسی طرح حنفیہ کے ہاں

---

❶......الدر المختار: ۱۵۲۵۔ ❷الشرح الصغیر: ۶۳۹/۳۔ ❸المحلی: ۱۰۱/۹۔ ❹ البخاری۔

پڑوسی کی وجہ سے بھی پائی جاتی ہیں۔

تیسری بات: شفعہ کا رکن اس کے عناصر اور سبب.....حنفیہ کے ہاں (1) شفعہ کا رکن متعاقدین میں سے کسی ایک سے اسباب وشرائط پائے جانے کی صورت میں شفیع کا لینا اور اس عقار کو جس کی وجہ سے شفعہ طلب ہوتا ہے اسے مشفوع بہ کہتے ہیں اور وہ زمین جس کا شفعہ کی وجہ سے مالک بنتا ہے اسے مشفوع فیہ کہتے ہیں اور زمین خریدنے والا مشفوع علیہ ہے اور شفعہ کا مطالبہ کرنے والا شفیع ہے۔

شفعہ کا سبب.....شفیع کی ملکیت کا مشتری کے ساتھ متصل ہونا شرکت یا جوار کی وجہ سے۔

شرائط.....محل مبیع عقار ہو، سفل ہو یا علو اور مالکیہ کے ہاں شفعہ کے چار ارکان ہیں شفیع مشفوع فیہ اور صیغہ۔ اور صیغہ سے مراد وہ چیز جو اخذ پر دلالت کرے چاہے لفظ ہوں یا کچھ اور۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں.....شفعہ کے تین ارکان ہیں: شفیع مشفوع علیہ اور مشفوع فیہ۔ رہ گیا صیغہ تو وہ تملیک میں واجب ہوتا ہے شفیع کی جانب سے لفظ شرط ہے مثلاً تملیك یا اخذ ت با لشفعہ۔

چوتھی بات: شفعہ کا حکم اور صفت.....بطور شفعہ لینا ایسا ہے جیسے ابتداءً خریدنا حنفیہ کے ہاں (2) شفعہ کا حکم سبب پائے جانے کے وقت طلب کا جائز ہونا اگر چہ کئی سالوں کے بعد ہی معلوم ہوا اور صفت کہ بطور شفعہ لینا بمنزلہ نئے سرے سے خریدنے کے ہے۔ بیع کے بعد شفیع اس کا مستحق ہوتا ہے پس جو کچھ خریدنے سے ثابت ہوتا ہے وہ اس سے بھی ثابت ہوگا مثلاً خیار رویت اور خیار عیب وغیرہ۔

دوسری بحث: محل شفعہ.....یعنی مشفوع فیہ یا کس چیز میں شفع ثابت ہوتا ہے اور کس میں نہیں۔ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شفعہ عقار میں حق ہے یعنی زمین گھر باغ اور کنویں اور جو کچھ ان کے تابع ہے عمارت اور درخت وغیرہ میں ان کے علاوہ میں اختلاف ہے۔

مذاھب اربعہ میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ منقولی اشیاء میں شفعہ نہیں جیسے جانور کپڑے اور سامان تجارت وغیرہ میں دلیل وہ سابقہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین چشمہ اور باغ میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا۔ اور مسلم نسائی اور ابوداؤد میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا جو تقسیم کی گئی ہو چاہے چشمہ ہو یا باغ نیز اس لیے بھی کہ شفعہ مشروع ہے بری شرکت کے نقصان کو دفع کرنے کے لیے بالاتفاق یا پڑوس کی وجہ سے حنفیہ کے ہاں ہمیشہ کے لیے اور منقولی چیز ہمیشہ نہیں رہتی برخلاف عقار کے اس میں شرکت کا نقصان ہمیشہ ہوتا ہے۔ اور شفعہ میں جبراً مالک بننا ہوتا ہے۔ علو سفل حنفیہ کے ہاں عقار سے ملحق ہیں اور جو کچھ ان کی حکم میں ہوگا علو کی طرح ہے اگر چہ سفل میں اس کا راستہ نہ بھی ہو اس لیے کہ یہ عقار سے ملحق ہے قراء کے حق کی وجہ سے اور عقار میں کوئی فرق نہیں کہ وہ علو ہو یا سفل اور یہ معقول بات ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں علو میں شفعہ جائز نہیں اس لیے کہ عمارت چھت پر قائم رہتی ہے اور چھت تو عمارت کی زمین ہے اس میں ثبات نہیں لہٰذا یہ منقولات کی طرح ہے۔

اور حنفیہ کے ہاں برابر ہے عقار چاہے تقسیم کا احتمال رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو جیسے چھوٹا گھر حمام پن چکی اور کنواں وغیرہ اس لیے کہ ان کے ہاں شفعہ کی علت شرکت کے ضرر کو دفع کرنا ہے یا جوار کے ضرر کو اور یہ علت ان چیزوں میں بھی متحقق ہے جو تقسیم کا احتمال نہیں رکھتیں۔

۔جمہور کے ہاں شرط ہے کہ عقار تقسیم کا احتمال رکھتی ہو یہ استدلال کرتے ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ظاہری حدیث سے الشفعہ فیما لم یقسم گویا کہ کہا گیا شفعہ ان چیزوں میں ہے جن میں تقسیم ممکن ہے جب تک کہ وہ تقسیم نہ کر لی جائیں اور اس پر اجماع ہے تمام علماء وفقہاء کا استدلال کی صحت کے اختلاف کے باوجود۔ اس لیے کہ ان کے ہاں شفعہ کی مشروعیت کی علت تقسیم کے ضرر کو ختم کرنا ہے اور جو

---

(1).....الدر المختار ۱۵۲/۵۔ (2) الدر المختار ۵: ۱۵۳/۔

چیز تقسیم نہیں ہوتی اور اس میں تقسیم آسان نہیں تو اس میں شفعہ کی حاجت نہیں اس میں شریک کا ضرر نہیں ہوگا شفعہ نہ ہونے سے۔

حقوق ارتفاق...... حنفیہ کے ہاں عقار کے حقوق میں شفعہ ثابت ہے جیسے شرب (پانی کی باری) اور خاص راستے اگر خاص نہ ہوں تو ان میں شفعہ کا استحقاق نہیں۔ طریق خاص: وہ رستہ جو کھلا ہوا نہ ہو اگر کھلا ہوا ہے تو وہ خاص راستہ نہیں۔

اگر ایک قوم کے درمیان ایک چھوٹی نہر ہو جو ان میں مشترک ہو اس سے وہ اپنی زمینوں کو سیراب کرتے ہوں وہاں سے کچھ زمین فروخت کی گئی تو اس نہر کے شرب والوں میں سے ہر ایک کو شفعہ کا حق ہے لیکن اگر نہر عام ہو تو پھر شفعہ صرف قریبی پڑوسی کے لیے ہوگا اور اسی کے مثل خاص راستہ ہے۔

مالکیہ کے ہاں...... راستہ میں کوئی شفعہ کا اختیار نہیں جب کہ وہ دو شریکوں یا زیادہ میں تقسیم ہو جب کہ گذرنے کا راستہ ان میں مشترک ہو کیونکہ جب یہ اس کے تابع ہے جس میں شفعہ نہیں وہ شفعہ کا حق نہیں گھر ہیں تو اس میں بھی شفعہ نہ ہوگا۔ اسی طرح عرصہ صحن، گیلری، میں بھی شفعہ کا حق نہیں شوافع کے ہاں: شفعہ کسی صورت میں بھی نہیں فروخت شدہ گھر راستے میں جو نافذ ہو اس لیے کہ وہ کسی کی ملکیت میں نہیں رہ گیا وہ راستہ جو بند ہو تو صحیح یہ ہے کہ اس میں شفعہ ثابت ہے اگر مشتری جو مشترک راستہ خاص میں ہو یا اس کے گھر کا کوئی دوسرا رستہ بھی ہو یا اسے دوسرے کسی راستے کے ذریعہ بغیر ضرر کے پہنچنا بھی ممکن ہو مثلاً عام راستے کی طرف دروازہ نکالنے کے ذریعہ تو پھر راستہ میں شفعہ نہیں اس لیے کہ اس سے مشتری کا نقصان ہے جب کہ شفعہ ضرر دور کرنے کے لیے مشروع ہے لہٰذا ایک ضرر کو دوسرے ضرر سے زائل نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ ضرر ضرر سے زائل نہیں ہوتا۔ حنابلہ بھی شوافع کی طرح ہیں کہ جب گھر فروخت کیا گیا اور اس کا راستہ شارع عام یا کھلا راستہ ہے تو اس گھر میں شفعہ نہیں نہ راستہ میں، اس لیے کہ اس میں کسی ایک کی بھی شرکت نہیں اور اگر راستہ کھلا نہ ہو اور اس کے علاوہ گھر کی طرف کوئی راستہ بھی نہ آتا ہو تو اس میں بھی شفعہ نہیں اس لیے کہ اس سے مشتری کو نقصان ہے کہ گھر بغیر راستے کے رہ جائے گا لیکن اگر گھر کا کوئی اور دروازہ بھی ہو جس سے چلا جا سکتا ہے یا وہاں ایسی جگہ ہے کہ کھلے راستے کی طرف دروازہ کھولا جا سکتا ہے تو پھر ہم گھر کے ساتھ فروخت شدہ راستے کو دیکھیں گے اگر راستہ ایسا ہے کہ اسے تقسیم نہیں کیا جا سکتا ہو اس میں شفعہ نہیں اور اگر تقسیم ممکن ہے تو اس میں شفعہ واجب ہے اس لیے کہ یہ مشترک زمین ہے جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہے۔

کشتیوں میں شفعہ...... فقہاء کے ہاں کشتیوں میں شفعہ ثابت نہیں اس لیے کہ یہ سامان تجارت کی طرح ہیں جو منقولی اشیاء ہیں بعد شفعہ اس زمین مشروع ہے جو دائمی طور پر باقی رہے اور اس کا ضرر دائمی ہو اور علامہ کاسانی نے نقل کیا ہے امام مالک سے کہ ان کے ہاں کشتیوں میں بھی شفعہ ہے اس لیے کہ کشتی ایک سکون کی جگہ ہے لہٰذا اس میں شفعہ واجب ہے جیسا کہ دوسری سکونت والی جگہ یعنی عقار میں واجب ہے لیکن یہ بات امام مالک کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں جیسا کہ ابن عبدالسلام نے تحقیق کی ہے اس سے ظاہر ہوا کہ مذاہب اربعہ کشتیوں میں شفعہ نہ ہونے پر متفق ہیں۔

کھیتی، پھل اور درختوں میں شفعہ...... جمہور کے ہاں جو چیز عقار نہیں اس میں شفعہ بھی نہیں جیسے عمارت درخت بغیر زمین کے لیکن اگر زمین کے ساتھ فروخت میں ہوں تو پھر شفعہ واجب ہے اور وہ چیزیں جو زمین کے تابع میں شوافع کے ہاں پھل جو پکے نہ ہوں اس لیے کہ اصل کے اعتبار سے یہ بیع کے تابع ہیں لہٰذا لینے میں بھی اس کے تابع ہوں گے عمارت اور درختوں پر قیاس کرتے ہوئے۔

حنابلہ نے درختوں اور عمارتوں کو زمین کے ساتھ خاص کیا ہے کہ یہ زمین کے تابع ہو کر نہیں لیے جاتے لہٰذا ان میں تابع ہو کر شفعہ ہے اور زمین کے تابع کھیتی اور پھل نہیں کیونکہ وجوب شفعہ کی شرط یہ ہے کہ مبیع زمین ہو کہ یہ چیزیں دائمی طور پر رہتی ہیں۔

مالکیہ نے عمارت اور درختوں میں شفعہ کی اجازت دی ہے جب کہ یہ علیحدہ علیحدہ زمین کے علاوہ فروخت ہوں اس لیے کہ یہ دونوں چیز

یں ان کے ہاں عقار ہیں اور عقار وہ زمین اور اس سے متصل عمارت اور درخت ہیں جانوروں اور سامان تجارت میں شفعہ نہیں ہاں اگر زمین کے تابع ہو کر فروخت ہوں تو پھر ہے۔

اس کی مثال...... درخت اور عمارت اگر کسی وقف شدہ زمین یا عاریت پر دی گئی زمین میں ہوں اور مصلحت موقوف زمین کو دو سال کے لیے اجارہ پر دینے کی ہو پھر اس میں مستاجر نے تعمیر کر دی یا درخت لگا دیئے ناظر کی اجازت سے، کہ یہ اسی کے ہوں گے اگر مستاجر متعدد ہوں ان میں سے ایک فروخت کرے تو دوسرے کو شفعہ کا حق ہے مالکیہ نے پھلوں میں بھی شفعہ کی اجازت دی ہے اور سبزیوں ککڑیوں، خربوزوں، کھیروں، بینگنوں وغیرہ میں بھی اور وہ چیزیں جو زمین میں کچھ مدت باقی رہتی ہوں جب دو شریکوں میں سے کوئی اپنا حصہ ان میں سے فروخت کرے تو دوسرے کو شفعہ کا حق ہے۔ اور پھلوں میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ فروخت کے وقت موجود ہوں۔ مالکیہ کھیتی وغیرہ یعنی گندم روئی برسیم وغیرہ میں شفعہ کی اجازت نہیں دیتے اگر کسی نے کھیتی اور لوبیہ وغیرہ زمین کے ساتھ فروخت کیا تو ان میں سے شفعہ نہیں صرف زمین میں ہوگا اور ظاہر یہ کے ہاں: تمام مذاہب سے زیادہ وسعت ہے شفعہ میں وہ ہر قسم کی مبیع چاہے عقار ہو یا منقولی چیز سب میں شفعہ کی اجازت دیتے ہیں اور چاہے منقولی چیز عقار سے متصل ہو یا نہ ہو اور چاہے مبیع تقسیم ہو سکتی ہو یا نہ درخت زمین کپڑے تلوار کھانا جانوروں وغیرہ میں اور ہر وہ چیز جو فروخت کی جائے تو فروخت کرنے والے کے لیے شریک کو پیش کرنے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں۔

تیسری بحث: شفیع: پہلی بات شفیع کون ہے

......فقہاء کی اس بارے میں اور رائے ہیں کہ شفعہ کا حقدار کون ہے۔

حنفیہ کے ہاں...... شفیع شریک اور پڑوسی ہیں اور جمہور کے ہاں شفیع صرف شریک ہے احناف کے ہاں ❶ شفعہ ثابت ہے اس شریک کے لئے بھی جو مبیع میں شریک ہے اور اس شریک کے لیے بھی جو خاص منفعت والے حقوق میں شریک ہے جیسے شرب اور طریق جیسا کہ مبیع سے ملے ہوئے پڑوسی کے لیے ثابت ہے اگر چہ اس کے گھر کا دروازہ دوسری گلی ہی میں ہو اور ایک جانب سے ملا ہوا اگر چہ ایک بالشت ہی ہو ایسا ہی ہے جیسے تین جانب سے ملا ہوا اور دیوار پر شہتیر رکھنے والا اور دیوار کی لکڑی میں شریک پر پڑوسی میں شریک نہیں اس لیے کہ شہتیر کے دیوار پر رکھنے سے وہ گھر میں شریک نہیں ہو جاتا اور شفعہ عقار میں ثابت ہے منقولی اشیاء میں ثابت نہیں اور لکڑی منقولی چیز ہے شفعہ کے استحقاق میں مسلمان اور ذمی میں کوئی فرق نہیں اس لیے کہ اس کی مشروعیت کی دلیل عام ہیں نیز یہ دونوں سبب شفعہ اور اس کی حکمت میں برابر ہیں لہٰذا استحقاق میں بھی برابر ہوں گے۔

اور ان کے دلائل مشروعیت شفعہ میں نقل کی گئی احادیث ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے۔

جار الدار احق بسقبہ ❷ گھر کا پڑوسی شفعہ کا زیادہ حقدار ہے نیز گھر کا پڑوسی، پڑوسی کے گھر اور زمین کا زیادہ مستحق ہے ❸ اور پڑوسی شفعہ کا زیادہ حقدار ہے ❹ اور ان کے مذہب کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ شفعہ کی علت وہ ہمیشہ کے نقصان کو دور کرنا ہے جو انسان کو سوء معاشرت کی وجہ سے ہمیشہ لاحق ہوگا اور یہ علت پڑوسی میں بھی پائی جاتی ہے جیسا کہ شریک میں پائی جاتی ہے لہٰذا شفعہ کی مشروعیت کی حکمت دونوں میں ظاہر ہے۔

جمہور کے ہاں...... صرف ذات مبیع میں شریک شخص کے لیے شفعہ ہے جب تک وہ چیز تقسیم نہ کی گئی ہو اگر وہ چیز تقسیم کر دی گئی ہے تو اس شریک کے لیے شفعہ نہیں اور نہ ہی اس شریک کے لیے شفعہ ہے جو حق مبیع میں شریک ہے اور نہ ہی پڑوسی کے لیے۔

شوافع مالکیہ اور اصحاب ظواہر کے ہاں: ذمی کافر کے لیے مسلمان پر شفعہ ثابت ہے جیسا کہ حنفیہ کے ہاں ہے جب کہ حنابلہ کے ہاں کافر کے لیے مسلمان کی عقار وغیرہ کی بیع میں مسلمان پر شفعہ نہیں حدیث نبوی کی وجہ سے کہ نصرانی کے لیے شفعہ نہیں اور یہ ان کی دلیلوں سے خاص

---

❶......البدائع: ۵/۴۔ ❷بخاری ❸ابو داؤد، ترمذی ❹ترمذی

سے نیز بطور شفعہ لینا یہ عقار کے ساتھ خاص ہے یہ عمارتوں میں استعلاء کے مشابہ ہے اور کافر کے لیے مسلمان کے بنسبت یہ ممنوع ہے نیز اس کی شرکت کی وجہ سے مسلمان کا نقصان ہے لیکن اس بارے میں ارجح ہے کیونکہ حنابلہ جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں وہ ضعیف ہے۔

فقہاء کا اتفاق ہے حنابلہ کے علاوہ اس بات پر کہ ذمی کا ذمی پر شفعہ ثابت ہے کیونکہ شفعہ سے متعلق احادیث تمام عام ہیں نیز یہ دونوں اپنے دین اور حرمت کے اعتبار سے برابر ہیں لہٰذا ان کا ایک دوسرے سے یہ شفعہ ثابت ہے جیسے مسلمان کا مسلمان پر اور اہل بدعت کے لیے بھی شفعہ ثابت ہے اس لیے کہ عمومی دلیلیں ہر شریک کے لیے ثبوت شفعہ کا تقاضا کرتی ہیں رہ گئے وہ بدعتی جن کے کفر کا حکم ہے تو حنابلہ کے ہاں ان کے لیے شفعہ ثابت نہیں برخلاف جمہور کے۔

جمہور کی دلیلیں...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سابقہ روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کا فیصلہ فرمایا ہر اس میں جو تقسیم نہ کی گئی ہو اور جب حد بندی ہو جائے اور راستے الگ الگ کر دیئے جائیں تو پھر شفعہ نہیں اور سعید بن میسب کی روایت جب زمین تقسیم کر دی گئی اور اس کی حد بندی کر دی گئی تو اس میں شفعہ نہیں پس جب شریک مقاسم کے لیے شفعہ واجب نہیں تو یہ اس کے زیادہ لائق ہے کہ پڑوسی کے لیے واجب نہ ہو اور شریک مقاسم جب تقسیم ہو جائے تو وہ پڑوسی ہوتا ہے نیز اس لیے بھی کہ شفعہ اصل کے خلاف ثابت ہے لہٰذا اپنے مورد پر ہی بندر ہنا چاہئے۔ رہ گئی ابورافع کی روایت کہ الجار احق بسقبہ پر شفعہ میں صریح نہیں یہ بھی احتمال ہے کہ سقب سے مراد پڑوسی کے ساتھ احسان اور اس سے اس کی عیادت ہو اور جابر رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح اور صریح ہے اور باقی احادیث کی اسناد میں کلام ہے سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن نے روایت کی ہے جبکہ ان سے انہوں نے صرف عقیقہ والی حدیث سنی ہے اور جوار کی احادیث کو شرکت والے شفعہ پر محمول کرنا متعین ہے پس لفظ جار سے مراد شریک ہے اور یہ رائے میرے اندازے میں اولیٰ ہے اس لیے کہ شفعہ میں کئی مشکلات ہیں جب کہ شریعت میں مقرر اصل یہ ہے کہ عقد میں آزادی ہو لہٰذا یہ شرکت کی حالت پر مقتصر ہے۔ ابن قیم نے ان دونوں رائیوں کے درمیان کی راہ اختیار کی ہے کہ پڑوسی کے لیے شفعہ کا ثبوت ہے جب کہ وہ پڑوسی حقوق میں سے کسی حق میں شریک بھی ہو جیسا کہ راستہ اور شرب ورنہ اس کے لیے شفعہ نہیں البتہ شوکانی اور شوافع نے درمیانی راہ کو عمدہ قرار دیا ہے حدیث جابرؓ میں جب دونوں کا راستہ ایک ہے۔

دوسری بات: شفعہ کے مراتب اور تعدد شفعاء کی صورت میں تقسیم کی کیفیت...... حنفیہ ہاں نفس مبیع میں شریک کے لیے شفعہ واجب ہے اگر وہ نہ ہو یا تھا لیکن حق شفعہ چھوڑ دیا تو پھر حقوق میں سے کسی حق میں شریک کے لیے ثابت ہے مثلاً وہ قاسم ہے اور اس کا عقار میں خاص چیز مثلاً شرب یا راستے وغیرہ میں پھر شفعہ قریبی پڑوسی کے لیے ہے۔

اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ حق شفعہ ثابت ہے حقوق ارتفاق میں چاہے مبیع قریب ہو یا بعید اور اس میں بھی کوئی فرق نہیں اسی خاص شرب سے اس زمین کو سیراب کیا جائے یا اس سے نالی نکال کر اسے سیراب کیا جارہا ہو جب تک سارے اس سے سیراب کر رہے ہیں اور استحقاق کا سبب ایک ہے اور وہ خاص نفع میں شریک ہونا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں شرب خاص سے مقصود چھوٹی نہر ہے جس میں کشتیاں نہ چلتی ہوں اور جس میں کشتیاں چلتی ہوں وہ عام ہے اور عام مشائخ کے ہاں نہر میں شرکاء اگر شمار میں آتے ہوں تو چھوٹی ہے ورنہ بڑی اور اگر وہ شمار میں نہیں آتے مثلاً چار یا پانچ سو ہوں اور اصح یہ ہے کہ ہر مجتہد کی رائے کی طرف یہ مفضی ہے۔

اور طریق خاص سے مقصود...... جو نافذ اور کھلا نہ ہو تو اس کے تمام رہنے والے شفیع ہیں اگر شرب اور طریق عام ہوں تو ان میں شفعہ نہیں اور راستے کا نہ کھلا ہوا ہونا کہ اس کے رہنے والے کسی دوسرے کو اس پر چلنے نہ دیں۔

شفعہ کا تصور شرب کی وجہ سے اگر ایک زمین فروخت کی جارہی ہو اور اس میں خاص نہر جو کچھ لوگوں کے درمیان مشترک ہو اور اس سے وہ زمینیں سیراب کررہے ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو شفعہ کا حق ہے چاہے وہ زمینیں نہر کے قریب ہوں یا بعید اور حنفیہ کی دلیل شفعاء کی اس ترتیب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ شریک خلیط سے زیادہ حقدار ہے اور خلیط شفیع پڑوسی سے زیادہ حقدار ہے ❶ نیز اس لیے بھی کہ مبیع میں اتصال اس کے علاوہ سے زیادہ قوی ہے اور منافع میں اتصال پر پڑوسی سے زیادہ قوی ہے اس لیے کہ ملک کے منافع میں اشتراک اور ترجیح سبب کی قوت سے ہوتی ہے نیز تقسیم کی مشقت کے ضرر کو دفع کرنا اگر چہ حنفیہ کے ہاں استحقاق شفعہ کے لیے علت ہونا درست نہیں البتہ شفعاء کی تعدد کی صورت میں یہ صرف رجح نہیں سکتا ہے۔

تعدد شفعاء کی صورت میں تقسیم کی کیفیت...... مذکورہ سابقہ باتوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حق شفع میں تعدد کی صورت میں کیسے تقسیم ہو کہ وہ ایک سے زائد ہو اور ہر ایک شفعہ طلب کرے۔

(الف)...... اگر ایک درجہ کے نہ ہوں مثلاً ان میں سے ایک مبیع میں شریک ہو اور دوسرے حقوق میں اور ایک پڑوسی ہو تو شریک فی المبیع کو پہلے رکھا جائے گا پھر شریک فی حق المبیع کو پھر پڑوسی (۱۰۰۹) مجلّہ دیوار میں شریک گھر میں شریک کی طرح ہے اور جس کی زیادہ لکڑیاں دیوار پر ہوں تو وہ جار ملاصق ہے نہ کہ شریک اور اوپر والی منزل والا اور نیچے کی منزل والا دونوں جار ملاصق ہیں م (۱۱۱) مجلّہ اور حق شرب حق طریق سے مقدم ہے (م ۱۰۱) مجلّہ۔ اگر شرب یا طریق والا صرف اپنی زمین فروخت کرے اور ان حقوق ارتفاق کو نہ فروخت کرے حقوق ارتفاق میں شریک شرکاء کو حق شفعہ نہیں (م (۱۰۱۵) مجلّہ اگر دو قسم کے شرکاء جمع ہو جائیں تو اخص اعم سے مقدم ہوگا نہر کی نالیوں میں شریک سے مشترک شرب میں شریک اولی ہے۔

(ب)...... اگر شفعاء ایک ہی درجہ کے ہوں جیسے مبیع میں شریک شرکاء لہٰذا مشفوع زمین طلب کرنے والے سبب میں تقسیم ہوگی عدد روؤس کے اعتبار سے ملکیت اور مبیع کے اعتبار سے نہیں یہ حنفیہ اور اصحاب ظواہر کے ہاں ہے اس لیے کہ یہ سب استحقاق شفعہ کے سبب میں برابر کے شریک ہیں وہ شرکت یا جوار کا اتصال ہے۔

جمہور کے ہاں عقار مشفوع فیہ شفعاء کے درمیان حصص کے اعتبار سے تقسیم کی جائے گی نہ کے عدد روؤس کے اعتبار سے اس لیے کہ شفعہ ملکیت کے سبب پیدا ہونے والا حق ہے لہٰذا ملکیت کے اعتبار سے ہی تقسیم ہونا چاہیے جیسے غلہ اور پھل وغیرہ اور ملکیت سے حاصل ہونے والی اجرت اور شرکت اموال میں منافع ہر شریک اپنی ملکیت کے اعتبار سے لے گا اگر زمین تین آدمیوں کے درمیان مشترک ہو ایک کا نصف حصہ ہو دوسرے کا ثلث اور تیسرے کا سدس اب پہلا اپنا حصہ فروخت کرے تو دوسرا اس سے دو حصے لے گا اور تیرا ایک حصہ لے گا نیز اس لیے بھی کہ شفعہ شروع ہے ضرر دور کرنے کے لیے اور ضرر تو شرکاء میں سے ہر ایک کی ملکیت کے اعتبار سے داخل ہے نہ کہ برابر کے اعتبار سے لہٰذا واجب ہے کہ ان کا استحقاق اس نسبت حصص کے اعتبار سے دور کیا جائے۔

مالکیہ کے ہاں تعدد شفعاء کی صورت میں کہ اخص مقدم ہوگا شفعہ میں غیر سے یعنی جو سہم میں شریک ہے اگر مر گیا عقار والا اور دو دادے دو بیویاں اور دو بہنیں اس نے چھوڑیں ان میں سے ایک نے اپنا حصہ فروخت کیا تو شفعہ اس کے لیے ہوگا جو سہم میں شریک ہے نہ کہ باقی وارث اگر سہم میں شریک حقیقی بہن کے ساتھ علاتی بہن بھی ہو بیٹی کے ساتھ پوتی ہو اب اگر حقیقی بہن یا بیٹی اپنا حصہ فروخت کردے تو علاتی بہن اور پوتی شفعہ کا حق رکھتی ہیں نہ کہ عصبہ۔ اور اخص جس کے کئی حصے ہوں وہ اعم کے ساتھ داخل ہے اور اعم وہ ہے جو سہم میں شریک نہیں جیسے عرصہ وغیرہ اگر ایک شخص ایک بیٹی یا زیادہ چھوڑ کر اور دو بھائی دو بے چھوڑ کر مر گیا اور بھائیوں میں سے ایک نے اپنا حصہ فروخت کردیا تو یہ بیٹیاں شفعہ

---

❶ ......نصب الرایة ۴/ ۱۷۶۔

شریک ہیں اور حق بھائی یا چچا کے ساتھ خاص نہیں جس نے فروخت نہیں کیا اگر ایک شخص تین بیٹیاں چھوڑ کر مرا اور پھر ان تین میں سے ایک مر گئی پھر اس کی ایک بہن نے اپنا حصہ فروخت کیا تو مرنے والی کی اولاد اپنی خالاؤں کے ساتھ شفعہ میں ہوں گی اس لیے کہ نیچے والا طبقہ اخص ہے اس لیے کہ یہ میت ثانی کے قریب ہیں اور اوپر والی اعم ہیں اور جسے زمین کی وصیت کی گئی ہے اس کے ذوی الفروض ورثاء اور عصبات شفعہ میں داخل ہوں گے ان میں سے کسی ایک نے اگر اپنا حصہ فروخت کیا تو صرف شفعہ میں باقی موصی لھم شامل نہیں ہوں گے بلکہ وارث بھی ان کے ساتھ شفیع ہوں گے پھر وارث کو مطلقاً مقدم کیا جائے گا چاہے ذوی الفروض میں سے ہو یا عصبہ ہو یا اجنبی ہو پھر اجنبی کو مقدم کیا جائے گا اگر وارث اپنا حق چھوڑ دے۔

تیسری بات: بعض شفعاء کا موجود نہ ہونا..... حنفیہ کے ہاں ❶ اگر بعض شرکا فی الشفعہ بیع کے وقت اور طلب شفعہ کے وقت موجود نہ ہوں اور حاضر شفعہ طلب کرے تو اس کے لیے شفعہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا اس لیے کہ حاضر چونکہ یقینی طور پر ثابت ہے اور غائب طلب شفعہ کے حوالے سے مشکوک ہے لہٰذا حاضر کو مؤخر نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ جو مشکوک ہے وہ یقینی کا مقابل وضرا حم نہیں اس لیے کہ شائد غالب طلب نہ کرے لہٰذا شک کی بنیاد پر مؤخر نہ کیا جائے گا پھر جب غائب آ گیا اور اس نے شفعہ طلب کیا اور وہ حاضر کے درجہ کا ہو تو پھر حاضر کی تقسیم ٹوٹ جائے گی نئے سرے سے تقسیم ہوگی لیکن اگر غائب حاضر کے درجہ کا نہ ہو جس نے شفعہ کا دعویٰ کیا ہے اور یہ صورت متصور نہیں سوائے حنفیہ کے جیسے شریک اور پڑوسی اور اگر غائب حاضر سے اوپر کے درجہ کا ہو جیسے شریک پڑوسی کے ساتھ تو اس کے لیے سارے مشفوع کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور اگر وہ اس سے کم ہو تو پھر اسے شفعہ سے روک دیا جائے گا۔ مالکیہ شوافع حنابلہ اور ظاہریہ غائب کے لیے حق شفعہ کے ثبوت میں حنفیہ کے ساتھ متفق ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد شفعہ ان چیزوں میں ہے جو تقسیم نہ ہوئی ہوں، عام ہے نیز شفعہ مالی حق ہے اور غائب کی نسبت سے اس کا سبب پایا جا رہا ہے لہٰذا اس کے لیے بھی ثابت ہوگا جیسے میراث نیز غائب شریک کو بیع کا علم ہی نہیں لہٰذا معلوم ہونے کے وقت اس کے لیے شفعہ ثابت ہے حاضر کی طرح کہ جب اس سے بیع کو چھپائے اور مشترک کے ضرر کو قیمت دے کر دور کیا جائے گا۔

چوتھی بات: بعض شفعاء کا اپنے حق کو ساقط کرنا..... حنفیہ کے ہاں ❷ جب بعض شفعاء اپنا حق ساقط کر دیں۔

(الف).....اگر فیصلہ ہونے سے پہلے ایسا کریں تو باقی رہنے والے سارا حق لے لیں گے۔

(ب).....اور اگر وہ شفعہ کا فیصلہ ہونے کے بعد حق ساقط کریں تو باقی چھوڑے ہوئے حصے کے حقدار نہیں اس لیے کہ فیصلہ کی وجہ سے ہر ایک حصہ الگ الگ ہو گیا مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں: جب بعض شفعاء شفعہ میں سے اپنا حق ساقط کریں مثلاً معاف کر دیں تو ان کا حق ساقط ہو جائے گا تمام مالی حقوق کی طرح اور دوسرے کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو مشفوع چیز سارا یا سارے کو چھوڑ دے اور اسے صرف اپنا حق وصول کرنے کا حق نہیں یا صرف اپنے حصہ پر اکتفاء کا حق نہیں اس لیے کہ اگر ایک شفیع اگر اپنا بعض حصہ چھوڑ دے تو اس کا سارا حق ختم ہو جاتا ہے قصاص کی طرح تاکہ مشتری پر سوراخ ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو ابن منذر نے فرمایا تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے اور اس طرح مشتری کو ضرر ہے جب کہ ضرر کو ضرر سے زائل نہیں کیا جاتا۔

چوتھی بحث: شفعہ کے احکام:

پہلی بات شفعہ کے ذریعہ مالک بننے کا طریقہ:..... حنفیہ کے ہاں ❸ شفعہ واجب ہوتا ہے عقد بیع کی وجہ سے اور شفعہ کا استحقاق بیع کے بعد ہوتا ہے اگر بیع فاسد ہو اور فسخ کسی بھی وجہ سے نہ ہو سکے یا بیع میں مشتری کو خیار ہو تو صرف بیع فاسد کی وجہ سے شفعہ کا حق نہ ہوگا اس لیے کہ یہ شرعاً فسخ کی مستحق ہے اور حق شفعہ ثابت کرنے میں

---

❶.....البدائع: ۶/۵ ـ ❷ الدر المختار ۱۵۶/۵ ـ ❸ البدائع: ۲۳/۵

فساد برقرار رکھنا ہے لہٰذا یہ جائز نہیں اور اگر فسخ کسی وجہ سے ختم ہو جائے۔ مثلاً مبیع میں تصرف یا اس پر عمارت تعمیر کرنے کی وجہ سے ساقط ہو جائے تو مانع زائل ہونے کی وجہ سے شفعہ ثابت ہے جیسا کہ اگر بائع کو خیار ہو تو اس میں شفعہ نہیں اس لیے کہ بائع کی ملکیت زائل نہیں ہوئی رہ گیا مشتری کا خیار تو یہ بائع کی ملکیت کو زائل کر دیتا ہے اور شفعہ اسی پر مبنی ہے اور طلب مواثبۃ ضروری ہے کہ جونہی سنے تو فوراً شفعہ طلب کرے اور گواہ بنانے سے یہ استقرار پکڑتا ہے اسے طلب تقریر بھی کہتے ہیں اور رضامندی یا قاضی کے فیصلہ سے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے۔

یعنی شفعہ سے مالک بننے کے لیے شفیع کے پاس دو طریقے ہیں: یا تو مشتری اپنی رضامندی سے شفیع کو مبیع دے دے یا پھر قاضی کے حکم اور فیصلہ سے دے دے اس لیے کہ مشتری کی ملکیت مکمل ہے لہٰذا شفیع کی طرف پر رضامندی یا قاضی کے فیصلہ کے بغیر منتقل نہ ہوگی جیسا کہ ہبہ میں رجوع اس لیے کہ حاکم کو ولایت عامہ حاصل ہے اسی پر مرتب ہے کہ شفیع کے لیے شفعہ میں احکام ملک میں سے کچھ بھی ثابت نہ ہوگا دو مذکورہ صورتوں میں سے ایک اختیار کرنے سے پہلے۔ اگر اس حالت میں مر گیا تو حنفیہ کے ہاں اس میں وراثت جاری نہ ہوگی اور اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا جب اس نے وہ گھر فروخت کر دیا جس کی وجہ سے وہ شفعہ کر رہا تھا اور اگر اس حالت میں اس کے پہلو میں گھر فروخت ہوا تو یہ شفعہ کا مالک نہ ہوگا ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے۔

ان دو طریقوں میں سے ایک طریقے سے مالک بننا مذاہب اربعہ کے درمیان متفق علیہ ہے ❶ لیکن مالکیہ کے ہاں تین چیزوں میں سے ایک سے شفعہ کا مالک ہوگا حاکم کا حکم یا مشتری کو ثمن دے کر، یا اخذ شفعہ پر گواہ بنالے اگرچہ مشتری کی عدم موجودگی ہی میں ہو۔

حنفیہ کے علاوہ باقیوں کے ہاں بیع فاسد میں شفعہ نہیں اس لیے کہ ان کے ہاں یہ باطل ہے یعنی شرعاً منعدم ہے اور مالکیہ نے مشتری کے تصرف کی صورت کو مستثنیٰ کیا ہے تو شفیع دوسرے مشتری سے لے سکتا ہے ثمن ادا کر کے لیکن اگر بیع فاسد میں مشتری کی قبضہ میں اس چیز کی ذات ہی تبدیل ہو جائے جیسے گر جانا تو شفیع قیمت دے کر لے سکتا ہے۔ عقار کا مالک بننا شفعہ کے ذریعہ یہ بیع جدید ہے لہٰذا شفیع کو خیار رویت اور خیار عیب حاصل ہے ❷ جیسا کہ تمام عقود میں ہوتا ہے۔ شفیع شفعہ سے اسی چیز کا مالک بنے گا جس کا مشتری مالک بنا ہے چاہے وہ اصلاً خود مالک بنا ہو یا کسی دوسرے کے تابع ہو کر بنا ہو جیسے عمارت درخت کھیتی اور پھل وغیرہ پر حنفیہ کے ہاں استحسان سے ثابت ہے اس لیے کہ حق جب عقار میں ثابت ہو گیا تو جو کچھ اس کے تابع ہے اس میں بھی ثابت ہوگا: اس لیے کہ تابع پر اصل کا حکم جاری ہوتا ہے۔ ❸

دوسری بات: شفیع کے ذمہ کیا دینا واجب ہے..... ❹ ثمن دینا واجب ہے: فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شفیع ثمن دے کر مبیع کو لے گا یا وہ عوض جو مشتری دے کر مالک ہوا ہے یا مشتری کے ثمن کے مثل ثمن دے کر نہ کہ مبیع کے مثل جس کا مشتری مالک بنا ہے اس لیے کہ شریعت نے شفیع کے لیے مشتری پر مثل ثمن دے کر ولایت ملکیت ثابت کی ہے ❺ مقدار اور جنس کے اعتبار سے حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے کہ وہ اس کا حقدار ہے ثمن دے کر ❻ جیسا کہ اس کے ذمہ لازم ہے جو خرچہ مشتری نے کیا ہے دلال کی اجرت اور کاتب وغیرہ کی اجرت اگر ثمن مثلی ہیں مثلاً کیلی یا وزنی تو شفیع ثمن کی قیمت دے کر لے لے گا اس لیے کہ اس نے انہیں قرض میں بدل دیا اور اتلاف میں لزوم عقد کے وقت۔ اور اگر زمین زمین کے بدلے فروخت کی گئی اور ان دونوں زمینوں کا شفیع ایک ہی ہے تو شفیع دونوں زمینیں دوسری کی قیمت دے کر لے گا اس لیے کہ یہ اس کا بدل ہے اور یہ قیمت والی چیز ہے لہٰذا قیمت دے کر لے گا اور اگر دونوں کے شفیع الگ الگ ہوں تو ہر ایک قیمت دے کر لے گا اگر کسی ذمی کے کوئی گھر شراب یا خنزیر دے کر خریدا اور شفیع بھی ذمی ہے تو وہ شراب کا مثل اور خنزیر کی قیمت دے کر لے گا اور اگر اس کا شفیع مسلمان ہے تو وہ شراب اور خنزیر کی قیمت دے کر لے گا خنزیر تو ظاہر ہے قیمتی ہے اور شراب چونکہ مسلمان کے لئے ممنوع ہے لہٰذا غیر مثلی ملحق ہے۔ اور مبیع کی قیمت بیع کے دن کی لگائی جائے گی نہ کہ شفعہ کے دن کی اس لیے کہ یہ عوض ثابت ہونے شفعہ کے استحقاق کا دن

❶ .....الشرح الصغير: ۳/ ۶۴۰۔ ❷البدائع: ۵/ ۲۵۔ ❸البدائع: ۵/ ۲۷۔ ❹ تكملہ فتح القدير: ۷/ ۴۲۷۔ ❺رواه ابو اسحاق ❻المبسوط: ۱۴/ ۱۰۷۔

ہے بالاتفاق فقہاء کے ہاں اور حنابلہ کے ہاں: جس چیز کو ذمی شراب یا خنزیر دے کر خریدے اس میں شفعہ نہیں کیونکہ یہ دونوں مال نہیں۔

۲۔ ثمن میں کمی یا اضافہ...... حنفیہ کے ہاں جب بائع مشتری سے کچھ ثمن کم کردے چاہے شفعہ سے پہلے یا بعد میں تو اتنی مقدار شفیع سے بھی کم ہو جائے گی اس لیے کہ بعض کم کرنا اصل عقد سے ملحق ہے لہٰذا اس کا اظہار شفیع کے حق میں ہوگا اس لیے کہ وہ شفیع ثمن کے بدلے میں کر رہا ہے اور ثمن باقی ہے۔ لیکن اگر بائع مشتری کو سارے ثمن معاف کردے تو شفیع سے کوئی چیز بھی ساقط نہیں ہوگی اس لیے کہ کل معاف کردینا کسی صورت میں بھی اصل عقد سے ملحق نہیں اس لیے کہ عقد اپنے موضوع سے نکل جاتا ہے یہ ہبہ ہو جاتا ہے اور ثمن نام کی کوئی چیز نہیں رہتی۔

اور اگر مشتری اپنی طرف سے بائع کے لیے ثمن میں اضافہ کرے یا ثمن اول سے زیادہ پر نیا عقد کرے تو یہ اضافہ شفیع کے ذمہ لازم نہیں ہوگا اس لیے کہ اضافہ کی صورت میں اس کا نقصان ہے برخلاف ثمن کم کرنے کے کہ اس میں اس کا نفع تھا خلاصہ یہ کہ شفیع کے حق میں ثمن کی کمی تو ثابت ہے لیکن اضافہ نہیں۔ حنفیہ کے ساتھ باقی تمام فقہاء اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ اگر بائع سارے ثمن مشتری کو معاف کردے تو اس میں کوئی شفعہ نہیں کیونکہ بیع ہی نہیں۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں اگر بعض ثمن مشتری سے کم کردیئے یا زیادہ کردیئے عقد لازم ہونے سے پہلے مدت خیار میں تو شفیع سے بھی جتنی مقدار کم کی ہے وہ کم ہوں گے اور جو زیادہ کیے وہ لازم ہوں گے اس لیے کہ شفیع کا حق عقد مکمل ہونے کے بعد ثابت ہوتا ہے اور خیار زائل ہونے کے بعد اور تبدیلی عقد کو ملحق ہوگی لیکن اگر خیار ختم ہوگیا اور عقد مکمل ہوگیا پھر اس نے کمی یا اضافہ کیا تو یہ عقد کو ملحق نہ ہوگا اس لیے کہ اس وقت کمی کرنا بری کرنا ہے نئے سرے سے اور یہ شفیع کے حق میں ثابت نہیں اور مدت خیار کے بعد اضافہ ہبہ ہے اس پر ہبہ والی شرائط جاری ہوں گی۔

۳۔ ثمن کی مدت مقرر کرنا...... امام زفر کے علاوہ حنفیہ اور شوافع کے ہاں اگر کل یا بعض ثمن کے لیے مدت مقرر ہو تو اس سے شفیع استفادہ نہیں کرسکتا جو مشتری کے لیے ہے شفیع کو اختیار ہے کہ چاہے تو فی الحال ثمن ادا کر کے مبیع لے لے یا صبر کرے کہ مدت ختم ہو جائے اور اس کا حق ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ ثبوت شفعہ کے لیے عقد شرط ہے اور وہ پایا گیا اور اس مدت سے استفادہ نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ شفعہ اس سودے کی صفت کو مشتری سے شفیع کی طرف تبدیل نہیں کرتا بلکہ یہ نقض عقد ہے جو بائع اور مشتری کے درمیان مکمل ہوگیا ہے پھر شفیع کے لیے الگ بیع ہے۔ اور امام زفر کے ہاں شفیع اس مدت سے استفادہ کرسکتا ہے، اس لیے کہ مدت ثمن کے لیے وصف ہے جیسے کھوٹ ہونا اور شفعہ لینا ثمن کے ساتھ ہوتا ہے تو یہ وصف اور اصل دونوں اعتبار سے لے گا۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں شفیع تاجیل ثمن سے استفادہ کرسکتا ہے جس پر عقد مکمل ہوا ہے جب کہ وہ مالدار اور نقد ہو اور اس کا کفیل بھی مالدار ثقہ ہو لیکن اگر وہ مالدار نہیں اور نہ ہی کوئی مالدار اس کا ضامن ہے تو پھر اس پر فی الحال ثمن ادا کرنا واجب ہے مشتری کی رعایت کرتے ہوئے یہ رائے اتباع کے اعتبار سے اولیٰ ہے۔

۴۔ کیا شفعہ کا فیصلہ ثمن ادا کرنے تک موقوف رہے گا...... حنفیہ، شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں: شفعہ سے مالک بننے کے لیے حاکم کا حکم ثمن حاضر کرنا اور مشتری کا موجود ہونا شرط نہیں لہٰذا قاضی کا فیصلہ مجلس قضاء میں ثمن حاضر کرنے کا شفعہ کے لیے موقوف نہیں ہوگا اس لیے کہ اس کا حق صرف فروخت کرنے ہی سے ثابت ہوگیا ضرر دور کرنے کے لیے یہ ایسا ہی ہے جیسے گروہ بائع سے پہلی بار خرید لے یا اس لیے کہ شفیع مشفوع چیز کا مالک بن گیا ہے شفعہ کے فیصلہ کی وجہ سے گویا اس نے بائع سے خریدا ہے اور خریدنے سے ملکیت کا ہونا یہ ثمن حاضر کرنے پر موقوف نہیں جیسے ابتداءً بیع وشراء کرنا۔

لیکن مالکیہ کے ہاں...... اگر شفیع کہے میں شفعہ کرتا ہوں تین دن میں ثمن حاضر کردوں گا اگر ان دنوں میں لے آیا تو ٹھیک ورنہ حق

شفعہ ساقط ہوجائے گا۔ محمد بن حسن کے ہاں: قاضی اس وقت تک شفعہ کا فیصلہ نہ کرے جب تک شفیع ثمن حاضر نہ کرے مشتری سے ضرر دور کرنے کے لیے، اس لیے کہ بسا اوقات شفیع مفلس ہوتا ہے لہٰذا فیصلہ ثمن حاضر کرنے تک موقوف رہے گا اور قاضی دو یا تین دن مقرر کرے ثمن ادا کرنا تاکہ ممکن ہوں اس لیے کہ شفیع کا ضرر دوسرے کو ضرر پہنچا کر دور رکھنا صحیح نہیں لیکن امام محمد جو اس محذور سے ڈر رہے ہیں اس کا دور کرنا ممکن ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے ہاں ہے کہ مشتری عین کو اپنے پاس روکے رکھے تاکہ شفیع ثمن ادا کردے۔ علامہ کاسانی نے دونوں رائیوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ یہ میرے نزدیک حقیقۃً اختلاف نہیں اور قاضی ثمن حاضر کرنے سے پہلے بھی شفعہ کا فیصلہ کرسکتا ہے بغیر کسی اختلاف کے اس لیے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ کہ قاضی کے لیے مناسب نہیں وہ شفعہ کا فیصلہ صادر کردے شفیع کے ثمن حاضر کرنے سے پہلے یہ اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ اسے فیصلہ کرنا جائز نہیں بلکہ یہ احتیاط کی طرف اشارہ ہے یہی وجہ ہے کہ اگر اس نے فیصلہ کردیا تو جائز ہے اور اس کا فیصلہ نافذ ہوگا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

۵۔ مشفوع فیہ میں استحقاق...... اگر شیء مشفوع کا کوئی مستحق نکل آئے تو یہ ذمہ داری اور ثمن کا ضمان کس پر ہوگا اس میں دو رائے ہیں اور عہدہ سے مراد یہ کہ کس کی طرف ملکیت منتقل ہوتی ہے اور وہ شفیع ہے اور اس سے کون ملکیت کو منتقل کرے گا بائع یا مشتری استحقاق کی صورت میں یا عیب کی صورت میں عوض وغیرہ۔

حنفیہ کے ہاں...... ❶ ثمن کا ضمان استحقاق کی صورت میں مشتری پر ہوگا اگر شفیع نے مبیع اس سے لی ہو اور اسے ثمن ادا کیے ہوں اس لیے کہ اسی نے ثمن پر قبضہ کیا ہے نیز مبیع بھی اسی سے شفیع کی طرف آتی ہے اور یہی غالب ہے۔

اور کبھی ثمن کا ضمان بائع پر ہوتا ہے جب کہ شفیع مبیع اس سے لے مشتری کو سپرد کرنے سے پہلے اس لیے کہ اسی نے ثمن پر قبضہ کیا ہے اور بائع ہی کے پاس سے مبیع شفیع کی طرف منتقل ہوتی ہے۔

جمہور کے ہاں...... جب شفیع ایک مشترک جزو مبیع کا لے اور اس کا کوئی مستحق یا اس میں عیب نکل آئے تو وہ مشتری پر ثمن یا عوض کا رجوع کرے گا اور مشتری بائع پر رجوع کرے گا اس لیے شفیع نے مشتری سے مبیع لی ہے۔

۶۔ مقدار ثمن میں شفیع اور مشتری کا اختلاف...... جب مشتری اور شفیع مقدار ثمن میں اختلاف کریں مشتری اکثر کا دعویٰ کرے اور شفیع کم کا تو کس کی بات کی تصدیق کی جائے گی؟ تو جمہور فقہاء مذاہب اربعہ وغیرہ کے ہاں جب شفیع اور مشتری مقدار ثمن میں اختلاف کریں مشتری کہے میں نے سو کا خریدا ہے اور شفیع کہے بلکہ پچاس کا خریدا ہے تو بات مشتری کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگی اس لیے کہ وہ شفیع سے زیادہ جانتا ہے معاملہ کو نیز شفیع کم کا دعویدار ہے، اور مشتری مدعی علیہ ہے اس کا انکار کررہا ہے اور بات منکر کی قسم کے ساتھ معتبر ہے البتہ مالکیہ مشتری کے قول کو لینے میں ایک قید لگاتے ہیں کہ مشتری کا قول جب معتبر ہوگا جب وہ اتنی قیمت لگائے جو قیمت لگانے والے لگاتے ہیں یا ثمن مثل ورنہ پھر شفیع کا قول معتبر ہوگا اگر وہ معقول مقدار بنائے۔

لیکن اگر مشتری اور شفیع دونوں کا قول معقول مقدار کے قریب نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک کو حلف دیا جائے گا اپنے دعویٰ پر اور دوسرے کے دعویٰ کے رد پر پھر ثمن کو درمیانی قیمت کی طرف پھیر دیا جائے گا جیسا کہ دونوں کے حلف سے انکار کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔

اور حنفیہ نے اضافہ کیا ہے ❷ جب شفیع مشتری سے ثمن کی جنس یا صفت میں اختلاف کرے تو مشتری کا قول معتبر ہوگا۔

پہلے کی مثال: مشتری کہے میں نے سو دینار کا خریدا ہے اور شفیع کہے نہیں بلکہ ایک ہزار درھم کی خریدی ہے تو مشتری کا قول معتبر ہوگا اس لیے کہ شفیع کا اس جنس پر مالک بننے کا دعویٰ ہے اور مشتری منکر ہے لہٰذا منکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اس لیے کہ مشتری زیادہ جانتا ہے ثمن کی جنس کو شفیع سے،

---

❶ الدر المختار ۵/ ۱۶۰۔ ❷ البدائع: ۵/ ۳۰۔ ۳۲۔

اس لیے کے خریداری اس کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ شفیع کی جانب سے لہٰذا شفیع سے زیادہ مشتری جانتا ہے لہٰذا جنس کی معرفت میں اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا اور ثمن کی صفت میں اختلاف کی مثال مشتری کہے: میں نے ثمن معجّل کے ساتھ خریدا اور شفیع کہے نہیں بلکہ تم نے ادھار خریدا ہے تو مشتری کا قول معتبر ہوگا اس لیے کہ فی الحال ادا کرنا ثمن میں اصل ہے اور مدت عارضی ہے، اور مشتری اصل کو لے رہا ہے لہٰذا اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اس لیے کہ عاقد ثمن کی صفت زیادہ جانتا ہے دوسروں سے نیز مدت شرط سے ثابت ہے اور شفیع اس پر تاجیل کی شرط لگا رہا ہے وہ منکر ہے تو منکر کا قول معتبر ہوگا۔

پانچویں بحث: شفعہ کی شرائط..... شفعہ کے طور پر لینے کی شرائط ہیں بعض میں فقہاء کا اختلاف ہے وہ یہ ہیں:

۱..... مالک کی ملکیت سے عقار نکل جاتی ہے ہمیشہ کے لیے بغیر کسی اختیار کے۔

۲..... وہ عقد عقد معاوضہ ہو اور وہ بیع یا اس کے معنی میں ہو۔

۳..... عقد صحیح ہو۔

۴..... شفیع خریداری کے وقت مالک ہو یا شفعہ کے فیصلہ تک۔

۵..... شفیع کا بیع پر راضی نہ ہونا۔ حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں شفیع شریک ہونا چاہیے ان کے ہاں پڑوسی کے لیے شفعہ نہیں اور شفعہ کے بحث میں اس کا تذکرہ ہوگیا ہے جیسا کہ ان کے ہاں مبیع کا مشاع ہونا شریک کے ساتھ اور تقسیم کے قابل ہو کما ذکر۔ تمام فقہاء کے ہاں شرط ہے کہ شریک مبیع کے تمام حصے لے تا کہ مشتری کو تبعیض کی وجہ سے نقصان ہوگا اس لیے کہ ضرر کو ضرر کے ساتھ زائل نہیں کیا جائے گا اگر اس نے بعض حصہ لیا اور بعض کو چھوڑ دیا تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا اور میں ضرورت محسوس نہیں کرتا اس بات کے بیان کی کہ مشفوع فیہ عقار ہو اس لیے کہ اس پر بحث ثانی میں مستقل طور پر بحث ہو چکی ہے۔ جیسا کہ مشفوع فیہ کا شفیع کی ملکیت میں ہونے کی شرط کا بیان کرنا ضروری نہیں اگر وہ اس کی ملکیت میں ہے تو شفعہ واجب نہیں۔

اس لیے کہ ایک انسان کا اپنے مال کا مالک ہونا محال ہے اور یہ بدیہی بات ہے اور رہ گیا طلب شفعہ میں جلدی کرنا رضامندی یا قاضی کے فیصلہ سے اس کا اجراءت شفعہ میں مستقل طور پر بیان کریں گے۔

پہلی شرط: زمین مالک کی ملکیت سے مکمل طور پر نکل جاتی ہے..... واجب ہے کہ بائع کی ملکیت مبیع عقار سے نکل جائے بطور بیع ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بغیر کسی اختیار و خیار کے شفعہ کا مستحق نہیں عقار میں اگر خیار شرط کے ساتھ فروخت کرے اور یہ شرط مذاہب اربعہ میں متفق طور پر ہے، فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ بیع جس میں بائع کو خیار ہو اس میں شفعہ نہیں جب تک کہ بیع واجب اور لازم ہو جائے اسی بنا پر اگر خیار عاقدین میں سے ہر ایک کو ہو تو اس میں شفعہ نہیں بائع کے خیار کی وجہ سے۔

اگر مشتری کو خیار ہو تو اس میں اختلاف ہے، حنفیہ اور شوافع کے ہاں راجح قول یہ ہے کہ اگر مشتری کو خیار ہو تو شفعہ واجب ہے اس لیے کہ مشتری کا خیار حنفیہ کے ہاں بائع کی ملکیت سے مبیع نکلنے کو نہیں روکتا اور اس لیے کہ خیار کے زمانہ میں مبیع مشتری کے ملکیت میں ہوتی ہے اور یہ خیار شرط کی صورت میں ہے۔ رہ گیا خیار عیب اور خیار رویت تو یہ وجوب شفعہ سے مانع نہیں اس لیے کہ ان کی وجہ سے بائع کی ملکیت سے مبیع نکل جاتی ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں خیار کی بیع میں خیار ختم ہونے سے پہلے شفعہ ثابت نہیں چاہے خیار بائع اور مشتری دونوں کے لیے ہو یا کسی ایک کے لیے پس مشتری کا خیار بھی شفعہ سے مانع ہے اس لیے کہ شفعہ کے طور پر لینا مشتری پر عقد لازم کرنا ہے اس کی رضامندی کے بغیر اور اس پر ذمہ داری آتی ہے اور عین ثمن سے رجوع میں اس کا حق فوت ہوگا لہٰذا جائز نہیں جیسا کہ خیار بائع کو ہو۔

دوسری شرط: عقد عقدِ معاوضہ ہو..... شفعہ کا حق اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک عقار مالک کی ملکیت سے عقد معاوضہ

یعنی بیع یا اس کے ہم معنی مثلاً ہبہ بالعوض وغیرہ کے ذریعہ نکل نہ جائے اور مال پر صلح اس لیے کہ یہ بھی معاوضہ ہے اور چاہے عقار وقف کی مبیع ہو یا غیر وقف کی بیع میں شفعہ واجب ہے کیونکہ مبیع مشتری کی طرف عوض کے ساتھ منتقل ہوتی ہے حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اگر اس کو فروخت کیا اور شفیع سے اجازت نہیں لی تو شفیع اس کا زیادہ حقدار ہے اور ہبہ بالعوض میں حنفیہ کے ہاں اگر دونوں قبضہ کرلیں شفعہ واجب ہوتا ہے کیونکہ معاوضہ کا معنی پایا جارہا ہے قبضہ کے وقت نیز ہبہ قبضہ ہی سے ثابت ہوتا ہے اگر ایک نے قبضہ کرلیا دوسرے نے نہ کیا تو ائمہ حنیفہ ثلاثہ کے ہاں شفعہ نہیں اور امام زفر کے ہاں صرف عقد ہی کی وجہ سے ثابت ہوجاتا ہے اس لیے کہ بشرط عوض ائمہ حنیفہ ثلاثہ کے ہاں ابتداء تبرع ہوتا ہے اور انتہاءً معاوضہ اور اسی بناء پر یہ شرط ہے کہ موہوب اور اس کا عوض مشاع نہ ہو کیونکہ ابتداءً یہ ہبہ ہے اور امام زفر کے ہاں ابتداء اور انتہاء دونوں اعتبار سے معاوضہ ہے جمہور کے ہاں قبضہ شرط نہیں ہبہ بشرط عوض میں اس لیے کہ ہبہ ان کے ہاں عقد لازم ہے اس لیے کہ موہوب اور موہوب کا مالک بننا عوض یعنی مال کی وجہ سے لہٰذا استحقاق شفعہ کے لیے قبضہ ضروری نہیں اور اس گھر میں شفعہ واجب ہے جو بدل صلح کے طور پر لیا گیا ہو چاہے صلح اقرار کے طور پر ہو یا انکار کے طور پر یا سکوت کی صورت میں حنفیہ کے ہاں کیونکہ معاوضہ کا معنی پایا گیا یہ شرط فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے اور امام مالک سے مشہور قول کے مطابق شفعہ نہیں اسی بناء پر اگر مالک کی ملکیت اس کی ملک سے بلاعوض نکل جائے مطلقاً جیسے ہبہ بغیر عوض وقف وصیت میراث وغیرہ میں اس لیے کہ شفعہ ملکیت جبری کا حق ہے یہ مشتری سے جبراً مبیع کا مالک بنتا ہے ثمن کے بدلہ میں اور یہ تصرفات بغیر عوض ملکیت کو منتقل کرنے کی طرف لے جاتے ہیں لہٰذا شرائط شارع شفعہ کی ملکیت میں متحقق نہیں جو کہ بیع یا اس کے معنی میں ہے لیکن فقہاء کا مال کے علاوہ بعوض مالک بننے میں اختلاف ہے جیسے مہر بدل خلع، ڈاکٹر کی اجرت، حمام کی اجرت وغیرہ یا دم عمد میں صلح کے عوض حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں شرط یہ ہے کہ عقد معاوضہ مال کے بدلے مال ہو اگر عوض مال نہ ہو تو شفعہ نہیں جیسا کہ ان صورتوں میں اس لیے کہ معاوضہ غیر مالی میں چیز ہبہ اور وراثت کے مشابہ ہوجاتی ہے نیز یہ ایسے عوض ہیں کہ ان کا کوئی مثل نہیں کہ شفیع چیز کو اس کا مثل دے کر لے لے، لہٰذا شریعت کی شرائط کا لحاظ رکھنا ممکن نہیں وہ اس چیز کے ساتھ مالک ہونا جس کے ساتھ مشتری مالک ہوا ہے لہٰذا یہ مشروع نہیں۔

حنابلہ نے وضاحت کی ہے کہ اس فسخ میں بھی شفعہ ثابت نہیں جہاں مبیع مشتری سے بائع کی طرف لوٹے جیسے عیب کی وجہ سے واپس کرنا یا اقالہ اور حنفیہ کے ہاں جب مشتری عقار شرکاء تقسیم کرلیں آپس میں تو ان کے پڑوسی کے لیے تقسیم کی وجہ سے شفعہ کا حق نہیں اس لیے کہ یہ مطلقاً معاوضہ نہیں نیز شریک پڑوسی سے اولی ہے اور جب شفیع شفعہ چھوڑ دے پھر مشتری خیار رویت یا عیب کی وجہ سے قاضی کے فیصلہ سے واپس کردے تو شفیع کے لیے شفعہ کا حق نہیں اس لیے کہ رد کرنا فسخ تام ہے لہٰذا مبیع قدیم ملکیت کی طرف لوٹ آئی اور شفعہ ابتداءً عقد کی حالت میں ہوتا ہے اور اگر مبیع بغیر قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے واپس کی گئی ہو یا انہوں نے اقالہ کرلیا تو شفیع کو شفعہ کا حق ہے اس لیے کہ واپس کرنا طرفین کے حق میں فسخ ہے اور تیسرے شخص کے حق میں نئی بیع ہے کیونکہ بیع کا معنی پایا گیا اور یہاں شفیع تیسرا شخص ہے ① مالکیہ اور شوافع کے ہاں ② عقد کا عقد معاوضہ ہونا کافی ہے چاہے مال کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر مال کے علاوہ پر بھی معاوضہ کی صورت میں شفعہ ثابت ہے اس لیے کہ شفعہ کا مقصد دخیل کے ضرر کو دور کرنا ہے اور یہ یہاں متحقق ہے نیز یہ عقار ہے اور عقد معاوضہ کے ساتھ مملوک ہے بیع کے مشابہ ہے اور شفیع سے اس صورت میں بدل دینے کا مطالبہ ہوگا جیسا کہ وہ تجارتی سامان سے فروخت کرے اس لیے کہ یہ عوض مال متقوم ہیں ان کے ہاں لہٰذا مثل نہ ہونے کی صورت میں وہ چیز قیمت سے لی جائے گی لہٰذا شفیع مہر کا مثل اور خلع کا بدل دے گا۔

تیسری شرط: عقد صحیح ہو...... اس شرط پر بھی فقہاء کا اتفاق ہے اس لیے کہ مطلوب تو مبیع سے بائع کے حق کو زائل کرنا ہے لہٰذا شراء فاسد سے خریدی گئی چیز میں شفعہ ثابت نہ ہوگا اس لیے کہ یہ عقد ذمہ میں دین کے طور پر واجب ہے اور اس کا توڑنا واجب ہے اور مبیع بائع کی ملکیت میں واپس دینا تاکہ فساد سے خالی ہوجائے بیع لازم نہیں اس لیے کہ عاقدین کی جانب سے فسخ کا احتمال ہے اور شفعہ کے اثبات میں

① ......اللباب: ۲/ ۱۲۰۔ ② بدایة المجتهد ۲/ ۲۵۵۔

فساد کو تقویت ہے لیکن اگر بیع فاسد کے فسخ کا حق ساقط کر دے فسخ ساقط کرنے والے اسباب میں سے کسی سبب سے تو حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں شفیع اسے بطور شفعہ لے سکتا ہے اس لیے کہ مانع زائل ہو گیا جیسا کہ ایک شخص خیار شرط کے طور پر فروخت کرے پھر خیار کو ساقط کر دے تو شفعہ واجب ہے ثبوت حق سے جو چیز مانع ہے وہ ختم ہو گئی اور شی ءمشتری کو بیع فاسد کی حالت میں فروخت کرنے کی صورت میں تو شفیع کو حنفیہ کے ہاں اختیار ہے اگر چاہے شفعہ پہلی بیع پر کرے اور اگر چاہے دوسری بیع کرے اس لیے کہ حق شفع دونوں بیعوں میں شفیع کو حاصل ہے ہاں اگر اس نے بیع ثانی کے ساتھ خریدا تو ثمن کے ساتھ خریدے گا اور اگر پہلی بیع کے ساتھ لے تو مبیع کے قبضہ کے موقع پر قیمت کے ساتھ لے گا اس لیے کہ بیع فاسد ملکیت کا فائدہ دیتی ہے قیمت مبیع کے ساتھ نہ کہ ثمن کے ساتھ اور قیمت قبضہ کے دن کی لائے گی اس لیے کہ بیع فاسد قبضہ کے ساتھ مضمون ہوتی ہے جیسے مغصوب مالکیہ کی رائے اس کے قریب قریب ہے۔

چوتھی شرط: شفیع شئی مشفوع کا مالک ہو بیع کے وقت.....فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شفیع مشفوع کا مالک ہو بیع سے پہلے اور استمرار ملک میں اختلاف ہے اس بارے میں دو رائے ہیں۔

حنفیہ کے ہاں شفعہ کے فیصلہ تک شفیع کی ملکیت برقرار رہے؛ چاہیے اگر زمین فروخت کی گئی شریک یا پڑوسی نے شفعہ طلب کیا پھر اس زمین کو فروخت کر دیا جس کی وجہ سے وہ شفعہ کر رہا تھا تو شفعہ کا حق ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ شفعہ شروع کیا گیا ہے شفیع سے ضرر کو دفع کرنے کے لیے اور اپنی ملکیت فروخت کرنے کے بعد ضرر نہیں۔ اسی طرح اگر شفیع جس زمین کی وجہ سے شفعہ کر رہا تھا اگر شفعہ کا فیصلہ ہونے سے پہلے فروخت کر دیا تو بھی اس کا حق ساقط ہو جائے گا چاہے اسے اس کا علم ہو یا نہ۔ جمہور فقہاء کے ہاں: شفیع کی ملکیت کا ثبوت مبیع کے وقت شرط ہے اور اس کا شفعہ کے فیصلہ تک باقی رہنا ضروری نہیں اس پر شوافع نے تصریح کی ہے: اگر شفیع اپنا حصہ فروخت کرے اور اسے اپنی ملک سے بغیر بیع کے نکال دیا ہبہ کی طرح شفعہ سے لاعلمی میں اصل یہ ہے کہ شفعہ باطل ہے کیونکہ اس کا سبب زائل ہو گیا اور وہ بیع کے وقت شرکت ہے۔

(الف).....اس شرط پر مرتب ہے بالاتفاق کہ اس شخص کے لیے شفعہ کا اختیار نہیں جو کسی گھر میں بطور اجارہ رہائش اختیار کرے یا عاریت اور اس گھر والا جو مشفوع فیہ کی فروخت سے پہلے فروخت کر دیا گیا ہو اور نہ ہی اور گھر میں شفعہ ہے جو مسجد بنا دیا گیا ہو او جو وقف کر دیا گیا تو وقوف میں بھی شفعہ نہیں ہے۔ اور حنفیہ کے ہاں جب وقف کی فروخت ہو تو شئی موقوفہ کے استبدال کے جواز کے قائل ہیں ضرورت کے وقت یا حاجت و مصلحت کے وقت تو اس پڑوسی کے لیے حق شفعہ ثابت ہے اس لیے کہ بیع کی وجہ سے وقوف ہونا ختم ہو گیا لہٰذا بطور شفعہ اسے لینا جائز ہے۔

اسی طرح حنفیہ کے ہاں شفعہ ثابت ہے موقوفہ زمین کی بیع کی حالت میں جس کا فیصلہ نہ کیا گیا ہو جیسا کہ عشری اور خراجی زمینوں کی بیع میں شفعہ ثابت ہے برخلاف سلطانی اراضی کے کہ اس میں شفعہ نہیں اور مالکیہ نے اجازت دی ہے بیت المال کے لیے بطور شفعہ نہ کہ سلطان اگر کوئی مر گیا دو شریکوں میں سے اور اس کا کوئی وارث نہیں تو سلطان نے اس کا حصہ بیت المال کے لیے لے لیا پھر اس کے دوسرے نے اپنا حصہ فروخت کر دیا تو سلطان تو بیت المال کے لیے بطور شفعہ لینے کی اجازت ہے یا جیسے کوئی انسان مر جائے اور اس کی ایک ہی بچی ہو وہ اپنا نصف حصہ لے لے پھر اسے فروخت کر دے تو سلطان مشتری سے بیت المال کے لیے لے رہا ہے۔

(ب).....فقہاء کے درمیان خلاف سابق پر متفرع ہے کہ حنفیہ کے ہاں وارث بطور شفعہ نہیں لے سکتا جب شفیع طلب شفعہ کے بعد اور فیصلہ سے پہلے بیع کی عقار میں تو وارث کو شفعہ کا اختیار نہیں اس لیے کہ وارث عقد سے پہلے اس کا مالک نہیں ہوا جمہور کے ہاں حق شفعہ وارث کے لیے ثابت ہے جب کہ شفیع شفعہ طلب کرے موت سے پہلے برخلاف جب طلب سے پہلے مر جائے اس لیے کہ وارث مورث کا خلیفہ ہے تو اسے تمام مورث کے حق حاصل ہیں اور ان میں سے حق شفعہ بھی ہے دخیل کے ضرر کو دور کرنے کے لیے۔ اس مسئلہ میں منشاء خلاف خیار شرط

میں وراثت ہے کہ آیا وہ حقوق کا وارث ہے جیسے احوال کا وارث تو حنفیہ کے ہاں وارث نہیں اور جمہور کے ہاں وارث ہے۔

پانچویں شرط: شفیع کا راضی نہ ہونا بیع پر...... فقہاء کا اتفاق ہے کہ شفیع سے کوئی ایسی بات صادر نہ ہو جو زمین کی بیع پر راضی ہونے پر دلالت کرے اگر وہ بیع یا اس کے حکم پر راضی ہو قولاً یا فعلاً باایں طور کہ شفیع شی ءمشفوع کو جس کی وجہ سے وہ شفعہ کا حق رکھتا تھا اگر اسے فروخت کردے اور کافی عرصہ خاموش رہے تو طلب شفعہ کا حق ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ شفیع کو اختیار ہے لینے اور چھوڑنے کا اس لیے کہ حق شفعہ اس کے لیے ثابت ہے ضرر دفع کرنے کے لیے تو اسے اختیار ہے لینے یا چھوڑنے کا۔ مالکیہ نے سکوت کی مدت کی مقدار متعین کی ہے کہ شفیع شفعہ ساقط کرنے والے اقوال یا افعال ظاہر نہ کرے ایک سال تک عقد کے بعد یا اس سے زیادہ بغیر مانع یا وجود علم کے اور موجودگی۔ لیکن اس حق کے ساقط ہونے کے لیے شرط ہے کہ وہاں تدلیس یا دھوکا نہ ہو شفعہ کے اسقاط کے لیے مشتری کے طریقہ سے اور ثمن کے یا مبیع کی مقدار میں۔ پس جب خبر ملے کہ مشتری فلاں ہے اور جب کہ مشتری کوئی اور ہو یا ثمن اتنے ہیں اور ثمن حقیقۃً کم ہوں یا کسی دوسری جنس نوع یا صفت کے ہاں یا مبیع جز معین ہوا اور مبیع بالفعل جز ہو یا اکثر یا کل مبیع اس نے شفعہ سپرد کیا اور اس سے اعراض کیا پھر حقیقت واقع ظاہر ہو تو اس کا حق باقی ہے اور وہ شفعہ کر سکتا ہے اس لیے کہ اس نے ایک غرض کی وجہ سے اسے چھوڑا ہے اور اس کا خلاف ظاہر ہو لہٰذا اس کی رغبت اس سے ختم نہ ہوگی لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو پہلے تین حالات مثلاً وہ ایک ہزار ثمن کی خبر دے اور ایک ہزار سے زیادہ ظاہر ہوں یا وہ کہے مبیع ساری ہے اور بعد میں پتہ چلے کہ بعض حصہ ہے یا کہے کہ ثمن مؤجل ہیں اور پتا چلے کہ نقد ادا کر دیئے ہیں تو شفعہ کا حق ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ جب کم پر اسے رغبت نہ تھی یا مؤجل پر تو جب زیادہ یا معجّل ظاہر ہوا اور جو کُل کے خریدنے سے اعراض کرے تو بعض سے تو اعراض اولیٰ ہے شرکت کے خوف سے اور آخری حالت حنفیہ کے ہاں ظاہر روایت ہے۔ اور یہی مالکیہ کا مذہب ہے کہ شفعہ اس صورت میں ساقط ہو جاتا ہے جب شفیع کو شریک کل کے فروخت ہونے کی خبر دے اور وہ شفعہ چھوڑ دے پھر ظاہر ہوا کہ اس نے تو صرف نصف فروخت کیا ہے۔

امام ابو یوسفؒ اور حنابلہؒ کے ہاں...... شفیع کو آخری حالت میں شفعہ کا اختیار حاصل ہے کیونکہ ہو سکتا ہے وہ کل ثمن ادا کرنے سے عاجز ہو اور آدھے کے ثمن ادا کرنے پر قادر ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی ضرورت نصف سے پوری ہو سکتی ہو کیونکہ اس کی ملکیت کے منافع مکمل ہو جاتے ہیں اور وہ کل کا محتاج نہیں خلاصہ یہ کہ جمہور کے ہاں جب شفیع کو اس کی خبر دی جائے جو اس کے لیے زیادہ فائدہ مند ہو اور وہ شفعہ کرنا چھوڑ دے تو اس کا حق باطل ہو جاتا ہے۔

شفعہ ساقط کرنے کے حیلے...... بیع ہونے کے بعد شفعہ ساقط کرنے کے لیے حیلہ کرنا حنفیہ کے ہاں مکروہ تحریمی ہے اور بیع ہونے سے پہلے شفعہ ساقط کرنے کے لیے حیلہ کرنے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے اور انہی کے قول پر فتویٰ ہے کہ مکروہ نہیں جب کہ پڑوسی مشفوع فیہ کا محتاج نہ ہو اس لیے کہ اثبات حق سے منع کرنا ضرر شمار نہیں ہوتا۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس صورت میں بھی مکروہ ہے اس لیے کہ شفعہ ضرر کے دفعہ کرنے کے لیے ہے اگر ہم حیلہ مباح قرار دیں تو ضرر ختم نہیں ہوگا۔ [1]

خلاصہ یہ کہ حنفیہ اور شوافع کے ہاں اسقاط شفعہ کا حیلہ اختیار کرنا جائز ہے اس طرح کہ پہلے کچھ حصہ فروخت کر دے پھر باقی فروخت کرے۔

حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں...... اسقاط شفعہ کا حیلہ اختیار کرنا حرام ہے اور اگر کر بھی لے تو شفعہ ساقط نہیں ہوگا اس لیے کہ شفعہ مشروع ہے ضرر دفعہ کرنے کے لیے اگر حیلہ سے ساقط کر دیا جائے تو ضرر ہوگا۔

چھٹی بحث: اجراءات شفعہ...... جیسا کہ فقہاء کہتے ہیں کہ شفعہ ضعیف حق ہے تو یہ ملکیت کا سبب اس وقت تک نہیں بن سکتا جب

---

[1] ......الدر المختار و رد المحتار ۵/۱۷۳۔

تک اس کے خاص احکام کو اختیار نہ کیا جائے مثلاً بیع کا علم ہوتے ہی شفیع کا طلب کرنا تا کہ اس کے لیے اس کا فیصلہ کیا جائے حنفیہ کے ہاں شفعہ میں تین طرح کی طلب ہے ایک طلبہ مواثبہ طلب اشہاد وتقریر طلب خصومت وتملک ❶ ان اجراءت کے بیان کرنے سے پہلے فقہاء کے اختلاف کو جو وجوب شفعہ کے وقت سے متعلق ہے کا بیان کرنا احسن ہے۔

وجوب شفعہ کا وقت...... حنفیہ کے ہاں بیع کا علم ہوتے ہی فی الفور طلب شفعہ شرط ہے اس لیے کہ یہ ضعیف حق ہے لہٰذا فوری طلب سے قوی ہوگا عادۃ۔ امام مالک کے ہاں فوری طور پر شفعہ کا مطالبہ شرط نہیں بلکہ ان کے ہاں وجوب شفعہ کے وقت میں وسعت ہے اور وہ عقد کے بعد ایک سال کے اندر اندر کا وقت ہے مشہور قول کے مطابق۔ ❷

شوافع کے ہاں...... ❸ شفعہ طلب کرنا فی الفور شرط ہے یعنی شفیع کو بیع کا علم ہوتے ہی اس لیے کہ یہ حق ہے جو ضرر دور کرنے کے لیے ثابت کیا گیا ہے لہٰذا فی الفور ہونا چاہیے جیسے عیب کی وجہ سے واپس کرنا جب شفیع کو بیع کا علم ہو گیا تو وہ جلد کرے عادت کے موافق اگر شفیع نماز پڑھ رہا ہو یا حمام میں ہو یا قضاء حاجت کر رہا ہو تو وہ اس کے توڑنے کا مکلّف نہیں بلکہ ان چیزوں سے فراغت تک وہ تاخیر کر سکتا ہے اور اس میں ضابطہ یہ ہے کہ جس چیز کو سستی شمار کیا جاتا ہے طلب شفعہ میں تو اس سے شفعہ ساقط ہو جاتا ہے ورنہ نہیں۔ اگر وہ مریض ہو یا مشتری کے شہر سے غائب ہو یا اسے دشمن کا خوف ہو تو اگر طاقت رکھتا ہے تو وکیل بنائے ورنہ طلب شفعہ پر دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لے اگر شفیع نے وکیل یا گواہ طاقت ہونے کے باوجود نہ بنائے تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔

حنابلہ بھی شوافع کی طرح کہتے ہیں کہ فی الفور بیع کا علم ہوتے ہی شفعہ کی طلب شرط ہے بایں طور کہ شفیع طلب شفعہ پر گواہ بنائے جونہی بیع کا علم ہو جب کہ طلب سے مانع کوئی عذر نہ ہو پھر جب اس نے طلب پر گواہ بنائے تو پھر اسے اختیار ہے کہ وہ مشتری سے مخاصمہ کرے اگر چہ کئی دنوں، مہینوں یا سالوں کے بعد ہو۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ جمہور کے ہاں شفعہ فی الفور طلب کرنا ضروری ہے۔ دلیل حدیث نبوی ہے کہ شفعہ رسّی کھلنے کی طرح ہے۔ نیز اس لیے بھی کہ تاخیر سے اس کا ثبوت مشتری کو نقصان پہنچائے گا اس کی ملکیت کے قرار نہ ہونے کی وجہ سے۔

مالکیہ کے ہاں فی الفور طلب کرنا شرط نہیں اگر بغیر کسی مانع کے بھی شفیع ایک سال تک خاموش رہا عقد کے اور یا اس سے کم یا غائب ہو گیا اور دوران سال واپس آیا پھر شفعہ طلب کیا تو وہ اس کو لے سکتا ہے اس لیے کہ خاموش رہنا کسی مسلمان کے حق کو باطل نہیں کرتا جب تک قرائن سے اس کے اسقاط کی دلیل نہ مل جائے لیکن مشتری کو حق حاصل ہے کہ وہ حاکم کے پاس مقدمہ دائر کرے خریدنے کے بعد کہ شفیع سے اس کا موقف سنا جائے کہ تو شفعہ کرنا چاہتا ہے یا چھوڑنا چاہتا ہے اگر ان دو باتوں میں سے کسی ایک کا اس نے جواب دے دیا تو ظاہر ہے ورنہ حاکم شفعہ ساقط کر دے۔

طلب شفعہ کے مراحل...... حنفیہ کے ہاں شفیع طلب شفعہ کی ابتداء اس طرح کرے۔ طلب مواثبہ۔ یعنی جلدی کے ساتھ وہ یہ کہ جس مجلس میں شفیع کو بیع کا علم ہوا اس میں وہ شفعہ طلب کرے ایسے الفاظ کے ساتھ جن سے طلب سمجھ آئے مثلاً اطلب الشفعہ میں شفعہ طلب کرتا ہوں یا میں مبیع کا شفیع ہوں اور اسے شفعہ سے طلب کرتا ہوں وغیرہ ❹ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے شفعہ اس کے لیے ہے جو جلدی طلب کرے اور اس طلب پر شفیع کے ذمہ گواہ بنانا لازم نہیں بلکہ افضل ہیں تا کہ انکار نہ کر سکے مشتری قاضی کی مجلس میں معتبر صرف طلب ہے اور گواہ بنانا صرف انکار کے وقت طلب ثابت کرنے کے لیے ہے جیسے گرنے کی طرف مائل دیوار کی طلب پر گواہ بنانا اور ضمان کی لیے گواہ بنانا شرط نہیں بلکہ سبب ضمان کے اثبات کے لیے ہیں۔ اور یاد رہے کہ حنفیہ کے ہاں اصح روایت یہ ہے کہ طلب کا حق شفیع کے لیے مجلس

---

❶ ......البدائع: ۵/ ۱۷۱۔ ❷ بدایۃ المجتہد ۲/ ۲۵۹۔ ❸ المہذب: ۱/ ۳۵۰۔ ❹ مجلہ (م ۱۰۲۹)

کے آخر تک رہنا جس میں بیع کا علم ہوا ہے اور شوافع کے ہاں بھی اظہر یہ ہے کہ فی الفور طلب کرے حنابلہ کے ہاں بھی اسی طرح ہے کہ جونہی بیع کا علم ہوا طلب مواثبہ فوری طور پر لازم ہے اور مالکیہ کے ہاں ایک سال کی مدت ہے طلب شفعہ میں: ❶

طلب تقریر...... یہ کہ شفیع اقدام کرے ایک دوسری طلب کا جو پہلی طلب کو پختہ اور مؤکد کرے اس لیے کہ کبھی پہلی طلب شفیع کی کسی عارضی رغبت کی وجہ سے ہوتی ہے پھر اسے ظاہری اور مادی معاملات کا سامنا ہوتا ہے تو اب طلب تقریر کا ہونا ضروری ہے تا کہ پہلی پختہ ہو اور اس طلب میں یہ شرط ہے کہ یہ پہلی طلب کے فوراً بعد ہو اور اس پر گواہ بنانے کے بعد کہ شفیع شفعہ کی رغبت ظاہر کرے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا کر اور اس کی مدت فی الفور نہیں بلکہ جب تک گواہ بنانا ممکن ہو اگر مبیع بائع کے قبضہ میں ہو تو گواہ اس پر بنانے ہیں اور اگر مشتری کے قبضہ میں ہو تو اس پر یا عقار کے پاس بنائے کیونکہ اس کے ساتھ حق متعلق ہے اور طلب تقریر کی صورت یہ ہے کہ شفیع کہے کہ فلاں نے یہ گھر خریدا ہے اور میں اس کا شفیع ہوں اور میں نے شفعہ طلب کیا ہے پہلے بھی اور اب بھی طلب کرتا ہوں اس پر گواہ رہو۔

یاد رہے کہ اس طلب پر گواہ بنانا اس کی صحت کے لیے شرط نہیں جیسا کہ طلب مواثبہ کے لیے شرط نہیں بلکہ صرف انکاری کی صورت میں بطور ثبوت ہیں۔ اور اگر شفیع کہیں دور دراز ہے اور طلب تقریر واشہاد اس کے لیے ممکن نہیں اس طور پر تو دوسرے کو وکیل بنائے اگر وکیل نہ ہو تو وہ خط لکھے اور اگر شفیع نے طلب مواثبہ میں گواہ بنا لیے تھے بائع یا مشتری کے پاس جس کے قبضہ میں بھی مبیع ہو یا مبیع کے پاس تو پھر طلب تقریر کی طرف سے یہ کافی ہے مقصود حاصل ہونے کی وجہ سے یعنی اس بات کا اظہار کے وہ طلب شفعہ پر مصر ہے۔

طلب کا حکم...... جب شفیع نے طلب تقریر کر لی تو اس کے شفعہ کا حق مضبوط ہو گیا اور اس کے بعد تاخیر سے اس کا حق ساقط نہیں ہوگا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک روایت میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی یہی ظاہری مذہب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اس لیے کہ جب حق ثابت ہو کر قرار پکڑے تو وہ ساقط کرنے کے علاوہ ساقط نہیں ہوتا۔ اور امام محمد کے ہاں ہاں بغیر کسی عذر کے طلب تقریر کے بعد ایک مہینے تک طلب نہ کی تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا تا کہ مشتری کو تاخیر سے ضرر نہ ہو اور بعض حنفیہ کے یاد آج کل فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے کیونکہ لوگوں کی عادات تبدیل ہو چکی ہیں ضرر کے قصد کی وجہ سے اور مجلّہ میں اس رائے کو لیا ہے دفعہ (۱۰۳۴) حنابلہ کے ہاں جب طلب پر گواہ بنا لئے تو شفیع کے ذمہ مشتری سے مخاصمہ ہے اگر چہ کئی سال کے بعد ہی ہو اور مالکیہ نے شفعہ کی طلب اول پر ایک سال کی مدت مقرر کی ہے اگر عقد کے بعد ایک سال تک بغیر عذر خاموش رہا یا بغیر کسی مانع کے علم کے باوجود خاموش رہا تو اس کا شفعہ ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ اس کا خاموش رہنا شفعہ سے اعراض کی دلیل ہے۔

۳: طلب خصومت اور تملک...... یہ کہ شفیع حاکم کے پاس مقدمہ دائر کرے شفعہ کے فیصلہ اور مبیع سپرد کرنے کے لیے مثلاً کہے: فلاں شخص نے فلاں گھر خریدا ہے میں اس گھر کا فلاں گھر کی وجہ سے شفیع ہوں اور میں اس میں شریک ہوں میں اس سے گھر کی سپردگی کا طالب ہوں۔ ❷

ان طلبوں میں تاخیر کی سزا و بدلہ...... اگر شفیع مجلس علم میں طلب مواثبہ کو مؤخر کرے بغیر کسی عذر کے مثلاً کسی دوسرے کام میں مشغول ہو جائے یا کسی اور معاملہ میں بحث شروع کر دے یا مجلس سے کھڑا ہو جائے شفعہ طلب کیے بغیر تو اس کا حق شفعہ ساقط ہو جائے گا لیکن اگر کوئی عذر پایا گیا جو جلدی طلب کرنے سے مانع ہے جیسے خوف ہو کسی وحشی یا سیلاب کا تو مانع زائل ہونے تک شفعہ باطل نہ ہوگا۔ ❸

---

❶.....نصب الرایۃ: ۱۷۶/۴۔ ❷الدر المختار ۱۵۸/۵۔ ❸البدائع: ۱۸/۵۔

اگر شفیع طلب تقریر واشہاد کو مؤخر کردے اتنی مدت کہ جس میں وہ یہ کرسکتا تھا اگرچہ خط کے ذریعہ ہی سے ممکن ہوتو اس کا حق شفعہ ساقط ہوجائے گا۔ (مجلّہ: دفعہ: ۱۰۳۳) اگر شفیع طلب خصومت کو طلب تقریر وشہاد سے ایک مہینہ مؤخر کرے بغیر شرعی عذر کے مثلاً کسی دوسرے علاقہ میں ہونے کی وجہ سے تو اس کا حق شفعہ ساقط ہوجائے گا (م: ۱۰۳۴) مجلّہ۔

مجور سے شفعہ طلب کرنا...... اگر فقہاء کے ہاں بچے کو شفعہ کا اختیار ہے اور ولی شفعہ کا مطالبہ کرے مجورین کی طرف سے جو مصلحت سمجھتا ہو بچے کے لیے لینے میں مثلاً مبیع کے ثمن کم ہوں یا مثل ثمن ہو اور صغیر کے لیے مال ہو عقار خریدنے کے لیے جب ولی شفعہ کے طور پر لے لے تو بچہ بالغ ہونے کے بعد اسے توڑ نہیں سکتا ائمہ اربعہ کے ہاں بالاتفاق۔ اگر بچہ کا ولی طلب شفعہ نہ کرے تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے ہاں بالغ ہونے کے بعد شفعہ کا حق باقی نہیں رہتا اس لیے کہ جو شفعہ کرنے کا مالک ہے وہ معاف کرنے کا بھی مالک ہے جیسے مالک۔

مالکیہ اور شوافع کے ہاں جب بچہ کا ولی شفعہ کو ترک کردے تو بچہ کو بالغ ہونے کے بعد شفعہ کا حق نہیں جب کہ کوئی مصلحت ہو یا بچہ کے پاس مال نہ ہو تو شفعہ ساقط ہوجاتا ہے اس لیے کہ ولی وہی کرسکتا ہے جس کے کرنے کا اسے اختیار ہے تو بچے کے لیے جائز نہیں اس کو توڑنا جیسے بیع نیز اس نے ایسا کام کیا جس میں بچے کا فائدہ ہے اگر ولی نے بغیر شفقت ومصلحت شفعہ ساقط کردیا تو شفعہ ساقط نہیں ہوتا اور بچے کو بالغ ہونے کے بعد شفعہ کا حق ہے حنابلہ کے ہاں اور امام زفر ومحمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: بچے کو بالغ ہونے کے بعد شفعہ کا حق حاصل ہے چاہے وصی اسے معاف کرے یا نہ کرے اس کے لیے یا چھوڑنے میں مصلحت ہو یا نہ ہو اس لیے کہ شفعہ کا مستحق اسے لے سکتا ہے چاہے اس میں اس کا فائدہ ہو یا نہ ہو اور یہ حق ہے بچے کے لیے ثابت ہے ولی اسے باطل کرنے کا مالک نہیں لہٰذا بچے کے علاوہ کسی اور کے ترک کرنے کی وجہ سے یہ ساقط نہیں ہوگا جیسے غائب کا کھیل ترک کردے۔

طلب شفعہ اور اثبات دعویٰ میں قاضی کا کردار...... جب شفیع مقدمہ دائر کرے قاضی کی عدالت میں اور شفعہ والے گھر کا دعویٰ کرے تو قاضی پہلے شفیع سے پوچھے گھر کی جگہ اور اس کی حدود کے بارے میں کہ اس کا دعویٰ اس میں حق پر ہے یا نہ پھر پوچھے کہ مشتری نے قبضہ کرلیا ہے یا نہ اس لیے کہ اگر مشتری نے قبضہ نہ کیا تو مشتری پر اس کا دعویٰ صحیح نہیں جب تک بائع حاضر نہ ہو۔ پھر قاضی شفعہ کے سبب کے متعلق شفیع سے پوچھے اور اس کی حدود کے متعلق اس لیے کہ کبھی دعویٰ ایسے سبب سے ہوتا ہے جو صحیح نہ ہو پھر قاضی اس سے طلب تقریر کے متعلق پوچھے کہ کب اور کس کے سامنے جب یہ ساری باتیں ہوگئیں تو دعویٰ صحیح ہے۔ پھر قاضی مدعی علیہ سے سوال کرے شفیع جس گھر کی وجہ سے شفعہ کررہا ہے اس کی ملکیت کے بارے میں اگر وہ شفیع کی ملکیت کا اقرار کرلے تو ٹھیک اگر وہ اس کی ملکیت کا انکار کردے تو قاضی شفیع سے اس کی ملکیت پر گواہ طلب کرے اس لیے کہ ظاہری قبضہ استحقاق کے اثبات کے لیے کافی نہیں لیکن اگر شفیع گواہ پیش کرنے سے عاجز ہوگیا تو قاضی حلف دے مشتری کو کہ اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ شفیع مذکورہ گھر کا مالک ہے لیکن اگر مشتری حلف سے انکار کردے یا شفیع گواہ پیش کردے تو اس کی ملکیت اس گھر میں ثابت ہوجائے گی جس کی وجہ سے وہ شفعہ کا مستحق ہے اور اس کے لیے حق شفعہ ثابت ہے۔ پھر قاضی مدعی علیہ سے پوچھے آیا اس نے اس شفعہ والے گھر کو خریدا ہے یا نہیں؟ اگر اس نے اقرار کرلیا تو ٹھیک اور اگر انکار کردیا تو شفیع سے کہا جائے گا کہ گواہ پیش کرو اس کے خریدنے پر اس لیے کہ شفعہ اس وقت تک ثابت نہیں جب تک بیع دلائل سے ثابت نہ ہوجائے۔

اگر وہ گواہ پیش کرنے سے عاجز آ گیا تو مشتری قسم اٹھائے کہ اللہ کی قسم میں نے یہ گھر نہیں خریدا یا اللہ کی قسم یہ اس گھر میں شفعہ کا مستحق نہیں جس سبب سے یہ کہہ رہا ہے اور اگر مشتری قسم سے انکار کردے یا اقرار کرے خریدنے کا یا شفیع اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کردے تو اس کے لیے شفعہ کا فیصلہ کیا جائے گا اس لیے کہ مشتری شفیع کے طلب شفعہ کا منکر نہیں لیکن اگر وہ انکار کردے تو مشتری کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اگر وہ

طلب مواثبہ کا انکار کردے تو اسے علم پر قسم دی جائے گی یعنی مجھے اس کا معلوم نہیں تھا اور اگر وہ طلب تقریر کا انکار کرے تو اسے یقین پر قسم دی جائے گی۔

یاد رہے کہ شفیع کا مقابل مشتری ہے مطلقاً چاہے مبیع اس کے سپرد ہو یا نہ ہو اس لیے کہ وہ مالک ہے اور بائع سپرد کرنے سے پہلے مالک ہے قبضہ کی وجہ سے۔ لیکن بائع کے خلاف گواہ مسموع نہیں ہوں گے جب تک مشتری حاضر نہ ہو جائے اس لیے کہ وہ مالک ہے اور اس کی موجودگی میں بیع فسخ ہوگی اگر اس نے مشتری کو مبیع سپرد کر دی تو بائع کا حاضر ہونا لازم نہیں اس لیے کہ اس کی ملکیت اور قبضہ اس سے ختم ہوگیا ہے۔

ساتویں بحث: مشتری کے قبضہ میں شفعہ ہونے والی چیز میں تبدیلی آنا.....کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شفعہ کا فیصلہ ہونے سے پہلے مشتری کے قبضہ میں شیء مشفوع چیز پر کچھ تغیرات اور تبدیلیاں آتی ہیں تصرف کی وجہ سے جو ملکیت کو منتقل کردینے والی ہیں جیسے بیع اور ہبہ یا انتفاع کا حق مرتب ہوتا ہے جیسے اجارہ اعارہ یا اس میں اضافہ ہوتا ہے جیسے عمارت درخت وغیرہ یا اس میں کمی آتی ہے جیسے ہلاک ہونا، گرنا نقصان ہونا ان طاری ہونے والے تغیرات اور تبدیلیوں کا شفیع کے حق پر کیا اثر ہے اور کیا شفعہ ساقط ہو جاتا ہے۔

پہلی بات: عقود اور تصرفات.....کبھی مشتری سے خریدی ہوئی چیز میں شفیع کے لیے شفعہ کا فیصلہ ہونے سے پہلے تصرفات ہو جاتے ہیں اور یہ تصرفات یا تو ملکیت کو منتقل کر دیتے ہیں جیسے بیع ہبہ قبضہ کے ساتھ وقف اور مبیع کو نکاح میں مہر کے طور پر دے دینا یا وہ تصرفات حق انتفاع پر مرتب ہوتے ہیں یا انتفاع کو روک سکتے ہیں جیسے اجارہ عاریت اور رھن۔ مذاہب اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بعض تصرفات جو ملکیت کو منتقل کر دیتے ہیں ان کا توڑنا جائز ہے جب قاضی شفیع کے لیے شفعہ کا فیصلہ صادر کرے مبیع میں غیر کا حق ہونے کی وجہ سے جیسے کہ یہ سارے اس بات پر متفق ہیں کہ رہن اجارہ عاریت اور وہ تصرف جس میں شفعہ نہیں ہوتا توڑنا جائز نہیں۔

بیع کی صورت میں شفیع کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو پہلی کے ثمن دے کر عقار کو لے لے یا دوسری کے ثمن کر لے لے اس لیے کہ ان دونوں عقدوں میں سے ہر ایک ثبوت شفعہ کے لیے سبب تام ہے جیسا علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نیز شفیع کا حق ان تصرفات سے پہلے ہے لہٰذا ان کی وجہ سے باطل نہیں ہوگا۔ حنفیہ، مالکیہ اور شوافع کا اتفاق ہے کہ جس چیز میں ابتداءً شفعہ نہیں جیسے وقف ہوگیا مسجد بنا دینا یا قبرستان۔

ہبہ اور وصیت وغیرہ تو اس کو توڑنا جائز ہے حنابلہ کے ہاں اگر مشتری طلب شفعہ سے پہلے مبیع میں تصرف کر دے مثلاً ہبہ صدق یا وقف معین جیسے مسجد یا فقراء یا مجاھدین پر خرچ کرنا یا اسے طلاق خلع اور دم عمد سے صلح کا بدل بنا دے ان چیزوں میں سے جن میں شفعہ ابتداءً نہیں ہوتا تو حق شفعہ ساقط ہو جاتا ہے اس لیے کہ شفعہ کی وجہ سے موقوف علیہ موھوب لہ متصدق علیہ وغیرہ کا نقصان ہے کہ ان کی ملکیت زائل ہو رہی ہے بغیر عوض کے اور ثمن تو مشتری لے گا اور ضرر کو ضرر سے زائل نہیں کیا جاتا۔

اور حنابلہ کے ہاں طلب شفعہ کے بعد مشتری کا تصرف صحیح نہیں اس لیے کہ ملکیت شفیع کی طرف منتقل ہوگئی ہے طلب کی وجہ سے اور اگر مشتری نے خریدے ہوئے حصہ کی وصیت کر دی اگر شفیع نے قبول سے پہلے اسے لے لیا تو وصیت باطل ہو جائے گی اور شفیع کا حق ہے میں برقرار رہے گا کیونکہ موصی لہ پر اس کا حق مقدم ہے اور وصیت قبولیت سے پہلے موت کے بعد جائز ہے لازم نہیں۔

دوسری بات مشفوع کی بڑھوتری اور اس میں اضافہ.....کبھی کبھی عقار میں طبعی طور پر بڑھوتری ہوتی ہے اور کبھی مشتری اس میں اضافہ کرتا ہے عمارت بنا کر درخت وغیرہ لگا کر شفعہ کا فیصلہ ہونے سے پہلے اب ان چیزوں کا مستحق کون ہے شفیع یا مشتری اگر مشتری مستحق ہو تو آیا وہ اپنے حق کا عوض لے گا اور عوض کیا ہے۔

ا۔ طبعی بڑھوتری.....جب مشتری کے ہاتھ میں مبیع میں اضافہ اور بڑھوتری ہو جائے مثلاً درخت پر پھل لگ جائیں۔ خریدنے کے

بعد تو حنفیہ کے ہاں قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ شفیع کا نہ ہو اس لیے کہ یہ مشتری کی ملکیت اور علم کے مطابق ہے اور استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ شفیع کے لیے ہو اس لیے کہ پھل کی پیدائش درخت کے ساتھ متصل ہے گویا اس کے تابع ہیں نیز یہ مبیع سے پیدا شدہ ہیں لہٰذا ثابت شدہ حق کے ساتھ یہ نیا پیدا شدہ ملحق ہوگا جیسے مبیع جب قبضہ سے پہلے بچہ جن دے مشتری بچہ کا مالک ہے والدہ کے تابع کر کے خلاصہ یہ کہ شفیع اسے لے لے گا کیونکہ یہ مبیع کے تابع ہے اصل کے اعتبار سے۔ مالکیہ کے ہاں: شفعہ سے پہلے کا منافع مشتری کے لیے ہے اس لیے کہ ضمان اسی پر ہے کیونکہ استفادہ کی بنیاد ذمہ داری (ضمان) پر ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں بڑھوتری کی دو حالتیں ہیں۔

(الف)......اگر بڑھوتری متصل ہو جیسے غیر ظاہر پھل تو یہ شفیع کے لیے ہے مبیع کو اضافہ کے ساتھ لے لے گا اس لیے کہ جو چیز متمیز نہ ہوسکتی ہو وہ اصل کے تابع ہوتی ہے ملک میں جیسا کہ عیب یا خیار یا اقالہ واپسی کی صورت میں۔

(ب)......اگر بڑھوتری جدا ہو جیسے ظاہر شدہ پھل اور کھلی ہوئی کلی غلہ اور اجرت تو یہ مشتری کی ہے اس میں حنابلہ کے ہاں شفیع کا کوئی حق نہیں اور امام شافعی کے مذہب جدید میں کہ یہ مشتری کی ملک میں پیدا ہوتی ہے لہٰذا مبیع کے تابع نہیں لہٰذا وہ صرف وہی لے گا جو عقد میں داخل ہے اس کے علاوہ رضامندی کے بغیر کسی چیز کا مستحق نہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ دونوں مذہب حنفیہ کے قیاس کے مطابق ہیں۔

۲۔ نیا اضافہ......اگر مشتری مبیع میں کوئی اضافہ کر دے مثلاً عمارت تعمیر کر دے درخت لگائے یا کھیتی بوئے۔

(الف)......وہ کھیتی جس کی انتہاء معلوم ہے تو اس میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ شفیع اسے بطور شفعہ لے گا اور کھیتی مشتری کی ہوگی کہ وہ پکنے تک زمین پر باقی رہے گی اور اس کے ذمہ حنفیہ کے ہاں اجرت ہوگی اس مدت کی جو شفعہ کے فیصلہ اور پکنے کے درمیان ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں کھیتی بغیر کسی اجرت کے باقی رہے گی اس لیے کہ اس نے اپنی ملکیت میں کھیتی کی ہے۔

(ب) رہ گئی عمارت تعمیر کرنے اور درخت لگانے کی حالت......اس صورت میں بھی شفیع کو بطور شفعہ لینے کا حق ہے لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ قیمت کس پر واجب ہے۔

حنفیہ کے ہاں......اگر مشتری عمارت بنائے یا درخت لگائے پھر شفیع کے لیے شفعہ کا فیصلہ ہو گیا تو شفیع کو اختیار ہے چاہے تو مشتری کو اکھیڑنے کے لیے مجبور کرے اور زمین خالی کروائے اس سے اس لیے کہ اس نے اسے ایک ایسے محل میں رکھا ہے جس میں غیر کا حق ہے اس کی اجازت کے بغیر اور انقاض (ملبہ) مشتری کے لیے ہوں گے نہ کہ شفیع کے لیے کیونکہ جدا کرنے کی وجہ سے تبعیت زائل ہوگئی۔ اور اگر چاہے تو زمین کے وہ ثمن دے کر لے لے جو مشتری نے دیئے ہیں اور عمارت اور درختوں کی قیمت دے دے جو ملبہ کی صورت کی مستحق ہے۔

جمہور کے ہاں......اور ان کی رائے درمیانی ہے کہ اگر مشتری درختوں اور عمارت کو اکھیڑنا چاہے تو اسے منع نہیں کیا جائے گا اگر اس میں نقصان نہ ہو اس لیے کہ نہ ضرر پہنچے نہ ضرر پہنچایا جائے اس لیے کہ یہ اس کی ملکیت ہے یہ اس کے ازالہ اور منتقل کرنے کا مالک ہے اور زمین برابر کرنا اس کے ذمہ نہیں اس لیے کہ یہ تعدی نہیں اور اگر مشتری اکھیڑنا اختیار نہ کرے تو شفیع کو اختیار ہے چاہے تو شفعہ چھوڑ دے اور چاہے تو عمارت اور درختوں کی قیمت دے دے اسی حالت میں۔ اور یہی رائے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ اور اختلاف کے کا سبب جیسا کہ ابن رشد فلسفی رحمۃ اللہ علیہ نے بدایۃ المجتہد میں لکھا ہے کہ مشفوع علیہ پر تصرف متردد ہے ایک اس شخص کا تصرف جو ثبوت شفعہ کو جانتا ہے اس میں غاصب کے تصرف سے مشابہت ہے اور دوسرا ایسے مشتری کا تصرف جس پر استحقاق ظاہر ہو جائے جب کہ وہ زمین میں عمارت تعمیر کر دے یا درخت لگالے پس جو اس کے فعل کو استحقاق کے مشابہ قرار دیتے ہیں وہ جمہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ مشتری قیمت لے لے اور جو اس کے فعل کو غاصب کا فعل تصور کرتے ہیں اور وہ حنفیہ ہیں وہ کہتے ہیں شفیع ملبہ کی قیمت ادا کر دے۔

تیسری بات: مشفوع فیہ میں کمی......فقہاء کے ہاں اس موضوع کے متعلق دو رائیں ہیں جو متعارض ہیں ایک حنفیہ کی رائے ہے اور مالکیہ کا مذہب بھی ان کے قریب ہے اور ایک شوافع اور حنابلہ کی رائے ہے۔

حنفیہ کے ہاں......کبھی تو کمی جزو ہوتی ہے توابع زمین کے یا زمین سے متصل ہو یا زمین کا بعض حصہ ہو۔

(الف)......اگر نقص زمین کے توابع کا جزو ہو مثلاً پھل کا ضائع ہونا آلات زراعت اور صناعت کا ہلاک ہونا پھر شفیع کے لیے شفعہ کا حکم ہوا تو ثمن میں سے ان پھلوں اور آلات کی قیمت کم کردی جائے گی چاہے یہ کمی مشتری کے فعل سے ہو اس لیے کہ بیع سے یہی مقصود ہوتا ہے اور مشتری نے اسے لے لیا یا کسی آفت سماوی کی وجہ سے ہو اس لیے کہ یہ معقود علیہ کا بعض حصہ ہے اور یہ بیع میں داخل بھی ہے لہٰذا ثمن کا حصہ اس کا مقابل ہے۔

(ب)......اور اگر کمی زمین سے متصل ہو مثلاً درخت خشک ہو جائیں عمارت گر جائے یا جل جائے اور وہ اسے توڑ دے پھر شفیع کے لیے شفعہ کا فیصلہ ہوا اگر یہ مشتری یا کسی اور کے عمل کی وجہ سے ہے تو ثمن سے زائل ہونے والی چیز کی قیمت کم ہوگی پہلی حالت کی طرح زمین کے بغیر درختوں اور عمارت کی قیمت لگائی جائے پھر ان کے ساتھ لگائی جائے تو شفیع سے اتنی مقدار جو ان کے درمیان میں تفاوت ہے ساقط ہو جائے گی کیونکہ تعدی اور اتلاف پایا گیا لہٰذا اس کے مقابلہ میں ثمن ہوں گے اور ملبہ اس صورت میں مشتری کا ہوگا۔لیکن اگر یہ کسی کی تعدی کے بغیر ہو بلکہ سماوی آفت کی وجہ سے ہو جیسے زلزلہ چیخ یا ہوا تو شفیع پر کل ثمن دینا لازم ہیں اور اس میں سے کوئی چیز ساقط نہیں ہوگی ضائع شدہ حصہ کے مقابل اس لیے کہ کمی کسی کی جنایت کی وجہ سے نہیں اور درخت اور عمارت زمین کے تابع ہیں حتیٰ کہ یہ ذکر کے بغیر بھی بیع میں داخل ہیں لہٰذا ان کے مقابلہ میں ثمن میں سے کوئی چیز بھی نہ ہوگی اس لیے کہ ثمن میں اصل یہ ہے کہ وہ اصل کے مقابل ہوں نہ کہ وصف کے رہ گیا ملبہ اگر اس میں سے کوئی چیز بھی نہ بچی ہو تو پھر کوئی اشکال نہیں لیکن اگر کچھ بچ گیا تو اسے مشتری لے گا اس لیے کہ وہ زمین سے منفصل ہے اور وہ زمین کے تابع نہیں اس کے حصہ کی قیمت ساقط ہو جائے گی لینے کے دن کی اور کچھ میں عقد کے دن کی قیمت لگائی جائے گی اور گھر اور ملبہ کے درمیان ثمن تقسیم کر لیے جائیں گے۔لیکن اگر وہ مشتری نہ لے کہ جدا ہونے کے بعد ہلاک ہوئے ہوں تو ثمن میں سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا اس لیے کہ اس کی جانب ملبہ رکھا نہیں نیز یہ تابع ہے اور تابع کے مقابل ثمن نہیں ہوتے اور شفعہ کے طور پر لینے سے شفیع کی طرف چلا گیا۔

(ج)......اگر زمین کی ذات میں نقصان ہو نہ کہ اس پر موجود درختوں اور عمارت میں مثلاً سیلاب غرق کرے اور بعض کو زائل کر دے تو شفیع کو اختیار ہے شفعہ اور باقی کے لینے میں اس کے حصہ کے ثمن دے کر اس لیے کہ اس کا حق کل میں ثابت ہے اور وہ بعض کو لینے کی قدرت ہے لہٰذا اس کے حصہ کے ثمن دے کر لے کیونکہ بعض ہلاک ہو گیا مالکیہ کا مذہب اجمالی طور پر حنفیہ کی طرح ہے ان کے ہاں مشتری مشفوع فیہ کے کسی جزو کے سماوی نقصان کی وجہ سے ضامن نہ ہوگا یا مشتری کی جانب سے کسی مصلحت کی بناء پر نقصان ہوا ہو جیسے تعمیر کی غرض سے گرا دے یا وسیع کرنے کی غرض ہے تو ضامن نہ ہوگا لیکن اگر اس نے گرا کر عمارت دوبارہ تعمیر کردی تو مشتری کے لیے شفیع پر تعمیر کے دن کی قیمت کھڑی حالت کی کیونکہ تعدی نہیں پائی گئی اور شفیع کے لیے ثمن میں حساب ہوگا ملبہ کی قیمت کا خریدنے کے دن پھر اتنا ثمن سے کم کر دیا جائے گا اور باقی وہ ادا کرے گا شوافع اور حنابلہ کے ہاں: اگر مشتری کے قبضہ میں شئی مشفوع غیر یا بعض تلف ہو جائے تو وہ اس کا ضامن ہے کیونکہ یہ اس کی ملکیت ہے اور اس کے قبضہ میں تلف ہوتی ہے۔

اگر شفیع تلف کے بعد باقی حصہ کو لینا چاہے تو موجود کو اس کے ثمن دے کر لے لے چاہے تلف اللہ تعالیٰ کے فعل سے ہوا ہو یا آدمی کے فعل سے چاہے مشتری کے اختیار سے تلف ہوا ہو جیسے عمارت توڑنا یا اس کے اختیار کے بغیر جیسے عمارت کا گر جانا اور ملبہ اگر موجود ہو تو شفیع اسے زمین کے ساتھ ثمن دے کر وصول کر لے گا اور اگر معدوم ہو تو پھر زمین اور باقی عمارت۔

آٹھویں بحث: شفعہ ساقط کرنے کے اسباب...... جو اسباب حق شفعہ کو ساقط کرتے ہیں وہ شفعہ کی شرائط میں معلوم ہو چکے ہیں اسی وجہ سے مختصر کلام ہوگا یہاں پر اسباب اسقاط یہ ہیں۔

ا۔ جس زمین کی وجہ سے شفیع شفعہ کر رہا تھا اسے فروخت کر دینا فیصلہ سے پہلے...... اگر شفیع شفعہ کے علم سے پہلے یا علم کے بعد اس عقار کو فروخت کر دے جس کی وجہ سے وہ شفعہ کا حق رکھتا تھا تو اس کا شفعہ ساقط ہو جائے گا تمام فقہاء کے ہاں بالا تفاق ابن حزم ظاہری کے علاوہ اس لیے کہ وہ سبب زائل ہو گیا جس کی وجہ سے وہ شفعہ کا مستحق تھا یعنی وہ ملکیت جس کے سبب ضرر کا خوف تھا اس شفعہ کا باطل ہونا ایک منطقی اور بدیہی چیز ہے کیونکہ شفیع سے ضرر ختم ہو گیا جس کی وجہ سے شفعہ مشروع تھا بالا تفاق فقہاء یا پڑوس کی وجہ سے۔

۲۔ شفعہ چھوڑ دینا یا اس سے اعراض...... چاہے اس میں اپنے حق کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو صراحۃً یا دلالۃً اور ضمناً اس لیے کہ حق شفعہ ضعیف حق ہے ہلکے اسباب سے بھی ساقط ہو جاتا ہے اور یہ مذاہب اربعہ میں ہے رہ گیا صراحۃً شفعہ کو سپرد کرنا مثلاً شفیع کہے مجھے اس میں رغبت نہیں یا میں شفعہ کا ارادہ نہیں رکھتا یا میں اسے ساقط کرتا ہوں یا میں اسے باطل کرتا ہوں یا میں اس سے تجھے بری کرتا ہوں یا میں معاف کرتا ہوں یا میں اسے سپرد کرتا ہوں وغیرہ جب کہ یہ سپرد کرنا بیع کے بعد ہو اور شفعہ کا فیصلہ صادر ہونے سے پہلے اس لیے کہ بیع سے پہلے اس کا کوئی حق ہی نہیں جسے ساقط کیا جائے، اور فیصلہ کے بعد وہ اسے ساقط کرنے کا مالک نہیں الا یہ کہ ایسا عقد کرے جو ملکیت کو نقل کر دے رہ گیا دلالۃً شفیع کو سپرد کرنا شفیع سے ایسی بات ظاہر ہو جو عقد پر رضا مندی کو اور مشتری کے لیے اس کے ہونے کو ظاہر کرے مثلاً طلب مواثبہ یا طلب تقریر کو بیع کے علم کے بعد قدرت ہونے کے باوجود چھوڑ دینا کہ فی الفور طلب نہ کرے یا جس مجلس میں اسے علم ہوا اس سے کھڑا ہو جائے یا کوئی اور کام شروع کر دے اس لیے کہ طلب ترک کرنا قدرت کے باوجود عقد کی رضا مندی پر دلیل ہے یا مثلاً شفیع مشتری سے اس کی خریدی ہوئی چیز کے بارے میں سودا شروع کر دے یا اس سے اجارہ کرے اس لیے کہ اس کا بھاؤ تاؤ لگانا شفعہ سے اعراض کی دلیل ہے یا شفیع بائع کا وکیل ہو لیکن اگر شفیع مشتری کا وکیل ہو تو پھر اسے شفعہ کا اختیار ہے اس لیے کہ شفعہ کے طور پر لینے سے اس کا خریدنا ختم ہو جائے گا اس لیے کہ یہ خریدنے کے مثل ہے یہ تفصیل حنفیہ اور بعض حنابلہ اور بعض شوافع کے ہاں ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں راجح قول یہ ہے کہ جب شفیع بیع میں وکیل بن جائے تو اس سے شفعہ ساقط نہیں ہوتا چاہے وہ بائع کا وکیل ہو یا مشتری کا اس لیے کہ وہ وکیل ہے اس کا شفعہ نہیں ساقط ہوتا دوسرے کی طرح رہ گئی تہمت تو وہ مؤثر نہیں اس لیے کہ مؤکل نے ثبوت شفعہ جانتے ہوئے اس کے تصرف پر راضی ہو کر ایسا کیا ہے لہٰذا یہ اثر انداز نہیں ہوگا۔ یہاں شفعہ سپرد کرنے میں دو چیزیں ہیں ایک ولی کا بچہ کے شفعہ کو سپرد کرنا دوسرا شفعہ سے صلح۔

(الف)...... ولی کا شفعہ سپرد کرنا طلب شفعہ کی بحث میں میں نے اس کی وضاحت مختصر انداز میں کر دی ہے شیخین کے ہاں [1] والد یا وصی کا بچہ کے شفعہ کو چھوڑ دینا جائز ہے اس کا حق اس وقت ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ شفعہ کے طور پر لینا تجارت کے معنی میں ہے بلکہ عین تجارت ہے اس لیے کہ مبادلہ ہے مال کے مال کے ساتھ اور اس کو چھوڑنا تجارت کو چھوڑنا ہے تو ولی اس کا مالک ہے جیسے ترک تجارت کا مالک ہے بچے کے لیے کسی شئی کو فروخت کر کے واپس کر لینا جب اب سے کیا جائے یہ مال میں تمہیں تمہارے چھوٹے بچے کے لیے فروخت کرتا ہوں نیز شفعہ نفع اور نقصان میں دائر تصرف کا نام ہے اور کبھی مصلحت کا نہ خریدنے میں ہوتی ہے لہٰذا ثمن اس کی ملکیت میں رہیں گے اور ولایت شفقت کی بنیاد پر ہے۔

مالکیہ نے اس میں تفصیل کی ہے اگر ترک شفعہ کسی مقصود کی وجہ سے ہو تو والد اور وصی کا اسے ساقط کرنا صحیح ہے ورنہ نہیں اور قاصر کے لیے

---

[1]...... تبیین الحقائق ۵/۲۶۳

جب بالغ ہو طلب شفعہ ہے۔ امام زفر محمد اور حنابلہ کے ہاں ولی کو بچے کے شفعہ کو ساقط کرنے کا اختیار نہیں چاہے کسی مصلحت کی وجہ سے ہو یا نہ ہو اور صغیر کو بالغ ہونے تک شفعہ کا اختیار ہے ولی اس کے باطل کرنے کا مالک نہیں جیسا کہ اس کی دیت قصاص وغیرہ نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ یہ ضرر دفع کرنے کے لیے مشروع ہے پس اس کا باطل کرنا بچے کا نقصان ہے۔

حنفیہ کے ہاں یہ اختلاف وکیل کا طلب شفعہ کو چھوڑنے میں بھی جاری ہوتا ہے امام ابوحنیفہ کے ہاں قاضی کی مجلس میں اگر اس نے عقد چھوڑ دیا تو یہ درست ہے اس لیے کہ وکیل مؤکل کا قائم مقام ہوتا ہے خصومت میں اور اس کا محل قاضی کی مجلس ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وکیل کے لیے قاضی کی مجلس اور اس کے علاوہ بھی شفعہ چھوڑنا صحیح ہے کیونکہ یہ مؤکل کا نائب ہے امام محمد اور امام زفر کے ہاں وکیل کی جانب سے شفعہ چھوڑنا بالکل درست نہیں۔

(ب) **شفعہ سے صلح**.....حنفیہ کے ہاں ❶ اگر شفیع نے اپنے حق شفعہ سے صلح کر لیا عوض لے کر تو اس کا شفعہ ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس کا فعل عوض کے متضمن ہو گیا ہے اور اس پر عوض کرنا واجب ہے کیونکہ صلح باطل حق کو فروخت کرے اس لیے کہ شفعہ صرف حق تملک ہے جب کہ یہ شفیع سے نقصان دور کرنے کے لیے مشروع ہے اس حق کے بدلہ میں عوض لینا درست نہیں اور یہ عوض رشوت ہے۔

خلاصہ یہ کہ صلح تو اگرچہ صحیح نہیں لیکن حق شفعہ کا ساقط ہونا صحیح ہے اس لیے کہ اس کی صحت عوض پر موقوف نہیں بلکہ وہ تو حقوق مالیہ میں سے ہے اس کا معاوضہ لینا درست نہیں گویا شفیع نے شفعہ بلا عوض چھوڑ دیا۔

۳۔ **ضمان درک**.....حنفیہ کے ہاں جب شفیع مشتری کے لیے بائع کی جانب سے درک کا ضامن بن گیا تو شفعہ ساقط ہو گیا اس لیے کہ یہ اس نئی بیع کی رضامندی پر دلیل ہے جیسا کہ جب بائع خیار شرط رکھے شفیع کے لیے بیع ہونے میں پھر بیع ہو جائے خیار کے بعد پر تو اب بیع مکمل ہو گئی اور یہ میرے علم کے مطابق اتباع کے زیادہ لائق رائے ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... جب شفیع عہدہ اور ضمان درک کا ضامن بن جائے مشتری کے لیے تو اس سے شفعہ ساقط نہیں ہوتا یا اس کے لیے خیار ہو وہ عقد ہونے کو اختیار کرے تو اس کا شفعہ ساقط نہیں ہوتا اس لیے کہ شفعہ ساقط ہوتا ہے اسے بیع کے ذریعہ ثابت ہونے کے بعد اور یہ بات پائی نہیں گئی اس لیے کہ یہ سبب ہے جو ثبوت شفعہ سے پہلے ہے پس اس سے شفعہ ساقط نہیں ہوگا جیسے بیع کی اجازت اور بیع مکمل ہونے سے پہلے شفعہ معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔

۴۔ **شئی مشفوع میں اجزاء**.....فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شفعہ ایک ایسا حق ہے جو اجزاء ہونے کو قبول نہیں کرتا جب شفیع بعض مثلاً نصف حصہ میں شفعہ کرنا چھوڑ دے تو کل مبیع میں اس کا حق ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ جب اس نے نصف میں اپنا حق چھوڑا تو اس میں صریح طور پر اس کا حق باطل ہو گیا اور اس لیے کہ وہ مشتری پر تفریق صفقہ کا مالک نہیں لہٰذا کل میں شفعہ ساقط ہو جائے گا مشتری کے ضرر کو روکتے ہوئے جو تفریق صفقہ کی وجہ سے اور ضرر کو ضرر سے زائل نہیں کیا جاتا لیکن جیسا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہے اور احناف کے ہاں یہی رائے راجح ہے نصف مشفوع غیر میں طلب کی وجہ سے شفعہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ شفیع کو اختیار ہوگا کہ کل لے لے یا کل کو چھوڑ دے اور جب شفعاء زیادہ ہوں تو ان میں سے بعض کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو ہبہ کر دے اگر کسی ایک نے ایسا کیا تو اس کا شفعہ ساقط ہو جائے گا م (۱۰۴۲) ❷ مجلّہ اگر ان میں سے کسی ایک نے اپنا حق ساقط کر دیا حاکم کے حکم سے پہلے دوسرے شفیع کو اختیار ہے کہ وہ ساری عقار لے لے لیکن اگر اس نے حاکم کے حکم کے بعد ساقط کیا تو دوسرے کو اس کا حق لینے کا اختیار نہیں م (۱۰۴۳) مجلّہ۔

---

❶ البدائع ۵/ ۲۰۔ ❷ البدائع: ۵/۵

۵۔ شفیع کا مر جانا...... حنفیہ کے ہاں شفیع کے مرنے سے حق شفعہ ساقط ہو جاتا ہے چاہے طلب مواثبہ اور شہادت سے پہلے مرے یا بعد میں فیصلہ کر لینے سے پہلے یا مشتری کے سپرد کرنے سے اس لیے کہ حق شفعہ میں میراث جاری نہیں ہوتی جیسے خیار شرط میں اس لیے کہ حقوق میں حنفیہ کے ہاں وراثت جاری نہیں ہوتی نیز موت کی وجہ سے شفیع کی ملکیت زائل ہو گئی اس گھر سے اور بیع کے بعد وارث کے لیے ثابت ہو گئی اور مطلب یہ ہے کہ ملکیت بوقت بیع ثابت ہے البتہ مشتری کے مرنے سے شفعہ باطل نہیں ہوتا کیونکہ مستحق باقی ہے اور اس کے حق کا سبب تبدیل نہیں ہوا۔

ظاہریہ اور حنابلہ نے تفصیل کی ہے اس معاملہ میں کہ...... شفعہ طلب کرنے سے پہلے شفیع مر گیا تو اس کا شفعہ ساقط ہو گیا❶ اس کے وارث کو بطور شفعہ لینے کا حق نہیں کسی طرح بھی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حق دیا ہے نہ کے غیر کو اور اختیار میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ لیکن اگر شفیع نے طلب شفعہ پر گواہ بنا دیئے پھر مر گیا تو اس کے ورثاء کو شفعہ کے مطالبہ کا حق ہے اس لیے کہ گواہ عاجز ہونے کی صورت میں اصل کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

یہ تفصیل انہیں مذہب حنفی کے ساتھ اتفاق کی طرف لے جاتی ہے کہ طلب سے پہلے شفعہ میں میراث نہیں مالکیہ اور شوافع کے ہاں❷ حق شفعہ میں میراث جاری ہو گی اگر شفیع طلب کے بعد اور لینے سے پہلے مر گیا تو شفعہ میں وراثت جاری ہو گی ان کے ہاں اس لیے کہ یہ اختیار ہے جو مال کو لاحق ضرر کو دور کرنے کے لیے ثابت ہے لہٰذا خیار عیب کی طرح میراث ہو گی۔

ظاہر یہ ہے کہ جیسا کہ ان دونوں مذہبوں کے متعلق دوسروں کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حق شفعہ قابل میراث ہے اگر چہ شفیع کی طلب سے پہلے ہی ہو کیونکہ ان کی عبارتیں مطلق ہیں لیکن حق بات یہ ہے کہ شوافع کے ہاں طلب شرط ہے ورنہ شفیع کا حق ساقط ہو جائے گا پس ان کا مذہب حنابلہ کی طرح ہو گیا۔

خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے ہاں طلب کے بعد بھی شفعہ میں میراث جاری نہیں ہوتی اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں جاری ہوتی ہے اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب شفیع شفعہ کا فیصلہ ہونے سے پہلے مر جائے لیکن اگر وہ فیصلہ کے بعد اور ثمن ادا کرنے اور مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے مر گیا تو بالاتفاق بیع ان کے ورثہ کے لیے لازم ہے۔

شفعہ ساقط کرنے والی چیزوں میں کلام سے ہمارے سامنے درج ذیل حقائق آتے ہیں۔❸

۱...... شفعہ حق ضعیف ہے اس کو طلب سے پختہ اور مؤکد کرنا واجب ہے۔

۲...... شفعہ مشروع ہے شفیع کے ضرر کو دور کرنے کے لیے اور وہ شریک ہے تمام فقہاء کے ہاں بالاتفاق اور حنفیہ کے ہاں پڑوسی بھی ہے۔

۳...... شفعہ مشتری کے لیے تفریق صفقہ کے ذریعہ ضرر و نقصان کا سبب نہ بنے کہ جب شفیع شفعہ طلب کرے تو اس میں مبیع کا صرف بعض حصہ لے۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ جلد ۶ کا ترجمہ بفضل اللہ سبحانہ وتعالیٰ مکمل ہوا

رب تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور سامان آخرت بنائے۔ آمین ثم آمین

بروز منگل بوقت ۱۰ بجے، رات ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ، مطابق ۱۱ مئی ۲۰۱۰ء

---

❶...... المحلی ۹/۱۱۷۔ ❷ بدایۃ المجتہد ۲/۲۶۰۔ ❸ الاموال ونظریۃ العقد للمرحوم موسیٰ: ص ۲۳۸